بابا محمد یحییٰ خان

کاجل کوٹھا

ظاہر و باطن کے عالمِ مکشوف....

ختم نبوت ﷺ زندہ باد **عظمت صحابہ زندہ باد**

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- ❖ گروپ میں صرف کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی و غیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- ❖ گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- ❖ سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- ❖ تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- ❖ ہمارا اردو کتب کا وٹس گروپ جوائن کرنے کے لئے درج ذیل لنکس پر کلک کریں ہر دو کیٹیگری میں صرف ایک ہی گروپ جوائن کریں اگر پہلے سے جوائن ہیں تو اس کو سکپ کر دیں۔ عمران سیریز کے شوقین عمران سیریز گروپ جوائن کر سکتے ہیں۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے

اردو بکس 1	https://chat.whatsapp.com/EFrs3uGTgEm2319kK0wfu2
اردو بکس 2	https://chat.whatsapp.com/Ke9odWnuu7T9zRUGgYEcYV
اردو بکس 3	https://chat.whatsapp.com/IEl5cejf7Xc0b1HjApSyxI
اردو بکس 4	https://chat.whatsapp.com/J2HwtCI39spKjifu3aC61i
1 New💖Books	https://chat.whatsapp.com/EFrs3uGTgEm2319kK0wfu2
2 New💖Books	https://chat.whatsapp.com/D9yLIpv8dLVJHLjuVNIAtk
3 New💖Books	https://chat.whatsapp.com/I5dFInQasVTLcmKrbpa1bv
عمران سیریز 1	https://chat.whatsapp.com/Ggokw9DndA68GCuURnNA2H
عمران سیریز 2	https://chat.whatsapp.com/C11xpIXfws3JRqn8gSt3LZ

گروپ فل ہونے کی صورت میں ایڈمن سے وٹس ایپ پر میسج کریں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے ریموو کر دیا جائے گا اور بلاک بھی کیا جائے گا۔

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد **پاکستان پائندہ باد**

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

© OneUrdu.com

الٰہی! یہ کس نگر کے لوگ ہوتے ہیں......؟

- دُرویشی، ریت کا ذرا سا ذرّہ نہیں ہوتی اور نہ ہی مُٹھی بھر ریگ کی مانند ہے۔ یہ تو ادب، خِدمت، اطاعت اور رِیاضت کے اَن گِنت اَربوں کھربوں ذرّوں کا خشک صحرا ہوتا ہے...... چکا چوند اُجالے میں سَراب اور گھٹا ٹوپ اَندھیرے میں قُطبی تارا...... حاصل گھاٹ تو کبھی بگڑے بَیل کا ٹاٹ، دلقِ اویسؓ تو کبھی کاسۂ قیس یہ فغانِ یعقوب بھی ہے اور کبھی صبرِ ایوب بھی، یہ درفش کاویانی بھی ہے اور عصائے سُلیمانی بھی ہے یہ ہُنر آذری بھی ہے اور سحر سامری بھی ہے......!

- مَیں دُرویشی کی راہ کا کمزور سا مُسافر ہوں، زادِ راہ ہے نہ ہی ہمت و سکت، دَر دَر بھٹک رہا ہوں، ٹھوکریں، رُسوائیاں، رتجگے، جاں ماریاں میرا نصیب ہیں۔ مُجھے یہی حکم ہے کہ چلتے رہو...... اللہ کی زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، صحرا، جنگل، ویرانے، گل خانے تمہارے منتظر ہیں، جاؤ! اِن سے آشنائی پیدا کرو، پیادہ، جانوروں کی پیٹھ، گول پہیوں والی مشینوں پہ...... آہنی پَروں والے پرندوں پہ...... سمندروں کے سینوں پہ تیرتے ہوئے راج ہنسوں پہ کہ دُرویشی دَریوزہ گری نہیں...... دریدہ دَری اور رفو گری ہے۔

- گندہ کرنا ایسا مُشکل نہیں جتنا مُشکل پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ سَرسراتی ہوا کی مانند مست خرامی کبھی ایسی سوہانِ رُوح نہیں ہوتی جیسی حالتِ قید و قیام، رُوح فرسا ہوتی ہے...... کہہ بول لینا دینا بھی اتنا دُکھ درد کا باعث نہیں ہوتا جتنا کہ چُپ گُم، جان جلاتی ہے۔ چکی کا قُطب خُود تو دھرا، کھڑا، گڑا اور پڑا رہتا ہے مگر مدار کے اندر پتھر پاٹوں کو جمائے، چلائے، بھگائے رکھتا ہے...... آسمان، ستاروں سے زمین، ذرّوں سے...... سمندر، قطروں سے اور دشت و دمن، اشجار و اثمار سے جل تھل ہوتے ہیں......!

© OneUrdu.com

© OneUrdu.com

رحمت

● کالیاں اِٹّاں کالے روڑ
مینہ وَرسا دے زور و زور

© OneUrdu.com

برکت

© OneUrdu.com

ضوابط

مشاورت ومعاونت

نورالحسن

''بسم اللہ'' خطاطی وعمل

شفیق فاروقی

سرورق وپس ورق

جنید علی سنی
مختار احمد خان

انتساب عمل

تبسم

تصویر کشی

رحیم اللہ خان

معاون کتابت

محمد مصور امین

اہتمام

راشد سلیم
رضوان بھٹی

891.4393 Muhammad Yahya Khan, Baba
Kajal Khotha / Baba Muhammad
Yahya Khan.- Lahore : Sang-e-Meel
Publications, 2010.
968pp.
1. Urdu Literature - Novel.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2010
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
سے شائع کی۔

بابا محمد یحییٰ خان
412- نرگس بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 042-7844838
موبائل: 0300-9417829,0333-9417829
0322-9417829,0312-9417829

بوجوہ چند نام ومقامات اور واقعاتی کوائف وبیان میں چنداں ترمیم، تخریج وتخصیص ناگزیر تھی..... کوئی بھی مطابقت، مماثلت محض اتفاق ہوگی

ISBN-10: 969-35-2288-5
ISBN-13: 978-969-35-2288-4

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 37220100-37228143 Fax: 37245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

© OneUrdu.com

کاجل کوٹھا

بابا محمد یحییٰ خان

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

© OneUrdu.com

سپاس

بڑے باباجیؒ

سُفیداں بائیؒ' کالے خان

حافظ عطا محمد کاشمیریؒ' بابا رحمٰن کاشمیری گلمرگ

بابا بالی شاہؒ... کشمیرے سنگھ' سوامی گھور گھو

سائیں وحیرے چند... شاہ بابا نابینا... رام راکھی'

گلابی جان' صوفی عبدالکریم کلیار (درگاہ حضرت بل شری نگر)

سلیمان اُفقیؒ' ابوطلحہ عمانی' نبیل عمانی' مشہود الرحمٰن گیلانی'

مسعود الرحمٰن گیلانی' شارق بطل' چندے نیناں والے

حضرت بیات بیگ' عبدالغفور (مینغائل منتال)

شاہ بابا نابینا' سید عبداللہ' پکارا چولابا'

ایلک جوزف' بابا سبحان اللہؒ

خان بابا افغانیؒ' جی جان جی

فتح خان شروانی

ن' ذ' ف

ف' ش' ذ' ن... لا فیل قوف

© 5 OneUrdu.com

صاحب

● دَر دَر دی دُرّ دُرّ نالوں دُرّ بَن جا اِک دَر دا
صاحب معاف کرے تقصیراں تے رَہہ جاوے کُجّ پَردا
اِس پَردے دا اُہہ دَر ضامن جس دَر دا تُوں بَردا
بُلھے شاہ جے پھریے دَر دَر فیر صاحب معاف نہ کردا

© OneUrdu.com

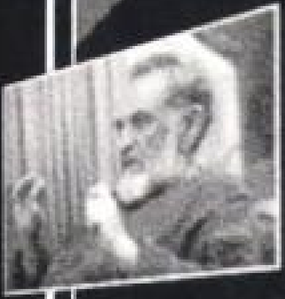

آپ
کی
نذر

مُندری ہاں کہ چھلّی ہاں
صاحب تیری بَندی ہاں

© OneUrdu.com

داستان سرائے

© OneUrdu.com

بارے کچھ اس کتاب......

- کتاب کی شُروعات میں ہی شاہی محلّے کے ایک رنجیت شاہی کوٹھے کا کچھ احوال ہے...... جس کی چکردار شکستہ سیڑھیوں پہ ٹُوٹے دَم چڑھتے چڑھتے میں بالآخر اُس کی انتہائی منزل کی چھت پہ پہنچا کرتا تھا جہاں ٹاٹ ٹین اور لکڑی کی پھٹیوں سے بنے ہوئے بے ڈھنگے سے کمرے کی ایک جھلنگی کھاٹ پہ دھرا ہُوا ایک نسوانی وُجود کا تباہ حال ''کوٹھا'' میرا منتظر ہوتا۔ میں اس کے لئے پیچھے سے بری پائے کا شوربا اور اُمرتسریوں کے تندور سے کُلچے لے کر جایا کرتا تھا۔ ہاں' میں یہ بتانا بھول گیا کہ اس دوران بُد بُد' المعروف جموں را کالے یعنی کالے خان میری جان کا جالا بنا میرے ساتھ ساتھ رہتا۔ یہ کالے خان اور کوٹھے والا نسوانی وُجود' کون تھے اَور کیا تھے یہ آپ کو کتاب کے مُطالعہ سے معلوم ہوگا۔ سَردست بات ''کاجل کوٹھے'' کے کوٹھے پہ چڑھتی ہے۔

میرا مزاج اس موسیقار کی طرح ہے جس کے ہاں دُھن پہلے تخلیق ہوتی ہے اور بولوں کی بھرت بعد میں' کہ یہی صحیح تخلیقی طریقہ ہے۔ اصل چیز تو بُنیاد ہے جو پکّی اور سیدھی ہونی چاہئے...... اُس پہ بعداً جو چاہو' جیسا سمجھو تعمیر کر لو...... میری دیگر کُتب کے سَرناموں کی طرح ''کاجل کوٹھا'' جیسا عُنوان بیس برس سے بھی پہلے میرے ہاں اُتر چکا تھا لیکن اس پہ لکھنے کے مَواقع' وقت اور وَسائل ہاتھ نہیں لگ رہے تھے۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور لکھنے کی جانب کوئی پیش رفت نہ ہوئی تو تنگ پڑ کر' وقت گزاری کی خاطر جو نوکِ قلم آیا لکھتا چلا گیا۔ اسی طرح تین چار کتابیں معرضِ وُجود میں آ گئیں۔ اَب جو قلم کُھلا تو ''پیار رنگ کالا'' بھی منظر پہ آ گئی...... یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد یقین یہی تھا کہ اب ''کاجل کوٹھا'' بھی لکھی جائے گی اور اس موضوع کی بابت جو مواد مسالہ' اندر کُلبلا رہا ہے باہر نکل آئے اور مجھے اک عذاب مسلسل سے نجات مل جائے گی۔ اَب جو لکھنے بیٹھوں تو سمجھ نہ آئے کہ خشتِ اوّل کس رُخ رکھوں...... میری عجیب سی عادت کہ جب کسی بھی معاملہ میں اُلجھن پیدا ہو جائے تو میں جُوتا پگڑی سنبھالے کہیں کالے کوسوں کے سفر پہ نکل لیتا ہوں۔ ایسا سفر جس کی نہ کوئی منزل' ساتھی نہ رہبر' زادِراہ کا اہتمام اَور نہ وقت کی قید' بس چل سو چل...... جدھر ہوا چلی' چل دیئے۔ تھک گئے تو بیٹھ لیٹ لیے۔ مل گیا جو سو کھا لیا...... دُنیاداری' وقت پیسہ'

© OneUrdu.com

بال بچے داری...... زندگی موت، سہولت و آرام وغیرہ کا دھیان رکھنے والے، بادیہ پیمائی یا جہاں نوردی کے لئے موزوں نہیں ٹھہرتے...... ہر طرح سے مادر پدر آزاد دیوانے ہی ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں اور مَیں تو تھا ہی جہاندرو پاگل......!

خاصی کھجل خواری کے بعد مَیں وسطی ایشیا سے ہوتا ہُوا ریاست جموں کشمیر پہنچا تھا کہ یہاں مجھے جسمانی، ذہنی، باطنی اور رُوحانی تھکن دُور کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جموں اُترتے ہی یکدم جیسے میرا اندر بول اُٹھا کہ ”کاجل کوٹھا“ کا دِیا یہیں سے جلے گا۔ آنے کو تو مَیں یہاں پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا مگر اس بار تو میرے اندر باہر کی کیفیت ہی جُداگانہ تھی۔ ہوٹل میں کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد، مَیں نے سب سے پہلے حضرت بابا بالی شاہؒ کے مزار پہ حاضری ضروری سمجھی...... فاتحہ سے فارغ ہو کر سامنے پُرانے قبرستان کی جانب آ نکلا۔ اِدھر توی کے کنارے سادھو سَنت پڑے رہتے ہیں۔ یہاں فاتحہ دُعا کے بعد مَیں ان فقیروں میں لنگر تقسیم کرنے بیٹھ گیا۔ ان مستوں سے نپٹنا کچھ ایسا آسان نہیں ہوتا۔ ان میں زیادہ تر منشیات کے عادی، دو نمبر، جرائم پیشہ ہوتے ہیں۔ کچھ مجنوں دیوانے اور کہیں کوئی اللہ سے لَو لگائے ہوئے مجذوب بھی دکھائی دے جاتا ہے۔ مَیں انہیں خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ اسی دوران، اچانک میری نظر ذرا دُور ایک ننگ دھڑنگ مجذوب پہ پڑی جو ایک بیٹھی ہوئی قبر کے کنارے پہ بیٹھا ہُوا میری ہی جانب دیکھ رہا تھا...... نظر سے نظر ملتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا اس باوا سے سینگ پھنسیں ہی پھنسیں۔ ایک کشمیری قہوہ والے سے اپنے لئے قہوہ لیا اور ایک گلہڑ قہوہ اور لنگر، اسی کے ہاتھ اُس باوے کو بھی بھجوایا۔ اَب جو مَیں نے چور نظروں سے اُس کو دیکھا تو وہ گرم گرم اُبلتا ہوا قہوہ اپنے سَر پہ اُنڈیل رہا تھا اور یُوں مسرور دکھائی دے رہا تھا جیسے شدید اُمس اور گرمی میں کوئی برفاب اپنے اُوپر ڈال رہا ہو۔ مَیں زیرِلب مسکراتے ہوئے سوچنے لگا، باوا نے بڑی شتابی اپنا تعارف کروا دیا۔ قہوہ چُسکنے کے بعد زاویہ نگاہ بدلے پھر جو اُدھر دیکھا تو وہ غائب...... دائیں بائیں دیکھنے پہ بھی جو دکھائی نہ دیا تو مَیں اُٹھ کر قبر کے پاس پہنچ آیا...... آگے جُھکتے ہوئے جو بیٹھی قبر میں جھانکا۔ باوا آرام سے قبر کی گیلی گاد پہ اَدھ لیٹا، میری جانب دیکھ رہا تھا۔ ایک آدھ روز پہلے اِدھر جموں میں خوب بارش ہوئی تھی۔ قبرستان کی بُھربُھری مٹی گل گاد بنی ہوئی تھی۔ مَیں خود دھنسے قدموں کھڑا تھا۔ باوا نے ہاتھ اُوپر بڑھا کر شاید باہر نکلنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے تھام کر جب اُسے قبر سے نکالنے کی کوشش کی، تو گیلی مٹی میں دھنسے میرے پاؤں پھسل پڑے...... دھڑام ریڑھتا ہُوا قبر کے اندر...... نیچے مُردہ اُس پہ باوا اور اُس کے گود میں...... کپڑے، مُنہ ناک، ہاتھ پاؤں سب کچھ برابر تھا۔ باوا

© OneUrdu.com

کبھی کبھی ہنس رہا اور میں کٹے کھائی پاڑہ مُرغی کی مانند بِٹ بِٹ اُوپر آسمان کی جانب تک رہا تھا جدھر چند چیلیں اِدھر اُدھر جھپٹنے کے لئے پَر تول رہی تھیں…… کسی نہ کسی طور باہر نکلا اور باوا کو بھی کھینچ کھانچ باہر کیا…… باہر نکلنے پہ باوا نے کھی کھی کرتے ہوئے میرا بازو تھاما اور توی ندی کی جانب گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ اُدھر پہنچ کر وہ چھلانگتے پھلانگتے پانی میں مستیاں کرنے لگا اور میں اپنے کپڑوں کی مٹی دھونے بیٹھ گیا……

کچھ دیر بعد وہ میرے پاس آ براجمان ہُوا۔

”کیسے سینگ پھنسے…… مزہ آیا؟ تیرے لاہور میں جموں را کالا بیٹھا ہے۔ وہ سُفیداں بائی بھی اپنی قبر کھودے پڑی ہے…… اُن سے ملنا اور میرا آشیرواد دینا۔“

چند لمحے میری آنکھوں میں گھورتے ہوئے پھر گویا ہُوا۔

”تم نے کبھی اپنے گھر کے کوٹھے کے علاوہ کوئی اور کوٹھا دیکھا ہے؟“

میرے اَندر تَل سے کھڑکنے لگے کہ کاجل کوٹھے کی بات جو میرے دِل میں تھی' باوا اَب اسے ضرور کوٹھے پہ چڑھائے گا…… میں کیا جواب دیتا' ڈیلے گھماتے ہوئے باوا کو دیکھا کیئے۔

پھر خود ہی مسکرا کر باوا بتانے لگا۔ ”طوائف وَلیہ بھی ہو لیکن کہلائے گی طوائف ہی۔ اِسی طرح کوٹھا بھلے دَرس گاہ ہی کیوں نہ ہو' اس کی شہرت کوٹھا ہی ہوگی…… گھر کے کوٹھے اور طوائف والے کوٹھے میں سُرمے اور کاجل جیسا فرق ہوتا ہے۔ آنکھیں سُرمے سے سُرگیں اور نیناں' کجل سے کجرائے جاتے ہیں۔“

میں ہونقوں کی مانند اِن کی مُشکل سے سمجھ میں آنے والی باتوں پہ غور کر رہا تھا کہ باوا مزید کہنے لگا۔

”ایک کاجل کوٹھا بھی ہوتا ہے۔ جس میں کالک کے سِوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی محض اس کے اَندر جھانکا ہی لگا لے تو بھی وہ باہر بھیتر سے کالا شاہ ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے محض کاجل کوٹھا کا نام ہی سُن اور سنبھال رکھا ہے' کبھی اس کو دیکھا نہیں۔ کاجل کوٹھے کو جاننا اور لکھنا چاہتے ہو تو سامنے تین کاجل کوٹھے ہیں ایک اِدھر شری نگر' دوسرا شاہی محلّہ لاہور اور تیسرا تیرے اپنے اَندر……“

قارئین! اِس کتاب میں اِن کوٹھوں کا بقدرِ ضرورت ذکر موجود ہے۔ ہاں' باوا نے جِن مزید کوٹھوں کی نشاندہی کی' اس سے میں نے کچھ مزید سمجھا اور جانا کہ کاجل کوٹھے کا اِستعارہ دَرویشی دفتر میں کِن کِن کیفیتوں اور معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے…… کاجل کوٹھے کے نام نے تو مجھے پہلے ہی جکڑ رکھا تھا اَب اِس باوا نے مجھے اِک نئی جہت پہ ڈال دیا تھا۔ کاجل کوٹھا' کاجل کوٹھا' کاجل کوٹھا…… جیسے میرے اَندر باہر کا وِرد بن کر رہ گیا۔

@ OneUrdu.com

انسانی کلبوت کے اندر اک جہاں سمایا ہوا ہوتا ہے لیکن فقیر درویش.. کلبوت کے اندر کو کوٹھے' حجرے' تکلی' ڈیرے جیسے وسیع المطالب استعاروں سے تعبیر کرتے ہیں...... کوٹھے کے ساتھ جب لفظ کاجل جڑ جاتا ہے تو کوٹھا پھر تصوف کے کوٹھے پہ چڑھ جاتا ہے۔ باوا نے مجھے مزید بتایا کہ جس قبر میں لڑھکا تھا وہ گری چھت کا کوٹھا ایک طوائف کا تھا...... چھت بیٹھ جائے تو کوٹھا' اکوٹھا ہو جاتا ہے۔ میں اس کی بیٹھی قبر کے اکوٹھے کے نقصان کا اندازہ کر ہی رہا تھا کہ تم اپنے کاجل کوٹھے کا مسئلہ لے کر بیچ میں آ گئے...... کوٹھا طوائف کا ہو یا درویش کا دونوں کا مقصد آنے والوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنا ہے۔

قارئین! یہ تھی ابتدا' کاجل کوٹھے کی...... اس باوا سے ملاقات کے بعد پھر اک زمانہ' میں دربدر خاک چھانتا رہا...... قلم اٹھاتا پھر رکھ دیتا کہ اندر سے لکھنے کے لئے کچھ برآمد ہی نہیں ہوتا تھا...... میں یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتا کہ شاید ابھی وہ لمحہ مقصود نہیں آیا جس میں لکھنے کا امر کھلنا مقسوم ہے...... قصہ' کوتاہ! پہلا کاجل کوٹھا' شری نگر کے انتہائی نواح' ڈل کے اس پار کنارے پہ پس ماندہ سی ٹاپو نما ایک جگہ پہ دیکھا...... جس بزرگ کے وسیلے وساطت سے میں نے یہ سب کچھ دیکھا' سمجھا اور جانا وہ اپنے وقت کے ابدال تھے...... ان سے ملاقات اور نشست برخاست کا احوال نہایت مختصر سا ہے کہ اس سے زیادہ لکھنے کا امر نہیں تھا۔ یہیں مجھ پہ یہ عقدہ بھی کھلا کہ پچھلے چودہ پندرہ برس جو کاجل کوٹھا کے سلسلہ میں مشکلات کی مد میں بیتے یہ کچھ خالی از مصلحت نہیں تھے۔ ابھی تو میرا اپنا کاجل کوٹھا کچا پکا تھا...... اس کی کالک میں پکائی' گہرائی' سوگندی اور چپچپی نہیں تھی۔ توے کے تھلے' ہنڈیا کے چھلے کی سیاہی...... ٹیڑھی کنالی لگن کے ٹھکن کے کالے کلر اور اُلٹے ماٹ کی چکٹ کالک' آپس میں زمین' مابین اور آسمان سا فرق رکھتے ہیں۔ سُرمہ کالا نہیں سُرمئی ہوتا ہے۔ کاجل تو شبِ تار کی تاریکیوں کا تیز تلچھٹ' جو کہ ہر رات کے راہی کا مقدر نہیں ہوتا۔ مجھے کچھ اور رواں ہونا تھا...... میرے مشاہدات و تجربات میں گہرائی تو تھی مگر وہ گیرائی نہیں تھی جو اس موضوع پہ قلم کھولنے کی متقاضی تھی۔

گلستان میں کچھ ایسے کُنج اور قطعے روشیں جو عام نظر میں نہیں ہوتیں...... ادھر کچھ خاص پودے پنیریاں' گل بوٹے اُگے اور اُگائے گئے ہوتے ہیں۔ ادھر اٹھلانے والی ہوائیں' چہکنے والی چڑیاں' بلبلیں اور بھونرے بھی عامی نہیں ہوتے۔ ادھر اُترنے والی پگڈنڈیاں بھی کشادہ' آراستہ نہیں ہوتیں' مگر کوئی تو ہوتے ہیں جو ادھر بھی جھانکتے ہیں...... راہ کی آڑ باڑ پھلانگتے ہیں۔ پونم کا چاند تو صحن' دالان سے بھی دکھائی دیتا ہے مگر دوج کا چاند اگر جھلک دکھا سکتا ہے تو وہ جگہ کوئی کوٹھا ہی ہو سکتا ہے کہ قطبی تارا بھی

© OneUrdu.com

کسی مخصوص اَنگ زاویے سے ہی جلوہ دکھاتا ہے۔

جب اپنا کاجل کوٹھا پکا نگاہوں میں ٹھہر گیا تو پھر اس کتاب پہ لکھنے کے مراحل شروع ہوئے...... جہاں بھر کی کالکوں کو سمیٹنے کے بعد کاجل کوٹھا بنا...... اس کتاب کے اندر باہر سیاہیاں ہی سیاہیاں دکھائی دیں گی...... میری دسترس میں اتنی ہی تھیں...... میرے علاقے میں ایک کوٹھی' کالی کوٹھی' کے نام سے مشہور ہے۔ میں اکثر گزرتے ہوئے اُس جگہ کو دیکھتا ہوں...... میں بھی اپنے عارضی گھر کا نام کاجل کوٹھا رکھنا چاہتا ہوں۔ کاجل بلاک' کاجل ٹاؤن اور کاجل نگر...... مگر میں شاید ایسا نہیں کر سکتا کہ ہم سیاہ سوچوں' کرتوتوں میں کالی داس تو ہو سکتے ہیں مگر کالی رنگت کو پسند نہیں کرتے...... ہم نے کالا رنگ' سوگ کا رنگ بنا رکھا ہے' کالا سوٹ کالے کپڑے' میت والے گھر' افسوس کے لئے مخصوص کر رکھے ہوتے ہیں۔ سیاہ دن' بلیک وارنٹ' کالا پانی' کالی زبان' کالی کلکتے والی' کسی کالی رنگت والے کی تحقیر کے لئے کالو یا کالیا کہنا۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی سوچ سمجھ رکھنے والوں کے ہاں کوئی کاجل کوٹھا نہیں ہوتا۔ وہ نہیں جانتے کہ کالکوں میں کیسے کیسے حقیقی اُجالے چھپے ہوتے ہیں۔

ان صفحات میں ازمنہ قریب و قدیم کے بہت سے واقعات و حالات درج ہیں...... کچھ کا تعلق تاریخ و تمدن اور کچھ کا سلسلہ اس دور کی طرزِ معاشرت' ثقافت اور تصوف و روحانیت سے جڑا ہُوا ہے...... تاریخ کا حصہ ایسے واقعات و حالات بنتے ہیں جن کے ڈانڈے عوام الناس' جنگی جغرافیائی اور سیاسی' سماجی معاملات سے جڑے ہوئے اور اظہر من الشمس ہوتے ہیں...... مؤرخ سینوں میں دفن' رگوں میں رواں اور دماغوں میں دبے ہوئے اَسراروں' رازوں کو نہ نکال سکتا ہے اور نہ اُن پہ حرف زنی کر سکتا ہے۔ وہ تو وہ کچھ لکھتا یا محفوظ کرتا ہے جو وہ سنتا' دیکھتا یا محسوس کرتا ہے۔ صدیوں پُرانے اَسرار' واقعات جن کا واسطہ ذاتیات یا مخصوص کسی مقصد سے ہوتا ہے وہ سربستہ ہی رہتے ہیں اور وقت زمانے کی زد میں آئے بغیر' عہدِ رفتہ کا حصہ بن کر اساطیر میں ڈھل جاتے ہیں۔ اُصولِ کائنات کے تحت جب کسی رد و بدل' اُلٹ پھیر' تبدیلی و تصادم کا ظہور ہوتا ہے تو پھر بہت سے نہفتہ و خفتہ اَسرار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ جیسے پہاڑوں کی آتش فشانی' دریاؤں سمندروں کے سیلاب و طوفان...... ارضی جھٹکے زلزلے' آندھیاں جھکڑ' آسمانی بجلیاں دھماکے وغیرہ اپنے اندر بے شمار کرشماتی اَسرار رکھتے ہیں۔ انسان کے لئے نت نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔ ارض و آفاق' بحر و بر نے اپنے بطون میں جو کچھ چھپایا ہُوا ہے یہ سب کچھ جنوں اور انسانوں کے لئے ہے' قدسیوں کے کام کی یہ چیزیں نہیں ہیں...... اب ان انسانوں میں کچھ مخصوص بندے بھی ہوتے

© OneUrdu.com

ہیں...... یہ بندے خاص اِس لئے ہوتے ہیں کہ اِن کے پاس کچھ وہبی عُلوم' مابعد الطبیعاتی حسیّں اور چشمِ بینا ہوتی ہے۔ گزرا ہُوا' موجودہ اور آنے والا وقت زمانہ اِن سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ اُن کے مزاج اور انداز سمجھتے ہیں۔ غیر مروجہ' مُردہ زبانیں' لوحیں' حرف ونقش' اُن کے رُوبرو لب کُشا ہوتے ہیں۔ روزِ نزول سے روزِ نشور تک کی ایک ایک ساعت' مخلوق کی ہر حرکت و نُطق کی ایک اِک جُنبش تک رسائی اور آشنائی ہوتی ہے۔

اس کتاب میں ایک اہم باب یُوں بھی شامل ہے کہ جس میں میرے مُرشد' علامہ' فیلسوف' ڈاکٹر' میرے حکیم الامت' حق آگاہ' واقفِ رموزِ خُودی' شاعرِ مشرق' رُومی کے مُریدِ ہندی' بالا سیالکوٹی' اقبال لاہوری کے لڑکپن' نوعمری اور دورانِ تعلیم کے چند ایک مخصوص مشاغل و وظائف مذکور ہیں۔ اُس دور' وقت' ایّام اور اصوات و صُور مرئیات' کیفیات و جزویات کے محفوظات تک رسائی کے لیے زماں و مکاں' مقاماتِ آہ و فغاں کے جھریوں جھروکوں میں جھانکنا کچھ آسان نہ تھا...... زنگالے قفل کھولنا' پرانے ساز سُر کرنا' ذہن و زبان سے نکلی گزری باتیں' اَز سرِ نو تازہ کرنا' پتھروں میں جونک لگانے کے مترادف ہوتا ہے...... مخفی استعانتوں کا' تو کہیں رجال مستورین کا منت کش ہونا پڑا...... میرا ربّ قدیر و خبیر ہے جس پہ چاہے بند عقدے کھول دے' جسے چاہے تہہ میں جھانکنے اُترنے کی توفیق عطا فرما دے۔ میرے ہاں قدرے آسانی یُوں بھی تھی کہ گنگے بِلّی کی طرح میری حسِ شامہ تیکھی اور میرا گھر قریب' مدرسہ سکول کالج اور مسجد پاس...... گلیاں کُوچے بازار' تھڑے' دُکانیں' اکھاڑے وغیرہ کچھ بھی تو نہ تھا جس میں کسی نہ کسی نوع کی ساجھے داری نہ ہو......

علامہ کی قلندری خوشبو تب بھی اور آج بھی سیالکوٹ کے کُوچوں بازاروں' مزاروں درباروں میں الگ سی محسوس ہوتی ہے۔ کسی اور کو تو نہیں جانتا لیکن میں اِس خُوشبو سے خُوب شناسائی رکھتا ہوں۔ گھر کے پاس ہی مولوی میر حسن کا مکتب' شیخ مولا بخش کا تالاب' مرے کالج' راہ راستے جو علامہ کی گزرگاہیں تھیں۔ وقت ہو گزرا مگر وہ سڑکیں پتھر' موڑ' تھڑے' درخت ہنوز وہیں پہ موجود ہیں۔

انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ کہیں تحلیل ہو جاتا ہے مگر اُس سے وابستہ چیزیں' اُس کی یادیں بہت زمانہ تک اُس کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ اُن کی سانسوں کا دَم' گفتار کا آہنگ' لہجے کی لاجونتی کھنک' آہیں نوا ہیں ہچکیاں' آشوبِ رواں' خلقت کی دھانس کھانس' شبِ رواں کا تھکا ہارا قافلہ' کیا کچھ میرے رُوبرو نہیں؟

سیالکوٹ میں میرے ایک مسیحی اُستاد' جو عُمر میں مجھ سے شاید چند برس ہی بڑے ہوں گے' بڑے اقبال شناس ہی نہ تھے بلکہ اقبال کی خوشبو کے بھی خوگر تھے۔ اُن کے توسط سے جہاں میں نے اور بہت

OneUrdu.com

کچھ حاصل کیا وہیں خوش قسمتی سے ان جگہوں سے بھی آشنائی ملی' جدھر علامہ اپنے ابتدائی دور میں تنہائی اور غور و فکر میں کچھ وقت گزارتے تھے...... اور وہ چیدہ چیدہ مقامات بھی جہاں انہیں روحانیت میں درجات حاصل ہوئے۔ اللہ کی توفیق سے میں ایک لمبی تگ و دو اور روحانی ریاضت کے بعد ان مقامات لمحات کو اپنی ظاہری باطنی بصارت بصیرت سے ہم آہنگ کرنے میں نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ علامہ کے فیضان سے مزید بہت کچھ جاننے سمجھنے اور لکھنے کے اہل ہوا۔

آج آپ سی ڈی پلیئر میں ڈسک ڈال کر گئے گزرے وقتوں' انسانوں کی حرکت برکت' جسم نطق دے کر دیکھنے کی حد تک یوں زندہ کر لیتے ہیں کہ وہ بیتا ہوا زمانہ اپنی تمام تر حقیقتوں اور جزویات کے ساتھ آپ کے سامنے آجاتا ہے۔

توجہ' تخیل و تمثیل...... فکری وجودی طہارت و تحلیل' صبر اور سایہ فگن مہربان استغناتیں' زادِ راہ ہوں تو منزل اڑھائی قدم ہوتی ہے...... اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی......!

زندگی محض سانس لینے کا نام ہی نہیں دم دابے کا کام بھی ہے۔ یہ عورت کے پیٹ سے جنم لیتے وقت ہی شروع نہیں ہو جاتی۔ یہ تو کتاب کے کسی ایڈیشن کی رونمائی کی طرح ایک وجودی ترتیبی مرحلہ ہوتا ہے جو اصولِ تغیر کے تحت منظرِ شہود پہ آتا ہے جبکہ زندگی کی ابتدا تو اسی لمحہ شروع ہو گئی تھی جب مالک و خالق نے اپنے امرِ خاص کو کلبوت آدم میں قرار و قیام کا اذن بخشا تھا۔ ہر انسان کے اندر لمحہ محسوب سے لمحہ موجود تک کی ایک ایک ساعت' سکوت پذیر ہے۔

فلٹر کے فلاسک میں گزرتا ہوا اک اک قطرۂ آب' کیا اُن مرحلہ وار گزرگاہوں سے ناآشنا ہوتا ہے جو منبع آب سے اس فلٹر تک کے سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی تھیں...... سیلولر ٹیلیفون کی سم کی مانند اللہ سبحانہٗ کے اس انسانی ٹیلیفون میں بھی ایک سم پڑی ہوتی ہے۔ جس میں ازل سے ابد تک تمام پروگرام موجود ہوتے ہیں۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ ٹیلیفون کی بیٹری کام نہ کرتی ہو۔ اس میں بیلنس نہ ہو یا بندہ ہی بے چارہ میری طرح ان پڑھ پینڈو ہو کہ اس کے فنکشن نہ جان پائے...... کوئی بھی سم خود نہیں بولتی...... اس کو زبان دینے کے لئے کسی ''علی'' اور ''بابا'' کی ضرورت ہوتی ہے...... جو کھل جا سم سم کہے تو پھر باطنی فنکشن کھلتے ہیں......!

بابا محمد یحییٰ خان

© OneUrdu.com

بانو قدسیہ

محمد یحییٰ خان ''کھوجنے اور بُوجھنے'' کا نام ہے اسی وجہ سے وہ مجھ سے عام قاری کے لئے خود ایک پہیلی بن گیا ہے۔ جو بھی زندگی کو سمجھنے سمجھانے کے عمل میں غوطہ زن ہوگا زندگی اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے نیرنگیٔ حیات کے حوالے کر دے گی۔ یہاں اتنی گہما گہمی، رنگ ترنگ، اُجلا میلا، تبدیلی ارتقا، صحرا، جل تھل، تضاد و اثبات، اِنحراف اِقرار، گورا کالا غرضیکہ اتنی کیفیات، حالات، اونچ نیچ سے اَٹا پڑا راستہ ہے ایسا گورکھ دھندا نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، لیکن اسی ہمہ جہتی کے لئے ایک روڈ میپ محمد یحییٰ خان نے بھی ''کاجل کوٹھا'' میں پیش کر دیا ہے۔ وہ قاری کو میلے میں کھوئے ہوئے بچے کی طرح اُنگلی پکڑ کر یوں کھینچے پھرتا ہے گویا یرغمالی ہونے سے بچا رہا ہو۔

اس جہان بینی، جہاں آرائی کے شغل میں محمد یحییٰ خان برت و برت کونے کھدروں سے ماضی حال کی چپقلش سے حاصل شدہ دھاگوں کا ایسا تانا بانا بنتا ہے کہ پڑھنے والا جذب ہو کر محو ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مفلوج ہو کر بیٹھا رہ جاتا ہے۔ وہ کالے خاں کی بات کرے یا سُفیداں بائی کے حوالے سے سنتوکھ سنگھ اور کشمیرے سنگھ کا قصہ بیان کرے۔ غنی میاں گیانی سادھوؤں کا قصہ لے بیٹھے یا کشمیر کے شکاروں کا ذکر کرے ہمیشہ وہ ایسی تفصیلات پیش کرتا ہے جو حیرانی سے گزر کر محیر العقول واقعات میں ڈھل جاتی ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ محمد یحییٰ خان کی زبان دانی، سحر بیانی، اندازِ تحریر کسی دوسرے اَدیب کے لئے قابلِ نقل ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کھوجتا، دیکھتا، بوجھتا، رنگ رنگ کی تراکیب الفاظ بھی اختراع کئے جاتا ہے۔ اس سٹائل میں لکھنے والا اَدیب نوادرات میں شامل ہُوا کرتا ہے۔

ممتاز مُفتی نے لبیک میں جس کالے کوٹھے کا ذکر کیا تھا۔ یُوں لگتا ہے وہ ذکر کہیں بازگشت بن کر کاجل کوٹھے میں شامل ہو گیا ہے۔ بقول محمد یحییٰ خان آدمی ''علامتی ہو یا مَلامتی'' در در رُلے یا در در مُشرک ہو زاہد ہو یا زندیق' اُس کی اصل تلاش انسانی کچے کوٹھے سے چل کر کالے کوٹھے تک ہی ہے۔ محمد یحییٰ خان کے کالے کپڑے گواہ ہیں کہ وہ لحظہ بھر کے لئے بھی اس کھوجنے اور بُوجھنے سے غافل نہیں ہوا۔ یہ حیران کُن سفر مُبارک ہو محمد یحییٰ خان کیونکہ اصلی اور آخری کھوج تو اُسی کالے کوٹھے کی تلاش ہے۔

© OneUrdu.com

مظفر وارثی،

بابا محمد یحییٰ خان کی "پیار رنگ کالا" اور "کاجل کوٹھا" الف سے ی تک میں نے پڑھی ہے۔ تجزیہ کہتا ہے کہ یہ ناول تو ہرگز نہیں، سرگزشت یا آپ بیتی ہے وہ بھی بڑی عجیب سی، ہر چند کہ ان عجائبات کا تعلق حلق کے اُوپر سے نہیں حلق کے نیچے سے ہے، تاہم بات ہی بات ہیں ترازو کوئی نہیں۔ ہر بات کا لہجہ مصنف کی ذات سے جُڑا ہوا ہے، الفاظ کی صنعت گری، خوبصورت پیرائے، ذخیرۂ معلومات، خانقاہی اصطلاحیں، رُوحانی واردتیں، صُوفیانہ بے نیازی، شاعرانہ زندہ دلی، آنکھیں حُسن کی پیاسی، دِل عشق کا دیوانہ، آگہی بے خبر، منزلیں بے سفر، ان حیرتوں کے درمیان بابا محمد یحییٰ خان ایسا دائرہ نظر آتے ہیں جہاں ہر طرف سے لکیریں ہی لکیریں آ کر ملتی ہیں، کسی نے کیا خُوب کہا ہے۔

یادِ خدا کے ساتھ ساتھ آتی رہی کسی کی یاد
اور بھی اک نماز ہم پڑھتے رہے نماز میں

اگر بابا محمد یحییٰ خان کو اس شعر کی زندہ تفسیر کہا جائے تو یقیناً کوئی رنگ بُرا نہیں مانے گا۔ ان کی محبتیں، حُسنِ سلوک اور ہیچمدانی کے اظہار کا معصومانہ ڈھب بھی نقارے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ وہ باہر ہی سے کالا نہیں اندر سے بھی ہے۔ یہ کُوئے ملامت کا دُرویش ایک پہیلی بھی ہے ایک گورکھ دھندہ بھی اور ایک آئنہ بھی، آپ اسے دماغ سے حل کریں، ہاتھوں سے سُلجھائیں یا دیوار پر آویزاں کر دیں، یہ فیصلہ آپ کا......!

© OneUrdu.com

مستنصر حسین تارڑ ‘

مقام، وادیٔ یوکان کا دُور اُفتادہ قدیم قصبہ ڈاسن سٹی جسے سونے کی تلاش میں سرگرداں آوارہ گردوں نے بسایا تھا، مجھے اگلی سویر "ٹاپ آف دے ورلڈ روڈ" کی خزاں آلود شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے الاسکا میں داخل ہونا تھا اور میں اپنی لکڑی کی کیبن میں گھوک سوتا تھا جب گئی رات کسی نے دستک دی...... باہر یوکان کے تاریک آسمان پر شمالی رَوشنیوں کا رنگین ناٹک شروع ہوگیا ہے۔ دیکھو گے؟ رنگین بھڑکتی شعاعوں کا معجزہ کم لوگوں کو دیکھنے کو ملتا ہے، دیکھو گے؟

اور وہاں ایک تاریک گلی میں تنہا کھڑا منہ اُٹھائے میں اُس آسمان کو سحر انگیز حیرت میں تکتا تھا جس پر کیسی کیسی رنگ رنگ کی رَوشنیاں کوندتی تھیں، اَن دیکھے، اَن سُنے، اَن کہے رنگوں کے لہریئے سانپ لہراتے، سرسراتے آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے اور اُن کے عجب رنگ کوندتے ہوئے مجھ پر اُترتے اور میں بھی اُنہی رنگوں میں رنگا جاتا...... ابھی پچھلے دنوں الاسکا کا معجزہ اپنی آنکھوں میں اُترتے دیکھ رہا تھا تو لاکھ کوشش کے باوجود میں اس کے رنگ بیان کرنے سے قاصر رہا۔ اس لیے کہ وہ تو سب کے سب اَن دیکھے، اَن سُنے اور اَن کہے تھے تو اُنہیں کیسے کوئی دیکھے، کیسے کوئی اُنہیں سُنے اور کیسے کوئی لکھے۔ تو میں نے شمالی روشنیوں کے اُن رنگوں کو اَن دیکھا، اَن سُنا اور اَن کہا رہنے دیا۔ میں تو صرف معلوم سے آگاہ تھا اور وہ نامعلوم کی سرحد کے باہر کہیں بھڑکتے تھے۔

کچھ ایسے ہی بابا محمد یحییٰ خان کی تحریر کے طلسمی بھڑکتے رنگ شمالی رَوشنیوں کی مانند مجھے عاجز کرتے ہیں کہ اُس کے چہرے، موسم اور منظر بھی نامعلوم کی سرحد کے پار بھڑکتے ہیں اور

© OneUrdu.com

انہیں بیان کرنے کے لیے ابھی تک کوئی لغت وجود میں نہیں آئی۔ نامعلوم کے رنگوں سے میری آشنائی نہیں تو میں کیسے اور کن لفظوں میں اُن کی توصیف کروں۔ بابا محمد یحییٰ خان کے دشتِ نامعلوم کے غزال تو اُس کے اپنے تخلیق کردہ ہیں تو میں انہیں کس نام سے پکاروں۔ مائیکل انجلو کی مانند اِس شخص کو اپنے تراشے ہوئے موسیٰ کے مجسمے کو یہ نہیں کہنا پڑتا کہ بول، تُو ہی تو مکمل موسیٰ ہے بلکہ اِس کے تراشے ہوئے چہروں، منظروں اور موسموں کے صنم خُود بہ خُود ہی ہم سے محوِکلام ہونے لگتے ہیں۔

وہ جب بنجر ریت کو بھی اپنی تخلیق کی چھلنی میں چھانتا ہے تو چھلنی میں سونے کی ڈلیاں دَمکنے لگتی ہیں۔ اُس کی نثر ثمر آور اور ہلاکت خیز ہے، اُس کی تخلیق کردہ دُنیا میں اُترنے سے جان جانے کا بھی خدشہ ہے کہ وہ پاتال سے رُوح کھینچ لیتا ہے۔

عجیب شعبدہ باز، سامری سحر طراز بہروپیہ بازی گر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اُس کے بنائے ہوئے قصے کہانیاں آپ کی حقیقت کی پرکھ پر پُورا اُتریں کہ "دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کُھلا" مجھا ایسوں کے اندر شکوک کے سنپولیے سے سرسراتے ہیں کہ ہم معلوم میں بھٹکتے ہیں اور نامعلوم کی خبر نہیں رکھتے اور جب بابا محمد یحییٰ خان سے مولانا رُومؒ کی مانند پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ شمس تبریزؒ کے لہجے میں جواب دیتا ہے کہ یہ وہ ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔

یہ طے ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہے جسے خبر نہیں...... اور وہ کون ہے جسے خبر نہیں، بس اِس کی خبر نہیں آتی۔

نائی جوڑا، نائی گھوڑا، نائی دا اسوار
نائی نوں نائی دوڑائے، نائی دا کھڑکار

(بُلھے شاہؒ)

© OneUrdu.com

امجد اسلام امجد

علم کی روشنی میرے چاروں طرف پھیلتی ہے’
اس کی عکسی شعاعیں ہر اک شے کے باطن
کو ظاہر میں تبدیل کرتی ہیں...... میں
انکشافات کے ایک آتش فشاں کے دہانے پہ ہوں
میرے چاروں طرف دھوپ ہے!
میری اقدار کے سبز چشموں پہ صحراؤں کی ریت خیمہ فگن ہے
ہواؤں کے لہجے میں تلخی کا اعلان ہے
اور درختوں کے سائے بھٹکتے ہوئے قافلوں کے تعاقب
میں صحرا کی پہنائیوں میں کہیں کھو چکے ہیں
(بابا بلھے شاہ کی کافی سے لیا گیا ہے)

وہ جو انگریزی میں (Style is the man himself) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اُس کا اطلاق یقیناً بابا محمد یحییٰ خان اور اُن کی تحریروں پر کیا جا سکتا ہے۔

اُن کی نثر ایسی لہردار’ فطری’ بلا جھجک’ سادہ اور پُرکار ہے کہ آپ فوری طور پر اس کے لیے کوئی تشبیہ تلاش نہیں کر سکتے۔ یہاں آپ کو رجب علی بیگ سرور’ محمد حسین آزاد اور ملا رموزی تینوں کی جھلک تو ملے گی لیکن اس کے علاوہ اسے کسی ایک کے مماثل قرار دینا ممکن نہیں’ یہی صورتِ حال درویشی’ تصوف’ قلندری اور مذہب اور عقیدوں کی قید سے آزاد ہو کر اُن وارداتوں اور کیفیات کے ذکر کی ہے جو ان تحریروں میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ وہ ہر شعبۂ زندگی کی مخصوص زبان اور اصطلاحات کا بے محابا استعمال کرتے ہیں اور اس رو میں بعض الفاظ کے معنی’ محلِ استعمال اور املا میں ایسی تبدیلیاں بھی کرتے چلے جاتے ہیں کہ

© OneUrdu.com

بقول تاثیر...... ''مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں'' وہ اس کی وضاحت میں اپنی کم علمی کو دلیل ٹھہراتے ہیں لیکن اگر ہم ''اسلوب خود صاحبِ اسلوب کا آئینہ ہوتا ہے'' سے اتفاق کرتے ہیں تو ہمیں اس مسئلے کو بھی ایک مختلف اور وسیع تر تناظر میں دیکھنا چاہیے لیکن اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ فی الوقت تو میں اس بے مثال قصہ گو اور اشفاق صاحب کی طرح فطری مجمع باز (یہ اصطلاح میں اس کے مثبت معانی کے حوالے سے استعمال کر رہا ہوں) کی چند ایسی خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ذاتی طور پر مجھے بہت متاثر کیا ہے شاعری اور ڈرامے سے اپنے فطری تعلق کی بنا پر مجھے وہ تحریریں اپنے دل سے زیادہ قریب محسوس ہوتی ہیں جن میں ان دونوں کے بنیادی اجزائے ترکیبی کو خوبصورتی، ندرت اور مہارت کے ساتھ پیش اور استعمال کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر بابا محمد یحییٰ خان کی زیرِ نظر کتاب ''کاجل کوٹھا'' کے اسلوب میں منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمے، پُر اسراریت، بے ساختگی، چھوٹی چھوٹی سچویشنز کے کلائمکس، زمان و مکاں کی وحدت، Fantasy اور حقیقت کے ملاپ اور لفظوں کے متبادلات اور تشابہات کی وسیع تر لسانی بنیاد کو اس سہولت اور کامیابی سے برتا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ قاری موضوع کے پیچھے پیچھے چلے موضوع اُس کے ساتھ ساتھ اس طرح چلنا شروع کر دیتا ہے جیسے پرانے دوست خاموش رہ کر بھی ایک دوسرے سے باتیں کر سکتے ہیں۔ اسلوبِ تحریر کی معرفت اَن دیکھے نامانوس اور ماضی سے مربوط مناظر کی ایسی شاندار عکس بندی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے اس کی قریب ترین مثال شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں شاید نظر آ جائے۔

''کاجل کوٹھا'' کا شمار ادب کی کون سی صنف میں ہوتا ہے؟ اس کا حساب تو قارئین اور نقاد حضرات کرتے رہیں گے مجھے تو اس وقت بس اتنا ہی کہنا ہے کہ یہ کتاب آپ کو ایک ایسی Insight سے متعارف کراتی ہے جسے بابا محمد یحییٰ خان کے شخصی تجربات، مشاہدات اور انتہائی منفرد اور دلچسپ اسلوبِ تحریر نے ایک خاصے کی چیز بنا دیا ہے اور اسے پڑھنا جیسے ایک آئینہ خانے میں وقت گزارنا ہے ویسا ہی آئینہ خانہ جس کے بارے میں میر تقی میر نے کہا تھا کہ......

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ

© OneUrdu.com

صدیقہ بیگم،

بابا محمد یحییٰ خان کو میں جب پہلی دفعہ ملی تو ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔ یہ ملاقات ماہنامہ ''تخلیق'' والے اظہر جاوید کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اظہر نے کہا کہ جن خواتین کے سر ننگے ہوتے ہیں، ان سے بابا بات نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ نہ کرے بات...... ان کا وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔ تصویر، تین چار فون نمبر درج۔ میں نے کہا کہ یہ بابا تو شہرت کی تلاش میں ہے۔

اشفاق احمد کے انتقال کے بعد جس طرح بانو قدسیہ نے چالیسویں تک فاتحہ خوانی کا سلسلہ جاری رکھا وہ انہی کا کمال تھا کہ غم کو اس طرح منایا کہ ہم سب صدمہ سہنے جوگے ہو گئے۔ بانو قدسیہ کی بہو اور میری بیٹی ثریا انیس نے بھی اس طرح ہر روز اہتمام اور انتظام کیا کہ حق ادا کر دیا۔ یہیں بابا جی سے ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ میری دونوں بیٹیاں ان سے بہت متاثر ہوئیں۔ اُن محفلوں میں ان سے اکثر ملاقات رہتی اور ان کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے دانشمند اور جہاندیدہ ہیں۔

مگر میں نے سر پہ دوپٹہ نہ اوڑھا...... اُنہوں نے مجھے اپنی کتابیں دیں جن میں ''پیا رنگ کالا'' بھی تھی۔ یہ ناول ہے کہ قصہ؟...... آپ بیتی ہیں کہ جگ بیتی؟...... جو بھی ہے کمال ہے! کیا روانی ہے، کیا تسلسل ہے، کیا انداز ہے، کیا مشاہدہ ہے، کیا مطالعہ ہے، کیا عبور ہے زبان پر...... کاش میں ان کی طرح کی بڑی رائیٹر ہوتی۔ ان کے جیسا رائیٹر تو کیا میں دو سطریں بھی نہیں لکھ سکتی۔

(ایڈیٹر ماہنامہ ادبِ لطیف، لاہور)

© 22 OneUrdu.com

کجل کلی

- مَتھی کالک چِٹے جھاٹے لیڑے بیڑے کالے
اُدھی راتی کجَل کوٹھے بابا دِیوے بالے

● مائی چٹی تے بابا کالا......!

''یا علی! تیرے چاہنے والوں کی خیر''

اور پھر جموں را کالے کا آوازہ...... اِس صدا میں جذب کا نمک گھلے، موٹے رسیلے سیاہ کالے جامنوں کا کھٹا میٹھا، کسیلا سواد، مولیٰ علی کے نام کے آہنگ کی خیر و برکت اور خوشبو کچھ اِس انداز سے دَر آتی کہ میں لامحالہ پیچھے مڑ کر دیکھنے پہ مجبور ہو جاتا اور پھر اس آواز میں ٹوٹتے کانچ سی کھنک، مضبوط سا وقفہ اور لہجے کے لاجوتی سے [illegible] امتاس کے کسی جھاڑ [illegible] چسکڑا مارے بیٹھا یا نیم اوندھا ٹیک لگائے لیٹا ہوتا...... شاہی قلعے والے دروازے پہ نظریں جمائے وہ میری ہی راہ دیکھتا رہتا جبکہ میں بھی اُسے دُور سے ہی دیکھ لیتا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی پلّو جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوتا، پورے حلق سے مولیٰ علی کے نام کی جَلی لگاتا...... ہاتھ سے سلام اور سُرخ ہوتی اُبلی ہوئی آنکھوں میں عجز و انکسار کی [illegible] میرے پیچھے ہو لیتا...... میں اُو بدا کر اُسے بُد بُد کہا کرتا تھا جبکہ اُس کا اصل نام کالے خان تھا۔

میں اپنی لگی بندھی رفتار سے آگے بڑھتا ہُوا بارہ دری کا چکر پورا کرتا پھر قلعہ اور رنجیت سنگھ کی مڑھی پہ اک دُھندلی سی نظر ڈالتے ہوئے بادشاہی مسجد کی جانب ہو لیتا، وہاں ڈیوڑھی کی سیڑھیوں پہ چند لمحوں کے لئے سانس دُرست کرنے کی غرض سے بیٹھ جاتا...... اس دوران وہ کسی مصاحب کی طرح ہاتھ باندھے میری بائیں جانب کچھ فاصلہ رکھ کر کھڑا رہتا...... پھر اِدھر سے ڈولتا بڈولتا ہوا جب میں اپنے مُرشد حضرت علامہ اقبالؒ کے مزار میں داخل ہوتا تو وہ باہر میرے جوتوں کو جھولی میں ڈالے بیٹھا رہتا...... یہاں سے چُھٹی ملتی تو پھر میرا اگلا پڑاؤ پیجے کی دوکان ہوتا، وہ نظر اور مغز شناس مجھے دیکھتے ہی سری پائے کا شوربا اور کُلچے بندھوا دیتا...... شوربے کا بدھنا اور کُلچوں کا بُدھیرا تھامے بُد بُد اب بھی میرے پیچھے پیچھے ہی ہوتا۔ اِس طرح جب میں سفیداں بائی جموں والی المعروف چٹی کی چکردار اندھیری ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں تک پہنچتا تو وہ جھٹ سے قدم بڑھا کر میرے

آگے ہو جاتا' یقیناً اُس کی اِس جرأتِ رندانہ کا مقصد سِکھوں کے سَمے کی اِس شکستہ بلڈنگ کی تنگ و تاریک چکردار ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں پہ میری رہبری کرنا ہوتا تھا۔ اِس دوران وہ محض ایک آدھ سیڑھی ہی آگے اُوپر ہوتا جبکہ اُس کا بائیں ہاتھ میرے شانے پہ رہتا' ساتھ ساتھ وہ مجھے شناسائی بھی دیتا جاتا۔

''پاؤں سے ٹٹول لیجیے گا اگلی سیڑھی ذرا چھوٹی ہے۔'' یا ''پاؤں ذرا دھیان سے دھریے گا اینٹیں ذرا کھسکی ہوئی ہیں۔''

ایک پَون منزل اُوپر سے ہی مجھے مائی وِچتی کی دَمے کی دلدل میں مُنہ تک دھنسی پھنسی' سانس دھنکی ہوئی تابڑتوڑ کھانسی کی ہلکی ہلکی آوازیں سُنائی دینی شروع ہو جاتیں اور مجھے یہیں سے ہی دکھائی دینے لگتا کہ اوپر کُھلے آسمان تلے ٹین کے چھت والے ڈربہ نما کمرے کے باہر ایک جھلنگی کھاٹ پہ وہ گٹھڑی سی دھری پڑی ہے۔ بوسیدہ سے ہر کتے کی چری ہوئی نے...... اس کے بے پیر ھ مُنہ میں کنٹھ تک اُتری ہوئی ہے بیٹھی ہوئی پھولی آنکھوں میں بُجھی راکھ کی ٹھنڈی سفیدی اور دُودھیائی جھاڑے کی چند جھڑوئی ہوئی پُونچھیں' کھرنڈوں کھائے سر پہ تہمت کی طرح چپٹی ہوئی ہیں۔

ہم [illegible] کاٹنے کے

بعد میں خود بھی پھڑا سا جاتا ہوں تو ازن لڑکھڑا سا جاتا ہے۔ سانس کی دھونکنی دُھواں دینے لگتی ہے۔ کالے خان جان جاتا ہے کہ میری جان پہ بَن رہی ہے وہ مجھے اپنے بازوؤں سے مزید سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اسے ڈانٹ سا دیتا ہوں کچھ بُردباری سے سمجھایا۔ ''بھئی' کالے خان! مجھے جتنے مار کر خواہ مخواہ کی ہمدردی نہ جتایا کر' مجھے تمہاری قربت سے انتہائی قسم کی بدبو کا احساس ہوتا ہے میری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے اور پھر تو بھی ایسا کون سا رستم ہے جو مجھے سنبھالا دے گا' چرس' چنڈو نے تجھے چاٹ کر رکھ دیا ہوا ہے۔'' وہ جواب میں کمال ڈھٹائی سے جی جی جپتا رہتا۔

جب دوسری منزل کی غلام گردش پہ پاؤں پڑتے ہیں تو ہم دونوں کے سانس پُھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دُوجے کی بانہہ پکڑے بمشکل اپنے بے سکت پاؤں پہ کھڑا رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہم دونوں خدائی خوار بُڈھوں کا اس منزل کے برآمدے میں کچھ وقت رُک کر سانس اور اعصاب کی درستی کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا...... یہاں کچھ دیر رُکنے میں اس کے علاوہ اور کوئی قباحت نہ تھی کہ اِدھر پیشہ کمانے والی چند کسبیوں کے ٹھکانے تھے' چھوٹے چھوٹے سیلن اور حبس زدہ تاریک کمرے' جن کی چوکھٹوں کے باہر سرکنڈوں' بید مجنوں کے مُوہڑوں پہ دھری وہ آپس کی نخش شغلی میں مصروف ہوتیں بلکہ یوں کہ دانہ ڈالے دام بچھائے کسی پکھو پکھیرو کے پھنسنے کا انتظار کرتی رہتیں...... جوں ہی کسی کے دانے دُنکے پہ کوئی پنچھی پڑتا تو وہ اس کا جھٹکا

کرنے کے لئے اپنی کرسی یا مُوہڑے پہ چھالیا سروتہ یا بلّی بٹھا کر کواڑ بھیڑ کر اندر چلی جاتیں۔

میرا چونکہ یہاں آنا جانا قریب قریب لگا بندھا تھا اور ویسے بھی اس ڈھلتی عمر میں بندہ بھاروکم اور بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس رُو رعایت کے سبب میں ان کی ''مُنہ ماری'' یا ''ہتھ چالاکی'' سے فی الحال بچا ہوا تھا بلکہ اکثر و بیشتر میرا لحاظ یا احترام کرنے پہ بھی آمادۂ خاطر دکھائی دیتی تھیں۔ جھٹ کی جھٹ ٹیکی ٹیکنے کے بعد اب ہمارے سامنے تیسری منزل کی جانب اُٹھنے والی وہی چکردار سیڑھیاں ہوتیں...... تجربہ بتاتا ہے کہ بوڑھے کے لئے اُوپر چڑھنا اور جوان کے لئے نیچے اُترنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا۔ چڑھنے کے لئے طاقت و طرار چاہیے ہوتی ہے اور جبکہ اُترنے کے لئے طور و توازن میں تائید ہونا ضروری ٹھہرتا ہے...... صدیوں کی خجل خواری اور کھے کھائی سے میرے مشاہدے میں یہ بھی آیا کہ سفر یا منزل' جو بھی ہو۔ کبھی ایک سی سنگت لے کر ہرگز نہ چلو' خصومت و خواری آڑے آئے گی...... پیر فرتوت کے ہم رکاب جوان رکھنا تو اس کے سنگ توانا' نادان کے ساتھ سیانا اور کچے کے ساتھ اگر پکا ہو تو منزل مارنے میں راہ کی مشکل پھر کوئی مشکل نہیں رہتی بلکہ تفریح ترنگ اور تسکین کا سامان بن جاتی ہے۔

خدائی مارا جانڈیا کالے خان تیسری منزل کی پہلی سیڑھی پہ مجھے سہارا دینے کی جسارت میں میرا بازو تھامنے کا عندیہ ظاہر کرتا [illegible] چار بے نقط سنا ڈالتا۔ ذریعہ [illegible] محض ناک نتھنوں کی پھوں پھاں یا میرے سیدھے ہاتھ کے اُلٹے چھانپڑ' جھٹکے اشارے سے ہی وہ دو دو سیڑھیاں اوپر چڑھ لیتا...... چودہ تیا بیالیس سیڑھیاں جب بیالیس جتنوں کا [illegible] بن کر تیسری منزل کے برآمدے میں اَنت ہوتیں تو ہم دونوں ہی اپنی اپنی ذات و اوقات کے پنجرے سے نکل چکے ہوتے اور ایسے لجلجے ربڑ کے غباروں کی مانند آپس میں چپکے گھسے ہوتے جن کی ہوا پڑے پڑے ہی کھسک گئی ہو۔ پھیپھڑوں میں سانس کا پسٹن یوں ٹھک ٹھک کرتا سنائی دیتا کہ ابھی چھام چھلّے توڑ کر دھڑپ سینے سے باہر آ پڑے گا۔ اب ہم دونوں باہم پیوست یوں ڈھ جاتے جیسے پران چھوڑنے پہ بادلِ نخواستہ آمادۂ خاطر ہوں۔

نیچے کی نسبت یہ تیسری منزل اپنے مکینوں کے حوالے سے قدرے مختلف اور محفوظ سی تھی۔ یہاں لدے وقتوں کی ایک پرانی کھوچل ڈیرہ دارنی میڈم بشیراں امبرسرن اپنی چند چلبلی سی نئی پرانی نوچیوں کے ساتھ صرف بُکنگ کا دھندا کرتی تھی۔

ادیب اور شاعر حضرات کہتے ہیں کہ امرتسر میں اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اس کی وجۂ شہرت کے لئے محض سعادت حسن منٹو' اے حمید' احمد راہی' سیف' حشر کاشمیری' ظہیر کاشمیری' صوفی تبسم اور عطاء الحق قاسمی ہی کافی تھے۔ ارباب طرب و نشاط متفق ہیں کہ اگر مختار بیگم' فریدہ اور شمشاد بیگم (پری چہرہ نسیم کی والدہ) وہاں نہ

ہوتیں تو ٹھمری، خیال، گیت، غزل ہمیشہ بانجھ ہی رہتے...... مگر میڈم بشیراں کا کامل یقین تھا کہ اگر وہ یہاں پیدا نہ ہوتی تو امبرسر، امبرسر نہ ہوتا کوئی مالیر کوٹلے جیسا بست بسیا ہوتا۔ وہ امبرسرن کہلوا کر بہت خوش ہوتی تھی...... میں اس سے اپنا پنڈا بچانے کی خاطر اکثر اس کی چاپلوسی کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کہیں کہہ دیا۔

''واہ! بشیراں بائی، واہ! باقر خانیاں، کھنڈ کلیچے، کشمیری چائے، ہریسہ...... کیا بات تھی امرتسر کی۔''

وہ ابروؤں کی ڈھیلی کمانیں چڑھا کر پوچھنے لگی۔

''آپ کو کیسے پتہ؟ آپ تو امبرسری نہیں ہیں۔''

میں نے تُرت جواب دیا۔

''امرتسر والوں کا داماد ہوں، مجھے پتہ نہ ہوگا تو کسے ہوگا۔''

''ہائے ہائے......'' وہ ہاتھ ملتے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے ناک سکیڑ کر کہنے لگی۔

''بزرگو! کھانا پینا تو دور کی بات اگر کبھی انگلی سے میرے پنڈے کا نمک ہی چکھ لیا ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ امبرسر کی اصل سوغات کیا تھی۔''

وہ کئی بار مجھے اپنے دفتر میں دم درست کرنے کی غرض سے گھڑی دو گھڑی بیٹھنے کی دعوت بھی دے چکی تھی۔ مگر [illegible] جا [illegible] کہیں دم درست کرتے کرتے دم الٹا ہی نہ پڑ جائے...... آنحالیکہ وہ حاجن اور بڑی پکی پنج وقتہ نمازن بھی تھی۔ عقیقوں کی تسبیح ہر وقت اس کے ہاتھ میں جھولتی رہتی...... مگر میں کہتا ہوں کہ اکیلے دوکیلے میں چلبل طوائف، کھوسٹ کھسرے...... قبرستان میں کئی بڈھے...... باغ میں سیر کرتے ہوئے اکھاڑے میں زور کرتے ہوئے پہلوان اور غروب آفتاب کے بعد کسی اندھے حافظ سے بے تکلف ہونے سے بے حد اجتناب برتنا چاہیے دریں صورت نتائج بڑے افسوس ناک اور حیرت انگیز برآمد ہو سکتے ہیں۔

ایک بار میں اس بھم بھوسڑی ہوئی بوڑھی بلی سے اپنے بڑھاپے کے چھچھڑے بچا کر اوپر چوتھی منزل کی جانب بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اک ''ادائے بزرگانہ'' سے آگے بڑھ کر میرا کانپتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

''حاجی صاحب! کیا ہوا جو ہم گنہگار لوگ اس بدنام جگہ پر رہتے ہیں۔ خیر سے آپ کی اس عاجز بندی نے بھی زیارتوں کے علاوہ دو حج اور پانچ عمرے کئے ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بھی حاجی، میں بھی حاجن اور پھر میں مائی جنتی سے پندرہ بیس برس چھوٹی بھی ہوں...... کبھی ہمارے پاس بھی گھڑی دو گھڑی برکت کے لئے بیٹھ جایا کریں، اپنی نگاہ میں رکھیں، ہمیں بھی فیضیاب ہونے کا موقع دیں۔''

یاد آیا کہ ایک بار تو وہ مائی چنّی کے لئے لایا ہوا کھانا بھی جھپٹا مار کر لے گئی کہ ہمارا ابھی آپ پہ کچھ حق ہے۔

اسی حاجن نمازن میڈم بشیراں کے عین اُوپر کھلی چھت پہ ٹین کی چھت والا ایک کچا پکا سا کمرا تھا جہاں مائی چنّی اپنی بے اعتبار خستہ و خوار شرمندہ سی زندگی کے بچے کھچے سانس پورے کر رہی تھی۔ اس کی جوانی کے الاؤ پہ پانی...... اور اُدھیڑ عمری کی نیم گرم بھوبھل پہ اوس پڑے بھی اک لمبا عرصہ گزر چکا تھا مگر زندگی کے خشک دیے میں معدوم سی باقی ہنوز اپنا لب لال کئے ہوئے تھی...... اس کے سرہانے مٹی کے کورے مٹکے میں پڑا ہوا کفن، مشکِ کافور، عرقِ گلاب، خشک نیم کی پتیاں، اگر بتیاں، زم زم کی کپّی...... خاکِ نجف کی ڈلی اور ڈیڑھ دو انچ غلافِ کعبہ کی ایک کترن کے ساتھ پنجتنی پنجہ...... یہی وہ کُل خزانہ تھا جسے حصار میں لئے ہوئے وہ ایک بے سکت و سم، بے ضم و دم ناگن کی طرح ادھ موئی سی پڑی رہتی...... چڑیا کی چونچ کا دُنکا خوراک، پیاس کے لئے دو قطرے آب...... بول و براز سے بیزار...... کئی کئی روز بِنا موتے ہگے ہی بیت جاتے۔ آنتیں خشک اور پیٹ پتلا پڑ کر پیٹھ سے لگ چکا تھا۔ بس اک حق حُقّہ تھا جس کے پیندے میں پانی پڑے کئی ساون سوکھے بیت چکے تھے۔ چلم گرم [illegible] کئی جلتی دوپہریں پرچھائیاں ہو گئی تھیں [illegible] ہوئی چلم میں انگارے [illegible] تمباکو گڑ کی بجائے اس کی [illegible] سرمہ دانی [illegible] اسے [illegible] الناوہ کبھی نہ بھولتی...... مُند [illegible] ہوئی پھولے پچکی آنکھوں میں سُرمے کی دھاری۔ جُھریوں کے جالے میں پھنسی ہوئی ناک کی جڑ میں موٹا سا مستا تھا جیسے باسی پھول گوبھی پہ ڈنٹھل کے پاس ایک بجگنگ بھونچک کر مر گیا ہو۔

مائی چنّی کی یہ چند جان سرمہ دانی [illegible] ہوتی تھی کہ جاتفل، جاوتری، لونگ کی تیز مہک اور تند تاثیر کی لہک آشوبِ چشم کے لئے بہتر و بہدف ہوتی ہے بانکی سی گردن والی یہ سُرمہ دانی اب سے لگ بھگ چالیس برس پہلے جو ہو گی سو ہو گی مگر اب بھی اس کا مُندھا سُندھا سا ناک نقشہ بڑا سجاونا تھا، کیا ہُوا جو اس کے پیندے کی گول کرسی، کناروں پہ سے ذرا سی جھڑ گئی تھی کہ اب یہ اپنے توازن پہ استادہ نہ رہ سکتی شاید اسی عذرِ لنگ کے بھگتان میں یہ چلم کے دیگر کاٹھ کباڑ کا حصّہ بن گئی تھی۔

بٹوارے سے پہلے انبالے میں یہ سفیداں نیناں والی تھی وہاں سے امرتسر منتقل ہونے پہ سفیداں انبالے والی بن گئی پھر امرتسر اور لاہور میں وہ سفیداں بائی امرتسر والی ریڈیو سنگر کہلائی اور اب لبِ گور مائی چنّی کو اس سُرمہ دانی کے علاوہ اگر کچھ تھوڑا بہت یاد بچا تھا تو وہ یہی چیچک رو "علی تیرے چاہنے والوں کی خیر" والا کالے خان...... جس کی کوئی عزت تو دُور کی بات چالیس سالہ منحنی چاپلی خدمت گزاری کے صلہ میں اُسے

آج تک ایک وقت کی بے عزتی تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ کسی مرد یا عاشق کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ جسے جنوں کی حد تک چاہے اور جس کی خاطر اپنا سب کچھ تیاگ چکے تو وہ بتِ طناز اس سے اچھا برتاؤ ایک طرف منہ پھیر کر کبھی پھٹے منہ تک نہ کہے...... اس عاشقِ صادق اور بھری جوانی شادمانی کے زمانے کے اس وفادار نے کُتّے کی طرح اس دل و جان کی مالک کا دوارہ نہ چھوڑا۔ قیامت یہ کہ وہ اسے کبھی دھتکارتی بھی نہ تھی اور نہ ہی کبھی اپنائیت کا اظہار کرتی...... بس اس کی دی ہوئی سُرمہ دانی کے سُرمے سے پُتی ہوئی خالی خالی مُندھی آنکھوں سے کبھی کبھار اک نظر دیکھ لیتی...... کالے خان نے بس اسی اک سُرمہ بھری نظر کے کالے فسوں سے ریشہ ختمی ہو کر اپنی کاٹھ سی جوانی کو رنڈی کے غسل خانے سے نکلنے والی گندی موری کا پروردہ کیڑا بنا لیا تھا۔ بس وہ یہی اک خوش فہمی لیے اپنے تگڑے تگڑے چالیس سال اس لالہ فام گل اندام شیریں مقال کی نوعمری کی تکی پیری اور پھر شباب کی زردی و خلاء مرجع بیزار...... اور اب بڑھاپے کے [illegible] پچھواڑے ندارد کھوسڑے تلے بکھیر بیٹھا تھا کہ وہ کبھی اس کی سُرمہ دانی کو پہلے اپنی چھٹی چھنسی چولی میں دبائے رکھتی تھی پھر گلوری چھالیہ کے بٹوے...... اور اب کئی برساتوں سے بُجھی خالی ترقی ہوئی کالی مٹی کی چلم میں۔

وہ [illegible] رات کا اکثر حصہ کھلے آسمان تلے [illegible] کی [illegible] سے [illegible] دُور بیٹھا......

”جموں راکا[illegible] تیرے چاہنے والوں کی خیر“ کے آوازے لگانے میں گزار دیتا۔ شاید یہی صدائیں تھیں جو اس کے جنون اور مائی چنّی کے بطون کے درمیان ایک شکستہ سے پُل کی طرح بہر طور موجود تھیں۔ ایسا جھولا پُل جو امتدادِ زمانہ کے باعث محض نام نمود کا رہ گیا ہو، کام کرم اس کا کبھی کا ختم ہو چکا ہو...... تیز و تند بہاؤ پہ معلق ایسے پُل...... مکافاتِ [illegible] مگر ہنوز کہیں تارِ عنکبوت سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں...... سینوں کی بُھول بھلیوں میں پھنسی ہوئی دم بُردہ سانسیں...... قلب و نظر کے دھاگوں میں پڑی ہوئی گانٹھیں...... صحراؤں میں صدائیں...... پاتال اُتری باؤلیوں میں ہواؤں کی اندوہناک گھٹی گھٹی چیخوں اور پکاروں کی طرح ہوتی ہیں جو مرنے دیتی ہیں نہ جینے، دکھائی کچھ دیتی ہیں اور ہوتی کچھ ہیں۔

”جموں راکالے ’علی تیرے چاہنے والوں کی خیر‘“ کا ہانکا بھی اک صدا بصحرا کی طرح ہی ہوتا یا شاید کبھی اس ہانک کے بعد مائی چنّی کے جسم کے خالم خالی مکان سے کوئی ہلکی سی کراہ یا آہ کی کوئی مریل سی چوہی سر نکال باہر جھانکتی ہو پھر فوراً واپس اندر گھس جاتی ہو۔

دیکھنے میں آیا ہے جوئیں اور لیکھیں زندہ انسانوں کو پڑتی ہیں مُردوں کو نہیں اور چوہے اُن گھروں میں پائے جاتے ہیں جہاں کچھ کھانے کھلانے کو موجود ہو۔ جبکہ آہیں اور کراہیں بھی وہیں سے نمودار ہوتی ہیں جہاں کوئی حسرت، انارکلی کی طرح زندہ دفن ہو کر رہ گئی ہو۔

● جس کی سانسوں کی خوشبو لالہ و گل چُراتے تھے......!

وہ کوئی حسرتیں پالنے کے دِن تھوڑے ہی تھے...... وہ تو خواہشیں خوابیدہ تمنائیں ترازو...... چاہنے چاہے جانے اور آرزوئیں اُجالنے کے دِن تھے۔ صباحتوں سے سرشار صُبحیں، دُم دُم دمدمے چھوڑتیں ہوئی دوپہریں، شمشاد قامت شفق کے شامیانے گاڑتی ہوئی شامیں...... اور بہار رُت کے مہکے مہکے سپنے بُنتی ہوئی راتیں۔

اک چھوٹا سا کنبہ، چھوٹے قد کی گٹھی سی ماں دو عدد جواں سال بھائی جو سازندوں میں بیٹھتے تھے۔ ایک عدد خالو جو سارنگی نواز تھا، دو گزارہ لائق نوچیاں جو گانے اور نرت میں جھولا دیتی تھیں۔ جوانی کی راتیں مُرادوں کے دِن...... انبالے کی شاداب اور شباب انگیز آب و ہوا نے اسے خوب گدرایا اور مہکایا ہوا تھا۔ بانکی چتون، آنکھیں خواب تو چہرہ گلاب تھا...... کھڑی کٹیلی ناک پہ پتا جڑی کندن کی تھلی عجب معصومیت سے ناک چڑانے پہ جھولا لیتی تو دیکھنے والوں کے دل بلبلے بتاشے کی مانند پچک جاتے۔ چودھویں کے چاند سے روشن چہرے پہ ٹکا کر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس کی ماں نے کبھی [illegible] وقت [illegible] گوری چٹی تھی کہ جیسے یہ گوشت پوست [illegible] شاید اسی نسبت سے اس کا نام سفیداں رکھا گیا۔

انبالے کے دل پھینک اُجڈ اوباش سکھوں نے اس کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ میموں کی طرح اس کے سفید رنگ، خوبصورتی اور حق جوانی کے خمار کی وجہ سے ایک دو قتل بھی ہو چکے تھے۔ سفیداں بائی جسم بکا کرنے والی کسبی نہیں تھی، گانے بجانے والی طوائف تھی۔ علاقے کے ایک بڑے زمیندار رئیس بھوپندر سنگھ کے منجھلے مُنہ زور بیٹے سنتوک سنگھ نے اس کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ اس نے سرِ عام اعلان کیا ہوا تھا کہ سفیداں کے کوٹھے پہ صرف اور صرف سنتوکا ہی جا سکتا ہے اگر کوئی اور جرأت کرے گا تو وہ پھر اپنے پاؤں پیروں پہ نیچے اُترنے کے قابل نہیں رہے گا...... چندن پور کے مہندرے کو سنتوکے نے کرپان سے چار چیرے لگا کر سفیداں کے کوٹھے سے نیچے پھینک دیا تھا...... پھر یہی خون آلود کرپان کی نوک سفیداں کے سینے پہ رکھتے ہوئے کہا۔

”سفیداں! تو سنتوکے کی پسند ہے، تو آج کے بعد کسی کے لئے گائے گی اور نہ ہی کسی کے سامنے آئے گی۔ تو صرف میری ہے، میں تم سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔“

سفیداں نے درد سے کراہتے ہوئے بازو چھڑا کر جواب دیا۔

”تیرا بیاہ تو ہو چکا ہوا ہے، تو ایک بچے کا باپ بھی ہے۔ باقی رہی بات کہ تو مجھے پسند کرتا ہے۔ جیسے تو

مجھے پسند کرتا ہے اسی طرح اور بھی لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ میں یہاں بازار میں بیٹھی ہوں' یہاں ہر کوئی آ جا سکتا ہے۔ تو نے میرے کوٹھے پہ یہ واردات کر کے کوئی اچھا کام نہیں دکھایا اور غور سے سُن کہ میں نہ تو تیری رکھیل بن سکتی ہوں اور نہ ہی تیرے ساتھ بیاہ کر سکتی ہوں۔ یہ میرا کوٹھا ہے...... تیرا گاؤں یا جاگیر نہیں...... تیرا حکم یہاں نہیں چل سکتا۔"

سنتو کا کسی خونخوار شیر کی مانند دھاڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"سفیداں! ایہہ تھاں علاقہ میرا پنڈ یا جاگیر ہوئے نہ ہوئے مگر تو ضرور میری جاگیر ایں۔ میری سوہنی' میری سسی' میری ہیر ایں۔ اوئے میں تیرے لئے ہزاراں بیویاں تے لکھاں پُتر قربان کر سکدا آں...... مینوں اپنی وہٹی پسند ہی نہیں' او تے میرا بُدو بدی دا بیاہ اے۔"

"......اور مجھے تُو پسند نہیں۔" سفیداں بائی نے آگے بڑھ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"تیری پسند یا ناپسند سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سنتو کے کی بات' پتھر پہ لکیر ہے......"

اسی [illegible] میں کہیں پولیس پہنچ گئی اور سنتو کا قابو میں آ گیا۔ جس طرح سے سفیداں بائی نے اس کی پان پت اُ[illegible] کر رکھ دی تھی ہو سکتا تھا کہ [illegible] ان یا کنیا دان آج یہیں پہ [illegible]تا۔ جب سنتو کو [illegible] یا تو سفیداں بائی نے بھی جیسے سکھ کا سانس لیا۔

زندگی پھر اپنی پرانی ڈگر پہ چل نکلی۔ زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے' بج رہا ہے مگر بے آواز ہے۔ ساز و آواز کی دُنیا بھی عجیب ہے۔ رنگ رنگ دُنیا ہوتی ہے سُر کا رنگ' لے کا سنگ' چنچل' تنگ' بہلاوے' پھندے' تالے دو تالے' سارنگیوں کے جھا[illegible] کی جھنکار' [illegible] سُر منڈل' مردنگ' تانیں' مرکیاں' زمزمے' پلٹے' للت' دیس' ملتانی' پہاڑی' راجستھانی مانڈ' خیال' ٹھمری' ماروا' کافی وغیرہ۔ موسیقی تو اک وشال ساگر کی مانند گہری اور گھمبیر ہے۔ جتنا اُترو اتنا ہی ڈوبتے جاؤ' جتنا جانو اتنا ہی خود کو بے جانو' جانو۔ کچھ خوش بخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قدرت مہد مادر سے ہی بہت کچھ دے دلا کر بھیجتی ہے۔ کچھ اپنے شوق' محنت و ریاضت اور ادب و خدمت سے بھی مقام و منزل حاصل کر لیتے ہیں۔ سفیداں بائی کو بھی قدرت نے نور کا گلا دیا تھا جبکہ راگ ودیا اپنے گھر گھرانے کی عطا تھی' سجاؤ' رچاؤ' اُمراؤ' جھلاؤ' ٹھہراؤ' لگاؤ' لے کاری اور انگ کاری میں اک طرفہ سی تہذیب اور ہنرمندی کی مہک...... اور شکل صورت سُبحان اللہ اور پھر نگینہ سی سیرت و شُدھ اللہ اللہ...... پیکر و پیائش پروین پیا...... جبکہ آہنگ آمیزی آفریں آفریں......!

سنتو کے نے پکّی سزا بولنے پہ ہی اُسے پیغام بھیج دیا تھا۔ پکّی بات ہے کہ تُو میری ہے' میں نے تجھے

بیاہ کر لے جاتا ہے۔ تُو تیاری رکھ میں کسی سے بھی آندھی جھکڑ کی طرح آؤں گا اور تمہیں پھول کی طرح اٹھا کر ساتھ لے جاؤں گا...... سفیداں بائی نے استہزائیہ ہنسی سے واپس کہلا بھیجا تھا کہ ایسا کوئی پیغام تجھے اپنی پتی کو بھیجنا چاہیے۔ باقی رہی بیاہ والی بات' اگر تُو سنتوک سنگھ راٹھ کی جگہ مہاراجہ ہری سنگھ بھی ہوتا تو میرا انکار تیری اس خواہش کا جواب ہوتا۔

● وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں......!

مہاوٹوں کے دن تھے' رات کے پہلے پہر بادلوں نے خوب دھماچوکڑی مچائی کہ پوری بستی جل تھل ہو گئی تھی۔ مٹی کی سوندھی سوندھی مہک نے فضا اور طبیعتوں کو عطر بیز کر دیا ہوا تھا۔ جھینگروں اور مینڈکوں نے اپنی راگ داری سے سماں باندھ رکھا تھا۔ ایسے میں کسی مُردے یا بڈھے بڈھیرے کو ہی نیند آ سکتی ہے۔ آج یہ صبح سے ہی ماندی ماندی سی تھی۔ شام بیٹھک سے بھی جلد اُٹھ آئی کہ دُکھن سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ ماتھے کا پسینہ اور سر سے ترشر بہتا ہوا [illegible] رات [illegible] ہوگا [illegible] اوڑھ [illegible] شال [illegible] اوپر کی چھت پہ نکل آئی' ادھر بھی پریشان بوجھل سی [illegible] ٹھہری ہوئی تھی۔ کالے کالے بادلوں کے پرے کے پرے دیکھ کر اسے جھرجھری سی آگئی۔ دُور دُور تک اُسے کہیں روشنی نظر نہ آئی۔ وہ کبھی کی چھت کی منڈیر سے لگ کر کھڑی ہوگئی۔ نیچے کسی گہری اندھی کھائی کی طرح بازار...... عجیب سی وحشت' خاموشی اور ویرانی کا ہولناک سا منظر پیش کر رہا تھا۔ کہیں روشنی نہ کوئی آواز...... اس سرے سے اس سرے تک گہری خامشی تھی۔ وہ ایک اُچٹتی سی نظر نیچے ڈال کر پیچھے ہٹ گئی' گھپ تاریکی اور پُر اسراری خامشی نے اُسے دہلا کر رکھ دیا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے نیچے اتر آئی۔ دیوان خانے کی شاید کوئی کھڑکی کھلی تھی اُسے لگا جیسے کوئی پرندہ دھپ سے اندر آ گرا ہو۔ اُدھر دیکھا مگر نیم اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا...... اُسے دیوان خانہ کوئی عقوبت خانہ سا محسوس ہوا...... خیال آیا کہ شاید کوئی بھیگی بلی وِلی کھلی کھڑکی سے اندر چھلانگ آئی ہو۔ بادل نخواستہ چند قدم آگے بڑھی تو اچانک دو مضبوط بازوؤں نے اُسے اپنے حصار میں جکڑ لیا...... اس سے پیشتر کہ وہ اس ناگہانی صورت حال کو سمجھ پاتی یا اس کے منہ سے کوئی چیخ یا آواز بلند ہوتی' ایک بھاری بھرکم بالوں بھرا ہاتھ اس کے نازک سے ہونٹوں پہ آ ٹکا...... وہ اس جن جپھے میں کسمسا کر رہ گئی تھی...... تاریکی میں اگر بصارت کچھ کام نہ کرے تو سماعت اِک نُدرت سے بیدار ہو جاتی ہے۔ ہلکی سے ہلکی آہٹ' مدھم سی سرگوشی اِک بلند آہنگ کی مانند گونجنے لگتی ہے۔

تپتے انگار گال کے پاس یخ بستہ کان کی لو میں ننھا سا آویزہ تھرتھرایا' گھنی مونچھوں کے اکھڑ بال کان

کے اندر تک پہنچتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر موٹے موٹے ہونٹوں نے پورے کان کو ہی منہ میں لے لیا...... ''ہوں'' کا ردِ عمل ایکو جیسے پورے وجود میں سنسنا سا گیا ہو۔ آہستہ سے سرگوشی سا آہنگ اُبھرا۔

''سفیداں بائی! سنتوک یہاں تجھے بیاہنے آیا ہے...... بھولی تو نہیں۔ میں نے تجھے کہا تھا، تو میری ہے۔ اب چُپ چاپ میرے ساتھ چل پڑ۔ میں جیل توڑ کر بڑی مشکلوں سے یہاں تک پہنچا ہوں۔''

سفیداں کے ہونٹوں پر گرفت ڈھیلی پڑی تو حواس مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''سنتوکے! تو راٹھ سکھ ہے جو ہوڑ مغز ہوتے ہیں لیکن تم اس کے علاوہ اوباش، زنا گیر قاتل اور بیوی کے بے وفا بھی ہو...... میں راجپوت مسلمان، بن بیاہی، اپنے اُصولوں بندھنوں اور اپنی من مرضی کی مالک ایک گانے والی طوائف ہوں اور تُو جیل توڑ کر رات کے اس اندھیرے میں چوروں کی طرح چھپ چھپا کر مجھے بیاہنے آیا ہے۔'' پھر اس کے بازوؤں کی گرفت کو قدرے ڈھیلا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''باجا گاجا نہ براتی اور نہ کوئی گواہ...... بیاہ کرنے جانے والے تو بڑے کج دھج، شان شوکت سے گھوڑی پر سوار ہو کر ڈولی لینے آتے ہیں...... اور تو قرض داروں کی طرح مُنہ چھپا کر کھڑکی پھلانگ کر اندر آیا ہے۔''

سنتوکے کان پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔

''بس کر سفیداں! میں ایتھے تیرا لیکچر سُنن نہیں آیا۔ جنج نال گھوڑی تے چڑھ کر بھی آ جاندا، جے میں جیل وچ نہ ہوندا۔ میں تیرے سارے چاء تے فرمائشاں پوریاں کر دیندا۔ پر ایس ویلے مجبوری اے۔ جس طرح پکی نہ ملے تے کچی ای چنگی اے۔''

سفیداں ایک بار پھر مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''سنتوکے! کچی عمرے کچی پی کے پکیاں پاون دیاں خواہشاں نہ رکھ۔ پیار دے بیوپار وچ مجبوریاں نہیں ہوندیاں...... جا واپس جیل چلا جا، ایسے وچ ای تیری بہتری اے۔ ہاں اک گل یاد رکھ کہ رنڈی نال پیار پاون والیاں نوں ساری حیاتی اوہدیاں چلماں بھرنیاں پیندیاں نے...... جا چلا جا واپس جیل اندر، اجے تیری سزا پوری نہیں ہوئی۔ یا فیر اپنی دھرم پتنی کول، اپنے پھل ورگے بچے کول...... اپنی گھر دی سورگ چھڈ کے باہر دی نرکھ نہ بھرول۔ میں تیرے نال پیار نہیں کر سکدی۔ تے ویاہ دا سوال ہی پیدا نہیں ہوندا۔''

سنتوکے نے گردن پہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی مانند شکارا بھرتے ہوئے اسے کسی بالڑی بچی کی طرح اُٹھا کر سینے سے لپٹا لیا...... فرش پہ سے بالشت بھر پاؤں اُٹھے ہوئے وہ جیسے پھانسی کے پھندے پہ جھول رہی تھی...... سنتوکے کے موٹے موٹے ہونٹ، اس کی گلاب سی نازک پنکھڑیوں پہ سختی سے پیوست ہو چکے

تھے وہ شاید اپنی ہزیمت کا سارا کرودھ اس کے مُنہ حلق میں انڈیل دینا چاہتا تھا۔ ایسی تلخ باتیں...... جنہوں نے اس کی سکھ کی ساری سکھی تہس نہس کر دی تھی۔

سفیداں کی پہلے زبان چل رہی تھی اب زبان بند ہونے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں چلنے لگے تھے اور جب وہ بھی تھک ہار کر کچھ شانت پڑ گئے تو سنتو کے نے اسے ہٹا کر نیچے فرش پہ بچھی ہوئی ایک توشک پہ ڈال دیا اور خود بھی اس سے جُڑ کر بیٹھ گیا۔

"سُن سفیداں! تیرے سر پہ ہیرے نہیں جڑے ہوئے...... جوان خوبصورت عورت میرے گھر پہ بھی ہے اور اس بازار کے ہر چوبارے پہ بھی موجود ہے...... میرے لئے خوبصورت عورتوں کی کمی نہیں...... میرا مَن تجھ پہ ٹک گیا ہے اور تُو جانتی ہے کہ سِکھ اور سانپ جہاں ایک بار اپنا مَن منکا ہار جاتے ہیں اُس کو کبھی نہیں بھولتے......"

ماحول اب قہقہے دیکھ بھالنے کے لئے سازگار ہو چکا تھا۔ اندھیرا ہو یا دُکھ غم انسان جب ان کو برداشت کر لیتا ہے تو یہی اندھیرے اور دُکھ درد اسے روشنی اور ہوا دینے لگتے ہیں۔ اس کے ہمدرد غمگسار اور آنکھیں بازو بن جاتے ہیں۔ سفیداں بائی کو آج [illegible] سنتوک سنگھ کے ہونٹوں نے اس کی ساری بدن کی سندی پیوں لی تھی۔ وہ دزدیدہ نگاہی سے اس کے چہرے جسم کو دیکھ رہی تھی...... دیوار کی مانند تنومند لمبا تڑنگا۔ نیم اندھیرے میں کسی چیتے کی طرح چمکتی ہوئی سبز بھوری آنکھیں اُسے بڑی بھلی لگیں۔ نہ جانے کیا سوچ کر سفیداں بائی نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پگڑی اتار دی' گرہ دار کیس کھول دیے۔ چھوٹی سی گھنی داڑھی [illegible] چمکتے ہوئے ہموار دانت۔ ہاتھ پھسلتے پھسلتے اس کی جلیانوالہ والے باغ سی چوڑی چھاتی پہ پہنچ گیا تھا۔ یہیں کہیں دھک دھماکے ہو رہے تھے۔ سنتو کے نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ سفیداں بائی نے اچانک سرگوشی کی۔

"سنتو کے! تُو مجھ سے بہت پیار کرتا ہے کیا؟"

اس نے اس کے ہاتھ پہ اپنا دباؤ بڑھاتے ہوئے بے ساختگی سے اسی رنگ میں جواب دیا۔

"میرے دل کی یہ دھک دھک تجھے کیا بتاتی ہے؟"

سفیداں بائی بڑے سکون سے اس کے شانے پہ سر ٹکا کر بولی۔

"دل تو پاگل ہوتا ہے یہ تو یوں دھک دھک ٹِک ٹِک کرتا ہی رہتا ہے...... تو کچھ اپنے مُنہ سے بھی بول؟"

سنتو کے نے اِک ٹھنڈی لمبی سی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مُنہ سے تو میں کئی بار کہہ چکا...... مگر تجھے اعتبار نہ آیا۔ اَب مُنہ اور زبان چھوڑ...... لے یہ

کرپان...... اے دل، اے گردن، یہ جان حاضر ہے۔''

وہ کرپان کی انی سینے پہ دل کی جگہ رکھے ہوئے گردن جھکائے سامنے بیٹھا تھا۔

سفیداں بولی۔

''میری ایک شرط ہے کہ تُو اپنی بیوی سے بے وفائی نہیں کرے گا...... اس کی اجازت سے میرے ساتھ دوسرا بیاہ کرے گا...... بیاہ سے پہلے مسلمان ہو جائے گا...... اور اپنی یہ سزا پوری......''

ابھی جملہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ اک دم پولیس سر پہ پہنچ گئی...... سنتوک جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو۔ اُٹھنے کی کوشش کی تو گولی چل جائے گی۔''

لیکن ہونی تو جھکائی لے کر زقند لگا چکی تھی...... کرپان کی نوک اس کے دل کے عین اُوپر تھی...... پولیس کی ہڑبونگ میں اس نے جھکائی لے کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ نیچے روئی کی توشک پہ جو پاؤں رپٹا وہ اپنے ہی بوجھ سے کرپان پہ چت ہو گیا...... یہ سب کچھ ایسی بے خبری، عجلت اور ڈرامائی انداز میں سرزد ہوا کہ سنتوک اور سفیداں دونوں کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی...... وہ اُسے کہے جا رہی ہے ''سنتوکے! کوئی حرکت نہ کرنا، چُپ چاپ گرفتاری دے دو...... یہاں میں تیرا انتظار [illegible] سے اُسے دیکھ رہا ہے۔

پولیس اب پوری طرح سنتوک کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہی پورا ڈیرا جاگ چکا تھا۔ پاس پڑوس، نیچے بازار میں جگہ جگہ لوگ باگ جمع ہونے لگے۔ پولیس نے ڈیرے والوں کی مدد سے روشنی کا انتظام کیا۔

''خاموشی سے گرفتاری دے دے، سنتوکے! میں تیرا انتظار کروں گی۔''

سنتوک نے ہلکی سی مسکراہٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ بڑی دقت سے کرپان والا خون آلود کانپتا ہوا ہاتھ باہر نکالا، سفیداں کی مانگ کو لہو سے رنگین کیا...... اور پھر اسی کی جھولی میں گردن ڈال دی۔

اُس رات برکھا اور سفیداں کُھل کر روئے تھے۔

دیے اور دل میں ایک قدر مشترک ہے...... بُجھ جائیں تو دیر تک دُھواں دیتے ہیں۔ ایسا آغاز اور کیسا انجام...... اُڑنے بھی نہ پائے کہ پکڑے گئے۔ وہ اندر ہی اندر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی۔ پہلی پہلی نفرت اور پہلا پہلا پیار بڑا ستاتے اور تنگ کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ قانونی عدالتی چکروں میں گزرا۔ اس دوران پیشہ دھندہ بند ہوا سو ہوا۔ شہر، علاقے، بازار میں بھی شہرت بگڑی۔ ایسی قتل و قتل کی دو ایک وارداتیں پہلے بھی اسی کوٹھے پہ ہو چکی تھیں۔ عدالتی اہلکاروں

اور پولیس نے خوب مال بٹورا۔ دل دماغ سکون سے اور صندوقچی مال سے خالی ہو چکے تھے۔ سکھ برادری نے الگ پریشان کیا ہوا تھا۔ آخر ایک دن یہاں سے کوچ کا فیصلہ ہو گیا۔ اونے پونے سب کچھ بیچ باچ کر سفیداں بائی انبالہ چھوڑ کر امرتسر اُٹھ آئی۔

یہاں نیا نیا ٹھیا ٹھکانا بنانے اور پاؤں جمانے میں خاصا سمے لگا۔ کچھ جاننے پہچاننے والیاں کام آ گئیں۔ آہستہ آہستہ دیا بتی جلنے لگے لیکن سفیداں بائی ابھی تک ہتھے سے اُکھڑی ہوئی تھی۔ خانہ زاد نوچیوں لڑکیوں میں ایسا دم خم نہیں تھا کہ ڈیرے بھر کی کفالت کر سکتیں۔ اُستادوں، سازندوں پہ جب فاقے لوٹنے لگے تو اماں نے واسطہ دے کر دہائی دی۔

"اللہ کی بندی! آخر کب یوں لنگروں پہ لوٹتی رہو گی...... ہم پیشہ دار لوگ ہیں، کسی بات کو دل پہ لینا ہمارے طور طریقوں کے خلاف ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا...... تمہارا کہیں کوئی وارث بھی تو نہیں۔ اب رونا دھونا چھوڑ...... دیکھ سبھی لوگ تیری حالت دیکھ دیکھ کر ہلکان ہو رہے ہیں...... اب تو فاقوں اور تنگ دستی نے بھی آنکھیں دکھانا شروع کر دی ہیں...... قرض خواہوں کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اُٹھ میری بچی، کچھ دال دلیے کی فکر کر"

اکثر پیشہ ور سیاستدانوں، پیروں، ڈھن دار بدمعاشوں اور اربابِ نشاط کے ڈیروں کے خرچ خرچا بڑے رئیسانہ ہوتے ہیں...... ان کے دستر خوان بڑے وسیع، اکل و شرب کے سلسلے بڑے لذیذ و نفیس ان کے تعاون و تعلق بڑے گہرے اور دور دراز تک ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری ٹھسوں ٹھساں، چھوں پچھاں ہی ان کی اصل اوقات ہوتی ہے۔ ان کا کاروبارِ حیات اندھیرے سے شروع ہو کر اندھیرے میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے انت و انجام بڑے بھیانک ہوتے ہیں۔ لاکھوں کی آئی چلائی مگر خیر و برکت ایک دھیلے کی نہیں ہوتی۔ صبح ننگے، دوپہر ملنگے اور شام پھر تلنگے...... پیشہ ور پیروں کے نذرانے۔ بدمعاشوں کے جگا ٹیکس اور وزنی گھنگھروں والے پاؤں کے نیچے روندے جانے والے نیلے، سبز اور سرخ نوٹ، یہ سب تِل دو تِل کی چکا چوند اور لمحہ دو لمحہ کی ریل پیل کا سامان ہی تو ہوتے ہیں۔

● جو تھا ناخوب بتدریج وہی خُوب ہُوا......!

مطربۂ وقت نے انگڑائی توڑی تو غلافوں سے ساز، ساز سے آواز اور عورت سے طوائف باہر نکل آئے۔ انبالے اور امرتسر میں دہلی کے چاوڑی اور بمبئی کے پارس روڈ کا فرق ہے۔ ماں بیٹی نے کچھ ایسی

جادو کی چھڑی گھمائی کہ کچھ عرصے میں ہی سفیداں بائی نے اپنا اچھا خاصا نام پیدا کر لیا۔ بازار کے پرانے لگے بندھے کوٹھے بیٹھکیں بیٹھنے لگیں۔ اچھے اچھے سخن نواز، کن رسیئے، گنی گنیئے ہوا کے رُخ کے ساتھ اِدھر کا رُخ پکڑنے لگے۔ نام اور شہرت جو پَر لگا کر اُڑی تو دُور دُور سے بلاوے اور دعوتیں پہنچنے لگیں...... دن پھرتے کیا دیر لگتی ہے دیکھتے ہی دیکھتے دھن میگھا کی نسبت برسنے لگا۔

وقت کی بینا پہ اب ایک اور ہی راگ شروع ہو گیا...... نظامِ قدرت ہی ایسا ہے کہ کسی چیز کو ثبات نہیں، تعمیر کے ساتھ ہی تخریب بھی شروع ہو جاتی ہے...... ابھی خوشیوں کی شہنائیاں گونج رہی ہوتی ہیں کہ کہیں سے کوئی بُری خبر بھی تعاقب میں پہنچ جاتی ہے...... شاید یہ سب کچھ نظامِ حیات کا لازمہ ہے۔ یہاں بھی ابھی بھری بغلوں اُڑنے بھی نہ پائے تھے کہ پھر پکڑے گئے۔

دبے دبے بٹوارے کی باتیں ہو رہی تھیں...... اندر ہی اندر فسادات کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں، ہندو مُسلم ایک دوسرے سے آنکھیں چُرانے لگے تھے۔ سفیداں بائی کی ماں کی ایک منہ بولی بہن جموں کے شاہی بازار میں بڑے دھڑلے کی ڈیرہ دارنی تھی اس نے خبردار کیا کہ حالات خراب ہو رہے ہیں کئی ایک مسلمان طوائفیں [illegible] تو لاوا پھوٹنے سے پہلے ہی [illegible]ٹ سمیٹ کر لاہور یا جموں چلی آؤ...... میں نے تمہارے لئے خاطر خواہ انتظام کر رکھا ہے۔

کُتا، گدھا، چیونٹیاں، چوہا، پرندے، فقیر، تاجر اور طوائف...... انہیں بُرے وقت کا پیشتر ہی ادراک ہو جاتا ہے۔ اِن میں سے اکثر نقل مکانی کر جاتے ہیں اور جو بیچارے مجبور و معذور ہوتے ہیں وہ رو پیٹ چیخ چنگھاڑ کر کے خاموش ہو لیتے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان کے بٹوارے میں بھی نقل مکانی کرنے والے پہلے یہی لوگ تھے...... ابھی صرف افواہیں ہی گردش کر رہی تھیں کہ شاہ عالمی، انار کلی، سنت نگر، بھگوان پورہ، اچھرہ، رام گڑھ، شاہی محلہ، کرشن نگر، فلم اسٹوڈیو، کالج، ہسپتال، لکشمی چوک وغیرہ خالی ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سفیداں بائی کی ماں کی بدھی کُھلی اس نے دن دیکھا نہ رات چھوٹا موٹا سامان سمیٹا، زیور و نقد کے پوٹلے بغل میں دابے، لونڈیا، اُستادوں اور خانہ زادوں سمیت جموں آ اُتری۔ ایسی سیانی کہ تانبے کے لوٹے، اُگال دان، پیچوان، سلفچیاں...... تمام چینی کے برتن، بمبئی کے بنے ہوئے دیوار گیر، میرٹھ سے منگوائے ہوئے شمع دان، جھاڑ، چاندنیاں، تکیے، جھاڑو اور دست پناہ تک اُٹھا لائی تھی...... سونے پہ سہاگہ کہ یہاں پہنچتے ہی ایک مسلمان طوائف کا بابر چوکھٹ تک بھرا پرا گھر مل گیا۔ لاہور جاتے سمے وہ بیچاری چند دنوں کا کہہ کر چابی ہمسائی کے حوالے کر گئی تھی کہ حالات دُرست ہوتے ہی واپس آ جائے گی۔ اِسے کہتے ہیں مقدر کی سکندری کہ سفیداں بائی کی ماں امرتسر سے بھی خوب سمیٹ لائی تھی اور اب

یہاں جموں میں بھی جما جمایا سب کچھ مل گیا جس کی توقع تک نہ تھی۔ مگر یہاں پہنچ کر چوتھے مہینے ہی ایک اور ہونی ہو گئی...... سفیداں بائی کی ماں ہیضے میں لوٹ پوٹ ہو کر اپنا پلا پاک کر گئی...... سفیداں بائی کی چھوٹی بہن امام باندی کو اسی روز میٹھا برس لگا تھا۔

● جلوتِ نقش و مثال لذتِ ہجر و وصال......!

جموں کی کیا بات تھی...... یہاں کے البیلے موسم، نشیلی ٹھنڈی ہوائیں، سر سبزے، گلزار، ذخیرے، مرغزار، ندی نالے، تالاب، روشیں، رسیلے رنگیلے انگ رنگ...... اور سب سے اہم یہ کہ یہاں کے لوگ سُریلے، موسیقی کے لوک انگ کے جانو اور عاشق۔ یہاں کے موقع ماحول میں اک مدھم سی موسیقیت اور ایک دِلآویز سی رُومانیت رچی بسی رہتی تھی...... توی کنارے کے نظارے، باغات، پھلوں پھولوں سے لدے پھندے اشجار۔ مہاراجہ کے خوبصورت محلات، شاہی مہمان خانے......!

ڈوگرہ راج کا بھی ایک اپنا ہی رنگ ڈھنگ [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] ہو یار باشی، زندہ دلی، دلیری [illegible] کی تان [illegible] بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ ڈوگرہ حکمرانوں میں جہاں بہت کمزوریاں اور بُرائیاں پائی جاتی تھیں وہیں چند خیر خوبیاں بھی نمایاں تھیں جو میری رائے میں خاصی اہمیت کی حامل تھیں، مغلوں کی طرح یہ بھی موسیقی کے قدر دان اور حد درجہ کے کن رسیئے تھے۔ کشمیری پہاڑی انگ کی لوک موسیقی پہ ان کے حد درجہ احسانات ہیں جہاں وہ موسیقی کے فنکاروں [illegible] کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے وہیں خصوصی مُراعات کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام، خطاب و اعزازات سے بھی نوازا کرتے تھے، ان کے دربار، جلسے...... جشن موسیقی سے ہی اول و آخر ہوتے تھے۔ بھولی بھالی بکریوں جیسی پر جا بھی اپنے عیش پسند حکمرانوں سے حد درجہ محبت کرتی تھی۔

جموں کی بُود و باش، اُنیس بیس کے سِن کی دلربائی، تجربے مشاہدے اور ریاضت و شوق نے اب سفیداں بائی کے ہُنر و ہماؤ، نشست و برخاست میں اک پُر وقار سی تمکنت اور رچاؤ پیدا کر دیا تھا، اس کی مدھر گائیکی اور دلنشین بھاؤ سبھاؤ کی شہرت و خوشبو اب عوام الناس سے نکل کر خواص تک پہنچ چکی تھی ان ہی ایوانوں شبستانوں سے دھومیں اڑاتی ہوئی مہک دہک مہاراجہ کے دربار تک جا پہنچی جو خوش جمال و خوش گلو سفیداں بائی کی قدر و قیمت میں اک نمایاں اضافے کا سبب بنی۔

جوہری اور طوائف بڑے زبردست موقعہ اور بے شناس ہوتے ہیں۔ اپنے مال کی اہمیت اور گاہک کی شخصیت و حیثیت کا انہیں خوب اندازہ ہوتا ہے یہی ان کا اصل کمال و ہنر ہے' جس سے یہ خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

سفیداں بائی چاہتی تو لاہوری دروازہ کے اس معمولی سے کوٹھے سے اُتر کر راجد ھانی کے سرکردہ لوگوں کی کسی بستی کی جانب ہو لیتی مگر اس نے ایسا نہ کیا...... وہ خوب سمجھتی تھی کہ طوائف ہر حال میں طوائف ہی ہوتی ہے' کوٹھے پہ رہے یا کوٹھی میں' اس کی اصالت و مقامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی اخلاقی' فنی اور مالی حیثیت کی وجہ سے نمایاں تو ہو سکتی ہے لیکن سماج اور معاشرے میں یہ اشراف جیسے درجہ و دبدبے کی اہل نہیں ہو سکتی...... اہلِ فن و ہنر' کسب و کمال' خاص طور پہ ارباب نشاط و عشوہ میں انسانی رویوں کے سچ و بطلان کا اِدراک دُوجوں سے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے کہ معاشرے کا حصہ ہونے کے باوجود یہ پُرکار فنکار لوگ علیحدہ سے دکھائی دیتے ہیں۔

وہ اب درباری سرکاری جلسوں محفلوں میں بطورِ خاص بلوائی جانے لگی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے نچلے اور درمیانی سطح کے عوام سے بھی اپنا تعلق ناتا نہیں توڑا تھا۔ یہی کمال تھا کہ وہ جہاں بھی اپنی سبھا جماتی' خاص [illegible] پہ [illegible] جاتی۔

راجدھانی جموں میں مہاراجہ کے محلوں تلے بالی سی چنچل ندیا توی' بڑے کج مگر بڑے ناز نخرے سے اٹکھیلیاں توڑتی ہوئی گزرا کرتی تھی اس کے شاداب کنارے خوبصورت اور پُر بہار ہوا کرتے تھے...... پھلوں پھولوں سے آراستہ باغ باغیچے' قرینے قرینے قطعے اور کاکل شیوہ طرازی کی مانند گھنگھریالی اٹھلاتی ہوئی معطر و مخملیں روشیں...... برسات کی بھری بوچھاروں' بہار بھری رُتوں' اور پورنماشی کی پگھلی ہوئی چاندی میں چھم چھم کرتی پُراسرار راتیں...... ایسے میں یہاں کے چمنستانوں میں نکہت و نکھار اور رنگ و نور کے قافلوں پہ قافلے اُترا کرتے تھے۔ ٹم ٹم ٹمٹماتے ہوئے جگنوؤں کی ننھی ننھی قندیلوں سے کہکشائیں سی بکھر جاتیں...... شیاماؤں اور چکوروں نے اپنی الگ دُھوم مچائی ہوتیں...... شاہی باغ کے ذرا پرے مہاراجہ کے منورنجن بھونن میں گوجری رنگیلیوں کے پگ جب گھنگھروؤں سے چھنک اُٹھتے اور کشمیری ڈوگری ڈومنیوں کی لے کاری کی لَو بڑھتی...... اور پھر تانس تو مرے کی سنگت میں سارنگیوں' تو مبوں کے ذب گزوں کے کچوکوں سے کومل سُروں کے چھالے جب مدھر آہنگ کے رنگ گھولتے...... تو فضا میں زمزموں کے ترنگ' رات کی رانی کی مہک کی مانند گھل مل سے جاتے اور پھر جیسے محلوں کے نیچے بچھی ہوئی کشمیری شال کی طرح' توی ندی کے کنارے بھی اِک کیف بھری غنودگی کو جھٹک کر جاگ پڑتے۔ خوش جمالوں کی چہلیں' چہچہکارے' خوش جبینوں کے ٹھول ٹھٹھے' خوش گلوں

کے تان پلٹے بھی جوبن پہ آ جاتے...... جدھر نگاہ اُٹھتی خوش خوشحالوں اور کشادہ فکروں کے پرے کے پرے دھرنے دیئے بیٹھے ہیں...... چاندنی میں توی ندی کا پارے ایسا ڈلکیں مارتا ہوا پانی' ڈوگری' کشمیری' پہاڑی انگ میں بسی ہوئی موسیقی...... ٹپے' ڈھولے' ماہیے' گاونے' گیت' دوہے بول بولیاں...... کیا کچھ نہ ہوتا۔ خوش جمالوں کے جلوے' اس پہ مستزاد ہوتے......!

اکثر ایسا ہوتا کہ مہاراجہ کی حاضری میں اُتری ہوئی رنڈیاں' طوائفیں اور گانے بجانے والے شاہی دربار سے فراغت پا کر بابا بالی شاہ کی سرکار میں سلام اور چوکی بھرنے کی خاطر حاضر ہو جاتے تھے۔ خاص طور پہ نوچندی جمعرات کے روز تو یہاں خوب گہما گہمی ہوتی۔ برصغیر کی بڑی بڑی ٹھسے دار' نامی گرامی گانے والیاں یہاں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ پیر فقیر' درگاہیں اور مزار وغیرہ صرف اس طبقے کے لئے مخصوص اور مشہور ہوتے ہیں۔ پاک و ہند میں مسلمانوں' ہندوؤں کے بے شمار استھان اور مقامات ایسے ہیں جہاں زیادہ تر بھی گانے ناچنے والی طوائفیں بڑی عقیدت سے حاضری دیتی ہیں...... ہیجڑوں کے بھی اپنے اپنے گرو' پیر' مرشد اور مزار و دربار ہیں۔ اسی طرح بدمعاش اور جیب کتروں' [illegible] کے بھی اپنے [illegible] ڈیرے' پیر اُستاد اور ڈیرے [illegible] ماتھے [illegible] ہیں اور ہر کامیابی کی صورت میں وہاں حاضری دیتے ہیں اور منت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جیسے پیشہ ور قاتل ڈاکو کالی مائی کلکتے والی کا بلیدان چڑھاتے ہیں...... کلکتہ کے سورج پور کے علاقہ میں پیشہ ور طوائفوں کا ایک مندر ہے جہاں وہ باقاعدہ اپنی کمائی کا ایک مخصوص حصہ پیش کرتی ہیں...... اس مندر کا پروہت نذرانہ وصولنے کے بعد ان کے کاروبار کی برکت کے لئے پراتھنا کرتا ہے' ان کے لئے ڈنڈوت کر کے آشرباد دیتا ہے...... دلی جمنا کنارے شاہدرے میں بھی کسبیوں کا ایک استھان تھا' چاوڑی کے علاقہ میں بانکے میاں کا ایک مزار بھی طوائفوں کے لئے مشہور تھا۔ سکھی' سدا سہاگ فقیروں' جو زنانہ کپڑے زیور پہنتے ہیں' کے بھی بہت سے مزارات یہاں موجود ہیں۔ جبکہ پرانی بستی نظام الدین میں سلطانی خانم ایک بزرگ کا مزار' جو صرف ہیجڑوں کے لئے ''مرجع خصائص'' ہے۔ لاہور اندرون بھاٹی' ٹبی' شاہی محلے میں کئی ایک تکیے مزار طوائفوں کے پیروں کے ہیں...... اسی طرح کچھ بقید حیات بزرگ بھی موجود ہیں جن کی وجہ شہرت طوائفیں' رنڈیاں اور گانے والیاں ہیں۔

امیر خسروؒ، بابا بلھے شاہؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، سرکار لال شہباز قلندرؒ، شیخ مادھو لعل حسین شاہؒ اسی طرح بشمول غالب اور قریب قریب تمام شعراء'

اُدباء کا تعلق خاطر کسی نہ کسی طور فنونِ لطیفہ خاص طور پہ موسیقی و رقص کے حوالے سے اربابِ سخن و فن سے رہا ہے۔

راجد حانی جموں میں بابا بالی شاہ کا مزار بھی کچھ ایسی ہی شہرت و نوعیت کا حامل تھا' برصغیر کی چیدہ چیدہ گانے والیاں یہاں ضرور چوکی بھرنے آتی تھیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بابا بالی شاہ جس کا گانا سُن کر خوش ہو جائیں اُسے سرسوتی کا گیان حاصل ہو جاتا ہے' گلے میں اُنچے اور میٹھے سُروں کا بسیرا پڑ جاتا ہے' کسی میدان میں ہار نہیں ہوتی۔ کامیابی کامرانی اس کا مقدر...... اور شہرت و دولت اس کی باندیاں بن جاتی ہیں۔ ایسا بھی کہا جاتا تھا کہ خاص طور پہ نوچندی جمعرات کے روز یہاں چوکی بھرنے سے مُراد پوری ہونے کی اُمید زیادہ ہوتی ہے جبکہ کھلی چاندنی میں دوپہر رات بھیگنے پہ بابا بالی شاہ کے تصرفات اور جود و سخا کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اس لئے گانے والیاں اس رات [illegible] کا بے چینی سے انتظار کیا کرتی تھیں...... نذر نیاز' مناجات و دُعا درود سے فراغت کے بعد توی کنارے ایک بڑے پنڈال میں خاص و عام جمع ہوتے...... کبھی کبھی مہاراجہ بھی شرکت کر لیتے۔ ہر گانے والی کو اس کے مراتب و مقام کے مطابق وقت اور پذیرائی ملتی تھی...... اور نصیب میں جیسا رزق پانی لکھا ہوتا وہ بھی جھولی میں پڑ جاتا۔ لُطف کی بات یہ کہ مہاراجہ کے دربار سے اپنی ہاتھوں ہیرے جواہرات سمیٹنے والیاں بھی [illegible] یہاں بابا کے مزار سے دھیلی چونیاں بھی ہونٹوں سے اُٹھاتی تھیں۔ دورانِ جلسہ محفل کیا مجال جو کسی طوائف کے سر سے پلو سرک جائے' کوئی سوقیانہ حرکت یا ایسے ویسے بازاری پن کا مظاہرہ ہونے پائے' اعلیٰ و ادنیٰ ہر کوئی حفظ و مراتب اور نظم و ضبط کا خیال کرتے تھے۔

بابا امرناتھ کے میلے کے چند روز بعد ہی ساؤں میں چنچل پیر کا عرس شروع ہو جاتا اور ابھی زائرین اپنے رت جگوں کی نیند اور مسلسل مسافرت کی تھکن بھی اُتارنے نہ پاتے کہ اِدھر بابا بالی شاہ کا میلہ بھرنے لگتا...... ہندوستان کے گوشے گوشے سے چھوٹے بڑے طائفے موسمی پرندوں کی مانند اُترنا شروع ہو جاتے...... راجد حانی کی انتظامیہ کی جانب سے توی کے دائیں کنارے مائی بسنتو کی ڈھیری والے سرسبز و شاداب کھلے میدان میں چھولداریوں اور شامیانوں کا ایک قصبہ سا آباد ہو جاتا۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا سارا انصرام انتظامیہ کے ذمہ ہوتا...... میلے کے آخری تیسرے روز مہاراجہ اپنے پریوار' درباریوں اور عمائدین شہر کی سنگت میں بابا بالی شاہ کی حاضری کے لئے پدھارتے' میلے کے دوران سرکاری پنڈال میں دکھائے جانے والے پہلوانی' جسمانی کرتب' گتکا' نٹ بازی' تیغ زنی' بنوٹ' آتش بازی' وزن اُٹھانے اور بیلوں کی دوڑ' رام لیلا' سوانگ رچانے اور گانے بجانے کے مقابلوں میں خوبصورت کارکردگی دکھانے پہ ان کی محنت و ہُنر کو سراہتے' انعامات سے نوازتے...... غرضیکہ راجد حانی میں اُترے ہوئے ہزاروں ہندو' مسلم' سکھ عقیدت مند زائرین

یہ کشمیر تک کے میلے بھگتا کر ہی واپس لوٹنے کی ٹھانتے تھے۔

مسافتِ کشمیر جنت نظیر کی جانب پہلا میدانی پڑاؤ' یہ جموں شہر ہی تھا۔ یہ ٹھیا ٹھاؤں ہی ایسا تھا کہ میدانی اور پہاڑی دونوں ہی مزے اور موسم یہاں موجود تھے۔ پھلوں پھولوں سبزیوں کی بہتات' زندگی کا ہر سامان و آسائش میسر و آساں۔ باشندے شاداں و فرحاں...... اطاعت و محبت مہمانداری پہ آمادہ...... رنگ و ترنگ میل و سنگ کے دلدادہ...... جغرافیائی پسِ منظر' موسموں کا مزاج' آب و گِل کا سواد...... ہواؤں کا رنگ اور فضاؤں کا رنگ...... کچھ یوں سُریلا' گُنیلا اور رومان پرور تھا کہ بدو بدی کچھ نہ کچھ کھانے' گنگنانے' چوسے یا چابے جانے کو جی چاہتا تھا...... کشمیری' ڈوگری' گوجری' پہاڑی اور پنجابی بھاشاؤں کا یوں دلآویز سا سنگم کہ جیسے بھا کشمیری' للت' ملتانی' مانڈ' پہاڑی اور دیس ایسے راگ راگنیاں آپس میں کوئی گٹھ جوڑ کر بیٹھی ہوں ـــ سونے پہ سہاگہ' وقت کے مطلق العنان حکمران رنگ و رامش کے رسیا...... شراب و کباب اور شباب کے دلدادہ ـــ اور جدھر جدھر یہ سامانِ خانہ خرابی وافر موجود ہو وہاں پھر راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ مُغلوں کا دورِ حکومت' دربارِ اکبری' واجد علیشاہ کا دربار اور تختِ لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اگر سرکاری درباری سطح پہ رقص و سنگیت کو عروج حاصل ہوا یا کہیں خصوصی مراعات کے ساتھ اہلِ فن اور اربابِ نشاط کی شخصی طور پہ پذیرائی اور قدردانی ہوئی [illegible] گانے والیاں' کنچنیاں' نوچیاں اور سازکار باقاعدہ درباری حیثیتوں میں موجود تھے ـــ صنم تراش' مسخرے' بھانڈ' ڈوم میراثی ـــ کلاکار اور [illegible] کوی کلاونت' بہروپیے' مشاطے' مالشیے' جوتشی نجومی اور [illegible] اچھے اچھے منصبوں پہ فائز تھے۔ خاص طور پہ خوبصورت طرحدار نوچیوں اور نوخیز نوبہار ناچنے گانے والیوں کے لئے تو جموں دربار' ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی کھلی کان کی مانند تھا کہ حسبِ صورت و ہُنر اور دامن و طلب' مال سمیٹا اور شاد کام ہو لیئے۔

جموں میں جامنوں کے درختوں پہ بُور پڑ چکا تھا' موسم بہار کی آمد آمد تھی...... بابا امرناتھ کے تیرتھ سے زائرین کے ٹھٹ کے ٹھٹ جموں میں جمع ہو رہے تھے۔ سرائے خانوں' آشرموں' گاؤشالوں' ہوٹلوں' مسجدوں' مندروں میں تل دھرنے کو جگہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سائیں پنجل پیر کے میلے میں ابھی تین روز باقی تھے' مسلسل بے آرام ٹوٹے ہوئے' تھکے ماندے اور نیند سے ہارے ہوئے زائرین اپنے اپنے ٹھکانوں پہ بے سُدھ سے پڑے ہوئے تھے جبکہ ان کے اگلے چند روز بھی مسلسل رت جگوں' بے سکونی اور کسل مندی کی نذر ہونے والے تھے ـــ یعنی سائیں پنجل پیر کا میلہ اور بعد پھر تین روز بابا بالی شاہ کا عرس...... جس میں خصوصی طور پہ ملک بھر کی

نامی گرامی گانے والیوں میں کانٹے دار مقابلے ہوتے تھے' جس کے لئے وہ مہینوں پہلے تیاریاں شروع کر دیتی تھیں...... ان طوائفوں اور ڈیرہ دارنیوں میں بھی درجہ بندی ہوتی تھی...... اس مقصد کے لئے مہاراجہ کا ایک خاص محکمہ کام کرتا تھا جو کلکتہ' بمبئی' آگرہ' امرتسر' لاہور کی بڑی بڑی ڈیرہ دارنیوں کے ڈیرے کھنگالتا رہتا...... جدھر کہیں کوئی کام کا دانہ موتی دکھائی پڑتا اُسے دامِ دعوت دے کر بلا لیا جاتا...... ایسی خصوصی دعوت پہ پہنچی طوائفیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرائی جاتیں۔ ان کی خاطر مدارت پہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جاتی...... وقفوں وقفوں منتخب مطرباؤں نوچیوں اور نرت کاروں کو مہاراجہ کی سرکار' میں نوازنے اور نذر گزارنے کا پروانہ ملتا...... مہاراجہ جس خوش بخت پہ نگاہِ التفات کرتا اس کا دامن مُوتیوں سے بھر جاتا۔ باقیوں کو محض شرف یابی و خوشنودی کا اعزاز ہی نصیب ہوتا۔

● رام پوری پٹھان آدھا جن آدھا انسان......!

ریاست رام پور کا اصلی کاکازئی پٹھان کالے خان' اپنے عمارتی لکڑی کے کاروبار کے سلسلے میں یہاں بارہ مولا' سرکار [illegible] ایک [illegible] اپنے معاملات نپٹا کر جموں چلا آیا' یہاں سے اس کا ارادہ دو چار روز کے لئے ملتان شریف جانے کا تھا جہاں اس کے سسرالی عزیز رہتے تھے...... ایک لمبی رقم [illegible] کے کھیسے میں تھی...... ایک رات جموں ٹھہر کر صبح دم سیالکوٹ کے لئے روانہ' اس کے پروگرام میں شامل تھا۔ ایک ہوٹل دوسرا تیسرا...... دھرم شالے' مسافر خانے کہیں بھی اسے شب بسری کے لئے جگہ نہ مل سکی...... میلے عرسوں کے دن' شہر میں ہر جانب آدم ہی آدم...... ہوٹل اور دیگر قابلِ رہائش جگہیں بہت پہلے سے بک تھیں...... مایوس ہو کر وہ کھیگوں کی جامع مسجد میں چلا آیا...... عشاء کی نماز گزار کر اس نے اپنے گردوپیش نظر ڈالی۔ لیٹنا تو درکنار' یہاں تو پاؤں پسارنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ شلوکے میں رقم بھی تھی احتیاطاً اس نے اس اژدھام میں پڑے رہنا مناسب نہ سمجھا اور یہ سوچتے ہوئے مہاراجہ کے محلوں کی جانب نکل آیا کہ چلو آج رت جگا ہی سہی یعنی ایک رات جموں کے نام...... کل صبح نہا دھو کر سیالکوٹ چلے جائیں گے۔ شلوکے کی رقم کو مزید محفوظ کرتے ہوئے اب وہ پوری طرح گردوپیش کی گہما گہمی اور رونق میلے میں مگن ہو گیا' اب وہ ٹھنڈی سڑک کی جانب بڑھ آیا تھا...... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ لوگوں کے ریلے میلے نے اسے بھی اسی رُخ پہ ڈال دیا تھا...... کشادہ سڑک' ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا' چاند کی چاندنی نے ہرسو اک ملکوتی سا سماں باندھا ہوا تھا...... فضا میں اک عجیب سی مہک رچی ہوئی تھی...... سبزے' مٹی' لدی مہاوٹ اور کچے آموں سی مہک...... جو صرف جموں'

ندی کنارے' چاندنی راتوں میں ہی محسوس ہوتی ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں' ٹھور ٹھور کے لوگ باگ' کشمیری باتو' پنجابی ڈھگے' ڈوگری منجے' گوجری بھنگے' راجستھانی نیولے' کانپور اور کریالہ کے کرلے' بمبئی کے بھیے' لکھنؤ کے بانکے' دہلی اور حیدرآباد کے چھیلے' رام پور کے بدمغزے پٹھان ...... ہر کوئی اپنے رنگ سنگ میں مگن تھا۔ مگر کالے خان کے علاوہ شاید ہی کوئی اکیلا دوکیلا ہو۔ اسے یک دم اپنے اکیلے پن کا خیال آیا' پھر سر جھٹکتے ہوئے وہ کچھ اور آگے بڑھ آیا' یہاں سے وہ ہجوم سے نکل کر سڑک کے کنارے پہ لگ گیا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف وسیع سبزے کے قطعے تھے۔ گھنے گھنے درخت' خوشبودار جھاڑ ...... ہمہ رنگ' نکہت بیز پھولوں بھرے تختے' کیاریاں باغ عدن کی راہیں کھوجتی ہوئی روشیں ...... مالوے کے درخت' موگرے کی جھاڑیں ...... یاسمن وسنبل کے قطعات ...... کھلی ڈھلی فضا میں دودھ اور ماوے کی مانند کھلی ہوئی چاندنی نے اک سحر آگیں سی کیفیت پیدا کر دی ہوئی تھی ...... اس کے اکیلے پن کے احساس میں جیسے ایک گانٹھ سی پڑ گئی جو لحظہ بہ لحظہ اس کی رُوح کو کستی چلی جا رہی تھی' وہ روہانسو سا کنارے کے ساتھ' ذرا اندر بڑھ کر گھاس کے ایک تختے پہ ڈھ سا گیا' وہ اکلاپے کی شدت سے دُکھنے سا لگا تھا۔

ایک اکلاپا وقتی یا جزوی انداز کا ہوتا ہے جو انسان کو [illegible] کا مزہ اور سکون دیتا ہے اور ایک دائمی یا خود ساختہ ہوتا ہے [illegible] سے دوچار کرتا ہے [illegible] اکیلے پن [illegible] میں پہلے اداسی در آتا ہے اس کے بعد نیم دیوانگی پھر پاگل پن کی کیفیت سے دوچار کرتا ہے اور پھر یہ بڑھتے بڑھتے ایک اذیت ناک مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے جسے ایک خاص اصطلاح میں "خرق الکیب" سے جانا جاتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مریضوں میں کم آمیزی' خود فریبی' خود تلذذی اور خود کشی کے رجحانات از خود پیدا ہو جاتے ہیں —— اس میں بھی اس سے کچھ ایسی ہی کیفیات پیدا ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں لاہوری' امرتسری اور سیالکوٹیوں کی طرح پٹھان اور سکھ حضرات کہیں بھی چلے جائیں' علم و عرفان' مقام و حشمت کے کیسے کیسے بھی مدارج طے کر لیں۔ علم' عمر' تجربے کی کسی بھی منزل پہ ہوں ...... پٹھان' پٹھان ہی اور سکھ' سکھ ہی رہے گا۔

رام پور کا یہ کھرا اور بتیس دانتوں سے منہ بھرا پٹھان بھی روایتی پٹھانوں کی طرح اکھڑ' ضد کا پکا اور سطحی عقل و سوچ کا بندہ تھا ...... بات بات پہ چاقو نکال کر مرنے مارنے پہ اُتر آتا ...... جہاں جدھر کہیں بات و سوچ کی سُوئی اٹک گئی وہیں کلی پھنس جاتی۔ مونچھ کا بال دھر کر سینکڑوں ہزاروں کا لین دین کر لینا ...... گردن کٹے تو کٹے لیکن بول تول' زبان میزان کانٹے سے تلتے ...... ایسی گھنیری' بچھو کے اُلٹے ڈنک سی اٹھی ہوئی مونچھیں کہ نظر بھر دیکھنے سے نین دُکھنے لگیں ...... کھبتی ہوئی چھوٹی گول گول سُرخی مائل آنکھیں' جیسے کوئی

پرانا بھنگی' بھونگڑا پینے کا عادی ہو۔ ٹکونا سا تنگ ماتھا' ڈبیل سی لویں' مڑے ہوئے بڑے بڑے کان' نکودری ناک...... اور پھر گردن' جانے تھی بھی یا محض ٹھوڑ سیدھے کاندھوں پہ محض تہمت دھری تھی۔ بھجڑے ہوئے گول بینگن سی رنگت والے لٹکے ہوئے ہونٹ...... یہ تو اس کے حق میں بہتر ہی ہوا کہ رام پور میں کہیں پیدا ہوا اور بچا رہا۔ ورنہ ایسا نادر الوجود بچہ' اگر کہیں کابل و قندھار ہوتا تو پختون اسے تازہ اتری دنبے کی کھال میں دم پخت کر کے کسی پہاڑی کی اوٹ میں پھینک دیتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ربُ الحکمت نے اسے خاص طور پہ رعنائی' دلکشی اور مردانہ وجاہت کا نقیض بنانے میں کسی حکمت و مصلحت کا عمل دخل یقیناً پنہاں رکھا ہوگا جو ہماری تمہاری نظروں سے اوجھل تھا...... وہ ردِ ذات اور حفظِ ذات کا ایک ایسا تاب دار الماس تھا جو شش پہلو تراشیدہ تھا مگر اس کے نیچے اس کے شش پہلوؤں کی نوکِ ارتکاز ایسی نکلی ہوئی اور یوں تیکھی تھی کہ اس کی خوبیوں کا معترف بھی اس نوک کے آزار سے بچ نہیں سکتا تھا۔

آسودہ حال کاروباری بندہ تھا...... آگا فی الحال خالی تھا اور پیچھا' تو اس سے پورب تا پچھم جان چھڑا چکا تھا۔ اس لئے وہ لگی بندھی' آتی جاتی سانسوں کا اسیر' زندگی بسر کر رہا تھا...... تھی تو ایک حد درجہ سگھڑ اور خوبصورت بیٹی' چونکہ اپنے قرابت داروں سے [illegible] تھی اس لئے شاید اس [illegible] بیٹے کے ساتھ [illegible] نباہ کرنے پہ بندھی ہوئی تھی [illegible] مہارانی دکھائی دیتی تھی جبکہ یہاں اس کے حمام خانے کے نکاس آب پہ معمور کسی مہتر کے آگے ایک کہتر سے زیادہ کی اوقات کا دکھائی نہیں پڑتا تھا۔ ایسے نا آسودہ امکان امر برگشتہ طبع لوگ' ہزاروں نفوس' گہما گہمی [illegible] شخصوں کے درمیان فعال و مشغول رہ کر بھی اکیلے کے اکیلے رہتے ہیں۔ انہیں اندر کی یکتائی و اکتاہٹ سے جدا کرنا بڑا مشکل امر ہوتا ہے۔ قضیۂ سود و زیاں سے بے نیاز' ہنستے مسکراتے موج میلے میں مگن لوگوں کے بیچ وہ جھکائی مار کر یوں پڑا تھا' جیسے کوئی جنگلی کبوتر' آڑے کی آندھی میں اندھا اور بے دم ہو کر کسی کھیت کھلیان یا گلی بازار میں دھپ آ گرتا ہے یا جس طرح اپنے کنوارے رہ جانے کا احساس کسی دوسرے کی شادی میں شریک ہونے سے ہوتا ہے اسی طرح اپنے اندر سے اکیلے ہونے کی دُکھن...... یاری دوستی کے بندھن میں بندھے یار دوستوں' میلے ٹھیلوں اور شاداں و فرحاں لوگ باگوں کو دیکھ کر سوا ہو جاتی ہے...... چاہنے اور چاہے جانے کی خواہشیں بھی ایسے لوگوں کے اندر کے خالی ڈبے کا محض کھڑاک ہی تو ہوتی ہیں۔ کسی دیس کا سنگھاسن اگر فرمانروا سے خالی ہو' بڑی سی کھوپڑی بھیجے سے صاف ہو' ویدوں میں ویدگی ندارد...... اور دل کا آلنا کسی من موہنے سُریلے پنچھی سے خالی ہو تو جینے میں کیا مزہ کیسی چاہت؟...... کھاج کا سواد اور وصل کا لطف اپنی جگہ...... لیکن جو ہجر' انتظار اور اکلاپے میں سُلگتی ہوئی لذت' دھیمی دھیمی میٹھی سی آگ' کسک' چبھن' چُھپی ٹکی ہوتی ہے اس کی لہک لپک تو کوئی

ٹھم ٹھم کو کیا ہی محسوس کر سکتا ہے۔

آلوچے کے جھاڑ سے ٹیک لگائے وہ تک سا گیا تھا۔ مامتا سے بچھڑے ہوئے' اپنوں کے ڈسے ہوئے یا من کے مارے ہوؤں کو پرتھوی' پرائے اور پیڑ بڑا پیار دیتے ہیں۔ آلوچے کے مامتا بھرے جھاڑ نے بھی اسے جیسے کسی لاوارث بچے کی مانند گود بھر لیا تھا۔

ڈھپ ڈھپ اور ٹھک ٹھک کے ٹھیکے کی آواز سے وہ اپنے اندر سے باہر سا نکلا۔ پیچھے ساتھ والے کمرے میں کچھ سازندے اپنے سامنے ساز دھرے ان کی مشکلیں کس اور کان مروڑ تروڑ کر انہیں سُر کر رہے ہیں۔ طبلے پکھاوج کو سُر میں لانا بھی اک جوئے شیر کا لانا ہوتا ہے' یہ عمل دیکھنے والوں پہ کئی طرح کے اثرات چھوڑتا ہے...... جن معدودے چند کے ہاں ذوق آگہی اور آداب مشاہدگی کے کچھ نمایاں انداز ہوتے ہیں وہی دیکھتے اور محسوس کر سکتے ہیں کہ سازوں کو سُر میں لانے والا عمل کیسا جوکھم ہے۔ اس کے لئے کیسی باریک مہارت...... کس رسی اور گن بنی درکار ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے گویوں کے طبلے چڑھے یا اترے ہوئے ہوتے ہیں مگر کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا...... یہ کھنچائی' کسائی' رگڑائی' لپائی اور ٹھکائی کا نازک فن ہے' قریب [illegible] جیسے چڑی بچے کسی [illegible] لے بگڑے ہوئے بچے کی مانند ہوتے ہیں [illegible] محفل میں [illegible] یب میں رکھنا پڑتا ہے...... [illegible] بجایا جاتا ہے [illegible] ڈھیلے بھی کان مروڑ اور کہیں ڈنڈے [illegible] پیٹنے سے [illegible] کسائی کا ڈھول ڈھپا لوگ سنتے ہیں...... ان ٹوم تنوے اور ریں ریں تراں تراں...... ان کا استاد کان دھر کر سنتا ہے۔ کبھی کبھی تو انہیں سُر میں لاتے لاتے استاد لوگوں کے خود اپنے مزاج بے سُرے ہو جاتے ہیں...... یہی کچھ ادھر بھی ہو رہا تھا۔ ایک بچی طبلے کو گود میں دھرے اس کی خبر لے رہا تھا...... پاس سارنگی کی ریں ریں جاری تھی...... تانپورے کے ساتھ کانا پھوسی بھی ہو رہی تھی...... چاندنی میں چاندی ایسی ننھی سی ہتھوڑی ٹھیکے پہ پڑتی تو ادھر کالے خان کی کنپٹی پہ بھی ضرب سی پڑتی' ساتھ ساتھ سازندے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے جموں دربار کے کسی استاد سازندے سے ٹھیکوں کے بارے اور آج رات کے پروگرام میں پیش کیے جانے والے راگوں اور اپنی کامیابی کے یقین کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ اچانک سفیداں بائی کا نام سن کر کالے خان' ٹیک لے کر اٹھ بیٹھا اور تھوڑے ادھر سرک کر اپنے کان ان کی بات پہ دھر دیئے۔ اب سازندے سفیداں بائی کے فن کی تعریف میں رطب اللسان تھے کہ سفیداں بائی کی سُریلی سریکھی' آتما کے بھید بھاؤ کھولتی ہوئی آواز کا جادو...... مردہ تن من میں نو بہار سا سماں پیدا کر دیتا ہے۔ ایک بتا رہا تھا...... سفیداں بائی سننے سے زیادہ دیکھنے اور اس سے پھر کہیں زیادہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔ ایک اور نے انکشاف کیا...... جیون جنگل میں جن کی راہ ماری گئی ہو وہ اس کی چتون ایک کی جھتیا میں راہ پکڑ لیتے ہیں۔

بہت دیر تک وہ ان کی باتوں کی گُن مُن لیتا رہا...... اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے اکلاپے کے سفر کا انت ہو گیا ہو...... وہ اپنی گُم کردہ منزل کے قریب پہنچ چکا ہو۔ گانے والے' راگ راگنیوں سے اس کی کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

یہ سُر سریکھا کی پہچان' راگ راگنیوں کا گیان اور ساز و آواز کا ورداں دھیان تو قدرت کی جانب سے چند مخصوص خوش نصیبوں کو بخشیش ہوتا ہے...... سنگیت ودیا تو ایک عطا ہے' ایک تپسیا ہے...... ہر کوئی اس کے اہل کہاں؟...... لاکھوں میں کوئی ایک گانے والا اور ہزاروں میں کوئی ایک آدھ سُر سریکھا سُننے والا...... باقی سب شامل واجے اور شیخ خواجے ہوتے ہیں۔

کالے خان تو ڈھر لو پٹھان تھا۔ گانے بجانے والے اس کی نظر میں محض بھانڈ میراثی ہوتے تھے' جن کی اس کے ہاں پھوٹی کوڑی کی بھی وقعت نہ تھی۔ مگر ان لوگوں نے سفیداں بائی کی تعریف اور اس کی گائیکی کی توصیف کچھ اس انداز سے کی تھی کہ اس کے اندر' اسے دیکھنے کی خواہش کا ایک جنگل پورے کا پورا ہرا ہو گیا تھا۔ وہ اس غیرت ناہید کو اک نظر دیکھنا چاہتا تھا جس کی سریلی تانوں سے جیون کی گم [illegible] راہیں کھلتی ہوئی سُجھائی دینے لگتی ہیں۔ سفیداں' سفیداں جیسے چپ تال کی گت کی طرح اس کے دل کے طبلے پہ بجنے لگی تھی...... اس [illegible] ن رہا ہو...... وہ سر تا پا جیسے موسیقی میں ڈھل گیا ہو۔ بس یونہی وہ بے دھیانی میں گنگنانے لگا......

اے داغ جذب عشق کی دیکھیں گے اب کشش

وہ دور بھی کیا دور تھا۔ نچلی سطح سے بھی اُترا ہوا آدمی کم از کم شعر و شاعری سے ذوق و شغف ضرور رکھتا تھا...... گراموفون کا زمانہ تھا' ٹھمریاں' دادرے' خیال' کافیاں' گیت' غزلیں...... گھر ہو یا بازار' دوکان ہر جگہ گراموفون بجتے رہتے تھے...... موسیقی کسی نہ کسی انگ رنگ میں اس دور کی تہذیب و تفریح کا ایک نمایاں حصہ تھی۔ اک سے ایک بڑھ کر گانے والی...... زہرہ بائی انبالے والی' اختری بائی فیض آبادی' گوہر جان' رسولن بائی' شمشاد بائی' امیر بیگم' مختار بیگم' عیدن بائی' ملکہ پکھراج' امراؤ بیگم' کجن' خورشید بیگم' الہیاں جان' فریدہ خانم' راجکماری' روشن آراء بیگم' نور جہان وغیرہ۔ ہر لمحہ ہر لحظہ ان کی مدھر تانیں فضاء میں لہرا رہی ہوتیں۔ یکے والے سے لے کر پنواڑی' کنجڑے سے کابلی والے...... اصطبل کے سائیس سے کوتوالِ شہر تک ہر کوئی وزن' بحر اور ناپ تول کر بات کرتے' بات کیا کرتے شعر کہہ رہے ہوتے...... اَدب آداب' جی حضور' تسلیمات' کورنش...... چھوٹے بڑے سب حفظِ مراتب کے معنی سمجھتے تھے۔ راجگان' نوابین' رؤساء اور اربابِ سخن و ثروت...... شعر و موسیقی اور مجلس آرائیوں کے دلدادہ تھے۔ ان کے ہاں اربابِ نشاط کی خوب پذیرائی ہوتی تھی۔ ان کے

باقاعدہ مشاہرے بندھے ہوتے انہیں خلعتیں، انعامات، اعزازات والقابات سے نوازا جاتا۔ درباروں سرکاروں میں خصوصی نشست و قیام کا مستحق ٹھہرایا جاتا۔ اسی طرح عوامی سطح پہ بھی ان فنکاروں کی بڑی جے جے کار ہوتی تھی۔

● کوئی آشنائے لذتِ درد ملے تو بات بنے......!

کالے خان نے اپنے رام پور، جے پور، کلکتہ، دہلی، پٹیالہ میں کئی ایک موسیقی کے جشن مقابلے اور پنڈال دیکھ سن رکھے تھے بلکہ کئی ایک گانے والوں اور والیوں سے وہ واقف تھا۔ اُن کو گاتے ہوئے بھی سنا تھا مگر محض وقت گزاری اور تفریح تفنن کے لئے، پھر رات گئی بات گئی...... اُسے یاد نہیں تھا کہ کبھی اس نے سفیداں بائی کا نام یا اس کا گانا سنا ہو نہ ہی اس کی شکل صورت سے شناسا تھا...... مگر آج اس کے چنچل کام کا تذکرہ —— اُسے جیسے بچھو کے ڈنک کی طرح لڑ سا گیا تھا کہ اُسے دیکھنے، سننے کی شدید خواہش نے اُسے بے خود سا کر دیا۔

قدرت کو کیا منظور تھا۔ جب وہ سازندے اپنا [illegible] لیتے ہوئے اُٹھے تو کالے خان بھی ایک پنڈے اندر [illegible] چھپے [illegible] پہ چل پڑا۔ اُس کے سامنے دائیں بائیں وہی انسانوں کا سیلاب...... وہ بہتے دھارے پہ اک خشک پتے کی مانند بے خبر و بے حال بابا [illegible] شاہ کے مزار تک کسی نہ کسی طور پہنچ گیا تھا۔ سلام و فاتحہ سے فارغ ہوا تو پھر ایک ایسا ہی اک ہجوم اُسے شاہی باغ تک لے گیا —— نہر کنارے لمبے چوڑے [illegible] میدان میں عرس کے آخری روز کی اختتامی تقریب ابھی شروع نہیں ہوئی تھی، ہزاروں کا ہجوم، روشنیوں کا سیلاب، شرمیلے سے چاند کی میٹھی میٹھی چاندنی، نہر کا کنارا، سیماب کی مانند چمکتا ہوا پانی...... خوشگوار موسم کے باوجود گہما گہمی میں اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ ہولے ہولے کھسکتا ہوا پنڈال سے باہر نکل آیا۔ وہ یہاں سفیداں بائی کا گانا سننے اور اُسے دیکھنے آیا تھا...... مگر یہاں تو بے شمار لوگ ہی لوگ تھے، انجان بھانت بھانت کی بولیوں والے...... پنڈے سے پنڈا بھڑ رہا تھا۔

عشق، طلب اور شوق بھی کیا چیز ہے۔ وہ شاید سفیداں بائی کو اکیلے اپنے سامنے بٹھا کر سننے کا آرزومند تھا۔ لیکن جلد ہی اس کی بدھی میں یہ بات آ گئی کہ سفیداں بائی محض اس اکیلے کے لئے ہی نہیں وہ تو شمعِ محفل ہے۔ محض اکیلا وہی جاں نثار نہیں ہزاروں اور بھی پروانے یہاں بے تاب و بے قرار ہیں۔

دائیں جانب قدرے اونچی جگہ پہ پہنچ کر اس نے سامنے اسٹیج کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ اس جگہ سے دور اسٹیج پہ بیٹھے ہوئے کسی گانے والی کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے، سنا بھی جا سکتا ہے مگر صاف طور پہ جی بھر کر دیکھا

نہیں جا سکتا۔ وہ ایک بار پھر دھکم پیل کرتا ہوا ہجوم سے باہر نکل آیا...... کافی دیر غور و غوض کرنے کے بعد وہ ایک لمبا چکر لگا کر اسٹیج کی بغل میں جامن کے ایک بڑے سے درخت تلے پہنچ پایا...... یہ جگہ اسے کافی مناسب دکھائی پڑی' ایک تو اسٹیج بالکل سامنے تھا دوسرے درخت اور بائیں بغل ہونے کی وجہ سے یہاں آمد و رفت اور عام لوگوں کا بے محابا اژدھام بھی نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر درخت کے اوپر پڑی جدھر چند منچلے نوجوان بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کرے کیا نہ کرے غلغلہ مچا کہ مہاراجہ پنڈال میں پدھار رہے ہیں...... اسی ہٹو بچو اور افراتفری میں دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی درخت پہ چڑھنے کا موقع مل گیا۔ جامن کا پرانا چھتنار درخت' ہاتھ کے کھلے پنجے کی مانند پھیلے ہوئے موٹے موٹے تھن' پتوں سے اٹی پڑی گنجان ٹہنیاں اور شاخسارے' اوپر پہنچ کر اسے یوں لگا جیسے وہ کسی تھیٹر میں فسٹ کلاس کی سیٹ پہ بیٹھ گیا ہو...... وہ تو چاہتا بھی یہی تھا کہ تن تنہا کہیں بیٹھ کر اس دلآرام کو دیکھے سُنے۔ اُس کے سُریلے سراپے کو قریب سے محسوس کرے...... وہ اپنی اس کامیابی پہ بہت مسرور تھا۔ اپنے تئیں وہ واحد فرد تھا جو اس ہزاروں کے پنڈال میں اتنی ذہنی آسودگی' ایسی قلبی طمانیت لئے ہوئے بہ شوق فراواں فرحاں یہاں موجود تھا۔

پنڈال [illegible] تھی...... پہلے چند مقامی کلاکاروں نے ڈوگری اور گوجری بھاشا میں چند مقامی لوک گیت سُنائے جو شاید ترانے کی ذیل کے تھے۔ جن میں مہاراجہ کے لیئے ستائشی کلمات...... اُن کے راج پاٹ کی تعریف اور اُن کے سکھ شانتی کے لئے کامنائیں تھیں۔ پھر چل سو چل گیت' ٹھمریاں' غزلیں...... ایک سے بڑھ کر ایک گانے والیاں تھیں۔ خاص و عام ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر "واہ' خوب" "آفرین و تحسین پیش کر رہے تھے۔

کالے خان' درخت کی ایک غلیلی پھنک پہ ٹٹو سی سواری کی طرح اِدھر اُدھر ٹانگیں ڈالے بڑی محویت سے کان جمائے' آنکھیں لگائے پروگرام دیکھ رہا تھا۔ بس وہ اندر سے بڑا مضطرب و بیتاب تھا۔ اُس کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ صرف اور صرف سفیداں بائی کو ہی وہاں بٹھا دیتا اور باقی سب گانے والوں کو ریاست بدر کر دیتا...... اس طرح بوڑ بونگی میں بیٹھے بیٹھے اس کے زانو اور پیٹھ دکھنے لگے تھے مگر جہاں شوق اور عشق در آئے وہاں انسان ہر مصیبت اور اذیت برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر لیتا ہے...... وہ پہلو بدل بدل کر زچ ہو چکا تھا اس انتظار میں کہ وہ غیرت ناہید آئی کہ اب آئی۔

جس پہ تکیہ کیئے بیٹھا تھا وہ تھن ہلا۔ پہلی بار اسٹیج سے نظریں ہٹا کر نیچے دیکھا تو دو تین نوجوان اوپر چڑھنے کی جستجو میں گتھم گتھا دکھائی پڑے۔ آخر ان میں سے دو جوان اُوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ اُن

کے رستے میں پڑتا تھا اسے ہٹائے یا پھلانگے بنا وہ دونوں اوپر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ انہیں کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر ہی کالے خان مزید اوپر چڑھ آیا...... پھنس کر بیٹھنے کے لیے یہ بھی جگہ بہتر تھی بس قباحت یہ تھی کہ یہاں سے اسٹیج کا منظر واضح نہیں تھا، گنجان ٹہنیوں کے پتے آڑے آتے تھے...... شوق وافر ہو تو عقل ماری جاتی ہے۔ یہاں سے بھی بہتر کی کھوج میں مزید اوپر سرک گیا۔ یہاں اسٹیج کا منظر پہلے سے بھی صاف تھا۔ یہاں یہ [illegible] تھا جو سٹیج کی چھت سے بھی محض دو نیزے اوپر معلق تھا لیکن یہ ٹہن بڑا کمزور اور لچکیلا سا تھا، بیٹھتے ہی اسے محسوس بھی ہوا کہ شاید یہ ٹہن اس کا بوجھ نہ سہار سکے۔ مگر پھر وہی بات کہ شوق اور عشق سر پہ سوار ہوں تو بندہ بھی حقائق کے بارے میں بڑے غلط تخمینے لگاتا ہے۔ خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں کی دھند میں سامنے منظر کو [illegible] کرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہوتا ہے، حقائق اپنے آپ کو جبراً منواتے ہیں اور دھند وقت کے سورج کی کرنوں سے اپنا وجود سمیٹے کہیں کافور ہو جاتی ہے۔

وہ ٹانگیں پھنسا کر دو ہاتھوں سے اوپر کی شاخوں کو پکڑ کر سٹ سمٹا کر کسی طرح وہیں بیٹھ گیا۔

اوپر کی سانس اوپر نیچے کی نیچے کیونکہ اسٹیج پر سفیداں بائی کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ [illegible] جذبات میں اسے یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ ٹہن سے ابھری ہوئی ایک نوک دار کھونٹ اس کے دائیں ران میں نوکیلی میخ کی [illegible]

بالکل سامنے اسٹیج کے درمیان سفیداں بائی کھڑی تھی۔ مہاراجہ کے ساتھ پورا پنڈال تالیوں اور مسرت انگیز سیٹیوں سے اس کا سواگت کر رہا تھا۔ تالیوں کا شور تھمتے ہی سفیداں بائی نے نہایت ادب اور عاجزی سے مہاراجہ اور پرجا کو تین مرتبہ جھک کر سلام کیا...... قبولیت کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنے سازندوں کے درمیان یوں نشست ہوئی جیسے کسی مہارو نے کچے ریشم کی پچھی تہہ بہ تہہ وہاں ڈال دی ہو۔

سُر ساز ملتے ہی اس نے حسبِ روایت پہاڑی کا الاپ لیا...... الاپ کا آلوپ تھا یا ہونی کا [illegible] —— اک ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ کالے خان والے نرم ٹہن نے پہلی داد دیتے ہوئے مجرا بجا لیا—— کالے خان اپنے ساتھ بہت سے پتے، ٹہنیاں، کونپلیں اور اپنے نیچے کے ٹہن پہ بیٹھے ایک اور تماشائی کے ساتھ ڈھائی منزل کی بلندی سے نیچے آ گرا۔ درخت کے نیچے ہجوم میں ایک کا سر پھٹا...... درمیانی ٹہن [illegible] اس کی ٹانگیں پڑنے سے دو مزید زخمی ہوئے جبکہ ساتھ گرنے والے کا بازو اترا، خود اس کی کمر کے قریب ریڑھ کے کئی مہرے الٹ پلٹ ہو گئے...... وہ تو خیر گزری کہ گرنے والے، نیچے کھڑے بیٹھے تماشائیوں پہ گرے ورنہ چٹیل زمین یا کھنگیل پتھروں پہ پڑتے تو وہیں پلیتھن ہو جاتے...... چیخیں، آہ و پکار اور شور نے نیچے سفیداں بائی کے دھیان میں کھنڈت ڈال دی تھی۔ وہ بھگدڑ مچی کہ پنڈال اُدھڑ پدھڑ ہو گیا۔

''کیا ہُوا...... کیوں ہُوا...... کدھر ہُوا......'' ریاستی اہلکار ڈنڈے سنبھالے ادھر لپکے' لوگوں کو ہٹا کر زخمیوں کو نکال کر ہسپتال پہنچایا گیا۔ سارا مزہ کِرکِرا ہو گیا تھا۔ پنڈال میں مہاراجہ کی موجودگی کی وجہ سے اہلکاروں نے صورتِ حال پہ فوراً ہی قابو پا لیا اور پروگرام کو ازسرِنو پھر شروع کروا دیا گیا۔

مگر تال اور صورتِ حال سے اُکھڑی ہوئی سفیداں بائی پھر جم کر نہ گا سکی۔ کالے خان کے گِرنے کا سارا سانحہ اس کے سامنے ہی تو ہو گزرا تھا۔

اس کے رُوبرو چند فٹ آگے...... ''سفیداں' سفیداں'' کا واویلا کرنے والا اپنے زخموں اور تکلیف کو بھول کر ''سفیداں' سفیداں'' پکار رہا تھا۔ اُس کے پھیلے ہوئے بازو' اُس کی وحشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں' اُس کا واویلا اور جوش...... گانا وانا سب بھول کر وہ محض اُسے دیکھتی ہی تو رہ گئی تھی۔

کالے خان کو جب دو روز بعد ہوش آیا تو خود کو ہسپتال کے بستر پہ چت پڑا ہوا پایا۔ ناف سے اوپر ہنسلی کی دو فٹن تک جیسے چھت کا لینٹر پڑا ہوا تھا۔ گردن کے گرد کپڑے اور لوہے کی تار کا شکنجہ جکڑا ہوا...... بس آنکھیں اور ہونٹ آزاد تھے باقی بدن جیسے ساتھ ہی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ ریڑھ کی ہڈی کے دو اڑھائی مُہرے پٹ گئے ہیں۔ جیسے گردن کے پیچھے جھٹکا پڑنے سے گدی کی [illegible] والا منکا بھی [illegible] ہے۔ یخ بستگی کی ایک لہر اس [illegible] سے چمگادڑ کی طرح آہ بن کے باہر نکل گئی۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک بے دم و بے سُدھ سا پڑا رہا...... حواس جڑنے پہ جب اسے مزید معلوم ہوا کہ ریڑھ کے مُہرے بیٹھنے تک 'اُٹھنا بیٹھنا دور کی بات وہ تو جنبش تک نہیں کر سکتا۔ البتہ سامنے دیکھ' سُن اور مُنہ سے کچھ کہہ ضرور سکتا ہے تو اُسے اپنی بے بسی پہ رونا سا آ گیا......!

مہاراجہ نے زخمیوں کے علاج و معالجہ کے لئے خصوصی احکام جاری کئے تھے۔ اسی وجہ سے اسے ہسپتال میں خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ اس سنگین حادثہ کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ وہ رام پور اپنے گھر والوں کو اطلاع کرتا مگر ہسپتال والوں کے کہنے کے باوجود بھی اس نے ایسا نہ کیا۔ نہ تو اس نے اپنے بیوی بچوں' دوستوں عزیزوں کے بارے میں کوئی تردد ظاہر کیا اور نہ کسی کاروباری نقصان کا خدشہ...... وہ تو جیسے جا مَن سے گر کر اپنے جانِ مَن تک پہنچ گیا تھا۔ زبان پہ کوئی حرفِ شکایت' پشیمانی' پچھتاوا نہ کسی تکلیف درد سے ہائے وائے۔

گہرے سمندر سا شانت' پُرسکون چہرہ...... وہ اپنے تصور میں کہیں دُور نظریں جمائے ہوئے چُپ چاپ پڑا رہتا جیسے وہ یہی کچھ تو چاہتا تھا۔ سفیداں بائی کے اس عجیب و غریب عاشق کو تو اُن ہزاروں کے نقصان کی بھی رتی بھر چنتا نہ ہوئی جو حادثے کے وقت اس کے اندرونی شلوکے کی جیب میں تھے۔ نہ جانے کب کس ضرورت مند نے باقی چیزیں چھوڑ کر صرف روپے نکال لئے تھے۔ اس نے نہ ہسپتال والوں سے پوچھا' نہ ہی کوئی رپٹ لکھوائی'

[illegible] ہو۔ اس کے دل ودماغ کے ہر گوشے' کونے میں بس ایک ہی نام کا آہنگ گونج رہا تھا۔

”سفیداں...... سفیداں اور سفیداں......!“

● کس سمت سے نغموں کی صدا آتی ہے دیکھو......!

موسیقی کا تصوف' مذہب اور جواہرات سے کچھ نہ کچھ تعلق ناتا ضرور ہے۔ ہر نائیک' گائیک' اُستاد' [illegible] کسی نہ کسی انگ رنگ سے ان تینوں لوازموں میں کہیں نہ کہیں ضرور پکڑا جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ موسیقار' مغنّی [illegible] صوفی یا فقیر ہوتا ہے بعد کچھ اور...... مراقبہ' دھیان گیان اور ریاضت ہی اس کے ہُنر وفن کی اصل اساس [illegible] ہوتے ہیں۔ وہ سُر کی سچائی کو [illegible] کے سمندر میں باندھ کر سُرتن کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ وہ تان' پلٹوں' [illegible] پھندوں' مرکیوں اور جھالوں کے مختلف آہنگوں' کیفیتوں کے حوالوں سے اپنے اندر کے [illegible] تذبذب' تردّد اور عجز وعزم کی نشوونما کرتا ہے۔ وہ اپنی اسی ریاضت ور[illegible] کے سفر میں [illegible] وتحیر اور جذب وجمال کی ایسی ایسی کیفیت [illegible] ہو گز [illegible] فن وزوان کی [illegible] آشنائے منزل [illegible] اس کی ذاتی' بشری کجیاں اور تقاضے سدِ راہ ہوتے ہیں' جیسے کوئی چھریلا سبک [illegible] لپک اچک [illegible] ہوئی [illegible] پہ چڑھ لیتا ہے۔ مگر موٹے اور بے ہنگم آدمی کے لئے ایسا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ [illegible] آخر یہ گیانی دھیانی...... بے دھیانی میں اپنی منزل کھوٹی کر لیتے ہیں۔ اپنے پرکھوں' گھر گھرانے' [illegible] کی فراوانی سے ان میں بے اعتدالیاں در آتی ہیں۔ چھچھوری بازاری حرکتیں' جگتیں' بدکلامی' بدگوئی' [illegible] حیت' قمار بازی' گنجفہ' شطرنج' گھوڑی اور پتنگ بازی جیسی شوقیانہ علتیں اور اس پہ مستزاد آرام طلبی' [illegible] کی فراوانی وغیرہ ان کو اپنی فنی آسودگی کی منزل سے دُور لے جاتی ہے۔ جبکہ یہ جسمانی' ذہنی اور [illegible] بھی مُردہ سے ہو جاتے ہیں اور اکثر ان کے آخری ایام' عمر وبہ بیماریوں' ناگفتہ بہ حالات اور [illegible] میں گزرتے ہیں۔ اس طرح یہ صوفی اور فقیر جن کی اصل میراث سُر کی سچائی' دامن [illegible] کی زیبائی اور اس فنِ لطیف کی مشاطگی وپذیرائی ہوتی ہے جب بداعمالیوں اور اخلاق [illegible] کو اپنے شب و روز کا وطیرہ بنا لیتے ہیں تو پھر وہ خان صاحب سے محض میراثی بن جاتے [illegible] طرح بوٹی' شراب' چرس' افیون' زہر بھرے پان' گالی گلوچ' جگت بچکر' ٹھٹھا مخول ان کی پہچان بن [illegible] ہیں۔ مگر جب پھیپھڑوں میں پھپھوندی' سانس میں سکتہ اور حلقوں میں حُقّے کی مانند بُد بُد بولنے لگتا ہے تو

پھر خان صاحب ...... بیٹھکوں، تھڑوں، تکیوں اور قبرستانوں میں خون تھوکتے پھرتے ہیں۔ فن اور فنکاروں کی ناقدری، وقت زمانے کی طوطا چشمی ...... شاگردوں اور دوستوں کی بے وفائی کا ریاض کرتے رہتے ہیں۔ آخر کسی ہسپتال میں ''داخلِ دفتر'' ہو کر اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ان علتوں کی وجہ سے کیسے کیسے یگانۂ روزگار فنکار بھری جوانی میں ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

بات سفیداں بائی کی ہو رہی تھی کہ اُس دن کے سانحے کے بعد وہ بُجھ کر رہ گئی تھی۔ کوٹھے پہ بیٹھی نہ کوئی مجلس آرائی کی۔ گو یہ واقعہ کوئی ایسا سنگین بھی نہ تھا کہ جس کے ردِعمل میں وہ یوں کام دھندے سے ہاتھ کھینچ کر سنیاس لے کر بیٹھ جاتی۔

بازارِ حُسن کے کوٹھوں پہ یاروں گلی کوچوں میں چُھری چاقو، خنجر، پستول، لڑائی بھڑائی، بدمعاشی، غنڈہ گردی تو روزمرہ میں شامل ہیں۔ یہاں کے مکین، آنے جانے والے، پولیس تھانہ چوکی سب اس کے عادی ہوتے ہیں۔ پھر سفیداں بائی کا اس معمولی سے واقعہ کو جو اُس کے کوٹھے پہ نہیں بابا بالی شاہ کے عُرس پہ ہوا تھا، اس طرح سنجیدگی سے لینا کچھ قابلِ فہم نہیں تھا۔ مگر وہ بھی شاید خود اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے [illegible] کی ذمہ دار ہو۔ اس زخمی شخص کا مُڑ مُڑ کر اسے دیکھنا، چیخ چیخ کر سفیداں، سفیداں پکارنا۔ لپکتے ہاتھوں سے اشارے اور التجا بھری نگاہوں سے فریاد کرنا، رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ یہ دیوانہ شخص اس کا گانا سننے اور صرف قریب سے دیکھنے کی غرض سے ہی جان کی [illegible] جا چڑھا تھا اور شاید اسی وارفتگی و شیفتگی کے عالم میں وہ اوسان ہار کر نیچے آ رہا تھا۔

دو چار روز اس نے ایسی اُدھیڑ بُن میں بتا دیئے تھے۔ وہ بند گوبھی کی طرح اپنے وجود پہ گہرے پرت چڑھا کر پڑ گئی تھی یا شاید لَے کی کوئی بندش تھی کہ وہ بند ہوا کی مانند کوئی سسکی بھی نہیں لے رہی تھی۔

● وَگ وَگ وے توی دیا پانیا تیرے شہر وِچ موجاں اساں مانیاں ......!

جموں کے گجردم سے، بنارس کی صُبحوں کی طرح بڑے سُہانے اور اُجلے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ سوا ہی ہوتے ہیں۔ جنت نظیر کشمیر کی بام بلندیوں سے الہاموں کی مانند اُترتی مُشکبیں پُروائیوں کے قافلے جب اپنے چندن، چیڑ، چڑ اخروٹ و چلغوزہ، زعفران، کیوڑہ، گلاب و گیندا، نرگس و نسترن، سوسن و سنبل کی مہکاروں

[illegible] اپنے پہلے میدانی پڑاؤ جموں کے چمن زاروں میں کھولتے ہیں تو جموں کی فضائیں اک سُرمدی [illegible] دیوانہ وار جھومنے لگتی ہیں۔

[illegible] چڑھتے سمے میں نیند بھی بڑی سُریلی اور سہانے سروپ کی سَمیاں ہوتی ہے۔ لیکن سحرخیزوں [illegible] جیسے سُورگ سنچار ہوتا ہے۔ چڑیوں، چکوروں کے چہچہے...... سندس بیلوں اور چنچل بکریوں کی [illegible] کوؤں کی کیں کیں اور کائیں کائیں...... پہاڑی بُلبلوں شاہی راج ہنسوں اور ہری کنٹھکوں کی [illegible] تووی کے تانیں اُڑاتے ہوئے سیمابی پانیوں کی ترنم ریزیاں...... اک ''صبحِ روزِ ازل'' [illegible] دیتیں۔ سحر کے سُرمئی آنچل کو چمپئی گوٹ تو بہت بعد کہیں نصیب ہوتی ہے۔ پر اس سے [illegible] وادی نورِ ظہور کے سُرمدی رنگ میں رنگی جاتی۔ بابا امرناتھ کے گوتھلے پہاڑوں کی اوٹ سے [illegible] کے اُبھرنے سے پہلے [illegible] کے ترنم سے طرح تانوں کا اُبھرتا سا آہنگ اس سمے کو مزید [illegible] پھر ہولے ہولے شب بھر تھکی تھکی سی تاریکی ملگجی رُت میں ڈھلنے لگتی...... سرسراتی ہوا جیسے [illegible] کر رہی ہو...... بادِ صبا کے جھونکے جیسے باج تال دے رہے ہوں...... مہوے اور املتاس [illegible] بجاتے اور فطرت جیسے پہاڑی سپتک میں [illegible] رہی [illegible] ترنم تاثیر [illegible] ماحول اور بڑی بھولی ہی ایسی [illegible] بھی ٹرٹراتے نہیں گنگناتے تھے اور گدھے...... جیسے ہنہناتے نہیں اُلٹے [illegible] اترتے [illegible] ہیں اور بیلیں تو تیسرے کالے کے سُر ملاتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

شاید یہی وجہ کہ سفیدان بائی نے جموں کو اور جموں نے سفیدان بائی کو جکڑ لیا تھا۔ یہاں کی سُریلی [illegible] نے سفیدان بائی کو جہاں گدرا کر گداز کر دیا...... وہیں اسے اپنے آپ سے قدرے بے نیاز بھی کر دیا [illegible] یہاں آ کر اسے احساس ہوا کہ وہ اِک طوائف کے علاوہ بھی کچھ ہے اور جو ہے اس کا ابھی شاید اسے [illegible] نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر مُنہ اندھیرے ہی ریاض کے لئے بیدار ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے [illegible] کا رُخ بھی بابا امرناتھ کے پہاڑوں کی جانب تھا۔ سورج کی پہلی کرن جب اس کے چہرے کی [illegible] کر دیتی تو وہ تانپورے کو اپنے انگ سے ہٹا کر صبح کی عبادت کی تیاری میں لگ جاتی مگر حادثے [illegible] وہ ایسی ٹوٹی کہ اس سے اپنے یہ روزمرہ کے معمول بھی چھوٹ گئے۔

یہ بھی ایک ایسی ہی صبح تھی۔ بیتی شب کی بے کلی اور بیداری نے اسے اعصابی طور پہ اُدھیڑ کر رکھ دیا ہوا [illegible] میں پکھاوج سے بج رہے تھے...... سارے سر کی رگیں سُرمنڈل کی تاروں کی طرح تنی ہوئی

تھیں۔ ایسے میں وہ بادلِ نخواستہ غسل خانے میں گھس گئی۔ خوب نہائی دھوئی...... آگ لگے بدن اور دھواں چھوڑتے دماغ اور سلگتی ہوئی آنکھوں میں جیسے ٹھنڈک سی پڑ گئی، چت میں جیسے دھیرج سا در آیا ہو۔ پھر نہ جانے کیا جی میں آئی۔ الماری سے سیاہ رنگ، جے پوری انگ کا ایک لباس نکالا، زیب تن کیا، اُلٹے ٹانکے سے ٹکے ہوئے سیپ کے بُدھنے...... فالسے کی گٹھلیوں پہ باندھے ہوئے بجنوری، ریشم کے بیر بٹن...... ہاتھ کے کاتے سیاہ سوت کے دھاگے سے گریبان اور آستینوں پہ چکن ڈوری۔ بے جوڑ، بے تہہ کی تراش خراش...... اور پارچہ بھی ایسا بے شکن و بے لوث کہ نگاہ پھسل پھسل پڑے۔

جے پور کے ٹھاکر اندر سین سنگھ نے اس بھرم پرم پہ بھینٹ کیا تھا کہ بنگلور کے ایک کاریگر سے صرف ایک تھان ڈیڑھ برس میں ہاتھ کی کھڈی پہ بطورِ خاص اسی کارن تیار ہوا۔ اصلی ریشم کا یہ کپڑا ایک چھوٹی سی چاندی کی ڈبیا میں بند تھا...... اور ڈبیا بھی یوں کہ جس پہ کاٹھیاواڑ کے سچّے پنّے، جے پوری نیلم دانے اور نیشاپوری فیروزے ٹکے تھے...... یہ بھی کہ ڈبیا میں کوئی ناک کی تھلی، بندا بلاق یا کوئی پازیب جھانجھریا ہوگی...... یہ تو بعد میں جا کر حیران ہوئی کہ چھٹانک بھر ریشم کا پورا جوڑا...... اس جوڑے کو تیار بھی جے پور کے شاہی خیاط نے کیا تھا۔ [illegible] شاید بکاؤ دھاگے، بٹن، لاڈوں اور گوٹوں [illegible] وزن اس کپڑے سے [illegible] تھا...... یہ پہناوا اُس نے اس [illegible] پہنا [illegible] پہناوے [illegible] چھوئی مُوئی سا کپڑا...... آج پہن تو لیا لیکن یہ احساس ہوا کہ جیسے کچھ بھی نہ پہنا ہو، کہاں بھاری پشواز، [illegible] چولی انگرکھا اور جڑاؤ نکاؤ سینہ بند...... چھوئی مُوئی دوپٹہ جیسے پُروا اوڑھی رکھی ہو، سیاہ رات کا [illegible] پھیر اوڑھ لیا ہو...... یا پھر کاجل کی سیاہی پوت رکھی ہو...... [illegible] کوئی سیاہ ناگن اس کے ہاتھ تلے سرسرا رہی ہے۔ ایسے میں اُس کی پالتو شیاما نے اک کوک لگائی اور یہ مسکرا کر آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے سراپے کو دیکھنے لگی...... اُس کا جی چاہا کہ آج وہ خود کو خوب سنوارے سجائے، بال بال موتی پروئے۔ اچھے اچھے کندنی زیور پہنے...... بناؤ سنگار کے بعد جب وہ زیور آرائی کرنے لگی تو اچانک اُس کی نظر اپنے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی پہ پڑی...... انگلی میں دبو چاندی کی انگوٹھی تو موجود تھی...... مگر اس میں لگا ہوا گھسا پٹا اندھا سا وہ نگینہ دکھائی نہ دیا جو انگشتری کے پیٹ میں ناف کے نقطے کی مانند کھُبا ہوا تھا یا ملگجی سی روشنی میں شاید اسے دکھائی نہ دیا ہو۔ نوکِ زبان سے انگلی گیلی کی، گھما پھسلا کر انگوٹھی اُتاری۔ روشنی بڑھا کر غور سے دیکھا، نگینہ اپنی جگہ خالی کر گیا ہوا تھا۔ موم سے ہاتھ کی شمعی سی انگلی میں یہ انگوٹھی اُس کی پیشتنی ماں رسولاں بائی کی نشانی تھی۔

رسولاں بائی یہ انگوٹھی اپنی جان سے بھی عزیز رکھتی تھی شاید اس لئے بھی کہ یہ سفیداں بائی کے مرحوم باپ کی نشانی بھی تھی جو ایک امیر کبیر شخص تھا۔ طوائفیں مجرے کوٹھے اس کے مشاغل نہ تھے وہ تو ایک شریف سا

[illegible] شخص تھا۔ چار یاری میں پھنسا ہوا کہیں رسولاں بائی کو دیکھ سُن بیٹھا ...... ہوش حواس جاتے رہے۔ [illegible] دولت سب کچھ اُٹھا کر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ رسولاں بائی بھی اس دیوانے پہ ایسی ریجھی کہ [illegible] سے اسے چاہنے لگی۔ اس شریف آدمی کے گھر میں بیوی بچے بھی تھے۔ مگر عشق بُری بلا ہے' سر پہ چڑھ [illegible] ہے۔ وہ اس سُرشکن سے ایسا جُڑا کہ اس کے گلے کا ہار بن گیا۔ جس کے نتیجے میں سفیداں بائی [illegible] میں آئی تھی۔

خوشیاں اور کامیابیاں اگر دائمی قائم ہوں تو پھر شاید انسان' انسان کی صورت میں زندہ ہی نہ رہ [illegible] دکھ سکھ' کامیابیاں ناکامیاں' محبت نفرت اور مرنے جینے کے تغیر ہی تو اسے استحکام دیتے ہیں۔ اس کے [illegible] مضبوط اور حوصلے فراخ کرتے ہیں۔ تدبیر اور تقدیر کے فلسفے کو سمجھنے میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے [illegible] اور منزل کا تعین کرتے ہیں۔

اس شریف آدمی نے رسولاں بائی پہ اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ لیکن اپنے پیچھے بیوی بچوں کے لئے اتنا [illegible] کہ وہ ساری عمر کسی کے محتاج نہ رہتے ...... اک اور کمال یہ کیا کہ مرتے دم تک اپنے گھر' خاندان [illegible] بائی سے تعلق کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ کوئی [illegible] کاروباری [illegible] ایک [illegible] بندہ بے دام ہے ...... اور مہینے میں چھ سات روز [illegible] ساتھ بسر کرتا ہے۔

پھر اصول فطرت کے تحت' وقت نے انگڑائی توڑی' موسم بدلے' حالات نے کروٹ لی ...... پھر جیسے [illegible] سپنے دیکھتے ہی دیکھتے جاگ [illegible] لیتا رہتا ہے ...... مگر بھیانک [illegible] خواب دیکھتے ہی وہ سوتے میں بھی آنکھیں پٹپٹانے لگتا ہے۔

یہاں اب ہم نے ایک بھیانک سپنا دیکھ لیا تھا ابھی تین چار برس ہی میٹھے مٹھار میں بیتے تھے کہ [illegible] کے جیون بھون میں ایک بھیانک بھونچال آیا ...... آناً فاناً وہ ہیضے کی زد میں آ کر برابر ہو گیا ...... [illegible] یار مر گیا۔ کہا کون سی گلی کا ...... وقت کا دریا اپنے رستے پہ رواں دواں رہا ...... مٹی پاک کر جانے [illegible] شریف آدمی سے جو کچھ بھی رسولاں بائی کو نصیب ہوا وہ کتنے دن چلتا۔

کہتے ہیں کہ رانڈ کے بال اور رنڈی کے مال' دونوں میں برکت نہیں ہوتی۔ آئی چلائی ہوتی ہے۔ [illegible] وقت یوں بھی آیا کہ صرف دو چیزیں بچیں ...... ایک یہ بچی سفیداں اور دوجی چاندی کی یہ چھلا نما [illegible] جس میں ایک ننھا سا زمرد پھنسا ہوا تھا ...... یہ مرنے والے نے نشانی کے طور پہ خود رسولاں بائی کی [illegible] میں پہنائی تھی۔

طوائف اور سانپ اگر اپنے کاروں برباد ہونے والوں سے ہمدردی رکھیں یا ان کے ساتھ خود بھی برباد ہو جائیں تو پھر طوائف' طوائف اور سانپ' سانپ نہیں ہوتے اور پھر سنپولیوں اور طوائف زادیوں میں اپنی ولدیت جاننے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔ ہوش سنبھالنے پر رسولاں بائی نے سفیداں کو یہی بتایا تھا کہ یہ انگوٹھی تمہارے باپ نے مجھ پہ نچھاور کی تھی...... وہ اکثر ماں سے اپنے باپ کی یہ انگوٹھی مانگا کرتی تھی...... اور کبھی رسولاں بڑی دقت سے اُتار کر اُسے دے بھی دیا کرتی تھی پھر سفیداں پہروں اس انگوٹھی سے بچوں کی مانند کھیلا کرتی...... اپنی پتلی پتلی انگلیوں میں پھنسا کر گھمایا کرتی۔ کبھی چومتی' گالوں سے مَس کرتی اس سمے اُس کے چہرے پہ اِک عجیب سی ملکوتی چمک اُبھر آتی۔ وہ دُنیا مافیہا سے بیگانہ سی ہو جاتی...... اور رسولاں بھیگی آنکھوں سے اِسے تکتی رہتی...... طوائف اور طوائف زادی ہونے کے باوجود...... دونوں اس مقام پہ انسان سی بن جاتیں تھیں۔ سفیداں نے کئی بار دبے دبے الفاظ میں ماں سے یہ انگوٹھی طلب بھی کی۔

''ماں! میں تم سے اور کچھ نہیں مانگتی...... صرف یہ انگوٹھی' میرے اَن دیکھے باپ کی آخری نشانی مجھے دے دو۔''

رسولاں بائی عجیب سی نظروں سے اُسے تولتی ہوئی خاموش رہتی...... صرف ایک بار سفیداں کے ضد کرنے پہ کہا تھا

''جب میں مرنے لگوں گی نا! اُس وقت میری اُنگلی سے اُتار لینا...... جیتے جی میں اسے خود سے جدا نہیں کر سکتی۔''

ایسا دل دہلانے والا جواب سُن کر سفیداں رونے لگی تھی۔ اس دن کے بعد سفیداں نے پھر کبھی ایسی حماقت نہیں کی تھی۔

اِس سے رسولاں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا...... پھر وہ پچھتائی بھی بہت کہ ناحق بچی کی دل آزاری ہوئی۔ اِسی دُکھن میں رسولاں بائی بھی ماضی کے دریچے کھول کر دُور کہیں بیتے سموں کی دُھند میں اُتر گئی۔

خوبصورت تو وہ خیر ایسی بھی نہ تھی کہ پیمانوں پہ عکس ڈالتی تو وہ چھناک سے ٹوٹ جاویں' قدامت میں بھی کوئی قیامت اُٹھانے والی بات نہ تھی اور نہ ہی آنکھوں میں کچھ ایسے شرار و شرر تھے کہ جدھر نگاہ ڈالتی اُدھر جنگل کے جنگل خاکستر کر دیتی...... بس وہ قبول صورت وقامت تھی لیکن اس کے ہاں خوبصورت آواز اور موسیقی کے ہنر و کمال کے ایسے جادو تھے جو سر پہ چڑھ کر بولتے تھے۔ اس کے جلسے محفل میں بیٹھنے والے بس اس کے ایسے ہو جاتے تھے کہ وہ بازار کی بڑی بڑی خوبصورت نامور طوائفوں اور گانے والیوں سے جی ہٹا لیتے...... اس

کا مخروطی طور، شیخ، سبھاؤ، رچاؤ اور ادب آداب ہی ایسے تھے کہ وہ طوائف ہوتے ہوئے بھی کوئی دیوی دکھائی دیتی جیسے وہ سرسوتی کا کوئی مدھر سا روپ ہو۔

پرانے کن رسیے تماشبین اور موسیقی کے رسیے پرانے اُستاد کہتے تھے کہ رسولاں بائی ایسی لے پھرت تان تماؤ والی شگفتہ سُریلی اور متحمل گائک آج تک پھر کہیں نظر آئی نہ سُنائی دی ہے۔ تان پلٹے لیتے سمے ایسی نشاط انگیز دلربائی اور باریک ہنرمندی سے اپنے اس انگوٹھی والے ہاتھ کو برتنے کی حرکتیں دیتی کہ راگ داری سے نابلد دیکھنے سُننے والا محض اس اعضائی ادائیگی اور لحن لہجہ کی پاکیزگی سے ہی اندر باہر بھیگ سا جاتا۔ وہ کسی لمحے سمے ایسی پھرت سے انگوٹھی کو ہونٹوں سے مَس کر لیتی کہ ہر کوئی اس کی اس ادا کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

اب برسوں بعد سفیداں بائی بھی تان ٹپک لگاتے سمے اپنی اس انگلی کو اپنے چہرے کے قریب لاتی جیسے انگوٹھی والی انگلی کے سُر مچلتے سُرمہ دانی کے اندر سے سُر کو انگیخت کر کے باہر نکال رہی ہو۔ جبکہ وہ اپنی بہشتن ماں رسولاں بائی اور [illegible] باپ کی نشانی انگوٹھی کو اپنے ہونٹوں سے مَس کر رہی ہوتی...... یہ یقین [illegible] اس کے ایمان کا حصہ بن چکا تھا کہ اس کی آواز اس کا فن خاص و عام میں اس کی پذیرائی...... دولت شہرت سب اسی انگوٹھی کا چمکتا [illegible] نگینہ [illegible]

بابا امرناتھ کے پہاڑوں کی جانب سے سُنہرا سا غبار اُڑنے لگا تھا جبکہ نگینے کی نابابی سے اس کے مکھڑے پہ سفید [illegible] چھائی پڑی تھی وہ اسے اپنے لئے بدشگونی محسوس کر رہی تھی...... سیاہ ریشمی آب رواں لباس...... زردو رنگ سپید چہرہ چاند کے گرد ہالہ کیئے ہوئے نیم گیلے بے ترتیب بال، سُتی ہوئی متوحش آنکھیں...... ایسے میں کشمیر کی جانب سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پُروائی...... مٹی، ہریالی، مکئی اور کیوڑے کی دھیمی دھیمی دیوانہ کر دینے والی خوشبو...... آخر شب کا ٹوٹتا ہوا خمار اور صبح نوخیز کا اُمڈا ہوا نکھار...... قمریوں، لالیوں اور چڑیوں کے چہچہے بھی اسے دل گرفتگی سے نہ نکال سکے۔ اک اُچٹتی سی نظر قد آدم آئینے پہ ڈال کر وہ پژمردہ سی پلنگ پہ ڈھے گئی۔

نیند کا تعلق محض جاگن، تھکن...... تاریکی یا رات کے سمے سے ہی نہیں ہوتا۔ ارادے، سوچ، ماحول اور اندر کی کسی ضرورت سے بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر تو بے چینیوں کی ٹھوطیاں اور خدشات و خوف کے مجیرے بج رہے تھے...... بابا بالی شاہ کے میلے والے سائیں کے ڈھول کی ''کڑ کڑ دھا''...... اور ہاتھ بازو بڑھا کر سفیداں سفیداں کی ''تا تا ری ری'' ہی کیا کم تھی کہ جواب یہ دل و جان سے عزیز ان دیکھے باپ کی نشانی انگوٹھی کے نگینے کی گمشدگی کی تان ٹوٹنی بھی باقی رہ گئی تھی۔ نگینہ اور وہ میلے والا زخمی دیوانہ...... جیسے دونوں آپس میں گڈمڈ سے

ہو کر رہ گئے تھے...... نیم وا آنکھوں میں گھنیری پلکوں تلے شاید ملکۂ نیند کی کسی منہ چڑھی سی کنیز نے ٹیکی لے لی تھی۔

● مریضِ عشق پہ رحمت خُدا کی......!

دن چڑھے جب کسلمندی ٹوٹی' انگ کُھلے تو اس کی بند اَکھڑیاں بھی وا ہوئیں تو کُھلے دریچے سے چڑھتے سورج کی مہربان سی کرنیں اس کی بے ترتیب سُنہری زلفوں تلے چھوا چُھوائی کھیل رہی تھیں...... چہرے پہ ہلکی سی طمانیت کا نُور کِھلا ہوا تھا...... جیسے آندھی طوفان اور موسلا دھار بارش کے بعد موسم نکھر آتا ہے۔ یہ جنت کا موسم ہی تو ہوتا ہے۔

وہ بھی ایک معصوم سی حور دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دیر تک یُونہی بے حس و حرکت پڑی رہی یا شاید وہ دیکھے اَن دیکھے سپنے کو یاد کر رہی تھی۔ یکایک اُستاد بھورے خان ، گرتا پڑتا اندر داخل ہوا ایک [illegible] اسا خط اس کے سامنے دھ[illegible] کہنے لگا۔

''[illegible]ی! یہ خط پتہ نہیں کہاں سے آیا ہے۔ بے رنگ تھا ڈاکیا پوری اٹھنی جرمانہ لے کر گیا ہے۔''

وہ اپنے گنجے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے التجا بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ ''پتر! اُٹھ ہوش کر آج چوتھا روز آن لگا ہے...... کچھ روزی کے دھندے پہ بھی دھیان دے۔ یوں جی مارنے سے جیون کٹھن ہو جاتا ہے۔''

بھورے سے خط پہ یونہی ایک [illegible] سی نظر ڈالتے ہوئے [illegible] کر اٹھی...... بولی۔

''اُستاد جی! ذرا امام باندی کو اندر بھیج دیں۔''

امام باندی پہنچی تو یہ انگلیاں پھیلا کر دکھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری انگوٹھی کا نگینہ گم ہو گیا ہے...... یہ ہم سب کے لئے کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔''

دونوں آگے بڑھ کر انگوٹھی دیکھنے لگے...... اُستاد جی بولے۔

''بیٹا! یہیں منہ ہاتھ دھوتے نہاتے دہاتے گر گیا ہوگا۔ چنتا نہ کر ہم سب انہیں ڈھونڈیں گے' مل جائے گا۔''

پھر وہ سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا۔

''بیٹا! کہو تو بڑا کمرا صاف کروا دوں...... آج شُکروار ہے...... کچھ دال دلیا......؟''

سفیداں بائی درمیان میں ٹوکتے ہوئے بولی۔

’’استاد جی! بابا بالی شاہ کے میلے کے دن حادثے کے بعد جیسے میرے سُر ہی گُم ہو گئے ہیں اور اب نگینہ گُم ہونے سے میری تانیں پلٹے، مُرکیاں، جگہیں سب کچھ ختم ہو گیا ہے...... میرے دل پہ دھب اور گلے میں گرہ پڑ گئی ہے...... آج صبح جب میں ریاض میں بیٹھی تو محسوس ہوا کہ میں سب کچھ بھول گئی کھو بیٹھی ہوں، گنوا چکی ہوں۔‘‘

چھوٹی بہن امام باندی پلنگ کی پٹی پہ بیٹھتے ہوئے روہانسوی بولی۔

’’دیدی! حادثے نقصان تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اُمرتسر اور انبالے ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا...... مگر اس سے پہلے تو تم نے ایسی مایوسی اور بے دلی کبھی نہیں دکھائی...... باقی رہی نگینے کی بات...... مانا کہ یہ انگوٹھی ہمارے لئے بہت قیمتی تھی، تمہارا اس سے اک جذباتی لگاؤ تھا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں ہم سب مل کر اسے ڈھونڈیں گے، اُٹھو ہار سنگھار کرو...... تماشبین آتے ہیں مایوس ہو کر دوسروں کے چوبارے چڑھ جاتے ہیں، آئی روزی کو یوں ایک انگوٹھی اور اتفاقیہ حادثے کی وجہ سے ٹھکرانا، کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں۔‘‘

سفیداں بائی زہر خنداں سی ہو کر بولی۔

’’ماما [illegible] تو [illegible] بھاؤں [illegible] سے ہوتا ہے۔ چھنال محفل یا مجرے کی چلمک میں بھلا کوئی خاک گھبرائے، گائے یا سنورے...... جاؤ، تم لوگ ہی جلسے محفل میں بیٹھ لیا کرو...... مجھے دق نہ کرو۔‘‘

اُستاد ہاتھ باندھے بنتی کرنے لگا۔

’’سفیداں بیٹی! یہ بچے [illegible] تمہارے [illegible] تکلے ہی سمجھتے ہیں...... بات ساری تمہارے دم برکت کی ہے۔ ناں نہ کر پُتری! اُٹھ تیار ہو، میں تمہیں ریاض کرواتا ہوں...... تمہارے سُر سب واپس پلٹ آویں گے۔‘‘

وہ کیا تیار ہوتی...... بس بے دلی سے ’’اچھا اُستاد جی!‘‘ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر بے رنگ خط کی جانب متوجہ ہوئی۔

خط، چھٹیاں، زبانی کلامی سندیسے پیغام تو اسے موصول ہوتے ہی رہتے تھے۔ مگر یہ خط ایک تو بے رنگ تھا دوسرے اک عجیب سی وضع قطع لئے ہوئے تھا۔ بڑے بے ڈھبے انداز سے سرنامہ لکھا ہوا تھا۔ بُلبلِ ہندوستان سُروں کی ملکہ سفیداں بائی امرتسری، جموں...... خط اُلٹا پلٹا مگر بھیجنے والے کا نام نہ تھا۔ لفافے پہ نیلی یا سیاہ روشنائی کے بجائے سُرخ روشنائی سے تحریر تھا۔ تحریر کی طرح یہ روشنائی بھی ہموار اور یکساں سی نہیں تھی۔ مزید دھیان دینے پہ پتہ چلا یہ روشنائی سے نہیں لہو سے لکھا ہوا ہے، اس کے لئے یہ بھی کوئی نئی انوکھی بات نہیں تھی......

اکثر ایسا بھی ہوتا رہتا تھا۔ لہو سے لکھے ہوئے خط' چٹ' رومال وغیرہ۔ اکثر پیار و محبت کے چکر میں پھنسا ہوا انسان اگلے کو متاثر کرنے کے لئے بڑی اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتا ہے...... اس نے بڑی بے نیازی سے لفافہ چاک کیا دیکھیں اندر سے کٹا ہوا پھیپھڑا برآمد ہوتا ہے یا کوئی عشق کا تیر کھایا ہوا زخمی دل۔ مگر یہ خط تو کوئی اور ہی خوشبو لئے ہوئے تھا۔ لفافے کے اندر ایک اور لفافہ تھا جس کے دائیں کونے ''علی تیرے چاہنے والوں کی خیر'' بائیں کونے پہ ''جموں' را کالے'' لکھا تھا۔ اک عجیب سے تجسس اور حیرت بھرے انداز سے وہ آنکھیں پٹ پٹا رہی تھی...... جب کچھ بوجھ میں نہ آیا تو چھنگلی کا بڑھا ہوا ناخن ڈال کر اندر والے لفافے کو بھی کبوتر کے پوٹے کی طرح چاک کیا۔

عاشق کا خط ہو یا کبوتر' فاختہ کا پوٹا۔ برآمد کیا ہوتا ہے۔ چند دانے اناج و اخلل...... ہرے سرخ کانچ کے ننھے ننھے ٹکڑے' چمکیلے ادھیلے سنگریزے۔ انگلی کلائی کے لہو سے بنا ہوا دل اور اندر گھسا ہوا تیر یا خنجر' عاشقانہ اشعار...... یا پھر مرنے جینے خودکشی کی دھمکی۔

ہسپتال کے رجسٹر کا موٹا کھردرا پیلی رنگت کا تڑا مڑا کاغذ تھا جس کے ایک طرف مریض کا نام' مرض تشخیص' دوائیں اور موجودہ حالت و حرکت وغیرہ شکستہ سے انداز میں تحریر تھے۔ دوسری جانب بڑے بدخطے میں لکھا تھا۔

''سرکار' سفیداں بائی کو ایک سوختہ حال' جاں بہ لب عقیدت مند کا سلام پہنچے۔ بابا بالی شاہ کے میلے پہ آپ کی لگائی ہوئی ہلکی تان سے ٹوٹ کر گرنے والا جموں را کالا۔ جسے سب کچھ گنوا کر بھی اگر آپ کی تھوڑی سی توجہ نصیب ہو جائے تو جانو سب کچھ مل گیا۔ بہت بہت شکریہ!''

یک دم اس کی آنکھوں کے آگے وہ میلے والا حادثہ آ گیا۔ ماتھے پہ تریلی اتر آئی' ہاتھ پاؤں تھر تھر کانپنے لگے اور دل تھا کہ دھک دھک کی دھکم پیل سے جیسے باہر لوٹنے کو ہو...... کچھ دیر تک بالکل ساکت و جامد پڑی رہی پھر بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا۔

طوائف کی زندگی کی بُنت' اس کے پیشے کے تقاضے' گھر اور ارد گرد کا ماحول' اس کی سوچ سمجھ کے اپنے مخصوص انداز' شاہانہ اخراجات یہ سب کچھ مال و زر' رنگ و رامش' عشوہ و غمزہ' فراخ مشربی اور نشاط خیزی سے مملو ہوتا ہے...... اس کی نوخیزی اور بھرپور شباب کے فقط چند سال مہینے ہی اس کا کُل سرمایہ ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ خوب بینت بینت کر برتتی ہے۔ وہ اپنے ایک ایک اشارے' غمزے' اداؤں' لبھاؤں' اعضاء کی ایک ایک حرکت تارِ نفس کی اک اک گرہ کا زیادہ سے زیادہ تاوان وصول کرنے میں کوشاں رہتی ہے تاکہ جوانی کی

شمر دوپہر گزارنے کے بعد وہ آنے والے بڑھاپے کی سرپڑی رات کسی محفوظ شامیانے تلے بسر کرنے کی اہل ہو گئے...... پیسہ اور پیسہ اور پھر پیسہ' اس کا فلسفۂ حیات اور زندگی کی آسائشیں حاصل کرنا اس کا دھرم دھیان ہوتا ہے...... جس کے کھیسے میں دام ہے وہی اس کا گُلفام ہے...... پیار محبت عشق وشق اس کے نزدیک محض تضیعِ اوقات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتے...... شرم' حیا' عزت' غیرت' وفا نبھا وغیرہ کے مفہوم۔ اس کے پیشے کی ڈکشنری میں بالکل مختلف ہیں...... لیکن کبھی کبھی کہیں انہونی بھی ہو جاتی ہے۔ ہزاروں میں کوئی ''پاگل دی پتر'' یا کوئی وکھرا اساوانہ' ایسا بھی نکل آتا ہے جو اپنی پیشہ ورانہ روایتوں کے برعکس عمل پیرا ہو جاتا ہے...... ایسا کسی اوکھے بندے کے بارے میں ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مقدروں میں دھکّے دَر دَر کی خواری' رُسوائی اور بربادی لکھی ہوئی ہے اور یا پھر اس کی رگوں میں شرافت اور خباثت کے خون میں بیلنس نہیں ہے یا صلبی شرافت کی شریان ذرا موٹی ہے۔ بالفاظ دیگر کہ طوائف بھی آخر بندہ بشر ہوتی ہے کسی کی کہیں بھی کسی وقت کوئی بھی رگ پھڑک سکتی ہے بند یا کھل سکتی ہے اور جب کوئی خاص خناس سما جائے تو پھر طوائف ہو یا شریف زادی' کوئی کسی روایت' اصول' مصلحت یا سُود و زیاں کو نہیں مانتا' بھر چل سو چل والی بات ہوتی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی اس کو دیکھنے سننے کی خاطر وہ سب [illegible] پر جا سن کی چھنک [illegible] کرنے کے بعد بھی جس پھیلا [illegible] صرف ہلکی سی توجہ کا طلبگار ہوا۔ بلکہ وہ تو اپنے طور پہ بھی مان چکی تھی کہ اس کی اس حالت کی ذمہ دار بھی وہی ہے...... اسی کارن شاید اس کے سُر [illegible] سے روٹھ بیٹھے...... گانے سے جی اُوب گیا تھا۔

دوپہر سے ذرا پہلے وہ [illegible] سیاہ لباس میں ایک بڑی سی کشمیری چادر میں سراپا ڈھانپے بڑے ہسپتال میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ اس کی خلیری بہن حاکماں بائی بھی تھی۔ یہ دونوں عام سی مقامی عورتیں ہی دکھائی دے رہی تھیں' وہ دونوں جنرل وارڈ کے ایک ایک بیڈ دیکھتی جا رہی تھیں...... مگر انہیں ایسا کوئی مریض دکھائی نہ دیا جس پر جموں را کالے' کا الزام لگایا جا سکتا ہو۔ کافی کھجّے خواری کے بعد آخر انہیں ہسپتال کے ایک اہلکار سے معلوم ہوا کہ اس حلیے' کا ایک مریض سپیشل نگہداشت کے کمرے میں موجود ہے۔

اس کمرے میں وہ اکیلا ہی مریض تھا۔ ہسپتال والوں کی ہدایت کے مطابق وہ اکیلی ہی اندر داخل ہوئی۔ وہ چاروں شانے چت' گردن سے پیٹھ تک پلاسٹر اور لکڑی کی فٹیوں سے جکڑا پڑا تھا۔ پائینتی کی جانب پلنگ کی ریلنگ پہ ہسٹری شیٹ لٹکی ہوئی۔

''کالے خان!'' وہ خاموشی سے دیگر کوائف پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن جب اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اُس نے چہرے سے چادر ہٹا کر مریض کو پڑھنا چاہا...... پاؤں ٹانگیں سُرخ کمبل سے ڈھکے

ہوئے تھے۔ پیٹھ سے گردن تک جیسے وہ سنگ مرمر میں ڈھلا ہوا ہو۔ سرگدی کا پچھلا حصّہ جس پہ ایک موٹی سلوٹ پڑی ہوئی تھی ننگا تھا۔ سیاہ بالوں سے لدے پھندے بھرے بھرے ننگے بازو۔ ایک تکیئے کے نیچے...... دُوجا تکیئے کے اُوپر۔ گہرا سیاہ بھوجک چہرہ بائیں جانب ڈالے ہوئے وہ کسی بیوہ ماں کے بیمار بچّے کی مانند چُپ چپت پڑا ہوا تھا...... تکیئے میں دھنسے ہوئے چہرے کا صرف آدھا حصّہ ہی وہ دیکھ سکی تھی۔ ایک غلافی آنکھ جو نیم بند تھی۔ ناک کا ایک نتھنا اور موٹے موٹے اَدھ کھلے کھلے کلونسے ہوئے ہونٹ...... وہ شاید کوئی اَچپل سا خواب دیکھ رہا تھا...... وہ دیکھے جا رہی تھی۔ کبھی اس کے بھاڑ چہرے پہ ہلکی سی مسکان اُبھرنے لگتی اور کبھی اس کے خشک ہونٹ کسی انجانے اندیشے سے تھرتھرانے لگتے تو انہیں ہانپا سا لگ جاتا...... پھر اچانک اس کا آدھا دکھائی دیتا ہوا چہرہ ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند شانت پڑ جاتا۔

راجوں رئیسوں سے [illegible] اور بار جوانی اُٹھوانے والی سرٹیفیکیٹ [illegible] آٹھوں پہر اٹھکیلیاں لینے والی چیت کی چاندنی کی مانند "عشق نہ دیکھے ذات اُوقات" والی بات دُہرائی گئی تھی جو پچھلے زقند بھرتی ہوئی یہ ہرنی اس بھرنُجھو [illegible] کے بھٹ بھڑ تک چلی آئی تھی۔ تقصیر سزا یا پھر پہلے جنم کے کسی بول تول کا پھل۔ بھگتان تھا۔ جو ایسے رام پیاری آدھی کھچڑی کے پاؤں میں پھنسی پڑی تھی [illegible] کے تلووں سے چومتی رہی...... پھر اُس کی زہریلی رنگت بال بال ڈور ڈوری کی طرح اس کا انگ انگ روم روم جیسے ایک کر رہی تھی۔

پھر جیسے اُس کی جان اس کے جسم سے الگ ہوگئی۔ کالے خان نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ بصد دقّت اپنا دایاں ہاتھ تکیئے کے نیچے سے نکال باہر کیا تھا...... اس کی تیسری اُنگلی میں جانے کیا بچھو لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ سفیداں بائی کے تو دیدے اُبل کر باہر آگئے...... ارے اللہ! ویسی ہی انگوٹھی وہی رنگ روپ اور حالت ویسے ہی اس کے پیٹ کی ناف میں گھسا اُترا ہوا بے آب و آشکار سا نگینہ...... سفیداں بائی نے ہاتھ اُٹھا کر اپنی انگوٹھی پہ نگاہ ڈالی...... وہ تو وہیں پہ موجود تھی۔ اب دوبارہ کالے خان کی انگوٹھی دیکھی...... دونوں ایک سی۔ یہ کیسے ممکن ہے دونوں ہاتھوں میں ایک سی سالوں پرانی انگوٹھیاں...... وہ چکرا سی گئی لیکن فوری طور پہ جو بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ ان دونوں انگوٹھیوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی سمبندھ تو ضرور ہے۔ کیا ہے کس طرح کا ہے؟ فی الفور اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے غور سے کالے خان کے چہرے کی طرف دیکھا' ماتھے پہ تیوریاں ڈالے سانس چڑھائے شاید کوئی انجانا سا خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پہ پائینتی کی جانب سے ہٹ کر سرہانے کے پاس کھڑی ہوگئی...... اس جگہ کالے خان کا پانچوں اُنگلیاں کھلا ہاتھ اس کے عین سامنے تھا...... اُس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کے قریب لا کر پھیلا دیا۔ وہ شاید دونوں انگوٹھیوں کا موازنہ کرنا چاہ رہی تھی...... اِدھر دِل تھا بلّیوں اُچھل رہا تھا کہ دھڑکنے کی بازگشت اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ جھجکے ہوئی شاید کچھ اور

تک گئی تھی کہ دل کے دھماکوں اور سانسوں کی ہلکی ہلکی شرشراہٹ اور تمازت سے کالے خان کے تارِ نفس تھما پھر جھنجھنا اُٹھے...... بھاڑ منہ بھی سفیداں بائی کی جانب تھا۔ سُرمئی سُرخ ڈوروں والی تھوتھا آنکھیں جھولا کھا کر کھل گئیں—— کوئی چیز انتہائی قریب ہو تو واضح دکھائی نہیں دیتی...... پھر ماندے بندے کی غنودگی تو چھٹتے چھٹتے ہی کہیں چھوٹتی ہے۔ یادداشت دماغ اور اَوسان بھی کہیں وقوف لے کر سکت پکڑتے ہیں۔

لیکن یہاں تو واردات ہی دگر تھی۔ جموں را کالے کی کایا کا ایک ایک کَل پُرزہ پہلے روز سے ہی کے نام کی رگڑ سے رست گر تھا، اسے نقاہت نیند کی گھمبیرتا، غنودگی کی گھمسن گھیریوں یا نزدیک و دُور کی دیدبینیوں سے کیا واسطہ؟...... اَنار کی طرح پھوٹتے ہی ”یاعلی ترے چاہنے والوں کی خیر...... جموں را کالے کو پالنے والوں کی خیر......“ کا دھیما سا نعرہ بلند ہوا۔ یہ سب کچھ اتنا اور ایسا اچانک کہ سفیداں بائی دیدے پھاڑے محض دیکھتی اور سُنتی رہ گئی۔

سمعی اور نطقی توانائیاں جب لرزنے اور دُھندلانے لگتی ہیں پھر بصری شمعیں فروزاں ہو جاتی ہیں۔

یہاں اب اُجالا ہی اُجالا تھا۔ دونوں ایک دوجے کا آئینہ بنے رُوبرو تھے۔

ایک نگاہ نو مچلی [illegible] سُرخ و سپید [illegible] کی جانب کھڑی ان [illegible] کے خا[illegible] پوچھے ملاحظہ کر رہی تھی...... وہ سفیداں بائی کو کالے خان کی بیوی یا کوئی قریبی عزیزہ سمجھ کر [illegible] تے ہوئے بولی۔

”آپ اِدھر کرسی پہ بیٹھ جائیں، مریض سے زیادہ بات چیت کرنے کی اجازت نہیں۔“

سفیداں بائی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ان کی تکلیف اور علاج کے بارے میں، میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔“

نرس اُسے گہری نظروں سے تولتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ شاید وہی خاتون ہیں جنہیں اس نے اپنے لہو سے خط لکھا تھا۔“ پھر مزید بتانے لگی۔ ”ان کی حالت، مِنت سماجت دیکھتے ہوئے میں نے خط لکھنے اور پوسٹ کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔“

سفیداں بائی نے جواب میں مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر شکریہ کہا۔ نرس خوش ہوتے ہوئے بولی۔

”سفیداں بائی جی! آپ کو یہاں اپنے سامنے پا کر میں بے حد خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ آپ یہاں تشریف رکھیں میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو اطلاع کرتی ہوں، وہی آپ کو مریض کے بارے میں پوری تفصیل بتا سکیں گے۔“

اُس سے جان چھوٹی تو یہ پھر حیرت، خوشی اور اِک ہیجانی سی کیفیت کے گرداب میں پھنس گئی...... دراصل وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ انگوٹھیوں کا چکر کیا ہے۔ وہ کن اکھیوں سے انگوٹھی اور اُسے دیکھ رہی تھی۔

کالے خان کی مجبوری یا معذوری یہ تھی کہ وہ چت لیٹا ہی رہ سکتا تھا۔ کسی حرکت یا کروٹ کے لئے وہ بے بس تھا...... پھر بھی وہ خفیف سی گردن ہلا جلا کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا...... وہ بہ دقت کہنے لگا۔

''نُرسی سرکار! مجھے معذور جان کر معاف کر دینا...... میں اگر ذرا بھی اُٹھنے کے قابل ہوتا تو واقعی دل و نگاہ فرش کر دیتا۔''

وہ مزید قریب ہو کر کہنے لگی۔

''یوں ہی خاموش اور بے حرکت لیٹے رہو، کالے خان! تمہیں میرے لئے اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو خود ہی تمہاری عیادت کے لئے یہاں پہنچ گئی ہوں۔ کہو کیسے ہو؟...... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرا گانا سُننے کی خاطر، کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جامن کے پیڑ پہ چڑھ گئے تھے۔ جامن کا کمزور ٹہن تمہارا بوجھ سہار نہ سکا اور تم خاصی بلندی سے نیچے گر پڑے۔ جس کے نتیجے میں تم اس حالت کو پہنچے ہو۔ کیا تم مجھے مختصراً بتانا پسند کرو گے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ شوق یا اتفاق؟''

وہ بمشکل بولا۔

''نُرسی سرکار! یہ سب کچھ ہی ہوا، اور جو کچھ بھی ہوا بہت خوب ہوا...... بلکہ تمہارا التفات پانے کے لئے تو اور بھی بہت کچھ ہونا چاہیے تھا۔ شوق نے مجھے وہاں پہنچایا...... حماقت نے مجھے جامن پر چڑھایا...... اور پھر اتفاق سے میں نیچے گر پڑا...... اور یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے تمہاری توجہ حاصل ہو گئی۔ ویسے نُرسی سرکار! وہ تو جامن کا پیڑ تھا...... وہاں سُولی بھی گڑی ہوتی تو اس پہ بھی چڑھ جاتا۔

وہ قدرے خجل ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

''تمہیں اس حالت میں زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم نے پوچھا تو میرا جواب دینا فرض بنتا ہے۔''

سفیداں بائی کرنے کو تو باتیں کر رہی تھی مگر اس کا دل و دماغ انگشتری والے گورکھ دھندے میں اُلجھا ہوا تھا...... اُسے جب بھی موقع ملتا وہ انگشتری کو بہ غور دیکھ لیتی...... کرسی کھسکا کر کالے خان کے قریب آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ وہ بڑی بے تابی سے انگشتری کے بارے میں جاننا چاہتی تھی مگر اسے کوئی مناسب موقع یا الفاظ نہیں مل رہے تھے...... اسی اثناء میں ڈاکٹر اور وہی نرس اندر داخل ہوئے۔ بڑا کوئی سڑیل قسم کا بنگالی ہندو

ڈاکٹر نے رسمی ابتدائی گفتگو کے بعد اس نے سفیداں بائی سے دریافت کیا کہ مریض سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ سفیداں بائی نے اسے تمام واقعہ سُنایا اور بتایا کہ کالے خان میرا مدّاح ہے...... میرے پروگرام میں میرے گانے کی وجہ سے چونکہ یہ حادثہ ہوا ہے اس لئے میرا انسانی فرض بنتا ہے کہ میں اس بھلے منش کی تیمارداری اور خبرگیری کروں...... ڈاکٹر نے بتایا کہ اس دن والے حادثے سے متاثر ہونے والے چاروں زخمیوں میں سے صرف کالے خان ہی اس وقت یہاں خصوصی نگہداشت میں موجود ہے باقی تینوں کو مرہم پٹی کے بعد فارغ کر دیا گیا...... صرف یہی مریض ہے جو سب سے زیادہ مجروح ہوا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ کولہے اور بازو کی پسلیاں بھی متاثر ہوئی ہیں۔ ابھی تک اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ ہم نے کئی بار مریض سے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا ہے تاکہ اس کے لواحقین کو اس کی حالت کے بارے میں اطلاع دی جا سکے...... مگر یہ بتاتا ہی نہیں...... صرف آپ کو ہی اپنا والی وارث لکھواتا ہے۔

سفیداں بائی نے کمال اندازِ دلربائی سے ڈاکٹر کو اپنی حیثیت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

"ہم لوگ اپنے مدّاحوں اور چاہنے والوں کی بہت قدر کرتے ہیں...... ہمارے مدّاح قدردان ہی ہمارے محسن [illegible] ہوں چونکہ یہ شخص شاہی دربار سے بھی ہے اس لئے مہاراجہ صاحب کے حکم کے مطابق اس کا علاج یہیں ہوگا...... اور [illegible] معصوم شخص کی تیمارداری اور دلجوئی کے لئے یہاں موجود ہوں۔"

ڈاکٹر اس کے جذبات سے متاثر ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ یہاں تیمارداری کے لئے [illegible] سکتی ہیں...... مگر ویسے اس کی ضرورت نہیں۔ آپ ہر روز آیئے اس کا دل بہلایئے۔ مگر زیادہ دیر آپ کا موجود ہونا مریض کے لئے مناسب نہیں۔ ہمارا اسٹاف ہر طرح سے اس کا خیال رکھے گا...... ہمیں اس مریض کے بارے میں سرکاری طور پہ بڑی تاکید ہے۔"

وہ شام ڈھلے تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔ ٹکر ٹکر اُسے اور انگشتری کو دیکھتی رہی۔ ہلنے جلنے اور باتیں نہ کرنے کی غرض سے نرس نے اسے ٹیکا لگا کر پُرسکون کر دیا ہوا تھا اور اب ایک ننھے سے بچے کی طرح گہری نیند میں اُترا ہوا تھا۔ وہ نرس کو چند ضروری ہدایات اور ایمرجنسی میں رابطہ کرنے کے بارے میں سب کچھ سمجھا کر اُٹھ آئی۔

وہ ہر روز صبح سویرے پہنچ جاتی۔ پورا دن اس کے پاس بیٹھی رہتی یا پھر کوئی کتاب رسالہ سامنے دھر لیتی...... لیکن جونہی اُس کی نظر انگشتری پہ پڑتی تو پھر بے سکون سی ہو جاتی۔ انگشتری تو جیسے اس کے اعصاب پہ

سوار ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی بے نگ کی انگشتری کو بار ہا اُلٹ پلٹ کر دیکھا تھا...... دونوں میں اُسے بال برابر بھی کہیں فرق دکھائی نہیں دیا' یہ انگوٹھیاں کسی مشین کی بنی ہوئی نہیں تھیں...... یہ تو کسی انتہائی مشاق سنار کے فن کا نمونہ تھیں...... سادہ' سجل اور من بھاونی سی' لگتا تھا کسی خاص انسان نے انہیں اپنی پسند سے بنوایا ہو...... اس نے بہتیرا دماغ کھپایا۔ مگر کچھ صحیح سے سمجھ میں نہ پڑا۔ جب زیادہ زور دیتی اور معاملے کو منطقی انداز فکر سے دیکھتی تو جو نتیجہ نکلتا وہ کوئی زیادہ خوشگوار نہ ہوتا۔ اس انگشتری کے حساب سے کالے خان سے اُس کا کوئی بہت قریب سمبندھ نکلتا...... کالے خان یا تو اُس کے مرحوم باپ کا کوئی قریبی عزیز ہے۔ بیٹا...... اور یا پھر کوئی چور' لیکن کالے خان چور نہیں ہو سکتا...... تو پھر وہ بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی انگوٹھی اُس کے باپ نے اُس کی ماں کو اپنی محبت کی نشانی کے طور پہ پہنائی تھی اور اب اسی طرح کی انگوٹھی کالے خان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس تلخ حقیقت پہ سوچتے سوچتے پاگل سی ہو جاتی تھی۔

ایک روز اس کے بازو پہ ہلکے ہاتھ سے مالش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"کالے خان! یہ انگشتری اُتار دو' ہاتھ پہ ورم کی وجہ سے بُری طرح پھنسی پڑی ہے۔"

اُسے تو جیسے بچھو نے کاٹ لیا تھا' تلملا کر بولا۔

"ہاں ہاں...... اِسے اُتارنا...... اِسے تو میں نے ہسپتال والوں کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی نہیں اُتارا...... یہی تو اک انگوٹھی رہ گئی ہے میرے پاس...... میرے ماں باپ' میرے خاندان کی نشانی!"

سفیداں بائی نے کمال تحمل سے کہا۔

"یہ تو سب ٹھیک ہے مگر یہ بُری طرح اُنگلی میں پھنسی ہوئی ہے جبکہ پڑے پڑے تمہارا جسم سُست پڑ گیا ہے۔ ہاتھ بازوؤں پہ ورم اور دوران خون بھی خاطر خواہ نہیں۔ اس لئے اس انگوٹھی کا اُتارنا ہی بہتر ہے۔"

"اچھا! اگر تم بھی اِسے میرے ہاتھ سے اُتارنا مناسب سمجھتی ہو تو لو اُتار لو......"

اُس نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ مگر سفیداں بائی ہر حربہ آزمانے کے بعد بھی وہ انگشتری نہ اُتار سکی۔ خجل سی بولی۔

"بھئی' کالے خان! یہ تو ٹس سے مس نہیں ہوئی' لگتا ہے اسے بھی تمہارے سے علیحدگی پسند نہیں۔"

وہ اپنے دوپٹے کے پلّو سے انگوٹھی صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اچھا بتاؤ' یہ تمہاری ماں کی نشانی ہے باپ کی یا پھر جورو......؟"

اِس کی دکھائی دینے والی ایک آنکھ میں جیسے اوس کا چھینٹا سا لگ گیا ہو...... چند ثانیے وہ پلکیں بند کیئے

خاموش سا ہو لیا...... سفیداں بائی بولی۔

''میرے اس سوال سے شاید تمہارا دل دُکھا ہو...... مجھے معاف......!''

''نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... یوں ہی کبھی کبھی کلیجے کو کچوکا سا لگ جاتا ہے...... ہاں تم پوچھ رہی تھی کہ یہ انگشتری کس کی نشانی ہے سمجھو کہ یہ میرے ابا' اماں دونوں کی ہی نشانی ہے۔ میرے ابا نے آگرہ کے رہنے والے اپنے سنار دوست سے بڑی فرمائش کر کے دو انگوٹھیاں بنوائی تھیں...... ان انگوٹھیوں کا کندن' میرے دادا کی جیبی گھڑی کے ڈھکن کا تھا جو ایک حادثے میں بُری طرح ٹوٹ گئی تھی...... ان انگوٹھیوں کے ننھے ننھے نگینے بڑے قیمتی پنے تھے جو میری دادی کے بازوبند سے اُترے ہوئے تھے...... بڑے شوق و اہتمام سے انگوٹھیوں کی پٹی پہ ابا نے اپنا نام کندہ کروایا...... ایک انگوٹھی میری اماں کو اپنی محبت اور وفا کی نشانی کے طور پہ پہنائی تھی...... پھر ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد بولا۔ ''میری سر کی سرکار یہی وہی انگوٹھی ہے جو میرے ابا نے میری ماں کو خود اپنے ہاتھ سے پہنائی تھی۔''

سفیداں بائی کچھ دیر اس کے چہرے کو تکتی رہی...... پھر بڑی رسان سے پوچھا۔

''......اور دوسری انگوٹھی؟''

''وہ بھی ویسی ہی ہے۔ اس پہ میری ماں کا نام کندہ تھا۔ میرا باپ میری ماں سے بڑا اُنس رکھتا تھا۔ ہر لمحہ ہر وقت اسی کی دلجوئی اور خاطر داری میں لگا رہتا تھا۔''

سفیداں بائی نے اس کی بات درمیان میں قطع کر کے ایک اور سوال پوچھ لیا۔

''کیا تمہاری ماں' تمہارے باپ کے خاندان سے تھی یا تمہارے والد نے اپنی پسند سے......؟''

''نہیں' نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں تھی...... ہم اصیل پٹھانوں میں شادیاں اپنے خاندان میں ہی طے پاتی ہیں...... میری ماں کوئی ایسی خوبصورت بھی نہیں تھی۔ دراصل وہ بڑی گنوں پنوں والی عورت تھی۔ بے حد صبر اور صابر...... جبکہ میرا باپ بڑا غصیلا اور ہٹیلا مرد قسم کا آدمی تھا۔ مگر میری ماں کے آگے وہ حد درجہ حلیم و کریم رہتا...... مگر افسوس کہ وہ......''

سفیداں بائی اس کے آدھے دکھائی دینے والے چہرے پہ نظریں گاڑے غور سے اس کی' ہلک اپنی بات سُن رہی تھی۔ اس کے اچانک خاموش ہو جانے سے اُس کی چتون پہ بل پڑ گیا...... وہ اندر سے کسمسا کر بولی۔

''کالے خان! تم اپنے والد اور والدہ کے متعلق بات کر رہے تھے کہ میرا باپ میری ماں کی حد درجہ عزت و تکریم کرتا تھا۔ مگر افسوس...... اب آگے بات کو بڑھاؤ۔''

’’ہاں! میں اپنے باپ کی بات کر رہا تھا...... سُر کی سرکار! میرے اسی باپ نے میری صابر و شاکر ماں کو زندہ درگور کر دیا...... وہ کسی طوائف کی زُلفوں کا اسیر ہو کر اُسی کا بن کر رہ گیا تھا۔ وہ تو بہت بعد میں معلوم ہوا وہ کاروباری مصروفیات کی آڑ میں اس طوائف کے ہاں قیام کرتا تھا پھر ایک وقت ایسا آ لگا کہ اس کا اپنے بیوی بچوں سے التفات بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا...... یہاں تک کہ وہ انگوٹھی جو اس نے اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی تھی جس کے لئے کندن میرے دادا کی گھڑی سے لیا گیا تھا...... جس کا نگینہ میری دادی کے بازو بند سے اُترا ہوا تھا...... اور جس پہ میری ماں کا نام کندہ تھا۔ اُسی اپنی محبوبہ طوائف کو تحفے میں دے دی۔‘‘ کالے خان نے اتنا کہہ کر پھر خاموشی سادھ لی۔

سفیداں بائی نے تھوڑی دیر بعد ’’پھر‘‘ کے دستِ پناہ سے پھر راکھ کے ڈھیر سے دبی چنگاری نکالنے کی جستجو کی۔

’’پھر ایک دن میرا باپ بیٹھا بٹھایا ہیضے کی وبا میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میری ماں بھی چل بسی...... اس طرح ایک طوائف کی وجہ سے ہمارا ہنستا بستا گھرانا تباہ و برباد ہو کر رہ گیا...... پھر میرے مَن میں ایسی گرہیں پڑ گئیں کہ میرا جی دن بہ دن اس دُنیا سے اُچاٹ ہوتا چلا گیا...... مجھے ہر خوشی زہر لگتی تھی...... انسانیت، شرافت، بیوی، باپ، پیار، سب سے نفرت ہو گئی۔ اپنے شہر، علاقے، خاندان، احباب سب سے جی میلا ہو گیا۔ آوارہ گردی شروع کر دی۔ موسیقی سے قدرے سکون نصیب ہوتا تھا۔ پچھلے دنوں میں کاروباری سلسلے میں کچھ عزیزوں سے ملاقات کی غرض سے جموں پہنچا...... اگلے روز سیالکوٹ روانہ ہونا تھا۔ وقت گزاری کے لئے ایک باغ میں بیٹھا تھا کہ میرے قریب ہی کچھ سازندے قسم کے لوگ بیٹھے اپنے سازوں کو سُر کر رہے تھے۔ یونہی باتوں میں انہوں نے تمہاری گائیکی کی کچھ ایسی تعریف باندھی کہ میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا...... پھر جامن کا پیڑ...... ہسپتال اور اب یہ لاحاصل سی بیکار باتیں......‘‘

سفیداں بائی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

’’یہ باتیں بیکار نہیں۔ بڑی کارآمد ہوئیں...... اب صرف ایک اور بات بتاؤ...... وہ طوائف جس کو آپ کے ابّا سے تعلق خاص رہا تھا۔ کیا تم نے اُسے دیکھا یا کچھ جانتے ہو گے کہ وہ کون تھی...... کہاں تھی...... کچھ نام وغیرہ؟‘‘

’’نہیں...... ہمارے ابّا نے اُس کے بارے میں کبھی کسی کو ہوا تک لگنے نہیں دی تھی اور نہ ہی ہم نے کبھی جاننے کی کوشش کی۔ نا آسودہ محرومیوں کے ڈھیر کو کریدنے سے دُکھ کے علاوہ اور تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔‘‘

سفیداں بائی تو جیسے پاتال میں اُتر گئی ہو۔ اُس کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ بے دھیانی میں اُس کے مُنہ سے صرف اتنا نکلا۔

"تم نے سچ کہا...... طوائف اور گندگی کے ڈھیر سے سوائے بدبو کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

پورے ساڑھے دو ماہ تک سفیداں بائی ہسپتال میں اس کی چارپائی کی پٹی بنی رہی...... اِس دوران وہ مسلسل چت پڑا رہا۔ لیٹے لیٹے ہی ہاتھ پاؤں ٹانگوں کی ہلکی سی ورزش کرائی جاتی۔ یہ خود اپنے نازک نازک ہاتھوں سے اسے دباتی، مالش کرتی، سر سہلاتی۔ ثقیل غذا تو سرے سے ہی بند تھی...... سُوپ، جُوس، چائے یا پھر ایک آدھ چھوٹا موٹا پھل...... یہ کھلانا پلانا بھی سفیداں بائی کرتی تھی...... بول براز بھی الگ اِک ٹیڑھا مسئلہ تھا۔ پیشاب کے لئے چارپائی کے نیچے انتظام تھا...... پاخانہ تو [illegible] کے برابر تھا...... ہر دوسرے روز انیما کر دیا جاتا۔ یہاں بھی سفیداں بائی نرس کا ہاتھ بٹاتی...... ایکسرے پچاسی فیصد درست آ رہے تھے۔ پلاسٹر کاٹا تو جسم یوں لگا جیسے ابھی ابھی اس کا جنم ہوا ہو...... اُٹھنا بیٹھنا یا کھڑا ہونا اور چلنا تو جیسے یہ بھول ہی گیا تھا۔ اب اسے چند منٹ بیٹھنے، کچھ قدم چلنے اور ہلکی ہلکی ورزش کی اجازت ملی تھی۔ ہسپتال میں مزید پندرہ روز [illegible] تک [illegible] تین ماہ تک سفیداں بائی اپنے کام دھندے سے فارغ اور کالے خان کی تیمارداری میں لگی رہی تھی...... اب نہ تو حادثے سے پہلے والا کالے خان تھا اور نہ وہ پہلے والی سفیداں بائی تھی۔

کالے خان کا یہ عالم کہ بیماری اور بیزاری سے جھڑ وس کر کالا جامن سا نکل آیا تھا۔ رنگ پہلے ہی سڑا ہوا، اب طبیعت مزاج کا بھی سڑیل ہو گیا۔ گردن قدرے آگے کو جھک کر رہ گئی جو دائیں بائیں حرکت پہ تکلیف دیتی محسوس ہوتی تھی اور قد بھی جیسے انچ ڈیڑھ انچ کم پڑ گیا ہو۔ کمر جو لڑھک سی گئی تھی اب چلتے سے جھکے جھکی رہتی۔ چال میں ہلکا سا لنگ...... ذہن دماغ پہ بھی شاید کچھ اثر پڑ گیا تھا کہ وہ اپنا ماضی بھولتا جا رہا تھا جیسے وہ اپنی شخصیت، حیثیت، ذات وغیرہ کسی معمولی چیز کی طرح کہیں رکھ کر بھول چکا ہو۔ کچھ کھونے کا احساس نہ بیمار بیکار رہنے کا غم، بیوی بچے، گھر بار، کاروبار، احباب...... جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ رہا تھا۔ وقت کا [illegible] دھیرے دھیرے آگے سرک رہا تھا اس سفر میں اس نے خود کو بے دست و پا پا کر خود کو دھارے کے [illegible] دیا۔

مشتری کے بارے میں سفیداں بائی کے اندیشے ایک زندہ حقیقت کا روپ اختیار کر چکے تھے۔ اس

نے کمال ضبط و تحمل سے اس کڑوی حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ کالے خان سے اس کا خون کا رشتہ ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اِس کی ماں برادری کی بیاہتا تھی جبکہ اُس کی ماں خاندانی طوائف تھی۔ کھانے طعام کی فوقیت اپنی جگہ...... لیکن جس برتن میں کھانا پروسا جاتا ہے اس کی پاکی پلیدی کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے۔ وہ اس تلخ حقیقت اور خون کے اس تعلق کو اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن کر دینا چاہتی تھی جبکہ یہ اَمر بھی اس کے لئے باعثِ تقویت تھا کہ کالے خان کی اس سے عقیدت کسی غرض یا نفسانی خواہش کی سزاوار نہیں اور نہ وہ کلی کلی منڈلانے والا کوئی بھونرا صفت ہے۔ وہ تو اُس کے فن و ہنر کا قدر دان ہے۔ سوچتے سوچتے وہ بالآخر ایک حتمی فیصلے پہ پہنچ ہی گئی تھی۔

کالے خان کے غسلِ صحت کے بعد جب سفیداں بائی نے باقاعدہ محفل سجا کر گانا بجانا شروع کرنا چاہا تو یہ عجیب سی شکل بنائے ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"جی سرکار!...... میں نے اپنا سب کچھ تیاگ دیا ہے...... جس کا مجھے رتی بھر افسوس یا ملال نہیں...... مجھے [illegible] ارش ہے کہ مجھ سے کبھی میرے ماضی کے متعلق کوئی سوال نہ کرنا...... بس یہی جاننا کہ میں تیری خیر چاہنے والا ہوں...... اپنے ہاں تھوڑی سی جگہ جہاں میں پڑا رہوں اور اپنی محفل مجلس میں ایک کونا، جہاں سے میں تیری مدھر آواز سن سکوں...... میری روزی روٹی کی چنتا نہ کرنا میں چوبارے کے نیچے کوئی ٹھیلا [illegible] کر لوں گا۔"

دن بھر وہ "جموں را کالے" کے آوازے لگاتا رہتا...... شاید یہ اس کا تکیہ کلام بن چکا تھا...... موسمی پھل ٹھیلے پہ سجائے وہ سفیداں بائی کے چوبارے کے نیچے گلی کی نکڑ پہ کھڑا صبح سے شام کر دیتا۔ مستقل آنے جانے والوں، دوکانداروں، بھڑووں اور تماشبینوں سے اس کی واجبی سی علیک سلیک بھی شروع ہو چکی تھی۔ خیر خیریت اور سلام دُعا کے طور پہ وہ "یا علی، تیرے چاہنے والوں کی خیر" کا نعرہ نما فقرہ استعمال کرتا تھا...... پھلوں سے اس کی بے پناہ دلچسپی کی اصل وجہ تو معلوم نہیں تھی...... ہاں جو بظاہر وجہ نظر آتی تھی وہ یہ کہ رات اپنا روزی ٹھیلا بڑھا کر جب وہ چوبارے کی سیڑھیاں چڑھتا تو اس کے ہاتھ میں ایک وزنی پوٹلا اُن چنیدہ پھلوں کا ہوتا جنہیں وہ اپنے پھلوں سے خوب چھانٹ چھانٹ کر اپنی سُروں والی سرکار کے لئے بطورِ خاص علیحدہ کرتا۔ پھلوں میں اُسے صرف جموں کے خوب موٹے موٹے رسیلے، میٹھے مگر ہلکے کسیلے جامن بہت پسند تھے...... جامنوں کے موسم میں جیسے جوان ہو جاتا۔ ٹھیلے پہ جامنوں کا ٹیلہ بنائے اوپر پھول سجائے وہ سارا دن

[illegible] رکھنے" کے لہک لہک کر آوازے لگاتا رہتا...... بس جامنوں کے ساتھ یہی اِک خرابی ہے کہ ان کا موسم [illegible] بہت جلد ڈھل جاتا ہے...... غریب کی جوانی کی طرح جب یہ پک جاتے ہیں تو پھر آوارہ پنچھیوں کی چونچوں ٹھونگوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ جو وہاں سے بچ لیں تو پھر وہ پتھروں، روڑوں اور لمبی لمبی قمچیوں کی زد میں آ جاتے ہیں اگر یہاں سے بھی نکل جائیں تو گل سڑ کر راہیں راستے خراب کرتے ہیں۔ ہاتھ، دامن، لب، زبان اور طبیعت تک اپنے رنگ میں رنگ ڈالتے ہیں۔ کالے خان کی اپنی طبیعت، شکل صورت، رنگ روپ بلکہ اندر کا سروپ بھی جامن رنگ تھا...... کسیلا، رسیلا...... اور کچھ میٹھا...... شاید اس کا انجام بھی کہیں جامنوں جیسا تھا۔ اب وہ سب سے بچ بچا کر اس راہ پہ پڑا تھا...... حقہ، پان، سگریٹ تو وہ شاید پہلے بھی کھاتا پیتا تھا مگر جب سے بازار میں کھڑا ہوا تو ان کے استعمال میں قدرے اضافہ ہو گیا تھا۔

* * *

سفیداں بائی چار پانچ ماہ کے تعطّل کی کسر نکالنے میں مصروف تھی...... جموں کی راجدھانی میں داد عیش دی جا رہی تھی۔ عوام تو عوام، خواص و امراء اور راجگان بھی دن رات بادہ و جام کی محفلوں، رت جگوں اور رقص و موسیقی کے جلسوں مجروں میں مگن رہتے تھے۔ [illegible] اور عیش ہی عیش [illegible] تھا...... ملک [illegible] بھرپور جوانیاں، نوخیز نوچیاں، [illegible] ڈیرہ دارنیاں۔ پریوں کے پرے کے پرے غرضیکہ جموں راجدھانی راجہ اندر کا اکھاڑہ تھا۔

کچھ ڈیرے محض موسیقی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں کہ یہاں صرف گانا بجانا ہوتا ہے...... ٹھمری، دادرا، خیال، غزل گیت وغیرہ، یہاں صرف فن و ہنر اور گائیکی کی بات ہوتی ہے...... حُسن و شباب اور حسن غمزہ کی داد و دہش والے اِدھر کا رُخ نہیں پکڑتے...... یہاں جموں میں سفیداں بائی امرتسر والی کا ڈیرہ بھی ایسا ڈیرہ تھا جہاں صرف چھل کن رسیئے، کلاسیکی موسیقی کے گُنی...... موسیقی کا اعلیٰ ذوق رکھنے، سنجیدہ مزاج، [illegible] رؤسا، اور معززین ہی حاضری دیا کرتے تھے...... اس زمانے میں سفیداں بائی اُن چند چنیدہ گانے والیوں میں سے تھی جو ریڈیو پہ بھی صفِ اوّل کی حیثیت سے پروگرام پیش کیا کرتی تھیں...... گوجری اور ڈوگری بھاشا میں اس کے پہاڑی بول ٹپے اور گیت جب نشر ہوتے تو راہ چلتے لوگ رُک جاتے تھے۔ ریڈیو کے گرد شائقین کے ٹھٹ لگ جاتے۔ بازار والیوں میں مشہور تھا جب سفیداں بائی اپنی مجلس محفل سجاتی ہے تو اس کے سازندے بھی سوا سیر سونا اور دو مٹکے چاندی تو لیتے ہیں...... نقدی الگ!

کالے خان کا پھلوں والا ٹھیلا عین سیڑھیوں کے نیچے تھا…… ہر چڑھنے اُترنے والے پہ اس کی نظر ہوتی…… اَب تو وہ یہاں کھڑے رہ کر ہر ایک کی کھڑی چڑھی اُتری نظر بھی پہچاننے لگا تھا…… رات کا پہلا پہر ختم ہوتے ہی، پھل بکیں نہ بکیں وہ ٹھیلا بڑھا کر اُوپر چلا جاتا…… سفیداں بائی کے لئے پھلوں کا تھیلا اندر اس کی خواب گاہ میں پہنچا کر غسل خانے میں گھس جاتا…… نہا دھو کر لباس تبدیل کرتا، بالوں میں تیل چُپڑتا…… عطر پُھلیل سے رومال مُعطّر کرتا پھر خاموشی سے بیٹھک میں داخل ہو کر اندرونی دروازے کی اَوٹ میں اپنی مخصوص جگہ پہ بیٹھ جاتا۔ اگلے لمحے وہ انگشتری والے ہاتھ اور سر کی ہلکی سی جنبش سے سلام کرنا نہ بھولتا۔ سفیداں بائی ہلکی سی مسکان سے سلام کا جواب دیتی…… دورانِ محفل وہ سر تک نہ اُٹھاتا…… ایسے گہرے مراقبے میں اُتر جاتا کہ اس کے گزر لینے کا شک پڑ جاتا…… شراب تو وہ چُھوتا تک نہ تھا اور نہ یہاں نشست میں سگریٹ پانی تک کو ہاتھ لگاتا۔ رات کے کسی پہر جب محفل برخاست ہوتی اور آخری فرد بھی جب سیڑھیوں سے اُتر جاتا تو سازندوں اور خانہ زادوں میں فرشی چاندنیوں پہ بکھرے پڑے کرنسی کے نوٹ سمیٹنے کے لئے ایک ہڑبونگ سی مچ جاتی…… کالے خان اس لمحے خاموشی سے اُٹھ کر نیچے صحن میں ٹھنڈی کھوئی کے ساتھ اپنی کوٹھڑی میں گھس جاتا۔

کوٹھڑی کے واحد دروازے میں باہر کی جانب منہ کر کے اگر وہ کھڑا ہوتا تو عین اس کے ماتھے کے سامنے اُوپر [illegible] کھلتا تھا…… جب تک اس "درشن جھروکے" سے اسے سفیداں بائی کے درشن نہ ہوتے اور وہ اُسے ہاتھ کے اشارے سے آرام کرنے کا اذن نہ دیتی وہ کوٹھڑی کے باہر چوکھٹ پہ ہی دھرنا دیے رہتا۔

● لیلائے مجاز……!

طوائف، طوائف سے بہت پہلے ایک انسان بھی تو ہوتی ہے۔ انسان ہونا ایک بڑا شرف ہے اور یہ شرف انسان کی سوچ، عمل، راستی، استقامت اور علم و عقل سے تعبیر ہے۔ آگے خوش بختی سے اگر اسے عشق کی جاگ لاگ لگ جائے تو یہ انسانیت کی اکملیت کی جانب مائل بہ سفر ہوتا ہے جبکہ عشق پہلے لیلائے مجاز کے عمل کی اتمامِ حُجت کرتا ہے۔ بہت بعد پھر کہیں حلاج کے حجاب میں سردارِ قتیلِ شوق ہو کر حُجتِ قاطع کی مُہرِ آخریں ثبت کرتا ہے۔ عشق تانیث و تذکیر کے تناسب و تفارق سے تنافرت رکھتا ہے۔ مادی اور نفسانی خواہشات کو درخورِ اعتناء نہیں گردانتا۔ یہ مسلک و مذہب، رسوم و روایات کی فرسودگیوں اور رنگ و نسل، حسن و سیرت کے طول و عرض کی بیہودگیوں سے گریزاں ہوتا ہے…… یہ رشتوں ناتوں سے تو پہلے ہی رُستگاری حاصل کر چکا ہوتا

ہے۔ اندیشۂ سود و زیاں سے کہیں دُور "مشکِ جاں" کو لئے کسی کے حریمِ ناز میں پڑا رہتا ہے۔

سفیداں بائی خوب جان چکی تھی کہ کالے خان سے اُس کا کیا رشتہ ہے...... لیکن وہ کسی طور بھی یہ تلخ حقیقت اس پہ آشکار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایسے معصوم اور شکستہ خاطر انسان کو کسی اذیّت سے دوچار کرنا نہیں چاہتی تھی...... کالے خان تو اُس کے ہاتھ کا پانی بھی نہیں پیتا تھا۔ سارا دن گلا پھاڑ پھاڑ "جموں را کالے" کے آوازے لگاتا رہتا...... چاہے اس کے ٹھیلے پہ آڑو اور آم ہی پڑے ہوتے۔ کہتا تھا جموں کے جامنوں نے ہی تو میرے من کو جگایا ہے۔ میرا من موہن ملایا ہے۔ مجھے کام دھندے پہ لگایا ہے...... بازار' کوٹھوں' گلیوں تھڑوں والے سب جاننے لگے تھے کہ اس کی سفیداں بائی سے جُرّت' جھوگ بلا اس نہیں۔ سُر کی سُر ادھن ہے...... وہ کسی بازارِ حُسن کا تماشبین نہیں' وہ تو خلق و شرف کے بازارِ مصر کا عاشق بن بیٹھا ہے۔ موسم کی رعایت کے تحت نماز سے فارغ ہو کر اپنی کھٹیا کوٹھڑی کے باہر ہی دریچے کے رُخ پہ ڈال لیتا۔ پھر جب تک نیند نہ تھپتھپاتی ٹکٹکی باندھے بس "سوئے حرم" تکتا رہتا۔ اکثر ایسے ہی ہوتا کہ سفیداں بائی جب بھی' کسی وجہ سے دریچہ کھول کر باہر دیکھتی تو اسے ہمیشہ چکورے کی مانند ٹکٹکیاں مارتا [illegible] دکھائی دیتا۔ ہاتھ اٹھا کر [illegible] کرتا اور اُدھر سے فی الفور [illegible] بند [illegible]

کُھلے دنوں کی ایک سُہانی سی شام تھی۔ ایک سُبک نفیس چھم چھم کرتا ہوا یکّہ' جس کے آگے ایک بانکا سا ابلق گھوڑا جُتا تھا' بڑے طمطراق سے چوبارے کے زیرِ سایہ میں پہنچ کر ٹھہر گیا...... ایسے ہی جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر تپتی دوپہر میں کسی درخت تلے دَم درست کرنے کی غرض سے ٹھہر جائے...... سُرخ بانات کا انگرکھا' بسنتی زرّی راجپوتی پگڑی' نقرئی پٹکا باندھے' گھنیری مونچھوں والا یکّہ بان بڑی پُھرتی سے نیچے کودا اور بڑے ادب و احترام سے پائیدان کھول کر سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا...... یکّے سے اُترنے والا بھی یوں کہ جیسے کوہ قاف سے آیا ہو اور وہ یکّے سے نہیں کسی جادوئی اُڑن کھٹولے سے اُتر رہا ہو۔ آس پاس والے دوکاندار' بازار کے لوگ' چوباروں کے دریچوں اور بالکونیوں سے جھانکتی تاڑتی رنڈیاں' نوچیاں اس نووارد کی چھل بل اور حیثیت و حشمت کے متعلق اپنی اپنی دانست میں اندازے باندھنے لگیں...... اربابِ نشاط کے گلی کوچوں' بازاروں ٹھکانوں پہ ہر حیثیت کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہاں کوئی کسی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا...... لیکن کبھی کبھی اگر پرندوں میں کہیں کوئی مُرغِ سیمیں دکھائی دے جائے تو بے ساختہ نگاہوں کا اُدھر لوٹ جانا ایک قدرتی اَمر ہے۔ اس وقت یہاں بھی کچھ یُونہی صورتِ حال تھی۔

اس وقت سفیداں بائی کے کوٹھے تلے اُترنے والا بھی لاکھوں میں ایک ہی تھا۔ سرخ بانات کے انگرکھے کے نیچے چست پائجامہ، پاؤں میں لکھنؤ کی مطلا سبک سلیم شاہی...... راج ہنس سے گلے میں کھرے موتیوں کی مالا، چڑھی ہوئی غلافی آنکھوں میں بلا کی تیزی و تمکنت...... ستواں ناک کے نیچے موٹے سرخ ہونٹوں پہ بچھو کے نیش سی قلابے دار مونچھیں اور چہرے مہرے پہ اقبال مندی کی کھلی ہوئی چاندنی، وہ بندہ تھا یا کوئی راہ بھولا ہوا کوہ قاف کا شہزادہ!

پورے پانچ قدم پہ کھڑا کالے خان، آنکھیں منہ خربوزے کے گھاؤ کی مانند کھولے اُسے دیکھتا ہی رہ گیا...... جس طرح گلے میں ریشہ گرنے سے کھرکھری سی لگ جاتی ہے بعینہٖ اس طرح اُس کے دل کے اندر نامعلوم سے خدشات، ریشے کی مانند گرنے لگے تھے اور اک عجیب سی بے کلی، بے چینی در آئی تھی۔

یہ تو بازارِ حسن تھا۔ جدھر رزیلوں، شریفوں کا آنا جانا لگا بندھا رہتا ہے۔ جبکہ سفیداں بائی بھی کسی مسجد کے حجرے میں نہیں رہتی تھی۔ کھلے کھیت دھڑلے سے اپنے چوبارے میں گانے بجانے کا دھندا کرتی تھی، یہ اس کا قماش تھا۔ آنے والا کوئی بھی ہو اُسے چشم ما روشن دل ما شاد [illegible] کہنا ہی پڑتا ہے۔ ویسے بھی درویش اور طوائف کے [illegible] دروازے [illegible] ان کے [illegible] چوبارے ہر رزیل و شریف کی [illegible] باہر نہیں [illegible] کے لیے کھلے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے۔

درویش و طوائف کے کوائف میں چنداں تفاوت، درد و دام کا بھی ہے۔ طوائف اپنے ہاں اُترنے والوں کی جیب میں دام و درہم کی کھنک پہ کان دھرے ہوتی ہے جبکہ درویش حاضری دینے والوں کے سینوں میں درد و دم کی دھانس پہ ناک لگائے ہوتا ہے۔ طوائف کے کوٹھے اور درویش کی کوٹھڑی کے مابین ایک تضاد چڑھتی اُترتی سیڑھیوں اور سہارا لیتے ہوئے قدموں کا بھی ہوتا ہے۔

طوائف کے کوٹھے کی سیڑھیاں باہر سے اُوپر ظاہر کی جانب چڑھتی ہیں جبکہ درویش کی کوٹھڑی کی طرف بڑھنے والے قدم اندر سے نیچے دروں خانے کی طرف جاتے ہیں۔

سو درویش اور طوائف کے مابین یہی باہر، اندر...... نیچے اُوپر اور در و بام۔ درد و دم کا فرق ہوتا ہے۔

وہ نو وارد رئیس زادہ نپے تُلے قدموں سے کالے خان کے قریب آیا، چوبارے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

''سفیداں بائی کا بالاخانہ یہی ہے......؟''

کالے خان ہونقوں کی طرح بھاڑ منہ کھولے' آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا' منہ سے تو کچھ نہ پھوٹا' اثبات میں محض کدو سا سر ہلا کر رہ گیا...... رئیس زادے نے چاندی کا کھنکتا ہوا روپے کا سکہ اس کے ٹھیلے پہ دھرا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ جدھر طوائف کے رُوپ میں سفیداں بائی تھی یا پھر سفیداں بیگم کے سروپ میں کوئی طوائف تھی۔ وہ انجان ستمگر اگر جانتا ہوتا تو اصلی سفیداں اسے نیچے ہی کالے خان کے دروں خانے میں بیٹھی مل جاتی۔ اوپر بالا خانے میں تو صرف نقلی طوائف تھی۔

نیچے بازار کی رونقیں ابھی اپنے شباب پہ نہیں پہنچی تھیں۔ ابھی تو چلمنوں کی اوٹ روٹ' مومی چہروں کی کافوری قندیلیں بھی پوری طرح روشن نہیں ہوئی تھیں۔ بائیاں اور نوچیاں ابھی ناز و ادا' بناؤ سنگھار اور [illegible] چسکوں میں مصروف تھیں۔ خانہ زاد ملازم پیشہ ابھی پیچوانوں کے نیچے اور چلموں کو تازہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مائیاں دائیاں گل شنگاری میں مگن تھیں۔ ڈیرہ داریوں ناٹکیوں کی زبانیں اور سروتے ایک ساتھ چل رہے تھے۔ ابھی تو چاندی کی طشتریوں میں نقرئی ورقوں میں لپٹی لونگی ہوئی گلوریوں...... گلِ شبنم کی کلیوں زعفرانی پتی...... شاہی قوام اور لکھنؤ کے زردے نے شوقینوں کو معطر و شاداں کر [illegible] لے خمیرے [illegible]

ارباب نشاط کے ہاں کا سارا کاروبار رات کے اور سُر سنگیت کے سم دم پہ موقوف اور چت چاہت' چتر چپک' بناوٹ' سجاوٹ' بھیگاوٹ لگاوٹ کی اونچ نیچ اور کھینچ کھانچ کا ہوتا ہے۔ دن کے اجالے ان کے لئے مکڑی کے جالوں کا جنگل ہوتے ہیں جدھر یہ نحوست و آلکست کے ذروں سے کھوٹ پہ گم صم پڑے رہتے ہیں۔ [illegible] سورج کے سمایت کا سگن ملا۔ ان کی چت چاؤ میں چکا چوندی کھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ خون آشام [illegible] کی طرح یہ دانت نکوسنے شروع کر دیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ طوائف کے بالا خانے پہ چڑھنے والا' چڑھتا تو اپنے پیر پاؤں سے ہے...... مگر وہ اُترتا اپنے پاؤں پہ نہیں' اُسے اُوپر والے اُٹھا کر نیچے پھینک دیتے ہیں۔

کالے خان بھیندی آنکھوں سے رئیس زادے کو پگ پگ اُوپر چڑھتے دیکھ رہا تھا اور ادھر ٹھیلے پڑے ہوئے طوطا پری آم اپنی پھیلتی سکڑتی آنکھوں سے کالے خان کو دیکھ رہے تھے...... جنہیں وہ کالے را[illegible] کے آوازے لگا لگا کر فروخت کر رہا تھا۔ دیکھیں تو بھلا جموں کے جامنوں اور اُودھم پور کے طوطا پری

آموں کی آپس میں کیا نسبت؟...... اگر نسبت پہ ہی بات ٹھہرتی تو اس میں اور سفیداں بائی میں کون سی نسبت مشترک تھی؟ نسبت تو شاید بسنت بہار کی پتنگ بازی کی طرح ہوتی ہے' ہر کوئی اپنی اپنی چڑھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ڈھیل ڈور اور بازو کے زور کی بات اور شاید مقدر کی اوقات بھی کہ دمڑی دھیلی کے تاوے' اُدھے اور پچھوے بجوے بڑی بڑی نازوں اور داموں والی پریوں پتنگوں کو چشم زدن میں کاٹ کر کانٹوں کے جھاڑ پہ ڈال کر پھبتی پھبتی کر دیتے ہیں۔

بالا خانے پہ تماش بینوں کا چڑھنا اُترنا تو لگا ہی رہتا تھا...... اور یہ چڑھنے والوں کی چال اور اُترنے والوں کا حال دیکھتا رہتا تھا کہ کبھی کوئی ایسی زیر و زبر نہ پڑی تھی' پر آج اسے یہ گلفام صفت تو کوئی گل گرفت سا دکھائی پڑا تھا۔ اس کے اندر کا کوئی جموں را اسے بتا رہا تھا اس کیندے کا اُوپر چڑھنا کچھ خالی اَز علت نہیں...... عاشق' ماں' مسافر' چور اور جیب تراش...... ان کے تو اندر بولتے ہیں یہ کسی کارکرتوت سے پہلے اپنے اندر سے شگون لیتے ہیں اور اندر' کھٹ سے ہاں ناں میں فیصلہ دے دیتا ہے...... [illegible] ابھی اَدھ پچدا مال بچا پڑا تھا۔ اس کے باوجود اس نے ٹھیلا پیچھے گلی میں بڑھا کر اپنی کوٹھڑی کے آگے لاکر کھڑا کر دیا...... کھڑکی کی جانب نظر دوڑائی۔ وہ بند تھی...... باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ پچھلے [illegible] سے جب لعل [illegible] اترتا دکھائی دیا فوراً آگے بڑھ [illegible] کر پوچھنے لگا۔

”[illegible] لعل یہ شیرازی کبوتر پہلے تو کبھی اس چھتری پہ اُترتا دکھائی نہیں دیا۔ [illegible] تو بھلا کون ہے یہ بجے تو اب؟“

وہ اپنی عادت کے مطابق [illegible] بولا۔

”پتہ ناہی جموں را کالے...... ہم تو ایسا جانت ہیں کہ جدھر کوئی سُندری کلبوتری گُٹرگوں گُٹرگوں کرے گی وہاں کلبوتر تو آوش آویں گے ہی...... گھوڑے کو گھاس سے مطلب ہووے ہے گُلد اور سے نہیں...... وہ ایسی ہی اینگی بینگی ہانکتا ہوا سنڈاس میں گھس گیا...... یہ باہر اپنے خالی ٹھیے پہ پہنچا تو وہاں وہی یکہ کھڑا تھا۔ گھوڑا تو توبڑے میں مُنہ ماری کر رہا تھا اور وہ مسخرا سا گاڑی بان' دانتوں تلے بیڑی دبائے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا...... یہ بھی کوئی ٹوہ سوہ لینے کی خاطر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”بھیا! کچھ جل پان پیش کروں...... ہم سفیداں بائی کے خدمت گار ہیں۔“

وہ چیز عقلو' اسے دیکھ کر یوں پیچھے ہٹا جیسے یہ انسان نہ ہو کوئی غلیظ سا جانور ہو...... مُنہ سے کوئی شبد تو نہ پھوٹا بس بندر کی طرح غوں غاں' ہاتھ نچاتے ہوئے' پرے یکے سے جا لگا...... یہ حیران ششدر کہ کیسے کُھر بندے سے واسطہ پڑا ہے...... کالے خان پھر قریب کھسکتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھیا! کیا تکلیف ہے مُنہ سے تو کچھ پھوٹو؟''

اس کی دوبارہ غوں غاں اور چہرے کے کرب سے یہ سمجھ گیا کہ یہ صرف دماغ کا ہی کھسکا ہوا نہیں...... منہ میں زبان سے بھی کٹا ہوا ہے۔ اس سے مایوس ہو کر وہ پھر اپنے پچھواڑے صحن کی جانب بڑھ آیا' سوچا کہ چلو اُوپر جا کے جھانک لیتے ہیں...... وہ دبے پاؤں اُوپر چلا آیا...... ہلکا سا پردہ کھسکا کر بیٹھک میں جھانکا تو وہ نواب زادہ مسند پہ بیٹھا' ریشمی تکیئے سے ٹیک لگائے' پیچوان سے شغل کر رہا تھا...... سامنے آبنوسی فرشی تپائی پہ شراب کی دو بوتلیں' گلاس اور کچھ کھانے ٹونگنے کا سامان دھرا پڑا تھا...... سازندے ساز پہ سُر کر رہے تھے...... اور سُر کی سرکار سفیداں بائی بڑی لگاوٹ اور چاؤ سے اس کے سامنے بیٹھی میٹھی میٹھی نظروں سے اُسے تک رہی تھی...... کالے خان کے تن بدن میں شعلے سے بھڑک اُٹھے...... اُس کی مٹھیاں بھینچ گئیں...... اِک لرزہ سا اُس کے وجود پہ طاری ہو گیا...... جسم لرزا پھر جو جھٹکا کھایا تو کمر کا تارہ تانا جو بیٹھا ہوا تھا اُبھرہ' پھر کہیں ادھر اُدھر ہو گیا...... یہ ریت کی دیوار کی طرح' طرح دے کر وہیں ڈھیر ہو گیا...... مُنہ سے نکلنے والی ہلکی کراہ' بیٹھک میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی سُن لی تھی۔ سفیداں بائی بھی سازندوں کے ساتھ پہنچ آئی...... ڈنڈا ڈولی کر کے نیچے اس کی کوٹھری تک پہنچایا...... ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے سرسری معائنے کے بعد پھر اسی ہسپتال میں [illegible] کمرے میں پہنچا دیا...... [illegible] یا گیا...... اب یہ سفیداں بائی کو کیا بتاتا کہ سب کچھ کیونکر ہوا...... سفیداں بائی نے اس سے صرف ایک سوال کیا کہ یہاں پردے کے پیچھے کیوں کھڑے تھے اور اپنا تھیلا سرِ شام ہی کیوں بڑھا دیا؟ وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا...... کوئی خاطر خواہ جواب نہ پا کر سفیداں بائی اسے ہسپتال چھوڑ کر واپس لوٹ آئی...... ایک گرہ تھی جو دونوں کے دلوں میں پڑ گئی تھی۔

یہ کشمیرے سنگھ تھا...... شری نگر کے اصیل سپرو خاندان کا چشم و چراغ...... ٹرانسپورٹ کا جدّی وِرثہ کاروبار تھا جبکہ ڈل کے گہرے پانیوں پہ گولڈن راج ہنس نام کا ایک تین ستاروں والا ہوٹل اور اس کے علاوہ گل مرگ اور مغل گارڈن میں کچھ لگژری ہٹ بھی تھے۔ جو دراصل اس کی پتنی پریتی سنگھ کو دہیج میں ملے تھے...... پریتی صرف قانونی کاغذوں میں اس کی بیوی تھی...... شادی کے بعد یہ لوگ ہنی مون منانے انگلینڈ چلے گئے۔ وہاں پر گورو جانے کس بات پہ کوئی کھٹ پٹ ہوئی کہ دونوں بغیر کوئی فضیحتہ کھڑا کئے بھلے مانسوں کی طرح علیحدہ ہو گئے...... ان کے مابین زبانی کلامی ایک معاہدہ طے پایا۔ طلاق نہیں ہو گی...... دونوں کو اپنی من مرضی کا جیون گزارنے کا پورا پورا ادھیکار ہو گا...... پریتی نے دہیج میں ملنے والی تمام منقولہ غیر منقولہ جائیداد کشمیرے کے نام

کر دی اور صرف یہ شرط رکھی کہ وہ آپس کی علیحدگی کو کبھی کسی پہ ظاہر نہیں کرے گا...... پریتی انگلینڈ جا کر پھر واپس نہ آئی۔ جبکہ کشمیرے واپس کشمیر آ گیا۔ پریتی نے وہاں اپنی پسند کا طرزِ حیات اختیار کر لیا تھا۔ ماڈلنگ کا شوق تو تھا ہی' مزید تربیت اور تعلیم حاصل کر کے یہی پروفیشن اختیار کرنا اس کا ایک خواب تھا۔ پریتی سے عملی علیحدگی کے بعد کشمیرے تو جیسے بجھ کر رہ گیا۔ عورت ذات سے اس کا اعتماد اُٹھ چکا تھا۔ اس کے دن رات اب ناؤ نوش میں گزرنے لگے۔ بے تحاشا شراب نوشی نے اس کی صحت برباد کر کے رکھ دی تھی۔ اب وہ اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنی کشتی میں شراب کی بوتلیں بھر لیا کرتا ساتھ کسی سُریلی سی مُغنیہ کو بٹھا کر ساری ساری رات ڈل کی وسعتوں اور گہرائیوں میں اپنے درد کا مداوا تلاش کرتا رہتا...... اگلی صبح سویرے سویرے چھوٹی چھوٹی کشتیوں اور مچھوؤں پہ سوار بچے بوڑھے شراب کی قیمتی خالی بوتلیں تلاش کرتے پھرتے جنہیں کشمیرے خالی کرنے کے بعد دو چار روپوں کے نوٹ اندر ڈال کر ڈل کے پانیوں میں ڈال دیا کرتا۔ اس عجیب سے شغل کے بعد صبح سے پہلے واپسی پہ حضرت بل کی درگاہ پہ سلام کرنا بھی نہ بھولتا...... اچھی شراب اچھی آواز اور اچھا کلام اُس کی کمزوری بن چکے تھے...... گوجری اور کشمیری ٹپے بول سرن اور پہاڑی انگ راگ پہ وہ خود کو خوب خراب کرتا رہتا تھا۔ وہ اسی دوران دو تین بار انگلینڈ بھی گیا۔ پریتی سے بھی ملاقات ہوئی مگر وہ اب شاید بہت ہی دور نکل چکی تھی۔ [illegible] ہوا تھا [illegible] گئی بھول گئی کہ اس کا جنم کشمیر میں ہوا تھا۔ وہ سکھ پنتھی ہے' قدیم قدروں کا دلدادہ کوئی پریوار ہے' وہ دھرم کرم سب کچھ فراموش کر کے ایک پتھر سا بن گئی تھی۔ ایسا پتھر جس کا کچھ وزن تو ہوتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی حس نہیں ہوتی' جذبات نہیں ہوتے۔ شاید یہ پریتی کا اندازِ فرار تھا۔

ایک روز بیٹھے بٹھائے نہ جانے جی میں کیا آئی کشمیرے نے شری نگر چھوڑ دیا۔ کاروبار اپنے کارندوں کے سپرد کر کے حیدر آباد چلا آیا۔ یہاں کا پُرلطف ماحول' ادب آداب...... نفاست و شرافت "تکلفات' شعر و ادب' موسیقی میں رچی بسی فضا...... صاف ستھرے سُلجھے ہوئے لوگ اسے اچھے لگے تھے۔ یہاں کے بالا خانوں میں بھی ایک سے ایک گانے بجانے والی اس کے دل بہلاوے کے لئے موجود تھی...... دن مدہوش رہنے اور راتیں پینے پلانے اور سُننے سُنانے میں بسر ہونے لگیں...... اب وہ آہستہ آہستہ یہاں کے انگ رنگ میں رنگا جانے لگا۔ اس کی نشست و برخاست' گفتگو' ادب آداب' وضع قطع لباس دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مہاشے کوئی کشمیری سکھ ہیں۔

یہیں کہیں ایک نابینا سازندے نے اسے ٹوہ دی کہ آندھرا پردیش کے چتراپار تھی جنگل میں ایک سائیں بابا' جن کی عمر کوئی دو سو برس سے بھی زیادہ ہوگی۔ جنم جنم سے برگد کے ایک درخت پہ ٹنگے ہوئے ہیں۔

ان کا جسم اعضا بھی درخت کا حصہ بن چکے ہیں...... جسے آپ ٹُنڈی سمجھ رہے ہوں گے وہ ان کی ٹانگ یا بازو ہوگا، پتّے، گوگلیں، کونپلیں ان کی پیٹھ، کمر، سر، گردن پہ بھی اُگتے ہیں...... ان کی داڑھی اور سر کی جٹاؤں میں پرندوں نے گھونسلے بنائے ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ سائیں بابا وقتِ حاضر کے سب سے بڑے گرو نائیک ہیں۔ راگ بدھیا کا تھل بُدھنا ان کے چرنوں میں ہے۔ وہ جسے بھی اپنے جسم پہ اُگی ہوئے گوگل کِھلا دیتے ہیں...... سرسوتی دیوی اس کے گلے میں اپنا استھان ڈال دیتی ہے...... تیرے من کی چِنتا اور اندر کی دُکھن کا اُپائے اسی مہان بابا کے درشن اور اُن کے سر کی کوئی کونپل گوگل ہے۔ یہ کوٹھوں، بیٹھکوں مجروں میں گانے والیاں...... آنکھ جھپکے کی چنگاریاں ہیں، پل دو پل چمکی دمکی اور بُجھ گئیں۔ تو وہیں جا اور اپنی چِنتا کا اُپائے پا......!

کشمیرے کا حیدرآباد میں یہ آخری دن تھا۔ دن رات ایک کر کے وہ بڑے جتنوں سے دُور دراز کے گاؤں چترا پارتھی پہنچا، رات کا سمے تھا تھکا ٹوٹا ایک آشرم میں پڑ گیا۔ دوسرے دن وہ بابا کی تلاش میں نکلا۔ جس سے بھی پوچھتا وہ اسے کوئی جواب دینے کی بجائے گھورتا ہوا اپنا رستہ پکڑتا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک سادھو سے پتہ چلا کہ دُور جنگل میں کوئی پرانا پیڑ ہے جدھر [illegible] جاتی ہیں وہ بابا کا استھان بھی ہے یہاں بھوتوں اور [illegible] اُدھر چلا جاتا ہے [illegible] والے بابا سے اُوپر کھینچ لیتے ہیں اُسے چمگادڑ بنا کر اُلٹا لٹکا دیتے ہیں۔

سادھو کے ہاتھ میں کچھ پیسے تھماتے ہوئے اس نے راستے کی ٹوہ لی۔ اپنا [illegible] تھیلا تھاما، سادھو کی باتوں پہ غور کرتا ہوا جنگل کی جانب [illegible]...... غربت و عسرت کی دُھول میں اَٹے ہوئے مفلوک الحال لوگ، چہروں پہ حیرانی اور ویرانی کھنڈی ہوئی...... چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پہ مشتمل بستیاں...... یہاں شاید شُودروں کے قبیلے بھیل، میگھاڑے یا باگڑی رہتے تھے۔ حیران نظروں، ویران چہروں اور درندگی کی جھونک، سکت کی بھونک سے بیزار قسم کے کُتوں نے اس کا استقبال کیا...... لگتا تھا معاش کی بندشوں، تعلیم سے بیگانگیوں اور موسموں کی سختیوں اور طبقاتی استحصال کی چیرہ دستیوں نے ان انسانوں کو محرومیوں، نفرتوں اور رذالتوں کا بُھوت بنا دیا ہوا ہے۔ وہ انہی کے بارے میں سوچتا ہوا جھاڑ جھنکاڑ سے اَٹے پھٹے راستوں پہ آگے بڑھ رہا تھا...... ان بُھوت نما انسانوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں اور [illegible] اب بہت پیچھے رہ گئے تھے...... آگے تاحدِ نظر ویرانے ہی ویرانے...... پھر چھدرا سا جنگل اور پھر صدیوں پرانے کھنڈرات جیسے اک دم پاتال سے اُبھر کر سامنے آ گئے تھے...... کھنڈرات بھی جیسے لدے زمانوں میں مندر، آشرم، بھگتوں کے دھرم شالے یا یوگیوں کی تپسیا کے استھان رہے ہوں۔ بُدھ مت، جین مت، برہمن مت اور شیومت میں......

سادھو، سنت، سوامی، تپ دھاریوں، یوگیوں، زاماوتی وشنو کی تربیت و تپسیا کے لئے، بستیوں شہروں سے دُور، جنگلوں، گپھاؤں، ویرانوں اور پہاڑوں گھاٹیوں میں ایسے ہی دھرم شالے اور آشرم تعمیر کیئے جاتے تھے۔ آج بھی متھرا، ہردوار، بنارس، گیا، پریاگ، کنچن، دھولگری سرسوتی اور کشمیر میں ایسے آشرم اور دھرم شالے موجود ہیں۔

ہندو فلسفہ چار مقاصدِ حیات قرار دیتا ہے۔

ارتھ (معیشت) کام (جنس) دھرم (مذہب) اور موکش یعنی (نجات) آگے پھر ہندوؤں کے بڑے معتبر دھرم پرچاری فلاسفر منو نے بھی حیاتِ انسانی کو چار حصّوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی حدود واضح کر دیں۔

(۱) برہم چریہ آشرم (25 برس تک) (۲) گرہست آشرم (25-50 برس تک)

(۳) بان پرست آشرم (50-75 برس تک) (۴) سنیاس آشرم (75 سے 100 برس تک......!)

اسی فلاسفی کی تربیت اور تکمیل و ترویج کے لئے یہ آشرم بنائے جاتے تھے۔ بدھ مت نے بھی تپسیا اور کارکرم پہ یہ آشرمی تصور ہندو مت سے ہی مستعار لیا۔ آج بھی تبت، سری لنکا اور دیگر ممالک کی دشوار گزار ترائیوں اور [illegible] گھاٹیوں میں لاکھوں لاموں کاموں کے یہ آشرم، غاروں، گپھاؤں، ڈھیوں اور بھوتوں کی صورت میں [illegible]

یہ جگہ بھی شاید کبھی ایسی ہی کوئی بستی رہی ہو...... بستیاں جب اُجڑ جاتی ہیں تو پھر بھوتوں کے بسیرے بن جاتی ہیں۔ وہاں پھر برگد، بیریاں اور بابے اُگ آتے ہیں۔ جھینگر، الو، چیل آ بسرام کرتے ہیں۔ سیال اور بُوم پیدا ہو جاتے ہیں...... بندر بوزنے اپنی دھما چوکڑی اور خوخیانے سے مزید خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنے کے لئے کہیں سے ٹپک پڑتے ہیں۔

اَب وہ ایسی ویران سی جگہ پہ پہنچ گیا تھا جہاں شاید ہی کوئی ہوشمند انسان آنا پسند کرے، اردگرد کے کھنڈرات اور پرتھوی پرتھ سے پتہ چلتا تھا کہ صدیوں پہلے یہاں کیسی دُنیا آباد رہی ہو گی۔ ان کے گیان دھرم کی کیسی کیسی نشانیاں موجود تھیں۔ گاؤ ماتا کے ٹوٹے پھوٹے مجسمے۔ ڈھلوان میں پوکھر جیسی جگہ، پوری کی ڈھی ہوئی منڈیر، مرگھٹ کے چوکے۔ ایک استھان ہوم کرنے کے لئے دکھائی دیا۔ اشنان کے لئے تالاب، بڑے چھوٹے تراشے ہوئے پتھر...... کہیں کہیں سنسکرت میں اشلوک بھی کُھدے ہوئے دکھائی دیئے۔ اَب وہ ذرا کی ذرا کی دم سادھنے کے کارن ایک گنڈپ سے پتھر پہ بیٹھ گیا...... پاس ہی پیچھے اپنا کپڑوں کتابوں کا تھیلا بھی رکھ لیا...... سگریٹ سُلگا کر دو چار کش ہی لیئے تھے کہ پیچھے بندروں کے خوخیانے کی آوازیں آئیں...... پلٹ دیکھا

تو ایک منحنی سا بندر اس کا تھیلا زمین پہ گھسیٹے لیے جا رہا تھا...... وہ اُٹھا پیچھے بھاگا...... مگر وہ تو یہ جا' وہ جا...... !

بندر تو بلا کا ندیدہ اور بے دیدہ قسم کا اچپل جانور ہے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی کہ پاکستان کے برائے نام جنگلوں میں بندر نہ ہونے کے برابر ہیں...... بندروں کے بارے میں ہماری معلومات محض چڑیا گھر کے دو چار بندروں' گلی محلوں میں مداریوں کی رسیوں میں بندھے پیچھے پیچھے گھسٹتے ہوئے مریل سے بندر نما جانوروں یا پھر کوہ مری کی گلیات اور جنگلوں میں رہنے والے کچھ مدقوق اور ڈرپوک قسم کے مولوں تک محدود ہیں...... موجودہ پاکستانیوں کی نسل نے اصلی اور حقیقی بندر کبھی دیکھے ہی نہیں...... شیر' ہاتھی' گینڈا' حتیٰ کہ سانپ تک سے کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی خیر کی اُمید ہو سکتی ہے...... مگر بندر (خواہ وہ کیسا ہی مریل اور بے ضرر دکھائی پڑے) سے اُمید وفا یا اُمید حیاء رکھنا سراسر حماقت اور بیوقوفی ہے...... خدا کسی بندے کا پالا کبھی بندر سے نہ پڑوائے۔ یہ جان ضیق میں ڈال دیتے ہیں

کچھ ملکوں میں تو ان کی پوجا ہوتی ہے۔ ہنومان جی کے مندر ہیں...... انھیں دودھ' مٹھائیاں' میٹھی روٹیاں اور طرح طرح کی پھل پھول پیش کیے جاتے ہیں...... انہیں نمسکار کیا جاتا ہے...... ناز اُٹھائے جاتے ہیں...... یہاں تک کہ یہ شریر خوبصورت ناریوں کو دیکھ کر ایسی شرمناک حرکتیں کر گزرتے ہیں کہ مارے حیاء' بے حیاء قسم [illegible] قریب [illegible] ناریوں [illegible] ہنومان جی کی بے حیائی پر بھی دودھ ملائی جان کر پی جاتی ہیں...... اور خوش ہوتی ہیں کہ ہنومان جی نے ان کی سُندرتا اور جوبنتا کو سویکار کر لیا ہے۔

برسبیلِ تذکرہ یونہی یاد پڑا کہ مجھے کئی بار پریاگ مہاکمبھ کے میلے میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ یہ حجم میں بھی دُنیا کے معدودے چند بڑے میلوں میں سے ایک ہے...... یہ میلہ محض ایک مذہبی میلہ ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کہیں ایک ثقافتی' تفریحی' علامتی میلہ بھی ہے۔ یہاں علوم جدید و قدیم' یوگا' جادوگری' شعبدہ بازی' نظر بندی کے بڑے بڑے ماہرین اور کاریگر اکٹھے ہوتے ہیں۔ کئی دنوں پہ پھیلے ہوئے اس میلے میں نہ تو یاتری تھکتا ہے اور نہ ہی مایوس یا بور ہوتا ہے۔ لکھوکھہا انسان...... دُنیا کے کونے کونے سے جمع ہوتے ہیں۔ ہر قبیل' وضع قطع کا بندہ۔ بڑے بڑے مہان جوگی' رشی' مُنی' سوامی...... تپ دھاریے سادھو' سنت اور گیانی دھیانی...... ان کے علاوہ بیراگی' نجومی' جوتشی' جادوگر...... پھر اور سنگتراش' چترکار' نگینے' رنگ دھاریے' بہروپ کھیلنے والے...... ان کے ساتھ چور اُچکے' اُٹھائی گیرے' گھسیٹے مار...... برصغیر کے دیگر ثقافتی اور مذہبی میلوں کی طرح یہاں بھی بڑے پیمانے پہ شراب نوشی' قمار بازی اور منشیات کا استعمال ہوتا ہے۔ بردہ فروشی

اپنے عروج اور جسم فروشی اپنی انتہا پہ ہوتی ہے...... ملک بھر کی طوائفیں' ویشائیں' کنچنیاں یہاں دادِ عیش وصول کرتی ہیں...... خاص طور پہ حکیموں' ویدوں' سنیاسیوں کی بڑی چاندی ہوتی ہے...... جگہ جگہ آپ کو انسانی اکٹھ نظر آئیں گے۔ سینکڑوں انسان حلقے میں کھڑے ہوتے ہیں' درمیان میں ایک جٹ دھاریا سنیاسی...... بڑے بڑے دیومالائی کہانیاں قصے سُنا رہا ہوگا...... ایسے ایسے دلچسپ اور سنسنی خیز قصے سچی جھوٹی کہانیاں اور ایسی خوب لفاظی' چرب زبانی کہ سُننے والا مُنہ دیکھتا رہ جائے...... مجمع جما کر لوگوں کی طبیعت پہ چھا کر' ماحول بنا کر پھر یہ (میری طرح) اپنی کتھا درمیان میں ہی بند کر دیتے ہیں اور اپنے تریاق' کشتے' بھسم وغیرہ بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ دھوکہ باز اپنے فن میں ایسے طاق' کہ اُپلوں کی راکھ کو سوا لاکھ میں بیچ دیں...... کئی پنڈالوں' مجمعوں میں آپ کی آنکھوں کے سامنے کشتے بھسم اور دیگر دوائیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ لوگ آنکھیں پھاڑے' سانس روکے ان سنیاسیوں کے شعبدے دیکھتے ہیں۔ کہیں زندہ کالے ناگوں کے منہ سے منکا اور پھر اس کے دانتوں سے مہلک زہر [illegible] سے چوس کر باہر نکالا جا رہا ہے۔ اسے کچا کچ چبایا جا رہا ہے۔ حلق میں داخل کر کے ناک یا کان سے باہر کھینچا جا رہا ہے...... زہریلے سانپوں سے زبان پہ ڈسوایا جا رہا ہے۔ ترشول' پیٹ کے آر پار ہو رہا ہے۔ آگ کے شعلوں سے اشنان ہو رہا ہے [illegible] انگاروں اور نوکیلی میخوں [illegible] لی جا رہی ہیں...... ایک [illegible] جا رہا ہے۔ ایک بچے [illegible] اکڑوں بیٹھا بیس کلو جلیبیوں [illegible] دانت اور آنت تیز کر رہا ہے۔ کالے ناگ' اُلو' کالے مرغے' جنگلی سور' کالے بکرے' ریچھ' گھڑیال وغیرہ کے تماشے ہو رہے ہیں۔ ایک جگہ ایک کالی چڑیل سی عورت کو گدی کے بالوں سے باندھ کر ایک درخت سے لٹکایا ہوا ہے...... کہ [illegible] ہوا ہے۔ ایک لڑکی کا سر تالو موڈھ کر اُوپر ایک جہازی سائز کا اُلو بٹھایا ہوا ہے...... کہیں گردن تک ایک جن جیسے منش کو زمین میں گاڑا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں کانوں سے خون رس رہا ہے۔ ایک جگہ ایک سادھو اپنے الف ننگے پنڈے پہ ہزاروں بچھوؤں کو چمٹائے پڑا ہوا ہے اور انہی بچھوؤں کو پکڑ پکڑ مزے سے کھا رہا ہے۔ ایک پیالے میں خون بھرا پڑا ہے' وقفہ وقفہ اس کا گھونٹ بھی لے لیتا ہے...... یہیں میں نے سو سو سالہ یوگی' جٹ دھاریے سنیاسی بابے دیکھے۔ جن کی سخت لمبی تپسیا سے ان کے جسم سوکھ کر کاٹھ بن چکے تھے۔ سر کی جٹیں' جاوا کے جنگلوں کی طرح جکڑی جڑی ہوئیں اور حشرات الخبائث سے بھری ہوئیں۔ کئی کئی فٹ لمبے' مینڈھے کے سینگوں کی مانند مڑے' بل کھائے ہوئے مکروہ ناخن' چمگادڑوں کی طرح اُلٹے لٹکے ہوئے سادھو...... اور کئی کئی دن حبسِ دم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیشہ ور شعبدہ باز۔

ہندو مت کے حوالے سے انعقاد پذیر ہونے والے اس کثیر المشاغل اور وسیع المقاصد میلے میں میری

دلچسپی محض یہی گوناگوں سرگرمیاں۔ مختلف نوع کے علوم و فنون کا مطالعہ...... حیاتیاتی، اِنسانی مافوق الفطرتی اور مابعد فوق الفکری شعبدہ بازیوں کا مشاہدہ اور معدوم سے معلوم کی کھوج تک محدود تھی ...... لاکھوں کے مجمع میں کسے فکر کون ہندو ہے کون سکھ یا مسلمان...... دھیان، گیان، مراقبہ، محاسبہ، تزکیہ نفس، ریاضت، مجاہدت وغیرہ کو ہندو، بدھ مت اور جین مت کے علاوہ اسلام میں بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ دُنیا کے تمام مذاہب میں یہی بنیادی اساس ہیں، اِن ہی سے اِنسانی سائیکی کے چُھپے گوشوں، جسمانی، وجدانی، قلبی، ذہنی، دماغی اور رُوحانی صلاحیتوں، جہتوں کو نمایاں کرنے میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔

ہندومت کے سارے فلسفے کا محور ہی تصوراتی دیوتاؤں، دیویوں، موسموں، اچھے بُرے پرندوں، چوپایوں، حشرات الارض، شگن شگون، جنتروں منتروں تنتروں اور محیر العقول توہمات کے مُنہ زور سانڈ کے لرزتے سینگوں پہ دھرا نظر آتا ہے...... بایں ہمہ فنونِ لطیفہ کی تروتازگی اور تائید و ترویج میں رسم و روایات کی ہماہمیاں، نرت، سنگیت، ناٹک، سوانگ، میلے ٹھیلے، رنگ برنگے تہواروں کی دلچسپیاں...... رہن سہن کی آزادی فرد کے علاوہ سوچ [illegible] کی وسیع المشربی نے ہندومت [illegible] دلکشیاں اور دلنوازیاں [illegible] کر دی ہیں۔ اس پہ مستزاد جادو [illegible] شعبدہ بازی و دیگر مافوق الفطرت و نظر [illegible] تماشا گیروں کی بنا پر بھی اسے تقویت نصیب ہوئی...... جبکہ یوگا اور سنیاس کے مخصوص آسنوں...... دھیان گیان کی پُرکشش مشقوں اور دیومالائی داستانوں نے اسے مزید خوشگوار بنا دیا...... نمائشِ جسم و جنس کی آزادی بھی سونے پہ سہاگہ ٹھہری۔ مزید برآں ہندوستانی ادب ہو یا فلم، مصوری ہو یا [illegible] تماشے، ناٹک، لباس ہو یا پوشاک...... گیت ہو یا رقص، کتاب، شراب، ثقافت...... سب اسی لئے خاص و عام میں پسندیدہ اور دلنشیں ٹھہرتے ہیں کہ ان میں بے محابا جنس و جمال کے عنصر کو نمایاں دکھایا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ علم کی جُستجو...... ایک ضرورت مند کی طرح ہوتی ہے۔ جو اپنے مطلب کی چیز خریدنے کے لئے دوکان پہ جاتا ہے...... چہ جائیکہ وہ دوکان کسی ناپسندیدہ شخص کی ہو...... مطلب تو اپنی ضرورت کی چیز سے ہوتا ہے، قیمت ادا کی وہ چیز اُٹھائی اور چلے آئے...... میں بھی کچھ یوں ہی سا دیوانہ کہ نگر نگر ڈگر ڈگر کچھ حاصل کرنے، سمجھنے، دیکھنے جاننے کی کھوج میں رہتا۔ نہفتہ خفتہ علوم کی جھانک پچھانٹ میں بلا تخصیص و تمیز اور بے [illegible] وتاخیر ہر اس جگہ پہنچ جاتا جہاں تک میرے وسائل کی رسائی ہو۔

● بندرا بن کا بندرا رام......!

اس مہا کمبھ کے میلے میں اتفاق سے میری رسائی ایک بندروں والے قلندر (بہ معنی مداری) ہوگئی...... یعنی قلندر اور بندر کے درمیان میں 'میں' ایک پھندر پھنس گیا...... نام اس کا بندرا رام تھا...... میرے اپنے اندازے کے مطابق اس نے تمام عمر اپنے سڑے بُھنے جسم پہ بوسیدہ لنگوٹ کے سوا اور کچھ نہ پہنا تھا...... اُس کا سارا جسم' موسموں کی شد مد سے جُھلسا اور بندروں ایسے بھورے بھورے چھدرے بالوں سے دُھول اَٹا ہوا تھا...... بندروں میں رہتے ہوئے اس کا چہرہ مہرہ بھی قریب قریب ہنومان سا ہو گیا تھا...... بس فرق صرف دُم' لنگوم اور مُنہ میں زبان کا تھا...... اور زبان بھی ایسی چربیلی اور رسیلی کہ سینکڑوں کا مجمع اس نے اپنی لُوتری زبان کے ذریعہ سے اپنے گرداگرد اکٹھا کر رکھا تھا...... میں خود چٹپٹے رَس بھرے گوشت اور چربیلی زبان لچھے دار گفتگو کرنے والے' مجمع بازوں' شعبدوں گروں' خطیبوں' رنگ بازوں اور کوٹھے بازوں کو بہت پسند کرتا ہوں...... دُنبے کے چربیلے گوشت کی بوٹی' سیخ تکے کی صورت یا عربی افغانی پلاؤ میں مجھے کسی شکل میں سامنے آئے...... حلیم میں ادرک کی ہوائیوں کی اوٹ میں کہیں چھپی ہو یا حیدر آبادی بریانی کی بہتر پکوانوں پہ بھاری قاب [illegible] ہوتی ہے۔ ان مجمع بازوں کی چرب زبانی......؟ تو اسے یوں سمجھئے کہ اگر چربیلی بوٹی زبان کا چٹخارہ ہوتی ہے تو ان کی چرب زبانی کان کا لشکارہ ہوتی ہے...... طوطا مینا' سکندر ذوالقرنین' داستانِ امیر حمزہ' قصہ چہار درویش' ہزار داستان' الف لیلیٰ' امیر علی ٹھگ وغیرہ...... چربیلی زبان والا اپنی داستان گوئی کے ایسے ایسے کمال دکھا رہا ہوتا ہے کہ ارد گرد چہروں سے اپنے پیروں کی مٹی پہ بے سکت و حرکت...... دُنیا و مافیہا اور کھیسے نیفے سے بے خبر اس کی چربیلی گفتگو کے سحر میں جکڑے کھڑے ہوتے ہیں۔

میں بھی اِدھر اُدھر "گتھم گتھی" کرتا ہوا اس بندر والے کے مجمع میں بندر گھسی کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا...... اس باکمال اور بندر کمال شخص نے مجھ ایسے ازلی تھنڈرے کو چند منٹوں میں چکنا کر دیا۔ ہر چند کہ میں محض یہ دیکھنے کے لئے رُکا تھا...... کہ اِدھر کیا ہو رہا ہے؟ بھوک سے بُرا حال تھا...... چند ثانیے تانک جھانک کر پھر سیدھے کسی ڈھابے پہ پیٹ پوجا کا ارادہ تھا...... پر اس بندر والے کے خلیئے چرب زبانی اور مجمع کے درمیان چند عجیب و غریب قسم کے بندر نما جانوروں نے دوسرے لوگوں کی مانند مجھے بھی باندھ لیا تھا...... یہ مجمع باز ملی جُلی ہندی' متروک سنسکرت بھاشا میں محوِ کلام' کسی قدیم سی دیومالائی کتھا کے نقطہ عروج پہ تھا۔ جس کے اہم کردار بندر تھے...... اُٹھے ہوئے مریل بازوؤں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی' بندروں کی مانند وحشی ہوئی چھوٹی

آنکھوں سے وحشت و خباثت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ بڑے بڑے کانوں کی لٹکی ہوئی لوئیں پھڑک رہی تھیں اور موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں پہ پھیلے ہوئے معدوم سے ناک سے یوں سیٹیاں سی نکل رہی تھیں جیسے کسی ربڑ کی گڑیا کی ناف والی سیٹی اس کی ناک میں پھنسی پڑی ہو...... اس کے مکروہ جسم پہ بھورے بالوں کا ایک ایسا جنگل تھا جسے خباثت اور نحوست کے آتشیں جکڑوں' شیطانی شرشرار کے شعلوں نے آگ دکھا دی ہو۔ کچھ جل گیا اور کچھ بچ گیا ہو...... لنگوٹ بھی بس یہی کچھ کہ وہ اپنی حدود میں محدود تھا۔ کپڑے کی ایک تند تار نیچے سے ہوتی ہوئی پیچھے چٹیل سے چُوتڑوں کے درمیان کہیں پھنس کر گم سی ہو گئی تھی۔ اس کی فروتنی اور کبرسنی کا یہ عالم دیکھ کر جی چاہا کہ آگے ہاتھ جوڑ کر کہوں۔ بابا! یہ تکلف بھی اُتار دو' یا پھر ان دیوث ضرورت سے زیادہ بالغ بندروں کا بھی کوئی انتظام کرو۔ جو سرِ عام بیچ کھیت ایسی حرکتیں کر رہے ہیں کہ ان کی حرکتوں کو دیکھتے ہوئے خود شرم کسی کا کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ تو آسانی ہوتی کہ اس کی شُدھ ہندی سنسکرت بھاشا بھی بندروں کی ان قبیحہ حرکتوں جیسے ہی پلے پڑ رہی تھی...... کیونکہ وہ للو جگدر جو کچھ کہتا' بندر ویسے ہی من وعن تمثیلی اور عملی تصویر پیش کرنے لگتا...... بندروں کا ایسا کمال اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ سُنا ان کا کمال نقالی تو خیر ان پہ ختم ہے۔ مگر یہاں بندروں میں وہ بات بھی دیکھی جو بندروں میں کبھی نہیں ہوتی۔ آپ کسی بندر کو سرِ عام کوئی شرمناک حرکت کرنے کو [illegible] یہی بندر آپ کی بات نہیں سنے گا۔ مگر یہاں بندر اس کے حکم کے مطابق ہر بندر حرکت کر رہے تھے۔

دراصل میں یہاں اس وقت پہنچا تھا جب وہ سڑیل سادھو اپنی ساری کہانیاں قریب قریب سُنا چکا تھا اب وہ بندروں کی جنسی طاقت کے مظاہرے دکھا کر اپنے اصل مقصد یعنی مردانہ طاقت بڑھانے کے کُشتے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اچانک اُچک کر اپنی گودڑی اُٹھائی۔ اس میں سے ایک ریٹھا نکالا۔ پھر زمین پہ پڑے ہوئے پانی کے ایک کلھڑ میں ڈال کر کہنے لگا۔

"اس خالی ریٹھے کے بیچ ہنومان جی کی سریر کی پشٹی شکتی ہے' یہ شکتی یہ پراکرم حاصل کرنے کے لئے مجھے بڑے بڑے جوکھم جھیلنے پڑتے ہیں۔ اس کے لئے مجھے ایک ایسے ہی بانر (بندر) کی کھوج کرنا پڑتی ہے جو اس سمے آپ دیکھ رہے ہیں...... پرنتو' دیکھئے میں اس پانی کو جس میں ابھی ابھی بانر کی پراکرم والا ریٹھا ڈالا ہے...... اس بانر کو پلاتا ہوں۔"...... یہ کہہ کر اس نے پانی اُسی منحوس بندر کو پلا دیا۔ پانی پینے کی دیر تھی بندر نے آنکھیں بند کر لیں اور چت لیٹ گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خراٹے لینے لگا جیسے وہ گہری نیند میں چلا گیا ہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس مکّار نے ایک بھرپور سی انگڑائی توڑی...... پھر پورا جبڑا حلقوں تک کھول کر کھی کھی کھا کھا کرنے لگا۔ بلا کی پُھرتیلی آنکھوں میں عجب سی چمک عود آئی تھی۔ اب وہ ڈنڈ پیلنے لگا' جیسے اکھاڑے میں

پہلوان سردائی پی کر جھوم جھوم' مستی کے عالم میں کسرت کرتے ہیں۔ ہلکی سی ورزش کے بعد ایکدم جھٹکے سے لپک کر اس نے پاس پڑی ہوئی غریب سی بندریا کو دبوچ لیا...... پھر......؟

میں دیکھ رہا تھا مچھندر کو نہیں بندر کو' جو سرِ عام کام شاستر کا عملی مظاہرہ کر کے تماشائیوں سے داد وصول کر چکا تھا اور تماشائی' سادھو سے کام شکتی کی دوا حاصل کر کے اپنے تئیں شکتی مان بن چکے تھے۔

میلے ٹھیلوں میں خاص طور پہ منشوں کے لئے زیادہ تر یہی سوغاتیں ہوتی ہیں۔ تبت ہمالیہ کے برفانی ریچھوں کے کولہوں کی چربی...... چترال کے کالے پہاڑوں کی خالص سلاجیت۔ راجستھانی صحرائی اونٹوں کے گردوں کی ناڑی۔ موتھے سانڈوں کی پشت کا تیل...... افریقی بن مانس کی صُلب کا سنہری روغن۔ روسی چڑوں اور کاغانی کنجشک کا دماغ' سندر بن کے شیر کی میائی۔ الماس' کا گاباسی موتی' سنگِ ابری مُروارید اور مرجان' قلعی کے کشتے بھسم...... کستوری' مشک' زن جوت و شنگرف زعفران و زرد روغن کی معجونیں' وغیرہ...... مگر سرِ عام عملی مظاہرے کی اِک جھلک آج پہلی بار دیکھی تھی۔

مجمع تو ویسے کا ویسے ہی جما رہا...... لیکن میں باہر نکل آیا۔ کیونکہ یہ سب کچھ میرا دیکھا بھالا تھا۔ نئی بات تو بندر اور بندریا والی بھی نہیں تھی اور نہ ہی تماشا دیکھنے والے [illegible] شکتی والے [illegible] خریدنے والوں کی' جو مردانہ شکتی میں اس بندر جیسے بننا چاہتے ہوں...... [illegible] ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکے تھے...... دو چار کوئی ذرا سخت قسم کی شکتی حاصل کرنے والے اب بھی سادھو کے [illegible] تھے۔ میں بھی ذرا پرے اس کھیل کا ''دی اینڈ'' دیکھنے کے لئے کھڑا تھا...... سینما ہال میں بھی میں اس وقت اپنی سیٹ چھوڑتا جب سب جلد باز نکل چکے ہوتے اور فلم آپریٹر تالا لگا کر نیچے اتر آتا۔ اپنی عادت کے مطابق میں سادھو پہ نظریں اُٹھائے کھڑا تھا۔ وہ اپنا جھولا پٹارا اور بندروں کی جوڑی لئے میرے پاس کے جھاڑ تلے آ براجمان ہوا...... پہلا کام جو اس نے کیا جھولے سے جلیبیوں کا دونا نکال کر بندروں کے آگے رکھا۔ پھر گڑگڑی نکالی' تمباکو بھر کے چلم سلگائی' دو چار بھرپور قسم کے کش لگانے کے بعد وہ قریب کھڑے ہوئے ان دو تین منشوں سے مخاطب ہوا جو شاید کچھ پرائیویٹ قسم کی کوئی بات کرنا چاہتے تھے۔ میں ایک دو قدم مزید آگے بڑھ آیا...... سادھو بابا نے اُن منشوں کو جلد ہی فارغ کر دیا۔ اب سادھو نے چھوٹی چھوٹی' [illegible] متجسس آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ وہ مجھے بھی شاید شکتی کی دوا کا کوئی طلبگار سمجھ رہا تھا...... پوچھنے لگا۔

''کیا روگ ہے بچہ......؟'' (جبکہ میں اُس کے پتا کا بھی باپ تھا)

اچانک میرے مُنہ سے نکل گیا۔

''مجھے کھوجنے اور بوجھنے کا روگ ہے۔''

وہ پیرِ فرتوت شاید میری بات صحیح سے سُن نہیں پایا تھا بولا۔

''بچّہ! میرے پاس کسی کھاج کھُراج کا دارو نہیں...... سریشکتی پُرش ہمت کا تریاق ہے۔ کھاجی کھُراج کا لیپا ہوتا تو پہلے اپنے بانرے کو دیتا ہر گھت کھاجتا رہت ہے۔''

''مہاراج! مَیں نے کھاج کھجلی کی بات نہیں کی' کھوج کھبت کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے بندروں سے بڑی دلچسپی ہے' بندر تو بہت سے دیکھے...... مگر ایسا قد وکاٹھ اور چمکارو والا بندر میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔''

سادھو نے اسی بندر کے جلیبی والے دُونے سے جلیبی کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

''لو پہلے ہنومان جی کا پرشاد چکھ لو۔''

میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے چھما کریں میں مٹھائی نہیں کھاتا مجھے شوگر ہے...... مجھے کچھ اس بانر کی بِتا بارے بتائیں......؟''

سادھو نے میرے انکار پہ وہ جلیبی اپنے مُنہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''یہ جلیبی کی مٹھائی تو مُٹھ مُٹھ اور مٹھ سے جنم لینے والی دُرگھٹناؤں سے [illegible] کی رکھشا کرتی ہے۔'' وہ جلیبی کا ایک ٹکڑا بندر کے مُنہ میں ڈالتے ہوئے بتانے لگا۔

''[illegible] نے [illegible] ہی لیے [illegible] ہنومان [illegible]۔ پوچھو! بانروں کی بابت کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''مہاراج! بندر کو دیکھ کر کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر کوئی مَنش چھپا بیٹھا ہے اور مَنش کو دیکھ کر بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ اس کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹا یا بڑا بندر چھپا کا بیٹھا ہوتا ہے...... بعض لوگوں کی حرکتیں عادتیں بندروں جیسی ہوتی ہیں جبکہ بندروں میں بھی بہت کچھ بندوں جیسا ہوتا ہے...... کہیں یہ دونوں آپس میں رشتہ دار تو نہیں ہیں؟''

اس سے پیشتر کہ وہ کوئی جواب دیتا...... اسی بندر نے پیچھے کھڑے ہو کر خوخو کرتے ہوئے میرے سر کے بالوں کو کھیرنا شروع کر دی۔ جیسے وہ جوئیں تلاش کرنا چاہ رہا ہو...... سادھو نے ایک بھیانک سا قہقہہ لگا کر بندر کو کھینچتے ہوئے کہا۔

''تم نے اوش ٹھیک سمجھا ہے' بندر بچپن کی طرح ہوتا ہے جو ہر مَنش میں چُھپا ہوتا ہے...... اور مَنش عمر رسیدہ کی مانند ہوتا ہے جو ہر بانر کے بھیتر موجود ہوتا ہے۔''

مَیں نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک اور سوال چھوڑ دیا۔

''مہاراج! یہ جو ہنومان جی کی پُوجا ہوتی ہے...... بانروں کو جو عزت احترام دیا جاتا ہے...... طرح

طرح کے پھل مٹھائیاں پکوان پیش کئے جاتے ہیں...... کیا یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا چاہئے......؟"

وہ درشتی سے گھورتے ہوئے بولا۔

"بانر ہمارے لئے دیوتا سمان ہیں، یہ ہنومان جی کے کٹم قبیلے سے ہیں...... ان کی پوجا اور اجت کرنا ہمارے دھرم کے دھرو ہیں......"

اب میں بولا۔ "لیکن ان کی حرکتیں اور عادتیں بھی تو دیوتاؤں سی ہونی چاہئیں...... یہ تو اپنی حرکتوں سے ناک میں دم اور عادتوں سے انسان کو شرمندہ کر دیتے ہیں۔ دیوتاؤں کو تو بڑا اُجل کومل...... کاج کرم بھی پوک پوتر ہونے چاہئیں۔"

مجھے حیرانی ہوئی کہ سادھو نے میری باتوں کا بُرا ماننے کی بجائے مجھے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم سچ کہت ہو بچہ! اپنی اپنی سمجھ بوجھ ہے جو جس کی بدھی میں سمایا وہی تم نے اُگل دیا...... پرنتو یہ بھی جانو کہ دیوتا اور منش میں بڑا بھید اوٹ ہے۔ ایسا ہی بھید اوٹ جناور اور منش میں ہوتا ہے۔"

وہ شاید مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا...... میں ایک سوال پھر پوچھ بیٹھا۔

"مہاراج! آپ نے اپنی دوا اس بندر کو کھلائی اور نتیجے میں جو کچھ بندر سے سرزد ہوا اور وہ بھی سب کے سامنے [illegible]"

"بچہ!...... سب جناور بلی، کتا، کبوتر، گائے، بھینس، گھوڑا، گدھے اسی طرح ہی کرتے ہیں اور انہیں سب دیکھتے ہیں۔ کام شاستر یہی ہے۔ جو اس میں لاج شرم کرتے ہیں وہ پچھتاتے ہیں...... تم نے اجنتا اور ایلورا کی غاریں گپھائیں تو دیکھی ہوں گی نہیں دیکھیں تو ضرور دیکھو...... کام سوترا کی سکھشا اوش ہے اور بانر اس معاملے میں مہا گرو ہے......"

اچانک وہی بانر گھوم کر میرے سامنے آ بیٹھا اور انتہائی بے دیدی سے وہی قبیح حرکت کرنے لگا جو اکثر بندر کرتے رہتے ہیں...... اور میں اُوبتا کر اُٹھ آیا۔

بات بندر سے بندھی تھی کہ کشمیرے سنگھ کا سفری تھیلا بندر اچک کر لے گیا تھا...... وہ آگے آگے خوخیاتا ہوا اچھلتا پھلانگتا ہوا تھیلا گھسیٹے ہوئے جا رہا تھا اور یہ بدحواس سا پیچھے پیچھے لپکتا ہوا بھاگم بھاگ ہو رہا تھا۔ مگر کہاں ہنومان جی مہاراج اور کہاں صرف ایک ٹکے کا سکھ...... وہ بھاگتے الانگتے کافی آگے تک نکل آیا تھا۔ آخر ایک گئی چھپی سی جگہ پہ وہ ڈھے سا گیا۔ سامنے چھدرا جنگل تھا یا درختوں کا ذخیرہ...... یہ بندر ادھر ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ تھیلے میں اخبار رسالے، پریتی کے خطوط تصویریں، ضروری کاغذات، ٹوتھ پیسٹ، برش...... اور

بھی بہت کچھ کہ جو سفر میں لازم ہوتا ہے...... ایک فالتو کپڑوں کا جوڑا بھی تھا۔ اِس وقت اُسے سگریٹ کی بے پناہ طلب محسوس ہو رہی تھی' غصّے سے ہانپتا کانپتا وہ اپنے زانو پہ مُکّے برسانے لگا...... اِردگرد نگاہ دوڑائی' دُور دُور تک کہیں کوئی بندہ پرندہ نظر نہیں آیا' یوں دکھائی دیتا تھا کہ واقعی یہ جگہ بھوت پریت کا استھان ہے۔ عجیب سی نحوست' خاموشی اور بے رونقی...... کہ اِنسان تو کیا اِدھر تو کوئی اُلّو بھی آنا پسند نہ کرے۔

دَم دُرست کر کے وہ اُٹھا اور جنگل کی جانب چل دیا۔ شاید وہ لاشعوری طور پہ حوائج ضروریہ کے لئے اِدھر نکل آیا تھا۔ چھدرا کتنا چھتنا سا جنگل' درخت کم اور جھاڑ جھنکاڑ زیادہ...... اور آگے بڑھا تو دُور سے ایک جوہڑ دکھائی دیا...... جس کے اِردگرد بڑے بڑے درخت تھے اور ایک بڑا سا ہموار میدان...... یہاں آثار ایسے دکھائی دیئے کہ جیسے اِدھر بے شمار لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہو۔ عارضی قیام کے لئے ہموار کی گئی زمین۔ کھانے پکانے کے لئے بنے ہوئے پتھروں کے چولہے...... بیل گاڑیوں کے لئے ٹھہرانے کی جگہ وغیرہ وغیرہ...... اِسی جائزے اور دیکھا دیکھی میں وہ بھول ہی گیا کہ اسے ایک لُچّھندر سا بندر زادِ راہ سے محروم کر گیا ہے۔ اِسے پیاس بھی محسوس ہوئی۔ پانی' بیئر کی بوتل بھی تھیلے میں تھی...... اسی پریشانی میں چلتا چلتا جوہڑ کے کنارے تک پہنچ گیا کہ شاید یہاں کچھ پیاس بُجھانے کا انتظام ہو جائے...... مگر انتہائی غلیظ اور بدبودار پانی والا جوہڑ تھا۔ جگہ جگہ بندروں اور [illegible] کی غلاظت...... [illegible] اسے دوسرے کنارے پہ ایک بہت پرانا چھتنار برگد دکھائی دیا۔

برگد کے درخت کی اپنی ایک الگ ہی شان' شخصیت اور وقار ہوتا ہے۔ یہ تو درخت ہے مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ یہ دُنیا دار دُنیا اور دین [illegible] درخت ہوتا ہے۔ درختوں میں درویش...... خویش' ہمیش اور بابا ریش درخت...... یہ گیانی' یہ دھیانی...... فلسفی اور یہ تپسوی...... برگد سایہ دیتا تو ضرور ہے مگر اپنے زیرِ سایہ کسی کو پنپنے نہیں دیتا کہ جو پنپا وہ گھِنکا۔

شمیرے سنگھ ایک لمبا چکر چل کر اس چھتنار برگد کے قریب پہنچ گیا...... بدبو اور سڑاند نے اس کے نتھنوں کو اچک لیا۔ برگد کے نیچے چمگادڑوں کی بیٹھیں' مُنہ اُگلے اور بندروں کی غلاظت کے ڈھیر...... پھٹی سڑی [illegible] کہیں...... اُوپر جو نگاہ اٹھی تو اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... سینکڑوں ہزاروں لٹکی ہوئی چمگادڑیں...... اُن کے سُرخ سُرخ مُنہ' آنکھیں...... نیم کھلے ہوئے پر پنکھے...... جیسے جہنم کے کسی عقوبت خانے میں ناآسودہ خبیث روحوں کو اُلٹا لٹکا دیا گیا ہو۔

ابھی اس مہیب مکروہ نظارے سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی کہ اچانک وہی تھیلے والا بندر...... چھلاوے کی طرح کہیں سے ظاہر ہوا...... اور چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا...... بس یہیں پھر کوئی نس کھلی کہ جدھر نگاہ

جائے بندر ہی بندر...... لمبی لمبی دُموں والے لنگور' سفید اور سیاہ چہروں والے ننھے ننھے بندر چھاتیوں کے ساتھ چمٹے ہوئے چُلبلے چلبیدے بچے۔ تھیلا بھول اُسے اپنی پڑ گئی کہ یہ تو اس کے تن کے کپڑے تک اُتار لے جاویں گے۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ کر کہیں قید کر دیں یا اس چھتنار برگد والے بابے کے پاس لے جا کر اپنے سا بندر بنوا دیں۔ وہ اسی شش و پنج میں پھنسا سوچ رہا تھا کیا کرے' کیا نہ کرے کہ ایک موٹا سا گوگل پٹاک کر کے اُس کے سر پہ پڑا' دو تین چار پڑے پھر بارش میں اولوں کی طرح یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسے ہنومان کی فوج اُسے راون سمجھ کر چاند ماری کر رہی ہو۔ سُرخ سیندوری گوگل گرنیڈوں کی مانند اُس کے سر جسم سے ٹکرا کر پھٹ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لیسدار سُرخ بیجوں کی غلاظت سے متھ کر رہ گیا...... جو ہونا تھا ہو چکا کپڑے بُری طرح لتھڑے گئے۔ ناک مُنہ ماتھا بے پہچان ہو کر رہ گئے۔ جہاں ناس وہاں ستیاناس بلکہ ساڑھے ستیاناس' وہ ہر اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر برگد کے ہیبت ناک قسم کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا کہ اب جو ہو سو ہو...... چادر اور کُرتا اتار کر ننگے پنڈے یوں پڑ گیا جیسے بندروں کو دعوت دے رہا ہو کہ بھائی لوگو خوب اپنے دل کی حسرت نکال لو...... کہو تو نیچے سے پاجامہ بھی نکال دوں...... جب ایک آنکھ سے نکل جائے تو دوجی آنکھ میں شرم کا کیا کام...... چاند ماری میں اور شدت آ گئی...... اُوپر نیچے دائیں بائیں سامنے بندر ہی بندر تھے۔

اچا[illegible] جو اس کا تھیلا اُٹھا کر بھاگا تھا...... اب بھی وہ چیخ چیخ کر دوسرے بندروں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ اس سے ظاہر تھا یہ اُن کا سردار بندر ہے...... سامنے شاید بندروں کا ہراول دستہ تھا۔ جوان جوان ایک سے قد کاٹھ' چاک و چوبند اور بلا کے تربیت یافتہ کہ تاک تاک کر سینے کے اُبھاروں پہ گوگلوں کی گولیاں برسا رہے تھے...... کیا مجال جو دائیں بائیں شانوں' نیچے پسلیوں یا ناف کی گدی پہ کوئی ضرب و حرب آئے یا گردن چہرے پہ گوگل گلال لگے...... کشمیرے بڑا پریشان کہ عجب سے بدذوقیے بندر ہیں۔ کچھ دیر یہ تماشا دیکھنے کے بعد پھر جانے جی میں کیا سمائی کہ کھڑے ہو کر آزار بند ڈھیلا کیا اور پاجامہ نیچے سرکا دیا یعنی چمل بیریوں سے نجات حاصل کرنے کا پرانا حربہ برتنا چاہا۔ اب وہ چاروں شانے الف لِلا' برگد کے نیچے کھڑا تھا۔ لنگ لٹکانے کے لئے نام نہاد لنگور کا بنایا ہاتھ ہتھیلی کی تھگلی تک کا تکلف نہ تھا۔

میرا تجربہ بتاتا ہے کہ شرارت' فحش لطیفہ' گندی گالی' بدحرامی یا بے حیائی بے غیرتی کو صرف ہلکی سی شیرے والی اُنگلی لگانے کی دیر ہوتی ہے پھر چل سو چل والا سلسلہ چل نکلتا ہے اور آدمی اندر باہر سے ایسا ننگا تنگا ہو جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

کشمیرے سنگھ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا...... بندروں کی جگہ اگر دس بندے بدمعاش بھی ہوتے تو یہ ان سے نبٹ سکتا تھا...... مگر کیا کہیے کہ دس بدمعاش ایک بندر سے عاجز آ جاتے ہیں...... اب کوئی دیکھا کرے کہ شکر دوپہر بیچ ویرانے بیابانے' بھوت پریت کے بسیرے' بابا برگد کے ڈیرے...... کشمیرے سنگھ ننگا کھڑا ہے اور بندر اس کی بھد اُڑا رہے ہیں۔ اب بندروں نے اپنا چاند ماری کا ہدف بدل دیا تھا...... سینے چھاتی سے کچھ نیچے ترائی میں اب ٹرائی کر رہے تھے...... یہ نئی صورتِ حال اس کے لئے خاصی پریشان کن تھی...... اور کچھ نہ سُوجھا تو وہ مُنہ پھیر کر کھڑا ہو گیا...... یہ کیا ہُوا؟...... ایک دم خاموشی...... گوگلوں کی چاند ماری 'غوں غوں غوں' دھما چوکڑی جیسے کچھ تھا ہی نہیں...... ایسی خاموشی اور سوکت کہ اسے اپنے دل کے دھڑکنے کی دھم دھم تک سنائی دینے لگی...... وہ پریشان سا ہو کر کنکھیوں سے اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگا...... بندر غائب تھے۔ ہلکا سا سر اُٹھا اُوپر جھانکا...... وہاں بھی سارے ڈال ڈولے خالی...... وہ سوچنے لگا کرتار! یہ سارے کرتوتیے کہاں غائب ہو گئے؟...... پھر خیال آیا کہ اُس کی یہ الف ننگا ننگے ہونے کی ترکیب کام کر گئی۔ سارے لونڈے اپنی عزت بچا کر بھاگ گئے...... وہ اپنی فتحمندی سے خوش ہو کر پاجامہ اُٹھانے کے لئے جُھکا...... ٹپ سے کوئی چھلاوا اس کے گھٹانے پہ آن گرا...... شاید اس چھلاوے کا نشانہ خطا ہو گیا۔ پاجامہ اُٹھانے کی [illegible] میں کچھ وقت بیت گیا [illegible] جب اُس کی نظر اپنی پیچھے پیچھے لونڈوں کی قطار پہ پڑی تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... جدھر کہیں راہ ملی مُنہ اُٹھا کر سرپٹ بھاگا۔ پیچھے پیچھے لونڈے آگے آگے یہ...... مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کشمیرے کے ساتھ کیا بیتی۔

آگے وہی چھوٹی سی بستی تھی' جب وہاں کے لوگوں نے اُسے دیوانہ وار برہنہ حالت میں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اُنہوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو جھونپڑوں میں دھکیل دیا...... بستی کے چند ایک سیانوں نے اُس کی بھٹکی ہوئی حالت پہ ترس کھا کر اسے جل پان کرایا' تن ڈھانپنے کو کپڑے دے کر وہاں سے چلتا کیا۔

دراصل کشمیرے سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے بندروں کے لئے کسی پھل مٹھائی وغیرہ کا بندوبست نہیں کیا تھا...... بلکہ بندر اُس کا تھیلا بھی مٹھائی اور کچھ کھانے پینے کی جستجو میں اُٹھا کر لے گیا...... مگر اس تھیلے میں تو چند کپڑے' کتابیں اور سگریٹ وغیرہ تھے۔ جو اس نے برگد بابا کے پاس رکھ دیے تھے۔

پھر ایک وقت بعد جب سفیداں بائی کسی موسیقی کے پروگرام کے سلسلے میں اِدھر آئی تو برگد والا بابا کے چرنوں میں بھی حاضری کے لئے پہنچی...... بابا نے اُسے کشمیرے کا تھیلا اور کپڑے دیے اور تاکید کی کہ

کشمیرے کو تلاش کر کے اس کی چیزیں اُس کے حوالے کرے، اور بابا کا آشیرواد بھی دے۔

کشمیرے کے سامان میں اس کی ایک دو تصویریں اور چند ذاتی خطوط بھی تھے۔ یہیں سے اس کا پتہ حاصل کر کے سفیداں بائی نے کشمیرے کو یکے بعد دیگرے دو تین خط بھی لکھوائے...... مگر اس کی جانب سے کوئی جواب نہ ملا...... کشمیرے تو آوارہ بادل کی طرح بھی اِس نگر کبھی اُس ڈگر...... اس واقعہ کے اڑھائی تین برس بعد ان خطوط میں سے صرف ایک خط کسی طرح کشمیرے تک پہنچ پایا...... ظاہر ہے کہ کشمیرے نے اپنی کتابوں ڈائری اور تصویروں کے لئے سفیداں بائی سے رابطہ کرنا ضروری سمجھا...... ویسے بھی وہ سفیداں بائی کے فن، اُس کی شہرت شخصیت سے خاصا متاثر تھا...... لیکن دُو بدو ملنے یا سامنے بیٹھ سننے کا ابھی تک کوئی موقعہ میسر نہیں آیا تھا...... امرتسر لکھے گئے کسی خط کا جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ اس سے ملنے خود نکل آیا۔

● جموں میں سمیا جموں......!

جموں میں امیروں کبیروں کے علاقے میں اس کی پشتینی جائیداد میں ایک پرانی حویلی موجود تھی...... جہاں موسم سر[illegible] ملازم [illegible] موجود رہتے تھے...... شری نگر سے جموں پہنچا تو یہاں کے موسم نے اسے گدگدا کر رکھ دیا...... جی میں ٹھانی کہ اب جموں میں جم کر رہیں گے...... اُس نے ملازموں کو حویلی کی صفائی ستھرائی کا کہہ دیا۔ فالتو سامان اور گودام کو ہٹوایا۔ رنگ روغن مرمت کے علاوہ نیا فرنیچر، غالیچے قالین...... [illegible] مہینے بھر میں پرانی حویلی ایک خوبصورت آرام دہ اور دلنشیں قیام گاہ کا منظر پیش کرنے لگی...... مرمت و تزئین کے دوران اس نے ایک آدھ بار نہائیت خاموشی سے بغیر سامنے آئے ہوئے اس بازار کا چکر بھی لگا لیا۔ وقت بے وقت پہنچ کر سفیداں بائی کے چوبارے کو بھی اُچٹتی سی نظر سے دیکھ لیا تھا...... وہ اپنی طبع فطرت کے بالکل خلاف بڑے صبر اور سہج سہج اس مبارک گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ اپنی من چاہی تیاری اور شوقِ فراواں کے ساتھ سفیداں بائی کو اپنی آمد کی اطلاع دے گا۔ وہ دراصل اسے ایک بڑا سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔

● کشمیرے دلگیرے، پُرجمالے اسیرے......!

وہ ایک پڑھا لکھا، فنونِ لطیفہ اور سیر و سیاحت سے دلچسپی رکھنے والا امیر کبیر خاندانی آدمی تھا۔ جوانی

کی دھوپ ابھی اس کے آنگن سے پوری طرح نہیں ہٹی تھی اور نہ ہی ابھی سر پہ چاندی کا کوئی تاک تار پڑا تھا۔ اس کے سُلجھے ہوئے ذوق و شوق' حسنِ جمال کی فراوانی' مطالعے و مشاہدے کی عادت اور رقص و موسیقی سے رغبت نے اسے اپنے حلقۂ قرابت کی ہر دو جنس میں مقبول و منظور بنا دیا ہوا تھا۔ صنفِ نازک کے بارے میں بھی وہ بڑے لیے دیئے خیالات رکھتا تھا۔ عورت اس کے نزدیک محض دل بہلاوا یا کوئی دل لگی کی جنس نہیں تھی اور نہ ہی وقتی دل بستگی یا عیش عیاشی کا کوئی سامان...... وہ تو پڑھے لکھے مہذب انسانوں کی طرح اس کی توقیر و تعظیم کا قائل تھا اور اسے کائنات کا حُسن' زندگی کا رنگ اور خوشیوں' مسرتوں کی ترنگ کا محور سمجھتا تھا۔ گو اس کی پہلی بیوی پریتی سنگھ' جو فیشن' آزادی اور شخصی بے راہروی کی دلدادہ تھی' جس پہ بُری طرح مغربی رنگ چڑھا ہوا تھا بدقسمتی سے یا اسے اپنے رنگ ڈھنگ میں نہ ڈھال سکا۔ بالآخر یہ قیمتی اور شاندار شادی' بڑی بدمزگی کا شکار ہو کر خاصی اذیت ناک علیحدگی پہ منتج ہوئی۔ اس بہیمانہ تجربے کے بعد بھی صنفِ نازک کے بارے میں اس کے خیالات و جذبات میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی پیدا نہ ہوئی بلکہ پریتی سنگھ...... یعنی عورت کے اس روپ و رنگ کو بھی اس نے بڑے ہی دلبرانہ اور طالبعلمانہ انداز سے ہی سٹڈی کیا تھا۔ اس کی آوارگی' موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی...... شراب شباب سے شغف اور زندگی کے معاملات میں غیر ذمہ دارانہ رویے' آوارہ مزاجی شاید اسی سانحہ کے ردِعمل [illegible] زیادہ [illegible] بن پایا تھا۔ [illegible] آوارگیاں [illegible] پہن کر شاید اپنے اکلاپے کے بے آب و گیاہ صحرا میں کسی روح پرور نخل کی جستجو میں رہتا تھا۔ موسیقی کی دھنوں' الاپوں' سُروں' مُرکیوں' زمزموں میں اسے شاید سچے سکون کی سند [illegible] ملتی تھی...... اور اسی طرح انگور کی بیٹی بھی شاید اسے خود فراموشی کی فراہمی میں مدد دیتی اور کسی شکوہ شکایت کی شکن پیدا نہ ہونے دیتی تھی...... جبکہ غیر شعوری طور پہ وہ حوا کی بیٹیوں میں کسی دخترِ نیک اختر کو کھوجتا رہتا جو عورت کے متعلق اس کے حُسنِ ظن کو قائم رکھ سکے...... مگر وہ جو سیانے کہہ گئے۔ عورت کے سر پہ جتنے بال' اتنے ہی اس کے چلتر...... مگر وہ شاید اُس کامنی دامنی کو کھوجتا رہتا تھا کہ جس کی بابت یہ بھی کہا گیا ہے کہ جیسی پتلی ناری ویسے ہی گن ساری...... یا پھر کہ جتنے سمٹے اس کے انگ' اتنے ہی کھلیں اس کے رنگ...... بس ایسی انگی رنگی اور گن ساری' ناری اس کی لگن کھوج تھی۔ اب اس کوچے میں پہنچنا بھی اس کی اک موج تھی۔

کھوج کھیلے' لگن لگاوٹ اور خبطے خلل والا اگر ہاتھی کی تلاش میں ہو تو حفظِ ماتقدم کے طور پہ وہ چیونٹیا کے بل میں بھی جھانکنے کو بے وقوفی نہیں گردانتا۔ سفیداں بائی تک رسائی بھی اس کی ایسی ہی خبلی خبطی تھی۔ اپنا بندروں والے سامان کا تھیلا لینا تو بس اک حُجت وسیلہ بن گیا تھا۔ اس تھیلے میں تھا ہی کیا؟ اس کی

بے سمت' بے مہار اور بے قاعدہ زندگی کے قریب قریب پچھلے دس برسوں کا نچوڑ....... مختلف ڈائریوں کے اُجلے اوراق پہ سرطان کے کسی مریض کی قے کے چھینٹوں کی مانند داغ دھبے....... اسے خدشہ تھا کہ کہیں یہ سب کچھ سفیداں بائی کی نگاہ میں نہ آ گیا ہو۔ پرانی نئی چند تصویریں....... پریتی سنگھ کے ساتھ....... گزرے وقتوں کے دو تین پرنٹ....... کالج کے وقتوں کی' کلاس فیلوز کے ساتھ کچھ پوز' کچھ پرانے خط بس ایسا ہی اَلم غلم....... جو بھی تھا' اس کو دیکھ بھال کر کوئی بھی انسان' صاحبِ سامان کی حیثیت' شخصیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ پہ تو لگا ہی لیتا ہے....... بس یہی کچھ جھنجھٹ تھا۔ گرو جانے' سفیداں بائی نے اس کے بارے میں کیا کچھ گمان کر لیا ہو۔

حویلی کی صفائی ستھرائی اور نئے سرے سے سجاوٹ بناوٹ میں کئی دن لگ گئے تھے۔ اس دوران وہ خود کو بھی ''آمادۂ ملاقات'' کرتا رہا....... ایک عجیب سی جھجک اس کے اندر سے سر اُٹھا رہی تھی....... کسی بھی چیز کا شوق جب حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ چیز ایک اَن دیکھے سپنوں کی سی شکلیں اختیار کرنا شروع کر دیتی ہے....... کبھی کسی رنگ میں کبھی کسی روپ میں....... سجل بھی اور ڈراؤنی بھی' شوقِ وصال بھی اُبھرتا ہے اور فرقت و فراق کے مزے بھی لوٹے جاتے ہیں۔ خوف و حجاب کی سرسراہٹ بھی سنسنی سی پیدا کر دیتی ہے۔ ارمانوں کی لویں سلگ اُٹھتی ہیں....... [illegible] تو کئی [illegible] بجھنے لگتے ہیں۔ دل و دماغ کی عجب و غریب حالتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اچھا خاصا سنجیدہ آدمی گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔

یہی کچھ صورت کشمیرے کے ساتھ بھی تھی۔ ایک ایک چیز کی اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔ کشمیرے تو وہ کشمیرے رہا ہی نہیں تھا۔ سفیداں' سفیداں کرتے کرتے وہ عقل و مت سے بھی سفید ہو گیا تھا....... یہاں وہ کھڑی ہو گی' یہاں بیٹھے ہو گی۔ اِدھر دیکھ رہی ہو گی۔ یہاں تک کہ وہ ہر روز کوٹھے پار جانے کا یارا کرتا مگر ہر مرتبہ وہ کہیں نہ کہیں اٹک جاتا....... یہ دن شبھ نہیں' ستارے ٹھیک نہیں' موسم گدرا لے تو پھر بہتر ہو گا۔ جوہی کے شگوفے رُت پکڑ لیں تو تب۔ پورن ماشی کی شب چلیں گے....... غرضیکہ کوئی نہ کوئی بہانہ حجت پیدا کر کے وہ دنوں کو ٹالتا رہا۔ جس طرح ہوشیار دوکاندار مصنوعی قلت پیدا کر کے تیز بازاری پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح معصوم سے عاشق معشوق بھی مزہ لینے کی خاطر' مصنوعی ہجر و فراق کی کیفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ مصنوعی ناراضی' شکوے گلے' لڑائی جھگڑا' جھوٹ مُوٹ کی بیماری آزاری وغیرہ وغیرہ....... مگر ٹالنے کے ٹالم ٹال بھی ایک دن ٹل جاتی ہے اور فتنے ہو کر ہی رہتے ہیں۔

آخر ایک سُہانی سی شام وہ سفیداں بائی کے ''آستانے'' پہنچ ہی گیا۔ کوٹھے اور کوتوالی آنے جانے

کے لئے پیشگی اطلاع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جن کے ہاں کج اعمالی اور خوش مالی ہو وہ بلا کھٹکے دونوں جگہوں پہ آ جا سکتے ہیں۔ ویسے بھی اگر سفیداں بائی کے ہاں پہنچنے کے لئے پیشگی اطلاع کی پابندی ہوتی تو وہ درخورِ اعتناء نہ گردانتا۔ وہ بن بتائے اچانک سامنے پہنچ کر اسے متحیر کر دینا چاہتا تھا...... جبکہ صرف تھیلے کے حوالے سے ایسی بن دیکھے کی آشنائی میں کسی خوش گمانی کی کوئی گنجائش نہیں تھی یا شاید وہ لگے بندھے وقت سے پہلے وہاں پہنچ کر اُسے اس کے روز مرہ کے روپ میں دیکھنا چاہ رہا ہو یا وہ اس ظاہری باطنی شخصی خدوخال کی اپنے انداز میں پرکھ کرنا چاہتا ہو...... محرومیاں، بربادیاں...... پیار، انتظار...... صبر اور جبر، پھر مجبوریاں اور معذوریاں بھی انسان کو کتنا بڑا پارکھ بنا دیتی ہیں۔ اس کی نظر میں کتنی گہرائی اور تجربے میں کیسی گیرائی پیدا کر دیتی ہیں کہ اس میں اپنی ذات کے سمیٹنے، سکڑنے، پھیلنے بکھرنے کے قرینے آ جاتے ہیں۔ جبر کے لے کر اپنی چیخوں کو چپ چاپ چبانے کا حوصلہ اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے اندر کے داغوں کو چراغوں کی مانند اجالنے کے ڈھنگ آ جاتے ہیں۔ دودھاری کٹاری کی کاٹ کی طرح آتے جاتے سانسوں میں سرگم کی سی آروہی امروہی الاپنے کا گن گنگنا اُٹھتا ہے۔ خوب کسی نے کہا ہے ؎

عالم ذات میں درویش [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]

سفیداں بائی کی بارگاہ، جوالہ نگاہ، ساز و آواز کی سُرگاہ تک پہنچنے کے لئے بسر و چشم سادہ رو [illegible] تو نہ تھا البتہ اس نے ایک رئیس زادے کے طور یہاں پہنچنا قرین مصلحت جانا۔

اس دور زمانے میں رؤسا، نوابین، امراء و زعماء ایسے ہی کروفر، طمطراق اور ٹھاٹ باٹ سے شعر و سخن، رقص و موسیقی کے جلسوں، محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کے قیمتی ملبوس، شالے دوشالے، سر کی کامدار پگڑی، ہاتھ کی جڑاؤ چھڑی...... گلے کی موتی مالا، منقش پاپوش، پینس، یکہ، ٹم ٹم، بگھی، گھوڑے، گاڑی بان کا رعب داب، کھڑی کھچے دار مونچھیں، ریشمی رنگین لباس، سنہری پٹکا...... آگے پیچھے کے طرح دار چوب دار، مصاحب خانہ زاد...... روپوں، اشرفیوں اور چہرہ مہروں کی اطلس و دیبا کی بنی ہوئی طلائی و نقرئی کامدار تھیلیاں...... جن کے منہ کی ڈوریوں کے سروں پہ سُچے موتیوں کے تھوے بندھے ہوتے...... ان ظاہری لوازمات سے ان کے مقام و مراتب کی جانچ ہوتی اور اسی تناسب و تسلی سے ان کی نشست اور خاطر و مدارات کا اہتمام ہوتا...... اسی لئے اُن اچھے وقتوں میں سفلے، کم سواد اور بے حیثیے ان چنیدہ جگہوں...... اعلیٰ پائے کی طوائفوں اور گانے والیوں کی قُربت کا تصور بھی نہیں کر پاتے تھے۔

کشمیرے سنگھ ایسے شمشاد قامت خوبرو تُھے تُھسارے تو تگڑ و توانا کا طرحدار تھا۔ جب بازار میں داخل ہوا تو دیکھنے والے دیکھا کیے...... جس طنطنے اور پُروقار انداز میں وہ یکے سے اُترا اور پھر جیسے تُلے تُلے قدموں سے اُوپر سیڑھیاں چڑھا...... ایسے لگا کہ جیسے اس کا ہر قدم دیکھنے والوں کے سینے پہ پڑا ہو۔

اُدھر سفیداں بائی اپنے معمول کے مطابق بڑے کمرے میں اپنی مخصوص نشست پہ بیٹھی کنچن سے اپنے بالوں میں گُلِ تسبیح کے کُھلے زخموں کی مانند پھول گوندھوا رہی تھی۔ مالا پچھل درخت کے اس پھول کا بھی جواب نہیں۔ موگرے کی کلیوں جیسے بھینی بھینی خُوشبو والے گُلِ شبنم کے شاخچوں کی جلو میں پڑے یوں دکھائی دیتے ہیں کہ جیسے زمردیں غُبار میں دَمکتے ہوئے سپید کاگاماسی موتیوں کی اوس میں لعل بدخشاں دھرے ہوں۔ مالا پچھل کے قیمتی درخت...... ہردوار، شملہ، مُتھرا، ہانسی پور، گلمرگ، آگرہ، جموں اور شاہدرہ دہلی میں کبھی دیکھے تھے۔ پاکستان میں حیدرآباد، ایبٹ آباد، مثلاً شمالی علاقہ جات کی کچھ جگہوں پہ نظر آئے۔ جناح گارڈن لاہور میں بھی موجود ہیں۔

سپیداں بائی کی مہکتی عنبریں دراز زلفوں میں یہ کُھلے ہوئے زخم بھی عجیب بہار دکھاتے تھے۔ کھلی ہوئی شہابی رنگت...... جسے وادی کی صحت بیز رُتوں نے مزید نکھار دیا تھا۔ غزالوں کی سی وحشت بھری کجرائی آنکھیں...... [illegible] تے ہوئے لب، سپید ہموار دندان موتی ایسے کہ اگر کسی سرپھرے جوہری کو دکھا دیے جاویں تو وہ صرف ان کی آب و تاب ہی دوبارہ دیکھنے کے لئے اپنا دوالا پٹوا دے۔

گول کمرے کے صدر دروازے سے دھیان ہٹائے، آئینہ روبرو کیے وہ کنچن کے ہاتھوں اُڑسے ہوئے پھول شگوفوں کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ تُلسیا ٹھلیرا باہر منڈیر سے ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا...... ہاتھ جوڑے نمسکار کرتے ہوئے، آنکھ دبا کر اشارے سے کسی بڑی آسامی کے آنے کی خبر دی...... اس بدھے سندھے کون اُتاوالا آ پُکا...... اس کے مختصر سے ماتھے پہ لمبی چوڑی شکنیں اُبھر آئیں...... وہ اُوبدا کر پوچھ بیٹھی۔

”تُلسی رام! کسے اُوپر چڑھالایا ہے تو اتنی سویرے سویرے؟ ابھی تو میرے کا تنت بھی نہیں ٹوٹا......!“

وہ تیوری ڈالے سوچنے لگی...... کون ہو سکتا ہے؟...... ابھی تو جھاڑ فانوسوں کے گال بھی تمتمائے نہ تھے...... جیچوانوں کی چلمیں، پچھواڑے اُلٹی پڑی تھیں...... آدھے بادھے سازندے البتہ بیٹھے سازوں کے تیور دُرست کر رہے تھے۔ جس میں خاصا سمے برباد ہوتا ہے۔

بڈھی والے لوگ کہتے ہیں۔ ساز، سنگھار، ملازم، پالتو جانور، ہتھیار، بیوی اور تعلقات…… اگر انہیں بروقت سُر میں نہ کیا جائے تو بدیر نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہیں ہوتا…… بائیوں، مجرائیوں، گانے بجانے والیوں کے ہاں…… تعلیم و ریاضت اور سُر سمت کے سَمے کا بہت دھیان رکھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ محفل مجلس جمع کرنے سے پہلے تمام انتظامات تسلی آمیز کر لینا۔ سازوں کو سُر کرنا…… نشست کے تمام لوازمات، مثلاً پان، پیچوان، خورد و نوش کا سامان…… بخورات، سہرے، گجرے، خوشبویات…… جھاڑ فانوس…… شمعیں قندیلیں…… دریچوں، کھڑکیوں، محرابوں جھروکوں کے لٹکن پردے…… موتی چلمنیں، خس ٹٹیاں، جالیاں [illegible] فرشی غالیچے، قالین چاندنیاں…… تکیئے، پر بھروے، ٹیکے دابے…… غرضیکہ ایک ایک چیز کے معیار اور [illegible] کا جائزہ لینا ہوتا ہے امیر کبیر تماشبین چونکہ بڑے نفاست پسند اور نازک مزاج ہوتے۔ اس لئے بڑی بڑی [illegible] کی ڈیرہ دارنیاں…… گانے والی اور مجرا کرنے والی سمجھدار طوائفیں اپنے سُر سمت کے سَمے پہ خاصا دھیان دیتیں۔ بلکہ بعض قدیمی طوائفوں کے خاص خاص گھرانے اپنے اسی سُر سمت کے سمے پہ خصوصی توجہ اور [illegible] انتظامات کے حوالے کی بنا پہ خاصی شہرت رکھتے تھے…… انہوں نے اپنے سنہری دور میں بڑی شہرت، عزت اور دولت کمائی…… خاص طور پہ دلی، آگرہ، لکھنؤ، [illegible] آباد، بمبئی، لاہور اور کلکتہ [illegible] بڑی بڑی ٹھسے [illegible] بھرت پور اور امرتسر، انبالہ، جموں، جے پور، جودھ پور [illegible] بھی مشہور تھے…… مگر یہاں وہ مولوی مدن کی سی بات نہیں تھی۔

- سُندھرپ درشن……

سفیداں بائی نے کلیوں پھولوں کے تھال کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے دائیں شانے کے تیور سے نگاہ [illegible] جو دیکھا…… وہ بیچ چوکھٹ ایک مجسمے کی مانند یوں استادہ تھا جیسے کسی ماہر مجسمہ ساز نے رعنائی و دلربائی سے [illegible] مردانہ وجاہت و جمال کا ایک مکمل پیکر تراش کر صرف سفیداں بائی سے داد ہنر و کمال پانے کے لئے یہ [illegible] کیا ہو۔ سفیداں بائی کی پہلی ہی نگاہ نے تھیلے کے حوالے سے ڈیرے پہنچنے والے اور بازار و کاروبار کے حساب سے وقت سے پہلے آنے والے اس البیلے مہمان کو خود سے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تعجب کی جگہ اشتیاق اور پیشانی پہ شکنوں کی بجائے شکایت کی ہلکی سی تراوٹ در آئی تھی۔ اس کے کسی گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں اچانچک، بھولے بسرے تھیلے والا کشمیرے سنگھ اک حسین خیال کی مانند سامنے آ جائے گا۔ ہونٹوں کے عنابی شگوفے ہلکے سے تھرتھرا اُٹھے، وہ مبہوت سی تکتی رہ گئی بولائی سی کنچن نے شاید

کسی کیفیت میں اس کے شانے پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا...... گلِ شبنم کی چنچل جھاڑ پنچی کی مانند جھکولا لے کر اس کا بازو حرکت میں آیا اور موی ہاتھ کے اشارے سے کنچن کو وہاں سے ٹلنے کا اذن دیتے ہوئے وہ یوں اُٹھی جیسے کسی کافوری شمع کا بڑھا ہوا گُل کتر دیا ہو۔ وہ لپکتی ہوئی لپٹ کی طرح سر بالین تک ہُو اُٹھی تھی...... ایسے میں سرِشام' جنت نظیر کشمیر کی بالائیوں سے وادی کی اُترائیوں تک مَست مَست مَلک مَلک اُترنے والی پولی پولی کَبلی کَبلی پُروائی' اُسے کشمیرے سنگھ کے بدنِ سے اُٹھتی ہوئی چاہت کی خُوشبو کا پتہ دے چکی تھی...... معاً ایک ملائم سی تمیز کے تکلف میں رچی بسی آواز اُبھری۔

''آداب عرض ہے مَیں شاید بے وقت اور بغیر اطلاع کے حاضر ہُوا ہُوں...... مگر ابھی تک آپ کی چوکھٹ نہیں اُلانگی...... اجازت ہو تو اَندر آ جاؤں......؟''

اُسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا اور ایسی شستہ زبان اور پاکیزہ لہجہ...... وہ انبساط سے لہرا سی گئی...... کھڑی کھڑی کمر کو خفیف سا جھکولا دیتے ہوئے گویا ہوئی۔

''شکر ہے آپ آئے تو' شری کشمیرے سنگھ جی! پدھاریے' تشریف لائیں۔ بندی تسلیمات بجالاتی ہے۔''

وہ آگے بڑھ کر سواگت کرتے ہوئے بولی۔

''بہت راہ دکھائی آپ نے......!'' اسے اپنی دائیں جانب ایک مُطلی توشک پہ بٹھاتے ہوئے انار کی کلی کی طرح چٹخی۔

''آنکھیں پتھرا گئیں [illegible] لگے...... اب پیچھا چھڑانے...... توبہ توبہ! آپ کی بے نیازی اور کج ادائی......'' وہ شاید اپنی طبع طبیعت کے برعکس کچھ زیادہ ہی چہک اُٹھی تھی۔

کشمیرے سنگھ اس سمے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا لاڈلا بیٹا دلیپ سنگھ ہی تو لگ رہا تھا...... پتلی پتلی ریشمی مونچھوں تلے نرم باریک انگارہ سے دہکتے ہوئے سُرخ ہونٹ...... مضبوط مردانہ دہانہ' آنکھوں میں دید درس کی مَستی دَری ہوئی...... بڑی لگاوٹ سے سفیداں بائی کی چُلبلی ترنم ریز چہل سے محظوظ ہو رہا تھا......سوچنے لگا یہی وہ سفیداں بائی ہے جس سے ملنے کے لئے وہ کیسے کیسے بے تاب رہا...... کتنے لمبے انتظار کا کشٹ کھینچا...... جس کی گائیکی اور مدھر آواز کے فسوں نے اسے دیوانہ بنائے رکھا...... جس سے ایک تعلقِ خاطر نے اس کی پارہ صفت طبیعت میں اک ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا...... یہی تو وہ تھی جس کے تصور اور مترنم تکلم نے اس کے صنفِ نازک کے بارے میں ٹوٹ کر بکھرے ہوئے اعتماد کو ایک بار پھر استحکام کی دولت سے مالا مال کیا تھا...... اور پھر رو کھی پھیکی لاحاصل زندگی میں قدرے قرینہ اور بے رونق شب و روز میں کچھ مصروفیت نکل آئی تھی۔

وہ اس ٹک ٹک دیدی سے قدرے جھینپتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ! ایسے بھی کیا سینگ نکل آئے میرے ماتھے پہ کہ مہاشے دیکھے ہی جا رہے ہیں۔"

وہ بن آنکھ جھپکے اسی طور بولا۔

"اپنا اور تیرا نصیب دیکھ رہا ہوں۔"

وہ اس کے تُرت جواب کے جوبن کا مزہ لیتے ہوئے بولی۔

"مہاراج! کہاں آفتاب کی کرن اور کہاں اک حقیر ذرۂ خاک…… ایسے بے میل نصیبے، بُرے [illegible] ساز و آواز کی طرح ہوتے ہیں…… اک شعر آپ کی نذر ہے۔

اکثر یہی ہوتا ہے کہ محبت کی طلب میں
دل ملتے ہیں آپس میں ستارے نہیں ملتے

شعر پڑھتے ہوئے اچانک اُسے ایک ایسا ہی زبردستی کے ستارے اور نصیبے ملانے والا سنتوک سنگھ یاد [illegible] وہ بھی اُسی کی طرح دل پھینک سکھ تھا، اس کی بھی بیوی موجود تھی لیکن وہ ابھی کچا بچہ تھا خبیث اور [illegible] تھا زوہی کی بچی، تلخ مگر سچی شراب کی طرح جبکہ [illegible] کی طرح صاف [illegible] ح ڈھل اور [illegible]

"[illegible] کا سنتوکا……" اس کے اندر جیسے سنتوک نام کے ٹل کھڑکنے شروع ہو گئے، [illegible] کی چتون [illegible] جس نے اس [illegible] ساز دوں میں دم توڑا تھا۔ بدوبدی نصیبے جوڑنے کا انجام ایسا ہی نکلتا ہے…… پھر ان [illegible] گلی کوچوں اور بازاروں، چوباروں میں نصیبوں کی جڑوائی…… تو یہاں تو نصیبوں کی تڑوائی، کھسائی، [illegible] ہوتی ہے۔ یہاں بیٹھنے والی مہلاؤں، دیشیاؤں، کنجریوں کے نصیبے شاید کسی آسمانی لوح پہ نہیں لکھے جاتے۔ [illegible] ان کی ڈیرہ دارنیوں، ماؤں، خالاؤں کی خاندانی پوتھکوں میں رقم ہوتے ہیں…… کسی روشنائی سے نہیں [illegible] کے آبِ زر سے۔"

سوچ اور خیال بھی شاید مُرغِ زرّیں کی مانند وہ خوشنما پرندے ہوتے ہیں…… نرم نرم ملائم نظر نواز رنگوں [illegible] دلفریب قوسِ قزح…… انسان جب ان برق پرواز پرندوں کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر وہ [illegible] موجود" کی گرفت سے وقتی طور پہ نکل جاتا ہے…… وجود سامنے موجود ہوتا ہے مگر ذہن، دماغ سوچوں اور [illegible] کے پرندوں کے پیچھے کہیں لگا ہوتا ہے…… آنکھیں کھلی دیکھ رہی ہوتی ہیں مگر سامنے نہیں…… کہیں اور [illegible] کے اس پار…… جہاں کہیں مُرغِ زرّیں محوِ پرواز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کان بھی وا ہوتے ہیں مگر وہ کسی اور

فریکوئنسی پہ سیٹ ہوتے ہیں۔

یہاں بھی شاید یہی کیفیت طاری تھی...... سفیداں بائی سامنے بیٹھی ہے...... آنکھوں سے آنکھیں لڑی ہیں...... سوال وجواب ہو رہے ہیں...... مگر درمیان میں وہی سوچوں اور خیالوں کے مُرغ زرّیں...... نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑے تھے۔ چند بوجھل سے لمحے جب سفیداں بائی نے نہ آنکھ جھپکی اور نہ خاموشی کی مُہر توڑی تو کشمیرے کو موقع مل گیا۔

"آپ نے خوب شعر پڑھا۔ اب کیا یوں نظریں گاڑے میرے چہرے پہ شرمندگی تلاش کر رہی ہیں؟ یونہی اچانک نادانی میں یہ نصیبوں والی بات مُنہ سے نکل گئی...... آپ نے فوراً لوٹا دی...... مجھے چند ساعتیں تو خوش فہمی میں جی لینے دیا ہوتا......"

یہ چھوٹ لینے کے باوجود بھی سفیداں بائی کی محویت میں کچھ تبدیلی نہ آئی تو کشمیرے نے لہجے کا پینترا بدلتے ہوئے پھر یونہی سوال کر دیا۔

"سفیداں بائی! میرے چہرے پہ مصحفی یا مومن کی کوئی غزل اُبھر آئی ہے جسے پڑھنے میں آپ کو دشواری پیش [illegible]

چند ثانیوں کے بعد وہ چونکتے ہوئے کہنے لگی۔

"کشمیرے مجھے سنتو کا دکھائی دیا تھا۔ تمہاری آنکھیں، ناک نقشہ...... جیسے سنتو کا......؟"

"سنتو کا...... کون......؟" کشمیرے نے قدرے جُز بُز ہوتے ہوئے پوچھا۔

وہ دوبارہ چہرے پہ نگاہیں گاڑے ہوئی اسی خوابناک لہجے میں کہنے لگی۔

"وہی ڈل کی طرح ڈونگی ڈونگی ہلکی سبز آنکھیں، لب، دانت، کھڑی اُٹھی ہوئی گردن...... وہی قد وہی چاہت...... اور ویسی ہی نصیبوں والی بات......"

سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ گھبرائی ہوئے کہنے لگی۔

"نہ...... نہ...... اللہ ایسا نہ کرے......"

ہاتھوں سے چہرہ چھپائے وہ روہانسی ہو گئی...... کشمیرا یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

"کون تھا یہ سنتوک...... مجھے بتاؤ، میں تمہاری بات سُنوں گا۔ کیا رشتہ تھا اس سے......؟" کشمیرے نے بڑے تحمّل سے کام لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

سفیداں بائی نے جھروکے کے جلوکے میں بیٹھے ہوئے سازندوں کو ہاتھ کے اشارے سے

[illegible] دیتے ہوئے کہا۔

”کبھی سنتوک نے بھی مجھ سے نصیبوں کی بات کی تھی۔ وہ بھی اپنی اور میرے نصیبوں کو آپس میں ملانا چاہتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح دل کی بات زبان پہ لانے میں دیر نہیں کرتا تھا…… سکھ بڑے جلد باز اور جذباتی ہوتے ہیں، دل دینے اور لینے کے معاملے میں بڑے خودکفیل…… وہ یہ نہیں دیکھتے کہ چیز بکنے یا ملنے والی ہے کہ نہیں —— جھٹ مول بول لگا دیتے ہیں…… تم نے بھی تو ابھی یہی کچھ کیا۔“

وہ رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

”مجھے سنتوک کے بارے میں کچھ اور بتاؤ…… اس سے تمہارا کیا ناتا تھا…… اب وہ کہاں ہے، کیا کرتا ہے؟“

سفیداں بائی اب قدرے سنبھل چکی تھی۔ بڑی رسان سے کہنے لگی۔

”اس کے بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اک خواب تھا، خیال تھا۔ اک تند و تیز ہوا کے جھونکے کی مانند…… اک جھکڑ، وا ورولا، جس تیزی تندی سے آیا اس سے کہیں زیادہ تندی و تیزی سے گزر گیا…… [illegible] نہ ہوا…… [illegible] اتنا عرصہ آپ [illegible]…… آپ کا تھیلا تو میرے خیال میں کہیں گم دم ہو گیا ہوگا…… کوئی قیمتی چیز تو نہیں تھی اس میں؟“ وہ اسے بٹ بٹ کتر کتر باتیں کرتا دیکھ کر خوب محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس طرح کی باتیں کر کے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔

”اچھا اب میری سنو، برگد والے بابا کے پاس سے آنے کے بعد مجھے اچانک ہندوستان سے باہر جانا [illegible] کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ تھیلا تو کجا میں خود اپنے آپ سے بھی بیگانہ سا ہو گیا…… سب کچھ عرصہ پہلے [illegible] تو سب سے پہلے مجھے تم یاد آئیں۔“

جھٹ سفیداں بائی بول پڑی۔

”اگر آپ یہاں میری بجائے تھیلے کا لفظ استعمال کریں تو عین محل کے مطابق ہوگا۔“

وہ مسکراتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

”واپسی پہ مجھے تمہارا صرف ایک خط ملا…… لیکن حالات ایسے تھے کہ فوری طور پر رابطہ نہ کر سکا۔ پھر تمہاری نقل مکانی کا بھی معلوم ہو چکا تھا…… اب تم بتاؤ کہ میرا تھیلا اور اندر بے کار سا سامان تو موجود ہے نا؟ [illegible] ڈائریاں اور کچھ نایاب تصاویر میرے لئے بڑی اہم ہیں۔“

وہ قدرے رکھائی سے بولی۔

''تو آپ اصل میں اپنی ڈائریوں اور تصویروں کی خاطر تشریف لائے ہیں۔''

وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''بھئی اگر کہوں بھی کہ میں تمہیں دیکھنے ملنے آیا ہوں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا...... اس لئے یہی سمجھو کہ میں ڈائریوں اور تصویروں کی خاطر آیا ہوں...... اب خدا کے لئے صرف اتنا بتاؤ کہ میرا تھیلا محفوظ ہے یا کہیں بندروں نے ستیاناس کر دیا ہے؟''

''مجھے تو کٹا پھٹا تھیلا ملا تھا، جسے میں نے جوں کا توں امانتاً سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ تمہارے پاؤں کا ایک چپل بھی ہے، دوسرا پاؤں تلاش کے باوجود اُدھر کہیں نظر نہیں آیا۔''

اب کشمیرے نے اک نیا سوال کر دیا۔

''تم وہاں گئی تھی تو بندروں نے تمہارے ساتھ کوئی ایسا ویسا سلوک نہیں کیا تھا؟''

''نہیں، بالکل نہیں...... بندروں کے لئے کھانے پینے کے لئے لیتے ہوئے جاؤ تو ان کا دماغ خراب ہے کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کو وق کرتے پھریں...... بلکہ وہ تو بھگتوں کی رکھشا سیوا کرتے ہیں۔ بابا کے منڈپ تک پہنچاتے ہیں۔ یاتریوں کے سامان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

[illegible] مشکل [illegible] پہنچ [illegible] اور جب بابا کے درشن بھی نہ کر سکے۔ سُنا ہے بابا بڑے گُنی اور مہا گیانی ہیں۔ سنگیت ودیا کے ساگر کے مہا تارو ہیں۔ جو کوئی ان کے چرن چھو لیتا ہے ان کی شرنی کی آشیرواد حاصل کر لیتا ہے وہ سنگیت شاردا کی شکتی اور شانتی حاصل کر لیتا ہے...... میں ا کھوج اور من کی موج میں وہاں پہنچا تھا۔ پر افسوس کہ میرا وہاں پہنچنا بیکار ہی گیا۔''

سفیداں بائی سن کر بولی۔

''وہ کیسے......؟''

''من کی کامنا پوری نہ ہوئی...... اُلٹا بندروں سے الگ خجالت ہوئی...... اور تو اور میرے کپڑے تک اُتر گئے اور میں ننگے پنڈے، دُم دبا کر وہاں سے بھاگا تھا۔''

وہ اس کی ایسی حالت سُن کر کھسیانی سی ہنسی سے کہنے لگی۔

''تم نے کہا کہ بابا کے پاس جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مگر میرا وشواس ہے کہ برگد بابا مہا شکتی ود ہیں۔ جو بھی اُدھر ان کے چرنوں تک پہنچتا ہے وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ جو جس نیت ارادے سے جا ہے اس کو اس کی مراد ضرور ملتی ہے۔ میں تو برس میں ایک دو بار ضرور وہاں جاتی ہوں...... سیس نواتی ہوں میں رہتی ہوں...... میرے سُروں میں سو رنگ، تانوں میں ترنگ، آلاپوں میں الکش الگانا انھی کی شکتی پُن سے

[illegible] یہ مجھ تک تمہارا پہنچنا' کیا یہ بابا کا چمتکار نہیں۔''

کشمیرے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔

''ہاں! یہ تو درست ہے۔ مجھے ایک سیانے نے برگد بابا کے پاس پہنچنے کا مشورہ دیا تھا کہ تمہارے مَن [illegible] اور چت کی چنتا کا دارو سنگیت شکتی کا ودھان ہے...... اور یہ سوکھیہ تمہیں برگد بابا کے چرنوں سے ملے گی۔ سو میں یہی دھیان پلّے باندھے اُدھر پہنچا تھا۔''

پھر وہ آنکھیں مُوندھ ہاتھ جوڑے کہنے لگا۔

''دھن ہو برگد والے بابا! مجھے آج چت چنتا کا چت چور بھی مل گیا۔''

یہ تھی پہلی ملاقات......!

شراب آئی' کباب آئے' پھر سازندے ساز جوڑے بیٹھ گئے۔ شعر و نغمہ کی محفل جمی...... اہتمام خاص [illegible] چوبارے پہ عام داخلہ بند تھا۔ صرف گردھر تھا اور رادھیکا تھی...... ادھر رات بھی جیسے تھم اور ٹھٹھری [illegible] نے اس کی زُلفیں ابھی صرف کمر تک ہی کھولی تھیں کہ شاہی نقار خانے میں بھی دو پہر رات [illegible] ...... سے شراب کے خمار اور شباب کے [illegible] جبکہ یہ دونوں اپنی [illegible] تھے۔ اُدھر [illegible]

سفیداں بائی کے اندر دُور کہیں دبی ہوئی عورت جیسے امشب سولہ سنگار کے حجاب سے باہر نکل آئی تھی۔ [illegible] کی نگاہوں کے سامنے بیٹھے ہوئے کشمیرے سنگھ کو دیکھ رہی تھی۔ موقع بہ موقع شعر و نغمہ سے [illegible] کام کر رہی تھی...... اس کے ہاں مرد تو آتے جاتے رہتے ہیں' اشراف بھی اجلاف بھی...... ایک سے ایک بڑھ کر جوان خوبصورت' ذہن اور دولت والے...... جو اس کے ادنیٰ اشارے پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا [illegible] تھے۔ لیکن سفیداں بائی خاندانی مُطربہ تھی' عصمت فروشی اور عشوہ گری اس کا قماش نہ تھا...... اور نہ [illegible] اپنے مقام و منصب سے گر کر کوئی حرکت و عمل کرنے کی رَوادار تھی...... اپنے لیے دیے میں رہنا' پُروقار [illegible] عمر اس کا چلن رہا۔

[illegible] دیکھا جائے تو اس کی زندگی اسی پیشے اور قماش میں گزری تھی۔ جہاں بہک جانا کچھ معیوب بھی [illegible] لیکن اس کا دامنِ عصمت' آلودگی سے پاک تھا...... ایسی خاندانی طوائفیں جو صرف سنگیت سے [illegible] ہیں یا جن کا پیشہ محض گائیگی ہوتا ہے...... ان میں شاذ ہی کوئی گندی مچھلی ہوتی ہو۔ بالعموم یہ اپنے [illegible] میں سنگت داروں میں کھپ جاتی ہیں۔ بہ ایں صورت وہ کسی کن رسیے امیر کبیر رئیس سے ٹانکا جوڑ

کر بیٹھ جاتی ہیں اور اکثر یہ کام اوائلِ عمری میں کر لیتی ہیں کہ آتش جوان ہوتا ہے یعنی یہ بڑھاپے کا انتظام بھرے میلے میں ہی کر لینے پہ یقین رکھتی ہیں۔ پرانی بینا ہو یا بوڑھی گائیکہ...... تار دونوں کے ہی ڈھیلے پڑے ہوتے ہیں جو بھرائی کسائی سے ٹوٹ تو سکتے ہیں ٹھنکا کر ارتعاش و ارتباط پیدا نہیں کر سکتے۔

شمشاد بائی امرتسر والی، وحیدن بائی، عیدن بائی، خورشید بیگم، اختری بائی، اقبال بانو، ثریا ملتانیکر، زہرہ بائی انبالے والی، روشن آراء بیگم، ممتاز بیگم، فریدہ خانم، امراؤ بیگم، شمشاد بیگم، ملکہ پکھراج، عابدہ پروین، زاہدہ پروین، نورجہاں وغیرہ یہ چند ایک ایسے قبیل کی مشہور گانے والیاں ہیں جنہوں نے جوانی کمائی اور بڑھاپے میں چین کی بنسری بجائی...... اور بھی جنہیں آج کی نسل نہیں جانتی پہچانتی۔ خاص طور پہ محض گانے بجانے کا دھندا پیشہ اکثر وہی طوائفیں اختیار کرتی ہیں جو شکل وجہ، کسی جسمانی عذر یا پھر جنون کی حد تک موسیقی سے لگاؤ رکھتی ہیں۔ جن کے نزدیک گائیکی لے کاری پراوڑھنا اور عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ جبکہ اس فن سے نام و نمود یا مال و زر اکٹھا کرنا ان کا مقصد و مسلک نہیں ہوتا۔

حمیداں بائی کا تعلق بھی اسی مکتبِ فن و ہنر سے تھا...... قد کاٹھ، شکل و صورت، رنگ و روپ بھی ماشاءاللہ کہنے کے لائق...... جبکہ آواز کی لیک، جھنک اور [illegible] ووک بھی اُن [illegible] سے سُبحان اللہ کہلوانے والی اور [illegible] پان [illegible] پانی [illegible] چونے [illegible] کتھے کی [illegible] میں مُرادآبادی زعفرانی زردہ بھرنے والا......!

عورت، طوائف ہو یا طواف کرنے والی ہو، وہ ہر مقام، ہر جگہ عورت ہی ہوتی ہے۔ اس پہ رنگ مرد کو انگ لگانے سے ہی چڑھتے ہیں۔ مَرد کی محبت و مروت کی نظر اسے اُس کی اپنی نظر میں عزت بخشتی ہے۔ لاکھ مومنہ ہو یا کافرہ، منہ مَن سے بولے یا نہ چاہے۔ اس کے تن کے ایک ایک رُویں رُوم کی کٹوریوں سے ؎

جل بن جل کی ماچھی ناہیں، پُرش بن جگ میں ناری ناہیں

کی جلترنگ بجتی رہتی ہے۔ جبلی طور پہ اس کے انگ سنگ اَدھورے رکھے گئے...... اس کے بھیتر باہر کی ساری بیا کرن ہی پُرش کی پرجن سے پرایت ہے...... دن رات کے مختلف پہروں کے پیروں میں جو گھنگھرو چھن چھناتے رہے ہوتے ہیں بظاہر تو ان کی چھن چھنا چھن کا آہنگ ایک سا ہی لگتا ہے۔ لیکن سمے کے سمند پہ سوار کوئی سنچارک ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ پل پل پہلو بدلتا ہوا سمے ہر پہلو پہ کس انگ رنگ سُر میں گن لیتا ہے۔

یہی گن سُر شاید اس سمے کے سم تگن کی سنجت تھی...... رات کا دوجا پہر بھی پگ میں گھنگھرو باندھے برت کے چند آڑے ترچھے توڑے توڑ چکا تھا کہ کیدارا راگنی چپکے سے گنگناتی ہوئی آ براجی...... دیپک مہاراج

گئی تھیں —— ایسے کُھلے کُھتے والی کہ سانس بھی اُونچا نہ لینے دے۔

دم سادھے' شدھ بدھ بسرائے' پران چھوڑے کشمیرے جی پڑے تھے۔ سفیداں بائی نے بھی ایسے سمے میں ایسی ایسی تانیں' پلٹائیں' آڑے توڑے بہلاوؤں کی پھریریاں پھیریں کہ ساز کی سُرتیوں اور سازندوں کے سینوں پہ پسینہ آ گیا۔ اس پہلی شب' سفیداں بائی ایسے جی بھر گائی تھی کہ کشمیرے سنگھ' اس کی گائیکی اور ادائی پہ پورا کشمیر نچھاور کر چکا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کالے خان کو بھی دوسرے خانہ زادوں اور روزمرّہ کے آنے جانے کی طرح محفل میں بیٹھنے کی اجازت نہ ملی تھی...... وہ پوری رات اپنی کوٹھڑی کے سامنے اکڑوں بیٹھا اس پائیں جھروکے کی جانب دیکھتا رہا...... ہلکے سے ساز و آواز کا اُبھرتا ڈوبتا آہنگ اس کی سماعت سے ٹکراتا رہا...... اس دوران ایک آدھ بار وہ باہر نکل' گاڑی بان کو بھی دور سے دیکھ آیا تھا...... جو بڑی مستعدی سے کھڑا بیڑی سے شغل کر رہا تھا۔ سویرے سویرے وہ پھر اس کے پاس پہنچا تھا۔

"بھیا! کچھ جل پانی کا بولو...... کہو تو بیٹھنے کے لئے کوئی موڑھا یا کھاٹ بچھا دوں...... گھوڑے کی [illegible]

وہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا یا کوئی بد مغز کہ ایک ہی چپ اور بے شمار بیڑیاں...... صبح صبح منہ اندھیرے وہ رئیس ایک پُروقار انداز سے سیڑھیوں سے اُترا اور اپنے تانگے میں سوار چل دیا۔

جیسے کبھی کبھی کسی پاک صاف چیز پہ مکھی بیٹھ جاتی ہے...... اسی طرح کبھی بیٹھے بٹھائے بلاوجہ کوئی بات دل میں گرہ کی مانند بیٹھ جاتی ہے۔ کالے خان کے دلدل دل میں بھی اس رئیس کو دیکھ کر یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ ایک دن اس کے گھٹنے گوڈوں میں ضرور بیٹھے گا...... ان سیڑھیوں پہ سے بھلوں منڈوں کا اُترنا چڑھنا تو لگا ہی رہتا تھا مگر کبھی کسی بارے ایسی تلملاہٹ تردد نہیں ہوا تھا۔ اسے یوں اور ایسے سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا کہ یہ کوٹھے چوبارے یہ بازار دھوکے کی ٹٹیاں' خوبصورت پھندے اور مایا جال ہیں۔ یہاں کے در و دیوار کے ساتھ جیبیں کاٹنے کترنے والی قینچیاں' اُسترے پوشیدہ ہوتے ہیں...... یہاں مصنوعی دل بہلانے والی اداؤں' جھوٹی مسکراہٹوں اور جھوٹے عشق محبت کے کھیلوں' پیار اعتبار کے ناٹکوں سے بھری تجوریوں میں سیندھ لگائی جاتی ہے۔ یہاں عزت' غیرت' حیا' وفا نام کی کوئی جنس موجود نہیں ہوتی...... خوبصورت پرچھائیوں کی اس نگری میں کسی انسانی رشتے ناتے کا کوئی وجود نہیں ہوتا...... ماں' بہن' بیٹی' بھائی' باپ' شوہر...... ان سب رشتوں ناتوں کی صرف ایک ہی مشترکہ پہچان ہے' وہ ہے پیسہ' دھن اور شہرت پھر...... پھر...... اُسے ایسی چنتا کیوں لگی

ہوئی تھی...... سفیداں بائی نہ تو اس کی رشتہ دار ہے اور نہ ہی رکھیل...... وہ جیسا بھی کھیل جس کے ساتھ چاہے کھیلے...... جو من چاہے کرے اُس پہ بھلا کون اُنگلی رکھ سکتا ہے۔

اس دن سے اس کوٹھے چوبارے کا چاؤ چلن ہی بدل کر رہ گیا تھا...... یہاں کی رُتوں، فضاؤں، ہواؤں نے جیسے اپنے پرانے طور طریقے انداز بھول کر نئے راہ و رسم اختیار کر لئے تھے...... اس کے لئے نہ تو کوئی حکم جاری ہوا تھا نہ کوئی بات مشورہ...... خود بخود ہی ہر شے اسی طرح ڈھل گئی جیسے سفیداں بائی نے چاہا...... سیڑھیوں کے نیچے دروازے پہ نیا گورکھا پہرے دار آ براجا...... جو کسی بندے کو تو کیا کسی پرندے تک کو اوپر جانے نہیں دیتا تھا...... بازار کے شہدے، پھلیارے، عطر پھلیل والے، مٹھی چانپی، گزک، لوز، پیڑے، پیٹھے، گلال اور گلاب کے گجرے بیچنے والے یک قلم موقوف ٹھہرے اور تو اور استادوں کی بغلوں میں بیٹھنے والے شاگرد گوشے، تنا ے ٹھکیے، دم ہو حجرے کونوں کھدروں، دروازوں سے جھانکا لینے والوں کو بھی دیس نکالا مل گیا تھا۔ اَب ہر روز سرِ شام کشمیرے سنگھ کا رنگ رنگیلا یکہ بڑی شان بان سے، چوبارے کی پائیں گلی میں کالے خان کی ناک نیچے، ٹھیلے کے برابر بڑے طمطراق سے آ براجتا...... [illegible] کے [illegible] کی مانند تنا ہوا گاڑی بان، اپنی مخصوص زبان میں [illegible] باادب رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے [illegible] رنگین پھندنوں والی چمڑی لگا [illegible] پیتل کے چمکتے ہوئے کنول میں اُڑوستے ہوئے نیچے اُترتا...... بڑے لگے بندھے انداز میں گاڑی سے پائیدان [illegible] باہر نکالتا پھر وحیرج پکڑ کر ہاتھ باندھے سرخمیدہ سا استادہ ہو جاتا...... کشمیرے سنگھ کسی ریاستی تعلقہ دار کی مانند [illegible] پگ دھرتا ہوا فروش فرماتا کہ دیکھنے والے پلک جھپکنا بھول جاتے۔ ادھر کالے خان یہ سارا منظر، کارروائی اپنے کلیجے پہ جھیلتا...... کم ہی کبھی ایسا ہوا کہ کشمیرے سنگھ کے یہاں پہنچنے کے بعد وہ چیں چپڑے یہاں کھڑا رہا ہو۔ اس کے براجتے ہی وہ اپنا ٹھیلا سمیٹنا شروع کر دیتا۔ پھل وَل بکیں نہ بکیں وہ سر نیہوڑے پچھلے صحن کی طرف چل دیتا۔

اَب تو وہ پھل پھول بھی اتنا ہی لاتا جو دِن ہی دِن میں نکل جائیں...... یہ رئیس کون ہے کہاں رہتا ہے اس کا کاروبار کیا ہے؟...... اسی نوع کے بہت سے سوالات ان کے ذہن میں کچھوؤں کی مانند کلبلاتے رہتے۔ ایک دُکھن اس بد مغزے گاڑی بان کی بھی تھی۔ بے اوقاتا سیدھے مُنہ کسی سے بات کرنا اپنی ہتک سمجھتا تھا۔ اب تک اس کی کسی بات کا اُس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ جواب دینا تو در کنار وہ تو اس کی جانب دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا تھا...... مونچھوں کو بل دینا اور بیڑی پینا...... بس دو ہی اس کے مشغلے تھے۔

سفیداں بائی اب جیسے کسی کو پہچانتی ہی نہ تھی۔ کار قضا اگر کسی سے سامنا ہو جاتا تو وہ طرح دے جاتی تھی۔ اس کے رنگ ڈھنگ بھی اب پہلے سے نہیں رہے تھے۔ لگتا تھا وہ پہلے والی سفیداں بائی کسی دیس سدھار گئی ہے' اپنی جگہ وہ اپنی سی سُدھ بُدھ' صورت بسوروالی کوئی لڑکی' خانہ پُری کے لئے چھوڑ گئی ہے۔

سچ ہیں وہ جو سیانے وِدوان کہہ گئے کہ جو ایک دفعہ محبت کے مرض میں مبتلا ہو جائے...... پریم پاتک میں پھنس جائے یا جسے پریم روگ کی عشق پیچاں اپنی لپیٹ میں لے لیوے وہ دین وڈنیا سے فارغ' نہ اپنے جوگا نہ دوجے کے کاج کار رہتا ہے۔

چند دِنوں میں ہی سفیداں بائی کی ایسی حالت ہو گئی کہ اسے کشمیرے سنگھ کی دلجوئی اور خاطر مدارت کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ ہر لحظہ صفائی ستھرائی کا دھیان خاص طور پہ خانہ زادوں کو بات بات پہ پھٹکار ——— پھول' بخور' صفائی ستھرائی' پکوان پیچوان...... کیا مجال جو کسی توشک' چاندنی' تکیئے غلاف پہ کہیں داغ دھبہ یا شکن دکھائی پڑے...... کوئی چیز اِدھر اُدھر یا کسی کام میں دیر سویر ہو جاتی تو میّا دھیّا ایک کر رکھ دیتی۔ کالے خان بہت کم سامنا کرتا تھا...... اس سے بھی وہ چڑنے لگی تھی کہ [illegible] کبھی دونوں [illegible] یہ حالت ہو گئی کہ ہر کوئی اس [illegible] چپ چاپ پھرتا تھا۔ [illegible] برسوں [illegible] لیے ہوتے۔ کشمیرے سنگھ [illegible] زادہ پوٹلے باندھ کر روپوں کے لاتا اور جیبیں جھاڑ کر اُٹھتا تھا۔ جو کہتے ہیں کہ گنگو چاندی سا [illegible] دیوے تو اس کی [illegible] سینگ بھی نہیں دکھتے بلکہ بہت بھلے لگتے ہیں...... کھلتے پوٹلے تو اندر کا مال [illegible] فرشی ریزگاری کی بھی سینکڑوں میں گنتی ہوتی۔ اُستادوں' سازندوں کی خوب ریل پیل تھی ایسے میں مُنہ سے کون بولتا۔ سب ہی سادھ لیے بیٹھے زر کی دھار دیکھے اور مُنہ ماتھا چپڑا کیئے تھے۔

کالے خان تو شروع سے ہی رزق حلال پہ لگا ہوا تھا...... اصیل تھا اس کارن غُصیل تھا۔ اشراف کا تخم' جو اِدھر پڑے پڑے چپلا پڑ گیا تھا۔ سفیداں بائی کی ایسی بے رُخی اور کج ادائی پہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا لیکن منہ سے کچھ بک بول نہیں رہا تھا۔

باپ بڑے ہوئے تجربہ کار بزرگ بتاتے ہیں کہ رتّی ماشے تولے خالص غیرت مند کو محض چند راتیں کسی بیسوا کے کوٹھے یا کچھ عرصہ اس بازار کی کسی دوکان تھیئے پہ کھڑا کر دو اور پھر پرکھ کر دیکھو پورا پورا چوبیس قیراط بے حیا' بے غیرت' بے ضمیر اور بدلحاظ بے دیدہ نکلے گا...... جہاں خوشبوؤں اور معطر فضاؤں' ہواؤں کی کثرت ہوگی وہاں سے گزرنے والے بھی شاد کام ہوں گے اور جدھر فضا مکدر' دھندلی' متعفن اور سڑاند

سی ہو گی وہاں لاکھ مُنہ ناک پہ رومال رکھ کر گزرو طبیعت اور مزاج مالش کرنے ہی لگتے ہیں۔

مانا کہ کالے خان کا دال دلیہ اپنا تھا اس کے کوٹھے کے مال کا لقمہ بھر بھی اس کے لئے حرام تھا...... پَر سانس سادھ تو وہ اسی پراگندہ ماحول میں لیتا تھا۔ اُٹھنا بیٹھنا علیک سلیک' دم دُعا اسی بازار کے وسیکوں سے تھی...... حیا آتے آتے آتی ہے اور اس کے جانے میں محض دو چار بے حیا مُنہوں ڈھوں پھٹ قسم کے ملنے جلنے والوں کی عنایات ہی کافی ہوتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے حیا کی چڑیاں پُھر سے اُڑ جاتی ہیں اور پھر' پُھر سے اُڑی ہوئی چڑیاں کب کسی کی گرفت میں آتی ہیں۔

● برزخ کا پُل یا بلیک ہول......

وقت تو مٹھی کی ریگ کی طرح ہوتا ہے' دانہ دانہ' ذرہ ذرہ کھسکتا رہتا ہے لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ مٹھی بھری ہوئی ہے۔ "ابھی تو میں جوان ہوں" پھر پتہ تب چلتا ہے جب مٹھی میں ریت کی بجائے صرف اور صرف خلاء باقی رہ [illegible] ہیں۔ شاید یہی عدم کا بلیک ہول ہے جس میں [illegible] و بقا و فنا [illegible] جوڑ توڑ کا ایک لامتناہی سلسلہ [illegible] ہر لحظہ ری سائیکل ہوتا رہتا ہے۔

رُتیں آئیں رُتیں گئیں ساون بھادوں بیتے' برساتیں [illegible]...... کتنے مَرے کتنے جیئے...... وقت کروٹ پہ کروٹ بدلتا رہا۔ نہ بدلا تو اِن دونوں کا چلن...... اَب تو سفیداں بائی نے باہر کے جلسوں اور پروگراموں میں بھی شرکت نہ ہونے کے برابر کر دی تھی۔ پرائیویٹ محفلیں تو اِک زمانے سے ختم ہو چکی تھیں...... یوں ظاہر ہوتا تھا کہ سفیداں بائی نے اپنا سب کچھ' زندگی' وقت' فن' گائیکی' سونا جاگنا' ہار سنگھار صرف اور صرف کشمیرے سنگھ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اَب کچھ عرصہ سے سفیداں بائی' کشمیرے سنگھ کے ساتھ باہر بھی جانے لگی تھی...... سرِ شام یا رات کے کسی پہر یکّے میں سوار ہو کر کہیں نکل جاتے...... لیکن صبح سے پہلے پہلے سفیداں بائی بہر صورت واپس آ جاتی۔

کالے خان ساری رات اپنی کوٹھری کے باہر بیٹھا اسی کے پلٹنے کا اِنتظار کھینچتا رہتا۔ کُھلے کان اس کے یکّے کے گھوڑے کی مخصوص آہٹ پہ لگے رہتے۔ وہ ان سُلگتے دنوں اپنی ناآسودگی اور آسودگی کے درمیانی برزخ میں لٹکا ہوا تھا۔

برزخ۔۔۔۔۔۔؟ مجھے ایک وقت سمجھائی دیا کہ وقت' فاصلہ اور گردش' ان تینوں کا برزخ۔۔۔۔۔۔ افلاک کا کائنات کی اندھیری لامتناعی گہری غار کی صورت ہے جسے عالمانِ افلاکیات وسمٰوات بلیک ہول کہتے ہیں۔ اس کائناتی بلیک ہول کی مانند ایک انسانیاتی بلیک ہول بھی ہوتا ہے' بااینکہ اسے دریافت کرنا ہر کسی کی دسترس میں نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔ دبی ہوئی صلاحیتوں اور حیثیتوں کی طرح یہ بھی کہیں معدوم سی کیفیت میں دبا پڑا ہوتا ہے۔

اس کا تو نام ہی کالے خان تھا۔ جسے رام پوریے اپنے مخصوص لہجے میں ''کالا خول'' کہہ گزرتے تھے۔ ہر چند کہ کالے خان بہ ظاہر کالے خان ہی تھا مگر بہ باطن وہ شاید کالا خول یعنی بلیک ہول تھا۔ وقت' فاصلہ اور گردش کا برزخ! ان تینوں کیفیتوں' قوتوں کی ری سائیکلنگ کا فاضل فُضلہ۔۔۔۔۔۔ یہ شاید دُنیا کے اُن چند کالے کالوں میں سے ایک کالا تھا جو کسی طور اپنے اندر کی کالی سرنگ دریافت کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سو نہ تو انہیں کالا موتیا اُترتا ہے' کالی چیچک اور کالی کھانسی بھی کچھ نہیں کہتی۔۔۔۔۔۔ اس کے پاس شاید کوئی ایسا ویسا منتر تھا جو بقول بابا وارث شاہ ایسے مجنوؤں کے لئے جاننا ضروری ہے جو کسی کالی لیلیٰ پہ عاشق ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔۔۔۔۔۔

عاشقاں بھور فقیر تے ناگ کالے
باجھ منتروں مول نہ کیلیے نی

یہ چاروں کالی ساعت کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔ کالی رات کی کالی بُکل میں ہر شے کالی ہوتی ہے۔ کالی سوچ' کالے چہرے' کالے باطن' کالے نصیب۔

وہ خوب جانتا تھا کہ اس کی رسائی جنت والوں سے ہے اور نہ دوزخیوں تک۔۔۔۔۔۔ وہ ایک نہ معلوم منزل کی جانب گھسٹ رہا ہے۔ اندھیری لامتناعی گہری سُرنگ' خون آشام چمگادڑیں۔۔۔۔۔۔ نیچے کیچ کیچ دلدلی کیچڑ اُچھلتے پھلانگتے' کاٹتے' کُلبلاتے اندھے مریل چوہے۔ جو شاید خود کسی بدرو کی کھوج میں سرگرداں تھے۔ جو انہیں اس برزخ سے نجات دلا دے۔ یہی کچھ محسوس کرتے اور سوچتے سوچتے اس کے مفلوج دماغ کے پرزے اور مضروب کمر کے مُہرے چٹخنے سے لگتے۔۔۔۔۔۔ کبھی کبھی سوچ کی یہ لہریں بھی سر اُٹھاتی کہ اس نے تو اس حفیظ سے محض میٹھے سُروں کی بھکشا مانگی تھی کہ اس کی سنگیت سبھا کے کسی کونے میں بیٹھ کر وہ اپنے تھوتھے تن بدن کے من کی سنتاپ سمسکار کر سکے۔ اسی کارن تو اس نے سب کچھ تج دیا تھا۔۔۔۔۔۔ پھر اس کی کھوپڑی میں یہ بھی آیا کہ وہ بڑے بڑے دھنوان' مہاپُرش!۔۔۔۔۔۔ جو قسموں کے پَروان' رومیں کے توشک تکیے۔۔۔۔۔۔ سونے

چاندی کی تھالیوں میں پروسا ہوا بھوجن...... آگے پیچھے سیوا سواگت کے لئے باندھیاں' داسیاں...... زر و جواہر کے ڈھیر' شان شوکت شانتی سب کچھ تیاگ کر در در کی ٹھوکریں' ذلتیں' نفرتیں' بھوک پیاس' مَن ماری اور گُم نامی کی راہ پکڑتے ہیں آخر کچھ تو ہوگا ان اَوکھی اور اَولڑی راہوں میں...... جن کی لگن میں مگن وہ ایسے انتہائی فیصلے کر لیتے ہیں اور عمل پیرا بھی ہو جاتے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ مَن ماری اور خود ملامتی بڑی ٹیڑھی راہ ہے۔ جسم سے جاں اور دل سے اَرماں گھسیٹ گھسیٹ کر باہر نکال دیتی ہے...... رَسوئی سے چُن چُن کر روڑے اور پکوڑوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مکوڑے کھانے پڑتے ہیں۔ عزت ملے تو آہ و بکا' جوتے پڑیں تو جی جی کہنا پڑتا ہے۔ ہوا ہو کہ بہتا دریا' اُلٹا رُخ پکڑتے ہیں۔ یہ کالے شا ملامتی پابجے یہ مَن مکھے یہ مَن مارے...... قبرستانوں میں قیلولے' ریگستانوں میں پالولے اور گلستانوں میں پھپھولے کماتے جاتے ہیں۔ اُلٹی کھالوں' دِل گُردہ کلیجے کی [illegible] پایوں کی کٹا کٹ...... گرہ گانٹھ والے کھوٹے ریشمی رِشتوں...... زہر ہلاہل سے لبالب پیالوں' جھکی گردنوں بندھے ہاتھوں سے ''مَن و تُو'' کی کیسی گرہیں کھولتے ہیں...... ہمہ اُوست اور ہمہ از اُوست...... کے معنی [illegible] ان سے زیادہ اور صحیح کون جانے...... [illegible] سے ہی نکلے یہ جھکی لدی گردنیں' جان توڑ مراقبے۔ جذب و جمود کی کیفیتیں...... آہیں بکائیں' جاں سوزیاں...... جلال و جمال کے عالم۔ یہ سب وقت فاصلے اور گردشوں کے برزخ ہی تو ہیں۔ کچائی پکائی کے لئے اینٹوں کے بھٹوں کے دُود کش...... بے چین و بے کل [illegible] زخمی سُروں کے نکاس کی جِھلی...... مضطرب کلبلاتی نداؤں' فریادوں اور چیخوں کے لئے حلقوم کی نَے...... پگھلتا لاوا' اگلاتے مہیب دہانے...... پیپ اور کچلہوں کی غلاظت' تعفن بہاتے ہوئے پھٹے پھوڑے...... یہ بھی سب شاید اپنے اپنے برزخ کا بلیک ہول ہیں۔

کالے خان کی طرح کشمیرے سنگھ بھی شاید ناسودگی کے برزخ سے اُتر کر اپنے بلیک ہول تک آ پہنچا تھا۔ وہ بھی تو اپنی بے کلی' بے چینی' بے مزہ زندگی کا اُپائے تپّی سُروں کے سرگم میں ڈھونڈنے نکلا تھا۔ سفیداں بائی کے نورانی گلے اور اُس کے مَن آواز و شخصیت کے سحر میں اب وہ شام و سحر آنکھوں تک ڈوبا رہتا تھا۔ اِدھر سفیداں بائی کو کشمیرے سنگھ کے روپ میں ایک مخلص' متموّل ملوک سا منش مل گیا تھا۔ جو کسی لوبھ لابھنا سے بہت پرے تھا۔ اُس کے پاس عزت نفس کی خوشبو تھی۔ وہ احترام اور اعتراف کرنا جانتا تھا...... جو جمال اور کمال کا گرویدہ تھا۔ اِسی کی کلا کا قدردان...... جس نے چُھونا تو در کنار' اُچٹ نگہی سے بھی کبھی تاکا نہ تھا...... مزے کی

بات یہ خوب سمجھتے جانتے ہوئے بھی کہ سفیداں بائی کا تعلق قبیلہ نشاط وطرب سے ہے۔ جفا کاری اور وفا کُشی جن کے پیشے کے تقاضے ہیں...... جو غمزوں اور عشووں کا بیوپار کرتے ہیں۔ جن کے شبستان گُل اندامُوں اور شیریں مقالوں سے عشرت بیدار رہتے ہیں۔ ہوش وخرد کے پَر جلتے ہیں۔ داد ودہش اور دولت کے ڈونگرے برستے ہیں۔ جہاں راتیں پگھلتی اور دن ٹھٹھرتے ہیں...... مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ دِل آنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ آنکھیں بند اور زبان پہ تالے ہوتے ہیں' کچھ سُجھتا ہے اور نہ کچھ مُنہ پُھٹتا ہے۔

● پگانازآ کوچۂ دِل پہ غُبار......!

جو کچھ ہُوا عجیب ہُوا کہ کالے خان کچھ دنوں کے بعد بجلی پکے ہوئے پھوڑے کی طرح خود بخود پھوٹ پڑا۔ بس یونہی اسے ایک موقعہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ رسوئی کی کھڑکی میں مٹی کے تھیلے میں سفیداں بائی کے بالوں کے لیے [illegible] کے پتے چھلکے بھگوئے رکھے رہتے تھے۔ دوپہر بیتنے پہ کنچن اور مُنی تھیلے سے لوٹا بھر پانی نتھار کے سفیداں کے گھنے گھمبیر بال دھوتیں...... پھر خشکی کے [illegible] ملکے ہاتھ تھپیلی اور روغن [illegible] دام ملا کرتا لو چھوتیں۔ جس [illegible] اور مضبوط پڑتے...... کہیں کی چھلانگ چھلاپے سے تھیلا مُوندھا پڑا تو سب کی کم بختی آ گئی...... سر نہ دھونے اور تالو کنپٹی کی مالش کا ایک [illegible] نہ بھی اس کی جان ضیق میں ڈال دیتا تھا...... جہاں سر ذرا بوجھل ہو جاتا وہاں چکر بھی آنے لگتے۔ کھوپڑی کا [illegible] کھوپا جیسے چٹخنے کو پڑتا...... رسوئیے قادر بخش کے مُنہ سے کہیں افیون کی پینک میں نکل گیا کہ کالے خان ادھر کھڑکی کی باہر دکھائی پڑا تھا۔ بس یہیں کالے خان کی طلبی ہوگئی...... بلانے بھیجنے پہ جہاں تہاں کالے خان' سفیداں بائی کے خلوت خانے میں چلا گیا۔ سفیداں بائی نیم دراز کسلمندی چھپر کھٹ پہ پڑی تھی...... دوچار خادم پیشہ اور رسوئیا قادر بخش بھی موجود تھے۔ تھیلے کے اوندھے پڑنے کے متعلق اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں اُدھر کھڑکی کے پاس الگنی کی رسّی باندھنے ضرور گیا تھا مگر میں باہر تھا تھیلا اندر گرا۔ پھر اس سے میرا کیا سروکار بنتا ہے۔"

پھر آہستگی سے جیسے یاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں تو کئی روز سے چوبارے کی چوکھٹ تک نہیں اُلانگا اور نہ ہی اُدھر رسوئی یا نیچے دالان میں

وہ جب قدرے روہانسو سا ہونے لگا تو سفیداں بائی نے ہاتھ کے اشارے سے تمام ملازموں کو وہاں سے ٹہلایا...... پھر قدرے خشمگیں سی کہنے لگی۔

''اس میں پھسکنے کی کیا بات ہے' اگر تم سے جتیلا اوندھا نہیں پڑا تو کہہ دو کہ مجھ سے ایسے نہیں ہوا...... قادر بخش نے یونہی کہہ دیا کہ تم وہاں کھڑے تھے۔''

''ہاں' سفیداں بائی! بس یونہی تو کہہ دیا جاتا ہے۔ مَیں نے بھی ایک بار یونہی کہہ دیا تھا کہ مَیں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا یا مانگتا بس اپنے جلسے محفل میں بیٹھ لینے دیا کرو...... کسی ایک کونے کھدرے میں' جدھر میں کسی کو نظر نہ آؤں...... آج کئی روز گزر گئے تمہیں سُننا تو در کنار تمہاری صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں...... کیسے کٹھور سے دن اور بچھوؤں کے ڈنک لگاتی راتیں مَیں نے انگاروں پہ لوٹتے ہوئے بِتا دیں۔ تم نے سر نہ دھونے پہ ایسا فساد اُٹھایا اور اُلٹا مجھ پہ جتیلا اُلٹانے کا الزام بھی دھر دیا۔ مَیں نے زندگی سے ہاتھ دھونے پہ اُف تک نہ کی۔ تم نے ایک دھتکار کی خاطر مجھے اس سُر سنگتی سے بھی رہت کر دیا۔ وہ ایک چڑھتی سانس میں یہ سب کچھ کہہ گیا تھا۔ جیسے اسے آج ہی یہ سب کچھ کہہ دینا ہو۔

کوئی چاہے [illegible] کوئی [illegible] بخش گھوڑا...... یہ خانہ خراب اپنے عذاب نکالے بنا نہیں رہتے...... جنگ میں کودا ہوا جنگجو اپنی جان کی پروا نہیں کرتا' اسی طرح محبت کی مے میں مست منش بھی اپنی عزت کی حیا نہیں کرتا۔ ٹکے کی معشوق کے آگے اپنی لاکھوں کی عزت کا صندوق رکھ دیتا ہے...... کدھر راجہ [illegible] کا راجہ بھوج اور کہاں فتح گڑھ کے تختے [illegible] کی گنگو تیلن!...... مگر یہ میلن بھی ملانے والے نے خوب ملایا تھا۔ وقت' وقت اور بخت' بخت کی بات ہوتی ہے۔ عشق میں کوئی ذات ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی اوقات ہوتی ہے...... یہاں تو مات' مات اور محض مات ہی ہوتی ہے۔

وہ چند ثانیے عجیب سی نظروں سے اسے تولتی رہی پھر آدبدا کر بولی۔

''تم نے کہہ دیا جو بھی کہنا تھا...... اچھا ہوا تم نے اپنے اندر کا اندوہ نکال باہر کیا...... تب ہی تو کچھ دھیرج پکڑو گے۔ جہاں تک مَیں جانتی اور سمجھتی ہوں تم مجھ سے صرف عقیدت رکھتے ہو۔ یہ عقیدت' محبت سے کمال اُوپر کی چیز ہوتی ہے...... محبت میں جذبات کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اور عقیدت صرف اور صرف حقیقت ہوتی ہے...... سُنا ہوگا' محبت اندھی ہوتی ہے جبکہ عقیدت اک دیدہ بینا ہوتی ہے۔ محبت' شکوے شکایتیں' سچ' جھوٹ اور دو بیوقوف' ڈرامہ گیر' جذبات پسند افراد کے درمیان شاید ایک ریت کا پُل ہوتی ہے۔ جس کے

آس پاس شک' بدگمانی اور بے اعتماد کے جھکڑ' آندھیاں مسلسل زور آزمائیاں کرتے رہتے ہیں۔ عقیدت میں حسد اور شکوہ نہیں ہوتا۔ ہم دوکاندار لوگ ہوتے ہیں' یہاں عقیدتیں نہیں پالتے یا بیچتے۔ ہم ادھر ہنر' ادائیں' حسن' جسم' جلوتوں اور خلوتوں کے سودے کرتے ہیں۔ تم شاید نہیں جانتے ایک طوائف کو اپنا پیشہ کمانے کے لیے بہت کم عرصہ دستیاب ہوتا ہے۔ محض چند سال شباب اور پھر بہت سے لمبے برس بڑھاپے کے ذلیل عذاب کے ــــ اِسی مختصر مُدت میں وہ سب کچھ کر لینا چاہتی ہے۔"

کالے خان' اُس کی تلخ حقیقت سے لتھڑی پتھروی باتیں سُن کر حیران سا سوچ رہا تھا کہ اِک جہاں دیدہ طوائف سے بہتر عزّت' عزلت' آغاز و انجام' اچھائی بُرائی اور محبت و عقیدت کو' کون جانتا ہوگا۔ ہکلاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا......!

"کالے خان! میرے یہاں ہر قسم کے قدر دان آتے ہیں اور مجھے ان کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کچھ قدر دان اپنے اور میرے درمیان کسی تیسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتے...... وہ کھری چاندی کی کھنکتی اور کھنکتے سونے کی اشرفیاں' خلوت کی شرط پہ ہی نذر کرتے ہیں۔"

کالے خان تڑپ کر بولا۔

"[illegible]"

"بائی' کالے خان! تم ایسا کہہ سکتے ہو۔"

"ایسا کرو تم بھی اپنے چوبارے کے دروازے بند کر دو۔ یہی کچھ میں بھی تمہیں دے سکتا ہوں۔"

اک استہزائیہ سی ہنسی کے ساتھ اس نے جواب دیا۔

"یہ یک طرفہ تو ہو سکتا ہے' دو طرفہ نہیں۔"

کالے خان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں......!"

"یوں سمجھو کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجے تو تڑک کی آواز گونجتی ہے یعنی میں بھی تمہیں قبول کروں تو بات بنتی ہے۔ تم قارون کا خزانہ بھی میرے قدموں میں ڈھیر کر دو تب بھی تم خشخاس کے برابر وہ توجہ اور اپنائیت حاصل نہیں کر پاؤ گے جو شری کشمیرے سنگھ کے لیے میرے من میں پیدا ہو چکی ہے۔ اب وہ مجھے چاہے یا کچھ بھی نہ دے تب بھی میرا تن من سب اُسی کا ہے۔"

کالے خان' سعیداں بائی کی گفتگو سُن کر حیران رہ گیا...... پہلے تو کبھی اِس نے ایسی بیباک گفتگو نہیں کی تھی...... وہ پُوچھ بیٹھا۔

''تم نے تو ابھی کہا تھا کہ طوائف کے لیے صرف اور صرف دولت ہی سب کچھ ہے؟''

''ہاں' کہا تھا...... اور اب بھی یہی کہتی ہوں۔ لیکن جب کوئی طوائف کسی کو اپنا میت مان لیتی ہے تو پھر اپنا سب کچھ اُس پہ قربان بھی کر دیتی ہے...... اور اپنے پلّے سوائے اُس کے پیار کے اور کچھ بھی تو نہیں رہنے دیتی......'' وہ بڑے پیار سے پوچھنے لگی۔

''کالے خان! تم میری کلا کے عاشق تھے یا میرے...... تمہیں یہاں کس نے باندھ رکھا ہے...... وہ عقیدت یا محبت...... جواب دو......؟''

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میری سُروں کی ملکہ ہو۔ تمہارے سُر...... تمہارا اندر سنگیت میرے بیکل من کو شانتی دیتا ہے...... میں نے تم سے تمہارا جسم اور تمہاری سندرتا نہیں چاہی۔ بس یہی کہ مجھے اپنی سنگیت سبھا میں بیٹھنے دیا کرو۔''

''میں کشمیرے سنگھ کی موجودگی میں کسی کا بھی وہاں بیٹھنا پسند نہیں کرتی...... اور ہاں' شاید میں بہت جلد اس بازار اس کوٹھے چوبارے سے بھی اُٹھ جاؤں...... مجھے شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ میں اور کشمیرے سنگھ [illegible] ہے ہیں اور اب ایک دوسرے کے لیے ہی جئیں اور مریں گے۔''

وہ کچھ ٹھہر کر پھر کہنے لگی۔ ''اگر تم چاہو تو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' اپنا آگے کا راستہ مت کھوٹا کرو۔ دیر بدیر میں شاید یہ دھندا چھوڑ کر کشمیرے سنگھ کی حویلی منتقل ہو جاؤں۔ ظاہر ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جا سکوں گی اور یہاں میرے پیچھے اِن بازاری لوگوں کے ساتھ تم نہیں رہ سکو گے...... بولو! کیا کہتے ہو خوب سوچ کر جواب دینا......؟''

وہ بڑے سکون و تحمّل سے سب کچھ سنتا رہا...... پھر اسی دھیرج سے بولا۔

''میری سُروں کی سرکار! میں نے تو اسی دن واپسی کی ساری کشتیاں جلا ڈالی تھیں جس دن تمہارے نام کا قرعہ ڈالا تھا اور پھر مجھے یہاں بابا بالی شاہ اور جموں راکلوں نے باندھ لیا ہوا ہے۔ میں نے اب کہاں جانا ہے۔''

پھر وہ اسے اک حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم یہاں سے چلی بھی جاؤ' مگر رہو گی تو میرے دل میں...... اسی جموں میں اور میں جانتا ہوں کہ تم بابا بالی شاہ کے دربار پہ حاضری دیئے بنا نہیں رہ سکتی...... میں یہاں سے اُٹھ کر وہاں جا بیٹھوں گا۔ جہاں سے

مجھے کشمیر سے نکلو تو کیا...... مہاراجہ کشمیر بھی نہیں اُٹھا سکتا۔"

● وقت کی چماری چمپاوتی......!

مُطربۂ وقت کی نغمہ ریزیاں کبھی نہیں تھمتیں۔ اس کے زمزموں کے دمدمے ہر لحظہ دہلاتے رہتے ہیں۔ اس کے الاپ، تان، پلٹے اور مرکیاں مختلف انگوں، رنگوں...... جگہوں، شکلوں میں جلوہ نما ہوتی رہتی ہیں۔ تارِ نفس سے نکلا ہوا ہر نغمہ پہلے نغمے کا اک نیا روپ ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے جُدا سا، علاحدہ...... مگر دیکھنے محسوس کرنے سے یکساں ہی لگتا ہے۔ پہلے قدم کے بعد کا ہر قدم پہلے اُٹھنے والے ہر قدم سے مختلف ہوتا ہے۔ کچھوا چھوٹے چھوٹے پگ دھرتا، رواں دواں کم ہی محسوس ہوتا ہے۔ مگر وہ صدیوں کے فاصلوں کو یوں طے کر لیتا ہے کہ انسان کی تیز طرار عقل ششدر سی رہ جاتی ہے۔ ہبوطِ آدم سے لے کر آج تک کروڑوں، کھربوں سال بیت گئے، گزرتے ہوئے کبھی محسوس نہیں ہوئے۔ ہر دور کے انسان نے ہر لمحہ ہر لحظہ خود کو تازہ دم محسوس کیا اور [illegible] جیسے وقت اس پہ پہنچ کر تھم سا گیا۔ بس [illegible]

چیونٹی کی چال چل کر چماری چمپاوتی، چنبل کی پہاڑیوں سے چل اس تک آ پہنچی تھی۔ اسے بس یہی محسوس ہوا کہ اس راہ میں صرف ایک پگ ہی چلی۔ وقت بڑا اکھڑ ہوتا ہے، اس کا کاٹا میٹھا سواد...... نہ چکھے بنے اور نہ چھوڑے۔ یہ نٹ کے تماشے دکھاتا ہوا [illegible] کو ہونا اور ہونے کو انہونا کر بنا دیتا ہے۔ وقت کا پیٹ ہمیشہ اسرار و رموز، حکمت و مصلحت، نفرت و محبت، شقاوت و شفقت اور عداوت و عدالت سے بھرا رہتا ہے...... اس کے ایک ہاتھ خنجر اور اس کے دوجے ہاتھ مرہم...... کبھی زہر اور کبھی تریاق...... نجس، کبھی پاک...... یہی وفا ہے اور پھر یہی دغا ہے۔ یہی صبر، یہی جبر...... کبھی ثواب اور کبھی عذاب...... یہ دوست کبھی اور کبھی دشمن...... ان دنوں یہی ہوا عجب وقت، سفیداں بائی کے سر پہ ہُما جیسے کسی پرندے کا پَرتو بنا ہوا تھا۔ وقت دوست بن جائے تو دشمن بھی جی جان بن جاتے ہیں۔ جَو بیجو تو گندم، پیتل چھولو تو کندن بن جاتا ہے۔ کچی کی چھتری پہ شیرازی کبوتریاں اور لکے کبوتر اُتر آتے ہیں...... کمیٹی کی پرچی نکل آتی ہے...... بھینس دو دو جھول دیتی ہے...... عمرے کا ٹکٹ، قرعے میں نکل آتا ہے اور ڈوبی رقم تر جاتی ہے...... سفیداں بائی کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا...... وقت کی سکندر بختی نے اسے کوٹھے سے نکال کر حویلی میں لا اُتارا تھا۔

پُرکھوں کی نشانی پرانی حویلی کا اب نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ڈیوڑھی، تھڑے، محرابیں، غلام گردش، جھروکے اور اُونچی کاٹھ و بام کے وسیع و عریض کمروں کو ایسی خوبصورتی اور نفاست و مہارت سے آراستہ کیا گیا کہ قدامت اور جدیدیت دونوں کے انداز و محاسن بڑی دلفریبی سے اُبھر کے سامنے آ گئے تھے۔ لان اور وسیع باغیچے میں کشمیر کے قیمتی خوش رنگ پھل پھولوں کے درخت، پودے اور جھاڑ جھالرے کچھ ایسی ترتیب و ترکیب سے اِستادہ و آراستہ تھے کہ نظارہ کرنے والا صاحب خانہ کے ذوق و جمال اور حسنِ نفاست کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ پرانی وضع قطع کا کشمیری مسلمان ملازم، پہلگام کی دو مامائیں، شری نگر کا رَسوئیا اور خبرداری پہ مامور مسلح گورکھا...... گاڑی بان، سائیس، گجرے، سہرے سنگار کے لئے گلمرگ کی مالن۔ ہر حکم بجا لانے پہ معمور و مستعد، خدام اور تن من دھن سے عاشق، کشمیرے سنگھ سا شوہر...... سفیداں بائی کو اور کیا چاہئے تھا؟

کشمیرے سنگھ نے صرف دو باتیں کی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اُس سے کورٹ میرج کرے گا اور اپنا دھرم نہیں بدلے گا۔ دوسری یہ بات...... کوٹھے سے اُترنے کے بعد وہ اپنا ماضی فراموش کر دے گی...... اپنے ڈیرے، کوٹھے، بازار یا کنجر قبیلے کے کسی فرد سے کوئی تعلق یا رابطہ باقی نہیں رکھے گی۔ کشمیرے سنگھ نے لاکھوں کی جائیداد، زیورات، جواہرات سفیداں بائی کی جھولی میں ڈال دیئے تھے۔

سفیداں بائی نے اپنے دین دھرم پہ قائم رہتے ہوئے کشمیرے سنگھ سے بیاہ کر لیا تھا...... بیاہ بھی کیا تھا اِک چھوٹی سی تقریب جس میں کشمیرے سنگھ کے چند قریبی دوست اور رشتہ دار شامل ہوئے۔ سفیداں بائی کی جانب سے ایک کشمیری مولوی صاحب اور ایک نیم نابینا قاری صاحب جو اسی بازار کی نکڑ والی مسجد میں خادم مدرس، موذن اور امام بھی تھے۔

سہاگ رات، کشمیرے سنگھ نے اُسے ایک بیش قیمت الماس کی انگشتری تحفہ میں پہنائی تھی۔ اسی اُنگلی میں جدھر کبھی اُس کی ماں کی دی ہوئی انگوٹھی ہُوا کرتی تھی۔ جو گم ہو چکی تھی اور بالکل ایسی ہی انگوٹھی اُسے کالے خان کی اُنگلی میں پڑی ہوئی دکھائی دی تھی...... پوچھنے پہ اُس نے بتایا تھا کہ یہ انگوٹھی اُس کے مرحوم باپ نے اُس کی مرحومہ ماں کو کبھی خود پہنائی تھی۔

بالکل اسی سمے سہاگ رات اُسے کالے خان یاد آ گیا۔ نادان، معصوم...... اگر وہ یہ انگوٹھی والا راز جان جاتا تو اُس پہ کیا بیتتی۔ سفیداں بائی پہ تو اس لئے کچھ خاص اثر نہ ہوا کہ اُس کے پیشے میں رشتوں ناتوں کو کچھ اہمیت نہیں دی جاتی اور اگر وہ کچھ اہمیت دینا بھی چاہتی تو اب حالات کی پن چکی کو پاٹ ہوا بہت زیادہ گھُما اور گھِسا چکی تھی۔ اب تو محض یک طرفہ سانجھے خون کا ہلکا سا احساس و بھرم قائم رکھنا بھی بڑی بات تھی—

سفیداں بائی اسے بصد مجبوری و کراہ نبھا رہی تھی۔

یہ کشمیرے سنگھ والا معاملہ بھی شاید اس کے لاشعور میں اُبھرتی ہوئی کسی خلش خدشے کا ردِ عمل تھا۔ [illegible] میں وہ کالے خان کا سامنا کرتے ہوئے کتراتی تھی۔ آخر تھی تو اشراف کا خون...... اَب یہ علیحدہ سی بات تھی کہ شراف نے اپنا خون کس گندی موری میں انڈیل دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ رذیل کیسا بھی شرافت کا لبادہ اوڑھ لے وہ اپنا اصل رنگ ڈھنگ چھپا نہیں سکتا۔ جبکہ شریف خاندانی انسان کیسے بھی معاملے میں یا کیسے بھی بُرے برگشتہ حالات کا شکار ہو۔ وہ اپنی نسبی حسبی خُوشبو مہک کو لکا نہیں سکتا۔ بھلا مانس اپنا سَم ہمیشہ خیر و خول پہ ہی رکھے گا۔ جیسا کہ کالے خان نے بھی اپنی بات کے تلے کی مٹی نہیں چھوڑی تھی۔ سفیداں بائی ادھر چوبارے کی سیڑھیوں سے اُتر رہی تھی تو وہ پچھاڑے جانب چند تصویرِ بُتاں جو سفیداں بائی کی تھیں اور اپنا برائے نام سا جینا مرنا جس میں ڈبائے کوٹھے اور کوٹھڑی کو الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوا نکل رہا تھا...... جبکہ سفیداں بائی بھی اس کی دی ہوئی جائفل کاٹھ کی سُرمہ دانی، اپنی دستی تھیلی میں ڈال لائی تھی۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا اپنے ڈیرے [illegible] کے ڈولے میں ڈال دیا تھا۔ رُخصتی سے وہ چُپ چاپ راضی برضا سا اپنے بے ثمر تھیلے کے پاس کھڑا سفیداں بائی کو کشمیرے سنگھ کے تانگے پہ سوار ہوتے دیکھتا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی [illegible] ہے جس کی [illegible]...... وہ یوں سفید چادر اوڑھے تانگے میں بیٹھ گئی تھی جیسے بازار سے سودا سلف لینے کے لئے جا رہی ہو۔ مگر ہاں اس نے اِک [illegible] کا دیا ہوا اِک [illegible] کی ہتھ پوٹلی میں تھا اور یہی واحد چیز تھی جسے وہ اس کوٹھے سے لے کر نکلی تھی...... سُرمہ دانی!...... کپکپاتے ہاتھوں سے کالے خان نے اسے الوداع کہا...... اُس نے بھی پھیکی سی مسکراہٹ سے اسے جواب دیا تھا پھر جب تک تانگے کا پچھواڑا دکھائی دیتا رہا...... وہ دم بخود کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ اک لمبی سی سانس کھینچتے ہوئے بابا بالی شاہ کے مزار کی جانب چل دیا۔

- موج فقیر دی، مرضی بے پیر دی......!

سفیداں بائی کو دی ہوئی سُرمہ دانی بھی خوب تھی...... اسے یاد تھا کچھ عرصہ پہلے ایک جمعرات کے [illegible] کے ویلے وہ سفیداں بائی کی معیت میں بابا بالی شاہ کے مزار پہ حاضر ہُوا تھا۔ وہ اندر بر آمدے میں عورتوں کی سنگت میں پڑ گئی۔ یہ باہر تاروں اور پیڑوں کی چھاؤں میں سنتوں جگتوں درویشوں کی صحبت میں دم کش دھرنے بیٹھ گیا۔ یہیں ایک ننگ دھڑنگ مجذوب بھی اپنے آپ میں مست سا پڑا ہوا تھا......

آلے دوالے والوں سے پتہ پڑا کہ چند روز پہلے کہیں اُوپر کے برفانی پہاڑوں سے نیچے اُترا ہے۔

یہ مجذوب بابے بھی شاید دیوانوں اور فرزانوں کے مابین کی کوئی چیز ہوتے ہیں۔ جہاں لنک گئی وہاں لُٹ گئے اور جدھر ٹھیر پڑی اُدھر ہی ٹھٹھک گئے...... مَن چلنے پہ چل پڑے اور نگہ ٹھہرنے پہ ٹھہر جاتے ہیں— کچھ جان نہیں پڑتا تھا یہ بابا ہندو ہیں یا مسلمان؟ شاید ایسے مجذوبوں کو مذہبی کھکھیڑوں میں پڑنے سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہوتی۔ جٹادھاری کہ مُنہ ماتھا' ناک نقشہ کچھ بھی تو واضح دکھائی نہیں دیتا تھا...... ہڈیوں پہ منڈھی کھال...... میلے کچیلے چیکٹ میں گندھے ہوئے بالوں کا دلدلی جنگل...... ہتھیلی سے ذرا چھوٹی چمڑے کی دھجی تلی سے چپٹی ہوئی ناف کے نیچے لٹک رہی تھی۔ سینگوں کی مانند' مڑے تُڑے غلیظ' مکروہ ناخن آپس میں گتھم گتھا' لعاب دہن سے لتھڑی پتھری مونچھیں۔ داڑھی کے ریشوں' بھنوؤں اور تکدر و تعفن کے اُٹھتے ہوئے بھبکوں سے پتہ چلتا تھا کہ بابا برسوں صفائی ستھرائی کے قریب نہیں پھٹکے۔ سر کی جٹاؤں اور پنڈے کے زرد رو بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پیر فرتوت کہیں برفانی پہاڑوں کی اندھیری کھوہوں غاروں میں برفانی ریچھوں کی ساجھے داری میں بسر بسرام کرتے رہے ہیں۔ جوگی' سنیاسی' فقیر درویش وغیرہ پہاڑوں سے نیچے وادیوں میں اترتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک لوک گیت سنا تھا اس کا معنی خیز سا بول [illegible] تک ذہن میں [illegible] ہے

جوگی اتر پہاڑوں آیا' سُپا تیری نُور ویکھ کے

پہاڑوں سے اُترنے والے جوگی لوگ کچھ اس طور ننگ دھڑنگ بھی نہیں ہوتے کہ کوئی آنکھ اٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے...... ان کے ہاں [illegible] ستر پوشی کا اہتمام بہرطور ہوتا ہے مگر مجذوب تو جیسے ہر شے سے بے نیاز سا ہوتا ہے۔ اسے احساس و احتمال' خوف و خجالت' تکلف و تردد سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ جب نظر ہی کچھ نہ آوے' سنائی ہی کچھ نہ دے' سوچ و سمجھ کے سوتے ہی خشک پڑے ہوں اور اندیشہ سود و زیاں کافور ہو جائے...... اپنے پرائے کا مفہوم' منفی اور مَن و تُو کی تکرار متروک ہو جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟— بارے شاید پھر باقی جذبات کا جذام ہی رہ جاتا ہے۔ ہوش کی خبر جب ہش...... اور حِس کا خروش جب خرگوش بن جاویں تو پھر مجذوب اُلٹے پڑے پھوڑے کی حالت باقی بچ جاتا ہے۔ جو لاکھ کوشش کے باوجود پھر بچ نہیں سکتا...... کارٹر پلر' ککوکوڑے اس کا لذیذ گوشت چٹ کر جاتے ہیں...... اور کاسہ سر مانند اک پیالا باقی بچ جاتا ہے جو برسات کی رم جھم ہو' مقدر سے چند قطرے قیام کر جائیں تو قلزم دِکھیں...... ورنہ دھول مٹی' گرد و غبار میں کرن ذرے دھوپ میں چمکتے دکھائی دیتے ہیں...... جنہیں جہل اندھے...... کہکشاں کے جھومر تعبیر کرتے ہیں۔

یہ بھی کوئی ایسا ہی مجذوب تھا جس سے اتفاقاً کالے خان کی مڈھ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ہر چند مجذوب کی ایک اپنی مخصوص ترنگ یا رنگ انگ ہوتا ہے۔ اس مجذوب بابے کا رنگ یہ تھا کہ اس کے سامنے ایک خاصی تعداد سرمہ دانیوں کی دھری پڑی تھی۔ لکڑی، لاکھ، کانسی، پیتل، مٹی...... رنگین منقش کی مختلف چھوٹی بڑی سرمہ دانیاں وغیرہ۔ جیسے مجذوب نے بیچنے کی خاطر دوکان سجا رکھی ہو...... کالے خان پرے بیٹھا دیکھا کیے کہ [illegible] مجذوب کے چرن چھونے آتا وہ کوئی نہ کوئی سرمہ دانی ضرور نذر گزارتا...... یہ ترنگ میں ہوتا تو نذر قبول کرکے سرمہ دانی سے سلائی کھینچ کر پپوٹوں پہ پھیر لیتا اور سرمہ دانی سامنے پڑے ڈھیر میں ڈال دیتا...... اور اگر ترنگ میں نہ ہوتا تو نہ نذر پہ نظر ڈالتا اور نہ ہی پیش کرنے والے ''نذیر بیگ'' کو نظروں میں لاتا۔

کالے خان تو یہی سوچ کر اس کے پاس بیٹھا تھا کہ کوئی الوپ انجن 'میرے کا سرمہ بیچنے والا سوانگ بھرے بیٹھا ہے۔ ابھی اس کا بیان شروع ہو گا جو اس کے سرمے کی سلائی پھیرنے والے اندھے کو دن میں تارے اور شب فراق کے ماروں کو صبح وصال کی نوید سناتا ہو گا...... کچھ دیر وہ اس کے بیان کے انتظار میں بیٹھا سرمہ دانیوں والا عجائب خانہ دیکھتا رہا...... جب اکتا گیا اور مجذوب نے بھی اسے گھاس نہ ڈالی تو وہ [illegible] پوچھنے لگا۔

''بابا! [illegible] بھی بیچتے ہو یا صرف سرمہ دانیاں ہی سامنے ڈال رکھی ہیں؟''

مجذوب نے جیسے سنا ہی نہ ہو کالے خان اس کے جواب کے انتظار میں سرمہ دانیوں پہ نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ مجذوب کی جانب سے کوئی جواب تو نہ ملا البتہ اس کو ان کنکروں میں ایک نگینہ ضرور مل گیا...... ایک [illegible] سیاہ کانچ کی بنی ہوئی سرمہ دانی...... جو اپنی طرز و ساخت، ڈھب میں یکتا دکھائی پڑی...... اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اچک لی۔ گول مٹول چھوٹے آنولے سی، پیٹ کے نیچے پیندا بھی گول اور [illegible]...... انجن سلائی کے اوپر بھی بیر بہوٹی کا ننھا سا بیر، جیسے سوکھ بجھ کر وہ سیاہ پڑ گیا ہو...... ابھی یہ اس [illegible] سادہ سی سرمہ دانی کو گھما پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک خونخوار پنجوں والا لشکرا سا جھپٹا...... یہ مجذوب [illegible] مڑے تڑے ناخنوں والا ہاتھ تھا...... سرمہ دانی نیچے مٹی میں گر پڑی۔ اس اچانک حملے سے گھبرا کر [illegible] یک دم ہاتھ جوڑتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''چھما کیجئے، مہاراج! مجھ سے بھول ہوئی۔'' کہتے ہوئے وہ الٹے پاؤں واپس ہوا...... مجذوب [illegible] نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ کالے خان ابھی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ مجذوب وہیں بیٹھے بیٹھے دھاڑتے [illegible] پوٹ ہونے لگا۔ اس پریشانی اور ترشا ترشی میں آس پاس اور آنے جانے والے بھی تماشا دیکھنے کھڑے ہو گئے...... کچھ دیر جب وہ خاک میں خوب لوٹ پوٹ ہو لیا تو بڑی دھیرج سے اپنی سیدھ بیٹھ گیا جیسے

اس کے غیض و غضب کی ساری گرم ہوا نکل گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں بھی اب گھورتا کی بجائے سنگھورتا تھی۔ ابرو گراتے، ماتھا متھراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پاس بلایا۔ یہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا...... مجذوب نے ہاتھ بڑھا کر وہی سُرمہ دانی اُٹھائی اور اُسے تھماتے ہوئے، ہاتھ کی حرکت سے یہ اشارہ دیا کہ لو اِسے سنبھال کر رکھنا اور ہر روز اِسے استعمال کرنا۔

کالے خان کو تو جیسے کوئی نعمت ہاتھ لگی ہو، سُرمہ دانی مُٹھی میں دابی، چرن چُھوئے اور وہاں سے چھو منتر ہو لیا۔ اِسی رات اُس نے سوتے سمے ترائی کا طور ایک ایک سلائی آنکھوں میں پھیر لی جبکہ سُرمہ تو اس کے اندر تھا ہی نہیں...... ساری رات اُسے عجیب عجیب سے سپنے دکھائی دیتے رہے، خاص بات یہ تھی کہ ہر سپنے میں سفیداں بائی کسی نہ کسی انگ سجاؤ میں ضرور موجود تھی...... خوشگوار، میٹھے میٹھے سپنے، اُسے لمبی رات ہلکی ہلکی پھوار میں بھگوتے رہے۔

صبح سویرے وہ اپنی کھٹیا پہ اکڑوں بیٹھا بڑے خوشگوار موڈ میں رات کے سپنوں کو تازہ کر رہا تھا مگر کسی ایک سپنے کی کوئی ہلکی سی گرہ بھی اس کے ہاتھ نہ آئی تھی...... بس اک سنہری سی دھند اور روپہلی کا غبار اُس کی یادداشت کے دریچوں سے چھن چھن کر باہر نکل رہا تھا جس میں چھوٹی چھوٹی جھلکیاں، ہلکے ہلکے اشارے، دُور کہیں جلتے بجھتے دیے سے جھلملاتے ستاروں کی مانند اُس کے حافظے کے افق پہ اُبھرتے ڈوبتے اور پھر کہیں غائب ہو جاتے۔

اس صبح کالے خان کا پہلا درشن کرنے والی خوش قسمت ناری ورگی بھنگن درشنو تھی۔ صبح سویرے سویرے وہ اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے گزرتی تھی...... پھر وہ سنڈاس سے ٹوکری بوجھ اُٹھائے مُنہ سر ڈھانپے واپس اس کی ناک کے نیچے سے یوں چھلاوے کی مانند چھلپ سی گزرتی جیسے کسی کا کچھ لے کر جا رہی ہو۔ مگر اس عُجلت میں بھی ماتھے پہ ہتھیلی رکھ کر پرنام کرنا نہ بھولتی۔

اس صبح جب پرنام کرنے سے پہلے اس کی نگاہ کالے خان پہ پڑی تو وہ کھسیانی سی ہنسی کی ٹلیاں بجاتی ہوئی اس کے قریب آئی، دیدے پھاڑے یوں اُسے تکنے لگی جیسے اُس چہرے پہ ناک کی جگہ گنیش جی کی سونڈ اُگ آئی ہو...... حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"کھان صاحب! معلوم ہوئے پورا کاجل کوٹھا ہی اَکھین میں اُنڈیل لیو ہو۔"

پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"اُوئی میّا! اَکھین یوں جھانکت جیسے بھوتوا دیکھت پڑت ہے۔"

وہ نکلی تو یہ کوٹھڑی میں آئینہ پکڑ بیٹھا...... توبہ توبہ رنگت تو پہلے ہی دُھواں دھاندل تھی اَب آنکھیں بھی

[illegible] جیسی ہو گئیں۔ سُرمہ دانی کا کاجل سُرمہ جو بھی تھا ایسے پھیلے ہوئے تھا جیسے سلائی سے نہ لگا ہو قلعی سفیدی [illegible] سے پھیر اگیا ہو...... اب وہ سُرمہ دانی کے حوالے ہو گیا...... سُرمچو نکال باہر کیا' اندر جھانکا' ہلایا' [illegible] پھر احتیاط سے ہتھیلی پہ اُلٹا لڑھکایا مگر کیا مجال جو شکرے کی آنکھ کے تل کے برابر بھی کوئی سُرمہ کاجل [illegible] ہو۔ سُرمچو کی سلائی' کلائی پہ پھیری...... ایسی صاف سُتھری کہ کوئی ہلکا سا نشان دھبہ تک نہ پڑا...... [illegible] تعجب۔ سُرمہ دانی اندر باہر سے یوں صاف جیسے کسی نے خوب دھو دھا کر اسے افشاں بھرنے کے لئے رکھ [illegible]۔ جب اس کی کھوپڑی میں کچھ نہ سمایا تو اسے شلوکے کی جیب میں ڈال کر نل کے نیچے آ بیٹھا' پانی کے [illegible] تولیا...... غرضیکہ سو جتن کر لئے پر آنکھوں میں گھسی اور پپوٹوں پہ تھپی سیاہی نہ گئی...... اسے یہ [illegible] بے ہودہ اور بے کار سے لگے کہ کالک سیاہی اور چوکھی پڑ گئی تھی...... ایسے میں وہ مجذوب دھاڑ [illegible] کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ سارا دن وہ آنکھیں چھپائے کوٹھڑی میں پڑا رہا۔

[illegible] نماز کے بعد دالان سے گزرتے ہوئے کہیں سفیداں بائی کی نظر اس پہ پڑ گئی تو وہ بھی [illegible] بنا نہ رہ سکی۔

[illegible] ......ذرا میرے [illegible] وہ ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی۔

[illegible] ...... یہ غزالوں کی اکھڑیوں والی صحرائی کا لک کہاں [illegible]۔ توبہ توبہ آنکھیں [illegible] کٹوریاں...... کہاں [illegible] یہ کالی گھٹا میں؟''

وہ اک خوشگوار حیرت میں گھری ہوئی اتنی قریب آ گئی کہ سانسوں کی تاریں آپس میں اُلجھنے لگیں [illegible]...... میدے ماوے اور مہوے کے ملیدے کی لوٹ کے پاس انفاس کی مہک سے ایسا شاد کام ہوا...... [illegible] کہ وہ اس سے کیا پوچھ رہی ہے۔ بس یہ مزے مچا کے لے کر خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس کی [illegible] کیفیت بھانپتے ہوئے مسکرا کر رہ گئی۔

[illegible] آئی گئی ہو گئی پھر اک اور اچنبھا ہوا' آنکھوں میں پھیلی اور پپوٹوں پہ تھپی ہوئی سیاہی خود بخود [illegible] اور آنکھیں پہلے والی حالت پہ آ گئیں۔ یہ اچانک تبدیلی بھی کالے خان کی سمجھ عقل سے بالا [illegible] اس نے رات پھر اس سُرمہ دانی کو آزمانے کی ٹھانی۔ خوب اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا...... [illegible] روئی لگا کر اس کے اندر پھریری پھیری مگر اندر کچھ ہوتا تو سامنے آتا۔ وہ سوچتا رہ گیا کہ [illegible] نے اسے کیا جنتر منتری سُرمہ دانی تھما دی ہے جس میں سُرمہ کا جل تو نظر نہ آوے پر جب سلائی

پھیر لو تو آنکھیں سیاہی سے پوتی جائیں۔ پھر کالی گھٹا کی طرح خوب برس کر خود کھل بھی جائیں۔ اُس کا دھیان اِدھر بھی گیا' ہو سکتا ہے کہ اس کی کاٹھ یا سُرمچو میں کوئی چمتکار ہو...... اس رات اس نے پھر ایک ایک سلائی آنکھوں میں پھیر لی تھی...... نتیجہ وہی کہ صبح آنکھیں کاجل کوٹھڑی بنی ہوئیں...... دو چار روز بعد اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ جب سے اس نے یہ سُرمہ دانی استعمال کرنی شروع کی ہے تب سے اسے ایک خوشگوار سے خنکی اور تراوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ دل دماغ جیسے روشن رہنے لگے ہوں۔ سپنے بھی سہانے آنے لگے تھے۔ گویا یہ جادوئی سُرمہ دانی اس کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔

سفیداں بائی کے بعد اگر اسے کسی کی چنتا لگی رہتی تو وہ یہی سُرمہ دانی تھی جسے وہ بڑی حفاظت اور محبت سے خوشبودار روئی میں لپیٹ لپاٹ کر شلوکے کی اندرونی جیب میں ڈالے رکھتا تھا۔

انہی دنوں وہ جمعرات کو ایک خاص اہتمام سے بابا بالی شاہ کے مزار پہ پہنچا کہ مجذوب بابا کے چرنوں میں بیٹھے گا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ مٹھائیاں بھی لیتا گیا تھا مگر وہاں استھان خالی تھا...... آس پاس سے پتہ چلا کہ بابا ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند کہیں سے آیا تھا اور پھر جانے کب آندھی کے جھکڑ کی صورت کہیں غائب ہو گیا۔

فقیروں' درویشوں کے آتے جاتے [illegible] معلوم ہو [illegible] کے دوست ہوتے ہیں [illegible] اپنی ذات [illegible] کے لئے ہی تو ہوتے ہیں۔

جو ہوا سو ہوا' اب سُرمہ دانی کی اہمیت اور حفاظت کی خاطر اس کی نازک سی گردن میں چاندی کی زنجیر ڈال دی' اسی زنجیر میں پہلے سے خلال اور کن کھروتری کی سلائیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ عین سینے پہ دل کی جگہ لٹکتی رہتی تھی۔ اب رات کو لیٹتے سے آنکھوں میں سلائی پھیرنا اس کا معمول بن چکا تھا...... آنکھوں میں جوت جگا کر رات بھر خوب مزے مزے کے سپنے دیکھتا رہتا اور اب تو آمنا سامنا کرنے والوں نے بھی اس کی آنکھوں کی کالک پہ بات کرنی چھوڑ دی تھی۔

ایک دوپہر کڑاکے کی گرمی اور لُو چل رہی تھی۔ کوٹھے اور کوٹھریوں کے مکین دم سادھے اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے پڑے تھے...... ویسے بھی پیشہ داروں میں' جن کی راتیں جاگتی ہیں وہ دن کے اُجالے میں جاگنا مکروہ گردانتے ہیں...... اَبابیلوں' چمگادڑوں' جھینگروں اور خوں آشاموں کی طرح یہ جھٹپٹے اور رات کو ہی اپنی اونگھ توڑتے ہیں...... بازو دائیں گال کے نیچے دبائے وہ بھی اونگھ رہا تھا کہ تند لو کی ایک آتشیں لہر کی طرح لہراتی ہوئی ایک ملازمہ آئی اور پیغام دیا کہ بائی جی اُس کو یاد کر رہی ہیں...... ہڑبڑا کر اُٹھا پوچھنے لگا۔ اس وقت...... خیریت تو ہے؟ سوچنے لگا اس دوپہر سے پیشہ داروں میں فوتیدگی بھی ہو جائے تو میت کو شام تک ڈھانپ کر آنکھ میچے پڑے رہتے ہیں کہ آرام و قیلولہ میں کھنڈت نہ پڑے۔ وہ مزید جانکاری کے لئے پوچھنے لگا۔

''آخر پتہ چلے کہ ہُوا کیا......؟''

وہ نازک سی ناک سکیڑتے ہوئے بولی۔ ''دُشمنوں کی طبیعت ماندی ہے۔''

''کچھ مُنہ سے بھی تو پھوٹو ہُوا کیا ہے......؟'' وہ اُٹھتے ہوئے دھاڑا۔

''خود چل کر دیکھ لو...... صبح سے چھپر کھٹ کی پٹی سے لگی پڑی ہیں۔''

بھاگم بھاگ پہنچا تو دیکھا سفیداں بائی چت پڑی ہے' ایک ملازمہ آنکھوں پہ برف کے پوٹلے سے ٹکور کر رہی تھی۔ آنکھوں کے پٹ بھٹے پڑے تھے۔ کالے خان کی آہٹ پا کر کہنے لگی۔

''کنپٹیوں کے پٹھے کھنچے پڑے ہیں۔ آنکھوں کے ڈیلوں میں ڈگل مگل ہو رہی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا بپتا پڑی...... کچھ تم ہی اپنی انکل سے چارہ کرو۔''

کالے خان کیا کہتا...... علاج معالجہ ٹوٹوں ٹوٹکوں سے اُسے کیا واسطہ...... پہلے آنکھیں ٹکا ٹکر ٹکر دیکھتا رہا پھر کچھ ساعت لے کر بولا۔

''بولو [illegible] ہاتھ سے گدی ماتھا سہلا دوں......؟''

سفیداں بائی منکتے ہوئے کروٹ بدل کر پھوٹی۔

''بھئی [illegible] میری آنکھیں پھٹنے کو آ رہی [illegible]۔''

وہ آنکھیں بندر [illegible] کی مانند پٹپٹاتے کچھ یاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''سفیداں بائی! ہمارا جب [illegible] آنکھیں کنپٹیاں اس طرح دُکھی پڑیں تو اماں [illegible] کڑوے تیل سے گردن کی رگیں کنپٹیاں چپڑ کر ہلکے ہاتھ سے مالش کر دیا کرتی تھیں' پھر گھڑی دو گھڑی آنکھیں مُوندھ لیتے تو سکون پڑ جاتا تھا...... اب پچھلے سنیچر وار کو میرے سر کا کدو پھٹنے کو آ لگا تھا۔ میا' جورو کہاں [illegible] تیل کا کھکھیڑ کرتیں۔ پس باوا کی سُرمہ دانی سے سُر مچو کھینچا اور آنکھوں سے چھوالیا تھا۔''

''سُر مچو کا سَر مندے اور ڈیلے کی دُکھن سے کیسا سمبندھ...... کالے خان؟'' سفیداں بائی نے آنکھیں میچے میچے اُونگھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''یہ کچھ تو میں نہ جانوں...... پر اتنا پتہ ہے کہ سُرمہ' سُرمہ دانی اور سُر مچو بھی سُر سے شروع ہوتے ہیں۔ جیسے طبیعت' تیوروں کی تکھٹ کو کومل سُروں کی کومتا شانت کر دیتی ہے۔ ایسے ہی میرے بابا کی سُرمہ دانی بھی میری شوریدگی سَرگردانی کو سرد کر دیتی ہے۔''

آنکھیں جھپکتے ہوئے سفیداں بائی' تکیہ چھوڑ کر اُٹھ بیٹھی۔ عجیب عجیب نظروں سے اسے تولتے

ہوئے گویا ہوئی۔

''چہ خُوب! دکھاؤ تو سہی ذرا اپنی کرشماتی سُرمہ دانی ...... بہت چرچا کیئے ہو تم اس کا ...... ہم بھی دیکھیں اس کا سُرمچو پھیرنے سے کیسے جادو بولتے ہیں آنکھوں میں۔''

پُر مُشلوکے کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال' اس نے سُرمہ دانی باہر کی ...... سفیداں بائی' سُرمہ دانی کو یوں گھورنے لگی جیسے کالے خان نے اژن سانپ کا اُترا بچہ' اپنی نیم کُھلی مٹھی میں بھینچ رکھا ہو ...... گہری ساتولی رنگت' یوں بانکی چھریری کہ بیکانیر کی سانڈل سانڈنی کی تھوتھن میں سے کسی نے بلاق نکیل گھسیٹ باہر کی ہو ...... یوں بھی کہ لکھنؤ کے کسی پشتینی نواب کے خلوت خانے میں چھپرکھٹ کی بغل استادہ' ڈیرہ دونی مہاگنی کی منقش' دیوارگیری کی محراب کلسی ...... کسی بالک کے پنگھوڑے کی ٹوئی میناری یا کسی کافرستانی دوشیزہ کے بالوں کے لڑو سے اُترا ہوا مُوگرہ پُھسن ...... [illegible] کی کچھ ساخت دیکھنے سے محظوظ ہونے کی خاطر سفیداں بائی نے اُسے کالے خان کے ہاتھ سے اُچک لیا۔ کیا اس کا گُھماؤ' بِٹھاؤ اور پیٹ تھلا تھا۔ لا[illegible] گرن پہ کنول ...... اور بیچوں بیچ اُترا ہوا [illegible] مرغِ زرّیں کی سی ستواں سی کلغی ...... اس کا ملائم اور ملامت آگیں سا لمس [illegible] بڑا بھلا محسوس ہوا ...... سُرمچو ہلکا سا گھما کر باہر کیا۔ آنکھ بھر لمبائی کا سُرمچو' کسی سُرمہ کاجل سے یکسر [illegible] تھا۔ حیرانی سے دوبار سُرمچو [illegible] ...... نہائے دھوئے سُرمچو وہ اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اسی حیض بیض میں آنکھوں میں پھیر لیا تھا۔ پھر سُرمہ دانی مٹھی میں دبائی اور تکیئے پہ [illegible] کر پڑ گئی ...... پھول ایسے بوجھ کے سر سے ابھی تکیئے پہ ٹکوٹ بھی نہ پڑی تھی کہ وہ اُچٹ سی سرشاری سے اُٹھ کر بیٹھ گئی ...... کیف کی گرہ میں پڑی ہوئی ہرنی کی مانند پٹ پٹ آنکھیں پھیلانے سکیڑنے لگی ...... اُسے یوں لگا آنکھوں میں کافوری دُھند سی اُڑنے لگی ہے' برف کے ننھے ننھے پھولے گالے ...... چھوٹے چھوٹے پٹاخوں کی مانند پُھوٹنے لگے ہیں ...... دیکھتے ہی دیکھتے یہ سلسلہ آنکھوں کے دریچوں سے پرے سر دماغ کے شوریدہ صحرا کی جانب دراز ہوتا ہوا محسوس ہُوا ...... سکون اور سکت کی ہلکی سی کپکپاہٹ کے ساتھ ہی اُس کی آنکھیں خود بخود مُندھ گئیں اور وہ تکیئے سے ٹیک لگا کر کہنے لگی۔

''سُبحان اللہ! کالے خان' میرا سارا دُکھ دَرد جاتا رہا ...... یہ کیسا چمتکار ہے اس سُرمہ دانی میں۔''

پھر چُومتے ہوئے اپنے گال سے مَس کرتے ہوئے کہا۔ ''بھئی! یہ تو اب ہماری ہو ...... بولو کیا کہتے ہو؟''

کالے خان نے بچوں کی مانند خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''سچے موتیوں کی مانند سُروں کی سرکار! تم نے اسے سویکار کر کے میرا مان بڑھا دیا ہے۔''

کالے خان ابھی اپنی بات پوری طرح کہہ بھی نہ پایا تھا کہ رام دلاری حیرت سے بولی۔

"اوئی بی بی! تمہاری آنکھوں پہ کیا بیتی؟"

"کیا ہوا...... ہو" کہتی ہوئیں نسیمہ اس بار آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ پٹ پٹا کر جھانکا...... آنکھیں کاجل کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

"ہائیں! یہ کالک کہاں سے پُت گئی۔"

اردگرد سب حونقتے کھڑے دیکھنے لگے۔ آئینے کے سامنے کھڑے کھڑے ہی کئی رنگ اُبھرے چھپے ہوتے رہے...... پھر دیکھتے ہی دیکھتے اک نویلی سی رُت آنکھوں میں ٹھہر کر رہ گئی جو دیکھنے میں بڑی بھلی لگتی تھی۔ کجلی کجلی اور سُرمئی رُتیں بیکانیر کے روہی سانجھروں کی وحشت بھری آنکھوں میں اُمڈ اُمڈ آیا کرتی ہیں۔

سُرمے اور کاجل کے بارے میں یہ جان پایا کہ ان دونوں میں بہلا چلایا ہوتا ہے...... سُرمہ از قسم پتھر اور کاجل از نوع دھوئیں کی کالک ہوتا ہے۔ سنگ پہ سیاہی سُدھ سُدھے تو سنگ کا بھاؤ ورنہ بھار اُتارا...... سُرمہ تیر کا قصہ...... اور کاجل دھار کی کٹار...... دیکھیں تو سُرمئی آنکھوں اور کجرائے نینوں میں قیامت کا [illegible] ہوتا ہے۔ ایک سُرمہ جو کھرل کی [illegible] میں پس کر [illegible] ہوتا ہے جبکہ کاجل کاجل کوٹھڑی [illegible] اور بھی کہ سُرمہ سیہ سلائی کیا جاتا ہے جبکہ کاجل منت کشِ انگشتِ حنائی ہوتا ہے۔

● حضرت بلؒ اور بابا......!

سری نگر کی ڈل کئی ایک لحاظ سے دنیا کی ایک منفرد جھیل ہے۔ اس کے پُرسکون پانیوں پہ تیرتے ہوئے کستورا مچھلیوں کی مانند مچھوے، چھوٹی بڑی بانکی چھیل چھبیلی بیڑیاں، شکارے، پہلوانوں کی ڈیل ڈول والے جہازی بجرے، کاغذی کشتیوں کی طرح دائیں بائیں ڈولتے ہوئے کاہو کے ڈونگے اور پُرشکوہ، بلند و بالا تیرتے ہوئے ہوٹل اپنی ایک الگ ہی دنیا بسائے ہوئے ہوتے ہیں، مرغابیوں کے پرے کے پرے...... قطاروں قطار ہنسوں، بگلوں اور دریائی چڑیوں کی چہکاریں...... سرسبز گلپوش کنارے...... سیبوں، خوبانیوں، آلوچوں، ناشپاتیوں اور آڑوؤں کے نظر نواز شاداب پیڑ، کنولوں کے تیرتے ہوئے بھیگے جادو...... سرو و سمن، لالہ و گل کی نکہت بیز مستیاں...... یہاں کے نشیلے رسیلے موسم، گدرائی ہوئی رُتیں، آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بادل، پھواروں کی جلترنگیں، سربفلک برف پوش پہاڑوں پہ چناروں کے دلفریب نظارے۔ مترنم گنگناتی ہوئی فرحت بخش

ہوائیں، قوسِ قزح کے رنگ لہریے...... اور خوش نوا طیور کی نغمہ ریزیاں...... مرغزاروں میں بھیڑیں، جگنوؤں کے جھالے، رسالے۔ یوں لگتا ہے جیسے فطرت نے اپنے سارے رنگ ترنگ، نعمتیں، برکتیں، صباحتیں، ملاحتیں اس جنت نظیر کشمیر کو بخش دی ہیں۔ انسان قدرت کی اس صناعی، فیاضی، دلکشی، دلربائی کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے اور پھر بھیگی رُتوں میں گوجریوں کے "ٹپے"، بول بولیاں سُن کر اور ان کا سادہ مگر پُرکار حُسن و جمال محسوس کر کے یہیں مرنے جینے کو جی چاہتا ہے۔

● کشمیر، اَرضی جنت کا بل پیر......!

میں اس کشمیر جنت نظیر کا ایک دیوانہ ہوں۔ خاص طور پہ سری نگر، گل مَرگ اپنے حُسن و جمال، محل وقوع اور موسمی اعتدال کی نسبت سے ہمیشہ میری ترجیح رہے ہیں...... پھر یہاں کی مساجد، مزارات اور خاص طور پہ حضرت بل شریف کی درگاہ و زیارات کی کشش میں نے اپنے دل میں ہمیشہ تر و تازہ سی محسوس کی ہے۔ مجھے جب بھی کوئی موقع گنجائش ملی میں جھٹ اُدھر کا رُخ پکڑ لیتا۔ سری نگر پہنچنے کے راستے کئی ایک ہیں۔ مگر ان میں مظفر آباد اور [illegible] ہیں۔ [illegible] ہوائی جہاز سے بھی جھٹ سے وہاں پہنچا جا سکتا ہے لیکن میں اکثر براستہ جموں، وہاں پہنچنا پسند کرتا تھا۔ اس راستے میں جو لطف اور زندگی ہے وہ کسی اور طرح وہاں پہنچنے میں نہیں۔ غٹا غٹ چڑھ جانے اور جُرعہ جُرعہ پینے میں بڑا فرق ہے۔ جموں کے راستے سفر کرنے سے آپ "جموں توسری نگر" نامی تند مگر نشاط انگیز مشروب قطرہ قطرہ سِپ کرتے ہیں اور بالآخر سری نگر پہنچتے پہنچتے آپ پوری طرح کشمیریت کی مستی مزے سے غُٹ ہوتے ہیں۔ موسم موافق اور راستہ صاف ہو تو یہ سفر عموماً دس بارہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے دریں صورت پھر جتنم جتنم درکار ہوتے ہیں۔ پہلے دوسرے گیئر میں گاڑیاں چیونٹی کچھوے کی چال چلتی رہتی ہیں کہ آپ بلا شک چلتی گاڑی/بس سے اُتر کر بڑے سکون آرام سے حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر دوبارہ اُچک کر سوار ہو جائیں۔ راستے میں ایسے ایسے موڑوں، اُترائیوں چڑھائیوں گھاٹ گھاٹیوں سے پالا پڑتا ہے کہ مسافر، چکرا اور گھبرا سا جاتا ہے۔ گھنٹہ بھر کے سفر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک آدھ کلو میٹر ہی آگے بڑھے ہیں...... دریائے نیلم اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے...... بس کی بجائے پیدل مارچ کرنے والے جلد پہنچ جاتے ہیں کہ وہ لمبی چکردار سڑک کی بجائے شارٹ کٹ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ راستے کے نظارے، پیڑ پڑاؤ، ہوٹل ڈھابے...... چشمے، جھرنے، باغات وغیرہ سفر کے دورانیے کو طول سے طُول تر کرتے چلے جاتے ہیں۔ بہر حال

اک قیامت کی قامت کے سفر کے بعد شری نگر بس ٹرمینل پہنچ کر جو اک گونہ سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ ایک الگ ہی نشہ ہوتا ہے۔ شری نگر ڈل روڈ' گلمرگ' نشاط کیمپس' شری نگر مارگ' ویلی روڈ وغیرہ اور خاص طور پہ ڈل میں پرائیویٹ اقامت گاہوں کے علاوہ ادنیٰ اور اعلیٰ اقسام کے ہوٹلوں' موٹلوں' ہٹوں اور فلیٹوں کی کوئی کمی نہیں۔ تھری' فور' فائیو سٹار ہوٹلوں' لگژری فلیٹس اور وی آئی پی ہٹس کی ایسی بہتات کم از کم ہندوستان میں کہیں کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ یہ پُر آسائش' شاہانہ اور انتہائی مہنگی قیام گاہیں مجھ ایسے عام سیر سپاٹے کے شوقین کے قیام کی جگہیں نہیں...... یہاں تو بڑے بڑے کاروباری لوگ' غیر ملکی سیاح' فلم سٹار' ہنی مون کے [illegible] والے نو دولتیے جوڑے یا پھر وہ چنیدہ لوگ' جن کے ہاں کالے دھن کی کمی نہیں ہوتی...... میری حیثیت کے لوگ دھرم شالوں' سراؤں اور پرائیویٹ بھٹوں باڑوں یعنی چارپائی ہوٹلوں میں آسرا لیتے ہیں جن کے کرائے مصارف نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ یہاں کے مقامی غریب لوگ' اپنے گھروں [illegible] کشتیوں اور کھیتوں کے فالتو حصے بھی کرائے پہ اُٹھا دیتے ہیں۔ ڈل کے پانیوں میں تیرتی ہوئی چھوٹی کشتیاں بھی [illegible] چند دنوں یا پورے سیزن کے لئے بھی دستیاب ہو جاتی ہیں...... یعنی یہ سب کچھ بندے کی [illegible] اور فرصت پہ موقوف ہوتا ہے۔

شری نگر میں اچھی خاصی واقفیت کے باوجود میں اپنے قیام کے لئے موسم اور استطاعتِ جیب کے مطابق کوئی فیصلہ کرتا ہوں۔ [illegible] دوستوں کے ہاں اس لئے قیام نہیں کرتا کہ یہ خاصا مہنگا اور پُر آزار پڑتا ہے۔ [illegible] شخصی آزادی کے آڑے [illegible] میدانی شہروں اور یورپ کی طرز بود و باش کے عادی لوگوں کے لئے کشمیری طرز بود و باش اپنانا بڑا مشکل کام ہے۔ موسمی' جغرافیائی اور معاشی مجبوریوں کی بنا پہ کشمیری لوگ بڑے [illegible] اور دھواں دھار قسم کے ماحول میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کے نعمت خانے' مال خانے' [illegible] اور شب بسری کی جگہیں کشادہ خاطری کی مظہر نہیں ہوتیں۔ خاص طور پہ موسمِ سرما' برف باری کے دنوں میں تو سانس لینے کے لئے بھی یہ منہ باہر نہیں نکالتے۔ کمروں دالانوں میں آگ کے الاؤ' فرغلوں کے [illegible] ہوئی انگیٹھیاں' گڑگڑ کرتے' نکوٹین کی پھواریں چھوڑتے ہوئے حقے...... مکینوں کی آپس میں ٹکراتی [illegible] سانسیں' چولہوں پہ چڑھے گوشتابوں اور چاولوں کے دیگچوں سے خارج ہوتی ہوئی بھاپیں' ایسا حبس دم پیدا کر دیتی ہیں کہ انسان جُھل مُرل سا ہو جاتا ہے۔

شری نگر میں خشکی کم اور تری زیادہ ہے۔ محنت کش لوگ اکثر چھوٹے چھوٹے گھونسلا نما لکڑی کے [illegible] میں ابابیلوں کی مانند رہتے ہیں۔ جبکہ دو تہائی آبادی کی سکونت ڈل کے پانیوں اور پہاڑوں کی اُونچی

نچلی گھاٹیوں ترائیوں میں خانہ بدوشی کی صورت میں ہوتی ہے...... امیر اور کاروباری لوگ ڈل کے شاداب کناروں، مرغزاروں اور گردونواح کے پُرتعیش علاقوں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں اور دوسری طرف ڈل کے ساکت پانیوں پہ جنم جنم سے ڈولتی تیرتی ہوئی کشتیوں پہ مکین کشمیریوں کا رہن سہن دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ دوپایہ زمینی جانور، کس طرح آبی مخلوق کی مانند ان گہرے پُرسکون پانیوں پہ اپنی ساری زندگی تمام کر دیتا ہے۔ ان کے شب و روز کے سب کار کاروبار یہیں شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوتے ہیں۔ ان کا سونا جاگنا ہگنا موتنا، مرگ پیدائش، رسمیں، ہنگامے، شادیاں بیاہ، جلسے جلوس تہوار دن دیہاڑے غرضیکہ سب کچھ یہیں—— ساکت کھڑی، سرکتی ہوئی کشتیاں ہی ان کی محل ماڑیاں، حویلیاں بیٹھکیں۔ برآمدے، صحنچے، خواب گاہیں، کھیل کے میدان اور کھیت کھلیان ہیں۔

علی الصبح، سرِشام یا شب [illegible] ڈوبتے پہر نیم [illegible] میں ڈل کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کسی وسیع و عریض نخلستان کے سامنے استادہ ہیں اور آپ کے روبرو سینکڑوں قافلے اُترے پڑے ہیں...... جگنوؤں کی مانند نیم خوابیدہ سی ٹمٹماتی ہوئی لالٹینیں...... دود کشوں سے لہریے لیتے ہوئے دھوئیں۔ کشتیوں کے صحنوں، باغیچوں میں کھیلتے بچے، لمبی لمبی فرغلوں اور چغاؤں میں ملبوس مرد و زن...... [illegible] مونچھلیاں—— الغوزے، مرلیوں کی تھرتھراتی ہوئی تانیں، پانی کے سینے پہ ہلکورے لیتی ہوئی نیم خوابیدہ مرغابیاں...... ڈل کے ڈھولو گھانس کی پھیلی ہوئی بیلیں اور شفاف شیتل کنول کے کٹورے پھول...... اور [illegible] بین کی دھن بجاتے ہوئے موٹے مچھر اور کاکڑی [illegible] جو ڈھولو گھانس کی سڑت کھیت میں [illegible] سی ہوئی مردہ مچھلیوں، مینڈکوں، کچھوؤں کی تاک میں رہتی ہیں...... چیڑ چناروں کی شرمیلی شرمیلی سی مہک...... اردگرد نگہ داروں کی مانند استادہ سبز و سپید جھنڈے کا پیرہن پہنے پہاڑ اور ان کی بغلوں سے پھوٹتی ہوئی دھنکی روئی ایسی دُھند—— مرغابیوں، کونجوں، قازوں، بگلوں کی ڈاریں، کوکیں، کُرلاہٹیں...... بس ایسا ہی وہ سامان قیامت ہوتا ہے جو مجھ ایسے آوارہ منش دیوانوں کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔

اس بار بھی میں ڈل میں کچھ فرصت کے روز و شب گزارنے کا فیصلہ کیئے ہوئے تھا۔ کلیار محلے میں اپنے ایک دیرینہ دوست گلزار احمد کلیار جو ایک اشاعتی ادارے میں تالیف و تصنیف کا جزووقتی کام بھی کرتا تھا کے ہاں اپنا فاضل سامان رکھا۔ دستی ایک آدھ جوڑا کپڑے صابن تولیہ اور کچھ کتابیں رسالے بسکٹ کافی وغیرہ لیئے میں ٹھیکیدار حافظ عطا محمد کے ہاں حضرت بل شریف پہنچ گیا۔ انہوں نے کمال شفقت و محبت سے ایک درمیانی سی کشتی کا انتظام کر دیا۔ ساتھ ہی کشتی کھینے کے لئے اپنا ایک حافظ شاگرد اور ایک سیانا سا بچہ بھی

[illegible] خدمت کی خاطر تفویض کر دیا۔

[illegible] کشتیاں اور شکارے بڑے شبک اور ایک خاص وضع قطع کے ہوتے ہیں...... ایک خاص گوت کے ہنرمند کشمیری انہیں تیار کرتے ہیں۔ رواں پانیوں اور ٹھہرے پانیوں کے طریق تقاضے بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ ان پہ چلنے والی کشتیاں اور اسی نوع کی دوسری چیزیں بھی وزن، ساخت، لکڑی اور طول و عرض کے لحاظ سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ جن کشتیوں پہ بڑے بڑے کشادہ ہوٹل ہوتے وہ کشتیاں ایک خاص کشمیری دیودار سے [illegible]...... باربرداری کے بیڑے بھی ایک اور مخصوص لکڑی سے تعمیر ہوتے ہیں جو وزن اور مضبوطی میں [illegible] تانبے کی سی خاصیت رکھتے ہیں۔ رہائشی مقاصد کے لئے بنائی گئی کشتیاں بھی بڑی عجیب خصوصیات [illegible] لکڑی سے بنائی جاتی ہیں...... موسمی اثرات، نمی، آگ کی تپش اور وقت کی گردش بہت کم اس پر اثر انداز [illegible]۔ سیر و تفریح، کنارے سے دوسرے کنارے تک کی آمد و رفت [illegible] کشتیوں کی دوڑ کے لئے کشتیاں [illegible] ساخت و حجم، رنگ و روپ کی نوعیت سے جداگانہ ہوتی ہیں۔ کچھ مخصوص کشتیاں [illegible] بیاہتا جوڑوں کے [illegible]...... جن کی زیبائش، روپ سروپ اور آسائش دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ [illegible] شاہی بجرے [illegible] کسی نواب کے حجلۂ عروسی [illegible] ساز و سامان، [illegible] ساز کاروں کا طائف...... [illegible] حاضر باش، سرخ بانات کے انگرکھے سفید گاڑھے پائجامے اور پیروں [illegible] جو چھوری [illegible] عروسی [illegible] کے بیچوں بیچ سہ نشیں پہ شش گوشہ مدگیری جالیوں والا [illegible] اطلس کے چھپّے [illegible] جھنیوں محرابی ستونوں [illegible] کنول [illegible] مطلا بیچ کرتا ہوا بانسلا...... [illegible] کی تھوتھی کلیاں، سوسن و سنبل کے شگوفے، گلاب و گیندا کے پھولوں کی ڈالیاں...... ڈل کے فراخ [illegible] فس کی مانند تیرتی ہوئی یہ خلوت گاہیں کسی ایسے خواب کا اک دلنشیں منظر پیش کرتی ہوئی دکھائی [illegible] جسے بار بار دیکھنے کو جی چاہے۔

● کشتی اور کشتۂ نیستی......!

میں نے حافظ صاحب کی وساطت سے چند دنوں کے لئے جو کشتی کرائے پہ حاصل کی یہ شاید اٹھارہ [illegible] ہوگی بقول حافظ صاحب پچھلے چار مہینوں تک یہ کسی عامل کی سپرداری میں تھی...... جو رات دن [illegible] میں ہوائی جہاز کے ہینگر کی طرز پہ بنے ہوئے قبّے میں آسن جمائے پڑا رہتا تھا...... اس قبّے کا

واحد دروازہ اکثر بند ہی دکھائی پڑا...... دُنیا کے ہنگاموں سے دُور ہر چیز سے بیگانہ یہ دیوانہ نہ تو کسی سے بات چیت کرتا اور نہ ہی کسی سے کچھ مانگتا یا کھاتا پیتا دکھائی دیا...... کہاں سے آیا، کون ہے، اس کا دین دھرم کیا ہے یہ بھی کوئی نہیں جانتا تھا...... بس کہیں سے کبھی اِدھر آیا...... کشتی کرائے پہ لی، لائسنس کی فیس جمع کرائی۔ ٹھیکیدار کا بھتہ بھرا اور منہ سر ڈال کر ڈل میں پڑ گیا۔

اس کشتی کا کوئی کھویا بھی تو نہ تھا...... ہوا کا جدھر رُخ ہوتا اُدھر کو ہو لیتی۔ جس ریوڑ کا کوئی رکھوالا اور جس عورت کا کوئی گھر والا اور جس پتنگ کی ڈور کسی کے ہاتھوں نہ ہو اور ایسی کشتی جس کا کوئی ناخدا نہ اُترا ہو اس کا شاید پھر خدا ہی حافظ ہوتا ہے، جدھر چل پڑی، اُدھر چلی گئی اور جہاں رُک گئی وہیں اٹک پڑی۔ کبھی یہاں، کبھی وہاں...... ڈل بھر میں یہ کستورا مچھلی کی مانند لہر لہر، موج موج سُونگھتی پھرتی۔ سونا گھاٹ، مغل گارڈن، پولا ورشن، حضرت بل، [illegible] غرضیکہ گھاٹ گھاٹ کا پانی اور ماٹی، پیتی اور چاٹتی رہتی...... نہ کبھی کسی نے اس کا لنگر لٹکایا نہ کسی نے اسے کہیں کھونٹے پہ بندھا دیکھا اور نہ کسی کھوجو یا جھانکو نے اندر جھانک کر یہ پتہ لگایا کہ اس کے اندر ریشم کیڑے کے خول کی مانند بند قبے میں کون بیٹھا ہے یا کوئی مَنُش...... وہ زندہ ہے یا لُڑھک چکا ہے...... اسے منحوس، بھوت پریت کا مسکن سمجھتے ہوئے [illegible] تو انسان کوئی اکا دُکا مرغابی [illegible] اس کے کناروں ستونوں پہ منتش سے بیٹھے دکھائی پڑتے۔ ان کی نشست اور اضطرابی کیفیت سے ایسا جان پڑتا جیسے اُدھر کشتی میں کوئی برگزیدہ سادھو مرا پڑا ہے اور یہ سب اس کی تعزیت پہ آئے ہوئے ہوں۔

یہ سب کچھ مجھے حافظ صاحب کشتیوں والوں کے منشی سے معلوم ہوا تھا۔

منشی، ڈیڑھ گھنٹے سے اس پُراسرار کشتی کے بارے میں مجھے معلومات بہم پہنچا رہا تھا اور میں اپنی بدعادت سے مجبور اُس کی داستان طرازی پہ پُورے پُورے کان دھیان دھرے، آنکھیں پھیلائے سُن رہا تھا کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس وقت گزاری کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اس کے کارندے مچھر گام کے گھاٹ گودام سے یہ نادر روزگار کشتی لینے کے لئے گئے ہوئے تھے...... منشی کو ذرا دم دینے کی خاطر میں نے یونہی پوچھ لیا۔

''شیخ جی! ان عامل صاحب کا کیا ہوا، کیا انہوں نے یہ کشتی بیچ دی یا اُن کا دیہانت ہو گیا؟''

شیخ صاحب نے کشمیری سُوٹی حقّے کے ایک بھرپور کش کا دُھواں اُگلنے کے بعد کھانستے ہوئے بمشکل کہا۔

''خان صاحب! یہ سادھو سنت، عامل جامل قبیل کی چیزیں دیہانت ویہانت سے پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مرگ موت تو خود ان سے شکل چُھپاتی پھرتی ہے۔ بس یہ لوگ اچانک کہیں ایسے گم صُم ہو جاتے

[illegible] تک نہیں چھوڑتے۔ پاتال میں اُتر جاتے ہوں یا آکاش کی سیدھ اُڑ جاتے ہیں۔ بس ایسا ہی کچھ [illegible] کے عامل صاحب کے ساتھ بھی ہوا۔ دو چار ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اس عامل صاحب کی صورتیا [illegible]…… بس سب یہی قیاس کریں کہ کوئی تپسوی ہے جو کسی تپسیا جوکھم میں جکڑا ہوا تھا۔ اسی کارن کوئی [illegible] نہیں دیتا تھا……" اتنا کہہ چکنے کے بعد شیخ صاحب اپنی حسبِ عادت یا ضرورت پھر حقّے پہ جھک گئے۔

پٹھانوں اور کشمیریوں میں یہ عادت یا علت ہے کہ وہ سوٹی حقّے یا نسوار کے بغیر تھوک بھی نہیں [illegible] گئے کی تواضع ہو، شادی، مرگ یا گھریلو در بیلو مشاورت، جھگڑا فیصلہ یا مصالحت…… ان کی حقّے [illegible] نہیں بنتی۔

[illegible] دھوئیں کے غلیظ طوفان سے امان طلب کرتے ہوئے میں نے پھر جرأت کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"شیخ صاحب پھر……؟"

شیخ صاحب نے اپنی ڈھیلی ڈھالی آستین سے آنکھیں اور ناک بیک وقت صاف کرتے ہوئے کہا۔

"[illegible] گیا…… وہی پھُر، یعنی چڑیا اُڑی ہوئی تھی۔ کئی دنوں سے لوگ دیکھ [illegible] کہ سینکڑوں [illegible] کشتی ایک [illegible] سے پکی پائی گئی اور کوؤں کے شور و غل اور تعداد میں بھی اضافہ محسوس ہوا تو ٹھیکیدار نے سیکورٹی [illegible] کی جانب دوڑایا۔ کشتی پہ ویرانی سی ویرانی تھی، دو چار مُردہ کوّے ادھر پڑے [illegible] رہے تھے۔ جب کسی [illegible] کے آثار دکھائی نہ دیے تو کشتی کے درمیان کے ڈھلوان قبے کے دروازے ہلا چلا کر کھولے گئے تو [illegible] مڑی تڑی چٹائی بچھی تھی، پاس لکڑی کی کھڑاویں، مٹی کا بدھنا گھڑا، گیروے رنگ کی توشک اور [illegible] کشکول پڑا تھا…… دکھائی پڑتا تھا کہ کئی دنوں سے یہ سیاہ تاریک قبر نما قبہ کسی منش سے خالی ہے۔ [illegible] رہتا ہو وہاں چاہے اور کچھ ہو نہ ہو، سانس مانس کی گرمی اور کوئی نہ کوئی حرکت برکت تو ضرور [illegible] یہاں تو خاک اُڑی ہوئی تھی اور نحوست بدبو الگ، اب ساری صورتِ حال سامنے تھی…… آخر [illegible] گیا کہ عامل صاحب کہیں ڈوب ڈاب کر مر کھپ گئے ہیں یا پھر کسی بھوت پریت کے قہر و غضب کا [illegible] تب اس منحوس لاوارث کشتی کو کوئی دس روپے میں خریدنے پہ تیار نہ ہوا…… جلانے والے [illegible] حافظ صاحب نے اپنے ذمہ ڈال لیا۔"

تب سے اس دن تک یہ منحوس بے ننگ و نام کشتی، کشتیوں کے مرگھٹ پہ کھڑی یا پڑی تھی جہاں [illegible] کے بعد حسبِ ضرورت اسے بھی کاٹ چیر کر ایندھن کے طور فروخت کر دیا جاتا۔

میری بدقسمتی کہ حافظ صاحب مجھے بھی کچھ اسی قبیل کی چیز سمجھتے تھے اور جانتے بھی تھے کہ میں بھی اللہ ماری قسم کی کوئی کشتی لے کر ہفتوں ڈل میں پڑا رہتا ہوں...... میری صورت میں انھیں اس بے ہودہ ناکارہ بے ننگ و نام کشتی کا ایک معقول کرایہ دار' دوسرے لفظوں میں ایک کاٹھ کا الو مل گیا۔ جو پلے سے پیسے خرچ کر اس پاپن کے پاپ دھونے خود ہی پہنچ آیا تھا اور ادھر میں دل ہی دل میں خوش کہ قسمت سے مجھے ایک نادر روزگار کشتی مل گئی جس کے قریب کوئی نہیں پھٹکتا اور جو ٹوڈل کووں کا مسکن ہے...... جس کا قبرنما قبہ باہر سے کالا اور اندر کالا شا کالا ہے اور جس پہ کسی تپسوی کا انت ہوا ہے۔ سبحان اللہ ایسی بھاگوان کشتی! جس کے لئے مجھے اگر ہزار روپے روز بھی کرائے کی مد میں ادا کرنے پڑتے تو میں بخوشی ادا کرتا۔ لیکن یہ مجھے قریب قریب مفت پڑی تھی یعنی کل پچیس روپئے چاہے میں دو دن استعمال میں لاؤں یا دو ہفتے۔

ان ہی باتوں میں دو اڑھائی گھنٹے گزر گئے' تب کہیں جا کر اس کشتی کی صورت دکھائی دی۔ کشتی دیکھ کر میرا جی مالش کرنے لگا۔ عجیب سوختہ سڑی سی کشتی تھی' روح موجود ہو تو رونق روپ رہتا ہے نکل جائے تو پیچھے ہوئے کپڑے [illegible] جانے والی بدبو [illegible] کیفیت [illegible] بدنام [illegible] کشتی کو اک نظر دیکھنے سے مجھے ایسی ہی بدبو محسوس [illegible] تھے جیسے کسی مردہ وہیل کو ملاح گھسیٹ کر سمندر سے باہر کرتے ہیں۔ وہ اسے کچھ فاصلے پہ رکھے ہوئے تھے...... گو اسے نہلا دھلا اور خوب چمکا کر لائے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس پہ سوار نہ ہوئے بلکہ اسے ایک پائلٹ کشتی کے پیچھے باندھ کر لائے تھے۔ [illegible] روپے سکیورٹی کے جمع کرانے کے بعد مجھے اس کے نمبر باون کی پرچی اور پرچم ملا۔ کانپا گئے ہاتھوں سامان اٹھائے جب میں اس پہ سوار ہونے لگا تو وہ دونوں بکریوں کی مانند منہ میں ممیانے لگے۔ مجھے احساس ہوا کہ انھیں اس کشتی پہ سوار ہونے میں تامل ہے۔ کچے بچے تھے اندر سے سہم گئے ہیں۔ میں نے انھیں کچھ ریزگاری دے کر فارغ کر دیا۔ لنگر والی رسی کو کھینچ اندر پھینکتے ہوئے میں اس پہ سوار ہو گیا پھر بازو بڑھا کر گھاٹ کے چوبی ستون کو دھکا دے کشتی کو ڈل کے حوالے کر دیا۔ یونہی کنارے پہ نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ تینوں مجھے رحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے کالے پانی جانے والوں کے جہاز کو بمبئی کی پورٹ پہ کبھی وہاں کے قلی خلاصی دیکھا کرتے تھے...... کنارے کی جانب سے لپکتی ہوئی لہروں نے جھٹ کی جھٹ مجھے خاصا دور کر دیا تھا۔ کنارا چھوڑنے والے' کنارے کو اس وقت تک تکا کرتے ہیں جب تک وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے...... لاشعوری طور پہ پھر جو میری نگاہ کنارے کی جانب اٹھی تو شیخ صاحب اپنے پہلی منزل والے دفتر کی کھڑکی سے سوئی حقے کا دھواں باہر خارج کرتے

ہوئے دکھائی دیے۔ وہ شاید دھوئیں اور ہاتھ کے الوداعی اشارے سے مجھے مزید ڈل اور کشتی کے سپرد کر رہے تھے۔

چند ایک کشتیاں اور شکارے مجھ سے ایک فاصلہ رکھ کر گزر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہر کوئی میری کشتی کی جانب آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگتا ہے۔ بیک وقت ان کی آنکھوں میں رحم، خوف اور استعجاب [illegible] تھا۔ یقیناً میں ان کی دانست میں پہلے عامل جیسا کوئی نیم پاگل تھا جس کے انجام سے وہ باخبر تھے۔

خدا جانے کب اور کیسے میں نشاط باغ والے راستے پہ آ لگا تھا۔ جی ہاں! خشکی کی طرح فضاؤں، ہواؤں، سمندروں دریاؤں جھیلوں میں بھی باقاعدہ شاہراہیں اور راستے ہوتے ہیں۔ جن کی بظاہر نشاندہی نہیں ہوتی مگر ان پہ سفر کرنے والے ہر راہ راستے سے آشنا ہوتے ہیں اور وہ ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے آنے جانے کے باقاعدہ متعین شدہ راستوں پہ ہی سفر کرتے ہیں...... ایک آدھ ڈل سیکورٹی [illegible] کی کشتی بھی میرے قریب سے گزری اور بھونپو پہ مجھے کشتی سے محتاط رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے اپنی راہ لگی۔

ٹھہرے ہوئے گہرے پُرسکون پانیوں [illegible] پہنچتے ہی [illegible] ختم ہو گئے [illegible] تب جیسے کشتی [illegible] آنکھوں میں [illegible] اتر آئی تھی۔ میرا جسم بھی جیسے اندرونی بیرونی خلجان اور سردی کی بنا پہ دھیما دھیما تپنے لگا تھا۔ کافی کا تھرماس کھول کر میں نے قبے کے چبوترے سے ٹیک لے لی۔ نگاہیں گلمرگ کے پہاڑی سلسلوں پہ ٹکی ہوئی تھیں۔ باہر کی چلبلی سی تیز سردی اور اندر کی گم سی گھمبیر [illegible] کے باہمی میل جول نے ایسا رنگ جمایا کہ میں سدھ بدھ [illegible] بیٹھے دوپہر [illegible] تک وہیں ستون سے ٹیک لگائے [illegible] ہو رہا تھا۔

آنکھ کھلی تو منظر ہی بدلا ہوا تھا...... آسمان پہ گہرے بادل، فضاء میں بوجھل سی خنکی...... نیچے ڈل کا پانی جیسے تارکول کی دلدل ہو...... بوڑھے بھاری بھاری کوؤں کا ایک پورا جرگہ کشتی پہ جمع...... یوں کہ کوئی حصہ ان کے وجود سے خالی نہ تھا...... کوّے یوں خاموش، گردن اور بازو ڈالے ہوئے جیسے وہ سب کسی گہرے روحانی مراقبے کے جلسے میں بصد اہتمام و احترام شریک ہوں...... اس سے پیشتر کہ میں پوری طرح صورت حال کو سمجھنے کے لائق ہوتا کسی کوّے کی گھمبیر اور ڈراؤنی سی چیخ نما آواز نے مجھے دہلا دیا...... میں نے [illegible] ہیبت ناک سی آواز میرے اوپر یعنی قبے کی چھت سے آئی ہے...... عجلت سے اُٹھ کر اوپر دیکھا تو ایک [illegible] ایک چھوٹے گدھ کے برابر تھا۔ گز گز بھر لمبے بازو پھیلائے اوپر بیٹھا سرخ سرخ آنکھوں سے

میری جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز پہ لبیک کہتے ہوئے باقی کوؤں نے بھی کائیں کائیں کا شور شروع کر دیا تھا۔ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تو مَیں نے اپنا تھیلا گھسیٹتے ہوئے، بھیڑے پٹ کو دھکیل کر قُبّے کے اند چھلانگ لگا دی۔ گھُپ اندھیرے میں مَیں نے ہاتھوں سے اپنے اردگرد ٹٹولنا شروع کیا۔ کھُردرے پٹھوں کی چٹائی میرے نیچے تھی یا پھر چوبی پھٹے جن پہ نمی اور گھٹن کی وجہ سے نرم نرم بدبودار پھپھوندی سی جمی محسوس ہوئی۔ قبر نما یہ چھوٹا سا قُبّہ عین کشتی کے درمیان بنا ہوا تھا۔ اونچائی ایسی کہ عام قد کا آدمی بھی سیدھا کھڑا نہ ہو پائے۔ لیٹے تو پورے پاؤں پسارے نہ جاویں، روزن اور نہ کوئی دریچہ کھڑکی...... ہاں اُوپر قُبّے کے ایک دودکش سا ہوا تھا ایسا کہ قدرے ہوا داخل ہونا چاہے تو داخل ہو جائے پر روشنی کی کوئی کرن گھُسنے نہ پائے۔

پٹ اچھی طرح بھیڑنے سے کوؤں کی کاں کاں سے قدرے نجات ملی...... مَیں بھی آنکھیں موند کے پڑ سا گیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا...... طبیعت بوجھل، پیٹ خالی، باہر باد و باراں، خوفناک قسم کے پُراسرار کوؤں کی یلغار...... اور پھر رات سر پہ، آس پاس بندہ نہ بندے کی ذات، ستم بالائے ستم کہ باہر اردگرد کا منظر اور جگہ بھی ایسی کہ جو پہلے ڈل کے حوالے سے کبھی دیکھی نہ تھی۔ جیسے کشتی خود بخود بہتے بہتے کسی ان پُراسرار جگہ آ لگی ہو جو کسی کی نظر میں نہیں تھی۔

جنگ کے زمانے میں فوجیوں کی کمر پہ جو پٹھو ہوتے ہیں۔ اُن میں جنگ کے دوران پیش آنے والے ہنگامی حالات میں اشد ضرورت کی ہر نمائندہ چیز مناسب مقدار میں موجود ہوتی ہے۔ ایسے ہی حال مست سیلانی آوارہ گرد جن کی زندگی صبح کہیں شام کہیں سے عبارت ہوتی ہے۔ ان کے کاندھوں کی بجائے اندر ایک پٹھو ہے...... جس میں خوراک، دواؤں اور الم غلم کی بجائے...... صبر، برداشت، بے خوفی، معاملات و حالات سے نمٹنے کا ادراک، خیال، سوچ اور عمل میں توانائی و توازن اور یہ جزوِ ایمان کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں...... آگ ہو پانی، تخت ہو تختہ، تاریکی ہو یا روشنی، دشمن ہو یا دوست، امن ہو یا جنگ...... درویش تنگ نہیں ہوتا۔ گھٹناؤں آزردگیوں، بیماریوں، تکلیفوں، مخالفتوں میں وہ اور سوا ہو جاتا ہے...... بدتر سے بدترین حالات میں بھی آسودہ نظر اور کشادہ خاطر رہتا ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو تو اس کی پیشانی کا چراغ لو دینے لگتا ہے، اس کی آنکھوں سے خیرگی کی جوالا پھوٹ پڑتی ہے۔ درویش کے پاس شش جہت کی مانند چھ حسیں تو ہوتی ہی ہیں مگر ایک ساتویں بھی ہوتی ہے۔ صحراؤں، دشوار گزار پہاڑوں کے لئے خصوصی طور پہ تیار کی گئی گاڑیاں فور وہیل ڈرائیو ہوتی ہیں...... ان کے پہیے بھاری، ٹائر مضبوط چوڑے اور گہرے کھانچوں والے ہوتے ہیں...... ان گاڑیوں میں ریورس اور فارورڈ کے لئے سپیشل گیئر ہوتے ہیں۔ ان کے آگے پیچھے فاضل پانی اور ایندھن کی

پہیوں، سرچ لائٹیں اور آہنی رسوں کی چرخیاں لگی ہوتی ہیں۔

بعینہٖ درویش کے ساتھ بھی اسی نوع کا بہت سا سامان لگا ہوتا ہے...... یہ بھی فور وہیل ڈرائیو کی طرح [illegible] سے ڈرائیو ہوتا ہے۔ اس کے بھی پاؤں پکے مضبوط اور نیچے کی مٹی نہ چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ آگے پیچھے دیکھنے کی تیز نگاہ، آنکھوں میں فاضل پانی کی ٹنکیاں، اللہ کے خوف کا ایندھن اور ازل و ابد کی جانب سفر کے سپیشل گیئر ہوتے ہیں۔ انہیں بھی صبر و جبر کے دشت، تحمل و بردباری کے صحراؤں، حق و حقانیت کے اونچے اونچے پہاڑوں اور غم و اندوہ، مصائب و آلام، طعنے و تشنیع کی دلدلوں سے سرخروئی کے ساتھ گزرنے کے لیے خصوصی طور پہ تیار کیا جاتا ہے۔

بات زلفِ یار کی مانند لہرا کر رہ گئی ہے...... کہنا مقصود تھا کہ اس تنگ و تاریک قضیے سے سر دست نجات کا کوئی راستہ سامنے نہیں تھا۔ مگر ایسے موقعوں پہ لگانے کے لیے میرے پاس ایک سپیشل گیئر موجود ہوتا ہے۔ سفر کا کلچ دبا کر میں نے اندر کی چھجی کا گیئر بدل دیا۔

● وقت کا وقوف اور وقوف کا وقت......!

اب میں وقت اور وقوف کی زد پہ تھا۔

پانی اور دہی کو گردش میں لایا جائے تو لسی کی شکل بن جاتی ہے۔ آنکھ کا [illegible] ڈھانپنے سے دھرتی کی چھاتی پہ دھرے ہوئے سر بفلک پہاڑ منظر سے کافور کی مانند غائب ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ، تہلیل، تسبیح، توجہ، تصور اور غنود و سکر کی ساعتوں میں...... وقت، احساس، خوف و تذبذب کے تقاضے سر اٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ جب انسان خالی الذہن ہوتا ہے تو وہ خامشی کی خلاؤں میں دھنکی ہوئی روئی کے پھوؤں کی مانند ایک سعید سا سرسراتا رہتا ہے۔

ایسے ہی سکون کے سرد سمندر میں سکت در آیا تو تیز زمستانی ہوا، نیم باراں کے چھینٹے، ہلکے ہلکے ہچکولے لیتی ہوئی کشتی، پرندوں کی چیخیں، سیٹیاں، کرلاہٹیں سب کچھ معدوم ہو گیا...... اتھاہ خامشی کے خیمے اور بے خبری کی بانات قنات نے مجھے چاروں اور اپنی ڈھانپ میں لے لیا تھا...... بے خبری کی ایک ساعت ہو، سال یا صدی فی الجملہ ایک ہی معنوں میں ہی ہے۔ میں نے کچھ انگڑائیاں توڑی ہوں گی کہ دھپ سے کوئی ٹھوس پتھر نما سی چیز ٹانگوں سے چھوتی ہوئی میرے قریب آ گری...... لگی آنکھ الگ ہو گئی جبکہ کچھ اندھیرے سے بھی شناسائی بڑھ گئی تھی۔ نیم اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر ٹٹولا تو ڈیڑھ ہاتھ لمبائی چوڑائی میں لکڑی کا کوئی

دو اڑھائی انچ موٹا ٹکڑا جس کے درمیان اُبھار والا ملائم سا پتھر سمجھائی پڑا۔ کچھ سمجھ نہ آیا تو مزید جاننے کی خاطر اُٹھا کر چہرے کے قریب کرنا چاہا تو کھٹ سے میرے گلے میں پڑی ہوئی پتھروں کی مالا اس سے چپٹ گئی۔ وہ بھی یوں کہ علیحدہ کرتے ہوئے بھی نہ بنی...... فوراً جو بات سمجھ میں آئی کہ مالا میں سنگِ حدید کا لاکٹ' لکڑی کے بڑے پتھر سے متوجہ ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ یہ پتھر بھی آہن ربا نوع ہے اس کی قسم معلوم کرنے کے لئے مَیں نے اس سے مزید زور آزمائی کی اس سے ظاہر ہوا کہ یہ طوبی سنگِ حدید ہے جو دُنیا کا سب سے معتبر اور زبردست توجہ کی کشش رکھنے والا پتھر ہوتا ہے اور جس کو آپ از قسم آہن بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اپنے حجم کے مطابق قریب اور بہت دُور تک اپنی جانب کھینچنے اور متوجہ کرنے کی قوت رکھتا ہے...... اس بات کو اس طرح سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رات کے وقت کسی تالاب کے کنارے طوبی سنگِ حدید کا ایک ٹکڑا رکھ دیں اور دوسرے کنارے ایک خالی ماچس کی ڈبیا پر اسی طرح کے پتھر کا ایک چھوٹا نگینہ چپکا کر پانی میں چھوڑ دیں صبح دیکھیں کہ وہ ڈبیا دوسرے کنارے پر طوبی سنگِ حدید کے سامنے کھڑی ہوگی۔ میرا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس طلسماتی پتھر کے مقدار، حجم سمت کی ترتیب و تعین سے آپ بڑے عجیب و غریب کام لے سکتے ہیں۔ اساطیر الاولین میں اس کی قوتِ کشش کے بارے میں واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں۔ یونانیوں' مصریوں' آشوریوں اور چینی عالموں' کیمیا [illegible] نے اس پتھر [illegible] سے ایسے محیر العقول کارنامہ ہائے انجام دیے کہ آج کی سائنس' ٹیکنالوجی بھی اسے صحیح طرح سے سمجھنے سے قاصر ہے۔

یہ پتھر ابھی تک میرے [illegible] یعنی میرے گلے کی مالا کے [illegible] چپٹا ہوا تھا۔ جنہیں میں کوشش کے باوجود بھی آپس سے علیحدہ نہ کرسکا تھا۔ اسی دوران دُور کہیں بجلی کی کڑک سنائی دی۔ قبّے کے پٹ کو ہلکا سا وا کر باہر جھانکا تو ہلکی ہلکی بارش بھی شروع ہوچکی تھی' ساتھ ہی اچانک خیال آیا کہ بجلی کی کڑک کے دوران اگر میں مالا کے لاکٹ کو پتھر سے الگ کرنا چاہوں تو کرسکتا ہوں' چنانچہ مَیں نے ایسا ہی کیا' اُدھر بجلی کڑ کڑ کڑکی اِدھر میں نے ہلکے سے ہاتھ سے لاکٹ کو سنگِ آہن ربا سے الگ کردیا۔ جمادات ارضی' بالخصوص سنگِ آہن کا آسمانی رعد سے وہی بنیادی تعلق ہے جو ماہتاب کی گھٹائی بڑھائی کا سمندر کی بالیدگی' شوریدگی اور آفتاب کی تمازت کا معدنیات و نباتات سے ہے۔

فلکیات' ارضیات سے دلچسپی رکھنے والے اور پُراسرار نہفتہ علوم کے عالم جانتے ہیں کہ صاعقہ کے کڑکنے' چاند سورج گرہن' ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے کے وقت...... زلزلے کے دوران...... ڈمدار ستارے

اور تجھی ستارے کے ظہور سے...... نوچندی رات کے اختتام پہ اور پورے چاند کو کسی باؤلی کے پانی میں دکھائی دینے کے لمحوں میں کیا کچھ کیا جا سکتا ہے اور کیا کیا نہیں ہوتا۔

لاکٹ کو سنگِ آہن رُبا سے علیحدہ کرنے کے بعد میں نے پتھر کو چادر میں لپیٹ کر اپنے تھیلا میں ڈال لیا تھا۔ اَب باہر خوب رِم جھم شروع ہو چکی تھی۔ میں ایک بار پھر نچنت ہو کر پاؤں پسارے پڑ گیا تھا مگر دماغ کی گراریاں برابر گر گر چل رہی تھیں۔ قبّے کے اندر چھت سے پتھر کا گرنا' کشتی کا اس نامانوس اور ان دیکھے ماحول میں پہنچ جانا' بڑے بڑے ڈراؤنی شکلوں والے کوؤں کی یلغار' موسم کی عجیب وغریب صورتِ حال' اِس نوع کے اور بھی کئی سوالات آپس میں گڈمڈ تھے۔ میں نے باری باری ان پہ بچار کرنے کی ٹھانی...... یہ لکڑی کے مضبوط چوکھٹے میں جکڑا طوبیٰ سنگِ حدید کہاں تھا اور میرے اوپر کیسے آ گرا؟...... یہ ٹارچ نکال کر میں نے قبّے کی چھت کا جائزہ لینا چاہا۔ میں بمشکل کھڑا ہو سکا۔ قریب قریب ساڑھے پانچ فٹ اوپر درمیان میں دودکش نظر آیا۔

● پیرِ فرتوت سمجھے اللہ کا بھوت!

کشمیر کے ہر گھر کرے کُٹیا کی چھت پہ دھوئیں کے نکاس کے لئے یہ سوراخ بہ اہتمام رکھے جاتے ہیں۔ یہ گھٹن اور زہریلی گیس پیدا نہیں ہونے دیتے...... سکوتی کشتیوں' شکاروں اور بجروں وغیرہ میں بھی یہ ہوتے ہیں۔ صرف اِن کی شکلیں اور ساخت [illegible] ضرورت کے مطابق مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ تو بالکل سیدھے کہ بارش ہو تو اندر چھینٹے بھی پڑتے ہیں۔ کچھ اُفقی اور ترچھے سے اور کچھ اطراف میں کُھلنے والے اور اوپر سے بند...... قبّہ چونکہ ڈھلواں بانسوں کی بلّیوں پہ موٹے ترپال کا بنا ہوا تھا جبکہ ترپال کے درمیان سوراخ میں تھالی جیسا ٹین کا کُھلا گول ڈبا لگا ہوا تھا جو دودکش کا کام دیتا تھا۔ اس کے اوپر یا اندر شاید یہ پتھر بھی کسی طرح سے باندھ دیا گیا تھا...... بادوباراں یا جو بھی وجہ تھی یہ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو کر مجھ پہ آ گرا تھا۔

اسی دوران میرے نیچے پاؤں تلے جیسے کچھ ہلچل سی ہوئی...... کشتی پہ کھڑے ہوں تو پاؤں کے نیچے کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ پانی جو ہُوا' کبھی کوئی موج میں آئی ہوئی موج اور اپنی لہر میں لہراتی ہوئی کوئی لہر یا کوئی منچلی سی مچھلی...... مچھوے کے پیٹ پہ جمی ہوئی مونگی کائی میں چھپے ہوئے آبی جھینگر پہ منہ مارتے ہوئے گزر گئی یا تہِ آب سے اُٹھتے منہ بسورتے ہوائی حباب' پیندے تلے مہوے کے غنچوں کی مانند چٹکے لیتے رہتے ہیں...... بحر میں کشتی پہ ہاتھی کا بوجھ ہو یا گلِ تسبیح کی کلیوں کا ٹکیا بھر بھار' یہ بحر اور کشتی دونوں کے لئے رنگِ حناء کی

حیا کے تلاؤ و چلاؤ کی مانند ہوتا ہے...... بات ساری اپنے اپنے ظرف اور اپنے عزم و عجز کی ہوتی ہے۔

چند ثانیے خامشی رہی پھر پاؤں تلے کھردری سی چٹائی نیچے جیسے کوئی کروٹ بدل رہا ہو...... میں نے اب واضح طور پر محسوس کر لیا تھا...... نیچے یا تو کوئی بڑی سی مچھلی چھیڑ خانی کر رہی ہے یا پھر کوئی بڑا سا کچھوا جو کشتی کے پیندے سے قبہ رگڑتے ہوئے اپنی خارشت مٹا رہا ہے...... جو بھی تھا مگر کچھ تھا ضرور...... اب میں نے اپنی پوری توجہ پاؤں تلے مرکوز کر دی۔ چند لمحے چین سے گزرے ہوں گے کہ پھر وہی حرکت ہوئی...... ٹارچ روشن کرتے ہوئے فرش کی چٹائی پاؤں سے کھسکا کر پرے کر دی۔ نیچے چوبی تختے تھے جنہیں غور سے دیکھنے پہ معلوم ہوا کہ آٹھ آٹھ ہاتھ لمبے ہاتھ بھر چوڑائی کے کچھ تختوں سے بنا ہوا ایک پٹ سا کشتی کے فرش پہ برابر سا لگا ہوا ہے جس کو اٹھانے کے لئے اس کے کونے میں پیتل کا ایک کنڈا بھی موجود ہے۔ بڑی کشتیوں میں یہ دہرا پیٹ ہوتا ہے...... سفر کے دوران ہلکا پھلکا پانی رس کر اندر جمع ہوتا رہتا ہے جسے ایک مقررہ وقفے کے بعد پمپ یا ڈبوں کے ذریعے نکال دیا جاتا ہے یا پھر یہاں فاضل سامان اوزار ایندھن وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ جو کچھ بھی ہو...... دیکھوں تو اندر کیا بلا پلسیٹے کھا رہی ہے۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر میں نے پٹ کے کنڈے پہ ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔

میرے [illegible]...... اندر نکلا [illegible] ایک سادھو [illegible] کے اندر [illegible] پیٹے میں ہر طرف شاید [illegible] پھری ہوئی تھی۔ پن ٹارچ کی معدوم سی روشنی میں کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا...... سادھو کے ڈیلوں کی دھواں سپیدی [illegible] بے بال پپوٹوں پہ سوجن اور سرخی سے وہ کوئی اُدھ[illegible] جان پڑتا تھا...... اچانک مجھے سامنے پا کر اس کا بے [illegible] کھل گیا [illegible] کی طرح [illegible] سی زبان باہر نکل آئی تھی یا پھر اس کے ماتھے پہ سرخ سفید تین لکیروں میں کھنچا ہوا قشقہ نظر آیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کوئی دھوریا دپتی یا کوئی یوگی بھوگی منش ہے...... اس دھرم دھیا کے دھنوا اکثر بیشتر ایسے چلے چوکوں میں دلچسپی لیتے ہیں...... پران کریا' پران کی کوشش اور پران بدیا والے بھی ایسے عجیب و غریب کام کرتے رہتے ہیں۔ حبس دم کی جو آخری اور مشکل ترین مشق تپسیا ہے...... وہ اک مدت کے لئے زندہ قبر میں دفن ہونا ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ایک اور مشق ہوتی ہے جو پانی میں ناک تک اتر کر اور پھر آنکھوں تک غرق ہو کر کی جاتی ہے۔ کچھ تپسیائیں مکمل طور پہ غرق آب ہو کر بھی کی جاتی ہیں جو وقفہ بڑھاتے بڑھاتے' دنوں ہفتوں عشروں بلکہ مہینوں سالوں تک بھی محیط ہوتی ہیں۔ اسی طرح کچھ منزلیں' خشک تر کنوؤں باولیوں وغیرہ میں بھی طے ہوتی ہیں۔ آگ اگنتاری کے کچھ چلے بھی ہوتے ہیں جو دہکتے الاؤ...... بھڑکتے شعلوں اور انگاروں کے ڈھیر میں ڈھے کر انت کرنے پڑتے ہیں۔ ایک پرنایام نام کی تپسیا بھی ہوتی ہے۔ حبس دم جیسی اس مشق میں سانس کو دماغ میں لے جا کر روک دینا

[illegible] ہے۔ ایسے میں پھر خدا کا تصور باندھ کر عبادت کی جاتی ہے۔ یہ تپسیا اور دھیان گیان کے سلسلے کبھی ختم نہیں ہوتے ــــ جنگلوں کی ویرانیوں، تنہائیوں اور پہاڑوں غاروں کی گپھاؤں، صدیوں پرانے درختوں کی کھوؤں، [illegible] جھاڑوں میں، دُنیا جہاں سے بے خبر و بے سُدھ پڑے ہوئے گیانی دھیانی، سادھو سنت بڑے بڑے جوکھم جھیلنے پہ آمادۂ خاطر ہوتے ہیں۔ یوں کشٹ اُٹھا کر ہی انہیں کوئی شکتی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک تزکیۂ نفس کے ذریعے سے ہی پرتاپ و پراودھ حاصل کیا جا سکتا ہے...... اس طرح جیون و جوبن کا ایک خاصا حصہ تزکیۂ نفس کی ریاضت و تپسیا میں بتانے کے بعد اس اہل ہو جاتے ہیں کہ وہ زمین، پانی، ہوا، آگ میں جو چاہیں شعبدے دکھاتے پھریں، انہیں کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

ہمارے آسمانی صحیفوں، مختلف قدیمی کتابوں، اساطیر الاولین و متاخرین میں جادوگروں اور خارق الفطرت قوتوں کا اظہار کرنے والے [illegible] ساحروں کے محیر العقول واقعات پڑھنے سننے کو ملتے ہیں وہ یقیناً اسی قسم کے عملیات اور مشاغل و ریاضت کی منزلوں سے ہو کر گزرے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے سفلی عملیات و مجاہدات کا علمِ سلیم یا رُوحانیت سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب محض قوتِ برداشت، قوتِ متخیلہ [illegible] کنٹرول اور [illegible] درجات ہے، جبکہ مذہب، مسلک، دین و دھرم کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ سب جسمانی، [illegible] اور قوتِ [illegible] و خیال کی لایعنی شعبدہ بازیاں ہیں۔

کشتی کی قبر میں پڑا ہوا یہ [illegible] مجھے کوئی [illegible] وہ سُرخ بوٹی متورم آنکھوں سے مجھے بجو کی مانند گھور رہا تھا۔ اس سے پیشتر کہ میں وہ پٹا دوبارہ اوپر رکھ کر وہاں سے نکلنے کی سبیل کرتا، اس کے سیاہ و نیلے بھنچے ہوئے ہونٹوں میں حرکت پیدا ہوئی۔

''میرے دھیان گیان میں کھنڈت ڈال کر تم نے کوئی پُن کار نہیں کیا۔''

میں نے فوراً سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے چھما کر دیں، مہاراج!...... میں نہیں جانتا تھا کہ آپ یہاں براجمان ہیں اور پھر آپ اگر میرے پاؤں کے نیچے کچھ گھد بُد نہ کرتے تو میں یہ پٹ ہرگز نہ اٹھاتا...... ویسے آپ یہاں لیٹے ہوئے کیا کر رہے ہیں؟ جان پڑتا ہے جیسے کسی نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر یہاں قید کر دیا ہوا ہے۔''

وہ یوگی ہُوہُو کرتے ہوئے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا...... لیکن میں نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

’’مہاراج! باہر نکلنا چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔‘‘

یوگی خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تھوڑا سا اپنے پاؤں کی جانب کھسک لیا۔ اب ہاتھ اُوپر کرتے ہوئے شاید باہر نکلنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ میں نے اس کا استخوانی ہاتھ تھام کر اُٹھانا چاہا۔

میرے مالک! ایسے ٹھنڈے ہاتھ‘ جیسے برف میں لگے ہوئے ہوں...... میرے ہاتھوں پہ اُس کی گرفت ایسی پڑی کہ مجھے اپنے ہاتھ چٹختے ہوئے محسوس ہوئے۔ سوکھے سڑے ہاتھ جیسے آہنی پنجے ہوں...... میں انہیں چھڑوانا بھی چاہتا تو شاید ایسا نہ کر سکتا۔ اپنی ٹانگوں اور کمر پہ زور ڈالتے ہوئے میں نے اُسے باہر یوں کھینچ نکالا جیسے کفن چور پوری قبر کھولے بغیر تنور کی گردن جتنے سوراخ سے مُردے کا پورا کفن کھینچ باہر کرتے ہیں...... اس دوران باہر کا موسم بھی جیسے کچھ معتدل سا ہو گیا تھا...... صبح کے ملگجے سے اُجالے میں اَب اندر باہر کچھ کچھ واضح غیر واضح سا دکھائی دینے لگا تھا۔

میرے اللہ! یہ کیا؟ کالا بھجنگ مریل سا یوگی‘ سرتا پا الف ننگا‘ آگے پیچھے کے ستر پہ پرانے چیتھڑے سے بنی ہوئی بتی کے بالشت بھر کپڑے کی تھگلی...... پورا جسم بدبودار کالے چپکنے کیچڑ سے لتھڑا ہوا...... یوں لگا جیسے پانڈوں کے وقتوں کے دریافت ہونے والے [illegible] میں نے کسی [illegible] کو دُم سے پکڑ کر باہر نکال دیا ہو۔ بدبودار [illegible] فرش [illegible] اپنے کپڑے اور تھیلا محفوظ نہ رہ سکے...... بابا نے تُرت لیتے ہوئے مجھے بڑی رسان سے کہا۔

’’بچہ! اپنے چھاگل میں گنگا جل پڑا ہے‘ کچھ بوندیں میرے منہ میں ٹپکا دو۔‘‘

پن ٹارچ سے نیچے جھانکا تو دیکھا اندر تو بڑا غلیظ پانی بھرا ہوا ہے جو شاید اندر رس رس کر جمع ہوتا رہا۔ چھاگل اسی پانی میں تیرتی ہوئی نظر آئی۔ ہاتھ بڑھا کر باہر نکالی‘ خشک لوبیا کدو کی چھاگل کا منہ مکی کے تکے سے بند تھا...... ڈاٹ نکال کر چند قطرے پانی یوگی کے منہ میں ٹپکاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اَب مجھے ادھر سے نکل لینا چاہیے...... بدبو سے میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ پانی پی کر یوگی نے جیسے آنند سے آنکھیں میچ لیں...... اَب میں نے تھیلا جس میں طوبیٰ مقناطیس کا ٹکڑا موجود تھا اُٹھا کر باہر نکلنے کا سوچا ہی تھا کہ یوگی نے جیسے ارادہ بھانپ لیا...... بن آنکھیں کھولے اس نے میرے پاؤں پہ اپنا ڈراؤنا سا ہاتھ دھر دیا۔

’’بچہ! اَب جب تم نے میری تپسیا میں کھنڈت ڈال دیا ہے تو اب مجھے یہاں سے نکال کر باہر پہنچانا بھی تیرا کام ہے...... ڈل جل سے مجھے اشنان کراؤ۔ پھر جل پان کراؤ...... یہی نے کا سمان ہے۔‘‘

مرتا کیا نہ کرتا...... لشتم پشتم بابا کے گلیجے سریر کو چٹائی پہ کروٹ کے بل ڈال کر گھسیٹ باہر ٹبے کے چبوترے پہ رکھ دیا...... موسم اچھا خاصا کھل چکا تھا‘ ہلکے ہلکے اُجالے میں قریب و جوار کچھ دیکھا جا سکتا تھا......

پوری وادی میں بالخصوص صبح سے اور بالعموم سرِ شام چھدری یا گہری دُھند کا ہونا یہاں کے معمولات میں شامل ہے۔ دُھند کے عالم میں ڈل جھیل کا ماحول بڑا خوابناک اور سحر آگیں سا ہوتا ہے۔

فنونِ لطیفہ سے متعلق افراد‘ سیاح‘ رومان اور یاسیت پسند لوگ خاص طور پہ یہاں فطرت کے ایسے ہی نظاروں سے حظ حاصل کرنے کی خاطر دُور دُور سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ وادی میں گھر گھر دستک دیتے ہوئے دھنک سے بادل‘ کشمیری گھروں کی چمنیوں اور جھیل میں جھولتے مست خرام بجروں‘ مچھوؤں اور کشتیوں کے دودکشوں سے لہریے لیتے بل کھاتے دھوئیں۔ جھیل کی سطح سے اُٹھنے والے موسمی گرم و سرد بخارات کا دھندلا دھندلا غبار۔ یہ سب مل کر ایک ایسا ملکوتی سا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان مبہوت سا ہو کر محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ بعد از مرگ ہر لین دین سے فارغ ہو کر جنت میں اُتر آیا ہے‘ لگتا ہے یہاں وقت‘ انتظار اور گردش سب کچھ ختم ہو چکا ہے...... گناہ و ثواب‘ سزا و جزا‘ زندگی و موت‘ علم و حکمت‘ منطق‘ فلسفہ‘ غرضیکہ سب کچھ اپنے اپنے مطالب‘ مفہوم اور اصول کھو چکے ہیں۔ یہاں صرف مظاہرِ فطرت میں کھوئے رہنا ہی اَبد لگتا ہے۔

کشتی کے باہر بھی کچھ ایسا ہی ماحول تھا--- اچانک دُور کہیں دھوئیں اور دُھند کے بادلوں سے کوئی موہوم سی کشتی [illegible] دیکھ کر یوگی نے کشتی کی دُم کے پاس پڑے ہوئے ایک ٹین کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ ایک رسّی کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا--- میں بابا کا مطلب سمجھ گیا...... ٹین کا ڈبا لے کر میں آگے بڑھا تو بابا نے کہا۔

”بچہ! میرا مطلب ہے کہ ادھر کنارے پہ مجھے اُتار دو۔“

ادھر دُھند میں ذرا غور سے دیکھا کہ کشتی تو کنارے لگی کھڑی ہے۔ ایسا سرسبز و شاداب کنارا‘ آلوچے اور سیبوں کے جھاڑ...... پھولوں کے قطعے‘ چھوٹی چھوٹی روشیں اور مخملی گھاس کے تختے...... صبح گاہی میں جگنوؤں اور جھیل کی چنگی مکڑیوں پہ لپکنے والی چہچہاتی ہوئی تیز پرواز پہاڑی چڑیاں...... سطحِ آب پہ نیچے پرواز کرتے‘ لپکتے جھپٹتے ہوئے بگلے‘ ڈل گلز‘ چنڈورز‘ آڑیاں اور مرغابیاں...... چھوٹی بطخوں کے غول کے غول۔ سطحِ آب پہ تیرنے والے خس و خصوب پہ شب بسرم مچھروں اور ٹڈیوں کا ناشتہ کرنے والی مچھلیوں کی اُچھل کود...... یہ سب یوں دکھائی دیتا تھا کہ جیسے یہ سب کچھ باغِ عدن کا کوئی حصّہ ہو۔

میں بڑی آسانی سے قدم اُتار کنارے پہ پہنچ گیا...... پھر گردوپیش کا ہلکا سا جائزہ لیتے ہوئے کشتی کو دُم کی جانب سے کھینچ کر کنارے سے لگا دیا...... اب میں دوبارہ کشتی پہ چڑھ آیا تھا...... بیخ سلائی یوگی کو اسی چٹائی میں لپیٹا‘ گھسیٹتے ہوئے کنارے پہ دوبارہ اُتر آیا...... یہاں ایک بڑے سے ہموار پتھر پہ جو آدھے سے زیادہ

پانی میں ڈوبا ہوا تھا اٹھا دیا...... اب میں وہی ٹین کا ڈبا اُٹھانے پھر کشتی میں کود گیا...... جہاں تاس وہاں ستیاناس میں نے ذہنی طور پہ خود کو لیرے ہوئے یوگی کے اشنان کے لئے تیار کر لیا تھا...... مُردوں کو غسلانے کفنانے اور قبر میں دبانے کا مجھے ویسے بھی بڑا تجربہ تھا' کئی قبریں کھودیں' تیار کیا...... اندر لیٹ کر اُوپر دُور دکھائی دیتے والے آسمان کو دیکھا...... خود کو مُردہ تصور کر کے قبر میں فرشتوں سے سوال وجواب کے لئے یعنی مراقبۃ الموت اور مراقبۃ القبر کے بہت سے تجربے مشاہدے کئے...... بچوں' سانپوں' نیولوں' خارپشتوں اور اُلوؤں سے کئی بار واسطہ پڑا...... یہ یوگی کیا چیز تھا جو میں کسی تذبذب میں پڑتا' باقی رہی گندگی' بدبُو اور کراہت تو یہ سب کچھ انسان کے اندر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ فرق صرف ایسا کہ یہ کچھ دوسرے کا تو دکھائی دیتا ہے' خود میں نظر نہیں آتا۔ اگر نظر آتا بھی ہے تو اِس پہ دھیان نہیں دیا جاتا۔

صبح کا اُجالا کچھ اور اُٹھ آیا تھا۔ یوگی [illegible] سیدھا یوں میرے سامنے ملائم سے پتھر پہ پڑا تھا کہ جیسے ارتھی سجانے سے پہلے ہندو اپنے مُردوں کو مرن تختے پہ رکھ کر ہوم کرتے ہیں...... اب میں ڈبے میں پانی بھر بھر لا رہا ہوں' یوگی آنکھیں میچے خوب اشنان کے مزے لوٹ رہا ہے...... یہیں نہلاتے ہوئے جب کیچڑ صاف ہوا تو انکشاف ہوا کہ اِس کی کمر پیٹھ' پنڈلیاں اور بازو ہاتھ کشتی کے کیچڑ میں پڑے پڑے سٹ گئے ہیں۔ کھال پہ برص کی مانند [illegible] ایک ہلکی سی چادر یوگی پہ ڈالی تو اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دھنباد کہتے ہوئے اُٹھنے میں مدد دینے کا اشارہ کیا...... جب وہ تسلی سے بیٹھ چکا اور قدرے کچھ سننے کے قابل ہوا تو میں نے کہا۔

"مہاراج! اگر چاہو تو گرم گرم کافی اور خستہ نمکین یا میٹھے بسکٹ پیش کروں۔"

یوگی نے مُنہ کھولنے کی بجائے گھٹا ہوا چٹیل کدو سا سر اثبات میں ہلایا...... بغیر دودھ چینی کی تلخ کافی نے کچھ مزہ دیا ہو یا نہیں لیکن اِن کے ساتھ نمکین بسکٹوں نے اس کے اندر جیسے زندگی کی حرارت پیدا کر دی تھی۔ جل پان کے بعد یوگی نے تشکر بھری نظروں سے مجھے تولتے ہوئے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ دیا...... جب میں پاس پتھر پہ بیٹھ چکا تو کہنے لگا۔

"بچہ! تُو نے میرے دھیان گیان میں اُدیشہ کھنڈت ڈالی۔ پرنتو تُو اُدوشن ہے' تیرا کوئی دوش نہیں...... تیرا دھرم دھیان کچھ بھی ہو پرنتو تیرے کام کرم میں دھیرج اور دم ہے...... پھر آشیرباد کے لئے میرے سر پہ ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے بولا۔

"کلیان ہو بچہ...... اپنا شبھ نام بولو......؟"

"مہاراج! میرا نام محمد یحیٰی خان ہے۔ میں بہت دُور سے یہاں کچھ کھوجنے اور بُھوجنے آتا ہوں......

میرا شما کرو مہاراج! اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اس مچھوٗے پہ آپ بدھوان براجت ہیں تو میں کبھی اس پہ نہ آتا۔ مجھے چھما کر دیجئے......!"

یوگی نے میرے سر پہ پیار سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"بالک! مالک کے کام نرالے ہوتے ہیں...... نراش نہ ہو اور نا ہیں من پہ لگا بیٹھنا...... تو نردوش ہے۔ تیرا میرا ملن ایسے ہی پرالبدھ تھا۔ اسی کارن تو میرے مچھوٗے پہ پہنچا۔ اچھا اب بول تو یہ سیام برن چولا کاہے دھارت ہو؟"

اُس نے میرے کالے لباس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ میرے بابا نے پہنایا۔ تم تو جانت ہو پھر کاہے کو پوچھت ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"کلیان ہو کلیان ہو......" کہتے ہوئے اس نے پھر آنکھیں موند لیں تھیں۔

● بابے پیارے موہن پیارے......!

ان [illegible] کرتے کرتے آنکھیں بھیتر کسی کنویں، باؤلی میں اُتر جاتے ہیں جیسے جگہ خالی کر گئے ہوں۔ پاس بیٹھے ہوؤں کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وہ ان کے ہونٹوں نتھنوں کی پھڑ پھڑاہٹ پہ نگاہ رکھتے ہیں۔ ان کے سینے پسلی میں آتے جاتے سانس کے زیر و بم کو بھی کن نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ ساتھ ساتھ دل میں ان کی آسانی کے لئے دعائیں بھی مانگتے رہتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عموماً بابے اسی قسم کی اونگ میں کہیں لمبا ہی حقہ پینے نکل جاتے ہیں کہ پھر واپس بھی نہیں آتے مگر یہ بابے گلی محلوں والے ہوتے ہیں...... جبکہ جنگل بیلوں کے اصلی بابے جب آنکھیں میچ لیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کہیں حقہ پینے نکل گئے ہیں۔ بلکہ یہ تو بس من کوٹھڑی میں سُلائے ہوئے موہن پیارے کو ذرا کی ذرا دیکھنے کے لئے جھانکا لگاتے ہیں۔

جس جگہ کنارے ہمارا پڑاؤ تھا...... خدا جانے یہ کون سا مقام تھا۔ میں جھیل کے چپے چپے سے واقف، مگر یہ جگہ پہلی بار ہی دیکھی تھی۔ کنارے پہ دُور دُور نہ تو کوئی ہٹ جھونپڑا نظر آیا اور نہ ہی کوئی سرکاری ٹورازم والوں کا اپنا ہی بورڈ یا نوٹس دکھائی دیا اور تو اور آس پاس کوئی کشتی بیڑی بھی تو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہر شے نئی اور ہر چیز جیسے کسی اور خطے سے تعلق رکھتی ہو...... اب میری نظریں اِدھر اُدھر بھیڑ بکریوں اور ان کے نٹ کھٹ میمنوں کو کھوجنے لگیں جو کشمیریوں کا شغل شوق اور ان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ جن کے بغیر ان کی مرغزار' کھیت میدان' گھر آنگن ادھورے ہیں۔ مگر یہاں اِن کا وجود تک نہ تھا یعنی ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی بظاہر موجود نہیں تھا۔

اپنی ان سوچوں سے دامن چھڑا کر میں نے پلٹ کر یوگی کی طرف دھیان دیا۔ اَب یہ آنکھیں کھولے میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟ اوکھلی میں سر دے کر موسلوں سے ڈرتے ہو؟''

''بچہ! یہ سنسار مایا ہے' سب مالک کے چمتکار ہیں۔ تو منش کا یا' پرنتو کاگا چھایا ہے...... مجھوے والے شکتی مان شلّے کو جھولے سے نکال کے اپنے ہاتھ میں تھام اور مجھے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ' جدھر تیرا من چاہے نکل...... پرنتو شلّے (سنگِ آہن رُبا) پہ نظر رکھ...... جدھر کاگا اُڑتے دکھائی پڑیں اُدھر چل پڑ......''

یہ کچھ کہنے کے بعد وہ پھر کسی کنوئیں باؤلی میں اُتر چکا تھا...... اس کی بات کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں نے ہلکے سے ایک دوبار ''مہاراج' مہاراج'' کہتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا...... مگر وہ تو جیسے پران چھوڑ چکا تھا...... ناچار کچھ چارہ کرنے کے لئے وہاں سے کہیں ادھر اُدھر ہونا ہی مناسب نظر آیا۔

زرد [illegible] کے جھالے پھوٹ رہے تھے...... جھیل ڈل کی سونا مکھیاں اور روپہلی ٹنڈیاں سبزہ و لالہ سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں۔ کناروں پہ قدرتی پھیلنے والی جھاڑیوں کے سُرخ پھولوں کے بیجوں کا رُوئیں اُڑ اُڑ قدرے پراگندگی کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس سے مجھے الرجی ہے۔ ناک منہ نہ ڈھانپوں تو زکام کی شکایت ہو جاتی ہے پھر دھوپ کے پہلے دھلکے سے ہی یہ کہیں دفع ہو جاتی ہے۔

مگر ابھی تو سورج نے منہ ہاتھ بھی نہیں دھویا تھا...... میں منہ ناک ڈھانپتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق دائیں جانب چل دیا...... شلّا یعنی وہ مقناطیسی پتھر جو لکڑی کے فریم میں جڑا ہوا تھا' تھیلے سے نکال کر اپنے سیدھے ہاتھ میں لے لیا۔ بس اسی لمحہ مجھے یاد آیا کہ یوگی نے شاید کسی کاگوں واگوں کا ذکر بھی کیا تھا کہ جدھر وہ اُڑتے ہوئے دکھائی دیں اُدھر کو ہو لینا۔ یونہی اچٹتی سی نگاہ اُوپر آسمان کی طرف ڈالی...... دُور اُونچائی پہ اُڑتی ہوئی قازوں کی ایک آدھ قطار دکھائی پڑی' کوؤں کا کوئی کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ چل سو چل' آگے سامنے ایک اُٹھی ہوئی پہاڑی پڑ گئی...... چند ثانیے سکت لینے کے بعد پھر میں حسبِ عادت دائیں طرف ہو لیا...... جبکہ بائیں جانب راہ راستہ بہتر دکھائی دے رہا تھا۔

یہ دائیں طرف والی میری عادت یا میرا طریق بھی اِک عجیب سی منطق پہ مبنی ہے...... ویسے بھی تو

قرینِ سعید وسلیم بھی دائیں جانب ہوتی ہے۔ کھانا پینا، علیک سلیک مصافحہ، انگشتِ شہادت، لکھنا لکھانا، پڑھنے سمجھنے کے لئے کتاب کے اوراق کھولنا، رزق حلال کمانے کے لئے اسی دائیں ہاتھ کا زیادہ استعمال...... دایاں قدم پہلے بڑھانا، نماز میں دائیں جانب اسلام علیکم کہنا...... نیکیوں لکھنے والا دائیں طرف والا فرشتہ۔ انسانی جسم میں دائیں جانب کے اعضاء و اعصاب کو بائیں جانب سے بدرجہ فوقیت حاصل ہے۔ جو دائیں ہاتھ بازو اور دائیں ٹانگ پاؤں میں طاقت ہوتی ہے وہ بائیں جانب کو نصیب تک نہیں۔ جو دائیں آنکھ دیکھ سکتی ہے وہ کچھ دوسری آنکھ کے بس میں نہیں۔ بہشت بھی یہی آنکھ باندھتی ہے۔ تجمل و تجلّی کی برداشت کی اہل بھی یہی آنکھ ہو سکتی ہے۔ جنت کو بھی پہلے یہی آنکھ دیکھے گی...... اس کا پھڑکنا بھی سعد و برکت ہوتا ہے۔ تاریکی میں سب سے پہلے دائیں آنکھ محسوس ہوتی ہے۔ سوتے سمے بند بائیں اور بیدار ہوتے ہوئے پہلے وا بھی یہی دائیں آنکھ ہوتی ہے۔ عدو کے لئے قہر و کراہت بائیں عدسے سے اوجھی ہے اور محبوب کے لئے مہر و محبت دائیں عین نین کے کونے میں ہیرے کی کنی کی مانند ڈھلکیں مارتی ہے۔ دلہن کے دائیں پاؤں کا کنگن اور دولہا کے دائیں ہاتھ کا شگن...... سیاست میں دائیں اور بائیں بازو...... دائیں پیر کی مٹی...... غور سے دیکھیں ہر ذی نفس جو حرکت کر سکتا ہے فطری طور پہ دائیں جانب جھکولا کھاتا ہے۔ فاتحوں اور [illegible] کے ہاں دائیں جانب [illegible]۔ وہ مقربین جنت بردار [illegible] حیثیت [illegible] حامل ہوتے ہیں۔ دائیں سمت کو ہمیشہ سیدھی طرف کہا جاتا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں دائیں جانب سرکتی ہیں۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے۔ یوم حساب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست مبارک ربّ العالمین کی سیدھی جانب ہوگی...... پل صراط کے دائیں جانب باب جنت ہوگا علیٰ ھذا القیاس...... دائیں جانب نیت، راستی اور سلامتی ہونے کا ایک قدرتی تصور ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں کے ہاں بھی یہی طریقہ دیکھا...... خصوصی طور پہ میرے بابا جی نے کمال شفقت سے مجھے ایک بار نصیحت کی تھی کہ کسی بھی شدید و عجیب، دارو گیر، الجھن معاملہ یا کسی دوراہہ پہ توقف محسوس کرے، مخمصہ آڑے آ جائے تو دائیں راہ پہ اللہ پہ بھروسہ کرتے ہوئے چل پڑو...... اسی لئے شاید دائیں جانب کو سیدھا ہاتھ کہتے ہیں...... پھر مجھے میرے تجربے نے بتایا کہ راستی یعنی دائیں جانب چلنے والے سرخروئی کے ساتھ منزل پہ پہنچ ہی جاتے ہیں...... میں نے لق و دق صحراؤں، پہاڑوں بیابانوں ویرانوں اور ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیروں میں یہی طریقہ استعمال کیا...... شرط یہ ہے کہ انسان دائیں جانب بڑھنے سے پہلے خود کو خدا کی سپرداری میں بھی دے دے۔

سامنے والی چھوٹی سی سرسبز پہاڑی کے نیچے پہنچ کر میں رکا، آنکھیں میچ کر خالی الذہن ہو گیا......

چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ دماغ میں دائیں جانب مراجعت کرنے کا انڈی کیٹر جلنے بجھنے لگا...... دائیں جانب کچھ قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ دو پہاڑی کوّے ”کہاں کہاں؟؟“ کہتے ہوئے میرے سر پہ سے گزر گئے...... اس کا مطلب تھا کہ میں صحیح سمت پہ ہوں...... ٹیڑھی میڑھی راہ والے اس نیم پہاڑی میدان میں چہار جانب گلزار کھلے ہوئے تھے۔ صبح کی البڑ خوشبوؤں اور البیلی نکہتوں نے دھوم مچائی ہوئی تھیں...... مخملیں گھاس میں جابجا خودرو بنفشے اور سنبل کے مسکراتے ہوئے پھول جنہوں نے ابھی ابھی شبنم سے نکھرے دھوئے تھے لہلہاتے شرماتے مجھ سے چہلیں کرنے لگے۔ اسی مست خرامی میں میں بہکتا بہکتا کافی آگے نکل گیا...... راہ پگڈنڈی جیسے تھیلے کی زِپ کی مانند خود بہ خود کھلتی جارہی تھی۔ اب سامنے ایک سیب کا جھاڑ کھڑا تھا...... دو گھڑی دم لینے رُک لیا...... ”کہاں کہاں“ کی آواز پہ کان کی لوئیں تھرتھرائیں...... جھیل کی جانب سے تین چار چھوٹے کوّے میری جانب پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیئے...... پھر وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اوپر سے گزر گئے۔ تھیلے اور ٹھلّے پتھر کو ٹھکانے لگاتے میں بھی اسی جانب چل دیا...... ایک دو کوّوں کی ٹکڑیاں اور بھی میرے اوپر سے گزر گئیں...... بالکل وہی صورت تھی جیسے صبح صبح کاریگر مزدور کسی کارخانے میں آگے پیچھے جا رہے ہوتے ہیں...... دور سامنے کوئی کارخانہ یا فیکٹری تو نہ تھی البتہ [illegible] دور ایک عمودی سی چٹان دکھائی دی جو کسی پہاڑ کا حصہ لگتا تھا [illegible] جھنڈ [illegible] مجھے جھنڈ سے کیا غرض میں تو پگڈنڈی کی کھلتی ہوئی زِپ کے کھلنے کے ساتھ ساتھ آگے کھسک رہا تھا...... ایسے راستے اور ایسی منزلیں بھی کیسے راستے اور کیسی منزلیں ہوتی ہیں جنہیں نہ تو اختیار کیا جاتا ہے اور نہ ہی طلب کیا جاتا ہے۔ زمان و مکاں کی قید نہ اندیشہ سود و زیاں...... انتظار کا برزخ نہ اختیار کی خدائی...... پروائی کی طرح بے بال و پر...... خوشبو کی مانند بے دیوار و در...... جگنوؤں کی طرح یک شام و سحر......!

ایسے بے اختیار راستوں اور بے طلب منزلوں کے درمیان رواں مجھے ایسے آشفتہ سر ہی کچھ اوٹ پٹانگیاں سوچ سکتے ہیں۔

دائیں کاندھے پہ اونگھتے جاگتے سورج کی پہلی نگاہ نے مجھے ہوشیار کیا...... مشرق کی پہاڑیوں سے نور کے تڑکے کا ایک دھارا سا پھوٹ پڑا تھا۔ چشم زدن میں سارا منظر یکسر بدل گیا...... یوں لگا جیسے ماحول کی بانکی سی ریشماں دیکھتے ہی دیکھتے البڑ مٹیار بن گئی ہے...... آسمان کے نیلے دوپٹے پہ بادلوں کی اُجلی سی دھنک چمک نے نظارتوں کے سارے انگ رنگ اُجال دیئے تھے۔ دھرتی کوار گندل کی سی خوشبو میں بس رچ گئی تھی۔ کوّوں کی ایک اور ٹکڑی ”کہاں کہاں کُراں کُراں“ کی کہانی کہتی میرے اوپر سے گزر رہی تھی۔ ان کی پرواز کے رُخ پہ دیکھا تو ستواں چٹان کے نیچے جھاڑ جھنڈ دکھائی دیئے جس کا درمیانی فاصلہ اب کچھ زیادہ نہیں

گیا تھا...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوے اس جھنڈ میں کہیں غائب ہو گئے...... یہیں میری لاشعوری طور پہ جستجو تیز ہو گئی...... میں جلد سے جلد جھنڈ تک پہنچ جانا چاہتا تھا...... مجھے یقین ہو گیا کہ یہی وہ استھان ہے جہاں کشتی والے یوگی نے مجھے پہنچنے کا اشارہ دیا تھا۔ کوے بھی یہیں کہیں پہنچ کر غائب ہو رہے تھے...... اس جھنڈ میں کوئی سا اسرار ہے؟ اسی تجسس نے جہاں میری رفتار بڑھا دی وہیں میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی تھی۔ اسی تیز رفتاری میں میں جھنڈ تک آ لگا تھا۔ یہ چند نئے پرانے درختوں کا جھنڈ تھا' آلوچے' خوبانی اور چند چھدرے سے سیبوں کے جھاڑ...... آگے بڑھا تو دیکھا کہ درختوں کے درمیان اچھی خاصی کھلی جگہ تھی۔ سامنے کھڑی چٹان جیسے وہ زمین سے اُگی ہو۔ چنچل چکنے خوبصورت پتھروں والی اور ایسی سیدھی کہ سر اٹھا کر اوپر دیکھنا پڑے...... میں اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ حیرانی یہ تھی کہ اس گلگشت میں اس کا وجود کچھ علیحدہ سا ہی دکھائی دیتا تھا...... میں اس کے ارد گرد گھوم کے دیکھنا چاہتا تھا لیکن تھکن اور [illegible] کی وجہ سے ایک پتھر پہ بیٹھ گیا۔ نیم دھندلے ماحول میں نظر دوڑائی تو ادھر اُدھر کچھ چیزیں دکھائی دیں' کھیتی باڑی کا سامان...... پانی کے لیے ایک دو ٹوٹی پھوٹی صراحیاں' مچھلیاں پکڑنے کا پھٹا ہوا جال' ٹوٹے ہوئے چپو' اُجڑا ہوا [illegible] وغیرہ...... اور میں ایک خوشگوار حیرت سے اس لمحہ دوچار ہوا جب ناگاہ میری نگاہوں میں سے ایک اینٹ اُگی ہوئی فاصلے برابر مٹی [illegible] گڑی تھی۔ [illegible] یہاں نماز ادا کرنے کے لئے حسب ضرورت یہ جگہ بنائی گئی تھی...... میں ذرا مزید قریب ہوا...... پہلا خیال ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ یہاں سر جھکا لیا جائے...... پانی کی تلاش ہوئی' یہاں سے ذرا پرے زمین پہ بارش کا پانی جمع کرنے کی ایک چھوٹی سی [illegible] بنی ہوئی تھی۔ لوٹا بھی پڑا دکھائی دیا...... تھیلا اور شلوار وہیں دھرا اور لوٹا ہاتھ میں لئے نسبتاً ایک نیچے جگہ پہ اتر گیا۔ وضو کیا' دل میں آئی کہ اذان دوں...... خوب مزے لے لے کر اذان دی...... پھر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا...... اک عجیب سا سرمدی ناقابل بیان سا سُرور حاصل ہوا۔

صحرا بیابان' جنگل منگل میں بے سروسامانی' عجلت و فرصت' تنہائی و ترڈد کے عالم میں سر جھکانے کا اِک اپنا ہی مزہ اور سواد ہوتا ہے...... صرف بندہ اور معبود...... جیسے اک دوجے آمنے سامنے براہ راست معاملات [illegible] ہوئے ہوتے ہیں۔

فراغت کے بعد میں وہیں سجدہ گاہ میں قبلہ رو بیٹھا اپنی معمول کی گٹ مٹ میں مصروف ہو گیا...... [illegible] ایسے موقع پہ میرے ساتھ قباحت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ہلکی سی غنودگی در آتی ہے...... آنکھوں کے پپوٹے بوجھل ہونے لگتے ہیں...... دماغ میں غبار اور دھواں سا اُٹھنے لگتا ہے اور پھر میں وہیں اوندھا مونڈھا ڈھے جاتا ہوں...... گھر میں ہوں تو کوئی فرد' مسجد میں ہوں تو کوئی نمازی...... باقی اِدھر اُدھر کی مسافت و مہاجرت'

گدھے سواری اور اُونٹ اُتاری' ریل' گاڑی' جہاز' ٹمٹم وغیرہ پہ کوئی مسافر' راہگیر' جانور' جن' ہوا' صبا' دھوپ' بھوک وغیرہ مجھے ہلا جُلا کر اُٹھا جگا دیتے ہیں ...... یہاں تو مَیں پچھلی رات کا جگا ہوا تھا ...... گٹ مٹ میں ایسا لُڑھکا کہ کچھ خبر نہ رہی۔ کشمیر کی ڈل میں ہوں یا بیکانیر کے تھل میں ...... خوب گھوڑے بیچ کر سویا اور آپ جانتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔

جب دیدوں کے دَر وا ہوئے تو دریائے جہلم میں ڈل جھیل کا بہت سا وافر پانی بہہ چُکا تھا۔

"جاگو موہن پیارے' بہت سو لیئے ......"

آواز کی سمت گھومتے ہوئے اُٹھ کر دیکھا تو اِک رجالِ سیاہ پوش' کشمیری عبا پہنے یُوں کھڑا تھا جیسے وقت کے سینے پہ گڑا ہُوا اَمر ہو۔ جھکاواں شانوں پہ تسلیم کی تعلیم سے آراستہ دراز گیسو ...... کسی اعلیٰ ظرف کی مانند کُشادہ پیشانی ...... جس پہ بندگی کی مُہر' مہرِ تاباں کی مانند [illegible] ...... روشن رَمیدہ آنکھیں ...... لب مثلِ دُرِ شہوار برنگ لعلِ بدخشاں' یُوں احمریں گُل گُوں کہ خونِ کبک کے چھینٹے لگے ہوں ...... یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اکثر شب زندہ دار بزرگ نیند و غنودے سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے ایک خاص کاجل استعمال کرتے ہیں جس کے مسلسل استعمال سے آنکھ کے پپوٹے' کنارے اور ڈورے سُرخ رنگت اختیار کر لیتے ہیں۔ دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے [illegible] پپوٹوں پہ [illegible] ہیں۔

ان [illegible] سے نظریں ہٹائے بغیر میں اُٹھ کھڑا ہُوا ...... ہاتھ کے اشارے سے سلام عرض کیا۔ ابھی تک میری حیرت اور جاگے اَدھ جگے حواس پوری طرح بیدار نہیں ہوئے تھے۔ مَیں خرگوش کی مانند آنکھیں پھاڑے منہ کھولے "تنگ تنگ دیدم" بنا ہُوا تھا ...... مجھے یوں بے حواس ہُوا دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے میرے پاس آئے۔

"خوب سوئے ...... ہاتھ منہ دھولو ...... مَیں نے تمہارے لئے ناشتہ تیار کیا ہے۔" کہتے ہوئے چٹان کی ایک جانب ہو لیئے۔

مَیں وہیں کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ مجھے اپنے اُوپر سے کیوں کیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُوپر دیکھا تو جھاڑوں پہ بہت سے سراوگ کوّے دکھائی دیئے۔ جھکے جھکے بے دَم سے جیسے بھگت بیٹھے پڑے ہوں ...... مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر وہ پھر جیسے کسی مراقبے میں اُتر گئے ہوں ...... یہاں قمریاں' عندلیب' کونجیں' اُفن یا چکوے' چنڈور ہوں تو ہوں' یہ کالے کلوٹوں بے ڈھبوں بے سُروں کا کیا مقام ...... پہلے کشتی کے گرد بھی یہی جنسِ سیاہ رو دِرگ' اب اِدھر بھی یہ بابائے بوم و سگ ...... نگاہ کا ایک استہزا سا پھینک کر مَیں پانی کی ڈاب کی جانب بڑھ آیا ...... حاجات سے فارغ ہو کر واپس پہنچا تو سیاہ پوش بابا نماز والے چبوترے پہ ناشتہ رکھے میرے انتظار میں تھے ...... سلام کر کے اَدب سے پاس بیٹھ گیا۔

اُبلے ہوئے چاول اور شوربے والی کوئی ترکاری تھی۔ جو کچھ بھی تھا' لذیذ تھا...... بزرگوں نے کہا ہے کہ کھانا وہ جو تجّی تسلی اور تسکین و تاب دے' پہناوا وہ جو تن ڈھانپنے کے ساتھ عزت و وقار دے...... بابا جی میرے ساتھ شامل تھے میں اُن کے کھانے کے درویشانہ انداز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود تو برائے نام مگر مجھے خُوب کھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ کھانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے دُنیا جہاں کی نعمتوں سے پیٹ بھر لیا ہے۔ کہیں بھی ایسا نہیں لگا کہ یہ محض تام چینی کی چنبل زدہ پلیٹ میں دو مٹھی باسی چاول اور لمبے شوربے والی کسی ترکاری پہ مشتمل طعام جسے نون مرچ مصالحے اور گھی تیل کے تکلف کے علاوہ گرم کرنے کے تکلف سے بھی محفوظ رکھا گیا ہے...... فارغ ہوئے تو بابا برتن سمیٹ کر فرغل سے ایک خوش رنگ سا سیب پونچھتے ہوئے بولے۔

''کشمیر کی مٹھائی کھاؤ...... میں اتنی دیر میں تمہارے لئے قہوہ بنا لاتا ہوں۔''

میرے کسی جواب سے پہلے ہی وہ اُٹھ چکے تھے۔

''کیں کیوں'' کی ہلکی آواز نے مجھے پھر متوجہ کر لیا تھا...... جھاڑوں پہ بھاڑ کا [illegible] بے سراوگ [illegible] یوں سہمے اور بے جان سے بیٹھے تھے جیسے کسی کے سوگ میں آئے ہوئے ہوں...... [illegible] کوّوں' کا گوں' [illegible] میرے تو [illegible] پہچانتے [illegible] سمجھتے ہیں...... [illegible] بھی سیکھ لی ہے میرے استقبال و ملاقات کے لئے ضرور پہنچتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ان کا وجود اس خطے میں ہو...... جس طرح میٹھے یا غلاظت کو مکھی مچھر وغیرہ سات تہوں میں بھی کھوج لیتے ہیں بالکل ایسے میں' کالے کوے بھی شاید ان کالے کرتوں والوں کے لئے یہی کچھ ہوں۔ بسا اوقات مجھے خود حیرانی ہوتی ہے کہ مجھے اِن کی بولی ٹھولی اور کاں کائیں کہاں سے کیونکر واقف ہوں...... کُتے بلّی کی بھوں بھوں اور میاؤں میاؤں کی طرح کوّے کی بھی کائیں کائیں ہی ہوتی ہے۔ اس کا ہر موقع حال کی ہر کیفیت کا اظہار کائیں کائیں کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں آتا ہے کہ بظاہر کائیں کائیں کے صوت میں اظہارِ جذبات کی کیا کیا [illegible] منظم ہو رہی ہوتی ہیں جیسے کلاسیکی موسیقی کو کوئی بے سمجھ صرف 'ہا ہا ہُو ہُو' کی گردان ہی گردانتا ہے۔ جبکہ اسے سمجھنے والے اِن کی پا' دھا' نی میں چھپی ہوئی سُروں کی خوبصورت جگہیں شکلیں' تانیں' مُرکیاں' بہلاویں [illegible] ندرتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک اک سُر سُرتی کو سمجھ محسوس کر کے سُنتے ہیں۔ یہ کوّوں کی بولی بھاشا میں نے کہیں سیکھی پڑھی نہیں...... اگر میں پرندوں' جانوروں کی بولیاں سمجھتا جانتا تو سب سے پہلے پپیہے' مور' بلبل' کوئل کی بولیاں ٹھولیاں سمجھ بوجھ کر اِن کے ترنگ و ترانگ ہجر و فراق اور نغمہ و نوا کے [illegible] و کرب سے تو یقیناً کچھ آشنائی حاصل کرتا...... یہ کُتّے' کوّے اور میری سانگی شاید ایک ہی رُخ پہ ہے

اسی لئے میں ان سے اور یہ مجھ سے بہت قریب ہیں...... کُتا چوپایوں کا درویش اور کوا پرندوں کا درویش۔

بابا تام چینی کی کلونسی ہوئی کیتلی میں گرم گرم قہوہ بھر کر لائے تھے...... قہوہ' کافی اور چائے ہیں تو تینوں گرم گرم سکون آور مشروب مگر مزاجاً اور مزے ذائقے میں قطعی ایک دوسرے سے مختلف...... ان تینوں میں سے محض قہوے کو یہ تشرف حاصل ہے کہ اس کے حصول' تیاری اور مابعد باقیات سے لطف اندوز ہونے کے لئے کسی تردد یا تکلف سے واسطہ نہیں پڑتا جبکہ دیگر مشروبات کی تیاری اور دیگر لازموں کے لئے دودھ' شکر' شہد' نمک' بالائی' مکھن اور علیٰ حسبِ ضرورت و مذاق' الائچی' بادیہ خطائی' سونٹھ' سونف' برانڈی' بادام' پستہ' کاجو وغیرہ کا تکلف بھی برتا جاتا ہے...... قہوہ کشمیری ہو یا قندھاری' مراکشی ہو یا مصری...... عربی ہو یا اومانی' پشاوری ہو یا پوٹھواری' چینی ہو چیچنی...... حبشی ہو یا یمنی' ایرانی یا عراقی...... سوڈانی یا سومالی سب قہوے معمولی سی افراط و تفریط کے ساتھ ایک سے [illegible] ہیں...... شکر کی ضرورت نہ دودھ کریم کی اور نہ ہی اس کی تیاری [illegible] استعمال کے لئے کسی مخصوص آلات و ظروف کی ضرورت ہوتی ہے...... یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گرما گرم سکون [illegible] مشروبات میں صرف یہی [illegible] ل ہوتا ہے جو [illegible] لحاظ سے بھی بے پناہ افادیت کا حامل ہے۔

بابا نے جو کشمیری قہوہ پلایا ایسا منفرد اور پُرلطف قہوہ پھر ایک بار بڈگام کے ایک درویش کے ہاں پینے کو ملا' یا پھر شری نگر کے ایک عالمِ دین کے ہاں ایک دعوتِ شیراز میں ایسا ہی پُرلطف و نفیس زعفرانی قہوہ چکھنے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ میرے تجسس اور قہوے کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بتایا یہ مخصوص قہوہ کسی کسی خوش نصیب ہی کو پینا نصیب ہوتا ہے...... شری نگر کے نواح سوپور' جدھر دُنیا کے سب سے اعلیٰ اور قیمتی زعفران کے کھیت ہیں۔ وہیں کہیں قریب ہی ایک مخصوص قطعے میں اس نادر قہوہ کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ یہاں کے زعفران کی طرح یہ مخصوص زعفرانی قہوہ بھی دُنیا میں کہیں اور کاشت نہیں ہوتا...... یہاں سے یہ چند مخصوص ہاتھوں تک پہنچتا ہے۔ نہ تو یہ کہیں بیچا جاتا ہے اور نہ ہی کہیں دستیاب ہوتا ہے' اسے سونے سے بھی زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے...... اس کی نشاط انگیز زعفرانی مہک اور اس کے سرمدی مزے سے ایک بار جو شاد کام ہو جاتا ہے وہ کبھی بھی اُسے فراموش نہیں کر سکتا...... اک بار چکھا ہے پھر چکھنے کی ہوس ہے کہتا ہوا اس کی جستجو میں رہتا ہے مگر یہ آرزوئے وصلِ یار کی طرح ہی رہتا ہے۔

[illegible] کمال محبت سے تین چار گھونٹ قہوے کے عنایت کیے تھے۔ قہوے کی کیتلی دیکھ کر پہلے تو یہی [illegible] کہ یہ بھی کوئی روایتی عام قسم کی چائے یا قہوہ ہوگا...... چودہ طبق تو تب روشن اور بیدار ہوئے جب [illegible] چسکی لی...... قہوے کی روایتی تلخی کے ساتھ جس چیز نے میری روح کو مشکبار کر دیا تھا وہ اس کی [illegible] بھینی بھینی زعفرانی مہک تھی جس میں قدرتی طور پہ شامل روغن نیبوں کا ایک الگ تیکھا سا ذائقہ اپنی [illegible] رہا تھا...... کسی بھی اچھے مشروب میں تین خصوصیات ہونی چاہئیں۔ رنگ نفیس' سیال ہلکا معتدل اور [illegible] خوشبو مشامِ جاں کو معطر کرنے والی' جو طبیعت میں طراری' بشاشت لائے اور روح کو پُرنور [illegible] قطع نظر قہوے کی یہ تمام خصوصیات صرف اور صرف اللہ کی بے مثال نعمت دودھ میں موجود ہیں...... [illegible] مشروبات مثلاً دودھ' پھلوں کے رس' پانی وغیرہ کے علاوہ جو مشروبات جنہیں انسانی ہاتھوں نے [illegible] موسم اور علاقائی ضرورت و تہذیب کے مطابق اختراع کیا ہے ان کے بنیادی عناصر میں پانی' [illegible] آگ بھی ہے...... بس آگ کی آنچ تپش سے پیدا ہونے والے تغیر [illegible] کے نتیجے میں جو کیمیائی [illegible] روق و سیال حاصل ہوئے وہ اس کے پسندیدہ مشروب ٹھہرے...... جن [illegible] طرح طرح [illegible] چائے' قہوے' کافی' [illegible] ہیں۔ اب [illegible] حدت [illegible] سکتے ہیں۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جب سے انسان نے اپنی غذا کی تیاری میں آگ کو [illegible] اس نے اپنی فطری قوت مدافعت جھلسا کر رکھ دی ہے۔ دیکھیں اگر تو آگ کو لگانا بجھانا سنبھالنا' [illegible] بچانا بھی اک سر دردی ہی تو ہے......

- [illegible] کوٹھا' دھانس کی موتھا......!

[illegible] کے دیے ہوئے بمشکل تین جرعے قہوہ...... شاید لڑکپن' جوانی اور بڑھاپا تھے...... عجیب از خود اسرار [illegible] مجھے یہ تینوں ادوار میرے سامنے کھول کر رکھ دیے تھے...... میں واضح طور پہ محسوس کر رہا تھا کہ میں [illegible] تینوں ادوار کی کیفیتوں میں ہوں...... قہوے نے جیسے میرے ظاہر و باطن کی ساری خشک سالی کو [illegible] سیراب کر دیا' میں ہلکا پھلکا بے وزن سا ہو گیا تھا۔ نگاہ پربتوں کے پار پاتال کے پنچھیوں [illegible] شرمیلی پُروائی کی سرگوشیوں اور پرندوں کے چہچہوں کی چلبلیں سمجھ میں آ رہی ہوں...... بابا بھی [illegible] دے رہے تھے۔

میں نے دیکھا' جانا اور سمجھا کہ روشنیوں' اُجالوں اور دھنک رنگوں کی کوئی الف' بائے' شناخت ہوتی ہے اور نہ کوئی پیش و پس' اِبتدا انتہا' اِلاّ تار و تیرگی' سیاہی اور سیاہ بختی کے راستے بند ہوتے ہیں۔ کوچۂ قاتل کے سوا...... سیاہ بختوں کی صبحِ اُمید بھی شامِ یاس ہوتی ہے۔ گاہے سیاہ پوشوں کے لئے سارے دھنک رنگ شب تار کے سنگ ہوتے ہیں۔ تیرہ مزاجوں' سوچوں والے روشن وقتوں میں بھی شب خیز ہوتے ہیں— سائنس نے تو آج اندھیرے اُجالنے والی عینکیں دریافت کی ہیں' سائیں تو اپنے پُھوٹے دیدوں سے دیکھتے اندھیروں میں ہیں۔ اِن اندھیر اندھوں کو اندھیروں میں بہت دُور کی سُوجھتی ہے...... یہ دن مُردہ دار اور شب زندہ دار ہوتے ہیں...... اِن کی شبیں منظر و معطّر اور دن' جھکندن و مُحبّس......!

''قہوہ کیسا لگا......؟'' بابا نے اچانک پوچھا۔

میں تو کہیں اور ہی ڈوبا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہانکیاں بانکیاں سوچ رہا تھا۔ اپنے اندر سے اُبھر کر جواب دیا۔

''بابا! کیا یہ قہوہ ہی تھا؟...... ایسی تشفّی' تسکین اور طمانیت حاصل ہوئی جس کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے...... مجھے تو یوں محسوس ہوا ہے جیسے میرے جسم و جان اور دل و دماغ کی ساری بند کھڑکیاں دروازے [illegible] اور میرے اندر کے بھاری بوجھل [illegible] ساری کثافتیں چھٹ چکی ہوں اور میں کسی شوخ خوش رنگ تتلی کے سبک سراپے میں تبدیل ہو چکا ہوں......''

بابا نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔

''ہاں' کجلائے ہوئے قہوے سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے......''

''کجلایا ہوا قہوہ؟''...... میں نے زیرِ لب دُہرایا...... ''ایسا قہوہ تو میں نے کبھی دیکھا سُنا یا پیا نہ تھا۔''

بابا نے جیسے میرا دماغ پڑھ لیا تھا' بولے۔

''دماغ پہ دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں...... میرے کاجل کوٹھے میں کاجل کُل کے اوپر یہ قہوے والی کیتلی دھری رہتی ہے۔ ضرورت سے گھونٹ گھونٹ پیتا رہتا ہوں۔'' وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے۔ ''اٹھو آؤ میں تمہیں اپنا کاجل کوٹھا دکھاتا ہوں۔'' وہ مجھے لیے چٹان کی دائیں جانب پہنچ گئے۔ ایک کچے پکے حُجرہ نما کمرے کے دروازہ پہ کھڑے ہو کے بتانے لگے۔

''یہ ہے میرا کاجل کوٹھا......'' مٹی' پتھروں اور لکڑی سے تعمیر' اک کوٹھا سا میرے رُوبرو تھا۔ پرانی کالی لکڑی کے بنے ہوئے بے ڈھبے سے دروازے کا پٹ ہٹاتے ہوئے مجھے اندر لے آئے...... نیم اندھیرے میں کچھ دِکھائی سُجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں کسی اندھے کی مانند ٹگ ٹگ ٹٹولتا ہوا جب کچھ دُور اندر آ گیا تو

محسوس ہوا کہ میں جیسے کسی اندھی قبر میں آ پہنچا ہوں...... کالا بم گھپ اندھیرا' کسی قدر گھٹن اور گرمی...... ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ دَرودیوار پہ کالے گھنڈ اندھیرے پُتے ہوئے...... عجیب کسیلے سواد والے روغنی پتھوں سے دُھواں کا اِک چھدرا جال سا بُنا ہوا تھا۔ اِس کے باوجود اِک خوشگوار سی تلخی اور خوشبو میرے مُنہ اور نتھنوں میں اُتر چکی تھی۔ اندھیرے سے آنکھیں مانوس ہوئیں تو دیکھا' غار کے درمیان اِک بڑے سیاہ پتھر پہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ایک چولہا سا بنا ہوا ہے۔ جس پہ سیاہ رنگت کی مٹی سے بنا ہوا ایک طباق اُلٹا پڑا ہے۔ نیچے دیانما مٹی کے کٹورے میں تیل اور اِس میں پڑی روئی کی موٹی سی بتی کے ہونٹ سُرخ تھے...... بابے نے قہوے کی کیتلی میں مزید کچھ پانی اور قہوے کی پتیاں ڈال کر کاجل والی کنالی کے اُوپر رکھ دی...... دروازہ سے بھیڑتے ہوئے کونے میں بچھی پھونس کی اِک چٹائی پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی تم نے کچھ چیت [illegible] کیا اب یہاں نکل کر پاؤں پسارے [illegible] دم دھیرج کرو...... میں کچھ سمے کے لئے یہاں سے تھوڑی دُور پرے باجو گھاٹ پہ جا رہا ہوں۔ تمہارے کھانے پینے کے لئے کچھ سامان لیتا آؤں گا۔ اتنی دیر تم اِدھر کچھ دیکھو' جانو اور سمجھو......"

میں نے بابا کا ساتھ [illegible] ہوتے ہوئے کہا۔

"بابا [illegible] سنگ لیتے چلو...... ویسے بھی [illegible] چِتا دُور ہو گئی ہے۔ اکیلا یہاں اوبنے لگوں بہتر ہے آپ کے ساتھ ہی چلا چلوں۔"

بابا نے ہلکے سے [illegible] اشانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"تم نے اوبنے کی بھی [illegible] شاید تم نہیں جانتے کہ گیانی دھیانی کہتے ہیں کہ گیان دھیان کی سرت مورکھا کے لئے زمین کے نیچے کی کوئی بانجھ باؤلی' یا زمین کے اُوپر بلندی پہ کوئی بے نور روشنی کا مینار ہی مطلب کے استھان ہوتے ہیں۔ جدھر اُترنے چڑھنے کے لئے سیڑھیاں منزلیں ہوتی ہیں' کوئی منزل اُتر کر سر ملتی ہے اور کوئی اُوپر چڑھ کر پاؤں پڑتی ہے...... اور ہاں دَم دھیان کی دِھیر چِتا کی جانکاری کے لئے زمین پہ بھی اِک استھان ہوتا ہے' وہ ہے کوئی کاجل...... کوٹھا یہاں پاؤں سے چڑھا اُترا تو نہیں جاتا البتہ پاؤں پسارے ضرور جا سکتے ہیں...... کاجل منڈپ کی جانب پاؤں پساریں تو دَم کی دھونکنی سے دُھواں کی دھانسا کی [illegible] پھیر ہوتی ہے تو رُوم رُوم میں کلانسا کے دِیپک سے جل اُٹھتے ہیں۔ ہر رُوم روزن کا دِیا دِیپک اپنی [illegible] لگن لوپ کا لائی وال ہوتا ہے۔

تم اِدھر دھیان جما کر اِس کاجل دیپ کی آرتی اُتارو' میں کچھ لے دے کر پلٹتا ہوں......"

سینے میں ارمان سُلگ رہے ہوں یا کسی کی یاد کا دیپک روشن ہو تو ظاہر ہے کہ دُھواں دھانس تو اُٹھے گا جو حلق سے نکلتے نکلتے آہ کراہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر وہ شے جو جل سکتی ہے، گرمی روشنی اور دُھواں پیدا کرتی ہے۔ ان میں روشنی ایک چند، گرمی دو چند اور دُھواں کئی چند رہتا ہے۔

اوّل بھی اور آخر بھی یہی دُھواں، بلٹے لپکے لہرے جھٹکے اور پھکے لے لے کر ماتم کناں یا رقص فشاں رہتا ہے۔ خصوصی مراقبوں، تحلیلِ نفسی، تزکیۂ نفس کی مشقوں، تسخیرِ ذات و ہمزاد کی ریاضتوں، جلسوں، چلّوں میں ایسی ویرانیاں، تنہائیاں جھونپڑیاں اور قبریں، قُبّے، ٹبے ٹیلے، کنوئیں باؤلیاں، گُپھائیں غاریں وغیرہ بڑے مددگار و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اُدنیٰ سے طالبعلم کی حیثیت سے اِن سے مناسب سی راہ و رسم بھی تھی۔ گاہے کاجل کوٹھڑی یا کوٹھے کے بارے میں سُنا پڑھا بھی تھا۔ ابھی اندر قدم نہیں پڑا تھا...... بابا مجھے شعوری طور پہ ننگا دھڑنگا کیئے دروازہ بھیڑ کے چل دیئے تھے۔ باہر کی روشنی چھوٹتے ہی اندر کے اندھیرے اُجلنے لگے۔ شاید یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں چکا چوندی کی جگہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تبدیل ہو جاتی ہے پھر یہی اندھیروں کی گھٹا ٹوپی کے باطن سے آگہی اور [illegible] کا قطبی تارا سا طلوع ہوتا ہے جس کی تابندگی سے ظاہر و باطن کی آنکھ چُندھیاتی نہیں بلکہ بینائی پکڑتی ہے۔

باہر جھاڑوں پہ مُنڈیاں ڈالے بڑے بڑے پروں والے بازو لٹکائے سراوگ کونے میں سے کسی نے "کیوں، کیوں" کی ہانک لگائی یا مجھے تازیانہ لگایا کہ میں دائیں جانب گھوم سا گیا...... آنکھیں کھلی تھیں یا بند...... یہ تو نہ سوچا لیکن سجھائی سب کچھ دے رہا تھا...... سامنے کاجل منڈپ سے سیاہ سورج اُبھرا ہوا مجھے چِل پِل کر رہا تھا...... کلمہ گو نہ ہوتا تو اِسے اگیا بتیال جان کر جان جوکھم کر لیتا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ اندھیرے اور کالے بھرت کا بلیلا ہے اور دیئے کے تیل کی دھانس ہے جو دماغ میں دُھما چوکڑی جمائے بیٹھی ہے اور اِدھر کالک کی شیتل سی دُھول دھندو ہے جو نتھنوں نسواری چڑھا گئی ہے...... دھیانی گیانی کہتے ہیں۔ دھیان کے لئے دُھواں اور گیان کے لئے گُپھا (غار، کھوہ، علیحدہ سی جگہ) لازم ملزوم ہیں...... دُھواں دِل سے اُٹھے یا جان سے...... اگر کے برادے یا چندن کے چوب سے ہرمل سے...... عود کے کاٹھ سے یا لوبان کے موم سے اُٹھے...... سفید تلوں کی دُھونپٹ ہو یا کالی کلونجی کی دھانس...... نیم کی نمولیوں یا تُلسی کی پتیوں کی دُھونی...... تمباکو کے ڈنٹھلوں یا خشخش کے ڈوڈوں کا دُھواں، فلفل احمر اور زرد چوبہ کا دُھواں...... اُمبہ ہینگ یا مارخور کے سینگ کا دُھواں...... سُوتک والی ناری کے زیریں بالوں کا دُھواں یا اُلٹا جنم لینے والے بچے کے ناڑو کا دُھواں یعنی دھیان کسی بھی دم درکا ہو اس کے لئے دُھواں دُھونی جزوِ لاینفک ہے۔

وَلی قُطب' فقیر' سادھو سنت' ملنگ' عامل کامل' عاشق عابد' مزار قبر ڈھیری' مقبرہ' مندر' مسجد' معبد کچھ بھی کوئی بھی ہو...... دُھواں دُھونی ضرور ہو گی ...... حاضرات' موکلات' جنات وظیفے چلّے چَو کے چَوبارے ...... دھوں بجائے بن نہ جن حاضر ہوتا ہے اور نہ ہی دیگر حاضرات ...... محبوب آتا ہے نہ معشوق پہنچتا ہے۔ ایسے ہی گیان کے لئے گپھا ہی گہوارہ ہوتا ہے۔ یعنی ایسا استھان جدھر دھیان گیان میں کوئی کھنڈت نہ ڈالے۔ ظاہر ہے ایسی جگہ کہیں جنگل' پہاڑ' غار' گپھا' باؤلی' قبرستان یا کوئی ویرانہ وغیرہ میں ہی ہو گی ...... یہی وجہ ہے کہ دھیانی گیانی' سادھو درویش' عاشق معشوق ...... آبادیوں کی بجائے اکثر بربادیوں اور ویرانوں میں پائے جاتے ہیں۔

بابا جی کا بھی اس دُھواں دھار گپھا میں پایا جانا خوب سمجھ میں آتا تھا۔ جبکہ مَیں اس پنجرے میں پھنسا ہوا پرندہ تھا' پھنسا ہوا ہی کیا بلکہ مَیں تو ایسا پرندہ تھا جو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے لئے کُنجِ قفس تلاش کرتا ہو۔ مجھ ایسے شکستہ دل' آشفتہ حال' شکستہ بال و پر پرندے سے تو پنجرے بھی پناہ مانگتے ہیں۔

کوئلے کی کان' کاجل کوٹھا یا لوہار عطار کی دوکان ادھر اُجلے دامنوں کا کیا کام؟ ادھر تو دریدہ دامن' سوختہ سوز سیاہ دل ہوتے ہوں گے نہ بھی ہوں تو بھی ہو جاتے ہیں۔ کالے تن من پیراہن پہ تو کوئی داغ دھبا' یا داغ کو چنگاری تل خالا بھی دکھائی نہیں دیتا ...... مُرجھائے ہوئے آنکھیں کلوٹی لال ہونٹ پڑے' [illegible] ہیں۔

اس دوران میرا کچھ ایسا ہی نک نقشہ ہو گیا تھا ...... وقت کی بیتا پہ نرم ہاتھ ترن ترن چھیڑا ہوا گھاؤ بھی جب کچھ مزید زخم زخم ہوا تو یوں احساس ٹھہرا کہ زمانہ یا وقت ہر ایک پہ ہمیشہ ایک سا نہیں پڑتا۔ بلکہ ہر اک ذی نفس کے پاس زمانہ' وقت بِتانے یا گزارنے کے اپنے الگ الگ پیمانے ہوتے ہیں ...... ساعتوں' لمحوں' پہروں' دنوں' ہفتوں' عشروں' مہینوں' برسوں' صدیوں قرنوں کو محسوس کرنے کے اپنے اپنے انداز ڈھور اور فکری شعوری رویے ہوتے ہیں ...... کسی کے لئے ایک پل اک صدی کے برابر ہوتا ہے اور کہیں صدیاں ساعتوں میں دکھائی دیتی ہیں ...... لاکھوں کے مجمع میں ہر نفس سر پہ کھڑے وقت کے سیٹلائٹ تلے اپنی الگ الگ فریکوئنسی رکھتا ہے۔ وقت وقفے کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہوتا۔ وقت تو ایک کالے قلزم میں ٹھہرے پانی کی مانند ہے۔ جس کی اپنی کوئی مخصوص شکل و صورت نہیں ہوتی۔ وہ جس ظرف ظروف میں اُترے گا وہی شکل و صورت حالت اختیار کرے گا۔ سو جام ہو یا سبو' مشکیزہ ہو یا کاسہ وغیرہ ...... علیٰ ھذا القیاس وقت ہر اک کے لئے اپنا الگ تشخص اثرات اور اشکال رکھتا ہے۔ جیسے ایک ہی صحرا میں ہر ذرہ اپنا ایک الگ سورج رکھتا ہے۔

اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سر پڑے وقت کی اپنی گفتار اور مُٹھی میں بند ریت کے دانہ دانہ کھسکنے کی

سُوجھ سمیٹ ہی رہا تھا کہ بابا اپنی کالی چادر میں کچھ سامان باندھے اندر داخل ہوئے۔

''السلام علیکم'' کا چراغ جلا کر وہ میرے سامنے چٹائی پہ بیٹھ گئے۔

''کہو بچہ' کیسے گزر ہوئی؟...... مَیں نے تو اپنی طرف سے کچھ دیر نہیں کی۔ جانا آنا ہی کیا ہے۔'' چادر کھول کر مجھے سامان دکھانے لگے۔ ''تمہارے لئے نرم نرم بگو گوشے' تازے تازے سُرخ خوشبودار میٹھے میٹھے سیب' کھیرے' سبز مرچی' آلو اور مچھلی بھی لایا ہوں...... چاول' گڑ' مکّی کا آٹا یہاں موجود ہے۔ ہم پکائیں گے اور خوب کھائیں گے۔''

مَیں نے سامان سے نظریں ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

''بابا! آج مجھے کیا ہوا پہلے صرف کالی چیز ہی کالی دکھائی دیتی تھی اور اب ہر رنگ سیاہ نظر آتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مَیں باہر کے علاوہ اندر سے بھی کالا شیا ہو گیا ہوں۔ میرا جسم' میرے خون کا رنگ' میرا دل دماغ' انگ انگ' پور پور پہ سیاہیاں پُت گئی ہیں...... اور تو اور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا تارِ نفس' دُھویں کی مہین سی اک لہر میں تبدیل ہو گیا ہے...... بابا! مجھے اک عجیب سی خُوشبو نے ترمست کیا ہوا ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے...... یہ پُر اَسرار پاکیزہ سی کالکیں' روشن روشن اندھیرے اور ایسی آفاقی سی خُوشبو...... جیسے [illegible] ہے۔ یہ [illegible] کا [illegible] اور گہرائیوں کے باطن سے پھوٹنے والی کوئی لافانی سگندھ ہے۔ سمے کے پگ میں پڑی کانسی کی پائل سے بکھری ہوئی سی جھنکار کی مُسکان ہے۔ بابا! یہ سب......؟''

بابا اپنا کومل سا ہاتھ بڑھا کر اپنی موم سی پوروں سے میرے ہونٹ مَس کرتے ہوئے کہنے لگے۔

''ایسی پیاری پیاری اَدق سی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں تم نے؟...... لگتا جیسے کوئی کویتا سُنا رہے ہو...... اور ہاں میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے تمہارا کسی کاجل کوٹھے سے واسطہ نہیں پڑا' ورنہ تم ایسی باتیں نہ کرتے۔ کاجل کوٹھے کی اپنی ایک الگ ہی دُنیا ہوتی ہے...... اِس کا ظاہر زمانے کی زد میں اور باطن وقت کی قید سے آزاد ہوتا ہے...... کالکو ودھیان کی تپسیا کچھ ایسی آسان رسان بھی نہیں ہوتی...... اور نہ ہر کوئی منش اسے جھیلنے نبھنے کے لائق ہوتا ہے...... دودھ کی دھار اتو ہر کوئی پی لیتا ہے پر کالے بس کا پیالہ پینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ بس جس کی سراوگ کو نے پنپائی اور رکھشا کریں وہی کالکو ودھیان میں دھیان دے سکے ہے...... اور تمہیں اُدھر اس کاجل کوٹھے تک یہی باہر رُکھوں پہ بیٹھے ہوئے سراوگ ہی تو لائے ہیں...... بچہ' تن مَن' باہر بھیتر اُجلا اور روشن تو کوشش اور کھوجن سے ہو سکتا ہے پر اسے کالا کلو دہا کرنا اور پھر اسے گہرا اور قائم رکھنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں......''

● کاجل منڈل، کاہو اور صندل......!

پھر وہ کاجل منڈل پہ ایک کسی درخت کے ٹھونٹھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"یہ کاہو کا ٹھنگو دیکھتے ہو...... جس پہ دیپک دھرا ہے۔ کاہو اور چنچل پتھر ایک برابر ہوتا ہے۔ کاہو کا ٹھو لوہے کے ٹھل کے موافق ٹھن ٹھن کی آواز دیتا ہے...... کاٹو تو آرہ کند کر دے۔ ندی میں پھینکو تو نیچے تہہ میں بیٹھ جائے...... ایسا کٹھور اور کٹھن سبھاؤ والا کاٹھ دھرتی پہ کوئی اور نہ ہوئے۔ پر یہ کاجل کوٹھے میں پڑ کر پیچھے ہو جاتا ہے کہ مثلِ آفتاب دمکتا ہے۔"

میں فوراً بول پڑا۔ "ہاں، بابا! میں نے اِسے ایسے ہی روشن دیکھا۔ مگر ایسی روشنی جو آسمان والے سورج سے مختلف تھی...... میں اگر اِسے کالی روشنی کہوں تو شاید یہ درست نہ ہو یا شاید اس طرح کہ جب اندھیروں میں مزید اندھیرے گہرے ہو جاتے ہیں تو پھر وہ سُلگ کر روشن ہو جاتے ہیں جس طرح دُکھ آلام [illegible] جب پنجم سُر لگاتے ہیں تو مزہ دینے لگتے ہیں۔"

بابا بولے۔ "ہاں، بالکل ایسے ہی...... یہ کاہو کا ٹھو ایسا ہے جیسے اگر آگ جا نا چاہے تو اپنے ہونٹ جلا بیٹھے۔ پانی [illegible] چاہے تو پیٹ پھوٹے...... دیمک [illegible] ہو جائے [illegible] کے دانت کھٹے ہوں اور [illegible] راندۂ کار ہو جائے۔ اس جلالی درویش صفت کاٹھ کو اک خاص مقصد کے لئے کاجل کوٹھے میں دیپک تھل کے نیچے رکھتے ہیں اور یہ ادھر پڑے دھرے پتہ نہیں کیا سے کیا ہو جاتا ہے...... تیل تراہٹ تمازت تیرگی اور آس پاس کی [illegible] اسے درویش سے ذرویش بنا دیتی ہے...... وقت کوٹھے سے باہر رہ جاتا ہے اور وہ ہر آن سوز و سازِ رومی پیچ و تابِ رازی کی زد میں رہتے رہتے سنگِ مقناطیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

"بابا! یہ کالکو ودھیان کب تک جاری رہتا ہے کیا اس کا کوئی اَنت بھی ہے؟"

بابا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"جب کاہو کاٹھ پہ دھرا دیپک بِن تیل باتی کے بھی جلتا رہے تو جان لو کہ تپسوی کی تپسیا اَنت ہو گئی...... اور یہ سمے تب آتا ہے جب سَراوگ کوٹے کسی نئے سراوگی کو لے آتے ہیں...... آنے والے اپنے ہاتھوں دیپک میں تیل باتی ڈالتا ہے...... نیا کاہو کا ٹھنگو تیار کر کے استھان بناتا ہے۔"

بابا چند لمحے رُکنے کے بعد معنی خیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے پھر بولے۔

"تم دیکھ سکتے ہو کہ دیپک تیل سے خالی سوکھا پڑا ہے...... اور جل بھی رہا ہے۔"

بابا کی بات کی یہ گھات جان کر میری تو سٹی گم ہو گئی...... چُپ سی لگ گئی...... یا خدا! یہ کیا...... اب مجھ

میں آیا کہ یہ بڑے بڑے کوّے...... جو کوّوں سے زیادہ کوّوں کے روبوٹ لگتے تھے کیوں میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں...... کشتی اور کشتی والا پُر اسرار بابا...... یہ اَن دیکھا جھیل کا کنارہ، مقناطیسی پتھر...... جو اسی کاجل کتھا والے کاہو شنگو کے زیرِ اثر تھا اور کوّوں کی رہنمائی وغیرہ وغیرہ...... جب ہر چیز اچھی طرح واضح ہو گئی تو میں نے بابا کے چرن چُھوتے ہوئے عرض کی۔

''اب میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

''آج رات میں تمہاری راہنمائی کے لئے یہاں رُکوں گا...... تمہارا کشتی والا شَلا یہاں پرانے شنگو کی جگہ لے لے گا...... دیپ سے دیپ جلے گا، نیا تیل نئی باتی پڑے گی اور پھر تم سے ہماری اللہ بیلی ہو جائے گی۔''

میں نے اپنے کشتی والے شلے مقناطیسی پتھر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''بابا! یہ شلا؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ اور استھان والا شنگو ایک ہی چیز ہیں۔''

''ہاں...... تمہارا والا شلا بھی کاہو شنگو ہی ہے...... جو پچھلے برس اسی استھان پر جڑا پڑا تھا...... اس پہ کالکو ودھیان ہو چکی ہے...... اس کو تراش خراش کر شلا بنا دیا گیا ہے جو اس کا اَنت ہے۔''

میں نے استھان والے شنگو یعنی کاہو کاٹھ کے ٹُھنڈ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ اِس کا کیا بنے گا؟''

''اب اِس کو بھی تراش خراش کر تمہارے شلے کی مانند بنا دیا جائے گا...... یعنی گول سا پتھر! جو آسانی سے اُٹھایا اور سنبھالا جا سکے اور جان لو کہ جو فالتو لکڑی کے ٹکڑے اُترتے ہیں وہ بھی بڑے کام کے کیمیائی ہوتے ہیں۔ اس سے خاص الخاص کاجل کولے اور سُرمہ دانیاں بنتی ہیں...... تسبیحوں کے منکے...... دیگ وڑے، ہتھ چھڑیوں کے مُوٹھے...... گلے میں ڈالنے والی لوحیں، تختیاں، پنجے، گولر اور جوگیوں کے کانوں میں ڈالنے والے بالے وغیرہ بھی تیار ہوتے ہیں...... اور یہ چیزیں صرف سادھو، جوگی، فقیر، درویشوں، سنتوں کے کام کی ہی ہوتی ہیں۔''

میں نے جب بابا سے پوچھا کہ اس شنگو میں کون سا ایسا چمتکار ہوتا ہے کہ اسے صرف گیانی دھیانی فقیر درویش ہی اہمیت دیتے ہیں تو وہ کہنے لگے۔

''اگر میں صرف تمہیں اس کاٹھ کی سُرمہ دانی اور کاجل کولے کا چمتکار ہی بتا دوں تو تم حیران رہ جاؤ گے...... ایسی سُرمے دانی میں کبھی سرمہ یا کاجل بھرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی...... اگر روزانہ اس میں سے صرف سلائی کھینچ کر آنکھوں میں پھیر لو تو دیکھو گے کہ کالی گھٹائیں آنکھوں میں اُمڈ آئی ہیں...... اندھیروں میں بھی دکھائی اور دُور دُور تک سجھائی دینے لگا ہے...... دیدوں میں دیدہ وری دَر آ گئی ہے۔ آنکھیں حسین اور

[illegible] ہی ہو گئی ہیں سمجھ لو کہ اسی طرح اس سے بنی ہوئی دیگر اشیاء بھی عجیب وغریب اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ جو سمجھ عقل سے ماورا ہیں۔"

بات در بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک آ پہنچی کہ وہ مصرعہ سامنے آ گیا۔

"بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے"

حافظے کے رُخِ تاباں سے ذرا آنچل سرکائیں تو محسوس ہو کہ نگہ ناز پھسلتے پھسلتے کہاں پہ آ رکی ہے۔ یہ سلسلہ ہائے دراز تھا اسی گفتگوئے پیچ و خم کا کہ سفیداں بائی کے سر میں کشمیرے سنگھ کی محبت و صحبت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ دن رات اس کے خیالوں میں مگن' کھانے کا ہوش نہ پینے کا جتن۔ کام قماش سے بے رغبت' اپنے بیگانے سے بے مروّت اور ادھر کالے خان کو اک چپ چپاتے [illegible] دل دم کرے سب کچھ دیکھا کئے تھا۔ اک روز سرِ شام سفیداں بائی سر کی دُکھن اور آنکھوں کی جلن سے بے کل ہو رہی تو کالے خان سے رجوع کی تو اس نے اپنے شلوکے کی جیب سے اک سُرمہ دانی نکال کر اس کے دیدوں میں ایک ایک سلائی پھیرا [illegible] دیکھتے ہی دیکھتے جہاں دُکھ درد جاتا رہا وہاں اس کے کٹورے نینوں میں مدھ کی [illegible] ک جوالا بھی [illegible] سُرمہ دانی پہلی بھی تھی۔ جس سرمے کا جل' کول کی محتاج نہیں تھی' جس کی سلائی آنکھوں میں کھینچنے سے نہ صرف تن من کی ہر طرح کے دُکھ درد دُور ہو جائیں۔ پھر سفیداں بائی نے کالے خان سے یہ سرمہ دانی یوں طلب کی تھی جس طرح کوئی طرحدار کسی طرحدار تماش بین سے وفا مانگتی ہے اور کالے خان نے بھی اپنی سُرمہ دانی یوں بخشی کہ جیسے کوئی بھگت کسی دیوداسی کو دیویہ دان دیتا ہے۔ سرمہ دانی دینے کے بعد وہ یہی سوچ سوچ کر نہال ہو رہا تھا چلو آنکھیں تو میری ہوئیں باقی چاہے وہ کسی کی بھی ہو"...... سفیداں بائی بھی سُرمے دانی پا کر یوں نین مکھور مکھور ہوئی جیسے مہارانی جھانسی سے جُون جڑی ہو یعنی یہ خاص سُرمہ دانی بھی اسی کاٹھ کی بنی ہوئی تھی۔

نیند پلکن کے پلنے میں جیسے جنم جنم سے آرزوؤں کے سائے سوئے پڑے ہوں۔ خوب وقت تھا کہ سفیداں بائی اور کشمیرے سنگھ اک دوجے کا سایہ ہی تو بنے ہوئے تھے اور سایوں کا سلسلہ' روشنیوں کے زاویوں سے بندھا ہوا ہوتا ہے اور زاویے مستقیم نہیں ہوتے۔ ان میں دباؤ جھکاؤ' گھماؤ ہوتا ہے۔ وقت کے چمکتے سورج نے ان دونوں دیوانوں اور ایک نیم دیوانے کی دیوانگی پہ اپنی آنکھیں قدرے مُوند رکھی تھیں کہ ہر عمل و دخل کی ایک حد کے بعد اپنا ایک منطقی انجام سرپذیر ہونا باقی رہ جاتا ہے اور اب شاید یہ سمے بھی سر آ لگا تھا۔

سفیداں بائی اپنا عندیہ و اَرادہ کسی پہ کھولنے کی پابند تو نہ تھی...... نہ ہی اَب تک کسی کی ٹوپی رہی یا کسی کی نگہداری و پابندی کی کڑی پاؤں میں پڑی' وہ تو خود مختار و مشہور رنڈی تھی جو سکہء رائج الوقت کی مانند شہر و نگر اور حُسن و عشق کے ہر کوچہ و بازار میں ہمہ اہتمام گردش میں رہی تھی۔

بر سبیلِ شوق اُتم ہلکی سی چٹکی چٹخائی کہ کشمیرے سنگھ کے ساتھ ڈیرہ ڈون جائے گی۔ آگے پیچھے آنا جانا تو اس کا لگا ہی رہتا تھا لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس بار یہ بُلبُل ہزار داستان' اس بلخ کے شہزادے کے ساتھ کسی لمبی ہی اُڑان پہ ہے...... دو چار روز میں ہی اس نے اپنا مکان چوبارہ' آگرہ کی ایک طوائف خوش بخت جہاں کو کرایے پہ اُٹھوایا اور تو اور اِدھر دونوں ٹوچیوں' سازندوں' خانہ زادوں کو بھی اسی طوائف کا پابند کروا دیا۔ کالے خان کو پہلو میں بٹھا کر دلار دیا منتظر سے سمجھایا کہ طوائف تو کھڑے سورج تلے منش کا پرتو ہی تو ہوتی ہے آگے کبھی پیچھے۔ سر چڑھی تو کبھی پاؤں پڑی...... اس کا دھندا پیشہ ہی ریجھانا بہلانا پھسلانا اور داؤ دھوکے [illegible] دال دلیے کا دلدر دُور کرنا ہوتا ہے۔ جو دام دے اُسی کی داسی' وہ بھی راضی یہ بھی راضی

تم نے سنا تو ہوگا...... رنڈی کس کی جورو' بھڑوا کس کا سالا' اِدھر تو اُدھر بچھونے میں [illegible] رہو۔ رزق وہ جو تم خود اپنا [illegible] پاس [illegible] تم یہاں رہو یا ساتھ چلو کچھ فرق نہیں پڑتا...... پھر کچھ توقف سے قدرے دابو ہو کر کہنے لگی۔

''رنڈی کا [illegible] نیت نگاہ کی کچی ہو ہوتی تو عورت ذات ہے...... کبھی کبھی رنڈی کو بھی پرگنڈی مل جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود بھی کشمیرے سنگھ سے لگاوٹ سی ہوگئی ہے۔ تم جانت ہوگے کہ رنڈی جس سے دل دام سے دب جائے تو وہ پھر ہر حال اُسے حاصل کرنا چاہتی ہے۔''

کالے خان کھچڑی چھدری مونچھوں کے نیچے موٹے موٹے کالے جامنوں سے خشک ہونٹ لٹکائے' بن پلکن جھپکائے نیچے بچھی گنگا جمنی توشک کو یوں تک رہا تھا جیسے اس پہ فرد جرم عائد کر کے اسے اس کے پور پور کاٹنے کا حکم سنایا جا رہا ہو۔

- اُڑی اُدھر کو راکھ جدھر ہوا چلی......!

کرنے کو تو وہ باتیں کر رہی تھی مگر بڑی گستاخانہ سے وہ کالے خان کے جُھکے بُجھے چہرے پہ مٹے مٹے دُھندلے دُھندلے نقوش اُبھرتے ڈوبتے دیکھ رہی تھی۔ جن میں اِسے اپنے مرحوم باپ کی ہو بہو شباہت

[illegible] رہی تھی۔ انگوٹھی' نام اور رام پور کے حوالے سے اُسے شروع روز سے ہی پہچان چکی تھی کہ وہ اُس کا سوتیلا بھائی ہے...... جہاں اُسے اِس اَمر کا دُکھ ہوا کہ وہ اپنے باپ کے نقشِ قدم پہ چلتا ہوا اُس تک پہنچا' وہیں [illegible] یہ طمانیت بھی ہوئی تھی کہ چلو کوئی تو اُس کو اپنا تو ملا...... جو اُس کا اپنا خون تھا۔ مگر رنڈیوں' طوائفوں کے [illegible] میں ماں باپ اور بہن بھائیوں' بیٹوں کے رشتے تعلق چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ یہاں منتیں' دُعائیں [illegible] مانگ کر لڑکوں کی بجائے لڑکیاں مانگی جاتی ہیں کہ ان کے پیکروں میں پارہ' پاؤں میں گھنگھرو' گلے میں [illegible] کر کے' اُن کے حُسن و جمال کو اُجالا دے کر عشرت کدوں کی زینت بنا دیا جائے۔ اِن کے بھیجے' بیٹے [illegible] گزاری کے محنتانے' بیعانے اور نذرانے اُٹھاتے ہیں۔ ان کے لئے قدر دان دولت مند گاہک تلاش کرتے ہیں۔ ان کی عیش گاہوں کے باہر پہرہ دیتے ہیں...... اس قماش و کاروبار میں شرم' حیا' وفا یا غیرت و حمیت کا نہ تو کوئی تصور ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی گنجائش......

بایں ہمہ کوئی بات تو تھی کہ جو سفیداں بائی نے کالے خان کو کالے بیجوں کی طرح اپنے من کی کٹوری [illegible] رکھا ہوا تھا...... خوب جانتی تھی کہ وہ نظر و نیت کا بُودا نہیں ہے محض اُس کے سُروں کی سچائی [illegible] اور قدر دان بھی ایسا کہ اِس کی خاطر اپنا [illegible] تیاگ کر کسی کا ہو رہا [illegible] سفیداں بائی نے [illegible] یا بچی کی تھی۔ [illegible] کالے خان کبھی اِس کے دسترخوان سے ایک لقمہ تک توڑنے کا رَوادار نہ ہوا تھا۔ اپنی محنت مشقت سے اپنا [illegible]۔ یہی وجہ کہ سفیداں بائی نے اُسے قدر و عزت کے منار میں رکھا ہوا تھا۔ [illegible] کے سنگھاسن پہ [illegible] سُگھڑی بیٹھا ہوا تھا۔ [illegible] کے ساتھ اب وہ ایک ایسے سفر پہ روانہ ہو رہی تھی جس کی منزل کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ ایسے میں وہ اُسے اپنے ساتھ کیونکر لے جا سکتی تھی...... اپنے قیمتی پارچات' فالتو [illegible] چاندی گلٹ کا زیور' بہشتن ماں کی چند نشانیاں اور اسی نوع کا کچھ دیگر سامان اس کی کوٹھڑی میں رکھوا [illegible] بڑے ڈیرے کو نئی کرائے دار کے حوالے کر کے صرف کالے خان کی سُرمہ دانی' انگیا میں ڈال کر [illegible]۔ کسی سے دُعا نہ سلام...... جی کڑا کر کے کشمیرے سنگھ کی پینس میں سوار ہو لی۔ نوچیاں' نوکرانیاں' [illegible] سازندوں کی آنکھوں میں جیسے ساون کُھل گئے۔ حلق کوے بجنے لگے' چہروں پہ خاک اُڑ گئی لیکن وہاں [illegible] پتھر بھی تھا جسے رینگ لگی نہ سینگ...... کالے خان بس دُور تک اُسے اپنی پھٹی پھٹی غلافی آنکھوں سے دیکھتا [illegible]...... اب کالے خان کے پاس جینے مرنے کے لئے باقی کیا رہ گیا تھا؟

بیٹا' بھیا' بانکا' جیسے کیسے بھی ہوں نگاہ میں دھرے رہیں تو دم سادھے رہتا ہے...... کہیں اوجھل بوجھل ہو [illegible] تو دَم دُھواں سا دینے لگتا ہے۔ سانپ کے کاٹے سے سراپا نیلا اور ڈھیلا پڑ جاتا ہے لیکن جسے سُر لڑ جائے

اُس کا سر یہ ہی نہیں بلکہ اندر آتما تک سُلگ اُٹھتی ہے۔ پھر اس کا علاج اُپائے سُر سمھا ہی ہوتی ہے...... اس کی تو سُر کے سنگ سُمھا بھی گئی اور سجاوتی بھی ...... مگر جنہیں خود اپنے ہاتھوں اپنی کٹیا جلانے اور لٹیا ڈبونے کا ڈھنگ مل گیا ہو اُنہیں کسی نئی بربادی کی چنتا کیسی......؟

جب جانے والا مسافر منظر سے معدوم ہو گیا تو وہ ویران اَکھیوں کے خالی خشک پٹ بند کیے کوٹھڑی کے کھدرے میں دھرے سفیداں بائی کے سامان پہ ڈھیر ہو گیا۔

جلے گھر سے نکالے ہوئے بچے کھچے جھڑوسے ہوئے سامان پہ ٹیکی لے کر کھلی آنکھوں سے لدے سموں کے سپنے دیکھنے سے بڑی شانتی اور سکھ ملتا ہے...... وقت کے اِکتارے کی ترُوم ترُرک تو کبھی بند نہیں ہوتی کوئی کان بند رکھے یا کھُلے یہ تو بجتا ہی رہتا ہے...... بیراگی جوگی اِسے انگشت کرتے ہیں تو یہ جھلا کر اول فول بکتا ہے۔

نکانے والے بابے نے اپنے کھیتوں کے ایک کاٹھ کدو سے اِک اِکتارا بنانا چاہا کہ اِک نام کی سنگت ہو جیسے ہی یہ دھوپ تاپ سے خشک ہوا تو پیٹ مل آرے چھیدا کہ کاٹھ راٹھ ترازو کر کے تند ڈالنے کا جتن کیا۔ چھپ چول یہ کاٹھ بٹھائی...... تار کھینچ کر لٹو مٹھو کیا ...... سب جتن توڑے مگر اِک نام کے بجائے ست نام ہی [illegible] ہی ہے۔ حق کے وہ ہی اِک ستار وغفار ہے۔ میرابائی کے انگ لگ کر رنگ لائی کہ بج بج کر بھجن ہو گئی۔

کالے خان بھی سرتاپا پُرتاپ ہو گیا تھا۔ رڑھا ٹھیلا بند۔ ہمہ وقت کوٹھڑی میں پڑا سڑتا رہتا یا کبھی جی بھر آتا تو سفیداں بائی کے سامان کی جھاڑ پونچھ کر کے اپنا جی پرچا لیتا۔ اس کے کپڑے لتے صندوق سے نکال کر دیکھتا رہتا۔ پشوازیں' جوتے' دو چار جوڑیاں پرانے گھنگھروں کی تھیں۔ ہلکی بھاری کانسی' پیتل چاندی تے کھوتا' ڈھیلے اور پھر کستا...... نیچے طلے کے پرانے' دوپٹوں کے بھاری پلو۔ کامداری چادریں' زیر جامے قیمتی گھاگھرے باز وبندے' سلکی شمیزیں بنارسی قمیصیں کرتے' کشمیری دوشالے کیا کچھ نہ تھا...... یوں بھی وہ کچھ وہمی سا ہو گیا تھا کہ کوئی یہ متاع خزانہ لے جاوے...... وہ اس خزانے پر بے دانت کا سانپ بنا بیٹھا رہتا۔

ایک دن وہ چندن کے بھاری بھرکم سنگاردان کی جھاڑ پونچھ کر رہا تھا کہ افشاں کی کوئی ڈبی پڑیا اُلٹ گئی...... بکھری ہوئی افشاں اور پھیلی ہوئی سیاہی کا سمیٹنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا...... ہاتھ' منہ ناک کا ستیاناس ہو جاتا ہے...... یہی کچھ یہاں بھی ہوا' افشاں کی چاندنی چھٹتے چھٹتے کہیں کوئی سُرمے کی پوٹ بھی پھٹ پڑی...... پھر کیا تھا کہ اندھیری رات میں ستارے سے چمکنے لگے۔ ہڑبڑا کر سیدھا اُلٹا ہاتھ پڑا تو شیند ورکی ڈبیا

[illegible] گئی۔ غازے کا ڈبا جو پہلے پچکا پڑا تھا ہاتھ چھوتے ہی آبگینے کی مانند پھوٹ پڑا...... افشاں اور سُرمے کے ساتھ جب گلابی غازے کا غبار اُڑ کر شامل ہوا تو عجب سی رنگوں کی کہکشاں سی اُجل گئی...... جھاڑ پونچھ میں [illegible] اک ہاتھا سب چٹک چاٹکے ہو گئے' ملا جُلا غبار اُڑا تو کھانسو اور آنچھو آ پڑے...... سب کچھ وہیں اُلٹ پلٹ کر وہ باہر صحن میں نکل آیا۔ ہاتھ منہ سر دھو چھپک کر وہیں باہر منڈیر پہ بیٹھا سوچنے لگا' مت ماری گئی تھی [illegible]...... شنگار دان کیا کھول بیٹھا کہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ لیا۔ غبار کی دھانس جب چھوٹی تب اندر آیا' [illegible] کی تھگل سے سب چونا سُرمہ صاف کر کے شنگار دان کو خالی کر دیا...... اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے [illegible] سے شنگار دان کے نیچے پیندے میں اک کھٹکا سا دکھائی دیا' ذرا دبایا تو وہ علیحدہ ہو گیا...... حیرانی کے [illegible] سے لمحوں کے بعد ہلکے سے جو جھک کے دیکھا' اندر موم جامے کے لفافے میں کچھ کاغذات لپٹے [illegible] دکھائی دیئے...... ہلکے سے جھٹکے سے وہ لفافہ [illegible] کی جھولی میں آ گرا...... اُوپر لپٹا ہوا کالا دھاگہ [illegible] کچھ پرانے سے خطوط اور ان کے درمیان ایک گہری خاکستری سی تصویر جس کے نقوش بُجھے بُجھے سے [illegible] گھنی مونچھیں' سر پہ رام پوری صافہ' موٹی موٹی غلافی آنکھیں...... قدرے [illegible] ہوئی ناک کی [illegible] جانب موٹا سا مسّا...... بھاری کلا اور موٹے موٹے ہونٹوں پہ اک معنی خیز سی مسکراہٹ...... دیکھتے ہی [illegible] پھوں پھوں [illegible] لگے۔ یہ اس کے مرحوم باوا تھے...... یہ خود بھی ہو بہو ان ہی پہ تھا۔ ایک ایک نین نقش' کاٹھلا' دیکھنے [illegible] کا بھاؤ' وہ جیسے خود آئینے کے رُوبرو کھڑا ہو...... دیکھتے دیکھتے وہ جیسے باپ کی آنکھوں میں اُتر گیا۔

اس کے باپ کے پاس [illegible] بس یہ آنکھیں ہی تو تھیں...... باقی تو وہ سارا رام پوری پٹھان تھا۔ [illegible] خوبصورت کسرتی جسم' رُعب داب والی مونچھیں' ڈاب میں اڑسی ہوئی مخملی تھیلی...... پیسے ٹکے تو [illegible] کے پاس ہوتے ہیں مگر اس کے ابا کے پاس یہ بولتی ہوئی عجوبہ آنکھیں ان لوازمات کے سوا تھیں۔ [illegible] اگر وہ اپنی یہ نشانہ تلاش کرتی آنکھیں کسی کتے' بلی گھوڑے پہ گاڑ دیتا تو وہ بھی پتھر سِل سے ہو [illegible] جاتے تھے......!

ایسی آنکھوں کی نظیر اگر کہیں ملتی ہے تو وہ ماضی کے اداکار چندر موہن اور نجم الحسن تھے۔ اس زمانے میں شریف اور اصیلوں کے ہاں رنڈیوں کے ڈیروں' چوباروں کوٹھوں پہ جانا کچھ ایسا معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا [illegible] جس رئیس امیر' خاندانی کی اپنے ماحول میں دو چار اعلیٰ درجے کی طوائفوں سے مستقل تعلق نہ ہوتا یا [illegible] ملازمت میں کوئی طرحدار' نتھ یافتہ یا نتھ باختہ رنڈی نوچی نہ ہوتی تو اس کی اخلاقی' تہذیبی' مالی حیثیت

ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی تھی...... گھر' حویلی' حرم میں پڑی ہوئی باقاعدہ منکوحہ بیویاں بھی شوہروں کے اس طرح پہ چیں بہ جبیں نہ ہوتی تھیں۔ یعنی مردوں کا یہ چلن ان کے نزدیک کوئی خاص اخلاق باختہ کی چیز نہ بلکہ اسے روزمرہ سمجھا جاتا...... یہاں تک کہ چھوٹے بڑے بچے بھی یہ ادراک رکھتے تھے کہ ان کے بزرگ فلاں فلاں رنڈی ڈالے ہوئے ہیں۔ انہیں یہاں تک خبر ہوتی کہ موصوف آج کس کے کوٹھے پہ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ ایسا بھی تھا کہ اُدھیڑ عُمرا باپ اور جوان بیٹا ایک ہی کوٹھے پہ موجود ہوتے...... یا پھر اَبا نے بڑی والی رکھی ہوئی ہے اور بیٹے نے اس کی بیٹی بٹھائی ہوئی ہے...... بات کُھلنے پہ بھی کوئی ہنگامہ کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی تھی بس آنے جانے کے اوقات تبدیل ہو جاتے تھے...... اگر اتفاقاً کہیں آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو سر سے دوپٹہ اُتار منہ پہ ڈال کر طرح دے دی جاتی اس پہ کہیں عاق یا قتل کی نوبت نہ آتی تھی۔

ایسے وقتوں کے ایسے لوگوں میں کالے خان کے ابا بھی شامل تھے۔ خاندانی کاروباری معزز تھے...... جسم جوانی میں پورے ذوق شوق بھی اعلیٰ...... روپے پیسے میں بھی بخیل نہیں تھے اور پھر کاروباری سلسلے میں قریب و دور کا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا...... جسم میں خون' کھیسے میں پیسہ' مزاج میں رنگینی اور طبیعت [illegible] تو نقد و نظر [illegible] کوچے میں بڑی رسائی سے رسائی ہو جاتی [illegible] جنت کی کونپلیں' کلیاں' شگوفے' پھول تو [illegible] باہر کے حالات [illegible] ہوتے ہیں۔

- بدبختیوں کی [illegible]......!

ایسے ہی سنہرے دنوں کی ایک سرمئی سی شام کالے خان کا باپ ایک کوٹھے کی سیڑھیوں پہ چڑھ گیا تھا...... صرف ایک روز پہلے وہ اپنے فرنیچر کے کاروبار کا جائزہ لینے کی خاطر پنجاب پہنچا تھا...... خیال تو یہ تھا کہ وہ یہاں مقیم اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں قیام کرے گا مگر یہاں اُترتے ہی اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ اب وہ کسی مناسب محفوظ اور آرام دہ ہوٹل کی تلاش میں شہر میں گھوم رہا تھا۔ یکّے والا اُسے ایک چھوٹے صاف ستھرے سے ہوٹل پہ لے آیا...... بڑے اعتماد سے کہنے لگا۔

''بڑے صاحب! اس ہوٹل سے بہتر پورے شہر میں کوئی اور جگہ نہیں۔'' پھر وہ اس کی خوبیاں گنوانے لگا۔ ''سٹیشن اور گاڑیوں کا اڈا نزدیک' سارے اہم بازار بغل کے نیچے...... بائیسکوپ وہ سامنے بڑے ڈاک خانے کے پاس۔ جامع مسجد دائیں جانب کمپنی باغ کے سامنے...... ہسپتال' بنک اور پولیس تھانہ بھی نزدیک......''

وہ شاید ابھی نہ رُکتا اگر یہ اُسے ہاتھ کے اشارے سے روک نہ دیتا...... یکّہ والا زبان پہ بریک [illegible] بھی یہ بتا گیا کہ اِس بازار سے بائیں جانب والی پوری بستی' چھپار نگتیں' بانکی چتونیں' ترچھی ادائیں' [illegible] چھن چھنا چھن...... گلوں میں سُرتیاں' نگاہوں میں شیشے اور شیشوں میں مستیوں والی یعنی پری ہستیوں [illegible] ہے۔ کمبخت بکا چرب زبان یکّہ والا پورے علاقے شہر کا جغرافیہ بیان کر گیا تھا...... سوچنے لگا جس شہر [illegible] یکّہ والے ایسے گنی اور شاہد باز ہیں وہاں کے مکینوں کا کیا عالم ہوگا؟ وہ اسی ہوٹل میں اُتر لیا۔

ایک ڈیڑھ دن تو اپنے کاروباری مسئلے مسائل میں جُتا رہا لیکن توقع کے برعکس وہ جلد ہی فارغ ہو گیا تھا۔ اب اسے یہاں کے بازاروں میں کچھ مطلب کی خرید و فروخت اور آوارہ گردی کی غرض سے نکلنا [illegible] یہاں کے شالے دوشالے' اونی' سوتی اور ریشمی چادریں' ململ' گاڑھا' وائیل' گنی' چمڑے کی [illegible] میں سے اسے گھر کی چار دیواری کے اندر پہننے والی سبک سی پیزار وغیرہ بہت پسند آئیں۔ آئندہ [illegible] میں اس نے خاصا مطلب کا سامان خرید کر رام پور کے لئے بک کروا دیا۔ جب چاروں کھونٹ [illegible] اس نے پہر بھر خوب ڈٹ کر آرام کیا۔ پھر سرِ شام بن سنور کر یکّے والے کی بتائی ہوئی بائیں بستی کی جانب رُخ کیا۔ دُنیا بھر میں کہیں بھی [illegible] بستی بازار [illegible] ہی ہوتے [illegible] شہدے اور [illegible] بھونڈے' منچلے' عطر فروش...... بس اگر مابین کچھ فرق و تفاوت دکھائی دے تو وہ [illegible] آگے پیچھے کی اوقات و سطح یا نیچے اوپر کے مقام و حیثیت کا ہوتا ہے...... اِن روشن و تاریک [illegible] کے دوکاندار بڑی گہری [illegible] گُن گیان والے ہوتے ہیں...... بظاہر وہ اپنے کام دھندوں میں جُٹے [illegible] دیتے ہیں مگر بازار' گلی کوچے میں آنے جانے والوں پہ ان کی پوری پوری نگاہ ہوتی ہے۔ کون [illegible] ہے کون نو وارد و اجنبی' شغلہ ہے یا اصیل ٹُٹ پونجیا ہے یا لاکھ لٹیا...... جیب تراش ہے یا اُٹھائی گیرا...... [illegible] ہے یا گُن رسیا' ہوسی حرصی یا محض تاڑو' کہیں نیا نیا پھنسا ہے یا پرانی چوٹ والا ہے۔ لوفر' قاتل' [illegible] والا' پولیس ملازم...... غرضیکہ وہ اِک ایک کے جانو پہچانو ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ پنواڑی' [illegible] دوم' مدک' افیون کے ٹھیکیدار' نانبائی' مٹھائی فروش...... آرائشِ گیسو گرم حمام والے تو اُڑتے پنچھی [illegible] ہیں اور تہہ دریا نہنگوں کی نظر پہچان لیتے ہیں۔

وہ گول چوک سے پہلے ایک بجی سجائی پنواڑی کی دوکان کے سامنے یکّے سے اُتر گیا تھا۔ اِن وقتوں [illegible] ہجوم چوکوں' بائیسکوپوں کے اِرد گرد' سیر گاہوں' لاری بس کے اڈوں' ریلوے اسٹیشنوں پہ [illegible] سگریٹ سوڈے واٹر کی دوکانیں دولہنوں کی مانند بجی وجی ہوتی تھیں...... اس زمانے کی خوبصورت

مشہور گانے والیوں، ایکٹرسوں کی پھولوں سے سجی ہوئی تصویریں...... معروف بانکوں، پہلوانوں اور پرانے نامور بادشاہوں، فاتحوں کے فوٹو پوسٹر بڑے اہتمام سے آویزاں ہوتے تھے...... ہر دوکان پہ باہتمام و حیثیت توے والے گراموفون کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ ایک خاص کارندہ صرف کوک بھرنے، سوئیاں تبدیل کرنے اور فرمائش پہ ریکارڈ بجانے کے لئے مخصوص ہوتا۔ کسی دوکان پہ پنڈت پران ناتھ دھرپت گا رہے ہیں تو کہیں بڑے غلام علی خان نے دادرا چھیڑ رکھا ہے۔ کوئی ٹھیا صرف روشن آرا بیگم کے سُر بہار سے روشن ہے تو کہیں ٹھیک اختر بائی فیض آبادی کی غزلوں کے دَم سے لَو دے رہا ہے۔ اِدھر ملکہ پکھراج گوجری میں پہاڑی الاپ رہی ہے تو اُدھر سامنے اُستاد احمد خان تھرکوا نے بلمپت میں لے گاڑی ہوئی ہے۔ تماشائیوں، گن رسیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے...... سُر سم پہ سُر مل رہے ہیں، کہیں تال تھاپ پہ پاؤں ٹھیکا دے رہے ہیں۔ مُنہ میں لکھنؤ کا خاص نوابی زعفرانی زردہ، حیدر آبادی شاہی قوام اور سانچی کے پان کی گلوری۔ پان کا پتہ کرارہ خستہ کہ ہاتھ سے چھوڑو تو زمین پر پڑتے ہی حیا اور نزاکت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے...... ہر دوکان اک طرح سے گن چرچا کی محفل ہوتی۔ ایک سے ایک جانو، گن رسیا، سنگیت ودیالو، موسیقار، سازکار، گُنی یہاں پہ جمع [illegible] میں اکثر و بیشتر [illegible]...... کہیں تال پہ بحث ہو رہی ہے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر منہ سے ماترے نکال کر بتایا جا رہا ہے...... تین تال اور ایک تال...... یہ جھپ اور یہ نواڑہ...... یہ جھپ تلواڑہ یہ روپک...... نائک گوپال اور سدارنگ نعمت خاں صاحب کی بندشوں پہ بات رہی ہے۔ عبدالکریم خاں اور پنڈت اوم کارناتھ کے فن کا موازنہ ہو رہا ہے...... روشن بائی اور عنایت بائی ڈیرے والی کے درمیان کی باریکیاں بیان ہو رہی ہیں...... موسیقی کے گھرانوں پہ بات چل رہی ہے۔ کوئی جے پور گھرانے کی جے جے کار کر رہا ہے تو کوئی گوالیار گھرانے کے گن گا رہا ہے...... شام چوراسی کی شان بیان رہی ہے تو کوئی اندور اور پٹیالہ گھرانے کے انداز بتا رہا ہے...... موسیقی کے ٹھاٹوں پہ گفتگو بڑھ جاتی ہے تو دادرا کنٹھیا پہ آ رکتی ہے۔ پھر کوئی رام کلی راگنی پہ اُنگلی دھرتا ہے وہاں سے جو ہی ماروا سے ہساد وانی تک ساتھ ہے...... ایسا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا جب تک بازار کھلا ہے، دوکان، زبان اور گراموفون تینوں چل رہے ہیں۔

ایسی ہی ایک دوکان کے سامنے جب وہ یکّے سے اُترا تو کھاگ دوکاندار نے وہیں سے تاڑ لیا۔

پکھیرو کہیں باہر سے آیا ہے...... جسم میں تازہ خون، کھوپڑی میں مغز اور کھیسے میں زر بھی ہے۔ بھلا اڑیل ہے، طبیعت کا قدرے سڑیل...... لیکن حُسن پرست اور عاشق مزاج ہے، مان مانی کرنے کا عادی ہے صاحبِ اہل و عیال ہے......!

نووارد نے دھیم نگاہی سے ہی ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر اک لمبی سانس بھر کر دوکان کی جانب سرک [illegible] پنواڑی نے پیک بھرے بند منہ کو کھولے بغیر، سر کے خفیف اشارے اور ہلکی سی کاروباری مسکراہٹ سے [illegible] پٹھان کو خوش آمدید کہا۔

گراموفون پہ ریکارڈ بج رہا تھا......

"جلوہ دیکھا تری رعنائی کا، کیا کلیجا ہے تماشائی کا"

داغ کی غزل، گانے والی تھی شمشاد بائی امرتسر والی...... سرِ شام ابھی تو ڈھنگ سے فانوسوں نے لو [illegible] پکڑی تھی...... موتیا اور چنبیلی کے ہار گجرے جوڑے آویزے گہنے ابھی نئے سوندھے پلو تلے مہکی مہکی [illegible] پڑے تھے۔ کچھ ہی سے پہلے سوزگی نے پانی کے مسلسل چھینٹوں سے دن بھر کی پیاسی زمین کے دل [illegible] نکالی تھی...... کسبیاں، کنچنیاں، طوائفیں ابھی ابھی اپنے طوطوں، میناؤں اور گلدموں سے نچو نچلے ہٹا [illegible] پہ بیٹھی تھیں...... بوڑھے اُستاد حقہ کش کر رہے تو شاگرد پیشہ طبلوں کے تسمے کسنے میں مصروف [illegible] سجے، تو شلکیں، پیچوان، اُگالدان، پاندان، مے کشی کے آلات و ظروف، گزک کی طشتریاں، [illegible] لوٹے کٹورے، دست مال وغیرہ واجبی [illegible] اور [illegible] نہ زادا ابھی

[illegible] نے ایک بڑی سی پیک ہاتھ کی اوٹ سے اُگالدان میں تھوکتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے [illegible] کے ورق پہ لتھڑی تھوڑی سی ایک مہک آور گلوری نووارد کو پیش کی...... نووارد نے چند لمحے خوشگوار حیرت [illegible] مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھا، شاید اس لیے کہ [illegible] اس نے اُس کی پسند والے [illegible] مہکتی ہوئی گلوری بڑھا دی تھی...... گلوری بڑے سلیقے سے کلّے میں دبا کر اس نے انگلیاں اپنی گدی [illegible] سے مس کرنا چاہیں تو پنواڑی نے سرخ بانات کا ایک خوبصورت سا رومال اُس کی جانب بڑھا دیا۔

"سگریٹ سگار پیش کروں یا پیچوان سے شغل فرمائیے گا؟" زمانہ دیدن چشیدن پنواڑی نے بڑی [illegible] دریافت کیا۔

نووارد نے جواب میں یہی شعر جو شمشاد بائی الاپ رہی تھی دُہرایا۔

"جلوہ دیکھا تری رعنائی کا، کیا کلیجا ہے تماشائی کا"...... پھر کہنے لگا۔

"سبحان اللہ! کیا خوب شعر ہے۔ ایسا شعر کہنے کا حق صرف داغ ہی کو دیا جا سکتا ہے اور گانے والی بھی [illegible] میں کیا خوب حق ادا کر رہی ہے۔"

"[illegible] ماشاء اللہ! سرکار نے شعر فہمی اور موسیقی کا کیا عمدہ ذوق پایا ہے۔" پھر قدرے جھینپتے ہوئے

پوچھنے لگا۔ ''آپ کو کبھی پہلے اس کوچہ رعنائی و دلربائی میں نہیں دیکھا؟''

''یہاں تو کیا' ہم آپ کے اس شہر میں بھی پہلی بار آئے ہیں' میاں! دو چار روز کا قیام تھا
آخری روز' سوچا چلو ذرا اس خوبصورت شہر کے خوبصورت لوگوں کو بھی اک نظر دیکھتے چلیں۔'' اس نے
جوئی پان پرات پہ دھرتے ہوئے مزید کہا۔

''میاں تنبولی! اس بازار میں اُترتے ہی تمہارے میٹھے بولوں' اس غزل کے نجل سُروں اور
گلوری کی مہکتی چٹپن نے بڑا اثر ور دیا ہے۔''...... پھر آستین کے رومال سے باچھ کا کونہ صاف کرتے ہوئے
پوچھا۔ ''اس بازار کے سنہرے مکینوں میں بھی کوئی ایسا رتن دانہ ہے' جس کے ہاں یہ تینوں خاصے موجود ہوں؟''

پنواڑی' دزدیدگی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ سے آداب عرض کرتے ہوئے بولا۔

''حضور! ایک سے ایک تابدار دانہ پڑا ہے' جس پہ نگاہ رکھیں' وہی دل و نگاہ کو خیرہ کر دے گا......آپ
حکم کریں۔''

''میاں! بازار میں دھرا سجا مال عام طور پہ گھٹیا اور نظر بد ہوتا ہے' جو چھپا باندھا کہیں علیحدہ
اس کی خبر دو...... رام پور کے کھرے [illegible] بڑی [illegible] ہماری نہیں کرتے [illegible] ذرا اس غزل
پھر سے سنوا [illegible] اور دو چار ایسی ہی گلوریاں [illegible] پیش کرو۔''

''ضرور حضور! غزل سماعت فرمائیں۔ میں گلوریاں باندھے دیتا ہوں۔''

تب اس نے [illegible] جانب پلٹ کر ''قادر میاں'' کا ہانکا لگایا۔ کچھ لمحوں [illegible] ایک ساٹھا پاٹھا
کھوسٹ کھوسڑا جھکولے لیتا ہوا [illegible] کے منہ سے منحنی سی آواز میں
آداب عرض کہتا ہوا سرنیہوڑ پاس کھڑا ہو گیا اور یقیناً وہ اُونچا بھی سنتا ہوگا کہ پنواڑی جھک کر اس کے کان کے
قریب ہو کر ذرا بلند آواز کہنے لگا۔

''خان صاحب خاص مہمان قدر دان ہیں' انہیں بڑی توقیر سے گلابی جان کے ڈیرے پہ پہنچا آؤ۔''
پھر پان کی ایک کترن پہ چونا اور چھالیا چورا چپکا' اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے تاکید کرنے لگا...... ''راہ میں
کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے...... سیدھے وہیں لے جائیو' جب تلک خان صاحب وہاں قیام کریں تو وہیں جوتوں
میں پڑے رہیو...... اگر حضور کا چت وہاں نہ لگے...... تو ذرا شن پیاسی آگرے والی کے ہاں لے پہنچا آئیو۔''

وہ پنڈولم کی مانند سر ہلاتا ہوا پیچھے پیچھے اور یہ بڑے تناؤ میں ساتھ ساتھ آگے آگے...... دو ایک گلیاں
تین چار موڑ اور ایک چوک گزر لینے کے بعد جب مطلوبہ مکان پہ پہنچے تو شام لد چکی اور شب اپنی جبیں پہ گھونگھٹ
کاڑھ چکی تھی' خاکستری اور جامنی رنگوں کی بھرمار تھی۔ ماحول میں اک عجیب سی اُداسی گھلی ہوئی...... جیسے ابھی

بھی نوحہ گراں اپنی اپنی سُرفیوں میں راگ سوہنی کی سُلگتی ہوئی سُریں چھیڑے اِدھر سے ہو گزرے ہوں…… تھکے تھکے سے بوجھل اور شکن آلودہ…… یا شاید شام اور شب کے مِلن پہ کچھ گھڑیاں پَل ایسے بھی دَر آتے ہیں کہ دل جلوں کے کلیجے سُلگ اُٹھتے ہیں اور ہر سو ان کے دُھوئیں کی دھانس سی پھیل جاتی ہے۔

”میں کہاں نکل آیا…… تکیے والے کی طرح پنواڑی بھی اِک عجیب کایاں دِکھائی دیا اور یہ بوبک بڈھا بھی عجب مٹی کا مادھو…… اَب خدا جانے آگے کس مٹی کے لوگ ملیں؟“…… اندر باہر گُن گُن لیتا اور اپنے جی میں حساب لگاتا ہوا اُوپر سیڑھیاں چڑھ رہا جبکہ بوڑھا قادر میاں ہانپتا ہانپتا پیچھے پیچھے تھا…… ان بند گلیوں، کوٹھوں میں جوانیاں گنوائے ہوئے بوڑھے، گلی کوچوں میں چاہے دو قدم چلنے کا دم نہ رکھتے ہوں، کوٹھوں چوباروں کی سو سو سیڑھیاں بندروں کی طرح پھلانگ جاتے ہیں۔

صدر دروازے کے درمیان آنے والے پہلے مہمان کی جیب کو نگاہوں سے تول کر سر جھکاتے ہوئے کورنش بجالائی…… کمال سرعت و لجاجت سے چوکھٹ کی بلوریں رنگیں موتی لڑیوں میں ہاتھوں سے رستہ بناتے ہوئے، جبکہ اگر اور عود کی سُلگن نے اُس کا استقبال کیا تھا مناسب سا کمرا چھوٹا نہ بڑا…… بے داغ چاندنیوں پہ [illegible] کے گاؤ تکیے دو بڑے بلوری جھاڑ اور دیوار گیر بڑے بڑے شیشوں کے کنولوں میں روشن کافوری شمعیں…… بائیں جانب [illegible] رنگین [illegible] پردے [illegible] خون رنگے تھے…… دو اطراف دو دو کھلتے ہوئے دروازے جن پہ رنگین بلوریں موتی مالاؤں کی آبشاریں لٹک رہی تھیں۔ دائیں جانب اِک نفیس سا سُرخ ایرانی غالیچہ…… جس پہ منفرد قسم کے سیاہ شنیل کے بنے ڈمروں والے گولے تکیے دھرے تھے…… سامنے اِک بانکا سا منقش ہارمونیم اور ایسے طاؤس تانپورے جو کبھی آگرے میں فرمائش پہ تیار ہوتے تھے…… خاص سونا چاندی اور ہاتھی دانت کے نقش و نگار، بیل بوٹے۔ فولادی تانتیں خاص طور پر جرمنی سے منگوائی جاتی تھیں۔ لکڑی کا ٹھڑ، بنگلور سے انہیں جودھ پور کا ایک قدیم ساز کار خاندان تیار کرتا تھا…… جس کا رنگ بھی مخصوص۔ اِس قسم کے سُریلے تانپورے، طاؤس اور ستاریں بڑے بڑے راجے مہاراجوں یا پھر اعلیٰ قسم کے گائیکوں، موسیقاروں کے ہاں ہی دیکھنے سُننے کو ملتے تھے۔ ان کے مقابلے میں بمبئی، دہلی، مدراس، حیدرآباد یا لکھنؤ، لاہور کے بنے ہوئے ایسے ساز نہ صرف سستے اور بے زیبے ہوتے بلکہ بھاؤ بتاؤ اور سُر سان میں بھی بے توقیرے…… سُرخ غالیچے سے ہٹا کر دو دیوان، جن پہ سُرخ مخملی گدے دھرے ہوئے تھے…… بیچ میں دو [illegible]، جن کی کلغیاں ابھی سُرخ نہیں ہوئی تھیں یعنی کھیت پورے کا پورا صاف پڑا تھا۔

ایسے میں ایک دھان پان گٹھڑی سی بڑھیا برآمد ہوئی، کورنش بجالا کر بولی۔

”حضور! تشریف رکھیں۔ بڑی بٹیا کی اُنگلی پہ موئے مٹھو نے چونچ گاڑ دی ہے۔ تکلیف سے اُنکھن

میں آنسو آ گئے۔ سب اُدھر ہی دھرے ہیں۔''

''اُوہو......'' اچانک اُس کے مُنہ سے نکلا۔ ''بڑی بی! نیلی داب آئی یا سُرخ لہو ٹپکا؟''

وہ مُنہ بنا کر بولی۔ ''رام جانے مُجھو را میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ بس سُنا ہی ہے۔''

ایسے میں ایک اور نوچی چلی آئی۔ دوہری ہو کر آداب عرض کہا۔ مسکرا کر بولی۔

''آپ اِدھر تشریف رکھیں...... بائی جی آیا ہی چاہتی ہیں۔''

عجب گومگو کی کیفیت میں وہ اُدھر سُرخ غالیچے پہ بیٹھ گیا...... اب پیچھے سے ایک اور مہری آئی پیچوان بڑھا کر چلی گئی...... شربت اور پھر پان آئے...... عجیب سی حالت یہاں رُکنے کو جی چاہے اور نہ اُٹھنے کا یارا۔

پہلے خُوشبو آئی پھر اس کی جلو میں گلابی جان آئی۔

رنڈیوں میں ایسا نام پہلی بار سُنا تھا...... گلابی جان! یہ کیا نام ہوا......؟

بوٹا سا قد، عام سا ناک نقشہ، لباس لُسا بھی سادہ سا...... کنگھی پٹی اور بناؤ سنگار بھی گھریلو...... جیسے کوئی سہاگن رسوئی سے اُٹھ کر چلی آ رہی ہو...... اُس کے دائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی پہ پٹی سی بندھی ہوئی تھی اسی ہاتھ سے اُس نے قدرے جھک کر سلام کیا۔

''[illegible]''

وہ سامنے ہی بیٹھ گئی...... ہاتھ بڑھا کر گلوری پیش کرتی ہوئی بولی۔

''آپ کوٹھی کے ہاں پہلی بار تشریف لائے ہیں...... صدق دل سے ہماری اس کوتاہی سے صرف نظر فرمائیے۔ میری حماقت کہ میں لاڈ دُلار میں مٹھو کی بغل میں گدگدی کر بیٹھی اس پہ اس بے ظرف نے میری اُنگلی چونچ میں دبالی۔ سچ کہا بزرگوں نے کہ طوطے سا طوطا چشم اور کوئی نہیں ہوتا۔ بوٹی سی چونچ کو ناخن پہ بادام دکھا دکھا کر کھلائے۔ اصلی گھی کی چُوری، بادام، چنے چلغوزے، کشمش، امرود...... اس مَردود کو گنتیں تو ڈے اُروہی اُمروہی تک یاد ہو گئے پر جو نہ یاد رہی وہ وفاداری...... صاحب! طوطا بڑا ہی بے مروت بے دیدہ اور بدلحاظ پکھیرو ہے۔ ایسا خوبصورت اور ایسا کورے رام......؟''

خان صاحب بڑی دلچسپی سے اُس کی معصوم معصوم باتیں سُن رہے تھے اور نگاہیں گاڑے ایسی ہستی کو دیکھ رہے تھے کہ جس کا تصور کم از کم اس بازار میں نہیں کیا جا سکتا۔ سچ تو یہ تھا کہ اُسے یہ سب کچھ بڑا اصلی سا علیحدہ اور اچھا لگا۔ اب ایک ایک کر کے سنگت والے بھی بیٹھ چکے...... تو گلابی جان نے بڑے ادب سے کھانے اور مشروبات کی پسندیدگی دریافت کی۔ خان صاحب بولے۔

''فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں...... آپ صرف یونہی مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ آپ کی باتیں

دلچسپ ہیں۔''

''کیا آپ بندی سے صرف اس کی پوچ باتیں ہی سُنیئے گا...... گانا نہیں سُنیں گے؟ میرے آس پاس کے لوگ تو کہتے ہیں کہ مجھے باتیں کرنی نہیں آتیں اور آپ کہتے ہیں میری باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ اچھا یونہی سہی آپ میری باتیں سننا چاہتے ہیں تو باتیں ہی سُنیں۔ فرمائیں کیسی باتیں ہوں......؟''

وہ تہذیب سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''آپ کی باتوں کے ساتھ اگر سازوں کی سنگت کی ضرورت نہ ہو تو انہیں سازندوں کو بھی یہاں بیٹھنے کی زحمت نہ دیں۔ ضرورت پہ بعد میں بُلا لیجئے گا اور اس لئے بھی کہ آپ کی باتیں سچی اور سُریلی ہونے کے ساتھ ساتھ انگ رنگ میں بھی ہیں۔''

وہ بے ساختہ کھِل کھِلا ہنس پڑی...... ہنسی کا جلترنگ تھما تو خان صاحب بولے۔

''یقین کریں آپ کی ہنسی بھی سچی اور نرمل ہے۔ ہنسنے اور رونے میں ہلکی سی بھی منافقت ہو تو شیشے میں بال کی مانند کھٹکنے لگتی ہے...... ویسے آپ کی باتوں اور ہنسی مسکراہٹ کا یہ حال ہے تو گائیکی کا کیا عالم ہوگا......؟''

اچانک خان صاحب نے قادر میاں کو آواز دی جو کمرے کے باہر برآمدے میں بیٹھا تھا...... وہ [illegible]

''قادر میاں! اس بھلے سے تنبولی کو ہماری طرف سے شکریہ کہنا اور کہنا تم نے ہمیں صحیح جگہ پہ بھیجا۔''

دونوں کی عمروں میں بلا کا تضاد تھا جبکہ مزاج' مرتبہ' پیشہ اور حسب نسب میں تو بہت ہی فرق تھا لیکن کہتے ہیں کہ انسان کی قسمت میں جو خواریاں یا خوب آوریاں لکھی ہوتی ہیں وہ ہو کر رہتی ہیں۔

خان صاحب' سفیداں بائی کی اماں کی باتوں گھاتوں اور تان پلٹوں میں ایسے پھنسے کہ مرتے دم تک اس کا ہاتھ ساتھ نہ چھوڑا۔ مزیداری یہ کہ پہلی بیوی اور بچوں کو زندگی بھر اس تعلق کی بھنک تک نہ پڑنے دی۔ گلابی جان سے نکاح تو نہ کیا البتہ باقاعدہ پابند کر لی تھی...... ہر ماہ چند دنوں کے لئے آتے...... تنخواہ خرچہ پیشگی دے دلا کر واپس چلے جاتے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ رنڈی کی خرچی اور وکیلوں کا خرچہ پیشگی ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان دونوں بھلے انسانوں کے درمیان نہ تو کبھی کوئی چپقلش پیدا ہوئی اور نہ کبھی کوئی گلہ شکوہ ہوا۔ جب اکٹھے ہوتے خوب باتیں ہوتیں...... گانا وانا ہوتا' خوب وقت کٹتا...... یہ کہا جا سکتا ہے کہ خان صاحب ایک شریف و نفیس طبع تماشبین تھے اور گلابی جان بھی ایک اچھی تمیزدار وضع دار طوائف تھی۔ جو طوائف ہونے کے باوجود شرافت' عزت' اعتماد اور وفا کے معنوں سے بھی خوب واقف تھی۔ خان صاحب کبھی کبھی اسے

خیر خیریت یا آنے جانے کے بارے میں خط بھی لکھا کرتے تھے...... بہت سے پارچات' زیورات اور دیگر تحفے تحائف بھی دے رکھے تھے۔ کیسی بات کہ اس اللہ کی بندی نے کبھی کچھ از خود طلب نہ کیا تھا۔

تعلق کے دو برس بعد جب سفیداں پیدا ہوئی تو گلابی جان کی خواہش پہ قانونی طور پہ خان صاحب نے اسے اپنی بیٹی تسلیم کر لیا تھا۔ تنخواہ خرچہ بھی بڑھا دیا اور گلابی جان کو پابند کیا کہ وہ سفیداں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی اُٹھا نہ رکھے...... بلکہ کئی ایک بار خان صاحب نے کوشش کی کہ اس کو وہاں کے ماحول سے نکال کر کسی اور جگہ رکھ کر پرورش کی جائے مگر شاید طوائفوں میں بیٹیاں' باپوں کے سپرد کرنے کا رواج نہیں ہوتا۔ ان گلیوں کوٹھوں پہ باقاعدہ آنے جانے والے کہتے ہیں کہ جو بچی' عیاشی یا اس بازار کی پیداوار ہو وہ طوائف ہی بنے گی اور اسے طوائف ہی بننا چاہیے تاکہ وہ تمام عمر اپنے عیاش باپ کے گناہ کا پراشچت کرتی رہے' بھگتان بھگتتی رہے۔

گلابی جان کا پیشہ جسم فروشی نہیں' گانا بجانا تھا...... مگر کیا کہیے کہ ان کوچہ و بازاروں' کوٹھوں کے درمیان ہر مرد چاہے وہ [illegible] جاب پڑ چاہے اسی طرح وہاں کھڑی پڑی ہر عورت طوائف ہی سمجھ آتی ہے...... ناچنے گانے والی ہو یا کسبی' عصمت فروش...... سب ایک ہی کھاتے میں ہوتی ہیں۔ کسبی صرف جسم فروش ہوتی ہے' ناچتی گاتی نہیں۔ لیکن گانے ناچنے والیاں بھی اکثر دام لگنے پہ در پردہ ڈوم ہو جاتی ہیں یا کسی گانے کے شوقین رئیس راجے کے ہاں تنخواہ پر پڑی رہتی ہیں۔ یہ بھی ایک باضابطہ' شریفانہ اور باوقار قسم کی عصمت فروشی ہی ہوتی ہے۔

پرانے رؤسا اور اشراف میں یہ چلن عام تھا...... تعلقات کی پاداش میں جو اولادیں معرضِ وجود میں آتیں۔ وہ قریب قریب اسّی فیصد لڑکیاں ہوتی ہیں جو اپنے جلیل القدر باپ اور جمیل القدر ماں کی متشکل ہوتی ہیں...... چندے آفتاب چندے ماہتاب' تیکھے نین نقشوں والے سیمابی پیکر۔

پہلے اور آج بھی بازارِ حسن میں اکثر بے شمار طوائفیں' فلم ایکٹریسیں اور خوبرو لڑکے جو دکھائی دیتے ہیں وہ کسی غریب کا پیپ پیٹا نہیں بلکہ وہ کسی اونچے گھرانے کے ذی وقار' کسی قبلہ و کعبہ مخدوم' رئیس' سیاستدان' بیوروکریٹ' کسی عیاش جاگیردار یا وڈیرے کے قیمتی خون کا جوہر ہوتے ہیں۔ طوائفوں میں اک خاموش اور مضبوط معاہدے کے تحت باپ کا خانہ اکثر خالی رکھا جاتا ہے...... مکافاتِ عمل کی اس سے زیادہ ہولناک سنگینی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اک بدبخت اندھی جوانی اور دولت کے جوش میں کسی کی باڑی میں گناہ کے چند بیج دبا کر خاموش

ہوتا ہے۔ مگر اس باڑی میں جو خوبصورت پھولوں والی زہریلیاں کانٹے دار تھوہڑیاں جنم لیتی ہیں وہ اپنے باپ اور خاندان کی ناموس کو ساری عمر کچوکے لگا لگا کر خونبار کرتی رہتی ہیں۔

خان صاحب نے بھی جنوں اور جوانی کے جوش میں یہ نہ سوچا کہ اک گانے والی سے اختلاط کی صحبت میں بچی بھی جنم لے سکتی ہے اور وہ بھی حرام الولد' ناجائز...... گو بعد میں حالات کی سنگینی کا ادراک ہونے پہ انھوں نے گلابی جان سے ایک شریفانہ معاہدہ کیا...... جس کے تحت سفیداں اپنی ماں کی زیرِ کفالت و تربیت رہے گی...... باپ کا نام ملے گا مگر کبھی ظاہر نہ ہوگا...... اک مخصوص رقم ادا کر دی گئی' اور ہر ماہ خرچہ الگ باندھا گیا۔ دیے ہوئے تحائف میں وہ ایک انگوٹھی بھی شامل تھی...... جس کے ساتھ کی دوسری انگوٹھی کالے خان کی ملکیت میں تھی...... یہی انگوٹھی ماں کے مرنے کے بعد کالے خان کے پاس تھی اور دوسری گلابی جان کی [illegible] ہونے پہ سفیداں کی انگشت میں پڑی۔

تصویر پہچاننے اور خطوط ملاحظہ کرنے کے بعد ساری حقیقت روزِ روشن کی مانند سامنے آ گئی۔ اس کی سمجھ میں اب سب کچھ آیا کہ سفیداں بائی کے چہرے مہرے میں اک خاص سی اپنائیت [illegible] پہ آنکھوں' بھنووں کی مخصوص [illegible] کوئی فتور پیدا [illegible] تصویر اور معاہدے کی تحریر پہ غور کرنے کے بعد وہ اس راز سے آگاہ ہو چکا تھا کہ سفیداں بائی اس کے باپ کی ناجائز بیٹی ہے۔ بہن بیٹی کا تو رشتہ ہی ایسا ہے کہ وہ جائز ہو یا ناجائز' بہن بیٹی ہی ہوتی ہے۔ [illegible] تو اس کے باپ کا ہی تھا...... تصویر اور کاغذات کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھامے آنکھوں میں جھڑی لگ گئی۔ اپنی ماں یاد آ گئی...... سخت گیر مگر ہر طرح کی آسودگیاں فراہم کرنے والے باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ابھر آیا۔ نفرت کا اک بھریرا اس کے تن من میں لہرا سا گیا۔ دیر تک وہ اپنے باپ کے کرم یا جرم پہ کڑھتا رہا...... پھر اسے اچانک اپنا آپ بھی دکھائی دیا کہ وہ بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پہ ہی تو چل نکلا ہے۔ پھر اپنی قسمت پہ رونا آیا کہ سب کچھ تیاگ کر پڑا بھی تو بہن کے پاؤں پہ...... باپ نے کم از کم اپنے بیوی بچے تو نہ چھوڑے تھے انھیں بے آسرا تو نہیں کیا تھا...... باپ مرا بھی تو اپنے گھر...... جنازے میں تو کم از کم عزاء رشتہ دار اور گھر والے تو موجود تھے اور نہ ہی کسی کو اس کے ناجائز مراسم کی بھنک پڑی تھی اور نہ اس کی ناجائز بچی کی خبر......!

شام تک وہ اسی ڈوب اُتار میں غلطاں رہا...... بالآخر اس نے جی کڑا کر کے تصویر اور خطوط بُری طرح پھاڑ کر نذرِ آتش کر دیے۔ اپنے تئیں اس نے ماضی کے اُس اندوہناک المیے کا قصہ تمام کر دیا تھا مگر

کانٹا لاکھ نکل لے پر ٹیس تو اپنے وقت پہ ہی جان چھوڑتی ہے۔ کئی شب و روز وہ جان کنی کے عذاب میں جلتا رہا تھا۔

- ڈیرہ دُون' سُرخ ہنی مون......!

ڈیرہ دون کالے کوسوں دُور...... میدانی شہروں بستیوں سے مختلف خوبصورت منظر و منازل میں گھرا ہوا' فرحت آفریں شہر...... فطرت کی مہربانیوں' جولانیوں کی آماجگاہ...... سبزہ زاروں' کہساروں اور دلکش نظاروں کی بہاروں سے آراستہ پیراستہ' ایک ایسا مقام جہاں پہنچ کر بیمار' تندرست اور زندگی سے بیزار لوگ زندگی سے پیار کرنے لگتے ہیں...... اِدھر کے پھل پھول' ترکاریاں' چاول' چائے اور کیمیائی تاثیر رکھنے والا پانی' جسم و جان کو بالیدگی بخشنے والی آب و ہوا کا جواب نہیں یہاں پہنچ کر انسان محسوس کرتا کہ جیسے وہ سورگ میں آ گیا ہے۔ عشق و محبت کے طوطوں میناؤں کی کہانیاں کہنے والوں' زندگی کی حقیقتوں سے آنکھیں چُرا کر چند روز خود فراموشیوں [illegible] میں رہنے والوں اور زمین [illegible] کے متلاشیوں کے لیے یہاں کی دھواں دھواں ابر آلودہ سحر [illegible] فضائیں اور [illegible] جادو کی جزیرے سا خواب خواب [illegible] ماحول بڑا سازگار ثابت ہوتا ہے...... نو بیاہتا جوڑے جن کی جیب و دل میں بہت سے پیسے اور ارمان ہوتے ہیں وہ بھی بصد اہتمام یہیں بُراجتے ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں اداروں کے سالانہ اجلاس' ماہانہ میٹنگیں' سیمینار وغیرہ یہاں منعقد ہوتے ہیں۔ کام کا کام اور آرام کا آرام...... [illegible] شملہ' اوٹی' [illegible]' نینی تال وغیرہ بھی اسی نوع کے شہروں میں شمار ہوتے ہیں۔

یہاں ڈیرہ دون میں کشمیرے سنگھ کے خاندان کا کچھ کاروباری سلسلہ تو نہ تھا۔ لیکن چترجی روڈ پہ ایک بڑی سی کاٹج اور دفتر اس کے ایک عزیز کے تصرّف میں تھے۔ اس کے باوجود کشمیرے نے بہت پرے ایک پہاڑی کے دامن میں جہاں خودرو خوش رنگ پھولوں کے سلسلے اور قدرتی چشمے تھے ایک الگ تھلگ فرنیشڈ کاٹج لیز پہ حاصل کر لیا تھا۔ یہاں سے کچھ دُور ایک چھوٹی سی جھیل اور جھرنے بھی تھے...... آبی پرندوں کی ڈاریں' پہاڑی کونجیں' اس کاٹج کے اوپر سے گزرا کرتی تھیں' خوش رنگ تتلیاں' پھرتیلی بانکی ننھی چڑیاں اور رات کی رُتوں میں جگنوؤں کی جھلملاتی ٹمٹماتی کہکشائیں...... جھرنوں اور جھیل کے پانی کی بوچھار سے اُڑتے ہوئے مُشکبار نم کا غبار اور فضا میں بکھری بولتی ہوئی اتھاہ خامشی کا ایسا جادو...... جو سر پہ چڑھ کر بولتا تھا۔

کشمیرے سنگھ کے ذوقِ جمال اور فطرت کی حشر سامانیوں سے کماحقہ مستفیض ہونے کے شوق و کمال [illegible] پڑی ہوگی کہ اس نے اپنی محبوبہ سفیداں بائی کے فن و ہنر طبیعت و شخصیت کی فیروز مندی کے مطابق [illegible] ایسے گوشۂ دلداری کی تلاش و جستجو کی جس کی وہ یقیناً مستحق تھی...... ایسی کنجِ عافیت پا کر سفیداں بائی کو ایسے محسوس ہوا کہ وہ جیسے اپنی منزل پہ پہنچ گئی...... اسے اپنے سپنوں کی تعبیر مل گئی ہو۔ وہ یہاں زندگی کی آخری سانسوں تک خوش و خرم رہ سکتی تھی۔ اسے یہ بھی طمانیت تھی کہ کشمیرے سنگھ کی چاہت کوئی بھڑکتے ہوئے شعلوں کی مانند نہیں کہ قریب آنے والی ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دے بلکہ وہ تو سج سج سلگنے والی اگربتی کی طرح تھی یا [illegible] کافوری مومی شمع کی مانند...... جو کسی حرمِ ناز میں اَدھ کھلے دریچے کی چوکھٹ پہ دھرے بلوری کنول میں [illegible] کی ہتھیلیوں سے لجا شرما رہی ہو۔

تجربہ، مشاہدہ بتاتا ہے [illegible] عقاب کی راہ میں ہوا، [illegible] کی راہ میں [illegible]، سانپ کی راہ میں پہاڑ اور مرد کی راہ میں عورت...... [illegible] موسم، حالات مُنہ موافقت کے مطابق نہ آویں تو پھر سانحے اور حادثے جنم لیتے ہیں۔ [illegible] بھی کیا سوختہ سا فلسفہ ہے۔ اپنے وجود میں آر پار درد کا دھاگہ پروئے ہوئی ہے۔ درد کا انت [illegible] ہوتا ہے تو پھر بھڑک کر وہ جل اُٹھتی ہے [illegible] درد سلگتا ہے اُدھر وجود [illegible] ہے...... بالآخر [illegible] اور [illegible] ہو جاتے ہیں پھر [illegible] میں پہنچتے ہوئے [illegible] چند [illegible] آنسوؤں [illegible] کی سوختگی کے دھبوں کی تلچھٹ باقی رہ جاتی ہے۔

[illegible] ہنسوں، خوشیوں، خوش [illegible]، خوش نوائیوں اور خلوتوں کی [illegible] جیسے صبح...... دوپہریں، [illegible] کی مانند تابدار، شامیں شرمیلی اور راتیں راحتوں کے رَت جگے تھے...... دن، ہفتے، عشرے، مہینے [illegible] کی مانند اُڑتے جا رہے تھے۔ چاہتوں کے جگنوؤں، لگاوٹ کی تتلیوں اور جوان سلگتے اُمنگوں کے [illegible] رنگوں نے دھوم مچائی ہوئی تھیں۔ لیکن تتلیوں، جگنوؤں اور دھنک رنگوں کے موسموں کی مانند، اُمنگوں [illegible] اور خوش گمانیوں، خوش اَدائیوں کے دن بھی گنے چنے ہوتے ہیں...... چشمِ فلک کچھ تو اترے یہ منظر و مذاق [illegible] پسند نہیں کرتی اور نہ ہی انسانی فطرت و جبلت میں یوں ہے کہ وہ لگاتار لگاوٹ و محبت میں مبتلا رہے۔ [illegible] ہے...... اسے محبت کے ساتھ نفرت، خیر کے ساتھ خرابی اور میٹھے کے ساتھ کھٹے کی بھی ضرورت [illegible] ہے۔ دوست ہی دوست ہوں اور دشمن کوئی نہ ہو تو آدمی دوستی کے مفہوم و محاسن کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔ [illegible] وصل ہی آشکار ہوں اور ہجر کی کوئی شام و شب نہ ہو وہاں خاک مزہ آئے گا...... انسان کچھ سمجھے نہ سمجھے [illegible] نہ جانے چنانچہ وقت اور فطرت کے کھلاڑی، حالات و معاملات کی بساط پہ اپنے اپنے شاہ و فرزیں، فیلے

اسپ و پیادے وغیرہ آگے پیچھے، دائیں بائیں، آڑے ترچھے کرتے رہتے ہیں۔ یوں بساط کے خانے آباد و ویران ہوتے رہتے ہیں۔ کسی کو کہیں ٹھکانہ نصیب نہیں ہوتا۔ پل دو پل کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔

یہ دونوں شمع و پروانہ، دُنیا و مافیہا سے بیگانہ، اِک دوجے پہ نثار و دیوانہ وار...... ان کے لئے [illegible] چین ہی چین لکھتا تھا کہ انہیں ادنیٰ سنگریزہ بھی دُرِ شہوار دِکھتا تھا تب کہیں سے کی آب جُو میں ایک ہلکا سا [illegible] آیا...... دریاؤں، ندیوں میں ریلے سیلے نہ آویں تو وہ ایک بَدرَو بن کر رہ جاویں۔ سمندروں، وشال ساگروں میں جوار بھاٹے نہ جاگیں تو وہ بحرِ مُردار کی مانند بے مُراد ہو جائیں...... گاہے ماہے اگر تندرست اِنسان بخار تپ میں نہ تپے تو وہ جسمانی فاسد مادوں کی بھرمار سے اندر ہی اندر بھسم ہو جائے۔ فی المثل، بخار کی مانند اگر [illegible] بھی خمار نہ ٹوٹے تو وہ بھی جان کا آزار بن جاتا ہے۔ کائنات کا مسلمہ اصول کہ ہر عنصر، مادہ اپنے نقیض کی جانب رجوع کرتا ہے...... تصادم، تضاد، توڑ، ٹکر ہی تو اصل توانائی کا تصور ہیں۔ گاہے زندگی کی ضد، توڑ، حذف...... موت کا تصور مفقود ہو تو زندگی میں کیا مفہوم، مزہ یا مقصد باقی بچ جاتا ہے؟ اسی طرح وصل، رفاقت و مصاحبت میں گر وقفۂ ہجر کو معدوم اور فراق کی کُلفت و کسمساہٹ کو [illegible] دیا جائے تو دیکھیں کہ پھر دل [illegible] سے خالی اور آنکھیں آنسوؤں سے [illegible] بن جاتی ہیں۔

ایسا ہی کچھ ہوا کہ ابھی شب دُو پہر ہی بیتی تھی، جانے کس گھاٹ سے گاگریں بھری گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آئیں اور چھاجوں مینہ برسا کر گزر گئی تھیں [illegible] نے ماحول اور موسم کی مُدھرتا کو جل تھل کر رکھ دیا تھا۔ اُونچے اُونچے کہساروں گھنے لامبے لامبے چیڑوں چناروں میں نہائی ہوئی پَون پروائی بھٹک [illegible] جائے تو دھنک دُھندلی بن جاتی ہے اور اگر کہیں بادل یا چھتریوں تک بھری گھٹائیں ٹھہر جائیں تو پھر ٹھٹھرتی ہوئی ہوائیں، بستی کے کواڑ کندلوں کو تو کھُلنے نہیں دیتیں۔ ہونٹ پھٹنے، گال چٹخنے، نین برسنے اور پنڈے تپنے لگتے ہیں۔ گھروں کے گھر ماندے پڑ جاتے ہیں۔

- ہر نئی تعمیر پہ لازم ہے تخریب تمام......!

کشمیرے سنگھ کہیں اوپری سی ٹھنڈ کھا گیا تھا۔ نفع نقصان جو بھی مقدر میں لکھا ہو تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بن ہی جاتا ہے۔ پہلا ایک ڈیڑھ پہر تو خوب خُوش فعلیوں میں گزرا...... سفیداں بائی بڑی [illegible]

کشمیرے سنگھ کے پہلو میں پڑی کیدارے کے انگ میں ایک مدھری استھائی گنگنا رہی تھی۔ بھیگے ہوئے [illegible] موسم کے انگ لگی ہوئی کوئی خنک سی لہر کہیں سے اندر گھس آئی ہوگی...... سفیداں بائی نے دوشالہ اوپر کھینچا تو کشمیرے سنگھ مہوے کی شراب کا ایک بڑا سا گھونٹ حلق سے اُتار کر سفیداں بائی کے انگ لگ گیا۔

رات کے آخری پہر سفیداں بائی کو یوں لگا جیسے اس کے پہلو میں کوئی بھٹ دہکا ہوا دھرا ہے۔ جب [illegible] تو جان پڑا کہ کشمیرے سنگھ کو تیز تپ نے تپایا ہوا ہے۔ سانس کی دھونکنی دھب دھبے مار رہی تھی—— آنکھیں دیکھیں تو لال بوٹی...... لب کہ لہو سے ابھی پھٹے۔ گالوں پہ انار تڑخے ہوئے۔ سفیداں بائی نے [illegible] میا کی دُہائی دیتے ہوئے دوہری توشک ڈالتے ہوئے اسے سینے سے لپٹا لیا۔ گال سے گال جوڑ [illegible]—— تپ کے تپائے، داڑھ کے دُکھائے، بچھو کے ڈنگوائے اور چندر گرہن کے جائے کو کہاں چین پڑتا ہے۔ [illegible] ٹونا ٹوٹکا، گنڈا نہ [illegible] مَیا کی گود جورو کا پہلو معشوق کا زانو...... انگ سنگ کچھ بھی تو بجھائی [illegible]—— ہر اپنا غیر [illegible] ہمدرد بے درد سا لگتا ہے۔ کشمیرے سنگھ کی حالت لحظہ بہ لحظہ دگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ [illegible] کے تار کی طرح لرزنے لگے تھے۔ جاڑا لگے بخار میں مریض کی کیفیت بڑی عجیب و غریب [illegible] ہذیان بکنے لگتا ہے تو کبھی ہائے وائے شروع [illegible] ہے۔ سانس یوں [illegible] کرتا ہے جیسے [illegible]...... [illegible] سنگھ کی بھی [illegible] حالت ہو رہی تھی۔ لگتا تھا کہ بخار اس کے دماغ چڑھ گیا ہے یا شاید شدید قسم کے نمونیے کا حملہ تھا...... سفیداں بائی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ ایسے ناگہانی حالات سے نبٹنے کا تجربہ نہ تھا۔ [illegible] گُم قبیلے میں پڑی رہنے والی اور [illegible] وقت کے [illegible] کوئی بھی نہ تھا جو اس وقت اس کی [illegible]

رات کا آخری پہر، آبادی سے الگ تھلگ...... ٹیلے پہ ڈھلوانیں...... ایک چیرغلو قسم کا کشمیری باتو [illegible] ڈکار رہا...... اس کی کتیا، کہیں باہر گھوڑے کے ساتھ تھی...... منہ زور در و دیوار سے سر [illegible] پچھاڑتی سرد ہوائیں، جو بند محفوظ خواب گاہ میں بھی کاٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسے میں وہ کس کو پکارے...... کیا کرے...... کہاں جائے؟ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بمشکل کشمیرے سنگھ کو خود سے علیحدہ کر کے کروٹ پہلو کرتے ہوئے بادل نخواستہ اُٹھی...... دواؤں کے ڈبے سے جاڑے بخار کی گولیاں نکال کر کشمیرے سنگھ کے منہ میں رکھیں...... پانی کے دو گھونٹ حلق سے اترے تو اس نے بے وقت آنکھیں کھولیں کچھ [illegible] مگر نقاہت سے پھر آنکھیں موندھے پڑ گیا...... سرد اور سر پڑی رات کا بقایا حصہ سفیداں بائی نے جیسے تیسے بسر کیا—— پلک سے پلک نہ جڑی تھی، بُرے بُرے خیالات، وسوسے الگ جان کا آزار بنے رہے۔ خدا خدا

کر کے کہیں صبح کے ملگجے میں دُودھ والے بھیّے کے ٹٹوؤں کی مخصوص آہٹ کان پڑی تو وہ اپنا آپ لپیٹے دروازے تک آئی۔ آواز دے کر اسے کہا کہ وہ بخشو ملازم کو فوراً بُلا لائے۔

وہ ہونقا بونگا سا بوکھلایا ہوا پہنچا تو اِدھر کشمیرے سنگھ کی حالت مزید بگڑ چکی تھی...... بخشو اور دُودھ والے بھیّے کو کسی ڈاکٹر کی تلاش میں بھیجا...... صبح صبح کڑاکے کی سردی اور ہلکی ہلکی ژالہ باری...... ڈیڑھ دو گھنٹے بعد کہیں دُور بستی سے وہ ایک بوڑھے کرسچین ڈاکٹر کو بڑے جتنوں سے اُٹھا کر لائے...... تفصیل سے چیک کرنے کے بعد اس نے فوراً مریض کو ہسپتال پہنچانے کا بندوبست کیا---نمونیے کا شدید حملہ تھا۔

بس یہیں...... اِسی گزشتہ رات اور اِس وقت جب کشمیرے سنگھ کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ سفیداں بائی کو شدت سے احساس ہُوا کہ وہ یہاں کتنی اکیلی، غیر محفوظ اور بے بس سی ہے۔ اِس کے اندر ایک سہمی ہوئی عورت جاگ اُٹھی تھی...... پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی، فضا میں پرواز کرتے ہوئے پنچھی اور پریم کے جادو میں جکڑے ہوئے منش جب تک لُطف، زعم و بھرم میں پھنسے کے اور دھنسے رہتے ہیں یہی سمجھتے ہیں کہ انہی کے دم سے جہانِ نقد و نظر، دُنیائے عیش و طرب اور کائناتِ لُطف و [illegible] کا رنگ ہے۔ گویا ہم ہی خانۂ آفتاب نامۂ ماہتاب ہیں [illegible] اپنی بے چارگی، کم ہمتی اور کم اوقاتی کا احساس ہوتا ہے۔ منظر یہ ہے کہ صحت، خوشی، اقبال مندی کے عالم میں اکثر بے اوقات [illegible] چیزے دیگرے کہتے ہوئے نہیں شرماتے۔

سفیداں بائی اپنا بھرا پُرا گھر [illegible] پھلانگ کر آئی تھی۔ پیار کی پینگ میں اسے اتنا ادراک بھی نہ تھا کہ پیار پینگ ہمیشہ نہیں جھولی جاتی...... گُڈّے گُڈی کی پینگ کے موسموں، ساون بھادوں کی بھیگی رُتوں، آموں کے باغوں میں بُور پھوٹنے کے دِنوں، کوئل کے کوکنے کے سموں میں ہی پینگ پکوان پکوڑے بھلے لگتے ہیں۔ آگے پیچھے محض ٹکّو بننے والی بات ہوتی ہے۔

وہ پیار کی پینگ، مہاوٹوں کے دِنوں میں جھول تو بیٹھی تھی پر اب اچانک وقت کے رَسّے کی گرہ ڈھیلی پڑ گئی۔ دھڑام سے نیچے تو نہ گری لیکن اتنا احساس ضرور ہو گیا کہ وہ گر بھی سکتی تھی ایسے سمے آس پاس اپنوں کا ہونا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ بستیوں شہروں میں مل جُل کر رہنے میں کیسا مزہ اور کتنی آسانیاں ہوتی ہیں۔ ویرانوں، جنگلوں میں انسانوں اور دُنیاوی جھمیلوں سے بھاگ کر دُور تن تنہا رہنے والے بن باسی بابے جوگی سنیاسی، مَن مارے ہی تو ہوتے ہیں۔ گاہے من میں کسی منش کا دھیان دھر کے تنہا اُلّو کی طرح نہیں رہا جا سکتا۔
اس نے پہلی فرصت میں کالے خان اور رام پیاری کو اطلاع بھجوائی کہ فوراً پہنچو...... وہ لشتم پشتم

[illegible] پہنچ گئے تھے۔ چار پانچ دن ہسپتال میں پڑنے کے بعد کشمیرے سنگھ بھی اپنے گھر واپس پہنچ گیا۔ [illegible] سفیداں بائی نے دن رات اس کی پلنگ پٹی سے لگ کر اس کی تیمارداری کی تھی۔ مگر بیماری کی [illegible] بھی کوئی نہیں تھی کہ کمزور اور چڑچڑے کشمیرے نے انتہائی درشتی سے کالے خان اور رام پیاری کی آمد [illegible] اور حکم عدولی کا اظہار کرتے ہوئے سفیداں بائی کو انتہائی سُست کہا۔ وہ اس کے ترش اور [illegible] رویے پہ ششدر رہ گئی۔ کشمیرے سنگھ کی طرف سے یہ اس کی عزت نفس اور اعتماد و وقار پہ پہلا چرکا [illegible] نے اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کشمیرے سنگھ اس کے ساتھ ایسا تحکمانہ رویہ بھی [illegible] سکتا ہے اور اس کے خانہ زادوں کے روبرو اس کی پان پت اُتار کر رکھ سکتا ہے۔ کالے خان کو بلانا [illegible] کے تحت تھا۔ کشمیری ملازم میں اتنا وقوف نہیں تھا کہ وہ صحیح سے دوا دارو لا سکتا۔ ہسپتال یا کسی سٹور وغیرہ [illegible] سکتا۔ بہر حال وہ یہ سوچتے ہوئے بات ٹال گئی کہ کمزوری اور نقاہت نے اُسے چڑچڑا کر دیا ہے مگر یہ [illegible] روزِ روشن کی مانند صاف تھی کہ اس کے دل کے آئینے میں ملال کا بال ضرور آ گیا تھا گرچہ وہ [illegible]

[illegible] ز پھر بھونچال کا اک جھٹکا لگا کہ وہ اس کا [illegible] سہارا [illegible] تھی۔ [illegible] بیٹھے ہی اس [illegible] سفید[illegible] پانی [illegible] ہاتھ بڑھا کر [illegible] لگا کر بٹھایا کہ ایسے میں رام پیاری بھی پانی لئے آ پہنچی تھی۔ بس یہیں کشمیرے سنگھ کا پانی [illegible] ہاتھ اٹھا کر جو کانچ کے گلاس پہ جھانپڑ چلایا تو گلاس مع پانی اور رام [illegible] نیچے فرش پہ آ رہے۔ [illegible] اٹھی' کانچ کے [illegible] ٹوٹی چوڑیاں' پانی' رام پیاری کے [illegible] بال' کلائی پہ تازہ خون کے [illegible] واحد میں یہ سب کچھ سرزد ہو گیا تھا۔ سفیداں گنگ سی آنکھیں پھاڑے کبھی رام پیاری اور کبھی [illegible] کشمیرے سنگھ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اک عجیب سی شد مد کی حالت میں تھی [illegible] نہیں کر سکتی تھی کہ کشمیرے سنگھ ایسی گری ہوئی بیہمانہ حرکت بھی کر سکتا ہے۔

[illegible] زادوں' ملازموں پہ ہاتھ اُٹھانا' پھر جب کہ کوئی قصور بھی نہ ہو وہ تو ایسی گھٹیا حرکت کا تصور بھی [illegible]۔ بن کسی ارادے اس کے منہ سے خود بخود ہی نکل گیا۔

[illegible] صاحب! آپ کو کیا ہو گیا ہے...... یہ بے چاری آپ کے لئے پانی لائی اور آپ نے اس پہ [illegible] آخر اس کا دوش کیا ہے؟"

[illegible] پیاری ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ کلائی میں ہرے کانچ کی ایک چوڑی کا تیکھا سا ٹکڑا اُلجھا ہوا تھا۔ [illegible] نظر پڑتے ہی اُٹھی اور رام پیاری کی جانب بڑھنے لگی تو کشمیرا زخمی ریچھ کی مانند دھاڑا۔

''خبردار! جو مجھے چھوڑ کر اس دو ٹکے کی ویشیا سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔''

سفیداں بائی وہیں سے پلٹ کر بولی۔

''کنور صاحب! میں بھی تو اِک طوائف ہوں۔ میری ماں' میری نامی پڑنانی سب طوائفیں میری یہ سب سہیلیاں' باندیاں سب طوائفیں ہیں۔ مگر ہم بُرے لوگ بھی کبھی اپنے ملازموں' سیوکوں کرنے کا سوچ نہیں سکتے...... ان پہ ہاتھ اُٹھانے کا تو تصور تک نہیں کر سکتے...... ہم تو ان کو اپنی جان سے کھلانے سے بھی گریز نہیں کرتے...... اور آپ خاندانی لوگ' عزت و دولت والے...... آپ! آپ یہ کہ اس معصوم کا قصور کیا ہے؟''

وہ اُبکا کر بولا۔ ''سفیداں بائی! میں زیادہ گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ ہی تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ صحیح نہیں کہ تمہارے اور میرے درمیان اک اقرار ہوا تھا کہ اس کوٹھے سے اُترنے اور میرے ساتھ کے لئے روانہ کے بعد تم اس پیشے قماش' اپنے تعلق داروں ملازموں' سازندوں کسی سے بھی کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھو گی۔ گاؤ گی تو صرف میرے لئے...... جب میں نے تمہاری خاطر اپنا سب کچھ تیاگ باپ بیوی رشتے دار یہاں تک کہ اپنا کام کاروبار بھی [illegible] تمہاری [illegible] اور تمہیں [illegible] دیکھنے میں تمہیں [illegible] ٹلوں کو بلوالیا۔ مجھ سے پوچھے بنا تم نے انہیں ٹیلیگرام بھجوایا اور حد یہ کہ تم اس چھلنگو کے ہاتھوں مجھے پانی بھی ہو۔ سفیداں بائی! تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی...... میرے اعتماد کو......''

اب جو کھانسی اُٹھی تو [illegible] تکیے پہ ڈھے گیا۔ سفیداں نے آگے بڑھ کر اس کا سینہ شروع کیا۔ اشارے سے رام پیاری کو وہاں سے ٹہلایا۔ اس نے دیکھا کہ کشمیرے کے ہونٹ خشک سے پڑ گئے' سانس بھی بے ڈھب ہو رہی ہے۔ پانی تو اس نے پہلے بھی طلب کیا تھا اور اب تو وہ مزید ہو چکا تھا۔ سفیداں پانی کے لئے بے تحاشا سی اُٹھی...... بے دھیانی میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ نیچے گلاس کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں...... کچ کچ کچ کانچ کا فوری موم سے پاؤں کے نازک تلوے یوں چھدے لہو کے دھارے بہہ نکلے۔ بن آواز نکالے وہ دھم سے چوپٹ ہو گئی۔ ہاتھ اور بازو پہ بھی کانچ چبھے سے سی نہ کی...... کشمیرے سنگھ تو اپنے سانس سنکٹ میں پھنسا ہوا اسے خاک خبر کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ ہی دیکھتے چلوؤں خون بہہ نکلا شاید پاؤں پنڈلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی۔

بیمار' کمزور اور زخمی انسان اگر اپنا بہتا ہوا خون یا کوئی بھیانک خواب دیکھ لیں تو وہ محض خوف سے نیم بیہوش ہو جاتے ہیں۔ شاید خون' خوف اور خواب کا آپس میں کوئی سمبندھ موجود ہو۔ سفیداں ٹوٹنے سے

[illegible] سے چھڑی ہوئی خُوں چکاں کونج کی مانند بے یار و مددگار رغالیچے پہ پڑی تھی جبکہ رام پیاری باہر دالان کی [illegible] جانب رسوئی کے ایک کونے میں دبکی ہوئی بھیں بھیں کر رہی تھی...... اس کے ساتھ والی کوٹھڑی میں [illegible] کھائے اور کشمیری ہاتھ چاندو چکھے ہوئے پڑے تھے۔ باقی رہے کالے خاں تو وہ اس وقت خواب [illegible] کی اوٹ میں کھڑا یہ ''طوائف کا پیار'' ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر کے سارے سین سٹیپ' ہر مکالمہ [illegible] مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سُن چکا تھا۔ اس کی وحشت سے پھٹی ہوئی ساکت آنکھیں' غیض سے کپکپاتے ہوئے نتھنے اور بھینچے ہونٹ' نکوسے ہوئے دانت' گردن بازوؤں کی تنی ہوئی [illegible] میں ہاتھ میں کُھلا ہوا کمانی والا رامپوری خمدار چھتو' وہ اپنے بڑے مضبوط قدموں پہ کھڑا تھا...... سمندر [illegible] سے شانت' اندر سے کھولایا ہوا' تہس نہس کر دینے پہ آمادہ...... چھتو تو اس نے اسی وقت نکال لیا [illegible] زنانے سے کشمیرے ننگو نے رام پیاری کے ''تانک جل'' والے گلاس پہ زنانے کا اُلٹا ہاتھ دیا [illegible] جل کشمیرے ننگو کی ماتا نے پنجہ صاحب کے مقدس چشمے' حسن ابدال سے خصوصی طور پہ منگوا کر اپنے [illegible] کے رکھا ہوا تھا۔

آب [illegible] اپنے اپنے مذہبی عقیدوں کے مطابق بڑے مقدس [illegible] خواص و اثرات کے حامل مانے جاتے ہیں۔ آبِ حیات تو ہماری روایاتی داستانوں کا ایک [illegible] بھی ہے۔ اساطیری دیومالائی قصے کہانیاں...... عربوں کی الف لیلیٰ' ایرانیوں کی بلبل ہزار داستان' [illegible] کی طلسم ہوش ربا...... [illegible] دمشق کے بازار...... سمرقند بخارا کی قدیم سرائیں۔ [illegible] کے حجرے' پشاور کا قصہ خوانی۔ طرابلس کی طرب گاہیں یا قرطبہ کی عبادت گاہیں۔ آذربائیجان' [illegible] کے قہجان۔ عدن کی منڈیاں یا جدہ کا ساحل۔ بنارس کا گھاٹ یا گوا کے پاٹ' ہر جا جگہ کا [illegible] رنگت شکل' تاثیر اور سواد' مکروہ یا مقدس جو بھی ہو اپنے اپنے مقام پہ ایک تاریخی اور روایاتی [illegible] حامل ہے۔

[illegible] علاوہ ازیں نیل ہو یا نیلم' گنگا ہو یا برہم پترا' راوی چناب' ترچی کرشنا' نربدا' جہلم یا جھیل سیف الملوک' [illegible] شاہ ذل جھیل' ان ندیوں دریاؤں آب جوؤں کے پانی بھی کسی نہ کسی خصوصیات کی بناء پہ مشہور [illegible] کا پانی نروان گیان اور شکتی شانتی کے حصول کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے اور کوئی جسمانی' جلدی [illegible] شفا بخش ہے۔ خفقان اور دیگر امراض میں اکسیر تو کوئی آخرت اور دوسرے جنم کی آسودگی کے لئے [illegible] ہے۔ گردوں کی صفائی' قوت باہ' گوڑھ' داد' چنبل...... معدہ' نفخ اور قولنج کے لئے ایسے تریاق پانی منگوا

کر استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ وہاں چشموں' جھرنوں' تالابوں اور دریاؤں تک پہنچ جاتے مختلف طریقوں سے غسل اشنان کرتے ہیں۔ بوتلوں اور کنستروں میں بھر بھر کر ساتھ لاتے ہیں۔

یوں تو دُنیا بھر میں بے شمار ایسے دریا' ساگر' جھرنے' تالاب اور چشمے وغیرہ موجود ہیں مگر تاریخی پس منظر' طوالت' طمطراق وطنطنہ' ثروت' زرخیزی واَسرار دریائے نیل اور اس کے آبِ نیلگوں ہوئے وہ کسی اور دریا کے حصّہ میں نہ آئے اور نہ آئیں گے۔

● وادیٔ نیل' تحفۂ ربِّ جلیل......!

وادیٔ نیل مصر' جلیل القدر پیغمبروں' مطلق العنان خدائی کا دعویٰ کرنے والے حکمرانوں کی جولان گاہ تو رہا ہی ہے مگر اس کی اصل وجہ شہرت اس کے تنومند آور کرئیل جوانوں' فاضل کیمیا گروں اور جراحوں' موسیقاروں ساحروں' مہندسوں' ہیئت دانوں' ماہرینِ ارضیات و فلکیات...... فنِ تعمیر بے مثل ماہرین وشائقین...... فلسفۂ تاریخ کے مؤلدین ومقلدین تھے۔ ان ایسی فقید المثال شہرت وشوکت ہی اقوام عا [illegible] اور تاریخ کے پہ جتنی بھی بازیاں جمائی گئیں' جو بھی کھیل کھیلے گئے...... وہ سب اپنے منطقی انجام تک پہنچتے ہوئے اپنے سیاق وسباق سمیت سمجھ میں آتے گئے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب دم ہو کر تاریخ کا بن گئے۔ ان کے قصے فلسفے [illegible] علوم وفنون سب کچھ اوراق پہ [illegible] کر رہ گئے...... مگر ارضِ مصر کم وبیش چار ہزار سال سے بالکل کسی مصری کیبرے رقاصہ کی ہلکورے لیتی ہوئی حسین ناف کی مانند تماشائیوں کی گرم نگاہوں کا مرکز بنی رہتی ہے۔

یہ سرزمین ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کے خزانوں سے بھری پڑی ہے...... اپنوں اور بیگانوں اسے خوب لوٹا...... اب تک لُوٹ رہے ہیں مگر لُوٹنے کھسوٹنے والوں کے ہاتھ شل اور کدالیں کند ہو گئیں اس کے خزائن اور دفائن میں مطلق کوئی کمی واقع نہ ہوئی...... اس کی تاریخ پہ کبھی کوئی رائے حتمی طور پہ جا سکی۔ فی الواقع یہ اندازوں' گمانوں' قیاسوں' اسراروں اور بھولوں سرابوں...... کارناموں' تذکروں محیر العقول واقعات پہ پھیلا ہوا قطعۂ ارض ہے۔ اس کے ایک ایک منظر اور ایک ایک ذرے میں پُراسرار رچی بسی ہے۔ جبکہ نیل کے ایک ایک قطرۂ آب' ہزاروں میلوں پہ پھیلے ہوئے ساحلوں' گھاٹوں' ڈیلٹاؤں کسمساتی ہوئی موجوں' لہراتی ہوئی لہروں کے سینوں کی دھڑکنوں میں' سانسوں کی سسکیوں میں ماضی

[illegible] کی ان گنت کہی ان کہی داستانوں اور نغموں کی بازگشت گونجتی رہتی ہے…… کوئی صاحب نگاہ لب نیل کھڑے ہو کر دیکھے تو…… جنگ و جدال کے خونچکاں مناظر' ریاست سیاست کی ستیزہ کاریوں…… عشق و محبت کی شوریدگیوں…… حرص و ہوس کی تباہ کاریوں…… جاہ و حشمت کی حشر آرائیوں…… زر و جواہر کی فراوانیوں اور انسانی ہمت و کاوش کی معجزہ آفرینیوں کے پرت در پرت کھلتے دکھائی دیں گے۔ دریا کی پیٹھ کی جانب اتریں [illegible] کے رُخ کی طرف پہنچیں اس کی جمالت اور جلالت آپ کو مسحور و مبہوت کر دیں گے۔ چوڑے چوڑے [illegible] سے نیچے ٹخنوں تک اُتری ہوئی عبائیں…… صحراؤں جیسے فراخ گھنے سیاہ بالوں سے اَٹے ہوئے سینوں [illegible] سینوں سے شرابور لامبے دہقان' حد نظر تک پھیلے ہوئے فصل بار کھلیان کھیت' ثمر بار باغ باغیچے…… [illegible] بہشت کے سارے میوے…… رتیلے ڈیلٹے کے خوش رنگ شیریں تربوز…… مے ارغوانی سے لبالب [illegible] رنگ انگور…… سنگترے' مالٹے' [illegible] خوبصورت و شفتالو اور دنیا کا عمدہ ترین آلو…… جو' جوار' سنہری میٹھی مکئی' [illegible] زعفران' چاول' سویابین' سورج مکھی' نایاب گندم و گنا…… مقدس گھاس المعروف سنہری ریشہ جس کی ایک [illegible] سونے میں تولنے کے قابل ہوتی ہے۔ نیل کے اچھلتے پانیوں کی سیاہ فاخو اور [illegible] پانیوں کی [illegible] مچھلی…… جس کے سر سینگ سے سنگ [illegible] جواہر بھی حاصل ہوتا [illegible] سنگ ماہی [illegible] میں [illegible] سے دانوں کی صورت میں پائے جاتے ہیں جو بے کار محض ہوتے ہیں۔ دنیا کے خوفناک عظیم الجثہ [illegible] مگرمچھ' [illegible] گھڑیال' دو [illegible] سے لے کر دو من تک خوبصورت ترین کچھوے اور مڑے ہوئے سینگوں والے [illegible] بیلے اور نیلے مینڈک…… [illegible] گھونگے' سنہری سیپیاں اور [illegible] کے خزانے کی مانند پھیلی ہوئی [illegible]…… مونگ مونگے' چٹکے چانے' کناروں کی باڑوں سے پرے اُبھرتے ڈوبتے سورج کے مناظر…… [illegible] پرندوں کی ڈاریں' سریلی سیٹیاں' کرلاہٹیں بڑے مسحور کن مناظر پیش کرتی ہیں۔ نیل کے بہتے پانیوں کا [illegible] ایک ہی طلسم ہے۔ نیلگوں آسمان پہ کہیں کہیں روئی کے گالوں جیسے چھدرے چھدرے بادل…… [illegible] کے ٹکڑے جیسا کھلا ہوا چاند' جگنوؤں کی مانند ٹمٹماتے ہوئے تارے اور ایسے میں دریا کے بہاؤ پہ سفر' [illegible]……!

یہاں اب اگر اللہ نے بندے کو احساسات حسنہ سے نوازا ہے' زادِ زندگی میں علم و عرفان اور ذوقِ سلیم [illegible] تجربہ ہے…… وجدان وادیٔ سینا سی وُسعت کا حامل ہے…… دیدوں میں بینائی اور تابِ نظارگی ہے' [illegible] شوقِ آوارگی' آفاقی سی طبیعت…… رفتگاں سے شناسائی' آمدگاں سے آگاہی اور قرب و دُور تک [illegible] ہو…… آئینۂ تصور بھی صاف ہو اور بندہ حمیدہ اوصاف ہو…… سوچ میں جولانی ہو' پرواز فکر طولانی ہو تو پھر

دیکھیے کہ بوڑھا نیل اپنے سربستہ اسراروں کے پرت پہ پرت کیونکر اُتارتا ہے۔ آپ کو اس کے نیلگوں میں ڈوبی ہوئی ان گنت صدیوں کی گھٹی گھٹی صدائیں اور دبی دبی سرگوشیاں سنائی دیں گی۔ یوں محسوس چم چم چمکتی چاندنی اٹھکیلتی ہوئی موجیں اور لہریے لیتی لہریں اپنے بطون میں پڑی' کہی ان کہی کہنے اُجالنے پہ آمادہ خاطر ہیں۔ بس آپ نے ذرا سا دھیان دیا تو جانیے کہ آپ صاحب حال صاحب ماضی فی النیل ہو گئے۔ النہرِ نیل آپ کو نیلو نیل کرنا شروع کر دے گا۔

نیل کرائیاں نیلکاں میرا تن من نیلو نیل
اساں سودے کیتے دلاں دے اساں رکھے نین وکیل

اس بے پناہ رسیلے سُریلے لوک گیت میں "نیل کرائیاں نیلکاں" اور "تن من نیلو نیل" کی جو سی تکرار ہے یہ خاصے کی چیز ہے۔ نیل نیلکاں نیلو نیل کیسے کومل شبد اور سُریلے اکھر بھاؤ ہیں۔ نیل ہی کے دہن نطق میں بھی نیل گوں کا سواد گھلنے لگتا ہے۔ تصور میں نیلوفر کے شگوفے نیلے نیلے نازک پروں تتلیاں' نیلگوں نینوں والی نیلم پریاں پھریریاں سی اُڑانے لگتی ہیں۔

[illegible] وں پر افسوس کے بھی نیلی بادلی گائے بھینسوں کی مانند ڈب کھڑبی ہی نکلی جو نیلی ہرگز نہ تھی...... پھر اتفاق ایسے کہ پرندوں دوکان پہ ایک نیل کنٹھ دکھائی دیا' جی بڑا خوش ہوا کہ گھر میں مینا' شیاما اور چکور کے ساتھ یہ خوشنما زمزمے گے...... اسی خوش فہمی و خوش اُمیدی میں اسے گراں قیمت پہ خرید لایا...... نیل تانبے کے تاروں سے خوبصو آرام دہ کابک بنوائی مگر کیا کیجیے کہ کچھ ہی دنوں بعد نیل کنٹھ مہاراج سورگ باشی ہو گئے۔ بالائے ستم یہ کہ اس واقعہ کے بعد باقی پرندوں نے بھی بڑی پُراسراری چپ سادھ لی...... گنگنانا' تانیں اُڑانا' مُرکیاں در کنار ہلکی سی آہ کراہ بھی کسی کی چونچ سے نہ نکلی۔ چوٹ کے نیل اور نیلے تھوتھے کو چھوڑ کر نیلی آنکھیں' گوری کلائی میں کانچ کی نیلی چوڑیاں' نیلوفر کے پھول شگوفے' استنبول کی نیلی مسجد' ملتانی کاشی کاری کی نیلی میور پنکھ میں نیلا جوش اور جسم کی نیلی رگیں...... نیلم کی شفاف نیلاہٹ' نیلا آسمان' جھیل سیف الملوک کا پانی...... گلابی قرطاس پہ نیلی روشنائی سے لکھے ہوئے اُلفت نامے......؟

قاہرہ دا بے سے اسکندریہ تک ساحل ساحل کھسکنے والا (نیو سفائر آف نائل) نیل کا نیلم بڑا پُر پُرتعیش اور اچھی خاصی شہرت کا حامل بجرہ تھا۔ گہرے نیلے رنگ' پانچ ستاروں والا یہ تیرتا ہوا ہوٹل کوئی

[illegible] نہیں تھا کہ جو چاہے اس پہ نشست حاصل کر سکتا۔ خاص طور پہ سیر و سیاحت کے موسم میں اس کی [illegible] مہینوں پہلے ہی شروع ہو جاتی ...... ظاہر ہے کہ ایسے مہنگے پُر آسائش شاندار دریائی ہوٹل میں زیادہ [illegible] سیاح وغیرہ ہی سفر کرتے تھے۔ اس لئے مقامی اور مجھ ایسے فقرے قسم کے ٹورسٹ محض اسے جیٹی پہ کھڑے حسرت بھری نظروں سے دیکھنے پہ ہی اکتفا کرتے تھے ویسے بھی اس کی بکنگ ڈالروں اور پونڈوں میں [illegible] جو ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ ہوتی ...... اس کی وجہ شہرت میں اک نمایاں حصہ اس کے منفرد [illegible] اندرونی ہیئت کذائی' صحرائی انداز کی بود و باش' قدیم فراعنہ کی طرز کا فرنیچر' لباس' قالین' کراکری اور [illegible] بھی تھا۔ وہی گئے وقتوں کے ساز سازینے' پُر اسرار مسحور کن دُھنیں ...... ویسی ہی نیم برہنہ دہکتے سلگتے [illegible] زہریلی رقاصائیں ...... صنوبر اُٹھانوں والے کڑیل حبشی غلام' ہیبتناک شکلوں والے ساحر' شعبدہ گر [illegible] جیسا ماحول' کافوری روشنیاں' لپٹیں چھوڑتی ہوئی [illegible] قندیلیں اور مختلف رنگین شمعیں۔ سو اس [illegible] ماحول میں چند روز رہنے والا مہمان واقعی ہی بیرونی دُنیا سے کٹ کر صدیوں پہلے کے زمانے میں خود کو [illegible] ......وہ ایسی سحر انگیز تفریح اور تفنن کی بہجت آفرینی کبھی فراموش نہیں کر پاتا۔

[illegible] تا ہوں کہ میں [illegible] ہُوا کوئی نہ کوئی بہانہ گنجائش ڈھونڈتا رہتا ہوں کہ اُڑ کر وہاں پہنچوں ...... مصر کے علاوہ دُنیا میں [illegible] ایسی سرزمین نہیں ہے جہاں کسی جہان گشت' مورخ' تاریخ دان' علم الارض و اقوام کے طالب علم' [illegible] تعمیرات' جغرافیہ دان' علوم [illegible] علم الابدان و جراحت اور محقق کے لئے اک جہان حیرت کُھلا ہُوا ہو ......

[illegible] محکمہ سیاحت بڑا منظم اور فعال ہے کیوں نہ ہو یہ تو مصر کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ [illegible] تہذیب و تمدن' اپنی سرزمین اور عظیم آب رو' خزائن و نوادرات اور مصنوعات و پیداوار کی پُر اسراریت کو [illegible] کرنے کے لئے اُنھوں نے بڑے جدید اُصولوں طریقوں کو اختیار کر کے سیاحت کے میدان میں سنہری [illegible] حاصل کی ہے۔ قاہرہ اور اسکندریہ کے عظیم الشان قصر' عجائب خانے' لائبریریاں' مسجدیں' درسگاہیں' [illegible] صحرا اور قومی ثقافتی یادگاریں' ان کے لئے دن رات ڈالر چھاپتی اور سونے چاندی کے سکے ڈھالتی [illegible] ہیں۔ ان کی قومی ایئر لائین دُنیا کی وسیع تر اور بہترین منافع والی ہوائی کمپنی ہے۔ اندازہ فرمائیں [illegible] ملک میں ادنیٰ سی ادنیٰ ٹیکسی بھی مرسیڈیز بینز سے نیچے نہیں ہوتی۔ فر فر انگریزی بولتے ہوئے سوٹڈ بوٹڈ [illegible] ڈرائیور ...... دُنیا کا ہر قابل ذکر پانچ ستاروں والے ہوٹل یہاں موجود ...... کلب' کیسینو' شراب خانے' [illegible] رقص گاہیں ...... تھیٹر' سینما' قحبہ گری کے پُر تعیش مراکز ...... غرضیکہ مصریوں نے گام پہ گام صید

پھانسنے کے پھندے گاڑے ہوئے ہیں۔ یہاں نہیں وہاں...... اس گلی میں نہیں اگلی گلی میں صید دام میں پھنس ہی جاتا ہے۔ سابق شاہ فاروق کی حماقتوں اور رنگینیوں بھری زندگی اور اُم کلثوم کے غنائیہ زمزموں کے پس منظر میں مصر کے مزاج و مذاق کو خوب سمجھا جا سکتا ہے۔

مَیں نے جانا کہ مصر کو جاننے کے لئے شاہ فاروق' اُم کلثوم' غزہ کے اہرامین اور نیل کے ڈیلٹا کو جاننا سمجھنا بہت ضروری ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ دریا میں اُترے بنا دریا کو اصلاً نہیں جانا جا سکتا۔ اسی اصل کو جاننے کی غرض سے میں مصر سے باہر اُس مسافر کی مانند پڑا ہوا تھا جو رات فصیلِ شہر کا دروازہ بند ہونے پہ صبح کے انتظار میں جاگا سویا ہوتا ہے۔

• درویشی دیگچے' صحرائی ثرید اور خرچنگ کیکڑے......!

پچھلی صدی کی ساتویں دہائی کے آواخر' موسم سرما کے ابتدائی سرمئی سے دن تھے [illegible] پرانے بیروت کے باہر سمندر اور صحرا کے درمیان ایک قدیم [illegible] خستہ سی سرائے [illegible] آپ اسے بھٹیار خانہ بھی کہہ سکتے ہیں غیر معینہ دنوں کے لئے پڑا [illegible] رہتا تھا۔ کسی [illegible] بجائے یہاں پڑے رہنا میری مجبوری کے علاوہ میری تفریح [illegible] تھا۔

''فندق البحر'' نامی بھٹیار خانے کا کوئی سر پیر نہ تھا' جو چھت تھا وہ اُن [illegible] بے ہنگم پتھروں کی پرچھتی دیواروں پہ کھپریل' اونٹوں کی [illegible] جستی [illegible] آہنی ٹوٹی پھوٹی چادروں اور [illegible] بے ہنگم چیزوں کا نام تھا اور فرش— موٹی کھردری سرخ ریت پہ اُدھڑے ہوئے پرانے قالینوں اور اُونٹ' بھیڑ بکریوں کے بالوں کی دریدہ دریاں جس پہ جا بجا میل کچیل کے دھبے اور چاک نمایاں تھے۔ اَن پھٹے ہوئے چاکوں سوراخوں سے حشرات الارض کیڑے کاکروچ چھوٹے چھوٹے پھرتیلے کیکڑے' ننھی ننھی ریگ ماہیاں' رینگتے ہوئے بڑی بڑی مونچھوں والے پڑنے گن پڑنے گھوے اور ریل گاڑی کی مانند خوبصورت چیونٹے نکل نکل کر آزادانہ گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ادھر رہنے والوں میں جسے دیکھئے وہ ہاتھوں ناخنوں سے اپنے جسم کے کسی نہ کسی اعضاء کو کھجاتا یا پپوٹا سہلاتا ہی دکھائی پڑتا...... کسی جگہ رہنے یا کسی جا پڑے رہنے میں اک نمایاں فرق ہے...... یعنی اس غریب الدیار مفلوک الحال آشرم میں الف سے لے کر یائے تک سب پڑے ہوئے ہی تھے۔ میری طرح دل دماغ' صحت اور جیب پاکٹ سے بے نیاز...... کوئی بھگوڑا ساحل پہ اُترتا تو ناک کی سیدھ سیدھا ادھر پہنچ کر پڑ جاتا۔ کوئی صحرا نوردی سے فارغ ہوتا تو ادھر کمر سیدھی کرنے پہنچ جاتا۔ جیل' بیگار سے چھٹنے والے بھی ادھر کا

[illegible] کرتے...... اور جو دُنیا میں محض دھرتی کا بوجھ سمجھے جاتے ہیں ان کی جائے پناہ بھی یہی بھٹیار خانہ تھا...... یہ [illegible] بحرِ دُنیا کا واحد بھٹیار خانہ نما ہوٹل تھا جو دو چار پانچ سات ستاروں کا محتاج نہ تھا بلکہ یہ ملٹی سٹار کہکشانی ہوٹل تھا...... جس کے صدر دروازے پہ کوئی باوردی بارعب مونچھوں والا کھڑا نہیں رہتا تھا اور نہ ہی یہاں پہ [illegible]'' کے لئے کسی ڈنر سوٹ ٹائی، پاسپورٹ، شناختی کارڈ، کریڈٹ کارڈز اور ڈالروں، پونڈوں، دیناروں کی ضرورت ہوتی...... کوئی اندراج، کوئی کمرا نمبر اور نہ کوئی مددگار...... یہاں پڑنے کے لئے صرف انسان کے روپ میں محض بوجھ کی ضرورت ہوتی، بس یہی اوصاف اس کی وجہِ شُہرت تھے۔ یمن، تیونس، الجزائر، لبنان، سوڈان، شام، مصر، لیبیا، عراق، فلسطین غرضیکہ دُنیا بھر کے فُقرے، خرچ تھڑے، مفلس وقلاش اور بیمار قسم کے سیاح، آوارہ گرد، بین الاقوامی دریوزہ گر، بھک منگے، چھوٹے موٹے سمگلر، حشیش اور مشروب پینے والے جہاندرو نشہ باز، جان و مال سے بیزار دین دُنیا سے آزاد، غرضیکہ ہر [illegible] کا بوجھ خود بخود یہاں پہنچ جاتا...... کئی دیکھے جو بچپن میں آئے اور جوانی کہیں پڑے پڑے کہیں غائب ہوگئی...... کئی بوڑھے آئے اور یہیں سے دو فرلانگ شمود کے قبرستان میں جا کر لیٹ گئے۔ نہ آنے کی خبر اور خوشی، نہ جانے یا مرنے کا ماتم۔ پانچ سات [illegible] نما دالان، جو کسی دروازے [illegible] کھڑکی سے بے نیاز تھے۔ جس کا جہاں جی چاہا [illegible] گیا۔

ایک [illegible] پاؤں کے نیچے گھسٹتی ہوئی سیاہ رنگ کی میلی سی عبا...... وہ اور اس جیسے دو عدد بیٹے ہر وقت آنے جانے والے مہمانوں کا خیال رکھتے...... رہائشی دالانوں سے ذرا ہٹ کر ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور بغیر چھت کا ایک باورچی خانہ تھا ایک جانب جھاڑ جھنکار، چیتھڑے، پھٹے پرانے جوتے، لکڑیاں اور جلانے والے گندے میلے ڈیزل کے لئے ایک [illegible] سا زنگ آلود ڈرم...... بڑے بڑے پتھروں کے چولہے اور ان پہ ڈیزل کے دھوئیں سے کلونسے ہوئے ڈنٹ پڑے دیگچے اور کھلے کنستر...... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اتنے سارے لوگوں کے لئے سامانِ خورد و نوش کہاں سے آتا اور کون لاتا تھا؟

میں نے اپنے قیام کے دوران کئی بار اس راز کو جاننا چاہا مگر ہر بار ناکام ہی رہا...... پانی کے لئے پتھروں کا بنا ہوا ایک بڑا حوض تھا۔ جو صحرائی جانوروں کے علاوہ انسانوں کی بھی ضرورت پوری کرتا تھا۔ اس حوض کے لئے پانی کہاں سے پہنچتا تھا یہ یہاں کے لاینحل رازوں میں سے ایک راز تھا۔ اس اُردنی بھٹیارے میاں [illegible] کے دو بڑے بیٹے اکثر باورچی خانے کے اندر کھانے پکانے میں مصروف دکھائی پڑتے، جب دیکھا بڑے بڑے دیگچوں میں کالی لکڑی کا ایک بڑا سا لٹھ گھماتے ہی دیکھا...... ان دیگچوں میں لاثانی قسم کا ثرید پکتا تھا...... جس کا جزوِ خاص پہاڑی جو ہوتا...... جس کی یا تو بیئر شراب بنتی ہے یا پھر جانوروں کو بطور چارا کھلایا

جاتا ہے...... اس جو میں نشاستہ کم اور پھوک چھلکا زیادہ ہوتا ہے۔ اس سرائے کی مخصوص و عام ڈش بھی ایک واحد ثرید تھا۔ چوبیس گھنٹے اس کے دیگچے چڑھے رہتے...... جسے بھوک محسوس ہوتی وہ خود باورچی خانے پہنچ کر اپنی ضرورت کا ثرید حاصل کر لیتا...... یہ ثرید آش کی مانند پتلا اور ہلکا ہوتا...... جسے ہر کوئی آسانی سے ہضم کر لیتا...... ثرید کے دیگچوں میں جو تو پڑتے ہی تھے اس کے علاوہ لحمیاتی ضرورت کے تحت اس میں صحرائی کیکڑے بھی گھوٹے جاتے تھے۔

لیبیا' اُردن اور مصر کے صحراؤں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت و مصلحت سے ایک کیکڑا پیدا فرمایا ہے۔ جو سمندری دریائی کیکڑوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ سمندری کیکڑے چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور ناقابل یقین حد تک بڑے بڑے بھی...... جنہیں دیکھ کر خوف محسوس ہوتا ہے...... مگر یہ مخصوص صحرائی کیکڑے بہت چھوٹے ہوتے ہیں...... ایک چھوٹے سے مینڈک کی مانند ایک ہی سائز اور یکساں رنگ و رنگ' اچھے' پھرتیلے اور چست و چالاک...... خدا جانے ان کے پاس کون سی قوت و خاصیت ہے کہ وہ انسان کے ارادے اور نیت سے واقف ہو جاتے ہیں...... آپ بیٹھے یا لیٹے ہیں' وہ ٹھنڈک' سایہ' انسانی خوشبو سے وارفتہ ہو کر سرہانے اٹکھیلیاں توڑتے ہوئے اچانک کہیں ریت [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] کھٹیوں کے پیچھے گھما پھرا کر [illegible] جب [illegible] آپ کی موجودگی کو یکسر نظرانداز کر دیں گے اور بے خوف و خطر آپ کے جسم پر رینگتے پھریں گے۔ پاؤں کی انگلیوں کی درمیانی غلاظت ٹانگوں اور گھٹنے کے جوڑ کے پیچھے کی میل کچیل...... ناک منہ کی آلائش لعاب' ہاتھ پاؤں کے بڑھے ہوئے ناخنوں میں رہائش پذیر غلیظ جراثیموں کے قبیلے...... کان کی کیچ' سر کی [illegible] جوئیں وغیرہ ان کے من پسند کھاجے ہیں۔ ظاہر ہے یہ چیزیں انہیں دُنیا میں صرف اسی سلیمانی آنتی کے مطبخ یا بھنڈارے میں وافر میسر آ سکتی ہیں۔ حیرت ہے کہ وہ کمال ڈھٹائی سے آپ کو اپنا تختۂ مشق بناتے ہیں' آپ کے جسم میں ایسی ایسی جگہیں دریافت کر لیں گے کہ جن سے آپ خود بھی ابھی تک واقف نہیں ہوئے ہوں گے۔

اس عالم یلغاری میں اگر آپ نے کہیں نہ معلوم انداز میں بھی یہ سوچ لیا کہ ان کم بختوں سے نمٹا جائے تو یقین جانیے اگلے ہی لمحے وہ یوں غائب یا چھپ جائیں گے جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ آپ اپنے تئیں ششدر رہ جائیں گے کہ ابھی تو میں نے مشکل سے ارادہ ہی باندھا تھا' انہیں کیونکر خبر ہو گئی؟...... اسی اثنا اگر آپ نے اپنی خجالت مٹانے کی غرض سے ہشیار بننے کی کوشش یا کوئی لپک جھپک کی تو یاد رہے کہ وہ کبھی آپ کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ وہ ماہر نٹوں بازیگروں کی طرح آپ کو دائیں بائیں جھولے جھانکے دیتے ہوئے یہ جا وہ جا...... یا کبھی کوئی مقدر کا پٹا یا تربیت کا کچا آپ کے ہتھے چڑھ بھی گیا تو وہ مال غنیمت' بطور من و سلویٰ

[illegible] دیگچے میں پہنچ جاتا۔

اسی طرح سارا دن' سب مسافر اک دُوجے کی دیکھا دیکھی' ضرورتاً' اتفاقاً' بخبی' احتجاجاً' شرماشرمی' [illegible] کے طور کیکڑے گرفت کرتے تھے۔ ادھر مقامی لوگ اس بے ضرر' بے حد پھرتیلے ہوشیار اور لحمیاتی قوت بخش اجزا والے کیکڑے کو یہاں کی صحرائی دہقانی زبان میں اتھوغ کہتے ہیں۔ یہاں صحرا ریگزار میں بھلا ڈاکٹر کہاں' لہٰذا یہاں کے لوگ جسمانی خلجانی کمزوری' قوتِ باہ' جلدی بیماریاں' سانپ' بچھو' کُتوں کے کاٹے' پیٹ کی خرابی' آنتوں کی جلن' سوزش' بڑھی ہوئی تلی' گُردوں کی پتھری' گلپھڑے اور پیٹھ کی آنت کا [illegible]—— غرضیکہ ہر ظاہری باطنی بیماری کا آخری شافی علاج یہی نادرِ روزگار اتھوغ تھا۔

کئی عشروں پہ محیط صحرائی سفر نے مجھے کچھوکما بنا دیا ہوا تھا...... میری جسمانی' ذہنی' اخلاقی اور مالی حالت [illegible] بے تمک پتلی ہو چکی تھی...... قوت بخش غذا [illegible] پانی کی کمی' مسلسل بے آرامی' لگاتار سفر' موسموں کی سختیاں اور صحرا کی بدمزاجی نے مجھے خاصا چڑچڑا اور خود سے بیزار سا کر دیا ہوا تھا۔ مگر یہاں' بیزاروں' مفلسوں اور قلاشوں کی جنت میں پہنچتے ہی میں اپنے آپ میں خاصی تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا۔ میری [illegible] شدہ توانائی' چہرے کی اُڑی ہوئی شادابی' یادداشت وغیرہ واپس لوٹنا شروع ہو چکی تھی۔ جبکہ [illegible] صورت [illegible] ہو چکا [illegible] کچھ فرق تھا [illegible] کے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کا باہمی سلوک و اتفاق اور گرمی حراروں سے لبریز صحرائی کیکڑوں والے [illegible] غذائیت سے بھرپور ثرید کا تھا...... چوپایوں کے چارے والے جو' چند باسی بھی' صحرائی پیاز کی گانٹھیں' [illegible] کی جڑیں' زیتون کا کچا پھل اور تیل اگر میسر ہو تو...... ورنہ دریافت ہونے والے تمام وٹامنوں کی [illegible] سے بھرپور اتھوغ کیکڑے تو تھے ہی...... گھی بھر سمندری نمک' مرچ یا وہ ہر چیز جو میسر ہو جائے [illegible] یا حیوان کے کھانے چکھنے کے قابل ہو...... اپنی تمام تر افادیت اور غذائی اعتبار سے بھرپور یہ ثرید یقیناً [illegible] غیر متوقع تھا۔ اس کے باوجود اصل مسئلہ اس کا نگلنا' کھانا یا اس کا پینا تھا...... ٹھوس اجناس' ریشہ دار سبزیاں اور عمر رسیدہ کیکڑے اگر وافر ہوتے اور پانی مقدار میں کم ہوتا یا دیگچے کے نیچے تاؤ تیز ہوتا تو ثرید [illegible] کے بوتگے کے کیچڑے کی طرح ہوتا...... جسے باقرخانی کی بگالیوں کی طرح لٹھ و بٹ کر بہ دقت نگلا جاتا...... اور اگر ہلکی آنچ' لکڑی کے کفگیرے کے مسلسل ہلاؤ' جانوروں والے جو کم' پانی ہلکا اور بہاؤ میں زیادہ' سبزیاں ترکاریاں ہفتوں عشروں کی باسی ٹھہرتیں' خرچنگ کیکڑے کم اور دوندے دوندے سے ہوتے تو اس صورت ثرید بالرغبت کھایا جا سکتا تھا...... بالفرض اگر دیگچہ پانی سے پُر ہے۔ لوبیا' دالیں اور جو وغیرہ [illegible] میں حکیم ارشد والی کی طرح قلیل ہیں' کیکڑوں کی پیدائش میں کمی ہے یا ابھی کمسن ہیں ماؤں کی

گودیں چھوڑنے کے لائق نہیں...... ترکاریوں میں تری کی ترتراہٹ ختم ہوگئی ہے اور اُدھر دیگچوں کے خشک لوکیوں کی تڑی مڑی بیلیں، مصری تربوزوں کے اَدھ خشک چھلکے...... پرانے ریڈ سول اور سیاحوں کے سفرناموں کے بیکار مسودے جل بُجھ چکے تو جانیں کہ ایسا ثرید محض پیا ہی جاسکتا ہے...... جو بے انتہا مقوی خُوب خواب آور ہے۔ ایسا ثرید پینے کے بعد میں نے سلیمان اینڈ سنز، دو چار پرانے رہنے والوں کے علاوہ کسی اور کو آرام سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا...... ہر بندہ پائجامہ تھامے باہر بھاگتا دکھائی دیا...... جن میں اُس میں خود بھی شامل ہوتا...... گو میں بھی اسی قبیلہء بیکاراں، نادر روزگاراں میں شامل تھا جن کا کام ہی ریگ یا بوسیدہ قالین پہ پڑے رہنا تھا کیونکہ نہ تو اِدھر آنے کی دعوت تھی اور نہ ہی یہاں سے جانے کا تقاضا تھا۔

بنی اسرائیل کے لئے من وسلویٰ خاص طور پہ آسمان سے اُترتا تھا لیکن یہاں اس قبیلہء آوارہ گرداں کا من وسلویٰ جیسے شش جہت عالم سے بھجوایا جاتا تھا۔ خود رو ازقسم ترکاریاں انہیں اِدھر اُدھر صحرا سے مل جاتی تھیں۔ آسمان سے پانی جو کبھی کبھار باندازِ بارش ان کے قدیمی حوض نما تالاب تک پہنچ جاتا۔ ہر صبح پانی کے تکمے مل کر خاصے دُور ساحل تک جاتے اور جو کچھ بھی ماہی گیر، سمگلر اور سمندر، ساحل پہ انڈیل جاتے یہ اُٹھا کر اسے گٹھڑیوں میں باندھ لاتے۔

[illegible] س پہ رات کے اندھیروں میں انسانوں کو سمگل کرنے والوں اور غیر قانونی ماہی گیری کرنے والوں کی کشتیاں اور چھوٹے بجرے اپنی کاروائیاں کیا کرتے تھے...... کئی بار یوں بھی ہوا کہ دس جتنے یہاں سے وہاں گئے...... واپس آئے یا آٹھ گئے اٹھارہ آئے۔ [illegible] داری کی بات یہ کہ کوئی کسی کے جانے یا آنے کی بابت دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا...... کبھی کبھی گلی سڑی بدبودار مچھلیاں بھی مل جاتیں...... جن کی سڑاند بدبو اور بدذائقی کو زیتون کے بار بار استعمال ہونے والے تیل میں بھون کر دُور کیا جاتا...... ساحل سے اُٹھا کر لائے جانے والے مالِ خیرات سے بعض اوقات بڑے کام کی چیزیں بھی دستیاب ہو جاتیں...... پرانے جوتے، چھڑے، کینوس کی جیکٹیں، رسّے اور رسیوں کے ٹکڑے۔ شراب بیئر کی خالی بوتلیں، سگریٹ سگار کے اَدھ جلے ٹکڑے، کھانے پینے کا فاضل اور باسی سامان...... مچھلیاں پکڑنے کے پرانے جال، ٹوپیاں، لکڑی لوہے کا کاٹھ کباڑ اور کبھی کبھی تو ان لوگوں کے وارے نیارے بھی ہو جاتے...... روپے پیسے، گھڑیاں اور سونے چاندی کے سکّے ڈلیاں بھی ہاتھ لگ جاتیں۔ جعلی پاسپورٹ، جعلی کرنسی، مرے سڑے لوگ بھی دیکھے پائے جاتے

وہاں سے لائے جانے والے سامان کو من وعن سلیمان اُخّی کے سپرد کر دیا جاتا...... وہ کمال مہارت سے اس سامان سے ایک ایک چیز الگ کرتا...... ثرید کا سامان الگ، ایندھن کے لئے استعمال ہونے والا الگ

پیچھے رہتے والی چیزیں ایک طرف...... اس کے اپنے لئے اور لڑکوں کے لئے جوتے کپڑے ٹوپیاں الگ...... بچا کھچا سامان وہ حسب ضرورت یہاں کے فقیروں میں بانٹ دیتا...... بالکل اسی طرح مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے ان انٹرنیشنل مُفتوں کے لئے سامانِ ثرید و چشید لباس فاخرہ و عاجزہ پیزار فرنگ و کلاہ ملنگ پیچھے رہتے...... میں بھی انہی سا ایک بین الاقوامی مفتوڑا تھا۔ مُفت خوری مُفت سفری مُفت بسری مُفت حشری اور مُفت نشری کے سامان کھاتے کھاتے جگہیں جلوتیں خلوتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ڈھونڈا کرتا تھا۔ وہ کیا زمانے تھے گردش میں پیمانے تھے۔ از حد جذب و برداشت کا یارا تھا۔ رگوں میں خون نہ تھا پارا تھا' صبح کہیں شام کہیں' کہیں تھا نہ آرام کہیں۔ اک سودا سوار تھا سر پہ ایک قدم بحر میں اک بر پہ۔ کچھ جاننے کا لپکا تھا' دُنیا جہان دیکھنے کا چسکا تھا۔

• دمشق' دمِ عشق......!

شام کے دمشق سے پرے میں ایک شام گولان کی پہاڑی سلسلے پہ واقع ہابیل کے مزار کے باہر ایک [illegible] چبوترے پہ بیٹھا غروب کا [illegible] نظارہ کر رہا تھا۔ چبوترے پہ بچھی دو چٹائیوں' رحل پہ قرآن پاک اور تسبیحوں کی موجودگی سے پتہ چلتا تھا یہ جگہ نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہے۔ میرے علاوہ میرے ساتھ ٹیکسی ڈرائیور اور ایک فقیر اقسم کا گائیڈ بھی تھا...... جسے میں محض انگلش شلنگوں اور سگریٹوں کا لالچ دے کر ساتھ لایا تھا...... چند منٹ گزرے ہوں گے کہ دو باوردی فوجی بھی آ گئے' دونوں باریش اور بھلے سے انسان تھے' بعد میں معلوم ہوا وہ دونوں شامی فوج کے سپاہی ہیں جو اسی پہاڑی پہ یہودی فوج کے سامنے پوزیشن لئے ہوئے پڑی ہے...... ہم سب نے اکٹھے نماز مغرب ادا کی...... سورج اوجھل ہو چکا تھا' شام کے ملگجے میں ہم نے ٹیکسی کی ٹھانی...... ٹیکسی میں بیٹھ چکے تھے تو اچانک ایک عجیب سی ہیت کذائی والا خمیدہ کمر بوڑھا' سرمئی سی عبا' ہاتھ میں لمبی سی تسبیح لئے مزار کی اوٹ سے ظاہر ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور اسے دیکھتے ہی عجلت میں گاڑی سے باہر نکلا' خراماں خراماں آگے بڑھ کر بڑی عقیدت سے ہاتھ چومتے ہوئے بڑی تیزی سے عربی میں گفتگو کرنے لگا...... پچھلی سیٹ پہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا گائیڈ بھی باہر نکلنے لگا تو میں نے اسے روکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بزرگ کون ہیں؟"

وہ بیوقوف' میری بات سُنی اَن سُنی کرتا ہوا' ہاتھ چُھڑا کر باہر نکل گیا...... اس نے بھی وہی کچھ کیا جو ڈرائیور کر چکا تھا۔ وہ تینوں آپس میں بڑے انہماک و عقیدت سے بات چیت میں مصروف تھے۔ میں دیکھ رہا

تھا کہ وہ دونوں سروں کو خم کئے' نگاہیں رُوبرو رکھے' دایاں ہاتھ دل پہ ٹکائے اُن بزرگ کے ہر جنبش پہ طیب طیب' مرحبا مرحبا کہے جا رہے ہیں۔

ظاہر ہے اَب میری باری تھی۔ میں گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ مجھے نیچے اُترتے دیکھ کر وہ تینوں گاڑی کی جانب آ گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر بڑی عاجزی سے سلام کیا...... حسبِ رواج و روایات انہوں نے معانقہ فرمایا میرے گال پہ بوسہ ثبت کیا اور میرا حال احوال پُوچھا...... اَب میرے ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اجازت دوں تو ان بزرگ کو ساتھ بٹھا لیں...... اُن کا گاؤں کہیں قریب ہی تھا۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا بلکہ میں نے فوراً اگلا دروازہ کھول کر انہیں سیٹ پہ بیٹھنے میں مدد دی۔ اُن بزرگ نے بڑی شفقت اور میٹھی سی مُسکراہٹ سے مجھے آفرین کہا۔

گاڑی چل دی تو انہوں نے گائیڈ کے وسیلے سے مجھ سے بات چیت شروع کر دی۔ وہ عربی میں مخاطب تھے۔ گائیڈ انگریزی میں ترجمہ کر کے ہم دونوں کی مشکل حل کر رہا تھا...... میں نے محسوس کیا کہ میرے متعلق جب آگاہ ہوتے تو بے وقت پلٹ کر میری جانب تحسین و آفرین بھری نظروں سے دیکھتے خاص طور پہ پاکستان اور میرا سیاحت کا شوق...... اُلٹے سیدھے علوم سیکھنے کا جنون وغیرہ۔ ان سب باتوں انہوں نے بڑ [illegible] اور [illegible] یوں گم رہے کہ پتہ بھی نہ چلا اُن کے گاؤں پہنچ گئے۔ گاؤں کیا تھا' چند معمولی سے گھر' چھوٹی سی مسجد اور شاید ایک مدرسہ بھی تھا...... پہاڑی شاہراہ کے کنارے پہ چند گھروندے پرانے کھجوروں کے درخت ایک مخروطی سے مینار والی چھوٹی سی مسجد...... چند معصوم سے بچے بھی دکھائی دیے...... ٹخنوں تک اُترتی جھولتی عبائیں اور سروں پہ کپڑے کی گول گول ٹوپیاں۔

شام کے سائے اب خاصے گہرے ہو چکے تھے...... گاڑی رُکتے ہی بچے تیز تیز کلام کرتے ہوئے قریب آ کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ان بزرگ سے پہلے ہم تینوں نیچے اُتر چکے تھے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔ وہ اپنی عبا اور قبا سنبھالتے ہوئے نیچے اُترے' دکھائی دیتا تھا وہ اَب عمر اور تقدس و تدبر کے اس مقام پہ پہنچ چکے ہیں جہاں موجود سفر تمام ہونے کو اور اگلے سفر کے مشورے ہو رہے ہوتے ہیں...... تھکاوٹ اور نقاہت صاف چہرے پہ عیاں تھی۔ مگر کیا مجال جو مزاج کی شگفتگی اور طبیعت کی بذلہ سنجی میں کہیں جھول پڑا دکھائی دیا ہو۔ میں سب سے پیچھے سر ڈالے کھڑا تھا' میری جانب مُڑ کر دیکھا پھر میرے قریب آئے' میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سامنے مسجد کی جانب ہو لئے...... ڈرائیور اور گائیڈ بھی پیچھے پیچھے سایوں کی طرح جڑے ہوئے چلے رہے تھے۔ چلتے چلتے اچانک بزرگ نے تیز تیز عربی میں کچھ بچوں سے کہا' بچے طیب طیب کہتے بھاگتے ہوئے

[illegible] گھر میں گھس گئے۔

[illegible] کے بالوں کے نمدے پہ معمولی سا پُرانا قالین بچھا ہوا تھا...... چبوترے کے گرد گھٹنوں کی [illegible] ریت کے بلاکوں کی دیوار تھی...... قبلہ رُخ انہی ریت کے بلاکوں کا منبر و محراب...... لکڑی کی ایک [illegible] کی الماری جس میں کچھ پرانی سی کتابیں تسبیحیں اور مصحف پاک پڑے ہوئے تھے...... اللہ اللہ کیا اللہ [illegible]؟...... زرق برق نہ کوئی چکا چوند...... یہاں اخلاص ہی اخلاص تھا بندوں میں مسجد میں اور اعمال میں...... [illegible] آب بزرگ نے گائیڈ کی وساطت سے کہا۔

“اس مختصر راستے میں چونکہ میرا غریب خانہ پڑتا ہے۔ لہٰذا لازم تھا کہ میں آپ کی اپنی حیثیت کے [illegible] مدارت کروں اور ویسے بھی آپ ہمارے پاکستانی مسلمان بھائی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے یہ [illegible] بخشیں گے۔” وہ سینے پہ دل کی جگہ ہاتھ رکھے بڑے عجز سے یہ بات کہہ رہے تھے۔

میں اُن کے گھٹنوں کی عمر کا بے سروپا مجہول سا نوجوان اُن کی شفقت عجز و انکسار کے آگے بھری کی [illegible] کرنے لگا...... اب باقاعدہ بات چیت شروع ہو چکی تھی۔ گو باہمی دو طرفہ ترجمے سے ربط گفتگو [illegible] بدمزگی در آتی تھی بہر حال یہ مجبوری تھی...... اُنہوں نے میرے متعلق [illegible] دریافت کیا۔ [illegible] اصل مسئلے [illegible] نے گفتگو روک دی شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ان کے گھر سے ما حضر پہنچ گیا تھا...... تنوری [illegible] روٹیاں شوربہ...... پنیر کے قتلے سرکہ زیتون کا پھل اور فنجان میں قہوہ...... کیا سادگی ایسی لذت [illegible] پیٹ بھر کر کھانا کھایا بعد [illegible] کل جمعہ کا روز ہے...... اگر چاہو [illegible] سانی سے آ سکو تو جمعہ کی نماز [illegible] ساتھ ہی اوپر مزار پہ پڑھ لینا...... پھر میرا ہاتھ ہلکا سا دبا کر کہا...... اور کچھ تمہارے پسندیدہ موضوع پہ گفتگو بھی ہوگی۔ جس سے تم یقیناً مسرور ہو گے...... پھر رُخصت کرتے ہوئے مزید ارشاد ہُوا “اگر چاہو تو میرا پوتا [illegible] دمشق سے اپنی موٹر سائیکل پہ بٹھا لائے گا...... ٹیکسی یا گائیڈ ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا [illegible] جیسے جہاں گردوں کے پاس صرف تجسس اور جنون ہوتا ہے۔ پیسے اور آسودگیاں نہیں ہوتیں۔

اُن سے رُخصت کا مصافحہ کرتے سمے میں نے شدت سے محسوس کیا کہ جیسے میرے جنون تجسس [illegible] اور میرے تصور تصرف کا بہت سا تحفظ ان کے پاس ہے...... مزار پہ پہلی ملاقات سے اب تک میں [illegible] عجیب سی وارفتگی و شفتگی کی حالت میں تھا...... ڈرائیور کو شاید واپسی کی عجلت تھی۔ وہ خطرناک پہاڑی راستوں [illegible] مہارت اور تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ دائیں بائیں اوپر نیچے کی جھولوں سے بڑا لطف آ رہا تھا...... [illegible] کے ساتھ والی سیٹ خالی تھی...... پچھلے سفر میں اس سیٹ پہ بزرگ بیٹھے تھے لیکن مجھے یُوں محسوس ہو رہا تھا

کہ وہ اب بھی وہیں بیٹھے ہیں...... گاڑی کے اندر اب بھی وہی سنجیدہ ماحول' وہی مہک خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔

کہتے ہیں عورتیں اور عربی کہیں بھی بیٹھے ہوں وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ عورتیں کُتر کُتر اپنے منہ کے سروتے سے باتوں' چغلیوں کی چھالیاں کاٹتی رہتی ہیں۔ اسی طرح عربی النسل کہیں بھی ہوں اپنی بُڑ بُڑ شروع ہی رکھتے ہیں۔ موضوعات کی ان کے ہاں کمی نہیں ہوتی۔ گھوڑے' کُتّے' امریکی' نئی نئی کاریں' نئی نئی شادیاں' تیراکی کے تالاب' جینا لولو' صوفیہ لورین' اُم کلثوم' ریکھا' ہیلن' باز' شکرے' موسم وغیرہ وغیرہ موقع کوئی بھی ہو وہ بلا تکان بولتے چلے جائیں گے...... حیرت ہوتی ہے کہ اعراب نکالتے وقت جس تیزی و مہارت سے وہ اپنے حلقوم اور زبان تالو کا استعمال کرتے ہیں ایسا اگر کوئی عجمی کرنا چاہے تو یا اس کے حلق بیٹھ جائے گا...... تالو پہ تھگا لگے گا یا پھر اس کی زبان ٹوٹ جائے گی...... حیرت کا مقام تھا کہ یہ عربی النسل خاموش تھے اور میں بھی ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری یکسوئی سے ان بزرگ کے بارے میں اپنے اندر باہر کے سارے اندازے' قیافے' قیاسے ٹٹول رہا تھا۔ خاص طور پہ اُن کی کنائے میں چھپی ہوئی یہ بات بڑی تسکین افروز تھی کہ ''تمہارے پسندیدہ موضوع پہ گفتگو بھی ہوگی''

میرا ان سے ملنے کا اشتیاق دوچند ہو چکا تھا۔ اچانک میں نے خاموشی کے پُرسکوت تالاب میں ایک کنکری پھینکی۔

''قاسم! مجھے کچھ ان بزرگ کے بارے بتاؤ؟''

میرے سامنے بیٹھا ہوا میرا گائیڈ جسے میں پانچ شلنگ' دو ڈبیاں انگلش سگریٹ اور ضرورت کے مطابق کھانے پینے کے معاوضہ پہ ساتھ لایا تھا...... میرے سوال سے اچانک یوں چونکا جیسے میں نے پوچھا ہو مجھے کچھ اپنی بیوی کے بارے میں بتاؤ۔ وہ منہ پھاڑ کیے میری اور خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

''بھائی! میری طرف یوں کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ مجھے ان بزرگ کے بارے کچھ معلومات بہم پہنچاؤ...... ان کا نام' کام اور اگر کوئی کاروبار ہو تو وہ بھی......؟''

اس کی بجائے ڈرائیور نے جواب دیا۔

''ان بزرگ کا نام ابو طلحہ یمانی ہے۔ ان کا تعلق اس خاندان سے ہے جو صدیوں سے حضرت ہابیل و قابیل کے مزارات کی مجاورت سنبھالے ہوئے ہے...... یہ بزرگ یہاں کے کُلید بردار بھی ہیں...... تم تو جانتے ہو گے کہ کُلید بردار ہونا بذات خود ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ حکومت کی جانب بڑی خاص مراعات ہوتی ہیں...... اس کے علاوہ یہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی بڑی قابل قدر اور پہنچی ہوئی شخصیت ہیں

[illegible] تمام عمر عزیز زہد و تقویٰ' تبلیغ و تدریس اور مراقبات و عبادات میں گزری ہے...... اس علاقے میں [illegible] ان کی بڑی عزت و تکریم کی جاتی ہے...... اور کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ سکتے ہو۔''

ایک جُست سے موڑ پہ ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار سُست کرتے ہوئے پھر خود ہی کہنا شروع کیا۔

''ان بزرگ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ صاحبِ کشف ہیں۔ مراقبۂ القبر بھی کرتے ہیں......''

میں کان کھڑے کئے' آنکھیں پھیلائے اس کی ایک ایک بات پہ دھیان دیئے ہوئے تھا...... لیکن [illegible] گائیڈ گویا ہوا۔

''سنا ہے کہ پیغمبروں کے وقتوں کے کئی جنات بھی ان کے پاس آتے ہیں...... تم نے دیکھا نہیں وہ [illegible] بزرگ مہربان سے جن ہی دکھائی دیتے ہیں...... میں اکثر یہاں معتقدین اور سیاح لے کر آتا ہوں۔ ان کی زیارت اور صحبت سے فیض یاب ہوتا رہتا ہوں مگر آج ان کی ایک عجیب سی کیفیت دیکھی جو اس سے قبل [illegible] میں نہ آئی...... میں نے انہیں آج تک کسی کی ایسی پذیرائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسی انہوں نے [illegible] کی ہے...... میں تو ابھی تک اس بات پہ حیران ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ کیسی شفقت و مدارات سے پیش آ [illegible] اپنے ہاتھ سے [illegible] اور بوسہ دیا...... مجھے تو لگتا ہے کہ تم بھی کوئی پہنچی ہوئی ہستی ہو۔ تب ہی تو انہوں نے تمہیں [illegible] اپنے ساتھ صبح کی نماز پڑھنے کے لئے بلایا ہے...... اور پھر یہ کہ کل وہ اپنے بیٹے کو خاص طور پہ [illegible] کے لئے بھیج رہے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ میں اُس کی ان باتوں کا کوئی جواب دیتا ہم شہر کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور [illegible] ٹیکسی چیک پوسٹ پہ رُک چکی تھی...... اگلے پندرہ منٹ میرے فندق تک پہنچنے میں صرف ہوئے...... [illegible] رخصت ہوتے سمے اُن دونوں نے بڑی عقیدت سے میرے ہاتھوں پہ بوسہ دیا تھا۔

سر پڑی رات بھی میرے لئے بڑے بڑے عجائبات لئے ہوئے تھی۔ کھانا تو میں کھا کر آیا تھا۔ بستر [illegible] سے پیشتر میں نے قہوہ منگوایا...... تربوز کے بُھنے ہوئے بیج طشتری بھر سامنے رکھ لئے...... یہ تربوز اور [illegible] بُھنے ہوئے بیج کھانا بھی بڑا سود مند مشغلہ ہے...... ادھ کھلے' ہلکے سے خاکستری' نیم نمکین' ہلکے پھلکے۔ [illegible] سے بیج کے ساتھ روغنِ زیتون میں بھونا جاتا ہے۔ اس طرح یہ بے حد مزیدار' خستہ اور قوت بخش ہو جاتے ہیں۔ عربوں میں بے کاری' وقت گزاری' وافر الفرصتی' وقفۂ انتظار یا غم اور خوشی کے لمحات میں تمباکو نوشی

اور تخم خوری سے بہتر اور کوئی شغل نہیں ہوتا...... ثُمیر و بیَر، صغیر و کبیر، غریب و امیر، اسی تمبا کو و تخم کے اسیر ہوتے ہیں۔ شیشہ نوشی (حقہ پینا) تو بہ توبہ بڑی قبیح علت ہے مگر یہ تخم ٹونگی بڑا سود مند مشغلہ ہے...... کام کا کام، طعام کا طعام...... خالی خولی منہ باندھ کر پڑے رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ صحت اور جبڑا پرور بیج ٹھکورتے رہیے۔ کام کا کام، گٹھلیوں کے دام۔

مجھے یہ بیج کھانے سے بے پناہ رغبت رہی، مگر ایک قباحت بھی واضح ہے کہ آپ یہ شغل صرف خطۂ عرب میں ہی سرانجام دیں تو مناسب ہے جیسے چپل کباب کھانے کا حقیقی لطف صرف اور صرف صوبہ سر میں ہے...... سرحد سے دو فٹ باہر نکل آئیں تو یہ چربیلے، مرچیلے، چڑپڑیلے، زہریلے، سنڈیلے کباب، کباب نہیں اک عذاب بن کر آپ کے پیٹ میں جہنم دہکا دیتے ہیں۔ پیڑوں کی لسی، کھدیں پائے، کلچے، پٹھورے...... تکے اور زہو...... حلیم اور نہاری...... نمکیاں [illegible] ٹکاٹک...... چاٹ اور گول گپے۔ یہ نعمتیں صرف لاہور کی حدود میں ہی لطف اور اپنا ذائقہ برقرار رکھتی ہیں۔ تجربہ کرنا ہو تو ان کھابوں کو بندھوا کر اپنے ساتھ لے لیں اور راوی کا پل کر جائیں، کھولیں، کھائیں...... آپ واضح طور پہ محسوس کریں گے کہ اب نہ تو وہ ذائقہ ہے نہ مزہ اور نہ وہ اشتہا آور خوشبو۔ میں نے کئی مرتبہ عربی سوڈانی قہوہ [illegible] اپنے ساتھ [illegible] مگر وہ لطف اور خوشبو [illegible] اور خوشبو کا تعلق علاقے سے بھی ہوتا ہے۔

بات ہو رہی تھی کہ پورا عالم عرب اربوں، ریالوں، دیناروں کے قیمتی سگار [illegible] سگریٹ، روسٹڈ کاجو، بیج، پستہ بادام وغیرہ محض تفریح طبع، وقت گزاری کے لئے کھائی جاتی ہیں۔

اس وقت میں بھی دمشق کے ایک ادنیٰ سے ہوٹل میں نیم دراز سا پڑا یہ خربوز، تربوز اور ککڑی کھیرے کے ملے جلے روسٹڈ بیج ٹونگ رہا تھا۔ سارے دن کی آوارہ گردی، پہاڑوں کی اترائی چڑھائی، جسم ٹانگیں شل ہو کر رہ گئے تھے...... کچھ دیر پہلے قہوہ پیا تھا اس سے پہلے دو ٹکیاں پیناڈول لی تھیں اب میں پاؤں پھیلائے جسم ڈھیلا چھوڑے خالی الذہن ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا...... لاکھ جتن کے باوجود میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان بزرگ مشفق کی صورت اپنی آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹا سکا۔ تقدس مآب نورانی سا چہرہ...... مہربان سی آنکھیں، سپید خوبصورت سی ریش...... ملکوتی لہجہ، کج کج انگلیوں، پتلے پتلے سرخ ہونٹوں سے بنا بنا کر افہام و تفہیم کا اچھوتا انداز...... موٹے سادہ سے کپڑے کی قبا، سر پہ دستار فضیلت...... موٹا سا عصا اور سیاہ عقیق کی تسبیح...... واقعی وہ کوئی ملکوتی مخلوق جان پڑتے تھے۔ آج انہوں نے جو میرے ساتھ انتہائی مشفقانہ سلوک کیا تھا وہ میرے لئے کچھ ناقابل فہم بھی تھا۔ میں ایک عام سا آوارہ گرد بندہ، جاہل سا گندہ، بات کا

عالم نہ فاضل' بھلا اُن کے کس کاج میں...... سوچنے لگا یہاں تو بڑے بڑے اَجل فاضل حاضری
گے۔ ہابیل قابیل کے مزارات کے متولی جو ٹھہرے' کیا کلام جو جنات' ولی قطب بھی آتے ہوں۔
اور پیرہن و پیزار کی حالت و صورت سے میری ظاہری باطنی حالت مترشح تھی...... آخر اس
کو ایسی اہمیت و محبت دینے کی کوئی وجہ؟ اس سرگشتگی و سرگردی میں رات کے کسی پہر آخر کہیں آنکھ جڑ

صبح نو بجے کے آس پاس ٹیلیفون کی کرخت اور مسلسل گھنٹی نے مجھے گہری نیند سے اُچاٹ کر دیا تھا۔
کوئی انگریزی میں گڈ مارننگ کہہ کر اس وقت ڈسٹرب کرنے پہ معذرت چاہنے لگا۔ آنکھوں میں
دماغ کچھ سویا ہوا کچھ جاگا ہُوا ایسے میں کچھ جان نہ پایا کہ ایسی شُستہ انگریزی بولنے والا میرا
ہو سکتا ہے جبکہ اس ہوٹل کا نمبر بھی میں نے کسی کو نہیں دیا تھا۔ پیشتر کہ میں کچھ اُلٹا سیدھا جواب
سے پھر سلسلۂ کلام شروع ہو گیا۔

نام جمیل یمانی ہے مجھے اپنے عزت مآب دادا سے ہدایات ملی ہیں کہ میں آپ سے رابطہ
کی سہولیات کو مدِنظر رکھتے [illegible] کی سعادت حاصل

ذہن پہ چھائی ہوئی دُھند چھٹ چکی تھی پھر یکبارگی کوندا سا لپکا' تقدس مآب بزرگ کا
میری آنکھوں کے سامنے جگمگا اُٹھا۔ میں اپنی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتے ہوئے بمشکل کہہ سکا۔
"محترم! میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے یاد کیا [illegible] کل آپ کے جلیل القدر دادا سے
ملاقات حاصل ہُوا تھا اور آج اُن کے حوالے سے آپ سے ملاقات بھی میرے لئے باعث صد افتخار و انبساط
آپ کب تشریف لائیں گے؟"
سے بھی ایسی ہی شگفتگی و شائستگی سے جواب ملا۔
"میں انشاء اللہ ٹھیک پونے بارہ بجے ہوٹل کے نیچے پہنچ جاؤں گا...... مجھے اور میری مشین بائیک کو
میں آپ کو شمہ بھر تردد نہیں ہوگا کیونکہ ہم دونوں کا اس شہرِ خوباں میں جواب نہیں...... اور ہاں ظہرانہ
دادا جان کے ساتھ ہوگا۔" پھر سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "میں بھی ذرا آج آپ کے ساتھ
کے مرغن پارچے اُڑا لوں گا۔ اوکے بائے بائے!"
الٰہی یہ کیا چیز تھا؟ ہم مرشد تھے یہ ولی نکلا۔ ایسا تیکھا بے تکلف مگر باتمیز' شیکسپیرین سٹائل کی انگلش
اَب میرے اعصاب پہ دادا کے ساتھ پوتا بھی سوار ہو چکا تھا۔

عربی، پٹھان اور سکھ، چاہے ساری زندگی میامی، پیرس، لندن، ٹرانٹو یا نیویارک میں بسر کر دیں وہی عربی، پٹھان اور سکھ ہی ہیں۔ اپنا موروثی لب و لہجہ اور طرزِ حیات نہیں بدلتے۔ نبیل یمانی، ظاہر ہے فضیلت مآب بزرگ کا پوتا تھا اور وہ بزرگ سوائے عربی کسی اور زبان سے نابلد تھے۔ اب اس نادیدہ لب و لہجہ کہیں بھی اس کے شامی ہونے کی چغلی نہیں کھاتا تھا۔۔۔۔۔۔ میرے دل میں آیا ممکن ہے اُن بزرگ کسی غیر ملکی ماں کے بطن سے ہو اور اس کی تعلیم و تربیت کہیں یورپ وغیرہ ہوئی ہو۔ بہر حال، اب میں تقدس کے چنگل سے نکل کر پوتے کی پُر لطف شخصیت کے منگل میں گم ہو چکا تھا۔

ہوٹل کی تیسری منزل پہ میرا کمرا اس کے عین صدر دروازے کے اوپر تھا۔ کمرے کی دونوں باہر سڑک کی جانب کھلتی تھیں۔ نہایا دھویا کپڑے تبدیل کئے، ہلکا سا ناشتہ لیا۔۔۔۔۔۔ بارہ بجنے میں پانچ منٹ تھے کہ میں نے کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا۔۔۔۔۔۔ اگر عجیب و غریب موٹر سائیکل وہاں نہ ہوتی تو سمجھتا کہ کوئی ڈیٹ نوسر باز قسم کا دو نمبر گھڑیاں، پرفیوم، فاؤنٹین پن بیچنے والا مجمع لگائے دوکانداری کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔ موٹر بائیک جہازی سیٹ سے کہنی جمائے، گھٹنے پہ گھٹنا چڑھائے وہ یوں کھڑا تھا جیسے گینڈے ہاتھی وغیرہ شکار کرنے کے مستند یا شوقین قسم کے شکاری شکار کر کے [illegible] آنکھیں کر اس نا [illegible] الوجود مشین کو دیکھ رہے تھے جیسے وہ موٹر بائیک نہ ہو کوئی اُڑن طشتری ہو اور ابھی ابھی کسی سے گر کر ادھر آ پڑی ہو۔۔۔۔۔۔ امریکن ہیروز کی طرح لمبا قد، چھریرا بدن، مضبوط جبڑا۔۔۔۔۔۔ وہ لائٹ بلیو جین ہوئے تھا۔ شرٹ بھی [illegible] کی تھی۔۔۔۔۔۔ آنکھوں پہ گاگل چڑھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔ [illegible] میں اُوپر سے آنکھیں اُن کا رنگ نہ دیکھ سکا۔

یہ خصوصی طور پہ بنی ہوئی موٹر مشینیں جو زیادہ تر ہینڈ میڈ ہوتی ہیں یا پھر محدود تعداد میں سپیشل ایڈ صُورت میں مخصوص آرڈر پہ شوقین لوگوں کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں ان کا بڑا کریز ہے ان ممالک کے بڑے بڑے موٹر ویز پہ اگر آپ سفر کر رہے ہوں دیکھیں گے کہ آپ کی بغل سے شوں اک اُڑن طشتری سی نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش منظر میں نقطہ بن ہو گئی ہے۔ جس طرح فل سپورٹس کار میں ڈرائیور قریب قریب لیٹ کر ڈرائیو کرتا ہے اسی طرح اس سپیڈ بھی قریب قریب رکوع کی حالت میں پہنچ کر ڈرائیو کیا جاتا ہے۔ ڈرائیور کا لباس اگر آپ ملاحظہ کریں سکتے ہیں یہ بندہ کسی خلائی جہاز پہ جانے کی تیاری میں نکلا ہوا ہے۔۔۔۔۔۔ اس کا ڈرائیور بھی گوشت پوست کی ہیوی ڈیوٹی مشین کی مانند ہی ہوتا ہے۔ اس مشین کو ابنارملی میں ڈرائیو کرنے والے زیادہ تر ہپیوں جیسے اور ہوتے ہیں ان کے بس میں ہو تو وہ اس مشین کو اُڑن طشتری سمجھتے ہوئے اگلا پہیہ اُٹھا کر افلاک کی جانب

[illegible] مراجعت کر جاویں...... یہ بڑی قیمتی نادر عجوبہ قسم کی ہوتی ہے...... موٹر سائیکلوں کے کسی عجائب خانے میں ہونے کی بجائے لوگ اسے سڑک پہ ہی دیکھ لیتے ہیں...... یہ موٹر سائیکل کم گینڈا زیادہ دکھائی دیتی۔ کچھ [illegible] تھی۔ مگر مجھے بارہ سنگھا' ڈینو سار کی طرح بھی...... میں نے کئی ایک اس قسم کی موٹر مشین دیکھی ہیں جن کے ہینڈل کی جگہ بارہ سنگھے کے بڑے بڑے سینگ لگے ہوتے تھے۔ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت' گھڑیال اور بارہ سنگھے کے جبڑے' گینڈوں کے نوکیلے سینگ' حنوط کیے ہوئے اژدھے' لومڑ بھیڑیوں کے سر...... یورپ' امریکہ' آسٹریلیا' جرمنی' فرانس میں ان موٹر سائیکل رائیڈروں کی بڑی بڑی تنظیمیں ہیں...... جن کے زیرِ اہتمام بڑی بڑی ریلیوں کے اہتمام ہوتے ہیں...... ایشیا کے ممالک میں یہ شوق شغل نہ ہونے کے برابر ہے...... شاذ ہی کہیں کوئی ایسی عجوبہ روزگار سپیئر مشین دکھائی دیتی ہو۔

یہ میرے ہوٹل کے صدر دروازے کے باہر بھی اس وقت اسی قسم کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ جس کے گرد [illegible] اس کو اور کبھی اس کے مالک کو عجیب عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں زیرِ لب مسکراتے [illegible] ہوئے نیچے اُتر آیا۔ ہم دونوں نے اک دوجے کو جاننے پہچاننے میں [illegible] بھی دیر نہیں [illegible] ہم دونوں چاک گریباں اس طرح بھینچ بھینچ کر ایک دوسرے سے سینے لگے جیسے اک لمبی جدائی کے بعد [illegible] آپس [illegible] نکال کر ہمارا [illegible] لگے تھے۔ سچ ہے کہ دُنیا کو کچھ نہ کچھ بہر طور دیکھنا ہوتا ہے وہ تماشا ہو حادثہ' حشر' حال' حالت یا پھر [illegible] بھی...... میں اور موٹر سائیکل ہم تینوں تماشا بنے ہوئے تھے...... آگے پیچھے [illegible] پتے جھاڑے وہ [illegible] مجھ سے بغلگیر رہا...... میرے گال چُومے پھر علیحدہ ہو کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر خوب بھینچا۔

وہ گورا چِٹّا' لانبا تڑانگا' پڑھا لکھا' مسوڑا' بھیگا ہوا نوجوان تھا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا اس کی پیشانی پہ [illegible] صدق کی مُہر...... جو یقیناً اس کے بزرگ دادا کا تصرف تھی۔ نیلی آنکھیں' گوری رنگت' سنہری بال' [illegible] جو اس کی ماں کا تشرف ہو سکتا تھا۔ دورانِ گفتگو اس نے ایک لفظ تک عربی کا استعمال نہیں کیا تھا۔ یہاں تک کہ السلام علیکم کی بجائے اس نے گڈ مارننگ کہا تھا' لش لش کرتی ہوئی ایسی گرانڈیل موٹر سائیکل جسے [illegible] کرنا بھی کچھ یوں سانڈ کو خصی کرنے کے برابر...... اور پھر اس پہ سوار ہونا بھی اک مانڈے سانڈ' مستی [illegible] ہوئے شُتر یا فیل بے مہاوت پہ بیٹھ لینے کے مترادف ہوتا ہے...... اس کے ڈبل سائیلنسر کی دہشتناک [illegible] اور گرینڈ پھٹنے جیسے دھماکے نے جو سماں پیدا کیا...... اس سے خاطر خواہ محظوظ ہوتے ہوئے بچے لوگوں [illegible] کی صورت کھڑے احمقوں نے خوب ہاہو کرتے ہوئے تالیاں پیٹیں...... جب دھماکوں کی آوازوں میں جلال اور دُھوئیں میں ابتذال ختم ہُوا تو اس جوانِ خُوب رو و خُوش خِصال نے کمال مہارت و مہادرت

ے سر پہ وہ خلائی خول پہنا' جسے انگریزی میں ہلمٹ کہتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے تسمہ باندھ کر اس نے
کے آگے براؤن رنگ کی عینک کی سکرین گرائی اور کمال بے اعتنائی و بے پناہی سے خبردار کیا۔

''میرے پیارے دوست! ذرا سنبھل کر بیٹھنا...... رفتار اور کردار کے معاملہ میں یہ احمق سی
زیادہ قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔''

مَیں نے کچھ زیادہ نہ سمجھتے ہوئے یونہی پُوچھ لیا۔

''کیا مطلب......؟''

اُس نے مشین گیئر میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''رفتار اور کردار کا مطلب سمجھانے کے لئے مجھے تمہیں ایک واقعہ یا قصہ سُنانا پڑے گا۔
عمرو عیار کے وقتوں میں کہیں ایک بدو نے کسی گھریلو ضرورت کے تحت گدھا خریدنا چاہا تو وہ
کے تاجر کے پاس پہنچا اور اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

مجھے کوئی ایسا نسلی اور خاندانی شریف بہادر سا گدھا چاہیے' کم از کم جس کی رفتار اور کردار کی
گارنٹی د[illegible]''

گدھوں کا تاجر بڑا [illegible] اور [illegible] تھا [illegible] دلچسپ [illegible] والا بڑا احمق
گدھا ہے...... بڑی گہری نظر سے اپنے گدھوں کے ریوڑ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''معزز خریدار! یہ سامنے حاضر مال کاہلی گدھوں کا ہے...... ان میں کوئی ایسا گدھا دکھائی نہیں
آپ کی طلب کے مطابق ہو۔ ہاں میرے پاس ذاتی حاجت روائی کے لئے ایک نادر الوجود جانور موجود
جسے گدھا کہنا اس کی توہین کے مصداق ہے۔ اگر آپ چاہیں اور اس کی شایانِ شان قیمت ادا کرنے کا
رکھتے ہوں تو حاضر کرتا ہوں۔''

خریدار اس کی تاجرانہ چرب زبانی سے خاصا متاثر ہوا اور جانور کے ملاحظہ کا ارادہ ظاہر کیا
کشاں کشاں اپنے گھر گیا کچھ دیر بعد ایک مریل سے گدھے پہ سوار واپس آیا...... گدھا بہ مشکل اس کا
لادے لڑکھڑاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''قابلِ قدر خریدار! یہ خاص الخاص خراسانی جانور ہے آپ نے گدھا کہہ کر اپنی سادگی کا ثبوت
ہے...... آپ کو نسلی خاندانی اور شریف قسم کے جانور کی خواہش ہے جو رفتار اور کردار کا بھی غازی ہو یہ سارے
اوصاف حمیدہ صرف اور صرف اسی میں موجود ہیں...... اسی لئے تو یہ الگ باندھ کر رکھا ہے کہ مال اچھا ہے
مزید بتانے لگا...... ''آپ کے نصیبوں میں اگر یہ نادر تحفہ لکھا موجود ہے تو سُبحان اللہ...... ورنہ وہیں باندھ

[illegible] یہ حریرہ کھڑا' بصرے کے بابا الصباح صادق کے ذخیرے کی کھجوروں کی بھیگی ہوئی گٹھلیاں' خراسانی [illegible] کے خشک کونپلیں اور شہر حلب کے انگور کے باغوں کے نرم نرم پتے کھا رہا تھا...... اب جو حکم......!''

بدو کی رہی سہی مت بھی اُلٹ گئی...... وہ تحسین و تکریم بھری نظروں سے جانور کی ٹانگیں بغلیں اور دیگر [illegible] خراسانی ٹٹولنے لگا...... تاجر تاڑ گیا کہ احمق مرغا اب کٹنے کو ہے...... اس نے کمال عیاری و اداکاری سے جانور کو بیکار کر واپس گھر لے جانا چاہا...... بدو نے دیکھا تو خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے کہنے لگا۔

''یا شیخ! مجھے یہ جانور پسند آیا اب نعم البدل بیان کرو...... تاجر نے ایسی قیمت بتائی جو چار گدھوں کے [illegible]...... آخر کار یہ بیکار و بیمار' تین گدھے برابر قیمت خریدار کے ہاتھوں اُٹھ گیا۔ وہ بصد کھینچا تانی' دھکم [illegible] گدھا لیے اپنی راہ لگا...... کچھ راہ آگے اس نے سوچا کہ جانور کا مطلب ہے کہ اس پہ سواری کی جائے نہ [illegible] گھسیٹا جائے چنانچہ وہ گدھے کو پچکارتے ہوئے اس پہ سوار ہو گیا...... اب جنبش نہ جنبد مثلِ گنبد' [illegible] کہ حضرت وہیں پہ کھر گاڑے کھڑے جھول رہے ہیں...... جھنجھلایا ہوا بدو بڑی دیر تک اس کے گیئر [illegible] پہ شیخ آزمائی کرتا رہا۔ مگر بے سود' حرکت نہ برکت...... وہ ابھی مزید غور کر ہی رہا تھا کہ سامنے سے کوئی [illegible] سی گدھی لدی چلی آئی اور شاید بدو سے پہلے [illegible] کی نظر جا پڑی تھی [illegible] گیا گیئر ویئر [illegible] ...... وہیں [illegible] سرپٹ بھاگا [illegible] کی دم [illegible] کسی نے بجلی کی تار چھوا دیے ہوں...... ایسی یکا یکی میں بدو کے حواس بھی [illegible]تے رہے۔

[illegible] طریقے سے بھاگتے گدھے پہ کچھ دور تک تو وہ اپنا توازن کسی نہ کسی طور سنبھالے رہا پھر اچانک گدھے نے [illegible] آڑا جھٹکا لگایا تو یہ کسی [illegible] مینڈک کی مانند اُچھل کر نیچے آ رہا...... اور گدھا اسی رنگ ترنگ میں [illegible] کی جانب بھاگا جا رہا تھا...... ہڈی پسلی تو بدو کی بچ گئی لیکن گھٹنوں شانوں پہ کچھ چوٹیں رگڑیں بہر طور [illegible] بصد محال وہ گرتا پڑتا واپس سوداگر کے پاس پہنچا...... بڑی ناگواری اور شکایت کے انداز میں ساری بپتا [illegible]...... وہ مردِ حرف و چرب' بکمال ہمدردی و توجہ سے تمام داستانِ دلخراش سُن کر کہنے لگا کہ اس حادثے [illegible] اظہارِ افسوس ہی کر سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاں گدھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں گدھوں کے روز مرہ کے معمولات ہیں۔ قطع نظر اس واقعہ کے اگر آپ کی مطلوبہ خصوصیات میرے بیچے ہوئے جانور [illegible] تو میں ذمہ دار ہوں۔ بدو گھٹنے کی دُکھن سے کراہتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں نے رفتار اور کردار پہ زور دیا تھا کہ یہ دونوں خوبیاں گدھے میں بدرجہ اتم ہونی چاہییں...... اول [illegible] کی چال ہی میرے لیے ناقابلِ اطمینان رہی...... وہ خود چلنے سے قاصر تھا' مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جانا پڑا۔ [illegible] سوچ کر کہ اس پہ سوار ہوا کہ دیکھو شاید اسی طرح یہ رواں ہو جائے...... پر اسے تو شاید کسی اپاہج گدھی نے

جتا تھا۔ میرے اُوپر بیٹھتے ہی وہ نیچے بیٹھنے لگا...... یہاں تک کہ میرے ٹخنے زمین پہ لگ گئے...... یہ تو ہوئی اُس کی چال کی حالت اَب اُس کے چلن کا آنکھوں دیکھا حال سنو...... میری اور میرے نصیبوں کی بربادی کہ سامنے سے کہیں ایک الہڑ بانکی سی گدھی چنداں بوجھ اُٹھائے اٹھکیلیاں توڑتی ہوئی چلی آ رہی تھی...... اس پہ نظر پڑتے ہی اُسے جنون پڑ گیا...... جسم اینٹھنے لگا...... مُردار کے اندر جیسے ہاتھی کی قوت اُمڈ آئی تھی۔ وہ ڈھینچوں ڈھینچوں کی دھاڑیں لگاتا ہوا گدھی کی جانب بھاگا...... میں اُوپر سوار کہاں تک سنبھلتا...... ناہنجار نے جو ایک ٹھمکا لگایا اور میں نیچے۔ میری حالت دیکھو بڑی مشکل سے گرتا پڑتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ اَب میری بات غور سے سنو یہ جانور نہیں بلکہ سو فیصد گدھا ہے اور میں یہ بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ خراسانی ہونا تو دور کی بات یہ رُوسیاہ کابلی بھی نہیں...... یا تو یہ بنگالی یا پھر صومالی ہے تمہارے چال اور چلن کے دونوں دعوے غلط ثابت ہوئے' اَب تم میری رقم واپس کرو۔''

نبیل مجھے رفتار اور کردار کی کہانی سُنا رہا تھا اور میں اس گھوڑے ہنسوڑے کے مُنہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کس مُنہ سے ایسی گل گفتاریاں کر رہا ہے...... اس الہڑ سی عمر میں ایسی بلوغی باتیں اِس نے کہاں سے سیکھیں۔ باتیں کرنے' کہنے کا ایسا مَن موہنا انداز کہاں سے پایا۔ مجھے اس طرح ٹکٹکی باندھے دیکھ کر ستم ظریف [illegible] پڑا۔

''اچھا اچھا میرا خیال ہے کہ میں کچھ زیادہ ہی بول رہا ہوں۔'' پھر کلائی کی گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ''او ہو! ہم لیٹ ہو رہے ہیں...... چلو بیٹھو۔''

● نبیل' ہابیل اور قابیل......!

گولان کی پہاڑیوں کی جانب بڑھنے والی سڑک ایسی کچھ کشادہ بھی نہ تھی کہ یورپ کی سڑکوں کی طرح اس پہ تین چار گاڑیاں برابر بھاگ سکیں...... پھر پہاڑی علاقہ' نشیب و فراز' چھوٹے بڑے موڑ...... ایک موٹر سائیکل پہ ڈرائیور کے پیچھے بیٹھا ہوا ساتھی' عجیب سی گومگوں کیفیت میں پھنسا ہوتا ہے۔ بات وات تو وہ بالکل ہی نہیں کر سکتا...... تیز رفتاری' ہوا کا دباؤ' ڈرائیور کے ہلمٹ وغیرہ کی وجہ سے وہ مظلوم ڈرائیور سے بالکل کٹا ہوا ہوتا ہے۔ ہاتھ کہنی کا اشارہ ٹھوکا' بغل یا پیٹ میں چٹکی وغیرہ کا ڈرائیور کو کچھ احساس نہیں ہوتا...... اس ستم ظریف نے اتنا کچھ اور ایسا کچھ پہنا اوڑھا ہوتا ہے کہ اسے برف والے سُوئے یا چھوٹا موٹا فائر ٹھوک کر ہی متوجہ کیا جا سکتا ہے...... اس موٹر سائیکل کے آگے' راستے سمٹتے ہی نہیں سکڑتے بھی جاتے ہیں۔ لگتا ہے

[illegible] کھڑی ہے سڑک رول ہو رہی ہے۔ کسی شہرِ خموشاں یا کسی ملکِ عدم و غفلت میں پہنچنے کے لئے اس سے [illegible] اور سواری ایجاد نہیں ہوئی۔ میں تو ویسے بھی جب کہیں باہر جانے کا قصد کرتا ہوں، نہا دھو بخشش بخشوا کر، [illegible] کر نکلتا ہوں۔ یعنی سفر، آخری سفر سمجھ کر ہی شروع کرتا ہوں...... اس کے باوجود میں پیچھے سہما سہما [illegible] سے ڈرے ہوئے چوہے کی طرح سمٹا، چپکا ہوا بیٹھا تھا...... کبھی کبھی کانی آنکھ سے اپنے دائیں بائیں [illegible] درخت، گزرتی گاڑیوں، ملٹری کے ٹرکوں، ٹوٹے مبوں کو دیکھ کر رفتار کا اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کرتا۔ [illegible] چھوٹے سے موڑ کے آگے یکدم رفتار کم ہوئی۔ میں نے اس کے شانے کے اُوپر سے سامنے دیکھا تو سڑک سے [illegible] کر پانچ سات کچے پکے گھر گھروندے، اکیلے مینار والی چھوٹی سی مسجد اور ایک دو دوکانیں دکھائی [illegible]۔ ہم ایک قہوہ خانے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

"چائے، کافی، قہوہ یا کوئی سافٹ ڈرنک؟"

اس نے ہلمٹ اُتارتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"[illegible]! مجھے ضرورت نہیں......"

"[illegible]، لیکن میں ایک عدد سگریٹ ضرور پیوں گا۔" [illegible] خود ہی کہنے لگا۔ "مجھے [illegible] تم سموکنگ نہیں کرتے...... [illegible] سے دل بہلاؤ، [illegible] سے دس [illegible] تک واپس آیا۔"

میں کیا جواب دیتا۔ وہ کسی بوزنے کی طرح پھلانگتا، چھلانگتا یہ جا وہ جا...... قہوہ خانے کے عقب [illegible] بنے ہوئے صحرائی انداز کے [illegible] کی جانب بڑھ گیا تھا...... میں [illegible] لگا عجیب بڈاوا قسم کا لڑکا ہے۔ [illegible] کے سر پیر کا کچھ پتہ نہیں چلتا...... اپنے متعلق میری ہر رائے کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر معاً اس کے [illegible] دادا کی طرف دھیان چلا گیا۔ اُن کا نورانی چہرہ، پُروقار سجاؤ، علاقے میں اُن کی عزت و تکریم، ہابیل قابیل [illegible] کے نگران مہتمم اور یہ بالکل برعکس ان کا عجیب و غریب پوتا، جس کا چلن چلاؤ کسی طور بھی اپنے بزرگوں سے [illegible] نہیں کھاتا تھا۔

میں نے دیکھا وہ لمبے لمبے ڈب بھرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ پورا سگریٹ اُس کی انگلیوں میں سلگ [illegible]۔

"ہائے میٹ......!"

اُس نے السلام علیکم کی بجائے یہی کہا۔ انگلینڈ کے علاقے یارکشائر میں متوسط طبقہ کے لوگ آپس [illegible] ملاقات پہ یہی کلمہ استعمال کرتے ہیں جبکہ اشراف میں ایسا لب و لہجہ اور طرزِ تخاطب و تکلم سننے میں نہیں آتا۔

میں پھر ایک بار سوچوں کی دلدل میں اُتر چکا تھا۔ یہ یقیناً مانچسٹر' لیڈز یا بریڈفورڈ کی کسی یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہا ہے یا زیادہ وقت اُدھر ہی گزرا ہے۔

اس نے بے تکلفی کا ہاتھ بڑھا کر مجھے سوچوں کی دلدل سے باہر کیا پھر خود ہی بتانے لگا۔

''جانتے ہو میں کہاں گیا؟''

میں نے جواب میں بھوتڑوں کی طرح نفی میں سر ہلا دیا...... بتائیں؟

وہ بائیں آنکھ دبا کر بتانے لگا۔

''میں اپنی گرل فرینڈ سے ذرا لائٹ سا ہیلو کہنے گیا تھا...... یہ قہوہ خانہ اور سٹور دیکھ رہے ہو؟— یہ میرے ہونے والے فادر ان لا کا ہے...... جو رشتے میں میرے قریب کے انکل بھی لگتے ہیں۔''

موٹر سائیکل کو کک مارتے ہوئے مزید بتانے لگا۔

''اس قتالہ لڑکی کا نام کلثوم ہے' میں اسے پیار سے ثومی کہتا ہوں...... بڑی گریس فل سمارٹ ہے...... میرے ساتھ ہی پڑھتی رہی ہے...... آنے والے ستمبر' اس کی برتھ ڈے ہے اور اسی دن ہماری بھی ہو جائے گی' انشاءاللہ!''

[illegible] ہوں [illegible] بتا رہا تھا۔

''میں اپنا سگریٹ اس کو دے آیا ہوں اور یہ سگریٹ اس کی لبوں سے نکال کر لایا ہوں سگریٹ کے فلٹر پہ سرخ لپ سٹک کا نشان نظر آ رہا ہے نا......'' وہ سگریٹ کی راکھ [illegible] پہ جھاڑتے ہوئے رہا تھا۔

''آئی لو یو ثومی...... آئی لو یو...... بیٹھو جلدی کرو۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہیں۔''

پہاڑی کی اُونچائی پہ مزار پہ پہنچے تو مسجد نما تھڑے کے ساتھ قدرے ہموار جگہ چٹائیوں اور ترپالوں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے...... یہ قریب قریب سارے ہی فوجی تھے...... وردیوں میں ملبوس۔ پاس اُن کا اسلحہ بھی پڑا ہوا تھا...... تقدس مآب بزرگ سیاہ جبہ اوڑھے' سر پہ دستار' ہاتھ میں عصا' خطبہ ارشاد فرما رہے تھے...... ظاہر ہے کہ ہم دیر سے پہنچے تھے...... ڈرے سہمے سے ہم دونوں لفنٹرے پیچھے چٹائی کے کونے پہ ہی گئے تھے۔ نماز کے بعد فوجیوں نے فرداً فرداً بزرگ بابا سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور اپنے اپنے راستوں پہ ہو گئے۔ کچھ اور مقامی لوگ بھی تھے بعد میں مزارات کی اوٹ سے کچھ بوڑھی جوان خواتین اور بچے بھی آئے...... جو بزرگ بابا کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے...... ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان انہوں نے درمیان بچھے ہوئے دسترخوان پہ سجا کر رکھ دیا۔ پنیر' کھجوریں' زیتون کا پھل' دودھ' دہی......

[illegible] تنوری روٹیاں، سرکے میں ڈوبا ہوا اچار، خشک میوے اور حلویات بھی تھے...... کھانے سے پہلے بابا [illegible] سے علیک سلیک کی حال احوال دریافت کیا...... پھر بسم اللہ کہہ کر کھانے کا اذن دیا...... عربی تنوری [illegible] زیتون...... ان تینوں کا اکٹھا استعمال بھی اک علیحدہ ہی تجربہ اور ذائقہ ہے۔ ساتھ دو چار کھجوریں [illegible] سبحان اللہ!...... اس سے بہتر مکمل اور سادہ غذا دُنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتی...... ہلکی پھلکی باتیں اور [illegible] بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے...... قہوے کے فنجان بھی تھے، آدھا آدھا گھونٹ قہوہ بھی نصیب ہُوا...... [illegible] کا جزو لاینفک ہے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو بزرگ بابا ہاتھ مُنہ دھلوا کر چبوترے پہ تشریف [illegible] باری باری ایک ایک فرد وہاں پہنچ بزرگ بابا سے اپنی بات کرتا...... میں نبیل کے ساتھ دُور [illegible] بزرگ بابا ہر اک کی بات غور سے کان لگا کر سُنتے، کسی کو مشورہ دیتے، کسی کے سر پہ ہاتھ [illegible] آنکھوں پہ کچھ پڑھتے...... پھر پھونکتے...... کسی کے سینے [illegible] کر، کسی کی آنکھوں پہ دم کر کے [illegible] بچے جوان بوڑھے عورتیں، لڑکیاں سب ہی اپنی باری جاتیں۔ [illegible] مطمئن سی ہو کر واپس

[illegible] نے کہنی سے مجھے متوجہ کیا...... مجھے [illegible] بہت دیر سے خاموش [illegible] اب میرے [illegible]

[illegible]...... ؟“

[illegible] نے بظاہر بے رُکھائی سے جواب دیا کہ شاید ٹل جائے مگر وہ ایسی چکنی مٹی کی چیز تھا کہ جس پہ پانی، [illegible] آنسو، اوس، شہد [illegible] کسی بھی چیز کی بوند نہیں ٹھہرتی تھی۔

[illegible] اُس نے ہاتھ سے میرے گھٹنے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

”خان! دیکھ رہو...... یہ خوش عقیدہ، خوش فہم اور خوش خواب...... سیدھے سادھے، لکیر کے فقیر [illegible] جان لو کہ ہم تیسری دُنیا کے مسلمان ذہنی اور فکری طور پہ [illegible] مگر مذہبی خوش عقیدگی اور خوش فہمی [illegible] ہیں۔ [illegible] اور فربہ۔ انسان کبھی بھی اپنے ہم عصروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتا اور نہ [illegible] رفتاری کا ساتھ دے سکتا ہے۔“

[illegible] نے بڑی ناگواری سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”[illegible] تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”یہی کہ آج کی ضرورت اور وقت کا تقاضا، پیر سے دُعائیں کروانا، اُس کے ہاتھ پاؤں چومنا یا تعویذ [illegible] مروانا نہیں...... جدید ٹیکنالوجی، ایڈوانس سائنس کو پڑھنا، سیکھنا اور حاصل کرنا ہے...... تم نے میری

سپیڈ مشین دیکھی ...... یہ کس نے بنائی' ایجاد کی ...... تم اس کے میکنیزم کو دیکھو تو حیران رہ جاؤ' یہ دور اس مشینوں سے کہیں اوپر خلاؤں میں گردش کرتی ہوئی مشینوں کا ہے۔ کیا کبھی ان سادہ لوح انسانوں نے غور کیا کہ یہ مشینیں کس نے بنائی ہیں' کس کی ہیں' ان سے کون فائدے حاصل کر رہا ہے؟ ...... سفر کے لئے تمہاری بیل گاڑی اور گھوڑا گاڑیاں کیا اس دور کی بدلتی ہوئی سفری ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہیں۔ یہ دوغلا پن ہے کہ میرے واجب الاحترام دادا' میرے اصرار کے باوجود کبھی اس سپیڈ مشین پہ نہیں بیٹھتے کہ وہ اسے شیطانی چرخہ کہتے ہیں ...... لیکن موٹر کار' جیپ یا بس پہ شوق سے بیٹھ جاتے ہیں۔ میں اس شیطانی چرخے پہ یہاں سے [illegible] تک بیس منٹ میں پہنچ جاتا ہوں وہ ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیتے ہیں ...... میں تو اپنے محترم دادا کو مشورہ دیتا رہتا ہوں کہ [illegible] کے لئے یہ جبّے' عبائیں' دستاریں اتاریں اور جین' جیکٹ' پی کیپ پہنیں۔ دین کو صدیوں پرانی ایسی دیوار نہ بنائیں جو محض لڑنے جھگڑنے' [illegible] کرنے کے لئے ہی ہو۔ چلیں اس دیوار کی جگہ نہ سہی' کہیں اور ایک جدید سی یونیورسٹی کا تصور کریں۔ جہاں عہد حاضر کے جملہ علوم سے آگاہی حاصل ہو سکے ...... خدا' رسول' قرآن' دین' مسلک' شریعت اپنی جگہ۔ اس سے انکار و فرار ممکن نہیں لیکن وقت کے تقاضوں کا بھی تو خیال رکھیں کہ لمحہ موجود اور آنے والا کل آپ سے کیا چاہتا ہے۔ اس وقت ایک مکمل اجتہادی سوچ کی ضرورت [illegible] یہاں تک [illegible] ہو' تم بھی ان سے کوئی علم ولم وظیفہ وغیرہ سیکھو گے۔ آنکھوں میں بے پناہ احترام بھر کر ان کے ہاتھ چومو گے ...... ان کے پاؤں کی خاک تبرکاً حاصل کرو گے۔ ان صدیوں پرانے مزاروں کی بابت پوچھو گے [illegible] ان کے حجرے میں جاؤ گے وہاں رکھے ہوئے تبرکات دیکھو گے۔ واپسی پہ میرے دادا تمہیں کچھ تبرکاً [illegible] وغیرہ دیں گے۔ سر کا رومال' تسبیح' مٹی' منکا یا کوئی تعویذ' لوح' دھاگا ...... او مائی گاڈ! ...... دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور ہم ابھی تک حجروں سے باہر نہیں نکل پائے۔''

ایکا ایکی وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا جیسے اسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو' لمبی لمبی سانسیں کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

''معاف کرنا دوست! مجھے اس وقت شدت سے سگریٹ کی طلب محسوس ہو رہی ہے اور کلثوم بھی [illegible] رہی ہے ...... جانتے ہو میری منگیتر کلثوم دقیانوسی خیالات کی کوئی پردہ نشین یا صرف تہجد نمازیں پڑھنے والی نہیں۔ وہ سوشل سائنس میں گریجوایٹ ہے ...... مثبت سوچ رکھتی ہے ...... فرسودہ رسم و رواج اور غیر ضروری مذہبی حد بندیوں کی قائل نہیں جبکہ وہ ضرورتمندوں کی مدد کرتی ہے ...... ناخواندوں کو فری پڑھاتی ہے باغبانی' ڈرائیونگ' ککنگ شوق سے کرتی ہے اور سنیما بھی دیکھتی ہے۔ جین' سکرٹ' سگریٹ نوشی' میک

[illegible] میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی...... اسی لئے مجھے پسند ہے کہ وہ کوئی بیک ورلڈ دقیانوسی [illegible] بلکہ اس زمانے کی قدروں' تقاضوں سے ہم آہنگ لڑکی ہے......"

وہ مجھے ہکا بکا کر کے چپکے سے نیچے ڈھلوان کی جانب اُتر گیا۔

بزرگ بابا نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عقیدت مند بھگتا دیئے تھے...... لوگ باگ فارغ ہوتے ہی [illegible] کر اپنی اپنی راہ ہو لیتے...... زیادہ تر مرد' عورتیں پیدل ہی تھیں جو پہاڑی راستوں پہ اُترتے [illegible] رہے تھے...... دو چار بوڑھے اَب بھی یہاں موجود تھے' جنہیں بزرگ بابا اشاروں سے کچھ [illegible] رہے تھے۔

جونہی ان سے فارغ ہوئے تو اُنہوں نے مجھے اشارے سے اپنے پاس طلب فرمایا...... میں سلام کر کے قریب بیٹھ گیا۔ اُنہوں نے کچھ عربی میں ارشاد فرمایا...... اپنی معمولی سی شد بد کے مطابق میں نے یہی سمجھا کہ مجھ سے اپنے پوتے نبیل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ میں نے بہ مشکل گلابی عربی اور کچھ اشاروں کا سہارا لے کر انہیں بتانے کی کوشش کی کہ وہ سگریٹ پینے گیا ہے۔ وہ [illegible] گئے پھر کھل کر [illegible]۔ [illegible] بار کچھ کہتے رہے مگر میں کوشش کے باوجود سمجھنے سے قاصر رہا۔ اپنی خجالت [illegible] کی خاطر میں [illegible] سمجھتے ہوئے [illegible] ادھیڑ عمر عرب جو شاید یہاں نگہداری پہ مامور تھا' ہمارے پاس آیا...... بعد میں پتہ چلا کہ وہ بہت [illegible] دمشق میں بطور گائیڈ کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ہے۔ اس کا نام بھی یحییٰ تھا...... اس کی وساطت سے بزرگ نے بتایا کہ اس کا پوتا بڑا [illegible] اور اپنی ایک علیحدہ سوچ کا مالک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے تم کو [illegible] تنگ کیا ہوگا اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم اسے پسند کرتے ہو لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ اس کی اکثر [illegible] میرے لئے پسندیدہ نہیں ہیں۔ اس کے خیالات ونظریات سے متفق ہونا میرے لئے ممکن نہیں ہے لیکن [illegible] کہ میں بھی تمہاری طرح اسے بے حد چاہنے پہ مجبور ہوں کہ وہ میرے اکلوتے شہید بیٹے کی واحد نشانی [illegible] میری آئندہ نسل کی بقا محض نبیل یمانی کی مرہونِ منت ہے۔

بزرگ اک لمبی ٹھنڈی آہ بھر کر بتانے لگے کہ اس کا شہید باپ بھی بالکل اسی جیسا تھا' ایسے ہی جدید [illegible] رجحانات کا حامی...... مذہب' دین و مسلک اس کے نزدیک بڑی ذاتی سی چیزیں تھیں...... وہ کہا کرتا تھا [illegible] کے غلط استعمال سے مسلم اُمہ کو ناقابلِ تلافی حد تک نقصان پہنچا ہے۔ اس نے یہاں کسی اسلامی یونیورسٹی [illegible] انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اس نے اپنے لئے عسکری تربیت [illegible] کرنا اپنا مقصد بنا لیا۔ اس کے نزدیک عالم فاضل یا مولوی مبلغ بننا وقت کی ضرورت نہیں تھا۔ وہ عسکری

میدان میں کوئی کارنامہ ہائے سرانجام دینا چاہتا تھا۔ ایک لمبا عرصہ گزارنے کے بعد جب واپس آیا تو یکسر بدلا ہوا تعلیم یافتہ مضبوط انسان تھا۔ وطن پہنچتے ہی اُسے فوج میں کمیشن مل گیا۔ اپنی عسکری قابلیت تربیت کی بنا پہ بہت جلد اعلیٰ عہدے پر پہنچ گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد وہ مزید ایک کورس کے لئے انگلست گیا...... لگ بھگ تین سال بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایک بیوی اور بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ نبیل یمانی ہے...... نبیل یمانی کا باپ یعنی میرا مجاہد بیٹا' عین اپنی خواہش کے مطابق اسرائیل کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہو گیا۔ خوش قسمتی سے میری بہو بہت اچھی تھی تھی تو وہ انگریز مگر اس نے میرے شہید بیٹے کے لئے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو شادی سے بہت پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی...... اس نے مشرقی مذہب اسلام پہ باقاعدہ ڈگریاں حاصل کی ہوئی تھیں...... پانچ نماز' قرآن کی تلاوت اور حد تو یہ کہ وہ عربیوں کی طرح بولتی تھی...... اسے مسلمان معاشرے میں رہنا سہنا بڑا اچھا لگتا تھا...... نبیل یمانی جب ہوا تو میری بہو نے محسوس کیا کہ یہ یہاں افراتفری کے عالم اور جنگ زدہ ماحول میں خاطر خواہ تعلیم حاصل کر سکے گا تو وہ میرے مشورے اور اجازت سے اس کو لے کر انگلینڈ چلی گئی۔ وہاں خود تو اس نے ایک میں ملازمت کر لی اور اسے ایک معیاری سکول میں داخل کروا دیا۔ اس دوران گاہے گاہے یہاں بھی چکر رہتی۔ گرمیوں [illegible] طرح نبیل دو متحارب معاشروں کے درمیان ایک پُل کی مانند معلق رہا۔ پھر ایک وقت آیا نبیل یمانی بڑا ہو گیا' تعلیم ہوئی تو میری بہو اسے لے کر یہاں میرے پاس آ گئی' میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں اب یہی دونوں میری خدمت اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب ہم نبیل یمانی کی شادی کا سوچ رہے ہیں۔ اس کے لئے لڑکی بھی دیکھی بھالی ہے...... بس کچھ ہی عرصے میں اس کی شادی بھی ہو جائے گی۔

میں بڑے انہماک سے اُن کی نجی باتیں سُن رہا تھا...... اور وہ بھی کچھ اس طرح سے بیان فرما رہے تھے جیسے میں اُن کے خاندان کا کوئی اہم فرد ہوں...... جبکہ میری اور اُن کی آشنائی کا دورانیہ چوبیس گھنٹے سے بھی کم تھا...... پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ پھر فرمانے لگے۔

’’تم سوچ تو رہے ہو گے کہ میں کیا کہانی لے کر بیٹھ گیا...... لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تم اس کی سمجھ کر اُلجھی ہوئی گرہوں' اس کے اشغال و اعمال میں پڑی ہوئی ناپسندیدہ گانٹھوں کو اپنے ناخنِ تدبیر سُلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہو......‘‘

پھر وہ دُزدیدہ نگاہی سے مجھے تولتے ہوئے فرمانے لگے۔

’’مجھے یقین ہے کہ تم میری ضرور مدد کرو گے......‘‘

اُن کی یہ بات سُن کر میں تو مارے حیا اور خجالت زمین میں گڑ گیا...... ہاتھ باندھے نہایت عاجزی سے [illegible]۔

"بابا جی آپ کیا فرما رہے ہیں...... میں تو خود ہدایت کا طلبگار رہوں...... قریہ قریہ گھاٹ گھاٹ در بہ در [illegible] کہ کوئی ملے جو میرا ہاتھ پکڑے مجھے میں میں کی بکری...... کیوں کیوں' کیا کیا کا' کا گا اور ٹرٹر کرنے [illegible] مینڈک کی بننے سے بچالے...... آپ اپنی موجودگی میں مجھ جاہل نااہل کو اپنے جلیل القدر شہید بیٹے [illegible] جو میری تراش خراش کے لئے کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی ایسے وثوق سے کہ جیسے آپ......؟"

انھوں نے میری بات قطع کرتے ہوئے فرمایا۔

"عزیز من انجیل یمانی اور تمہاری طرح میں زیادہ باتیں تو نہیں کر سکتا...... بوڑھا آدمی ہوں' ڈھنگ سے [illegible] دیتا ہے اور نہ سُنائی۔ حافظہ مخدوش اور دماغ مفلوج جبکہ قویٰ ڈھیلے ڈھالے...... لیکن ایک بات [illegible] وثوق سے کہتا ہوں کہ تم دونوں میں بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ اپنی سی کرنے والے اور اپنی ذاتی [illegible] کے...... ٹھوکر کھائے ہوئے سے سیکھنا تم دونوں کا چلن نہیں تم دونوں ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہو۔ میں [illegible] اپنے گاؤں سے یہاں تک اور نجانے [illegible] تمہاری [illegible] آنے جانے [illegible] لئے اعزاز [illegible]"

وہ حجرے کی [illegible] چند پرانی زنگ آلود بڑی بڑی چابیاں دکھاتے ہوئے بولے۔

"یہ چابیاں جن پہ ہمارے [illegible] کے ہاتھوں کے نشان اور ان کی خوشبوئیں باقی ہیں...... میرے [illegible] ہوگا جو ان کی حفاظت کرے گا...... ان کی حُرمت و تقدس کو جانے گا...... آؤ میرے ساتھ......"

وہ بہ دقت اُٹھتے ہوئے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے...... مزارات کی جانب بڑھ گئے۔

صدیوں کی صداؤں میں متانت اور وقار سے استادہ در و دیوار...... دریچے' طاق' چھت' فرش' [illegible] مسندیں' مخروطے' مدللے' قوسیں' قلعے...... یہ سب انسانوں نے تعمیر کئے تھے یا جنوں نے...... ایک ایک سنگ' ایک ایک آہن' ایک ایک چوب' ہر نقش' ذرہ ذرہ' زاویہ اپنے اپنے حال احوال کی الگ الگ کتھا لئے بڑا [illegible] ایک عجیب سی مہک بسی ہوئی تھی جسے ناک نہیں روح نے محسوس کیا تھا۔ جسے کوئی نام یا پہچان نہیں دی جا سکتی تھی۔

مجھے دُنیا میں مختلف مقامات پہ اللہ کے نبیوں' پیغمبروں' ولیوں' قُطبوں' قلندروں' درویشوں کے [illegible] کی خاک بوسی کے مواقع نصیب ہوئے۔ ہر ہستی کے مزار کی اپنی ایک الگ ہی خوشبو پائی۔ مگر ایسی انوکھی

سی مہک میرے لئے ایک جُداگانہ تجربہ تھی۔ عود خالص کو اگر کچی کستوری اور برگ حناء کے عطر میں [illegible] ڈھنگ سے ہم آمیز کیا جائے اور جو شکل بنے یہ شاید ایسی ہی کوئی مہک تھی۔ ہر برگ و گل کی اپنی اک [illegible] پہچان' خوشبو ہوتی ہے۔ ہلکی' مدھم' تیز' خاموش' دھیمی' لرزا اور چونکا دینے والی' سُلا یا جگا دینے والی—— [illegible] اور رُولا دینے والی' غور و غوض' کچھ سوچنے اور محسوس پر آمادہ کر دینے والی۔ بعینہٖ ہر صاحب مزار کی [illegible] درجات و مقامات کے مطابق اپنی ایک پہچان' خوشبو پھیلی ہوتی ہے۔ ایسی خوشبوؤں کو صرف اور صرف [illegible] لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں...... یہ خوشبوان کے مظہر و منزہ اجسام و وجود سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ان کی [illegible] اردگرد کی مٹی بھی اکسیر ہوتی ہے یہاں تک کہ وہاں سے گزرنے والی ہوائیں بھی عطر بیز ہو جاتی ہیں۔ [illegible] قدموں میں بیٹھ کر لیوں کی چھتریوں اور سینوں کی کابکوں سے اُڑنے والے دُعاؤں کے بر بکی کبوتر' عرش [illegible] بن جاتے ہیں۔ ان کے آستانوں پہ ہوائے عطر بہت تھم تھم کر چلتی ہے۔ وقت بڑے وقار سے قطرہ قطرہ [illegible] ہوتا ہے۔ یہاں ظاہری انتظام بندوں کے پاس اور مخفتہ نظام قدسیوں کے ہاں ہوتا ہے۔

وقت کے ہاتھوں سیاہی بنتے آخری بھاری دروازے [illegible] نے والے میں خاص [illegible] ہٹ کا [illegible] تھا۔ بھاری [illegible] کھلا میرے [illegible] اک جہانِ حیرت کا در کھلتا ہے۔ غلام گردش کی مانند اک طویل نیچی چھت والا حجرہ نما کمرا [illegible] اسی مناسبت [illegible] بہت لمبی سی تنگی قبر' جس کی مخدوشی اور خستگی لپک لپک کر اَن گنت صدیوں' زمانوں کے عروج و زوال' زیست [illegible] بے ثباتی اور مرگ کی بالادستی کی [illegible] دہائیاں دے رہی تھی کہ انسان [illegible] ادنیٰ' آقا ہو یا غلام' شہنشاہ ہو یا درویش ہر ایک نے اک دن اسی طرح رزقِ خاک ہونا ہے...... لیکن [illegible] برگزیدہ انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام انسانوں کی طرح مٹی سے مٹی نہیں ہوتے بلکہ آسودہ [illegible] ہوتے ہیں۔ ایسے عالی مرتبت انسانوں کی پہچان ہی الگ ہوتی ہے...... ان کی لحدیں سانس لیتی ہیں [illegible] سے لبالب دلوں کی مانند پھڑکتی ہیں۔ ان کے پُرسوز قلوب کی سوزش محسوس کی جا سکتی ہے۔ ایسی جا [illegible] کی مہک ہی الگ اور رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ صبح و شام' رات دن کا کوئی پہر ایسا نہیں جب وہاں قرآن [illegible] تلاوت اور ذکر و اذکار نہ ہوتا ہو...... رجالِ ظاہر و غائب قطار در قطار تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ [illegible] عنبریں مقامات پہ ہر لحظہ ہر لمحہ مالک کی رحمتوں' برکتوں اور تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے...... اللہ کے [illegible] تابانیوں اور جلوہ افروزیوں سے مقاماتِ مرقد و منازل منوّر رہتے ہیں...... چراغ' دیئے' شمعیں' قندیلیں [illegible] روشن و درخشندہ رہتے ہیں...... آندھیاں چلیں' طوفان آئیں' بھونچال و سیلاب اور ارضی سماوی آفات [illegible]

[illegible] پہ بیٹھیں، حکومتیں تبدیل ہوں...... یہاں کے موسم نہیں بدلتے، اِدھر کے معمولات میں مُو برابر فرق نہیں [illegible] یہاں سکون ہی سکون، طمانیت ہی طمانیت، بہجت ہی بہجت کا ماحول و موقع ہوتا ہے...... مگر کچھ [illegible] و مقامات ایسے بھی دیکھنے میں آئے...... جہاں یہ سب چیزوں کا عشرِ عشیر بھی نظر نہ آیا۔ خوشبو، دیا [illegible] پھول نہ پتی۔ اُدھلے تانے کی کوئی چادر غلاف تک دکھائی نہ دیا...... اِک عجیب سی ویرانی، اُداسی [illegible] وقت ٹھہرا ہوا نہیں بلکہ خودکشی سے حرام موت مرا ہوا محسوس ہوا...... ایسی صورت میں دو باتیں سمجھ [illegible] اولاً صاحبِ مزار اصل نہیں ہیں...... کسی بھی طرح غلط روایت سے کچھ کا کچھ مشہور ہو چکا ہے اور [illegible] عقیدت والے زائرین بلا تحقیق و تمیز کچھ کا کچھ سمجھ رہے ہیں۔ دوم، صاحبِ مرقد ہیں تو اصلی مگر کسی بھی وجہ [illegible] کے مراتب و مقام میں کوئی سُقم واقع ہو گیا...... وہ کسی تعزیر و گرفت میں ہیں۔

میں ایسی ہی سوچوں کے [illegible] بزرگ نے مجھے ہاتھ کے ٹہوکے [illegible] پڑھنے کے لئے اشارہ کیا...... نماز کی مانند کسی میت مزار پہ فاتحہ پڑھنے کا عمل بھی بڑی واضح حقیقت [illegible] والا اپنی نماز، دُعا اور فاتحہ کے مستجاب ہونے یا نہ ہونے کی بابت اُسی وقت محسوس کر لیتا [illegible] لب ہلتے رہے، پلکیں جھکی ہوئی تھیں...... میں نے اپنی سی کوشش کی کہ [illegible] اندر سے دُعا، [illegible] پوری کرتے [illegible] اپنی دُعا فاتحہ پوری کی...... مزار کے گرد آہستہ آہستہ ایک چکر پورا کیا...... اس دوران بہت سے [illegible] اُبھرے مگر یہ شاید ان کا محل نہیں تھا۔ دانتوں تلے اپنی [illegible] دبائے میں بزرگ بابا کے پیچھے پیچھے [illegible] باہر نکل آیا...... جائے نماز کے تختے پہ لکڑی کے طباق میں پھل [illegible] دکھائی دیے۔ بزرگ بابا [illegible] عقیدت مند اور اس مترجم نے جس نے ہمارے درمیان گفتگو کی گنجائش نکالی تھی آگے بڑھ کر ہمیں چبوترے [illegible] سیب، سنگترے، انگور پتہ نہیں کیا کچھ تھا...... میں نے ایک سوال داغنے کی اپنے اندر جرأت پیدا [illegible] ہوئے پوچھا۔

"بزرگ بابا! شاید میرے سوال میں کچھ معقولیت نہ ہو، تاہم اجازت ہو تو میں کچھ پوچھوں۔"

انہوں نے میری جانب مشفقانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور پوچھو...... اگر میرے علم میں کچھ ہُوا تو میں بخوشی جواب دینا پسند کروں گا۔"

میں نے ایک معصوم سی ساعت کے لئے پھر اپنے سوال کی نوعیت پہ غور کیا...... ایمانداری سے مجھے [illegible] ہوا کہ میرا سوال ہر لحاظ سے بچکانہ سا ہے، جواب دینے والا علمی طور پہ خواہ کیسی ہی ثقہ حیثیت کا مالک [illegible] وہ اس کا جواب حتمی طور پہ نہیں دے سکتا...... قرآن حدیث کا سہارا لے گا یا پھر سینہ بہ سینہ منتقل ہونے

والی روایات کو دُہرائے گا...... قرآن حدیث کے علاوہ کوئی روایات سند نہیں بن سکتی۔ شرعی سہو و اختر اختراع میں افتراق کا احتمال بہر طور موجود رہتا ہے۔ وہ شاید میری گومگوں سی کیفیت جان گئے تھے اور مجھے خاموش پاکر کمال شفقت سے میرا ہاتھ تھام کر میری ہمت بڑھاتے ہوئے بولے۔

”جو بھی دل میں آئے ضرور پوچھو...... سوال کرنے کے لئے اور جواب دینے کے لئے ہوتا ہے۔

میں نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے پوچھا۔

”مشفق بابا! کیا واقعی یہ مزارات ہابیل وقابیل علیہ السلام کے ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولین او میں سے تھے اور ایک بھائی‘ دوسرے سگے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا...... کفن دفن کے طریقے میں ایک نے راہنمائی کی تھی...... اور کیا یہ واقعہ اسی جگہ پیش آیا تھا جہاں آج یہ مزار ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو ظاہر ہے حضرت آدم علیہ السلام کی بود و باش بھی یہیں کہیں قریب ہی رہی ہوگی۔“

میں نے ایک ہی سانس میں کئی ایک سوالات کی پوری میگزین خالی کر دی تھی...... خاموش ہوا تو ناک سے ایسے ہی دھواں نکل رہا تھا جیسے پورا میگزین فائر کرنے پہ گن کے نتھنوں سے خارج ہو رہا ہوتا ہے۔

ان کے [illegible] روشن چہرے [illegible] قطبی تارے [illegible] آنکھوں میں کیسا [illegible] تھا دیکھ نہ سکا

میں سر ڈالے بیٹھا ہوا تھا...... بڑی بشاشت اور [illegible] سے فرمانے لگے۔

”مجھے از حد خوشی ہوئی کہ میرا تمہارے متعلق اندازہ بالکل درست نکلا۔ تم اور میرا پوتا دونوں ایک دلق میں لپٹے ہوئے [illegible] مگر بے تاب روحوں والے نٹ کھٹ بچے ہو...... جن کی دنیا ان کی چادر کے اندر تک محدود ہے مگر تم شریروں نے اپنے اندر کی گھٹن اور تاریکی سے نجات پانے کی خاطر اپنی تیز طرار انگلیوں سے کچھ سوراخ بنا رکھے ہیں...... ان چھوٹے بڑے سوراخوں سے تم باہر کے منظر دیکھنے کی اپنی سی سعی کرتے ہو اور کم از کم تم اتنا تو جانتے ہی ہو کہ کسی دریدہ سوراخ سے باہر کا منظر دیکھنے کے لئے صرف ایک آنکھ پہ ہی کرنا پڑتا ہے...... اور کوئی منظر اپنی پوری جلوتوں اور وسعتوں کے ساتھ اس وقت تک نہیں کھلتا جب تک کہ دونوں آنکھوں کے وسیلے سے نہ دیکھا جائے...... اب اس جہانِ آب و گل میں کچھ منظر‘ نظارے ایسے ہوتے ہیں جو دونوں آنکھوں سے دیکھنے پہ بھی واضح نہیں ہوتے۔ انہیں کماحقہ طور پہ جاننے دیکھنے کے لئے تیسری آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے...... اس سے آگے بڑھو تو جانو کہ کئی حقیقتیں تو تب بھی اپنی گیرائی کی گر نہیں کھولتیں۔ اس مقام پہ ظاہری بصارت ماند پڑ جاتی ہے۔ عقل کی گواہیاں ختم...... علم و ادراک کی کھڑ جھروکے بند...... اب جہاں سے کشف‘ مراقبہ‘ دھیان اور جذب وغیرہ کی منزلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ تم بچے بھی دوسرے لوگوں کی طرح دین و دنیا کو دیکھنے کے لئے اپنی ظاہری آنکھ استعمال کرتے ہو...... جو صر

[illegible] کا دھندلا سا عکس دکھاتی ہے۔ اس کے باطن بھیتر تک پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اندھیرے میں [illegible] دیکھنے والی عینکیں، ایکسرے، میٹل ڈیٹیکٹو، الٹراساؤنڈ، لیزر گن، کیمرے، گائیڈڈ میزائل وغیرہ اسی نوع کی [illegible] اس کی ادنیٰ سی مثالیں ہیں۔ باقی رہی بات کہ یہ واقعی ہابیل قابیل کا مزار ہے یا نہیں؟ سمجھ لو کہ آج تک [illegible] یا اصلی جیسے الفاظ کی معنوی لحاظ سے تصدیق یا توثیق نہیں کی جا سکی...... مسلمان تو محض سنی سنائی، پڑھی [illegible] لکھی لکھائی، سینہ بہ سینہ، صدیوں کا سفر کرتی ہوئی باتوں حکایتوں اور روایتوں پہ آمنا صدقنا کہتا ہوا [illegible] آیا ہے۔ ہم ایمان بالغیب پہ کاربند لوگ ہیں...... آخر مان لینے میں حرج ہی کتنا ہے۔ یہاں پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی وہ حکایت یاد آتی ہے...... ایک لادین شخص حاضر ہوا، کہنے لگا۔

”یا علی ابن ابو طالب! میں اللہ کو واحدہٗ لاشریک نہیں مانتا...... جبکہ آپؓ مانتے ہیں۔ اب آپؓ یہ بتائیے کہ مجھ اور آپؓ میں کیا فرق ہے...... کھانا، پینا، پہننا آپؓ کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے اور میرے ساتھ بھی...... [illegible] بھی خوش ہوں آپؓ بھی...... پھر مجھے آپؓ کے اللہ کو ماننے یا کلمہ پڑھنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی؟“

آپؓ مسکرا دیئے بڑی نرمی سے فرمایا۔

”فرض کرو کہ میدانِ حشر بپا ہے...... خدا اور اس کی خدائی وہاں پہ موجود ہے۔ [illegible] والوں کو جہنم [illegible] کھانے میں [illegible] ہیں......“

وہ بلا تامل بولا۔

”یقیناً میں گھاٹے میں ہوں کہ اللہ کو نہیں مانتا......“

اب آپؓ پھر فرمانے لگے۔

”اب فرض کرو کہ بقول تمہارے کہ اللہ کا وجود نہیں...... تو پھر کیا صورت ہوئی...... یعنی کوئی نہ تمہیں نقصان نہ مجھے کوئی گھاٹا......“

وہ بلا تامل بولا۔

”بالکل درست......“

آپؓ مسکرائے اور فرمانے لگے۔

”پہلی صورت میں تم گھاٹے میں تھے...... دوسری صورت میں ہم دونوں برابر...... تو کیا یہ نفع کا سودا نہیں کہ ہم مان لیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے...... تا کہ کسی کو بھی نقصان گھاٹے کا احتمال ہی نہ رہے۔“

وہ مشرک یہ کھلی دلیل سن کر ایمان لے آیا...... مقصد بیان کرنے کا یہ تھا کہ سوائے موت کے کسی اور

اُمر کے لئے ''واقع'' کا صیغہ کا استعمال کرنا بڑا مشکل ہے۔ موت بھی اس لئے کہ یہ ظاہری آنکھوں کے ''واقع'' واقع ہوتی ہے۔'' کچھ دیر آنکھیں بند کرنے کے بعد پھر فرمانے لگے۔

''اب ہمارے سامنے صرف ایک ہی سلامتی اور تشفی کا راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ ہم ایمان یا یقیں دامن مضبوطی سے تھام لیں۔ عقلی دلائل نہ مانگیں...... حجت نہ پیش کریں یعنی جو کچھ اپنے بزرگوں سے آئے ہیں اُسی کو دُرست جانیں...... شرط صرف یہ ہے کہ کیا ہمارے اسلاف راہِ حق پہ تھے؟...... آخر کسی آدمیوں کے گروہ نے یہ مزار تعمیر کئے ہوں گے...... انہیں کفنایا دفنایا ہوگا...... ان کی اگلی نسل...... پھر اس سے اگلی نسل...... یہاں تک کہ تم اور مجھ تک کا زمانہ آ لگا...... اسی طرح یہ سلسلہ آگے بھی روزِ حشر تک جاری و ساری رہے گا۔ یاد رکھو تسلیم و رضا یعنی حق' خیر کی بات کو مان لینا ہی بہتر ہوتا ہے...... مانو کہ ہمیشہ حق سچ کا پودا ہی طرح پروان چڑھتا ہے۔ اس کا پھل میٹھا اور خوشبودار ہوتا ہے...... جھوٹ' افترا اور باطل کو دوام نہیں۔''

بزرگ بابا اب میرے چہرے پہ نگاہیں گاڑے کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے جیسے وہ مزید گفتگو کرنے کے لئے اپنی توانائی مجتمع کرنے کے لئے رُکے ہوں پھر بڑی نہج سے بولے۔

''بیٹا! میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میرے جواب سے کچھ مطمئن سے ہو گئے ہو گے اور مجھے کچھ یہ اندازہ ہے کہ [illegible]......؟''

''ہاں بابا!...... میں جانتا ہوں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور آپ یوں زیادہ دیر بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ صرف آخری سوال ان مزارات پہ ایسی اُداسی' بے رونقی اور ویرانی سی کیوں ہے...... میں بے شمار پیغمبروں' ولیوں' قطبوں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں...... لیکن ایسی بے سروسامانی دُھندلاہٹ اور دل کو جکڑ والی گھٹن کہیں اور نہیں دیکھی...... یہاں پہنچ کر کچھ......؟''

اُنہوں نے ہاتھ کے اشارے سے میری بات کو بیچ میں ہی قطع کر دیا۔

''ہر صاحبِ مزار کا اپنا مزاج اور ماحول ہوتا ہے۔ پھر اور بھی کچھ محرکات ہوتے ہیں جو ان کے دانستہ یا غیر دانستہ طور پہ سرزد ہو جانے والے اعمال یا کسی سہو کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ہاروت ماروت فرشتوں کی دی جا سکتی ہے...... شیطان کے بہکاوے میں آ کر جن سے گناہ سرزد ہوا جس کی پاداش میں انہیں قیامت تک کنوئیں میں اُلٹا لٹکا دیا گیا...... انسان روشنی کے لئے دیا تو جلا سکتا ہے اس کو جلائے رکھنا' اس کے اُجالے سے ظلمت کے اندھیرے دُور کرنا تو اس کے بس میں نہیں ہوتا...... یہ تو قادرِ مطلق کا کام ہے...... اور قبر کے اندر کا حال وہی جانتا ہے...... تمہیں تو تجربہ ہوگا کہ کسی مزار پہ پہنچ کر کنول کی مانند کھل اُٹھتا ہے...... کہیں طبیعت ملول ہو جاتی ہے...... اور کہیں رونے' آہ و بکا' سینہ کوبی کرنے کو جی

[illegible] کہیں تو ہونٹوں پہ چُپ کی مُہر ٹھک جاتی ہے' دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ کہیں پہنچتے ہی صاحب مزار کا [illegible] ہو جاتا ہے...... اور کہیں ساری عمر کی حاضریوں سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا...... لیکن بیٹا! ہمیں ان [illegible] طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔ فاتحہ شریف' دُعا ہوتی ہے...... ہمارا کام یہی ہے کہ ہم ان کے [illegible] کے لئے دُعا مانگیں۔''

آخر میں وہ نشست کو سمیٹنے کی غایت سے فرمانے لگے۔

''میرا خیال ہے کہ اب تمہارے سوال ختم ہو چکے ہیں...... مَیں نہیں جانتا کہ تمہارا اگلا سیر و سیاحت کا [illegible] ہے...... اگر وقت ہو تو جب تک چاہو مجھ عاجز کو شرفِ میزبانی بخشو...... نبیل یمانی کے ساتھ اس [illegible] پہ خوب گھومو پھرو...... ایک دوسرے کی رفاقت میں تم دونوں کا وقت خوب گزرے گا...... اور [illegible] ہے کہ صرف تم ہی اس کی سوچوں اور خیالات میں کچھ مثبت تبدیلی لا سکتے ہو۔''

''آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں...... مَیں تو خود بڑا بگڑا ہوا افلاطون ہوں...... میری [illegible] سیدھی نہیں۔''

[illegible] مسکراتے ہوئے بتانے لگے۔

[illegible] شامل ہیں۔ یہاں آنے [illegible] کی اجازت [illegible] درخواست دی جاتی ہے جیسے کہ تم نے بھی دی۔ یہ درخواستیں عسکری تحفظات [illegible] محکمہ جانچ [illegible] حضور کرتا [illegible] پھر اس زائر کے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات کی نقلیں اور ضروری معلومات وغیرہ [illegible] جاتی ہیں...... میں یہاں متولی ہونے کے علاوہ سرکاری ناظم اور اس علاقے کا قاضی بھی [illegible] سبب سے مَیں تمہارے متعلق تمام ضروری معلومات رکھتا ہوں...... ثمیر یمانی بھی تمہیں [illegible] تم نے دیکھا کہ وہ خراماں خراماں تمہیں لینے کے لئے ہوٹل پہنچا تھا۔''

[illegible] دوران نبیل بھی پہنچ گیا...... وہ نبیل سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

''جانِ جد! آج کے دن کے لئے ان سے فراغت ہوئی۔ اب تمہاری عملداری میں ہے...... اسے [illegible] دمشق کی سیر کراؤ...... کھلاؤ پلاؤ...... یہ تمہارا دوست بھی ہے اور بھائی بھی۔''

نبیل یمانی نے مجھے وہاں سے نکلنے کے لئے آنکھ لگائی...... بزرگ بابا کی دُعاؤں کے ساتھ میں [illegible] رخصت ہوا۔

مَیں تو دمشق میں کئی روز سے مقیم تھا۔ میرا ایک زیرو سٹار ہوٹل شہر کے وسط میں ایسی شاہراہ پہ واقع تھا [illegible] طرح کی آسانیاں میسّر تھیں۔ مَیں عموماً اپنے مختصر سے قیام کے لئے اسی ہوٹل میں ٹھہرتا تھا۔ اس

کا مجہول سا مالک جو اس کا منیجر' بیرا' چوکیدار' باورچی اور نہ جانے کیا کچھ تھا' میرا خوب آشنا تھا۔ اسے جب موقع ملتا شامی سٹائل انگریزی میں وہ مجھ سے خوب مزے مزے کی باتیں کرتا رہتا...... اس ہوٹل کے سامنے دمشق بلدیہ کا دفتر' اس کے پیچھے کی جانب جامع اُمیہ' ساتھ ہی سوق حمیدیہ...... اور گردونواح میں اور جدید بازار' گلیاں' کوچے' قلعہ دمشق' بس سٹیشن' چوک' فوارے' ستون' چبوترے جھروکے...... جابجا ہوئی انگوروں کی بیلیں' آڑووں' شفتالوں سے منڈھی ہوئی سنگی دیواریں...... پانی کے سنگی حوض' ان میں تیرتے ہوئے گلِ ریحان اور موگرے کی کلیاں......!

بغداد' دمشق' قاہرہ اور استنبول دُنیا بھر میں یہ چار تاریخی بلد ایسے ہیں جن کے بازار' گلی کوچے اور پہاڑ...... ان کی تہذیب' رسم و رواج پر اسراریت یہاں کے لوگ' لباس' یہاں کی روایات' قدامت انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ شرط فقط یہ ہے کہ بندہ ذرا کھسکا ہوا ہونا چاہیے۔ پرانے دمشق کے گلی بازاروں کی مجہول بھلیوں اور خوبصورتیوں میں کھویا ہوا انسان بڑی مشکل سے باہر نکلتا ہے۔ میں قریب پانچوں نمازیں جامع اُمیہ میں ہی ادا کرتا تھا...... باقی وقت شہزادی بی بی زینب کے مزار پہ چلا جاتا کوچوں بازاروں [illegible] رات گئے تھکا ٹوٹا ہوا ہوٹل واپس پہنچ جاتا۔

اگلے روز دوپہر سے کچھ پہلے نبیل بھائی نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہی مجھے حکم دیا۔

''جنٹلمین! فوراً تیار ہو جاؤ۔ آج تجھے میری پھلجھڑی سے ملنا ہے۔''

میں بڑا اسٹپٹایا۔

''بھائی! مجھے وہاں مت لے جاؤ...... وہاں میرا کیا کام......؟''

وہ حسبِ عادت آنکھ دبا کر بولا۔

''دوست! ذرا میری پھلجھڑی تو دیکھو...... میں نے کل اس سے تمہارا ذکر کیا تھا کہ انگلینڈ سے ایک دوست سیاحت کے لئے یہاں آیا ہے۔ وہ خوشی سے چہکتے ہوئے کہنے لگی۔ اس سے ضرور ملواؤ۔ میں نے آج لنچ پہ تمہارے لئے خصوصی طور پہ فش اینڈ چپس گارلک بریڈ...... مشروم سوپ اور سٹیم بروسٹ کا اہتمام کیا ہے...... اور رات کو ہم تینوں فلم دیکھنے چلیں گے...... ییلو رولس رائس...... اوہ جی صوفیہ لورین اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس فلم میں جلوہ آرا ہے۔''

وہ پانچوں انگلیوں کی پوروں کو اکٹھا کرتے ہوئے چوم کر کچھ مزید کہنے لگا تو میں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پیارے بھائی! کل کی تھکن ابھی تک دُور نہیں ، رات صبح سے سو بھی نہیں سکا۔ سر میں ہتھوڑے سے بج رہے ہیں...... خدا کے لئے مجھے آج معاف کر دو...... انشاءاللہ! کل لنچ اور فلم دونوں پہ چلیں گے......"

وہ میری التجا بھری درخواست پہ خاک ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

"دوست! میری کلثوم سے ملو گے تو دَرد وَرد سب بھول جاؤ گے ایسی الٹرا اسمارٹ اور روشن خیال و خواب صورت لڑکی تم نے زندگی بھر نہ دیکھی ہوگی...... اگر پھر بھی کوئی کسر رہ گئی ہوگی تو ییلو روس رائس میں صوفیہ لورین پوری کر دے گی......"

میں نے کچھ کہنے کے لئے مُنہ کھولا ہی تھا کہ وہ شروع ہو چکا تھا۔

"شاید تمہیں معلوم ہو کہ صوفیہ لورین کو بچپن کے تمام عسرت میں کالا یرقان ہو گیا تھا...... باقاعدہ پیسہ تو کوئی تھا نہیں ، مسکین ماں علاج کروانے سے عاجز تھی...... صوفیہ پہلے ہی پیلی پھٹکی سی تھی یرقان نے مزید رنگت پھیر دی...... نتیجہ وہ ابھی تک پیلی مینڈکی سی ہے۔ ییلو رولس رائس اس کی مناسبت سے بالکل درست نام ہے...... یہ فلم میں ان گنت بار دیکھ چکا ہوں ، یہاں تو خیر عربی میں ڈب کر کے دکھائی جا رہی ہے جس سے اس کا [illegible] انگریزی میں ترجمہ کر کے صوفیہ کا مافی الضمیر بتاتا جاؤں گا......"

میں نے اس کی لن ترانی سے زچ ہو کر کہا۔

"بھائی! میں نے بھی اتفاق سے یہ فلم دیکھ رکھی ہے۔ اب میں اسے مزید عربی میں نہیں دیکھ سکتا...... عربی میرے نزدیک بڑی مقدس اور پُر وقار زبان ہے...... آئی لو یو والی زبان نہیں......"

اس نے فوراً بات اُچکتے ہوئے کہا۔

"مہربان! میں یہ فلم تمہیں عربی زبان کے حوالے سے دکھا نہیں رہا ہوں میں تو صرف تمہیں اس فلم کی یہ سین ملاحظہ کرنے کے لئے دکھا رہا ہوں۔ سن ۲۷ کے ماڈل کی پر اگیز یٹو سپیشل ایڈیشن ۶ سلنڈر سیٹ ییلو کلر کی رولس رائس...... ہائے ہائے! اس کے لمبے سے انجن سے لگ کر وہ جب مڈگارڈ پہ اپنی کہنی ٹکا کر کھڑی ہوتی ہے...... پیلا لباس ، پیلی چھتری ، پیلا پرس...... کاپر آبرن شیڈ بالوں میں اُڑسی ہوئی پیلی جوہی کی کلیاں! پیلے چپل...... اس فلم کا یہ فریم دُنیا کا سب سے خوبصورت فلمی فریم ہے۔"

میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"آخر تمہیں پیلا رنگ اس قدر کیوں پسند ہے؟"

کھٹ سے اُس کا جواب آیا۔

''اس لئے کہ میری منگیتر کلثوم کو یرقان ہے۔ اُس کی آنکھوں میں سرسوں پھوٹی رہتی ہے۔ چہرے بسنت بہار کا سماں رہتا ہے...... گالوں' ہونٹوں اور ناخنوں میں خون کی رمق نہیں۔ دانت حد سے زیادہ پیلے وٹامن سی اور کیلشیم کی بے انتہا کمی...... وزن ساٹھ پونڈ سے کم' کمر سترہ انچ اور سینہ......؟''

میں ہاتھ جوڑے رونی سی صورت بنا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ظلِ سبحانی یا نبیل یمانی! اگر تم میں رتی بھر بھی حسِ ایمانی موجود ہے تو میرے اگلے پچھلے گناہ بخش اور مجھے آج نہ لے جاؤ۔ دیکھو میرے سَر میں بلا کا درد ہے......''

وہ انتہائی ڈھٹائی سے گھسیٹ کر مجھے کمرے سے باہر کرتے ہوئے بولا۔

''تم میرے ساتھ تو چلو...... میرے پاس سب دردوں کے علاج موجود ہیں......''

یہاں میں نے اندازہ کر لیا کہ اس پاگل کے آگے میری کچھ ہاں ناں چلنے کی نہیں۔ یہاں تو اس کے قابلِ قدر [illegible] سبحانی نے بھی ہتھیار ڈال دیے ہوئے ہیں' بھلا میں کس باغ کی مولی ہوں [illegible] میں جب بھی کچھ کہنے کے لئے لب کھولتا وہ میری بات اُچک کر مجھے کسی اور لائن پہ ڈال دیتا...... اس صورتِ حال کا ادراک کرتے ہو [illegible] کر دیا کہ ہو سو جو ہو...!

ایک دریائی سفر کے دوران مجھے ایک ذریا دیدہ ملاح نے بڑے کام کا ٹوٹکا بتایا تھا...... غرق ہونے والے کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ بپھرے تند دریا کے سامنے اس کی ایک نہیں چلے گی تو اس کے لئے لازم ہے کہ خود کو ڈھیلا ڈھالا چھوڑ کر بہاؤ کے رحم و کرم پہ ڈال دے...... ہاتھ پاؤں ہلانا چلانا بالکل بند کر دے۔ اور حواس برقرار رکھتے ہوئے اپنی توانائی کو ضائع نہ ہونے دے۔ سانس روکنے اور بھرنے پہ دھیان رکھے جب دریا اُسے نیچے لے جائے تو فوراً پھیپھڑوں میں ہوا بھر کر بلا کسی مزاحمت کے نیچے چلا جائے۔ پیٹ میں ہوگی تو پانی پھر اسے اُوپر سطح پہ لے آئے گا اور پہنچتے ہی فوراً ہوا خارج کر دے۔ پھر نیا سانس بھرے۔ اگر پھر نیچے لے جائے تو بغیر کسی مزاحمت کے پھر نیچے چلا جائے۔ یہی عمل دہراتا رہے تاوقتیکہ کوئی ایسا آئے کہ وہ معمولی سی کوشش سے کسی کنارے لگ جائے۔ اس ٹوٹکے پہ صاد کرتے ہوئے میں نے خود کو بلائے ناگہانی نبیل یمانی کے سپرد کر دیا تھا۔

کم و بیش گھنٹہ بھر کے طوفانی سفر کے بعد ہم خیر خیریت سے اس کے سسرالی گاؤں (جو محض چند

[illegible] مٹی کی چھتوں والے ڈربہ نما گھروں پہ مشتمل تھا) پہنچے تو سورج کی تمازت میں خاصی تلخی آ چکی
[illegible] شرابوری میں اس نے موٹر سائیکل ایک دیوار کے سائے میں کھڑی کی۔ مجھے گھسیٹتا ہوا وہ اپنے سسر
[illegible] داخل ہوا...... علیک سلیک چوما چاٹی کے بعد تعارف ہُوا...... ٹھنڈے میٹھے مشروب سے تواضع ہوئی
[illegible] کے عقب کی جانب نکل آئے یہاں الگ تھلگ سے مکان میں اُس کی منگیتر کلثوم رہتی تھی۔ وہ مجھے
[illegible] اندر داخل ہوا جیسے میں یہاں سے بچھڑ کر بھاگا ہوا تھا...... دستک نہ کوئی کھنگورا...... سیدھے
[illegible] یہاں صحرائی گھرانوں میں نشست و برخاست' طعام و قیام کے طور طریقے بڑے سادے اور فطری
[illegible] فرشی نشست بڑا سکون اور آرام دیتی ہے...... بات چیت' کھانا پینا' آرام و قیلولہ اور شب بسری
[illegible]۔ کوئی تکلف نہ تکلیف' کلثوم کے گھر والے مجھے یوں ملے جیسے میں ان ہی کے خاندان کا ایک فرد
[illegible] مدت کے بعد پردیس سے لوٹا ہوں...... کلثوم نے ایک تنگ سی قمیص اور ہاف بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ بال
[illegible] اور ناخن [illegible] تراشے ہوئے تھے' اونچی ایڑی کے سینڈل...... ہلکا ہلکا میک اپ...... وہ پھرکی کی
[illegible] رہی تھی...... ہمارے اندر داخل ہونے پہ بھی اس کے لپ سٹک پُتے ہونٹوں میں سنہری پتّی والا
[illegible] موجود تھا...... جبکہ تھوڑی دیر اس کی ماں' چھوٹی بہن اور بھائی بھی اسی علت کا شکار نظر آئے۔
[illegible] اس چھوٹے
[illegible] تمباکو کا دھواں بُو باس پھیلی تھی۔ الٰہی! میں کہاں دھرا گیا؟ بغلی کمرا شاید باورچی خانہ
[illegible] آلوؤں بچا [illegible] کے تلنے جلنے کی بوئیں' خوشبوئیں آ رہی تھیں...... جس [illegible] بھوک بھی انگڑائی توڑ
[illegible] پڑی...... مگر اس سے پہلے مختلف انواع کے پھل اور مشروب رکھ دیئے گئے۔ بڑا سا کیرم بورڈ بھی آ
[illegible]...... چھوٹے بڑے بلا تمیز و امتیاز' ادب و حجاب' ایک دوسرے میں ضم و پیوست کیرم کھیل رہے ہیں' میں منہ
[illegible] ہوئے پھیلائے' اس ہنستی مسکراتی' غم دوراں سے بے نیاز' انسانی لسانی تعصبات و کدورتوں سے
[illegible] اس فیملی کو دیکھ رہا تھا...... چاروں ادھر مصروف تھے۔ میں پاس بیٹھا فارغ اور کلثوم باورچی خانے
[illegible]...... کلثوم نے اندر باورچی خانے سے ہی ہانک لگائی۔

[illegible] ان پاگلوں کو اُدھر لگا رہنے دو...... تم میرے پاس اندر آ جاؤ...... کام بھی کریں گے اور ساتھ ساتھ
[illegible]

میں اندر جانے نہ جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ نبیل نے مجھے آنکھ نکالی اور منہ بگاڑتے
[illegible] باورچی خانے میں جانے کا اشارہ کیا۔

باورچی خانہ کیا تھا اِک کباڑ خانہ تھا...... شاید ان لوگوں نے یہ مکان عارضی طور پہ بنا رکھا تھا۔

سلنڈر گیس کا چولہا...... اِدھر اُدھر بے ترتیب سے رکھے کھانے پینے کے برتن...... بے ہنگم سی فریج' جو باقاعدہ جھٹکے لے رہی تھی...... پانی کے لئے پلاسٹک کا ایک ڈرم...... خشک پیاز' لہسن کے لٹکے ہوئے ہار...... اور کپڑے کے پارچے جو جھنڈیوں کی طرح اس دیوار سے اُس دیوار تک پلاسٹک کی رسیوں پہ لٹکے سوکھ رہے تھے۔ اَب سمجھ میں آیا کہ مچھلی کی بُو باس کہاں سے آ رہی تھی...... کلثوم نے انگریزی میں ہائے کرنے کے بعد مجھے پوٹیٹو پیلر پکڑاتے ہوئے کہا۔

”تم آلو چھیلو مَیں سبزیاں کاٹتی ہوں۔“

ذرا اندازہ کریں کہ کیا خوبصورت بے تکلفی تھی...... آتے ہی بیس منٹوں میں اُنہوں نے مجھے آلو چھیلنے پہ لگا دیا...... اور وہ خود کیرم کھیلنے میں مگن......!

”محترم دادا سے مل کر تم یقیناً خوش ہوئے ہوگے...... سچ سچ بتانا کیا تم نے ایسے شفیق' فرشتہ سیرت انسان اس سے پہلے کہیں دیکھے ہیں؟“

وہ آکسفورڈین لہجے میں بڑی نفیس انگریزی میں بات کر رہی تھی۔

”ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ اِن جیسے مہربان [illegible] ہمیں نصیب ہوئے ہیں...... نبیل بتا رہا تھا کہ تم انگلینڈ میں رہتے ہو...... دنیا [illegible] بزرگوں اولیاؤں کے مزاروں کی زیارت تمہارے مشاغل ہیں...... تم لکھنے لکھانے سے بھی شغف رکھتے ہو...... اور سب سے بڑی بات کہ تم آوارہ منش ہو کہیں شام کہیں تمہاری زندگی ہے...... مجھے یہ سب کچھ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی...... اسی لئے مَیں نے نبیل کو تاکید کی تھی کہ وہ تمہیں یہاں [illegible] لائے......“

وہ بُجھتے ہوئے سگریٹ کے ساتھ نیا سگریٹ سلگا کر نبیل کی طرح مجھے آنکھ لگا کر کہنے لگی۔

”ہم دونوں بھی تمہاری طرح ہیں یعنی ہماری تمہاری ایک ہی برادری ہے لیکن تعجب ہے کہ تم سگریٹ نہیں پیتے...... دیس بدیس' لمبے لمبے سفر' طرح طرح کے لوگ میرا مطلب ہے تم اپنی بوریت کیسے دُور کرتے ہو؟“ وہ مقامی سگریٹ کا پیکٹ بڑھاتے ہوئے بولی۔

”لو ایک سگریٹ سلگا کر دیکھو...... یہ سیریا کے بہترین تمباکو سے بلینڈڈ ہیں......“

”شکریہ! مَیں تمباکو کی بُو سے الرجک ہوں...... لیکن کبھی موڈ موقعہ ہو تو پی بھی لیتا ہوں لائٹ مائیلڈ لائیک اے سیلم برانڈ یا پھر مینتھل...... شامی' مصری تمباکو بڑا اسٹرانگ ہوتا ہے۔“

وہ سبزیاں دھو کر چھلنے میں ڈالتی ہوئی بولی۔

”گولی مارو تمباکو کو...... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں پیرا نارمل سائنسز سے کس حد تک دلچسپی ہے...... یہ تو مے

[illegible] تو ایسے ہی راستوں کے مسافر ہو لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ تم اب تک اس منزل کا کتنا راستہ طے کر چکے ہو......؟"

مجھے قطعی توقع نہیں تھی کہ ایسی الٹرا ماڈرن، مادر پدر آزاد لڑکی اچانک ایسا سوال داغ دے گی کہ جس کا [illegible] سراغ اس کی ذات صفات سے نہیں ملتا...... جب فوراً کچھ جواب بن نہ پڑا تو میں نے انٹ شنٹ [illegible] کیا۔

"میڈم! واضح کر دوں کہ میں نیمل اور تمہاری طرح کوئی پڑھا لکھا ڈگری ہولڈر نہیں...... اَن پڑھ جاہل [illegible]...... آپ نے ابھی جو مشکل سا لفظ بولا ہے میں تو اس کے معنی تک نہیں جانتا...... بس مجھے در بدر [illegible] اور خوار ہونے کا شوق ہے۔ باقی رہا کہ مجھے مزاروں، قبرستانوں سے دلچسپی ہے اور بزرگوں بابوں [illegible] رہتا ہوں تو یہ سب کچھ مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں خود تو جاننے پہچاننے کے راستے پہ ہوں۔ خوش نصیبی [illegible] یونیورسٹیوں تک تو میری رسائی نہ ہو سکی لہٰذا میں حجروں، خانقاہوں، مسجدوں، معبدوں اور بابوں [illegible] کی جستجو میں ہوں جو میری غیر ضروری ظاہریت، مادیت سلامتی کی حد تک جلا کر راکھ کر دے [illegible] صیقل، خرد کو خیرہ اور سوچ و سمجھ کو سُلجھا [illegible] مجھے خوب [illegible] ایک بار کسی [illegible]

پرندہ بن کر اڑو گے تو نئے ارض و سما دیکھو گے۔ روشنی بن کر پھیلو گے تو نئے زمانہ و زمن دیکھو گے...... [illegible] بن کر بکھرو گے تو نئے شہر و چمن دیکھو گے...... پرندے کا کام اُڑنا، روشنی کا کام پھیلنا اور خوشبو کا کام [illegible] ہے۔ درویش...... پرندے، روشنی اور خوشبو کی مانند ہوتا ہے...... جنہیں درس گاہوں کی گھٹن راس نہیں [illegible] جہانوں کی شاہراہوں پہ نکل جائیں...... کہتے ہیں کہ سوار سے زیادہ پیادہ حاصل کرتا ہے...... راستوں [illegible] اور منزل کا ثمر بھی......"

میں اپنے فلو میں کہے جا رہا تھا اور وہ بٹ بٹ مجھے تکے جا رہی تھی...... سگریٹ اس کی انگلیوں میں [illegible] سلگ رہا تھا...... وہ شاید اپنی روٹین کا کش لگانا بھی بھول گئی تھی...... وہ آنکھیں جھپکے بنا کہنے لگی۔

"پرندوں، روشنیوں اور خوشبوؤں کے بارے میں میرے اندازے تجزیے تبصرے اکثر درست [illegible]...... اور اگر اس میں کچھ کوّے، کتے اور گھوڑے بھی شامل کر لو تو یہ بھی صحیح ہو گا...... شاید تم جانتے ہو گے [illegible] روشنی اور خوشبو ایک طرح سے مختلف روپ، رُخ ہیں۔ یہ تینوں آپس میں اس طرح سے ضم ہیں کہ ان [illegible] ایک دوجے سے الگ نہیں کیا جا سکتا...... یہی علامتی استعارے پیرانارمل سائنسز کی اصل بنیاد

میں حیران پریشان کہ یہ ہل چل جنیاسی لڑکی...... کیسی ادق فدق سی باتوں میں اُلجھ رہی ہے

مختلف چیزوں کی اشتہا انگیز بھاپ اور خوشبو نے دل دماغ کی کھڑکیاں جھروکے بند اور معدے پیٹ کا

کھول دیا تھا...... میں نے بات کا رُخ پلٹنے کی خاطر کہا۔

''میڈم! پیٹ میں پیرا ابنارمل سی بھوک نے فساد برپا کر دیا ہے...... آپ کی فش اور چپس ڈیپ

چین سے کب برآمد ہوں گے......؟''

وہ ملی جلی شرارت اور محبت سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

''میں جانتی ہوں ہم تھرڈ ورلڈ کے بے چاری لوگوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ بھوک بھی ہے

طور پہ وہ بے سواد اور سویٹ ٹیسٹ لوگ جو سگریٹ نوشی، تاش، کیرم بورڈ، موسیقی، ڈانس اور پلے بوائے

میگزین پڑھنے کے فوائد سے واقف نہیں انہیں بھوک اشد اور پیاس خوب لگتی ہے۔ جس بے سوادے کو

پینے کے علاوہ کسی اور تفریح سے دلچسپی نہ ہوگی وہ کیا جیئے گا۔ بہرحال صبر کے اونٹ کے گھٹنے باندھو

اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔''

''بھوک کی بات میں سگریٹ، کیرم، تاش، موسیقی اور پلے بوائے میگزین کہاں سے آ گئے

[illegible]

وہ بڑی فلو میں بولی۔

''بالکل اسی طرح، جس طرح ہماری تمہاری اس خوشگوار ملاقات کے درمیان باسی مچھلی اور

سائنسز آ گھسی ہے...... اور ناشتے سے بھرپور آلو جنہیں فش این چپس کی صورت میں نگل لینے کے بعد

ذہنی طور پہ بولا اُٹھتا ہے۔ پھر وہ کوئی نفسیاتی، جنسیاتی یا اور کوئی واہیاتی قسم کی تخریب کاری تو کر سکتا ہے

تعمیری، تخلیقی طرز کا کوئی شہکار ترتیب نہیں دے سکتا۔ مائی ڈیئر! الکحولک ٹورسٹ! تعمیر سے تخریب اور تخریب

تعمیر وابستہ ہے...... یہ انسانی سائیکو پہ مبنی کھیل تماشے، تمثیلیں، رقص، پاپٹ، دنگل، سرکس، شطرنج، تاش، کیرم

کرکٹ وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ محض انسانی بہلاوے، وقت گزاری کی دلچسپیاں...... کھیل ہی کھیل میں

ذہانت، طینت، اس کی خوبیوں خرابیوں اور کمینگیوں کے نمود و اظہار کے استعارے۔ جس طرح پھول میں

قید نہیں رہ سکتی، پھلوں میں مہک اور مٹھاس بند نہیں سکتی۔ اسی طرح پھوڑے، گھاؤ میں زہریلا

بھی اپنا اظہار اور نمود چاہتا ہے خوبی اور خرابی کا نمود و اظہار...... صحت مند خیالات، متوازن سوچ، راج

فطری طرزِ زندگی کا انداز ہے۔ یہیں دیکھ لو کہ تم میرا مغز چاٹ رہے ہو اور اپنا سر کھپا رہے ہو...... اور

سارے زن و مرد، پیر و جوان کیرم پہ بیٹھے دُنیا و مافیہا سے بے خبر، دُکھ غم بھوک پیاس سے بے نیاز ایک دوسرے

[illegible] دینے میں مصروف ہیں۔ قہقہے، لطیفے، پھبتیاں، جگتیں، بے ایمانیاں، بے تکلفیاں سب چل رہی ہیں...... [illegible] ہیں کہ یہ محض کھیل ہے...... حقیقت نہیں...... یہ فلمیں، رسالے، میوزک، ڈانس، سگریٹ، چھوٹے موٹے [illegible] کے بغیر لڑائیاں، جھگڑے سب اسی طرح کے کھیل تماشے ہیں...... محض زندگی کو بہلانے خوشگوار بنانے کو [illegible] بہانے...... مذہب، عقیدہ اپنی جگہ پہ درست رکھو...... مگر زندگی بسر کرنا بھی سیکھو...... قرآن حکیم اپنی [illegible] عظمت کے ساتھ ہمیشہ زندہ و تابندہ ہے مگر اس کے علاوہ بھی تو زمینی آسمانی کتابیں پڑھی جا سکتی ہیں...... بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دین کے ساتھ دُنیا بہت ضروری ہے ورنہ اُدھورے، لولے لنگڑے اور [illegible] رہ جاؤ گے...... مائی گاڈ!''

میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا نبیل اور اس کا قارورہ ایک ہی ہے۔ اللہ نے خوب جوڑی ملائی ہے...... شادی کے بعد بچے وچے انہوں نے کیا پیدا کرنے ہیں۔ انشاء اللہ یہ ساری عمر آپس میں سینگ پھنسائے رہیں گے اور یہ اگر ایک دوسرے کو برداشت کر بیٹھے تو دونوں پاگل ہو جائیں گے۔ میرا تجربہ ہے کہ اس قبیل کے کسی پاگل سے واسطہ پڑ جائے تو فوراً خاموشی اختیار کر لینی چاہئے۔ بس کہیں کہیں ہاں ہوں کرتے ہوئے [illegible] متفق بھی ہیں اور مستفید بھی ہو رہے ہیں۔ یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے میں کئی بار ایسے [illegible] سے خود کو بچا چکا ہوں۔ ایک چھوٹے وقفے کے درمیان جب اس نے اُبلتی ہوئی سبزیوں میں ایک گاجر کا ٹکڑا نکال کر چکھنا چاہا تو میں موقعہ پا کر کیرم والے کمرے میں کھسک لیا...... نبیل یمانی نے میری جانب دیکھے بغیر ہی پوچھا۔

''کھانے کی کیا خبر ہے...... [illegible] آنتیں بھی اُلٹنے لگی ہیں......؟''

میرا باورچی خانے سے نکلنا ہی بہتر ثابت ہوا کہ کیرم بورڈ اُٹھانے اور دسترخوان بچھانے کا حکم صادر ہو گیا...... اُبلی ہوئی سبزیاں، تلی ہوئی مچھلی، آلو کے چپس...... تنوری مخروطی روٹیاں، روغنِ زیتون، شہد، پنیر اور سرکہ میں ڈوبے شلجم، سبز مرچیں اور گوبھی...... بھوک کسی آندھی کی مانند اُمڈی ہوئی تھی...... لکڑی کے ایک بڑے سے طبق میں ماحضر ڈھیر کر دیا گیا اور پھر ہر کوئی مرد و زن اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نبرد آزما ہو گیا...... کھانے پینے کا اصل لطف بھی ایسی چھینا جھپٹی اور نفسا نفسی میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ اُنگلیاں، ہاتھ، منہ، پیٹ، نیت، آنکھیں سب مصروفِ کار یعنی اِک میدان حشر بپا تھا...... اس طباقی میدان میں پتہ چلتا ہے کہ آدمی، انسان تو کبھی کبھی [illegible] درندہ اکثر ہی ہوتا ہے۔

نبیل یمانی نے اگلے ایک دو روز اپنی سپیڈ مشین پہ مجھے خوب گھمایا...... کلثوم بھی ساتھ نکلتی اگر موٹر سائیکل پہ تینوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی...... لبنان کی جانب نکلنے سے پیشتر میں ثمیر یمانی کے ساتھ

بزرگ بابا کو سلام کرنے کی غرض سے گیا' بہت خوش ہوئے بہت سی دُعائیں دیتے ہوئے نصیحت کی کہ جس بنیاد کسبِ حلال پہ ہوگی اُس کا مینارہ کلمۂ حق ہوگا۔

میری سمجھ میں کچھ نہ پڑا۔

پھر فرمایا۔

''کتابوں' مدرسوں میں عنوان ملتے ہیں...... علم و حلم کی پہچان سفرِ بے وسیلہ میں ہوتی ہے۔''

یہ فرمودہ بھی پلّے نہ پڑا...... نیچے سڑک تک چھوڑنے آئے...... تاکید کی کہ جب بیروت پہنچو تو کے ساحل پہ درویش سلیمانی اَخی کی سرائے میں ضرور جانا اُسے میرا سلام کہنا...... دُرویش کسے کہتے ہیں یہ اس سے مل کر اندازہ ہوگا...... دمشق والے بزرگ بابا کے مشورے کے تحت اَب مَیں اُدھر ہولیا۔

یہ ساری کتھا لکھنے کا مقصود صرف یہ تھا کہ مَیں فی الحال بیروت کے قریب' ساحل سے کچھ پرے سلیمان اَخی کی کیکروں والی سرائے میں صرف دُرویش دیکھنے کے لئے پڑا ہوا تھا......

فریدا کالے میڈے کپڑے کالا میڈا ویس
گناہیں بھریا میں پھراں لوک کہن درویش

دُرویشی ہوتی ہی کالی شیا ہے...... لفظِ دُرویش کو جس رنگ انگ میں بھی پڑھیں...... اندر سے کالک اور سواہ ہی نکلے گی...... ''دُر'' پڑھیں یا ''دَر'' پڑھیں...... دُر دُر کہیں یا دَر دَر کہیں...... لیس یا ویس پڑھیں۔ اس سے ملامت ہی ٹپکتی ہے۔ یہ ملامتی اور ملامتی بھی بڑے گپت ہوتے ہیں...... جذبات' کرب اور صدق کے خمیر سے ان کی گِل تیار ہوئی ہوتی ہے۔ پھر اک جگ سے نرالا قالب ڈھلتا اور اس کلبوت کے اندر انوکھے سے کرتوت ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں کی سدھ' اُلٹ کی قطعی سمجھ نہیں آتی۔ یہ مومن دکھائی دیتے ہیں اور نہ زاہد زندیق' یہ عجیب سے باریک ہوتے ہیں...... بھیتر جگ مگ' ظاہر تاریک ہوتے ہیں اور جان کو جان سمجھتے ہیں کُتّا یا انسان نہیں......!

مَیں روزِ اوّل سے ہی سلیمان اَخی اور اُس کے دونوں بیٹوں پہ نگاہ رکھے ہوئے تھا...... عجیب گل بنے ہوئے گلدان تھے...... کہ جن میں برگ و گُل تو بجے دھجے دکھائی نہ دیئے...... البتہ خشک خس و خاشاک خار خرابوں کی کمی نہ تھی...... دن کو دیکھو تو کھانے پکانے میں لگے ہوئے اور رات کو کبھی بھی پہر دیکھو تو کسی کام دھندے میں جُتے ہوئے ہیں۔ نہ انہیں کبھی سوتے موتے دیکھا اور نہ ہی کبھی ہنستے روتے پایا۔ دیکھی بُشرے پہ نہ جُثّے پہ تھکن پائی...... ہر لمحہ مستعد اور ہر پل مہرباں اور کبھی یوں محسوس ہوتا کہ جیسے وہ

صحرائی ریگستان نہ ہوں کوئی آفاقی مخلوق ہوں جو بشری تقاضوں انسانی حد بندیوں سے ماورا...... یا پھر جاپانی روبوٹ جو اپنے مہیا کیئے ہوئے طے شدہ نظام کے تحت بے تکان و تکدر بر سرِ عمل رہتے ہیں...... کیسے کیسے فضول [illegible] خیلے چھلے' رزے چرکٹے' چیر غلو' ازلی آوارہ گرد' پیدائشی بدحرام...... جنم جنم کے نکھٹو اور مفتے معذور یہ یہاں آتے جاتے رہتے ہیں...... اکثر اپنے کریا کرم تک یہیں پڑے رہتے...... کسی کا کوئی اندراج اور نہ کسی سے کوئی پوچھ گچھ...... کالا ہے یا گورا...... ٹھگنا ہے یا لم ٹینگ...... ہندی ہے یا اعرابی...... افریقی ہے یا [illegible]...... سمگلر یا بھگوڑا۔ یہاں کوئی تخصیص نہیں...... اس صحرائی حمام میں سب ایک سے ننگے تلنگے ہیں۔

لطف یہ کہ کسی کی کوئی اجارہ داری نہیں...... نہ لڑائی بھڑائی یا تو تکرار...... جیسے یہاں آسرا کرنے والے اپنے دماغ' زبانیں' سوچیں اور نفرتیں محبتیں کہیں گروی رکھ آتے ہیں۔ وہ یہاں صرف دو آنکھیں دو پاؤں اور ایک پیٹ والے کیکڑے سے لگتے ہیں جنہیں باری باری پکڑ کر سلیمان اتّی اپنے مشہور زمانہ ثرید میں ایک جان کرتا رہتا ہے...... ان بہت سے کیکڑوں میں ایک میں بھی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ کیکڑے ضرورتاً یہاں آن پڑے رہنے پہ مجبور تھے اور میں صرف کیکڑوں والے کی ہیکڑی کیکڑی ملاحظہ کرنے کو یہاں پہنچا تھا۔

• ازخواب [illegible]

میں شاید ایک جہاں گرد تھا...... اور جہاں گردی صرف فقیر' درویش کی اک پہچان ہے...... جس کے لئے دنیا اڑھائی قدم اور دیگر جہان اڑھائی اڑھائی پڑاؤ کی منزلیں ہوتی ہیں...... جہاں گرد کے پاس اک محقق کی باریک بینی...... سیلانی سا تجسس...... سیاح کی جستجو اور اک آوارہ گرد کی تیسری آنکھ ہوتی ہے۔

دیکھا جائے تو سانپ محض اس لئے خطرناک نہیں کہ اس کے اگلے دانتوں کے غدودوں میں مہلک زہر ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ مہلک زہر تو انسان کے علاوہ' کئی ایک نباتات' معدنیات اور جمادات میں بھی موجود ہوتا ہے...... سانپ اس لئے خوفناک اور پُراسرار ہے کہ اس کے پاس دل موہنے والی سرسراہٹ' لچک اور لپک ہے...... زبان دوشاخی...... جو اک خودکار ریڈار کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ آنکھ کے پپوٹے ہی نہیں ہوتے کہ سوئے جاگے کا پتہ لگ سکے...... اپنی مخصوص ساخت و نوعیت کا پُراسرار حشرات الارض کہ جس کے ہاتھ پاؤں کان پپوٹے نہیں ہوتے...... مگر وہ رفتار میں اسپ تازی کو پیچھے ڈال دیتا ہے۔ میلوں' کوسوں دور کسی جاندار کے قدموں کی چاپ تک سن سکتا ہے اور جس کو پکڑ جکڑ لے ہڈی پسلی ایک کر دیتا ہے...... سانپ' کوّے' کتّے' بلّی' اُلّو' شاہین اور شیر کی آنکھوں میں ایک ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے جو مقابل کے

دماغی اور اعصابی نظام کو شل کر کے اِک خوف و دہشت کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ ان کی جسمانی ساخت لپک اور آنکھوں میں مسخر کر دینے والی قوت ہی ان کی دفاعی اور بقائی صلاحیتوں کی اصل ماخذ ہوتی ہے۔ پاتال اور چھچھتال کی خبر لاتے ہیں...... سخت کوش، سخت جان، موسموں، ماحول، بھوک، پیاس کی صبر آزما جھیلتے ہیں...... فقیرانہ احوال والے اور دُرویشانہ چال والے، کچھ قیل والے کچھ قال والے...... تال والے...... جلال والے اور جمال والے...... کوئی سیاح، ہر سمت آگاہ...... کوئی محقق سی مہم والا تو کوئی کی میلان رکھنے والا...... کوئی بادلوں، خوشبوؤں، خوابوں خیالوں سا آوارہ گرد لیکن ان سب میں ایک آنکھ کی طاقت اور پُر اسراریت مشترک ہوتی ہے۔ جہاں گرد ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ ان مذکورہ بالا نکات کا حامل نہ ہو...... کہیں وہ دَر دَر کا کُتا بنا دُر دُر کے آوازے سنتا ہُوا کوئی چبائی چچوڑی ہوئی ہڈی کرتا ہے، کہیں وہ عالمِ بالا پہ شاہین کی مانند اُڑان بھرتا ہے۔ جدھر سے وہ عالمِ ہست کو اِک حقیر پرکاہ کی دیکھتا ہے...... اور کبھی کبھی وہ سانپ کی طرح موسموں، انسانوں سے بدک کر اپنی ذات کی کھووں اندھیروں، ویرانوں میں کہیں روپوش ہو کر بھوکا پیاسا اور بے حس و بے جان سا پڑا رہتا ہے...... کہیں وہ [illegible] بھرتا ہے [illegible] کہیں [illegible] عمر کھائے پڑے بڈھے کے پاس [illegible] ہی ہوتی ہے...... میں پی کی خبر لاتا ہے تو کہیں پیاسے کو آبِ حیات کی کنوئیں کی راہ سجھاتا ہے...... کیا کیا؟...... کیوں کیوں؟...... کی منادی کرتا ہوا ہاتھوں اپنے کان دیئے "[illegible] میں میں" کی رٹ لگاتی ہوئی بے وقوف بکریوں کے سروں پہ منڈلاتا رہتا ہے کبھی جہانِ رنگ و بو میں کسی اُلو کی طرح [illegible] تلاش کرتا رہتا ہے تا کہ وہ دھیان تپ تپیا کے لئے کسی ویراگی کی طرح سمادھی جما سکے۔

دُرویش کسی بوڑھے بے برگ و برکت درخت کے نیچے بیٹھا اس دُنیا و مافیہا کی حقیقت اور پہ غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ چکا چوند روشنیاں اور طرب و تفنن آمیز چہکارے اس کے لئے آگ کے ہوتے ہیں۔ اس لئے...... گھٹا ٹوپ اندھیرے، اُداسیوں ویرانیوں کی جانگسل آزار نحوستوں اور حکومتیں، خامشیوں اور چُپ سادھیوں کے راج تاج، اس کی قلمرو بنتے ہیں اور کہیں تو وہ گُربہ کی نرم روی شتیل ہوتا۔ اس کی سوچیں کبھی بلی کے نرم نرم پاؤں کی گدیوں میں چھپے نوکیلے خطرناک ناخنوں کی طرح ہیں وہ روشنی میں کم اور تاریکی میں خوب دیکھتا سونگھتا ہے، اُسے اپنے علم و ادراک کے چوہے سے کھیلنا خُوب لگتا ہے...... کتنی پستی سے اُبھرے سر نہیں اُٹھاتا اور کیسی بلندی سے گرے پنجوں بل ہی گرتا ہے سے اُترنے کے داؤ تو سکھا دیتا ہے مگر دار پہ چڑھنے کا بھید کسی کو نہیں بتاتا...... جب کوئی راہ مفر نہیں

[illegible] سے لگنے کے دل پہ چھپٹتا ہے۔ جب جی چاہتا ہے بلک بلک کر بین کرنے لگتا ہے اور جب جی نہیں [illegible] کھسیانا ہو کر اپنی ہی بوٹیاں نوچنے لگتا ہے۔ ظاہر نجس مگر باطن نجیب...... تن تونگر طبیعت غریب...... [illegible] جہان بھر کی جہاں زیبیاں اور جہاں سوزیاں جمع ہو جائیں تو وہاں ایک جامِ جم اُترتا ہے جو کسی [illegible] کے لئے ہوتا ہے اور پھر اس درویش کے لئے واقعی یہ جہاں ایک جامِ جم کی صورت ہی ہوتا ہے...... [illegible] کی ساری گردشیں...... یقین و امکاں کی ساری منزلیں اس کے ادراک سے شروع اور اس پہ ہی ختم [illegible]۔

؎ ہر شے مسافر ہر چیز راہی......!

سلیمان اُخّی کسی سے بھی بات کرنے کا روادار نہیں تھا اور نہ ہی وہ کوئی ایسا مردم بیزار...... وہ شاید عادتاً [illegible] طور کا کوئی از قسم یادھو تھا...... تیلی کے چکر دھاری بیل کی مانند شاید وہ کولہو کے طواف مسلسل کا [illegible] کہ سارا سفر نکلے تمام باورچی خانے اور مسافر خانے کے مابین ہی تمام ہو جیسے قسّامِ ازل نے [illegible] یومِ نشور تک اسی سفر کے لئے منتخب کر رکھا ہے...... کھاتے پیتے، سانس لیتے [illegible] بشر کے [illegible] بھی ہوتے ہیں۔ کھانا پینا، نہانا دھونا، [illegible] حجامت یا پھر [illegible]...... لیکن اس کے ہاں ان [illegible] کوئی [illegible] تھا اور نہ [illegible]......!

میں کئی روز تک [illegible] تو وہ میں لگا رہا کہ کہیں تو اسے کوئی ایسا کام سرانجام دیتے ہوئے دیکھوں جس [illegible] بشریت ہو سکے کہ یہ بھی گوشت پوست کا بنا ہوا انسان ہے اور اس کے بھی کچھ بشری تقاضے ہیں...... مگر [illegible] کہ میں اسے از روئے اعمال و خصائل اور وسائل و دلائل، بندہ بشر بھی سمجھنے سے قاصر رہا...... اس کے [illegible] بیٹے بھی سو فیصد نہ سہی پچاسی نوے فیصد اس کی کاپی تھے...... اللہ! یہ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ [illegible] دو...... دن رات آئے گئے مسافروں کی خدمت گزاری میں جٹے ہوئے ہیں...... کوئی ایک بار [illegible] یا دس بار وہ شکلیں یاد نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی برتن پیالے گنتے...... ان کا کام صرف یہ تھا کہ جو مانگے [illegible] اس کی خدمت کرو اور جو جائے اس کی پُشت مت دیکھو......!

؎ منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی......

میرے بابا جی نے ایک مرتبہ مجھے نصیحت فرمائی۔

"درویش کھاتا کم ہے کھلاتا زیادہ ہے...... فرمایا۔ اللہ کی مخلوق کی بلا تخصیص و تمیز تواضع...... ان کے [illegible] شرب کا اہتمام کرنا درویشی کی خشتِ اوّل ہے۔ دوم یہ کہ وہ درویش ہو ہی نہیں سکتا جو مینہ کی مانند نہ

ہو جائے' جو اچھے بُروں سب پہ برابر برستا ہے...... بادل! جو سب پہ یکساں سایہ فگن ہوتے ہیں...... کی مانند جس سے ادنیٰ و اعلیٰ خوب فیض یاب ہوتے...... زمین کی طرح جو سب کے نیچے بڑی عاجزی سے رہتی ہے...... ماہتاب و آفتاب' نجوم و پروین...... قوس و قزح' شفق' چودھویں کا چاند' کہکشائیں' جھرمٹ ہلالِ عید' قطبی تارا...... یہ سب چراغ' یہ سارے گلاب یہ نظارے' نعمتیں' عنایتیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کے لئے ہیں۔

ڈرویش ثواب و اجر کے چکر میں نہیں پڑتا وہ تو مالک کے آگے سالک...... سالک کے آگے مالک...... مالک کے آگے نوکر...... نوکر کے آگے چاکر اور پھر چاکر کے آگے احقر بن کر اپنی ڈیوٹی پ ہے...... یہ مقام مالک کی ڈیوڑھی کے باہر دروازے سے ہٹ کر دُم ہلانے کا ہوتا ہے اور یہ درویش "تمنا محل" کی پہلی سیڑھی بھی ہوتی ہے۔ مجذوب باہر سے بے ہوش اور اندر سے باہوش ہوتا ہے۔ ڈرویش باہر سے باہوش اور اندر سے بے ہوش ہوتا ہے۔ یہی الکھ جگاتا اور الکھ سلاتا ہے۔

- طبیبا یکے دفتر خویش بکشا اگر درد مارا دوائے برآید......!

سلیمان اُتّی بھی باہر سے باہوش اور اندر سے بے ہوش قسم کا ڈرویش تھا۔ دیکھو تو باہر گونگا ہوتا ہے...... اور اندر جیسے راجہ اندر کا اکھاڑا ہے...... یہ گونگا پہلوان ہر وقت لنگوٹ کسے اپنے پٹھوں اور اُلّو کے پٹھوں کی خاطر مدارت میں جُتا رہتا تھا۔

ایک دوپہر وہ ثرید کا بڑا دیگچہ' صحرائی بھربھری ریت سے رگڑ رہا تھا...... جن دیگچوں برتنوں کی گھی تیل کے داغ دھبے' بُو بسانداور یا جلے ہوئے پکوان کی گاد' تلچھٹ چھڑوانی ہو اس کے لئے ریت سے چیز نہیں گو اس مقصد کے لئے آگ' راکھ' چونا مٹی کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مگر صفائی کے ساتھ تاب و چمک صرف راکھ اور ریگ سے پیدا ہوتی ہے مگر اس میں تھوڑی سی قباحت ہے کہ یہ برتنوں کے ہاتھوں کو بھی رگڑ لگا جاتی ہے...... ناخن اور ہاتھوں کی جلد کمزور اور بدنما ہو جاتی ہے۔ سلیمان اُتّی کے کچھ ایسے ہی تھے۔ وہ انسانی ہاتھوں کی بجائے کسی اُونٹ کے پاؤں لگتے تھے۔ چپٹے' موٹے بھدے تو جیسے تھے ہی نہیں اور انگلیاں اگر تھیں تو ایسی کہ ہتھیلی کے ساتھ جنگلی ادرک کی پیوندکاری کی گئی ہو بازو بھی چھت کی چوبی کڑیوں کی طرح کڑیل...... سینہ وادیٔ سینا کی مانند فراخ...... اور جثہ صحرائے صحارا بیٹھا ہوتا تو کوہِ سلیمان لگتا' کھڑا ہوتا تو کوہِ ارارط......!

میں اُسے مختلف زاویوں، قرب وجوار کے فاصلوں...... اندھیروں اُجالوں، جھٹپٹوں اور مختلف سَموں، مختلف کونوں اوٹ آڑ سے دیکھا کرتا...... یُوں محسوس ہوتا جیسے بیتتے وقت کی ہر جنبش، کروٹ کے ساتھ اُس کے رنگ ڈھنگ بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں...... یُوں کہ خود کچھ بھی نہ ہو۔ وہ صرف وقت ہو، زمانہ ہو...... جو ہر پل، بدلتی ہیئت، رفتار اور گفتار بدلتا رہتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا وہ ریت سے دیگچہ رگڑنے میں لگا ہوا تھا۔ یہ حلیم، ثرید، چنے، ہریسہ اور شب دیگ یا کھچڑی تیار کرنے والے دیگچے برتن اکثر جھلوسے ہوئے سڑے بلے، بے برکتے سے دکھائی دیتے ہیں۔ وجہ یہ کہ ان کے ساتھ ہوتی بہت بُری ہے...... ہجر فراق کے مارے آشفتہ حال عاشق، دمہ دق کے بوڑھے مریض یا کسی شریف نوجوان بیوہ کی طرح یہ ساری رات زندہ در آگ چولہا رہتے ہیں۔ دیگچوں میں اگر مسلسل گھوٹا نہ گھوٹا جائے تو پیندے تھلے میں گاد لگ کر جمنا شروع ہو جاتی ہے جو کچھ دیر کے بعد جل کر کوئلے کی مانند سیاہ اور سخت ہو جاتی ہے۔ پھر ذائقہ ہی خراب نہیں ہوتا...... کھانے کا رنگ بھی سیاہ ہو جاتا ہے، جلنے سڑنے کی دھانس الگ پیدا ہوتی ہے اور ساتھ دیگچے کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے لگے سڑے برتن دیگچے کو صاف کرنا ایک کٹھن مسئلہ ہوتا ہے۔ جس کے لئے وقت، ریگ، مٹی، کھلا ہاتھ اور موٹی کھال کی انگلیاں اور خاطر خواہ حوصلہ درکار ہوتا ہے۔ شاید یہ بھی [illegible] میں ریت اور ریگ مٹی...... یہ بڑے بڑے بے ڈھبے موٹے جھلوسے، سڑے ہوئے دیگچے...... ان کو مانجھنا، دھونا، رگڑنا، چمکانا، پھر پکانا اور کھلانا کسی باورچی خانے کی طرح کسی [illegible] خانے کے استعمالی اصطلاحیں ہوں۔

بڑے بڑے شہروں میں کھانے پینے کی جگہوں پہ استعمال شدہ برتنوں کی صفائی کے ضمن میں بڑی لاپرواہیاں برتی جاتی ہیں۔ نیم گرم گندے پانی میں، گندی صافی سے پلیٹیں گلاس کٹلری وغیرہ صاف کی جاتی ہے بلکہ مزید گندی کی جاتی ہے۔ یہی حال بڑے بڑے برتنوں کا ہوتا ہے کہ جن میں کھانا پکتا ہے۔ ان دیگچوں کے اندر جھانک کر دیکھیں پیندے میں جلی ہوئی سیاہ گاد جمی ہوئی ہوگی۔ جبکہ یہ صدیوں پرانی جمی ہوئی گاد اتر ہی نہیں سکتی کہ پیندے کا حصہ بن چکی ہوتی ہے...... اور پیندے پونگے کی صفائی رگڑائی دُرویش کا کام ہے ہر کسی کا نہیں......!

وہ گہرے دیگچے میں آٹا گوندھ رہا تھا یا اس کے پیندے پہ جمی ہوئی گاد کو ریت کی رگڑائی سے اتار رہا تھا۔ یہ دُور سے دیکھنے والا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا...... اُس کے نیم گنجے سر اوپر، سوا نیزے پہ کھڑا سورج اپنی تمازت کی پوری توجہ سے اُس کی کارکردگی ملاحظہ کر رہا تھا اور میں بہت اِدھر اُونٹ کی سڑی کھال کی پوستین کے سائے میں اُس کی مشقت اور محنت کو محجوب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا...... شاید یہی کچھ

دیکھنے جاننے کے لئے ہابیل قابیل والے بزرگ بابا نے مجھے اِدھر اس لق ودق صحرا میں بھیجا تھا...... سوچ رہا کہ مَیں اور کتنے روز یونہی یہاں پڑا رہوں گا۔ بس یہ کچھ دیکھنے کے لئے وہ آ رہا ہے وہ جا رہا ہے...... دیکھ رہا ہے بِکھلا رہا۔ دھو رہا ہے بھگو رہا ہے...... بس یہی کچھ تو تھا جو ایک بار دیکھا یا سو بار دیکھا۔

مَیں بلا ارادہ اُٹھ کر اُس کے پاس چلا آیا۔ ''السلام علیکم یا سلیمان اَخی!'' ...... کہو کیسے ہو کہہ کر اکڑوں سا اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ مگر کیا مجال جو اُس نے اِک نظر اُٹھا کر بھی مجھے دیکھا ہو۔ ہو سکتا ہے اُس نے زیرِلب سلام کا جواب بھی دیا ہو جسے میں واضح طور پہ سُن نہیں سکا ہوں گا...... میرا پاس بیٹھنا شاید فضول تھا کہ وہ تو اِسی اِنہماک سے رگڑا رگڑی میں جتا ہوا تھا۔ اِس کے پاس کون ہے اُسے کچھ خبر نہ تھی...... میں نے جرأت کر کے اِک کھنگورے سے اُسے متوجہ کیا اور ہاتھ سے دوسرے دیگچے کی جانب اشارے کرتے ہوئے یہ کہنا چاہا...... اگر اجازت دو تو مَیں اِس گندے دیگچے کی صفائی کرنے میں تمہاری مدد کروں؟...... اُس نے میری اس مخلصانہ پیشکش کو کسی بھی طور درخورِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ ہاں یا نہ کا کوئی اشارہ دینے کی بجائے اپنے کام میں مزید اِنہماک دکھانے لگا۔ جیسے اُسے میری یہ مداخلت پسند نہ آئی ہو۔

سلیمان اخی کو مہمان مسافر تو ایک طرف اُسے [illegible] سے بھی کسی قسم کی کوئی [illegible] لینا گوارا نہیں شاید یہی وجہ تھی وہ کسی سے بے تکلف ہوتا نہ کسی کے منہ لگتا [illegible] بات کرنا ہی پسند کرتا تھا...... کبھی کبھی تو اُس کے سٹھیائے ہوئے سنکی ہونے کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی اُبھرتا کہ وہ کانوں سے بہرہ اور اخلاقی طور پہ بے حس بھی ہے...... جنوں جیسے قد کاٹھ جسم جثے اور بظاہر بددماغی کی بنا پہ لوگ باگ اِس سے کوئی بھلی بُری بات کرتے ہوئے خاصا ڈرتے تھے۔ مجھے اپنی اِس پیشقدمی کا کوئی مثبت جواب نہ پا کر خاصی مایوسی ہوئی تھی کہ یہ بندہ تو پٹھے پہ ہاتھ رکھنے نہیں دیتا...... سوچنے لگا کوئی ایسی ترکیب ہو کہ یہ شاہین دام میں آئے...... کہ دماغ کی کوئی بند کھڑکی کھلی...... کیوں نہ میں ہابیل قابیل والے بزرگ بابا کے حوالے سے بات کروں۔ میں نے ہمت باندھتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی عربی اور آسان سی انگریزی میں بزرگ بابا کا حوالہ دیتے ہوئے تعارف کرایا اور استدعا کی کہ مَیں دُرویشی کی راہ کا کمزور سا مسافر ہوں' زادِراہ ہے نہ ہی ہمت و سکت بھٹک رہا ہوں' ٹھوکریں' رسوائیاں' رت جگے' جاں ماریاں میرا نصیب ہیں۔ مجھے یہی حکم ہے کہ چپّے پاک اللہ کی زمین' آسمان' پہاڑ' دریا' صحرا' جنگل' ویرانے' گل خانے تمہارے منتظر ہیں۔ جاؤ! اِن سے پیدا کرو۔ پاپیادہ' جانوروں کی پیٹھ پہ' بڑے چھوٹے گول پہیوں والی مشینوں پہ۔ آہنی پروں والے پرندوں پہ' سمندروں کے سینوں پہ تیرتے ہوئے راج ہنسوں پہ' یاد رکھوں یہ دُرویشی دریوزہ گری نہیں ہے دریدہ دَری اور رفوگری ہے......''

سلیمان آفتی کو یوں بریک لگی جیسے اچھی خاصی چلتی' کام کرتی مشین بجلی بند ہو جانے سے پران چھوڑ بیٹھتی ہے۔ ہاتھ ساکت' موٹی سی گردن موڑے...... موٹے موٹے ڈیلے نکالے' مجھے خفیہ والوں کی طرح تکنے لگا کہ جیسے میں نے انجانے میں کوئی انتہائی حساس سی بات کہہ دی ہو...... اس کے اچانک بھونچکانے پہ [illegible] میں بھی ٹپٹا سا گیا تھا۔ یوں چند مضطرب سی ساعتیں ہمارے درمیان خاموشی سے گزر گئیں...... اس نے میری آنکھوں سے اپنی آنکھیں نکالے بغیر ہی پاس پڑے ہوئے اَن دُھلے بڑے سے دیگچے کو گھسیٹ کے سامنے کر دیا' دو مٹھیاں ریت' دیگچے میں ڈالیں پھر اپنی پھسلتی عربی اور لڑکھڑاتی انگریزی میں کہا۔

”گندہ کرنا ایسا مشکل نہیں جتنا مشکل پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ چلتی ہوئی ہوا کی مانند مست خرامی بھی کسی سوہانِ روح نہیں ہوتی جیسی حالت قید و قیام روح فرسا ہوتی ہے...... کہہ بول لینا بھی اتنا دُکھ درد کا باعث نہیں ہوتا جتنا کہ چُپ گُم جان جلاتی ہے۔ چکی کا قطب خود تو دھرا گڑا اور پڑا رہتا ہے مگر مدار کے گرد پھرتے پاٹوں کو جمائے' چلائے' بھگائے رکھتا ہے۔ آسمان' ستاروں سے...... زمین' ذرّوں سے...... سمندر' قطروں سے اور دشت و دمن' اشجار و اثمار سے جل تھل ہوتے ہیں......“

دو مٹھی ریت کی ایک اور مٹھی گندے [illegible] دیگچے میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

”[illegible] مٹھی [illegible] سمندر ہے۔ یہ ذوقِ ادب' خدمت' [illegible] کے اَن گنت اربوں کھربوں ذرّوں کا خشک سمندر نما صحرا ہوتا ہے...... یہ چکا چوند اُجالے میں سراب اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں قطبی تارا!...... حاصل گھاٹ تو کبھی بگڑے نیل کا ٹھاٹ...... دلقِ اویسؓ تو کبھی کاسۂ قیس۔ یہ فغانِ یعقوب بھی ہے اور کبھی صبرِ ایوب بھی۔ یہ دُرفشِ کاویانی بھی ہے اور عصائے سلیمانی بھی ہے۔ یہ ہنرِ آذری بھی ہے اور سحرِ سامری بھی ہے......“

فرطِ حیرت سے میری آنکھیں شق تھیں...... الٰہی! یہ کس نگر کے لوگ ہوتے ہیں...... ہوتے کچھ ہیں دکھائی کچھ اور دیتے ہیں...... گم صُم' گونگا گنوار کیسے گونا گُوں گُنوں کا گوہرِ آب دار نکلا...... کلام میں ایسی [illegible] فصاحت اور جز بندی کہ معانی و مطالب سمجھنے جاننے میں شمّہ بھر بھی دقت نہ ہوئی...... بین البیان سے [illegible] کی مانند چھنک چھنک کر سطحِ ادراک پہ منکشف ہوتا رہا۔ معلوم ہوا کہ عشق و مُشک کا عودِ تصوّف کی [illegible] مہک بھی لگائے چھپائے نہیں رہتی اور من و مطلب کی بات چیت' کسی عربی' فارسی' اُردو' انگریزی کی محتاج نہیں ہوتی۔ جس لہجے اور ملی جلی زبانوں میں اس نے گفتگو کی تھی اگر اسے لکھ کر میرے سامنے' سمجھنے کے لئے رکھ دیا جاتا۔ سمجھنا تو در کنار' میں شاید اسے صحیح سے پڑھ بھی نہ سکتا مگر بھلا ہو میری خانہ خرابیٔ شوق و مطلب کا کہ صاحبِ اسرار و صفات کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ' میرے باطنی شعور پہ میرے لئے قابلِ فہم صورت میں

القا ہوا...... اور شاید اسی طریقِ تکلم سے وہ بھی میرے سوال وطلب کے مافی الضمیر سے آشنا ہوا تھا۔

جب عربی عجمی درمیان سے ہٹے تو اب دو طالب ومطلوب، عاشق ومعشوق...... معتوب و آمنے سامنے تھے۔ پانچوں انگلیوں والی ریت بھری مٹھی دیگچے میں ڈال کر بولا۔

"لو...... تم بھی اپنا شوق پورا کرلو...... لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں خوب معلوم اور محسوس ہونا چاہیے کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو......"

میں ان الفاظ کے اندر جھانکتا ہی رہ گیا اور وہ پھر اپنے رگڑائی صفائی میں جٹ گیا...... دیگچے میلے چیکٹ پیندے میں بکھری ہوئی سفید موٹی بھربھری سی ریت میری توجہ کی منتظر تھی...... آستینیں چڑھا نے بھی ہلہ بول دیا...... مگر چند ابتدائی رگڑوں سے ہی میری چیں بول گئی...... میں نے محسوس کرلیا تھا کہ صفائی ستھرائی کے کام کو میں نے جتنا آسان سمجھا تھا حقیقت میں یہ اتنا آسان بھی نہیں۔ عملی طور پہ اس سے نبٹنے کے لیے محض جسمانی ہمت وطاقت کی ہی ضرورت نہیں بلکہ صبر، ہنر اور روحانی بردباری کی بھی ضرورت ہے...... جبکہ [illegible] میرا پلہ خالی تھا۔

میں نے ہلکی سے جھکائی لیتے ہوئے کانی آنکھ سے اس کی جانب دیکھا...... کس [illegible] کی گل [illegible] شش جہت [illegible] کاسہ سر یا فراغت کنارے کے بہلولی کدو کا یون پیٹ...... کرۂ ارض کا تھوتھا قرنہ۔ وہ اپنے ظاہری باطن کے ساتھ ہادیہ کے [illegible] بنا ہوا تھا جبکہ میرے ہاتھ انگلیاں ریت کی رگڑ سے [illegible] سی گئی تھیں اشتیاق اور استغراق دیکھ کر مجھے اپنے [illegible] خجالت سی محسوس ہوئی...... ہمت اٹھائے ہلکے ہلکے ہاتھوں پھر ہوگیا...... ریت، میرے نرم نرم ہاتھوں انگلیوں کو چاٹ سی گئی...... پوروں، جوڑوں سے خون رسنے درانتیاں سی چلنے لگیں مگر میں دانتوں تلے جیب دبائے ڈٹا رہا...... ماتھے پہ تریلی اور چہرے پہ تردد کی گئی تھیں...... معاً جو نظر پڑی تو میرے دیگچے میں پیندے کی کالک میں اب سرخی بھی شامل ہو چکی تھی اپنا لہو دیکھ انسان بدحواس سا ہو جاتا ہے وہ لاشعوری طور پہ نقاہت سی محسوس کرنے لگتا ہے...... ہاتھ کھینچے کی مانند مرغے کلیجے...... رگڑ کھائی ہوئی جگہوں سے خون رس رہا تھا...... شاید اس روشن ضمیر نے دیکھ لیا نگاہ اٹھائے اور ہاتھ روکے بغیر وہ بولا۔

بات ہاتھ سے نکلتے نکلتے جب تک جگر تک نہ پہنچے، درویشی کے راہ راستے جگر مگر نہیں ہوتے۔ تمہاری اتنی رگڑائی ہی کافی ہے۔"

اگلے کئی روز میرے ہاتھ سرخ بوٹی چیکلیے چیکلیے اور سوجے سوجے رہے...... منہ ہاتھ دھونا

حتیٰ کہ کسی چیز کو چھونا تک اجیرن ہو گیا...... موٹی موٹی باسی روٹیاں توڑنا تو کجا...... ٹکڑوں والے غرے چمچے کو منہ تک لے جانا بھی کارِ دارد بن گیا۔ زیتون کے تیل چپڑے چیتھڑے لپٹے ہاتھ تک سینت سینت رکھتا رہا کہ ہوا تک چھونے سے بھی ٹیسیں اُبلنے لگتیں اور جی بے حال ہو جاتا۔

یا امریکی کوئی فلم کمپنی تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ فلموں کا دور دورہ تھا...... فلم کے شروع ٹائٹل میں بڑے جہازی ٹل پہ ایک قد آور پہلوان نما آدمی دبنگ و آہنگ سے چوٹیں لگاتا...... ڈن ڈن ڈن! میں بیٹھا ہر تماشائی یہ آہنگ و دبنگ اپنے دماغ و سماعت میں بُری طرح محسوس کرتا۔ لہٰذا فلم کے فلم بینوں پہ ایک نامحسوس سا دبدبہ یا خوف سا طاری ہو جاتا تھا اور فلم جیسی بھی بھلی بُری ہوتی بڑی سے دیکھی جاتی۔

سلیمان اُٹھی کی زبانی یہ دیگچوں کے پیندوں کی جلن سڑن، تپش اور ہاتھوں کے بُرے حال کا سُن کے تو طوطے اُڑ گئے۔ اِدھر میرے ہاتھوں کا فی الواقع یہ حال کہ جیسے ابھی ابھی دہکتی کٹھالی ہوں...... ریت کی رگڑائی اور مجھائی [illegible] تھوتھا کر رہا تھا۔ [illegible] ہتھیلیاں کا فوری [illegible] اور انگلیوں

- فرنگی زدِ رجلِ کوہستانی......!

ہم پنجابی، راولپنڈی کی اگلی جانب رہنے والے ہر باشندے کو پٹھان سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا ہے۔ ہندی وال، ماچھی چھاچھی، پشاوری، کابلی، پٹھان، افغانی وغیرہ یہ سب مختلف قومیں ہیں۔ ان کی اور طور طریق ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں...... ان علاقوں کے اچھوں بُروں سے میں بڑا خاص طور پہ علاقہ پار اور پشاور کے اصیل پٹھانوں سے کہ یہ بلا کے ہوڑ مغزے ہوتے ہیں...... اور معاملت میں بڑے اِنتہا پسند اور سخت گیر...... پولیس والوں کی طرح نہ ان کی دوستی اچھی دشمنی۔

میرے بے شمار عقیدت مند ان علاقوں کے باسی ہیں۔ اِن میں خالص پٹھان بھی ہیں اور اصیل افغانی ان کے علاوہ بھی جو یہ کچھ نہیں ہیں...... میں عام طور پہ کسی عقیدت مند کے گھر نہیں جاتا کہ میرا طریق اور

چلن کچھ اور ہے لیکن خاص طور پہ پنڈی کے اس پار تو بالکل نہیں جاتا کہ پٹھانوں اور افغانیوں کا پیروں فقیروں یا درویشوں کے معاملے میں ''اندازِ عقیدت'' کچھ دِگر قسم کا ہوتا ہے۔ یہ دُعائیں اور مُرادیں بھی کلاشنکوفوں کے ذریعے زبردستی حاصل کرتے ہیں۔ اِدھر شمالی علاقہ جات بھی ہیں۔ یہاں کے باسیوں میں پٹھانوں والی بات تو نہیں لیکن بے علمی اور توہم پرستی عروج پہ ہے۔ سربفلک سرسبز پہاڑ' شوریدہ دریا' رواں چشمے اور جھرنے' مرغزار کھلی فضائیں اور رسیلی ہوائیں' پھل پھول' خوشبوئیں' نظارے۔ غرضیکہ قدرت کی بے پناہ فیاضیوں نے ان علاقوں کو جنت نظیر بنا رکھا ہے۔ یہاں کے باشندے' صحت مند' قانع' دھیمے مزاج والے' محنتی اور جفاکش ہیں۔ تعلیم وتہذیب سے قریب قریب بے بہرہ۔ دُور دراز اور دُشوار گزار ہونے کی بنا پہ ترقی پذیر دُنیا سے کٹے ہوئے۔ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت میں نام نہاد زیادہ ہیں۔ بیشتر مختلف فرقوں کے پیرو اور بہت سے لادین اور کافر...... گو بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں بے شمار مثبت تبدیلیاں ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر ناخواندگی قدامت پسندی اور توہم پرستی کے سبب یہاں کے باشندے صحت مند تبدیلیوں کو قبول کرنے سے قدرے اجتناب برتتے ہیں۔ وہ اسی پرانے ماحول اور اپنے آباءواجداد کی کہنہ روایات کے مطابق زندگی بسر کرنا مناسب سمجھتے ہیں...... نئے وقت اور رواں دور کی مشینی ترقی' سائنسی جدید تجربات اور ایجادات کو محض ناراض دیوتاؤں [illegible] ہیں۔

یہاں کچھ قدیمی لوگ اور قبیلے ایسے بھی ہیں جو خود کو پہاڑوں اور دیوتاؤں کی اولاد مانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان جنت نظیر وادیوں اور سربفلک چاندی ایسی برف سے سرپوش پہاڑوں' صدیوں سے جمی گلیشیروں' رواں جھرنوں اور شوریدہ سر بہتے دریاؤں' آبشاروں کے یہی مالک و امین ہیں...... یہ اُن کے بچے اور وہ اِن کے بن ادھورے ہیں۔ غیر ملکیوں' اجنبیوں کا کوئی خاص چاہت و گرم جوشی سے سواگت نہیں کرتے۔ یہاں بیمار و لاچار ہونے کا تصور بھی ناپید ہے...... پڑھے لکھے لوگوں' ڈاکٹر' انجینئر' وکیل' سکول ٹیچر کسی محکمہ کے افسروں کو وہ عجیب سی نظروں سے تولتے ہیں۔ ہاں جھاڑ پھونک' ٹونہ' سحر پھونکنے اور کالی ڈوریوں پہ فسوں پڑھ کر گانٹھیں لگانے والوں کو پہاڑوں کے راستے آسمان سے اُترنے والا تصور کرتے ہیں۔ یہی پہاڑوں کے بیٹے' یہاں کے حکمران ہوتے ہیں۔ صدیوں سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے اور شاید ایسے ہی ہوتا رہے گا۔

میں اِن دُور دراز پس ماندہ اور پُراسرار علاقوں میں خوب خوار وخراب ہوا ہوں...... وہ علاقے جو شہروں کے قُرب وجوار میں ہیں ان میں آپ کو کسی طرح کا کوئی ایڈونچر نہیں ملے گا۔ اصل اسرار اور جلال وجمال تو بہت پرے ہے۔ دُشوار وتنگ رہ گزاروں' خوفناک دَرّوں' گھاٹیوں...... اُترائیوں چڑھائیوں اور موسم کی چیرہ دستیوں سے آگے...... جہاں پہنچ کر محسوس ہوتا ہے کہ اِنسان بالکل فطرت کے آنگن میں آ

[illegible] ہے۔ جسم و جان اور سوچ و فکر کی ساری کثافتیں...... دُنیاداری کے سارے جھمیلے کہیں دُور بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہب و مسلک بھی کہیں آسودہ ہو جاتا ہے کہ یہاں انسان جیسے نیا جنم لیتا ہے اور [illegible] جیسے بچہ فطرتِ سلیم پہ پیدا ہوتا ہے۔

[illegible] کا ایک آسودہ حال تاجر بچہ جو کاروباری سلسلے میں لاہور آتا جاتا رہتا تھا میرے ساتھ ہلکی سی [illegible] سے وابستہ تھا۔ شجرِ چلغوزہ سی اُٹھان والا اچھا خاصا پڑھا لکھا اور خوش خیال و خواب جوان کہ جسے دیکھیے تو جیسے سامنے آ جائے...... مزید برآں یہ شکردرہ کے قدیمی اہلِ ثروت و حشمت خاندان سے تعلق رکھتا تھا جسے وہاں صاحبِ اختیار سمجھا جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جو حیرت کا مقام کہ یہ خاندان اہلِ سنن و احناف سے متعلق تھا۔ جبکہ وہاں کٹر قسم کے اہلِ حدیث اور اسماعیلیوں کا تناسب زیادہ ہے...... یہ اللہ کا ولی اپنا سلسلہ [illegible] گیلانیوں سے جوڑتا تھا۔ نام شہود الرحمٰن گیلانی...... اس کے ساتھ پہلی ملاقات داتا ہجویریؒ کے ہاں [illegible] صحن میں ہوئی تھی...... عجز و ادب کی اوس میں تر بتر چہرہ' حیاء کھائی ہوئی کنول آنکھیں...... اُس کا ہاتھ [illegible] ہی مجھے ایک خفیف سا جھٹکا لگا کہ اس کا قلب جاری تھا۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد [illegible] مناسب سی جگہ پہ بٹھایا...... اسی اثنا میں اندازہ ہو گیا تھا کہ [illegible] کن دُور دراز [illegible] سلسلوں سے [illegible] تک پہنچا ہے [illegible] قیام ہے یہ [illegible] قائم ہوا کہ یہ [illegible] کسی جوہری [illegible] بھی آ چکا ہے۔

وہ ہر چاند کی پہلی جمعرات کو داتا دربار پہنچتا تھا جسے نوچندی جمعرات کہتے ہیں...... مجھ سے [illegible] کے بعد وہ خاموشی سے [illegible] جانب ہو کر بیٹھ جاتا' نہ کوئی دُعا کہتا اور نہ کسی تشنہ لبی کی شکایت...... [illegible] تک' صبح سے وہ سر نیہوڑے جیسے کسی مراقبے کے قبے میں اُتر جاتا...... میں بھی مخل ہونا پسند نہ [illegible] پانی کرتا اور نشست کے برخاست ہونے پہ مجھ سے بھری بوتل پانی دَم کرواتا اور رُخصت ہو جاتا۔ [illegible] بار جب وہ معمول کے مطابق نہ پہنچا تو میں نے اس کی کمی کو غیر معمولی طور پہ محسوس کیا۔

انسان کوئی بھی ہو وہ اپنی شکل و صورت' دولت و حشمت' لباس و لن ترانی کی بناء پہ کم ہی پہچانا جاتا ہے [illegible] صفتوں' خوبیوں' کردار و قماش اور ادب و اخلاص سے زیادہ نمایاں و نم دار ہوتا ہے۔ یہاں بھی شاید [illegible] تھا کہ اس کا دل آویز سا سراپا' سراسر لطف و ملائمت اور حفظِ مراتب کا اک نفیس سا نمونہ تھا...... جیسے کہ [illegible] پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں کہ ہر انسان' اپنا ایک جبلی جانور اور اپنی مخصوص بُو رکھتا ہے...... یہ جانور [illegible] ہو سکتا ہے چرندہ' پرندہ اور خزندہ بھی۔ اسی طرح اس کے بدن بطون کی بُو...... خوشبو بھی ہو سکتی ہے [illegible] بھی...... یہ کچھ قسامِ ازل کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور زیادہ کچھ انسان کی اپنی سوچ طینت اور

کرم و کرامات کا شاخسانہ بھی...... اگر آپ صاحبِ حس و ذکاء ہیں تو محسوس کیا ہوگا کہ آپ سے ہاتھ ملا والا معانقہ کرنے والا یا قریب نشست اختیار کرنے والا آپ کو نامحسوس سی طمانیت یا انجانی سی بہجت سے آ کر گیا ہے...... بھینی بھینی خواب آگیں سی مہک نے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ آپ اس شخص سے صرف بات کر ہی نہیں بلکہ اس کی قُربت کے خواہش مند بھی ہوتے ہیں۔ اسے اپنی نگاہ کا محور بنا لیتے ہیں...... جبکہ وہ آپ کا کوئی قرابت دار یا جاننے والا بھی نہیں ہوتا۔

اسی طرح بہت سے ملنے والے قریبی رشتہ دار یا آس پاس کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا تصور بھی آپ کے لیے سوہانِ روح ہوتا ہے۔ ان کی قُربت سے طبیعت میں خلجان پیدا ہوتا ہے اور فی الفو آپ کو بدبُو کا احساس ہونے لگتا ہے۔

کچھ مخصوص ہستیوں کے ہاں یہ صلاحیتیں چنداں زیادہ ہی ہوتی ہیں...... ان کی ظاہری باطنی حسیں اتنی شارپ اور شاندار ہوتی ہیں کہ سایہ، سراپا، سروپ، ساعت، سانچ اور ساز جیسے پڑھنے دیکھنے اور سمجھنے میں انہیں شمہ بھر دقت نہیں ہوتی...... اُڑتا پرندہ، بیٹھا چلتا کھڑا انسان پشو ان کے سامنے کھلی کتاب اور بولتے حرف کی مانند ہوتے ہیں...... بدلتے موسموں کے تیور، افلاک کی گردش [illegible] کی لگن، پنہاں [illegible] بھیتر کے بھید بھا ساگروں سمندروں پہاڑوں جنگلوں کے اسرار سب ان پہ واشگاف ہوتے ہیں...... یہی برگزیدہ ہستیاں ہو ہیں جو قادرِ مطلق کے ہاں خلیفۃ الارض ہیں...... یہی ہیں وہ لوگ جن کی بابت میرے مرشد حکیم الامت نے فرمایا ہے ؂

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مشہود الرحمن گیلانی، ڈبل غیر حاضری کے بعد جب داتا سرکار پہنچا تو میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اس سے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو وہ کچھ جواب دینے کی بجائے حسبِ معمول سر جھکا کر کہیں مراقبے میں اُتر گیا۔ نشست سمٹنے سے پہلے اُسے اپنے پاس بلایا...... حال احوال پوچھا، حسبِ معمول وہ سر اور نگاہیں جھکائے الحمدللہ الحمدللہ کہتا رہا...... یہ واحد میرا عقیدت مند بچہ تھا جو خاموشیوں کی زبان سے مجھ سے متکلم رہتا تھا...... میں نے خود ہی کہا۔

"لاؤ، مجھے پانی کی بوتل دو دم کر دوں۔"

وہ اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے بولا۔ "شاہ جی نے کہا تھا، اب میرے لیے پانی لانا چھوڑ دو...... افاقے کی کوئی صورت نہیں اتنی دُور سے بوجھ اٹھا کر لانے کا کیا فائدہ؟"

میں نے چند ثانیے اس کی بات پہ غور کرنے کے بعد پوچھا۔

"شاہ جی' کون ہیں اور لفافے 'فائدے والی کیا بات ہے؟"

کچھ ساعتیں پس و پیش کرنے کے بعد ایک لفافہ میرے پاؤں کے پاس دھرتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا جی! میں نے اپنی غیر حاضری کی وجہ اور اپنے بڑے بھائی مسعود الرحمٰن گیلانی کی پریشانی تفصیل کے ساتھ تحریر کر دی ہے...... آپ برائے مہربانی اس مہمل سی تحریر کو پڑھنے کی زحمت فرما لیجیے گا۔"

میں نے اس موٹے سے لفافے کو ہاتھ سے تولتے ہوئے کہا۔

"میرے بچے! پڑھنے لکھنے سے تو میں پہلے ہی بہت عاجز ہوں اور نہ ہی میرے پاس اتنی فرصت ہوتی ہے۔ مناسب سمجھو تو مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دو۔" وہ خجل سا کہنے لگا۔

"بابا جی! بیان کرنا بھی چاہوں تو تیقن سے تمام حالات و واقعات بیان نہ کر سکوں' آپ کے روبرو میری زبان کھلتی ہے نہ آنکھ اٹھتی ہے اور آپ کے قیمتی وقت کا بھی احساس......"

میں نے اُسے اذنِ رُخصت دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے دُرست کہا ہے لیکن یہ بھی دُرست ہے کہ میں اس قسم کے خطوط نہیں [illegible]...... مختصر سا [illegible] ہے"

اس کے لاہور پہنچنے میں ابھی بیس روز باقی پڑے تھے کہ اس نے ٹیلیفون پہ سلام دعا کے بعد ڈرتے جھجکتے ہوئے دریافت کیا کہ میں نے مختصراً اس کے کاغذات ملاحظہ کیے یا نہیں...... ظاہر ہے میں نے اس کا لمبا چوڑا [illegible] اس قسم کی تحریروں والی فائل میں بن پڑھے ہی رکھ دیا تھا کہ مہینے بھر کا وقفہ ہے کسی وقت فرصت میں دیکھ لوں گا۔ میں نے مصروفیت کا بتا کر کہا کہ ابھی میں اُسے نہیں دیکھ سکا...... انشاءاللہ جلد دیکھ لوں گا...... تمہارے بڑے بھائی کا بتاؤ وہ اب کیسا ہے؟...... ویسے میں نے اس کے لیے دُعا کر دی تھی۔

"بابا جی...... میں پنڈی سے بول رہا ہوں...... صورتِ حال بڑی آزمائش کُن ہے۔ ہم سب یہاں [illegible] تشویش ناک اور پریشانی کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں...... آپ سے دست بستہ دُعا کی التجا ہے۔"

میں اس کی گفتگو کے اندر چھپے ہوئے کرب کو بڑی اچھی طرح محسوس کر رہا تھا...... میں جانتا تھا وہ بے حد تحمل والا بچہ ہے یقیناً وہ کسی بھیانک اُفتاد میں گھرا ہوا ہے۔ دریں صورت وہ کبھی اس انداز میں دُعا [illegible] نہ کہتا۔

میں نے قدرے وقفہ لینے کے بعد بڑے کج سے پوچھا۔

"بچے! اللہ رحم کرے، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جب معاملہ امکانی تدابیر سے آگے نکل جائے پھر مشیت ایزدی پہ توکل کرنا چاہئے...... یقیناً اللہ کریم بھی کسی کو اس کی جسمانی، رُوحانی استطاعت سے زیادہ آزمائش میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا۔ مختصر الفاظ میں اپنی پریشانی بتاؤ۔"

جواب میں وہی ہچکچاہٹ، ممیاہٹ......!

میں نے زچ ہوتے ہوئے جھلا کر کہا۔

"سیدھی طرح بات کرنی ہے تو کرو، دریں صورت ٹیلیفون بند کردو۔"

وہ جیسے بغل میں منہ ڈالے بات کر رہا تھا۔

"بابا جی! اگر آپ سے بات کرنے کا یارا ہوتا تو لکھ کر کیوں پیش کرتا...... اور یہ قصہ تو ویسے بھی بتانے سُنانے لائق نہیں...... بابا جی! سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں...... اللہ حافظ کہہ کر اس نے ٹیلیفون بند کر دیا...... میں کئی بوجھل لمحے بند ٹیلیفون کان سے لگائے اس کی بات کی سنگینی پہ غور کرتا رہا۔

اس دن میں نے پہلی فرصت میں اس کے دیئے ہوئے ورق مطالعہ کے لئے نکالے...... بڑی عمدہ نستعلیق اور منقش سی تحریر تھی۔ ایسی تحریریں منشی عالم فاضل قسم کے مدرس، مہتمم وغیرہ لکھتے ہیں...... معمولی پڑھے لکھوں [illegible] نہیں [illegible] تھا۔

"محترم المقام بابا جی! السلام علیکم"

اللہ پاک آپ کے درجات بلند فرمائے۔ گزشتہ ماہ، معمول کے مطابق میں سرکار ہجویرؒ کے قدموں میں بوجوہ حاضر نہ ہوسکا۔ اس طرح آپ کی زیارت [illegible] سے بھی محروم رہا لیکن یقین فرمائیں کہ میں غیر حاضری کے باوجود باطنی طور وہیں پہ موجود تھا...... بابا جی! میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں اس اپنی گھریلو پریشانی کو کس طرح بیان کروں...... گو اس کا تعلق میرے بڑے بھائی مسعود الرحمٰن گیلانی کی ذات سے ہے تاہم اس کے بہت گہرے اثرات بالواسطہ میری ذات پہ بھی مرتب ہیں۔ میں تو کسی نہ کسی طور برداشت کر لیتا ہوں لیکن ہمارے ضعیف العمر والدین اور بھائی صاحب کے بیوی بچوں کے لئے یہ اذیت مسلسل ناقابل برداشت ہے۔ بھائی صاحب ایک ایسے ناگہانی اور ناقابلِ فہم و شنید آزار میں مبتلا ہیں کہ وہ نہ تو جیتوں میں ہیں نہ مُردوں میں...... ہم انہیں دن رات کے کسی لمحے اکیلا نہیں چھوڑتے کہ وہ ماضی میں کئی بار خودکشی کی ناکام کوشش بھی کر چکے ہیں۔ اب بھی وہ اسی جستجو میں رہتے ہیں کہ کہیں موقع ملے اور وہ اپنا قصہ پاک کر جائیں۔"

یہاں تک کا مضمون صرف ایک قرطاس پہ تھا۔ اس سے آگے اسی طرح کے کئی صفحے تھے جنہیں پڑھنا اب میرے لئے بہت مشکل تھا کہ میں کسی کے اندوہناک حالات مسلسل ایک نشست میں سُننے پڑھنے کا متحمل

تھی ہو سکتی —— جتنا کچھ میں پڑھ چکا اُسی پہ کُڑھتے ہوئے غور کرنے لگا...... بقیہ اوراق میری گود میں دھرے تھے اُسی حالت میں پڑے پڑے نہ جانے کس اُونگ بُونگ میں بُور کے لڈو بٹنے لگا۔

بڑی لمبی چوڑی زمینیں...... جہاں مکئی' جَو' جوار...... پھل پھول اور خُوب ہری بھری سبزیاں اُگا کرتی تھیں —— یاک اور بھیڑ بکریاں' دودھ' گھی مکھن کی فراوانی...... گھریلو ملازم' حویلیاں اور بڑے بڑے باڑے۔ باغیچے اور مرغزاروں میں کھلیارے...... اِدھر کے قدیمی متموّل صاحبِ حیثیت گیلانی سادات سے تعلق تھا —— کئی نسلوں سے اِن دُشوار گزار پہاڑوں کی دِلآویز وادیوں گھاٹیوں اور نباتات سے آسودہ آڑھے ترچھے رستوں میں —— موتی برساتے جھرنوں اور کرنوں کے جھالے جھلاتے آبشاروں کی جلو میں سادگی اور ناآشنائی کی خلوص بھری زندگی بسر کر رہے تھے...... گیلانیوں کا یہ گھرانہ شاید محدودے چند گھرانوں میں سے ایک تھا جو قدیمی انداز کی دینی تعلیم و تدریس کے علاوہ عصری تعلیم کے تقاضوں کو بھی سمجھتا تھا...... چنانچہ سیّد غلام قادر گیلانی نے اپنے دونوں بیٹوں مسعود الرحمٰن گیلانی اور مشہود الرحمٰن گیلانی کی دینی اور دُنیوی' دونوں انداز کی تعلیم پہ خصوصی توجہ دی...... ہزار مشکلوں اور جان ماریوں کے بعد دونوں [illegible] اُن چند مخصوص تعلیم یافتہ گھرانوں میں سے تھے جو اپنے علاقے کی تہذیب و تمدن' روایات و ثقافت اور [illegible] قدروں کے بھی امین تھے اور جنہوں نے علاقائی سیاست و نقابت' فلاح و بہبود اور علمی' فکری پسماندگی کے لیے بھی بڑا موثر و مربوط کردار ادا کیا۔

والد صاحب جب عملی طور پہ وظائفِ زندگی سے علیحدہ ہوئے تو خاندان کی تمام ذمہ داریاں مسعود الرحمٰن گیلانی کے کندھوں پہ آ پڑیں [illegible] اپنے علاقائی روایاتی طرزِ معاش سے ہٹ کر جدید انداز و طریق سے کاروبار کی ٹھانی۔ پٹرول پمپ بنایا' گھی تیل آٹا کی ایجنسیاں حاصل کیں —— چھوٹا مشہود الرحمٰن گیلانی چونکہ کنوارہ تھا' سیر سپاٹے کا شوقین اور کاروباری سوجھ بوجھ بھی بدرجۂ اَتم رکھتا تھا لہٰذا لین دین اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں بیشتر وقت شکردرّے سے باہر ہی رہتا۔ اس نے اپنا کاروباری پروگرام کچھ اس طور وضع کیا ہوا تھا کہ نئے چاند کی پہلی جمعرات وہ بہرصورت داتا نگری' سیّد علی ہجویری کی چوکھٹ اقدس پہ حاضری دیتا' فاتحہ تلاوت اور تسبیح و تہلیل کے بعد کچھ وقت میری صحبت میں آ بیٹھتا۔

درویشوں' فقیروں' مجذوبوں اور بابوں کے اردگرد بیٹھنے' کھڑے ہونے والے لوگ بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ اکثر تازہ یعنی از قسم کُرید و مُرید و ہوتے ہیں۔ کھڑے بیٹھے گھورتے رہیں گے' پاس نہیں پھٹکتے کہ دُور سے نظارہ کرتے ہیں۔ جیسے سینما ہال کے باہر غریب غُربے' ایکٹروں کے قد کی بڑے بڑے بینر اور

فوٹو سیٹ ہی دیکھ کر اپنا رانجھا راضی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ رُوحانی بھونڈ بھی ہوتے ہیں…… یہ باطنی مقامات کے اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا' تاش' شطرنج یا گنجفہ کی چوپال جمی پڑی ہے اصل کھلاڑی تو دو چار ہوتے ہیں مگر ملاحظیئے اور مشیر و مندوب زیادہ ہوتے ہیں۔ بابوں کی چوپال میں باادب و باامر دو چار دانے ہی ہوتے ہیں۔ باقی اکثر شبراتیئے' رمضانیئے یا عیدو قسم ہوتے ہیں' جو کمیٹیوں' لاٹریوں کے نمبروں کی تلاش میں ہوتے ہیں یا پھر ویزوں' امیگریشن کے چکروں' لڑکیوں سے کے افیئر چلانے والے…… کچھ قرضوں اور کاروباری اُلجھنوں میں جکڑے ہوئے…… یہ سب برساتی کی طرح ہوتے ہیں کہ حالات کے موسم میں کہیں ہلکی سی گرمی سردی آئی تو یہ چڑھ دوڑے مزاروں اور فقیروں کے ڈیروں پہ……اور جونہی حالات میں بہتری آئی تو پھر وہی پہلی سی بیگانگی۔

جیسے کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ یہ چھوٹا مشہودالرحمٰن گیلانی کم از کم ایسا نہیں تھا۔ اس کے ولی نے تو کبھی مجھ سے اڑھائی اکھروں سے زیادہ بات ہی نہیں کی تھی…… آنکھ جھپک سے اوپر نہیں ملائی تھی۔ بن پہلو بدلے وہ یوں تہہ ہوئے قعدے میں پڑا رہتا جیسے یہ دُنیا و مافیہا سے پرے دھیانی گیانی

مسعودالرحمٰن گیلانی کو اپنے چھوٹے بھائی سے زہد و تقوٰی' ادب و بردباری کے معاملہ میں آگے ہونا چاہیئے تھا مگر بد قسمتی سے ایسا نہیں تھا…… کارمختار اور بڑا ہونے کے زُعم اُس میں کچھ خودسری خود پسندی آ گئی تھی…… فرشتہ سیرت باپ کے بیمار ہونے کے بعد خاندانی رُوحانی سلسلے کی باگ ڈور جب کے ہاتھ آئی تو قدو قدر میں مزید [illegible] جو نخوت و نمود نے بھی سیاست وقیادت نے بھی طاقت وطمع میں اک چمک چوندھ پیدا کردی تھی…… بس یہیں توازن بگڑ گیا۔ رہی کسر عیش پسند احباب نے پوری کر دی…… مسعودالرحمٰن گیلانی راہِ راست سے اُتر کر عشرت وغُزلت کی کھائیوں کی جانب بڑھنا شروع ہو گئے۔ شراب وکباب کے ساتھ طاؤس و رُباب اور یہیں سے حسن و شباب لیعنی ان سب کے ڈانڈے آپس میں ملتے تھے۔ خاندان سے ہی اک قبول صورت سادہ سی بیوی جُڑی تھی جس کی گود میں دو پھول سے بچے' باپ کی صورت اور شفقت کے لئے ترسے ہوئے تھے…… اپنی سماجی اور کاروباری مصروفیات کی آڑ میں کئی کئی شب و روز گھر سے غائب رہنا اک معمول بن چکا تھا…… کاروبار اچھے بُرے کارندوں کے سپرد تھے۔ جو مالک کی عیش کوشی اور عدمِ توجہ کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے لُوٹ رہے تھے…… مشہودالرحمٰن گیلانی' باپ کی جگہ کھڑے بڑے بھائی کی ہر حرکت سے واقف تھا۔ کئی حدِادب میں رہتے ہوئے بھائی کی غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ مصروفیات پہ تشویش کا اظہار بھی کر چکا تھا

بھائی کے آگے چھوٹا بھائی ہونا' نری ذلت ہوتا ہے۔ منہ کھولو تو سوائے جھاڑ پھٹکار' کچھ حاصل بھی جواب ملتا...... تُو اپنے کام سے کام رکھ۔ مَیں خوب جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور تو مہینے کے پچیس دن باہر رہتا ہے۔ یہاں مجھے اچھے بُرے سب سے صاحب سلامت رکھنی میں زندہ رہنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا...... ویسے بھی سیاسی اور کامیاب لوگوں کے دشمن تو اِدھر اُدھر کی باتیں نہ سنا کر...... مشہود الرحمٰن گیلانی کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ بھائی ہے اُن راہوں کے آگے تباہی بربادی اور رسوائیوں کی گہری کھائیاں ہیں...... وہ اپنی ننھے ننھے بچوں کو جھوٹی سچی تسلیاں دیتا رہتا...... اور اپنے کاروباری سفر کے دوران ہر اُس دکھائی دے جاتا...... لاہور داتا صاحبؒ کا دَرِ اقدس تو اس کی اِلتجاؤں کا آستانہ تھا۔

کہتے ہیں۔ معصیت اِک اترائی ڈھلوان کا سفر ہوتا ہے۔ جو ایک بار یہ راستہ اختیار کر اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ لاکھ چاہے تب بھی قدم جما کر ٹھہر نہیں سکتا بلکہ اپنے بوجھ ہے...... جبکہ عبودیت اِک چڑھائی یعنی اُٹھان کا سفر ہوتا ہے۔ جو اختیار [illegible] جو ہمت کا کام اس پہ چل نہیں سکتا...... پیچھے دھکا [illegible] آگے کھینچنے والا نہ ہو تو [illegible] کر چکنا چور چھوٹا بھائی [illegible] سے اوپر کھینچ بھی کوئی دھکا لگانے والا موجود ہوگا۔ جبکہ بڑا بھائی ڈھلوان سے لڑھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔

کی کاروباری میں چاروں عیب شرعی داخل ہو چکے تھے۔ [illegible] جوا تو خیر معمولی چیز تھی شغل میلہ...... [illegible] اب رہا حُسن و شباب...... تو اس وحساب کی ضرورت ہوتی ہے...... جن بدنصیبوں کو کھانے پینے میں باہر کے چسکے لگ جائیں روٹی زہر لگتی ہے۔ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں فحاشی نہ ہونے کے برابر...... مقامی لوگ' شرم و حیا کا یہاں تصور تک نہ تھا۔ لہٰذا پنڈی' پشاور اور لاہور تک سے بے حیا' عصمت فروش عورتیں ۔ زنا' جھوٹ اور ناشکری' روزی رزق کو کھا جاتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے جنہیں کچھ ایسا لگتا ہے کہ یہ علّتیں انہیں راس ہی آ گئی ہیں یا شاید قدرت ان کی رسّی دراز کر دیتی ہے اور بے خبر اپنی جوانی مستی اور دولت طاقت کے زعم میں برابر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں...... جہاں ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا ان کی ڈھیلی رسّی اچانک کھینچ لی جاتی ہے۔ ان کی اور رعونت کا سارا کاروبار چھپکلیوں کا فضلہ بن کر عبرت و کراہت کا سامان بن جاتا ہے۔

مسعود الرحمٰن گیلانی اور اس کے بدقماش دوستوں نے اپنی عیاشی کے لئے کئی ایک خفیہ ڈیرے بنائے

ہوئے تھے۔ عام آبادی سے دُور پہاڑوں کی محفوظ غاروں میں ہر ممکنہ آسائش وسہولت سے آراستہ طرح کے کوٹھی خانے تھے۔ معزز مہمانوں اور سیاحوں کے رُوپ میں یہاں بڑے بڑے شہروں سے مُجرے والی طوائفوں اور گانے بجانے والوں کا آنا جانا لگا رہتا...... ہپّی ٹائپ کے ہتھّل لتھّل جوڑوں کی عادی میموں کی چرس چانڈو کی ضروریات پوری کرکے انہیں عیاشی وفحاشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یہاں منشیات کا ہلکا پھلکا دھندا بھی ہوتا تھا۔

آج کل دُنیا میں عجیب وغریب فلمیں بن رہی ہیں۔ ان کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔ دیکھنے والے پھاڑے دیدے ٹکائے، دھک دھک دِل دھڑکائے، دہشت ووحشت زدہ سے فلم دیکھتے رہتے ہیں۔ بھوت سے بنے یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ یہ کیا تھا...... کدھر تھا اور کیوں تھا؟...... یہ سوچتے سوچتے وہ فلم کا ایک کردار محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ایک دو تین چار پانچ چھ ماہ...... اس طرح کی مافوق العقل و ماورائے فطرت وجبلّت غیر منطقی آغاز وانجام والی ہیجان خیز فلمیں دیکھنے کے بعد بندہ بندے کا پتر وہ ایک شیطانی چرخہ سا بن جاتا ہے...... انسانیت اور رُوحانیت تو کہیں غائب ہونا شروع ہو جاتی ہے کی جگہ ابلیسیت اور دیوثیت دَر آتی ہے...... پھر ذہنی، قلبی، جسمانی، جنسی اور رُوحانی عوارض اس بد اپنی آماجگاہ [illegible] کا ٹونے بازی...... بازاری قسم کی جنسی قوت بڑھانے والی اشتہاری دوائیں اور دَر دَر کی لعنتیں اور ٹھوکریں مقدر بن جاتی ہیں [illegible] طرح یہ با اختیار، صاحبِ حیثیت متمول لوگ جب تن آسانی اور عیش کوشی میں ہیں تو پھر کوئی بے اعتدالی بے راہ روی اور بے حیائی بے غیرتی، اُن کی آخری حد نہیں ہوتی وہ چھلانگ پہ چھلانگ پھلانگتے ہی چلے جاتے ہیں...... پھر ایک ہی کوئی چھلانگ ان کی آخری چھلانگ ٹھہرتی ہے۔ جس کے گوڈے رہتے ہیں اور نہ گِٹّے...... یہی کچھ چند نا آسودہ اور اندھے لمحوں میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔

مارتھا مرسڈیز! بون، جرمنی کی رہنے والی، بیس بائیس برس کی نیلی آنکھوں والی، چھبیلی سی اک تھی...... بون یونیورسٹی سے اُس نے مشرقی اقدار و عُلوم میں تحصیل کرنے کی ٹھانی...... پتہ نہیں کیا خنّاس میں سمایا کہ اس نے اچانک پاکستان، خاص طور پہ شمالی علاقہ جات کی تعلیمی معلوماتی سیاحت کا فیصلہ بون میں پاکستانیوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے...... ہر نوع کے لوگ، پڑھے لکھے۔ ہنرمند، کاروباری معمولی محنت کش بھی...... کچھ بھلے لوگ تعلیم وتحقیق کے میدان میں بھی تھے۔ تعلیم کے زمانے میں اُس کا یونیورسٹی فیلو اورنگ زیب تھا...... جو ایبٹ آباد کے ایک متمول، آسودہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اورنگ

[illegible] تھا— تخلص' آنکھ اُن کا حیادار' جامہ زیب اور جاذبِ نظر...... انہی اُوصاف کی بناء پہ وہ مارتھا [illegible] میں گھسا بیٹھا تھا۔ مگر وہ یہاں صرف تحصیلِ علم کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس کے پیشِ نظر صرف اپنا [illegible] میم' گوری کو پھنسا کر یہاں کی شہریت حاصل کرنا...... وہ خاصا عرصہ قریب رہ کر یہ محسوس کر چکا [illegible] خیالات کی لڑکی نہیں۔

[illegible] کھاتے پیتے اور روشن خیال گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ خدا جانے وہ کیوں اور کس طرح [illegible] تمدن سے متاثر ہوئی تھی۔ خاص طور پہ شمالی علاقہ جات' یہاں کا رہن سہن' رسم و رواج' موسیقی' [illegible] کھانے کھاجے...... ان علاقوں کے متعلق' اس نے ڈھیروں لٹریچر اکٹھا کر رکھا تھا...... اور شاید [illegible] سے غیر معمولی دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اُس کا تعلق بھی اسی خطۂ ارض سے تھا...... ویسے تو [illegible] میم پہ پیدا ہوا مگر [illegible] تھی...... اورنگ زیب خان [illegible] سے پہلے ہی اُس کا رجوع اسلام کی طرف تھا...... دیگر ادیان و مذاہب کی الہامی' مذہبی کتابوں [illegible] الحمید کا مطالعہ بھی مکمل کر لیا ہوا تھا...... نماز' روزہ اور دیگر مناسب و ارکان [illegible] سے بھی خاصی [illegible] بس اگر کوئی کسر تھی تو وہ باضابطہ مسلمان [illegible] رہ گئی تھی۔ اورنگ [illegible] کے روپ [illegible] بے حد کارآمد [illegible] یہ تھی کہ وہ اسے اپنے دل اور رُوح کے قریب محسوس ہُوا...... یہی وجہ تھی کہ اس نے [illegible] طرح معاونت کی تھی۔

[illegible] زیب خان کا [illegible] پسند اشرافیہ سے تھا [illegible] وہ لیئے دیئے میں رہنے والا [illegible] شخص اپنے کام سے مطلب رکھنے والا۔ دیکھا ہے کہ ایسے سنجیدہ طبع لوگوں کی انا بڑی تیکھی ہوتی [illegible] سی نرگسیت یا اکھڑے سے غرور کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ کیا کہیے کہ اس کی یہ خامی بھی [illegible] میں اک خوبی ٹھہری تھی۔

[illegible] زیب خان' اس کی آنکھوں میں تیرنے والے لگاوٹ کے ترمروں کو محسوس کرتا تھا۔ اس [illegible] کے لئے سراپا سپاس تھا...... بحیثیت ایک ساتھی' خوبرو دوشیزہ کے بھی وہ بصد قبول تھی...... اس [illegible] صاف ستھری عادات...... پاکستان اور دینِ اسلام سے محبت بھی قابلِ ستائش تھی...... مگر ان [illegible] کے باوجود اس نے اپنے اور اُس کے درمیان ایک سدِ حرمت و احترام اُٹھا رکھی تھی...... اس نے [illegible] سے پیش قدمی کا تاثر نہیں دیا تھا اور نہ ہی کبھی اس کے سامنے خود کو ایک ماورا انسان کے [illegible] صوم و صلوٰۃ کا پابند کٹر مسلمان بننے کا سوانگ رچایا تھا۔ نہ اشارے کنایے سے بھی کبھی کوئی ایسی

آس اُمید دلائی تھی جس سے مارتھا ''جواب آں غزل'' سمجھ لیتی......!

کمال کا کمال کہ چار سال کا عرصہ دیکھتے ہی دیکھتے بیت گیا اور دونوں اپنی اپنی جگہ پہ قائم اپنا بھائی ہوتا تو کم از کم چار بچے اور کئی بار طلاق بھی ہو چکی ہوتی...... جیسے گیا تھا ویسے کا ویسا ڈگری لے لوٹ آیا۔ ایئر پورٹ پہ رُخصت ہوتے ہوئے نہ کوئی وعدہ، نہ کوئی آنسو ہچکی...... اور الوداعی بوسے کا ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... ہلکی سی میمنت بھری مسکراہٹ کے تبادلے کے بعد، دونوں اپنی اپنی راہیں گئے...... ایسے کہ کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

وہ دونوں شاید اپنی اپنی اَنا کے غلام تھے۔ عورت اندر سے بڑی نازک سی چیز ہوتی ہے۔ پندارِ ذات کا بڑا دھیان ہوتا ہے، وہ لاشعوری طور پہ اس اَمر پہ ایمان رکھتی ہے کہ کائنات کا سب سے خوبصورت اور اعلیٰ اثاثہ اس کے پاس محفوظ ہے...... وہ اسے بہت سینت کر رکھتی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ عورت کی سنبھالی ہوئی اس دولت کو آپ اس کی عصمت عزتِ نفس کہہ لیں یا چاہت، پیار وغیرہ...... یہ بھی افشا ہوا کہ عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کا چاہے احساس یا خواہش ہے...... وہ سب کچھ سہہ لینے کا جگرا رکھتی ہے مگر کوئی اس کی محبت یا وفا کو نظر انداز کرے اس کی برداشت [illegible] اسی وقت ہے جب کوئی اسے یہ احساس دلا دے کہ وہ اس کی نظر میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ عورت اپنے حسن کسب وکمال، حسب ونسب کی اہمیت کو چنداں ایسا اہم نہیں گردانتی۔ وہ تو اپنی جنس کے حوالے والی اہمیت سمجھتی ہے...... حسن وجمال، ابھرتے ذوق و شوق...... کسب وکمال، حسب ونسب وغیرہ تو قوسِ قزح کے رنگوں کی چھل بل...... مکمل عورت تو نسائیت (جنس) کے کچے رنگوں سے رنگی چھتنگی ہوتی ہے...... بس اپنی نسائیت کی توہین برداشت نہیں......!

یہاں اَورنگ زیب خان اور مارتھا مرسیڈیز والے قصے میں بھی شاید یہی کچھ تھا۔ مُڑ کے دیکھے وہ ایئر پورٹ سے نکل گئی اور وہ بھی اپنی اَزلی بے اعتنائی سے بورڈنگ لاؤنج کی جانب بڑھ گیا تھا۔ مُڑ مُڑ دونوں جانب رہی ہوگی۔ انسان بالآخر انسان ہی ہوتا ہے پتھر تو نہیں...... چند برس ہی کی ساتھ کی رفاقت تو تھی۔

راستے میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہی تھی...... خان نے رُخصت ہوتے سمے کوئی اُمید جھوٹی تسلی تک نہ چھوڑی۔ یوں ہاتھ چھڑا گیا جیسے کوئی اجنبی تھا...... کیا مسلمان، پاکستانی ایسے ہی ہوتے ہیں اپنے کام سے کام رکھنے والے یا مطلب پرست...... اُس نے ایک لفظ، شکریہ تک کا منہ سے نہ نکالا

[illegible] شرافت ذات' نسائیت ہر چیز کو اُلانگتا پھلانگتا آگے بڑھ گیا۔

[illegible] مختلف جنسوں کے درمیان کوئی بھی رشتہ یا تعلق ہو' کہیں نہ کہیں جنس ضرور کارفرما ہوتی ہے اور [illegible] کسی نہ کسی سطح پہ ظہور پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتے...... اور اگر کہیں نہیں ہوتے تو وہ یقیناً کوئی [illegible] ہوں گے...... عورت' عورت ہی اور مرد' مرد ہی ہوتے ہیں۔ خواہ اُن کا تعلق کسی بھی رنگ' نسل' [illegible] یا مشرق و مغرب سے ہو...... جذبات و احساسات' جنسی جبلی رویے۔ غم' غصہ' پیار' اظہار تو سب [illegible] سے ہی ہوتے ہیں۔

[illegible] پہ اس کا دماغ مختلف نوع کی باتوں' سوچوں اور خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ایسے ہی اُس کی [illegible] تھی تو وہ خان کی اس طور بیگانگی اور سرد مہری پہ اک نئے زاویہ نگاہ سے غور کرنے لگی...... دماغ اک [illegible] کی مانند' رواں وقت کے بازیگر کے ہاتھوں گردش پذیر تھا۔ گمان گزرا شاید یہ انداز بھی [illegible] کی شخصیت کا کوئی انوکھا سا زاویہ ہو۔ انسان بھی شاید کسی تراشیدہ یا ناتراشیدہ گوہر کی مانند ہوتا [illegible] تو کہیں' مخروطے' مسدسے' مثلثے...... ظاہر باطن کئی کئی رنگ انگ' مختلف مزاج' اثرات [illegible] گھٹتے اور ابھرے...... شفاف اور داغدار [illegible]...... نہیں کب [illegible] اور کہاں کچھ [illegible] عجیب [illegible] بہت جلد یہ سب کچھ اپنے [illegible] نکال پھینکا۔

[illegible] روز خلافِ توقع خان کا ٹیلیفون آ گیا کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گیا ہے...... اس نے شکریہ بھی [illegible] کیا۔ آج پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ تم جرمنی میں ہو اور میں پاکستان میں۔ اپنا خیال رکھنا! ٹیلیفون [illegible] دیر رسیور تھامے انتظار کرتی رہی شاید وہ کچھ مزید کہے گا۔

پانی کا قطرہ یا ریت کا ذرہ' بظاہر بڑے معمولی اور غیر اہم دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ذرا سا دھیان بدلو اور [illegible] پانی دریا اور ذرے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ چند ساعتوں کی اُونگھ کے بعد آنکھ کھولو تو وقت کا پنچھی کئی [illegible] پیچھے چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح کئی صبحیں اور کئی شامیں بیتاتے دو برس آ گئے تھے...... ٹیلیفون پہ [illegible] یا وہ بھی چند رسمی جملے...... ''کیسی ہو؟ پڑھائی کر رہی یا کوئی جاب؟ اپنا خیال رکھنا'' ...... یہ بھی کوئی [illegible] تھیں؟ آخر ایک دن اس نے ''مژدہ'' سنایا کہ پچھلے ہفتے اس کی شادی ہو چکی ہے...... ماں سخت [illegible] بچنے کی کوئی امید نہیں تھی...... اس کی آخری خواہش کے احترام میں میرا نکاح پڑھوا دیا گیا...... ٹیلیفون [illegible] بھی کہ اب تم بھی شادی کر کے گھر بسا لو...... اس نے یہ سب کچھ یوں کہہ دیا جیسے بتا رہا ہو...... [illegible] گرمی کی وجہ سے میرے چہرے پہ گرمی دانے نکل آئے تھے۔ میں نے فلاں کریم استعمال کی' جس

سے مجھے افاقہ ہوا' تمہارے چہرے پہ بھی دانے نکلتے رہتے ہیں۔ تم بھی یہ کریم استعمال کر کے دیکھو
حسبِ معمول' خان کی یہ اطلاع بھی معمول کی ایک واردات گردان کر دل میں ''داخلِ دفتر'' کر دی۔

ایک دن' اس نے بھی اُسے اطلاع کر دی کہ ہفتہ کی صبح ۷ بجے اسلام آباد پہنچ رہی ہے۔ پا
موسم بہار اُترا ہوا ہے ...... تیز رَو' شوریدہ دریا خوب دُھومیں مچا رہے ہوں گے۔ جھرنوں اور آبشا
بوچھاریں اُڑائی ہوں گی ...... خوش نوا پرندوں کی چہکاروں نے اِک سماں باندھا ہوگا ...... جگنوؤں کے
اُترے ہوں گے ...... خوش رنگ گُلوں کی نکہت بیزیاں عروج پہ ہوں گی وغیرہ وغیرہ ...... اور میں
لے کر آ رہی ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے تم مجھے اپنے رُوبرو پا کر پھولے نہیں سماؤ گے ...... میں تمہارے
کیڈبری اور سوئس چاکلیٹ اور تمہاری پسندیدہ کافی کا وافر سٹاک لے کر آ رہی ہوں۔

امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلی تو ایک بے ہنگم انسانوں کا ہجوم جیسے اُسی کا
شور غوغا' بھانت بھانت کی آوازیں' آنکھوں میں تندیدگی ...... ہر کوئی اس کی جانب لپک رہا ہے
رکشے اور ہوٹل والوں نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ عجیب وغریب قسم کی انگریزی میں اُسے
خدمات پیش کر رہے تھے۔ ایک آدھ نے تو اس کے سامان والی ٹرالی پہ بھی ہاتھ رکھ دیا تھا ...... وہ سٹپٹا
کچھ سمجھ نہیں [illegible] پہ [illegible] رہی تھیں
وہاں ہوتا تو نہیں دکھائی دیتا ...... اسی شد و مد میں جب کچھ وقت گزر گیا تو اُس نے صورتِ حال کو سمجھنے
کی۔ اس کی سمجھ میں آیا کہ خان یا تو لیٹ ہو گیا ہے یا پھر کوئی ایسی ناگہانی واقع ہو گئی ہے کہ وہ یہاں
پہنچ سکا ...... اچانک اُسے برٹش ایئرویز کی [illegible] ہوسٹس اور دیگر عملہ دکھائی دیا۔ اس نے فوراً آگے
اُنہیں اپنی پریشانی سے آگاہ کیا ...... اُنہوں نے اس اکیلی لڑکی کو ایسے واہیات لوگوں کے نرغے میں پھ
فوراً اس کے پاس پہنچے ...... صورتِ حال کو جان کر' اُسے اپنے ساتھ ہی ہوٹل لے گئے۔ مشورہ دیا کہ
ایک اکیلی لڑکی کا پاکستان آنا کچھ مناسب اقدام نہیں۔ یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے ...... زبان کا مسئلہ
یہاں کا کلچر بہت مختلف اور دقیانوسی ہے۔ مزید مشورہ دیا کہ یہاں کسی پہ بھی اعتبار نہیں کرنا چاہیے اگر
روز رہنے کا ارادہ ہے تو فائیو سٹار ہوٹل کے علاوہ کہیں اور نہ ٹھہرنا ...... ہوٹل کی ٹیکسیاں اور فوراً
استعمال کرنا اور کسی بھی اجنبی کے ساتھ بے تکلف ہونے سے احتراز کرنا ...... کسی بھی ناپسندیدہ صورت
نبٹنے کے لئے پولیس اور اپنے سفارت خانے سے رابطہ کرنا بلکہ ابھی اسی وقت انہیں اپنے بارے میں
یقیناً وہ تمہارا خیال رکھیں گے بلکہ یہاں تمہارے گھومنے پھرنے کے انتظامات بھی کر دیں گے۔

فوری ضروریات سے فارغ ہوتے ہی اُس نے خان سے رابطہ کیا۔ خان ایئرپورٹ پہ اُسے

[illegible] راستے میں گاڑی خراب ہوگئی تھی چنانچہ وہ ایئر پورٹ پہ دیر سے پہنچا اسی دوران مارتھا' ایئر پورٹ سے [illegible] پہنچ چکی تھی۔

اورنگ زیب ہوٹل پہنچا تو اُس کے ساتھ' بھائی اور ایک سالا تھا۔ کمرے کی بجائے یہ ملاقات' ہوٹل کے ریستوران میں ہوئی۔ خان بڑا اُوپرا اُوپرا سا جان پڑا۔ بڑے رُوکھے رُوکھے انداز میں اُس نے [illegible] کیا۔ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ طوعاً و کرہاً ایسا کر رہا ہو۔ اُس کے چہرے بشرے سے نہ تو خوشی ٹپکتی تھی [illegible] اُس کے تکلم میں کسی گرم جوشی کا شائبہ تھا۔ وہ ایک رُوبوٹ کی مانند سامنے پڑا تھا۔ رُوبوٹ میں [illegible] ہو سکتا ہے مگر اس کے پاس احساسات اور جذبات نہیں ہو سکتے...... درد اور سوز نہیں ہوتا...... وہ اسے [illegible] کے باوجود اِس وقت متعجب تھی کہ یہ ویسا ہی پتھر کا پتھر ہے...... گفتگو کے درمیان وہ بار بار اپنی [illegible] پہ نظر ڈالتا تھا...... تنگ آ کر مارتھا پوچھ بیٹھی۔

"خان! محسوس ہو رہا ہے تمہارے پاس وقت کچھ محدود ہے' تمہیں کہیں پہنچنا ہو...... اگر ایسی کوئی [illegible] باتیں اگلی نشست پہ ہو جائیں گی اور ہاں تم نے تو پوچھا ہی نہیں کہ میں ہوٹل میں کیوں ہوں اور کیوں کر [illegible] مختصراً بتاتی ہوں......"

"مارتھا! [illegible] میں اسی وقت عجلت میں ہوں۔ یہ میرا دوست افضال ہے' کالج [illegible] کا مسئلہ پھنسا ہوا ہے مجھے اسی سلسلے میں ساڑھے دس بجے محکمہ تعلیم کے ایک افسر سے ملنا ہے [illegible] اس ہوٹل میں تمہیں ہر طرح کی سہولت ملے گی...... یہ بڑا اچھا اور پُرآسائش ہوٹل ہے۔ ایئر پورٹ [illegible] کلاک گاڑی کی [illegible]...... لانڈری [illegible] ایئر لائنز کے آفس' شاپنگ مال' جم' [illegible] سوئمنگ پول وغیرہ یعنی فائیو سٹار ہوٹل کی زبردست سہولتیں......"

"مگر میں یہاں ہوٹل میں سڑنے کے لئے نہیں آئی...... میں تو ایبٹ آباد میں رہنا چاہتی ہوں...... تم [illegible] اپنے گھر کے فوٹو بھی دکھائے تھے جدھر مجھے رہنا ہے...... تمہارے پاپا' بہن بھائی اور ممی...... اور پھر تم [illegible] پاکستان' سرحد اور شمالی علاقہ جات گھمانے کا وعدہ بھی کیا ہوا ہے...... میوزیم' اسٹوپے' قلعے' پہاڑ [illegible] کے ٹو' جھیل سیف الملوک......"

اورنگ زیب خان' ایک بار پھر گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے اُٹھ کر بولا۔

"مارتھا! پلیز' سمجھنے کی کوشش کرو' میرے دوست کے کیریئر کا سوال ہے۔ تم تھکی ہوئی ہو' خوب آرام [illegible]۔ میں جلد ہی تم سے خود رابطہ کروں گا۔"

"اچھا' تم ضرور جاؤ' مگر کم از کم اپنی چیزیں تو لیتے جاؤ...... جو بطورِ خاص میں تمہارے لئے لائی

ہوں۔''

وہ پرس سنبھالتے ہوئے اٹھی۔ خان کو اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''میرے ساتھ کمرے تک آؤ اور سامان لانے میں میری مدد کرو......''

خان اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر مارتھا کے ساتھ لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

مارتھا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خان سے سوال کیا۔

''خان! تم وہی تو ہو جو جرمنی میں میرا یونیورسٹی فیلو ہوا کرتے تھے۔ جو لگ بھگ چار
صبح وشام میرے ساتھ رہے...... تم سے میں نے اسلام اور مشرق کے بارے میں بہت کچھ جانا۔ قرآن
پڑھنا سیکھا...... میں نے تمہارے وسیلے سے پاکستان کے کلچر، روایات، یہاں کے لوگوں کی ثقافتی سرگرمی
دیکھنا چاہتی ہوں، محسوس کرنا چاہتی ہوں...... جرمنی سے ادھر آنے کا کیا مقصد ہے؟ ذرا سوچو! میں
ہوں اور غیر ملکی...... تم مجھے یہاں ہوٹل میں اکیلی اور بغیر کسی تحفظ کے پڑا رہنے دوگے؟''

پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ ''مارتھا! پلیز، میں اس وقت سوال و جواب کی پوزیشن میں
ہوں۔ تم میری مصروفیات اور ادھر پاکستان کی روایات اور معاشرے کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جا
اور یہ بھی [illegible] ہمارے ہاں
حجاب میں رہتی ہیں......''

''یہ سب کچھ میں جانتی ہوں اور ایسا مجھے اچھا بھی لگتا ہے۔ اگر میں حجاب لے لوں تو پھر تمہیں
اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

وہ زچ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

''پلیز، مارتھا! ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ...... میں پھر بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ تم جانتی ہو چند ماہ پہلے
شادی اپنے خاندان میں ہو چکی ہے...... میں تمہیں بہت عرصہ پہلے جرمنی میں واضح طور پہ بتا چکا تھا ک
خاندان میں شادیاں قرابت داروں میں طے پاتی ہیں۔ یہ ہمارے قبیلے کی پرانی ریت ہے...... تم یقیناً
بہترین دوست اور محسن ہو مگر تمہارے اور میرے مابین نامحرم، مشرقی اور مغربی ہونے کی بھی ایک آڑ
ہے۔''

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کیا تمہارے میزبانی کی روایات، جن پہ آپ نازاں رہتے ہیں اور فخریہ بیان کرتے ہیں۔
کسی خاتون کے لئے بھی کوئی گنجائش ہوتی ہے یا نہیں......؟''

"یقیناً ہوتی ہے...... اگر وہ اپنے محرم کے ساتھ اور حجاب میں ہو...... تم میری بات اور مجبوری پہ ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔ تم اسی ہوٹل میں رہو...... ایک دو روز خوب ریسٹ کرو۔ میں تم سے خود رابطہ کروں گا۔"

اسی دوران دروازے پہ دستک ہوئی...... خان نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو باہر خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا اس کا سالا کھڑا تھا...... وہ اُسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم اس کے ساتھ دروازہ بند کر کے کیا باتیں کر رہے ہو...... جلدی نیچے پہنچو دیر ہو رہی ہے۔"

مارتھا نے اس شخص کے معاندانہ رویے کو محسوس کرتے ہوئے خان سے پوچھا۔

"یہ اُجڈ آدمی کون ہے؟"

خان نے جرمن زبان میں جواب دیا۔

"یہ آدمی اُجڈ نہیں...... لیکن ایک ایسی بہن کا بھائی ہے جو اتفاق سے میری بیوی ہے اور ہمارے ہاں کوئی بھائی اپنی بہن کے شوہر کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھ لے تو فوراً [illegible] کر دیتا ہے۔ [illegible] بھی اس کا ہاتھ جیب میں اور انگلی ٹریگر پہ......"

[illegible]

مارتھا مزید [illegible] اگلے چوبیس گھنٹوں میں محض تین بار اپنے کمرے سے باہر نکلی...... سونا باتھ اور جم کرنے کے لئے اور کچھ لیٹرز اور پکچر کارڈ پوسٹ کرنے کے لئے...... وہ جیسے اندر سے سہم گئی تھی۔ اس کو برٹش ایئرویز کے آفیسر کی باتیں یاد آئیں وہ جیسے خود کو یہاں غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی...... اس کے دماغ کی گراریاں حرکت میں آ گئیں۔ وہ سوچنے لگی کہ لمبا وقت اور زرِ کثیر خرچ کر کے بیرونی ممالک کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں ڈگریاں حاصل کرنے کا کیا فائدہ کہ انسان اپنی ذہنی گراوٹ اور فکری پس ماندگی سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ اپنی سوچ کی بے راہرویوں سے رستگاری نہ پا سکے۔ ایسی تعلیم سے تو کہیں بہتر ہے کہ ایسے قدامت پرست اور تیرگی پسند افریقہ کے جنگلات میں چلے جائیں جہاں آج بھی ایسے قبائل موجود ہیں جو حسین و جمیل، متناسب الاعضاء اور کشیدہ قامت عورت کو چڑیل سمجھتے ہیں...... سورج کی ترچھی کرنوں کو اپنے جھونپڑوں میں اُترنے نہیں دیتے کہ ان کے ساتھ دشمن قبیلوں کی جادوگرنیوں کی روحیں لپٹتی ہوئی گھس آتی ہیں۔ غیر قبیلے کی کوئی عورت ہاتھ لگ جائے تو اس کی ناک کے اندرونی بانسے میں جنگلی سورنی کی دُم کے چمڑے کی تانت بٹ کر تھلی کی صورت ڈال دیتے ہیں...... تاکہ اس کے جسم کی لذت سے تو فائدہ اُٹھایا جائے مگر اس کے شر سے محفوظ رہا جائے۔

ایسے ہی سوچتے سوچتے جب وہ اپنی لگی بندھی حد تک آ پہنچی تو سوچ کا دھارا اُلٹے رُخ پہ [illegible] یہ اس کی فطرت کا عجب خاصا تھا کہ وہ ہر مسئلہ کے دونوں رُخوں پہ خوب سرکھپائی کرتی تھی۔ اُسے [illegible] ذاتی رائے، تجربے، مشاہدے کی کسوٹی پہ پرکھتی بلکہ انسانی جبلّت و سرشت کے تناظر میں بھی اس کا موازنہ [illegible] اچھا خاصا ہیڈ ریسٹ لینے اور خیال و خوابوں کے جنگل جزیروں میں خوب آوارہ گردی کرنے کے بعد نتیجے پہ پہنچی کہ اگر وہ خان کی جگہ ہوتی تو یہی کچھ ظہور پذیر ہوتا۔ اس میں خان کا کوئی دوش نہیں...... یہاں [illegible] مزاج اور معاشرہ ہی کچھ ایسا ہے کہ فرد انفرادی طور پہ نہیں بلکہ دوسروں سے جُڑ کر جیتا ہے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے اِردگرد سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ انسانی رشتے، سماجی رویے...... طبقاتی حد بندیاں اور مذہبی چیرہ دستیاں، اُسے اِسی راہ پہ گامزن رہنے پہ مجبور کردیتے ہیں جس پہ سب چل رہے ہوتے ہیں۔

وہ سوچ رہی تھی کہ جب خان کے گھر والوں کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ جرمنی سے کوئی لڑکی اُسے [illegible] کے لئے پاکستان آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کی بیوی کے کان کھڑے ہوگئے ہوں گے...... دل و دماغ [illegible] شک و شبہات کی گرد کا بیٹھ جانا بھی ایک فطری اَمر ہے۔ خان نے لاکھ توجیہہ پیش کی ہوگی لیکن [illegible] سالا صاحب اور ایک دوست سمیت، دو افراد بطور حفاظتی گارڈ ساتھ آئے...... اَب اِس [illegible] دھیان [illegible] خان کے [illegible] ایک [illegible] شاید وہاں [illegible] سہولتیں بھی نہ ہوں جو کسی غیر ملکی کو ہوٹل میں میسّر آ سکتی ہے...... اُس کی بیوی بھی برداشت نہیں کرے گی کہ [illegible] کے خاوند کی ایک دوست، اُس کے گھر میں قیام کرے...... ایسی ہی طرح بے طرح کی باتیں سوچتے سوچتے جیسے مطمئن سی ہوگئی۔

پاکستان میں پہلی نماز اور جرمن ترجمے والے قرآن کی تلاوت کی سعادت، اُسے اسی ہوٹل کے کمرے میں نصیب ہوئی...... دوسرا ایک اہم کام جو اس سے ہوا۔ ہوٹل کی بوتیک سے قُبا نما حجاب، چند دوپٹے، [illegible] جوتے اور شلوار قمیضوں کے چند جوڑے خریدے اور دُھوپ کے لئے ایک گہرا چشمہ بھی...... اَب وہ کہیں [illegible] غیر ملکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ حجاب نے اس کے حسن و دھج کو جیسے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ ہوٹل سے ایک گاڑی لے کر وہ اسلام آباد اور گردونواح کی بہت سی جگہیں گھوم آئی تھی...... ٹیکسلا کا میوزیم، فیصل [illegible] شکر پڑیاں، سرکاری، غیر سرکاری عمارات، چمن باغ باغیچے وغیرہ۔ اَب وہ مری اور بھوربن دیکھنے کا بھی پروگرام بنا رہی تھی...... اِن دو تین روز کے درمیان اُسے خان کی جانب ایک پیغام اور ایک آدھ ٹیلیفون کال موصول ہوئے تھے...... میں ابھی مصروف ہوں، پہلی فرصت میں تم سے ملنے آؤں گا...... اَندر بڑی بور مت ہونا، [illegible]

[illegible] اسلام آباد بڑا خوبصورت شہر ہے' یہاں اچھے اچھے کلب' جم' کورٹ ہوٹل اور سیر گاہیں ہیں۔ یہ ایک [illegible] ہے خاص طور پہ غیر ملکیوں کے لئے...... فارن ایکسچینج کی ضرورت ہو تو بتانا وغیرہ وغیرہ۔

کہتے ہیں اگر کسی کو پانی میں تیرنا سیکھانا ہو تو اُسے اُٹھا کر کسی ندی دریا میں پھینک دو اور خود کانوں میں [illegible] پھیر کر آنکھیں بند کر لو...... ایک سو پچھتر تک گنتی گنو پھر یا حیی یا قیوم کی تسبیح شروع کر دو' اگر اس [illegible] پیچھے سے پہنچ کر' آپ کی تواضع' لاتوں مکّوں اور گالیوں سے شروع کر دے تو سمجھ لینا [illegible] بھر کے لئے تیرنا سیکھ چکا ہے۔ ودریں صورت اگر وہ برآمد نہیں ہوتا تو جان لینا چاہئے کہ "خس [illegible]" والا معاملہ ہو چکا ہے۔ کسی کو تیرنا یا جینا سیکھانے کی اس سے بہتر کوئی اور ترکیب نہیں...... غور [illegible] آپ کو پتہ چلے گا کہ اس ترکیب کے ہر دو انجام میں آخر کار سیکھنے والے کا ہی فائدہ ہوتا ہے یعنی مر [illegible] بچے گا تو غازی...... ڈوب کر مرنے سے بچنے کے لئے اگر اس نے کوئی حربہ ترکیب استعمال کر لی' [illegible] اور اوسان بحال رکھے تو کسی نہ کسی طور کنارے پہ آ لگے گا اور اگر وہ عقل وخرد' سعی وجستجو کا [illegible] تھوڑی دیر میں تہہ میں جا بیٹھے گا۔

[illegible] ایسے فرد کو جینے کا کوئی حق نہیں جو اپنی آسودگی' زندگی' ضرورت' محبت' عزت اور اپنی جنت [illegible] اور جہد وجستجو [illegible] کرنے کا مقام ہے......!

[illegible] کو صورتِ حال نے حقیقت کے سمندر میں اُٹھا کر پھینک دیا تھا اور خوش قسمتی سے اُسے حالات کی [illegible] بہت جلد ہو گیا تھا۔ اُس نے خود کو مایوس اور مغموم نہیں ہونے دیا...... اُس کی تعلیم یا تربیت کا اثر [illegible] سے بدترین معاملات میں سے بھی کہیں خوش معاملگی کی کوئی صورت تلاش کرنے میں کامیاب [illegible] زندگی کو ایسے ہی ملے جلے اجزائے بے ہنگام کا مجموعہ سمجھتی تھی۔ اُس نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا کہ [illegible] بھی یہاں قیام کرے گی' اپنی مدد آپ کرے گی...... خان کی مصروفیات میں مخل نہیں ہو گی اور نہ ہی [illegible] زندگی میں کسی قسم کا کوئی خلل پیدا کرے گی۔

اُس نے جرمن ایمبیسی اور محکمہ سیر وسیاحت سے رابطہ کر کے اپنے مطلب اور ضرورت کی تمام [illegible] حاصل کیں...... ایمبیسی کے مشورے سے اُس نے ہوٹل چھوڑ کر' اسلام آباد کے وی آئی پی علاقے [illegible] گیسٹ ہاؤس میں سکونت اختیار کی' جو جرمن ایمبیسی میں رجسٹرڈ تھا اور خاص طور پہ فارنرز کے لئے [illegible] یہاں بھی فائیو سٹار ہوٹل والی سہولیات میسر تھیں۔ پوش علاقہ' اعلیٰ درجہ کے ریستوران' کلب'

شاپنگ مال، گولف کلب، گارڈن اور سب سے بڑی نعمت فیصل مسجد بھی بہت قریب...... اُس کی بالکنی سے مسجد کا پاکیزہ سا نظارہ...... مارگلہ کی خوبصورت سرسبز پہاڑیاں...... نیلا آسمان، مہکتے ہوئے درختوں کے جنگل...... یہاں پہنچ کر وہ جیسے نہال سی ہو گئی...... ٹیلی فون سے اُس نے خان کو اپنی نئی اقامت گاہ سے آگ دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اُسے اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... جرمن ایمبیسی اور پاکستان ٹو وساطت سے مَیں نے اپنا سارا پروگرام ترتیب دے لیا ہے...... وہ بلا تردد و تناؤ اپنی مصروفیات جا رکھے...... کسی قسم کی ضرورت یا پریشانی کی صورت میں مَیں از خود رابطہ کر لوں گی...... اور ہاں اپنے سا میرے ہاں کبھی نہ لانا۔ اس کو یقین دلاؤ کہ اس کی بہن کو کم از کم مجھ سے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام آباد میں قریب قریب ایک عشرہ قیام کے دوران، فیصل مسجد میں ہر روز پہنچنا اُس کا معمول گیا تھا...... اذان کا سننا، یہاں نماز پڑھنا اور یہاں نمائش و برکت کے لیے رکھے گئے عظیم الشان، نادر قر پاک دیکھنا اور پڑھنے کی کوشش کرنا اُسے خوب اچھا لگتا تھا۔ اسلامی لباس و حجاب میں وہ کسی عرب ریا کوئی معلّمہ [illegible] سیر و سیاحت پہ نکلی ہوئی کوئی پُروقار خاتون دکھائی پڑتی تھی...... اتفاق سے یہیں اس کی مطالعاتی سفر پہ نکلی ہوئی چند لڑکیوں سے ہوئی جو کراچی کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ گروپ میں [illegible] دوستی ہو گئی روزہ قیام کے دوران، ان کی آپس میں خوب گاڑھی چھننے لگی۔ پھر انہی کے اصرار پہ وہ ان کے ساتھ بذ ٹرین کراچی نکل گئی...... کراچی اسے بہت پسند آیا۔ اس دوران وہ خان سے بھی رابطہ میں رہی۔ وہاں بائی ایئر کوئٹہ بلوچستان کی جانب نکل گئی...... وہاں سے اسلام آباد لوٹی تو پانچ وقت کی نماز اُس کی محافظ تھی اور تلاوت اُس کی سہیلی...... اندر سے مسلمان تو وہ پہلے ہی تھی مگر باقاعدہ مسلمان وہ کراچی میں بلتستان ایک عالمِ دین کے ہاتھوں ہوئی۔ کراچی والی سہیلیوں میں ایک سہیلی کے وہ فیملی دوست تھے...... کراچی کی یونیورسٹی میں اسلامیات اور تاریخ کے پروفیسر بھی۔ ایک گھریلو نشست میں جو ان کی توجہ نصیب بس یہیں سے کایا پلٹی ہو گئی...... یہ حضرت صاحب کوئی روایتی طرز کے پیر، مولوی، مولانا نہیں تھے بلکہ د کے علوم کے جیّد روشن خیال عالم تھے...... انہوں نے دینِ فطرت کچھ ایسے انداز سے سمجھایا کہ اس کی پہلے نیم کھلی ہوئی گرہ بس اک معمولی سے جھٹکے سے مکمل کھل گئی۔ اس کے ظاہر و باطن کے ملگجے سے اندھیرے یقین اور ایمان کی چکاچوندیوں سے جگمگا اُٹھے...... وہ کائنات، خالقِ کائنات، حیات، مقصدِ حیات، عبادات مغزِ عبادت کے معنوں اور باریکیوں سے آشنا ہو گئی...... چھوٹا سا حمائل شریف اُس کے گلے کا زیور بنا رہتا سے فارغ ہوتی تو اُس کے چہرے پہ قدسیوں سی پاکیزگی اور نور اُتر آتا۔

مستقل مستقر گو اسلام آباد کا یہی گیسٹ ہاؤس تھا لیکن وہ یہاں ٹھہرتی بہت کم تھی...... اُس کی پوسٹ ڈاک، کتابیں میگزین پارسل وغیرہ یہیں پہ پہنچتے...... زیادہ تر وقت اُس کا تاریخی نوعیت کے قدیم شہر' قلعے' مساجد' لائبریریاں اور عجائب خانے دیکھنے میں گزرتا تھا۔ باقی وقت ڈائری لکھنے' عبادات اور مطالعہ میں صرف ہوتا۔

اب وہ شمالی علاقہ جات کا تفصیلی دورہ کرنے کی پلاننگ کر رہی تھی...... اس کے لئے ضروری سامان اور کھانے خوراک کا بندوبست کرنے میں جُتی ہوئی تھی...... پہلے وہ پشاور' طورخم' جلال آباد اور کابل قندھار' چمن دیکھنا چاہتی تھی...... مگر ایمبیسی اور محکمہ ٹورازم کے مشورہ پہ اُس نے اِدھر جانے کا پروگرام مؤخر کر دیا کہ ملکی اور سیاسی فضا اِک اکیلی غیر ملکی عورت کے سفر کے لئے مناسب نہیں۔

اس دوران' خان بھی آیا مگر اس دفعہ وہ اکیلا تھا اور اگر کوئی ساتھ بھی ہوگا تو اُسے ساتھ نہیں لایا تھا۔ اتنی بڑی تبدیلی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا...... اور جب اِسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بارغبت و رضا اسلام قبول کر چکی ہے تو وہ کچھ دیر کے لئے مبہوت سا رہا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ دینِ فطرت اسلام کی جانب رغبت رکھتی ہے مگر یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ دائرہ اسلام میں شامل ہو جائے گی...... لباس [illegible] اپنا اسلامی [illegible] جان بوجھ کر رہے کی...... خان تو ابھی تک اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں کر پا رہا تھا...... ایسا پُرنور چہرہ' جس میں سجے ہوئے نیلے نیل نین' کمر تک اُترتی ہوئی سنہرے بالوں کی چوٹی...... اور اسلامی طرزِ پیرہن نے اُس کی نسوانی شخصیت میں ایک ملکوتی دلآویزی پیدا کر دی تھی۔

خان نے آج اُسے ایک نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا تھا...... وہ خوب دیکھ رہا تھا اس جانِ خُوباں کو۔ وہ اس کی محویت کو توڑنے کی غرض سے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا' مجھے اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟''

وہ اسی طرح گُم صُم سا بولا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں پاکستان خُوب راس آیا ہے۔''

''ماشاءاللہ' بھی ساتھ کہو......'' وہ اُسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

''ماشاءاللہ' ماشاءاللہ! چشمِ بددُور...... اللہ تمہاری طہارت و پاکیزگی کی حفاظت فرمائے۔ ڈرتا ہوں تمہیں کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔ لاؤ میں ذرا تم پہ اُنگلی سے ذرا تھوک لگا دوں۔''

اسی طرح ہنسی مذاق میں مومنہ نے بتایا وہ عنقریب شمالی علاقہ جات کی جانب مراجعت کرنے والی ہے۔ کاغان' ناران' جھیل سیف الملوک' شاہراہِ ریشم' کوہِ ہندوکش' کے ٹو...... گلیشیر' وادیِ ہنزہ' چترال'

گلگت' سکردو' کافرستان......!

وہ حیرانی سے ڈیلے نکالتے ہوئے گویا ہوا۔

''اتنی ساری جگہیں! جھیلیں' وادیاں' دشوار گزار گھاٹیاں' پتھریلے برفیلے راستے...... مہربان
موسم اور پھر عجیب وغریب لوگ...... آسائشوں اور سہولتوں کا فقدان! تم یہ سب کچھ برداشت نہ کر پا
بیمار پڑنے کا اندیشہ بھی موجود ہے۔

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

''مائی ڈیئر' پاکستانی! میں جرمن ہوں اور مسلمان ہوں...... میرا عزم' شوق اور حالات کے مط
کو ڈھالنے کی صلاحیت' میرے ہاں بدرجہ اُتم موجود ہے۔''

وہ اپنے گلے میں تعویذ کی شکل کا ایک قرآن پاک دکھا کر مزید کہنے لگی۔

''یہ خدا کا مقدس کلام' میرے پاس موجود رہتا ہے...... یہ میرا انویگیٹر ہے۔ دن میں روشن
رات کو قطبی ستارا۔ نماز' میری حفاظت اور ایمان میری جرأت اور طاقت ہے...... جبکہ تمہاری حفاظت
بیوی اور تمہارا سالا کرتا ہے......''

[illegible] ہے۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... ہمارے ہاں عورت کا تصور' کچھ اور طرح کا ہے۔ عورت کو سا
لیئے پھرنا ہماری تہذیب و رواج کے خلاف ہے۔ اب تم دیکھنا کہ یہ لباس' حجاب' محرم نامحرم کا مسئلہ
لئے کتنی مشکلات پیدا کرتا ہے۔

مومنہ جان کا یہ عجیب وغریب طریقہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ روز سیر وسیاحت پہ
پھر واپس اسلام آباد' اپنے بیس سٹیشن پہ پہنچ جاتی...... دو تین روز' آرام اور اپنی ڈائری لکھنے' ڈاک پڑھنے
گزارتی۔ نئے سفر کا عزم' موڈ بناتی...... پلاننگ کرتی اور دیگر انتظامات میں جُٹ جاتی۔

ایک خاصا خطرناک اور طویل سفر طے کرکے وہ شگر در پہنچی تھی...... کراچی والے شاہ بابا نے جن
ہاتھوں پہ اسلام قبول کیا تھا' اسے یہ علاقہ دیکھنے کی ترغیب دی تھی اور خاص طور پہ ایک بزرگ کے
نشاندہی کرتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہاں پہنچ' فاتحہ شریف پڑھے اور اپنے لئے خیر وبرکت' دین
استقامت طلب کرے...... ایک آدھ محکماتی رہائش گاہ' نیم سرکاری اور پرائیویٹ قسم کی اقامت گاہوں کی
فہرست اس کے پاس تھی۔ پیشگی بکنگ کی اگر کوئی سہولت ہوتی تو وہ شاید اسلام آباد سے ہی انتظام کر

[illegible] دور دراز، دشوار گزار اور بنیادی سہولتوں سے خاصے محروم علاقے میں، خاص طور پہ غیر ملکیوں کے لئے [illegible] تھیں اور اس پہ مستزاد ایک جوان لڑکی، آفتاب چندے ماہتاب...... وہ تو بہتر تھا کہ مکمل حجاب میں [illegible] کہ عشق، مُشک، حُسن و خُوبی، سکھ اور پٹھان، نائی اور میراثی...... ہیجڑا اور نامرد، کبھی لُکائے چُھپائے [illegible] روزِ روشن کی مانند عیاں ہو جاتے ہیں۔ سات پردوں میں بھی اپنی خُو بُو چھوڑے بنا نہیں رہتے۔

مومنہ جان جب شکردرہ پہنچی تو نمازِ عصر کی اذان بلند ہو رہی تھی...... کوہستانی فضائیں، اللہ بلند و برتر کی [illegible] سے گونج رہی تھیں۔ ٹورسٹ کوچ سے اُترتے ہی ہلکی ہلکی سردی نے اُس کے وجود میں جُھرجُھری سی پیدا کر [illegible] بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی ایک خاصی تعداد وہاں پہلے سے ہی موجود تھی۔ سُرخ و سپید چہرے، [illegible]...... کچھ کھوجتی ہوئی [illegible] لباس و حال [illegible] لپیٹے ہوئے عُسرت و تنگدستی کے [illegible] چند تیز و طرار قسم کے نوجوان، اس ہجوم کو اپنی مقامی زبان میں کوچ کے قریب آنے سے منع کر رہے [illegible] کوچ سے اُترتے ہوئے لوگوں اور ان کے سامان کو یوں تاڑ رہے تھے جیسے یہ لوگ، [illegible] اور ان کے لئے اُوپر سے تحفے تحائف [illegible] ہوں...... لوگوں کو [illegible] بتانے والے [illegible] دیگر لوگ [illegible] بار برداری کے مزدور، جو ادھر پہنچنے والوں کے سامان کی نقل و حرکت کے لئے یہاں انتظار کر [illegible] تھے۔ مسافروں میں مومنہ جان کے علاوہ بھی چند غیر ملکی یہاں پہنچے تھے۔ مومنہ چونکہ پورے حجاب میں تھی [illegible] شاید اُسے کوئی غیر ملکی کے طور پہ پہچان نہ پایا تھا...... ان مقامی لوگوں اور گائیڈوں کی ساری توجہ [illegible] ڈالروں پہ مرکوز تھی۔ اس نووارد بے چاری کو کوئی نیک پروین سمجھ کر کسی نے گھاس تک نہ [illegible] جب قریب قریب سب مسافر نبٹ گئے تو ایک لمبا سا گائیڈ لڑکا اُس کی جانب بڑھا...... ایک دو منٹ [illegible] میں ہی وہ جان گیا کہ یہ کوئی غیر ملکی مسلمان خاتون ہے۔ مومنہ جان نے گائیڈ کو کسی محفوظ سے [illegible] انتظام کرنے کو کہا...... اتفاق کہ شکردرہ کے کسی بھی اچھے ہوٹل میں اسے جگہ نہ ملی۔ نچلے درجہ کے سرائے [illegible] کے رہنے کے قابل نہ تھے۔ کسی معقول سی جگہ کی تلاش میں ایک اور مقامی اہل دار کو شامل کیا [illegible] مرد ہوتا تو کوئی پریشانی نہ ہوتی...... غیر ملکی خاتون، جو حجاب میں اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھی، کے لئے [illegible] رہائش کا بندوبست نہ ہو سکا۔ آخر کار ایک مقامی بزرگ، جو ایک رفاہی ادارے کے سربراہ اور [illegible] میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے ازراہِ ہمدردی غیر ملکی مُسلم خاتون، اُسے اپنے ذاتی گھر میں، سر [illegible] رہائش فراہم کی۔ اس گھر میں اُن کی دو پڑھی لکھی لڑکیاں، ایک سادہ سی بیمار بیگم اور ایک جواں

سال بیٹا بھی رہتا تھا۔ مومنہ جان ان کی قریب قریب ہم عمر بیٹیوں سے مل کر بہت خوش ہوئی...... تعلیم خوبصورت اور ہنس مکھ روشن خیال...... عذرا اور نصرت بھی مومنہ جان سے یوں گھل مل گئیں۔ جیسے یہ اسی گھر میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہوں۔ یہ رات تو ان تینوں نے ایک دوجے کے سننے سنانے میں دی...... اسلام سے محبت، نماز قرآن سے رغبت اور پھر حیاداری اور حجاب...... یہ سب کچھ ایسا تھا کہ مومنہ جان کا گرویدہ ہو گیا۔ اسی گھر میں عذرا اور نصرت کا اکلوتا بھائی گل نواز بھی رہتا تھا۔ نیم تعلیم یافتہ اخلاق باختہ یہ نوجوان، سیاحوں، کوہ نوردوں کو بار برداری کے لئے مزدور، گائیڈ، خیمے اور جملہ سامان کرائے فراہم کرتا تھا...... اکلوتا ہونے کے ناطے خاصا بگڑا ہوا اور نجی معاملات میں بے حد غیر ذمہ دارانہ رویوں تھا...... والدین تو شاکی رہتے ہی تھے مگر بہنیں اس کی غیر اخلاقی حرکات سے اکثر ملول رہتی تھیں۔ ایک جگہوں پہ شادی کی بات بنتے بنتے رہ گئی تھی کہ بھائی کا چال چلن مشکوک اور مشاغل غیر شریفانہ تھے مرتبہ بات تھانے کچہری تک بھی پہنچی تھی...... لڑائیوں بھڑائیوں میں اکثر ملوث رہتا...... آئے دن ہوتی رہتی...... اپنے پڑھے لکھے اور چار شریف آدمیوں میں اُٹھنے بیٹھنے والے عزت دار باپ کی وجہ سے آفات وتعزیر سے بچا رہتا...... سچی بات تو یہ کہ اس کا [illegible] انہی کرتوتوں کی [illegible] سے لاتعلق کے بارے میں [illegible] ہوتے تھے [illegible] بیماری دے کر اسے چھپا لیتی تھی۔

مومنہ جان جس شکردرہ میں پہلی رات اپنی میزبان عذرا اور نصرت کے ساتھ بیٹھی قرآن حدیث فقہی مسائل پہ بات چیت کر رہی تھی عین اسی وقت گل نواز اپنی چاردیواری میں بیٹھا ناؤ نوش اور شباب میں مگن تھا۔ ایک اوباش سی چھنالہ سفلانہ ادائیں دکھا دکھا کر ساقی گری کر رہی تھی...... شہری آبادی سے پرے یاکوں کا ایک باڑا تھا۔ یہاں ان کی نسل کشی پروری ہوتی تھی...... یہاں ان کا ڈیرا تھا۔ یہیں ان کے ایک دوست نے شکردرہ پہنچنے والے سیاحوں کی تفصیل بتائی اور یہ بھی خاص طور پہ بتایا کہ کس طرح ایک غیر ملکی مسلمان لڑکی کی رہائش کا مسئلہ پیدا ہوا...... کوشش کے باوجود جب اس کے لائق رہائش دستیاب نہ ہوئی تو کے والد صاحب نے اپنے ہاں ٹھہرا کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

غیر ملکی مسلمان لڑکی؟...... گل نواز نے خود کلامی کے انداز میں یہ الفاظ دہرائے...... اُس کے ذہن کی کئی شکلیں بنیں۔ اُس نے اپنے دوست کو پاس بلا کر پوری بات سُنی...... مقامی طور پہ کشید کی ہوئی شراب سے چہرہ پہلے سے شعلہ بداماں ہو رہا تھا۔ اب غیر ملکی لڑکی کے ذکر سے آتشِ ہوس بھی سوا ہوگئی۔ کی صحبت تو چھوڑی جا سکتی تھی مگر طبیعت میں جو مستی اور رنگینی امڈ آیا تھا اُس کا ظہور لے کر اس وقت

[illegible] مصلحت نہیں تھا۔

بقیہ شب اُس نے شراب نہیں پی...... تاش اور رقص و موسیقی سے جی کو بہلاتا اور دھیرے دھیرے [illegible] کو جیتا رہا۔ صُبحدم وہ ہلکی سی نیند لینے کے لئے وہیں فرشی بستر پہ پڑ گیا تھا۔ دن چڑھے نہا دھو' خود کو [illegible] کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی راتیں رنگین ہوتی ہیں اُن کی صبحیں [illegible] ہوتی ہیں...... طوائف کی صُحبت' رقص و سُرور کی سنگت' شراب کباب کی محفل' اور تاش جُوئے کی [illegible] کے بعد جو صبح طلوع ہوتی ہے وہ بیتی رات والے بندے پہ بڑی بھاری ہوتی ہے...... اُس کا ضمیر' ذہن' [illegible] دماغ اور رُوح تک' ہر چیز اک ہولناک لعنت میں مبتلا ہوتی ہے۔ وہ دوسرے سے کیا خود اپنے [illegible] شرمندہ سا ہوتا ہے۔ وہ اپنوں کی چُبھتی سی نظروں اور بہت سے سوالات اُٹھائے ہوئی زبانوں کا [illegible] نہیں کر سکتا...... وہ بیماری آوارگی اور دیگر غیر معقول سے بہانوں کا آسرا لے کر کسی گوشۂ تنہائی میں [illegible] میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے۔

[illegible] اُس وقت اِس کا تھا...... اگر اس غیر ملکی اور غیر معمولی سی لڑکی کو دیکھنے کا [illegible] رجہ' اُتم نہ ہوتا [illegible] بہت سے گھر نہ لوٹتا...... دیکھا سُنا ہوگا کہ ایسے عیش و عیاشی' نشیات' قمار بازی اور عورت بازی [illegible] دیکھتے رہتے [illegible] تو والد صاحب حسبِ معمول سکول چلے گئے ہوئے تھے۔ والدہ اور چھوٹی بہن' دوپہر کے [illegible] میں لگی ہوئی تھیں۔ بڑی بہن اور مومنہ جان' باورچی خانے کے باہر' والان میں چارپائی پہ بیٹھی اپنا [illegible] کھولے ہوئے تھیں۔ اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت تو ہوتی نہیں...... یہ [illegible] کے اندر چلا آیا...... غیر متوقع' اچانک جب کوئی حرکت برکت ہو جاتی ہے تو انسان چند لمحوں کے لئے [illegible] سا ہو کر رہ جاتا ہے' حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں بندہ جب کچھ وقفہ دے کر واپس اپنے آپ میں آتا [illegible] تب وہ اپنے اچھے یا بُرے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ بعینہ یہی کچھ یہاں بھی ہوا...... اِدھر اُنہی قدموں پہ [illegible] رُکا کیا تھا؟ زمین نے جیسے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑے بے حیاؤں کی طرح [illegible] رہا تھا...... اور وہ باحیا' سر کا سکارف دُرست کر نصرت کی طرف متوجہ ہو گئی...... بھائی کے اس طرح [illegible] اندر داخل ہونے پہ نصرت' قدرے خجل سی ہو گئی...... اُسے اپنے اس آوارہ بھائی کے اس وقت گھر پہنچنے [illegible] بھی ہوا اور شرمندگی بھی...... اُس کی آنکھوں اور حُلیے سے صاف عیاں تھا کہ وہ کس حال میں ہے......
نصرت کو ہلکا سا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ اس وقت بھی آ سکتا ہے تو وہ یقیناً اندر بیٹھتی...... وہ تو کئی کئی دن گھر سے [illegible] رہتا تھا۔ خیر اَب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ نُصرت نے آہستہ سے مُومنہ جان کو بتایا کہ اِس کا بھائی گُل نواز

ہے۔ اَب وہ بھائی سے مخاطب ہوئی۔

''بھائی! یہ میری بہن ہے' مومنہ جان...... جرمنی سے پاکستان دیکھنے آئی ہے۔ ماشاءاللہ

ہے' حجاب میں رہتی ہے۔ تمہیں دروازہ کھٹکھٹا کر اَندر داخل ہونا چاہئے تھا۔''

گل نواز تو جیسے کہیں اور پہنچا ہوا تھا...... اُس نے کچھ سُنا یا نہیں۔ مُنہ سے صرف ''جی'' بمشکل

کے وہ باورچی خانے میں گھس گیا...... نصرت نے سوری کہتے ہوئے مومنہ جان کو بتایا۔

''اکلوتا بھائی ہے' والدہ کے لاڈ پیار نے اِسے بگاڑ کر رکھ دیا ہوا ہے۔ پڑھائی بھی مکمل نہیں کی

اور بدقماش دوستوں میں اُٹھنا بیٹھنا ہے۔ والد صاحب اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اِسے راہِ راست

لاسکے۔ تنگ آ کر انہوں نے اس سے قطع تعلق کر کے گھر بدر کر دیا ہوا ہے...... ان کی غیر موجودگی میں

ماں سے ملنے آ جاتا ہے...... ماں اِسے بڑا پیار کرتی ہے۔ آنے میں دیر کر دے تو رو رو کر ہلکان

ہے...... اور ستم یہ کہ وہ اِسے معصوم سا بچہ سمجھتی ہے۔ جبکہ والد صاحب کو وہ اِک ظالم اور اولاد کی محبت

اِنسان کہتی ہیں۔

مومنہ جان بولی۔

''ہاں [illegible] ظالم [illegible] معصوم اور بچے

ہیں...... وہ اپنے بچوں کے معاملے میں قطعی کوئی سمجھوتا نہیں کرتیں...... خاوند تو پھر خاوند' وہ اپنے آپ

سے بھی جھگڑ لیتی ہیں۔''

''ہاں' یہی کچھ ہمارے گھر میں بھی ہو رہا ہے...... [illegible] اخلاقی بُرائی بھائی میں موجود

قابلِ دست اندازیِ پولیس' اخلاق اور شریعت ہے...... لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے کئی بار جیل تھانے پہنچ

والد صاحب کا شہر کے معزز ترین اور پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ پورے علاقے میں ان کی عزت

مگر غیرت اور شرم کے مارے وہ لوگوں سے مُنہ چھپاتے پھرتے ہیں۔''

مومنہ جان' نصرت کے کان کے پاس سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اکلوتا بھائی ہے اس کی شادی کر دیتے تو شاید ایسی حرکتیں نہ کرتا۔ بیوی اچھی ہو تو بگڑے

خاوند بھی گھر سے دلچسپی لینے لگتا ہے۔''

وہ آنکھیں پھیلا کر کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

''توبہ توبہ...... اس کی شادی کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کسی معصوم کی زندگی خراب کر

کیا؟ ایسے بگڑے ہوؤں کو گھریلو بیویاں اچھی نہیں لگتیں۔ جن کو باہر کے چسکے پڑے ہوں اُن کے حلق

[illegible] بھی نیچے نہیں اُترتی......"

[illegible] کانا پھوسیوں میں خاصا وقت گزر گیا...... گُل نواز باورچی خانہ میں ماں کے پاس بیٹھا شاید اسی [illegible] باتیں کر رہا تھا۔ وہ نظریں بچا کر باہر بھی دیکھ لیتا۔ وہ حیران تھا کہ یہ کس طرح کی غیر ملکی لڑکی ہے جو [illegible] رکھتی ہے...... چہرہ ڈھانپ کر رکھتی ہے...... جو فارنر لڑکیاں میمیں اس نے دیکھ رکھی تھیں وہ تو بڑی [illegible] فرفر باتیں کرنے والی...... سگریٹ، چرس کے دم کش اور وسکی، شیری کے پیگ لگانے والی اور یہ [illegible] کہ غیر کو اپنا سایہ تک نہ دکھائے۔

دراصل اسے شروع میں خراب ہی غیر ملکی میموں نے کیا تھا...... پہلا پیپرامنٹ کے ذائقہ والا غیر ملکی [illegible] اس نے ایک امریکن لیڈی سے مانگ کر پیا...... سکاچ وسکی کا گھونٹ بھی ایک انگریز میم کی چھوڑی [illegible] بارس کی بوتل سے نصیب ہوا تھا اور بدلے میں اسے خالص چرس کے سُوٹے لگوائے تھے۔ اسی [illegible] پہلے جو عورت ذات اس کے انگ لگی تھی وہ ایک فرانسیسی اُدھیڑ عمر خرافہ عورت تھی جس کا فربہ سا مصور خاوند [illegible] نظاروں کی اسکیچنگ میں بسر کرتا تھا...... یہ نوعمر، تنومند سا لڑکا خلاصی کی حیثیت سے پہاڑی [illegible] کی خدمت میں تھا۔ ہُوا یہ کہ ایک یخ بستہ طوفانی شب شراب اور چرس [illegible] ایسا رنگ جمایا [illegible] ہی باقی رہ [illegible] کسر بھی ہم پیشہ، ہم نشینوں نے پوری کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریف عزت دار باپ نے اپنی [illegible] بے کار جاتے دیکھ کر اسے گھر نکالا دے دیا۔

میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں کہ [illegible] میں ٹوٹے ہوئے مرد یا عورت کی نفسانی خواہشات کبھی [illegible] نہیں ہوتیں...... ایسی ٹوٹی پیاس کی مانند جو گھڑوں پانی پینے کے باوجود نہیں بجھتی۔ اس نوع کے [illegible] افراد کا جنس مخالف کے بارے میں اپنا اپنا الگ معیار اور مطالبہ ہوتا ہے۔ کوئی رنگ انگ پہ مرتا [illegible] قدوکاٹھ پہ کاٹھی دھرتا ہے۔ آنکھیں، ہونٹ، بال، ہاتھ کلائیاں۔ جسمانی ساخت و سند وغیرہ بے پناہ [illegible] کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی تو محض انہی پہ ریشہ ختمی ہو جاتے ہیں...... مصری، لبنانی، شامی اور سیام فام، مرد جسمانی اور جنسی لحاظ سے اِک خاص شہرت و شوکت رکھتے ہیں...... مغربی ممالک میں ایشیائی، [illegible] نمکین ملیح رنگت عورتیں، بے پناہ کشش کی حامل تصور کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی پکی [illegible] رنگت کے مرد ولایت کی میموں، گوریوں سے خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ان کی آئیڈیل آئیٹم [illegible] خاص طور پہ سرحدی شمالی پس ماندہ علاقوں کے ناآسودگیوں اور محرومیوں میں دبے پسے جنس ثقیل [illegible] وحشی عورتیں، اس دنیا میں جنت کی حوروں سے کم درجہ نہیں رکھتیں...... ان دور دراز علاقوں میں اگر

کوئی پرکٹی گوری میم سیاحت کے لئے پہنچ جاتی تو آس پاس کے سب گاؤں گوٹھوں والے مردوزن' بچے اس عجیب مخلوق کی زیارت کو پہنچ جاتے۔

گل نواز کی نفسانی کمزوری بھی اسی قسم کی غیر ملکی میمیں تھیں بلکہ اسی پہ ہی کیا موقوف' اس کی پوری بھی اسی علت میں دھنسی پڑی تھی...... چرس' گانجا' افیون اور یہاں کی مقامی کشید کی ہوئی شفتالو کی دیسی شراب ان کے بڑے بڑے پھندے تھے......جن کے ذریعے یہ مفلوک الحال' منشیات کے عادی بھی مرد اپنے چنگل میں پھانستے۔ پھر ان کی مدقوق مجروس آبرو باختہ چتوں سے اجتماعی زیادتی کے مرتکب ہوتے ایسے بدکاروں کا کہنا ہے کہ دیسی عورتیں...... مولویوں' حافظوں' قاریوں اور شریف نیک لوگوں کے ہیں......ایسی عورتیں' محض گھریلو کام کاج یا پھر بچے پیدا کرنے کی مشین کی مانند ہوتی ہیں اور یہ مٹی کے طرح تھودے کا تھودا ہوتی ہیں [illegible] یہ مرد کی زندگی کو گھٹاتی اور اپنے بڑھاپے کو بڑھاتی ہیں...... اور رفاقت کے لطف و حظ کو دو چند بلکہ سہ چند کرنے کا ڈھنگ اور فن جانتی ہیں اور یہ بھی کہ پرانی شراب سر چڑھ بولتی ہے اور [illegible] اُمڈا ہوا شباب کبھی اُوٹتا ہے اور کبھی بدوٹتا ہے۔

مومنہ جان [illegible] اور کسی مناسب سے ہوٹل تک [illegible] رسائی میں مدد کی درخواست کی۔ نصرت نے جواب دیا' ناشتہ لئے بغیر ہی جانا ہوگی؟...... ناشتہ ہو چکا تو باتیں شروع ہوئیں تو کتر کتر میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ اب جو ساتھ' گل نواز کی چلنا ہوئی تو وہ ختم کب ہوتی اگر [illegible] کھانے کی بانگ نہ لگاتی۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو ہلکی ہلکی رم جھم شروع ہوگئی...... موسم تو پچھلے دو روز سے نم آلود خوشگوار سردی نے اردگرد ماحول کو خوب گدرایا ہوا تھا۔ مومنہ جان نے موقعہ پاتے ہی پھر نرم سے جانے کی اجازت چاہی......نصرت بے نیازی سے ہاتھ لہراتے ہوئے کہنے لگی۔

''موسم کے تیور دیکھ لو' کالی گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آرہی ہیں کسی لمحہ بھی جل تھل ہوا چاہتی ہے۔ بارش کے بعد کی سردی...... توبہ توبہ! میری مانو تو آرام سے اودھر ٹکی پڑی ہو۔ موسم برابر ہوتے ہی جہاں چلی جانا...... فی الحال......!''

مومنہ جان' سمجھ چکی تھی کہ یہ اسے کہیں جانے نہیں دینا چاہتی جبکہ اُسے خود بھی ایسا ہی محسوس ہو جیسے جنم جنم سے وہ یہیں پہ رہ رہی ہو۔ دل' ذہن اور فکر کا ملاپ ہی تو ہوتا ہے۔ جہاں جدھر یہ تینوں ٹھک وہیں جے جے کار ہو جاتی ہے۔ ورنہ دیکھا ہے کہ صدیوں ایک آنگن میں ایک سنگ رہنے والے' جنم جنم

[illegible] ہوتے ہیں...... یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عذرا اور اُن کی ماں بھی باورچی خانے سے فارغ ہو کر ان [illegible] بیٹھیں...... گل نواز بھی تھوتھا سا اِدھر اُدھر ڈولے بڈولے لے رہا تھا اس کی بدنگاہی اس کا ساتھ نہیں [illegible] تھی...... نصرت کا ماتھا ٹھنکا' وہ اس کی بہن تھی...... اُس سے زیادہ اِسے اور کون جانتا تھا...... اُس کے [illegible] بولا...... نصرت' تیرے بھائی کی نیت ٹھیک نہیں' تو اُسے گھر پہ زیادہ دیر نہ رکھ......!

اس کی ماں پوچھنے لگی۔

''بیٹی! تمھیں ہم غریبوں کا کھانا پسند آیا کہ نہیں؟''

عذرا نے ماں کی بات کا ترجمہ کر کے مومنہ جان کو بتایا۔ مومنہ جان نے اظہارِ تشکر کے طور پہ آگے [illegible] کے ہاتھوں کو چوم کر شکریہ کہا اور کھانے کی تعریف کی۔ نصرت نے ماں کو بتایا کہ مومنہ جان' اب [illegible] کے اجازت چاہ رہی ہے...... ماں نے نصرت کو اشارے سے اندر کمرے میں چلنے کو کہا۔ وہ عذرا کو [illegible] کے پاس بٹھا کر معذرت کر کے اندر چلی آئی...... وہاں گل نواز خان بھی موجود تھا۔ ماں نے اپنے [illegible] باندھتے ہوئے مومنہ جان کی تعریف کی اور دبے دبے الفاظ میں اپنی اور گل نواز کی خواہش کا [illegible]

[illegible] بہت پسند آئی ہے...... اس میں تو بے حیا میموں والی کوئی بات بھی نہیں...... [illegible] ادب...... سگھڑ میم تو میں نے آج تک نہیں دیکھی...... نماز ادا کرتی ہے...... باقاعدہ قرآن کی [illegible] قرآن تو ہر وقت اس کے گلے میں تعویز کی مانند لٹکا رہتا ہے۔ تمہارے بھائی کو بھی یہ بہت پسند آئی [illegible] میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر [illegible] دوں گا...... ابا جو کہیں گے وہی [illegible] میری اس سے شادی کروا دیں۔''

نصرت بٹر بٹر ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اسی دوران اس نے ایک اچٹتی سی نظر گل نواز کو بھی دیکھا جو سر [illegible] باندھے بڑا معصوم اور شریف سا بنا یوں کھڑا تھا جیسے وہ قعدہ کی حالت' نماز کی نیت باندھے ہوئے [illegible] کی اور بھائی کی مکاری پہ بیک وقت اس کا ہنسنے اور سر پیٹ لینے کو جی چاہا...... اُس نے ماں کی [illegible] ادھورا چھوڑتے ہوئے گل نواز سے کہا۔

''بھائی! تم تھوڑی دیر کے لئے ذرا باہر چلے جاؤ اور مومنہ جان کے لیے کسی اچھے سے ہوٹل میں [illegible] م کرو اور وہ ہوٹل غیر ملکیوں کے لئے نہیں بلکہ پاکستانیوں' مسلمانوں کے رہنے کے قابل ہونا [illegible] ذرا ماں سے......''

[illegible] تے ہوئے' بیچ میں ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

"منصو! اچھی بھلی بات کو بگاڑنا تمہاری پرانی عادت ہے۔ اتنی نیک اور اچھی لڑکی' جسے ابا خود اپنے
سے گھر لائے۔ تم اُسے ہوٹلوں میں دربدر ہونے کے لئے بھیج رہی ہو...... ماں بتا رہی تھی کہ ایسی سمجھ
نیک' سلیقہ شعار لڑکی تو اُس نے مسلمانوں میں بھی نہیں دیکھی۔ ایک ہی دن میں وہ ایسی گھل مل گئی ہے جیسے
اسی گھر میں پیدا ہوئی ہو۔"

نصرت نے فی الفور جواب دیا۔

"اگر وہ اسی گھر میں پیدا ہوئی ہو تو اس حساب سے وہ تمہاری بہن برابر ہے۔ اب تم بتاؤ کیسے
نکاح ہو سکتا ہے......؟"

اُس کا غصہ دیدنی تھا...... اُس کے بس میں نہیں ورنہ وہ اس بات پہ نصرت کو قتل کر دیتا
ضبط و جبر سے وہ ماں کی جانب متوجہ ہوا۔

"ماں! تم نے سنا اس نے کیا بکواس کی ہے...... بہن نہ ہوتی تو میں اس کی زبان کاٹ دیتا
ذرا غور کرو جس طرح بھی آئی وہ خود اپنی مرضی سے چل کر ہمارے گھر پہنچی...... اس کا ہمارے ہاں آ
کا اظہار کرتا [illegible] خوشی اور محبت سے ہمارے دلوں [illegible] گھر کر لیا [illegible] سب کچھ اس حقیقت کا اظہار
کہ ہمیں پسند کرتی ہے۔ یہاں رہنا چاہتی ہے۔ اگر اس کے روبرو یہ تجویز رکھتے [illegible] کراوٹ ہے
ایک اور بات جب میں گھر میں داخل ہوا تھا تو اس نے شرما کر اپنا منہ چھپا لیا تھا......!"

نصرت نے [illegible] کی بکواس پہ جھلا کر کہا۔

"تم اپنی بکواس بند [illegible] تمہاری [illegible] کی بابت معلوم ہو جائے تو کیا
یہی کہ ایک رات پناہ دی اور صبح ہاتھ مانگ لیا۔"

"کیا کسی لڑکی سے شادی کی خواہش رکھنا یا پوچھنا بری بات ہے؟"

"نہیں بُری بات نہیں لیکن یہ ساری کارروائی' موقع' مناسبت اور بہت لحاظ سے برابری کی
ہے...... وہ جرمنی کی اعلیٰ ترین یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ ہے۔ ایک معزز صاحب حیثیت خاندان سے
ہے۔ کھلے' صاف اور روشن خیالات اور فکر و طبع کی حامل ہے اور اس کے مقابل تم؟...... اگر ایک انسان
رکھنے کے علاوہ تم میں کوئی اور خیر و خوبی ہو تو بتاؤ؟...... بھائی! محض چاہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا
اہل ہونا بھی ضروری ہے۔"

وہ پنجے جھاڑتے ہوئے چنگاڑا۔

"شکر ہے کہ تم نے مجھے انسان کا کلبوت تو تسلیم کیا۔"

ماں سے مخاطب ہوا۔ ''ماں! اسے سمجھا لو...... میں اس لڑکی سے شادی ضرور کروں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے آگ کا دریا، شعلوں سے بھرا صحرا اور لاوا اگلتا پہاڑ ہی کیوں نہ عبور کرنا پڑے۔'' وہ کسی بگولے کی طرح نصرت سے باہر نکل گیا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ حیران و ششدر، بت سی بنی دروازے کے پٹ کو دیکھ رہی تھیں جو ابھی تک لرز رہا تھا۔

کی دھمکیاں...... میں پہاڑ پر سے کود جاؤں گا...... اس گھر کو مکینوں سمیت آگ لگا دوں گا...... اس کو جان سے مار دوں گا...... اس کی پسلیاں توڑ دوں گا وغیرہ وغیرہ ایسی بڑیں، بونگیاں، دھمکیاں گویا اس کا روزمرہ کا وطیرہ تھیں۔ اس کے باوجود جیسے نصرت کے اندر خطرے کا گھنگھرو بج چکا تھا۔ اب شاید ماں کے بولنے کی باری تھی۔

''نصرت! سب کچھ اپنی جگہ پہ درست ہی سہی مگر مومنہ جان تو میرے من کو بھی لگتی ہے...... میری بہو بنے گی۔ گھر میں میٹھی اٹھی کھاتی چہکتی باتیں کرتی ہوئی بیگانی نہیں لگتی۔ اپنی جان کا ٹکڑا محسوس ہوتی ہے...... لاکھ بگڑا ہوا سہی پر ہے تو تمہارا بھائی...... [illegible] سگھڑ، عقل عمل والی بیوی مل جائے تو [illegible] سے آ جا سکے [illegible] تمہاری مرضی!''

بیٹے کی باتیں سن کر وہ جیسے بولا سی گئی تھی...... ایسے عقل کے بودے، کہ خود ہی اپنی مرضی کے فیصلے کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے [illegible]...... چند ثانیے وہ جیسے سکتے کی صورت ٹھہری...... پھر اچانک سر کو جھٹک واپس برآمدے کی جانب بڑھ گئی۔ جدھر مومنہ اور عذرا منہ طرف کیے اسے آتے دیکھ رہی تھیں۔ نصرت کو ان دونوں کا اس طرح دیکھنا کچھ عجیب سا لگا۔ جیسے پولیس تکتے ہیں۔ وہ پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''تم دونوں ایسی جان نکالنے والی نظروں سے مجھے کیوں گھور رہی ہو؟''

عذرا نے پہل کی۔

''ڈیئر پھوپھو جان! شاید تمہیں یہ خیال نہیں رہا کہ یہ برآمدے والی کھڑکی کے پٹ کھلے پڑے تھے۔ اندر جو شیکسپیئر کا میکبتھ شروع کر رکھا تھا اس کا ایک ایک ڈائیلاگ ہم تک پہنچ رہا تھا...... یہ تو آپ کو پتا ہی ہوگا کہ یہ ڈرامہ کتنی لاؤڈ پچ کا حامل ہے......!''

نصرت سمجھ گئی کہ اندر کی گفتگو باہر والوں تک پہنچ گئی ہے۔ اب وہ جھجل سی مومنہ اور عذرا کی جانب

دیکھ رہی تھی مگر اُسے اِدھر کسی قسم کی کوئی تبدیلی دِکھائی نہ دی...... خفگی' استعجاب یا کوئی بھی ایسا تاثر کہ جس سے
کے ردِ عمل کی کیفیات کا کوئی اندازہ لگایا جا سکتا...... اس کے لئے یہ درمیانی وقفے بڑے اذیت ناک سے
کہ اندر ساری گفتگو مومنہ کے متعلق تھی...... اور یہاں وہ یوں مطمئن سی بیٹھی ہے کہ جیسے گفتگو اس کی شادی
متعلق نہیں' اُسے عمرے پہ بھیجنے کے بارے ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی' کیا بات کرے' کس طرح سے
کرے؟ لاشعوری طور پہ مُنہ سے نکل گیا۔

''مومنہ! سُن لی تم نے اس جاہل کی گفتگو' اس پاگل کی خواہش کا اندازہ کر لیا...... اس کی ایسی
حرکتوں کی وجہ سے ہم کسی کو مُنہ دِکھانے کے قابل نہیں...... پلیز مومنہ! اس کی ان فضول باتوں کو سیریس
لینا...... اس کی جانب سے میں معذرت خواہ ہوں۔''

مومنہ نے فرشتوں کی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھو' ہر شخص کو خواب دیکھنے کا حق ہے اسی طرح خواہشیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ
بار آور بھی ہوں۔ ایک شخص کی خواہش ہے کہ وہ ایک بڑا ایکٹر بنے یا ایک کامیاب بزنس مین بنے
خواہش وہ کر سکتا ہے مگر آسانی سے ایسا بن نہیں سکتا کیونکہ [illegible] کے پاس محنت' اہلیت اور شخصیت کا فقدان
وہ موقع شناس نہیں۔ ایسے [illegible] اپنے [illegible] حیات
خواہش کرنا [illegible] مُشکل تو ہو سکتی ہے مگر اس میں بُرائی کوئی نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مثبت رویے کی علامت ہوتی
ہاں ایک زاویے سے تمہارا بھائی گریٹ ہے کہ اس نے دل میں جو بھی تھا اس کا اظہار برملا کر دیا۔''

اتنا کہہ کر وہ چُپ ہو [illegible] جن پہ پڑی ہوئی
صدیوں سے اُترے ہوئے کسی امر کی طرح ہے...... ظلم میں تبدیلی آ سکتی ہے مگر امر تو گڑے ہوئے
کی مانند ہوتا ہے...... اس کے چہرے پہ بھی جیسے برف سی سپیدی گھُلنے لگی تھی۔ نصرت' وقفے سے
خاموشی اور چہرے کے گُدلے ہوتے خدوخال دیکھتے ہوئے شاید پریشان سی ہو گئی تھی۔ اس کے شانے کو
ہوئے پوچھ بیٹھی۔

''مومنہ! تم ٹھیک تو ہو نا؟ بات کرتے کرتے اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے۔''

مومنہ جیسے چونکتے ہوئے بولی۔

''ہاں' الحمدللہ میں اب ٹھیک ہوں' جبکہ پہلے نہیں تھی۔''

''کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں؟''

مومنہ اُس کی توجہ پہاڑوں کی جانب مبذول کرواتے ہوئے بولی۔

”ہائی ٹمپریچر میں مریض کے سر پہ برف کی تھیلی اس لئے رکھتے ہیں کہ اس کا ٹمپریچر کنٹرول کیا جا سکے۔ میں ان برف پوش پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شاید ان پہاڑوں کا ٹمپریچر کنٹرول کرنے کے لئے سب سے بڑے حکیم نے ان کے سروں پہ ازل سے ہی برف کے پوٹلے رکھ دیئے ہوئے ہیں کہ یہ [illegible] گے۔ دیکھنے کو بہت سے پہاڑ برف کے بغیر بھی ہوتے ہیں کہ یہ نارمل ہوتے ہیں یا اپنی جغرافیائی، [illegible] کی ہیئتی اور مزاجی اعتبار سے ماٹھے مٹھن۔ اسی طرح شاید انسانوں میں بھی کچھ ماٹھے اور کچھ [illegible] ہوتے ہیں۔ کچھ جو اپنے اندر کے لاوے اندر ہی اندر رکھتے ہیں اور کچھ یوں بھی کہ اپنے اندر کی ایک ایک چنگاری باہر نکال رکھتے ہیں۔ اب میں تمہیں کسی پہاڑ کا تو نہیں البتہ ایک چھوٹی سی پہاڑی کا مختصر سا [illegible] سناتی ہوں جس نے اپنے اندر ایک پہاڑ کی بے وفائی، بے حسی کا کھولتا ہوا لاوا چھپا رکھا ہے۔“

پھر اس نے ساری پریم کہانی بغیر نام و مقام سنا ڈالی...... چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد تھکی تھکی [illegible]

”دیکھا تم نے خواہشیں انسان کو کیسے کیسے رولتی ہیں...... اپنی نظر سے گرا دیتی ہیں۔ یہ خواہشوں اور [illegible] کے مارے ہوئے نادان نہ جیتے ہیں اور نہ مرتے [illegible] تمہارا بھائی بھی ایک ایسا ہی نادان ہے جس [illegible] کی وفا ایک [illegible] کی ہے...... ایسے ایسے نادانوں میں بڑی پائیداری [illegible] خصوصیت بھی ہوتی ہے۔“

نصرت، مومنہ کی قریب بیٹھی سن کر گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی...... وہ سوچ رہی تھی کتنی عظیم لڑکی ہے، [illegible] کبھی کسی کو اپنے جسم سے [illegible] نزدیک نہیں گئی پھر اس کا دھیان [illegible] کی جانب ہوا، کیسا بدنصیب اور بے وفا! چار سال تک اس سے مدد لیتا رہا، غلط فہمی میں مبتلا [illegible] اس کی سوچوں اور جذبات سے کھیلتا رہا...... پھر اچانک اپنا مقصد پورا ہونے پہ اس سے یوں علیحدہ ہو [illegible] ہی نہ تھا...... پاکستان میں بھی اس نے ایسا ہی اجنبیوں سا سلوک روا رکھا۔ شادی کر لی، ٹھیک [illegible] انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ انسان کو اتنا خود غرض اور کمینہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔

مومنہ نے اسے چپ چاپ دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

”کس سوچ میں ہو......؟“

”سوچنا کیا ہے، بس انسانوں کی اقسام پہ غور کر رہی تھی۔“

”کچھ پلے پڑا یا محض غور ہی کرتی رہی ہو؟...... مائی ڈیئر! یہ زندگی اور یہ دو پایہ جانور یعنی حضرت انسان...... دونوں اک چیستان کی طرح ہیں...... ان دونوں کے مفہوم، کبھی، کہیں اور کسی کے لئے بھی

ہمیشہ ایک سے نہیں رہے...... ہنستی مسکراتی خوش و خوشحال زندگی، کبھی کیسی خوبصورت دکھائی دیتی ہے
سوہانِ رُوح ہو کر جہنم کی آگ بن جاتی ہے...... اسی طرح بظاہر خوبصورت اور بااخلاق تعلیم یافتہ
میں خدائے پاک کا تحفہ محسوس ہوتا ہے اور یہی کبھی ایسا پینترا بدلتا ہے کہ انسان کے نام سے نفرت سی
ہے۔ اچھے میں بُرا اور بُرے میں اچھا، یہی ریسائیکلنگ ہی فطرتِ زندگی اور فطرتِ انسان ہے۔ کبھی کسی
دیکھ کر فوری ایمان نہ لے آؤ اور نہ کبھی کسی کو بُری حالت میں پا کر اس کے خلاف فتویٰ صادر کرو......
انسان ہر کروٹ اور ہر سانس کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں...... کون جانے کس بُرے کا انت اچھا ہے
اچھے کا آخیر ذلت و رُسوائی سے مملو ہے......!"

مومنہ جیسے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

"بہت ہو لیں باتیں، اب اجازت دو اور بھائی کو بلوا کر کہو کہ وہ میرے لئے کسی اچھے سے
رہائش اور کسی گروپ کے ساتھ آؤٹنگ کا بندوبست کرے۔"

نصرت بڑے بُجھے سے لہجے میں بولی۔

"تم کو دیکھ لو یہاں کی ٹھنڈی فائنوز کے لئے [illegible] آتی ہے [illegible] ہڈیوں کو
ہے...... اور تم نے بھائی کو بلانے کی بھی ضد کی...... جب پچھتانے اور جانے کے باوجود تم اسی
کرنا چاہتی ہو تو...... چار بجے ابا آئیں گے وہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔ اُن کی غیر موجودگی
اجازت کے بغیر اگر جانا چاہتی ہو تو جاؤ......!"

مومنہ کو پہلے ہی کھٹک تھی کہ یہاں سے نکلنا اگرچہ ناممکن نہیں تھا لیکن بے حد مشکل ضرور ہے۔
چائے کی نوید سُنائی دی تو اس کے منہ سے تھینکس گاڈ خود بخود ادا ہو گیا۔

نصرت کے والد صاحب نے مومنہ کو ایک روز مزید اپنا مہمان رکھا...... دین و دُنیا پہ سیر حاصل
کی...... کچھ کتابوں کے تحفے اور ڈھیر ساری دُعائیں بھی دیں...... مومنہ نے نصرت اور عذرا سے
استدعا کی تھی کہ وہ والد صاحب کو گل نواز کی گھر پہ آمد اور اس کے رونے کے متعلق کچھ بھی نہ بتائیں۔
کے بعد اُسے اس گھر کے باہر قدم دھرنا نصیب ہوا اور وہ شہر سے قدرے ہٹ کر ایک نیم سرکاری ہٹ
ہوگئی۔ اس کا انتظام نصرت کے والد صاحب نے کیا تھا۔ یہاں قریب قریب بنے ہوئے دیگر ہٹوں میں
اور غیر ملکی سیاح پہلے سے ہی مقیم تھے...... بجلی، ٹیلیفون، ٹرانسپورٹ اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی
سہولتیں بھی میسر تھیں...... یہاں اسے یہ آسانی ہوگئی کہ وہ دوسرے غیر ملکیوں کے گروپ میں
سیاحت کے لئے جا سکتی تھی۔ اگلے چار پانچ روز وہ چیدہ چیدہ جگہوں پہ ہو آئی تھی...... بس یہیں ایک

سمجھ چکی تھی کہ اس کا کھانا پینا' پہناوا اور دیگر مشاغل اپنے ساتھیوں سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ وہ اس کے سر سے پیروں تک کے حجاب' نماز و درود کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ شراب' خنزیر اور سگریٹ تو دُور کی چیزیں تھیں حتیٰ کہ یہ کوئی مچھلی' پنیر اور سُوپ تک استعمال نہ کرتی جو یورپ سے منگوایا گیا ہو۔ مصحف پاک اور مصلّےٰ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا۔

مستانِ نفس و ہوس کا دُم کٹا بَاگھ اور چِتّل بکری......!

ایک جُھل سی دوپہر وہ اپنے کالج کے برآمدے میں پائیں کرسی پہ پڑی جھکولے لے رہی تھی...... ہلکی ہلکی دھوپ میں بڑی میٹھی سی تمازت تھی جو سردی اور گرمی کا اَن اوکھا سا امتزاج پیش کر رہی تھی۔ اپنے ممی ڈیڈی کے خطوط جو پچھلے دِنوں اسے اسلام آباد موصول ہوئے تھے' اس کے سامنے بید کی تپائی پہ کھلے دھرے تھے۔ ابھی ابھی وہ ان کا تفصیل سے مطالعہ کر کے ہٹی ہی تھی کہ وضع قطع سے نہایت شریف دکھائی دینے والا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اس کے پاس ”السلام علیکم“ کہتا ہوا آ کھڑا ہوا اور دیسی قسم کی انگریزی میں مخاطب ہوا۔

”میں [illegible] ایک گروپ پہاڑوں کی سیاحت کے لئے روانہ ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں اکثریت خواتین کی ہے کچھ نوعمر بچے بھی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ ماشاء اللہ مسلمان ہیں پردہ دار ہیں...... آپ کو خوشی ہوگی کہ گروپ میں اکثریت باپردہ خواتین کی ہے۔ یہ لوگ کراچی سے آئے ہیں' پڑھے لکھے ہیں۔“

مومنہ کی تو مُراد بھر آئی تھی...... وہ ایسی ہی کوئی سنگت چاہتی تھی جس میں اُسے کسی طور بھی اجنبیت کا احساس نہ ہو۔ پڑھے لکھے' روشن خیال و روشن ضمیر...... تا کہ وہ اُن سے کُھل ڈُل کر ہر طرح کی بات چیت کر سکے...... مومنہ نے اس گائیڈ قسم کے شخص سے لوکیشن' قیام و طعام کے علاوہ دیگر اُمور کے متعلق بھی تفصیلات حاصل کیں۔ اس کا لائسنس چیک کرتے ہوئے اگلی صبح تیار رہنے کا عندیہ دے دیا۔

گُل نواز تو جیسے مجنوں ہو چکا تھا...... مومنہ کوئی ایسی حسین و جمیل لڑکی بھی نہیں تھی کہ اُس جیسی کہیں اور ملتی ہی نہ ہو...... پر دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کسی کی چھب' کوئی ادا حرکت' دل کو بھا جاتی ہے کہ اچھا بھلا آدمی گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے گُل نواز بھی کسی غیر ملکی لڑکی سے کوئی تعلق دکھا کر اپنے ہم مشربوں یا تعلقداروں میں اپنی بہ جا بہ جا بنانا چاہتا ہو...... اُسے اسی دن معلوم ہو گیا تھا

مومنہ کسی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنا چاہتی ہے اور وہ اس علاقے کی سیاحت کے لئے جرمنی سے آئی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے والدہ اور عذرا سے کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اُسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اس نے شادی والی بات پہ قطعی کوئی بُرا نہیں منایا تھا۔ بلکہ یہ تک کہا کہ گل نواز نے اپنے دل کی بات کو زبان تک لا کر بڑی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ اس بات نے اس پہ اُلٹا اثر کیا بلکہ غیر ملکی میموں گوریوں کے بارے میں جو اس کا خبط تھا اُسے مزید بھڑکا دیا۔

مومنہ عام سی غیر ملکی ہوتی تو کوئی بات نہ ہوتی...... ایسی عورتیں اور مرد آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کا کاروبار خاص طور پہ ان غیر ملکیوں کی آمد و رفت سے وابستہ ہے۔ ڈالر' پونڈ' سگریٹ' شراب' کپڑے' کیمرے وغیرہ ان کے لئے بڑی کشش کا باعث ہیں۔ اِدھر پہنچنے والوں میں زیادہ تر منشیات کے شوقین ہوتے ہیں اور جو نہیں ہوتے انہیں یہاں کے اکثر گائیڈ اور مددگار قسم کے لوگ' شوقین بنا دیتے ہیں۔ گھوڑے' خچے کوہ نوردی کے آلات' گرم کپڑے' برتن' دوربینیں' کیمرے وغیرہ کرائے پہ اُٹھانے والے' [illegible]' گائیڈ' مزدور' مددگار' ان پڑھ اور نیم پڑھے لکھے نوجوان' اسی سیروسیاحت کے پیشے سے اپنا اپنا رزق [illegible] کرتے ہیں—— بڑے بڑے شہروں کے برعکس یہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں۔ [illegible] کا ارتکاب [illegible] نہیں ہوتا جب تک اچھوں کے مقابل کچھ بُرے نہ ہوں۔ ان پیشہ ور لوگوں میں بھی چند گندے دانے موجود تھے جو اس سیروسیاحت کے پیشے کی آڑ میں منشیات' کرنسی' سمگلنگ' بردہ فروشی اور اخلاقی بُرائیوں میں ملوث تھے۔ یہ ایک علاقائی مافیا تھا۔ جس کی پُشت پناہی مقامی [illegible] حیثیت کے [illegible] سیاسی لوگ اور کچھ سرکاری اہلکار کرتے تھے۔ ان کے خفیہ ڈیرے تھے' جہاں شراب نوشی' مُجرے' قماربازی' منشیات کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان عیش کوش بگڑے لوگوں کی سب سے اعلیٰ عیاشی' غیر ملکی بھی عورتوں کو چرس گانجے کی زد پہ لا کر انہیں بے آبرو کرنا تھا—— اس طرح ان کے ہاتھوں' نشے اور جنسی بے راہروی میں پھنسی ہوئی عورتیں پھر کہیں بھی جانے کے قابل نہ رہتیں۔ یہ لوگ یہ حرکتیں مل جُل کر کرتے تھے۔ لیکن ان کا ایک اصول بھی تھا وہ یہ کہ وہ خراب کو ہی مزید خراب کرتے...... اچھے اور ایک نمبر لوگوں کے لئے وہ ایک نمبر ہی رہتے تھے۔

اس مافیے کا سرغنہ وہاں کے ایک نامور خاندان کا چشم و چراغ تھا جسے آپ فی الحال شاہ جی کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف سماجی طور پہ ایک مخلص اور فعال انسان تھا بلکہ سیاسی اور کاروباری اُفق پہ بھی ایک کامیاب شخص تھا...... اس کا کمال یہ تھا کہ وہاں کے مقامی باشندوں میں اس کی شرافت' اخلاق اور وضعداری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری اور حکمت سے اپنی منفی مصروفیات پہ پردہ ڈال رکھا تھا...... اس کی احتیاط

[illegible] یہ عالم تھا کہ مافیا کے چند سینئر لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کے چنگل میں پھنسنے والی کوئی خوبصورت سب سے پہلے اس شخص کے تصرف میں آتی ہے...... اس کا ڈیرہ بہت ہی الگ تھلگ پہاڑ کے اندر ایک قدرتی غار میں تھا...... جس کے باہر ایک برائے نام سا ہوٹل بنا ہوا تھا۔ دراصل پہاڑ کی جانب بڑھنے والوں کے لئے یہ جگہ پہلے زمینی پڑاؤ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان لوگوں کی یہ کمین گاہ ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ تھی۔ شاہ صاحب کے خاص الخاص گماشتے ہی اس راستے سے واقف تھے جو اس کے عیش کدے کی جانب کھلتا تھا۔ چونکہ یہ بااختیار شخص سیاحت کے کاروبار میں بھی ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے ہر روز آنے جانے والوں کی تعداد جنس اور قومیت کی تفصیل اس تک پہنچ جاتی تھی۔

مومنہ کے شکر در میں قدم رکھنے کے ایک گھنٹہ بعد اس کی رپورٹ اس تک پہنچ چکی تھی اور یہ بھی کہ کہیں مناسب قیام کی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے گل نواز کے والد صاحب اسے اپنے گھر مہمان کی حیثیت سے لے گئے تھے...... دو روز بعد وہ جب ایس این ایچ کے ہٹ میں پہنچی تو بھی اسے اطلاع پہنچ گئی...... اسے تو اپنے ذرائع سے یہاں تک معلوم ہو چکا تھا کہ گل نواز اس غیر ملکی مسلمان لڑکی پہ فریفتہ ہو گیا ہے اور شادی کرنے پہ مصر ہے۔ چند ایک غیر معمولی اطلاعات تھیں جن کی بنا پہ اس کے اندر ایک عجیب تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ [illegible] اپنی دلہن بنانے پہ تلا ہوا تھا۔ اسے گل نواز کی جرأت پہ حیرت بھی تھی اور خفگی بھی...... کیونکہ یہاں تو مل بانٹ کر کھانے والا معمول تھا شادیوں وادیوں کا کوئی چکر نہیں تھا۔ اس نے طے کیا پہلے وہ اس میم کو دیکھے گا اور پھر وہ گل نواز سے نمٹ لے گا...... اس مقصد کے تحت وہ صبح جوگنگ فیلڈ میں پہنچ گیا تھا لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ کچھ دیر [illegible] کے بعد وہ اس کے ہٹ کی پچھلی جانب ہو لیا...... وہ بیک سائیڈ پہ تختے کے نیچے کوئی کتاب پڑھ رہی تھی (یعنی وہ تلاوت کر رہی تھی) وہ کچھ یوں اپنے آپ میں مگن تھی کہ یہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ صبح گاہی 'نور کا اجالا' اس کا چہرہ ایک گلاب کی مانند دمک رہا تھا۔ وہ اسے محسوس کرتا ہی رہ گیا۔ ایسا ملکوتی حسن 'من موہنا دلآویز سراپا...... اس سے پیشتر کہاں کسی نے بھلا دیکھا سنا ہوگا؟ گل نواز کا اس پہ فریفتہ ہونا اور شادی کا سوچنا' اس کی سمجھ میں آ چکا تھا۔

یہ لڑکی اس کے دل میں ببول کے کانٹے کی مانند اتر سی گئی تھی۔

گل نواز کی تلاش ہوئی تو وہ گھر پہ اپنی ماں کو مومنہ کے سلسلے میں اپنا ہمنوا بنا رہا تھا۔ شاہ جی کا پیغام ملتے ہی وہ ان کے ڈیرے پہنچ گیا۔ شاہ جی نے بلا تمہید و تکلف سیدھی سیدھی مومنہ کی بات شروع کر دی اور اپنا یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا کہ یہ غیر ملکی عورت دیر بدیر ان کے ٹھکانے پہ پہنچنی چاہئے۔ دراصل یہ بات کہہ کر وہ گل نواز کا

عندیہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ مومنہ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ انسان جبلّی طور پہ انتہائی خودغرض واقع ہے۔ خاص طور پہ عورت' دولت اور شہرت کے معاملہ میں تو وہ اخلاقی' انسانی اور قانونی حدوں کو بھی انتہ سفاکی سے پار کر جاتا ہے۔

شاہ جی کی زبان اور آنکھوں سے مومنہ کی بات سُن اور جان کر وہ کسی کرونڈیے سانپ کی طرح کسمساتے ہوئے کہنے لگا۔

''شاہ جی! دراصل مومنہ ہمارے ہاں' اَبّا کے جاننے والے ایک دوست کی وساطت سے آئی ہے۔ وہ دوست پاکستانی ہے مگر جرمنی میں رہائش پذیر ہے۔ مومنہ' ایک نومسلم ہے' وہ اَبّا سے اسلام کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہے اور ساتھ ساتھ سیر سیاحت بھی...... اَب چونکہ ان ذاتی باتوں کا یہاں کسی کو کوئی علم نہیں اس لئے اُسے محض ایک ٹورسٹ ہی سمجھا جارہا ہے۔''

شاہ جی جانتا تھا یہ صریحاً جھوٹ بول رہا ہے پھر اُس نے اتمامِ حجت کے طور پہ کہہ دیا۔

''وہ آپ کے اَبّا سے دین سیکھنے آئی ہے اور تم اس سے شادی کا چکر چلانا چاہتے ہو۔ کیا یہی دینِ اسلام ہے؟...... دراصل تم یہ آم خود اکیلے اکیلے ہی کھانا چاہتے ہو بچے! اور یہ کہانیاں سب مچھیروں کے لئے ہو [illegible] ...... آج کے بعد بھول جاؤ کہ مومنہ نام کی کوئی لڑکی' تمہارے گھر رہی تھی اور تم نے اس سے شادی کا کوئی خواب دیکھا تھا۔''

شاہ جی نے اپنا خاص گماشتہ بھیج کر مومنہ کو اپنے گروپ میں شامل کرلیا تھا...... اٹھارہ رُکنی یہ گروپ سات روز کے لئے برفانی پہاڑوں' وادیوں' جھیلوں کی سیاحت پہ روانہ ہوا...... بیس کیمپ وہی پہاڑ کا دامن تھا جدھر ان کا ہوٹل اور پہاڑ کے اندر خفیہ غار تھا۔ اس بیس کیمپ میں چند ہٹ بنے ہوئے اور گودام بھی' جس میں ایندھن' تیل' جلانے کی لکڑی' گیس سلنڈر' خیمے' سلیپنگ بیگ اور گھوڑوں' خچروں ٹٹوؤں کے لئے اصطبل اور قلیوں خلاصیوں کے واسطے جھونپڑے بنے ہوئے تھے...... پہلے پڑاؤ پہ پہنچ کر گروپ نے ناشتہ کرنا تھا اور ساتھ بریفنگ بھی تھی۔ پہلے روز کا سارا سفر' محض چند کوس پیدل واک تھی...... راستے میں ایک تنگنائے بھی— موٹے موٹے گرم لبادوں میں ملبوس' سروں پہ گرم ٹوپیاں' ہاتھوں پہ دستانے...... پیدل اور کچھ خچروں' ٹٹوؤں پہ سوار...... ساتھ ساتھ رہبر اور قلی' جو ضرورت کا سفری سامان پٹھوں پہ لادے' سیاحوں کی مصاحبت میں تھے۔ مگر ان میں گل نواز کو دانستہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔

پہاڑوں میں کیا ہوتا ہے جو لوگ اُنہیں دُور دُور سے دیکھنے آتے ہیں۔ میرے اپنے خیال میں

دور کے ڈھول سہانے کی طرح''...... ''پہاڑ دور سے ہی اچھے'' بھی ہونا چاہئے۔ پہاڑوں میں آوارہ گردی کرنا' [illegible] ترین مشغلہ ہے۔ بندہ ایک آدھ دن پہاڑوں میں گزار لے تو خود کو بندے سے زیادہ بندر سمجھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ گُنڈیوں اور رسّوں کی مدد سے جان جوکھم میں ڈالے ہوئے سر پھرے جو عمودے پہاڑوں پہ چڑھتے ہیں۔ بندۂ خدا! پھر اُوپر ہی رہو' وہیں سے کچھ اور اُوپر' اُوپر ہی اُوپر' اُس سے بھی اُوپر چلے جاؤ۔ نیچے کی مت سوچو...... آخر اگر نیچے ہی اُترنا ہے تو اُوپر کی مت ٹھانو۔ یہ پاگل سیاح جو پہاڑوں پہ بڑے شوق سے چڑھتے ہیں نیچے اُترتے ہی چارپائیوں پہ پڑ جاتے ہیں پھر کئی کئی روز اِن کی ٹانگوں کی کھلیاں نرم نہیں ہوتیں۔ بخار اور بے طرح کی تھکاوٹ اِن کی جان ضیق میں ڈالے ہوئے ہوتی ہے۔

پہلے دن یہ لوگ اتنا زیادہ تھک گئے کہ دوسرے روز کے پروگرام کینسل کرنا پڑے۔ وہاں کے آرگنائزر کو یہی بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اُجرت تو وہ پورے دنوں کی لے لیتا ہے مگر اُسے فعال بہت کم [illegible] پڑتا ہے۔ وہ پہلے اور دوسرے روز سیاحوں کو اتنا تھکا دیتا ہے کہ اگلے ایک دو روز وہ بیچارے ایک دوسرے کی ٹانگیں دباتے رہتے ہیں یا سردی' تھکاوٹ کھا کر بیمار پڑ جاتے ہیں

[illegible] سبھی لوگ' خوب [illegible] کر پڑ گئے تھے۔ مگر مومنہ کا معاملہ دیگر تھا۔ اس کے روزمرہ کے معمولات میں رتی برابر بھی فرق نہیں آیا۔ صبح کی سیر' ورزش' نماز' تلاوت اور ناشتہ کے ساتھ ہلکا پھلکا مطالعہ۔

وہ حیران ہوئی جب اگلی صبح نئی لوکیشن کی سیاحت کے لئے' اس کے علاوہ صرف دو فرد ہی جانے کے لئے بچے' باقی سب گھوڑے ٹو بیچے سوئے پڑے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اُن دونوں نے بھی آج کا پروگرام ملتوی کر دیا اور انفرادی طور پہ اِدھر اُدھر نکل گئے...... اپنے ہَٹ کی جانب لوٹ رہی تھی کہ سامنے سے عبید اللہ گائیڈ آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے پہلے روز' سیاحت کے سلسلہ میں بات ہوئی تھی...... سلام کے بعد اس نے آج کا پروگرام موخر ہونے پہ معذرت چاہی...... ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے ہوئے وہ اس کے ہَٹ تک آ پہنچا تھا۔

''میڈم! اگر آپ پسند کریں تو میں صرف آپ کی خاطر ایک خاص لوکیشن دکھانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں۔'' بڑے عجز' خلوص اور ادب کی چاشنی میں بھیگی ہوئی آفر تھی جسے وہ قبول کر بیٹھی۔

ہلکی سی تیاری کے بعد وہ اُسے دم ڑی کے پُراسرار غار کی جانب لے گیا۔ اِس قدیمی غار کے اندر کہیں گرم نیلے پانی کا چشمہ رواں تھا...... ہلکی ہلکی گندھکی دھانس اور سفید جھاگ اُڑاتا ہوا شفا بار پانی' جلدی

اور سحری امراض کے لیے اکسیر مانا جاتا تھا...... راستہ دُشوار گزار، کٹا پھٹا اور چڑھائی کا تھا۔ عام لوگ اور
اِدھر آتے ہوئے کتراتے تھے۔ صرف بیمار، حاجتمند اور اس پانی کا کاروبار کرنے والے ہی اِدھر کا
کرتے...... لوگوں کا کہنا تھا کہ اس شفا آمیز پانی کی اجارہ داری بھی شاہ صاحب کے پاس ہے۔ یہ
معجزاتی پانی کی حیثیت سے دُور دُور تک بھیجا جاتا تھا...... یعنی یہ قدرتی پانی بھی اک اچھا خاصا کاروبار
چکا تھا۔

ایک معتمد مددگار، گائیڈ عبیداللہ اور میڈم مومنہ جان، جو خچر ٹٹوؤں پہ سوار تھے دم ڈی کے
سلسلہ کی جانب روانہ ہوئے۔ موسم رسیلا اور چمکیلا تھا...... کھانے پینے کا سامان اور کچھ ضروری اشیاء
معتمد مددگار، ٹٹو پہ بندھی ہوئی تھیں...... وہاں پہنچتے پہنچتے دو اڑھائی گھنٹے لگ گئے...... راستہ چونکہ
اُترائیوں چڑھائیوں اور گہری کھائیوں سے [illegible] پڑا تھا اس وجہ سے مومنہ پورا وقت وِرد دُرود پڑھتی رہی۔

یہ صدیوں پُرانا غار شروع دہانے پہ قدرے تنگ مگر اندر سے دُور تک ایک وسیع منظر پیش کرتا تھا......
اندر کچھ غیر قدرتی سی تبدیلیاں بھی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ انسانی عمل دخل بھی ہے
نیلے اور فیروزی رنگت کے خوبصورت ملائم پتھروں سے اٹھکیلیاں کرتا ہوا رواں پانی جانے کہاں سے
کدھر غائب [illegible] مقام پہ پانی کے
بیچ پتھروں سے ایک دیواری اُٹھا دی گئی تھی...... یہاں لگتا تھا کہ یہ جگہ غسل کے لیے مخصوص ہے۔ پانی کے
گول گول چمکیلے سے پتھر تھے شاید ان پہ بیٹھ کر غسل کیا جاتا ہوگا...... مددگار باہر قدرے ہموار سی جگہ پہ
کے کھانے پینے کے انتظام میں جُت گیا...... عبیداللہ گائیڈ، مومنہ کو لیے غار کی طرف آ گیا۔ ٹارچ اس کے
ہاتھ میں اور تھیلا اس کے کاندھے پہ لٹکا ہوا تھا...... دہانے میں داخل ہوتے ہی اس نے ٹارچ روشن کرتے
ہوئے کہا۔

"صرف چند قدم ٹارچ کی ضرورت ہے پھر آگے اندر ضرورت محسوس نہیں ہوگی...... قدرتی
غار کے اندر روشنی ہوتی ہے۔"

دورانِ سفر اس نے اس پُر اسرار غار کے بارے میں کافی حد تک جھوٹی سچی معلومات بہم پہنچا کر
کے شوق و تجسس کو ہوا دی تھی...... اب اس نے مزید بتانا شروع کیا۔

"میڈم! یہ غار بڑا مقدس مانا جاتا ہے، ہم نے تو اپنے بزرگوں، لیکن انہوں نے اپنے پرکھوں سے
ہے کہ یہ غار، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت میں جنوں اور پری زادوں کے لیے ایک خاص
کی حیثیت رکھتا تھا۔ جھیل سیف الملوک کی مانند یہ بھی نوری ناری مخلوق کی ارضی تربیت کی آماجگاہ تھا۔

[illegible] برفانی چوٹیوں پہ ہوتی تھی اور یہاں برفانی چوٹیوں والے پہاڑوں کی پُراسرار غاروں اور گھپاؤں میں...... انسان کے پاس سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھ ہو تو آج بھی اس مقدس غار میں پری زادوں کے [illegible]وں کی سرسراہٹ' اُن پاکیزہ تنفس کی خوشبو اور بے خدوخال شبیہوں والے سَراپے لہراتے سے محسوس ہوتے ہیں......"

وہ ذرا سی ذرا سانس درست کرنے کی خاطر رُکا تو سردی یا خوف سے سکڑی ہوئی مومنہ بادلِ نخواستہ پوچھ بیٹھی۔

"کیا اَب بھی یہاں جنوں اور پری زادوں کا عمل دخل ہے؟"

"عمل دخل کے بارے میں تو میں وثوق سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہاں البتہ کچھ اثرات ضرور موجود ہیں۔" گائیڈ نے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

مومنہ مزید کریدتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا یہ اثرات یہاں ہر پہنچنے والا محسوس کرتا ہے یا محض غار کے اندر داخل ہونے والے پہ ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ اثرات کس نوعیت کے ہوتے ہیں؟"

"اس [illegible] بتا [illegible] حوں کو لا چکا ہوں لیکن سوائے چند ایک کسی نے بھی اثرات محسوس نہیں کیے۔"

"مثلاً چند ایک نے کس قسم کے اثرات محسوس کیے......؟"

وہ تو جیسے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ گائیڈ بوکھلاتا سا بولا۔

"یہی کہ کوئی اچانک چپ سادھ لیتا' آنکھیں حیرانگی سے دُگنی پھیل جاتیں' چہرے پہ سپیدی گھنڈ آتی اور کوئی خود بخود بڑبڑانے لگتا ہے جیسے کسی نادیدہ ہستی سے باتیں کر رہا ہو...... ایک آدھ کو بے ہوش ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔" پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ "عجیب بات کہ چند ایک کو بے پناہ خوشی اور مسرت کے عالم میں بھی دیکھا...... جیسے انہوں نے یہاں پہنچ کر اچانک کوئی خزانہ پالیا ہو یا کوئی ایسی چیز مل گئی جس کی کھوج میں وہ سرگرداں' ملکوں ملکوں خاک چھان رہے تھے...... میڈم! دو چار کیس ایسے بھی......؟"

اچانک اُسے بریک لگ گئے' جیسے نہ دکھائی دینے والی کسی پُراسرار ہستی نے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھ دیا ہو کیونکہ وہ متوحش سی آنکھوں کے ساتھ تھر تھر کانپ بھی رہا تھا۔

وہ اسے ایسی حالت میں دیکھ کر گھبرا سی گئی' پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا؟...... یہ لو پانی پیو!...... بیٹھ جاؤ اور اپنی بات مکمل کرو۔ تم کہہ رہے تھے دو چار کیس ایسے

بھی...... کیسے کیس تھے یہ؟...... سکون سے بتاؤ۔''

ایک بڑا سا گھونٹ لے کر وہ بولا۔

''میڈم! میں دراصل یوں کہنا چاہ رہا تھا دو چار کیس ایسے بھی ہوئے کہ بندے ہی غائب ہو گئے۔

وہ غار کے اندرونی حصے کو دُور تک نیم تاریکی میں ڈوبا دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

''وہ غار کے اس تاریک خطرناک حصے کی جانب یوں بڑھتے ہوئے چلے گئے تھے جیسے کسی نے انھیں اُدھر پہنچنے پہ مجبور کر دیا ہو۔ میری وارننگ پہ بھی اُنہوں نے کان نہیں دھرے' آگے بڑھ کر روکا بھی...... مگر سحر زدہ سے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔''

وہ فلاسک کپ میں باقی ماندہ پانی پینے لگا تو مومنہ نے ایک اور سوال چھوڑ دیا۔

''بتا سکتے ہو کہ یہ غار کہاں پہ ختم ہوتا ہے...... اس سے آگے کیا ہے اور کیا تم یا کوئی اور...... اس کے اندر انتہا تک گیا ہے؟''

وہ غار کے اندرونی' تاریکی میں آگے بڑھتے ہوئے راستے سے نظریں چُراتے ہوئے بتانے لگا۔

''میڈم! یہ آپ دیکھ رہی ہیں کہ اندر کہیں سے نکلتے ہوئے چشمے کا پانی یہاں پہنچتے پہنچتے دو حصوں میں تقسیم ہو جا [illegible] جلدی امراض سے شفایابی کی خاطر بایاں حصہ عورتوں اور دایاں حصہ مردوں کے غسل کے لئے مخصوص ہے مگر شاذ ہی کوئی ایسا موقع آیا ہو کہ مرد اور عورتیں اکٹھے غسل کے لئے موجود ہوں۔ اگر ایسا کبھی ہو بھی جائے تو پہلے صرف مرد اور بعد میں عورتوں کو موقع مل جاتا ہے مگر انہیں بدن کے ساتھ باطنی غسل درکار ہوتا ہے۔ وہ یہاں سے فارغ ہو کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جدھر بظاہر اندھیرے مگر باطن اُجالے اُجالے ہی ہوتے ہیں...... پھر اُن لوگوں کا آگے جانا فضول ہوتا ہے۔ انہیں اَب کسی گائیڈ کی ضرورت نہیں رہتی وہ اپنی راہوں کے خود ہی راہی اور اپنی منزل کے آپ ہی متلاشی ہوتے ہیں۔''

''یہ باطنی غسل کیا ہوتا ہے؟''

مومنہ پاس ہی ایک بڑے سے پتھر پہ بیٹھتی ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میڈم! میں ایک نکما سا گائیڈ ہوں۔ میری معلومات سینہ بہ سینہ سُنی سُنائی باتوں پہ مبنی ہیں۔ یہی سُنی سُنائی باتیں میں آگے بھی سُنا دیتا ہوں...... سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اس کی بابت اللہ بہتر جانتا ہے۔ مجھے ایک بات بالکل سچ ہے کہ اِدھر کہساروں اور برفباروں میں رہنے والے کم از کم دروغ گو نہیں ہوتے۔ اِن کے اردگرد اُوپر نیچے نزدیک و دُور سچائیاں ہی سچائیاں اور قدرت و فطرت کی بے باکیاں ہوتی ہیں۔ ایسے

[illegible] میں تم لوگوں کو دروغ کی جرأت کہاں ہوتی ہوگی۔ ویسے میرے ذاتی تجربے اور مشاہدہ میں ابھی [illegible] روحانی غسل کا ادراک نہیں آیا۔''

وہ اپنی چھڑی سے غار کے اندر ذرا دُور ایک اُبھری چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں اُس جگہ سے آگے کبھی گیا ہی نہیں......!''

''کیا اس غار کے اندر چگادڑیں یا اسی نوع کے پرندے جانور بھی ہیں؟''

''میڈم! میں آپ کو بتاتا ہوں ایسے مکروہ پرندے جانور وہاں ہوتے ہیں جہاں بھوت پریت یا بدروحوں کی آماجگاہیں ہوں۔ ہمارے اِن برفانی علاقوں پہاڑوں میں ایسے اَبلیسی ٹھکانوں کی گنجائش ہی نہیں...... اِن برف زاروں میں پری زاد اور جنّات تو رہتے ہیں مگر وہ جو دائرہ اسلام میں ہوں...... یہاں تک کہ یہاں چرند پرند یا درندے بھی خوئے حلیم والے ہوتے ہیں...... بلکہ جانور' چگادڑیں' اُلّو' سانپ' [illegible] بچھو وغیرہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آپ اس غار کو ہی دیکھیں یہاں آپ کو کسی جانور یا [illegible] کی غلاظت دکھائی نہیں دے گی اور نہ کوئی مکروہ' حرام جانور نظر آئے گا...... جہاں گندھک [illegible] میز رواں [illegible] وہاں عفونت' گندگی بھی نہیں رہے گی...... گندھک [illegible] لوبان [illegible] اور دیگر [illegible] وغیرہ تو [illegible] بلیات دور کرتے ہیں۔''

مومنہ [illegible] عجیب سی نظروں سے اُسے تولتی رہی...... پھر بولی۔

''اس غار میں پینے کا صاف پانی بھی ہے؟''

''ہاں! تروڑے سے تین چار [illegible] سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ نیچے پتھر کی کھدائی کر کے ایک حوضی سی بنادی گئی ہے۔ ایسا یخ بستہ میٹھا اَمرت سا پانی...... چلّو بھر پیو تو اندر تک ٹھنڈی پھوتی سی محسوس ہوتی ہے۔ جنم جنم کی پیاس بُجھ جاتی ہے...... دُور دُور سے لوگ آتے ہیں۔ اپنی [illegible] ڈبے قطار میں رکھ جاتے ہیں...... پچھلے دو مہینے پہلے تک یہاں ایک مجذوب سا پڑا رہتا تھا۔ خدا [illegible] بسراوقات کہاں سے کرتا تھا۔ جب دیکھو وہ بڑبڑاتا ہی دکھائی دیتا جیسے کسی سے جھگڑا کر رہا ہو۔ [illegible] حق مانگ رہا ہو...... عاجز بن کر' تو کبھی آنکھیں دکھا کر...... کبھی کبھی اپنے موڈ میں ہوتا تو کُپیاں' [illegible] بھر بھر کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا جب لوگ دوبارہ ادھر کا چکر لگاتے تو اپنا اپنا پانی اُٹھا کر لے جاتے [illegible] جاتے کچھ نہ کچھ' روٹی' پھل یا نقدی کی صورت اس کو دے جاتے۔ دو ماہ ہوئے وہ ادھر سے [illegible] ہے۔ لوگ عجیب عجیب تاویلیں گھڑتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس کی یہاں ڈیوٹی ختم ہوگئی ہے۔ کوئی کہتا ہے [illegible] مر کھپ گیا ہے' کچھ کہتے ہیں وہ غار کے اس پار کہیں نکل گیا...... غرض جتنے منہ اُتنی باتیں۔''

تروڈا وہ جگہ تھی جہاں سے چشمے کا پانی دو علیحدہ آب جوؤں میں تقسیم ہوتا تھا...... بڑا سا چمکیلا
درمیان میں تھا جس پہ سفید رنگ سے تروڈا شریف لکھا تھا...... آگے آگے عبیداللہ گائیڈ اور پیچھے پیچھے موم
گیلے چمکیلے بے ڈھبے پتھروں پہ مضبوطی سے پاؤں جماتے ہوئے پانی کے حوض کے پاس پہنچ گئے...... حوض کے
اندر سبز رنگ کی کائی کی شاخیں اِدھر اُدھر لہرا رہی تھیں۔ اُوپر اُونچائی سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ ٹھہرے
پانی میں جب موٹا سا قطرہ گرتا تو ایک خاصا گرداب سا لہرا اُٹھتا اور ٹپ کا آہنگ عجیب سرمدی سی موسیقی
اِرتعاش پیدا کر دیتا...... وہ جھک کر جمع شدہ پانی کو دیکھنے لگی پھر ہاتھ کا چُلو بنا کر پانی ہونٹوں کے قریب
نوکِ زباں تر ہوئی تو پانی اُنگلیوں سے اُتر گیا...... اَب دونوں ہاتھوں کے اُوک سے پانی اُٹھایا' سیر ہو کر
فلاسک میں بھر کر کہنے لگی۔

''سُبحان اللہ! ایسا منظر اور معطر پانی زندگی میں پہلی بار پیا ہے۔ شکریہ' عبیداللہ! تم نے مجھے
عجیب نعمت سے مستفید کروایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جب تک میرا قیام یہاں رہے پینے کے لئے مجھے
پانی دستیاب ہو' کیا تم میرے لئے اس کا انتظام کر سکتے ہو؟''

''اس کے لئے مجھے شاہ جی سے رابطہ کرنا پڑے گا کیونکہ یہاں کے دونوں پانیوں اور غار کا سارا
انتظام اُنہی [illegible] آپ [illegible] پہ دستیاب ہو جائیں گے
لیکن......!''

''اب' لیکن' بیچ میں کہاں سے آ ٹپکا......؟''

''میڈم! یہ سمجھ لیں کہ ان دونوں پانیوں کی تاثیر اور اصل لُطف و مزہ یہیں اسی غار میں ہے۔
میں بند کر کے گھر لے جانے میں شاید یہ اپنی کرامت و برکت کھو بیٹھتے ہیں۔ مور کا ناچ جنگل میں اچھا
ہے...... گھر یا چڑیا گھر میں نہیں۔''

''شاید تم نے ٹھیک کہا ہے۔ اچھا اَب یہ بھی بتا دو کہ شاہ صاحب کون ہیں؟''

''شاہ صاحب کوئی بوڑھے سے بزرگ یا پیر فقیر نہیں ہیں۔ یہ تو خُوبرو جوان آدمی ہیں۔ اس
علاقے میں اُن کی بڑی عزت' شہرت ہے۔ کاروباری اور سیاسی آدمی ہیں...... یہاں اردگرد اکثر زمین
پہاڑ اُن کی ملکیت میں ہیں۔ یہاں یاتریوں اور سیاحوں کو لانے' لے جانے کے لئے پرچی ان ہی کے
کٹوانی پڑتی ہے...... پڑھے لکھے ہیں بہت سی زبانیں جانتے سمجھتے ہیں اور یہاں کے چپے چپے کی ہسٹری
واقف...... اِس علاقے میں موجود تمام مزارات' شاہراہت' قلعے' پہاڑ' غاریں' پُل وغیرہ کے متعلق
معلومات مصدقہ اور مکمل ہوتی ہیں۔ اِس غار کے بارے میں جو کچھ وہ بتا سکتے ہیں میں بھی نہیں جانتا

[illegible] آئی پی شخصیت یا بیرونی ممالک سے کوئی پروفیسرز لوگ آتے ہیں تو شاہ صاحب خود انہیں یہاں کی سیاحت کرواتے ہیں۔”

“[illegible] لڑکا گل نواز...... کیا وہ بھی یہیں کام کرتا ہے......؟”

“ہاں، وہ چھوٹے موٹے دیسی قسم کے سیاحوں کو ادھر اُدھر لے جاتا ہے۔ اسے غیر ملکیوں کو لے کر جانے کی اجازت نہیں یعنی اس کے پاس ایسا لائسنس نہیں ہے...... آپ تو اس کے گھر پہ بھی رہی ہیں...... اس نے آپ سے کچھ ایسی ویسی سی توقعات بھی قائم کر لی تھیں لیکن مجھے یقین ہے اس بیوقوف کو آپ نے معاف کر دیا ہوگا۔”

انہی باتوں میں وقت خاصا آگے نکل گیا تھا۔ ہلکا پھلکا گرم گرم کھانا، کھانے کے بعد مومنہ اور عبیداللہ نے الگ الگ اپنی نماز ادا کی۔ مومنہ نے عبیداللہ سے کہا کہ وہ اب غار کے باہر، دوسرے مددگار کے ساتھ اپنی مرضی سے وقت گزار سکتا ہے...... وہ کچھ وقت اکیلے غار کے اندر رہنا چاہتی ہے...... وہ پریشان سی [illegible] سے مومنہ کو دیکھتا ہوا، غار سے باہر اُتر گیا۔

غار [illegible] بھی انسان کے بطون کی مختلف کیفیتوں کی مانند ہوتے ہیں...... پُر اسرار [illegible] والی کیفیتیں، اندھیرے ملگجے، نیم اُجالے، دھواں دھواں دھند دھند اور دل دہلا دینے والے [illegible] مراحل، انسان کسی غار میں اُترے یا اپنے بطون کی باؤلی میں، لگ بھگ ایک سی ہی صورت حال سے [illegible] ہے...... کچ کچ قدم، [illegible] حواس ایک دوجے کا ہاتھ پکڑے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ دل کے طبلے کی گت تیز ہو جاتی ہے۔

یہی کچھ کیفیت مومنہ کی بھی تھی...... اُسے یوں محسوس ہوا کہ اپنے اندر کے کسی نہاں خانے میں اُتر آئی [illegible]...... دھیرے دھیرے بہتا ہوا، سپید جھاگ والا نیلا پانی، جیسے اُسی کا ہی لہو ہو...... خامشی تنہائی، جیسے اُس کا سدا [illegible]...... سنگ و سنگ ریزے، اُس کی خواہشیں آرزوئیں...... نیم اندھے اندھیرے، جیسے اس کی نیم نوا [illegible] اور نامعلوم اَنت والا راستہ، جیسے اس کی منزل کا بے چہرہ سنگِ میل ہو۔

یہی کچھ سوچتی، دیکھتی بھالتی ایک تنویمی سی حالت میں وہ غار کے اندر کچھ آگے چلی گئی۔ یہاں غار کا [illegible] راستہ، کہیں اندر دور، نیلاہٹ آمیز اندھیروں میں گم ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بہت مدھم سی اُبلتے کھلتے پانی کی سرسراہٹ، جیسے اَنگنت زہریلی ناگنوں کا نیلگوں سیّال زہر بہتا ہوا کہیں سے چلا آ رہا ہو...... دریاؤں، [illegible] ہواؤں اور نصیحتوں کے خلاف سفر اور اَمر کرنے میں، انسان کی متجسسانہ فہم و فکر کو بڑی تسکین ہوتی ہے۔

علمی اور مشاہداتی فہامت و فراست کے سارے سوتے یہیں سے پھوٹتے ہیں...... دُنیا کی کم و بیش دریافتیں' ایجادات' عجائبات' نوادرات وغیرہ اسی نوع کے اُلٹے سفر اور اُلٹی کھوپڑی کے امر سے منصۂ آئے۔ عام سفر ہو تو مسافر راستہ طے کرنے پہ جُت جاتا ہے مگر کچھ سفر ایسے بھی درپیش ہوتے ہیں جہاں خود راہی کو طے کرتا ہے...... یہ بھی شاید کوئی ایسا ہی سفر تھا کہ وہ آگے ہی آگے بڑھتی چلی جارہی تھی...... کا عجیب نظام ہے کہ ایسی تاریک و عمیق گھپاؤں غاروں میں تازہ ہوا اور روشنی کی کمی محسوس نہیں ہوتی...... سُوئی کے ناکے سے بھی گزر لیتی ہے جبکہ سورج کی روشنی' عملِ انعکاس سے ایسے ایسے تاریک اور گہرے کھدرے بھی روشن کر دیتی ہے کہ انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے...... نہ تو اس نے کہیں ٹھوکر کھائی اور کسی دائیں بائیں یا چھت کے کسی پتھر سے ٹکرائی۔ آگے کچھ تنگ اور چڑھائی کی راہ تھی مگر وہ وہاں سے بھی گئی...... کچھ آگے بڑھی تو [illegible] ٹخنے ٹخنے پانی میں چل رہی ہے۔ پانی کافی گرم...... اب قدم قدم جیسے میں اُتر رہی ہو...... پنڈلیوں کے آگے بات جب گھٹنوں تک پہنچنے لگی تو وہ [illegible] رُک سی گئی کہ کہیں مزید گہرائی [illegible] واسطہ نہ پڑ جائے...... یہیں سنبھلے نہ سنبھلے کھڑی تھی کہ اُسے سرگوشی سی سُنائی دی۔

"[illegible] رُک جائیے...... آگے مت بڑھیے"

[illegible] بائیں ہاتھ کنارے پہ ایک ہیولا سا اس کی جانب بڑھتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامتے ہوئے بولا۔

"آگے پانی گہرا ہے ادھر کنارے پہ آ جاؤ۔"

اس نے منہ سے [illegible] کی مہلت ہی نہ دی۔ اگلے لمحے وہ کنارے اس سے جڑی کھڑی تھی۔ وہاں گول گول چکنے گیلے پتھر اور ساتھ پیچھے کی چپٹی عمودی چٹان...... نیچے جمانے کے لئے اتنی جگہ نہ تھی کہ وہ اس سے ہٹ کر الگ سی کھڑی ہوتی پھر نیچے ایسی پھسلن اور ناہمواری کہ وہ اُسے سہارا دیئے ہوئے نہ ہوتا تو شاید وہ دھڑام سے پانی میں پڑی ہوتی۔

جیسے کچھ لوگ مُنہ میں زبان رکھتے ہوئے بھی بے زبان ہوتے ہیں۔ یونہی کچھ لوگ چہرے ہو کے باوجود بھی بے چہرہ ہوتے ہیں...... انسانی چہرہ محض مُنہ' ناک' آنکھیں' کان' ماتھا اور ٹھوڑی سے ہی تعبیر نہیں ہوتا یہ تو چہرے کے ظاہری خدوخال ہوتے ہیں۔ اصل چہرہ تو اس چہرے کے بہت پیچھے منش کی کیفیات کے اندر کہیں ڈھکا چُھپا ہوتا ہے۔ اس چہرے کے خدوخال...... اس فرد کی سوچ و نیت' ظن و کرم و کردار کے مطابق ہوتے ہیں' کچھ چہرے خالی پلیٹ کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے چہروں وا لوگ ہوتے ہیں جو صاحب الرائے نہیں ہوتے یا وہ ایک ایسے سرحدے پہ کھڑے ہوتے ہیں کہ دونوں

[illegible] سمتوں کی جانب اور ہر وقت کسی بھی طرف مڑ جانے پہ آمادہ نظر آتے ہیں۔ ایسے میں زندگی کے چوراہ[illegible]وں کے لئے ایسے رستے منتخب ہو جاتے ہیں جو بارغبت' جنت اور جہنم کی جانب کھُلتے ہیں۔ اب انہیں ہوا کس جانب لے اڑتی ہے یہ راہ کی کسی واردات پہ منحصر ہے۔

وہ بے چہرہ سا شخص' اس کو ہولے ہولے کھسکاتا ہوا ایک قدرے فراخ سی جگہ پہ لے آیا۔ یہاں پہنچتے ہی مومنہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کی اس مدد کا شکریہ! میں بے اَرادہ ہی اِس جانب بڑھ آئی جبکہ عبیداللہ نے مجھے اس غار کی پُراسراریت کی بابت ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا...... آپ کون ہیں اور اِدھر......؟“

اس بے چہرہ شخص نے انتہائی رَوانی اور آسانی سے جھوٹ بولتے ہوئے بتایا۔

”میں بھی ایک خبطی سا سیاح ہوں۔ قدیمی اور پُراسرار جگہوں پہ آوارہ گردی کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ آپ حیران ہوں گی کہ میں پچھلے ہفتے سے اس غار میں مقیم ہوں۔ اس غار کی خوبصورتی' خوشبو' نیلے چشمے اور ٹھنڈے میٹھے معدنیاتی پانی نے مجھے یہیں باندھ لیا ہے۔ جُوں جُوں میں یہاں وقت گزار رہا ہوں تُوں تُوں مجھ پہ اس مقدس غار کے اسرار آشکار ہوتے جا رہے ہیں...... [illegible] کونے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اس جگہ میں پچھلے چھ سات روز سے رہ رہا ہوں...... میں خود حیران ہوں [illegible] روز میں کیسے یہاں رہ پایا ہوں؟ ایسا سکون اور طمانیت بھلا اور کہاں ہو گی؟ یقین کیجئے میڈم! یہاں گزرے ہوئے یہ چند روز میری زندگی کا ایک بے بہا قیمتی اَثاثہ ہیں......!“

وہ مومنہ کو اپنے اس جگہ پہ لے آیا جہاں اس کا مختصر سا سفری سامان پڑا ہوا تھا...... مومنہ کو ایک ہموار سے پتھر پہ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

”آپ یہاں بیٹھئے میں آپ کو گرم گرم کافی پیش کرتا ہوں۔“

وہ اُسے ایک چھوٹے سے ہینڈی گیس کے چولہے پہ پانی کی ننھی سی کیتلی دھرتے دیکھ رہی تھی...... [illegible] روشنی میں اس نے اُس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا...... وہ ایک وجیہہ توانا مرد تھا...... اس کے [illegible] سینہ سیاہ بالوں سے اَٹے ہوئے تھے...... اس کا چہرہ ہر طرح کے احساسات سے خالی اور آنکھیں تو جیسے [illegible] نہ ہوں کسی سے اُدھار مانگ لایا ہو۔ وہ یوں ہی پوچھ بیٹھی۔

”یہ بہتا ہوا نیلا پانی...... گندھک کی بُو' خاموشی' ویرانی اور تنہائی...... میرے لئے حیران کُن! انسان' انسانوں میں رہ سکتا ہے پتھروں میں نہیں۔ مجھے آپ کوئی سادھو برہمچاری بھی دکھائی نہیں دیتے جو دُنیا کو تیاگ کر کسی ویران سُنسان جگہوں پہ سمادھی لگانے پہنچ جاتے ہیں۔“

وہ اپنے بھیگے ہوئے کینوس کے جوتے اُتارنے کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ جواب میں گویا ہوا۔

''آپ نے دُرست کہا' کوئی دُنیادار' کچھ وقت تو اس قسم کی جگہوں پہ گزار سکتا ہے' لیکن دن ہفتے مہینے نہیں رہ سکتا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس سے پیشتر کوئی موقع ایسا آیا ہو کہ میں کسی ایسی جگہ مسلسل دن رات رہا ہوں۔ ہاں' چند ایک خاص کیفیات میں نے یہاں بطورِ خاص محسوس کی ہیں ایک تو یہ کہ یہاں وقت ٹھہر ٹھہر سا رُک رُک' کھسکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ دوسری بات' یہاں بھوک پیاس یاد ہی نہیں رہتی۔ قطرہ قطرہ حوض میں جمع ہونے والے پانی کے دو چار گھونٹ' بھوک پیاس' نیند کمزوری اور ہر قسم کے فکر و فساد کو ختم کر دیتے ہیں۔ اندیشۂ سُود و زیاں عنقا ہو جاتا ہے...... انسان اِک عجب سی سرشاری اور سرمستی میں مگن رہتا ہے اور اس غار میں صبح و شام کی گردش کا کچھ احساس ہی نہیں ہوا۔''

''ماں باپ' بیوی بچے...... کاروبار' دُنیاداری کے جھمیلوں میں پھنسا ہوا انسان' شاید ان روحانی عیاشیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا...... یہ غاروں' پہاڑوں اور اندھیروں کے راستے رہبانیت کی جانب سرکتے ہیں اور آپ کی عمر بھی ایسی نہیں جو تنہائیوں اور ویرانیوں کی جانب راغب ہوں۔''

''ابھی تو کوئی ایسی عمر رسیدہ نہیں [illegible] گردشوں میں خراب ہوتی پھریں...... یہ نرم گرم قالین آپ کو بے پناہ سکون محسوس ہوگا۔''

یہ قہوے سے کہیں زیادہ کوئی جڑی بوٹیوں کا جوشاندہ سا تھا لیکن جو بھی تھا وہ فرحت اور مسرت آگیں تھا۔ ہر گھونٹ پہ اُسے [illegible] ہوا جیسے آہستہ آہستہ اس کے اندر کی گرد تہہ بہ تہہ [illegible] رہی ہو...... پھر کچھ دیر بعد ڈیمالش ہونے والی اس بلڈنگ کی مانند اندر سے ٹوٹ گئی جس کی چار دیواری کو گرانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ تبدیلی صرف اندرونِ خانہ ہوتی ہے۔ جسم اور ہوش و خرد کی دیواریں قائم...... لیکن قوتِ مدافعت اور عمل کرنے کی صلاحیت' بس میں نہ رہی...... دیکھ رہی ہے سُن اور سمجھ رہی ہے لیکن اس کے حق یا خلاف کچھ کہنے کرنے سے عاجز...... عجیب سی کیفیت در آئی تھی۔ ہوش میں بے ہوشی اور بے بسی...... کوئی پرندہ اس کے اندر سے چیختا اُڈاری مار کر نکلا اور غار کے سنگلاخ کٹی پھٹی چٹانوں سے ٹکراتا ہوا کہیں غائب ہو گیا۔ یعنی احتجاجاً وہ چیخی چلائی۔

وہ دیکھ رہی تھی اس شخص نے اسے نیچے پتھروں پہ لٹایا...... اس کی جیکٹ کی زپ نیچے کی...... اس نے مدافعت میں ہاتھ پاؤں چلانے چاہے مگر وہ انہیں ہلکی سی بھی حرکت نہ دے سکی۔ البتہ زبان اس کے بس میں تھی۔ وہ تحکمانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ میں غیر ملکی ضرور ہوں مگر مسلمان ہوں اور تمہاری علاقے میں مہمان......

وہ تو جیسے سماعت سے محروم ہو گیا تھا۔ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اس نے جیکٹ اُتار کر پرے پھینک دی۔ تب وہ اس کی شرٹ اُتارنے کے دَرپے ہو گیا تھا...... یہیں وہ منت سماجت پہ اُتر آئی۔

”دیکھو میں وضو سے ہوں۔ کچھ دیر قبل میں نے ظہر کی نماز ادا کی ہے...... مجھے آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا...... میرا نام مومنہ ہے۔ خدا کے غضب سے ڈرو۔ میں نے عمرہ کرنے کی نیت کی ہوئی ہے۔“

وہ اس کی شرٹ اُتار چکا تھا مومنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے بھیگی آنکھوں سے اپنے ننگے شخص کو دیکھا۔ وہ شخص جیسے بے حس ہو گیا تھا۔ جنسی وحشیوں کی طرح نہیں بلکہ بڑے اطمینان و سکون سے اسے برہنہ کرنے پہ تُلا ہوا تھا جیسے وہ کوئی اہم فریضہ ادا کر رہا ہو۔ جب اس نے اس کے سفاری پاجامے پہ ہاتھ ڈالا تب وہ ایک زخمی شیرنی کی مانند دہاڑی...... ہاتھ پاؤں جسم نے تو ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جیسے اپنی تمام توانائی ایک چیخ پکار میں اکٹھی کر لی تھی۔

”خدا، رسول، ماں، پیر فقیر، جسے بھی تم مانتے ہو مجھے بے آبرو نہ کرو۔“

وہ گھگھیا رہی تھی...... یہ شاید اس کی بے بسی کی انتہا تھی۔ الاسٹک والا پاجامہ اور زیر جامہ اُتارنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی...... اس مردِ وحشی نے آپ اپنے کپڑے اُتارنے شروع کر دیئے...... ہر طرح [illegible] آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔

وہ نرم سی پیکر جیسے کوزۂ نبات کا شفاف مجسمہ کی صورت پڑی تھی...... وہ مرد جب اپنے آپ کو کپڑوں کی قید سے آزاد کرنے کے بعد اس کی جانب بڑھا تو وہ بڑے سکون سے کہنے لگی۔

”جو تم کرنے جا رہے ہو اگر یہی کچھ تمہارا منتہائے مقصد ہے تو پہلے ایک کام کرو۔“

وہ اپنے گلے میں پڑے ہوئے ایک بڑے سے تعویذ کے متعلق بتانے لگی۔

”یہ میرے گلے میں میرے بابا کراچی والے کا پہنایا ہوا چھوٹا سا قرآن شریف موجود ہے۔ چونکہ میرے ہاتھ ساتھ نہیں دے رہے اس لئے تم اسے میرے گلے سے اُتار دو...... ویسے بھی شاید مجھے اس کی اب ضرورت نہیں رہی...... مجھے بتایا گیا تھا کہ خدا شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ میں نے اُسی خدا کے کلام کو جان سے لگا کر رکھا کہ میں ایک عورت ہوں، یہ میری حفاظت کرے گا...... مگر شاید میں نے خدا اور اُس کے کلام سے کچھ زیادہ ہی توقع لگا لی تھی...... بہرحال، ہم دونوں کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم اس قرآنی تعویذ کو میرے گلے سے علیحدہ کر دو۔“

وہ انسان ہوتا تو یہ حرکت ہی نہ کرتا...... وہ تو ایک بے حس جنسی درندہ بنا ہوا تھا...... جھٹ آگے بڑھا

جھپٹا مار کر قرآنی تعویذ کو گلے سے علیحدہ کر لیا۔ بس یہیں ایک قیامت ٹوٹ گئی...... ایک ایسی دلدوز چیخ کہ غا کی چٹانوں کے کلیجے بھی دہل اُٹھے۔ قرآنی تعویذ ہاتھوں سے کسی کرونڈیے سانپ کی مانند لپٹا ہوا تھا۔ وہ اُسے جھٹک جھٹک کر پرے پھینکنے کی کوشش میں تھا مگر تعویذ تو جیسے اپنے زہریلے دانت اس کے ہاتھوں میں گاڑ چکا تھا...... وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح' بے طرح ڈکراتا چنگھاڑتا...... لوٹنیاں لیتا کسی جانب ہولیا۔ اس اچانک رُونما ہونے والے واقعہ نے مومنہ کو اِک سکتہ کی حالت میں ڈال دیا تھا...... وہ اِسی طرح بے سُدھ و حس پڑی رہی۔ غار کے اندر چیخ کی اُودھم ابھی تک ایک ایکو پیدا کیئے ہوئے تھی...... آپ نے دیکھا ہوگا کہ غاروں' دَرّوں' گنبدوں میناروں اور گہرے کنوؤں باؤلیوں میں بازگشت دیر تک گونجا کرتی ہے۔ یہ کچھ دیر اسی طرح بے حس سی پڑی رہی...... آنکھیں دماغ روشن تھے۔ اِسے قیامت کی آنکھ سے گزرنے والے ہر اذیت آمیز لمحے کا ادراک تھا۔ یہیں اچانک اُسے محسوس ہوا کہ اس کا بے حس جسم اور مدافعت آہستہ آہستہ بیدار ہو رہے ہیں۔ تھوڑی دیر ہلکی سی ہمت سے وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ لباس زیب تن کیا' حواس اور حلیہ دُرست کرتے ہوئے' اُس نے وہیں پتھروں پہ پڑے ہوئے اُس شخص کے سامان پہ اُچٹتی سی نظر ڈالی...... یہیں اُسے وہ پلاسٹک کا کپ دکھائی دیا جس میں اُسی نے کافی پی تھی۔ اس میں ابھی ایک آدھ گھونٹ سیال موجود تھا۔ اس نے اس تلچھٹ کو اپنے چھوٹے سے [illegible]

ایک لمبے وقفے نے دوپہر کو سہ پہر کی منزل پہ کھینچ لیا تھا...... غار سے باہر نیچے ڈھلوان کی ایک آ عبیداللہ گائیڈ اور مددگار نے اچھی خاصی نیند توڑ لی تھی...... گھڑی پہ نگاہ ڈالتے ہوئے عبیداللہ غار کی جانب اُٹھ آیا۔ اس کے حساب میں میڈم نے جی بھر غار کے فوٹو اور اسکیچ بنائے ہوں گے۔ عصر کی نماز پڑھی ہوگی۔ قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی سے خوب پیاس بجھائی ہوگی۔

مومنہ نے سلام پھیرا تو عبیداللہ سامنے کھڑا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میڈم! سچی بات یہ ہے کہ میں باہر بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا...... آپ کو کہیں میری غیر حاضری سے پریشانی تو نہیں ہوئی؟“

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ”نہیں نہیں میں نے تو تمہاری غیر حاضری میں خوب انجوائے کیا — دیکھ نہیں رہے میں کیسی ہشاش بشاش ہوں...... چلو اب واپس لے چلو' بہت دیر ہوگئی ہے۔“

اس رات یہ خوب سوئی ایسی گہری نیند بچوں پہ اُترتی ہے یا پھر اُن خوش نصیب بوڑھوں پہ جن کی گہری نیند کا اعلان مسجدوں کے لاؤڈ سپیکروں پہ ہوتا ہے اور کچھ سانحے' حادثے بڑے سہانے سپنوں والی نیندیں لاتے ہیں اور کچھ خوشخبریاں کامیابیاں' نیندیں اُڑا دینے والی راتوں کا سندیس بھی بن جاتی ہیں...... چاہیے تو یہ تھا کہ یہ

[illegible] جان بچی تو لاکھوں پائے کہتی ہوئی اسی شام یہاں سے بھاگ لیتی یا کہیں شکایت رپورٹ کرتی' کسی [illegible] کے سامنے اپنی روداد دہراتی...... مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا...... اس واقعے نے اس کے کردار و ایقان کو مزید مستحکم سا کر دیا۔ اس نے اپنے سارے پروگرام موخر کر دیئے اب وہ یہاں رہ کر یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون تھا؟ یہ طے تھا کہ وہ انسان ہی تھا گو انسانیت کے معاملے میں اس کی بے حسی اور کج روی سے وہ کوئی دیو سا لگتا تھا [illegible] نہیں' شاید وہ ایک جنسی انتہا پسند مریض تھا۔ جس کی شخصیت کے دو پرت تھے۔ وہ جس پرت کے زیر اثر ہوتا اسی میں انتہا کر دیتا...... اور یہ بھی کہ وہ کہیں دور دراز سے آیا ہوا کوئی سیاح بھی دکھائی نہیں دیتا تھا...... [illegible] کا مقامی یا پھر کوئی ایسا آوارہ گرد' جو اس علاقے' خصوصی طور پہ اس غار کے محل وقوع اور دیگر کوائف سے خوب واقف تھا۔ اس نے اپنے تئیں ٹھان لیا کہ وہ اس اسرار کو خوب سمجھے گی...... وہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتی تھی اور نہ ہی اس معاملے میں کسی کو اعتماد میں لے سکتی تھی...... یہاں گل نواز' اس کے والد اور بہنیں تھی یا پھر یہ عبید اللہ گائیڈ' ان کے علاوہ کون تھا جس سے وہ اپنی رام کہانی کہتی...... ابھی تو ایک [illegible] بھی اپنے اجمال کے ساتھ صاف نہیں ہوا تھا۔ گزرے دن کا وہ عرصہ اوقات' جو اس [illegible] کے اور اس شخص کے مابین بیتا تھا ہنوز غور طلب تھا۔ وہ اُن کا عکس کے لحاظ [illegible] فہم و ادراک کے قریب [illegible] کی کوشش کر رہی تھی جب [illegible] نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا جیسے اس نے انجانے میں اپنے ہاتھوں سے کسی سرخ انگارہ سیسے کی لوح کو پکڑ لیا ہو...... بری طرح واویلا کرتا ہوا وہ شخص برہنہ جسم' کہیں غائب ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی پھر بتدریج کم ہوتی ہوتی ختم ہو گئی۔ یقیناً وہ شخص آگے کے مزید راہ راستے سے واقف تھا۔

صبح کے معمولات سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی میڈیکل کٹ نکالی...... پیرا ڈوم بلاٹنگ کلاتھ کے ایک ٹکڑے پہ اس محلول کے چند قطرے ٹپکا کر معلوم کر لیا کہ اسے قوتِ مدافعت معطل کرنے والی دوا سے بے حس کیا گیا تھا۔

عبید اللہ گائیڈ جب اپنے وقتِ مقررہ پہ اس کے ہٹ میں پہنچا تو یہ صبح کے مطالعہ اور ناشتہ لینے کے بعد اپنی ڈائری تحریر کر رہی تھی۔ وہ صبح کا سلام کرنے کے بعد' آج کے پروگرام کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ یہ سنی ان سنی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"ایک کپ چائے پیئو...... اس عرصہ میں میں یہ لکھنے والا کام مکمل کر لوں...... پھر دیکھتے ہیں کہ آج کہاں جا سکتے ہیں؟"

دو گھنٹے بعد جب وہ اپنے گائیڈ اور مددگار کے ہمراہ اس غار تک پہنچی تو موسم خاصا خوشگوار ہو چکا

تھا...... صبح' پہلے پہر کی سردی اور کپکپاہٹ سے کسی حد تک نجات مل چکی تھی...... یہاں پہلے ہی کوہ نوردوں کا ایک گروپ موجود تھا...... غار میں داخل ہوتے ہی اس نے عبیداللہ گائیڈ سے کہا۔

''آج ہم ذرا اندر دُور تک جائیں گے...... میں چشمے کے آمدہ پانی اور اندرونی چٹانوں کے کٹاؤ کی قدرتی خوبصورتیوں کی تصویر کشی کرنا چاہتی ہوں...... اس غرض سے میں اپنا مخصوص کیمرہ' جو زبردست فلیش گن مزین ہے ساتھ لے کر آئی ہوں۔''

غار کے اندر اور میٹھے پانی والے حوض کے گرد' چند مقامی اور غیر مقامی ٹورسٹ موجود تھے۔ یہیں اُسے گل نواز بھی دِکھائی دیا جو ایک دیسی جوڑے کو قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی کے بارے میں بتا رہا تھا...... مومنہ پہ نظر پڑتے ہی وہ بُری طرح چونکا...... کچھ محجوب' خجل سا وہ آگے بڑھ آیا...... روایاتی انداز سے سلام کرنے کے بعد اُس نے عبیداللہ سے اپنی مقامی زبان میں خیر خیریت دریافت کی۔ مومنہ حسبِ معمول اپنے حجابی لباس میں تھی' دیکھنے والا اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ملکی ہے یا غیر ملکی...... گل نواز اپنے کلائنٹس کے ساتھ ہولیا اور یہ اپنے گائیڈ کو لے کر غار کے اندر' اُس جانب بڑھ آئی جدھر گزرے دن اک قیامت ٹوٹ گئی تھی۔

''میڈم! میں نے پہلے بھی عرض داشت کی تھی کہ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں...... دیکھئے یہ اُبھرا ہوا پتھر [illegible] ہے [illegible] آگے جانا خطرناک ہے۔ ہم کلائنٹ کو بھی یہاں تک ہی لاتے دکھاتے ہیں...... آگے بڑھنے کی ہمیں اجازت نہیں۔''

مومنہ اس کا تذبذب تذکار سُن کر کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئی' بعدا خشمگیں سی پوچھنے لگی۔

''تم یہاں کے مقامی ہو' یقیناً تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس پتھر سے آگے گیا ہوگا۔ مجھے سمجھاؤ آگے کیا ہے؟ شیر' بھیڑیا یا کوئی بلا؟ جو اُدھر جانے والوں کو پھاڑ کھاتے ہیں...... یا کوئی خون آشام ہے جو لہو چوس لیتا ہے۔ بتاؤ' کیا کوئی جنسی جنونی ہے جو عورتوں کی عصمت تار تار کر دیتا ہے......!''

وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی تھی۔ وہ خوف سے آنکھیں پھیلائے اِسے تکنے لگا۔ خشک حلق تر کرتے ہوئے بولا۔

''میڈم! میں بھی کچھ آگے تک ضرور گیا ہوں کچھ اور لوگ بھی آگے جانے کی ہمت کرتے رہتے ہیں مگر میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عجیب عجیب سی داستانیں ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں' جنہیں سُن کر ماتھے پہ تریلی آ جاتی ہے۔ اب سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے...... لیکن بہتری اسی میں کہ اس پتھر سے آگے نہ جایا جائے۔''

''تم آگے کہاں تک گئے ہو یا جا سکتے ہو؟''

بادلِ نخواستہ وہ جواب میں کہنے لگا۔

''میں آگے تمیلی موڑ تک تو کئی مرتبہ گیا ہوں وہاں چشمے کا پانی کافی گہرا ہے اور خوب گرم ہوتا ہے۔ جس کے کنارے کے پتھروں پہ ایک گہرے نیلے رنگ کی کائی جمی ہوتی ہے جو مردوں کے استعمال کی ایک خاص دوا میں استعمال ہوتی ہے۔ ہم لوگ کبھی کبھی ضرورت پڑنے پہ وہاں سے یہ کائی کھرچ لاتے ہیں۔''

''تم بھی یہ دوا استعمال کرتے ہو......؟''

وہ کانوں کی لَویں پکڑتے ہوئے بولا۔

''توبہ توبہ جی! یہ انسانوں کی کھانے کی چیز تھوڑی ہے۔ اس استعمال کر کے بندہ بندر بن جاتا ہے۔ ہاں میں یہ گناہ ضرور کرتا ہوں کہ مہینے میں ایک آدھ بار وہاں جا کر یہ کائی ضرور کھرچ لاتا ہوں اور آگے بیچ دیتا ہوں۔''

''کسے بیچتے ہو......؟''

''میں نام بھی لوں تو کیا فائدہ' آپ تو کسی کو جانتی نہیں۔''

وہ چند لمحے توقف کر کے کہنے لگی۔

''مجھے اس مقام تک لے چلو جہاں تک تم جاتے ہو۔''

عجیب سی گومگوں کیفیت میں ہکلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''میڈم! آپ وہاں جا کر کیا کریں گی؟''

''میں اس خوبصورت جگہ کی تصویر کشی کروں گی..... جو چشمہ گرم ہے اس کا نیلا گہرا پانی ہے' جس کے کنارے کے پتھروں پہ ایسی قیمتی نیلی رنگت کائی پائی جاتی ہے...... جو مردوں کے کسی استعمال میں آتی ہے...... میں اس پہ مزید تحقیق کروں گی کہ یہ اور کس کس مرض کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔''

سوری میڈم! میں یہ خدمت بجا لانے سے معذور ہوں...... میرے رزق روزی کا معاملہ ہے...... میرا تو لائسنس ضبط ہو جائے گا۔ شاہ صاحب کی جانب سے ہمیں کسی کو بھی آگے لے جانے کی اجازت نہیں۔''

وہ سر جھکا کر مزید گویا ہوا۔

''آپ چاہیں تو مجھے میری خدمات سے فارغ کر سکتی ہیں۔''

وہ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بہت اچھے آدمی ہو...... تم کوہ نوردوں کی خصلت عادت سے واقف ہو۔ ہم لوگوں میں بال کی کھال اُتارنے کی بیماری ہوتی ہے...... تم کل کی طرح باہر جا کر آرام کرو اور مجھے

میرے حال پہ چھوڑ دو۔‘‘

وہ غار سے باہر نکلتے ہوئے کہنے لگا۔

’’میڈم! آپ کے مفاد میں یہ بہتر ہو گا کہ آپ اس مقررہ حد سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ......؟‘‘

وہ اُسے گھورتے ہوئے پوچھنے لگی۔

’’کیونکہ کے آگے بھی کچھ کہو......؟‘‘

’’میں شاید یہ کہنا چاہ رہا تھا...... آپ بہت اچھی اور مہربان ہیں، مسلمان ہیں...... میں آپ کو کسی بھی ممکنہ نقصان سے آگاہ کرنا اور بچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں...... ماضی میں دو چار ایسے واقعات ہو گزرے ہیں کہ کچھ ایڈونچر پسند گوہ نورد غار کے اسرار دیکھنے کی خاطر اندر چلے گئے۔ پھر دوبارہ وہ کہیں دکھائی نہیں دیے...... کوئی کہتا ہے یہ غار اندر ہی اندر رینگتی ہوئی جھیل سیف الملوک میں جا نکلتی ہے۔ پرانے لوگ یہ بھی کہتے ہیں یہ غار کسی بونوں کے ملک تک جاتی ہے...... یہاں اندر کچھ لوگوں کو بونے بھی نظر آئے ہیں۔ میں نے بونوں کی کئی نشانیاں خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ جنات اور پری زادوں کے تو پرانے ٹھکانے یہاں موجود ہیں۔ اُن کی بستیاں ہیں۔ اُن کے ہاں شادیوں بیاہوں پہ گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

مومنہ نے عبید اللہ کی باتوں کو ایک کان سے سنا اور دوسرے سے باہر نکال دیا...... شاید وہ اپنے طور غار کے اسرار کے متعلق کچھ حقائق سے کچھ زیادہ ہی آشنا ہو چکی تھی۔ آج پھر اندر اسی راستے پہ چل پڑی۔ لیکن آج وہ خوب چوکنا تھی۔ سنبھل سنبھل، دیکھتے بھالتے قدم بہ قدم اسی واقعے والی جگہ پہ پہنچ گئی...... مناسب سی قدرتی روشنی موجود، اس کے باوجود اس نے ٹارچ بھی روشن کر لی تھی۔ وہاں اس کل والے شخص کا سامان موجود نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس واقعے کے بعد اس سامان کو اُٹھا لیا گیا تھا...... اچانک اس کی نظر ایک پتھر کی اوٹ میں کسی چمکتی ہوئی چیز پہ پڑی...... وہ ایک قیمتی گھڑی تھی۔ جس کے سٹریپ کی ایک پن ٹوٹی ہوئی تھی...... بات سمجھ میں آ تی تھی کہ ہاتھوں پہ چتا پڑنے کے بعد واویلا کے دوران گھڑی کی پن نکل گئی اور گھڑی دو پتھروں کے بیچ میں گر پڑی۔ جو بعد میں سامان اُٹھانے والے کی نظر میں نہیں آئی...... مومنہ نے گھڑی کو اپنے بیگ میں محفوظ کر لیا...... وہ ٹارچ کی روشنی میں اس جگہ کا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہی۔ وہ جگہ اور پتھر جس پہ وہ برہنہ پڑی رہی تھی۔ اچانک درد کی لہر اُٹھی۔ اس کی پیٹھ اور کولہوں پہ رگڑوں کے نشان اُبھر منظر واقعہ یاد کرتے ہی دُھواں دینے لگے تھے۔ یہیں کہیں اس کے دماغ کی کوئی ورید کھلی وہ غور کرنے لگی وہ شخص ہاتھوں پہ قیامت ٹوٹنے کے بعد اذیت اور بدحواسی کے عالم میں واویلا کرتا ہوا چشمے کے اُلٹے رُخ پہ لڑکھڑاتا سا بھاگتا کہیں اوجھل ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی ٹارچ کا رُخ آگے کی جانب کر دیا۔ چکنے اور نیلی کائی سے اَٹے ہوئے پتھروں پہ بچ بچ قدم دھرتی وہ آگے بڑھنے لگی۔ کل جو سانحہ ہو گزرا تھا اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ بھولے سے بھی اِدھر کا رُخ نہ کرتی۔ لیکن کیا کہیے کہ جب کوئی ہونی، ہونے پہ آتی ہے تو وہی کچھ سرزد ہوتا ہے جو نہ ہونا چاہیے اور وہ کچھ نہیں ہوتا، جو ہونا چاہیے۔ آگے کا کٹا پھٹا، پتھروں چٹانوں سے اَٹا، کہیں تنگ اور کہیں پھیلا ہوا راستہ، سفید جھاگ اور دُھند دِکھاتی ہوئی بھاپ نے اِک عجب سا سماں باندھا ہوا تھا۔ ٹارچ کے دائرہ میں کسمساتی ہوئی روشنی نے الگ اسرار چھوڑے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں کے گُپت موڑ اور کھنڈے کھائیاں ایسی کہ نظر چوکی تو جاں گئی...... کہیں وہ بندوں کی طرح قدم جماتی تو کہیں بندروں کی مانند پھلانگے مارتی، کہیں پاؤں کا پنجہ دھرنے کی جا ہوتی تو کہیں ایڑی پہ ٹکنے کی تھا ہوتی۔

انسان اگر کسی لگن میں مگن ہو تو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا ہے، کہاں ہے اور کدھر ہے۔ وقت، ہلدی کی اِک گانٹھ...... منش بھجتے بھجتے گھسیٹے رام...... اور گھیا، تلوے چاٹ چاٹ کر کٹوری کا چٹو بن جائے لیکن وقت کی ہلدی کی گانٹھ کی گینڈ نہیں چھوٹتی۔

جھرنے اور آبشار میں مقدار، رفتار، گفتار اور کردار کا فرق ہوتا ہے...... قندیل اور شمع میں بھی یہی ہوتا ہے۔ عورت اور [illegible] الذکر [illegible] دوم الذکر میں تحمل، موم اور آخر الذکر میں انسانیت...... یہاں بھی اسی انسانیت کے دو مختلف رُخ، رُوپ اور رویے تھے۔

اُسے یوں لگا جیسے کوئی کراہ رہا ہے...... عجیب سی آواز، کوئی جانور ہے، انسان یا ویسے ہی وہم...... کچھ [illegible] آگے جا کر ایک تیکھا سا موڑ لے کے کشادہ ہو گئی تھی۔ یہیں اچھی خاصی برابر جگہ دکھائی دی۔ لگتا تھا کہ انسانی ہاتھوں نے کسی مقصد کے تحت اس جگہ کو ہموار کیا ہے۔ دیوار چٹانوں میں چند قدرتی طاق سے بنے ہوئے تھے...... چشمے کا پانی بھی اُتھلا اُتھلا پھیلا ہوا...... حد یہ کہ یہاں بھی قدرتی روشنی موجود تھی۔ ایسی اور اتنی روشنی کہ بندے کو یہاں تاریکی کا احساس نہ ہو...... ابھی اس جگہ کا معائنہ کر رہی تھی کہ ایک نیم سی کراہ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چند ثانیوں کے لئے گم سُم ہو گئی یوں کہ اُسے اپنا سانس بھی ٹھہرا اور ٹھٹھرا ہوا محسوس ہوا...... اپنے قدموں پہ ساکت و جامد کھڑی، آنکھیں پھاڑے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک اور گھٹی گھٹی سی کراہ نے اُسے تھوڑا آگے ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں دیکھنے پہ مجبور کر دیا...... گردن ٹیڑھی کر کے دیکھا تو اُسے کوئی انسان آدھا پانی میں اور آدھا کنارے پتھروں پہ پڑا دکھائی دیا۔ وہ چند قدم آگے اُس طرف بڑھ آئی۔

"کون ہو تم......؟"

کوئی جواب نہ پا کر مزید آگے بڑھ آئی...... اس شخص کے دونوں ہاتھ چشمے کے بہتے پانی میں تھے۔

ہاتھوں میں خاصا ارتعاش تھا جیسے انہیں بجلی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا ہو۔ جواب کیا دیتا' وہ تو جیسے کسی عذاب مسلسل میں مبتلا تھا۔

مومنہ ٹارچ روشن کر کے اس کے سر پہ پہنچ گئی۔ اب چہرہ دیکھا تو اس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی…… یہ تو وہی کل والا شخص تھا۔ اسے اور تو کچھ نہ سُوجھا' ہاتھ گلے کا سارا سامان نیچے پھینک کر اسے پانی سے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ خاصی تگ ودو کے بعد اسے ایک معقول سی جگہ پہ کھینچ لائی…… اس کی نبض' ٹمپریچر چیک کیا۔ بوتل نکال ایک آدھ گھونٹ پانی اس کے حلق میں اُنڈیلا…… وہ بیہوش نہیں تھا' ہاتھوں کے درد سے نڈھال تھا…… بیس چوبیس گھنٹے بن کچھ کھائے پیئے اس آزار میں مبتلا رہا…… نتیجے میں وہ خاصا بدحال ہو چکا تھا۔ مومنہ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے فوراً بسکٹ نکالے۔ گرم گرم کافی کپ میں اُنڈیلی بسکٹ بھگو بھگو کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کی سب سے بڑی مشکل اس کے ہاتھوں کا درد ہے۔ دو تین پین کلر ٹیبلٹ دینے کے بعد مومنہ نے اپنی زبان کھولی۔

''میں آپ کی کل والی دوست ہوں' آپ گھبرائیں نہیں۔ میں نے آپ کو دوا دے دی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ افاقہ محسوس کریں گے۔''

جسم و جان کا آزار دوست دشمن کی تمیز کو پیچھے بھلا دیتا ہے۔ [illegible] بدحال شخص حرام حلال کے چکر میں نہیں پڑتا۔ وہ تو بس کسی طرح زندہ رہنا چاہتا ہے۔

وہ بڑی اذیت سے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے ہاتھ جہنم کی آگ میں جھلس رہے ہیں۔ مجھے کسی پل چین نہیں…… خدا کے لئے مجھے معاف کر دیں اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائیں۔''

مومنہ نے جھکتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو دیکھا…… اسے کوئی الگ سی تبدیلی نظر نہ آئی۔ زخم' کوئی آبلہ' چھالا' سیاہی' سُرخی' سُوجن کچھ بھی تو نہ تھا۔

''تمہارے ہاتھوں پہ بظاہر تو کچھ دکھائی نہیں دیتا جو تکلیف کا باعث ہو۔ کچھ تمہیں معلوم ہو تو بتاؤ؟''

وہ کراہتے ہوئے پہلو بدل کر بولا۔

''میں تو صرف اتنا جانتا ہوں جب تمہارے گلے کے قرآنی تعویذ کو اُتارنے کے لئے ہاتھ ڈالا اسی وقت مجھے ایسا جھٹکا لگا تھا۔ جیسے کوئی آتشی بچھو کا میرے ہاتھ چاٹ گیا ہو۔ بس وہ دن اور یہ وقت کہ مجھے ایک لمحہ کے لئے چین نہیں…… میرے ہاتھوں کے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔''

''وہ قرآنی تعویذ کہاں ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے وہ کوئی تعویذ نہیں بلکہ انتہائی مختصر سائز کا مکمل

[illegible] پاک ہے جو میرے کراچی والے بابا نے اپنے ہاتھوں' میرے گلے میں برکت اور حفاظت کے لئے ڈالا تھا۔

''مجھے کچھ معلوم نہیں وہ کہاں ہے' مجھے تو اپنی خبر نہیں...... میں کون ہوں' کہاں ہوں...... خدا کے لئے مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں' تمہارے پاؤں پڑتا ہوں......''

وہ لیٹے لیٹے مومنہ کے پاؤں کی جانب بڑھا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

''میں نے تجھے معاف کیا...... اب یہ تیرے اور قرآن کے درمیان معاملہ ہے...... فی الحال تم مجھے بتاؤ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟ تاکہ میں تمہیں یہاں سے نکالنے' ہسپتال یا تمہارے گھر خبر کرنے کی کوئی تدبیر کروں۔''

وہ مچھلی کی مانند تڑپتے ہوئے گھگھیایا۔

''نہیں نہیں ایسا مت کرنا...... اگر تم مجھ پہ کوئی احسان کرنا چاہتی ہو تو مجھے صدق دل سے معاف کردو [illegible] اس کو فراموش کرکے کسی سے ذکر نہ کرنے کا وعدہ [illegible] یہاں سے جانے [illegible] تو میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''میں تمہیں صدق دل سے معاف کرچکی ہوں بلکہ میں تو تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایک بے پناہ نعمت سے نواز دیا ہے بلکہ اس واقعے نے قرآن کی عظمت اور حقانیت کے بارے میں میری آنکھیں کھول دی ہیں...... میں دعا کرتی ہوں اللہ تمہیں معاف کرتے ہوئے اس تکلیف سے نجات دے۔ کیا مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گے اور یہ بھی کہ اگر میں تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے کبھی ملنا چاہوں تو مل سکوں...... ویسے تم مجھے اپنا ایک دوست سمجھو...... بااعتماد اور مخلص!''

اس نے آنکھ اٹھا کر چند لمحے اس کی جانب دیکھا...... مرجھائے ہوئے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی بالکل ایسے ہی جیسے سورج کی پہلی کرن کا ظہور ہوتا ہے۔

''میں یہاں ''شاہ جی'' کے نام سے مشہور ہوں...... یہاں کا ہر مرد و زن' بچہ بوڑھا مجھے جانتا ہے۔ میں ایک اچھے باعزت خاندان کا پڑھا لکھا فرد ہوں۔ لیکن میرے اعمال اچھے نہیں ہیں۔ دولت شہرت اور سیاست نے میرے اعمال پہ پردہ ڈالا ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج میں خدا کی پکڑ میں آ گیا ہوں میں نے قرآن پاک کے تقدس کو پامال کیا ہے...... میں آج تمہارے روبرو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور تمہاری [illegible] کا طلبگار ہوں......''

وہ مضبوط مرد ہونے کے باوجود رو رہا تھا۔

"میرا خیال ہے تم شادی شدہ بھی ہو......؟"

"ہاں میں بال بچے دار ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی ہے جبکہ میں بہت بُرا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہو سکتا کہ میں ایسا بدکار اور گھٹیا انسان ہو سکتا ہوں۔"

مومنہ گھڑی پہ وقت کا اندازہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میرا خیال اَب مجھے یہاں سے جانا چاہئے۔"

وہ ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر اپنا قرآن پاک والا تعویذ تلاش کرنے لگی...... تلاش بسیار کے باوجود بھی جب کہیں اسے دکھائی نہ دیا تو پوچھ بیٹھی۔

"شاید تمہیں کچھ اندازہ ہو کہ قرآن پاک کہاں پہ گرا ہو گا......؟"

"مجھے تو کچھ ہوش نہیں تھا لیکن اتنا یاد ہے کہ جب میں وہاں سے اِدھر پہنچا تھا تو وہ تعویذ میرے ہاتھوں سے لپٹا ہوا تھا۔ یقیناً وہ اِدھر ہی کہیں گرا ہو گا۔"

مومنہ پھر تلاش میں جٹ گئی...... اچانک اس کی نظر چشمے کے پانی میں آدھے ڈوبے ہوئے پتھر پڑی۔ ڈوری [illegible] جیسے پانی میں تیر رہا تھا۔

مومنہ بھیگے ہوئے تعویذ کو گلے میں ڈال کر باہر نکل آئی...... آج وہ خلاف توقع بہت پہلے اپنے پہ پہنچ گئی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی جو وہ ساتھ پیک کر کے لے گئی تھی یہاں پہنچ کر کھا لیا بلکہ عبیداللہ گائیڈ کو بھی اپنے ساتھ شریک کیا۔ اصل میں وہ شاہ جی کے بارے میں مزید کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

شام کے بعد شاہ صاحب کسی طور وہاں غار سے واپس اپنے گھر پہنچ چکے تھے۔ بظاہر انہیں دیکھ تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن اُن کی آہ و بکا کلیجہ چیر دینے والی تھی۔ کسی پل چین نہیں پڑتا تھا پور میں تھرتھلی سی مچ گئی...... ظاہر کیا کہ غار کے اندر ایک جگہ کھڑے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے یہ حال ہوا ہے۔ پانی میں کوئی زہریلا مادہ جمع تھا یا کسی مارسیاہ کی اُگلن بس تھی جس کی وجہ سے ہاتھوں کی ناڑیوں میں پڑ گئی...... ڈاکٹر، حکیم، سیانے حاضر ہو گئے ہر اک نے اپنی اپنی رائے دی اور اپنا اپنا چارہ کیا...... مگر درد سوا ہوتا گیا...... مرہم، مالش، طباطم، تبخیر کیا کچھ نہ آزمایا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی...... چھت کپڑا لٹکا کر بازو بلند رکھے گئے...... برگِ حناء کے دَسوت میں ہاتھ بازوؤں کو ڈبو کر رکھا گیا۔ روغنِ شیر روغنِ زردی کی پٹیاں چپڑیں گئیں مگر چین نہ آیا۔ جب ہر چارہ ساز کی چیں بول گئی تو پھر پیر فقیر، ٹونے ٹوٹکے جانب رُخ کر لیا...... غرض مند دیوانہ ہوتا ہے جو کسی نے تجویز کیا اسی پہ عمل کیا مگر نہ ہوئی تکلیف کہیں رتی

بلکہ ایسا وقت بھی آیا اس نے اپنے ہاتھ ٹوکے کے آگے کر دیئے کہ انہیں علیحدہ کر دو۔ مجھ سے یہ تکلیف شت نہیں ہوتی۔

کسی سمجھدار کے مشورہ سے شاہ صاحب کو اسلام آباد بڑے ہسپتال میں لایا گیا وہ اس حالت میں کہ کی پرانی ربڑ ٹیوب کاٹ کر اس میں کچا دہی بھر دیا گیا۔ ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈال دیئے گئے تھے...... کئی طرح کے ٹیسٹوں کے بعد بھی ڈاکٹر کسی نتیجے پہ نہ پہنچ سکے۔ وہ جان ہی نہ پائے کہ ان کے آزار کا اصل سبب کیا ہے۔ ادھر ان کی تکلیف کا یہ عالم تھا کہ اب انہیں نیند کے انجکشن سے مسلسل سلائے رکھنا ڈاکٹروں کی مجبوری بن چکا تھا...... گھر والے‘ بیوی بچے‘ دوست احباب سب پریشان کہ کیا کیا جائے۔ دھن دولت کی کمی نہیں تھی لیکن دھن دولت سے اگر دُکھ اور روگ دُور کیا جا سکتا ہو تو کوئی دھنوان بیمار نہ پڑے...... اب یہ صورت کہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانے کے باوجود ہنوز دلی دُور است والی بات تھی...... تنگ آ کر سب ہی مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ آخری چانس کے طور پہ تعویذوں اور سنیاسی نسخوں‘ ٹوٹکوں کو بھی آزمایا گیا۔ مگر ان سے بھی افاقے کی کوئی صورت دکھائی نہ دی۔

زندگی تو بہر طور کاٹنی ہی پڑتی ہے۔ [illegible] ہو یا کوئی [illegible] مغموم [illegible] کوئی شاداں [illegible]۔ جان تو تب ہی چھوٹتی ہے جب [illegible] پہ لکھا ہے [illegible] موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں‘‘...... اب حضرت یوں کہ گلے میں پٹہ ڈالے‘ دہی سے بھری پلاسٹک کی بالٹی پیٹ پہ لٹکی ہوئی ہے...... شاہ صاحب اپنے ہاتھ کہنیوں تک ڈبوئے رکھتے ہیں...... ہائے وائے‘ میری توبہ‘ اللہ مجھے معاف کر‘ وغیرہ وغیرہ اب ان کا وظیفہ بن چکا ہے۔ چہرے پہ داڑھی اپنی بہار دکھلا رہی [illegible] ’’[illegible]‘‘ کے مصداق ڈھیرے ڈھیرے داغِ مفارقت دے گئے اور جو دو چار دانے تعلقات کی شکستہ تسبیح میں باقی بچے تھے وہ بھی اللہ ھو پہ لگ چکے تھے۔ اب بالٹی کے دہی کے ساتھ قباحت یہ تھی کہ دو تین گھنٹے بعد اس میں بدبُو پیدا ہو جاتی تھی۔ اگر اسے فوراً تبدیل نہ کیا جاتا تو گلنے سڑ جانے والی سڑاند پیدا ہوتی کہ بیوی بچے تک ناکوں پہ ہاتھ رکھے وہاں سے کھسک لیتے۔ ہاتھ بازو کہنی تک دہی میں ڈبونے کی وجہ سے گلجے اور ملائم ہو چکے تھے جبکہ ان پہ جھریاں بھی پڑ چکی تھیں۔ ناخن سفید اور ہتھیلیاں سُرخی مائل...... کلائیاں پتلی پڑنے لگیں جیسے چند دنوں میں سُوکھے ڈنڈے بن جائیں گی۔

شاہ صاحب زندگی کے وظائف میں عملی طور پہ اک ناکارہ وجود بن کر رہ گئے تھے۔ دھیرے دھیرے انہوں نے اپنا سارا کاروبار اپنے چھوٹے بھائی اور دیگر کارندوں کے سپرد کر دیا تھا...... سماجی‘ سیاسی اور مذہبی مصروفیات ختم ہو کر رہ گئیں...... پرانے احباب‘ رشتہ دار‘ بس نام کام کا تعلق ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب اس حقیقت کو شاہ صاحب خوب سمجھ گئے تھے کہ وہ اب محض پنجرے کے شیر بن کر رہ گئے ہیں۔

مومنہ چند روز مزید ادھر ٹھہری تھی...... بڑھتی ہوئی سردی اور بدلتے ہوئے موسم نے اسے اسلام لوٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ مگر جانے سے پیشتر وہ اپنے پہلے دن کی میزبان نصرت اور عذرا سے الوداعی ملاقات نہیں بھولی تھی...... نصرت نے اسے زبردستی ایک دن کے لئے پھر ادھر رُکنے پہ آمادہ کر لیا تھا...... وہی عورتوں والی باتیں' گل نواز اس کے یہاں رُکنے پہ بہت خوش ہوا...... اس کی خاطر مدارت میں لگا رہا۔ عجیب بات کہ وہ اس بار بڑی شرافت سے پیش آ رہا تھا۔ مومنہ بھی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے بات چیت کرنے لگی تھی۔ دوپہر کے کھانے پہ موسم' سیاحت اور پہاڑوں غاروں پہ گفتگو کرتے کرتے بات گائیڈوں اور شاہ صاحب تک بڑھ آئی تو برسبیل تذکرہ' گل نواز نے ذکر کیا کہ شاہ صاحب کے ہاتھ پہ کسی نامعلوم سی الرجی کا حملہ ہوا ہے جس کے کارن وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ہر طرح کا علاج معاینہ چکے ہیں مگر تکلیف ہے کہ دن بہ دن بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اب انہیں اسلام آباد یا لاہور کے کسی ہسپتال میں لے جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔ مومنہ یہ سن کر قدرے پریشان سی ہو گئی۔ وہ سوچ رہی شاہ صاحب نے الرجی والی بات خوب بنائی ہے۔ اصل حقیقت بتاتا' ان کے لئے کچھ انجان بھی نہیں مومنہ نے چاہا بھی کہ وہ اس واقعے کے بارے میں نصرت [illegible] بتادے یہ یاد آنے پہ [illegible] صاحب نے [illegible] وعدہ لیا تھا وہ کسی کو کچھ نہیں بتائے گی...... خاموش رہی۔ وہ یہ بات سمجھ سکتی تھی کہ شاہ صاحب سے بُری صحبت کے اثر یا کسی نفسیاتی' وقتی ہیجان کی بناء پہ ایسا سرزد ہو گیا ہے۔ ابتدائی گفتگو شروع کا جائزہ' کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ کوئی غیر شائستہ انسان ہے۔ وہ نفسیات کی طالبہ تھی' ایسی دُہری شخصیت رکھنے والے کسی انسان کو خوب سمجھ سکتی تھی۔ اس کے نزدیک ایسے بس تھوڑی سی توجہ' نرمی اور کچھ ذہنی آسودگی کے متقاضی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں اس کے لئے نرم سا گوشہ محسوس کر رہی تھی۔ اپنے خلوص کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتی تھی کہ اللہ اسے معاف کر دے اور بے پناہ آزار والے امتحان سے نکال لے۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہو گزرا تھا اس کے لئے کسی حد تک وہ خود ذمہ دار سمجھتی تھی۔ وہاں نہ جاتی تو یہ کچھ سرزد نہ ہوتا۔ رہ رہ کر اُسے' اس کے بیوی بچوں کا خیال آ خدا جانے اس عذاب سے اس کی جان چھوٹتی بھی ہے یا نہیں۔

باتوں ہی باتوں میں مومنہ نے نصرت اور گل نواز سے اس کے خانگی حالات کی بابت بہت کچھ کر لیا تھا۔ اسے یہاں تک بھی پتہ چل گیا کہ اس کی بیوی بچپن میں پولیو کے عارضہ میں مبتلا رہنے کے بعد ٹانگ سے قریب قریب معذور ہے...... خلیری کزن ہونے کے ناتے اسے مجبوراً شادی کرنی پڑی تھی پیارے پیارے بچے ہونے کے باوجود وہ اس سے خوش نہیں تھا جبکہ اس کی خواہش تھی کہ اس کی بیوی

تھی خوبصورت اور سوشل سی ہوتی' جو رفاہِ عامہ کے کاموں اور سیاسی اُمور میں اس کا ہاتھ بٹا سکتی۔ اس کے [illegible] اور غیر مقامی رُفقاء کی بیویاں اکثر ایسی ہی تھیں۔ یہ بھی ایک سوشل سٹیٹس ہوتا ہے جس سے وہ بہرحال محروم تھا۔

دوسرے دن وہ نصرت کو اپنے رابطہ نمبر لکھوا کر اسلام آباد چلی آئی تھی...... گل نواز کو بھی اس نے اپنے [illegible] اور بہنوں جیسی محبت سے سیدھا کر لیا ہوا تھا جبکہ شاہ صاحب کا ٹیلیفون نمبر بھی اس کی ڈائری میں [illegible] تھا۔

انہی دنوں شاہ صاحب کو ایبٹ آباد سے ایک دوست نے اطلاع بھجوائی کہ اسلام آباد کے ایک [illegible] ہسپتال میں جرمنی سے الرجی اور امراضِ جلد کا ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر' بین الاقوامی سطح کے ایک سیمینار میں شرکت کی غرض سے آیا ہوا ہے۔ اسلام آباد میں کچھ سیاسی اور کچھ ذاتی تعلق داری کے چند رابطے کام آ گئے اور شاہ صاحب [illegible] ڈاکٹر صاحب سے معائنے کے لئے اسلام آباد پہنچ گئے...... ڈاکٹر نے ان کی میڈیکل فائل [illegible] مریض سے جملہ کوائف معلوم کرنے کے بعد چند ایک ٹیسٹ بھی لیے...... مکمل تشخیص کے بعد [illegible] نہ تو الرجی ہے اور نہ ہی فسادِ خون یا کوئی چھوت چھات کی بیماری بلکہ یہ کوئی [illegible] شاخسانہ ہے [illegible] یہ [illegible] اور پیرا نارمل [illegible] اس نے اسے ریکی کے عمل سے بھی گزارا۔ ہر طرف سے ناکامی کے بعد بالآخر شاہ جی نے [illegible] کم و کاست سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ڈاکٹر صرف اتنا کہہ سکا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم [illegible] غلط بیانی سے کام لے رہے ہو...... یاد رکھو! ڈاکٹر اور پولیس کے [illegible] کبھی غلط بیانی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ محض وقت برباد کرنے والی بات ہوتی ہے۔ اب غور سے سنو! [illegible] اس تکلیف کا علاج دُنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ اب صرف اللہ یا پھر اُس خاتون کی دُعا' معافی [illegible] تمہیں شفا مل سکتی ہے۔“

ڈاکٹر کی بات تو جیسے اس کے دل کی بات تھی وہ جانتا تھا اس تکلیف کی شفا' اللہ یا پھر اس خاتون ہی کے پاس ہے لیکن یہ کافر اس مومنہ کو منظر پہ بھی نہیں لانا چاہتا تھا کہ اس سے دونوں اطراف کی رُسوائی بنتی [illegible] اپنی ہزیمت کی شاید اُسے اتنی پرواہ نہیں تھی لیکن وہ اس عفت مآب کو بے آب کرنا نہیں چاہتا تھا...... [illegible] گزر جانے کے بعد بھی وہ اس واقعے کے دن کے کسی منظر' کسی لمحے...... مابین گفتگو کے کسی لفظ' اپنی [illegible] و فتور اور اس کے ایمان و ایقان...... صولت و صبور کے کسی مرحلے کو ایک پل کے لئے بھی اپنے آپ سے محو نہیں کر سکا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ایسے طویل سین کی طرح تھا جو کسی خرابی کی وجہ سے بار بار شروع اور

ختم ہوتا ہو...... شاید یہ اک عذاب مسلسل تھا جو دل خراش ٹیسوں اور دل پاش چیخوں میں ڈھل کر ماتم کناں تھا۔

شاہ صاحب نے کسی رنگ ڈھنگ سے گل نواز کے ذریعے' مومنہ کا رابطہ نمبر اور ہوٹل کا پتہ حاصل کر کے اُسے اپنی حالتِ زار بتاتے ہوئے پھر معافی اور دُعا کی درخواست کیا اور ساتھ ہی جرمنی کے اس ڈاکٹر کی باتوں کا بھی حوالہ دیا...... یہ محض اتفاق ہی تھا کہ مومنہ اس ڈاکٹر کو جانتی تھی جو کچھ روز قبل واپس جا چکا تھا...... مومنہ نے شاہ صاحب کو بھرپور تسلی دی اور کہا میں نے اُسی روز سے آپ کو معاف کر دیا ہوا ہے اور اپنا عہد بھی نبھایا ہے یعنی کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں ہوا...... بلکہ میں تو آپ سے معافی چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ اس مشکل میں پڑے...... میں اس مشکل میں ہر طرح سے مدد کرنے کے لئے حاضر ہوں۔ فرطِ جذبات سے شاہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے...... آواز بھرا گئی اور انہوں نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

شاہ صاحب کی تو جیسے زندگی ہی بدل گئی...... پرانی ہاتھوں والی چوٹ تو تھی ہی اب اک نئی چوٹ دل پہ بھی لگ گئی تھی...... عالم یہ کہ اب کچھ پتہ نہیں چلتا تھا' وہ پرانی چوٹ سے تڑپ رہے ہیں یا نئی چوٹ انہیں نڈھال کیئے ہوئے ہے۔

وقت کا پرانا چھکڑا جیسے تیسے کسی نامعلوم قریب یا بعید منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ کچھ سوچیں خیالات...... [illegible] ہیں کہ وقت [illegible] کچھ بگاڑتا دکھائی نہیں دیتا۔ ان چیزوں میں شاہ صاحب کا آزار بھی شامل تھا۔ اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہی کچھ تھا جو پہلے رہا تھا...... کوئی دن اور کوئی شب ایسی نہیں گزری ہوگی جب گھر میں کسی نے سکھ کا سانس لیا ہو...... آہ و بکا' بدبو تعفن...... طعن' بے برکتی اور بے صبوری۔ کوئی کسی کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ جیسے رشتوں کا تقدس ختم ہو چکا ہو۔ یہاں تک کہ بیوی بچے تک شاہ صاحب کے پاس بیٹھنے اٹھنے سے گریزاں تھے۔ میاں بیوی والے تعلقات تو مدتوں سے دم توڑے ہوئے تھے۔ بیوی اب برائے نام بیوی اور خاوند صرف دکھاوے اور بھلاوے کا رہ گیا تھا۔

اس کے برعکس' اسلام آباد خوب آباد اور ٹیلیفون پہ رابطہ بحال...... بہانہ بہانہ شاہ صاحب خود بھی پہنچ جاتے۔ علاج معالجہ بھی چلتا تھا اور مومنہ کی زیارت بھی ہو جاتی...... ماتھے کا چراغ اور دوڑ دھی کا سہاگ بھی دو ہو چکے تھے...... شاہ جی کو ایک مصروفیت مل گئی تھی ویسے بھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مومنہ کا دل موم ہو جائے اور وہ دل کی گہرائیوں سے دُعا مانگ کر اُسے اس دُکھ سے نجات دلا دے۔ اِدھر مومنہ کے دل میں تھا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے لہٰذا اُسے شاہ صاحب کی مدد کرنا چاہیے۔

اس دوران مومنہ جرمنی بھی گئی...... اس کے اُدھر کچھ ضروری کام تھے۔ وہاں وہ اسلام آباد والے

کروشے سے بھی ملی۔ ڈاکٹر سے مل کر اُس نے شاہ جی کی بیماری کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی‘ مزید لیے۔ واپسی پہ وہ چند ہومیو پیتھی کی اَدویات بھی لیتی آئی۔ اِدھر پہاڑوں‘ وادیوں میں برف نے ڈال دیئے تھے۔ سردی عروج پہ اور موسم انتہائی ناگفتہ بہ...... یہ تیور دیکھتے ہوئے شاہ جی نے عارضی طور اسلام آباد کر لیا...... بڑی امامؒ کے قدموں کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ ایک مناسب سی تھی جو ایک قریبی جاننے والے کی وساطت سے‘ اگلے عُرس مُبارک تک مل گئی تھی...... بیوی بچے تو بھلا تھے‘ بس دو معتمد‘ جن میں ایک باورچی‘ ڈوجا ڈرائیور اور ایک نوعمر سا بچہ‘ گھر کے چھوٹے موٹے کام کے لئے ساتھ تھے۔ اس طرح شاید وہ کاروبار اور قبیل داری کا سارا بوجھ‘ چھوٹے بھائی پہ ڈال کے ایک طرح سے آسودہ ہو گئے تھے۔

- ہنر بھی اور منہ بھر بھی......!

یہ چھوٹا بھائی بھی عجب مٹی کا مادھو تھا...... [illegible] بے حد سمجھدار‘ خوش [illegible] بھی تھا۔ بڑے بھائی کو باپ کے برابر سمجھتا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض...... یہ نہیں کی پہچان نہیں رکھتا تھا۔ ضرور رکھتا تھا مگر شکوہ شکایت اُس کا شیوہ نہ تھا۔ بھائی کی ہر حرکت اور مصروفیت کا اُسے بھی علم تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ بھائی کن راستوں پہ چل نکلا ہوا ہے اور یہ موجودہ بھی اس کی کسی غیر اخلاقی کرتوت کا نتیجہ ہے [illegible] سے واقف نہیں تھا اور شاید اُسے کی کوئی خواہش بھی نہیں تھی...... ویسے بھی یہ کوئی خواہشوں‘ آرزوؤں اور تمناؤں کا منگتا نہیں تھا...... تسکین وتسلی سے لتھڑا لتھڑا یہ بچہ بڑا ہو گیا تو تھا...... درویشوں فقیروں کی سار لیتا رہتا۔ مزاروں میں حاضری دیتا...... مطالعہ کا بھی شوقین‘ کشف المحجوب اور تذکرہ غوثیہ اس کی پسندیدہ کتابیں قدرت اللہ شہاب سے لے کر اشفاق احمد خان‘ بانو قدسیہ اور ممتاز مفتی تک سب کو پڑھا کھنگالا...... تصوف کے راستے کا راہی تھا۔ اُب کسی ذریعہ سے میری کتاب ”پیا رنگ کالا“ اُس کے ہتھے چڑھ کو کچھ سونگھ لینے کے بعد جب وہ اپنی پہلی فرصت میں جب مجھ سے ملا تو مَیں نے پہلی نظر میں ہی اس کے اندمال اور آندوہ کا اندازہ کر لیا تھا۔

کوئی پڑھنے والا ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا ضروری نہیں ہوتا بس ایک

آدھ صفحہ شروع کا...... دو چار جملے درمیان اور آخری سطر 'تمت بالخیر'! یوں پوری کتاب اپنے نفسِ مضمون کے ساتھ اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی کہ خالی جلد یا اَستر ہی کو چھو لیں تو کتاب 'الف لِلّٰہ' ہو کر اِن کے رُوبرو ہو جاتی ہے اور ایسے بھی کچھ بندہ' "حساب وکتاب" بھی دیکھے کہ مصنف کو ہی محض اِک نظر ٹٹول کر [illegible] پوری کتاب کھول لیتے ہیں۔ دیکھا ہوگا کچھ اَن پڑھ عاشق ومعشوق قسم کے لوگ اپنے محبوب کی چھٹیاں [illegible] وغیرہ ڈاکیئے یا اپنے اعتماد والے کسی پڑھے لکھے سے پڑھواتے لکھواتے ہیں۔ لیکن اس کاروبارِ قلب ونظر میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طالب ومطلوب کو باہمی پیغامبری کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر کوئی بے رنگ خط آ بھی جائے تو صرف لفافہ دیکھ کر ہی محبوب کی جیب اور اندر کے مضمون کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تحریر تو پڑھنے سمجھنے کے لئے ہوتی ہے...... وہ خط کی ہو' کتاب یا چہرے کی۔

مَیں بھی شاید ایسی تحریریں پڑھنے سمجھنے کے قدرے لائق ہوں لیکن ایک بُری عادت کہ مَیں ایک نشست میں کبھی کوئی تحریر تمام نہیں کرتا...... چند لائنیں کہیں سے بھی پڑھ کر مزید مؤخر کر دیتا ہوں کہ "یار زندہ صحبت باقی!" جیسا کہ اس بچے کے دیے ہوئے تحریری پلندے کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا کہ میں نے چند [illegible] اس کے چہرے کے پڑھے تھے اور کچھ ابتدائی سطریں اس کے مخطوطے کی...... اگر میں پہلے ہی انہیں پوری [illegible] سے پڑھ لیتا [illegible] کہ ہر کام کا اک وقت مقرر ہوتا ہے۔

"پیا رنگ کالا" میری [illegible] آشفتہ سریوں اور حماقتوں کی ایک ایسی بے سروپا سرگزشت ہے [illegible] قاری کے حال وحسب' اس کی علمی بصیرت اور ذوقِ طلب کے مطابق اپنے پرت اور معنی اُجالتی ہے۔ بے [illegible] کج ذوقے کم سوادے اور سلوک کی سُوجھ سلامتی کے سوتیلے' اگر اسے چھُو بھی لیں تو راندۂ اَدب ہو جائیں۔ اسے وہی چھُوتا اور دیکھتا ہے جسے کالا رنگ بھاتا ہو...... اور پڑھتا وہ ہے جسے کسی "کالے" نے کاٹا ہو......

عاشق' بھوڑ' فقیر تے ناگ کالے
بناں منتروں مُول نہ کیلیے نی

یہ چاروں ہی اندر باہر سے کالے ہوتے ہیں...... بابا وارث شاہؒ فرماتے ہیں کہ ان چاروں کا [illegible] سے راہ ورسم اُستوار کرنا ایک مشکل اَمر ہے یہ کسی کے منتر نہیں ہوتے...... اگر ان کی قربت کا حصول مجبوری [illegible] ضرورت بن جائے تو ایسا رنگ' ڈھنگ اور رویّہ اختیار کرنا چاہئے کہ اُن کی فطری مجبوریوں سے محفوظ [illegible] ہوئے صرف خیر سے مستفید ہوا جا سکے۔

اس بچے نے بھی اپنے ادب، اخلاق، اخلاص اور پاکیزہ رویے سے مجھ ایسے کالے کو کیل لیا ہوا تھا۔ ملاقات سے پیشتر وہ ”پیا رنگ کالا“ کے چند ابواب پڑھ چکا تھا...... شروع کے ان ڈیڑھ سو صفحات کی تحقیقی نے اُسے اِس حد تک مجبور کر دیا کہ مجھے کھوجتا ہوا، سرکار علی ہجویریؒ کے دَر پہ پہنچ آیا...... میری مجلس میں پہنچنے سے پہلے ہی اس نے اپنی ہسٹری شیٹ، چہرے پہ آویزاں کر دی ہوئی تھی...... مَیں نے اپنی عادت کے تحت محض دو چار اَکھر ہی دیکھنے پہ اِکتفا کیا تھا کہ باقی کا اللہ باقی......!

سلسلۂ وفا و حیا اور اَدب و ادا کا، دراز ہوتے ہوتے وہ اپنے تئیں آدھی کتاب چاٹ چکا تھا۔ لیکن ابھی تک اِس نے کتاب کے مندرجات یا حُسن و قبح کے حوالہ سے اِک لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالا۔ کتاب تو رہی کتاب، اِس نے تو کوئی آدھا سا لفظ بھی اپنی ذات اَوقات کی بابت نہیں کہا تھا...... اور نہ ہی اپنے بھائی کی بیماری یا گھریلو پریشانیوں پہ کبھی زبان کھولی۔

خُدا جانے کیا سوچ سمجھ کر اُس نے سالگرہ پہ ”پیا رنگ کالا“ کی ایک جلد بھائی کو تحفے کے طور پیش کر دی۔ شاید اُس کی یہ سوچ رہی ہو کہ اس کتاب سے بھائی کا دھیان بٹا رہے گا...... کتاب کا تحفہ لینے کے بعد بڑے بھائی نے بڑے کرب سے کہا۔

”تم [illegible]۔ شاید تم نے [illegible] میں مجھ سے مذاق کیا ہے۔“

چھوٹے کے مُنہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

”شاہ جی! یہ کتاب آپ خود اپنے ہاتھوں میں تھام کر صفحے اُلٹ کر پڑھیں گے۔ انشاءاللہ!“

رات کا دَرمیانی پہر، درد اور جھنجلاہٹ کا مارا ہوا یہ بے چارہ عجب سے جسمانی اور رُوحانی مخمصے میں پھنسا ہوا تھا...... اِی گھر میں اس کے سوا سب گہری پُرسکون نیند کے مزے لوٹ رہے ہیں...... اور یہ دُکھ درد کے انگاروں پہ لوٹ رہا ہے۔ اَب یہ عالم کہ درد دُور کرنے کی گولیاں یا نیند قریب لانے والی اَدویات بھی بے اثر ہو کر رہ گئیں تھیں۔ تھوڑا بہت جو اثر تھا وہ دہی کا ملغوبہ تھا کہ جس میں اگر اس کے ہاتھ اور بازو کُہنیوں تک ڈوبے رہیں تو دُکھن میں قدرے اِفاقہ رہتا...... لیکن وقفے وقفے سے ٹیسوں کی ٹھوسیاں جاری رہتیں جو رگ جاں کو کھینچتی ہوئی محسوس ہوتیں۔

اس سے بھی اس کے ہاتھ، سامنے تپائی پہ دھرے دہی کے پتیلے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ زانوؤں پہ بڑا تولیہ پڑا تھا جس پہ جا بجا دہی کے دَھبے تھے۔ ناگاہ اِس کی نظر دائیں جانب میز پہ رکھی کتاب کے بیک کور پہ چھپے دو ہاتھ نمایاں تھے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرا یونہی کتاب پہ اُنگلیاں ٹکائے ہوئے...... بھوکے کو برتن

دکھائی نہیں صرف روٹیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اس کے لئے ہاتھ' ہاتھی ہی تھے...... جن کے پاؤں تلے سب کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ کمال یہ کہ جس بابے کے وہ ہاتھ تھے وہ بابا اُسے نظر ہی نہ آیا۔ نہ وہ انگوٹھیوں مالاؤں کا زیور جو بابے نے زیبِ انگشت وگردن کیا ہوا تھا...... وہ ہاتھ اُسے متکلم سے محسوس ہوئے...... پھر یوں لگا جیسے وہ اُنگلیاں جو کتاب پہ اِک جھکاؤ لے کر ٹکی ہوئی تھیں اُن میں حرکت پیدا ہوئی' اپنا رُخ بدلا اور اُسے اشارے سے اُدھر بلانے لگیں۔ یا مظہر العجائب! یہ کیا؟ شاید عصر و نظر کا واہمہ ہو...... چند ثانیوں بعد دوبارہ نظر غور کر دیکھا...... اب تو واضح طور پہ انگشتِ شہادت بلانے کے انداز میں حرکت پذیر تھی...... اِن کتاب والے ہاتھوں کو دیکھتے دیکھتے وہ جیسے اپنے ہاتھوں کے نہ تھمنے والے دُکھ درد بھول گیا تھا...... یہیں اُسے معاً اپنے بھائی کی بات یاد آ گئی۔

"بھائی جی! یہ کتاب آپ خود اپنے ہاتھوں میں تھام کر صفحے الٹ کر پڑھیں گے' انشاءاللہ!"

اِک تنویمی سی کیفیت میں اُس نے دہی کے برتن سے ہاتھ کھینچے' اچھے ہی ہاتھوں اپنے ہاتھ [illegible] صاف کیئے' تولیے سے خشک کر کے کتاب کے سر پہ آ کھڑا ہوا۔ کتاب کو پہلی بار قریب اور غور سے دیکھا ہاتھ ہی ہاتھ تھے جبکہ ہاتھوں کے علاوہ اِک بابا بھی تھا۔ انگوٹھیاں' مالائیں' قلم کتاب' [illegible]...... مگر وہ تو آدم زادہ سے کہیں [illegible] ...... [illegible] یقین ہو گیا یہ کتاب نہیں مہتاب ہے' تب ہی تو اِس پہ متکلم اور مُعظّم ہاتھ ہیں...... اِک وارفتگی کے عالم میں اُس نے مہتاب کو اپنے لرزتے [illegible] ہاتھوں میں تھام لیا...... جیسے نرم اور جھریوں بھرے ہاتھوں نے جب مہتاب کو پلٹا تو اُدھر بھی دو ہاتھ ہی تھے...... [illegible] ایک دوسرے سے ہم سار۔ یہاں بھی اُسے کوئے نظر آئے نہ بابا [illegible] اور نہ ہی کچھ اور...... غرض مند دیوانے کی بھی اِک عجیب ہی کیفیت ہوتی ہے۔ اُسے ہر شے میں بھوکے کی طرح روٹیاں ہی دکھائی دیتی ہیں...... اُس نے کانپتے ہاتھوں سے مہتاب کو بیچ میں دو نیم کرتے ہوئے کھولا۔ سامنے کا صفحہ نمبر ۵۰۷ اُس کے رُوبرو تھا۔ جس میں ایک ہندو بنگالی مجسمہ ساز کا ذکر ہے جو اپنی مسلمان شاگرد لڑکی کو ایک رات بے آبرو کر دیتا ہے۔ پھر کہیں وہ اس کے منہ پہ تھوک دیتی ہے۔ اس نفرت بھرے تھوک کا زہر اس کے چہرے کو ایسا بھیانک بنا دیتا ہے کہ وہ اپنا ڈراؤنا چہرہ چھپانے کی خاطر اس پہ لوہے کا ایک پنجرہ نما نقاب چڑھا لیتا ہے۔ پھر اِک مدت مدید بعد اِک دُرویش کے وسیلے سے اللہ کریم اُسے شفا اور حیا دیتے ہیں۔ آنکھیں پھاڑے اس واقعے کو پڑھ رہا تھا۔ اب کہاں کا درد دُکھن...... وہ تو جیسے مہتاب کی باؤلی کے اندر بہت نیچے کہیں اُتر چکا تھا۔

یہ واقعہ پڑھ کر اُسے یوں محسوس ہوا کہ یہ نام و مقام اور واقعات کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ اسی کی

…ٹی ہے اور اس کا علاج بھی اسی بندۂ درویش کے ہاتھوں مقدر ہے۔ اس بقیہ رات شاہ صاحب' ذہی کے [illegible] میں ہاتھ ڈالے بغیر 'محتاب' کا یہی باب بار بار پڑھتے اور روتے رہے۔ صبح ہوتے ہی اُنہوں نے مشہود الرحمٰن کو سامنے بٹھایا اور اس کتاب اور مصنف کے بارے میں پوچھا...... کتاب پہ درج ٹیلیفون کے ذریعے رابطہ کرنے کی خواہش ظاہر کی...... مشہود الرحمٰن' اُن کی موجودہ حالت کی بہتری دیکھ کر بہت خوش ہوا...... اُس نے بڑے بھائی کو تسلی دی کہ وہ بہت جلد باباجی سے رابطہ کرے گا اور اُن سے دُعا کے لئے کہے گا۔ ٹیلی فون پہ بات کرنی اُس نے کچھ مناسب نہیں سمجھا تھا۔

مومنہ نے یہ بیچ کا عرصہ' مختلف عجائب خانوں اور سندھ کے کھنڈرات' مقابر' قلعے وغیرہ کھنگالنے میں گزارا۔ شمالی علاقہ جات کی سردی' برف باری نے اس کی سیاحت کی راہیں مسدود کر دی ہوئی تھیں۔ پاکستان میں موجودگی کا زیادہ سے زیادہ فائدہ اسی طور اُٹھا سکتی تھی کہ وہ گرم اور میدانی علاقوں کی جانب رجوع کرے۔ اس عرصہ وہ نصرت' عذرا وغیرہ سے رابطے میں رہی...... شاہ صاحب کے بارے میں اُسے معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں [illegible] بڑی خوشی [illegible] حاصل ہوئی کہ شا[illegible] بہتر ہیں [illegible] کوہستانی علاقوں میں قیام کی ہی کی وجہ سے توہم پرستی اپنے عروج پہ ہے...... اس کی جڑیں بڑی گہری ہیں...... موجودہ [illegible] سرگرمیوں کے باوجود وہاں کوئی فرق نہیں پڑا...... شاہ صاحب کے خاندان میں بھی چند پڑھے لکھے ضرور موجود تھے [illegible] خواتین اور بزرگوں کے لئے تعلیم حاصل کرنا' مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔ یہ تعلیم حاصل کرنا' مذہبی' تہذیبی اور اخلاقی [illegible] شاہ صاحب کی بیوی جو کہ خاندان سے تھی' گو اُسے اس امر کا احساس تھا کہ اس کا شوہر اُسے دل سے پسند نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ خوبصورت اور سگھڑ نہیں تھی بلکہ اس کی وجہ' اس کی بے علمی اور توہم پرستی بھی تھی۔ وہ قدرے لنگڑا کر بھی چلتی تھی۔ شاہ صاحب نے تین بچے پیدا کرنے کے باوجود کبھی اُسے محض مسکراہٹ کا تحفہ بھی نہیں دیا تھا۔ ایک ستم اور بھی ہوا کہ کہیں سے یہ خبر بھی اُڑی کہ شاہ صاحب نے کہیں کسی جن یا اس کی بیٹی کی بے حرمتی کی ہے اور جنوں نے ان کے ہاتھوں پہ تھوک دیا ہے...... یہ بھی کہ اس کا اثر آئندہ نسلوں تک چلے گا...... خاندان کے متعلقہ افراد بھی یکے بعد دیگرے اس عارضہ کا شکار ہو جائیں گے۔ کسی نے اسے متعدی بیماری بھی کہہ دیا تھا اور ان کی اسلام آباد منتقلی کی بڑی وجہ اس قسم کی جھوٹی سچی افواہیں بھی تھیں...... ان کے سالے بھی کاروباری اور سیاسی لوگ تھے...... ان کی در پردہ کرتوتوں سے کسی حد تک واقف بھی...... شاہ صاحب کی ایسی حالت' گھریلو معاملات میں بے توجہی دیکھتے ہوئے اُنہوں نے اپنی بہن کی علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ اک بیوی ہی پہ کیا موقوف یہ تو زندگی بلکہ اپنے

آپ سے بھی بیزار بیٹھے ہوئے تھے۔ جھٹ ایک اچھی خاصی جائیداد اور رقم دے دلا کر اپنی گلوخلاصی کروالی۔ سچ تو تھا کہ ایسی بلندی اور ایسی پستی دیکھ کر وہ خود کو کسی کے سامنے مُنہ دھرنے کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔

اسلام آباد میں ان کی زندگی کا اِک نیا دَور شروع ہوا...... حضرت برّی امامؒ کے قدموں کی جانب ایک مجذوب سی پہاڑی پہ جس مکان میں اقامت تھی' ان کے ایک دوست نے عُرس کے دِنوں میں اپنی اور زائرین کی رہائش کے لئے بنوایا تھا۔ برّی سرکارؒ کا یہ عقیدت مند عمارتی لکڑی کا تاجر تھا۔ یہ جگہ سارا سال خالی رہتی تھی۔ چوکی داری کے لئے ایک نگہدار یہاں پہ موجود رہتا...... یہ نگہدار بھی عجیب شخص تھا۔ اپنے شوق اور وقت گزاری کی خاطر چند بھیڑ بکریاں پال رکھی تھیں...... عارف کھڑی شریف میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ سے رُوحانی ارادت رکھتا تھا۔ اِن کا کلامِ دلپذیر اِنتہائی سوز وعقیدت سے پڑھا کرتا تھا...... اور ایسا پڑھتا کہ آس پاس کا سارا ماحول اِک ملکوتی سی کیفیت میں ڈوب جاتا...... شاہ صاحب کے یہاں آنے سے جیسے یہ پہاڑ جگہ کچھ آباد سے اور رونق والی ہو گئی تھی...... شاہ صاحب کے اپنے ذاتی ملازم بھی تھے۔ باورچی' ڈرائیور اور ایک نوعمر یتیم لڑکا' جو اِن [illegible] کے اپنے خاندان سے تھا۔ ٹیلیفون پہلے موجود نہیں تھا چند دِنوں میں یہ کمی بھی دُور ہو گئی...... مشہود الرحمٰن [illegible] کاروباری دَوروں کے بعد [illegible] قیام [illegible] کی تبدیلی' طلاق' بیماری' [illegible] مزاج وخیالات اور شغل وصحبت [illegible] سب پر [illegible] بدل رہے تھے۔

میاں محمد بخش رحمتہ اللہ علیہ کے کلام کے سُوز وگداز نے ایسی تڑپن پیدا کر دی کہ پل پل اکھیاں چھلکنے لگتی تھیں...... نگہدار [illegible] خان نے اپنی لے بندی سے اِسے جیسے باندھ لیا ہُوا تھا اور پھر جب ''پیار رنگ کالا'' کے کالے نے اِسے ڈسا' تب [illegible] کے ساتھ [illegible] شناسائی بھی ہو گئی......!

بچھوے کا ڈانگا روئے اور کالے کا کاٹا سوئے

مومنہ جان کئی دِنوں تک لاپتہ رہی۔ سندھ اور بلوچستان کی لمبی سیاحت کے بعد اَب تھکی ہاری سی اسلام آباد اپنے پُرانے گیسٹ ہاؤس میں پڑی تھی...... دو روز تک محض آرام' خط وکتابت اور ڈائری لکھنے میں گزار دیئے تھے۔ جب ذرا دل' دماغ اور تھکے اعصاب نے نُصرت پکڑی تو پہلا رابطہ نصرت' عذرا کی خیر خیریت سے کیا...... وہیں سے دیگر معلومات' بشمول شاہ صاحب کی خیریت' طلاق وغیرہ بھی معلوم ہوئیں...... حیرت محض اِس لئے نہ ہوئی کہ وہ جس ''مقامِ مرزُودہ'' پہ تھے وہاں کچھ بھی ہو سکتا تھا...... ٹیلیفون نمبر بھی وہیں سے دستیاب ہوا تھا۔ فوراً جو رابطہ کیا تو ٹھاہ کر کے نمبر مل گیا...... رسمی گفتگو کے بعد' شاہ صاحب نے اِک ضروری ملاقات کے لئے درخواست کی۔

مومنہ جان نرس بیماری کی چند تعطیلیں ملیں سوموار کی چھٹی اور سہون شریف کا قصد کر کے اگلے روز دوپہر سے قبل پہنچ گئی۔ ہلکی ہلکی سنہری دھوپ سے پہاڑیاں، ٹیلیاں، پتھر کندن کی سی دمک سے دہکے ہوئے تھے۔ وہ اس سے پیشتر بھی یہاں بڑی سرکار کی چوکھٹ پہ حاضری کے لئے آئی تھی۔ مگر اس بار اس کی حضوری کی کیفیت قدرے مختلف تھی۔ وہی کیفیت جو اچھی طرح غسل کے بعد پیدا ہوتی ہے...... وہ سرکارؒ کی جو میں داخل ہوتے ہی اُجلی، سبک اور سہانی سی ہو گئی تھی۔ شاہ صاحب سے ملی تو انہیں قدرے بہتر اور سنبھلا ہوا پایا۔ گو ہاتھوں کی تکلیف میں وہ پہلی سی شدت نہیں رہی تھی لیکن ایک اور مصیبت سر اُٹھا رہی تھی...... ہاتھوں کی جلد سڑتی جا رہی تھی کسی پرانی لاش کے بن گوشت، ہاتھوں کی مانند بدہیئت اور تعفن کے ترارے چھوڑتے ہوئے کہ جنہیں دیکھا جائے نہ برداشت کیا جائے۔ ذہن کا برتن موقوف، کہ شاید اسی کی وجہ سے گوشت نرم پڑ کر سڑنا شروع ہو چکا ہو...... مومنہ جان یہ صورتِ حال دیکھتے ہوئے گھبرا سی گئی اور بیرونِ ملک علاج کی تجویز پیش کی ——شاہ صاحب نے ملکی اور غیر ملکی ہر طرح کے علاج پہ لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔

”اب بہت ہو چکی اور جو باقی رہ گئی ہے وہ بھی ہو جائے...... میں ان علاج معالجوں سے بیزار ہو چکا ہوں۔“

یہ [illegible] اظہار [illegible] ہاتھ ہوتا ہے۔ [illegible] ہاتھی اک اڑھائی منی سُونڈ کے بغیر لنڈورا ہو کے رہ جاتا ہے...... ایسے ہی انسان بھی ہاتھوں کے بغیر کسی اوقات کا نہیں رہتا۔ کھانا پینا، وضو طہارت، حجامت، کنگھی، لکھنا پڑھنا اور دیگر کار ہائے حیات، غور کریں تو کہاں کہاں ہاتھ کام نہیں آتے [illegible] ٹُنڈا، غُنڈا اور سُونڈ مُونڈ [illegible] وغیرہ ان سب کی باج گتے لیتے ہیں اور جو ہاتھ تلوار کے قبضے پہ ہلکا ہو اور جو سُونڈ لہر لکوں نہ سکے از روئے تفنگی افغی دونوں تھوتھی مٹی کا گاج ہیں۔

مومنہ جان نے ”پیار رنگ کالا“ میں پڑی دیکھی۔ کتاب کے عجیب و غریب سرورق نے اُسے پکڑ لیا تھا۔ وہ آنکھیں نکالے کئی لمحے کتاب کو دیکھتی رہی۔ پھر اُٹھا کر پلٹ کر دیکھا اور دیکھتی رہی...... شاہ صاحب یک لخت پوچھ بیٹھے۔

”کتاب کے دونوں اطراف کون سی چیز مشترک ہے؟“

اس نے بغیر نظریں ہٹائے جواب دیا۔

”ہاتھ...... توانا، متحرک اور منظم!...... تمہیں یہ کتاب کہاں سے ملی؟“

”میرے چھوٹے بھائی مشہود الرحمٰن نے مجھے سالگرہ پہ تحفہ دی ہے۔“

وہ گوٹے پہ اپنی چھنگلی دھرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ نوشت' مضامینِ تصوّف پہ مبنی ہے اور مجھے پورا پورا یقین ہے کہ تمہیں اس آزار سے نکالنے میں بڑی مددگار ثابت ہوگی۔''

یہیں اُس نے کتاب کو کھولا۔ فلیپ پہ اُنگشتِ شہادت رکھ کر یوں سطر سطر پھیرنے لگی جیسے اَن پڑھے قرآن شریف کی سطروں پہ اُنگلی پھیرتے ہیں' گویا کہ وہ اُسے پڑھ رہے ہوتے ہیں...... شاہ صاحب اُسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''یہ آپ کیا کر رہی ہیں؟ چاہیں تو میں پڑھ کر سُنا سکتا ہوں۔''

''میں اس وقت صرف اس کتاب کو مس کر کے محسوس کرنا چاہوں گی...... جب تک یہ کتاب مجھے خود پڑھنے کے لئے نہ کہے۔ میں اسے صرف دیکھنے اور محسوس کرنے پہ ہی اکتفا کروں گی۔''

شاہ جی نے مزید جاننے کے لئے ایک اور سوال کیا۔

''یہ کتاب اُردو میں ہے اور اُردو آپ نہیں جانتی...... لیکن یہ جو آپ سطر بہ سطر اُنگلی پھیر رہی ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟''

وہ [illegible] محویت میں بولی۔

UrduPhote.com

''[illegible] آپ کہہ [illegible] ہوتا ہے۔ آپ فلیپ سے کتاب کے معیار و مقصد کا کسی حد تک اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں بھی فلیپ سے یہی مقصد حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ باقی رہی زبان کی بات...... تو کتاب پڑھنے کے لئے' کتاب کی زبان جاننا ضروری نہیں۔ خاص طور پہ تصوّف......!''

''میں آپ کی یہ بات قطعی سمجھ نہیں پایا...... کیا آپ کوئی مثال دے سکتی ہیں؟''

''اس سے بہتر اور کون سی مثال ہو سکتی ہے کہ میں قرآن پاک ہر روز پڑھتی ہوں لیکن میں عربی سے قطعی نابلد ہوں۔ میں اسی طرح' اس کی ہر سطر پہ اُنگلی پھیرتی جاتی ہوں اور قرآن پاک کا متن میرے باطن کی لوح پہ اُترتا جاتا ہے۔ تم نے کبھی کسی سینٹ یا بابے کو دیکھا ہے؟ یہ کبھی کسی سکول مکتب میں نہیں گئے ہوتے۔ نہ ہی کسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اصل علم ان ہی کے ہاں ہوتا ہے۔ ان کے ظاہری دماغ و ذہن سے کہیں زیادہ ان کا بطون' وجدان فیض آشنا ہوتا ہے۔ یہ کتاب کہیں بھی دھری ہو ہلکی ہلکی آنچ دینے لگتی ہے۔ بھینی بھینی اودھی مہک سے ماحول کو مہکائے رکھتی ہے...... تصوّفانہ آہنگ رنگ کے صحیفے متکلم بھی ہوتے ہیں۔ حروف والفاظ اور زبانیں تو محض ظاہری استعاراتی' صوتی' امثالی اشکال اور روپ ہوتے ہیں جبکہ اصل ماخذ و مغزان کا محتاج نہیں ہوتا۔''

شاہ صاحب بٹ بٹ اِس کی جانب دیکھتے ہوئے ایسی اُلجھی اَدق گفتگو کو سمجھنے کی اپنی سی کوشش کر رہے تھے— اور حیران ہو رہے تھے کہ ایک فرنگن' جو نئی نئی مسلمان ہوئی ہے...... تصوف کی کیسی کیسی شکلیں سمجھ گئی ہے جنہیں نام نہاد دین و مذہب کے داعی' شاید تمام عمر نہیں سمجھ پاتے۔ پھر وہ کتاب پہ اِک بابے کی تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"یہ بابا موجود ہیں یا لاموجود ہیں؟"

"لاہور میں داتا علی ہجویریؒ کے مزارِ اقدس پہ فروکش ہیں۔" شاہ صاحب نے جواب دیا۔

وہ کتاب کو باہر اندر' غور سے دیکھتے ہوئے پھر پوچھنے لگی۔ "تم اُن سے ملے ہو؟"

"مجھے ابھی تک یہ شرف حاصل نہیں ہوا...... البتہ میرا چھوٹا بھائی مشہود الرحمٰن' اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہے۔"

وہ کتاب پہ دیئے گئے ٹیلیفون نمبر کو اپنی ڈائری میں لکھ کر کتاب واپس اپنی جگہ پہ رکھتے ہوئے مشورہ دینے لگی۔

"میری مانو! تم اپنی پہلی فرصت میں اِن بزرگ سے [illegible]...... ویسے میں آج [illegible] انہیں فون ضرور کروں گی۔"

اگلے دو چار روز میں تو درد اور جلن میں خاصی کمی واقع ہو گئی تھی لیکن دوسری طرف ہاتھوں بازوؤں کی سیاہی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ گوشت بالکل چھوڑتا جا رہا ہے۔ ناخنوں کی جڑوں میں دراڑیں پیدا ہو رہی تھیں...... جیسے کچھ دنوں میں علیحدہ ہو جائیں گے۔ یہ صورتِ حال انتہائی تشویش ناک تھی......

اگلے روز پھر وہی ڈاکٹروں' ہسپتالوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نئے مہنگے مہنگے سپیشلسٹ' تابکاری اور شعاعوں سے علاج کرنے والے...... کھال کے ٹشوز' خون' بول و براز' تھوک وغیرہ سب پھر نئے سرے سے ٹیسٹ ہوئے...... نتیجہ یہ نکلا کہ سب ایک نقطے پہ متفق ہوئے کہ بازو' کہنیوں تک کاٹ دیئے جائیں اس صورت میں شاید آدھے بازو بچ سکتے ہیں ورنہ آہستہ آہستہ پورے جُثے کا یہی حال ہو سکتا ہے۔ اس پوری تشخیص و تدبیر میں سحر اور بھائی نے پورا پورا ساتھ دیا۔ اِس دوران مُومنہ لاہور والے بابے سے رابطہ کر چکی تھی لیکن صرف ذاتی حیثیت کی حد تک...... شاہ صاحب' اُن کی بیماری یا اس کیس میں اس کے اپنے کردار کا کوئی ذکر نہ تھا...... اُدھر شاہ صاحب نے کئی بار مشہود الرحمٰن سے کہا کہ بابا جی سے رابطہ کیا جائے لیکن ہر بار وہ طرح دے جاتا...... شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ وہ نہیں چاہتا تھا بابا جی اُس کے بھائی کی کرتوتوں سے واقف ہوں مگر اب پانی آنکھوں

تک آچکا تھا...... آخری چارے کے طور آپ بابا جی ہی دکھائی دیتے تھے۔

ایک ڈیڑھ دن لگا کر مشہود الرحمٰن نے الف تا یائے ساری کتھا، من وعن دائرہ تحریر میں لا کر بابا جی کے آگے دھر دی تھی کہ اس رُوداد ناگفتہ بہ کو پڑھ کر کچھ دستگیری کریں گے...... لیکن انہوں نے تو اپنی عادت کے مطابق، شروع تمہید چند لائنیں پڑھ کر بقیہ صفحات کو مؤخرات کی ٹوکری میں ڈال دیا تھا...... اس دوران راکا پوشی کی کشل چوٹی پہ کئی فٹ برف کی تہہ چڑھ چکی تھی اور شاہ صاحب کے ہاتھ بازوؤں پہ گوشت کھال کے کئی پرت سڑ کر اتر چکے تھے...... آخری ٹیلیفون پہ سنائی گئی کیفیت کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے لاہور والے بابے نے بہ وقت، مشہود الرحمٰن کو اجازت دی کہ وہ بیمار بھائی کو لے کر تین دن بعد بدھ کے روز سہون شریف پہنچ جائے...... اس دوران جو خوراک دی جائے وہ صرف سبزی کے دم پخت نرم پتوں پہ مشتمل ہو۔ شلجم، مولی، چقندر کے پتے، پالک، میتھی، دھنیا، پودینہ وغیرہ، جس میں قطعی کسی مرچ مصالحہ یا نمک کی آمیزش نہ ہو۔ نیم کے پتوں کو پانی میں اُبال کر، پانی سے ہاتھ بازوؤں کو اچھی طرح دھولیا جائے۔ کسی کپڑے یا تولیے سے خشک کیے بغیر ان پہ ویسی تمام کے بھیگے ہوئے نرم پتے چپکا کر سوتی کپڑے کی پٹیاں لپیٹ دی جائیں اور ہاتھوں بازوؤں پہ موم جامے کے تھیلے چڑھا کر پہنچ جائیں...... لیکن ایک بار پٹیاں باندھنے اور تھیلے چڑھانے کے بعد انہیں کھولا نہ جائے۔

بابے کے سہون شریف پہنچنے کے اگلے روز، یہ لوگ بھی پہنچ گئے...... شاہ صاحب، چھوٹے بھائی مشہود الرحمٰن، ایک دیرینہ ملازم اور سرتاپا کالے حجاب میں ڈوبی ہوئی ایک خاتون بھی ان کے ہمراہ تھی۔ ظاہر ہے یہ مومنہ جان تھی۔ جب یہ پانچوں افراد، بابے کے گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں داخل ہوئے تو ایک ناگوار سڑی سی بدبو بھی ان کے جلو میں تھی۔ بابے کو مرض اور اس کی نوعیت کو سمجھنے میں شمہ بھر بھی دقت نہ ہوئی۔ شاہ صاحب کی ظاہری و باطنی حالت ان کے چہرے سے مترشح تھی۔ دعا سلام کے بعد، ہاتھ چومنا اور ویسی ہی عقیدتمندانہ حرکات کرنے کی کوشش کی جو پیروں سے ملاقات پہ عقیدتمند یا مُریدین سے سرزد ہوتی ہیں...... بابا نے مناسب سی فہمائش کرتے ہوئے کہا۔

”یہ جگہ اور یہ وقت ایسی فضولیات کے لئے نہیں اور نہ ہی میں ازقسم پیر ہوں...... آپ بندے ہی رہیں اور مجھے بھی بندہ ہی رہنے دیں...... جس مقصد کے لئے آئے ہیں اُسے حاصل کرنے کے لئے میرے ساتھ تعاون کریں۔“

بابا نے خاتون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آپ مجھے بتائے بغیر اس بی بی کو ساتھ لائے ہیں۔ اگر ان کا ساتھ آنا ناگزیر تھا تو مجھے اطلاع کر

آپ پہ لازم تھا۔''

اب بابا براہِ راست خاتون سے مخاطب ہوئے۔

''خاتون! آپ کا مریض سے کیا رشتہ ہے؟''

مومنہ نے فی الفور ملی جُلی اُردو انگریزی میں بڑی شائستگی سے جواب دیا۔

''بابا! میں ان کی ہونے والی بیوی ہوں اور کوئی بیاہ یا نکاح' اُس وقت تک سرانجام نہیں پاتا جب تک دونوں موقعہ پہ موجود نہ ہوں۔''

مومنہ کی یہ بات اک گرنیڈ کی مانند پھٹی' ہر کوئی اس کا منہ دیکھنے لگا۔

بابا باری باری سب کی جانب حیرانگی سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''آپ لوگوں کا مقصد علاج ہے یا آپ شادی نکاح کرنے آئے ہیں؟''

مومنہ نے پھر جراُتِ گفتار کی۔

''بابا! کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور نماز سے پہلے نیت...... اس لئے بھی ضروری ہے کہ طعام کے مقصود و قیام کی برکات سے مستفید ہوا جا سکے۔ آپ [illegible] میں آنے کا مقصد بھی [illegible] ہاتھوں کا [illegible] ہیں۔ [illegible]

بابا [illegible] سے لمحے مومنہ جان کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

''بچی! مہمل گفتگو سے ابہام پیدا ہوتا ہے۔ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں اختصار اور آسانی سے کام لینا ہی گفتگو کا احسن طریقہ ہے۔''

اس سے پیشتر کہ مومنہ اپنی بات مکمل کرتی۔ شاہ صاحب نے کچھ کہنے کی اجازت چاہی...... بابا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ فرمائیے' کیا کہنا چاہتے ہیں؟...... خیال رہے کہ نماز کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا اختصار سے کام لیں۔''

''بابا جی! اس خاتون نے جو کچھ کہا ہے وہ دُرست ہے۔ یہ خاتون آپ سے اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہنا چاہتی ہے۔ میں خاموش رہتا اگر انہوں نے یہ نہ کہا ہوتا کہ میں ان کی ہونے والی بیوی ہوں...... ہاتھ تو پہلے ہی جل بھن رہے ہیں۔ اب ان کی اس بات نے میرے بدن کے اندر بھی اک جہنم دہکا دیا ہے۔ اب میں آپ کے رُوبرو اعتراف کرنا چاہتا ہوں کہ میں ان کا' قرآن پاک کا اور اپنے ضمیر کا مجرم ہوں۔ میں انسان سے ایک جنسی بھیڑیا بن گیا ہوا تھا...... میں اپنی دانست میں سمجھتا تھا کہ یورپ سے آنے

والی گوریاں میمیں آبرو باختہ ہوتی ہیں' اُنہیں چرس گانجا اور پاؤڈر کے عوض' عیاشی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے...... اس طرح بے شمار ملکی اور غیر ملکی عورتوں کو ہم اَوباشوں نے منشیات کے عوض بلیک میل کیا...... یہ خاتون بھی بدقسمتی سے میرے بچھائے ہوئے دام میں پھنس گئی...... یہ دام میں نے ایک چیلنج کو قبول کرتے ہوئے بڑی پلاننگ سے بچھایا تھا...... اس خاتون کے شکرور پہنچتے ہی ہم اَوباشوں میں اِک غلغلہ سا مچ گیا تھا...... گہرے سیاہ حجاب میں تھی کسی نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا...... یہ بھی پتہ چلا کہ یہ نومُسلم ہے۔ اس کے باوجود اس کی خوبصورتی کی باتیں ہونے لگیں...... ہمارے لئے اس کا حجاب اور نومُسلم ہونا اس لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا کہ اکثر یہاں پہنچنے والی' یہاں عورتوں کی دیکھا دیکھی بطور فیشن حجاب اوڑھ لیتی ہیں اور اکثر اسلام بھی اس لئے قبول کر لیتی ہیں کہ انہیں یہاں سہولتیں اور ہمدردیاں حاصل ہوں۔ ہم نے بہت سی ایسی برائے نام مسلمان حجاب والی میموں کو منشیات کا عادی دیکھا...... اسی روشنی میں ہم سب نے اپنے اپنے طریقے استعمال کرنے شروع کر دیئے...... ایک طرح کا مقابلہ شروع ہو گیا کہ کون ''سورما'' اسے پھنساتا ہے۔ ایک روز مجھے ایک کارندے سے اطلاع ملی کہ یہ چشمے والی غار میں پہنچنے والی ہے۔ میں اس کے پہنچنے سے پہلے وہاں مکمل تیاری کے ساتھ پہنچ گیا اور غار کے اندر ایسے کاموں کے لئے مختص جگہ پر اس کا انتظار کرنے لگا...... عجیب بات ہے کہ یہ خود بخود میرے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ کی طرف کھنچی چلی آئی...... جیسے کوئی طاقت اسے دھکیل کر میرے پاس پہنچا گئی تھی۔ بہتے چشمے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہوئے ایک چکنے پتھر پہ جو پھسلنے لگی تو میں اچانک سامنے پہنچ گیا اور اسے گرنے سے بچا لیا۔ پھر اسے اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لا کر یقین دلایا کہ کوہ پیمائی میری ہابی ہے۔ اردگرد کا علاقہ دیکھنے کے بعد میں ایک عجیب و غریب غار کو دیکھنے کے لئے یہاں پہنچا ہوں۔ بات چیت کے دوران جب ذرا اجنبیت دُور ہوئی تو میں نے ازراہِ خاطر داری گرما گرم کافی پیش کی جس میں ایک ایسی دوا شامل تھی جو انسان کے مدافعتی نظام کو کچھ دیر کے لئے بے حس کر دیتی ہے مگر دیکھنے بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو متاثر نہیں کرتی۔ کافی پینے کے چند لمحوں بعد جب یہ بے بس ہو گئی تو میں نے اسے اس کے کپڑے اُتارے...... یہ چیختی چلاتی احتجاج کرتی رہی مگر میں نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اپنے کپڑے بھی اُتار دیئے۔ جب اُس نے محسوس کیا وہ کافی میں شامل کسی دوا کے زیر اثر بے بس کر دی گئی ہے اور بچنے کی بہ ظاہر کوئی صورت بھی نہیں تو اس نے بڑے دُکھ بھرے لہجہ میں اپنے گلے میں پڑے قرآنی تعویذ کا احترام کرنے کی درخواست کی...... میرے سر پہ خناس سوار تھا۔ شہوت اور شیطنت نے کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم کر دی ہوئی تھی آگے جھک کر میں نے اِک جھٹکے سے تعویذ اُتار پھینکا...... بس! یہیں سے میری داستانِ بربادی کی شروع اور آخیر ہوتی ہے......''

اتنا کہہ چکنے کے بعد اس نے اپنے سر کا ''شاہ'' یوں نیچے لڑھکا دیا جیسے اپنی ہی غلط چال میں پھنسا ہوا [illegible] کوئی راہِ مفر نہ پا کر خود ہی اپنا بادشاہ بساط پہ گرا دیتا ہے...... مَیں چند اُچٹتے سے لمحے اسے گھورتا رہا...... [illegible] کی تلخی کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگوں کے لئے ساتھ والے دو کمرے مناسب سی سہولتوں کے ساتھ موجود ہیں۔ آپ وہاں [illegible]...... پہلے کمرے میں یہ خاتون اور یہ ملازم بچہ ٹھہریں' دوسرے میں آپ حضرات! ضرورت اور [illegible] کی ہر چیز آپ کو اپنے کمروں میں میسر ہوگی...... اشد ضرورت کے بغیر آپ لوگ اپنے کمروں سے باہر نہیں نکلیں گے...... مریض کی پٹیاں بندھی رہیں اور باقی سب کچھ اگلی ملاقات پہ!''

مومنہ جان' مجھ سے کچھ روز پہلے کتاب کے حوالے سے کئی بار رابطہ کر چکی تھی لیکن اس نے کبھی بھی [illegible] یا اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ وہ کتاب کے مندرجات پیرانارمل سائنسز اور تصوف پس منظر میں [illegible] سوال و جواب کرتی رہتی۔ ایک الگ سی خاص چیز' جو مَیں نے اس کی گفتگو سے اخذ کی تھی وہ فطرت اور [illegible] سے حد سے زیادہ دلچسپی اور تجسس تھا...... وہ ہی علوم کی حامل بھی دکھائی دی...... انسانی [illegible] رویوں پہ [illegible]...... فلسفہ' خودی' خودشناسی' صرف نظر کی بے پناہ [illegible] آشناسی کی [illegible] میرے مُرشد [illegible] تصوف [illegible] و تصور کے [illegible] ٹھہری...... یہ ڈرِ ڈیکوپ بھی اپنے آپ وآفاقیت میں بڑا یکتا تھا۔

مسعود الرحمٰن [illegible] المعروف شاہ جی کی داستانِ خباثت و نجاست سن کر [illegible] کو کچھ ہوا ہو تو مجھے کوئی تعجب یا تأسف نہ ہوتا تھا۔ ویسے بھی یہ سب کچھ میرے دائرہ ادراک میں تھا...... بظاہر کچھ [illegible] ابتداء میں ایسی بھی مقدر ہوتی ہیں جو بالآخر خوش انجامی پہ منتج ہوتی ہیں اور کئی سعد شروعات کے اختتام [illegible] میں لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھا بسم اللہ کے نطفے والا رذیل و رجیم نکلے اور مچھلی کے فضلے [illegible] نکلے...... وہی کہ اچھے بُرے کسی عمل کا ردِعمل' توقع کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ جو مقدر' مقدور سے [illegible] ہوتا ہے۔

مومنہ جان کا بَرملا کہنا ''مَیں ان کی ہونے والی بیوی ہوں'' عین وقت کا امر تھا۔ آنکھ کھولتے سورج [illegible] اس کپکپاتے چڑیا کے بچے پہ پڑتی ہے جس کی ماں' صبح دَم اس کی ٹھٹھرتی ہوئی بھوک مٹانے کے [illegible] شب گزیدہ بھونرے کی تلاش میں تھی۔ سطحِ آب پہ جیون بسر کرنے والی مُرغابی' پانی میں انڈے نہیں دیتی [illegible] پھینک دیتی ہے...... میری سمجھ میں ''مومنہ'' کا یہ فیصلہ پوری طرح بیٹھتا تھا...... ہاتھ کی پٹیاں کھلنے سے [illegible] نے اس بندھن کا سوچا کر اس کی اُچٹ سی آتما کو اک ڈھارس سی دے دی تھی...... سرپرائز سادے

کرُشر سادھ اور شرمندگی کی پھپھوندی لگے پھپھولوں کو پھولوں کی مانند تجل کر دیا تھا۔

● تن کوری' سُندر رس کی کٹوری......!

ہندو میتھالوجی کی سناتن سمرتی بھی عجیب بھید بھاوؤں' ویدوں' شاستروں اور بدھیوں کا سنجوگ ہے۔ یہ سارے پُران' پتر' بدھیدں' گوئیوں' برہم چاریوں' پنڈتوں اور سماجی کرم چاریوں نے اپنے اپنے دور میں اپنے اپنے رنگ ڈھنگ میں تحریر کیا۔ راج پاٹ' سنگرام' سیاست' پریم' پراتھنا' لوبھ واسنا' کرم کرودھ دھرم کے ساتھ ساتھ منتش مریادہ اور ناری کے بگوں کا خوب ذکر کیا...... خاص طور پہ ناری کو اس کی جنسی خصوصیت اور سُندرتا چترتا کے حوالے سے یوں اُجاگر کیا گیا کہ وہ زیادہ تر اسی نسبت سے پہچانی گئی...... ماتا بہن' استری یا [illegible] میں ڈھل کر اگرچہ پج پالی' مگر بھابی بھانجی بننا اس کے لئے سرور ہی بنا رہا...... کوٹھے پہ بیٹھی تو اسے طوائف [illegible] دیا گیا۔ کوٹھی میں رہی تو رکھیل بنی...... محل میں پہنچی تو نرتکی کے رُوپ میں۔ مندر گئی تو دیوداسی بن گئی [illegible] ریاست میں طوائف الملوکی کے لئے استعمال کی گئی تو [illegible] میں بدسلوکی کے لئے [illegible] آگے لایا گیا۔ [illegible] طرح دیومالائی [illegible] ہوں یا [illegible] کسی بھی طرح [illegible] مصنوعات' ناری کی مٹی پلید کیے بنا چل ہی نہیں سکتیں۔ بارے مصوری' شاعری یا اصنام گری بھی ناری کو [illegible] گندہ کیے بغیر داد نہیں پاتیں۔

ہندو بُدھی مانوں کے پُرانے شاستروں اور کتھاؤں میں بھی ناری کے مختلف رُوپ' چھایا کی [illegible] اقسام پہ سیر حاصل مواد ملتا ہے۔ سیتا' ساوتری' شاردا' ایشودھرا' پاروتی' پدمنی' لکشمی' شکنتلا' کامنی' بھان متی [illegible] ان سب کے ساتھ کوئی نہ کوئی دیومالائی کتھا کہانی جڑی ہوئی ہے۔ ان سے آگے بڑھیں تو کچھ اور اصناف [illegible] بھی دکھائی دیتی ہیں جو محض اپنی مخصوص شکتیوں کی بنا پہ اپنی الگ پہچان اور شخصیت رکھتی ہیں...... ان میں منگل ناری' کام کنیا' چندن چلی' ناگی کنیا' سپورنی' نیل کنٹھی' مدھرامادی' نین متی' ناگنی' کل مکھی' [illegible] مرگ ناری' مرگھانی' منوہری' موہنی وغیرہ۔ اسی طرح ناری کی ایک ذات قسم تن کوری بھی ہوتی ہے۔ [illegible] ناریاں خود پسند اور بے حد احتیاط برتنے والی ہوتی ہیں...... ان کو وہم ہوتا ہے کہ چھونا تو بڑی بات محض کسی [illegible] آنکھ اُٹھا کر دیکھ لینے سے بھی بھرشٹ ہو جائیں گی۔ وہ ہر سمے گُھٹی چھپی اور لپٹی لپٹائی رہیں گی مبادا کسی [illegible] پرائے کی نظر یا لمس سے آلودہ ہو جائیں...... انہیں ہر لمحہ صفائی ستھرائی اور احتیاط پرہیز کا شدید احساس [illegible] ہے...... اس کی شادی ہو بھی جائے تو ایک مسئلہ بنا رہتا ہے۔ "شوہر اُن کے جسم کو چھوئے گا تو وہ تن من اس کے [illegible]

[illegible] مجبور ہو جائے گی۔" یہ تصور ہی اُن کے لئے سوہانِ رُوح ہوتا ہے...... تن کوری ناری کا ایک اور المیہ [illegible] وہ کبھی حکیم، ڈاکٹر، درزی، چوڑیاں چڑھانے والے کے قریب بھی نہیں پھٹکتی کہ وہ اپنے جسم یا کسی [illegible] سے چھوانا پسند نہیں کرتی۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہیں کسی مقام پہ وہ کبھی ایک ایسا فیصلہ بھی کر لیتی [illegible] حس اور ضد پہ ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے کہ اس طرح نت نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ آگے [illegible] پیشتر یہ بات زیرِ غور رہے کہ "تن کوری" کوئی ذات گوت نہیں ہے۔ یہ ایسی ہی ہے جیسے کوئی جنم کی [illegible] بہری ہوتی ہے۔ تاہم اس کے مسائل خصائل ذرا مختلف اور انتہائی حساس قسم کے ہوتے ہیں...... [illegible] ہزاروں لاکھوں میں کوئی ایک آدھ دانہ ایسا نکلتا ہے۔

میرے ہاں ایک جاننے والے ایسا ہی ایک ٹیڑھا مسئلہ لے کر آئے...... اُن کی ایک عزیزہ جو انتہائی [illegible] تھی ایک ایسے ہی سنکٹ میں پھنسی ہوئی تھی۔ اکلوتی اولاد...... اسی لئے سر چڑھی ہی بلکہ نک چڑھی بھی [illegible] بند کر رکھا تھا۔ پرائیویٹ بی اے کرنے کے بعد گھر میں پڑی چین کی بنسری بجا رہی کہ [illegible] کا تمام حیاتی، ماں باپ کی خدمت [illegible] یہ ہے کہ [illegible] جوان کنواری کنیا نہیں سما سکتی اور وہ جو خوش جمال [illegible] پھر شامتِ اعمال، لڑکی اپنڈکس کے عارضہ میں مبتلا ہو کر جان بہ لب ہو گئی۔ آپریشن میں [illegible] ہو جاتی تو [illegible] کا بچنا محال تھا۔ بروقت علاج معالجہ سے لڑکی بچ گئی اور چند ہی روز میں بہ ظاہر [illegible] معمول کی زندگی بسر کرنے [illegible] وہ مزید خطرناک حد تک بیمار ہو [illegible] کی ناڑی کیا کٹی، دماغ میں کہیں شادی کی ناڑی اُبھر آئی۔ کہاں پہلے شادی کے نام پہ کاٹ [illegible] اب یہ عالم کہ شادی مُنہ سے مانگے۔ گھر والے خوش چلو بلا ٹلی، ناڑی کا کٹنا بہتر ہی ہوا کہ [illegible] بَر ڈھونڈنے کا قصد کیا تو صاحبزادی نے آنکھ دکھائی کہ باؤلی اُترے چاند کا آسمان پہ [illegible] کا نام پتہ بتا کر اپنی طرف سے کام آسان کر دیا۔ والدین اس کا مُنہ تکتے رہ گئے...... لڑکی [illegible] تاکید کر دی، شادی ہو گی تو یہیں، ورنہ ساری زندگی گھر بیٹھی رہے گی۔ لڑکی کا خود بَر مانگنا، قیامت [illegible] سمجھ کر ٹال گئے۔ بچولن کو بلایا بَر کا اتا پتا سمجھا کر روانہ کیا...... بَر کے بارے میں جان کر [illegible] گئے۔ یہ وہی ڈاکٹر صاحب تھے جنہوں نے اپنڈکس کا آپریشن کیا تھا...... بال کھچڑی، ساٹھے [illegible] بچوں کے باپ...... بیٹی کو بہتیرا سمجھایا، اونچ نیچ، عمر کا فرق اور یہ کہ اُن کی بیٹی! اس سے بڑی [illegible] کیا جو اپنے جسم کو چھونے والے کے علاوہ کسی کو اپنا لے۔ لڑکی نے ماں باپ کی ہر حجت پہ

یہی جواب دیا۔

”اُس نے میرے جسم کو چھوا ہے‘ دیکھا ہے‘ محسوس کیا ہے۔ میرا شوہر ہونے کا حق اب صرف اُسی کو ہے...... وہ کیا ہے‘ کون ہے‘ کیسا ہے؟ مجھے اس سے کچھ غرض نہیں......“

ماں باپ نے اس نئی اُفتاد سے بوکھلا کر کسی ذریعے سے ڈاکٹر صاحب تک اپنی پریشانی پہنچائی—— اُنہوں نے اسے پاگل خانہ پہنچانے کا مشورہ دے کر اپنا پنڈا چھڑا لیا۔ والدین کی خوب سبکی ہو رہی تھی۔ [illegible] نے ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر سے ملنے کی کوشش کی۔ ٹیلیفون اور خط و کتابت کا یک طرفہ سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ [illegible] آ کر والدین نے اِسے سختی سے گھر میں پابند کر دیا مگر تابکے! لڑکی ایک دن کسی طرح پھر ہسپتال پہنچ گئی۔ [illegible] کر آپریشن تھیٹر میں گھس گئی۔ وہاں بھگدڑ مچ گئی...... اس نے نشتر اُٹھا کر خود کو زخمی کر لیا...... نتیجے میں ڈاکٹر نے اسے وہیں سے پاگل خانے پہنچا دیا...... اس مفت کی بدنامی سے گھبرا کر ڈاکٹر نے ہسپتال ہی چھوڑ دیا—— [illegible] کے بعد کی کہانی خاصی طویل ہے جس کا یہاں محل نہیں۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ تن کوری ناری کون ہوتی ہے......!

سیالکوٹ [illegible] سٹیشن کے ساتھ محلّہ رام تلائی...... اونچے اونچے مکانوں اور چوباروں کے درمیان ایک [illegible] تالاب ہے جس کے گرد اگرد سیڑھیاں ہیں جو اُوپر سے نیچے تالاب کی تہ تک جاتی ہیں۔ میں نے اس تالاب کو اکثر پانی سے خالی ہی دیکھا...... یقیناً اس میں کبھی پانی رہتا ہوگا اور وہ زمانہ پارٹیشن سے پہلے کا ہوگا۔ چاروں اطراف مکانات نما کارخانے تھے۔ یہاں سپورٹس کا سامان تیار ہوتا تھا۔ گیند بلّے ہاکیاں ٹینس اور فٹ بال وغیرہ...... ان کارخانوں کے مالک ہندو اور سکھ تھے...... مگر کام کرنے والے زیادہ مسلمان ہُوا کرتے تھے۔ اِس رام تالاب کا پانی بڑا شفاف ہوتا...... کنول گٹّے کے پھول اور نیم کی نمولیاں تیرتی ہوئی بڑی عجب بہار دکھایا کرتی تھیں...... یہاں ہندو سکھ مرد عورت اشنان بھی کرتے تھے...... دن کے وقت زیادہ مرد اور شام سے عورتیں اشنان کرتیں۔ اس کی وجہ شاید یہ رہی ہوگی کہ شام کے وقت کارخانوں میں چھٹی ہو جاتی تھی۔ چاروں داخلی راستوں کے پھاٹک عام آمد و رفت کے لئے بند کر دیئے جاتے اور عورتیں آرام اور آسانی سے تالاب میں نہاتیں...... یہاں نہال سنگھ اگروالیئے کا کارخانہ بڑا مشہور تھا۔ اگروالیئے کے کارخانے کی یہ شاندار چار منزلہ عمارت عین تالاب کے کنارے پہ واقع تھی۔ نیچے کی تین منزلوں میں کام جبکہ اُوپر آخری منزل پہ اس کی ذاتی رہائش تھی...... اولاد میں صرف ایک چھوٹی موٹی سی جوان بیٹی تھی—— خوبصورت‘ دھان پان کہ جب تالاب میں اشنان کے لئے اُترتی تو تیرتے ہوئے پھول پتے اُسے [illegible] کرتے...... چھاج بھرے لمبے بالوں کا گھمبیر بادل پانیوں پہ اُتر آتا...... وہ تیرتی‘ نہاتی ہوئی اک جل [illegible]

[illegible] دیتی تھی۔ باپو نہال سنگھ اپنی سُپتری نُور باوی کو محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا نہال ہوتا رہتا۔

یہ نہال سنگھ بھی عجیب بُوٹی تھا۔ اِنسانی جسم میں کچھ اعضاء عضلات ایسے بھی ہیں جو گوشت ہیں اور نہ [illegible] کچھ یوں بھی کہ وہ زندہ ہیں نہ مُردہ...... لیکن جسم و جان کا ایک ضروری حصہ ہیں۔ نہلا سیہاں بھی کوئی [illegible] چیز تھا' جس کے بارے میں حتمی طور پہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ اصل میں ہے کیا؟...... اس کا مُرشد [illegible] مجذوب مسلمان تھا...... برسوں اس کا گُہ مُوت' اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا' تب کہیں مُرشد نے اولاد کی [illegible] دیتے ہوئے کہا...... یہ بچّی' تیرے بیٹے کی طرح ہوگی اسی سے تیری نسل میں نُور اُجالا پھوٹے گا۔ مُرشد [illegible] سے پیدا ہونے والی بچّی کا نام' اسی نسبت سے نُور باوی رکھا گیا...... عجیب سی لڑکی' کھیل کود سے دلچسپی نہ [illegible] ہمجولیوں سے کوئی رغبت...... بس جب دیکھو لکھتی پڑھتی دکھائی دیتی یا پھر گھر کے کام کاج...... دُھن [illegible] کی کوئی کمی نہ تھی لیکن طبیعت میں سادگی اور صدق تھا۔ خاموش رہنے اور رَب رَب کرنے میں سکون ملتا۔

[illegible] جُوں جُوں جوان ہوتی گئی' اک کڑی کمان ہوتی گئی' رعنائی و زیبائی کی تاب سے آب پارا کی مانند [illegible] پھسل کرتی تھی...... بس اک ہی قباحت تھی کہ اسے صاف ستھرا رہنے کا بڑا اپکار رہتا...... [illegible] ہاتھ مُنہ [illegible] کی چِتا' جسم ڈھانپنے کا خبط...... کیا مجال جو جسم کہیں سے ننگا دکھائی دے جائے۔ بس وہ اک چھایا سی تھی [illegible]

شام ڈھلتے ہی وہ مکئی کے کچے بُھٹے کی مانند پتوں کی چادر میں ملفوف سی' عین اپنے کارخانے کے سامنے' [illegible] کے کنارے پہ اشنان کے لئے اُتر آتی۔ اس کے سنگ دو چار ہمسائی لڑکیاں بھی ہوتیں جو اردگرد [illegible] تان کر اس کے لئے سہولت پیدا کرتیں۔ یہ گھاٹ چونکہ عورتوں کے لئے مخصوص ہوتا لہٰذا حتی الوسع مرد حضرات اس طرف جانے سے اجتناب برتتے...... اردگرد کے کوٹھوں' چوباروں کی کھڑکیاں دروازے بھی [illegible] جاتے...... لیکن نہال سنگھ کے کارخانے کی پہلی منزل پہ ایک کھڑکی کئی برسوں سے کبھی پوری بند نہیں [illegible] اس کے پیچھے دو بے قرار چکارے کی سی آنکھیں' عین کھڑکی کے نیچے نوری باوی کو اشنان کرتے [illegible] رہتیں۔ ململ کی چادر لپیٹے وہ تالاب کی ایک سیڑھی نیچے پانی میں اتر کر بیٹھ جاتی اور خوب ہی جی بھر کے [illegible] لڑکیاں اک دُوجے پہ پانی کے چھپاکے مارتیں' شام کے آنگن میں رات کا سایہ پڑتے ہی وہ گھر [illegible] الانگ آتی۔

چکارا ہرن کے کرنجی نینوں والا یہ لڑکا' شہر کے قریب ایک نواحی دیہہ پرتھ پُوتھ کے ایک مفلوک الحال [illegible] کا بیٹا تھا۔ یہ ویسا ہی تھا جیسے دیہاتی ماحول میں پلے بڑھے عام دیہاتی لڑکے لونڈے ہوتے ہیں...... [illegible] ہاتھ پاؤں کا کُھلا ڈُھلا...... مردانہ جبڑا اور فٹ بال گراؤنڈ جیسا فراخ ماتھا' جس پہ سرسوں کے تیل کی

تلاہٹ میں چھڑی سی ایک آوارہ سی لٹ پڑی رہتی تھی۔ پونے گنے کی آدھی گنڈیری کی مانند موٹے رسیلے ہونٹ، سانڈ سی گردن تلے جھکاویں، پُرگوشت شانے …… ساتھ ہی سینے کا صحرا، جس میں جا بہ جا گھنے بالوں کی جھاڑیاں …… جو یہ پتہ دیں کہ پریم برکھا برسے کچھ زیادہ سمے نہیں بیتا۔

اس کا نام نور علی تھا لیکن اسے سب نورا کہتے تھے۔ دیہاتی باپ نے اپنی پینڈو عقل و آنکھ سے کے ماتھے اور وجود کاٹھے کو دیکھتے ہوئے اسے شہر بھیج دیا کہ کھیتی باڑی اور گاؤں کا ماحول اسے راس نہ آئے گی وہ اسے فوج میں بھرتی کروانا چاہتا تھا۔ سیالکوٹ چھاؤنی، بھرتی کے لیے پہنچا بھی، اپنے ڈیل ڈول اور قد کی رعایت سے منتخب بھی ہو گیا لیکن میڈیکل ٹیسٹ سے بھگوڑا ہو گیا۔ ہندو ڈاکٹر نے اسے کپڑے اُتارنے کے لیے کہا۔ اس نے کرتہ اُتار دیا …… ڈاکٹر نے شلوار بھی علیحدہ کرنے کا حکم دیا کہ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے مکمل معائنہ ضروری ہے …… اس پینڈو نے دو چار پینڈو قسم کی گالیوں سے ڈاکٹر اور فوج کو نوازتے ہوئے کپڑے پہن کر وہاں سے نکل آنا مناسب سمجھا۔

سیالکوٹ ایک صنعتی شہر ہے، ادھر محنت کرنے والوں اور ہنرمندوں کے لیے روزگار کی کوئی کمی نہیں …… گرد و نواح کے تمام علاقوں دیہاتوں کے اکثر لوگوں کا ذریعہ معاش یہی سیالکوٹ کا قدیمی پیشہ کاروبار ہے [illegible] اوزار سازی ڈھول، پائپ، باجے، سلائی اور لکڑی کی چرائی کی مشینیں وغیرہ …… یہاں کا ایک قریبی قصبہ کوٹلی لوہاراں مردم خیزی میں بڑا مشہور ہے۔ یہاں فن و ہنر میں یکتائے روزگار اور تاریخ ساز کاریگر پیدا ہوئے کہ جنہوں نے انجینئرنگ میں بین الاقوامی قدر و منزلت حاصل کی۔

نورے کے گاؤں کے کئی نوجوان یہاں کی فیکٹریوں، کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ اس کی طبیعت کو جاننے والے ایک دوست نے مشورہ دیا کہ سیالکوٹ میں صرف ایک ہی ایسا کارخانہ ہے جو تمہیں برداشت کر سکتا ہے لہٰذا اگر تم چاہو تو مَیں تمہیں وہاں لے جا سکتا ہوں۔ جب اسے پتہ چلا کہ یہ سکھوں کا کارخانہ ہے تو وہ بھڑک اُٹھا کہ میرے لیے یہی کافروں کا کارخانہ رہ گیا ہے۔ اس کے دوست نے کوئی جواب دینے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ کر اگروالیوں کے کارخانے رام تلائی لے گیا …… گرمیوں کے دن تھے یہاں کچھا اور جانگیا پہنے پانی میں پاؤں لٹکائے تالاب کی سیڑھیوں پہ بیٹھا تھا …… جھاڑ داڑھی، اُلجھے کیس …… توند نکلی ہوئی، عجیب جانگلوس سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی ایسی حالت دیکھ کر نورے کی ہنسی نکل گئی اور ایسی آواز نکلی جیسے بدہضمی کی صورت میں کسی کے شکم سے خارج ہوتی ہے۔ نہالے نے پلٹ کر دیکھا یہ دونوں پینڈو اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ نہالا بڑے غضب سے انہیں گھورتا رہا …… آخر کہنے

ہوئے غبارے کی مانند پھٹا۔

"اوئے تم دونوں مجھ پہ ہنس رہے ہو؟"

وہ نورے کے دوست کو جانتا تھا' وہ بہت عرصہ اس کے ہاں کام کر چکا تھا۔

"اوئے حمیدیا! توں شکر دوپہری کتھوں ٹپک پیاں ایں۔ تے اے کھوتا' جھڑیا ترے نال کھلوتا

جب حمیدے نے اس کا نام نورا بتایا تو نہالا ایک اور سیڑھی پانی میں اتر گیا' وہیں ایک ڈبکی لے کر باہر ی پانی کی مشک جیسے جسم سے پانی صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"کیا کرتے ہو......؟"

نورے نے جواب دیا: "کچھ کرنے کے لئے ہی یہاں آیا ہوں۔"

اور پھر نورے نے جو کچھ کر دیا...... وہ کوئی نور والا ہی کر سکتا ہے۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں کے دل میں جگہ بنالی تھی۔ یہاں ہونے والے سارے کاموں کا وہ ماسٹر بن گیا۔ جدھر اس کی ضرورت جاتا...... لیکن اصل بات تو یہ تھی کہ وہ نہالے کے [illegible] میں پا[illegible] طرح بیٹھ چکا [illegible] پڑھا[illegible] تھا۔ [illegible] اور [illegible] اسی کی [illegible] رہی تھیں۔

نوریا اسے اچھی ضرور لگتی تھی لیکن اس اچھی لگنے میں اس کا ہم نام ہونا' نہالے کی لاڈلی بیٹی ہونا' جمال اور اپنی [illegible] کی حدود میں رہنا ہی اصل وجہ تھی۔ دل و نگاہ کی [illegible] شامل نہیں تھی۔ ایسی محض عقیدت کی انتہا ہوتی ہے۔ وہ [illegible] منزل [illegible] تھی لیکن اس کے باوجود اس نے کبھی جی بھر کے نہیں دیکھا تھا۔ پھر ڈھکی ڈھکائی رہنے کی عادت نے اسے ایک پُر اسرار ہستی بنا دیا ہوا اکثر اس کے لئے بازار سے ضرورت کی اشیاء بھی لاتا' اس کے ساتھ گوردوارے اور کالج بھی جاتا کسی طور رُوبرو نہ ہوتا۔ غیر ضروری بات اور سوال و جواب کرنے کی اس کی عادت بھی نہیں تھی...... وہ جب نیا نیا ادھر آیا اور نہالے سیہاں نے اپنے ہاں شاگرد رکھ لیا تو اسے صرف ایک ہی نصیحت کی

"نورے! پیار' اعتبار اور روپیہ پیار میں کبھی ڈنڈی نہ مارنا' سونا بن جاؤ گے اور کہیں تم نے ان تینوں میں تو پتنگ پتری کی قیمت کے بھی نہیں رہو گے۔" بیتے پانچ برسوں کی محنت' خدمت اور اطاعت سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ ان اکھروں کی کسوٹی پہ کھرا اترا ہے۔ وہی کہ زندہ وہ ہوتا ہے جو کسی کے دل میں ہے اور مردہ اسے کہتے ہیں جو کسی کے دل سے اتر جاتا ہے۔ غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ "میں" اور

''سے'' کے حجاب میں زندگی اور موت کن اور کیسے کیسے معنوں میں اپنے پرت کھولتی ہے۔ جب پیار، اعتبار اور ویہار کی سلامتی اپنے نکتۂ عروج پہ پہنچ جاتی ہے تو پھر مقابل، اپنی ذات کا پرتو ہی تو بن جاتا ہے۔ اُونچ نیچ، ذات پات، دھن دھرم بہت دُور رہ جاتے ہیں...... نہالے سیہاں نے سارا کارخانہ اس کے حوالے کر دیا ہوا تھا۔

وقت کا پھوا، چلتا ہوا تو آہستہ آہستہ دکھائی دیتا ہے مگر اکثر و بیشتر برق رفتار خرگوش سے بہت پہلے منزل پہ پہنچ جاتا ہے۔ وقت کا ثمر بھی ہوتا ہے اور اجر بھی اور یہی وقت کبھی صبر اور جبر بھی ہوتا ہے...... کبھی کبھی مقدر اور وقت آپس میں گٹھ جوڑ بھی کر لیتے ہیں یا یُونہی پاؤں پانسہ کہیں صبر، جبر کے ایسے خانے میں پڑ جاتا ہے جو کہ گزرِ گمان میں بھی نہیں ہوتا...... یہاں بھی بس یوں ہی کچھ سرزد ہو گیا۔ نُور باوی اپنی سکھیوں سنگ کارخانے کی ڈیوڑھی کے سامنے، تالاب کی سیڑھیوں پہ اشنان کر رہی تھی، جو چکر آیا تو لہرا کر پانی میں جا گری...... پاؤں تلے سیڑھی نکلی تو بے بس ہو کر گہرائی کی جانب جا پڑی...... سکھیوں نے آگے لپک، تھامنا چاہا مگر وہ مچھلی کی مانند پھسلتی ہوئی ڈبکی کھا گئی۔ واویلا مچا...... نُورا، حسبِ معمول کھڑکی کی اوٹ کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، جھٹ کھڑکی کھولی، اُوپر سے ہی اُڑن چھلانگ جو لگائی، جائے وقوع کے عین اُوپر چھت سے پانی میں آ پڑا...... نیچے سیڑھی سے ہلکا سا سر ٹکرایا۔ کہیں زور کا ہوتا تو پاش پاش ہو جاتا مگر [illegible] منورتھ تپیا سے جواہر بن جا[illegible] کو بغل بھرا [illegible] مچھلی کا لپکا لیے ہوئے اُوپر سطح پہ کنولوں کے بیچ سر اُٹھایا...... بغل میں بچی کی مانند دابے ہوئے آنا فانا اُوپر اپنے کمرے میں لے آیا۔ نہالا سیہاں کہیں اُوپر آرام کر رہا تھا...... لوگوں کا شور جو [illegible] دو سیڑھیاں پھلانگتا نیچے کو دوڑا...... نُورے نے نُور باوی کو اپنی کمر اُوپر اُلٹا ڈال رکھا تھا جیسے ہرن کو شکار کے بعد گھوڑے پہ ڈال رکھا ہوتا ہے۔ ہلکے ہلکے جھٹکوں سے وہ اس کے پیٹ پڑا پانی نکال رہا تھا۔ اس طرح شاید پھیپھڑے سکڑ پھیل کر پانی خارج کر دیتے ہیں اور دل کی دھڑکن بھی سنبھل جاتی ہے...... اس دوران شاید کوئی ڈاکٹر کو بھی لے آیا تھا مگر نُورے نے اُسے قریب آنے سے منع کر دیا۔ نہالا سیہاں گم صُم در کی چوکھٹ میں یُوں تنا کھڑا تھا جیسے کوئی چور رنگے ہاتھوں قابو میں آ گیا ہو اور وہ اس کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہا ہو۔ بلکہ اس طرح، اُس نے لوگوں کو بھی اندر آنے سے روک رکھا تھا۔ اس تالاب کی تاریخ تھی کہ آج تک کوئی ڈوبنے والا زندہ نہیں بچا تھا۔ سال بھر میں ایک آدھ جان کی بَلی لینا اس رام تلائی کی ریت تھی۔ نہالا سیہاں یُوں اُلو بلا سا کھڑا شاید یہی کچھ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں...... نُور، نُورے سے ملیں تو کیا ظہور میں آتا ہے......؟

نُورے نے کچھ سکوت پکڑتے ہوئے بڑے آرام سے نُور باوی کو نیچے دری پہ لٹا دیا۔ نہالا سیہاں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"بابو! ربّ نے رکھ لی ہے۔"
"ہاں، پُت! ربّ نے رکھ ہی لی ہے۔"

یہ نُور باوی بھی تن کوری تھی...... سُرت پکڑتے ہی اس نے ساری صورتِ حال کو سمجھا...... باپ کے پاؤں پکڑ کر بنتی کرنے لگی۔

"بابو! جس نے مجھے نیا جیون دیا، میرے نِرول سُریر کو چُھوا، انگ لگایا...... وہی میرا جیون ساتھی

باپ کیا بولتا...... بس اتنا کہہ پایا۔
"تُو نے میرا اَنت سپھل کر دیا۔" کہتے ہوئے بیٹی کو مسلمان ہونے کی اجازت دے دی۔

ان کوریوں کے ہیں...... جن میں سے ایک مومنہ بھی تھی...... جس نے اپنے مُنہ سے
ہونے والی بیوی ہوں......"

نے ایک ہی [illegible] کہا تھا جب [illegible] نہیں تھا...... [illegible] بات کو مومنہ کے خلاف استعمال نہیں کیا تھا...... بلکہ مسئلہ نمبر دو یعنی ہاتھوں کی بیماری کے علاج سے پہلے یعنی شاہ صاحب کی نیت اور فتور کا علاج ضروری سمجھا۔ مغرب کی نماز کے بعد ان دونوں کو میں منسلک کر دیا گیا [illegible] بیماری محض [illegible] ظاہری نہیں [illegible] باطنی بھی تھی یعنی ہاتھوں بازوؤں میں موجود تھا۔ اصل مخرج تو اندر کا احساسِ گناہ...... قرآن پاک کی بے حرمتی کا خوف اور بے طرح کی تھی۔

رات عشاء کی نماز کے بعد ان کے کمرۂ عروسی میں ان کے ہاتھ بازوؤں کی پٹیاں علیحدہ کرنے کا کیا گیا...... لوبان، ہرمل اور نیم کے بُرادے کا بخور سرِ شام ہی دہکا دیا گیا جبکہ دیگر ضروری لوازمات کا بھی موجود تھا...... پٹیاں اُتارنے سے پہلے سب کے مُنہ ناک پہ کافوری محلول سے آلودہ رُومال باندھ گئے...... پلاسٹک کے تھیلے سامنے رکھ کر جو پٹیاں کاٹنی شروع کیں تو عفونت سے دماغ سڑنے لگا...... ہر آنکھیں اور ناک مُنہ بچا رہا تھا...... چھوٹے ملازم بچے کو جو ابکائی آئی تو وہ بیت الخلاء کی جانب بھاگ نکلا، قے پہ قے جو ہوئی تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے بھی اپنا جی خراب کرنے لگے...... میں نے ان سب کو کمرے میں چلے جانے کو کہا...... اتنی دیر میں مشہود الرحمٰن نے بھی ایک بڑا سا اُگلا کر دیا۔ غلاظت نے

ماحول اُس مچھلی گھاٹ کی طرح بنا دیا' جدھر ماہی گیر سڑی بُسی مچھلیاں پھینک دیتے ہیں۔ اَب میدان میں مریض' اِس کی نئی نویلی دُلہن مومنہ اور مَیں رہ گئے تھے...... آخری پٹی کی تہہ کھولنے پہ تمباکو کے پتّے...... جن پہ جابجا سڑی گلی' خون اور پیپ سے آلودہ کھال چمٹی ہوئی تھی نمودار ہو گئے۔ یہ منظر ایسا کریہہ اور نحوست آمیز تھا کہ مومنہ' جس کے ہاتھوں پہ نرم ربڑ کے دستانے چڑھے ہوئے تھے لرزنے لگے تھے۔

"بیٹی! تم بھی اُدھر کمرے میں چلی جاؤ اور دُوسروں کا خیال رکھو...... مَیں اِنشاء اللہ! خود ہی یہ کام سرانجام دے لوں گا۔"

وہ بڑی بُردباری سے بولی۔ "بابا! ابھی کچھ سیکھنے جاننے کے لئے تو مَیں نے آپ کے قدم پکڑے ہیں......"

"میری بچّی! برداشت اور صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے...... لیکن یہ حدیں سب کے لئے ایک سی بھی نہیں ہوتیں...... ہر ایک کے ظرف اور درجات کے تحت ہوتی ہیں۔ تم ابھی اس مقام پہ نہیں ہو جہاں واردات [illegible] کی بلندی ہوتی ہے اور میری دُعا ہے تم اس بلندی تک کبھی نہ اُٹھ سکو کہ تم بہرطور ایک جنسِ نازک ہو...... [illegible] رَبُّ الحکمت نے لطیف و نحیف خلق کیا ہے۔ تم ابھی اندر جاؤ [illegible] بچّوں کو دیکھو۔"

وہ [illegible] دوسرے ہاتھ بازو کی پٹیاں الگ کرنے لگا...... اسی دوران مَیں نے شاہ صاحب سے دریافت کیا۔

"آپ یقیناً بے پناہ درد محسوس کر رہے ہیں' مَیں کوشش کر رہا ہوں کہ پٹیاں اُتارنے سے آپ کو تکلیف نہ پہنچے......!"

شاہ صاحب سے کوئی جواب نہ پا کر مَیں نے اُن کی جانب دیکھا...... اُن کی آنکھیں مُندی ہوئی تھیں اور کونے بھیگے ہوئے تھے۔

دونوں ہاتھ بازو پٹیوں سے آزاد ہو چکے تھے...... اَب صرف تمباکو کے غلیظ پتّے چپکے ہوئے رہ گئے تھے جنہیں اُتارنے کے لئے بڑی احتیاط اور مہارت کی ضرورت تھی۔ گوشت و پوست کی سڑاند و تعفّن سے سانس تک لینا دُوبھر کیا ہُوا تھا...... گو میرے ہاتھوں پہ بھی ربڑ کے دستانے تھے مگر اس کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے زخموں کا سارا زہر میرے ہاتھوں میں سرایت کر رہا ہے۔

مَیں بڑی احتیاط و ہمّت سے تمباکو کے متعفّن غلاظت سے لتھڑے پتّے اُتار رہا تھا...... پتّوں کے ساتھ گلی سڑی کھال یوں علیحدہ ہو رہی تھی جیسے اُبلی ہوئی شکرقندی کے چھلکے اُترتے ہیں...... سُرخ سُرخ گوشت پہ بلبلے چھوڑتی ہوئی سفید جھاگ' عجب سی سراسیمگی پیدا کر رہی تھی...... کہیں کہیں سُرخ لہو کی چمکتی ہوئی بوندیں

صاحب کے منہ سے بیساختہ سی نکلتی ہوئی کراہیں...... لگتا تھا میں کوڑھیوں جذامیوں کے بیچ خود ایک انجام رسیدہ جذامی ہوں...... میں گندی پٹیاں سمیٹ رہا تھا کہ مومنہ السلام علیکم کہتی ہوئی اندر داخل ہوئی...... [illegible] اُترا ہوا اور چہرہ گلنار سا...... آتے ہی معذرت خواہانہ لہجہ میں کہنے لگی۔

''بابا جی! خدا کے لئے اب مجھے اندر جانے کا نہ کہیے گا...... میں ایسی بھی کمزور نہیں جتنا آپ مجھے سمجھتے ہیں۔ ان کی بیوی کے علاوہ اک انسان ہونے کے ناتے بھی میرا فرض بنتا ہے کہ میں کم از کم آپ کا ہاتھ بٹاؤں......''

اسی دوران مشہود الرحمٰن بھی پہنچ گیا جس نے آتے ہی بڑے بھائی کو پیچھے سے اپنے حصار میں لے لیا جس کا نحیف جسم فروغ کرب سے تھر تھر کانپ رہا اور پیشانی ضبط و برداشت سے عرق آلود تھی۔ یہ دیکھ کر مومنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے وہ آگے بڑھ کر مشہود الرحمٰن کی جگہ آ کھڑی ہوئی اور شاہ صاحب کا سر تھام کر پیشانی کا پسینہ صاف کرنے لگی۔ میں نگاہ اُدھر اُٹھائے بغیر خوب دیکھا کیے کہ شاہ صاحب کے چہرے پہ محبت کا اُجالا پھیلنے لگا تھا۔ ایسا اُجالا جو نا آسودہ زندگی کی تاریک تمناؤں کو ''اُمیدِ فصلِ بہار'' سے منور کر دیتا ہے۔

• ندامتِ آ[illegible]

یہ بھی تذکرہ [illegible] قصہ طولانی راہ پڑ گیا...... اصل بات تو اس درویش صحرائی سلیمان اخی کے دریدہ ہاتھوں کی ہوری تھی جن کی ساخت و ہیئت دیکھ کر میرا دل دہل گیا تھا۔

جب کئی روز تک حال بے حال رہا تو سلیمان اخی نے اِدھر سے نکلنے کا مشورہ دیتے کہا۔

''اے نئے درویش بھائی! ابھی تم درویشی کی کھائی میں گرے نہیں...... اوپر کنارے پہ ہی ہاتھ فگار ہوئے ہوئے ہو...... نیچے گرو گے تو بازو، ٹانگیں بھی تڑوا بیٹھو گے...... اب تم مصر کی جانب عزم سفر کرو۔ دریائے نیل کے راستے سکندریہ پہنچو راستے میں آبِ نیل سے ہاتھ بازوؤں کو دھوتے، ڈبوتے رہو...... تمہارے ہاتھوں کو وہیں تسکین ملے گی۔'' پھر ذرا مجھے گھورتے ہوئے گویا ہوا۔

''جو پنڈا جنم جنم سے جل بھن رہا ہو اس کی سڑن جلن سے چھونے والے ہاتھ ایسی آسانی سے [illegible] نہیں پاتے...... اور پنڈا بھی اک درویش دیگچے کا......''

''درویش دیگچہ......؟'' میں منہ میں بڑبڑایا۔ ''کیا برتن دیگچے بھی درویش ہوتے ہیں......؟''

''ہاں! یہی تو درویش ہوتے ہیں۔ ان کی کارکردگی کبھی غور سے ملاحظہ کی ہے؟ نیچے آگ اُوپر

آگ ...... اَندر اُبالے ...... جان کے لالے او دُنیا کے رکھوالے۔"

مَیں دُھواں دیتے ہوئے دِل اور سلگتے ہاتھوں کو تیل سے چپڑے چیتھڑوں سے لپیٹے مصر کی جانب عازمِ سفر ہوا۔ یہ وہی سفر تھا جس کا ابتدائی ذکر پچھلے صفحات میں رقم کر چکا ہوں ...... قاہرہ اور اسکندریہ کے [illegible] دریائی سفر ...... چار ستاروں والا دخانی جہاز نیل کا نیلم اپنے وقتوں کا قابلِ دید، پُر آسائش اور محفوظ ترین [illegible] تھا ...... مصر کی پُراسرار زمین، یہاں کی تہذیبی، ثقافتی اور قدیمی قدروں کا حامل یہ بجرہ اس لحاظ سے بھی قابلِ دید تھا کہ جدیدیت کے اس دور میں بھی اس کا قیام و طعام، انتظام و انصرام، ماحول مزاج اور نشست و برخاست میں قدامت پسندی کا عنصر نمایاں تھا ...... پورے بجرے میں فرنیچر برائے نام ہی تھا۔ درمیانی عرشے پہ ایک صحرا بچھا ہوا ...... وہی ریگ زار، نخلستان، چھوٹے چھوٹے ٹیلے، صحرائی جھاڑیاں، کھجوروں کے پیڑ ...... چھوٹے چھوٹے خیمے، چھولداریاں ...... صحرائی ساز کار موسیقی، رقص، شعبدہ بازی ...... ایک کونے میں چھوٹی سی مسجد، [illegible] خانے، آگ کا الاؤ اور [illegible]، انگاروں پہ بھنتی ہوئی سالم بھیڑیں، مچھلیاں، مرغیاں ...... لانبی لانبی [illegible] ساقنیں ...... [illegible] خد و خال، شعلہ بدن ...... نیم ملبّس مطربائیں ...... الغرض کہ مہمان [illegible] بھول جاتے کہ وہ نیل کے پانیوں پہ خراماں کسی بجرے پہ سفر کر رہے ہیں ...... اس کی وجۂ شہرت میں [illegible] ہر شب کے آخری حصے [illegible] بابل کے [illegible] عالم اپنے پیچیدہ کرتب پیش کرتے۔ اپنے مشاہدات تجربات کو عملی صورت میں دکھاتے اور کبھی کبھی سحرِ [illegible] اور مصریات کے قدیم علوم و فنون کے ماہرین بھی مدعو کیے جاتے ...... ایسے موقعوں پہ مصر کے علاوہ دیگر [illegible] سے بھی شائقین اور سیاح جوق در جوق قطاروں میں کھڑے ہوتے تا کہ یادگار سفر کی نشستیں حاصل کر سکیں ...... گاہے ماہے جب ایسے مواقع ظہور پذیر ہونے کو آتے تو کچھ عرصہ پہلے تشہیر شروع ہو جاتی ...... مَیں نے [illegible] کہ ایسے مخصوص سفر کی بکنگ پیرس، بلجیم اور لندن میں بھی کی جاتی۔ اخبارات میں اشتہارات شائع ہوتے۔

● بگڑے ناٹ کا نیل ......!

اُم المدائن قاہرہ پہنچتے ہی میں اس جہاز کی نشست حاصل کرنے کی جستجو میں لگ گیا۔ [illegible] خرابیٔ بسیار اور میرے ایک مصری واقف کار کی کوشش سے مجھے ایک ایسے ہی سفر کی ایک نشست مل گئی۔ [illegible] تیسرے درجے کی ...... اس درجے کے مسافر اپنی درجاتی عُسرت کی بنا پہ ایسے مخصوص پروگرام میں شمولیت [illegible] اہل نہیں پاتے تھے ...... یہاں مجھے ازحد مایوسی ہوئی کہ اس جہاز پہ سفر کرنے کے باوجود مَیں ان [illegible]

دُھنوں میں شریک نہیں ہوسکتا تھا...... اس اوّل درجہ یعنی مخصوص مہمانوں کے لئے بسائی گئی یہ دُنیا ہی الگ تھی...... نچلے درجے کے ''مسافرانِ محض'' اس موسیقی کی اُبھرتی ڈوبتی مدھر دُھنوں کی بازگشت ہی سُن سکتے تھے یا پھر ہاہُو یا تالیاں پیٹنے کی آوازیں۔ اس نچلے درجہ کے مسافر عموماً معمولی تجارت پیشہ یا نیل کے ڈیلٹے کے دہقان ہوتے جن کا سفر محض آمد و رفت کے لئے ہوتا۔ انہیں تفریح یا سیاحت سے غرض نہ ہوتی۔ اپنے گردوپیش سے بے نیاز یہ لوگ عرشے کی فرشی نشستوں پہ اُونگھتے یا تمباکو نوشی میں مصروف دکھائی دیتے۔

جہاز پہ پہنچنے کے بعد ظاہر ہے کہ میں بھی ان نکموں کی نحوست کا حصہ بن گیا تھا۔ میری بے چینی اور جھنجھلاہٹ کا یہ عالم کہ میں اپنا سفری سامان گود میں رکھے ایک الگ سے کونے میں کسی رُوٹھے ہوئے بچے کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ چہرہ مہرہ بھی ایسا رُوہانسو...... جیسے کسی سخت گیر اُستاد نے کسی غبی اور شرارتی شاگرد کو سزا کے طور پہ سب سے الگ تھلگ بٹھا دیا ہو...... اپنی روانگی کے بعد جہاز کسی بیمرغ کی طرح نیل کے اُتھلے پانیوں پہ ہچکولے کھاتے ہوئے ساحل چھوڑ رہا تھا...... دریائی چڑیاں بگلے...... مُرغابیاں پانیوں کی سفید جھاگ میں چھپتی اور ڈوبتی میں اُڑاتی سنہری سُرمئی مچھلیوں اور ان کی [illegible]......!

جہاز [illegible] ...... جہاز سے دُور ہوتے ہوئے ہاتھ ہلا ہلا کر الوداعی سلام کر رہے تھے...... میں ان نظاروں میں مگن ہونے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا لیکن اوپری نشست کے باعث طبیعت کا اضمحلال دُور نہ ہوتا تھا، سو نہ ہُوا...... میں بڑی بے دلی سے ٹوٹے قدموں کے ساتھ ریلنگ کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

ساحل اور جیٹی سے اَب ہم خاصے دُور ہو چکے تھے۔ میرے نتھنوں نے انتہائی گھٹیا تمباکو کی ناگوار بُو محسوس کیا۔ دیکھا تو اِک مجہول قسم کا مصری ڈھیلی ڈھالی عباء پہنے بُری طرح تمباکو نوشی میں جُتا ہُوا تھا۔ استغفراللہ پڑھتے ہوئے میں وہاں سے کچھ پرے ہو کر کھڑا ہو گیا...... مگر وہ جو کسی فلمی گیت میں کہا گیا۔

''نہ چھڑا سکو گے دامن نہ نظر بچا سکو گے''...... اس وقت یہی کچھ میرے ساتھ ہُوا...... وہ للو جگدر آخری کش کے بعد سگریٹ کی باقیات دریا بُرد کر کے پھر میرے قریب آ کھڑا ہوا۔ جان نہ پہچان میں تیرا مہمان...... میری جانب جھکتے ہوئے انتہائی رازداری کے انداز میں پوچھنے لگا۔

''بھائی! جیل سے نکلے ہو یا کسی کا کچھ چُرا کر بھاگے ہو؟''

وہ مناسب سی عربی نما انگلش میں مخاطب ہُوا تھا۔ میں نے غضیلی نظروں سے اُسے گھورا اور شٹ اَپ کہتے ہوئے کچھ اور پرے ریلنگ سے لگ گیا۔

آسمانی بجلی اور اس قسم کی زمینی بلاؤں سے اگر ایک مرتبہ کہیں واسطہ پڑ جائے تو ان سے فی الفور یا دوبارہ سہ بارہ مصیبت یاب ہونے کا امکان نوّے فیصد ہو جاتا ہے...... میں بہ ظاہر اس بغلول سے پنڈا چھڑا کر الگ آ کھڑا ہوا تھا مگر میرے اندر خطرے کی گھنٹی مسلسل کھڑک رہی تھی کہ یہ پنڈی داس مجھے ایسی آسانی سے نہیں چھوڑے گا...... اس قسم کے نوسرباز اور نیبوچوڑیے آپ کو ہر اس جگہ پہ ملیں گے جہاں سیاحوں، آوارہ گردوں اور غیر ملکیوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ یہ مختلف بھیسوں خلیوں میں ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں سیاحوں اور گائیڈوں کے رُوپ میں بھی آپ کو ملیں گے، یہ بھکاریوں اور معذوروں میں بھی ہوتے ہیں...... نوادرات اور جعلی مجسمے فروخت کرنے میں بھی یہی پیش پیش ہوتے ہیں...... امساک، طاقت کی جڑی بوٹیاں، جعلی خوشبوئیں، ملمع چڑھے زیورات، کانچ کے ہیرے بھی یہی لوگ بیچتے نظر آتے ہیں...... اور کچھ نہیں تو محض کھانے پینے یا سگریٹ، حشیش حاصل کرنے کے لئے بھی اجنبیوں سے راہ و رسم بڑھا لیتے ہیں...... میرے ہاں ان کی خوب پہچان ہے کیونکہ میں خود بھی اک لمبا عرصہ ایسا ہی خانہ برانداز رہا۔ جوتا ہے تو ٹوپی نہیں...... کھانا ہے تو پانی نہیں۔ سفر ہے تو زادِ سفر نہیں...... فٹ پاتھ، دھرم شالے، آشرم، مسجدیں، قبرستان اور تکیے، مزار، خوب خراب و خوار...... لنگر سے گزارہ، چھوٹی موٹی چوریاں اور [illegible]...... جیب کٹنگ، [illegible]یاں، مکاریاں، دھوکہ بازیاں...... ہر [illegible] ہر در [illegible] [illegible] بیچے اپنی بڑائی...... ہر [illegible] چاٹ، چکھی چاٹی، مکھی، مچھر، مچھ سے کٹوایا...... باگھ بکری کے رشتے کو جانا سمجھا۔ ہر ریکھا دیکھی دیگ دیکھے چکھے، مگر [illegible]...... میری آوارہ مزاجی، من کی بے کلی کو کہیں چین نہ پڑا۔ ایک ختم دوسرا [illegible] تیار...... بیوی بچے بیزار......!

میں نے عمر بھر کی کھجل خرابی سے یہ نکتہ پکڑا...... آوارہ گردوں، جہاں گشتوں کو شادی بیاہ، بیوی بچوں کے بکھیڑے میں نہیں پڑنا چاہئے۔ بیوی وقت مانگتی ہے بچے توجہ چاہتے ہیں...... سب کے پیٹ ہوتے ہیں۔ جسے دو وقت کھانا چاہئے، کھانے کے پیسے اور پیسے کمانے کے لئے محنت اور وقت چاہئے اور یہی آوارہ منشوں کے ہاں نہیں ہوتا۔

بات ہو رہی تھی اس بیہودہ مصری کی جس کے گھٹیا سگریٹ کے دھوئیں سے میری طبیعت مکدر ہو گئی تھی اور جس نے مجھے ملول و مغموم، خستہ طبع دیکھتے ہوئے گرہ لگائی تھی...... ''بھائی تازہ تازہ جیل سے نکلے ہو یا کہیں کچھ چرا کر بھاگے ہو؟'' میرے شٹ اَپ کہنے سے اُسے مجھے ایک غلیظ سی گالی سے نواز کر شکل گم کر لینی چاہئے تھی۔ مگر میرے اندازے کے عین مطابق اُس نے میری شٹ اَپ کا بُرا نہیں منایا تھا بلکہ اُسے اپنے لئے اک اعزاز سمجھتے ہوئے میرے پاس پہنچ کر سر نہوڑے، سینے پہ ہاتھ دھر کر انتہائی خشوع سے کہنے لگا۔

"تھینک یو جنٹلمین' مرحبا......!"

ایک بار پھر سر جھکا کر بولا۔

"آئی ایم یور سروَنٹ......"

مجھے اس کے اس انداز ڈھٹائی سے قطعی کوئی تعجب نہیں ہوا تھا بلکہ یہ یقین ہو گیا کہ یہ کوئی میرا بھی [illegible] ہے یقیناً یہ مجھے کسی نہ کسی مقدار میں چُونا لگائے گا...... کبھی کبھی تو میں جان بوجھ کر بھی چونا لگوا لیتا ہوں کہ مجھے بھی کچھ نہ کچھ واپس لوٹا دینا چاہیے۔

خیر! چند لمحے اس کے چہرے پہ نگاہیں ٹکانے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"تم نے شاید مجھے غلطی سے جنٹلمین کہہ دیا ہے کیونکہ چند ساعتیں پہلے میں تمہاری نظر میں جیل سے [illegible] سزا یافتہ اور چور اُچکا تھا......"

وہ بڑے بڑے اور گندے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کھل کھلا کر قہقہے لگا کر میرے کندھے پہ اپنا [illegible] ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔

"جنٹلمین! یونہی اچانک میری نظر تم پر پڑ گئی تھی...... تم مجھے اکیلے کھڑے سے دکھائی دیے پھر تمہارا حلیہ [illegible] اور اجاڑ [illegible] پچھ [illegible] بار [illegible] ہم [illegible] پر [illegible] نہیں دیکھ سکتا۔ بس [illegible] تھی کہ میں تم سے مخاطب ہونے کی جرأت کر بیٹھا۔ اب رہی بات جیل اور چور اُچکے کی...... تو میں کسی [illegible] بات سے تمہیں [illegible] اور اکیلے پن کے حصار سے باہر نکالنا چاہتا تھا۔ تم نے دیکھا کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا......"

اب وہ اپنی ڈھیلی ڈھالی سی عبا کی جیب ٹٹولنے لگا...... میرے اندازے کے مطابق وہ مزید سگریٹ [illegible] رہا تھا...... میں فوراً بول اُٹھا۔

"میں گھٹیا تمباکو کی بُو اور گندے دانتوں پہ منڈھے ہوئے سونے کے چمکتے ہوئے خول سے الرجک ہوں......"

ایسا کہہ کر میں نے رک سیک اُٹھایا اور عرشے کی دوسری جانب بڑھ گیا۔

یہاں نیل کا پاٹ کچھ ایسا لمبا چوڑا نہ تھا۔ دوسرے کنارے کے دُور دُور تک نظر جاتی تھی۔ چھوٹی بڑی کشتیوں، بجروں، سٹیمروں کا اِک جمعہ بازار لگا ہوا تھا۔ اصل میں میں اس حرفوں کے بنے ہوئے خرافی سے [illegible] چاہ رہا تھا۔ اسی کوشش میں میں دریائی نظارے میں منہمک ہو گیا...... جہاز ابھی اپنی معمول کی رفتار [illegible] سکا تھا اور نہ ہی ابھی بندرگاہ کی حدود سے باہر نکالنے والے رہبر ٹگ نے سے آزاد کیا تھا...... بیڑیوں اور

مخصوص اشاروں والے وسلوں کے تبادلوں نے خوب سماں باندھا ہوا تھا۔ اسی دیکھا دیکھی میں میں شاید [illegible] خبطی مصری کو فراموش کر چکا تھا اور ایک معصوم بچّے کی طرح جس نے پہلی بار یہ سب کچھ دیکھا ہو میں بھی [illegible] دیکھنے اور محسوس کرنے میں مگن تھا کہ وہ نابکار نہایت ڈھٹائی سے پھر میرے قریب آ لگا۔ اب وہی کہ خوشیوں [illegible] کامیابیوں کی کوئی سرحد کہیں نہ کہیں واقع ہوتی ہے مگر دُکھ اور مصیبتیں بے کنار ہوتی ہیں...... عقل کہیں نہ کہیں ٹیکی لے لیتی ہے لیکن حمق کا کوئی انت نہیں ہوتا۔ اسی طرح گفتگو کی کوئی حد ہوتی ہے مگر بکواس و بحث کی [illegible] اخیر نہیں ہوتی۔

دُنیا جہاں کی گھٹے مٹی چاٹے ہوئے کھوچل جہاں نورد کہتے ہیں...... موت کے فرشتے سے جان چھڑائی جاسکتی ہے مگر گائیڈ سے نہیں۔ وہ کسی نہ کسی حیلے بہانے، وَتر وسیلے آپ سے کچھ نہ کچھ بٹور ہی [illegible] سنجیدہ اور دُور اندیش قسم کے ٹورسٹ اپنے گائیڈ کے آزار و عذاب سے بچنے کی خاطر اُسے خاطر خواہ حقِ خدمت اس شرط پہ پیش کرتے ہیں کہ وہ ساتھ چلے مگر اپنی چرب اور کذب سے آلودہ دراز زبان دانتوں تلے [illegible] رکھے۔

کذب و چرب کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے اکثر ہم پیشہ یعنی گائیڈ، وکیل اور انشورنس [illegible] وغیرہ کو میں [illegible] اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتا...... یقین فرمائیں ان میں اکثر از قسم جاہل اور دو نمبری ہوتے ہیں انھیں اپنے پیشے کی بھی [illegible] نہیں ہوتی۔ ان کے پلے اگر کچھ ہوتا ہے تو وہ دھڑا دھڑ کذب اور فراڈ چرب زبانی...... ان کے [illegible] ہی ان دو عناصرِ خبیثہ سے اٹھا ہوتا ہے۔ گائیڈ کو دیکھیں سُنیں تو معلوم ہوتا ہے یہ حضرت فراعینِ مصر کے [illegible] کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں...... اخناتون ان کا پھوپھڑ اور کلوپیٹرا ان کی رضاعی بہن ہوتی تھی...... مصر کے تمام اہراموں، معبدوں، ڈیموں، محلوں اور مسجدوں کے بنیادی نقشے ان کے دماغوں کی اختراع تھے...... مصر کے تمام عجائب خانوں کے نوادرات کی تاریخ و ترتیب ان کی مشاورت سے تکمیل ہوتی ہے...... غرضیکہ حد درجہ لپاٹیے، غپوڑے اور جھوٹ کو سچ بنانے میں مسلمہ "کذاب" کے بھی باپ ہوتے ہیں۔ سیاح کو [illegible] دیکھتے ہی اس کے سیاہ و سفید سے آگاہ ہو جاتے ہیں...... دُنیا کی ہر وہ زبان بھی جانتے ہیں جو ابھی معرضِ [illegible] اور منظرِ شہود پہ نہیں آئی۔

میں ایک بار تایومین گوآن کے قریب دیوارِ چین پہ سرگشت کر رہا تھا...... میری طرح اور بھی [illegible] سے جہاں گرد موجود تھے...... تایومین گوآن ایک ایسا سپاٹ ہے جہاں دیوارِ چین اپنی پوری جلالت [illegible] اور قد و طوالت کا وسیع منظر پیش کرتی ہے...... آمد و رفت کے خاطر خواہ وسائل بھی سیاحوں کے لیے [illegible]

کرتے ہیں۔ یہیں ایک گھگھنا سا گائیڈ میرے حوالے ہوگیا۔ میری شکل وصورت اور حال حلیے سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میں ایشین ہوں اور میرا تعلق پاکستان یا انڈیا سے ہے۔ اس نے مجھے مزید ٹٹولنے کی خاطر بڑی عاجزی اور یگانگت سے سلام کیا پھر انگریزی میں بات بڑھاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں اب چونکہ میں اس شاطر کی نیت جان گیا تھا اس لئے منہ بند کئے رہا...... گونگوں کی طرح اشارے سے میں نے تاثر دیا کہ میں انگریزی نہیں سمجھتا...... مگر وہ گائیڈ ہی کیا جو ایسی آسانی سے پیچھا چھوڑ دے...... میں آگے بڑھا تو وہ پیچھے پیچھے بڑھتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ قریب آ کر وہ اب عربی میں اپنا مدعا پیش کرنے لگا۔ یہاں بھی میں نے اپنی نابلدی کا مظاہرہ کیا۔ میں آگے بڑھتا رہا، وہ میرے ساتھ ساتھ ترکی، فارسی، روسی...... اپنے ترکش کا ہر تیر آزما رہا تھا کہ کہیں تو صید کرے گا۔ مگر ہر بار اس کے پھینکے ہوئے تیر کا رُخ اس کی جانب پھیر دیتا تھا کہ میں ان میں سے کوئی زبان بھی نہیں جانتا۔ آخر میں آگے بڑھتے ہوئے دیوار کے کنارے پہ آ کھڑا ہوا یہاں نیچے بہت گہری کھائی تھی۔ میں نے ایک چھوٹا سا پتھر اُٹھا کر کھائی میں پھینکا۔ اس عمل سے میں اُسے یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ بندہ اب میرا پیچھا چھوڑ دے...... ورنہ میں تمہیں اس پتھر کی طرح کھائی میں لڑھکا دوں گا۔ میرے اس عمل سے شاید وہ بھی کچھ اندازہ کر چکا تھا کہ یہ چکنی مچھلی ہاتھ آنے کی نہیں...... اپنی ناکامی کے تابوت میں آخری کیل کے طور پہ اس نے یہ کیل بھی [illegible] پوچھا۔

"آخر تم کون سی زبان سمجھتے ہو......؟"

میں نے اس کی جھنجھلاہٹ اور تلملاہٹ پہ لُطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"اکڑ بکڑ چنبا بو، اسّی نوّے پورا سو، سو کا یا تیتر موتا......"

مجھے یہیں کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔

"چل مداری یہ پیسہ کھوٹا......!"

اور وہ انٹرنیشنل مداری۔ اس انٹرنیشنل کھوٹے پیسے کو سلام کر کے واپس کسی کھرے سکے کی تلاش میں نکل گیا۔

میں بات کر رہا تھا گائیڈوں، وکیلوں، انشورنس ایجنٹوں کی...... کیسی عجیب بات ہے کہ گائیڈ سیاحوں سے انسان کی پیدائش سے بہت پہلے کی باتیں کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ وہ من وعن درست بتا رہا ہے اور وکیل زندگی اور موت کے مابین کے بارے میں مشورے دیتا ہے اور دلائل ومباحث، موٹی موٹی مثلوں کتابوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ صحیح کہہ رہا ہے اور انشورنس ایجنٹ، یہ نہ تو پیدائش سے پہلے کی باتوں پہ بات و بحث کرتا ہے اور نہ زمانہ حال کی بے حالی پہ انگشت اُٹھاتا ہے بلکہ اس کا سارا زور، موت اور مابعد الممات

پہ ہوتا ہے۔ وہ آپ کے انتقالِ پُرملال کے بعد کے زمانے کو آپ اور آپ کے اہل و عیال کے لئے سنہری زمانے سے تعبیر کرتا ہے۔ آپ کے مرنے کے بعد کی خوشحالی کی ایسی تصویر کشی کرتا ہے کہ بیوی بچے' باپ کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھنے لگتے ہیں۔ چشمِ تصوّر سے جب وہ اِن لاکھوں روپوں کے بنڈلوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی نظروں میں باپ کی چندروزہ زندگی کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ بیوی' خاوند کی خدمت مدارت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں رکھتی۔ بچے' باپ کی شفقت کے حصول کے لئے سراپا اولاد بن جاتے ہیں—— بندہ بیچارہ انشورنس ایجنٹ کی مساعی جمیلہ سے...... مرنے کے بعد کی خوشحالی اور آسودہ حالی کی جنت کے مزے اس چندروزہ زندگی میں ہی لوٹنے لگتا ہے۔

مجھے یقین تھا یہ بوبک لقب وہ مصری بھی وہی قبیل کا کوئی فرد تھا...... دیوارِ چین پہ ٹکرنے والے گائیڈ کی طرح یہ بھی مجھ سے اپنی اوقات کھلوانے کے درپے دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک بار پھر میرے پاس آ کھڑا ہُوا۔ "جنٹلمین! [illegible] کی کنکری گرا کر اس نے میری محویّت کی پُرسکون تالاب میں ہلکی سی ہلچل پیدا کر دی تھی۔ اَب میں نے قدرے کسمسا کر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے پھرتی سے ہاتھ اُٹھا کر مجھے پُرسکون رہنے کا اشارہ دیا۔ جیسے وہ م [illegible]

"جنٹلمین! اصولِ گفتگو یہ کہ ایک سوال کرے تو دوسرا جواب دے۔ تم نے تمباکو کی [illegible] اور سونے کے خول والے دانتوں کی بات تو کر دی لیکن میرا کوئی جواب سُنے بغیر وہاں سے ہٹ کر ادھر آ گئے۔ جیسے میں کوئی گندہ کیڑا ہوں اور تم میری آلودگی سے خود کو بچانا چاہتے ہو...... نیتوں کا حال اللہ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ میرا مقصد محض تمہاری اُداسی اور اکیلے پن کو دُور کرنا تھا۔ باقی رہی بات کہ تمہیں میرے گھٹیا تمباکو اور سونے کے دانت سے الرجی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے بھی کسی کو اُداس' پریشان نہ دیکھ سکنے کی الرجی ہو۔"

اس نے اپنے سگریٹ کا پیکٹ توڑ مروڑ کر دریا میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"جنٹلمین! میں اب سگریٹ نوشی نہیں کروں گا۔" پھر مُنہ کھولتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا دانت حاضر ہے اسے اکھاڑ پھینکو لیکن خدارا! اپنی اُداسی دُور کر دو یا پھر اس کی وجہ بتاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری اُداسی' پریشانی دُور کرنے میں کچھ تعاون پیش کر سکوں......"

اُس کی ایسی گفتگو اور ظاہری شخصیت سے ہٹ کر اس کے باطن کا یہ انوکھا سا روپ دیکھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی...... پھر یک دم خیال آیا' ہو سکتا ہے کہ یہ بھی پھانسنے کا ایک انداز ہو...... میں نے اپنے خدشے کی تصدیق کے لئے اُسے مزید کریدنا چاہا۔

"دیکھو برادر! ایک تو مجھے اجنبیوں سے بے تکلف ہونے کا کوئی شوق نہیں۔ دوسرے مجھے کسی گائیڈ یا ایجنٹ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی کہ میرا پرس بڑا ہلکا پھلکا ہوتا ہے اور میری ایک بُری عادت کہ کسی شے کو جاننے سمجھنے کے لئے مَیں حتی الوسع اپنے وسائل استعمال کرتا ہوں۔ قباحتِ اتفاق کہ مجھے ٹائم پاس کرنے کے لئے کسی بزرگی کی طلب ہے اور نہ ہی مجھے کوئی نوادر، لوح، تعویذ یا تصویر چاہئے۔ مَیں تو درویشی فقیری کی راہوں کا مسافر ہوں اور یہاں کسی کا بھیجا ہُوا آیا ہوں......"

یقیناً وہ غور سے میری باتیں سُن رہا ہوگا لیکن بظاہر وہ ایک ننھے کُھردرے پتھر سے اپنے بن مانس کی مانند بڑھے ہوئے ناخنوں کو رگڑ رہا تھا...... اپنی بات ختم کئے ہوئے چند طویل سے لمحے گزر چکے تھے۔ مگر وہ کمال بے نیازی سے اپنی رگڑائی والے کام میں مگن تھا یوں کہ میری بات اس کے نزدیک قابلِ سماعت ہی نہ ٹھہری ہو۔ مَیں نے جھنجھلا کر اس کی جانب دیکھا...... معاً اک کوندا سا لپکا کہ سلیمان اخی ریت سے دیگچیوں کی رگڑائی کرتا تھا اور یہ پتھر سے ناخنوں کی...... کوئی دم بیتا تو اچانک اس نے پوچھا۔

"تمہارے ہاتھوں کا کیا حال ہے جنٹلمین......؟" تب مَیں نے اپنے ہاتھوں کی طرف دھیان دیا جو میری قمیض کی لمبی لمبی آستینوں میں چھپے ہوئے تھے اور [illegible] کون جانتا [illegible] کہ یہ ریت کی رگڑائی سے زخمی ہوئے ہیں۔ اپنے ہاتھوں کے بارے میں سُن کر مَیں ششدر رہ گیا کہ اسے میرے ہاتھوں کے بارے میں کیسے خبر ہو گئی؟ میری جانب دیکھے بغیر وہ پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا، جنٹلمین!"

"تم...... تم نے میرے ہاتھوں کے بارے میں پوچھا...... کیا ہُوا میرے ہاتھوں کو؟"

اسی لب ولہجہ میں اُس نے میری جانب بن دیکھے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔

"اگر مَیں جانتا تو تم سے کیوں پوچھتا...... تم نے اپنے ہاتھوں کو چھپایا ہُوا ہے۔ اب سردی جاڑا تو ہے نہیں جو تم انہیں ڈھانپ کر رکھو۔ اب ظاہر ہے تمہارے ہاتھوں کو کوئی تکلیف رہی ہوگی......"

جواب مدلّل...... مگر مَیں مطمئن نہیں ہوا تھا۔ ایک چُبھن سی محسوس ہونے لگی جیسے ذہن میں اک خارش سی چھڑ گئی ہو۔ ہو نہ ہو بیروت والے فندق البحر کے سلیمان اخی کے دیگچیوں والی ریت اور قاہرہ کے اس دریائی کشتی سفائر آف نائیل کے تیسرے درجے کے عرشے پہ اس عجیب وغریب مصری کے ہاتھ کے پتھر میں کچھ نہ کچھ تعلق ضرور موجود ہے...... سلیمان اخی اور اس مصری کے حال حلیے میں بھی بے پناہ مماثلت موجود تھی...... فرق صرف ایسا کہ وہ چُپ چاپو تھا اور یہ کُتر کُتر کاٹنے والا باتوں کا گالڑ...... اُس سے بات نکلوانا مربّے کے گہرے پیندے والے مرتبان سے گاڑھے شیرے میں ڈوبا ہوا آنولہ نکالنے کی طرح تھا جبکہ اس کی باتوں کی

برسات سے بھیگتے بھیگتے کپکپی سی چھڑ جاتی ہے۔ ڈبل نمونیے کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔

رگڑائی میں مگن وہ اسی اَنگ میں پھر بولا۔

”جنٹلمین! اُصولِ گفتگو ہے کہ......؟“

مَیں نے جھلا کر بیچ میں ہی اس کی اصولِ گفتگو والی بات قطع کر دی۔

”دیکھو مسٹر! مجھ سے پہیلیوں میں گفتگو مت کرو...... سیدھے سیدھی بات کرو...... تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“

حسبِ معمول اس نے میری اس کھردری سی بات پہ کسی رَدِّ عمل کا اِظہار نہ کرتے ہوئے' ہاتھ کا پتھر پھونک سے صاف کرتے ہوئے جیب میں رکھا پھر دونوں ہاتھوں اُلٹا سیدھا کرتے ہوئے ناخنوں کی صفائی ملاحظہ کی...... اب بڑے اطمینان سے میری جانب رُخ پلٹ کر میری آنکھوں میں آنکھیں ترازو کرتے ہوئے کہا۔

”جنٹلمین! دُرویشی' ذرّہ ذرّہ کی رَیگ کی مانند تقسیم ہو کر بکھرنے کا نام ہے...... پہاڑ کے پتھروں کی طرح مجتمع' سربلند ہو کر فلک آفریں ہونے کا کام نہیں......“

جیسے [illegible] اب پہاڑ سے [illegible] ہو چکا تھا [illegible] دیکھنے والی [illegible] اب معمول کے مطابق تبدیل ہو چکی تھی۔ گرد و پیش کے مناظر میں کشادگی اور تراوٹ کا احساس دَر آیا تھا...... اور اُدھر یہ پُراسرار سا مصری' ریت [illegible] پتھر کی بات کر کے خود بھی ایک پہاڑ سا دکھائی دینے لگا جو کسی لق و دق صحرا کے کھڑا لمحہ لمحہ ریزہ ریزہ ہو کر صحرا [illegible] چلا جا رہا تھا...... اور اِدھر میں [illegible] سمندری جھاگ کی مانند جھولے لے لے کر سوچنے لگا یہ دُرویشی فقیری کیا مصیبت ہے۔ اس کے کتنے روپ اور کیسے کیسے اَنگ رنگ ہیں' کوئی پتھر ہے اور کسی کے ہاں اس کی کچھ اور تعریف ہے...... کسی کی دانست میں گوشہ نشینی' ترکِ علائق و لذائذ...... کہیں ریاضت و مجاہدات کو دُرویشی فقیری گردانتا ہے۔ کوئی منشیات میں غرق ہو کر فقیری تلاش کرتا ہے۔ اندھوں کے آگے ہاتھی...... موٹی موٹی ٹانگیں' کسی کے لئے فقط نرم سی سونڈ' کسی کے لئے صرف دُم اور کوئی فقط بڑے بڑے کان کہے اور کوئی لمبے لمبے سخت مگر ملائم دانتوں کو جانے...... اصل کون جانے پورا ہاتھی کیا ہے؟ میں نے جانا کہ یہ جہاں گردی کی دین ہے' یہ قیاس اور قیافہ ہے...... قیاس بھی دُرویشی' قیافہ بھی فقیری...... جہاں گردی کی دین اور جہاں بانی و جہاں گیری...... جہاں بینی و جہاں نوردی...... ہر لحظہ نیا طور' نئی برق و تجلی گوشۂ گمان میں گُم گشتگی......!

قولِ سُدید ہے کہ دُرویش...... سُورج' بادل' ہوا اور زمین کی مانند ہوتا ہے۔ وہ کاسۂ دُرویش

ہے۔ وہ قلزمِ جستجوئے ادراک ہے...... وہ ابرِ صبر نمناک ہے...... وہ جُفت میں بھی طاق ہے۔ وہ اِک [illegible] بے باک ہے...... وہ جُھکتا ہوا آفاق ہے...... وہ گریبانِ صد چاک ہے۔ راکھ ہے کبھی خاک ہے۔ یہ اسرار بندے کیا نہیں ہوتے...... یہ نوکِ شمشیر پہ تتلی بٹھانے والے۔ یہ سرِ مژگاں موتی سجانے والے...... یہ [illegible] سے صحرا لانے والے...... سرِ دار کلمۂ حق سنانے والے...... یہ فرزانے دیوانے، جن کے لیے عالمِ تمام حلقۂ دامِ خیال ہوتا ہے۔

صادق اظہار لوگ کہتے ہیں۔ بہت جاننا بھی ہے وجہِ خرابی...... جیسے اِک رکشے کے پیچھے لکھا تھا...... "عقل نہ ہووے تے موجاں ہی موجاں"...... کہیں بہت جاننا عیب ٹھہرتا ہے تو کہیں کم جاننا جہالت سمجھا جاتا ہے۔ کہیں عقل عیار ہے تو کہیں عقل و دانش محترم و معتبر ہے۔ کہیں حجاب، بے حجابی کی ذیل میں آتا ہے...... نقاب کی اوٹ میں بے نقاب سی آنکھیں...... کتنے حجابوں کی پردہ پوشی کرتی ہوں گی...... الف ننگی تلوار اور کٹاری...... دونوں کی کاٹ کیسی بے حجاب ہوتی ہے۔ خمیدہ شمشیر کی آب اور دُرویش کی [illegible] کی تاب کے مقابل...... گردشی ہے نہ گردوں۔ بگڑے مرتبان میں ہی رہتے ہیں مگر کہنے والے سچ بات ہی کہتے ہیں۔ [illegible] کے گھونسلوں [illegible] میں خار مُغیلاں کے استر، بستر ہوتے ہیں، جو تھلوں میں کسی کے پاؤں کی پازیب بھی تھے...... اور کسی [illegible] بدوش دار کا سرتاج بھی۔

میں چھوٹا سا بیج تھا مگر صدیوں کے سائے والا برگد محیط تھا...... بیج توانا اور کیسی بھی روئیدگی کا [illegible] کیوں نہ ہو اسے سائے میں پھوٹنے پنپنے میں تامل ہوتا ہے...... کوئی چھلکا، چھولا، پھوٹ پھٹ کی اُمنگ انگور [illegible] بھی لے تو قد، قدامت اور قرار پکڑ نہیں پاتا...... پنیریاں اُگا پھر اُکھاڑ کر دوسرے کھیتوں میں لگانے [illegible] سے ہی رنگ، رس، خوشبو بھرے شجر و اثمار سربلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں ہی اندر، خیالوں کی ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نہ جانے باہر کے منظروں اور فاصلوں کے کتنے موسم بدل چکے تھے...... آہوئے وقت کی [illegible] چوکڑیاں بھی ایک عام انسان کے فہم و ادراک میں آنے والی اکائیاں نہیں ہیں...... موسموں، رُتوں، [illegible] اور لمحوں ساعتوں کی وقت کے ساتھ ایک اپنی علیحدہ منطق ہوتی ہے...... وقت یا زمانہ، ایک لدے اونٹ کی طرح نظر آیا...... دیکھو تو لگتا ہے یہ تو کچھوے کا بھی باپ ہے...... لیکن آنکھ بند کر کے پھر کھول کے دیکھو تو یہ [illegible] صحرا پار کر چکا ہوتا ہے...... پپوٹوں کے دریچوں اور پلکوں کی چلمن کی اوٹ بڑے اسرار ہیں۔ کچھ لمحے کی [illegible]...... چند ساعتوں کی خود فراموشی...... معمولی سا دھیان اور کچھ دیر کا مراقبہ...... انسان کو زمان و مکان

سے آزاد کر دیتا ہے...... شب کیا ہے اس کے اسرار کیا ہیں...... وقت کیا ہے۔ یہ گزرتا ہے یا کٹتا ہے...... ٹھہرتا ہے یا بکھرتا ہے۔ اس کا اندازہ کسی عیش و عشرت کے دلدادہ کے شبستان میں نہیں ہو سکتا...... یہ تو کوئی شب دیدہ شب گزیدہ شب زندہ دار ہی جانتا ہوگا۔

ہم دونوں کے درمیان بھی وقت شاید ٹھہر کر جم سا گیا تھا...... عرشے کے آہنی اور چوبی ریلنگ سے لگے ہم کھڑے کھڑے سے گئے تھے...... آگے دریا نے آہستہ سے کروٹ بدلی تھی اور جہاز بائیں جانب ہلکے ہلکے جھولے لینے لگا تھا۔ سہ پہر کی نرم نرم پُروائی نے گدگدانا شروع کر دیا تھا...... جہاز نے تین لمبی سیٹیاں بجا کر شاید شہر سے نکل کر کھلے دریا میں اُترنے کا اعلان کیا تھا...... وہ جیسے گہری نیند سے جاگتے ہوئے بڑبڑایا۔

''جنٹلمین! اب ہمارا اصل سفر شروع ہو رہا ہے...... آؤ ہم دونوں مل کر اس سہانے سفر کے نام ایک ایک جام مصری قہوے کا نوشِ جان کرتے ہیں......''

عرشے کی طعام گاہ کے اندر دو تین سُرخ تانبے کے چمکتے ہوئے برتن قہوے [illegible] تھے۔ مسافر اپنی اپنی ضرور [illegible] ایک کونے میں دو نشستوں پہ بیٹھ گئے...... خاموشی کی دُھندلی سی ایک ہلکی سی تہہ ابھی تک ہمارے درمیان مسلط تھی۔ تلخ قہوے کی ہلکی ہلکی چسکیوں کی [illegible] میں اس کی ریت اور پتھر والی پُرپیچ باتوں پہ غور کر رہا تھا...... خیال کی مہمیز لگی اور ایک ایک بات دیئوں کی طرح روشن ہوتی گئی۔ سمجھ آئی کہ اس پُراسرار مصری کا بیروت والے سلیمان اُفتی سے کوئی نہ کوئی تعلق ناطہ ضرور ہے...... اور ریت، زلزلے اور زخمی ہاتھوں کے حوالوں سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ فندق البحر سرائے والے تمام واقعات سے نہ صرف واقف ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں یہاں نیل کے سفر کس مقصد کے لئے پہنچا ہوں۔

''قہوے کا ایک اور پیالہ لو گے، جنٹلمین!'' اس نے اپنی نشست سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! گو یہ بہت تلخ ہے پھر بھی میں اس سے تسکین حاصل کر رہا ہوں۔''

گرم گرم قہوے کا پیالہ میرے سامنے دھرتے ہوئے کہنے لگا۔

''تسکین اور طمانیت ہمیشہ تلخی سے حاصل ہوتی ہے۔''

''...... اور شیرینی سے؟'' میں نے فوراً پوچھ لیا۔

''وقتی اور جزوی تسکین...... جو کچھ دیر بعد عنقا ہو جاتی ہے...... اور مُنہ میں کسیلا پن چھوڑ جاتی ہے۔

[illegible] تندی، خون اور مزاج صاف کرتی ہیں۔ شیرینی شکر اور شربت، فساد...... چینیوں جاپانیوں کو دیکھیں وہ [illegible] کے لئے پانی بھی اُبال کر پیتے ہیں...... اور اگر اس اُبلتے ہوئے پانی میں چند پتیاں قہوے اور گلِ نسرین کی [illegible] جائیں تو یہ مشروب صحت، صحبت اور جسمانی باطنی صالحیت کے لئے اکسیر ہوتا ہے، جنٹلمین!"

میں نظریں گاڑے اُس کے حوق سے چہرے کو دیکھ رہا تھا...... یہ خستہ حال سا مصری، اصل میں کیا چیز ہے...... اب میں نے سوال کی صورت میں ایک اندھا تیر چھوڑا۔

"تم سلیمان آفجی کو جانتے ہو......؟"

وہ اُسی پُرسکون انداز میں گویا دیا۔

"وہی سلیمان آفجی، جس نے تمہیں اس سفر کا مشورہ دیا...... ہاں! میں اُسے خوب جانتا ہوں...... اُس نے مجھے بھی یہاں، کبھی تمہاری طرح بھیجا تھا...... وہ جس سے بھی اپنا پنڈ چھڑانا چاہتا ہے...... اُسے نیل کے سپرد کر دیتا ہے۔ ویسے ہی جیسے کبھی کلوپیٹرا اپنے وصل یافتہ عاشقوں کو نیل کے آدم خور گھڑیالوں کے سپرد کر دیا [illegible] جنٹلمین!"

مجھے جھرجھری سی آگئی...... میں [illegible] شیشوں [illegible] شوریدہ سر نیل [illegible] دیکھنے لگا...... [illegible] آگیا...... [illegible] اُسے اتارتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے میں قہوہ نہیں، زہرِ ہلاہل پی رہا ہوں۔

"سلیمان آفجی نے تم کو کسی سے ملنے کے لئے یہاں بھیجا تھا یا یونہی نیل کی سیر کے لئے؟" میں نے اُس کے چہرے پہ نگاہیں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

اس نے اپنے موٹے بھدے ہاتھ میرے سامنے میز پہ پھیلا کر جواب دیا۔

"میرے یہ ہاتھ کبھی تمہارے ہاتھوں کی طرح نرم اور سبک ہوا کرتے تھے...... دُرویشی کی چینک [illegible] بھی میری مٹھ بھیڑ، سلیمان آفجی سے کرا دی تھی...... نتیجہ یہ نکلا کہ میں اک زمانہ اس کے پینڈا جلے دیگچے [illegible] سے رگڑتا رہا، تم شاید جانتے ہو گے کہ مُرید اور مُرید، جس دیگچے اور دُرویشے میں پکتے اور تربیت پاتے ہیں وہاں آخر یہی کچھ تو بچتا اور ہوتا ہے...... سڑن، جلن، کھرچن اور کوئلے سی سیاہ سخت تچھٹ اور تپش ترین [illegible] جنٹلمین!"

"اب تم کہاں جا رہے ہو......؟"

"تمہارے ساتھ ہی ہوں...... دیکھئے کہاں تک تم میرے ساتھ ہو اور میں تمہارے ساتھ؟...... ویسے ہم دونوں اس بجرے پہ ہیں جس کی پہلی منزل سکندریہ...... اور پھر واپسی قاہرہ......"

"تم کیا کرتے ہو...... گائیڈ ہو یا کوئی اور کام دھندا؟" میں نے بڑی ہوشیاری سے جیسے پیاز سے پرت اُتارتے ہوئے پوچھا۔

اس نے بھی اسی بے نیازی سے جواب دیا۔

"کوئی بھی کام، جسے کر سکوں وہ میں کر لیتا ہوں، ویسے میں بطور گائیڈ بھی کام کرتا رہا ہوں، جنٹلمین!"

"......اور آج کل؟" قہوے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے میں نے پوچھ لیا۔

"اس بجرے پہ ملازم ہوں...... اوّل درجہ کے مسافروں کے لئے رات کو محیّر العقول تماشے پیش کرتا ہوں، جنٹلمین!...... یعنی میں شعبدہ گر ہوں۔ تم مجھے مداری بھی کہہ سکتے ہو۔"

اُس کے مُنہ سے تماشے کا لفظ سُن کر میں اُسے یوں تکنے لگا جیسے وہ بھی اِک تماشا ہی ہو۔

"تم اِس بجرے پہ تماشے دکھاتے ہو...... میرا مطلب ہے کہ اوّل درجے کے مہمانوں کے لئے تماشے پیش کرتے ہو؟"

"ہاں! اگر تم اِس قدر حیرت کا اظہار کیوں کر رہے ہو...... کھیل تماشا دکھانا کوئی انوکھا یا اچنبھے کا کام ہے، جنٹلمین!"

میں [illegible] اپنا ہاتھ [illegible] کہا۔

"پھر تو تم ضرور مجھے بھی اپنے تماشے دکھاؤ گے......"

وہ عجیب سی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"اس کے لئے مجھے سوچنا پڑے گا...... اور سردست سوچنا تو درکنار میں صحیح سے کوئی بات بھی نہیں کر سکتا...... میرا بدن ٹوٹ رہا ہے اور حواس مختل سے ہو رہے ہیں۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ میں تمہیں جنٹلمین کہنا بھی بھولنے لگا ہوں، جنٹلمین......!"

میں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

"خیریت...... کیا تم بیمار ہو یا اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے؟"

"نہیں...... میں بیمار وِمار بالکل نہیں...... صرف سگریٹ نہ پینے کی وجہ سے ہر طرح سے بے کل ہوں...... اگر تم جنٹلمین ہونے کی حیثیت سے مجھے ایک عدد سگریٹ پینے کی اجازت دو تو میں شاید تمہارے لئے کوئی ترکیب نکال سکوں۔ دریں صورت میں شاید آج رات خود بھی کوئی تماشا دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا، جنٹلمین!"

میں اُس کی چالاکی کو سمجھ گیا تھا...... مگر مجبور تھا کہ تماشا دیکھنے کا اس کا علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

''ٹھیک ہے' تمہیں کوئی ترکیب سوچنے کی خاطر صرف ایک سگریٹ پینے کی اجازت ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کا دُھواں حلق کے نیچے نہ جائے اور نہ ہی اس کی گھٹیا بدبُو اردگرد پھیلے......''

وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''منظور' مگر تمہیں مجھے وہ ترکیب بھی بتانی ہوگی کہ دُھواں پیٹ میں بھی نہ جائے اور اردگرد بھی نہ پھیلے' جنٹلمین!''

''میرے پاس تو کوئی ایسی بے ہودہ ترکیب نہیں...... یہ تو تیری سردردی ہے کہ ان شرائط کے ساتھ کیسے سگریٹ پیا جا سکتا ہے۔'' میں نے بظاہر بے نیازی سے جواب دیا۔

میری اجازت ملتے ہی اُس نے اپنی جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا' بڑی عجلت سے سگریٹ سلگا کر ایک لمبا سا کش کھینچا۔ اب میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں سے دُھواں خارج تو نہیں ہو رہا۔ مگر کیا مجال جو مُنہ' ناک' کان سے دُھویں کی کوئی ہلکی سی لہر تک برآمد ہوئی ہو۔ اُس کی نشست کے نیچے بھی جھانکا وہاں بھی کچھ نہ تھا...... حتیٰ کہ تمباکو کی بُو تک ظاہر نہ ہوئی' بس اُس کا چہرہ قدرے تمتما اُٹھا تھا...... تو وہ لینے کی خاطر میں پوچھ بیٹھا۔

''برادر! کچھ دیر پہلے تم نے سگریٹ کا پیکٹ [illegible] یا تھا' [illegible] سگریٹ کہاں سے نکالا اور اس چغتائی سگریٹ [illegible] کا دھواں بھی غائب [illegible]......؟''

وہ عجیبی زردی سی مسکراہٹ پھیلاتے ہوئے پُوچھتا۔

''جنٹلمین! [illegible] ایم اے جنگر! محیر العقول تماشے دکھانے والا...... سگریٹ [illegible] اور دُھواں غائب کرنا یہ کون سا مشکل کام ہے......'' [illegible] نے جو ایک اور زوردار قسم کا کش کھینچا تو باقی ماندہ سگریٹ بھی بھسم ہو گیا۔ مگر دُھویں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ دُھواں پی رہا تھا' کھا رہا تھا یا جذب کر رہا تھا...... میں خیرہ نگاہی میں یہی سوال لئے اُسے دیکھ رہا تھا...... وہ شاید میری پریشانی جان چکا تھا۔ کہنے لگا۔

''جنٹلمین! دیکھو......'' وہ ہاتھ کے اشارے سے ریلنگ کے ساتھ لگے دو سوڈانیوں کی جانب اشارہ کر رہا تھا جدھر ایک لمبے تڑنگے سوڈانی کی لمبی عبا کے نیچے سے ہلکا ہلکا سا دُھواں نکل رہا تھا...... یوں لگ رہا تھا کہ اس سوڈانی نے اپنے زانوں کے درمیان کوئی انگیٹھی داب رکھی ہے جس میں سے گیلے اُپلے دُھواں دے رہے ہیں۔

میں آنکھیں پھاڑے کبھی اِدھر اس مصری کو اور کبھی اُدھر ان سوڈانیوں کو دیکھ رہا ہوں...... جو شام کے ہلکے ہلکے ملگجے میں بڑے پیارے موڈ میں آپس کی کسی گفتگو میں مصروف تھے...... جبکہ ان میں سے کوئی تمباکو نوشی بھی نہیں کر رہا تھا...... لیکن ہلکا ہلکا دُھواں مرغولے اُن کے ٹخنوں تک برابر عبا کے نیچے سے نکل رہا تھا۔

وہ میری حیرانی اور پریشانی سے خوب محظوظ ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بمشکل پانچ چھ جھٹکے دار کشوں سے اس نے سلگائے ہوئے سگریٹ کو فارغ کر دیا تھا...... باقی بچا ہوا مسلا کچلا سگریٹ دریا برد کرتے ہوئے وہ خود بخود بڑبڑانے لگا۔

''مصری سگریٹوں اور عورتوں میں یہی ایک خرابی مشترک ہے کہ دونوں لاسٹ لانگ نہیں ہوتے...... بے وفا اور جلد یا بہ دیر ساتھ چھوڑ جانے والے، جنٹلمین!''

بن سوچے میرے منہ سے نکل گیا۔

''یہ تمہارا ذاتی تجربہ ہے یا کچھ ہے ہی ایسا......؟''

''جنٹلمین! اس معاملہ میں میرا ذاتی تجربہ کچھ زیادہ ہے۔ لیکن ہے بھی ایسے ہی......''

اس نے مجھے خشمگیں نظروں سے تولتے ہوئے جواب دیا تھا۔ میں نے بھی اسی لہجہ میں جواب دیا۔

''میرا ذاتی خیال ہے کہ ان دونوں مکروہات اور مشروعات کا استعمال اگر قدرے احتیاط اور خدا خوفی سے کیا جائے تو شاید ایسا کہنے کی نوبت نہ آئے۔''

وہ کان چھڑاتے ہوئے بولا۔

''[illegible]...... [illegible] نہیں سکتے۔ لہٰذا میں توقع کر رہا ہوں تم کوئی کام کی بات کرو گے...... جنٹلمین!''

''کام کی بات تو میں بتا چکا ہوں میں اوپر والے عرشے پہ ہونے والے پروگرام دیکھنا چاہتا ہوں...... ہاؤس فل ہو جانے اور وقت و جیب کی تنگی کی وجہ سے مجھے وہاں نشست نہ مل سکی...... تم نے سگریٹ پینے کی اجازت کے بدلے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ سو تم نے سگریٹوں کا کورس پورا کر لیا ہے لہٰذا اب تم ایک جنٹلمین کے وعدے کی طرح اپنا عہد نبھاؤ۔''

اس کی گدلی موٹی موٹی آنکھوں میں بڑی تیزی سے مکاری کی پرچھائیاں ابھرائیں۔ مجھے یقین ہو گیا اب یہ یہاں اپنا ترپ کا پتا پھینکے گا۔ وہ جہاز کے اوپر والے عرشے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیا تم جانتے ہو جہاز کا یہ سفر کتنے روز جاری رہے گا، جنٹلمین؟''

''یہ بھی تم ہی بہتر بتا سکتے ہو......''

''ہوں...... فی دن بھی ایک پیکٹ لگایا جائے تو تمہیں کم از کم چھ سات پیکٹوں کے پینے کی اجازت تو بہرحال دینی ہی پڑے گی اور وہ بھی ایڈوانس، جنٹلمین۔''

''دیکھ لو تم اپنے جنٹلمین پر امر میں زبردستی کی گنجائش پیدا کر رہے ہو۔''

وہ شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"وہ تو ہے…… تمہاری ڈیمانڈ بھی تو بڑی اونچی ہے اور پھر کم از کم پچاس پونڈ کی بچت بھی…… جنٹلمین!"

"مجھے قبول ہے…… میں اُدھر بنچ پہ بیٹھتا ہوں تم اِدھر ریلنگ کے پاس پانچ دس' بیس چالیس جتنی بھی پیو یہ جتنی تمباکو بتیاں سُلگا لو مگر تمہیں فرعون افلاتون کا واسطہ کہ ان کا دُھواں کسی مسافر کی دھوتی' پائجامے سے نہ نکلتا…… وہ دیکھو وہ بیچارے سوڈانی کس مصیبت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کے عباؤں کو الٹ پلٹ اور اپنے مستور جسمانی اعضاء کو ٹٹول کر یہ پتہ چلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ دُھواں کہاں سے نکلتا ہے جبکہ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ کبھی بھی حقیقت نہ جان نہ پائیں گے۔"

جہاز اپنی رفتار معتدل اور ہموار کر چکا تھا…… اوپر عرشے پہ مختلف اعلانات ہو رہے تھے…… ظاہر ہے کہ ان کا تعلق ہم نچلے درجہ کے کیبن مسافروں سے نہیں تھا اس لئے میں نچنت سا بنچ پہ ڈھیر اُس مداری کو سگریٹوں کے ساتھ "کھاؤ یا جبر" کرتے دیکھنے پہ مجبور تھا اور ساتھ ہی اس کے دُھوئیں پہ بھی نظر رکھے ہوئے تھا جو مسلسل اُس کے اپنے منہ سے خارج ہو رہا تھا۔ میری پوری توجہ اُس کی جانب تھی مگر اندرون خانہ غور کر رہا تھا کہ اس نے اپنے منہ کا دُھواں دُور کھڑے سوڈانیوں کی عباؤں کے اندر کیسے پہنچایا تھا؟ اور اگر وہ یہ پہنچا سکتا ہے تو پھر وہ یقیناً اس کے [illegible] ہر وہ دوسری بھی چیز پہنچانے یا اِدھر اُدھر [illegible] نکالنے پہ قادر ہے…… اسی طرح وہ اپنا خیال' سوچ' ارادہ یا کوئی اچھا بُرا حکم بھی منتقل کر سکتا ہے…… دوسروں کی سوچیں' خیالات پڑھ سکتا ہے…… ارادے جان سکتا ہے…… میں اسی قسم کی ٹامک ٹوئیوں میں غلطاں تھا کہ وہ میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے وہیں سے بولنے لگا۔

"جنٹلمین! میں وہاں پہنچوں یا تم میرے پاس پہنچتے ہو؟"

میں طوعاً کرہاً اٹھا تو اُس کے پاس پرانی جگہ پہ جا کھڑا ہوا…… "فرمائیے؟" کہہ کر میں نے منہ دوسری جانب کر لیا کیونکہ اُس نے وہاں اچھا خاصا مصری نکوٹین کا گند مَس مچایا ہوا تھا جو میری برداشت سے باہر تھا۔ وہ کہنے لگا۔

"کبھی کبھی کوئی ناپسندیدہ چیزیں بھی برداشت بھی کرنی پڑ جاتی ہیں…… یہی تو اصل امتحان یا آزمائش کا وقت ہوتا ہے…… ہو سکتا کہ میں بھی تمہیں اپنی انتہائی برداشت کی حد تک برداشت کر رہا ہوں…… پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ناپسندیدہ اور کڑی تلخ چیزیں اور حقیقتیں ہی اصل میں کوتاہ اندیش' سطحی عارضی خوشی اور بلغمی سوچ و فکر کی مصلح ہوتی ہیں…… جیسے ابھی ابھی تم شے' مادہ اور عنصری محرکات کے انتقال کے بارے میں دماغی ورزش کر رہے تھے…… یہ سب ذہن' سوچ' ارادے اور حق الیقین کا نظری ارتکاز ہے اور انتہائی معمولی چیز……

سوچو اگر میں حقیقت میں ایسا کر سکتا ہوتا تو آج یہ گھٹیا سگریٹ...... اس گھٹیا جہاز کی گھٹیا نوکری اور اس گھٹیا عرشے پہ تم ایسے گھٹیا شخص کے پاس کھڑا ہوتا' جنٹلمین ...... ! میری انگلیوں میں ہوانا یا مراکش کا بڑھیا سگار ہوتا' میں دُنیا کی قیمتی ترین پُرتعیش یونانی کشتی ''سمندر کی جل پری'' کے دیوانِ خاص میں برفانی چیتے کی سفید کھال والے صوفے میں دھنسا ہوتا۔ میرے سامنے بلجیئم کے قیمتی کرسٹل کے جام و مینا پڑے ہوتے' جن کے شفاف پیٹ بازو اور سینے...... جزیرہ ہوائی کی مہنگی اور اعلیٰ ترین سفید شراب سے شرابور ہوتے ...... اور میرے پہلو میں تمہاری بجائے لبنان کی حسین ترین مغنیہ رقاصہ سمعیہ دَرویشک ہوتی ...... جس کے صوتی زمزموں کے ارتعاش سے مُردہ حیات میں گلزار کھل اُٹھتے ہیں۔ جس کی جنبش اعضاء سے کائنات وَجد میں آ جاتی ہے اور جس کے حُسنِ جہاں سُوز سے ......؟''

میرے جسم میں آگ سی لگنے لگی تھی ...... میں بجلی کی سرعت سے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کلوپٹرا کا واسطہ...... یہ لن ترانی یہیں بند کر دو' آگے ایک لفظ بھی مت کہنا...... ورنہ میں یہیں جہاز سے کود جاؤں گا۔''

''[illegible]

''شاید نیل کے پانیوں کی ہولناکی اور اس کے اندر دندنانے والے خوفناک آدم خور گھڑیالوں کی خوش خوراکی سے واقف نہیں ہو...... یہ گھڑیال' مصری جادوگرنی یعنی کلوپٹرا کے پالتو گھڑیالوں کی اس نسل سے ہیں جنہیں وہ ہر نئی صبح کاذب...... یعنی ایک شب کا عاشق صادق' بطور ناشتہ پیش کیا کرتی تھی ...... جنٹلمین ! دُنیا کا بڑے سے بڑا سخت کوش خودکشی کرنے والا بھی اس نیل میں کودنے والے طریقہ خودکشی کو خوش دلی سے قبول نہیں کرتا ...... اس سے تو لاکھ درجہ بہتر خودکشی یہ ہے کہ انسان اس دُنیائے خانہ خراب میں چند برس اور زندہ رہنے کو ترجیح دے لے...... بولو' جنٹلمین !''

میں خاک کچھ بولتا ...... مجھے اپنی بانکی باتی پہ بڑا ناز تھا مگر جب سے میں اس مصری اُونٹ کے نیچے آیا تھا میری بولتی بند ہو گئی تھی ...... میں نے اپنی گز بھر کی لپیٹ' دانتوں تلے دے کر اپنے کان پورے کھول دیئے تھے ...... نیل کے گھڑیالوں سے جان بچانے کا سرِدست میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

شام کے جھٹپٹے میں کیفیٹیریا کی میز کے گرد بیٹھے کڑوے کسیلے قہوے اور شیریں خوش ذائقہ تربوز سے مُنہ ماری کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ وہ مجھے اُوپر والے درجے کے متعلق معلومات بھی بہم پہنچا رہا تھا کہ وہ

جہاز پہ جزوقتی ملازم ہے یعنی مہینے میں وہ دو بار جہاز کے سفر کے ساتھ شامل ہوتا...... باقی کے دن وہ اپنے گاؤں میں رہتا یا پھر قاہرہ میں آوارہ گردی کرتا رہتا...... اپنے بارے میں یہی بتا رہا تھا کہ جہاز پہ حیرت میں مبتلا کر دینے والے تماشے پیش کرتا ہے...... نوعیت بتانے میں وہ تاہم گریزاں تھا...... اس نے اول درجے کے اس تماشے پہ میری شرکت یقینی بنانے کے لئے یہ راستہ نکالا تھا کہ میں اس کے معمول یعنی معاون ساتھی کی حیثیت سے شرکت کروں...... اس کے مستقل معاونوں میں ایک جوان خوبصورت سی لڑکی...... ایک اُدھیڑ عمر عورت اور دو مرد تھے — اتفاق کہ ان میں سے ایک مرد ساتھی کسی وجہ سے اس سفر میں شامل نہ ہو سکا تھا۔ جہاز کے قہوہ خانہ سے وہ مجھے اپنے کیبن میں لے آیا تھا۔ جو اسی تھرڈ کلاس کے عرشہ پہ انجن کے دودکش والے جھکاؤ کے نیچے ایک نہایت نامعقول سی جگہ پہ واقع تھا...... انجن کی گھڑگھڑاہٹ اور گرمی نے اسے جہنم کی جانب کھلنے والی ایک تنگ سی گلی بنا رکھا تھا۔ کیبن میں داخل ہوتے ہی مجھے ابکائی سی آنے لگی...... ایک تیکھے تیکھے خدوخال والی خوبصورت سی چلی ڈبلی لڑکی اور ایک چھنالا قسم کی اُودبلاؤ سی عورت وہاں پہلے سے ہی موجود تھیں...... وہی مصری گھٹیا سگریٹ اور مقامی گھٹیا بیئر کی بڑی بڑی سی بوتلیں...... وہ مجھے دیکھتے ہی آپس میں کھسر پھسر کرنے لگی تھیں۔

مر[illegible] عربی عربی سُن کر مجھے کچھ لسی کی بُو بساندی سی آنے لگتی ہے۔ جیسے مصری 'عربی نہیں بول رہے بلکہ کھٹی لسی سے ایک دوسرے کے سر دھو رہے ہیں یا بلیاں 'بطخیں آمنے سامنے ایک دوسرے کو دانتوں چونچوں کی بجائے عربی سے نوچ کھسوٹ رہی ہیں۔

میں نے انہیں السلام علیکم کہا...... انہوں نے وعلیکم کی جگہ سر اثبات میں ہلا کر اشارے سے بیئر اور سگریٹ نوشی کی دعوت دی...... مصری مداری نے غیر مانوس سے الفاظ میں کچھ کہا تو انہوں نے سہم کر اپنی دعوت واپس لے لیا...... ایک رنگین لکڑی کے صندوق پہ پرانی بدبودار چیتے کی کھال بچھا کر میرے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی گئی۔ تنگ اور چھوٹے سے کیبن میں جہاں ڈھنگ سے بیٹھنے کے لئے بھی جگہ کم تھی۔ الم غلم سے اٹا پڑا تھا...... مولا میں کس جنجال پورہ میں آ پھنسا۔ میرے اردگرد نیچے اوپر ایسی ایسی نادر الوجود اور پُرہیبت وہیئت شے چیزیں ٹھنسی ہوئی تھیں کہ میں کسی ایک کو سالم حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میرے نیچے چیتے کی کھال تھی میں نے دیکھا کہ اس کھلے بے دانت جبڑے میں اچھالنے والی گیندیں ٹھنسی ہوئی ہیں۔ آنکھوں کے گڑھوں میں کانچ کے ڈیلوں کی بجائے آڑو کی گٹھلیاں پھنسی ہیں...... اسی طرح اژدھے' مگرمچھ' حنوط کئے ہوئے تھے اور گدھ...... معلوم ہوتا تھا حضرت نوحؑ کی کشتی کے جو جانور دورانِ سفر فوت ہو گئے ہوں گے وہ سب اس

مصری بغلول کے تصرف میں آ گئے تھے۔

وہ سگریٹ سلگاتے ہوئے مجھ سے مخاطب ہُوا۔

''جنٹلمین! تم اُوپر والے عرشے میں صرف ایک ہی ترکیب سے پہنچ سکتے ہو وہ یہ کہ میرے کھیل تماشے میں میرے معاون بن جاؤ۔ اس طرح تم بلا کسی روک ٹوک اور پچاس پونڈ ادا کیے بغیر اُوپر پہنچ سکتے ہو...... میرے کھیل کے بعد بھی میں تمہارا وہاں ٹکنے کا بندوبست کر دوں گا...... اس طرح تم پورے سفر کے دوران اوّل درجے کے پروگراموں سے لطف اندوز ہو سکتے ہو...... البتہ آرام اور سونے کی خاطر تمہیں یہیں اسی عرشے پہ اپنے کیبن میں آنا پڑے گا...... بولو کیا کہتے ہو؟...... ارادہ ہو تو میں تمہیں تمہارے کام کی ریہرسل کروا دوں...... جنٹلمین!''

میں اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''مجھے کیا کام کرنا پڑے گا؟'' وہ بڑی آسانی سے بتانے لگا۔

''تمہیں پہلے انسان اور پھر چیتا اور پھر اک بار انسان بننا پڑے گا...... بہت آسان اور دلچسپ ہے، جنٹلمین!''

[illegible] پہلے [illegible] اور پھر انسان!...... میرے [illegible] پکی چھری۔ پہلے تو آدمی سے انسان بننا مشکل ہے پھر انسان سے چیتا بننا بھی کچھ آسان کام نہیں پھر دوبارہ چیتے سے انسان کے قالب میں ڈھلنا تو اور بھی کار دارد ہے...... میں مبالغے کے انداز میں کہنے لگا۔

''یہ کام مجھے مشکل دکھائی دیتا ہے...... کوئی اور آسان کام بتاؤ...... میں تو بلی کی میاؤں سے ڈر جاتا ہوں اور تم مجھے چیتا بنانے جا رہے ہو...... ویسے آپس کی بات ہے کیا انسان چیتا بن سکتا ہے اور اگر بن جاتے تو کیا پھر انسان کے قالب میں دوبارہ بھی ڈھل سکتا ہے؟ وہ مجھے یوں گھورنے لگا جیسے میں نے اس سے پوچھ لیا ہو تمہارا باپ انسان تھا یا کوئی چیتا؟

وہ کسمساتے ہوئے بولا۔

''کیا تم خود بدبودار مٹی سے انسان کے قالب میں نہیں ڈھلے...... اور تم پھر کیا دوبارہ بھُربھُری مٹی میں تبدیل ہو کر دوبارہ حساب کتاب کے لئے زندہ نہیں کیے جاؤ گے؟...... جنٹلمین! میں نے تو تمہیں چند لمحوں کے لئے حیوانِ وحش بننے کے لئے کہا ہے...... محض چند تھرتھراتے ہوئے ثانیے تم دہاڑتے ہوئے چیتے بنو گے۔ سچ مچ نہیں بنو گے...... یہ محض فریبِ نظر کا کھیل ہے......''

''مجھے شاید فریبِ نظر کے کھیل تماشے دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں کسی اللہ والے فقیر، درویش

[illegible] کا تعرف حاصل ہو جائے تو خوش قسمتی سمجھوں گا۔“

”جنٹلمین! دیا جلانے کا اصل مقصد اگر روشنی کا حصول ہی ہوتا تو صوفی، فقیر، درویش سوز دروں کی بات نہ کرتے...... وہ محض دیئوں پہ دیئے ہی جلاتے چلے جاتے اور پھر ہر مقام ہر جا، دیئے ہی دیئے روشن ہوتے دل نہ ہوتے...... یہ تو محض سمجھانے کے لئے روشن کیے جاتے ہیں کہ ہدایت کی روشنی حاصل کرنے کے لئے کن مسائل، کیا کچھ لوازمات، طور طریق اور ہنر و احتیاط کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو نگاہ نظر دیئے کی لو پہ [illegible] ٹھہر سکے...... وہ نوری تجلی کو کیونکر برداشت کر سکتی ہے، جنٹلمین!“

اُس کی پہلی کون سی باتیں تھیں جو میرے پلّے پڑی تھیں جو اب یہ بھی میری سمجھ میں سماتی...... میں [illegible] شائیں کرتا رہ گیا...... چند ناگوار سے لمحے جیسے پھر ٹھٹھر کر رہ گئے تھے...... خاموشی جم سی گئی تھی۔ ایسے میں اُس نے بات کی دیا سلائی جلائی۔ دور دریا کے پار خلاؤں میں گھورتے ہوئے بتانے لگا۔

”تمہیں وقتی طور پہ چیتا بننا پسند نہیں ہمیں تو سلیمان اٹّی نے بارہ برس کتا بنا کر باندھے رکھا۔ ثرید [illegible] کا [illegible] کھرچن کھا کھا کر زبان کالی پڑ گئی تھی...... آنتیں تار کول نکالتی تھیں...... پھر [illegible] سے چیتے کا [illegible] کر دیا کہ چیر پھاڑ اور کھا...... جنٹلمین!“

”وہ پھر [illegible] بھی چسک [illegible] کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتانے لگا۔

”یہ کُتیا بھی اُسی سلیمان اٹّی کے پتیلے کا کھرچن چاٹتی رہی ہے...... یہ میرے [illegible] کے کھیل میں ایک ناگن کا روپ دھارتی ہے جو [illegible] آمون کی منہ چڑھی کنیز ہوتی ہے جسے [illegible] کی موت کے بعد، دیگر کنیزوں کے ساتھ مقبرے میں زندہ دفن کر دیا جاتا ہے...... تین صدیاں دفن رہنے کے باوجود اس کے دل سے اپنے محبوب کی یاد نہیں نکلتی اور یہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک ناگن کا سراپا اختیار کرتی ہے اور منہ سے آگ کے شعلے پھنکارتی ہوئی، کسی نہ کسی طرح مقبرے سے باہر نکل آتی ہے۔ اپنے محبوب کی ممی کی تلاش میں وہ چھوٹے [illegible] سارے مقبرے کھنگال ڈالتی ہے مگر اسے سوائے ناکامی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہ عالم غیظ و غضب میں ہر انسان کو اپنے ہولناک شعلوں سے جلا کر خاکستر کر دیتی ہے جو اس کے سامنے آتا ہے۔ اسی عالم میں اس کی مٹھ بھیڑ مصریات کے ایک ایسے پروفیسر سے ہوتی ہے جو ایک عالمی ادارے کی جانب سے زیر زمین دفن مقبروں کی تحقیق پہ مامور ہوتا ہے۔ سوئے اتفاق اس کی شکل ہو بہو اس کے محبوب سے ملتی ہوتی ہے۔ وہ اسے بھی جلا کر راکھ کر دینا چاہتی ہے مگر نہ جانے کیوں وہ ایسا نہیں کر پاتی، شاید محبوب کی محبت اسے ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے۔ پھر ایک رات جب چاندنی اپنے جوبن پہ ہوتی ہے وہ اپنے اصل

عورت کے پیکر میں اس کے خیمے میں داخل ہوتی ہے۔ پروفیسر اس کے آتشیں حُسن...... وہی صدیوں پرانے لباس' زیورات' ویسی ہی خوبرو کنیزوں والی کافرانہ ادائیں دیکھ کر اس پہ فریفتہ ہو جاتا ہے۔ پھر جونہی چاند اپنی منزل پہ پہنچتا ہے تو یہ کنیز عالمِ وارفتگی میں ڈوبے ہوئے اِس پروفیسر کو اپنے محبوب کا نعم البدل سمجھتے ہوئے ساتھ لے کر اپنے مقبرے کی جانب بڑھ جاتی ہے......''

وہ سگریٹ سُلگانے کی خاطر رُکا تو میں نے فوراً ہی سوال داغ دیا۔

'' یہ تم کوئی داستان سُنا رہے ہو یا اپنے کھیل کا کوئی دَورانیہ؟''

'' یہ میرے کھیل کا ایک حصہ ہے جو تمہارے چیتے والے کھیل کے بعد شروع ہوتا ہے...... ہاں ابھی ابھی میرے دماغ میں آیا ہے کہ اگر تم چیتا بننے میں کوئی دُشواری سمجھتے ہو تو اس کنیز کے محبوب پروفیسر کا کردار کر لو چیتے والا پارٹ میرا دوسرا معاون کرے گا۔

بات کرتے کرتے وہ رُک سا گیا پھر داڑھی کھجاتے ہوئے بولا۔

'' لیکن یاد آیا کہ اس پروفیسر والے کردار میں بھی ایک قباحت موجود ہے ایسا نہ ہو کہ تمہاری سمجھ سوئی کہیں یہیں بھی اٹک جائے' جنٹلمین......!''

'' [illegible] پروفیسر [illegible] بھی [illegible]

وہ کھسیانا سا ہنسا۔

'' دراصل میرے مُنہ سے قباحت غلط لفظ ادا ہو گیا ہے۔ مجھے کہنا چاہئے تھا کہ یہ ذرا مشکل اور قدرے تکلیف دہ کردار ہے لیکن ہے بڑا رومانی اور نشاط انگیز...... سنو! کنیز چونکہ مقبرے سے انسانی پیکر کے ساتھ نکل نہیں سکتی تھی۔ اس لئے ضرورتاً اُس نے ناگن کا روپ لیا...... مقبرے میں واپسی پہ چونکہ اس کے محبوب کے روپ میں پروفیسر بھی ساتھ تھا...... اسی لئے اس نے پروفیسر کو بھی اک ناگ کا روپ دینے کے پہلے تو اس کا لباس جدا کیا' اچانک یہیں اُسے یاد آیا کہ اس کے محبوب کے سینے پہ گھنے بالوں کا ایک دائرہ تھا جسے وہ کبھی فرطِ محبت سے چُوما کرتی تھی...... اب وہ ہاتھ زبان پھیر پھیر کر ننگے سینے پہ وہ بالوں کا گچھا تلاش کرتی ہے' جو اُسے نہیں ملتا...... اسی دوران وہ فرطِ غیض سے ایک بار پھر ناگن بن کر شعلے پھنکارنا شروع کرتی ہے...... پروفیسر اس کا یہ وحشتناک روپ دیکھ کر ننگا ہی بھاگ نکلتا ہے...... ناگن وہیں سے زبان کا دوشاخہ نکال کر ایک لپکتا ہوا شعلہ دم کرتی ہے اور بے سُدھ بھاگتا ہوا پروفیسر' ایک خاشاک کی مانند آگ پکڑ کر راکھ ہو جاتا ہے۔ یہیں زوردار ہوا چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ خاکستر پروفیسر کی پوستین اور استخواں کی بچی کھچی راکھ کی باقیات تیز ہوا کے ساتھ نابود ہو جاتی ہیں...... تم نے دیکھا کہ اس کردار میں کتنا سسپنس ہے

[illegible] تماش بینوں کے ہوش گم ہو جاتے ہیں۔ سانسیں رُک جاتی ہیں اور نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں...... لائیٹ فل ہونے پہ جو داد و تحسین تمہارے حصے میں آئے گی...... تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے...... جیسا کہ تم جانتے سمجھتے ہو کہ کچھ پانے کی خاطر کچھ کھونا بھی پڑتا ہے...... بس ذرا ننگا ہونے کی جھجک اور پھر ذرا سی تکلیف اس وقت ہو گی۔ جب سرپٹ بھاگتے ہوئے تمہارے ننگے جسم پہ، جس پہ ایک مخصوص کیمیکل لگا ہو گا، خفیہ پریشر گن سے ایک سریع الاثر محلول پھینکا جائے گا۔ جس سے دکھائی دے گا کہ آگ بھڑک اُٹھی ہے لیکن وہ آگ نہیں ہو گی۔ پھر آندھی اور تیز ہوا کا تاثر پیدا کیا جائے گا۔ ساتھ ہی بجلی کی کڑک، پھر اک دم اندھیرا...... چند ساعتوں کے درمیان...... تمہارے نیچے سے تختہ سرکے گا اور تم نیچے ایک خفیہ خانے میں غائب ہو جاؤ گے۔ پھر تمہاری جگہ سفید سفید جلی ہوئی ہڈیاں اور دھواں چھوڑتی ہوئی تمہاری کھوپڑی اوندھی پڑی ہو گی۔ وہ بھی ہوا کے ایک اور تیز جھونکے کے ساتھ غائب ہو جائے گی...... بولو! کیسا ہے تمہارا یہ کردار؟...... یہ سنسنی خیزی کھیل کا نقطۂ عروج ہو گی جنٹلمین!''

میں چشم تصور میں یہ سب کچھ اپنے ساتھ ہوتے دیکھ رہا تھا...... آنکھیں پھٹی ہوئی، رنگ فق اور منہ [illegible] مجھے یوں ہکا بکا اور نیم مُردہ سا دیکھ کر اس نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

''دیکھا تم نے اپنے کردار کی سنسنی خیزی...... تم تو ابھی سے مبہوت ہو کر رہ گئے ہو جنٹلمین!''

میں نے اپنے خشک حلق کو کسی قدر تر کرتے ہوئے کہا۔

''بھائی! میں اپنے کردار کی سنسنی خیزی سے مبہوت و مغموم نہیں ہوا...... بلکہ کسی زمانے میں پڑھی ہوئی کتاب ''موت کا منظر'' یاد آ گئی ہے...... لیکن جس المناک اور شرمناک طریقے سے تم نے مجھے موت سے [illegible] کیا ہے۔ ایسا بے لباس تصور، بے حسرت و یاس۔ بے آہ و فغاں، بے نام و نشاں موت کا کوئی ایسا منظر تو اس کتاب میں بھی کہیں مذکور نہیں...... جس طرح تم نے اس پاگل ہوس زدہ ناگن چڑیل سے مجھے ننگا کروایا اور پھر آگ کے دم سے مجھے جلا کر خاکستر کروا دیا اور ستم بالائے ستم کہ میری ہڈیوں اور کھوپڑی [illegible] تک اُڑوا کر رکھ دی اس پہ بھی تم کہتے ہو کہ میں اپنے کردار کی سنسنی خیزی پہ مبہوت ہو کر رہ گیا ہوں......''

میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے، لرزتی ٹانگوں پہ بمشکل کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''میں لعنت بھیجتا ہوں اوّل درجے کے عرشے پہ...... اور اس پہ ہونے والے تمام ایسے کھیل تماشوں پہ جو انسان کو حیوان بنا دیں...... شریف آدمیوں کو جنس زدہ چنڈالوں کے ہاتھوں بے لباس کروا کر ایسی موت مروا دیں کہ ان کی ہڈیوں کی راکھ بھی تیز ہوا میں اُڑا لے جائیں......''

اُس نے میرے کانپتے ہوئے بازو کو پولے سے پکڑ کر مجھے واپس چیتے کی پوستین پہ بٹھا دیا۔

''سگریٹ تم نہیں پیتے...... شراب بیئر سے تمہیں بیر ہے...... نظر اُٹھا کر تم نے ابھی تک اس نیل کی ناگن کو نہیں دیکھا...... چیتا بننا تمہیں پسند نہیں...... پروفیسر تم نہیں بننا چاہتے...... تھرڈ کلاس میں مصری آلوؤں کے بورے کی مانند پڑے ہوئے ہو...... اور شوق و جستجو ہے درویش بننے کی...... آدھ گھنٹہ ریت سے پتیلا مانجھو اور مہینے بھر کے لئے ہاتھوں پہ پٹیاں باندھ لیں...... میں بھی لعنت بھیجتا ہوں تمہاری تھوڑدلی اور ایسی بے سمجھی پہ سنو! چیتا، چڑیل چنڈال...... ہڈیاں کھوپڑی کھال...... یہ سب ظاہر و باطن کے مآل ہیں......''

مجھے اندر باہر سے لوٹ پوٹ کر کے بہ ظاہر بے نیاز سا ہو کر وہ رات کے کھیل کی ریہرسل میں جُت گیا...... خوف و ہراس سے لرزیدہ، پسینے میں نہایا ہُوا میں بھی کچھ دیر بعد باہر کھلی فضا میں نکل آیا...... شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ مغرب کی جانب آسمان پہ آگ سی لگی ہوئی تھی۔ میں سوچنے لگا، تھوڑدلا سورج ڈوبتے سے ایسا غضبناک کیوں ہو جاتا ہے؟

دریا [illegible] نے اپنا دامن پھیلا دیا ہوا تھا۔ جہاز کے قریب و دور سے گزرتی ہوئی مال بردار کشتیاں کشتیاں کھینچتے ہوئے لانبے چوغوں میں ملبوس [illegible] کو [illegible] ہموار کنارے دُور دُور تک [illegible] سورج کی سُرخ [illegible] کرنوں نے دور دور تک سُرخ ملے پگھلے ہوئے سونے کا غبار سا پھیلا دیا تھا...... فضا اور ہوا میں اک عجیب سی پُراسراریت [illegible] ہوئی تھی محسوس ہوتا تھا کہ فرعونوں نے شاید اتنا سونا اور زر و جواہر اپنے مقبروں میں جمع نہیں کیا ہوگا جتنا نیل نے اپنے ڈیلٹاؤں، کھیتوں، کناروں اور [illegible] کے آرائشی قمقمے روشن ہو چکے تھے اُم کلثوم کے زمزموں سے آراستہ سازینہ دھیرے دھیرے اُبھرنا شروع ہوا تو میں ریلنگ سے ہٹ کر پاس ہی ایک چوبی بنچ پہ بیٹھ گیا۔ یہیں بیٹھتے ہوئے مجھے محسوس ہُوا کہ میں اندر باہر اک عجیب سی اُداسی سے بھیگ [illegible] ہوں۔ یہ اس مصری مداری کی نہ سمجھ میں آنے والی باتوں کا اثر تھا یا اس نیل کے پانیوں کے درمیان ڈوبتے سُورج، جو اب زرد رو ہو کر آخری ہچکیوں پہ تھا۔ ان ہی سُلگتے سمٹتے لمحوں میں دُور کنارے کی کسی دیہاتی مسجد سے ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاح، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح'' کے لافانی الفاظ امرت کی طرح کانوں میں اُتر گئے۔

میں اُٹھا...... وضو کر کے، عرشے کی مسجد میں پہنچا...... دیکھا کہ وہ مصری مداری پہلی صف میں [illegible] پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔

مسلمان...... خصوصی طور پہ عربی، دُنیا میں کہیں بھی ہوں، نماز کے لئے قیام و سجود کا اہتمام ضرور [illegible] گے، مسجدیں بنائیں گے، خیر و خیرات کے ادارے مکتب و مدرسے، شفاخانے تعمیر کرنے میں دلچسپی لیں گے

چند مسلم ممالک میں خصوصی طور پہ مصر، ترکی، لبنان، شام، جورڈن میں رقص گاہوں، قمار خانوں، کلبوں [illegible] عشرت کے بڑے بڑے مراکز کے علاوہ جسم فروشی کے مقامات پر بھی باقاعدہ...... چھوٹی ہو یا بڑی، [illegible] ضرور ہوگی۔ ان مراکز پہ ظاہر ہے کہ فسق و فجور اور غیر شرعی اخلاق حرکات کے علاوہ اور کیا ہوتا ہوگا لیکن [illegible] آپ دیکھیں کہ مسجد میں بھی حاضری پوری ہوگی...... یعنی رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت بھی [illegible]...... یورپ کے ایسے ممالک، جہاں کبھی مسلمانوں کا تسلط رہا یا جدھر مسلمانوں کی کئی نسلیں پروان چڑھیں یا [illegible] ثقافت و معاشرے کا نمایاں حصہ رہیں وہاں بھی یہی عالم ہے۔ جیسے پیرس میں الجزائر، ترک، کرد، لیبیا اور [illegible] مسلم ممالک کے باشندوں کی ایک خاصی قابلِ ذکر تعداد موجود ہے۔ جو کئی نسلوں سے وہاں آباد ہیں...... [illegible] کے محلے، علاقے اور اپنے پورے قصبے شہر ہیں...... مکتبوں، مسجدوں کی بھرمار، عبائیں، عمامے اور داڑھیاں [illegible] ہر سو نظر آئیں گی لیکن وہ افعال و شعائر جنہیں ہم غیر اسلامی سمجھا جاتا ہے ان کے ہاں وہ روزمرہ [illegible] ہیں...... بیئر، انگور کی شراب کو تو وہ ہیلتھ ٹانک سمجھتے ہیں...... کھانے کے ساتھ پانی پینے کا تصور ان کے [illegible] فعل تصور کیا جاتا ہے...... پانی کا استعمال نہانے دھونے اور برتن کپڑوں کی صفائی کے لئے ہوتا ہے [illegible] پینے کے لئے بیئر اور انگور کی شراب...... غیر محرم عورت [illegible] تعلقات و اختلاط بھی ان کے نزدیک سماجی ضرورت [illegible] مرد و زن [illegible] عام ہے۔ [illegible] غیر اخلاقی کام و معاش ان کا وسیلہ روزی...... لیکن مسجدیں اور مکتب آباد...... اللہ اکبر کی صدائیں [illegible] ہیں۔ حیّ علی الفلاح کی بازگشتیں تھرتھراتی ہیں...... یہ بھی چل رہا ہے وہ بھی چل رہا ہے، کوئی اُبھر رہا [illegible] دھنس رہا ہے۔

چونکہ واقف تھا اس لئے میں اُس مصری مداری کو مسجد کی پہلی صف میں بیٹھے دیکھ کر کچھ ایسا متعجب نہیں ہوا...... چلو غنیمت کہ کچھ جبیں سائی بھی کر لیتے ہیں۔ نماز کے بعد میری دعا کچھ لمبی ہی ہوتی ہے۔ محرومیوں [illegible] کے حصار میں پھنسے ہوئے لوگ دعاؤں پہ بڑا زور دیتے ہیں...... لمبی لمبی دعائیں انہیں بڑی تسکین پہنچاتی ہیں...... دعا کے بعد وہ دھلائے نہلائے معصوم بچوں کی مانند نکل آتے ہیں لیکن یہ عربی النسل مسلمان نماز کے بعد دعا پہ کچھ زیادہ دھیان نہیں دیتے...... کہتے ہیں کہ نماز بذاتِ خود دعا ہی تو ہے...... کہتے تو ٹھیک ہی ہیں۔ مگر ہم سادہ لوح مسلمان جنہیں مسلمانی باپ دادا سے وراثت میں ملی ہوتی ہے، نماز کو عبادت اور [illegible] ریاضت سمجھتے ہیں۔ ہے تو یہ بھی درست، بہرحال! میں آنکھیں موندے ہاتھ یوں پھیلائے کہ جیسے اللہ [illegible] حلوہ مانگ رہا ہوں...... آگے پیچھے ہلکے ہلکے جھولے لے کر دعا میں مشغول تھا اور مجھے کیا خبر تھی کہ [illegible] السلام علیکم ورحمۃ اللہ، سلام پھیرتے ہی نمازیوں کا بھرا پرا بازار اُلٹ جاتا ہے۔ اچانک پیچھے سے میرا

کندھا کسی نے ہلکے سے ہلایا۔ آنکھیں کھولیں...... دیکھا وہ مصری مداری خشمگیں نظروں سے مجھے گھور رہا ہے۔

"السلام علیکم یا اہلِ القبور! نماز ہو چکی ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ کی کچھ اور بھی مصروفیات ہیں —— محض ربِّ الیجیؔ ہی نہیں ربُّ العالمین بھی ہے...... تھرڈ ورلڈ کے مسلمانوں میں اِک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ اور دوسروں کا وقت بہت ضائع کرتے ہیں...... اُٹھو' مسجد خالی کرو' جنٹلمین......!"

ایک کارڈ مجھے تھماتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک آٹھ بجے اُوپر ڈیک پہ پہنچ جانا...... کپڑے اگر ہوں تو ذرا معقولیت سے پہننا...... یہ ہاتھوں کی گندی بدبودار پٹیوں کو دریا برد کرتے آنا۔ اُوپر پہنچو گے تو دربان تمہیں میرے پاس پہنچا دے گا......"

وہ مسجد سے نکلتے نکلتے کہہ رہا تھا۔ "کھانا ٹھونس کر آنا' جنٹلمین!"

یہ جا وہ جا...... وہ اِک چھلاوے کی مانند مسجد سے باہر تھا...... میں نے چونکہ دُعا بیچ میں ہی چھوڑ تھی لہٰذا باقی ماندہ دُعا جس میں خاندان کے جملہ متوفیاں کے لئے مغفرت کی اپیل ہوتی ہے پوری کی عرض خصوصی کے طور پہ اس مصری مداری کے لئے ملتمس ہوا کہ الٰہی! اس کی گنگا جمنی باتیں اگر پوری نہیں کچھ تو میری سمجھ میں آ جائیں۔

اُوپر پہنچتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں کوٹ لکھپت سے سیدھا کلفٹن کے پلے لینڈ میں لینڈ ہوا ہوں —— یُوں عاقل یا پنڈ دادن خان سے ڈائرکٹ پیرس کے ڈزنی لینڈ میں آ گرا ہوں۔ رنگ برنگی روشنیوں کی جھل سی عجب بہار دکھا رہی تھی۔ عرشے کے ایک بڑے حصے پہ سرکس کے بڑے خیمے کی طرح سے ایک بہت دودھیا رنگت کی کنوپی تنی ہوئی تھی۔ جس کے اندر راجہ اندر کا اکھاڑہ جما ہوا تھا۔

بلاشبہ یہ ایک سرکس کے پھیلاؤ جیسا ماحول تھا جبکہ باہر سے اندر کچھ دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ پردے کی مانند صرف سائے ہی باہر سے دکھائی دیتے تھے...... لانبے لانبے' تانبہ رنگت' تنومند اہلکار جا بجا تھے...... لمبی لمبی عباؤں' سروں پہ سیاہ عمامے' جن پہ سنہری پٹیوں پہ لٹکتے ہوئے گلدم پھندنے' اندر کمر بندوں میں لٹکے ہوئے خمدار خنجر اور اسی طرح طرحدار کمیں بدن' نیم برہنہ...... شاہینہ نگاہوں اٹھلاتی ہوئی جام بکف ساقنیں۔ "الٰہی! خیر......" میرے منہ سے آپ ہی آپ نکل گیا۔

رات کا پہلا پہر' سلسلۂ جام و سبو شروع ہو چکا تھا...... بڑے خیمے یعنی کنوپی کے اندر کا عالم نگاہوں سے اوجھل ہی رہا...... یہ سب کچھ کھلے عرشے کا تماشا تھا۔ ریلنگ کے ساتھ ساتھ عربی انداز کی آرام دہ نشستوں کا اہتمام تھا...... دبیز قالینوں' غالیچوں پہ چھوٹے بڑے طباقوں میں سامانِ خورد و نوش

[illegible] پیچوان حُقّے اور اگالدان دھرے تھے...... کہیں وائلن والا اپنی دُھن بجا رہا ہے...... نفیری اور دفوں [illegible] اپنے راگ چھیڑے ہوئے ہیں...... الغوزے، مجیرے، طوطیاں...... گھمن گھیریاں لیتی، تھرکتی، انگ انگ [illegible] مچلتی ہوئی سیاہ چشم و گیسو رقاصائیں...... اُن سے اٹھکیلیاں لیتے، چھیڑخانی کرتے ہوئے چھوٹے [illegible] مسخرے۔

میں ایک کونے میں ابھی ''محوِ تماشائے لبِ بام'' تھا کہ پیچھے سے مجھے کسی نے یوں جھپٹ کر کھینچا کہ [illegible] لڑکھڑایا ہُوا اپنے بوجھ سے ہی گر پڑا...... یہ وہی مصری مداری تھا۔

''میں تمہارا اپنے کیبن میں انتظار کر رہا ہوں اور تم یہاں دھرے کھڑے ہو...... جنٹلمین!''

''میں بھی یہاں تمہارا یا کسی کارندے کا منتظر تھا...... جو مجھے تمہاری ٹھکانے پہ پہنچاتا......'' میں نے [illegible] سے اُٹھتے ہوئے جواب دیا۔

وہ مجھے تلخی سے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

''جنٹلمین! ایک تو تم میں بحث کرنے کی بُری عادت ہے۔ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔''

وہ مجھے [illegible] عارضی ٹھکانے [illegible] لے گیا...... [illegible] چھوٹا سا [illegible] ہی تھا [illegible] کی کنوپی کے [illegible] تھا [illegible] اپنے [illegible] پنڈال کے ساتھ...... [illegible] روں اور جانوروں [illegible] چھولداریاں [illegible] ہیں...... وہ [illegible] ہیں سے نکلتے ہیں اور اپنا اپنا کھیل تماشا دکھا کر وہیں واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کی یہ [illegible] بھی ایسے ہی کاٹھ کباڑ سے بھری پڑی تھی جس کا کوئی سر تھا نہ پیر...... مداری کے جھولے یا عمرو عیار کی [illegible] کی طرح...... جن میں دُنیا جہاں کا [illegible] طلسم بھرا ہوتا تھا...... مگر اصل [illegible] مداری کی اُنگلیوں میں ہوتا ہے۔

میری طبیعت چھولداری میں داخل ہوتے ہی اُوبنے لگی تھی۔ جن جگہوں پہ ماورائے طبع و فطرت [illegible] کے اشغال ہوتے ہوں وہاں سڑی ہڈیوں کی بُو پیدا ہو جاتی ہے...... جن بھوت، چڑیل، پریت [illegible] جادو ٹونوں والوں کے ہاں بھی ایسی ہی نحوست بھری مُسی مسان کی سڑاند بسی رچی رہتی ہے...... [illegible] جگہوں پہ پہلی بار جانے والے اس بدبو کو واضح طور پہ محسوس کرتے ہیں۔ یہی بدبو اس اَمر کی نشاندہی کرتی [illegible] یہاں ابلیسی کارکرتوت ہوتے ہیں...... میری بے چینی اور بے کلی کو بھانپتے ہوئے وہ شاطر کہنے لگا۔

''مجھے اور تجھے بھی علم ہے کہ تم میرے یا خود اپنے کسی کام وام کے نہیں ہو۔ تم دَر دَر خوار ہونے والے درویش تو بن سکتے ہو لیکن کسی دُر جیسے نہیں...... درویش بننا مشکل نہیں البتہ دُرویش بننا ایسا ہی مشکل ہے جیسے [illegible] قطرۂ نیساں یا صدف کی جنبشِ جان کا دانۂ یکتا، یعنی لولو کا دُر بنتا ہے...... دُرِ ضمیم و دُرِ یتیم ہونا تو محض ہونا [illegible] یتیم اور دُرِ کلیم ہونا، دراصل ہونا ہے...... جنٹلمین!''

اُف خُدایا! مَیں کہاں پھر پھنس گیا۔ مَیں نے اپنے ہاتھ کنپٹیوں پہ رکھ لیے۔

''مَیں یہ باتیں تم سے کئی بار سُن چکا ہوں...... بات وہ کیا کرو جو سیدھی کانوں سے اُتر کر دل میں ترازو ہو جائے۔ مجھے ناک کو بازو پیچھے گھما کر پکڑنا نہ بتاؤ مَیں اُلجھ جاتا ہوں' کہو اور آسان لفظوں میں کہ مجھے یہاں اس کباڑ خانے میں کیوں لائے ہو؟''

کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

''مَیں بات کو چھوڑ سکتا ہوں...... اگر تمہارا جواب آں جواب...... ''جواب آں جواب مزید کا شدید متقاضی نہ ہو...... باتوں کی ریت سے رگڑا میں بھی لگاتا ہوں...... جبکہ تم بھی ایسا ہی کرتے ہو مگر دو [illegible] سے پٹیاں باندھ کر بھاگ بھی لیتے ہو۔ وہاں اُس کی چپ سے دوڑ لگا دی اب یہاں میری بک بک سے بچتے ہو...... بہرکیف مَیں نے ایک بھلے آدمی سے کہلوا کر تمہیں یہاں کھیل تماشے دیکھنے کی اجازت دلوا دی تھی۔ مگر اس کے بدلے میں تمہیں غبارے اُچھالنے والے اہلکار کی مدد کرنا پڑے گی...... ایک سلنڈر کے ذریعے غباروں میں گیس بھر کر ایک پلاسٹک کے کمپریسر چیمبر میں جمع کیے جاتے ہیں...... ان غباروں کے اندر آتش بازی کا مسالا ہوتا ہے...... ایک پروگرام کے اختتام پر ان غباروں کو [illegible] کے ذریعے بلندی پہ پہنچایا جاتا ہے۔ یہ ایک خاص [illegible] آتش بازی کے ذریعے کسی ایک شخص کا نام فضا میں لکھا جاتا ہے...... خیر تمہیں اس سے کیا مطلب کہ فضا میں کس کا نام لکھا جاتا ہے۔ بس تم نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ غباروں والے کی مدد کرنی ہے۔ پھر آرام تسلی سے ادھر ہی بیٹھ کر شب بھر تماشے دیکھتے رہو...... یہ خیال رہے کام میں کوتاہی نہ ہو......

جہاز پہ پہلی شب کے ابتدائی ایک ڈیڑھ نہیں بلکہ تین گھنٹے میرے مختلف رنگوں والے غباروں میں گیس بھرنے اور ان پہ ربڑ کے چھلّے باندھنے چڑھانے میں گزرے...... اس دوران کیا کچھ ہوا مجھے پتا نہیں...... کیونکہ مَیں ایک کیبن نما پلاسٹک کے چیمبر میں ایک مصری نوجوان کے ساتھ غباروں کی گیس بھرنے میں لگا ہوا تھا۔ شکر ہے کہ یہ نوجوان' عام مصریوں کی طرح گھوڑا اور سطحی سوچ و فکر کا حامل نہیں تھا بلکہ وہ پڑھا لکھا کھلی آنکھوں' کھلے کانوں والا ایک طالبعلم تھا۔ مصر کے کسی نواحی پس ماندہ علاقے کا رہنے والا اپنی تعلیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ایسے اضافی جز وقتی کام تلاش کرتا رہتا تھا...... اس کام میں دلچسپی کی وجہ جہاز' دریا کی مفت سیر کے علاوہ غیر ملکیوں سے ملاقاتوں کے مواقع بھی تھے۔ یہ اس کی سوچ درست تھی غیر ملکیوں سے دوستی پیدا کرنا۔ اُن سے اُن کے ملک' کلچر' تہذیب اور دیگر مختلف موضوعات پہ سیر حاصل

[illegible] انسان کو بڑا بلیغ، باخبر اور باعلم بنا دیتی ہے...... مختلف نوع کی زبانیں سیکھنے جاننے کا مفت موقع ملتا ہے [illegible] کوئی غیر ملکی انسان دوستی، مروت ہمدردی کے چکر میں پھنس جائے تو وہ انسان کی قسمت بھی بدلنے میں [illegible] ہو سکتا ہے...... وہ بھی کسی ایسی مچھلی کی تلاش میں تھا جو اسے اپنی پیٹھ پہ بٹھا کر یورپ کے کسی سنہری دیش [illegible] لے جائے...... جہاں وہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی صدیوں پرانی دہقانی سوچ، انداز زندگی اور جلی سڑی [illegible] کی مانند غربت کے بھیانک نشان دُور کر سکے۔ اُسے جب معلوم ہوا کہ مَیں یورپ کا قانونی اور پُرانا [illegible] مسلم پاکستانی ہوں تو اُسے بے حد خوشی ہوئی۔ وہ ابتدائی چند منٹوں میں ہی میرا دوست بن چکا تھا۔ [illegible] صاف ستھری انگریزی میں مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔ مَیں حیران ہُوا کہ اُسے جرمن، فرانسیسی، سپینش [illegible] سے بھی شُد بُد تھی۔ وہ ذہنِ رسا کا مالک تھا، نکلتی ہوئی قامت، چھریرا مگر بھرپور بدن، گہری کندنی رنگت، [illegible] کسانوں دہقانوں کی وراثت [illegible] بولتی ہوئی موٹی موٹی مسکراتی سیاہ آنکھیں، جن پہ جھکی ہوئی خمدار پلکوں [illegible] جھالریں جو کسی قدر [illegible] کا لطیف سا تاثر بھی چھوڑتی تھیں، آفتابی ماتھا [illegible] والے گنجان موئے [illegible] خوطمانی ناک کے نیچے ایسے گدرائے گدرائے ہونٹ کہ نگاہ بھی تکنے سے گھبرائے کہ [illegible] شوق نظارگی [illegible] سے پھوٹ ہی نہ پڑیں...... دانتوں کی استواری [illegible] بھی نگاہ و دل میں [illegible] کرتی تھی۔ [illegible] نے اسے [illegible] اپنے [illegible] یہ جب [illegible] وجاہت و [illegible] کا پیکر [illegible] جنسی کشش کا حامل جوان رعنا یقیناً کسی آسودہ سے لمحے میں ہالی ڈے پہ آئی ہوئی کسی [illegible] ن یا یورپین [illegible] کے دل میں ایسا [illegible] کہ وہ اسے ہر کاسٹ پہ اپنے ساتھ لے جا کر اس کی قسمت بدل دے گی۔

میں نے دیکھا ہے کہ اکثر امیر کبیر، کئی کئی خاوند، اگنت بوائے فرینڈ اور اپنی حیات رنگین کے کئی کئی [illegible] کھائی ہوئی، اُدھیڑ عمر ڈھلتی ہوئی عمر کی بیبیاں...... اپنی ڈینٹنگ پینٹنگ، پلاسٹک سرجری کروا کر ان گرم سانولے سلونے [illegible] کی سیاحت پہ صرف اپنی عمر کی گرتی ہوئی دیوار عیش کو سہارا دینے والے کسی مزدور کی تلاش میں آتی ہیں۔ [illegible] پہ نیل کے ساحلی مزدور ایسی مزدوری بڑی رغبت و محنت سے کرتے ہیں...... ہو سکتا ہے یہ کلوپیٹرا کی [illegible] شبوں والے ایک رات کے مزدوروں والی نسل سے ہوں۔

اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہ بھی اس چلتر مداری کا پھانسا ہوا یہاں پھنسا ہوا ہے۔ وہ بھی چیتا، [illegible] پروفیسر محبوب، ریزہ ریزہ ہونے والا طلسماتی آدمی اور نیل کا بیٹا وغیرہ وغیرہ کھیل تماشوں میں حصہ لے [illegible] ہے۔ اس نے مزید بتایا کہ مداری زیادہ دیر کسی کو ایک ہی کھیل تک محدود نہیں رکھتا...... بلکہ مختلف تجربے [illegible] رہتا ہے۔ آج کل وہ غباروں کا کرتب دکھانے پہ معمور تھا۔ مَیں نے یونہی بات چلانے کی خاطر پوچھ لیا۔

''یہ چیتا بنا' پروفیسر کے روپ میں جل کر خاکستر ہو جانا...... اِن کھیلوں میں حصہ لے کر تم نے کیا محسوس کیا ہے......؟''

وہ ایک دلفریب معصوم سی ہنسی ہنسا...... کہنے لگا۔

''یہ سب نظر بندی کے کھیل ہیں۔ ہمارے اُستاد کا اصل کمال' الفاظ کا جادو ہے۔ سب سے پہلے ماحول بناتا ہے۔ یہ ماحول بنانے میں موسیقی کے زیروبم' روشنی کے اُتار چڑھاؤ' سائے چھپاکے' سیلاب' چھپے ہوئے خُفیہ سینما پروجیکشن کے ذریعے سلائیڈ اور سپیشل بنائی گئی فلم کا استعمال ہوتا ہے کہ دیکھنے والوں کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ جو پہلا دِکھائی دیا تھا وہ چیتا نہیں ایک نوجوان لڑکا تھا جس نے چیتے کی کھال اوڑھ رکھی تھی...... وہ چیتا جب ہوا میں بلند ہوتا ہے' دہاڑ لگا کر غائب ہوتا ہے تو وہ فلم کا سین ہوتا ہے جو چھپے ہوئے باریک پردے پر دِکھایا جاتا ہے...... یہ سب ایسی بُرق اور اندھیرے آجانے کے پیچھے ایسے چھچھلتے ہوئے لمحات میں یوں [illegible] انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کی بصارت' سماعت اور عقل و دماغ کو یہ موقعہ ہی نہیں ملتا کہ وہ اصل نقل یا بناوٹ اور حقیقت کے درمیان کسی فرق کو محسوس کر سکیں...... اسی کو ہی فریب نظری کہتے ہیں [illegible] خُفیہ علوم کا بھی ماہر ہے۔ مسمریزم' ارتکازِ خیال' انتقالِ خیال [illegible] بھی بڑا کام لیتا ہے۔''

''[illegible] یہ سب [illegible] اور فریب [illegible]''

''نہیں یہ تو سائنس ہے' علم اور ہنر ہے...... کھیل اور تماشا اسی کو ہی کہتے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے...... جیسے ہم فلم دیکھتے ہیں جانتے ہیں کہ یہ سب اداکاری اور بناوٹ ہے۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ تفریح حاصل کرتے ہیں۔ یہ اداکاری ہمیں ہنساتی بھی ہے اور رلاتی بھی ہے...... جبکہ یہ سب محض نقل ہوتی ہے اصل نہیں۔''

مَیں نے اک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''افسوس ہے کہ اس ترقی یافتہ دور کا انسان سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے بھی خودفریبی میں مبتلا رہنا چاہتا ہے۔''

''یہ اس کی مجبوری ہے......'' اس گلفام نے جس کا نام شارق بطل تھا بے ساختگی سے جواب دیا۔

''حقیقتیں ایسی تلخ اور زندہ رہنے کی مجبوریاں اتنی بے درد ہوتی ہیں کہ انسان یہ بلائیں دیکھ کر کبوتر کی مانند جان بُوجھ کر آنکھیں مُوند لیتا ہے۔ چاہے یہ جھوٹے کھیل تماشے' چشم پوشیاں' جھوٹی تسلیاں' مصنوعی خوشیاں اور کھوکھلے قہقہے...... بے شک وقتی ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ تو جینے کی سکت تو دیتے ہیں...... پل کے لئے ہی سہی انسان کے چہرے کا جغرافیہ تو بدل جاتا ہے...... جیسے کہتے ہیں

ے وہ جھوٹ بہتر…… جو فساد پیدا نہیں کرتا' خدا نہیں کرتا' انسان سے زندگی سے نفرت پیدا نہیں ہونے

میں نے گفتگو کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے۔ گفتگو کا رُخ بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"میں نے تمہیں تمباکو نوشی کرتے ہوئے نہیں دیکھا؟"

"میں تمباکو نوشی پہ لعنت بھیجتا ہوں…… تمباکو نوشی کرنے والے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے…… مجھے ازلی جہالت کی بُو آتی ہے…… ہاں' تمہیں شاید اچھا نہ لگے کہ میں کبھی کبھی یا میسر آنے پہ شراب ضرور …… لیکن بڑھیا اور ولایتی……"

میں اس کا منہ تکنے لگا۔

"یعنی تم چھوٹی خباثت پہ لعنت بھیجتے ہو اور بڑی اُم الخبائث سے رغبت فرماتے ہو' کیا یہ تمہاری ازلی اور جہالت کی نشانی ہی نہیں؟ تم تو اپنے اُستاد سے بھی دو جوتے آگے نکلے…… تم اگر ایسے نفیس و جمیل نہ تو میں تم کو بھی تین حرف بھیج کر یہاں سے نکل لیتا۔"

"مگر …… جمیل کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا خبیث ہونا بھی تو ضروری ہے…… یہ بات کو تم بھی سمجھتے ہو…… اب ان باتوں کو چھوڑو۔ ہمارے مصروف ہونے میں ابھی کافی وقت ہے۔ پھر بھی ہمیں اپنی تیاری جلد سے جلد مکمل کر لینی چاہئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم دونوں تسلی سے بیٹھ کر دوسرے تماشے دیکھ سکیں گے۔"

اگلے پون گھنٹے میں ہم اپنے کام سے فارغ ہو کر اپنے کیبن کے باہر بیٹھ گئے تھے۔ شارق' مصری تھرموس نکال کر چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں قہوہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ مصری رقاصاؤں کا رقص دیکھ رہے ہو…… یہ طائفہ یہاں کا مشہور اور مہنگا ترین طائفہ ہے…… لبنانی ہے…… سمیرا حلوانی کے ہوشربا رقص دیکھنے کا اصل لُطف اسی بجرے پہ ہی آتا ہے۔ دریا کا رات' نیل کے ساحلوں کی مسحور کُن ہوا…… شب کا پہلا پہر…… یہ سب جادو مل کر ایک ایسا سحر کرتے ہیں جو کسی زمینی رقص گاہ میں ممکن نہیں ہو سکتا۔"

میری آنکھیں تو پہلے ہی اس "فتنہ مصری" پہ لگی ہوئی تھیں۔ شارق کی اس جادو بیانی پہ مزید کُھل کر ۔ میں دیکھ رہا تھا اس کا فربہ ملائم اور نُور کے سانچے میں ڈھلا ہوا جسم' جس میں شاید ہڈیوں کا کوئی تھا۔ اس میں پارے کی مانند تھرکن تھی ایسی چنچل سی تھرکن اور چُلبلی سی کلبلاہٹ انسانی جسم میں پیدا کرنا تھیں۔ لیکن عربی النسل رقصاؤں کی یہی اک وجہِ شہرت ہے۔ جس طرح پشتو فلموں میں رقص کا محور

بھرپور قسم کی کمر، پٹھ اور پیٹھ ہوتی ہے بالکل ایسے ہی یہاں کے رقص کا مرکزی خیال یا نقطۂ اتصال بھی خوب گدرائے ہوئے پیٹ کے بیچ گہری ننھی سی موتی جڑی ناف اور بارآور سینہ ہوتا ہے۔ یہ سامانِ داد و دہش اور تراکیب استعمال جس رقاصہ کے ہاں وافر پائے جائیں گے وہی وقت کی آرزو اور مس آزوری ہوتی ہے۔

دُنیا کے ہر خطّے، ملک میں حُسن و جمال کے اپنے اپنے انداز و معیار ہیں...... جس طرح ہر شخص اپنا اِک جُداگانہ اندازِ فکر رکھتا ہے اسی طرح جوہرِ جمال کے پرکھنے دیکھنے کے لئے بھی ہر قوم، ملک اور فرد کے ہاں اپنی اپنی پسندیدہ کسوٹیاں ہیں۔ کہیں کہیں تو ہنسی نکل جاتی ہے اور بات سمجھ سے بالا ہو جاتی ہے۔

پاؤ پاؤ بھر لٹکے ہوئے ہونٹ...... ناک ایسی بیٹھی ہوئی کہ اسے بیٹھنا نہیں لیٹنا کہتے ہیں۔ گردن ڈیڑھ فٹ لمبی جس میں لوہے اور ہڈیوں کے کڑے پڑے ہوں...... رنگت کہ شب دیجور بھی شرمائے اور چھاتیاں، پورے پکے ہوئے پپیتوں کی مانند، نیچے گھٹنوں تک لٹکی ہوئی...... بال ایسا گھونسلا جس میں سرخاب جیسے سنی پٹاخوں کا جنم ہوا ہو۔ ہنسے تو آندھیاں چلیں، قہقہے لگائے تو بجلیاں کڑکیں۔ ایسی ہوتی ہے حبشہ و افریقہ ۔۔۔ میکسیکو، ہوائی، اٹلی اور یونان والے چھاتیوں کی جگہ پہاڑ یا [illegible] قریب [illegible] حال ایرانیوں ترکوں کا ہے۔ [illegible] چپٹا [illegible] ہیں۔ عرب [illegible] زیادہ [illegible] چھاتی اور [illegible] ہوا سینہ پسند کرتے ہیں بلکہ جس عورت کی چھاتی اپنے ہی بوجھ سے تھلتھلاتی نہ ہو اُسے وہ نا عورت سمجھتے ہیں ۔۔۔ افغان، کُرد اور رُوسی...... عورت کو عورت نہیں بلڈوزر دیکھنا چاہتے ہیں۔ بڑے بڑے ہاتھ پاؤں، فراخ سینہ بھنچا ہوا چہرہ، موٹے موٹے خدوخال اور مردانہ چال والی عورت ان کے ہاں مکمل عورت سمجھی جاتی ہے۔ فرانسیسی اور انگریزوں، امریکیوں کے ہاں عورت کا تصور بڑا نفیس، متوازن اور مکمل ہوتا ہے۔ عام طور پہ بنگالیوں کے ہاں عورت کا تانا بانا بالوں اور بال بچوں تک محدود ہوتا ہے یا پھر وہ عورت جو دُور سے ٹی بی کی مریضہ دکھائی دے۔ جس کے منہ سے کچے ناریل کے تیل اور جسم سے سڑی ہوئی مچھلی کی باس آئے۔ جس کی آنکھیں [illegible] کی طرح نشیلی اور بالوں کے جوڑے میں برگِ تنبول اڑسے ہوں...... چین، جاپان، فلپائن، تائیوان، ویت نام وغیرہ میں عورت محض عورت ہے۔ کوئی ڈیکوریشن پیس یا ونڈو شیچو نہیں ہوتا۔ بس وہ بائی مشینری عورت ہونی چاہیے۔ ان کے ہاں بال، آنکھیں، ناک، قد، اعضا وغیرہ سب فالتو اور بے کار چیزیں ہیں۔ ان ممالک کی عورتوں کو اکٹھا کر لو مجال ہے جو معلوم ہو سکے بچی کون سی ہے، جوان کون اور بوڑھی تو وہاں کوئی ہوتی نہیں کہ وہاں کی عورت کے پلے کچھ ہوتا ہی نہیں جسے کوئی زوال آئے...... آنکھ سے کچھ کچھ نظر آتا ہو اور ناک سے چھینک برآمد ہوتی ہو تو وہ وہاں کی حسین ترین عورت ہے۔ باقی رہے پاکستان اور ہندوستان وغیرہ تو یہاں

عورت کا معیارِ حسن یہ کہ اِس کی نبض چلتی ہو یا وہ پھر دوسرے کی بیٹی بہن بیوی ہو۔ ایسا بھی ہوا کہ جسے حسین ترین جانا گیا، تحقیق سے وہ ہیجڑا نکلا...... کہنا یہ تھا کہ مصر، لبنان، اُردن، شام یا اسی قبیل کے ''جھانویں'' ملکوں کی رقص گاہوں، نائٹ کلبوں وغیرہ میں جو رقاصہ اور حسین عورت کا تصور ہے وہ اک تھرکتی ہوئی، زلزلہ زدہ گوشت پوست کی زرخیز پہاڑی کا نام ہے...... جیسے ہمارے ہاں کوہساروں کی ملکہ حُسن مَری ہے اور اس کا بیشتر حُسن، اس کی مال روڈ والے چرچ کی ناف میں، بعد قدرے اس کے پوسٹ آفس کے سیڑھیاں دار سینے اور باقی کشمیر پوائنٹ، پنڈی پوائنٹ کی ٹانگوں اور سیسل ہوٹل کی پیشانی وغیرہ میں ہے۔

ان عربی الطرز رقاصاؤں میں کسی کچی کچناری تنجی کی گنجائش بالکل نہیں ہوتی...... پکی پکروڑ، بوٹے پہ پکی ہوئی خوبانی کی مانند...... جس کا رسیلا رس نظر کی معمولی چوب سے ہی ٹپک ٹپک پڑے...... بھرپور اور بے پناہ جسے چار سو چالیس وولٹ کے ننگے تار چھوا دیئے گئے ہوں یا جیسے مسلسل تشنج کے دورے پڑتے ہوں۔ جس کے پیٹ میں عین ناف کے نیچے لہریئے دار قولنج کا گولا گھومتا ہو...... گرمی [illegible] کے احساس سے مرمریں جسم پہ برائے نام لباس بھی تہمت کی طرح دھرا ہو۔

ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

غرضیکہ [illegible] بیٹا، باپ کی جانب تحسین و تعریف بھری نظروں سے دیکھ کر اپنے باذوق ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں...... پورے کے پورے خاندان اکٹھے [illegible] شامل ہوتے ہیں جیسے ہمارے ہاں مولود شریف، ختم درود، نعت و قرأت کی محافل میں نیک دین دار لوگ مع بچوں [illegible] کے شریک ہوتے ہیں۔

سمیرا حلوانی بھی ایک ایسی ہی جسم جثے اور داؤ پیچ والی پہلوان رقاصہ تھی جس کی وجہ شہرت، مندرجہ بالا اوصاف و خصائص تھے۔ انہی کی بنا پہ مَیں نے اُسے یونہی سمیرا پہلوانی کہہ دیا تو شارق بگڑ بیٹھا۔

''تم حلوانی کی بجائے پہلوانی کہہ کر مصر بلکہ دُنیائے عرب کی مایہ ناز اور قیمتی ترین فنکارہ کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہو...... شکر کرو کہ تم اس وقت یہ نازیبا الفاظ دُہرا رہے ہو جب شاہ فاروق زندہ نہیں...... ورنہ وہ تمہیں نیل بُرد کرنے سے پیشتر، بھاری بھرکم فربہ اندام حسیناؤں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ضرور واضح کرتے...... اور بتاتا کہ اُمِ کلثوم کی ہر دلعزیزی اور شہرتِ دوام میں گائیکی کی نسبت اسی کی فربہی کا زیادہ حصہ تھا۔ شہنشاہ ایران کے دور میں مہ وشانِ تہران و تبریز نے نازک اندامی اور سبک تنی کی خاطر فاقے، فغاں اور جسموں پہ تختے کسنے شروع کر دیئے تھے کہ شاہ، شاہ بلوط سی کشیدہ قامتی پسند کرتا ہے شمشاد شیشم کی فروتنی نہیں...... ایسے ہی

شاہ فاروق کے دورِ ''دَرو دَروں'' میں...... زنانِ مصر بازاری نے اپنی ہلکی کشتیوں کے ساتھ بھاری بھا لنگر باندھنے شروع کر دیے تھے۔ پیٹوں اور پنڈلیوں پہ موٹی موٹی پٹیاں' چھاتیوں پہ انگیج کے غلاف' کولھ پہ موٹے کپڑے کے استر اور شانوں کی ہڈیوں پہ روئی کے شگفتے رکھتیں کہ مبادا شاہ کی نظر ان پہ پڑے اور محرومِ التفات رہ جائیں۔

عرشہ کے وی آئی پی مہمان اور اوّل و اعلیٰ ترین توجہ کے اہل مسافر درجہ بہ درجہ اپنی اپنی نشستوں پہ فروکش تھے۔ شیشے' حقے' حیچوان سُلگ رہے تھے...... دُنیا بھر کی اعلیٰ سے اعلیٰ شراب پیش کی جا رہی تھی— بڑے بڑے تانبے اور چوبی طباقوں میں سامانِ خورد و نوش سجا ہوا تھا...... سالم دُنبے' نیل کی مچھلی' ترکی و ایران کے مُرغِ زریں بمع رنگین پَر و کلغی...... افغانستان اور ہالینڈ کی لطفیں...... صحرائی بٹیرے' بڑی بڑی جہازی روٹیاں' خمیری تافتان' بھنے سینکے آلو اور خشک و تر میووں کا اِک جہانِ طعام سجا ہوا تھا...... زرق برق روایتی لباس میں مؤدب [illegible] خدام...... سیاہ چشم چوکڑیاں بھرتی' دل و نگاہ کو گرماتی' عیش و عشرت پہ اُکساتی مہلائیں...... اور سب پہ قیامت ''سمیرا پہلوانی'' کا ہیجان خیز رقص...... لگتا تھا تمام ستارے' ماہ و مہر' کہکشائیں' شہابیے' فضا [illegible] اس [illegible] گئے ہیں جنہیں وہ جھٹک جھٹک پھڑک پھڑک نکال دینا چاہتی ہے۔ شاید ایسے ہی رقص کو کسی اور صورت میں پیش کیے جانے کو رقصِ بسمل کہتے ہیں اب کہہ سکتے ہیں کہ رقصِ درویش کی تو کوئی اور ہی کیفیت ہوتی ہوگی۔

شارق بطل نے کہنی سے ٹہوکا دے کر گرم گرم قہوے کی پیالی پکڑاتے ہوئے کہا۔

''آنکھوں کے ساتھ ساتھ منہ اور زبان کو مصروف رکھنا چاہیے۔ اس طرح اعضاء و اعصاب میں اعتدال قائم رہتا ہے۔ کیا دیکھ نہیں رہے کہ سب لوگ کھا پی اور دیکھ بھی رہے ہیں۔ قہوے کی ہلکی ہلکی چسکیاں بھرو۔ اس طرح سمیرا اطلوانی کے رقص کی عشرت انگیز چٹکیوں کا اثر نہیں ہوگا...... اور ہو سکے تو ہلکی پھلکی بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رکھو...... دھیان بٹا رہتا ہے۔''

''شارق!...... مجھے یقین ہے کہ تم نے ابھی شادی وادی کا جھنجھٹ نہیں پالا۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو......'' اُس نے ''سمیرا پہلوانی'' سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

''تمہاری صحت' طبیعت اور موجودہ کام کی نوعیت بتاتی ہے کہ جنسِ لطیف کی جائز و ناجائز قربت سے بھی تمہیں کوئی دلچسپی نہیں۔''

اُس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ' اسی بے نیازی کی حالت میں جواب دیا۔

"بالکل نہیں...... تم نے جنسِ لطیف کا لفظ استعمال کیا ہے...... میں جنسِ لطیف کو کثیف بنانے کے حق میں نہیں ہوں۔"

"ایسے شہوانی ہیجان پیدا کرنے والے رقص اور مناظر تو تم روز ہی دیکھتے ہو گے۔ اس کا کچھ نہ کچھ نشہ بھی تو ہوتا ہوگا؟ جوان ہو، خوبصورت ہو، جبکہ پیسہ اور خون...... جیب و جسم میں ہو تو ضرور کھنکتا ہے، بولتا ہے — بلکہ پورا پورا تولتا ہے۔"

میری جانب توجہ دیئے بغیر اس نے جواب دیا۔

"یہ بھی تم ٹھیک کہتے ہو......"

معاً مجھے محسوس ہوا جیسے وہ غنودگی یا ہلکے سے نشے کی کیفیت میں ہے۔

"شارق!...... تم میرے سوالوں کا ٹھیک سے جواب نہیں دے رہے...... معلوم ہوتا ہے جیسے تم نشے کی حالت میں ہو......؟"

وہ اُچٹتی سی نظر مجھ پہ ڈال کر بولا۔

"نشے میں تو نہیں البتہ ہلکے سے سُرور میں کہہ سکتے ہو......"

"کیا مطلب......"

"اللہ کے بندے! میں ہمیشہ اس کام کے دوران اپنے قہوے میں مصری نیشکر کی رَم ملا کر پیتا ہوں۔ اس سے مجھے حوصلہ، تسلی ملتی ہے۔ تم بھی تو دو تین پیالیاں چڑھا گئے ہو۔ کیا تمہیں یہ محسوس نہیں ہوا؟ نشے کے لیے اس قہوے کے پہلے دو گھونٹ ہی کافی ہوتے ہیں، مگر دکھائی دیتا کہ تمہیں رَم ملا ہوا قہوہ چھو کر بھی نہیں گزرا۔"

میری تو سٹی گُم ہوگئی۔

"کیا میں قہوے میں شراب پی گیا......؟"

"قہوہ کم بخت چیز ہی ایسی ہے زہر بھی ملا کر پی جاؤ تو محسوس نہیں ہوتا...... اس کی تلخی میں ہر چیز کا سواد، [illegible] مارا جاتا ہے۔"

"تم نے میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔"

"پہلی بار پینے پہ میں نے بھی اپنے دوست سے ایسے ہی شکوہ کیا تھا...... پھر میں اپنے اُستاد سے بھی بے حد بگڑا کہ وہ مجھے قہوے میں مسلسل رَم پلاتا رہا جس پہ میرے اُستاد نے بتایا کہ وہ بھی کبھی اپنے اُستاد سلیمان آفَنی سے بے حد خفا ہوا تھا کہ وہ اُسے مسلسل کئی برس پلاتا رہا ہے...... لہٰذا برادر! گولان کی

پہاڑی والے بزرگ بابا کی لڑی کڑی سے ہر کوئی دانہ ایسے ہی جڑتا ہے...... لو ایک پیالی قہوہ اور پیو...... کوشش کرو کہ میرا حلوائی کی ناف سے نظر نہ ہٹے......"

"یا اللہ......!"

میرے مُنہ سے بیساختہ نکلا اور میں عقل و فکر سے بیگانہ ہو گیا...... باقی بعید جو کچھ ہوا وہ میرے فہم و فکر سے ماورا تھا۔

● توں فقیری دا دھواں تے کچی یاری کا بھانبڑ......!

سات راتوں اور چھ دن کا سفر میرے لئے کسی جنون پہ بھاری تھا...... یہیں مجھے معلوم ہوا کہ خود کو چھپانا...... کتنا کٹھن ہوتا ہے۔ اس کی مثل یوں کہ کسی مفلس و نادار کے ہاتھ اگر کہیں سے کوئی خزانہ ہاتھ لگ جائے پھر کیا کچھ ہو سکتا ہے...... یہی کہ اگر وہ سیانت سے کام لے کر اُسے چھپا جائے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دے اور پھر دھیرے دھیرے اپنی جائز ضرورت کے مطابق خرچ کرے...... اپنا پہلے والا چلن، طور طریقہ حال حُلیہ نہ بد[illegible] حاسدوں کی نگاہ میں پڑ کر سب کچھ ضائع کروا لے گا۔ کھایا، پایا اور کمایا۔ انھیں لگا تا چھپانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

فقیر اپنی فقیری، درویش اپنی درویشی...... اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح کوئی کنواری کنیا اپنے پرم پریم کا پیٹ چھپاتی نکالی پھرتی ہے۔ خود کو ملامت کے کوڑے مارتا ہے۔ چھپانا آسان بھی نہیں...... کہا گیا ہے وہ گوہر...... اور جو ظاہر، وہ زہر...... یہ فقیر یہ درویش ملامتی، چپ گپ میں سلامتی...... کیا سمجھے کوئی کہ شاہ حسین حالتِ جذب میں جام بکف...... می رقصم، داتا ہجویریؒ کے سامنے؟...... منصور حلاج کا کھلی آنکھوں سے اپنے اعضاء کٹتے دیکھنا، قیمہ اور قتلے کروانا۔ اُلٹی کھال اُتروانا ولیؒ کا مسلک نہیں۔ کسی فقیر، درویش کا منصب ہے تسبیح بکف ہونا کچھ...... جام بکف ہونا اور...... فقیری اور درویشی کی راہ تو کوئے رسوائی سے ہو کر نکلتی ہے تُف تُف، ہف ہف، ہنگام، دشنام، ٹھڈے ٹھوکریں، رسوائیاں، جگ ہنسائیاں...... تعزیریں، عقوبتیں، فتوے سرحدیں، کوڑے، زنجیریں، مقتل اور دار و رسن...... یہ سب کچھ ان ہی کے لئے تو ایجاد ہوا۔ ولی تو اک نگاہ سے بن جاتا ہے۔ ماں کی دُعا سے بن جاتا ہے۔ آنکھ کی حیا سے بن جاتا ہے...... مگر فقیر اور درویش تو سزا سے ہے...... جفا اور قضا سے بنتا ہے۔ اِسے ملامت میں اور ملامت کے لئے بنایا جاتا ہے۔ یہ ولیوں، قطبوں، غوثوں کا نظر بٹو ہوتا ہے۔ یہ مخلوقِ خدا کے لئے بیگار کا ٹٹو ہوتا ہے...... یہ چٹوروں کے لئے چٹو اور اپنے خاندان

[illegible] کی نظر میں نکما نکھٹو ہوتا ہے۔
یہ صدقے کا کالا بز بچہ...... جو نہ تو صحیح سے ٹانگوں پہ کھڑا ہو سکتا ہے اور جس کے منہ سے ''میں'' تو ٹھیک سے نکلتی ہی نہیں۔ جو چھری تو کیا، محض قصائی کی بو پاتے ہی خود بخود ذبح ہو جاتا ہے۔

میں نے جانا کہ کچے میں جو کچا رہ جائے تو کبھی پختہ نہیں ہوتا۔ کچے میں کچ اس وقت تک نہیں نکلتا جب تک سنگِ میل ہیں...... ہر سنگِ میل اپنی گزشت سے مختلف اور سخت آزمائش کا حامل...... کوئی بے یقینی اور شبہات و تشکیک کے جنگل کے پاس گڑا ہے...... کوئی بدعت و شرک کی دلدل کے قریب ایستادہ ہے۔ کوئی سنگِ [illegible] نشانِ راہ، ابہام کے صحرا میں سراب کی مانند ہے...... غرضیکہ مجاز ہی اصل چیز ہے، یہی ہلکی سی تبدیلی سے حقیقت حق میں بدل جاتا ہے...... رانجھا رانجھا کہندی خود ہیر رانجھا بن جاتی ہے تو مجاز اور حقیقت کا مسئلہ ہی باقی نہیں رہتا...... بس حق حق ہی ہوتا ہے...... کوئی دُوئی دُوئی باقی نہیں بچتی...... مجاز کو کچا نہیں رہنا چاہیے کہ [illegible] نہیں پہنچتا، دینہ ہی کے چکر لگاتا رہتا ہے۔ لوگ اسے مدینہ مدینہ نہیں، ماں کا [illegible] کہتے ہیں...... [illegible] کچا رہ جائے تو خچر بن جاتا ہے۔ خچر کچا رہ جائے تو [illegible] بن جاتا ہے، [illegible] تو زندگی کے [illegible] خواہشات کی دو دھاری [illegible] بن جاتا ہے۔ کچا پھل، انسانوں سے زیادہ چرندوں پرندوں کے کام آتا ہے۔ کچا طعام پیٹ میں فساد [illegible] ہے۔ کشتہ کچا رہ جائے تو جوڑوں میں بیٹھ کر جینا عذاب بنا دیتا ہے۔ جو کچی ہو خواہش، خواب یا [illegible]...... یاری دوستی یا محبت۔

؎ ''کچی رہ گئی جنہاں دی یاری، او چناں تے رون کھڑیاں''

رسی، گانٹھ، بات اور گھات...... کچی رہ جائیں تو وقت پہ بڑا پچھتاوا دیتی ہیں۔ ذہن، سبق، منصوبہ اور [illegible] اگر کچے ہوں تو بڑی مصیبت ڈالتے ہیں...... کچی آنکھ، گیدڑ کو بھرے میدان میں اُدھڑوا دیتی ہے۔ [illegible] کھلوا دیتے ہیں اور کچی زبان، بھری برادری میں ناک کٹوا دیتی ہے...... کچا لوہا، کچا لوکے مول [illegible] کچا پشا کردو ڈور ڈر کے بول کا...... کچا پتھر، گاج کے تول کا اور کچا موتیا، پھولے کا نہ پچھول کا۔
ان سب کچوں میں سب سے زیادہ نقصان دہ فقیری کا کچ ہے۔ کہا گیا کہ ''نویں فقیری تے دوپہری [illegible]'' ایسا کچا فقیر اپنے اور دوجوں کے لئے بربادیوں کی اک لکیر ہوتا ہے۔ وہ راندہ درگاہ اور بے سمتا [illegible] ہے...... مخلوقِ خدا کے لئے اک عذاب کا درجہ رکھتا ہے۔ دیکھے ہوں گے کہ بڑے بڑے چرسولے، [illegible] نام نہاد درویش و فقیر...... دن رات چرس بھنگ کے نشے میں ڈوبے ہوئے...... ہاتھ کی انگلیوں

میں پانچ پانچ چرس کے سگریٹ جما کر خود اور مریدوں کو سُوٹے لگوانے والے...... دین کی ہوش نہ دُنیا کی۔ کچھ عصری علم کی بُوجھ اور نہ دین کی کچھ سُوجھ......!

شاید دُھوئیں کا کچی پکی فقیری کے ساتھ کوئی تعلق ہے کہ دُھواں جہاں کہیں سے اُٹھ رہا ہوگا وہاں کسی نہ کسی حساب کتاب میں کوئی فقیر‘ فُقرا‘ فاقہ مست‘ فراق زدہ‘ فسوں کار‘ فروکش ضرور ہوگا۔ ”یہ دُھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے“...... دل و جان کے علاوہ بھی یہ بہت سی جگہوں سے اُٹھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مگر اس وقت میں کچے فقیر‘ کچے دُھوئیں یا ”نویں فقیری تے دوپہریں دُھواں“ کی بات کر رہا ہوں۔ فقیری نئی ہو یا پرانی ’دُھوئیں‘ کے بغیر نہیں چلتی...... فقیروں‘ درویشوں‘ سادھو سنتوں کے ہاں کوئی باقاعدہ باورچی خانہ تو ہوتا نہیں یہ خدامست جنگلوں منگلوں‘ پہاڑوں صحراؤں میں بے دَر و دیوار‘ ننگی زمین اور کُھلے آسمان تلے بُرا جمان ہوتے ہیں۔ اپنی چائے چلم کے لئے ڈیرے ٹھکانے پہ آگ کے الاؤ کا خاطر خواہ بندوبست رکھتے ہیں۔ گھاس جھاڑ جھنکار جنگل بیلے کی لکڑی گیڈی ان کا ایندھن ہوتا ہے جس کی کمی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کا الاؤ ہمہ وقت روشن اور گرم رہتا ہے...... ظاہر ہے کہ جہاں گیلی سیلی لکڑیوں اور ہرے پیلے پتوں ٹہنیوں کا ورشن دہکا ہوگا وہاں دھاری دار خاکستری خیمہ نما دُھوئیں کا خاصا پھیلاؤ بھی ہوگا...... اس کے بڑے چسکے ہیں...... سادھو فقیر کے ڈیرے نشانہ ہی ہوتی [illegible] اندھیرے میں جنگلی جانور قریب نہیں پھٹکتے...... روشنی کے لئے کسی لالٹین یا دیئے باتی کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ گرمیوں میں مچھر مکھی سے نجات اور سردیوں میں گودڑی گدے سے فراغت رہتی ہے۔ ایک اور طرفہ تماشا بھی کہ اکیلے دوکیلے کا من پرچا رہتا ہے...... چنچل چنگاریوں کا رقص‘ لہراتی لپٹوں کے توڑے‘ شوخ شعلوں کی نرت بھاؤ...... نیلے پیلے قرمزی سُرمئی رنگوں کی راس لیلا اک نرالا سماں باندھے رکھتی ہے۔

یہ سارے کارکرم پکے اور اصلی سادھو سنتوں‘ فقیروں‘ درویشوں کے ہوتے تھے۔ اب یہ سب کچے فقیروں کے ڈیروں پہ کسی اور طریقے انداز سے سرانجام پاتے ہیں...... اس طرح ننانوے فیصد ڈیروں پہ ”فقیری دُھواں“ ہوتا ہے یعنی چرسیلا دُھواں!...... اب یہ جگہیں گوشہ نشین یا تارک الدنیا فقیروں کے ڈیرے نہیں بلکہ اشتہاری مجرموں‘ منشیات فروشوں قمار بازوں اور منشیات کے عادی‘ فارغ الدین و دُنیا بدقماشوں کی پناہ گاہیں ہیں...... عُرسوں اور میلوں ٹھیلوں کی آوٹ میں چرس کشی کے بڑے بڑے پنڈال جمتے ہیں۔ بازار لگتے ہیں۔ دَرپردہ یہ ”نویں فقیری اور فقیری دُھواں“ اک زبردست مافیا ہے۔ جس کی پشت پناہی منشیات کے بڑے بڑے ڈیلر اور اسمگلر کرتے ہیں...... ظاہر ہے کہ یہ غیر قانونی کاروبار سرکاری اور غیر سرکاری کالی بھیڑوں کی ملی بھگت کے بغیر ممکن نہیں...... لہٰذا بڑے بڑے عُرسوں میلوں پہ منوں ٹنوں کے حساب سے

چرس فروخت اور استعمال ہوتی ہے...... غضب خدا کا قبروں' آستانوں' مسجدوں کی دیواروں' صحنوں اور حجروں میں سگریٹ بھرے جاتے ہیں اور بنا کسی حیا و حجاب کے کُھلم کُھلا سوٹے لگائے جاتے ہیں۔ بلکہ خود' نام نہاد سائیں' ملنگ اور مُرشد اس کارِ خبیث میں شامل ہوتے ہیں اور اسے فقیری دُھویں کا نام دیتے ہوئے نہیں شرماتے...... الحفیظ والاماں......!

ان مقامات پہ آپ دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نئی نسل کے نوجوانوں طالبعلموں اور عام محنت کشوں کو کمال عیاری اور اِک خاص منصوبہ بندی سے اس قعرِ مذلّت میں دھکیلا جا رہا ہے...... آسودگی' سکون' یکسوئی اور فقیری ملنگی کے جھانسے میں پھنسایا جاتا ہے۔ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ فقیری' دُرویشی' ملنگی کے لئے یہ "فقیری دُھواں" انتہائی ضروری عنصر ہے۔ اس سے نہ صرف دھیان جما رہتا ہے بلکہ نروان اور گیان حاصل ہوتا ہے۔ اسی ڈرگ مافیا نے خاص طور پہ فکرِ روزگار' غمِ دوراں اور معاشرتی ناانصافیوں کے مارے ہوئے نوجوانوں کے لئے مخصوص نعرے' دھمالیں' غزلیں اور قوالیاں ایجاد کیں...... جن میں جام' سبو' قلیان' شیشہ' کش' کونڈی وغیرہ کی تکرار اور استعارے کچھ ایسے پُرکشش انداز میں استعمال کیے ہیں کہ [illegible] آسودہ ذہن انہیں فوراً قبول کر لیتے ہیں...... علی علی بو قلندر' علی کر بھلی' اُٹھ [illegible] جام قلندر...... مارو دم مٹے غم' چرس دا سوٹا' [illegible] ...... [illegible] چرسیوں اور نشے بازوں کے لئے ہی مخصوص ہو کر رہ گیا ہے...... (استغفر اللہ)

مُلتان شریف میرا آنا جانا لگا رہتا ہے...... کڑاکے کی گرمیوں کے دن تھے اور میں کچھ عزیزوں کے ایک پھنسے ہوئے کام کے سلسلے میں محض چند گھنٹوں کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں پہنچا تھا...... رات کی آخری فلائیٹ پہ لاہور کے لئے میری واپسی کنفرم تھی۔ ملتان ایئرپورٹ پہ میرے عقیدت مند موجود تھے مگر وہ گرم جوشی اور خوشی جو ایسے موقعوں پہ استقبال کرنے والوں کے برتاؤ میں ہوتی ہے مفقود تھی۔ مجھے ایسے محسوس ہُوا کہ وہ لوگ بادلِ نخواستہ میرا استقبال کر رہے ہیں...... مُنہ بُسرے لٹکے ہوئے...... آنکھیں بُجھی ہوئیں اور مصافحے کے لئے بڑھے ہوئے ہاتھ بے جان و یخ...... الٰہی! یہ مُردے کہاں سے نکل آئے؟...... کار میں بیٹھتے ہی میں نے کُرید شروع کر دی۔

''سائیں! خیریّت؟...... یہ پہلے پہر ہی آپ کے چوکھٹوں پہ بارہ بج رہے ہیں...... انتہائی گرمی کے موسم میں ایسی سرد مہری...... آشیانوں کی خیر ہو بابا! کچھ تو کہو آخر ماجرا کیا ہے......؟''

میری دائیں جانب بیٹھا ہوا عزیز بھیں بھیں کرتا ہوا پھکا۔

"بابا جی! گھر پہنچ کر کچھ آرام فرمائیں پھر گوش گزار کریں گے۔"

مجھے کھٹک گئی کہ جس کام کے لئے آیا ہوں وہ کچھ مزید بگڑ چکا ہے۔ تینوں افراد گم صم مُنہ میں گھٹنیاں ڈالے ہوئے تھے۔ میری طبیعت اوب سی گئی میں نے دوبارہ دریافت کیا۔

"سائیں! زندگی موت' دُکھ سُکھ تو ساتھ ساتھ یونہی چلتے رہیں گے ان سے تو مفر ممکن نہیں— بولو تم لوگوں کے مُنہ کیوں بنے ہوئے ہیں؟"

ایک بڑے نے بادلِ نخواستہ زبان کھولی۔

"بابا جی! ہم تو جیتے جی برباد ہو رہے ہیں...... کوئی مر جائے تو صبر آ جاتا ہے لیکن اگر کوئی لمحہ لمحہ سسک سسک کر مرے تو کسی طور چین آتا ہے نہ صبر......"

وہ ہلکی ہلکی سسکیوں کی گرہیں لگانے لگا تھا۔

"بشارت کہاں ہے...... گھر یا کہیں......؟" میں نے معاملہ کی کُن سُن لینے کی خاطر پوچھا۔

"جی وہ آپ کے آنے کی خبر پاتے ہی کل رات گھر سے بھاگ گیا تھا...... ہم پیچھا کرتے ہوئے کے مُرشد کے ڈیرے پہنچے تو وہ اپنے بابے کے قدموں میں بے سُدھ سا پڑا ہوا تھا۔ ہم جونہی بشارت کو اُٹھانے [illegible] خبردار کیا کہ مشاہدہ مُرشد میں محو ہے جو بھی کوئی اس کی محویت میں خلل انداز ہو گا وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ہم وہاں دیر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتے رہے مگر وہ شاید لمبا ہی نشے میں ڈوبا ہوا تھا۔"

"حد ہو گئی...... وہ جیسی بھی حالت میں تھا' آپ اُسے اُٹھا کر گھر لے آتے......"

"ایسا بھی کئی بار کر چکے ہیں...... مگر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ ہوش میں آنے کے بعد طرح دیواروں' دروازوں سے سر پٹکتا ہے...... خود کو کُتوں کی طرح نوچنے کھسوٹنے لگتا ہے...... اول فول ہے...... گھر والے' حتیٰ کہ ہمسائے اور گلی محلّے والے بھی عاجز آ جاتے ہیں۔"

"یہ بابا کیا چیز ہیں......؟" میں نے مزید دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی' دراصل وہ کوئی عمر کے لحاظ سے بابا نہیں بلکہ ایک بارہ تیرہ برس کا بالڑ ہے...... کسی سے بات چیت نہیں کرتا...... لوگوں میں چُپ شاہ سرکار مشہور ہے۔ نیم اندھیرے کچے سے دالان میں ایک چادروں سے ڈھانپی ہوئی قبر کے پہلو میں پڑا آنے جانے والوں کو خالی خالی نگاہوں سے تکتا رہتا ہے۔ تو خوش ہو کر لے لیتا ہے' ہاں پاس پہنچ کر سلام کرنے والوں کو تھپڑ لگانا نہیں بھولتا......"

"واہ......!" بے ساختہ میرے مُنہ سے نکلا۔ "وہ قبر کس کی ہے اور چُپ شاہ سرکار' کیا وہاں کا

ہے کوئی شرع شریعت یا نماز روزہ......؟''

''توبہ توبہ جی......'' وہ کانوں کو چھو کر بتانے لگا۔ ''بابا جی! شرع شریعت کا کیا کام؟ وہاں تو کُتا مُوت کر کے استنجا نہیں کرتا۔ دن رات چرس کے سُوٹے لگتے ہیں۔ بھنگ گھوٹی جاتی ہے۔ قلیان بھرے جاتے ہیں۔ وہاں چل کر آپ خود ملاحظہ فرمائیں۔ اندر باہر ہر طرف نشئی مُردے پڑے اپنے شغل میلے میں مست رہتے ہیں اور وہ قبر! سُنا ہے کسی نیم مجذوب ملنگ کی ہے جو خود بھی نشہ کرتا تھا اور یہ بچہ...... پتہ نہیں کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا کوئی چیلا چانٹا۔ ڈیرے پہ پرانے آنے جانے والوں سے سُنا ہے کہ ایک رات وہ ملنگ سوتے میں ہی مر گیا تھا اگلی صبح یہ بچہ اُس کے مُردے کے پاس بیٹھا پایا گیا تھا...... پرانے ملنگوں نشئیوں نے باہمی مشاورت سے اس مخبوط الحواس بچے کو مجاور بنا کر قبر پہ بٹھا دیا...... اُڑتی ہوئی یہ خبر بھی سُنی تھی کہ ان ملنگوں نے ہی کہیں سے یہ حواس باختہ بچہ اغوا کر کے یہاں پہنچا دیا تھا' اس کی زبان ڈیموؤں سے ڈنگوا کر بے کار کر دی...... پھر سے تخت پہ لگا دیا...... نیم پاگل ملنگ بچہ' رات دن میں چھٹانک بھر چرس پھونک ڈالتا ہے...... بندر کی طرح عُوں عاں کر کے بیوقوف لوگوں کو دعائیں دیتا ہے۔ لوگ ہیں کہ جوق در جوق آتے ہیں' کوئی [illegible] کے لیے دعا کراتا ہے تو کوئی کمیٹی یا جوئے کا نمبر مانگتا ہے [illegible] یہاں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ بڑے بڑے اثر و رسوخ والے اور سرکاری اہلکار بھی آس پاس کے [illegible] والوں کی بیٹھکیاں ڈیرے چلانے والے اور [illegible] کمانے والے محنت کش سب اس چُپ شاہ کے ماننے والے ہیں۔ یہاں [illegible] سکولوں' کالجوں کے طالبعلم بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہاں کے بدمعاش' منشیات فروش اور بھنگی چرسی' ان طالبعلموں کی چرس اور دیگر منشیات سے خاطر [illegible] کرتے رہتے ہیں۔''

میں اس کی لمبی چوڑی کتھا سُن کر اصل معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا کہ ان کا نوجوان بھائی کن مجرموں کے چُنگل میں پھنس چکا ہے۔ گھر پہنچ کر میں نے کچھ مزید سوال کیے۔ اسی دوران ہلکا سا ناشتہ بھی آگیا۔ تب میں نے کہا کہ مجھے بشارت کا کمرا دکھایا جائے۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے سب کو باہر رہنے کا کہہ کر اندر سے دروازہ بند کر دیا۔

بشارت اُنیس بیس برس کا پڑھا لکھا خوبرو نوجوان تھا۔ بھائیوں کے ساتھ ہی کاروبار کرتا تھا...... گھر میں آسودگی تھی بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کچھ خودسر اور ضدی بھی تھا۔ اُس کی شادی کے لیے اس کی والدہ نے اپنے بھائی سے اُس کی بیٹی کا ہاتھ مانگ رکھا تھا۔ لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے میں ابھی ایک دو سال کا عرصہ درکار تھا۔ اسی دوران مُلتان میں ایک صنعتی نمائش کا انعقاد ہوا' جہاں دوسروں کی طرح بشارت نے بھی اپنی مصنوعات کا ایک وسیع و عریض خوبصورت سا سٹال لگایا۔ سٹال مُلتانی انداز کی ٹائلوں کا تھا جن پہ بڑے

جاذبِ نظر رنگوں اور خطاطی کے مختلف انداز سے کلمہ طیبہ' خانہ کعبہ' گنبدِ خضریٰ' قرآنی آیات' اسمائے حسنیٰ' مولانا رومیؒ' مولانا سعدیؒ' علامہ اقبالؒ کے اشعار وغیرہ بنے ہوئے تھے۔ اِس کے علاوہ' اونٹ کی کھال کے ٹیبل لیمپ' تسبیحاں' جائے نماز وغیرہ...... ایک روز ایک ملنگ سا بوڑھا آیا' سٹال کے سامنے کھڑے ہو کر بے تحاشا قہقہے لگانے لگا۔ جب کافی دیر تک وہ نہ ٹلا تو بشارت نے اپنے ایک ملازم کو کہا کہ وہ اِسے سامنے سے ہٹائے۔ ملازم نے پہلے تو بڑے احترام و آرام سے ملنگ کو ہٹانا چاہا مگر جب وہ نہ ٹلا تو اِس نے بازو سے پکڑ کر پرے کر دیا...... وہ ملنگ شاید نشے میں تھا تھوڑی دیر بعد پھر آیا اور بشارت کے منہ پہ تھوک کر قہقہے لگانے لگا۔ مشتعل بشارت نے اُلٹا اُسے ٹھوک دیا۔ ہاتھ ہلکا سا اوچھا پڑ گیا تھا کہ ملنگ لڑھک گیا۔ قِصہ مختصر کہ سال ڈیڑھ سال کی تھانہ کچہری کے بعد بشارت کی جان چھوٹی' پر اِک روگ اور جان کا آزار بن گیا۔ اُسے وہم ہو گیا کہ اُس سے اِک بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ اِسی وہم اور نفسیاتی خلجان نے اُسے ازحد زود رنج اور [illegible] بنا دیا...... کاروبار سے دھیان اُچٹ گیا تھا۔ اِک جوانِ رعنا ہڈیوں کا ڈھانچا بن کر رہ گیا۔ اب بشارت' جہالت توہیں فقیری...... دو پہریں دھواں اور درویشی دھوئیں کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ بشارت پٹڑی سے اُتر چکا تھا...... گھر والوں نے اُسے بہتیرا ڈھارس دی' بہلایا پُھسلایا [illegible] تک [illegible] کا جی لگانے کے لئے شادی بھی کر دی۔ لیکن اُسے برباد ہی ہونا تھا سو ہو گیا۔

اَب یہ عالم کہ جو بھی ملنگ' فقیر' سادھو نظر آتا' یہ اس کے پاؤں پڑ جاتا۔ اس کے ہاتھ پاؤں [illegible] چُومنا شروع کر دیتا...... دعا کے لئے کہتا...... روپے پیسے کی چونکہ کمی نہیں تھی خوب خاطر مدارت کرتا' کپڑے جوتے لے کر دیتا...... اَب اُس نے [illegible] درگاہوں' مزاروں اور ملنگوں کے ڈیرے پہ بھی آنا جانا شروع کر دیا۔ اَب دھیرے دھیرے یہ حالت ہو گئی کہ کوئی بھی اُسے پیر' فقیر بن کر لوٹ لیتا۔ اُسے تو یہ بھی نہ رہتا کہ اسے کون کون سا فقیر کتنی بار لُوٹ چکا ہے۔ تعجب کہ اس دوران وہ ایک خوبصورت بچے کا باپ بھی بن چکا تھا...... خوبصورت وفاشعار بیوی ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر اس کی راہ دیکھتی رہتی مگر یہ ہر چیز' ہر رشتے ناطے احساس و ذمہ داری سے بے نیاز' مزاروں' ڈیروں' قبرستانوں میں خاک چھانتا رہتا...... بھائی' رشتہ یار دوست اُسے تلاش کرتے' مِنت سماجت کرتے' بہلا پُھسلا یا زبردستی اُٹھا کر لاتے۔ نگہداری کرتے...... [illegible] باندھا بھی' کمرے میں بند کر دیا...... یہ توڑ پھوڑ شروع کر دیتا' خود کو کاٹتا' سر پھوڑ لیتا آخر وہ وقت بھی آ گیا سب نے عاجز آ کر اُسے اس کے حال پہ چھوڑ دیا۔

اَب بدقسمتی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق ملنگوں نے اِسے چرس پہ لگا دیا' اب یہ سرِعام سُوٹے لگانے لگا' دولت کے ساتھ صحت بھی برباد ہونے لگی۔ بات یہاں تک ہی رہتی تو شاید

[illegible] ...... کسی انتہائی بدبخت رُوسیاہ قسم کے اُستاد نشئی نے اُسے اب چرک سے آشنا کر دیا۔ جو کسی نشئی کے لیے آخری نشہ ہوتا ہے کہ اس کے بعد تو زہریلے سانپ سے زبان پہ ڈسوانا ہی آخری حربہ رہ جاتا ہے...... [illegible] سے تو اکثر لوگ واقف ہیں لیکن چرک سے خال خال ہی کوئی آشنا ہوگا...... کیونکہ یہ خاص ایک خطرناک [illegible] سے معرضِ وجود میں آتی ہے...... اِسے نہ تو ہر کوئی استعمال کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی عام آدمی اسے بنا سکتا ہے...... چرس نہ ملے تو نشئی پریشان ہوتا ہے، تروڑک اور کمزوری، بے چینی محسوس کرتا مگر عام حالات میں نہ تو مرتا ہے اور نہ ہی مرنے مارنے کی حد تک اُترتا ہے...... مناسب سی توجہ، محبت اور علاج معالجہ سے چرس کی [illegible] ترک بھی کر سکتا ہے مگر اس ذلیل چرک کا چسکا جسے ایک بار پڑ جائے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا...... [illegible] چہرہ، کوئی رشتہ، کوئی نصیحت اور کوئی عقوبت اس پہ اثر انداز نہیں ہوتی...... انتہائی طلب کی حالت میں وہ [illegible] اپنی کلائیوں، انگلیوں، رانوں کو کاٹتا ہے، لہولہان ہو جاتا ہے، پھر کتّے کی طرح اپنے ہی خون کا سواد لے [illegible] اپنے لیے تسکین حاصل کرتا ہے۔ چرس اور چرک، خون کی ایک اِک بوند میں اپنی تعفن آفریں بدبو کے ساتھ [illegible] ہو جاتی ہے...... نشئی کے ہاتھ، پاؤں، پسینہ، تھوک، سانس، کپڑے، رومال...... غرضیکہ اس کے زیرِ استعمال [illegible] میں اِک [illegible] محسوس کی جا سکتی [illegible]

میں نے بشارت کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا...... چونکہ اُس کی بیوی، بیٹے [illegible] اپنے [illegible] رہی تھی اس لیے کمرا مجھے بالکل خالی ملا...... کمرے کی ہر چیز اپنی اپنی جگہ پہ موجود تھی...... [illegible] سنگار میز، الماریاں، [illegible] وغیرہ۔ میں ہر اِک چیز کو بڑے غمزدہ دل کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ اس کمرے [illegible] کیسی قسمت لے کر آئے ہیں [illegible] حرکت نے کیسے بھرے پُرے [illegible] کو تباہی و بربادی کے دہانے پہ لا کر کھڑا کر دیا ہے۔

میں اسی دِگرگوں حالت میں ایک کرسی پہ ڈھے سا گیا...... نیم وا آنکھوں سے کمرے کی ایک ایک [illegible] دیکھنے لگا...... قدرے طبیعت ٹھکانے لگی تو میں نے توجہ دینا شروع کی۔ سب سے پہلے میری ناک نے مجھے اطلاع دی کہ یہاں چرس نہیں بلکہ چرک پینے والا رہتا ہے۔ اپنی تصدیق کی خاطر میں اُٹھا اور سامنے [illegible] کھونٹی پہ لٹکی ہوئی شلوار قمیص کو سونگھا کہ ان کپڑوں کا مالک، چرس نہیں چرک پہ لگا ہوا ہے۔

چرک کیا ہے؟...... اِس کی دو اقسام ہیں۔ ایک خصی اور دوسری بھنگڑ...... خطرناک تو دونوں ہیں مگر خصی [illegible] ہی مہلک ہے۔ اِسے خصی اس لیے بھی کہتے ہیں کہ یہ نشئی کو مکمل نامرد کر دیتی ہے...... اوّل الذکر میں [illegible] خشخاس کے چھلکے، ڈوڈے، حقّے کی میل، کافور کا مل، کچا چونا، تُلسی کے بیج اور نیشِ عقربِ سیاہ، ان سب [illegible] کو اِک خاص مقدار میں لے کر، یک جان اور غلیظ ہونے تک کھرل کیا جاتا ہے۔ قطرہ قطرہ روغنِ ارنڈی

بھی شامل کیا جاتا ہے...... سایہ میں نیم خشک کرنے کے بعد کالے چنے کے برابر قرص بانٹ لیے جاتے ہیں...... دوسرے درجے پہ بھنگڑی...... تو اس میں اضافہ صرف تخمِ بھنگ پوست وغیرہ کا ہوتا ہے...... جس شخص کو جیتے جی فارغ کرنا ہو اُسے کسی رنگ ڈھنگ سے چرک بھرا سگریٹ پلا دو وہ پھر اپنے آخری دموں تک موذی سے اپنی جان نہیں چھڑا سکتا۔ ہاں البتہ صرف ایک طریقہ ہے جو آگے چل کر بتاؤں گا۔

بشارت کے کمرے میں میں نے اُس کے تن لگے کپڑوں کے علاوہ اور کئی ایک روزمرہ کی اشیا بغور مشاہدہ کیا۔ اس کمرے میں مختلف جگہوں سے مجھے کئی ایک تعویذ اور گانٹھوں والی ڈوریاں بھی ملیں۔ تصویریں، بچپن سے لے کر شادی تک اُس کی ڈائری اور خوشبوئیں...... میں اس نتیجے پہ پہنچا کہ وہ ایک ذمہ دار، نفیس، شوق و ذوق اور صحت مند نوجوان تھا۔ دو نمبر پیروں فقیروں کی جس دلدل میں ناک مُنہ تک چکا تھا ماضی میں صورتِ حال کا کبھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا...... یہ تو واضح ہو چکا تھا کہ وہ چرک نوشی کرتے جس کی مکروہ اور غلیظ ترین بدبو کپڑوں کے علاوہ کمرے میں موجود تھی...... میں نے ایک فیصلے پہ پہنچتے ہی دروازہ کھول دیا، باہر سب گھر والے مُنہ لٹکائے ہوئے پریشان خاطر سے میرا انتظار کر رہے تھے۔

پریشانی اور نا اُمیدی...... انسانی چہرے کا جغرافیہ بدل کر رکھ دیتی ہے چہرے کی زمین پہ شور نکل آتے ہیں آنکھوں کے دیئے بجھ کر سائیں سائیں کرتے چھوڑ جاتے ہیں...... یوں لگتا ہے چہرہ اپنا کسی تھوڑ دلے ہمسائے سے پہر دوپہر کے لئے اُدھار لے کر لٹکایا ہوا ہے...... سبھوں کی یہی حالت میرے اندر کے بچے کو شرارت سوجھی کہ پہلے ان بے چاروں کو نا اُمیدی اور مایوسی کی کیفیت سے باہر چاہئے۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو کمرے کے اندر بلا لیا۔ اب میں میز کے پاس کرسی پہ اور انہیں بھی سامنے صوفوں پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا...... جب سب بیٹھ گئے تو میں نے بشارت کی ایک سامنے رکھا...... پاس پڑی ہوئی موم بتی اور اگربتیوں کو جلا کر سر نیہوڑ کر پڑھنے لگا ـــ

جے گنیش جے گنیش دیوا، ماتا وا کی پاربتی پتا مہا دیوا
پان چڑھے پھول اور چڑھے سیوا، لڈوں کا بھوگ لگے سپھل تیری سیوا

تھوڑی دیر خاموشی کے بعد میں نے پلٹ کر ان سب پہ نگاہ کی...... سب آنکھیں مُنہ پ استفہامیہ نظروں سے میری جانب تک رہے تھے...... ظاہر ہے کہ میری یہ حرکت اور شبد، اِن کی سمجھ تھے۔ میں نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ پوچھنا چاہیں گے کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں...... دراصل میں بشارت مہاراج کی آرتی ہوں...... کیونکہ یہاں کوئی پاک کلام اثر کرنے سے رہا، اب وہ جس صورت حال اور نشے میں پھنس

اب ویسا ہی کارکلام اثر کرے گا۔

چرس پیوتے اکھاں لال' پھڑے جاؤتے چوتڑلال' نس جاؤتے جھولے لال

اس کبت کو تو آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے...... بشارت کو اس حالت میں پہنچانے میں آپ سب گوں کا بھی حصہ ہے...... پیر فقیر' گنڈے' تعویذوں اور چرس' چرک نے اُسے ناک مُنہ تک غرق کر دیا ہے۔ ب صرف آنکھیں ڈوبنے کو باقی رہ گئی ہیں...... مطلب یہ کہ صرف پانچ فیصد چانس ہے۔''

اُس کی ماں اور بہنیں سسکیاں بھر بھر کر رونے لگیں...... باپ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا...... بڑا بھائی بولا۔

''بابا جی! اب کچھ آپ ہی کوئی حل نکالیں۔ ہم تو سب ذہنی طور پہ مفلوج ہو چکے ہیں......''

میں اک لمبی سی ہُوں کر کے سر ڈال کر خاموش ہو گیا...... کچھ دیر بعد میں نے سر اُٹھایا اور کہا۔

''مایوسی گناہ ہے۔ کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

پھر میں نے مٹھی کھول کر تعویذ گنڈے دکھاتے ہوئے کہا۔

''یقیناً یہ تعویذ آپ میں سے ہی کسی نے یہاں مختلف جگہوں پہ چھپائے...... وہ ماں ہو سکتی ہے بیوی ہو سکتی ہے...... [illegible] کی بھلائی اور بہتری کی آڑ میں بھی [illegible] تعویذ لیں اور بہتے پانی میں بہا دیں...... [illegible] کی نماز اور [illegible] تک اسے اسی گھر میں اکیلا رہنے دیں۔ اس دوران آپ میں سے کوئی ایک چُپ شاہ کے ڈیرے جا کر معلوم کرے کہ بشارت وہاں موجود ہے یا نہیں۔ اُس سے بات کرنے یا میری ملتان میں موجودگی کے متعلق بتانے کی ضرورت نہیں۔''

رحری شاہ کے قبرستان کی دوسری جانب گوالوں کے باڑے تھے...... کھیت باغات' کچے چھپڑے اور ں کی ہڈیوں کے گودام' اینٹوں' ٹائلوں کے بھٹے بھٹیار اور خانہ بدوشوں کی مستقل جھگیاں...... ان کے چھدرے سے آم کے درختوں کے جُھنڈ میں یہ ڈیرہ تھا۔ سڑک پکی اور آمدورفت بھی کافی۔ موٹر کار ہمیں وہاں پہنچنے میں آدھ گھنٹہ لگا۔ گاڑی سڑک پہ ہی چھوڑ دی تھی کیونکہ آگے کچا تنگ اور پیدل راستہ اور کیچڑ نے راہ ماری ہوئی تھی...... پائینچے چڑھائے ایک دوسرے کو تھامے ہوئے لتھڑے پتھڑے ہم چار جنے ے تک پہنچے...... وہاں تو دنیا ہی الگ تھی...... ٹولیوں ٹکڑیوں کی صورت نشئی درختوں کے نیچے بیٹھے شغل پانی میں مصروف تھے...... میں اگر ساتھ نہ ہوتا تو کوئی بھی ہماری جانب توجہ نہ دیتا۔ لوگوں کا پہ آنا جانا تو لگا ہی رہتا ہے۔ ویسے میں کہیں بھی جاؤں' لوگوں کا میری جانب متوجہ ہونا لازمی امر ہے...... میرا کالا لباس' چہرہ مہرہ' گلے کی مالائیں' انگوٹھیاں وغیرہ وغیرہ بدو بدی لوگوں کو متوجہ کرنے کا موجب

بنتی ہیں...... ایسی صورتِ حال سے بسا اوقات میں خود بھی پریشان ہو جاتا ہوں۔ یہاں بھی قریب قریب عالم تھا...... میں آگے آگے، دوسرے لوگ پیچھے پیچھے...... وہاں کے ''نشہ نشینوں'' نے مجھے کوئی پیر مُرشد سمجھتے ہوئے سلام کرنا شروع کر دیے...... چند آگے آگے اور کچھ پیچھے پیچھے ہو لیے...... سامنے ہی وہ کچا پکا کوٹھا جس کے دالان میں ایک بڑی سی قبر تھی جس کے پاس مطلا مسندوں کے آگے چُپ شاہ سرکار یعنی وہ کچا سا ننگا دھڑنگا لونڈا دکھائی دیا۔

سیاہ رنگ، لنگوٹے کسے ہوئے وہ بچہ یوں اکڑوں بیٹھا تھا جیسے حاجتِ ضروریہ سے فارغ ہو رہا ہے۔ سر کی جٹیں بڑھی ہوئی، سانولی سی رنگت، تیکھے نین نقش، سپید دانت اور ڈیلے...... دوسری نظر میں مجھے وہ امریکی فلم والا جنگل بوائے صابو دکھائی دیا۔ یقیناً اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ پہ گھبرایا سا کھڑا ہو گیا اس کے اردگرد بہت سے چیلے چانٹے بیٹھے سوٹے لگا رہے تھے۔ ہم قریب پہنچ گئے...... میں نے دائیں جانب بشارت کے بھائی سے کانا پھوسی کی۔

''تجھے کہیں بشارت دکھائی دے رہا......؟''

اس نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں جی، وہ [illegible] والا جو بڑے [illegible] چت پڑا ہے بس بشارت ہے۔''

اب میرے لئے مزید آگے بڑھنا مشکل تھا۔ دالان میں چرس کے دھوئیں کے غبار اَٹے پڑے تھے...... جسے دیکھو وہ کوئلے والے ریلوے انجن کی طرح دھوئیں کے بادل اُگل رہا ہے...... میں پاس درخت کے نیچے پہنچ کر رک گیا۔ دائیں بائیں پیچھے بھی بہت سے بیٹھے ہوئے نشئی کھڑے ہو گئے۔ وہ بچہ چُپ شاہ سرکار اب مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اُسے گھور رہا ہوں۔ شاید اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں وہاں کھڑا کیوں اور گھور کیوں رہا ہوں۔ کچھ سماں یونہی اُوکدری میں بیت گیا...... آخر کار وہ اُسی ننگ دھڑنگ حالت میں جانب بڑھ آیا اور اب وہ بالکل میرے رُوبرو آئینہ بنا کھڑا تھا۔ میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ میرے پاؤں پڑ گیا۔ میں نے اُس کو اُٹھایا...... پوچھا۔

''چُپ شاہ جی! کیا حال ہے......؟''

وہ غوں غاں کرتا ہوا اپنا حال بتانے لگا...... وہ نشے میں گُھٹ تھا، اُس کے مُنہ اور جسم بے انتہا بدبو اُٹھ رہی تھی۔ میں نے قدرے اطمینان سے کہا۔

''چُپ شاہ جی! ہم اپنے بچے بشارت کو لینے آئے ہیں۔''

اُس نے پلٹ کر دُور پڑے ہوئے بشارت کو دیکھا۔ قدرے توقف کے بعد غوں غاں اور ہاتھ

[illegible] سے کچھ بتانے لگا جو ہماری سمجھ سے بالا تھا۔

اب میں نے قدرے درشتگی سے زور دے کر کہا۔

"چپ شاہ جی! ہمارا یہ بچہ بڑا قیمتی ہے۔ اسے ہم نے ہر قیمت پہ یہاں سے لے کر جانا...... مجھے [illegible] ہے تم لوگوں نے چرک پہ لگا کر اس سے خاصے پیسے بٹورے ہیں...... اب تمہاری بہتری اسی میں ہے [illegible] یہ چرسی کا عادی ہے یا بھنگڑی کا' تا کہ میں اس کا کوئی اُپائے کر سکوں......؟"

خیریت یہ رہی کہ اس کی قسمت اچھی اور ہمارے بچے کی تقدیر کہ دونوں بچ گئے...... چپ شاہ واپس [illegible] نے پہ گیا...... وہاں سے ایک پڑیا لا کر مجھے تھمائی اور غوں غاں کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

میں نے ناک دھرا تو وہ چرسی چرک تھی...... بشارت کو اٹھا کر ہم چلے آئے۔ رات' عشاء کی نماز کے بعد چپ شاہ اپنے دو تین چیلوں کے ساتھ ہمارے پاس آیا...... ہاتھ جوڑ کر معافی چاہنے لگا...... اور ایک پوٹلی تھماتے ہوئے غوں غاں کرنے لگا۔ اس کے چیلے نے بتایا کہ بشارت نے یہ زیورات اور گھڑی ہمیں دی تھی' [illegible] آپ کو واپس کر رہے ہیں...... چپ شاہ اور اس کے ساتھیوں نے پھر ایک بار پاؤں پڑ کر معافی چاہی۔

[illegible] دیر بعد وہ چلے گئے...... پھر ایک لمبی [illegible] کہ بشارت [illegible] ...... [illegible] ایک بات بتانا [illegible] ہے کہ چپ شاہ [illegible] بیٹے [illegible] پاس [illegible] اللہ پاک نے اسے بھی ہدایت [illegible] کر دی تھی وہ [illegible] ہو گیا تھا۔

بتانا یہ مقصود تھا [illegible] فقیری جھوٹی درویشی کتنی خطرناک ہوتی ہے...... اور منشیات کے عادی اور [illegible] فروخت کرنے والے کس طرح لوگوں کو پھانس کر منشیات کا عادی بناتے ہیں۔ یاد رہے کہ بدمستی' [illegible] اور جہل سے جبکہ سرمستی' مشاہدۂ ذات سے اور جذب و کیفیت' مشاہدۂ حق سے پیدا ہوتے ہیں۔

بس' بدمستی اور سرمستی و جذب میں فرق محسوس کرنا ہی اصل بات ہے...... منشیات کا عادی' شرع [illegible] کا باغی' عصری اور دینی تعلیم سے عاری' بھیک مانگنے والا دریوزہ گر تو ہو سکتا ہے' راہِ فقر کا فقیر اور [illegible] کا درویش نہیں ہو سکتا...... بایں ہمہ بعض فقیر' درویشوں سے حالتِ جذب اور عالمِ سرمستی میں ایسی [illegible] اور باتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو بظاہر دائرہ شریعت سے باہر دکھائی دیتی ہیں...... چونکہ ہر انسان کے [illegible] نہیں کہ وہ کسی بات یا حرکت و عمل کا مکمل سیاق و سباق کی روشنی میں احاطہ فہمی کر سکے' چنانچہ غلط فہمی کا [illegible] موجود رہتا ہے...... فقیر' درویش' مجذوب عام انسان نہیں ہوتے' وہ موجود کہیں ہوتے ہیں...... [illegible] اور ہیں...... وہ کہتے کچھ ہیں مطلب' اشارہ کچھ اور ہوتا ہے...... وہ مختلف راہوں کے راہی ہوتے [illegible] اشارہ' کنایہ' استعارہ...... وہ مستور گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ ابہام' قدم قدم پہ موجود ہوتا ہے......

رمزیں پٹاخے چھوڑتے ہیں...... اُن کی حرکات‘ باتوں اور عمل پہ اگر دھیان دھرا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چُھپا رہے ہیں...... وہ سوال و جواب اور بات اُدھوری چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ سائل اور مسائل کو کسی ایسے مقام پہ لا کے کھڑا کر دیتے ہیں کہ آگے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا یا پھر اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ قطعیت میں بات نہیں ہوتی‘ دریں اور دروں معنویت میں ہوتی ہے۔ کسی مصلحت کے تحت کبھی کبھی کوئی ایسی بات بھی کہہ جاتے ہیں کہ مخاطب انگشت بدنداں رہ جاتا ہے...... وہ خود ہی موقف اور خود ہی موقوف ہوتے ہیں۔ باالفاظِ دیگر وہ فقیری ستر چھپانے کی خاطر قول و فعل ہی کچھ کا کچھ کر گزرتے ہیں

حد وچ اولیاءؔ بے حد رہوے پیر
ساریاں حداں جھڑا ٹپّے‘ اوہدا ناں فقیر

شارق بطل بتانے لگا۔

’’انسان گلاب کے پھول کی مانند کسی شاخ پہ پیدا نہیں ہوتا کہ وہ سراپا خوشبو ہی خوشبو اور رنگت و ملاحت ہی ہو۔ وہ غلیظ نطفے سے پیدا ہوتا ہے۔ گندگی [illegible] بُو ہی بُو...... بطن مادر میں حیض کا گندہ خون اس کی خوراک ہوتا ہے...... وہ اسی [illegible] پرورش پاتا ہے۔ پھر اس کی ولادت کے مرحلے پہ غور کرو۔ اس طرح شیر خواری‘ بچپن‘ نوجوانی‘ جوانی اور ادھیڑ عمری‘ بڑھاپے سے مرضِ مرگ تک ہر موقع‘ مقام پہ وہ پلید پاکی...... بُرائی اچھائی‘ بدی نیکی‘ نقصان و نفع اور گناہ و ثواب کی اِک درمیانی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ کسی ایک لمحے بھی وہ بیم و رجا کی گرفت سے آزاد نہیں [illegible] وہ ہمیشہ اچھے بُرے کے چکر میں جکڑا رہتا ہے...... کبھی معصیت گناہوں کی دُھند میں پھنس کر اپنی سوچوں کو دُھندلا کر لیتا ہے اور کبھی نیکیوں اور اچھائیوں کی دھوپ میں خود کو روشن سمجھنے لگتا ہے...... اسی طرح ہولے ہولے وہ موت کی کسی کھائی میں اُتر جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخری ہچکی پہ بھی یہ سمجھ نہیں پاتا کہ وہ کامیابی کی سند لے کر مر رہا ہے یا ناکامی کا افسوس...... گناہ گار ہے یا نیکوکار؟...... میرے دوست! غلط‘ صحیح...... اچھائی بُرائی اور گناہ و ثواب کا فلسفہ بھی اِک نہ سمجھ میں آنے والا گورکھ دھندا ہے...... اچھائی سے بُرائی جنم لیتی ہے اور تخریب سے تعمیر نکلتی ہے...... یہی کہا گیا جسے تم شر سمجھتے ہو تم نہیں جانتے کہ اس میں کہاں خیر چھپی ہوئی ہے...... یہ ری سائیکلنگ سسٹم ہے۔ الیکٹرون‘ پروٹون آپس میں گتھم گتھا ہو کر ایک دوسرے کی جگہ لیتے رہتے ہیں...... تغیر اسی کا نام ہے۔ دیکھو! یہ ناچ گانا‘ یہ فحشات یہ گُلّے اور یہ سب کھیل تماشے‘ یہ بھی زندگی اور معاشرے کا ایک پہلو ہیں...... زندگی ہمہ ہمیوں اور ہمہ جہتیوں کا نام ہے...... روشن حصہ‘ دوسرے لمحے تاریکی میں ڈوب جاتا ہے...... یہ چاند‘ سورج‘ ستاروں کا طلوع غروب

یعنی رات سے دن اور دن سے شام اور پھر رات کا جنم لینا...... کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ روشنی کے ساتھ تاریکی بھی اک حقیقت ہے۔ بارے درویش بھی اک مداری ہی ہوتا ہے مگر ایک کے دو اور دو کے چار بنانے والا نہیں...... وہ چار کے دو...... دو سے ایک اور پھر وہ ایک کو بھی صفر کر دیتا ہے...... اب صفر سے نقطہ نکلتا ہے...... اور نقطے سے ''لا'' کا نکتہ پکڑتا ہے...... جو نفی کا صیغہ ہے...... ہر اثبات کو ثابت کرنے کے لئے پہلے نفی کو سمجھنا ضروری ہے...... اللہ کو معبود اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول ثابت کرنے کے لئے پہلے نفی کا صیغہ یعنی ''لا'' کہنا پڑتا ہے۔ ''نہیں'' کو جان کر ہی ''ہاں'' سمجھ میں آتا ہے...... یہ سارے کام جو ہم سے گولان کی پہاڑیوں والے بزرگ بابا اور سلیمان اخّی کروا رہے ہیں...... یہ سب نفی کو جاننے کے بتدریج اسباق ہیں...... یونہی غوث قطب پیدا ہوتے ہیں...... فقیر درویش مجذوب گھڑے جاتے ہیں تھاپے جاتے ہیں...... تراشے [illegible] جاتے ہیں اور جس فن پارے کو شاہکار بنانا مقصود ہو اسے خوب گھسا خراشا جانچا پرکھا اور سختی گرمی سے گزارا جاتا ہے تاکہ اس میں کسی کمی خامی کا امکان باقی نہ رہے۔''

وہ اپنی [illegible] کہے جا رہا تھا اور میں رٹ رٹ اُسے تکے جا رہا تھا۔

دستر [illegible] ہے۔ اس بیچ میں اکثر دو صورتوں سے واسطہ رہتا ہے۔ یا تو کھانے والا بے تحاشا اِدھر اُدھر مُنہ مار کر پیٹ معدہ خراب کر لیتا ہے یا پھر شرماشرمی اور سوچ سوچ میں دو چار لقمے تو زکر بھوکا ہی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کلام دقیق اور طویل ہو تو سامع سماعت کی بدہضمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ میری بھی کچھ ایسی ہی کیفیت تھی کہ میں اُس کی ایک بات گرہ باندھنے کی سعی کرتا تو پہلے بندھی ہوئی گرہیں ڈھیلی پڑ جاتیں۔ اب میرے لئے یہی اک چارہ رہ گیا تھا میں کسی کبوتر کے نومولود بچے کی مانند بچی بچی آنکھوں سے اسے بس مُنہ کھا مُنہ کھا دیکھتا ہی رہوں...... اُسے ہلکا سا ایک وقفہ دینے کی خاطر میں نے اپنی سی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''چاہو تو اپنا دَم درست کرنے کی خاطر قہوے کا ہلکا سا گھونٹ لے لو۔''

تیز رفتار گاڑی کو یک لخت بریک لگائے جائیں تو ایک زوردار جھٹکا ضرور محسوس ہوتا ہے۔ میں تو جھٹکے کے لئے تیار تھا مگر اُسے میری مداخلت سے شاید خاطر خواہ جھٹکا لگا تھا...... مجھے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''میں جانتا ہوں تم مجھے ایسا کیوں کہہ رہے ہو...... پر کیا کروں وقت محدود اور کہنا لامحدود ہو تو ایسے میں ایسی ہی صورتِ حال پیدا ہو ہی جاتی ہے۔ پانی کا دھارا پُرجوش تند و تیز ہو اور گاگریا کا حلقہ تنگ......

وجود سبک اور ساخت کُل' تو اِس کا بھرنا' پُر ہونا تو درکنار...... وہ ڈولے کھولے ہی کھاتی رہتی ہے' پانی کی چھ بُوندیں مقدر سے ٹھہر جائیں تو غنیمت...... ورنہ چنا باجتی رہتی ہے۔

قہوے کا مگ خالی کرتے ہوئے پھر کہنے لگا۔ ''تیار ہو لو' کام کا وقت آ لگا ہے......''

کپڑے کے ایک بڑے سے بورے میں ایک خاص ترکیب وترتیب سے بھرے ہوئے رنگین مختلف نوع کے غبارے...... جن کے اندر عجیب وغریب چیزیں بھری ہوئی تھیں اور جن کے ساتھ بارود سے بھری ہوئی ایک ڈبیا بھی بندھی تھی۔ جب انہیں ہم ایک خاص مشینی پمپ کے ذریعے فضاء میں اُچھالتے تو فضا میں ایک قوس وقزح کا نظارا قائم ہو جاتا...... اور پھر جب اِک خاص وقفے کے بعد وہ بارود کی ڈبیا پھٹتی تو لاکھوں کڑوروں ستارے بکھر کر فضاء میں رنگ ونُور کا اِک گلستان کھلا دیتے...... اگلے آدھ گھنٹے تک ہمارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔ شارق بطل نے اپنا جام [illegible] ہوئے کہا۔

''بھائی! میں تو اپنے کیبن میں آرام کرنے جا رہا ہوں۔ تم یقیناً یہیں رکنا چاہو گے۔ ضرور رُکو اور جی بھر کر یہاں کے تماشے ہنگامے دیکھو...... تمہیں اس جگہ سے کوئی بھی نہیں اُٹھائے گا۔ جب جی بھر جائے تو یہیں سے اُٹھ کر اپنے کیبن میں چلے جانا......''

میں [illegible] جب [illegible]

[illegible] بعد دیگرے کے کھیل تماشے رقص وموسیقی...... اک نہ تھمنے والی دلچسپیاں۔ ہُو ہا...... قہقہے...... [illegible] مستی وسرشاری غرضیکہ اک طوفانِ عیش وعشرت...... جوں جوں رات رنگی جا رہی تھی توں توں یہاں کی رنگینی ترقی بڑھتی جا رہی تھی...... بظاہر نظر نہ آنے والے ایک کھدرے میں میں راپ سے ماٹ سے دُم پکڑ کر نکالے ہوئے چوہے کی مانند بیٹھا آنکھیں منکور منکور کر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آخر کب تک...... خدا جانے کب' کس پل اور کس گھڑی' میری پلک جُڑی ہو گی۔

آنکھ کھُلی تو سورج کافی اُٹھ آیا ہُوا تھا...... میں اِسی رات والے کونے میں اپنے چھوٹے سے بنے ہوئے کیبن میں تھا...... صفائی پہ مامور عملہ بڑی مستعدی سے عرشے کی صفائی کر رہا تھا...... بیتی شب سب قصے اِک اِک کر کے دماغ میں گھومنے لگے...... سر میں ہلکی سی گرانی محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم صبح کی تازہ ہوا' نیل کے پانیوں کی دلپذیر تراوٹ وتازگی...... سرسبز کندوں کناروں کھیتی ہوئی لمبی لمبی با کشتیاں...... کھیتوں میں کام کرتے ہوئے کسان...... محبت اور معصومیت سے سرشار ہاتھ ہلاتے ہوئے بچے...... اِن مناظر پہ چندا چٹکتی سی نظریں ڈال کر میں نیچے اپنے کیبن کی جانب اُتر آیا۔

اگلے چھ سات روز میں اسی طرح دن رات کی صحبت و مشقت میں جُتا رہا...... دن کا خاصا حصہ اُس مصری مداری کی صحبت کی نذر ہو جاتا جبکہ شام اور شروع رات کا بقایا حصہ شارق بطل کے ساتھ غبارے بھرنے کی مشقت میں خرچ ہو جاتا...... پانچویں چھٹے روز تو مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے میں روزِ ازل سے اسی جہاز میں ہوں...... یہی غبارے بھرنے کی بیگار رقص و موسیقی کے ہلے گُلے اور شعبدہ بازی، نظر بندی کے کھیل تماشے دیکھنا ہی میری زندگی ہے...... واپسی کے آخری روز اگر شارق بطل اور اُس کا اُستاد مجھ سے الوداعی بات چیت نہ کرتے تو مجھے محسوس ہی نہ ہوتا کہ میری کوئی دُنیا...... اس جہاز اور اس کے کھیل تماشوں سے ہٹ کر بھی ہے۔

● آبِ سلطانی...... وَگدی ندی دا پانی......!

جہاز قاہرہ کی جیٹی سے لگا تو میں دوسرے مسافروں کے ساتھ نیچے اُتر آیا...... سامنے ٹائم ٹاور کے نیچے ان مداریوں کا پورا ”گروہ“ مشروبات سامنے دھرے بیٹھے دکھائی دیا۔ نگاہیں چار ہوتے ہی اُس مصری مداری نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔

”[illegible] پیو ایک [illegible] اللہ [illegible]“

وہ ایک سادہ سا مشروب مجھے تھماتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

”کہو نیل کا سفر جہاز کی دلچسپیاں...... ہماری دوستی، گپ شپ وغیرہ کیسی لگیں؟...... مجھے یقین ہے کہ تم کبھی اس سفر اور ہمیں نہیں بھولو گے...... اور ایک خاص بات...... کہ یہ دائرہ مکمل ہی نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے آغاز سے اپنا تعلق نہ جوڑے...... جہاز صحرا کا ہو، ہوا کا، یا پانی کا، اپنے مستقر پہ ہی سفر اختتام کرتا ہے۔ راستے کے نظارے، دلچسپیاں سب عارضی اور نامکمل ہوتی ہیں...... اصل حقیقت، منزل اور سچی خوشی...... اپنے آغاز سے منسلک ہونے والے حرفِ انجام سے ہوتی ہے...... یہیں سے آغاز ہوا تھا یہیں انجام ٹھہرا...... جو جانا جو سیکھا اور سمجھا، اس کے علاوہ سب کچھ بھول جاؤ...... جنٹلمین!“

پھر ایک بوتل بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔

”جنٹلمین! یہ رم کی خالی بوتل میں نیل کا پانی ہے۔ بڑی نایاب اور کام کی چیز ہے۔ اسے ہمیشہ اپنے تبرکات میں سنبھال کر رکھنا۔ یہ کہاں کہاں اکسیر ہے، اس کے کیا کیا تشرفات ہیں...... چاند کے گھٹاؤ اور بڑھاؤ میں اس کے آر پار دیکھنے سے کیا کچھ نظر آتا ہے۔ یہ تمہیں پھر کبھی کہیں اور سے معلوم ہو گا...... اور ہاں، یہ بات بھی تمہارے لئے اچنبھے کا باعث ہو گا کہ چند چُلو اس پانی کا تعلق محض نیل سے ہی نہیں بلکہ اس آب جو

سے بھی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرتی ہوئی فرعون کی فوج کی تباہی کا سبب بنی تھی...... یعنی اس راستے کا پانی ہے...... جو بہتے دریا کو دولخت کرنے سے واقع ہُوا تھا اور......''

معاً میرے مُنہ سے نکلا۔

''مگر دریا تو دولخت ہونے کے بعد پھر ویسے کا ویسا ہی ہو گیا تھا۔ پھر کسی آبِ جُو کا وجود کہاں بچا؟...... اور یہ بھی کہ اِس خاص محلِ وقوع کا تعیّن کیسے ہُوا کہ جس کا یہ مخصوص پانی ہے؟''

وہ مجھے چُبھتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مائی ڈیئر جنٹلمین! بال کی کھال اُتارنے سے باقی کچھ نہیں بچتا...... ہم مسلمان مکھی پہ مکھیاں مارنے والے شکاری قسم کے لوگ ہیں...... ہمیں کوئی ایسی کہانی کہاوت، روایت چاہیے ہوتی ہے جس کے پیچھے کوئی محیّر العقول واقعہ یا کوئی روحانی، مذہبی قسم کی کوئی دلچسپی ہو۔ پھر وہ چیز جہل در جہل بڑھتی ہوئی ہماری بے مُنہ ناک نقشہ کی تہذیب اور اندھے عقیدے ایمان کا جُزو بن جاتی ہے...... مَیں بھی جانتا ہوں یہ بیئر اور رَم کی بوتلوں میں جو گندلا پانی ہے یہیں وہ سامنے گھاٹ سے بھرا جاتا ہے۔ جبکہ ان بوتلوں کو اچھی طرح صاف کیا جاتا ہے اور نہ پانی کو نتھارا جاتا ہے...... بس بھرا جاتا ہے اور مقدّس پانی کے نام اچھے داموں بیچا جاتا ہے۔ کیا کریں ہم ملنگ [illegible]...... تم بھی اسے مقدّس جان کر اور تحفہ سمجھ کر قبول کر لو...... اور ہاں اگر چاہو تو اس آبِ نیل کے بارے میں ایک اور کہانی بھی سنتے چلو تاکہ تمہیں اس نیل کے گندلے پانی کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ اس مقدّس نیل کے پانیوں اور کناروں نے نبیوں پیغمبروں کے پاؤں چُومے اور وضو کر پیے ہیں۔ انہیں اپنی گود ڈال کر جھولے جھلائے ہیں۔ ان کی پیاس بجھائی ہے...... تم شاید جانتے ہو گے جب سرورِ مصر حضرت یوسف علیہ السلام اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے تو اُن کی تدفین پہ کچھ بدمزگی پیدا ہو گئی تھی۔ کنعان والے انہیں اپنے ہاں دفنانا چاہتے تھے کہ کنعانی ہونے کے سبب ان کا حق زیادہ بنتا ہے مگر مصر والے اپنے استحقاق کو یوں ثابت کرتے تھے کہ چونکہ آپ نے وہاں سے مراجعت فرما کر یہاں سکونت اور حکومت اختیار کی تھی اس لئے اُن کی تدفین اسی سرزمین پہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ کسی قابلِ قبول اور حتمی فیصلے کے لئے علمائے یہود اکٹھے ہوئے...... بڑی بحث و تمحیص دلائل و براہین کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ میّت کو ایک مضبوط آہنی تابوت میں محفوظ کر کے دریائے نیل کے وسط میں اُتار دیا جائے...... اس طرح نیل کا مقدّس پانی اور بھی بابرکت ہو جائے گا، مصر اور کنعان دونوں مستفید ہوتے رہیں گے...... اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ مصر اور کنعان کے کھیتوں میں فصلیں سونا اُگلنے لگی تھیں...... ایک ایک خوشہ بالی اور جنس مروارید اور جواہرات کے تول تلتی...... پھر اِک لمبے زمانے کے بعد سیّدنا موسیٰ علیہ السلام

[illegible] فرعون اور ان کے مابین معرکہ جنگ ہوا...... لیکن اس سے پہلے آپ کو کسی نہ کسی طرح القا ہو چکا تھا کہ جب تک تابوتِ یُوسف دریائے نیل سے باہر نہ ہوگا فرعون اور اس کی سپاہ اس میں غرق نہ ہو سکے گی۔ [illegible] تابوت کی شروع تلاش ہوئی جو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی۔ پھر ایک بوڑھی مجذوب سی عورت نے ایک عجیب و غریب مطالبے کے بعد اس جگہ کی نشاندہی کروائی...... یہودیوں نے کمال عجلت اور عیاری سے کام لیتے ہوئے تابوت کو فلسطین میں منتقل کر دیا...... مجھے یقین ہے اَب تم اس پانی کی اہمیت و برکت خوب جان گئے ہو [illegible] جنٹلمین!''

مَیں نے حیرت کے دریا سے باہر نکلتے ہوئے چند لمبی لمبی سانسیں کھینچ کر پوچھا۔

''بھائی! مجھے یہ سب کچھ سُنانے کا کیا مقصد ہے؟''

وہ کمال بے پروائی سے بولا:

''مائی ڈیر جنٹلمین! چونکہ تم بھی کچے پکے مسلمان ہو اور مسلمان' روایتوں' کہانیوں' قصوں اور مافوق الفطرت واقعات پہ کچھ زیادہ ہی یقین رکھتے ہیں۔ اس لئے میں تمہیں یہ روایت سُنا رہا تھا۔''

پھر بائیں آنکھ دبا کر اصرار کرنے لگا۔ ''یقین کرو پانی بڑے کام کی چیز ہے۔''

دُنیا کا کوئی دین مذہب' مسلک' فکر' قبیلہ ایسا نہیں جن کے ہاں کوئی نہ کوئی اور کسی نہ کسی طرح کا کوئی مقدس پانی موجود نہ ہو۔ مذہبی کتابیں اور عالمانِ اَرض و حیات' وجود و ثبات' نمود و نباتات یہی بتاتے ہیں کہ اَرض [illegible] جب کچھ نہ تھا تو پانی ہی پانی تھا۔ پانی ہی اصل حیات [illegible] دُنیائے اَرض کی ہر معلوم اور نامعلوم چیز پانی کی محتاج ہے۔ انسانی حیوانی معیشت کی ہر ضرورت پانی سے شروع و تمام ہوتی ہے...... انسانی پیدائش کے [illegible] چند قطرے...... تولد پہ نہلانے اور وقتِ آخر غسلانے کے لئے بھی یہی پانی درکار ہوتا ہے۔ سمندروں' [illegible] جھیلوں' جوہڑوں' نہروں' کنوؤں' تالابوں کا پانی...... زمین کے اندر کا پانی' جسم میں پانی' آنکھ میں [illegible] میں پانی...... پھلوں' سبزیوں ترکاریوں میں...... پودوں درختوں میں پانی...... یہاں تک کہ پتھروں میں پانی...... عام و خاص کاغذ میں بھی پانی کی ایک ہلکی سی مقدار موجود ہوتی ہے۔ اگر نہ ہو تو کاغذ بُھر بُھرا کر [illegible] کی طرح ہو جائے۔ غرضیکہ پانی' نمی' تراوٹ ہی نمودِ زندگی کی اصل بنیاد ہے۔ اَب پانی کی بھی بے شمار اقسام ہیں...... کچھ حیات پرور' کوئی سریع الاثر جان لیوا' کچھ خوش آب ہیں تو کچھ تیز آب ہیں...... خوشبودار خوش ذائقہ اور کچھ بدمزہ' متعفن و غلیظ۔ پہاڑوں' جنگلوں سے نکلنے والے چشموں' جھرنوں' آبشاروں' [illegible] کے معدنیاتی پانی اور گوندیں جلدی اَمراض کے لئے اکسیر اور جسمانی بیشتر تکالیف کا بہدف علاج

ہوتے ہیں اور انہی جنگلوں' جھرنوں' پہاڑوں اور جڑی بوٹیوں کے بعض پانی' زہر جان لیوا بھی ہوتے ہیں۔ زہر کی مانند کڑوے کسیلے اور تلخ کہ انسانی زبان اور مزاج برداشت ہی نہ کر سکیں...... یہی از قسم زہر [illegible] ہیں...... اَب آگے بڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ پانی انسان کی مادی ضرورتوں کے علاوہ اس کی بنیادی [illegible] مذہبی اور روحانی مدوں میں بھی خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ تمام مذاہب میں ''متبرک آبیات'' کا تصور [illegible] ہے۔ جنم کے بعد اور مرن سے پہلے یہی متبرک پانی اس کے حلق میں ٹپکائے جاتے ہیں' اس پہ چھڑکے [illegible] ہیں۔ مذہبی رسوم و مجالس' مناسک و عبادات بِپتسمہ میں بھی یہی مقدس آبیات استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

ہمارے جدِ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی بابرکت ایڑیوں کے صدقے میں پھوٹنے والا [illegible] ہزاروں برسوں سے آج تک اور رہتی دُنیا تک مسلمانوں کے لئے ایک گرانقدر بابرکت نعمت کے [illegible] استعمال ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اسی طرح یہودیوں' عیسائیوں' پارسیوں' ہندوؤں' سکھوں اور بدھوں کے ہاں بھی [illegible] نوع کے مقدس پانیوں کی اہمیت موجود ہے۔ اساطیر میں بھی ایسے طلسماتی پانیوں' خاص طور پہ آبِ حیات' آبِ بقا' پوتر جل کا ذکر اپنے پورے وجوہ و وجود سے ملتا ہے...... ہندوؤں میں گنگا جل سے زیادہ پوتر جل کوئی نہیں' [illegible] تو وہ گائے کے پیشاب' گوبر کو بھی [illegible] سمجھتے ہیں۔ اُن کا چولہا چوکا' [illegible] استھان' کار[illegible] [illegible] ہندوؤں کی [illegible] ذاتوں ورتوں میں گاؤ اور منش کا پیشاب...... سریر کی شکتی اور آتما کی بھگتی کے لئے بھی پیا اور چھڑکا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا گاؤ جل اور منش جل کے ضمن میں چند ایک جملے برسبیل تذکرہ درمیان میں آ گئے ورنہ ذکر [illegible] پانیوں کا ہی ہو رہا تھا۔

بارش اور اوس کے پانیوں کو بھی پاک اور مطہر سمجھا جاتا ہے۔ جھیل سیف الملوک' پنجہ صاحب [illegible] ابدال' سید عبداللہ شاہؒ کلفٹن کراچی' سہون شریف کے چشمے' منگھوپیرؒ...... دربار صاحب امرتسر کے تالاب [illegible] غار دیوی درشن' پورن کا کنواں' چترال اور جل گاؤں کے چشمے' بابا رگھوناتھ کی باؤلی' ٹیکسلا' ترچ میر [illegible] پانی پت' کوکھی' فلورنس اور میلان' اشبیلہ' نیشاپور وغیرہ...... محرم میں جگہ جگہ ٹھنڈے میٹھے پانی کی سبیلیں [illegible] دیتی ہیں۔ لوگ بڑی عقیدت اور رغبت سے پانی پیتے ہیں۔ اسی طرح کچھ خاص جگہیں ایسی بھی ہیں [illegible] مہینے پانی' شربت' دودھ وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ مقامی تنظیمیں' مخیر لوگ' گھوسی گوالے' منتیں چڑھانے والے یہ سدا ورت لگاتے ہیں۔

دہلی میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی چوکھٹ، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت بابا فرید [illegible]

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ، حضرت لال شہباز قلندرؒ، حضرت سلیم چشتیؒ، حضرت مادھو لال حسینؒ، حضرت بہاؤ الدین جھولن بخاریؒ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ......!

یہ چند ایک اولیاء اللہ کے ایسے مزارات ہیں جن کے قرب و جوار میں ان کے نام کی سبیلیں تھیں اور آج بھی موجود ہیں۔ دور دراز سے آنے والے زائرین اپنی پیاس بجھا کر تازہ دم ہو کر حاضری کے لئے آگے [illegible]—— پانی بڑے بڑے مٹکوں، حوضوں میں ہوتا...... بڑے بڑے مٹکے نمدار ریت یا مٹی میں دبے ہوتے، [illegible] مٹکوں کا جو حصہ باہر ہوتا اُن پہ سُرخ رنگ کی صافیاں لپٹی ہوئی ہوتیں۔ مٹی کے سبک پیالے، کلھڑ...... [illegible] پلانے والے اکثر بوڑھے ہیجڑے یا عمر سے اُتری ہوئی ایسی عورتیں...... جو کسی بھی وجہ سے دُنیا داری کے جھمیلوں سے آزاد ہوتیں...... اس طرح پانی یا کوئی ٹھنڈا میٹھا مشروب پلانے والے کسی کاروباری انداز فکر سے یہ نہیں کرتے تھے۔ انہیں صرف مسافت کی مشقت اٹھائے ہوئے پیاسے زائرین کی پیاس بجھانی مقصود ہوتی تھی۔ اگر کوئی اپنی مرضی بھاونا سے پیسہ دھیلا ڈال جاتا تو انکار بھی نہ کیا جاتا بلکہ انہی پیسوں کی شکر برف [illegible] ڈال دی جاتی۔

میں بھی [illegible]...... در در [illegible] ہوا...... کبھی کبھی وہاں [illegible] پا برہنہ سدا رُت کی بے خواری اور خرابی، ایسے میں مجھے یہ اندر باہر کی پیاس بجھانے والی [illegible] بڑی بھلی لگتی تھیں...... پیاس بجھانے کے بعد میں حسبِ عادت مشروب پلانے والے کی ذات کی باؤلی میں بھی ضرور جھانک لیتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ایسی ساقی گری کرنے والے اخلاقِ عام سے لوگ نہیں ہوتے...... [illegible] سے کیا کوئی کم ہوتا ہوگا...... یہ ارفع درجات والی ہستیاں ہوتی ہیں۔ دیکھا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو کھانے پلانے والوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے...... یہ بڑے رزاق کے آگے چھوٹے چھوٹے رزاق ہوتے ہیں جبکہ بڑا رزاق، ان کے مال گودام کبھی خالی نہیں ہونے دیتا۔ اس میں کوئی مسلمان، ہندو، سکھ، [illegible] کی تخصیص نہیں ہے۔ جو بھی کھلانے پلانے کا کام کرے گا ایک سا اجر ہی پائے گا۔

ہندوؤں، سکھوں میں اور کچھ ہو نہ ہو ایک صفت ضرور ہے کہ وہ دان پُن بہت کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کے آغاز ہی پراتھنا اور دان پُن سے ہوتا ہے...... اللہ کی ہر طرح کی مخلوق کے لئے اُن کے پاس دیا اور کرم ہوتے ہیں...... ہسپتال، تعلیمی ادارے، دھرم شالے، گئو شالے، کنویں، باؤلیاں...... نادار بچوں اور بیوہ عورتوں کے لئے پناہ گاہیں، وغیرہ وغیرہ...... آج بھی آپ کو پاکستان کے کونے کونے میں غیر مسلموں [illegible] کی ہوئی بے شمار عمارتیں، ہسپتال، لائبریریاں، تعلیمی ادارے، عبادت گاہیں...... شمسی اور آبی غسلخانے

اور محتاجوں کے لئے سرائیں وغیرہ کسی نہ کسی حالت میں موجود ہیں۔ جنہیں ہم کافر کہتے ہوئے نہیں تھکتے انہی کی بخشی ہوئی درسگاہوں سے فارغ التحصیل ہونا ہم اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں۔ انہی کے قائم کردہ وقف ہسپتالوں سے ہم شفا حاصل کرتے ہیں...... میں نے ایسی ایسی دور افتادہ اور غیر معروف جگہوں پہ غیر مسلم کے دان پُن کے کام دیکھے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے کہ انہوں نے سینکڑوں سال پہلے انسانیت کی بہبود کے لئے کیسے کیسے کام کیئے کہ رہتی دنیا تک انسان ان سے فیض یاب ہوتا رہے گا۔

سندھ اور بلوچستان ایسے عظیم الشان' ولولہ انگیز صوبے ہیں کہ تاریخ و تہذیب' معاشرت و ثقافت اور روحانیت کے طالبعلم ان پہ تحقیق کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتے اور ان اصناف پہ ان کا کام اور دلچسپی کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ان صوبوں کا اصل حُسن' ان کے باطن میں اُتر کر کھلتا ہے۔ یہ اخروٹ کی مانند ظاہر اور باہر سے کھردرے سخت' لیکن بھیتر سے نرم و لذیذ...... پنجاب اور سرحد اپنی جگہ پہ لیکن یہ سندھ اور بلوچستان ہی تہذیبی' علمی' روحانی اور عسکری جغرافیائی پس منظر میں عہدِ عتیق سے ہی معتبر و افضل و موقر رہے۔ کوہ کیرتھر' کوہِ سلیمان' موہنجوداڑو' ہڑپہ' آمری' اسکلی' مہر گڑھ' سنگالہ' کافر کوٹ' امرکوٹ' رحمٰن ڈھیری' [illegible] کی سامبھر جھیل اور تھر پارکر کے قدیمی قلعے' مکھیر ہاں' [illegible] کھوئے ٹیلے وغیرہ [illegible] لئے ہمیشہ سے باعثِ کشش ہے۔ [illegible] اندرون [illegible] بلوچستان [illegible] کے پہاڑوں' دروں' صحراؤں' میدانوں اور [illegible] دریاؤں کی بادیہ پیمائی میں عمر بیکار کا ایک خاصہ حصہ غرق کیا ہے...... زیادہ تر [illegible] ملنگ ہو کر' نگر نگر' ڈگر ڈگر [illegible] ہونے کی للک نے اس بڑھاپے میں بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا...... کسی بھی سفر کی بھی راہ' منزل ہو...... قدم قدم پہ [illegible] واقعات' حادثات' تعلقات' مسافر کا مقدر بن جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ درویش کے اندر باہر کی مسافتیں ہی تو ہوتی ہیں جو اُسے درویش بنا کر درویش کرتے ہیں...... کنکر روڑے' پتھر' موتی' ہیرے جواہر...... جھاڑ کانٹے' پھول کلیاں...... کھائیاں' گڑھے' ٹیلے' خوشبوئیں' بدبوئیں...... راہزن' رہبر...... موسم' آفات کیا کچھ نہیں ہوتا اُس کی راہ میں...... وہ سب سے ہوا مست خرام رہتا ہے...... وہ کسی سراب سے دھوکا نہیں کھاتا اور نہ کسی نخلستان سے آسودہ ہوتا ہے۔ قلزم اس کا دامن نہیں بھگوتا اور کسی ناگہانی طوفان و جھکڑ میں اُڑتی ہوئی خاردار جھاڑ اُس کی دلق سے اُلجھتی...... گا ہے کوئی بادِ شام اُس کے لئے باعثِ راحت نہیں اور نہ ہی کسی بادِ سموم سے اُسے اذیت محسوس ہوتی ہے۔ صبح کی سپیدی' شام کی سُرخی اور شبِ تاریک کی ہولناک تاریکی کے معنی اُس پہ تمام ہوتے ہیں۔ خوف کا خلجان بھی نہیں...... وہ لیتا اور دیتا ہوا مست و چُور ہوتا ہے...... راہ روش کی ہر رمزی کا اُس پہ ظہور ہوتا ہے۔

بات پانی کی ہو رہی تھی کہ نیل کے گھاٹ پہ اُس مصری مداری نے مجھے رُخصتی پہ شراب کی خالی بوتل [illegible] نیل کا گدلا سا پانی دیتے ہوئے کہا تھا۔

”یہ نیل کا مقدس پانی ہے‘ میری جانب سے تحفہ...... سنبھال کر رکھنا بڑے کام کی چیز ہے“...... اسی [illegible] پانی کے ذکر سے ان قابلِ ذکر پانیوں کے چشمے بھی پھوٹ پڑے...... اسی طرح کے ایک اور پانی کا ذکر [illegible] نامکمل ہی ہوگا۔

تھر پار کر کے راستے‘ جے پور‘ جودھ پور‘ اجمیر شریف‘ سانبھر‘ کایان پور‘ برمیرا کا صحرائی اور نیم صحرائی [illegible] صحرا ایسے خبطی سیلانی کے لئے بڑی کشش اور مشقت رکھتا ہے۔ آج کل تو خیر پختہ‘ نیم پختہ سڑکوں اور [illegible] سہولتوں نے اس راہ کی کلفتوں کو بہت حد تک ختم کر دیا ہے۔ میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں ان [illegible] میں سفر کے لئے سخت جانی‘ وافر پانی اور صحرا رانی کے لئے ایک مستعد و مضبوط اونٹ اور بہت حد تک [illegible] کی بھی ضرورت ہوتی تھی کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے ایک نہ ایک دن اس کا مزہ چکھنا ہے۔ اس [illegible] موت میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے...... [illegible] دریا‘ سمندر یا [illegible] وجد میں موت اور [illegible] سرابوں کے [illegible] بڑے صحرا میں [illegible] بے یار [illegible] کی موت میں بڑا بھیانک فرق واقع ہوتا ہے کہ یہاں عارضے کی صورت میں سر پہ ہلکی ہلکی [illegible] محسوس کرنے کے لئے سوا نیزے پہ سورج...... تلوے سہلانے کے لئے [illegible]...... جبکہ علاج معالجے [illegible] کے لئے بڑے بڑے [illegible] اور بھیڑیے ہوتے ہیں...... جنگل [illegible] کے مطابق ہر بالا دست‘ زیر دست کے لئے بلائے جان بن جاتا ہے۔ جنگل میں نیچے اور اُوپر اَمان [illegible] صحرا میں نیچے اور اُوپر‘ دونوں اطراف دہکتا پگھلتا ہوا جہنم ہوتا ہے...... جان اُوپر سے جلتی اور نیچے [illegible] محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں صرف تین چیزیں پناہ دیتی ہیں...... سایہ‘ پانی اور یہ اُمید اور جذبہ کہ [illegible] ہے اور اس صحرا کے پار اُترنا ہے...... صحراؤں کے سرابوں میں اُترنے والوں کے عزیز و لواحق‘ [illegible] آنکھوں...... تر و تازہ چہروں اور تندرست واپس پلٹنے کی آرزوؤں‘ دعاؤں کی رم جھم میں رُخصت [illegible] ہیں...... اور اس وقت تک اُن پہ سے نظر نہیں ہٹاتے جب تک صحرا کا مسافر‘ دُور سے دِکھائی دینے [illegible] بن جائے۔ لیکن مجھ جیسے ”الف بائے برانڈ“ صحرا نورد کو تو کبھی رُخصت کرنے اور واپسی سلامتی [illegible] کرنے والے میسر ہی نہیں ہوئے۔ اس لئے مجھے کبھی صحرا‘ دریا میں اُترنے کے بعد پلٹ [illegible] دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی...... مجھے تھامنے اور چاہنے والے شاید بیرونِ صحرا و دریا نہیں‘

اندرونِ موج و سراب ہوتے ہیں۔

میں صحرا کے پیٹ میں رزق کی مانند اُترا ہُوا تھا...... گھوپے' گوٹھیں' ٹوبے' ٹیلے' ڈیرے' جھوکیں [illegible] جُوہیں' میرے ساتھ ساتھ...... آسمان کی سفاکیاں' زمین کی سنگینیاں اور آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے موسموں کی چالاکیاں بھی ہمرکاب...... پانی کی چھاگل' گڑ' چاول اور کالے تلوں کے مُرنڈے' بُھنے چنے اور جو کے ستو بھی تھیلے میں موجود تھے...... میرا طریق کہ دورانِ سفر کسی سے کوئی مدد نہیں لیتا۔ آرام' قیام اور طعام [illegible] حاجتوں کے لئے میں حتی الوسع کسی کا مرہونِ منت نہیں ہوتا۔ اُونٹوں' ریوڑوں' قافلوں والے اکیلے دُکیلے مسافر کی بڑی مدد کرتے ہیں...... بیماری لاچاری میں دوا دارو' سواری' خوراک پانی سب کچھ مہیا کرتے ہیں۔ پیدل چلنا' صعوبتیں' سختیاں' بھوک پیاس برداشت کرنا اور ان سے لطف کشید کرنا ہی سیاحت و صحرانوردی کا اصل مزہ ہے...... ویسے سیاحت' صحرانوردی' بادیہ پیمائی' آوارہ گردی اور جہاں گشتی میں صرف ایک قدر مشترک ہے کہ گھر سے باہر پاؤں حرکت میں رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سب مختلف معنی رکھتی ہیں [illegible] درویش کے لئے یہ سب ایک معنی...... سیاح کی جستجو' سیلانی کی تحقیق' محقق کی باریک بینی اور آوارہ گردی [illegible] وغیرہ...... یہ [illegible] باہر کے طلب [illegible] کر اس کی سیاحت تشکیل [illegible] ہیں...... کبھی کوئی قدم بے طلب منزل سے بھی آگے نکل جاتا ہے اور کبھی کئی منزلوں پہ محیط سفر بھی اگلے قدم کا محتاج ہوتا ہے کہ [illegible] راہ و منزل اور وقت کا پابند و محتاج نہیں...... جس سفر میں سنگِ میلوں پہ نظر ہو اور [illegible] پہ دھیان ہو وہ تو کبھی نہ کبھی طے ہو ہی جاتا ہے اور جو کبھی نہ کبھی طے ہو جائے وہ سفر نہیں انگریزی کا "سفر" جو ختم ہوتا ہے۔

کئی سنہری صبحوں اور کُندنی دوپہروں' خُونچکاں شاموں اور عُود کی مانند دھیمے دھیمے سُلگتی راتوں کے بعد میں ایک روزہ دار کی طرح...... جو عین وقتِ افطار اپنے گھر پہنچ پایا ہو۔ عمرکوٹ اور چھور' چوٹرو سے آگے بڑھتے ہوئے کھوکھرو پار تک پہنچا تھا وہاں سے ٹھمراں' اللہ رکھے جو پار' جو گوٹھا' بھالو پہلو' عثمان کی [illegible] جودھ پور کے نواح میں ایک اُجاڑ سی گوٹھ کی راہ پہ آ لگا تھا...... آس پاس پھوک' پیلو اور کرینے کے جھاڑ تھے...... صحرائی تھے اور جوار کے کٹے ہوئے مُنجے ماڑے کٹے پھٹے باڑوں کھلیانوں میں پڑے سوکھ رہے تھے ریتیلے راہ راستوں پہ خوکوں کی گوبریاں کُھرے دیکھ کر میرے شُبے کی تصدیق ہو گئی کہ ادھر [illegible] نوحڑیوں کے ڈیرے ہیں۔ طبیعت میں ہلکی سی کراہت کا گزر رہا...... خوک یعنی صحرائی سُور' جنگلی سُور سے مختلف ہوتا ہے...... قیس چُوہی کی طرح اس کی تھوتھنی لمبوتری' کان چھوٹے "جُثہ" شکاری کتیا کی مانند [illegible]

سُم بجنت دھانسی ہوئی اور دُم دابے کے بان کی طرح بٹی ہوئی ہوتی ہے...... یہ بھی عام خنزیروں کی طرح کھا جاتا ہے جو سامنے ہو اور اس پہ مُنہ رکھا جا سکے...... خشک سالی کے دنوں میں یہ کھوؤں، بلوں اور [illegible] پہ تھوتھنی رکھ کر مار خوروں کی مانند سانس کھینچ کر، کرلے، چیونٹے، چھپکلیاں، ٹڈیاں، سانپ تک کھا جاتا ہے۔ اس کی گھوبریاں انتہائی غلیظ بدبودار ہوتی ہیں۔ جہاں پہ پڑی ہوں وہاں سے حشرات الارض تک بھاگ جاتے ہیں۔

صحراؤں کے باسی کبھی ایک جگہ مستقل نہیں ٹھہرتے۔ یہ موسموں، پانی اور مویشیوں کے چارے کے مطابق اپنے سفر اور سکونتیں بدلتے رہتے ہیں۔ صحراؤں میں شہروں، قصبوں کے نزدیک جو لوگ بستے ہیں وہ [illegible] گھوٹوں، قبیلوں میں رہتے ہیں۔ یہ بھی چند کچے گھوپوں اور جھونپڑیوں پہ مشتمل کوئی ایسی ہی گوٹھ تھی کہ [illegible] راہ پہ مَیں پہلی بار پڑا تھا۔ یہاں سے غیر ارادتاً پانی کی تلاش میں مَیں ایک ایسے راستے پہ تھا جدھر [illegible] کچے چند جھونپڑے کھڑے تھے۔ نزدیک و دُور چند مریل سے چوپائے بھی دکھائی دیے مگر ہنوز [illegible] نظر نہ آیا تھا۔ مزید آگے بڑھا تو سیدھے ہاتھ، راہ سے ہٹ کر ایک خستہ حال سا جھونپڑا دکھائی دیا جو [illegible] بڑھیا کے پوپلے مُنہ کی مانند کھلا ہوا تھا جو دانتوں سے بے نیاز ہو۔ جہاں دانت نہ ہوں وہاں آنتوں [illegible] جھونپڑے [illegible] میں دوسری جانب ایک بوڑھی سی عورت، کانا سا گھونگھٹ کاڑھے یوں پڑی تھی جیسے مُرداروں کی [illegible] کرنے والے کسی چوہڑے چنگڑ نے اپنا بدبودار بورا ''ہوا پھیری'' کے لیے اُدھر ڈال رکھا ہو...... [illegible] سیاہ کھال منڈھے استخوانی ہاتھ کی اُنگلیوں سے اپنی دریدہ اوڑھنی کھینچ کے اپنے دُھواں راکھ [illegible] چہرے کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ یقیناً وہ سن و سال میں بھی مجھ سے کافی آگے دکھائی دیتی [illegible] نہ بھی ہوتی تب بھی مجھ ایسے بے ضرر ٹیکڑے سے اُسے کچھ ضرر نہ تھا...... پتھر میں جیسے جونک سی [illegible] مجھے سامنے جھونپڑی کی پٹی کے پاس بیٹھے دیکھ کر وہ کسمسانے سی لگی تھی۔

صحرائی عورتوں میں تین چیزیں بڑی کاری ہوتی ہیں...... آنکھیں، ہونٹ اور رنگت...... آنکھوں میں [illegible] چبھن اور تجسس ہوتا ہے جو مادہ شکرے کی آنکھوں کا خاصا ہے...... ہونٹوں میں بیک وقت زہر [illegible] تریاق بھی اور انہی ہونٹوں کے کناروں کی نیلاہٹ، اُبھاروں پہ گلگلوں گلاہٹ...... ''زہر ہلاہل'' اور [illegible] مسیحائی'' ہی تو ہوتے ہیں...... رنگت میں وہ سَم سماں ہوتا ہے جو شام اور شب کے مابین فقط چند ساعتوں [illegible] کے لیے کر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس آفاق سے کی رنگت...... شاید انسان کی ناآسودگیوں، محرومیوں [illegible] کے نیم جلے، نیم بجھے الاؤ کے دبے دُھویں کے بُھوت کی طرح جھل مل ہوتی ہے...... نیشاپوری

قمریوں کی بغلوں کی خاکستری رُوئیں اور فلسطینی گُلدُم کے سینے کے فاختائی استر کے رنگوں کے ملاپ سے [illegible] کوئی تململایا ہوا تیکھا تیور رنگ تصوّر میں آتا ہے تو یہی یہاں کی مہلاؤں' ناریوں کا اصلی رنگ اَنگ ہوگا۔ [illegible] آپ سیاہ' سلونا' سونولا' گھناؤنا' نمکین یا گندمی' مُشکی' سُرمئی' شیامی کہہ ہی نہیں سکتے...... یا یوں کہ آپ ان سب مجسم بس رنگتوں کو ملا کر جو جوہر کشید کریں ہر چند اس میں کچھ صباحت و ملاحت کے چند قطرے ٹپکا دیں تو [illegible] حاصلِ عمل ہوگا تو وہ ان کی رنگت رسیا ہوگی...... بارے ان کی تیکھی آنکھوں کی کارنجی پُتلیوں کے گرد [illegible] چٹیائی ایسی سپید ہوتی ہے کہ اگر کوئی انجانا' بے دھیانے میں دیکھ لے تو چنگری کے پھول کی مانند [illegible] پڑے...... جس طرح سپیرا' سانپوں اور مچھیرا' مچھلیوں کے بیچ چوبند رہتا ہے یونہی نگر نگر کا نوبتی فقیرا بھی [illegible] مہلوں کی رُگیدوں' رگڑوں سے چوکنا رہتا ہے۔

وہ شاید زندگی اور حالات کے موسموں کی ماری ہوئی کوئی بوڑھی عورت تھی۔ بڑھاپے اور تنگ [illegible] اس کے اردگرد مکڑی کی طرح کا اک جال سا بُن رکھا تھا جس میں وہ نیم مُردہ [illegible] کی مانند بُری طرح [illegible] ہوئی دکھائی دے رہی تھی...... نادار' بے بس اور کمزور کے پاس کچھ اور ہو نہ ہو زبان میں زہر اور ڈنگ ہوں [illegible] ہی کاٹ ضرور ہوتی ہے...... یہی دو طاقتیں اسے زندہ [illegible] کی شکتی دیتی ہیں...... ہم [illegible] چپ باندھے اک [illegible] نے [illegible] ہے...... اس فطری زبان میں گفتگو کا ایک الگ ہی سواد ہوتا ہے۔ جب ہم دونوں کے درمیان ایک [illegible] سماں اسی ابہام و تفہیم میں بیت گیا تو میں اوب کر اٹھ کھڑا ہوا کہ آگے بڑھوں...... عورت ذات ہے [illegible] تیکی لینا شاید اسے اچھا نہ لگے...... نیچے پڑے اپنے سفری تھیلے کو اُٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ ایک [illegible] سے اُتری ہوئی مگر بھرپور آواز اُبھری۔

''دَم دُرست کر لے چھورے! پھر چلے جانا...... پیاس پڑی ہوگی' بیٹھو مٹھار پانی پی لو......''

مجھے اس کی آواز میں اک عجیب کھردراپن سا محسوس ہوا۔ میں اک محکوم کی مانند وہیں پہ بیٹھ [illegible] سے اُٹھا تھا...... دھیان دینے سے دیکھا کہ اس کے دائیں ہاتھ سُرخ گُت کپڑے سے ڈھکا ہوا ایک [illegible] مٹکا پڑا ہوا ہے جس کا اک تہائی حصّہ ریت میں گڑا ہوا ہے۔ اب جو اس نے کپڑا ہٹایا تو میری آنکھیں [illegible] سے اُبل پڑیں' مٹکے پہ اُردو اور ہندی میں لکھا تھا...... ''خواجہ کی جھجھری'' یعنی یہ عورت مسلمان [illegible] خواجہ غریب نواز سے عقیدت رکھنے والی ہے...... وہ ڈھکن اُٹھائے مٹی کے کلہڑ سے پانی نکال رہی تھی۔

میرے مُنہ سے غیر ارادی طور پہ نکل گیا۔

''میں مسلمان ہوں' کیا اس گوٹھ میں مسلمان بھی رہتے ہیں......؟''

وہ مجھے پانی کا کلہڑ پکڑاتے ہوئے بولی۔

”پہلے دھیرج سے جل پان کرو۔ پھر کوئی بات! میں تمہیں کچھ کھانے کو بھی دیتی ہوں۔

کلہڑ ہاتھ سے چھوتے ہی یوں لگا جیسے میں نے گلیشیر کے کسی ٹکڑے کو مَس کر لیا ہے...... پانی کے ایک ٹھنڈے گھونٹ نے میرے چودہ طبق جگر جگر کر دیے کہ مجھے حسبِ عادت گھونٹ لینے کے بعد الحمدللہ بھی کہنا یاد نہ رہا — حیرت سے میری آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں' ایسی لُو اور تپش...... نیچے اوپر سے آگ برساتا ہوا صحرا کہ پانی بھاپ بن کر غائب ہو جائے اور ایسے میں یہ چٹکارے کہ یخ بستہ شیریں پانی......!

میں اسی مخمصے میں پھنسا ہوا تھا کہ وہ مہربان بولی۔

”خواجہ کی جھجھری کا پانی چکھا ہے تو ہر گھونٹ پہ الحمدللہ بھی کہہ لو!“

یوں کہ میں غٹا غٹ سارا پانی چڑھا گیا...... اس نے دوبارہ میرا کلہڑ بھر دیا...... الحمدللہ الحمدللہ کہتا کہتا میں اسے بھی پی چکا تھا۔

جو اور باجرے کی موٹی خشک روٹی اور صحرائی کرگل کے اچار کی پھانک' اس نے میرے آگے دھر دی تھی۔

”یہ بھی کھاؤ......!“

میں [illegible] جیسے اپنے گھر آنگن میں باورچی خانے کے سامنے بیٹھا اپنی ماں جی کے ہاتھوں سے کھا رہا ہوں — کھانے کے دوران تیرا کلہڑ پانی کا بھی پیا۔ کانا گھونگھٹ کاڑے وہ اب اطمینان بھری نظروں سے مجھے تک رہی تھی...... باتوں کے دوران [illegible] میں چند بار الحمدللہ کہنے کے' ابھی تک [illegible] ہوئے تھا۔

دس بیس اُلٹے سیدھے جھونپڑوں کی گوٹھ...... وہی جو صحرا میں ہوتا ہے' تا حدِ نظر ریت ہی ریت' ٹیلے [illegible] — جھاڑ جھاڑیاں' وحشت و ویرانی...... اور سوائے چند مریل مویشیوں' کوئی ذی النفس بھی تو دکھائی نہیں دے رہا تھا...... کام کاج میں جُتے ہوں یا جھونپڑوں میں پڑے کہیں آرام کر رہے ہوں گے۔ صحرا میں اس سمے کوئی بیوقوف ہی ہو گا جو جی جان جلانے کے لیے باہر نکلے...... میں سوچنے لگا یہ نا آسودہ سی عورت کس چکر میں پھنسی یہاں پانی کا ناٹ دھرے پڑی ہے...... شاید پانی پلانے پہ کوئی دھیلا ٹکا وصول کرتی ہو...... لیکن یہ ایسی نہیں دِکھتی...... کوئی دوکاندار ہوتی تو مٹکے پہ خواجہ کی جھجھری کی بجائے ”ٹھنڈا میٹھا پانی ٹکے پیالہ“ لکھا ہوتا — اور بن مانگے روٹی اچار بھی نہ بڑھاتی...... آخری لقمہ مُنہ میں دھرتے ہوئے میں اُسے کچھ

دام دھیلا دینے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ نرم سی نمی سے کہنے لگی۔

’’تھکے ماندے مسافر کی بھوک پیاس اور آرام کا دھیان کرنا بہت بڑے پُن کی بات ہے...... چاہو تو کچھ سمے یہاں سائے میں کمر سیدھی کرلو...... میں تمہیں پنکھا جھلوں گی اور خواجہ پیا کا گاون بھی سناؤں گی......‘‘

میں نے بے سوچے سمجھے پوچھ لیا۔

’’اس کار کرم کا اُتار میں کیسے کر پاؤں گا......؟‘‘

وہ ہاتھ بڑھا کر لکڑی کا برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

’’ازمیر سرپھ پہنچو تو کھواجہ گریب نواج پیا کو ہمری دُعا سلام کہہ دینا، بس!‘‘

میں حیران ہوتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

’’تم نے کیسے جانا کہ میں نے اجمیر شریف جانِ جاناں کے پاس بھی جانا ہے؟‘‘

’’یہ بھی کوئی پوچھن کی بات ہے...... پُروا، پنچھی اور پردیسی کی بُو باس میں تفاوت ہے کہ وہ کس اور کو جاوے تمہارے تو انگ انگ سے ازمیر سرپھ کی خوسبو پھوٹت ہے......‘‘

[illegible] میٹھی میٹھی باتوں [illegible] میں تو [illegible] لگا۔

جب پیٹ میں جل جوبن کی بہار رُت چھا جائے اور تن کی موٹی موٹی بیلوں سے پرچھے [illegible] پھر منش کا سریر [illegible] آتما، کسی معصوم لاڈلے بالک کی مانند ہو جاتے ہیں، جو کھاتے کھیلتے یا اپنی دادو، نانو سے کہانیاں سنتے سنتے اکھڑیاں میچ کر تتلیوں جگنوؤں کے پیچھے نکل جاتے ہیں۔

کسی چیونٹی چیونٹے کے [illegible] کی داستانی تھی کہ میں کھٹ آنکھیں کھولتے ہوئے اپنا پہلو کھجلانے لگا۔ وہ بے دھیانی، چہرہ کھولے مجھے جھالر والا پنکھا جھل رہی تھی...... نگاہ دوسری جانب تھی اس لئے جان نہ پائی کہ میں بیدار ہو چکا ہوں۔ شام کے دُھندلے میں اس کے دُھواں دُھواں چہرے کو جو غور سے دیکھا تو حیرانگی سے میری آنکھیں پھٹنے کو آئیں...... اس کے چہرے پہ چھجی داڑھی تھی اور قدرے مونچھیں بھی...... یا خدا! یہ کون ہے؟ وہی ہے یا اس کی جگہ پہ کوئی اور آ کر براجمان ہو گیا ہے۔ اسی دوران میں نے سی ہچکی لیتے ہوئے پہلو پہ اُٹھنے کی جو کوشش کی تو وہ میری جانب متوجہ سی ہو گئی...... کھٹ سے اس نے اوڑھنی کی اوٹ پکڑ لی...... ناگاہ میرے منہ سے نکلا۔

’’آپ وہی ہیں جنہوں نے مجھے جل پان کروایا تھا......؟‘‘

وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

’’ہاں میں وہی ہوں، اب صرف تم نے میرا چہرہ دیکھ لیا ہے جو میں تمہیں دکھانا نہیں چاہتی تھی۔‘‘

اک کھٹاکے سے میرے دماغ کا قمقمہ روشن ہو گیا مجھ پہ واضح ہوا کہ یہ تو اُسی 'حورانِ خلد' کے قبیلے کا فرد ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ...... خواجہ قطب الاقطابؒ اور خواجہ غریب نوازؒ کے زائرین کو ٹھنڈا میٹھا پانی پلاتے ہیں' کسی دام درہم کی بجائے ان سے اپنے سہاگن ہونے کی دُعاؤں کے طلب گار ہوتے ہیں...... مگر یہ مخنث لوگ اوڑھنیاں تو ضرور اوڑھتے ہیں مگر بیاہتا بہو بیٹیوں کی مانند کا نا پردہ یا گھونگھٹ نہیں نکالتے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں راجستھان میں مخنثوں کو مونث کی ذیل میں شمار کیا جاتا ہو۔ ویسے دُنیا میں ہر جگہ ان کو مذکر کے کھاتے میں ہی رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے مردانہ ڈیل ڈول' آواز اور داڑھی مونچھ کی وجہ سے مَردوں کے [illegible] قریب ہوتے ہیں...... خواجگان کے یہ ساقی دُنیاوی علتوں سے بھی پاک صاف ہوتے ہیں...... گانا بجانا' [illegible] مگر ہیجڑوں والی بیہودگیاں بھی ان میں نہیں ہوتیں...... ہیجڑے اگر کسی چیز سے نفرت کرتے ہیں یا بیزار ہوتے ہیں تو وہ ان کی اپنی مردانہ پاٹ دار آواز اور چہرے' جسم کے موٹے موٹے کھردرے بال ہوتے ہیں۔

جس سے جان چھڑانے کی غرض سے وہ طرح طرح کے ٹوٹکے نسخے استعمال کرتے ہیں مگر وہ بڑھتا ہی جاتا ہے [illegible] کرتے ہیں...... نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آواز پہلے سے بھی زیادہ بھدی اور بال فولاد کی باریک برنجی کی طرح تیکھے ہو جاتے ہیں...... دُنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں لوگ [illegible] چہرے [illegible] سرجری کروا کر [illegible] بالوں سے نجات حاصل کر لیتے ہیں لیکن ہمارے ہاں ان لوگوں کو یہ وسائل اور سہولتیں میسّر کہاں...... اس عذاب مسلسل سے جان چھڑانے کی خاطر یہ دیسی ٹوٹکے' موچنی' تیزاب' موم [illegible] وغیرہ یا پھر کسی حجام کے خلیفے سے ادھاری گانٹھ لیتے ہیں جو صبح سویرے ان اُجاڑ چہروں کے کھیتوں سے تھوہر کی گانٹھیں نکالتے رہتے ہیں۔ اسی لئے [illegible] تاکہ جو اس کی گانٹھیں نکالے یا پھر قصائی سے جا کے ہر روز کپوڑے کھلائے۔ اس مجلس میں ایک قسم غریب' درویش طبع یا شکل و اوصاف سے [illegible] ہیجڑوں کھدروں کی بھی ہوتی ہے۔ انہیں ہم پینڈو کھسرے بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ بیچارے اکثر و بیشتر گلی [illegible] بستیوں میں گھر گھر دوائیاں مانگتے پھرتے ہیں...... آوارہ چھوکرے اور کتے انہیں بڑا دق کرتے [illegible] مگر یہ دریوزہ گر ہیجڑے ہوتے ہیں جو بے حد خرچ خرچا کے متحمل نہیں ہوتے۔ وہ خود ہی اپنی [illegible] حجامت کر لیتے ہیں اور کچھ ان سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں یعنی قوی قوت سے فارغ' کسی [illegible] بیماری میں مبتلا یا عمر رائیگاں کے ایسے مقام پہ جہاں سے ملکِ عدم کی منزل محض دوچار گام ہوتی ہے۔

[illegible] چہرے پہ داڑھی بڑھا کر تسبیح پکڑ لیتے ہیں۔ مزاروں' درباروں' قبرستانوں کے دروازوں پہ اوڑھنی اوڑھ [illegible] جاتے ہیں۔ اپنے پرانے آشناؤں سے پرہیز کرتے ہیں یا اپنی کوٹھڑی میں پڑے خشک کالے بیروں کی [illegible] رہتے ہیں کبھی باہر ضروری نکلنا بھی ہو تو یوں شکل چھپاتے رہتے ہیں جیسے کسی کے مقروض یا کسی

کے کانے ہوں۔

مگر بزرگوں کے نام کا پانی پلانے والے اور عبادت گزار ہیجڑے، علتوں اور علائقِ دُنیاوی سے پاک ہوتے ہیں...... یہ اپنا سلسلہ نسب، ان بزرگ مجرّدوں اور ہیجڑوں سے جوڑتے ہیں...... جو بغداد، دمشق، مصر، الجزائر، بیت المقدس اور حرمین شریف میں مزارات...... مقدس جگہوں کی نگہداشت اور صفائی ستھرائی پہ بطور خاص متعین ہوتے ہیں...... خاص طور پہ سعودیہ، حبش، یمن اور مصر کے ہیجڑے بڑے بڑے اعلیٰ اعزازات کے حامل ہوتے ہیں...... شاہی خاندانوں کے داخلی انتظامات و معاملات میں ان کے بڑے عمل دخل ہوتے ہیں...... پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور بنگلہ دیش کے علاوہ انہیں کہیں بھی کم توقیر نہیں سمجھا جاتا، نہ تو انہیں ایک تیسری جنس یا بیکار محض سمجھا جاتا ہے اور نہ ہی انہیں معاشرے میں بدکاری اور ذلت و نفرت کا تو بنا دیا جاتا ہے۔ بلکہ ان پہ خصوصی توجہ دی جاتی ہے...... ان پاکیزہ نیک سیرت اور عبادت گزار ہیجڑوں کو جنت کی چڑیاں بھی کہا جاتا ہے اور عندلیبان فردوس بھی...... پاکستان سے باہر مقامات مقدسہ پہ یہ لوگ مردانہ وضع قطع میں ہوتے ہیں...... سر پہ بھاری عمامے، جبے اور دستاریں، ہاتھ میں تسبیح...... کہیں تھوڑی پہ داڑھی کے چند ایک بال اور کہیں بال [illegible] سے خالی چہرے یعنی بعض کے ہاں بال اُگتے ہی نہیں...... یہ بڑے بڑے اہل علم فاضل دین و فقہا کے [illegible] ہوتے ہیں...... ادھر ہمارے ہاں پاکیزہ مسلک و مناظر کے ہیجڑے جو آٹے میں نمک کے برابر پائے جاتے ہیں وہ عورتوں کے لباس وضع قطع میں دکھائی دیتے ہیں...... گھنے پاتے اور ہار سنگھار بھی کرتے ہیں اور کہیں [illegible] صحرائی ہیجڑے کی مانند سادے مرادے بھی ہوتے ہیں۔

میں اب اس کی حقیقت جان چکا تھا...... ہیجڑا جیسے کیسے بھی ہو، میرے ہاں اس کے لئے احترام دوچند ہوتا ہے...... میں اپنی دانست میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ کے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں...... ان کی بددعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بہت عزت احترام اور محبت کرنے والے ہوتے ہیں...... ان میں منافقت، شرارت نہیں ہوتی...... وفا اور ادا ان میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوتی ہے...... باقی رہا سوال کہ یہ منحوس، بدکردار اور ذہن [illegible] ہوتے ہیں...... تو یہ انہی پہ کیا موقوف...... کیا ان کے علاوہ یہ برائیاں کجیاں دیگر لوگوں میں نہیں ہوتیں؟

''میاں...... مجھ سے پردہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... پلایا، کھلایا، سُلایا، ہوا دی، دعا دی اور خوشبو کا گاؤن سُنایا...... اب کیسا پردہ؟...... تمہارا تو اپنے اللہ سے بھی پردہ نہیں...... ایک مسافر بچے سے کیا پر گی۔''

اوڑھنی کے چُنٹ' انگلیوں کی چٹکی سے آزاد ہوئی تو وہ چہرے کے باوجود' بے چہرہ سی مجھے دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں ہی تو تھیں جن میں وہی سوزش' وہی تابش...... جو خود سے جدا لوگوں کی آنکھوں میں ہوتی ہے...... اس کا چہرہ' کیا بے چہرہ' چہرہ تھا یا کئی چہروں سے تحلیل و تجسیم کیا ہُوا کوئی انوکھا سا چہرہ تھا...... کتنی قسمیں' انسانوں کی کتنی قسمیں' کتنے دریا اور صحرا' کیسے کیسے موسم طوفان' جوار بھاٹے' مدّوجزر...... گرداب اور بھونچال...... کرب' محرومیاں' ناآسودگیاں...... کیا کچھ نہ تھا۔ میری آنکھوں نے چند بے کل سی ساعتوں میں کیا کیا روپ نہ دیکھے...... اس کا چہرہ جو ایک ایسے فلم کے فریم کی طرح تھا...... جس پہ فلم کے تمام کے تمام فریم ایک دوسرے پہ لیپ اوور کر دیئے ہوں...... ایسے گنجلک و گنجان' حیران و ویران سے چہرے سہاری میں نے دیکھ رکھے ہیں...... لگتا ہے کہ کائنات کا ہر ظاہر و اوجھل منظر' ہر ذی حس کے تخیّل کا تاثر...... جلال وجمال اور تغیر و تبدل کی ہر حقیقت...... ازل و ابد کا ہر واقعہ' سانحہ' قصہ کہانی سب کا نچوڑ دیتا' ان چہروں کی جھریوں' چھائیوں اور آنکھوں کی گہرائیوں میں چھپا دیا گیا ہو۔ جھریوں کے ٹیلوں ٹوبوں پہ اگر داڑھی' گھنے جنگلات بھی ہوں تو پُراسراریت اور کھوجن دوچند ہو جاتی ہے۔ دیکھو تو صحرا نیچے ہوتا ہے اور جنگل اوپر...... اور یہاں میں بیک وقت صحرا اور جنگل میں اُترا ہوا تھا...... سائنس کہتی ہے وقت کوئی چیز نہیں اور اُمّ الکتاب شاہد [illegible]...... تغیر [illegible] منظر [illegible] کیفیت میں وقت' واقعی سائنس بن جاتا ہوگا جبکہ اُمّ الکتاب پہ غور کرنے والوں کے لئے وقت...... تدبر و تفکر' تقاضا و تفاہیم سے تقریب ہے۔

[illegible] ہوئے وقت کی لمبی [illegible] جب ٹوٹی تو جھونپڑی کا سایہ کسی بھوت کی مانند کھنچ کر بہت پرے جھونپڑے تک دراز ہو چکا تھا' ایسے میں نگاہوں کی کتھا جب تمام ہوئی تو میں بکری کے میمنے کی مانند ممیاتے ہوئے بولا۔

''میّا! اجازت دو تو میں ٹھنڈے ٹھنڈے آگے بڑھ لوں...... میرے اندازے کے مطابق ٹھکریال کی موشی منڈی' ادھر سے کچھ زیادہ دُور نہیں...... وہاں میرا ایک جاننے والا ہے...... رات وہیں آرام کروں گا۔''

اس نے کچھ جواب دینے کی بجائے گندلے سے شیشے کی اک چھوٹی سی بوتل میں مجھے کچھ پانی ڈال کر دیا اور تاکید کرتے ہوئے کہا۔

''لو! اسے سنبھال کر رکھنا...... خواجہ کی جھجھری کا پانی ہے...... وہاں پہنچو تو میرا اسلام......''

میں نے فوراً اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں! ہاں مجھے یاد رہے گا......''
پانی کی بوتل احتیاط سے میں نے اپنے تھیلے میں ٹھونس لی تھی۔

دُنیا میں اکثر معرکے پانیوں کی وجہ سے بھی ہوئے اور اب تک دُنیا میں کچھ تنازعات کی اصل بنیاد ٹھنڈے میٹھے یا سرد و گرم پانی ہی ہیں۔ عربوں کی اکثر خوں ریزیاں' میٹھے پانیوں کے کنوؤں اور چشموں کے آس پاس ہوتی تھیں۔ پھر یہی پانی انسانیت اور مختلف مذاہب و ادیان' تہذیبوں و تمدنوں کے احیاء و ارتحال' تصریح و تقطیع میں کارفرما نظر آتا ہے تو کہیں تواریخ و اساطیر میں کلبلاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ زم زم ہو یا آبِ فرات' شعیب علیہ السلام والا کنواں ہو یا موسٰے علیہ السلام کا دریائے نیل...... بحیرہ مُردار کا عذاب یا حضرت نوح علیہ السلام کا سیلاب...... چاہ بابل ہے تو کہیں دریائے کابل ہے...... جھیل سیف الملوک یا نہرِ زبیدہ...... گنگا جل یا آبِ حضرت بل''...... پنجہ صاحب کے چشمے یا دیوار گریہ کے جھرنے...... قطرۂ نیساں یا ابرِ باراں...... عرقِ انفعال ہو یا سیلِ ملال ہو۔ آبِ حیات یا آبِ زُلال...... دُنیا کو پانی سے پیدا کیا گیا۔ [illegible] کے بعد پانی ہی وہ خاص عنصر ہے جو بقائے انسانی' حیوانی اور نباتات کے لئے ضروری ہے۔ جانداروں خاص طور پہ [illegible] کی فطری طلب ہوتی ہے...... مہمان کے رُوبرُو بن طلب بن پوچھے جو پیش کیا جاتا ہے وہ پانی ہی ہوتا ہے۔

- تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پہ......!

وہ بات جو خوشبو کی مانند پھیلتے پھیلتے آگے بڑھی' پانی ہی کی تھی کہ سفیداں بائی کے حکم پہ رام پیاری نے بیمار و بے کل کشمیرے سنگھ کی تسکین کی خاطر' اس کی ماتا جی کا دیا ہوا پنجہ صاحب اور دربار صاحب امرتسر کا خاص پوتر جل پینے کے لئے دیا مگر اُس نے ہاتھ کے ایک اُلٹے رپٹے سے شیشے کی صراحی نیچے گرادی...... پانی ضائع ہُوا سو ہُوا' قیمتی کرسٹل کی صراحی بھی کرچی کرچی ہوگئی...... یہ سفاکانہ منظر دیکھ کر سفیداں بائی سے [illegible] گیا...... وہ کشمیرے سنگھ جیسے پڑھے لکھے' روشن خیال اور حد سے زیادہ محبت کرنے والے شخص سے ایسی [illegible] ہوئی' اخلاق سے بعید اور سوقیانہ حرکت کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ چند ثانیے تو سکتے کی سی حالت میں رہی [illegible] زبانی کلامی اس سے اُلجھ پڑی۔ اسی تو تکار میں کشمیرے سنگھ نے ملازمہ رام پیاری اور سفیداں بائی کے [illegible] کے بارے نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہوئے پستول نکال لیا...... انہی جاں گسل لمحوں میں دوران کشمیرے سنگھ

[illegible] خفقان کا دورہ پڑا' سفیداں بائی سب کچھ فراموش کرتے ہوئے بے خودی ہو کر پانی لینے کی خاطر [illegible] مگر اسے اس حالت میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ نیچے غالیچے پہ ٹوٹی ہوئی صراحی کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ یہ نکلا کہ وہ پلنگ سے نیچے اُترتے ہی ایک ہولا دینے والی چیخ کے ساتھ دھب سے غالیچے پہ ڈھے [illegible] غالیچے پہ بظاہر نظر نہ آنے والے بکھرے شیشوں کے ٹکڑوں نے اُس کے پھول سے پاؤں چاٹ لیئے تھے۔ [illegible] کشمیرے سنگھ پلنگ پہ اور اِدھر سفیداں بائی نیچے غالیچے پہ پڑے دونوں لوٹنیاں کھا رہے تھے...... [illegible] جو بے اختیار ہو کر سفیداں بائی کی جانب بڑھی تو یہی کچھ ہوا کہ اس کے پاؤں بھی شیشوں کے ٹکڑوں سے [illegible] کر دیئے۔ اب یہاں بیچ کھیت...... یک شُد نہ دو شُد بلکہ سہ شُد تھے...... بلکہ یہاں تو چہار شُد کہیئے۔

ان تینوں سے بڑا 'شُدنا' کالے خان تو کمرے سے باہر چوگھٹ کی آڑ میں تلملایا ہوا کھڑا تھا۔ اس [illegible] کے مضبوط ہاتھ میں چھ انچ لمبا رام پوری کھلا چاقو کسی چاند ماری کے لیئے لرز رہا تھا۔ یہ بات تو اٹل تھی [illegible] کالے خان جس نے اپنی پوری کائنات' سفیداں بائی کی خاطر لٹا دی تھی' سب کچھ برداشت کر سکتا تھا مگر اس [illegible] طرح نیچے تلوے کٹوا کر فگار حالت میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ایسے لوگ جنہوں نے کسی کی خاطر اس طرح کی قربانیوں کے زہر اپنے اندر بھر رکھے ہوں وہ ایسے [illegible] سانپ [illegible] پریشانی نے سے منع [illegible] تھا۔ وہ بے چارہ درویش بننے کا شوقین اپنا من مار کر اپنی فطرت کے خلاف ایک ویرانے میں پڑ گیا۔ [illegible] باقی سب خیر سلا...... دنوں میں ہی وہ خطرناک سانپ سے صرف پانی [illegible] کانپ بن کر رہ گیا۔ [illegible] پھنکارنا تو دور کی بات وہ بے چارہ جھٹکنے سرسرانے سے بھی رہ گیا تھا...... بچے بالے اُسے گلے کا ہار [illegible] رہتے' شلوار میں آزار بند کی جگہ ڈالے پھرتے...... کوکلا شپاکی کھیلتے ہوئے ہنٹر بنا لیتے...... اس کے [illegible] کھیاں کھسیڑ کر اس کی دوشاخی زبان نکال کر دیکھتے کہ کس ستم ظریف نے کیسی قینچی سے اس طرح' اس [illegible] دوشاخہ کر دی وغیرہ وغیرہ۔ اس کی سدا کی کھلی آنکھوں پہ چپل کا پنا لپیٹ دیتے کہ گھڑی دو گھڑی [illegible] لے لے...... وہ ''نواں فقیر'' دانتوں تلے دم دبا کر زندگی کے دن اور فقیری کی راتیں پوری کر رہا تھا [illegible] دن مدرسہ میں کھیل کے وقفے کے دوران' بچے اس سے رسہ کشی میں مشغول تھے۔ کچھ سر کی سمت اور [illegible] کی طرف سے زور آزمائی کر رہے تھے۔ اس سے پیشتر کہ وہ ''نواں فقیر'' دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر دونوں [illegible] پارٹیوں کا مقدر بن جاتا۔

بچپن کے نیچے بڑھے ہوئے ناخن والا انگوٹھا دبائے رکھنے والا ایک لونڈا اپنے اگلے والے ساتھی سے [illegible] تھا۔

"آبے چھدّے! اس سالے کے سریے پہ اپنی انگلیاں ناخن گاڑ کر رکھیو...... اس میں بھی اس کے سُسرے گُرو کی مانند پھسلن بہت جیادہ ہے......"

بس! یہ سُن کر اس کا ناریل چٹخ گیا...... ساری فقیری تپسیا' دھیرج' پل بھر میں اُڑنچھو ہوگئی...... جیسے اس کی کایا پلٹ گئی ہو۔ پورے جسم میں بجلی سی کوند گئی...... اک انجانی سی شکتی عود آئی۔ دانتوں کی جڑوں میں بس کے غدود اچانک ٹیسیں مارنے لگے...... زبان کو لہرایا اور آناً فاناً پلٹا کھا کر رامو موٹے کے بڑھے ہوئے ناخن والے انگوٹھے کو جو چاٹا تو جھٹ پٹ ہی رنہ کشتی کی ہار جیت کا فیصلہ ہوگیا...... رامو موٹا منٹوں میں نیلا ہو کر پرلوک سدھار گیا...... یہ "نواں فقیر" شُشکارتا ہوا اپنے گُرو کے چرنوں میں پہنچا۔ بیس نواتے ہو کر کہنے لگا۔

"مہاراج! میرے سریے کی گنڈیریاں کاٹ کر چُوس لیتے تو اُف نہ کرتا...... مگر مَیں یہ نہیں برداشت کرسکتا کہ کوئی آپ کو بھی انگوٹھا دکھائے...... یہ رہی آپ کی دی ہوئی [illegible] فقیری"...... مَیں "پرانا سانپ [illegible] بھلا......" اور یہ کہتا ہوا وہ غار سے باہر رینگ گیا۔ "اب دیکھتا ہوں مجھ اور میرے گُرو کی گردن تلے بڑھے ہوئے گنڈیریے ناخن والا انگوٹھا کون سُسرا لگاتا ہے۔"

[illegible]...... [illegible] کا ایمان برداشت نہیں کرسکتے اور بہتا ہوا سرخ خون! انسان اگر بکرے مُرغے کا بھی دیکھ لے تو اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ چنگاریاں اُڑنے لگتی ہیں۔ سُرخ تر مرے سے تیرنے لگتے ہیں۔ رام پور کے پٹھان اور چھتّو دونوں بڑے بدمغزے ہوتے ہیں...... مرشد کے معشوق اور مونچھ کے معاملہ میں...... ذرا [illegible] مناکحت اور مونڈھ جھن میں موئے برابر بھی فرق آجائے اور رام پوریا پٹھان' کاٹ مار نہ کردے تو یہ رام پور کا پٹھان نہیں کوئی کانپور کا یکہ بان ہوگا جبکہ رام پوری چھتّو اپنے استرے سے کھل جائے اپنا پھل سیدھا کرلے تو پھر خون کا تلک لگائے بنا یہ چین نہیں پکڑتا۔ بادلِ نخواستہ کہیں یہ لہو سُوتے بغیر ہی نیفے کھیسے میں چلا گیا ہو تو جان لو کہ یہ چھتّو کسی چمار کے ہاتھ میں یا پھر اس کے پھل کا لوہا اپنے پچھلے جنم میں کسی موچی کے آگے کیل ٹھونکنے والا ٹھورا رہا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ جس کی جیب میں یہ دُشمنِ جاں رام پوری چھتّو ہوگا...... وہ جانِ تمنا ایک نہ ایک دن جیل ضرور جائے گا۔

کالے خان کے ہاں چھتّو تو کب کا اپنے استرے سے باہر نکلا پڑا تھا۔ پھل کا پھندر بھی پھیپھڑا اچھالنے پہ پھڑ پھڑا رہا تھا...... ظاہر تھا کہ اب یہ چھتّو' چقندری چولا چڑھائے بنا چین نہیں پکڑتا...... چھتّو کی انی [illegible] چُوتڑ کی چٹکی پہ چبھوتے ہوئے وہ چوکھٹ چھلانگ آیا۔

سفیداں بائی چھدے ہوئے لہولہان پاؤں لیئے یوں غالیچے پہ پڑی تھی جیسے مِتی شب ہاتھ پاؤں میں جمی رہی ہو...... اور اب کہیں مہندی چھٹائے چوکھا رنگ چڑھائے ہاتھ پاؤں پہ گلزار کھلائے بیٹھی ہو۔

کی پرندہ ہو یا کوئی پری پیکر' ان پہ عجب حُسن کھل اُٹھتا ہے۔ حُسنِ بیمار' حُسنِ سوگوار' حُسنِ بر سرِ پیکار...... توبہ توبہ! اللہ نہ کرے کسی کا ان سے کبھی پالا پڑے۔ ان کا ڈسا ہوا پانی تو کیا' دوجی سانس نہیں حار جاتا ہے۔ اصلاً عورت تو عورت ہی ہوتی ہے۔ بہن' بیٹی' بیوی جیسے رشتے تعلق تو ہماری اخلاقی' مذہبی اور تہذیبی ضرورتیں' پاسداریاں اور حد بندیاں ہیں...... تاکہ ہم متعین حدود اور تقاضوں رہتے ہوئے انسانی معاشرے میں مثبت طرزِ حیات میں فعال رہ سکیں اور اخلاقی' انسانی بگاڑ سے باایں ہمہ انسانی اور جذباتی معاملات میں کہیں کبھی ایسے مقامات بھی آتے ہیں کہ انسان رشتے پہچان کی چھب آرائیوں سے بہت پرے بیجان وانجان کے بے برگ و بار جنگل میں نکل جاتا ہے صرف جنگل کا قانون ہوتا ہے...... رشتوں کی پہچان چھل بل کی بُو باس...... کی مضبوط کی کاٹ' برق سی پھرت رفتار' [illegible] ...... جنگل کے [illegible] پوشیدہ ہوتی ضرورت' بھوک' آسائش' آزادی کی خاطر دوسرے کی جان لینا جائز ٹھہرا۔

کالے خان کمرے کے اندر پلنگ کی پائینتی کے پاس پہنچ کر رک گیا۔ اس کی خونبار متوحش اُبلی ہوئی سنگھ کو نشانہ بنائے ہوئے تھیں...... رام پیاری تو وہاں سے نکل چکی تھی جبکہ سفیداں بائی دائیں پہلو پڑی غالیچے پہ ڈھیر تھی' پاؤں کے علاوہ کچھ کرچیاں اس کے ہاتھ اور پہلو میں بھی گھسی ہوئی دوسری جانب ہونے کے باعث وہ کالے خان کو اندر آتے ہوئے دیکھ نہ سکی تھی...... اُٹھنے سے وہ خون تھا کہ چشموں کی مانند اُبل اُبل کر غالیچے میں جذب ہو رہا تھا۔ ناگاہ وہ اپنے ہی بوجھ پہ بائیں ب ہوئی تو اُدھر پڑی ایک اور بڑی سی کرچی اس کے کولہے میں پیوست ہو گئی...... اک کونج کی کرلاہٹ نے کالے خان کو دہلا کر رکھ دیا...... وہ ادھر متوجہ ہوا' سفیداں بائی آدھا زخرہ کٹی کسی غرغرا رہی تھی...... وہ دیوانہ وار اس کی جانب لپکا' اس لپک جھپک میں کئی کرچیاں اس کے نرم ہوئی اسے بھی زخمی کر گئیں لیکن یہاں ایسی گن سُن لینے کی ہوش کسے تھی۔ نیچے جھک کر زخمی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا اور پھول کی مانند اُٹھا کر پاس دیوان پہ ڈال دیا...... چھتو اس کے دیا تھا۔ اس حالت میں واپس پلنگ کے قریب پہنچا' یہاں کشمیرے سنگھ کی آنکھیں مُندھی ہوئی اور

سانسیں تنبورے پہ چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ کچھ دیر اُسے غضب ناک نگاہوں سے تولتا رہا پھر اچانک چھتو اُس کے ہاتھ میں سرک آیا...... اسی دوران سفیداں بائی کی التجا بھری آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"کالے خان! پیچھے ہٹ جا...... کوئی ایسی حرکت نہ کرنا کہ میں تمہیں کبھی معاف نہ کرسکوں......"

مگر کالے خان تو جیسے پتھر کے قالب میں ڈھل چکا تھا...... ٹوٹے شیشے اور کشمیرے کی باتوں ہاتھوں کی نوکیلی کرچیاں اس کے تلوے، دماغ اور کلیجے میں پیوست ہو چکی تھیں اور سفیداں بائی تھی اُسے پیچھے ہٹنے کا کہہ رہی تھی۔ اُٹھنے سرکنے سے معذور وہ منت سماجت ہی کرسکتی تھی۔ پھر بھی وہ کسی طرح اُٹھی، گرتی پڑتی کشمیرے سنگھ پہ آ گری...... غراتی ہوئی کالے خان سے گویا ہوئی۔

"میں کہتی ہوں کالے خاں! پیچھے ہٹ جا۔ کشمیرے میرا آخری پیار ہے اس سے پہلے بھی ایک بار سنتوک سنگھ نے مجھے اسی طرح دیوانہ وار جان سے چاہا تھا مگر وہ میرے سامنے، میری بانہوں میں اپنی کرپان سے مجھ پہ قربان ہو گیا...... کالے خان! سنتوک کی موت نے مجھے ڈھا کر رکھ دیا تھا...... میری گود میں اُس کا سر دھرا تھا...... اس کی وحشت بھری آنکھوں میں کیسی تلاش تھی وہ مجھ میں شاید مجھے ہی کھوج رہا تھا اسی کشمکش میں وہ بہت دور نکل گیا...... بہت دور! اور میں تمہاری ہو گئی...... ٹوٹ پھوٹ سی گئی مگر جب تو پڑتا ہے تمہارے دوبرہ [illegible] ملی ہوا یہ اچھا لگا اور میں اس کی خاطر اپنا سب کچھ تیاگ کر اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہ اس وقت بیمار ہے، بے حواس اور بے حد مشکل میں ہے۔ یقیناً اس نے ایسا چاہا نہیں ہوگا جو کچھ ہو چکا ہے اُسے بیمار سمجھ کے درگزر کرو۔"

یہ بھاشن بھلا اس پہ کیا اثر انداز ہوتا...... وہ تو پتھر کی سل بنا ہوا کشمیرے پہ خونخوار نظریں گاڑے تھا...... جب آنکھوں کے آگے خون رنگ چلمن پڑی ہو تو کانوں کے پردے دبیز اور گف ہو جاتے ہیں۔ بھلا بُرا تو سنائی ہی نہیں دیتا۔ ایک دم چھتو والے بازو میں تناؤ اور ہاتھ میں کساؤ بڑھ گیا...... کالے خان نے دائیں ہاتھ سے سفیداں بائی کو اوپر سے ہٹایا۔ "علی تیرے چاہنے والوں کی خیر" کا نعرہ اُچھالا اور چھتو کشمیرے سنگھ کے عین دل پہ میل دیا...... زنانہ اور مردانہ دو اندوہناک چیخیں آگے پیچھے بلند ہوئیں۔ تڑپن، کچھ پھڑکن...... کھینچ کھنچاؤ، پھر ایک شدید سا جھٹکا اور سکوت۔ ایک شاید بے حواس ہو چکی تھی اور دوسرا پران ہار چکا تھا۔ دستِ پناہ تک اُترا ہوا چھتو کھینچنے میں کالے خان کو ہلکا سا تردد کرنا پڑا...... اسی کی قمیض سے چھتو صاف کر کے بند کیا اور شلوکے میں رکھ لیا۔

بے سُدھ سی سفیداں بائی کے خوں چکاں پاؤں میں حنا کے تیور رنگ پہلے چھپے ہوئے تھے

[illegible] پہ بھی گرم گرم کشمیری خون کے گُل لالہ کھِل اُٹھے تھے...... وہ بڑے دھیرج سے اِس کے پاس [illegible] چہرے پہ ڈُور نجی کی خاک اَٹی پڑی تھی۔ اِس کی بکھری ہوئی کاکلوں کو سمیٹا پھر پاؤں گود میں رکھ [illegible] نکالنے میں وہ خود خُونو خُون ہو گیا...... کومل سے پاؤں بُری طرح چھدے ہوئے تھے......

[illegible] سُدھ بدھ لیتی ہوئی رام پیاری بھی پہنچ گئی...... غالیچہ' دیوان' مسہری' ہاتھ پاؤں' کپڑے لباس ہر جا [illegible] کھلے ہوئے تھے...... وہ ڈھیر ساری خوشبو برداشت نہ کرتے ہوئے دھب سے گری اور [illegible]۔ یک نہ شُد دو شُد...... مگر یہاں تو سہ شُد تک بات پہنچ گئی تھی...... مَرے ہوئے کو ٹھکانے لگانا [illegible] نہیں ہوتا جیسا بے ہوش کو سنبھالنا اوکھا ہوتا ہے...... سفیداں بائی کو ایک طرف کر کے وہ اُٹھا' [illegible] سے پانی کے دو گھونٹ پی کر بچا ہوا پانی لے آیا دو دو چار چار چھپاکے بے ہوش ہونے والوں کے [illegible]۔ سفیداں بائی نے دھیرے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ چند لمحے وہ خالی خالی نظروں سے اِسے [illegible] پھر جو نہی اس کے چہرے پہ پریشانی کی پرچھائیں اُبھری...... کالے خان نے اُس کے منہ پہ اپنا [illegible] خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

[illegible] نیچے سُروں کی سرکار! پریشان ہونے کی ضرورت ہے اور نہ ہی واویلا کرنے کی...... جو ہونا تھا وہ [illegible]...... تمہارے [illegible] خون کے بدلے میں گنگا کو خون سے بھر سکتا ہوں۔ اس نے تو ناتک جل اور گنگا جل کا بھی [illegible] نہیں وشیل کیا تم سے نیچوں جیسا سلوک کیا۔ بس! اُس کا یہی انت تھا۔

سفیداں بائی نے اپنے منہ سے اُس کا ہاتھ ہٹا کر کشمیرے سنگھ کی جانب دیکھا جو اِک عجیب بے بسی کی [illegible] تصویر بنا' نیم کھلی مُردہ آنکھوں سے اُس کی جانب ٹکٹکی باندھے پڑا تھا...... وہ اُسے حسرت بھری [illegible] سے تکتی رہی پھر نظریں ہٹائے جھکائے بنا کہنے لگی۔

[illegible] تم نے ٹھیک ہی کیا کالے خان! میری قسمت ہی ایسی ہے جو مجھے یا میں جسے چاہوں گی وہ ایسی [illegible] عبرت ناک موت سے دوچار ہوگا۔"

پھر اُدھر سے نگاہیں ہٹا کر چند لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکتی رہی۔ اچانک اس کی آنکھوں میں [illegible] ٹوٹ گیا وہ دھاڑیں مارتی ہوئی اس سے لپٹ گئی...... جب بھڑاس نکل گئی...... تو کمال متانت سے [illegible]

[illegible] تم بھی تو مجھے چاہتے ہو...... اس سے پہلے کہ تم پہ بھی کوئی آفت ٹوٹے فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ [illegible] بہت دُور...... جہاں کسی بے درد کا ہاتھ تم تک نہ پہنچ پائے......"

وہ اک پُر اسرار سی استہزائیہ ہنسی اُچھالتے ہوئے بولا۔

’’میری سُروں کی سرکار! جس نے مُنہ چھپا کر بھاگنا ہوتا ہے۔ اُس میں کسی کی چھاتی پہ بیٹھ کر دِل کے اُوپر چھتو سے چھید کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا...... ویسے اگر مَیں کہیں چلا بھی گیا تو تمہاری حفاظت کون کرے گا؟...... تم خدا کے بعد پھر کس پہ اعتماد بھروسہ کر سکو گی...... یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ رئیس زادے امیر لوگوں کی نظر میں اس بازار کے لوگوں کی کتنی عزت توقیر ہوتی ہے...... میری سرکار! مَیں تمہارا عاشق تمہارے سریر کا طلبگار نہیں۔ مَیں تو تمہاری کلا اور مدھ بھری سُروں کا پرستار ہوں۔ اور مَیں تمہارے پاس گزاری کے لئے نہیں آیا' جیون کا انت کرنے آیا ہوں...... اور یہ بھی تم اچھی طرح جانتی ہوں کہ مَیں اپنا پانی خود پیدا کرتا ہوں۔ تمہاری محنت کمائی کا ایک دھیلا بھی مجھ پہ حرام ٹھہرا ہے...... عورتوں' ماں' بہنوں بیٹیوں کی کمائی کھانے والے [illegible] خور بے ہوتے ہیں...... عورت کوٹھے پہ کمائی کرے اپنی کوٹھڑی یا فیکٹری اس کی کمائی مرد پہ [illegible] حرام ہے۔‘‘

وہ اتنے بڑے سانحے کو نظر انداز کیئے ہوئے اس کی باتوں پہ دھیان دیئے ہوئے تھی رہی تھی کہ آخر وہ اس کا خون ہے اور آج اس نے اس [illegible] کر دیا؟ وہ اس پہ بھی غور کر [illegible] تھی کہ اب ہوگا؟ پردیس [illegible] بڑے [illegible] معمولی [illegible]...... کالے نے محسوس کیا کہ وہ اس کی بات سُنی اَن سُنی کر رہی ہے۔ پوچھ بیٹھا۔

’’میری بات سُن بھی رہی ہو یا مَیں یونہی بکے جا رہا ہوں؟‘‘

’’تم تو یوں باتیں کر رہے ہو جیسے [illegible] ایک مقتول انسان نہیں ایک شکار کیا ہوا ہرن پڑا ہے اس کے کباب بنانے کے متعلق گفتگو کر رہے ہو۔‘‘

کالے خان نے کشمیرے کے مُردے کو نفرت سے دیکھ کر تھوکتے ہوئے جواب دیا۔

’’تم اسے انسان اور پھر ہرن جیسے معصوم جانور سے تشبیہ دے رہی ہو...... یہ تو میری نظر میں ایک جانور سے بھی زیادہ خبیث تھا۔ جو انسان اپنے حسب نسب' دولت و حشمت کے گھمنڈ پہ کسی غریب پہ ہاتھ اُٹھائے' اُسے نیچ کمین سمجھے وہ انسان کیونکر ہو سکتا ہے؟‘‘

’’چھوڑو ان باتوں کو' اب سوچو ہوگا کیا۔ پردیس کا معاملہ ہے۔ جان نہ پہچان اور......؟‘‘

کالے خان اپنے مضبوط قدموں پہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

’’تمہیں چِنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم ذرا کسی نہ کسی طرح اُسی ڈاکٹر کو بُلوا لو...... مَیں ذرا تھانے پولیس تک جا رہا ہوں۔‘‘

تھانے پولیس......؟" وہ چونکتے ہوئے بولی۔ "یعنی تم خود تھانے جا رہے ہو؟"

بس! یہی ایک آسان' باعزت اور محفوظ راستہ ہے...... جب کوئی آپ کو جان سے مارنے کی دھمکی نکال لے تو پھر جان بچانا فرض بن جاتا ہے...... چاہے اس کوشش میں دھمکی دینے والے کی جان تم اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو مت ادھر اُدھر کرنا...... باقی سب میں سنبھال لوں

مزید تسلی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

خان' آلۂ قتل سمیت تھانے حاضر ہو گیا...... اقبالی بیان' من و عن لکھوا دیا۔ سیدھا سا کیس تھا۔ علاج کرنے والے ڈاکٹر کی رپورٹ' بیان...... کشمیرے سنگھ کے ذاتی ملازم کا بیان...... سفیداں بائی کی چشم دید گواہیاں سب ہی کالے خان کے حق میں جاتے تھے...... کشمیرے سنگھ کا پستول...... اس پہ انگلیوں کے نشانات' بخار' نمونیہ کی وجہ سے دماغی حالت' کیفیت وغیرہ۔ اس کے تین سال بامشقت ٹھک گئے...... کالے خان' جیل اور سفیداں بائی' رام پیاری کو لیے واپس کوٹھا موجود تھا۔ اُستاد سازندے اور نوکر [illegible] حاضر باش ہو گئے

اونٹ' درویشی ڈاچی......!

کا اونٹ کیسی بھی کروٹ [illegible] کونسا بھی اعضاء دکھائے وہ ٹیڑھا ہوتا ہے...... اس پہ لاکھ آرام دہ محمل' سجا دیا ہو وہ رکھو راکب کی ہڈی پسلیاں' جوڑ جڑیں دُکھے تھی۔ طبیعت ہولنے اور پیٹ بولنے لگتا ہے۔ اونٹ پہ سفر' صحرا نوردی کا ہو یا میدان جنگل کا' سب ایک کی طرح کے ہوتے ہیں...... اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی؟...... اونٹ جب تلے نہ آئے وہ کسی کو اپنے سے اونچا' بڑا مانتا ہی نہیں۔ اونٹ' خیمہ اور اعرابی...... کینہ' شتر' شتر شتر' جہاز...... اونٹ کی مہار چوہیا کے ہاتھ۔ اونٹ سے گرا بچ جاتا ہے' گدھے سے لڑھکا ہے۔ بوڑھا اونٹ جھالر جھانجھر کا خرچ۔ ہلال عید' نخلستان اور اونٹوں کی قطار' اونٹ اور بچھو' علیہ وآلہ وسلم' ناقہ حضرت صالح علیہ السلام' ناقہ لیلیٰ...... سوئی کے ناکے میں سے اونٹ...... کے لٹکے ہونٹ۔ اونٹ کا ٹیڑھا موت اور چڈوں میں بھوت...... اونٹ کے لئے کھونٹا ۔ اسی قبیل کی بہت ضرب الامثال اور باتیں حکایتیں مشہور ہیں۔

اُونٹ عجیب بے ڈھنگا اور ملنگا سا جانور ہے۔ سخت جاں صابر و شاکر اور خدمت گزار بھی آئے تو بڑا ذلیل اور بے دَرد دُشمن بھی...... اُجڈ' اَن پڑھ اور لائی لگ قسم کا تو ہے ہی' بے ہُودہ اور بدذوق درجہ کا...... چلتا رہتا ہے یا پھر چرتا رہتا ہے۔ بڑے دبنگ قسم کے خرّاٹے توڑتا ہے جبکہ خوابوں میں اپنے شتر مستیاں یاد کر کے بلبلیاں بولتا رہتا ہے...... صحرائی ہُدہُد اور کن کھجورے اس کی جان کے جو کم بخت صحرائی کن کھجوروں کو انڈے دینے اور جینے کے لئے اس کے کانوں کے علاوہ کوئی اور محفوظ و دِکھائی ہی نہیں دیتی۔ خوبصورت کن کھجورن خوب جھالے بھر بھر انڈے دیتی ہے۔ زچگی و بچگی کے موسم کانوں کی مَیل پہ بھی بہار اُتری ہوتی ہے لہٰذا خوب خوب خراب' کانوں میں خلال کرتے رہتے ہیں صحرائی ہُدہُد اور پدّوں کے پرّے کے پرّے' پروازیں سمیٹ کر ایسے بیوقوں کے کانوں کے حوالے ہیں...... خوب کانٹی اور کھدائی ہوتی ہے۔ دانتوں کی دَرزیں جبڑے کا جبرالٹر...... ناک کے نکور پھٹی پھٹک آنکھوں کے کونوں سے بہتی ہوئی لذیذ آلائشوں پہ خوب آزمائشیں ہوتی ہیں۔ اُونٹ کثیر المقاصد اور حقیر المفاسد پنج پایہ ہے...... پانچویں درویش کی طرح اس کی گردن بھی دراصل پانچویں ہوتی ہے...... [illegible] اور عقلمند جانور [illegible] پسند نہیں کرتا...... [illegible] ہوتی لمبی گردن اُوپر جو ننگا بھلپوترا سا سر اور منہ ماتھا ہوتا ہے یہ صحرائی جہاز' اس سے وہی کام لیتا ہے جو ایئرپورٹ واچنگ ٹاور سے لیتے ہیں یعنی یہ اپنی حس شامہ سے کام لیتے ہوئے سرابوں کے دھوکے میں نہیں بلکہ پہلے کسی کنوئیں یا نخلستان کی بو پا کر اپنے مالک اور دیگر ساربانوں کو پانی کی خوشخبری سُنا دیتا ہے طرح یہ بادِ سموم کو بھی محسوس کر کے پیشگی خبردار کر دیتا ہے۔ طوفان اور جھکڑوں سے بچنے کی خاطر کسی اوٹ میں گردن ٹانگوں میں دبا کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ساربان بھی یہی طریقہ اختیار کر کے اپنی جان بچاتے ہیں کھانا پینا میسر نہ بھی ہو تو واحد خود کفیل جانور ہے جو پانی' گوشت' جلانے اور کھانے کا روغن' دُودھ' اُستخواں' پوست' ایندھن' اُون' کھاد وغیرہ کا اک وافر ذخیرہ ہمہ وقت اپنے پاس رکھتا ہے۔ عقل شعور وجہ سے اس کی بجائے دوسرے دوپائے ان نعمتوں سے کماحقہ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

انسانوں کی سواری' بار برداری' کھیتی باڑی' ہل' کولہو اور کنوئیں سے پانی کھینچنا' گنے پیلنا پہ جُتنا...... خیر یہ تو بیگار کے کار تھے مگر کچھ کار آمد ڈیوٹیاں بھی دیں اور خوب دیں...... عربوں اور بلوچوں نے عشق کیے...... اُن کی کامیابی یا ناکامی میں سانڈنیوں' ڈاچیوں کا بڑا اہم کردار رہا ہے...... یہ عاشق نائکاؤں کی وساطت سے تحصیلِ عشق' اپنی عاشقانہ ثقافت و وراثت کی توہین گردانتے تھے۔

[illegible] کا کام تاقاؤں سے لیتے تھے...... بس وہ رُباب یا نفیری ساتھ لیئے اس پہ بیٹھ جاتے یہ خود ہی سونگھتی [illegible] میں معشوق کے ٹھکانے پہ پہنچ جاتی۔ ان کو ملاقات کا موقعہ فراہم کرتے ہوئے آنکھیں موندھے جُگالی [illegible] بیٹھی رہتی...... جب وہ سیر ہو جاتے اور اُن کا موڈ کہیں سیر و تفریح کا بنتا تو یہ ان دونوں کو آگے پیچھے بٹھا [illegible] جھٹکے اور ٹھمکے لے لے مزید شاد کام کرتی۔

سانڈنی ہو یا موٹر سائیکل...... محبوب معشوق کو بٹھا کر سفر کرنے کا ایک الگ ہی سواد ہوتا ہے...... شُتر [illegible] یعنی شُتر بچے بھی ہوتے ہیں۔ ان پہ پیار تو آتا ہی ہے خُمار بھی آتا ہے کہ ہرنوں کے بچوں' گائے [illegible] کے وچھوں اور گدھوں کے گدھچوں کی مانند ان کی آنکھیں بھی بڑی پُرخمار اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ [illegible] بچوں کو دیکھ کر ترس بھی آتا ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے کیونکر اپنے پاؤں پہ کھڑے ہیں۔ ان کی ٹانگیں [illegible] کی اَن تراشی ہوئی لگتی ہیں...... جیسے کسی پینڈو بوڑھے ترکھان نے یونہی ٹیڑھی میڑھی ٹہنیاں کاٹ کر [illegible] ہوں۔ افسوس کہ انہیں ہرن کے بچوں یا بکری' بھیڑ کے میمنوں کی مانند گود [illegible] اُٹھایا' سینے سے نہیں [illegible] سکتے۔ اس طرح یہ غریب بے چارہ اپنی میّا کے پہاڑ تلے ہی مولا بن کر بچپن کے دن پورے [illegible] رہتا ہے۔

اُونٹ [illegible] بڑی قیمتی ہوتی [illegible] تیار کی جاتی ہیں۔ لیکن [illegible] بھی قیمتی [illegible] جو ہوتی ہے وہ اس کی نادر اور بے جوڑ جہازی سائز کی ہڈیاں ہوتی ہیں۔ جن سے بے شمار آرائشی [illegible] تیار کیا جاتا [illegible] چونکہ اس کی ہڈیاں بڑی بڑی' لمبی چوڑی مضبوط اور ٹھوس ہوتی ہیں...... ہلکی سی صفائی پالش [illegible] ہاتھی دانت کی مانند چمکنے دمکنے لگتی ہیں اس لئے اس سے کنگھیاں' مالا' [illegible] نگینے' گھنگھرو' ڈمرو' تاج [illegible] پاکستان' فیصل مسجد اور دیگر [illegible] شطرنج' بساطیں اور مُہرے...... تصویروں [illegible] عصاء' اور چُھری چاقوؤں کے دستے۔ گھریلو فرنیچر کے بیل بوٹوں میں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ [illegible] اُونٹ کی ہڈیاں' ہاتھی دانت کا نعم البدل ہیں...... لیکن شاید بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ دوا دارو کے طور [illegible] افادیت مسلّمہ ہے...... اس سے آگے بڑھیں تو یہ جادو' ٹونے' ٹوٹکے میں بھی ساحروں اور عاملوں کی [illegible] ضرورت ہوتی ہیں۔ اُلّو کا خون' چونچ' گوشت...... خارپُشت (سیہہ) کے کانٹے' خصیا گھوڑے کا کچا کھر' [illegible] کے پنجے' کوی کے انڈے...... کالے تِل' کالے ماش' کالی بلّی کا کلیجہ' کسی بھی جانور کا سالم دل' اُلٹا پیدا [illegible] بچے کے بال' ناخن' ناڑو' سورج گرہنی عورت کے حیض والا کپڑا...... خچر کا پیشاب...... گیدڑ کی گوبری...... [illegible] مرے بچے کا ناڑو...... شیر کی مونچھ کا بال...... امربیل کی تار...... سر کے بال' ناخن...... ناگ پھنی کی [illegible] بانجھ عورت کے چولہے کی بھوبھل...... نامرد کی جھانٹوں کے بال...... سیاہ کوڑی جس کے شکم میں مرا ہوا [illegible] مُردے کے کفن سے بچا ہوا کپڑا...... اسی طرح اُونٹ کی ہڈیاں' خاص طور پہ بائیں کوہے اور

پنڈلی کی ہڈی' کالے ایلم سے دفاع اور احیاء کے لئے اپنی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان ہڈیوں کی اہمیت مزید دو چند ہو جاتی ہے اگر وہ اُونٹ پاگل ہو کر مرے یا اُسے مار دیا جائے یا وہ جو مار سیاہ سے قضا لے۔

آپ نے دیکھا ہوگا جہاں کہیں اُونٹ ذبح ہوتا ہے وہاں اکثر لوگ گوشت کی بجائے ہڈیاں مانگتے دِکھائی دیتے ہیں۔ اب خدا کی حکمت و قدرت ملاحظہ فرمائیں کہ مادہ شتر بچے کی ہڈیاں بالکل [illegible] خاصیت و اہمیت کی حامل ہوتی ہیں...... جو کسی قسم کے جادو یا سفلی عمل میں تو کسی مقصد کی نہیں ہوتیں لیکن [illegible] ایک نوری چلّے کی تکمیل کے ابتدائی مرحلے میں بہت کام آتی ہیں۔ عامل حضرات اِن ہڈیوں کو حاصل کرنے کے لئے خاصی تگ و دو کرتے ہیں۔ اس چلّے کو چلّہء ریگتی یا چلّہء ریگ ماہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ریگ ماہی یعنی ریت کا کیڑا یا مچھلی...... چھوٹی چھپکلی کے بچے کی مانند ایک دُبلی پتلی سی مچھلی کی شکل کا ایک کیڑا ہوتا ہے۔ اُسے حقیقتاً مچھلی کہا جا سکتا ہے۔ ریت سی رنگت کی یہ مچھلی انتہائی پھرتیلی' چاک چوبند واضح اُبھری ہوئی گول گول آنکھوں والی ہوتی ہے...... سامنے بیٹھی ہوئی ہو تو دِکھائی نہیں دیتی...... اپنے منہ سے روپہلی رنگت کا ایک چمکیلا سا لعاب خارج کرتی رہتی ہے۔ بس یہی اس کی نشانی ہوتی ہے...... ریت پر کے چلنے سرکنے کا کوئی نشان ٹھہرا دکھائی نہیں دیتا۔ اس کی [illegible] ریت [illegible] چمکتے ابرق جیسے ذرات سے چلتا ہے۔ جہاں [illegible] ہوتے ہیں۔ یہاں پہ یہ [illegible] بے علم لوگ صحرائی چھپکلیوں' کرلوں اور سانڈے کے نومولود بچوں کو ریگ ماہی کہہ کر نا واقف ضرورتمندوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ اصل ریگ ماہی کی پہچان اور سوجھان کم ہی کسی کو ہوتی ہے اور پھر یہ ریگ ماہی جیسا انمول کیڑا ہر ریگ زار کے نصیب میں بھی نہیں ہوتا...... کہیں تو بالکل ہی نہیں ہوتا اور کہیں کہیں بہتات سے دکھائی دیتا ہے...... اور جدھر ہوگا وہاں صحراؤں کے سینے معدنیات سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ بالخصوص پارہ' جست نکل' ابرق وغیرہ...... یہاں اکثر پاڑے اور پلوے ہرن' شکرے' دُخل' مُمولے...... صحرائی سفید [illegible] جنگل بے ضرر سانپ' آ ی آ ک' آ ل' تربیہ جھاڑ اور زیرِ زمین محفوظ میٹھے پانی کے ٹوبے بھی ہو سکتے ہیں اس کے منہ سے بُلبلوں کی صورت خارج ہونے والے ابرقی مادے سے ایک مسحور کُن خوشبو اور ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے۔

ماہی' آب کے لئے جہاں اللہ تعالیٰ نے وسیع و عریض سمندر' اتھلا گہرا پانی پیدا فرمایا وہیں اس کے لئے لق و دق تھل اور ریت ٹیلوں کا اک جہان تخلیق کر دیا۔ یہ یہاں اسی طرح رہتی اور تیرتی ہے جیسے جل میں تیرتی اور رہتی ہے۔ چلّہء معکوس' چلّہء گم گاف' چلّہء آبِ رواں' چلّہء کوہ قاف' چلّہء [illegible] چلّہء چولا ور' چلّہء چاک تن' چلّہء الف' چلّہء زباط' چلّہء چاہ یا چلّہء موتی کی مانند چلّہء ریگتی کے لئے اک

[illegible] اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ یہ سب چلے ریاضتیں' اک خاص اہتمام و انتظام اور مقام کے متقاضی ہوتے ہیں' [illegible] لئے ایک دو معتمدِ خاص قسم کے معاونین کی بھی ضرورت پڑتی ہے جو بشری علتوں سے پاک' متقی پرہیزگار [illegible] مضبوط دل و گردے کے مالک ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس ریگی چلے کے لئے ایک تھل جس میں ریگ ماہی [illegible] کثرت ہوں اُن پہ بہار کے دن ہوں یعنی انڈے دینے سینے کا موسم...... کہیں قریب و جوار میں گوٹھیں ٹوبے [illegible] بھی موجود ہوں...... جوتھ جھاڑیاں اُچھل پات ہوں گے تو اونٹ اور اونٹوں کے بچے بھی بغبغا رہے ہوں [illegible] قبیلے' ساربان ڈھکو ڈھامڑے بھی ہوں گے۔ یہ سب ہوں گے تو پھر اُمید کی جا سکتی ہے کہ کہیں سے شتر یا شتر بچے کے ہڈہڈے آپ کو باتبادلِ زر دستیاب ہو جائیں۔

فورٹ عباس کے مضاف میں ریگستانی علاقے کے لمبے چپے کوس اندر سرکیوں سرکنڈوں' جھاڑ جھنکاڑ [illegible] بنے ہوئے چند گھوپوں پہ مشتمل ایک آبادی تھی...... یہاں تھلوں صحراؤں کی آبادی بھی اکثر موسموں' [illegible] اور پانی کے رحم و کرم پہ ہوتی ہے...... پچھلے برس جہاں آبادی تھی اگلے برس وہاں ٹیلے بے نظر آئیں [illegible] ان خانہ بدوشوں کے لئے پورا روہی ہی جھونپڑا ہوتا ہے۔ نیچے ریت کا فرش اور بے [illegible] آسمان کا چھت' [illegible] موسموں کی دیواریں...... جھکڑوں' طوفانوں' [illegible] کی کڑکیاں' [illegible] بھوک پیاس اور [illegible] میں ڈوبتے [illegible] اپنی حیات کے دن پورے کر لیتے ہیں۔ پھر انہی تھلوں کی اتھاہ وسعتوں میں وہ بھی ایک دن ذروں [illegible] میں تبدیل ہو کر رزقِ ریگ بن جاتے ہیں...... شاید انہی ذروں سے پھر ریگ ماہیاں جنم لیتی ہیں...... ان کے [illegible] جھاگ بن کر نکلنے والا زرد لعاب جو خشک ہو کر ابرق کی افشاں کی مانند ادھر اُدھر بکھرا ہوا بھی کبھی [illegible] دیتا ہے شاید انہی "بندگانِ صحرائی" کے خون پسینے کے کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔

گھروٹ گوٹھ سے چند فرلانگ شمال کی اور صحرائی رینجر کی ایک چوکی تھی جہاں نیم پختہ دفتر اور رہائشی [illegible] بنے ہوئے تھے۔ صاف پینے کے پانی کی زیرِ زمین پختہ ٹنکی...... بجلی پیدا کرنے کے لئے ڈیزل کا [illegible] اسلحہ خانہ' حوالات' شتر خانہ اور پیغام رسانی کا انتظام بھی تھا...... فورٹ عباس سے بہت آگے تک [illegible] یک رویہ سڑک تھی پھر آگے وہی ٹیڑھے میڑھے بنتے مٹتے راستے' پگڈنڈیاں کہ ابھی ہیں' تھے اور نہیں [illegible] یہاں ان کے پاس چند سرکاری شتر تھے جن میں کچھ جوان ڈاچیاں بھی تھیں...... ظاہر ہے جہاں کوئی [illegible] ہوگا وہاں جان اور جوانی بھی ہوگی۔ محبت و نفرت کی کوئی کہانی بھی ہوگی...... بچے من کے سچے بھی ہوں [illegible] رینجر پوسٹ پہ میرا ایک بلوچ بچہ ایک چھوٹے افسر کی حیثیت سے تعینات تھا...... وہ گاہے ماہے [illegible] ملتا بھی رہتا اور اکثر مجھے فورٹ عباس آنے کی دعوت دیتا رہتا تھا...... وہ مجھے اپنا علاقہ' تھل' اپنی

رینجر پوسٹ اور وہاں کی تاریخی اور رُوحانی اہمیت کی یادگاریں دِکھانا چاہتا تھا۔ اس کی یہ خواہش بھی تھی کہ مجھے اپنے والدین اور دوست احباب سے بھی ملوائے۔ میں اُسے اپنی عدیم الفرصتی اور خرابیٔ صحت کے بہانوں سے ٹالتا رہتا تھا۔ ایک دن اچانک مجھے اس کا پیغام ملا۔

''اگر طبیعت گوارہ کرے تو چند روز کے لئے آ جائیں...... موسم معتدل ہے۔ آوارہ بادلوں کے ٹکڑے تھل پہ سایہ فگن رہتے ہیں۔ گھاس جھاڑ، سبز پتوں بوٹیوں نے جھانکا جھانکی شروع کر دی ہوئی ہے۔ تلور، سیہوں، چکاروں اور ریگ ماہیوں نے پُھدکا پُھدکی لگائی ہوئی ہے اور سب سے بڑی خوشخبری کہ ہمارے قریب ہی گوٹھ میں ایک ڈاچی نے آپ کی طلب ضرورت کے مطابق ایک کالے شا کالے شتر بچے کو جنم دیا ہے اور اس کی آنکھیں بھی کرنجی اور شہابی ہیں۔''

یہ پیغام دفتری کاغذ پہ نقل کی صورت مجھ تک پہنچا تھا...... پیغام پڑھتے ہی مجھے ایک روز قبل دیکھا ہوا ایک خواب یاد آ گیا۔ دیکھا کہ میں کچھ سامان اُٹھائے دُور دراز صحرا میں بھٹک رہا ہوں...... بھوک پیاس سے میرا بُرا حال ہے۔ اس سے پیشتر میں سر پہ کھڑے سورج کی تیز تمازت سے جل بھن کر بھسم ہو جاؤں یا نقاہت سے کہیں ڈھے کر رزقِ ریگ بن جاؤں۔ مجھے اپنے سامنے ایک کالا شیاہ کالا شتر بچہ [illegible] اپنی کمزور لرزتی ہوئی ٹانگوں پہ [illegible] خالی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ پھر اچانک وہ لڑکھڑاتی ٹانگوں پہ اک جانب ہو لیتا ہے...... ابھی چند ٹوٹے پھوٹے قدم ہی چلا ہوگا کہ یکدم ٹھٹھر کر رُک جاتا ہے اور مُڑ کر میری جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگتا ہے۔ یوں لگا جیسے وہ مجھے اپنے پیچھے پیچھے آنے کا کہہ رہا ہو۔ میں بنا کچھ سوچے سمجھے اس کے پیچھے لگ جاتا ہوں۔ کچھ دُور سامنے ایک ریتلا ٹیلہ سا دکھائی دیتا ہے، وہاں پہنچ کر وہ رُک جاتا ہے...... مُڑ کر پھر میری جانب دیکھتا ہے۔ مجھے متوجہ پا کر اپنے اگلے کُھر پاؤں سے ریت ہٹاتا ہے۔ پاس پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ نیچے ایک چھوٹا سا گڑھا بنا ہوا ہے جس کے اندر سے ٹھنڈی ہوا باہر نکل رہی ہے...... میں آؤ دیکھتا ہوں نہ تاؤ۔ اک زقند لگا کر اندر گُھس جاتا ہوں۔

میرے اندر داخل ہوتے ہی اُوپر راستہ بند ہو جاتا ہے...... گھپ اندھیرا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا...... باہر نکلنے کا راستہ مسدود اور اندر سخت اندھیرا...... میں گھبرا جاتا ہوں، اچانک جیسے بہت سے جگنوں سے پھوٹ پڑے ہوں۔ کچھ ہی دیر میں وہاں ایسی جگ مگ ہو گئی کہ مجھے اندر کا اک ایک ذرہ روشن کی مانند دمکتا ہوا دکھائی دینے لگا...... میں حیران ہو رہا ہوں کہ اس بند قبر یا کمرے میں ایسی دل آ ٹھنڈی میٹھی روشنی کہاں سے آ گئی؟ اب جو ذرا غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ لاتعداد ننھی ننھی ریگ ما ریت کی دیوار سے پُھوٹ رہی ہیں...... اُن کے آر پار دکھائی دیتے جسم سے مدھم سی روشنی...... بالکل ایک

[illegible] شخص سے پھوٹتی ہے، پوری قبر کو بقعہ نور بنا دیا ہے...... میں اپنا دستی تکیہ، سر تلے رکھ کر نیم دراز سا ہو جاتا ہوں۔ ایسے میں مجھے پیاس کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ مگر یہاں پانی کہاں؟ میں صبر شکر، اللہ توکلی کر کے [illegible] اوندھے پڑ جاتا ہوں۔ کب آنکھ لگی یہ تو جاپ نہ پڑا مگر کیسے آنکھ اچٹکی یہ خوب یاد رہا...... ہاتھ ہتھیلی [illegible] کہ برف میں دبے رہے ہوں...... تھکاوٹ، بے ہمتی ایسی در آئی ہوئی تھی کہ شاید لمبی تان کے سویا پڑا [illegible] مگر ہاتھ کلائی کے سُن پڑنے سے پورے بازو پہ چیونٹیوں کی سی چپ چپٹ نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا...... دیکھا کہ [illegible] نیچے دھرے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی پہ ریگ ماہیوں کی قطار لگی پڑی ہے...... ایک ایک آتی ہے، منہ سے دو [illegible] سے ہتھیلی کے پیالے میں ڈال کر چلی جاتی ہے۔ جھیل سیف الملوک کی مانند میری ہتھیلی پہ لیسدار، [illegible] جمع ہو چکا ہے...... جیسی کسی نے اناس کے ذائقہ، خوشبو والی تھلتھلاتی ہوئی جیلی رکھ دی ہو...... میں [illegible] سے دیکھتا ہوا اٹھ بیٹھتا ہوں...... اناس کی بھینی بھینی خوشبو نے مجھے سرشار سا کر کے رکھ دیا ہے۔ فرحت [illegible] کے غلبے میں میں نے یخ بستہ ہاتھ اپنے چہرے کے قریب لا کر مزید سونگھنا چاہا مگر ہونٹوں نے شاید [illegible] یوں لگا جیسے جیلی اور ہونٹوں کے مابین کوئی مقناطیسی کشش تھی کہ میں ٹھنڈی میٹھی جیلی چوس [illegible]...... زبان کا شور اور حلق کے تصور، خنکی اور حلاوت [illegible] گئے [illegible] کے ساتھ [illegible] باقی رہنے [illegible] لگا کہ یہاں پہ اوقات تو آخری [illegible] تک بسر کیے جا سکتے ہیں۔

’’بول میری مچھلی کتنا پانی......؟‘‘ زندگی بھی عجب سی بوالعجبیوں، نیرنگیوں کا نام ہے...... ذکریا خان [illegible] اور پرتھوی راج کپور، دونوں پشاور کے پٹھان! دونوں ہی گن گرج والے اداکار تھے مگر دونوں سے ہی [illegible] کچھ زیادہ ہو جاتی تھی، سہراب مودی کی مانند پرتھوی راج بھی اور کہیں بھی تھیٹریکل انداز سے باہر نہ نکل سکے۔ جبکہ اس کے بڑے بیٹے راج کپور میں پٹھانیت بالکل نہیں تھی بلکہ اس کے برعکس جہاں اس کی ذات میں نرگسیت تھی وہاں اس کی اداکاری میں بھی نرگسیت تھی...... لیکن اس کے باوجود وہ فلم انڈسٹری کا سب سے بڑا شومین تھا۔ اس نے فلموں اور عشق کے حوالے سے بڑے بڑے معرکے سر کیے...... یہ کہا کرتا تھا کہ کامیڈی بڑا مشکل اظہار فن ہے...... وہ سچویشنل کامیڈی پہ یقین رکھتا تھا۔ اس ضمن میں چارلی چپلن سے متاثر تھا۔ چنانچہ چارلی کی طرح اس نے بہت سا کام چارلی چپلن کے انداز میں ہی کیا اور سراہا بھی گیا...... آگ، برسات، [illegible] بوٹ پالش، جاگتے رہو، اناڑی، جس دیش میں گنگا بہتی ہے، سنگم وغیرہ کے معرکے سر کرتا ہوا وہ اپنی زندگی [illegible] کام (باکس آفس کے لحاظ سے) فلم ’’میرا نام جوکر‘‘ کے شاندار اور مہنگے ترین منصوبے پہ کام کر رہا تھا۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ فلم میکنگ کے سلسلے میں یہ شخص بالکل پاگل تھا...... وہ دیوانوں کی طرح کام

میں جٹا رہتا...... وہ فلم کے ہر شعبے میں دخیل تھا...... کاسٹیوم، سیٹوں کی ڈیزائننگ، کہانی مکالمے، میوزک، کیمرہ، ایڈیٹنگ، پروسیسنگ، مکسنگ، حتیٰ کہ وہ خود اداکاروں کا میک اپ کرنے بیٹھ جاتا تھا...... شوٹنگ کے دوران وہ بیوی بچوں سے الگ تھلگ...... آر کے سٹوڈیو میں پڑا رہتا۔ یہاں ایک کونے میں اس کا ایک ''مشہور فلم انڈسٹری'' کاٹیج تھا جس کے بغلی گیراج میں اس کی اوپن امپالا کار کھڑی رہتی...... یہ وہی کار تھی جو سپرہٹ فلم ''برسات'' میں کشمیر کے سفر کے دوران کی شوٹنگ میں استعمال ہوئی تھی...... اس فلم کی ایک اور خوبصورت یادگار چیز بھی کاٹیج کے اندر بڑی احتیاط سے محفوظ تھی، وہ ایک خوبصورت سا وائلن تھا جسے اس نے ''برسات'' میں چھیڑ کر نرگس کو لبھایا تھا...... بعد میں یہی وائلن اس کی فلموں کا ٹریڈ مارک بن گیا...... یہ کاٹیج اس کا گھر، مندر، ورکشاپ، آشرم، مشاورت کی جگہ اور پریشانی کے دنوں میں ایک پناہ گاہ بھی تھی۔ اداکارہ نرگس کے عشق میں ہجر و وصال کے زمانے بھی اسی کاٹیج میں بسر ہوئے...... جوانی کی ترنگوں امنگوں کی بہار سے لے کر بڑھاپے کی بیماریوں، ناکامیوں اور آزردگیوں کے پت جھڑ بھی اسی کنج آشیاں میں کٹے۔ ویسے ہر شخص نے کسی نہ کسی انداز میں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی اپنے لئے گوشہ عافیت سنبھال رکھا ہوتا ہے۔ وہ میخانہ ہو یا ویرانہ...... کسی معشوق کا کاشانہ ہو یا کسی بابے کا آستانہ...... کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔

مجھے ایک مرتبہ راج کپور سے اسی کاٹیج میں ملنے کا اتفاق ہوا...... ان دنوں یہ کسی بوجھ کو جان پہ دھرے دن رات مدہوش پڑا رہتا تھا۔ کام کاج، ملنا جلنا موقوف اور آر کے سٹوڈیو بھائیں بھائیں کر رہا تھا...... روٹین کے مطابق دفتر دروازے کھلے تھے مگر سٹاف ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیکار بیٹھا تھا۔ یہاں کسی میں ایسی جرأت نہ تھی کہ صاحب سے کچھ کہے یا کوئی مشورہ دے...... آنجہانی پرتھوی راج میں یہ ایک خوبی تھی کہ وہ جوان اولاد کے نجی معاملات میں دخیل نہیں ہوتے تھے...... اور نہ ہی کبھی کسی سخت گیر باپ کی طرح ڈانٹ ڈپٹ یا فہمائش کرتے...... یہی وجہ تھی کہ فلم انڈسٹری کے یہ سربلند بچے، باپ کے روبرو بلی کے بھیگے بلونگڑوں کی مانند بچھے رہتے۔ شیلندرا، مجروح سلطان پوری، شنکر جے کشن، پریم ناتھ، راجندر ناتھ اور اپنے گرو کیدار شرما وغیرہ سے راج کپور کی گاڑھی چھنتی تھی۔ مگر یہ ساتھی بھی اس کا موڈ دیکھ کر اپنی اپنی راہ لے لیتے۔

راج کپور سے میری کوئی خاص جان پہچان نہیں تھی۔ ایک دو سرسری سی ملاقاتیں لندن اور بریڈ فورڈ میں اس کی فلموں کے پریمیئر شوز پہ ہوئی تھیں۔ آر کے سٹوڈیو میں بھی میں پہلی بار آیا تھا۔ یہاں ایک فلمی آرٹسٹ سبرا نعیم جی سے ملنے مگر بدقسمتی سے ٹکراؤ راج کپور جی سے ہو گیا...... سٹوڈیو میں چونکہ چہل پہل بالکل نہیں تھی۔ میں اونٹ کی طرح منہ اٹھائے دائیں بائیں جھانک تانک کرتا ہوا کاٹیج کی جانب نکل آیا۔ گیراج کے پاس ایک

[illegible] سا گورکھا بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا نہ میں نے چھیڑا میں قریب ہی کھڑا ہو کر اس نادر الوجود کار کو دیکھنے لگا ۔۔۔ اچانک میرے کانوں سے ''برسات'' کے گانے کے بول ٹکرائے......

''میری آنکھوں میں بس گیا کوئی رے موہے نیند نہ آئے میں کیا کروں''

آواز بڑی مدھم تھی...... میں گانے کے بولوں پہ کان دھرتا ہوا...... کاٹیج کی بغلی کھڑکی کے پاس پہنچ گیا ۔۔۔ یہاں آواز قدرے واضح تھی......

''جب یہ ستائے موہے رات کی بندیا' اُڑ جائے رے میری آنکھوں سے نندیا''

جن دنوں کی یہ بات ہے یہ دن بمبئی میں بارشوں کے ہوتے ہیں' ان دنوں یہ عروس البلاد نہائی دھوئی [illegible] کی مانند شرمائی شرمائی بھیگی بھیگی شگفتہ سی ہوتی ہے۔ نیچے پاؤں تلے چپ چپ' غپ غپ...... جل تھل [illegible] ہواؤں کی بوچھاریں بھگو بھگو جاتی ہیں...... درختوں' پھولوں' پھلواری' سبزے نے رنگ انگ نکالے ہوتے ہیں۔ ادھر مٹی کی مہک نے دھوم مچائی ہوتی ہیں...... کاٹیج کے اطراف موگرے کی بیلیں' سوسن کے پھول' [illegible] کیلے کے کچھ پیڑ پودے تھے...... گدرایا ہوا برسات کا موسم' مست کر دینے والی مہکاریں اور ایسے میں [illegible] ''برسات'' ہی کا گیت......

''[illegible]''

میں یہاں کرنے کچھ آیا تھا مگر ہو کچھ اور رہا تھا۔

برسات چھم چھم برس رہی ہو یا کچھ دیر کے لئے رک ٹھہر بھی جائے تو اس کی ٹپ ٹپ ٹپ میں [illegible] نہیں پڑتا اور جدھر پھل پھولوں کے پیڑ پودے ہوں اور کوئی ان کے بیچ بیٹھا کھڑا ہو...... اور ہو بھی کوئی صاحب دل و درد' یا کوئی حساس سا فنکار تو وہ یقیناً مسحور ہوگا' مدہوش ہوگا اور شاید مغموم بھی...... گلنار کی کلی یا [illegible]...... گلاب یا گل لالہ' گل مشکی یا گل عباسی...... ان کے کنار لب سے ٹپکی ہوئی بارش کی بوندیں' شراب کے قطرے ہی تو ہوتے ہیں۔ اصل شراب تو اسی بارش سے کشید ہوتی ہے...... جیسے شراب کو اُلٹا پڑھو تو بارش اور بارش کو اُلٹا پڑھو تو شراب!...... بارش میں یہی شراب کیلے کے پتوں کے پرنالوں سے گر گر کر نسترن و یاسمن سے لپٹ لپٹ کر' سنبل و ریحان کو چوم چوم کر جو ٹپکتی ہے وہاں ہو اگر کوئی رند خانہ خراب!...... ''ارے ظالمو! شراب ہے'' کہتے کہتے دو ہتھڑ سینہ پیٹتا ہوا لوٹ پوٹ ہو جائے۔

رم جھم کے جھالے سے ذرا اوٹ پکڑنے کی خاطر آگے بڑھا تو پچھلی جانب ایک کھڑکی کھلی سی دیکھی۔ یہاں گیت کی آواز اور بھی واضح اور صاف تھی ساتھ ہی کھڑے کیلے کے پودوں کے کچھ پتے اور پھلوں کے شاخسارے قدرے کھڑکی کے اندر جھکے ہوئے تھے...... ہلکا سا قدم آگے جو کھڑکی کے اندر دیکھا تو

دیکھتا ہی رہ گیا۔ راج کپور وائلن گود رکھے اِک عجیب سی سرمستی کے عالم میں، دائیں ہاتھ کی پُشت پہ گال ٹکائے گم صم ہے۔ ریکارڈ پلیئر پہ گیت چل رہا تھا...... آنکھیں بند تھیں یا کُھلی، یہ تو دکھائی نہ دیا، البتہ یہ نظر آیا کیلے کے پتوں اور پُھولوں کی پنکھڑیوں سے برکھا جل کے قطرے اُس کے مُنہ ہونٹوں پہ ٹپک رہے ہیں۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے کوئی نازک سی صراحی سے قطرہ قطرہ مُدھرا کسی پیاسے کے سوکھے روکھے ہونٹوں پہ ٹپکا کے اس کے باہر بھیتر کی پیاس بُجھا رہا ہو...... میں کئی ساکت لمحے اِس دِلفریب منظر کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا۔ فن، فنکار اور فطرت کی اِک اپنی ہی فسوں کاری ہوتی ہے۔

بات ہوتی تھی اِس خواب کی، جو میں نے بہاول نگر کے اِس پار تھل میں متعین اپنے ایک بچے کے پیغام پانے سے پیشتر دیکھا تھا...... ریتلی قبر میں دفن، کس طرح ریگ ماہیاں جمع ہو کر وہاں کے اندھیرے میں جگنوؤں کی طرح سرمدی سی روشنی، گلیشیر کی سی ٹھنڈک اور اپنے منہ سے خارج ہونے والے ٹھنڈے میٹھے [illegible] اور خوشبودار مادے سے میری پیاس بھوک مٹاتی ہیں۔

میں اکثر اپنے خیالوں خوابوں کی ایسی ہی کیفیتوں میں گھرا رہتا ہوں...... خواب، رویا کے لیے خوابیدگی ضروری نہیں اور نہ ہی میرے لیے کسی خیال وخیال کے لیے کسی طرح کی بیداری چاہیے ہوتی ہے...... میرے من [illegible] الھڑ [illegible] بھی اُٹھ گئے [illegible] جدھر بھی [illegible] اُدھر بہہ [illegible] گئے...... قرینہ نہ کوئی قرینہ...... کوئی اہتمام نہ انتظام، کسی طرح کی کوئی پابندی، حد بندی، قرأت قرینے سے ہے ہی نہیں...... جدھر سمت کُھلی، چل دیے اور جہاں گنجائش ملی اُدھر مل گئے...... صبح کا خیال نہ رات کا روگ، اِک بس! وہی کہ "نگری نگری دوارے دوارے گاتا جائے بنجارا لے کر [illegible] کا اکتارہ" نہ پیچھا دیکھا نہ آگا سوچا۔

میں نے جھٹ فورٹ عباس پہنچنے کی ٹھان لی۔ زادِ راہ شاید ان کبھی کبھی کے مسافروں کے لیے ہے جو بہ امرِ مجبوری کہیں قصدِ سفر کرتے ہیں...... اور جو میری طرح ٹھہرے ہی ہمہ وقت کے راہی، اُن کے لیے روپیہ پیسہ، زادِ راہ کوئی ذمہ داری یا مجبوری، موسم اور سعد و نحس کا تصور ہی فسق و فجور کی ذیل میں آتا ہے۔

● بندگانِ صحرائی، رشکِ فطرتِ آشنائی......!

نیند کی ریت بھری آنکھوں اور دُکھن سے چُور انگ انگ سنبھالتے ہوئے جب میں علی الصبح بہاول نگر کے بس اڈے پہ اُترا تو مجھے اپنا معمولی سے وزن والا سفری تھیلا بھی اُٹھانا دوبھر ہو رہا تھا...... رات بھر بس کے

تکلیف دہ سفر نے میرے انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے ہوئے تھے۔ بس سے اُتر کر میں پاس ہی چائے کے ہوٹل کے ایک اپنے جیسے ڈھیلی چولوں والے میلے کچیلے بنچ پہ بیٹھ گیا۔ اس سفر کا فیصلہ ایسی عجلت میں ہوا تھا کہ مجھے اپنے بیوی بچے کو فی الفور آمد کی اطلاع پہنچانے کا کوئی موقع ملا اور نہ وسیلہ۔ ظاہر ہے کہ مجھے یہاں کوئی وصول کرنے بھی کوئی نہیں آیا تھا۔ ناشتے کے بعد میں اک بوڑھے ناکارہ اُونٹ کی طرح جگالی کر رہا تھا کہ میرے رُوبرو دو [illegible] صحرائی آ کر بیٹھ گئے وہ آپس میں کچھ بات چیت کر رہے تھے۔ اچانک میرے کانوں سے گھروٹ گوٹھ [illegible] سے نام کی آواز ٹکرائی۔ میرے بالوں آلوں بھرے کان کھڑے ہو گئے۔ ان کی بات چیت سے ٹوہ لگی کہ وہ دونوں وہیں کے وسیک ہیں...... اور اِدھر یہاں ہسپتال میں اپنی کسی بیماری کا ٹیسٹ کروانے آئے ہوئے ہیں۔ میں نے ذرا اُن پہ دھیان دیا تو ایک کی آنکھوں میں مجھے چندن اُترا ہوا نظر آیا۔ ہونٹ، رنگت [illegible] سب کچھ میں نے اک نظر سے دیکھ لئے تھے۔ میرے اور ان کے بنچوں کے درمیان میز نما لکڑی کا ڈبا پڑا تھا جس پہ ابھی تک میرا چائے کا نیم خالی پیالہ دھرا تھا۔ جب ان کے سامنے ناشتہ آیا تو اخلاقاً اُنہوں نے مجھے [illegible] کے لئے کہا یا ہو سکتا ہے میرے حُلیے سیاہ لباس، منکے مالا، انگوٹھیوں کے حوالے سے مسکین ملنگ مسافر سمجھتے ہوئے فی سبیل اللہ صلاح لے لی ہو؟

میں [illegible]

وہ اپنے انداز میں کھاپی رہے تھے اور ساتھ ساتھ ڈاکٹر، دواؤں اور علاج کے بارے میں گفتگو بھی چل رہی تھی۔ اب وہ میرے سامنے بیٹھے ہونے کے باوجود مجھ جیسے نظر انداز کر چکے تھے جبکہ میں ان کی جانب، [illegible] پہ اس چندن اُترے ہوئے مریض کی طرف متوجہ ہو چکا تھا...... اتنے میں مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی تو کھڑا ہوا۔ ہوٹل والے کے پاس پہنچ کر اپنا اور ان دونوں کا بل چکایا...... بیت الخلاء کا پوچھتے ہوئے میں ہوٹل کی پچھلی جانب نکل گیا...... وہاں سے نکلا ہی تھا کہ اذان کی آواز کان پڑی...... سامنے سڑک کی دوسری جانب مسجد تھی۔ میں اس طرف نکل گیا...... نماز سے فارغ ہوا ہی تھا کہ وہ دونوں باہر دروازے پہ میری جانب دیکھتے ہوئے نظر آئے...... مجھے یہیں کھٹکا لگ گیا تھا کہ اب لمبی ہی سانجھ پڑے گی۔ سیڑھیوں سے اُترتے ہی انہوں نے مجھے جیسے جھپٹ لیا تھا۔

"بابا سائیں......!" کہتے ہوئے پہلے تو انہوں نے میرے ہاتھ چومے۔ "پیسے تو ہمیں دینے چاہیے تھے جو آپ نے دے دیئے۔" ان میں سے ایک، پانچ پانچ کے دو نوٹ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"ایک ہی بات ہے...... میں نے دیئے یا آپ نے دیئے، آتے تو سب ایک ہی خزانے سے ہیں۔"

وہ مجھے ساتھ لیئے آہستہ آہستہ ایک جانب بڑھنے لگے۔

''بابا سائیں! آپ کہاں سے آئے ہیں؟'' بیمار دکھائی دینے والے نے پوچھا۔

''بیٹا! میں لاہور سے ابھی کچھ دیر پہلے یہاں پہنچا ہوں ...... یہاں گھروٹ کے قریب رینجرز کی ایک چوکی ہے وہاں میرا ایک بچہ اللہ یار گکھو تعینات ہے۔ میں نے اس سے ملنا ہے۔''

اُسے جیسے بچھوں نے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ اُچھلتے ہوئے کہنے لگا۔

''بابا سائیں! ہم دونوں بھائی اسی گوٹھ کے رہنے والے ہیں ...... اور اللہ یار تو اپنا بھی یار ہے۔ ہماری گوٹھ کے بچوں کو پڑھاتا بھی ہے' بڑا نیک نمازی مرد ہے۔''

اَب دوسرا پوچھنے لگا۔ ''وہ آپ کو لینے آ رہا ہے یا آپ خود ہی وہاں جائیں گے ......؟''

''بھائی! میں نے اُسے یہاں پہنچنے کی اطلاع نہیں دی ...... لہٰذا مجھے ہی وہاں پہنچنا پڑے گا۔''

''یہ تو بہت ہی بھلا ہوا۔ اب آپ ہمارے ساتھ ہی چلیے گا ...... آپ اللہ یار کے ہی بزرگ اور مہمان نہیں' ہمارے بھی ہیں۔''

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''آپ لوگ تو شاید کچھ دیر سے جائیں ...... جبکہ میرا وہاں جلد پہنچنا کچھ ضروری ہے۔''

'' [illegible] بھائی [illegible] ے چکا ہے۔ جانوروں کے ہسپتال میں چھوٹا ڈاکٹر بھی ہے۔ روز بروز کمزور اور کھوکھلا ہوا جا رہا تھا ...... ہاتھ [illegible] کانوں میں ہر وقت سنسناہٹ اور آنکھوں میں ہلدی کی گانٹھیں اُگ آئیں' اگلے چند ماہ میں اس کی شادی بھی طے ہے۔ اَب پتہ نہیں اس کو کیسا جن آ چمٹا ہے کہ گوٹھ' گاؤں آئے دوائے سارے وید حکیم سنیاسی بھالے جھاڑے [illegible] کی سوجھ میں اس کا روگ نہ آیا۔ اَب کسی پڑھے لکھے نے مشورہ دیا ہے کہ اسے یہاں ہسپتال میں بڑے کو دکھایا جائے۔ ہم دونوں دو دنوں سے یہاں خجل خوار ہو رہے ہیں۔ بڑی مشکلوں سے آج نو بجے کی پرچی [illegible] ہے۔ اَب پتہ نہیں کہ آگے کیا ہوتا ہے' بڑا ڈاکٹر کیا کہتا ہے؟ ...... ہسپتال میں داخل ہونا پڑتا ہے یا کوئی دوا [illegible] کرنا پڑے گا ...... اللہ جانے کتنا خرچہ ہو' غریب لوگ ہیں ...... اللہ نے آپ سے ملا دیا ہے ...... آپ [illegible] لے سائیں بابا بن کر آئے ہیں۔ دل کہتا ہے کہ آپ کی دعا برکت سے غلام عباس صحت پکڑ لے گا۔''

اُس کی بات ابھی شاید ختم نہ ہوتی کہ ہم ایک سرسبز سے میدان میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں بہت سے جوان و پیر' صبح کی سیر و ورزش میں مصروف تھے ...... ہم ایک سیمنٹ کے بنچ پہ بیٹھ گئے ...... غلام عباس کا بڑا بھائی غلام حسین مزید بات کے لئے لب کھول ہی رہا تھا کہ میں نے اسے اشارے سے روک دیا۔

''بیٹا! میں نے تمہاری بات سُن لی ہے مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ...... میں آپ دونوں سے

[illegible] بہت خوش ہوا...... آپ لوگ اپنے پروگرام کے مطابق بڑے ڈاکٹر سے ملیں، دیکھیں کہ وہ کیا تشخیص کرتا ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر ہی آپ واپس لوٹیں...... میں بوڑھا، سفر کی تھکن سے ٹوٹا ہوا ہوں، مجھے آرام کی ضرورت ہے...... میں چاہتا ہوں کہ اللہ یار کے پاس پہنچ کر ہی آرام کروں۔ لہٰذا آپ لوگ مجھے اجازت دیں۔ انشاءاللہ وہیں گھروٹ میں ملاقات ہوگی......" میں نے اٹھتے ہوئے مزید کہا۔

"آپ اس کا معائنہ کروا کر اپنی تسلی کرلیں ویسے میں نے اس کا معائنہ اک نظر میں کرلیا تھا۔ اسے [illegible] کا روگ لگ گیا ہے اور اگر اس کا بروقت اُپائے نہ کیا جاوے تو یہ جان لیوا بھی ثابت ہوسکتا ہے۔"

وہ دونوں میرے ساتھ ہی کھڑے ہوگئے تھے...... غلام حسین کہنے لگا۔

"سائیں بابا! یہی کچھ ہمیں ایک ہندو سنیاسی بابا نے بھی بتایا تھا۔ یہ پچھلے دو ماہ پہلے کی بات ہے۔"

اب چھوٹا غلام عباس بولا۔ "سائیں بابا! اگر آپ مناسب جانیں تو ہم آپ کے ساتھ ابھی واپس گھر چلے جاتے ہیں...... آپ میرے روگ کو سمجھتے ہیں تو ادھر خوامخواہ وقت اور پیسہ برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم پہلے ہی یہاں دو روز سے خوار ہو رہے ہیں۔" غلام حسین نے بھی ہاں میں ہاں ملائی اور دونوں میرے ساتھ ہی باہر ہو لیے...... میں بھی یہ سوچ کر خاموش [illegible] بیچارے غریب اور بھولے لوگ ہیں...... یہاں کے ڈاکٹر [illegible]

روہی میں چاند چمکتی......!

گھروٹ پہنچتے پہنچتے ہمیں ظہر کا وقت آ لگا تھا۔ صحرائی راہ راستوں پہ بڑی سبک خرامی اور سمجھداری [illegible] پڑتی ہے...... ریت یا کیچڑی زمین پہ سلامتی سے چلنے کا واحد طریقہ یہی ہوتا ہے کہ آپ آہستہ ہولے [illegible] کر چلیں۔ عجلت دکھانے سے پاؤں، جسمانی قوت دونوں کا زیاں ہوتا ہے۔ شتر کی مانند چپٹے پاؤں [illegible] کی وجہ سے پیر دھنس دھنس جاتے ہیں پھر کھینچنے اور ریت جھٹکنے سے راہرو ہلکان ہو جاتا ہے۔ صحرا میں [illegible] اونٹ اور دلدلی زمین پہ چلنے کے لئے تیندوے سے سیکھنا چاہئے۔ ریت میں رگ نہیں ہوتی [illegible] سہارے اور دلدلی زمین میں پیچ ہوتی ہے جو اپنے اندر کھینچتی ہے باہر نہیں دھکیلتی۔ سمندر کا پانی باہر [illegible] جبکہ ریت اور دلدل کا سمندر اپنے بھیتر کھینچتا ہے۔ ان کی اپنی اپنی راجدھانی میں عجب طرفہ کھینچا تانی [illegible] اپنے من کی منتا اور من مانی ہوتی ہے۔ ویسے ڈوبنے کے لئے شاید کسی کنویں، دریا، سمندر کی بھی [illegible] نہیں ہوتی۔ حوصلہ، ظرف اور موقعہ ہونا چاہئے۔ چلّو بھر پانی، ٹھیکرے میں ٹھہرے ہوئے چند قطرے

پیشانی پہ چمکتے ہوئے عرقِ انفعال کے موتی' نوکِ مژگاں پہ اٹکا ہوا آنسو...... انہماک یا کوئی گہرا مراقبہ

؎ تم سمندر کی بات کرتے ہو لوگ آنکھوں میں ڈوب جاتے ہیں

دانت...... شیر' چیتے اور کتے' بھیڑیے کے بھی ہوتے ہیں مگر گھڑیال' نہنگ کے دانتوں کے گھسے چھوٹے سے ہلاکت کچھ اور ہی نوع کی ہوتی ہے۔ پانی میں ڈوبتا ہوا جاندار کھلی آنکھوں سے بڑے رنگین بلبلے غٹا غٹ غپا غپ مشروب پیتا...... ہاتھ پاؤں سے نرت بھاؤ پیش کرتا ہوا...... ننھے ننھے بلبل و غباروں سے دل بہلاتا ہوا پران ہار جاتا ہے...... مگر دلدل میں پھنسا ہوا جاندار بڑی حسرتناک اور کربناک موت سے دوچار ہوتا ہے...... دلدل خشک بھی ہوتی ہے جسے تھلتھل کہتے ہیں۔ یہ کیچڑی دلدل سے بھی کہیں زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ کیچڑی دلدل تو کسی نہ کسی طور اپنی نشاندہی بھی کر دیتی ہے۔ آخر دس فیصد بچ نکلنے کے امکانات تو کسی جھاڑ جھنکاڑ وسیلے کی مدد میں نکل آتے ہیں۔ مگر تھل صحرا کی وسعتوں میں گم' گھنی' گھنیری' گہری خشک دلدلیں ایسی بے باک اور ظالم ہوتی ہیں کہ نخچیر بے چارہ کچے دھاگے سے بندھا حضورِ مرگ پیش ہو جاتا ہے۔ بے آب و گیاہ بے رحم بے ترس تھلوں کی یہ اندھی مرن گھاتیں شکار کو ایک ایسی جانمرگ موت سے ہمکنار کرتی ہیں کہ مراجعت [illegible] دل کی پھڑک ریت بھری کھلی آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے...... مٹی' موت کی مصلح ہوتی ہے مُردے کی ہڈیاں پسلیاں گوشت پوست سب ہضم کر دیتی ہے...... کتبہ' لوح وغیرہ سرہانے اسی لئے ہی گاڑتے ہیں کہ مٹی تو مٹی سے مل کر مٹ جائے گی کم از کم پہچان کے نشیں تو مُردے کا نام لکھا دکھائی دیتا ہے...... مگر ریت زار اور برف زار میں گڑا پڑا مُردہ' اپنی کھلی آنکھوں سے صدیوں کے لئے حنوط سا ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ باقاعدہ غسلایا' کفنایا' کافورایا' خوشبایا اور دفنایا ہوا مُردہ' ریت میں بُو مار دیتا ہے کیونکہ یہ سارے اہتمام اور تکلفات اپنی بُو باس سے حشرات الارض کو دعوتِ عام دے دیتے ہیں۔ مگر تھلتھل یا برفاب میں اُترنے والا مُردہ چونکہ اچانک ناگہانی کا شکار ہوتا ہے اس لئے بے چارگی اور حیرت و ہول سے پھٹی ہوئی آنکھیں...... سانس کی بندش اور پھیپھڑوں میں پھنسی ہوئی ریت یا برف' مُردے کو اندر باہر سے حنوط سا کر دیتی ہے...... اعصاب کے وریدوں کی کھنچاؤ' خون کے بہاؤ اور دماغ کے سجاؤ میں چونکہ یک دم تعطّل پیدا ہوتا ہے۔ ایک سناٹا سا سا لگتا ہے پھر حیرگی سارا خون خشک کر دیتی...... وحشت خوف' اعصاب اور دماغ کو پتھر سا کر دیتے ہیں بے بسی و بے چارگی کی انتہا کی منفی لہریں اک کیمیائی بُو باس میں تبدیل ہو کر جسم کو زہریلا اور پتھریلا کر دیتی ہیں...... ایسی ہی بے بسی' بے چارگی کی کھلی آنکھوں سے موت کو گلے لگانے والوں کی لاشوں کو ریت اور برف

صدیوں تک جُوں کا تُوں ہی رکھتی ہے...... وقت زمانے کا پھیر ان پہ کم ہی اثر ہوتا ہے۔

جہاں تک پکی کچی راہ تھی وہاں تک تو ہم تینوں چار پہیوں والے ایک اُونٹ جیسے چھکڑے سے پہنچے۔ یہ صحرائی چھکڑے کو یہاں کیکڑا کہتے ہیں۔ اُونٹ اور اس چھکڑے میں بس چارے اور ڈیزل کا فرق تھا...... [illegible] چھکڑوں پہ پانی کھینچنے والا ایک ناکارہ سا ڈیزل انجن دھرا ہوتا ہے۔ جبکہ ریڈی ایٹر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے پانی کا کنستر اور ربڑ کا پائپ ڈرائیور کے اُوپر ڈھانچے سے بندھا ہوتا ہے...... مسافروں کے بیٹھنے کے لئے کسی طرح کی باقاعدہ سیٹوں کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ یہ تین یا چار پہیوں والا لوہے کا ایک ٹریلر سا ہوتا...... سواریاں اپنی ذمہ داری پہ اس پہ بیٹھ جاتیں ہیں یا جگہ ہو تو لیٹ بھی جاتی ہیں۔ انسانوں کے علاوہ اس پہ بکریاں، مُرغ، بچے، ہر نوع کا سامان، سیمنٹ، کھڑیا، ریت کے بلاک غرضیکہ ہر وہ چیز جو دھری جا سکتی ہو اس پہ لادی بھی جا سکتی ہے۔ پہیوں کے علاوہ اس ریت کھٹولے کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے کسی حد تک تشبیہ دی جا سکتے ہیں...... گو مجھے وی آئی پی مسافر کی حیثیت سے فالتو ٹائر کے اوپر چادر بچھا کر بٹھایا گیا تھا مگر اس کے باوجود میری گود میں دو بچے ڈال دیئے گئے تھے۔ تین چار مرغیاں میری ٹانگوں کے نیچے بندھی ہوئی تھیں۔ [illegible] تھے کہ اگر کوئی رستے میں اُترنے کا قصد کرتا تو اسے اپنے اعضائے عزیزہ دوسروں کے اعضائے رئیسہ سے کھینچ کھانچ اور کرید کر علیحدہ اور پورے کرنے پڑتے۔ کئی ایک نے میرے پاؤں بازو بھی کھینچے یقیناً وہ انہیں اپنے سمجھ کر، جان کر نکالنے کی کوشش کرتے ہوں گے۔ اس کھینچا تانی کے لیے لوگ بھی کچھ قصوروار نہیں کہ اس [illegible] بے جانے بے چارے کھٹولے پہ مسلسل بیٹھ کر اعضا ایسے گم اور سُن ہو جاتے ہیں کہ مسافر خود کو فالج زدہ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ منزل پہ پہنچ کر میں خود اُٹھنے کھڑے ہونے پہ قادر نہیں رہا تھا چنانچہ مجھے دو تین [illegible] اور طریقوں سے اُٹھایا گیا تھا۔ نیچے اُترا تو دیکھا کہ ایک مسافر ڈرائیور کے کیبن کی چھت سے اُتر رہا ہے میرے اپنے ایک محتاط اندازے کے مطابق اس جگہ پہ انسان تو کیا طوطا تک نہیں بیٹھ سکتا تھا مگر یہ شخص پانی کے بندھے ہوئے کنستر سے ربڑ کے پائپ کے ذریعے انجن کو ٹھنڈا رکھنے پہ معمور تھا۔

موسم خاصا خوشگوار تھا۔ اس مختصر سے معتدل موسم میں صحرا تھل بڑے مہربان سے ہوتے ہیں...... [illegible] سے نیم سرد گرم پُروائی چلنے لگتی ہے...... آسمان پہ آوارہ سے بادل تیر رہے ہوتے ہیں...... سورج جی [illegible] درشن جھروکے میں براجمان مُسکرا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کی مُسکراہٹ میں ہلکی سی خنکی بھی ہوتی ہے...... زبان لکڑی نہیں چمڑے کی ہی رہتی ہے...... حلق میں کانٹوں کی بجائے سورج مکھیاں ہوتی ہیں۔

العطش العطش پکارنے کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا۔ اس کے باوصف میں نڈھال سا ہو چکا تھا۔ آگے پیچھے نگاہ دوڑائی تو کہیں کوئی گوٹھ گھوپی دکھائی نہ دی۔ میں نے جاننے کے باوجود پوچھ لیا۔

"بھائی غلام حسین! اب کیا ارادے ہیں؟"

وہ میرے پاؤں میں بیٹھتے ہوئے مغرب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"بابا سائیں! اپنا یہ تھیلا غلام عباس کو پکڑا دیں اور آپ بسم اللہ پڑھ کر میری کمر پہ سوار ہو جائیں۔ انشاء اللہ گھنٹہ سوا گھنٹے میں ہم اپنی گوٹھ میں پہنچ لیں گے۔"

یہ کمر پہ سواری اور گھنٹہ سوا گھنٹہ کا پیدل سفر کا جان کر میری تو جان نکل گئی...... میں نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھے اپنی کمر پہ لاد کر لے جاؤ گے...... کتنا سفر ہے تمہاری گوٹھ تک......؟"

اس نے بڑی آسانی سے جواب دیا۔

"سفر تو کوئی خاص نہیں یہی کوئی ساڑھے چار پکے کوس ہوگا...... باقی رہی آپ کو کمر پہ اٹھانے کی بات...... تو یہ ہمارا روز مرہ کا کام ہے۔ [illegible] کشتی [illegible] لاد کر [illegible] لاتے لے جاتے ہیں۔ [illegible] میری چادر آپ میری کمر سے لپٹ جائیں بازو میری گردن کے گرد حائل رکھیں [illegible] چادر کو آپ کے گرد لپیٹ کر اپنے کاندھوں پہ لٹکا لوں گا اور آپ کی دونوں ٹانگوں کو بازوؤں میں لے لوں گا...... آپ بڑے مزے سے......"

میں نے اُسے درمیان میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

"برخوردار! اتنے مزے پیدا نہ کرو۔ میں تمہاری کمر پہ سوار نہیں ہوں گا...... بہتر ہے کہ تم مجھے اپنی گوٹھ چلے جاؤ میں یہاں سے کوئی انتظام کر کے اللہ یار کے پاس چلا جاؤں گا جسے میں اتنی دور سے ملنے آیا ہوں۔"

غلام حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بابا سائیں! وہاں پہنچنے کے لئے پہلے ہماری گوٹھ سے ہی گزرنا پڑتا ہے، اُدھر جانے کا اور کوئی راستہ نہیں...... آپ حکم کریں کیا کرنا ہے؟"

اب میری مسکرانے کی باری تھی...... میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"بھائی! یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ چلو آگے لگو میں تمہارے ساتھ اپنی ٹانگوں پہ چلوں گا۔"

ظہر کی نماز گھروٹ کی ایک سادہ سی مسجد میں ادا کی...... میں نے کوشش کی کہ یہاں سے فوراً اللہ یار کے پاس روانہ ہو جاؤں...... اُونٹ بھی موجود صرف آدھ پونے گھنٹے کا سفر...... مگر غلام حسین اور غلام عباس نے ٹھوڑیوں اپنی محبت اور عجز کا اظہار کیا کہ مجھے اُن کی بات ماننے ہی بنی۔ وہ مجھے بڑے احترام و چاؤ سے اپنے [illegible] سے گھر لے گئے تھے...... بوڑھے شریف النفس باپ نے دل میں کھپ جانے والی محبت و چاہت سے خوش آمدید کہا۔ دیکھا جائے تو اس نفسا نفسی کے دور میں آج بھی اگر کہیں اخلاص و احترام سونگھنے کو دل چاہے تو کہیں مخفی شہروں سے دُور سادہ لوگوں اور گوٹھوں دیہوں میں چلے جائیں۔

مختصر سی بستی میں میری آمد کی خبر خوشبو یا بدبو کی مانند پھیل گئی تھی...... بوڑھے بوڑھیاں، بچے بچیاں —— خاص طور پہ بیمار اور تنگ حال لوگوں کے پرے کے پرے چلے آ رہے تھے۔ میری چھب، حال حلیہ، سیہ چوک، وگریاں، انگشترے، مالائیں۔ ان پہ مستزاد میری گچھے دار اور پرپیچ باتیں، ان سب ''حجابات و ظاہرات'' سے ظاہر ہے کہ سادہ لوح، پریشان حال اور توہم پرست لوگوں کے لئے بڑی کشش ہو گی...... کوئی عامل کامل سمجھتا ہے اور کوئی سنت سنیاسی اور تو اور کئی ایک مجھے جادوگر اور کالے علم والا کوئی بابا بھی سمجھ لیتے ہیں...... اپنی [illegible] سوچ اور عقل کی سمجھ ہے...... کئی ایک جاتے جاتے اک تو مجھے [illegible] نے بھی [illegible] تے ہیں [illegible] پرائز بونڈوں کے نمبروں کے [illegible] ہوتے ہیں...... اور [illegible] ایک واقعہ ہے اور رونق کا [illegible] بھی نکل آتا ہے یہاں پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد ہی میری آٹھویں حس نے سمجھا دیا تھا کہ اگر میں یہاں سے جلد از جلد نکل نہ [illegible] کرامتوں، معجزوں کے پرستار میرے پر کھینچ کر کہیں بٹھا لیں گے...... لیکن ہونی تو [illegible] رہتی ہے...... دیہہ گوٹھوں میں کسی کے مرنے جینے کی خبر اتنی جلدی نہیں پہنچتی جیسی کہ کسی کے گھر مہمان [illegible] کی...... اور اگر وہ مہمان کوئی منگش مہمان ہو، پیر پروہت یا کوئی وید حکیم...... تو پھر دیکھئے کہ چاروں اور سے [illegible] مینڈکوں کی میگھا برسنے لگتی ہے۔

میرے لئے دھری ہوئی چائے کی پتیلی میں ابھی اُبال تک نہیں آیا تھا کہ چھوٹا سا دالان اور صحن بلکہ [illegible] تک مرد و زن کا انبوہ لگ گیا تھا...... لپے پُتے کچے کمرے کے وسط میں، میں ایک رنگیلے چوکے پہ [illegible] چراغ دین چکڑ'' بنا بیٹھا تھا...... غلام حسین کا بوڑھا باپ فریاد حسین میرے دائیں جانب قدرے [illegible] پہ گردن مراقبے میں ڈبا ہوا تھا۔ دو ایک بوڑھے جو شاید گوٹھ کے کوئی سرکردہ ہوں گے موجود [illegible] باہر سے ایک مُلا قسم کے بزرگ اندر داخل ہوئے۔ سلام دُعا اور ہاتھوں کی بوسہ بازی کے بعد نہایت [illegible] قرأت سے ملتمس ہوئے۔

''باہر کچھ لوگ زیارت کے لئے بے چین ہیں...... اِن میں چند رُوحانی اور جسمانی عوارض میں مبتلا ہیں۔ مَیں حتی المقدور ان کی خدمت کرتا رہتا ہوں...... اَب چونکہ آپ سائیں تشریف لائے ہیں انہیں شرفِ باریابی بخشیں۔''

اس قسم کی صُورتِ حال سے مَیں اکثر دوچار ہوتا رہتا ہوں۔ ظاہر ہے مجھے اَب لوگوں سے [illegible] ڈھنگ بھی آتا ہے۔ اَندر کمرے میں جگہ کی تنگی کے پیشِ نظر میں والان میں نکل آیا...... فرداً فرداً سب سے علیک سلیک' دُعا برکت ہوئی...... چائے پُھلکے اور خشک بُھنے باجرے کے میٹھے مُرنڈے کھانے کے [illegible] مَیں نے معذرت چاہی کہ مجھے چونکہ ایک ضروری کام کے سلسلہ میں فوری طور پہ رینجر کی چوکی پہنچنا ہے۔ [illegible] لگ بھگ ایک مہینہ یہاں موجود ہوں۔ انشاء اللہ مناسب موقعہ وقت پہ آپ سب سے ملاقاتیں ہوں گی۔

ہلکا سا کھانا پینا کر کے مَیں بڑی مشکلوں سے نکلنے میں کامیاب ہوا۔ ایک بانکی سی ڈاچی پہ سوار [illegible] چوکی کی جانب روانہ ہوا۔ یہاں بھی غلام حسین مُہار تھامے آگے آگے اور غلام عباس اور ایک اور جوان پیچھے تھے...... چند فرلانگ آگے ایک ٹبے کے پہلو چند چھوٹے بڑے جھونپڑے اور باڑے دکھائی دیے۔ [illegible] نسبتاً گہرائی میں تھی۔ سبز پتوں والی جھاڑیاں اور قدرے [illegible] بھی نظر آئی...... کٹے پھٹے جا [illegible] کے [illegible] سے شُتر کھڑ [illegible]

قریب پہنچتے ہی ہماری ڈاچی کی چال اور اُن کے چلن میں چنداں چلبلن سی در آئی تھی [illegible] اطراف سے ہلکا سا [illegible] بھی ہوا...... میری بوڑھی ڈھیلی ٹانگوں تلے کنواری ڈاچی کا [illegible] بھورے کی طرح یوں تھر تھرانے لگا جیسے یکدم اُسے [illegible] کرنٹ لگا ہو...... وہاں [illegible] ساربانوں کا ڈیرا تھا۔ غلام حسین [illegible] ڈاچی' جس کا پیار کا نام بھیلورانی تھا بڑی طرحدار ڈاچی تھی...... ڈاچی تو وہ محض نام کی تھی اصل میں [illegible] تھی...... مجھے اپنے پہ سوار کرتے سمے جس اَدا سے وُہ تہہ ہوئی اور جس لٹک مٹک سے پھر جو تنگ ہوئی [illegible] گیا یہ باکرہ! فاجرہ اور کافرہ بھی ہے۔ ایسی ڈوبی ڈاچی پہ سواری کا اِک اپنا الگ ہی سواد ہوتا ہے [illegible] چاتر مہلا کی مانند وہ اپنے بھاروکو ایسی ایسی اٹھکل اٹھکیلیاں اور چلتر چلتریاں دِکھاتی ہے کہ بُوڑھا [illegible] جوان' لوٹے قربان ہو جاتا ہے۔ اِس کے پسینے میں عودِ شباب کے ننھے ننھے نگینے سے پھوٹتے رہتے [illegible] بہت بعد کہیں سمجھ میں آیا یہ عاشق معشوق لوگ اکثر اپنا وصل وسیلہ اِسی کو ہی کیوں بناتے تھے۔ بایدوشاید [illegible] نے کہیں گدھا' گھوڑا یا کوئی بھینسا' ہاتھی ایسے موقعوں پہ استعمال کیا ہو؟ ویسے بھی یہ پشو جناور ایسے جذباتی ماحول میں کچھ زیادہ صاحبِ کردار و قرار ثابت نہیں ہوتے۔

یہ اُونٹوں کا باڑہ' ہمارے راستے سے کچھ ہٹ کر تھا۔ اِسے چھوئے بغیر' محض دیکھتے ہوئے ہی [illegible]

سے گزر جا سکتا تھا۔ مگر وہاں تو جیسے اونٹوں میں اک ہڑبونگ مچ گئی...... بغبغاتے ہوئے وہ دو دو نیزے اونچی گردنیں الف کیئے ہماری جانب متوجہ تھے۔ صورتِ حال سمجھتے ہوئے غلام حسین مُہار کو پوری قوت سے کھینچ کر بھیلو کا دھیان راہ راستے پہ رکھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ جبکہ غلام عباس اور اس کا ساتھی عجیب عجیب آوازیں نکالتے ہوئے اس کی پسلیوں میں ہاتھوں کی مُٹھیاں کھبو کھبو کر اس کی مدد کر رہے تھے...... مگر جوانی کی مستی تو کسی الہڑ کے پگ کی پائلیا کی مانند ہوتی ہے...... لاکھ باندھو روکو' دھیرج دو' چھم چھم کی چھنکار تو روکے نہ رُکے...... کیسے چنچل بول ہیں۔

تو لاکھ چلے ری گوری تھم تھم کے' تیری پائل میں گیت ہیں چھم چھم کے...... والی کیفیت تو در آنی ہوتی ہے۔ پیچھے تینوں جوان اس کی جوانی کی ترنگوں کے رنگوں میں بھنگوں کی آمیزش میں مصروف تھے اور اوپر مَیں ان کی فضول کوشش پہ مسکرا رہا تھا۔ انسان اپنی ازلی منافقت سے کام لے کر اپنی اچھی بُری کیفیتوں نیتوں پہ نقاب چڑھا لیتا ہے...... مگر ان چرندوں' پرندوں' درندوں' خزندوں میں یہ خامی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ یہ بچوں کے بچپن کی طرح جو بھی بُرا بھلا اُن کے من میں آتا ہے کر گزرتے ہیں اور اس طرح وہ سدا خوش بھی رہتے ہیں۔

یہ شور شرابا سن کر وہاں کے ساربان بھی اپنے جھونپڑوں سے باہر نکل آئے تھے۔ غلام حسین اور اس کے بھائی کو پہچانتے ہوئے ہمارے قریب آ گئے...... میرے بارے میں جب اُن کو معلومات میں اضافہ ہوا تو سب سراپا بچھ گئے۔ بضد ہوئے کہ بابا سائیں! کچھ دیر یہاں ضرور رُکیں۔ مجھے پتہ تھا میری یہاں ایک نہیں چلے گی۔ لہٰذا اصرار و تکرار سے بچنے کے لئے میں نیچے اُتر آیا۔ مسکراتے ہوئے غلام حسین نے بھیلو رانی کو ڈیرے کے جھونپڑوں کے قریب باندھ دیا۔

یہ سوداگر قسم کے ساربان تھے' جو اپنے باڑے اور جھونپڑے مقامی لوگوں' بستیوں سے ذرا پرے ہٹ کر بناتے ہیں چونکہ ان کے یہ ٹھکانے محض عارضی ہوتے ہیں اس لئے یہ چھولداریوں اور ترپالوں سے ڈھکے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ اُونٹوں' شتر بچوں' ڈاچیوں کی خرید و فروخت ان کا اصل دھندا ہوتا ہے۔ یہ اُونٹنیوں کا دودھ' مکھن پنیر وغیرہ بھی فروخت کرتے ہیں۔ ان کے پاس خاصے اُونٹ' اُونٹنیاں اور اُلیل بچے تھے۔ ان کا ایک بزرگ خاصا عمر رسیدہ اور رعب داب والا نظر آیا۔ مَیں اس کے پاس ہی ریت پہ بچھے' اُونٹوں کے بالوں سے بنے ہوئے نمدے پہ بیٹھ گیا...... انہوں نے لسی اور پنیر سے بنی ہوئی خشک مٹھائی سے ہماری تواضع کی...... میں نے ان کے جان و مال کے لئے دُعا برکت کے لئے کہا...... میری مجبوری کے پیش نظر انہوں نے مجھے مزید رُکنے پہ مجبور نہیں کیا اور کہا کہ وہ جلد ہی مجھے ملنے کے لئے رینجر کی چوکی پہ آئیں گے۔ بڑے جھونپڑے سے باہر نکلے

تو اسی بزرگ نے مجھے کہا۔

''بابا سائیں! بس نظر ہمارے مال پہ ڈال جائیں...... پیچھے بڑا مندا رہا ہے۔ اس برس کے فرماتے جائیں۔''

مجھے وہ لے کر بڑے باڑے کی جانب بڑھ گئے...... بھلورانی راہ میں کھڑی تھی میں اُسے تھپتھپاتے ہوئے باڑے کی جانب بڑھ گیا۔ بہت جانور تھے' اس باڑے کے ساتھ ایک اور باڑا بھی تھا جس کچھ گابھن اور بچوں والی سانڈنیاں' اُونٹنیاں تھیں۔ دیکھتے دیکھتے میری نظر ایک ایسے چھلاوے پہ پڑی کہ گرتے گرتے بچا۔ اللہ! یہ تو وہی میرے خواب والا اُبیل شتر بچہ ہے جو لڑکھڑاتی ٹانگوں پہ میرے آگے آگے بمشکل چلتا ہُوا مجھے ایک ٹیلے کے پاس ریتلی قبر تک پہنچاتا ہے اور شاید اسی کی بابت مجھے اللہ یار بھگو نے بھجوایا تھا کہ فوراً پہنچیں آپ کے مطلوبہ کالے ٹھیا کالے شتر بچے کو ایک اُونٹنی نے جنم دیا ہے۔

وہ اپنی ماں کی اگلی ٹانگوں سے چمٹا کھڑا لرز رہا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتے ہوئے پہلے دیکھا ہُوا اپنا خواب یاد کر رہا تھا' وہی چھٹی چھٹی سی معصوم سیاہ آنکھیں' لانبی لانبی گھنیری پلکیں چھوٹے چھوٹے کٹیلے کان' چمکدار سی تھوتھنی' بید مجنوں کی مانند تھر تھر کانپتا ہُوا...... میری محبت اور خاموشی ہوئے وہ [illegible]

''سائیں بابا! کوئی خاص بات اس شتر بچے میں یا یوں ہی من کو بھلا لگا؟''

میں نے پیچھے تکتے ہوئے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔

''سائیں! میں اس باڑے کے اندر جا سکتا ہوں؟''

وہ ہڑبڑا کر آگے سے بانس ہٹاتے ہوئے بولا۔

''بسم اللہ! سائیں بابا! بسم اللہ!''

اسی اثنا اس بچے کی اُونٹنی ماں نے بے قراری سے جھٹکا لے کر گردن جھکائی اور تھوتھنی سے نحیف بچے کو پچھلی ٹانگوں کی جانب دھکیل دیا۔ کمزور مخمل سا بچہ لوٹنی لے کر بے سدھ بے ڈھنگ سا چت پڑ میں بے ساختہ سا آگے بڑھا اور بچے کے پاس بیٹھ گیا...... شیر' چیتے یا بھیڑ بکری ہرن کے بچے کو تو آپ ہیں' گود میں بھر سکتے ہیں مگر گدھے' گھوڑے' زیبرے' اُونٹ' ہاتھی' گینڈے کے بچے سے آپ کبھی بے تکلف نہیں ہو سکتے...... اس کی وجہ ان کا تھلتھلا' لجلجا پن' لمبی لمبی ٹانگیں' بے ہنگم بے ڈھنگا وزن ہے...... اُونٹنی عجیب سی بے نیازی دکھاتی ہوئی دوسری جانب سرک گئی جیسے وہ بچے کو میری تحویل میں بری الذمہ ہو گئی ہو...... اُونٹنی ہو یا ہتھنی کبھی کسی کو اپنے بچوں کے قریب پھٹکنے نہیں دیتے۔ مرغی کو دیکھ

[illegible] بال و پر پھیلائے لال پیلی آنکھیں دکھاتی ہوئی پیچھے پڑ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ چیل جیسے خونخوار پرندے [illegible] جاتی ہے...... جان دے دیتی ہے پر بچّہ پہ آنچ آنے نہیں دیتی۔

وہ بزرگ بولا۔ ''سائیں بابا! حیرت ہے' بچلو بردا چھوڑ اُدھر ہٹ گئی ہے۔ اِس نے تو اُسے رُو کھے [illegible] نہیں۔ پیدائش سے بھی یہ بہت کمزور تھا۔ تقریباً مَرا ہوا ہی پیدا ہوا تھا۔ ہم نے تو اس کے جینے کی [illegible] دی تھی۔ پر جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ یہ تو ماں کے تھن لینے کے بھی قابل نہیں۔ ہم ہی اسے [illegible] چوسانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

وہ گھنیری پلکیں اُٹھائے مجھے اور میں دھندلی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ چاروں ٹانگوں چت' [illegible] امیروں کے گھروں میں قالینوں پہ شیر' چیتے کی کھال بمع سر بچھی ہوتی ہے۔

[illegible] میں ایک ساربان ایک لمبی گردن والی بوتل میں دودھ بھر لایا۔ وہ اُسے پلانے کی کوشش کر رہا تھا [illegible] نے اُسے روک دیا۔

''[illegible] کی کمزوری لاغری کی وجہ بھی دودھ ہے۔ اسے اپنی ماں کا دودھ خوب پینا چاہیے۔ مگر میں [illegible]۔ اس کی ماں اُسے کبھی دودھ نہیں پلائے گی کیونکہ......!''

[illegible] آخر [illegible] پوچھ لیا۔

''[illegible] میں! یہ تو ہم دیکھتے آئے ہیں کہ ہزاروں میں سے کوئی ایسا بچّہ بھی پیدا ہوتا ہے جسے اس کی [illegible] پلائی بلکہ [illegible] جان سے مار دینے کی کوشش بھی کرتی ہے...... اس بچّے کو تو اس نے ایک بار منہ [illegible] جھنجھوڑ دیں جیسے [illegible] دیوانی ہو گئی ہو [illegible] اس کی جان بچائی تھی اور یہ [illegible] کہ اس کا رنگ سیاہ کالا' اَنگ ڈھیلے اور شکل و صورت بھی عجیب سی۔ یہاں اور بھی بچّے موجود ہیں مگر یہ [illegible] سے الگ اور عجیب سا ہے۔''

میں بچّے سے نگاہیں ہٹائے بغیر بولا۔

''ہاں میں یہ سب کچھ جانتا ہوں سائیں! یہ سب اللہ کے کرشمے ہیں۔ وہ جسے چاہے' جیسا چاہے' جنم جیون [illegible] پہ قادر ہے اور ہم اس کی مصلحتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں......'' اب میں نے بزرگ کی جانب متوجہ ہوتے [illegible] پوچھا۔ ''اب تم اس کا کیا کرو گے؟''

''کیا کرنا ہے' بابا سائیں! ہم تو سوداگر لوگ ہیں...... بڑے جناور پالتے ہیں' خریدتے ہیں بیچتے [illegible] آج اِدھر کل اُدھر' بچّے پیدا ہوتے رہتے ہیں...... ہم انہیں پالتے پوستے ہیں۔ کچھ بیمار و مار بھی ہوتے [illegible] کوئی مر بھی جاتا ہے۔ اب یہ دیکھو' نہ ذبح کرنے کے قابل ہے اور نہ ہی اس کی کھال ہڈی کسی کام کی......

بس اس کا اللہ ہی والی ہے۔“

میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اگر تم چاہو تو اسے مجھے دے دو، ہدیے برکت کے طور پہ مجھ سے کچھ پیسے لے لو۔“

وہ میرے گھٹنے پکڑ کر کہنے لگا۔

”سائیں بابا! میرے سمجھ میں آئی کہ آپ اس کی حالت پہ ترس کھا کر مجھ سے لینا چاہتے ہیں۔ اس کی ماں نے جب آپ کو دیکھا تو اُسے آپ کی طرف دھکیل کر دوسری جانب نکل گئی۔ اس میں ضرور کوئی قدرت کا راز ہے۔ یہ تو بیمار کمزور بچہ ہے، ہونے نہ ہونے کے برابر۔ آپ اس کے ساتھ اس کی ماں پھلو کو بھی ہماری طرف سے اک حقیر نذرانے کے طور پہ لے جائیں۔ بس! آپ ہمارے مال، اعمال کے لئے دعا فرما دیں...... ہمارے لئے یہی کچھ کافی ہے۔“

میں ریت پہ چت پڑے ہوئے اس بچے کے پاس سے اُٹھ کر باڑے سے باہر نکل آیا۔ غلام حسین اپنی ڈاچی کو میرے سوار ہونے کے لئے بٹھا چکا تھا۔ میں نے بزرگ سے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور [illegible] لوگوں سے فرداً فرداً سلام دُعا کے بعد بھیلورانی ڈاچی پہ بیٹھنے لگا تو بزرگ آگے بڑھا، میرا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔

”[illegible] آپ یہ بچہ [illegible]...... [illegible] آپ کے پیچھے پیچھے [illegible] کر دیا جائے۔“

”بابا! بات تو میں نے یوں کی تھی کہ آپ اس بچے کے بدلے کچھ حق محنت لے لیں...... مگر آپ نے شاید مجھے کوئی پیر سمجھ کر نذر نیاز کے طور پہ مجھے پیش کرنا چاہا...... میں فقیر درویش ہوں، پیر یا پیراں دتہ نہیں۔ اس لئے خاموش ہو رہا۔“ یہ کہہ کر میں نے غلام حسین کو اشارہ کیا۔ غلام حسین کے مخصوص اشارے پہ [illegible] آوازیں نکالتی ہوئی کمر کے مُہرے ہلا دینے والے تین جھٹکوں سے پاؤں پہ اِستادہ ہوئی...... ہمارے یوں چل دینے پہ پھر شاید بزرگ کو مزید کچھ کہنے کا موقعہ نہ مل سکا۔

موٹر کار کی طرح اُونٹ بھی کچھ اپنے ”خاص میکینکل سسٹم“ سے چلتے ہیں...... پہلا، دوسرا اور تیسرا گیئر...... بتدریج پھر چوتھا اور پانچواں...... آگے چونکہ قدرے چڑھائی تھی اس خاطر بھیلورانی اپنے دوسرے گیئر پہ رواں تھی اور میں مٹکے کے تسمے پکڑے پیچھے کی جانب جھولے لے رہا تھا۔ اُونچے نیچے راہ رستے، تپتے ٹیلے...... ریگ لہریئے، ہواؤں خمسن گھیریوں سے اُبھرنے والی قوسیں، کٹاؤ اور مختلف تجریدی اشکال تھلوں کے سفر کو دلفریب ہی نہیں پُر اسرار بھی بنا دیتے ہیں۔

یہاں سحر سے پو پھوٹنے کا سماں، دن میں لُو کے جھکڑوں میں جکڑے ہوئے منظر اور سراب شام کے

میں آسمان کے گھونگھٹ میں لگی ہوئی آگ اور شب کے آنچل میں ٹکے چاند ستاروں کی جھلمل جھلمل [illegible] میں قافلوں میں لگے قطار در قطار اُونٹوں کے گلوں کی گھنٹیوں کا ترنم اور حُدی خوانوں کا رجز...... اِن سب کی اِک جُداگانہ سی سحر انگیزی ہوتی ہے جسے نہ تو احاطہ تحریر میں لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی زبان و بیان سے کماحقہ اُجاگر کیا جا سکتا ہے۔ اسے صرف خوشبو و خوبی کی مانند محسوس کیا جا سکتا ہے۔

میں تین بنا چار قعود و جمود قسم کے جھٹکے کھٹکے لیتا جھولتا ہوا بھیلورانی کی سواری کے مزے لے رہا تھا کہ پیچھے سے غلام عباس اپنی مقامی زبان میں غلام حسین سے کچھ کہنے لگا...... ہم سب رُک گئے تھے۔ غلام حسین ششدر سا پیچھے دیکھنے لگا۔ میں نے بھی گردن گھمائی پیچھے دیکھا...... پہلے تو کچھ نظر نہ آیا جو غور سے دیکھا تو دُور پیچھے ایک دھبا سا دکھائی دیا...... صحرائی اور جنگلی باشندوں کے ہاں عام انسانی حسّوں سے کچھ حسّیں زاید ہوتی ہیں...... عام آدمی جو دیکھ سُن اور سونگھ نہیں سکتا وہ یہ کر لیتے ہیں...... غلام حسین چند قدم پیچھے پلٹا' ہاتھ کا سایہ آنکھوں پہ ڈالتے ہوئے چلا آیا۔

’’بابا [illegible] اوہ بیمار شُتر بچہ پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔‘‘

میں نیچے اُتر آیا۔ چند ثانیے اس لڑھکتے ہوئے دھبے کو غور سے دیکھتا رہا۔

’’غلا[illegible]‘‘

میں وہیں کھڑا رہا۔ وہ تینوں ڈاچی کو ہنکارتے ہوئے اُسے لینے جا رہے تھے۔ میں دونوں ہاتھوں کو [illegible] بنائے دُور اُسے گرتا پڑتا دیکھ رہا تھا۔ میرا خواب اپنے وسیع تناظر میں [illegible] میرے سامنے اپنے خد و خال کھولتا جا رہا ہو۔

عصر تک ہم رینجر کی چوکی کے قریب پہنچ چکے تھے...... انہوں نے اپنے احاطہ میں بانسوں سے ایک اونچا سا واچنگ ٹاور بنایا ہوا تھا...... جس پہ ہمہ وقت ایک واچ مین نگرانی پہ رہتا ہو گا...... اس نے ہمیں آتا دیکھ کر اطلاع کر دی تھی...... دو ساندنی سوار بڑی تیزی سے ہماری طرف بڑھتے ہوئے دکھائی دیے۔ یقیناً اُن میں ایک اللہ یار بھگو تھا' اُس نے ہمیں دُور سے ہی دُوربین سے دیکھ لیا تھا۔ اس کی خوشی دیدنی تھی۔ بیس بائیس جوان یہاں متعین تھے' دو چار کو چھوڑ کر باقی سب بارِیش' نمازی اور غازی...... انہوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ قریب قریب سب ہی مجھ سے غائبانہ طور پہ واقف تھے۔ یقیناً اللہ کا بندہ اللہ یار بڑھا چڑھا کر میرا ذکر اذکار کرتا رہا ہو گا...... مجھے یہاں پہنچ کر بے حد طمانیت حاصل ہوئی تھی...... اللہ یار کے لئے میری آمد کے علاوہ جو سب سے بڑی اچنبھے کی بات تھی وہ اس بیمار شُتر بچے کی تھی۔ جس شُتر بچے کا ذکر اس نے اپنی اطلاع میں کیا تھا [illegible] یہی تو تھا۔ وہ حیران و ششدر کہ شُتر بچے کا ذکر اس نے کیا اور ساتھ لے کر میں آ رہا ہوں۔ دراصل

اللہ یار، وہ اس شتر بچے کو مجھے تحفے میں پیش کرنا چاہتا تھا جس کا اسے موقع نہ مل سکا۔

یہاں بھی شتر خانہ تھا۔ یہ سرکاری شتر تھے۔ جن کے چوتڑوں پہ ان کے نمبر نشان لگے ہوئے تھے۔ یہ سب سانڈنیاں تھیں، ان کی اپنی کوئی مصلحت ہوگی کہ ان میں ایک بھی کوئی نر اونٹ نہیں تھا۔ اس پیارو [illegible] چھلاوے سے شتر بچے کا نام میں نے سیاں رکھ دیا۔

اسی شام، نماز کے بعد کھانا کھاتے ہوئے ہم سیاں ہی کی باتیں کر رہے تھے کہ وہی شتر سوداگر بزرگ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ سیاں میرے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ سیاں کو اس حالت میں دیکھتے ہی جیسے انہیں ٹھنڈ پڑ گئی۔ بتانے لگے کہ آپ کے رُخصت ہونے کے بعد یہ وہیں اپنی جگہ پہ بے سُدھ سا چت پڑا تھا۔ اسے دیکھا ٹٹولا تو اس میں کوئی سا ہمت نظر نہ آیا، یہی دکھائی دیتا تھا کہ دیر بدیر مر جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد دیکھا تو یہ اپنے پاؤں پہ کھڑا تھا اور شاید اپنی مائی کو تلاش کر رہا تھا...... ہم نے اسے اس کی مائی کے پاس چھوڑ دیا۔ ماں اسے دیکھتے ہی آگ بگولا ہوگئی، تھوتھنی سے پرے کرنے لگی۔ یہ گرتا پڑتا بے حال ہوگیا تو ہم نے اسے وہاں سے ہٹا کر دوسرے بچوں کے ساتھ باڑے میں ڈال دیا۔ ہماری نظر چوکی جو اسے کہیں راہ و رستہ [illegible] گیا۔ سب [illegible] ریوڑوں میں ریت ڈال کر کہیں غائب ہو [illegible] ڈھونڈا اگر کہیں دکھائی [illegible] کھرا اٹھایا تو پتہ چلا یہ کہیں آ[illegible] پیچھے [illegible]

”سائیں بابا! حیرانگی کی بات ہے اتنا لمبا فاصلہ آپ کے پیچھے پیچھے چلا آیا جبکہ راہیں تو کیا اس شہدے نے تو ابھی اپنا باڑا بھی صحیح سے نہیں دیکھا تھا۔“

میں نے ذرا مزہ لینے کی خاطر اسے چھیڑا۔

”بزرگ سائیں! جب یہ بھی آ گیا اور آپ بھی پہنچ گئے تو اب آپ اسے اپنے ساتھ ہی لے جائیں۔“

اُس نے کانوں کی لَویں پکڑ لیں۔

”توبہ...... توبہ...... ہماری کیا مجال جو اسے چھوئیں بھی۔ اس کی مائی نے خود دھکیل کر اسے آپ کے پاس بھیجا ہے اب اس کے مائی باپ آپ ہی ہیں۔“

اَب میں نے اُسے ایک مناسب سی رقم تھماتے ہوئے کہا۔

”پھر یہ ہدیہ قبول کرو۔ میں جانوں اس کی جان جانے؟“

اُس نے ہلکی سی چوں چراں کے بعد رقم کو چوما پھر آنکھوں ماتھے پہ لگایا۔

”جو حکم سائیں بابا! خیر برکت کے لئے رکھ لیتا ہوں۔ آپ پہلے بھی اسی بات پہ خفا ہو گئے تھے۔

تسلی نہ ہو تو میں کہوں' یہ رقم بہت زیادہ ہے آپ......؟"

"نہیں سائیں! یہ معمولی رقم اس قیمتی اور نادرالوجود جانور کی گوبری کی بھی قیمت نہیں...... تمہاری مہربانی تم نے اس حقیر رقم کے عوض مجھے یہ معصوم سا جانور دے دیا ہے۔"

میری یہ قیمتی اور نادرالوجود جانور والی بات سُن کر وہ سوداگر بوڑھا اپنی گھنگھریالی گھنی سی داڑھی کھجانے لگا جیسے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ تھوڑی سی خاموشی کے بعد اس نے کُریدا۔

"بابا سائیں! عمر میری بھی شتر پالنے' بیچنے' خریدنے میں گزری ہے میں ان کی ہر نسل و اصل سے واقف ہوں۔ اس بچے میں سوا اس کے یہ بہت کمزور اور بہت ہی کالا ہے کوئی اور خوبی دکھائی نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور نادرالوجودی ہو تو بتائیں تا کہ میرے بھی کچھ پلّے پڑے۔"

میں نے اس کی ہوشیاری چالاکی پہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"سائیں! میری بات شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس بچے کو میں نے اپنے خواب میں دیکھا تھا جیسے مجھے کوئی ایک قبر یا کمرے تک گیا ہے...... پھر کچھ ہی دنوں بعد مجھے اپنے اس اللہ یار کا پیغام ملا کہ آپ فوری پہنچ جائیں یہاں ایک اُونٹنی نے ایسے ہی ایک بچے [illegible] ہے جو آپ کو چاہئے [illegible] میں یہاں پہنچ گیا۔ حسن اتفاق میری ملاقات اللہ یار [illegible] اس طرح بچے [illegible] اور یہ [illegible] میں یہاں تھل میں آپ ایک ادھورے وظیفے کو مکمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کر چکا ہوں۔ کچھ برس پہلے میں نے اس وظیفے کا ایک حصہ راجستھان 'تاراگڈھ' میں مکمل کیا تھا۔ اب بقیہ حصہ کسی صحرا تھل میں ریت کے کنوئیں یا قبر میں انجام دینا ضروری ہے اور اس کی دو اہم ضرورتیں تھیں ایک تو شتر بچہ' جو کالا سیاہ اور باختری اُونٹ کے بچے جیسا اَنکھلاتا بھی ہو۔ اَنکھلائے اُونٹ' گھوڑے یا ہرن کے بارے میں تم جانتے ہی ہو گے کہ ان کی دونوں آنکھوں کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور ایسے جانور کچھ مخصوص خصوصیات کے حامل ہوتے ہیں۔ دوسری ضرورت دو نمازی پرہیزگار مگر مضبوط دل گُردے کے مالک ساتھیوں کی ہے جو ہمہ وقت 'صاحبِ وظیفہ' کی کچھ ضرورتوں کو پورا کرتے رہیں۔ میں اپنے اس بچے اللہ یار کو اپنی ساری ضروریات اور انتظامات سے بہت پہلے آگاہ کر دیا ہوا ہے۔ اب موسم معتدل ہوتے ہی اور شتر بچے کے مل جانے پہ اُس نے مجھے فوراً یہاں بلا لیا...... اللہ کا شکر ہے کہ یہاں اب اللہ یار کے علاوہ غلام حسین' اس کا بھائی اور آپ جیسے اللہ کے نیک بندے مجھے مل گئے ہیں۔"

وہ بزرگ فرطِ ممنونیت سے میرے ہاتھوں پہ بوسہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا سائیں! آپ کے لئے جان بھی حاضر ہے۔ اللہ یار بھی اپنا بیلی ہے۔ یہ ادھر گشت کرتے

ہوئے ہمارے ڈیرے پہ بھی آتا رہتا ہے۔ اَب مجھے یاد آیا کہ اُس نے اس شتر بچّے کو کیوں پسند کیا تھا۔ [illegible] نے آپ کو یہاں ہم غریبوں کی دستگیری کے لئے بھیجا ہے...... دُرویش فقیر تو آپ ہیں ہی، مزید پتہ چلا ہے [illegible] سنیاسی وید بھی ہیں۔ آپ کے یہاں آنے سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔"

وہ ایک بار پھر میرے دیئے ہوئے پیسے نکال کر واپس لوٹانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے سنجیدگی سے اُسے منع کیا۔ تب کہنے لگا۔

"بابا سائیں! مجھے چلّوں اور وظیفوں کا بہت شوق ہے، میں نے بھی بے شمار چلّے کیئے ہوئے ہیں مگر کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اور نہ ہی کچھ پڑ پلّے پڑا۔ بڑے بڑے مُرشدوں، سادھوں، فقیروں کی ٹہل خدمت [illegible] بے سُود۔ کہیں میں اَدھورا رہا اور کہیں دوسرے کھوٹے نکلے۔"

میں نے اُس کی بات پکڑتے ہوئے کہا۔

"سائیں! تم نے عجیب سی بات کہی کہ تمہیں چلّے کاٹنے اور وظیفے کرنے کا شوق ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی شوق ہوتا ہے۔ شوق تو شغل میلے میں شمار ہوتا ہے۔ تم نے چلّے اور وظیفے شغل میلے میں کیئے [illegible] اسی لئے تمہیں فائدہ بھی نہیں ہوا اور نہ ہی تمہیں کوئی ڈھنگ کا مُرشد ملا [illegible] سائیں! [illegible] دنیادار [illegible] آدمی ہو [illegible] اوڑے کا میدان [illegible] تب [illegible] من مجھانے [illegible] ہوئے جنگلوں کا راستہ پکڑنا پڑتا ہے۔ صدیوں سیوا خدمت کرنی پڑتی ہے...... چڑیا کا چوگا مُنہ میں اور ابابیل کی چونچ کا قطرہ لَبوں پہ...... [illegible] بچھونا، پتّھر کا تکیہ اور پھر [illegible] گھڑی کا رونا...... ملامتیں، پھٹکاریں، رُسوائیاں اور تنہائیاں! شاید تم چلّوں [illegible] مجاہدوں ریاضتوں کو بھی شتر دوڑ [illegible] کشتی [illegible] کوئی کھیل سمجھتے ہو اور بابوں مُرشدوں کو [illegible] یا ساہوکار...... جو کوچے گلی بازاروں میں دھرے ہوئے ملتے ہیں...... آسمان پہ پدموں کھربوں ستاروں [illegible] شمس و قمر، زہرہ، مشتری، عطارد، مریخ، زحل وغیرہ تو کوئی ایک آدھ ہوتا ہے اور جبکہ ان سب میں قطبی [illegible] صرف اور صرف ایک ہی ہوتا ہے۔"

میری یہ بہکی بہکی باتیں سُن کر بزرگ شتر سوداگر کی عجیب سی حالت ہوگئی۔ بندہ سیدھا اور عمر رسیدہ [illegible] شاید دُور اندر کہیں لَو کی لاگ لگی ہوگی۔ جبکہ بظاہر تصوّف کی آگ میں جھلسا ہوا تو نہیں صرف جھٹ پٹ [illegible] ہوا ضرور دکھائی دیا تھا۔ پیرانِ صحرائی تو ویسے بھی آدھے پچدّے ولی ہوتے ہیں۔ صحراؤں، تھلوں، موسموں [illegible] زندگی کی اذیّتوں نے انہیں رگڑے دے دے کر ریزہ ریزہ کر دیا ہوتا ہے۔ تب انہیں کہیں صحرا کے [illegible] ستارے اور امبر تاروں میں اپنے جگر پارے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اِن کی آہ و فغاں حُدی خوانی کے [illegible] میں ڈھل کر فطرت کے صحرائے نجد میں اک وجدی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ قدرت کے رمز شناسوں [illegible]

[illegible] ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہوں میں شکرے، قدموں میں آہو...... تن میں تیندوے...... ارادوں میں رعدیں، [illegible] استقامت میں پہاڑوں کی قدامتیں...... جبکہ ان کی سانسوں میں گھمبیلے سانپوں کی سرسراہٹیں سی ہوتی ہیں۔ وہ [illegible] ندھے بندھے اور رندھے ہوئے لوگ ہوتے ہیں......"

وہ سر کو نیچے سرکائے 'سُرک سُرک' کر رہا تھا۔ میں خاموش اور وہ تو جیسے مدہوش تھا...... یوں لگتا تھا جیسے [illegible] باتوں نے اس کے بھیتر پڑی کوئی گرہ کھول دی تھی۔ جب کسی گٹھڑی یا ہلدی کی گرہیں کھول اور گھول [illegible] دی جاتی ہیں تو پھر سب رنگ بھنگ سامنے آ جاتے ہیں تب کوئی تیور تیکھا اوجھل نہیں رہتا...... وہ پیرِ صحرائی کسی [illegible] گھگیا رہا تھا، ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"سائیں بابا! میری تو بس! میں نے دُنیا تیاگی...... میں مُخبروں کا سوداگر نہیں، فقر کی راہ میں گداگر بننا [illegible]۔" پھر میرے پاؤں پکڑتے ہوئے التجا کرنے لگا۔

"آپ مجھے اپنے ان قدموں میں رہنے کی اجازت دے دیں۔"

میں نے پاؤں چھڑاتے ہوئے کہا۔

"سائیں! آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کو دُنیا چھوڑنے کے لیے نہیں کہا اور نہ [illegible] نے دُنیا [illegible] کی ہی چلی ہے چاہے وہ ولی یا درویش! جب دُنیا [illegible] سے ناتا تعلق تو توڑا نہیں جا سکتا۔ بس اتنا ہے کہ اس سے اتنا جڑو جتنا بے حد ضروری [illegible] مُخبروں کا کاروبار تو نبیوں پیغمبروں نے کیا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والا پیشہ، روزی ہے، اسے بھی [illegible]۔ بس اندر اور باہر کے کاروبار کی حد بندیاں کر لو۔ دونوں میں دیانت و امانت برتو...... اور ہاں [illegible] بولایا ہوا بابا بے حد ضروری ہے۔ جیسے بے بے کے بغیر جنم نہیں لیا جا سکتا اسی طرح بابے کے بنا فقر [illegible] نہیں لیا جا سکتا ہے۔ بے بے اور بابے میں محض الف کا فرق ہے...... اور یہ تم کچھ جانتے ہی ہو گے کہ [illegible] کے منہ سے پہلا حرف جو نکلا تھا وہ الف ہی تھا...... اسمِ اعظم کا پہلا حرف، اسماء الحسنیٰ، اُمّ الکتاب، [illegible] آدم و احمد سے اوّل اور آخر اللہ کے لیے بھی یہی الف...... بابا اسی الف سے آمنا و صدقنا سکھاتا [illegible] تسلیم و رضا فقر و درویشی ہے۔ یہی کچھ اگر تم مجھ سے سیکھنا جاننا چاہتے ہو تو بسم اللہ!"

وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"سائیں! مجھے ابھی بیعت فرمائیں۔"

"بھائی! میں پیر نہیں فقیر ہوں۔ آج کا نام نہاد پیر بیعت لیتا ہے، نذر نذرانے وصول کرتا ہے پھر [illegible] تعویذ دیتا ہے اور سب کا دوست ہوتا ہے۔ جبکہ فقیر، درویش یہ سارے کام نہیں کرتا۔ کوئی نگاہ و مَن

میں ٹھک جائے تو ٹھیک سے بات کر لیتا ہے ورنہ وہ کسی کو گھاس نہیں ڈالتا ۔

وارث رن فقیر تلوار گھوڑا...... چارے تھوک ایہہ کسے دے یار ناہیں"

اگلے دو تین دن قدرے آرام سیاں کی ٹہل سیوا اور نگہداشت میں گزر گئے۔ آس پاس کے گوٹھ قبیلے سے پرے کے پرے دُعاؤں برکتوں اور زیارت کے لئے آتے رہے۔ لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میں محض دُعا پہ اکتفا کرتا ہوں۔ کوئی دھاگا تعویذ گنڈا اور تبرک کیوں نہیں دیتا۔ وہاں تو اللہ والا پیر مرشد اسی کو سمجھا جاتا ہے۔ جس نے سر پہ بڑا سا پگڑ لپیٹا ہو۔ کھلی ڈھلی رنگین عبائیں قبائیں لٹکا رکھی ہوں۔ دس بیس چیلے چانٹے مٹھی چاپی والے جلو میں ہوں۔ بٹھانے اُٹھانے کے لئے ڈولی اوپر چھپر چھتر تعویذ گنڈے ڈوری دھاگے پھونکیں جھاڑ پھونکے...... بڑی بڑی دعوتیں نیازیں اور لنگر لنگار...... آنے جانے والوں نے جب ایک دم سے سیاہ پوش بوڑھے کو جو نہ تو آنکھیں [illegible] اور نہ ہی کسی لڑکی کو دم پھونک کے بہانے قریب آنے دیتا تھا۔ نذر نیاز نہ کوئی پڑھائی وظیفہ۔ اڑھائی تولہ چاندی نہ چادر دوشالہ...... بلکہ اُلٹا اپنے کھیسے جیب سے اٹھنی [illegible] تھماتا ہو۔ بچوں بالوں کو خالی مٹھی نہ لوٹاتا ہو۔ جو محض دُعاؤں دلاسوں سے حاجت مند وختہ وروں کی [illegible] کرتا ہو یقیناً پہلی بار دیکھا تھا...... بہت سے عجیب سی نظروں سے تولتے ہوئے دن کو ڈالے ہی واپس [illegible] والا [illegible] سا ہی ہے۔ [illegible] سے ہمیں کیا لینا [illegible]؟

شروع کے [illegible] دو چار دنوں میں یہ بزرگ جن کا نام بابا حکمت یار تھا [illegible] میری حاضری میں رہا...... اس رینجر پوسٹ پہ تین وقت ڈیوٹیاں بدلتی تھیں...... آٹھ آٹھ گھنٹے [illegible] ساتذنی سوار اپنے اپنے علاقے کی گشت پہ نکلتے تھے۔ تھل کے بیچوں بیچ وہ دُور دُور تک نگہداشت پہ نکل جاتے۔ مجھے انہوں نے ایک نیم پختہ علیحدہ کوٹھڑی میں فولڈنگ بیڈ ڈال دی تھی۔ یہ کوٹھڑی دراصل ان کے مواصلاتی نظام کے لئے موجود بیٹری یونٹ چارجنگ کے لئے تھی۔ مختلف کیمیائی محلول تیزاب وغیرہ کی ملی جلی بُو کی بناء پہ یہ قدرے ہٹ کر واقع تھی۔ اس کے لئے میری ہی پُر زور درخواست پہ انہوں نے عارضی طور پہ مجھے یہاں ڈال دیا تھا۔ اس کوٹھڑی کے اُوپر پانی جمع کرنے کی ٹنکی بنی ہوئی تھی جو شاید سوکھی تھی کیونکہ اس کے بھرنے کا انحصار بارشوں پہ ہوتا ہے۔ ابھی بارشوں کے قریب قریب کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شتر خانہ دفتر رہائشی بیرک اسلحہ خانہ گودام وغیرہ کوٹھڑی سے کافی ہٹ کر تھے...... کوٹھڑی کی ایک چھوٹی سی کھڑکی مغرب میں کھلتی تھی اور ایک مشرق کی جانب۔ جہاں رینجرز نے صبح کی ورزش اور پریڈ کے لئے گراؤنڈ سی بنائی ہوئی تھی۔ صرف ایک قباحت تھی کہ یہاں کی نفری کے لئے جو صحرائی انداز کے بیت الخلاء بنے ہوئے تھے وہ کوٹھڑی کے دروازے کے پاس

[illegible] تھے جبکہ مسجد اور وضوخانہ' بیت الخلاء کے عقب میں تھا۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق مجھے اس [illegible] میں مزید سات آٹھ روز رُکنا تھا کیونکہ چاند اُتر رہا تھا اور نوچندی جمعرات میں یہی کچھ سات روز [illegible] تھے۔

سیّاں ان فراغت کے دو تین دنوں میں قدرے سنبھل گیا تھا۔ میرے ہاتھ مٹھی سے کچھ گھاس دانہ' [illegible] لیتا تھا۔ مگر لاکھ کوشش کے باوجود وہ شتر خانے میں دوسری سانڈنیوں کی سنگت میں پڑنے پہ رضامند [illegible] تھا بلکہ بغبغاتا ہوا گرتا پڑتا بھاگ آتا تھا...... اس الگ تھلگ جگہ پہ پڑنے کی ایک وجہ یہ سیّاں بھی تھا [illegible] یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ میری وجہ سے یہ ذمہ دار سرکاری کارندوں کی کارکردگی متاثر ہو۔ کیونکہ میں یہاں [illegible] یعنی چلہ ریگتی کے بقیہ حصے کی تکمیل کے لئے پہنچا تھا۔ جس کی تکمیل کا اشارہ مجھے خواب' رُویا کے [illegible] چکا تھا اور اس چلّے کے ضروری محرک ریگ ماہیوں کا بھی موسم تھا اور سیّاں کی صورت میں میرا مطلوبہ [illegible] بھی قدرت نے براہِ راست عطا کر دیا تھا۔ غلام حسین اور بابا حکمت یار بھی خوش قسمتی سے مل گئے۔ [illegible] حکمت یار تو [illegible] کے حوالے سے ساتھ جُڑا جبکہ غلام حسین شاید اپنے بیمار بھائی غلام عباس کی صحت کے [illegible] میرے قریب آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ [illegible] چلّے سے فراغت کے بعد غلام عباس کا [illegible] اور [illegible] وہ دنوں میں تندرست ہو جائے گا۔ ادھر [illegible] عقیدت مند اللہ یار نے تو میرے پہنچتے ہی ایک ماہ کے لئے رُخصت لے لی تھی۔ وہ اسی رُخصت [illegible] شادی کا پروگرام [illegible] بنائے بیٹھا تھا...... نکاح تو شاید سال ڈیڑھ سال پہلے [illegible] ہو چکا تھا۔ وہ اپنے جی [illegible] میں ٹھانے بیٹھا تھا کہ بابا ادھر آ [illegible] گے تو سسرال والوں سے بیوی کی رخصتی لوں گا۔ اس کی خواہش تھی کہ [illegible] آئے اور جو پہلا کھانا پکائے وہ بابا کھائیں۔ کچھ برس پہلے سرکار شہباز قلندرؒ کے عرس پہ میں نے یونہی مذاق [illegible] میں اس سے کہیں کہہ دیا۔ اللہ یار! یار' تمہاری بیوی بڑی رسیلی اور چمپا چنبیلی سی ہوگی۔ اس کے سجاؤ [illegible] اور ہاتھ میں لذت ہوگی۔ وہ آئے گی تو تیرے لئے بڑی خیر و برکت لائے گی۔ پھر ایسے ہی ہنسی [illegible] نے اس کے دو بچوں کے نام محمد یار اور علی یار بھی رکھ دیئے۔ بس وہ دن اور یہ دن اُس کی یہی رَٹ کہ [illegible] تو دُلہن لائیں گے۔ جب دُلہن آئے گی کھانا پکائے گی تو بابا کھائیں گے۔

[illegible] یار ستائیس برس کا جوان ہونے کے باوجود ابھی تک ستائیس دنوں کا معصوم سا بچہ تھا یا پھر وہ [illegible] کر میرے رُوبرو ایسا بن جاتا تھا۔ مجھے ادراک تھا اب جو میں یہاں پہنچا ہوں تو بہو کے ہاتھ کا پہلا [illegible] کر ہی واپس لوٹوں گا۔ میں نے اِدھر پہنچنے پہ دوسرے دن کہہ دیا تھا۔

”بیٹا! اب تم دو ایک دنوں میں یہاں سے نکل لو۔ گھر جا کر شادی کی تیاری کرو۔ ٹھیک پچیس روز بعد

کی تاریخ لے لو۔ اکیس بائیس دنوں میں 'مَیں اِدھر سے فارغ ہو لوں گا۔ اِس دوران آتے جاتے بھی
بہاول نگر کون سا یہاں سے دُور ہے۔ میری نگہداشت' خبر گیری کے لئے یہاں بہت سے اللہ کے بندے
ہیں۔"

آنے جانے والوں کی تعداد اب نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ اِس میں کچھ میرا بھی سرد رویہ [illegible] زیادہ دخل اِس رینجرز پوسٹ کا تھا جہاں غیر متعلقہ افراد کا آنا جانا ممنوع تھا۔ اِکا دُکا آ بھی نکلتا تو مَیں [illegible] فارغ کر دیتا۔ چوتھے روز مَیں نے اللہ یار بھگو' بابا حکمت یار اور غلام حسین تینوں کو پاس بٹھایا اور بتایا [illegible] روز بعد نوچندی جمعرات ہے امرِ الٰہی ہُوا تو مَیں اپنے چلّے کے لئے ریت میں اُتروں گا۔ اللہ یار بھگو [illegible] اپنے گھر چلا جائے گا۔ بابا حکمت یار اور غلام حسین دونوں اپنے اپنے اوقات مقرر کر کے دن رات وہاں [illegible] پہ موجود و حاضر اور میری ہدایات کے مطابق چوکس و خبردار رہیں گے۔ یہ ڈھائی دو دن مجھ سے قدرے [illegible] رہتے ہوئے چوبیس گھنٹے مجھ پہ نظر رکھیں گے۔ بلکہ بلا اشد ضرورت و مجبوری وہ مجھ سے بات چیت کرنے سے اجتناب کریں گے۔ میرا کوئی عمل یا بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے وہ مداخلت نہیں کریں گے...... [illegible] ہدایات تینوں [illegible] ذہن نشین کرانے کے بعد مَیں نے انہیں [illegible] اور غیر [illegible] نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ پھر وضو نماز اور اوراد کے بارے سمجھانے کے بعد تینوں سے کہہ دیا آج سے [illegible] ملاقات سختی سے منع ہے۔ اب مَیں بیٹری چارجنگ والے کمرے میں چارج ہونے کے لئے بند ہو گیا۔ [illegible] بھی میرے ساتھ اندر چلا گیا تھا۔

چار روز پہلے اِس چوکی پہ پہنچ کر مَیں نے اپنا کھانا پینا بتدریج کم کرتے کرتے تقریباً ختم ہی کر دیا تھا۔ [illegible] معدے مثانے کی زنبیل' بوجھ اور آلائشوں سے خالی ہو چکی تھی۔ میرے تھیلے میں ہلکا سا مُصلّٰے' مٹی کا [illegible] کورا پیالہ' اُونٹ کی کھال کی ایک چھوٹی سی چھاگل' جس میں آبِ زم زم اور دُنیا بھر کے مقدس پانیوں کا مرکب تھا۔ تقریباً ایک تولہ کالے تل اور اتنے ہی بھنے ہوئے جَو...... اِس چلّہ ریگتی کا دورانیہ' گیارہ دن یا ایک [illegible] ہوتا ہے جبکہ اِس سے پہلے کے چھ چلّے ضروری ہوتے ہیں۔ یہ ساتواں (دو حصّوں میں) چلّہ بڑا اہم [illegible] ہوتا ہے۔ مُرشد بابے اِس کی اجازت ذرا کم ہی دیتے ہیں۔ اِس میں جان کے لالے بھی پڑ سکتے ہیں۔ [illegible] غلطی' بے احتیاطی سرزد ہو جائے تو عامل موصوف ریت کی قبر سے باہر نہیں نکل پاتا بلکہ اندر ہی ختم ہو کر [illegible] میں تبدیل ہو جاتا ہے کسی مُردے کی طرح' چلّہ کاٹنے والے کا بھی باہر کی دُنیا سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

عام اِنسان کے مرنے کے بعد اِس کی روح عالمِ برزخ کی جانب مراجعت کر جاتی ہے۔ اِس [illegible] بے رُوح جسم بوسیدہ پڑ کر گل سڑ کر رزقِ خاک بن جاتا ہے جبکہ صاحبِ چلّہ کی جان' جسم اور رُوح اپنے [illegible]

[illegible] نہیں پہنچے ہوتے بلکہ تزکیۂ جسم و نفس کے ایک مرحلے کو سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ اسی لئے جہاں [illegible] چلّوں کے لئے بے پناہ خود اعتمادی' بے خوفی چاہئے ہوتی ہے وہاں اپنے مُرشد بابے کی خصوصی نظر' [illegible] استعانت بھی سلامتی و کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے۔ اس چلّے کی توفیق بہت کم لوگوں کو ملتی ہے اور جب [illegible] ریتی چلّے کے ابتدائی چھ چلّے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ پائیں اس چلّے سے نہ تو فائدہ اور نہ ہی کوئی مقصد [illegible] ہوتا ہے۔

”جزوقتی“ صوفیوں' درویشوں کے چلّے وظیفے الگ اور آسان سے ہوتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کے [illegible] جان کا خطرہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ ان سے ان کا مقصد روحانی طور پہ کوئی منصب و مقصد کا [illegible] نہیں ہوتا محض اپنے حلقۂ مُریدین میں اپنا قد و قدر بالا کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ کچھ لوگ دیکھا دیکھی اور [illegible] جنون میں مبتلا ہو کے بھی ان اشغال میں پڑ جاتے ہیں۔

● [illegible] جنّتی پہاڑوں لتھا......!

[illegible] معروف [illegible] بزرگوں کی قبریں مزارات' بارہ دری...... مجھ' کچھ' مگر' گیروں اور ملاحوں کے جھونپڑے وغیرہ [illegible] بڑی شہرت کے حامل تھے۔ کناروں کے ذخیروں میں جنگل منگل کا سماں ہوا کرتا تھا۔ مختلف [illegible] کے پھولوں پھلوں کے باغات' سایہ دار چھتنار درخت' رنگ برنگے طرحدار' خوش نوا و خوش ادا طیور اور [illegible] خضرت کا نور ظہور ہوتا تھا۔

یہاں کی گہما گہمیاں کبھی موسموں کی منت کش نہیں ہوا کرتی تھیں۔ ہر موسم چاہے وہ خزاں ہو کہ بہار' [illegible] برسات' گرمی' سردی یہاں ہر وقت ویلے' موج میلے جمے رہتے تھے۔ موسیقی کے جلسے' بیت بازی' [illegible] فی البدیہہ شعر گوئی' کہانی کہاوت' ہیر رانجھا' سیف الملوک اور مرزا صاحباں کے مجمعے۔ کبڈی' [illegible] اور تن سازی کے اکھاڑے۔ بھنگ اور چنڈو خانے...... کچی دیسی شراب کی بھٹیاں' ملنگوں اور [illegible] کے ڈیرے یعنی یہاں اُمنگوں ترنگوں اور رنگوں کے پھریرے لہرایا کرتے تھے۔

صبح دوپہر شام اور رات' دریا کی جانب بڑھنے والا ہر راہ و راستہ انسانوں سے لپا پتا ہوتا۔ تانگے' یکے' [illegible] بگھیاں' سائیکل اور پیدل...... اپنے وقتوں کے مشہور گائیکوں کا صبح کا ریاض راوی کنارے ہوا کرتا تھا [illegible] کے وقت سے ہی سلسلے وفا کے شروع ہو جایا کرتے...... نرم نرم نمدار ریت' پولی پولی پُروائی' پانیوں میں

جھلملاتا ہوا شرمیلے ستاروں کا عکس...... چاندی کے چھپکے مارتا ہوا پونگ...... سرکنڈوں کے پیچھے حق اللہ [illegible] صدا ابھر رہی ہے تو کہیں کوئی حافظ اپنا دورہ قرآن کر رہا ہے۔ سرکار شاہ حسینؒ کے سابق مزار والے کنارے [illegible] دھیان گیان والے دھرنے دیئے ہوئے اور شمشان گھاٹ کے قریب' کالے ایلم جادو ٹونے والے [illegible] جنتر منتر تنتر کی کلیاں ہانڈیاں دہکائے پڑے ہیں...... بابا چنن چراغ کے تکیئے کے پاس نو آموز گویے [illegible] میں مُنہ دیئے آواز کی بنیاد بنا رہے ہیں۔ کہیں راگ بھیار چھڑا ہوا ہے" پیا جی راکھو چرن دوارے آئی [illegible] کہیں بھیروں رنگ بکھرا ہوا ہے۔ کوئی سرگم پہ الاپ لے رہا ہے۔ میاں کی ٹوڑی اور کہیں راگ بہار [illegible] رہا ہے۔ کوئی ڈوم ملہار کی موسلا برت ہے" رکرن رکرن اترے اُجیارا سنگ سنگ آوے پی ہمارا" پیچھے سے آگے بڑھتے جائیں تو دریا اپنا دامن پھیلاتا جاتا ہے۔ دریا کی دونوں بغلوں بازوؤں کے چھدرے گھنے [illegible] نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں یعنی جھاڑ جھنکاڑ دریائی ایکاں کالا پدا' ایکڑ سفید آک' پھن پھوڑا' چونگ [illegible] اور دیگر الم غلم جو دریا کنارے نیم ریتلی زمین پہ اُگ سکتا ہے یہاں موجود...... دائیں بغل بازو سرواں [illegible] کا راستہ تو بائیں جانب مائی جنداں کی مڑھی اور بہت آگے سگیاں کا وقوع۔ درمیان پڑنے گجر [illegible] جانب جو راستہ بنتا تھا اس سے کچھ پہلے ایک پرانا قبرستان تھا جو سیلابی پانی سے [illegible] تھا۔ یہاں [illegible] تھا یہاں [illegible] ہڈیاں [illegible] ناگوار دل اُلٹانے والی بدبو سے فضا مکدر رہتی تھی۔ نازک مزاجاں' شاہ قماشاں ادھر کا رُخ نہیں کرتے تھے۔ اسی ٹبہ نما اُونچی زمین والے کٹاؤ میں بڑے گھنے کالے مگر لمبی سُولوں والے کیکروں کا ذخیرہ تھا۔ [illegible] بھربھری مٹی' جس میں دریائی ریت کا تناسب کچھ زیادہ ہی ہوتا۔ اسی وادیٔ پُرخار' کچھوپروں کے مرگھٹ میں بابا تھے شاہ کچھوپروں والے کا آستانہ تھا۔ وہ کچھوپروں والا شاید اسی لئے مشہور تھا کہ کچھوپروں کا نیم پختہ گوشت بڑی رغبت سے کھاتا تھا اور پانی کی جگہ بھنگ بھی کاسۂ کچھوپر میں پیتا تھا۔ کچھ لوگ اسے [illegible] بھوتوں والا بابا بھی کہتے تھے۔ سر پہ گھمبریل' جُڑی ہوئی غلیظ لٹیں' داڑھی مونچھ کے بے تحاشا بڑھے ہوئے [illegible] اور خاکستری جھبول میں لت پت استخوانی جسم بھی اس کی اک بڑی پہچان تھا۔ ہر لمحہ بھنگ کے نشہ میں [illegible] ہوئی انگارہ آنکھیں۔ کڑک دار آواز' حال حُلیہ...... رُوبرو دریائی' جنگلی لکڑیوں سے ہمہ وقت دہکتے [illegible] تھوڑے تھوڑے وقفے سے دل دہلا دینے والی' سنگھ کی پھونک۔ اردگرد درختوں پہ لٹکی ہوئی منحوس چمگادڑیں [illegible] اُلو کی اُلومیں...... تکمے نچلے گالڑ' گوسڑوں کی دھما چوکڑیاں' بیٹ بٹے' چڑیوں چھوں اور شارکوں شکروں [illegible] شور شرابے ان سب سے دو جوتے اُوپر کچھوپروں کے چھپر چھدرے' سڑی گلی ہڈیاں۔

بابا تھے شاہ کے بالکے ان کے لئے راوی کے نونہال کچھوپر اور گنڈا سنگھ یا چھانگے کی جنگل کی [illegible]

[illegible] طور نذرانہ لانا نہ بھولتے تھے۔ بابا تھیے شاہ ہندو تھا یا مسلمان، سکھ یا عیسائی یہ شاید کوئی نہیں جانتا تھا؟ میں نے ایک بار اپنی اس وقت کی عمر و عقل کے مطابق اندازہ لگایا تھا کہ یہ مہاشے اِن چاروں مذہبوں سے بالواسطہ منسلک ہیں۔ کچھوپر کی تھگلی سی مُنڈی باہر کھینچتے ہوئے وہ ''مولا مُکا دے رَولا'' کا فلک شگاف نعرہ بلند کرتے، جو [illegible] کسی نہ کسی سطح پہ مسلمان ہونے کا اشارہ تھا۔ اسی طرح حرام و حلال، پلید و پاک میں امتیاز نہ برتنے، جسم کے نیچے اُوپر بے تحاشہ بال و پر کی پرداخت و پرورش، ناف کے اوپر جینؤ قسم کی پتلی سنگلی، جس ساتھ کانسی کی [illegible] سی اک صلیب سی لٹکی رہتی تھی۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا در اصل وہ صلیب نہیں تھی ایسے ہی کوئی اُوٹ پٹانگ [illegible] تھی جس کا استعمال اس وقت ہوتا جب کوئی ضدی قسم کا کچھوپر اپنی مُنڈی اپنے خول میں سمیٹ لیتا...... یعنی [illegible] پروں کا تُن اُو پتر تھا۔

بابا تھیے شاہ دن رات کے اکثر حصوں میں کھاتے رہتا اور یا پھر پیتے رہتا۔ کھانے کے لئے کچھوپر [illegible] پینے کے لئے بھنگ وافر تھی۔ بابا پینے سے پہلے کچھوپر پہ گرفت کرتے، بہلا پھسلا کر نوکیلے ناخنوں والی [illegible] انگوٹھے کی ترکیب سے اس کی کسی لٹوے کی چھنچو جیسی مُنڈی کا دبوچا کرتے۔ پھر اک فلک شگاف [illegible] ''مولا مُکا دے رَولا'' کی آڑ میں کچھوپر کی لکڑی سی گردن جھٹکے سے نکال باہر کرتے۔ بہت کمال احتیاط و رسائی سے حربے کو [illegible] پل میں [illegible] باہر نکل [illegible] کچھوپر اگلے [illegible] میں زندگی کی سرحد سے باہر نکل جاتا...... باقی کا کریا کرم چیلے چانٹے کیا کرتے تھے۔ چھری چاقو سے کسی [illegible] کی طرح چھیل چھال کر گودا اور خول الگ...... خونیلے گوشت کا مُنچا بِن دھوئے بھنا کر انگاروں پہ لوٹا دیا [illegible] خون و آلائش سے مزین کا خول میں بھنگ بھر کر نوش جان کی جاتی۔

اس اقلیم ابلیس میں اکثر وہی دیوث صفت لوگ داخلہ لیتے جو کسی نہ کسی طور دائرہ خیر و سلامتی سے [illegible] لے چکے ہوتے۔ ٹونے ٹوٹکے والے، اُلٹے سیدھے کارے کرنے کے لئے ابلیسی استعانت حاصل [illegible] کے خواہاں، بھوت پریت، نسا چروں اور مستان کے مارنے والے...... اور بہت ایسے شوقین عامل، جو کسی [illegible] وظیفے کی تکمیل کے لئے کسی رہبر یا کسی محفوظ جگہ کے متلاشی ہوتے...... یہ جگہ اک طرح سے شیطان کا [illegible]۔ جدھر ہر کام اُلٹے پاؤں کے رُخ پہ ہوتا تھا۔ شریف شُرفے، اللہ نبی پہ بھروسہ رکھنے والے اہلِ ایمان، [illegible] ادھر نا تو دُور کنار، بھولے سے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتے اور جگہ میں تھا ہی حرفوں ککھڑوں کا [illegible] سیدھے دروازہ سے نہیں مجھے تو گوڈے گئے چھلوا...... کھنیاں پسلیاں رگڑوائے، دیواریں کوٹھے الانگے [illegible] بغیر کہیں جانے گھسنے میں چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ ڈیموں، بھڑوں اور شہد کی مکھیوں سے انگ تنگ [illegible] بنا روٹی ہضم نہیں ہوتی تھی۔ کھوتوں، گھوڑوں کی دولتیاں، بھڈووں، سانڈوں اور بھینسوں کی ٹکریں......

گھر والوں، ہمسایوں سے لعن طعن، نابینوں، بھکاریوں، کُھسروں، مداریوں سے خوامخواہ کے پنگے، ہم عمروں سے جان بوجھ کے دنگے...... میلوں ٹھیلوں میں مُفت بریانی، دھاندلیاں وغیرہ وغیرہ، میرے لئے روز مرہ کا حصہ تھیں۔ ہر نوجوان جو عملی، عقلی، علمی اور معاشی طور پر بدحرام یا ازقسم بڑا گوشت ہوتا ہے وہ بابوں فقیروں [illegible] "کرنی" والے مجذوبوں کے چکروں میں پڑا ہوتا ہے، ایسے بابے جو کسی کرامت، دعا پھونک سے اُسے نہال [illegible] دیں۔ تعویذ دھاگوں اور اکھڑوں کے عمل سے اس کی من کامنائیں پوری کر دیں۔ میرے ساتھ کوئی ایسی [illegible] نہیں تھی لیکن "جاننے" کا چسکا اُپکا مجھے در در کی خواری دکھاتا تھا۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا کہ میں سیدھے [illegible] نہیں بلکہ اُلٹے پانی پیرنے والا بندہ تھا...... تریاق اور زہر ہلاہل، کہیں دونوں بٹ رہے ہوں تو میں یقیناً تریاق ترک کر کے زہر کی خواہش کروں گا......

جو دوا کے نام پہ زہر دے اُسی چارہ گر کی تلاش ہے

راوی کے کناروں، بارہ دری، شاہدرہ کے شاہی باغات، جن میں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ [illegible] پُر لطف ماحول پیدا کیے ہوتے۔ وسیع و عریض ذخیرے نیلے، ثمر و سایہ بار اشجار، اپنی ایک الگ ہی شان [illegible] رکھتے تھے۔ سوکھی آوارہ گردی کے لئے راوی اور اس کے گردونواح سے بہتر اور کوئی علاقہ ہو ہی [illegible] سکتا تھا۔ سوکھی آوارہ گردی ویسی ہی ہوتی ہے جیسے سوکھی تماش بینی ہوتی ہے [illegible] بھی شاہی قلعے تک نکل آتا ہے کوٹھا کوٹھا، دریچے جھروکے، بُوہے باریاں تاکتا، جھانکتا، بنا کچھ لیے [illegible] شاہی مسجد تک پہنچ جاتا ہے۔ علامہ صاحبؒ کے مزار پہ فاتحہ اور مسجد کی پہلی صف میں نماز ادا کر کے [illegible] جانب ہو لیتا ہے تو اسے سوکھی تماش بینی [illegible] والی بات کہتے ہیں۔ انگریز ایسی حرکت کو ونڈو شاپنگ کہتے ہیں، جس میں دوکان دوکان جھانکا دیکھا جاتا ہے۔ ڈیزائن، قیمت، کوالٹی بڑے سنجیدگی سے دیکھی بھالی جاتی ہے۔ دوکاندار باہر کھڑے گاہک کی دلچسپی کو دیکھ کر جھرے ٹوکے تیار رکھتے [illegible] ایسے سوکھی خریداری کا شائق، اثبات میں ایک دو بار سر ہلا کر اگلی دوکان کے آگے جا کھڑا ہوتا ہے۔ ایسی [illegible] سوکھی پڑھائی، رشتہ داری، دوستی، عاشقی، پیری فقیری، نماز روزہ اور سوکھے حج و عمرہ بھی ہوتے ہیں۔

میں محض سوکھی آوارگی کے لئے راوی پہنچ جاتا تھا یا یہ کہ سب کچھ میری راہ پہ تھا۔ سیالکوٹ اور گوجرانوالہ کے بے ٹکٹوں کے لئے شاید شاہدرہ، بادامی باغ سٹیشنوں سے بہتر اور محفوظ اور کوئی جگہ نہیں [illegible] یہاں گاڑی بہت سست رو ہو جاتی ہے۔ ہم بے ٹکٹے چلتی گاڑی سے ہی اتر کر ڈھلوان سے نیچے ہو لیتے [illegible] طرح ہمارے پہلے پڑاؤ پہ شاہدرہ، مقبرہ اور راوی...... پھر آگے جدھر دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں [illegible] آگے داتا صاحبؒ جہاں دن بھی بیدار اور راتیں بھی، دربار...... شاید یہ بھی سب میرے لئے سوکھا شوق ہی تھا

مجھے کچھ گُن سُن تھی کہ اُدھر کچھوپروں والے بیلے' جادو ٹونے اور کالے علم والوں کی سمادھیاں جمتی [illegible] بڑی خوفناک صورتوں اور حلیوں والے سادھو' جادوگر عامل لوگ یہاں چلّے چوکڑوں کے لئے آتے [illegible] ہیں...... الگ تھلگ' بے انتہا بدبودار اور منحوس جگہ ہونے کے سبب پولیس وولیس بھی کوئی خاص [illegible] دیتی تھی' اس رعایت سے یہاں ہر وہ کام ہوتا تھا جس کی سرِعام گنجائش نہ ہوتی۔

کچھوپروں کے یار ڈڈو...... میرا ایک رنگڑو قسم کا واقف کار' عنایت علی! جو تکیہ مراثیاں کے ایک [illegible] کا بیٹا تھا یہاں تبہ کچھوپراں کے آس پاس کہیں بھی بیٹھا بھنگ والے پاپڑ بیچا کرتا تھا۔ ڈوبتے کو تنکے [illegible] اور بھوکے کو پاپڑ کا چھلکا بھی پیارا...... انتہائی خالی پیٹ کے عالم میں وہ اکثر میری پیٹ رَسی چند [illegible] پاپڑوں کے ٹکڑوں بھوروں سے کیا کرتا تھا۔ پیدائشی طور پہ دایاں بازو چھوٹا رہ جانے کی وجہ سے وہ [illegible] دادا کی طرح طبلچی یا پکھاوجی [illegible] نہ بن سکا [illegible] سُر تال میں [illegible] کہیں نوچیوں بائیوں کے ہاں تعلیم [illegible] بیٹھ جاتا۔ روٹی تو کسی طور کمائے کھائے مچھندر کے تحت وہ تکیے میں چلمیں بھرنے اور سبز بوٹی رگڑنے [illegible] جب سبز بوٹی نے اسے سبز کرنا چھوڑ دیا تو یہ چنڈو سے چمٹ گیا۔ ننھا سا چمٹا اس کے ہاتھ میں ہوتا یہ [illegible] نلکیاں بھرتا رہتا...... سانسے دم کرتے کرتے [illegible] دمہ ہو گیا اور حلقوم کا [illegible] کاں کاں [illegible] پاپڑ کا ایک [illegible] ے پاپڑی [illegible] تنگدی سے پاپڑ بیلنے کی ترکیب سمجھائی۔ بس یہیں اس کی روزی کھلی۔ ایسے چٹخیلے نشیلے پاپڑ [illegible] کی ترنگ [illegible] کنیوں کی نیت خراب کرتی۔ راوی کے کنارے اس کی چلتی پھرتی دوکانداری [illegible] دور دور عنایتے عنایتے کے آوازے لگا کر بھنگ کے پاپڑوں کی فرمائش کرتے۔ چھوٹے ہاتھ [illegible] پنکھی جھلتا اور چنگاریاں اُڑاتا کہ سبک سیم تن پاپڑ لمحوں میں سنک سنک کر چلبلی سی ہو جاتی' اس [illegible] حرکتے کو کم از کم یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ ایک تو وہ مصروف ہو گیا۔ ڈوبے اسے جان کی آزار چنڈو [illegible] تی دریا کا کنارا' کھلی آب و ہوا اس کے دم دمے کے لئے جہاں انتہائی فائدہ مند تھی وہاں اس [illegible] معاش کا ذریعہ بھی بن گئی۔ وہ گمان کرنے لگا کہ اچھا ہی ہوا وہ مراثیوں کے کام دھندے میں نہیں [illegible] اور دردمند منکش تھا۔ بھگوڑے' بھوکے' بدحال لڑکوں بچوں کا وہ بے حد خیال رکھتا تھا۔ بس ایک [illegible] تھا کہ از راہ ہمدردی پاپڑ کھلا کھلا کر اپنی طرح دوسروں کو بھی بھنگی بنا دیتا تھا' گو اس میں اُس کے کسی غلط [illegible] نہ ہوتا۔ جیسے کوئی شرابی' کسی بھوکے پیاسے کو اپنی بوتل سے دو چار گھونٹ شراب پلا کر یہ محسوس [illegible] نے کسی پیاسے کی پیاس بجھا کر بڑا نیکی کا کام کیا ہے۔

جب تک میں اس کے ساتھ رہتا وہ سکے پاپڑوں کا بھورچور مجھے پھنکاتا رہتا۔ جبکہ مجھے محسوس تک نہ

ہوتا کہ میری آنکھیں سُرخ اور مست ...... نیچے سے زمین غائب اُوپر آسمان اڑنچھو۔ پیچھے نظر آ رہا [illegible]
بائیں سامنے بھی دکھائی دے رہا ہے۔ بغیر جھولے کے جھوٹے آ رہے ہیں۔ اندر سے شعلے کی خوشبو [illegible]
کے پرنالے سے اُمڈ اُمڈ کر باہر نکل رہے ہیں۔ آنکھیں جھپکنا یاد نہ سانس کی خبر...... سُنائی سُجھائی مُنہ سے
دکھائی سونگھائی کانوں سے دے رہا ہو۔ حد ہو جاتی جب میں دیکھتا کئی کئی کچے پکے پاپڑ چبا جانے کے بعد
مجھے کچھ نہ ہوتا۔ میرے بِنّے پہ جب اچھی طرح چیونٹیاں چڑھ جاتیں تو میں تھوتھا تھوگا سا ہو کر کہیں گم [illegible]
جاتا تو یک و تنہا پہروں پڑا پاپڑی کے زیرِ اثر پس و پیش سوچتا رہتا۔

بجا کہ وہ من کُل وجوہ میری ڈھر تھا۔ راوی کنارے کی اس نُوکھی ٹیلی آوارگی میں جو دھنک کے
رنگ تھے وہ سارے اسی کے مرہونِ منّت تھے۔ اس کی مہربانی سے بیلے کے پھیکے ڈھیلے خربوزے [illegible]
سے ادنیٰ خر بھی سُونگھنا پسند نہ کرتا اور کی نظروں بھروں میں ہی ہوئی پھوٹیں اور لو کے تربوز کھانے کو مل جاتے
اُدھیلی اکنی دوانی بھی بھاٹی چوک کے منڈوؤں میں خرچنے کے لئے مل جاتی اور رات گئے جب اس کے
اپنے انجام کو پہنچ جاتے تو وہ اپنا چھابا چھکا اُٹھائے گھر کی تیاری پکڑتا۔ اگر میں کہیں اصل بیٹھا ہوتا تو [illegible]
چال سے [illegible] کے لائق ہوتا تو وہ مجھے [illegible] جلنے کو [illegible]
اکثر قبول کرتا [illegible] اندرون لاہور میں ایک ایسی محفوظ اور پُرسکون جگہ تھی جہاں پہنچ کر دستبردار [illegible]
جب تک جی چاہے پاؤں پسارے سویا جا سکتا تھا۔ لسی پانی سردائی بھی مانگنے سے مل جاتی...... [illegible]
گھونٹے کے گھنگھرو...... کنڈے پہ تھاپیں...... تانیں اور الاپیں۔ ذات ذات کے گویئے عطائیے۔ امرتسر،
جالندھر، پٹیالے...... ایک سے ایک [illegible] کا بازار یہاں دھرا پڑا ملتا تھا۔

بہت بعد میں ایک روز اپنے آوارگی ٹُور پہ چلتی گاڑی سے بادامی باغ کے اندر ریل کی [illegible]
اُترا۔ نیچے بازار تک پہنچا تو مجھے اُستاد عنایتے کا ایک رشتہ دار دکھائی دیا۔ وہ وہاں سے ڈھولک طبلوں کے
خام لکڑی خریدنے آیا ہوا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد میں نے اُستاد موصوف کی خیر خیریت دریافت کی۔
کی زبانی معلوم ہوا اُستاد ان دنوں پاپڑ پُوپڑ چھوڑ کر بابا تھے شاہ کچھو پروں والے کے ہتھے چڑھا ہوا ہے
اُستاد کی اس حرکت پہ از حد تعجب ہُوا کہ یہ بندۂ ہوائی کچھو پروں والے پراگندہ قصائی کے کھنڈے تک
کیسے پہنچ گیا؟ یہ واضح کرنا مناسب سمجھتا ہوں میں عنایتے کو اُستاد موسیقی یا عمر کے لحاظ سے نہیں کہتا تھا
محض دو چار ہاتھ ہی بڑا ہوگا اور نہ ہی مجھے یہ علم تھا کہ وہ یہاں اُستاد کے نام سے کیوں مشہور ہے۔ میں [illegible]
سُنا سُنائی اور اپنی ڈھر ہونے کے حوالے سے اُستاد کہتا تھا۔ بازاری انداز میں مُرشد، سرکار، مُوتیاں والے
سوہنیوں وغیرہ کی طرح اُستاد بھی اس بیوقوف شخص کو کہتے ہیں جس سے آپ کچھ سیکھتے نہیں بلکہ اُسے [illegible]

ہوتے ہیں یا جس سے کوئی پھنسا ہوا مطلب نکالنا ہو...... یا کوئی سپیشل مسکا' چسکا' دھچکا یا پھکا لگانا مقصود ہو کو ذرا نرم ملائم کرنے کے لئے بطور زیرو نمبر ریگمال 'اُستاد' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

سچ تو یہ ہے بابے تھے شاہ والا انکشاف مجھ پہ بجلی بن کر ٹوٹا تھا۔ اُستاد کا اس کے چنگل میں پھنسنے کا مطلب سیدھا سیدھا یہی تھا کہ راوی کنارے میری سوکھی آوارگی کا اب کوئی پُرسانِ حال نہ ہوگا۔ تکیہ مراثیاں بھی اب میرے سر کے نیچے سے نکل جائے گا۔ پاپڑوں کے بھور ٹکڑے' اکنیاں' اَدھنیاں چونیاں...... پھٹیں اور خربوزے تربوزے بھی ختم۔ کسی بے وقوف گھر والی کی طرح جسے یونہی کن سوئی ہو جائے کہ اس کا گھر والا کسی والی کے ہاں پڑا ہوا ہے...... میں بھاگم بھاگ راوی کنارے پہنچا۔ سورج ابھی پورا اوپر نہیں اُٹھا تھا۔ موسم بھی معتدل' لیکن میں پسینو پسین ہو چکا تھا۔ پہلے پہر کی چہل پہل حسبِ معمول تھی مگر نہ جانے کیا ہوا لوگ مجھے کیڑوں مکوڑوں کی طرح لگ رہے تھے۔ جب وہ اختیار ہی دکھائی نہ دے تو ذوجوں کا کیا مصرف؟ میں کی سیدھے ٹبے پہ جا چڑھا۔

اس علاقہ غیر میں یہ میری پہلی آمد تھی۔ تعفن کے ایک طوفان نے مجھے ناکوں ناک [illegible]۔ سڑے گلے کچھوؤں کی [illegible]...... دنیا بھر کی بدبوؤں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ سنگ پشت یعنی کچھوے کو اُلٹا کر دو تو وہ خود بخود بھی سیدھا نہیں ہو [illegible] انڈے' بچے ہے یہ پانچ اپنے دادا جان کی فاتحہ پڑھ کر دعوت اُڑائیں گے۔ پھر بھنگ نام کا کاسہ پڑا رہ جاتا ہے جو برسات میں تیرتا ہوا سیلاب کے ساتھ پھر کسی دریا میں اُتر جاتا ہے۔ جہاں کوئی کچھوپری اس میں انڈے سینے بیٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح ہاتھی' گینڈا' [illegible] سور زخمی ہو جائیں تو پورے جنگل برادری کی دعوت شیراز کا سامان بن جاتے ہیں۔ شاید ہی آپ کو معلوم ہو کہ حجرات کی طرح نباتات بھی اگر بیمار و زخمی ہو جائیں تو ان کے لئے پھر مرگ مناجات ہوتی ہے۔ جس برتے پہ مرا ہوا کچھو پڑ' جنگل میں مردار ہاتھی گینڈا' مرگھٹ پہ کوئی ادھ جلا متعفن' کسی خودکش یا مقتول ہیجڑے کی نعش یا جس جگہ کوئی مرا ہوا حجر پڑا ڈھرا ہوگا' وہاں محض بدبو ہی نہیں بلکہ نحوست و کھوست کا اک انبوہ اکٹھا ہوگا۔ بالکل ایسی ہی کیفیت اِدھر بھی تھی۔ اس بدبو نے مجھے یہاں کی قلعہ بندیوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

ہاں دوسری مخلوقات کی طرح حجرات بھی زندہ یا مُردہ ہوتے ہیں...... کچھ کم علم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حجر تو پتھر ہوتے ہیں۔ یہ زندہ یا مُردہ کیسے ہوتے ہیں۔ شاید یہ لوگ زندگی یا موت صرف انسانوں کا ہی مقدر کہتے ہیں جبکہ مخلوقات میں ہر ایک نے ایک نہ ایک روز فنا پہ لبیک کہتے ہوئے اپنے خالق کی جانب لوٹنا ہے۔ مجملاً مخلوق کی تعریف یہ ہے۔ سوا ربّ العالمین' ہر وہ شے جو عالمِ کبیر اور عالمِ صوری میں موجود ہے وہ بجنسہ

مخلوق کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرتِ انسان تو گزرے کل کی پیدائش ہے۔ اس سے اَن گنت نوری سال قبل یہ عظیم الشان کائنات اور جہان و دُنیائیں معرضِ وجود میں آ چکی تھیں۔ مادی موجودات میں انسانی تحقیق نے جن روشن موجودات کو قدیم تر پایا وہ سمندر زمین اور پہاڑ ہیں...... پدموں کھربوں برسوں سے موجود یہ مخلوقات بھی مرتی جیتی سُکڑتی سمٹتی اور سوتی جاگتی رہتی ہیں۔ زمینوں آسمانوں بشمول اجرامِ فلکی موسموں سمندروں اور پہاڑوں صحراؤں کے اپنے طور طریق معمولات اور نظام وضع ہیں جو قادرِ مطلق کے امرِ خاص کے تحت ہیں۔ ظاہر ہے یہ انسانی محدود قدرت و پہنچ فہم و ادراک سے کہیں بالا ہیں...... اِلّا وہ ذات بے ہمتا جسے چاہے یہ فہم و فراست عطا بھی کر دیتا ہے۔ جن خوش بختوں کے ہاں اس علم و عرفان کی کچھ خوشبو ہوتی ہے وہ ان کی ظاہری اور باطنی کیفیتوں حالتوں اور اثرات پہ محض نظر ہی نہیں رکھتے بلکہ اُن کے مزاج شناس بھی ٹھہرتے ہوتے ہیں۔ یہ بھی جان لیا جائے کہ نوری قُدسی مخلوقات سے قطع نظر بقیہ تمام مخلوقات کے جوڑے بنا دیے گئے۔ چند مستثنیات کے ساتھ لطیف و کثیف نر و مادہ کی تخصیص برابر رکھی گئی تا کہ ان کے مابین ایک خوبصورت تناسب تناسخ اور تناسل کا سلسلہ برقرار رہ سکے۔ ہر مخلوق اپنے متعینہ دائرہ کار حدود و حیات اور اپنے حساب کتاب میں ہماری طرح اک بھرپور زندگی گزارتے ہیں...... صرف دُنیائیں اور جنسیں الگ ہونے کی بنا پہ ہم یہ سب کچھ جان اور [illegible]

اونچے نیچے راہ پہ آگے بڑھتا ہوا میں گھنے درختوں کے جھنڈ تک آ پہنچا۔ نیلے پیلے جھنڈے جھنڈیاں اور دوپٹے پگڑیاں...... اس جگہ کی اصل دُنیا ان درختوں کے جھنڈ کے درمیان تھی جہاں بابا تھے شاہ کا آستانہ تھا...... کچھ مجذوب نیم مجذوب سے پیر و جوان بھی دکھائی دیے۔ مختلف درختوں تلے عجیب حلیوں حال والوں کی منڈلیاں بیٹھی اپنے اپنے شغل میں لگی ہوئی تھیں...... میں اک ایک چہرے کا جغرافیہ پڑھتا ہوا اُستاد دمے کو کھوج رہا جو ہنوز مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا...... جیسے جنگل میں کسی مخصوص جانور کو تلاش کرنا مشکل پڑتا ہے یونہی مجرموں کی کمین گاہوں نشئے بازوں کے ٹھور ٹھکانوں اور شمشان میں جلتے ہوئے مُردے کی کسی مخصوص ہڈی کا پھول اُٹھانا بھی کچھ ایسا آسان نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ؎

نہ ہو طلب تو کسی در سے کچھ نہیں ملتا
جو ہو طلب تو دونوں جہاں سے ملتا ہے

میری تو روزی پانی کا سوال تھا۔ میں ایسے ہی اُستاد کو ہاتھ سے کیسے نکلتے دیکھ سکتا تھا۔ تھک ہارتے ہوئے میں نے ایک بھلے سے ملنگ کو دھر لیا۔

"ملنگو! میرا اُستاد دمّا تمہیں کہیں ہے معلوم ہو تو بتا دو؟"

وہ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اتھے تے سارے عنائتے ای عنائتے نیں...... بے عنائتا تے اتھے رہ ای نہیں سکدا...... خلّم [illegible] ویا! کوئی سردائی ٹھنڈیائی پلایئے۔“

وہ صبح صبح ہی ٹُن تھا...... اور ٹُن سے کوئی گُن سُن یا تو فوراً ہی مل جاتی ہے اور یا پھر کبھی نہیں۔ مَیں نے [illegible] سے جان چھڑانے کی غرض سے کہا۔

”باؤ یو! مَیں اپنے اُستاد عنائتے میراثی کے بارے میں پوچھ رہا ہوں اور آپ اپنے اُستاد جی باوا [illegible] شہ کی عنائتوں کی بات کر رہے ہیں۔“

وہ عجیب سی نظروں سے گھورتے ہوئے مجھے ہاتھ کے اشارے سے بتانے لگا...... وہ سامنے سرکار کا [illegible] ہے وہاں چلے جاؤ...... مَیں چند قدم ہی چلا ہوں گا پیچھے سے آواز دے کر کہنے لگا۔

”اوئے کاکا! جے بابے کولوں کوئی عنائت لینی آں تے کوئی چنگا جیا کچھو پر لیتا جائیں۔“

مَیں ٹھٹک گیا، سوچنے لگا۔ الٰہی! چاہیے تو یہی کسی سنت، سادھو بابے کے لئے کچھ نہ کچھ شیرینی یا [illegible] نذر نیاز کے طور پہ لیتے جانا چاہیے۔ کسی ککڑ، کبوتر یا بکری گوشت وغیرہ کی بات ہو تو تب بھی سمجھ میں آتی ہے یہ کچھو پر کی [illegible] پڑ پیا

”باؤ جی! اے صبح صبح مَیں کچھوما کہاں سے لاؤں؟“

اُس نے وہیں سے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ مَیں کچھ قدم فاصلہ رکھ کر پیچھے ہولیا۔ اب ہم [illegible] راستے سے دریا کی طرف آ رہے تھے۔ دریا کے عام بہاؤ سے کٹ کر ایک آب جُو کافی دُور تک پھیلی ہوئی دکھائی دی۔ جس میں کچھ چوپائے اُترے ہوئے تھے۔ یہیں پاس سے ایک جھونپڑا تھا، باہر ایک سر پہ لمبی [illegible] والا ننگ دھڑنگ سا لوتھڑا بیٹھا دکھائی دیا، وہ گونگا اور بونگا بھی تھا۔ اشارے سے مطلب سمجھتے ہوئے وہ [illegible] ہی پانی میں اُتر گیا ایک کچھو پر نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ملنگ نے مجھے مشورہ دیا اس اَولے دَولے [illegible] وں والے کو مجھے کچھ نہ کچھ دان دکھشنا ضرور دینا چاہیے۔ مَیں نے جب ہلکی سی اپنی تنگی جیب داماں کی [illegible] سے سُنائی وہ رو دیا تو نہیں البتہ کچھ ایسی نگاہوں سے ضرور تکا کہ مَیں پانی پانی ہوگیا۔

پانی کے ہر جانور میں کچھ حجاب و حساب ہوتے ہیں...... مثلاً سطحِ آب کے نیچے وہ جیسے دکھائی دیتے ہیں حقیقت میں وہ ایسے نہیں ہوتے۔ پانی کے حجاب میں وہ چھوٹے اور بے ضرر...... جبکہ حجاب کے بغیر وہ [illegible] جسیم اور توانا ہوتے ہیں۔ ان پہ گرفت رکھنا بھی خاص حساب کا کام ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا ہے ہاتھ کی گرفت یا [illegible] کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی، انتہائی ڈرامائی انداز میں پھسل پھسلا کر دوبارہ غڑپ سے پانی میں غائب ہو

جاتی ہے اور بندہ خجالت سے ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے۔ گھڑیال، نہنگ، مگرمچھ، ڈولفن، وہیل، آکٹوپس، سانپ تیندوے، گھوڑے، شیر، لومڑ اور کچھوے وغیرہ ان پہ قابو پانا خاصا جوکھم دھندا ہوتا ہے اور ساتھ جان کا خطرہ بھی۔ ان کا جسمانی اور مدافعتی نظام چرندوں، پرندوں، خزندوں سے مختلف اور نرالا ہوتا ہے۔ مچھلی چونکہ انسانی خوراک میں شامل ہے اور اس کا حصول بھی آسان اور وافر ہے اس لئے اُس پہ گرفت وحد کے بے شمار طریقے معرضِ وجود میں آ چکے ہیں اس کے بعد انسان کے نزدیک کچھوا ہے جو عام طور پر دریاؤں، نہروں جھیلوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ انگوٹھے کے ناخن کے سائز سے لے کر گینڈے کے دو سالہ بچے کے برابر بھی ہوتے ہیں۔ گھروں کے اندر رکھنے والی رنگین مچھلیوں کی مانند، آرائشی پالتو کچھوے بھی ہوتے ہیں۔ اسے سنگِ پشت بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا خول، لوہے اور پتھری سختی کا حامل ہوتا ہے۔ بناوٹ کچھ ایسی وضع قطع کی ہوتی ہے کہ تلوار کے سیدھے وار سے بھی دو پارہ نہیں ہوتا۔ میدانِ جنگ میں کام آنے والے خورد اور ڈھالیں جنگی گھوڑوں، ہاتھیوں کی جھالیں اور نقاب تسموں وغیرہ میں بڑے اہتمام سے جڑا جاتا ہے۔ کسی انجانی خشیت ہتھ چھٹ اور تیز طرار آدمی کو اگر اس کے کاسے میں بھنگ پلا دی جائے تو وہ شیر سے گیدڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ضرورت سے زیادہ ہی تیز گام یا تیز کلام ہو تو اس کے سری پایوں کا شوربا، نرم خوئی اور جوئی کے لئے تیر بہدف ہے۔ [illegible] آنچ پہ دیگ میں بھونا ہوا اسی کا گوشت، آبی لحمی غذاؤں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مُرغابی، مچھلی، پام اور جھینگے، گھونگے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ [illegible] گوشت اور اس کے گوشت میں پہچان ذرا مشکل سے ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر ریستوران کے بڑے بڑے تنومند کچھوے بوٹیوں میں تبدیل ہو کر مٹن کڑاہی کی دکانوں پہ پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے انڈے تو ہم اکثر کھاتے پیتے رہتے ہیں...... غذائیت اور شکل و شباہت میں بھی یہ مُرغی بی بی کے انڈوں جیسے ہی ہوتے ہیں۔ پلپلے تالو اور سر کی کچی ہڈی والے بچوں کو کچھوے کے بچے کے خول کی ٹوپی پہناتے ہیں۔ کہنے کا مقصد کہ کچھوے میرے لئے کچھ اجنبی نہیں تھے بس ذرا ان کی سڑی بدبو نے میرے دماغ میں حبس، دم کر دیا تھا۔

سامنے کچی سی کوٹھڑی سے پہلے کھپریل سے ڈھکا ہوا ایک دالان سا تھا۔ اسی دالان کے نیچے بچھے بابا تھے شاہ نیم دراز سا بیٹھا ہوا میری جانب گھور رہا تھا۔ سامنے آگ کا جلتا بجھتا الاؤ...... دالان سے باہر دوسری جانب کچھ ملنگ تنگ سردائی بھنگ کی تیاریوں میں جٹے ہوئے تھے۔ مجھے اندر ہی اندر کھڑک گئی تھی کہ آج کہیں نہ کہیں طبلہ بجے ہی بجے۔ میں بھنگ گھوٹنے والوں کے پاس کیکری کی اوٹ لے ادھر ادھر اُستاد جی کو کھوجنے لگا۔ وہ وہاں ہوتا تو دکھائی دیتا۔ بابا تھے شاہ وہیں سے دھاڑا۔

"ادھر آ اوئے کاکا!"

میں تھر تھرا اُٹھا۔ ہلکے ہلکے پگ اُٹھاتا ہوا میں بابے کے سامنے حاضر ہو گیا۔ وہ چند لمحے مجھے گہری نظروں سے تکتا ہوا پوچھنے لگا۔

"کدھر آیاں کاکا؟"

"میں جی اُستاد عنایتے کو ملنے آیا ہوں۔"

چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد وہ ناگواری سے بولا۔

"عنایتا پاپڑاں والا؟"

"جی......!"

"کاکا! اَوتے چلّے پیا وا اے...... پنجاں دناں بعد چلّہ پورا کرے گا' تے فیر اَوکے تُوں ملے گا۔"

قدرے نرمی سے کہنے لگا۔

"آجا بہہ جا۔ کچھ کھا پی لے۔ پنجاں دناں بعد آویں تے اُہنوں مل لیں۔"

"بابا جی! مجھے اُس سے کچھ ضروری کام تھا۔ اگر حکم ہو تو میں اُسے اک نظر دیکھ لوں یا اشارے سے اُس کے ساتھ بات کرلوں گا۔ اس کی بے بی نے کمیٹی کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے۔"

میں [illegible] بولا تھا۔

بابے کے منہ سے بے دھیانی میں نکل گیا یا واقعی اس نے میری بات کو اہم و بیچ سمجھا تھا۔ اشارے سے بتانے لگا۔

"اُدھر کھلیرے دل چلا جا [illegible] نظر آ جاؤ گا۔"

اندر ہی اندر شکر کا کلمہ پڑھتے ہوئے میں پچھواڑے کی جانب چل دیا۔ چھوٹی چھوٹی ٹبیاں' ٹبے' جھنڈ' جھاڑیاں اور لکڑیاں...... بے شمار کتے' بلیاں' کوے اور گالڑ جو کچھوؤں کی کھوپڑیاں' ہڈیاں بھنبھوڑ رہے تھے...... بدبو تعفن کا بھی وہی عالم...... ہر ٹبے ٹبی کی اوٹ آڑ اور درخت جھاڑ کے تلے کوئی نہ کوئی ملنگ بیٹھا کھڑا' کوئی نہ کوئی جاپ کر رہا تھا۔ کسی کے ہاتھ میں تسبیح تو کسی نے چادر میں منہ چھپایا ہوا ہے۔ شخص لنگوٹ کسوٹے بندر کی مانند درخت کے ٹہن سے لٹکا ہوا ہے۔ کوئی نیچے لیٹا' بچے کی پیدائش جیسا ماحول ہوئے ہے...... میں جوتشیوں کی طرح ایک ایک جھنڈرے قلندرے کو تومتا ہوا اِدھر سے اُدھر کلپٹ ہو مگر ہنوز وہ جانِ بہاراں' گلِ گلزاراں کہیں آنکھوں میں تراوٹ کی تریری گھولتا دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ مشٹنڈے مجھے متوحش نگاہوں سے نکال رہے تھے۔ میں ان کی تلخ نگاہوں سے بچنے کی خاطر پرانے کی جانب چھکولا لے چکا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وقتوں کا یہ پرانا مرگھٹ، اب اک زمانے سے متروک ہو چکا تھا۔ [illegible] راستہ تبدیل ہونے سے کنارے کی آبادی سرکتے سرکتے اندر کی جانب بڑھ آئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے اب شمشان گھاٹ بہت پرے پڑ گیا تھا۔ اب اس پرانے شمشان پہ ماسوائے چند تھڑوں...... زمین بوس [illegible] دیواریں، جن کی کھسکی ہوئی رنجیت شاہی چھوٹی اینٹیں اب بھی جا بجا بکھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں...... [illegible] استھان کا شاذ ہی کوئی نشان کھڑا باقی رہا ہو۔ شمشان کے پھول کنڈے میں اب غلاظت کے انبار لگے پڑے رہتے تھے۔ اس منحوس جنم جلی جگہ پہ اب مسان اٹھانے یا مرن برت کی کانتا اٹھانے والے آتے تھے۔

میں تو ادھر یونہی ان لفندروں کی بدنگاہی سے بچنے کی خاطر لڑھک آیا تھا، پر کیا پتہ تھا وہ [illegible] ان کھنڈروں میں دستیاب ہوگا۔ میں اس بانجھ بھوگن جگہ سے کہیں اور نکلنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں بندر کی غوں غوں جیسی آواز پڑی۔ بظاہر تو کوئی آس پاس دکھائی نہ دیا لیکن دوبارہ غوں غوں کی غپ کانوں سے ٹکراتے ہی آنکھوں نے خود بخود کھرا اٹھا لیا۔ دیکھا تو آک اور تھوہر کے کھڑ بیلوں کے بیچ گڑھے میں، جہاں شاید کبھی مردوں کی ادھ جلی ہڈیوں کے ڈوڈے دبا دیے جاتے ہوں گے، استاد گھمر [illegible] یوں کہ دھڑ [illegible] اندر اور بجو کی مانند منہ تھوتھنی باہر...... بادی النظر میں تو پہچان نہ پایا۔ بڑھی ہوئی داڑھی [illegible] آنکھیں جو [illegible]...... بکھرے [illegible] خستہ حال چہرے پہ جھریوں کا جال از بس وہ عنا کتا ہی تھا...... قریب القیاس کہ استاد کہیں بے دھیانی میں بیٹھے ہوئے گڑھے میں گر گیا اور کسی کی نگاہ میں نہ آیا اب کئی روز سے وہ باہر نکلنے کی تگ و دو میں ہارے [illegible] ہوا ہے۔ شاید ٹانگ کولہا وغیرہ ٹوٹ گیا ہو یا کسی شر شرار نے دبوچ رکھا ہے۔ [illegible] واویلے کا شاید کوئی [illegible] تھا۔ ایک ہی سوجھی کہ آگے بڑھ کر استاد کو اس آزار سے نجات دلاؤں...... نجات دہند کے لیے خوب [illegible] نجیب الطرفین نہیں تو کم از کم نجیب الطرفین تو ہو...... تخفیف اور اس کے نقیض سے کچھ شناسایاں رکھتا ہو۔ یہ [illegible] تھا نہیں لیکن با ایں ہمہ میں ہاتھ ڈال بیٹھا۔

”استاد! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ عنا کتے استاد نے ڈیلے گھماتے ہوئے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر شش [illegible] کی آواز نکالی پھر ہاتھ سے نیچے بیٹھنے کا اشارہ کیا...... میں پاس بیٹھ گیا۔ وہ مری ہوئی آواز میں ممیایا۔

”تم یہاں کہاں؟“

میں نے ترت جواب دیا۔

”تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں...... مگر تم یہاں اس گڑھے میں پڑے کیا کر رہے ہو؟“

وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں یہاں کچے مسان کا چلّہ کھینچ رہا ہوں۔"

"کچا مسان......؟" میں نے دُہراتے ہوئے کہا۔ "اُستاد تُو تو بڑا اپکا اِنسان تھا۔ یہ کچے مسانوں شیطانوں کے چکر میں کہاں پڑ گیا؟...... لا ہاتھ' باہر نکل' مجھے بھوک لگی ہے کچھ ناشتہ واشتہ کروا۔ تو یہاں کہاں پھنسا ہوا ہے۔"

وہ پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے اس کے جی میں کسی کا ڈر بیٹھا ہُوا ہو...... اُوبتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بتانے لگا۔

"اوئے خان! میں یہاں بابا تھے شاہ کے حکم سے اشٹمی تک کا چلّہ کھینچ رہا ہوں...... مجھے کسی بندے بشر سے بات کرنے کی اجازت ہے اور نہ کچھ کھانے پینے کی...... میں تو خود کئی دنوں سے کاٹھے بیروں اور دودھ خشخاش کی ٹھنڈیائی پہ گزارہ کر رہا ہوں' تمہیں ناشتہ کہاں سے کرواؤں؟"

"مگر تمہیں اس واہیات جگہ پہ یہ خطرناک چلّہ کھینچنے کی ضرورت کیونکر پیش آ گئی...... اُستاد تو چنگا بھلا' محنت کر کے کھانے والا' اس پٹھے کام میں کیسے پڑ گیا؟"

"یار! کیا بتاؤں' اِدھر بھنگ کے پتّے توڑنے آیا تھا' بابے نے پکڑ لیا اور کہا۔ [illegible] دمڑی دھیلے [illegible] پہ دم جھاڑ کرے گا وہ [illegible] کی مراد پا کر تجھے دھن دولت سے نہال کر دے گا۔"

"یار! کچھ دن تو اوکھے سوکھے گزر گئے اور کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ بس' دو چار تکلیفیں بڑا آوازار کرتی ہیں......"

"وہ کیا......؟" میں نے اس کی بودی عقل پہ لعنت بھیجتے ہوئے پوچھا۔

"ایک تو کاٹھے بیر اور بھنگ دودھ خشخاش کی ٹھنڈیائی نے میری بھاں مار کے رکھ دی ہوئی ہے۔ پیٹ بھرتا ہے نہ پیاس بجھتی ہے۔ بیروں کی لیس سے اندر کی آنتیں جُڑ گئی ہیں...... مُنہ کا سواد کڑوا اور لیس دار جیسے جھاگ بنانے والا سلوشن پی رکھا ہو۔ ٹٹی پیشاب بند ہے۔ دن سیدھے سورج کی گرمی مکھیاں اور رات' مچھروں' بچھوؤں اور کرلوں کی بھرمار کے علاوہ یہاں بودی والے مُردوں کے مُجرے بھی ہوتے ہیں...... کھڑتالیں' ڈھول مجیرے اور گھنگھرو چھنکتے رہتے ہیں...... اور تو اور صبح صبح مُنہ اندھیرے' سب لوگ اِدھر ہی فراغت کے لیے آتے ہیں۔ میں چونکہ گڑھے میں ہوتا ہوں صرف گردن مُنہ ہی باہر ہوتے ہیں اس لئے کسی کو نظر بھی کم ہی آتا ہوں۔ یہ دیکھو گندگی؟ لعنتی میرے سامنے ہی بیٹھ جاتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا یہی علاج ہے۔ یہی تمہارے چلّے کا انعام ہے۔ میرے اندازے کے

مطابق تم ایک آدھ دن اور نکال جاؤ گے۔ پرسوں ترسوں میں اِدھر کا ایک اور چکر لگاؤں گا۔ اگر تم ہوئے ورنہ تمہاری بے جان آنکھوں کو بند کر کے...... لڑھکی ہوئی گردن کو ٹوئے میں دھکیل کر مٹی ڈال کر واپس آ جاؤں گا اور ہاں واپس لوٹنے تک دو چار کچوپروں کے کاسے اُوپر مٹی پہ ضرور رکھتا آؤں گا......''

اَب میں نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اُٹھتے ہوئے مزید کہا۔

''......اور کوئی آخری خواہش؟ تکیہ مراثیوں والے سُودے پان والے اور سراجے سری پائے والے اگر کوئی لیکھا دینا ہو تو بتا دو تا کہ تمہارے مُردے پہ قرضے کا کوئی بوجھ نہ پڑے اور ویسے تمہارے مُردے کے خراب ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی کہ اِدھر کے بِجّوں' کچوپروں' کِرلوں' کُتوں اور سُوروں کا بھی آخر بنتا ہے...... اچھا اُستاد! تمہارا بابا نگھارا رکھا......''

یہ کہہ کر میں چند قدم ہی چلا ہوں گا کہ پیچھے سے رونے سُبکنے کی آوازیں اُبھریں۔ میں نے ایسا کیا تھا کہ اس کے پاس سوائے پشیمان ہونے کے اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔ میں ہلکا سا رُکا' اُدھر سے کیا آئی کہ تمہیں ناٹ تھری کی گولی آئی۔

'بجا وجاؤ' آخر سیالکوٹی ہو ناں! جن کو حرام کی بوٹی کہتے ہیں۔ باقی تو سب لعنت بھیجو تم نے تو میرے آدھی بھنگ پی [illegible] ہے۔

میں نے بہ ظاہر غصّے سے اَنّی قدموں پہ پلٹا کھایا۔

''اوئے کملیا میرے بھائی نال دل پشوری ہے! میں تمہیں اُستاد کہتا ہوں اپنی زبان پہ پابندی تا کہ میری پُچی نہ نکلے۔ خبردار مجھے سیالکوٹی ہونے کا طعنہ دیا۔ اگر تیرے احسانوں کا احساس نہ ہوتا تو یہاں کیوں آتا اور تجھ سے ایسی کڑوی کسیلی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تیرے رشتہ دار با قرے حالت کا سُنا تو میں بھاگتا ہوا سیدھا بادامی باغ سے اِدھر پہنچا۔ بڑی مشکلوں سے تجھے تلاش کیا۔ اب تُو مجھے سیالکوٹی حرام دی بوٹی کہتا ہے؟''

وہ سر جھکا کر پُھسک پُھسک کر رونے لگا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ اس طرح بچّوں کی مانند رونے والی ہڈی نہیں وہ تو تکیہ مراثیاں کا بڑا کایاں میراثی تھا۔ پکا ماں کا دینہ! اس کے تو خون پسینے میں خود غرضی اور مطلب براری رچی بسی تھی۔ میں بھی دم سادھے اس کے سرے دو قدم اُدھر کھڑا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ میں نے اس کی سیالکوٹی والی بات کو خاصا محسوس کیا ہے تو اس نے ہولے سے سر میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا یار معاف کر دے غلطی سے مُنہ سے نکل گیا۔ تجھے پتہ ہونا چاہئے کہ میری کیا حالت ہے۔

دنوں میں میرا استیاناس ہو گیا ہے۔ تو ایسا کر بابے تھّے شاہ کے پاس جا اور کوئی بہانہ بنا کر میری یہاں سے جان چھڑا۔"

"تو بابا تھّے شاہ کو چھوڑ، لا مجھے ہاتھ دے اور باہر نکل میرے ساتھ چل، اپنی محنت سے روزی کما...... خدا دنوں تیرے گھر والوں کا کیا حال ہو گا؟"

وہ میری بات کو سمجھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ مجھ سے بڑی نادانی ہوئی۔ اب صرف ایک ہی ہے کہ تو کسی طرح بابا تھّے شاہ کو راضی کرے کہ وہ مجھے ادھورا چلہ چھوڑنے کی اجازت دے دے۔ ورنہ ہے کہ میں کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔"

میں نے سوچا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ جب ایک کام معمولی سی تدبیر کرنے سے ہو سکتا ہے تو کسی جنجال میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے...... میں نے ایک زبردست بہانہ سوچتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم باہر تو نکلو۔ میں بابے کے پاس جاتا ہوں۔"

"ار [illegible] تم اُس کے کسی [illegible] اُسے ساتھ لے کر یہاں آؤ۔"

سورج کافی چڑھ آیا تھا۔ ہلکی دھوپ میں دھیرے دھیرے تمازت بڑھ رہی تھی۔

جب میں واپس بابا تھّے شاہ کے پاس پہنچا تو وہ کھوپڑے کے پیالے میں بھنگ کی صبوحی سے دل تازہ کر سامنے الاؤ میں جلتے سلگتے [illegible] گوشت کا بڑا سا لوتھڑا پڑا سڑ سڑ فضا میں تازہ گوشت کے بھننے کی اشتہا انگیز مہک رچی ہوئی تھی۔ مجھے دوبارہ سامنے دیکھ کر وہ ہلکا سا الاؤ سے اُڑتی چڑ چڑ کرتی چنگاریوں اور بل کھاتے دھوئیں کی اوٹ میں اُس کا تمتماتا ہوا لہریے لیتا چہرہ یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے کوئی بھوت اگنی سے اشنان کر کے چتا منڈپ سے باہر نکل رہا ہو۔ میں عادت اُسے سلام کرتے ہوئے کہا۔

"بابا! غناکیتے کی بے بے بڑی سخت بیمار ہے۔ اُس نے مجھے یہاں بھیجا ہے کہ میں اُسے اطلاع کر آپ کو پتہ ہو گا غناکیتا اُس کا کلا کلا پتّر ہے۔ وہ اپنے پتّر کو دیکھنے کے لئے بڑی بے تاب ہے...... میں کو بتایا ہے پر وہ میری بات نہیں سنتا۔"

"کیا کہتا ہے......؟" بابے نے پوچھا۔

"وہ کہتا ہے کہ میں اپنے بابے کے حکم کا پابند ہوں، بے بے کے حکم کا نہیں...... بابا! بس آپ اُسے یہ

حکم دے دیں کہ وہ ایک بار اپنی بیمار بے بے کو اپنی شکل دکھا آئے۔"

بابا اِک لمبی لوہے کی سیخ، جس کے آگے ترشول جیسا آنکڑا بنا ہوا تھا کچوپر کے گوشت کو الٹا لوٹاتے پوٹاتے ہوئے بولا۔

"بچہ! اے ویلا راہو تے کیتو دے اونسکار دا اے۔ پچھلے ویلے بعد آ کے ایہنوں لے جاویں—"

اَب میں واپس اُستاد عنایتے کے پاس جانے کے لئے بڑھا تو اُس نے مجھے اِدھر جانے سے تے ہوئے کہا۔

"دھمن اُدھر جان دی لوڑ نہیں کاکا! پچھلے ویلے اِتھے ای آ جاویں......"

کھٹ سے میرے دماغ میں آیا کہ دوپہر ویلے تو مجھے ایسی جگہوں پہ آنا جانا ہی نہیں چاہیے ہاتھ جوڑتے ہوئے پھر جھوٹ بولا۔

"بابا! اس کی ماں بے بڑی تنگ ہے، شاید پچھلے ویلے تک وہ......"

وہ اِک لمبی سی ہُوں کرتے ہوئے، گوشت کو اُلٹنے پلٹنے لگا۔ تھوڑی سی دیر بعد مجھے بیٹھنے کا اشارہ شاید گوشت اس کی طلب کے مطابق روسٹ ہو چکا تھا...... ایک ترشول سے اس نے بھنے گوشت کے ٹکڑے اُچکا۔ راکھ [illegible] لگا [illegible] میں نے نیچے ڈال کر گردن جھکا لی تھی۔

کہتے ہیں کھاتے پیتے، لڑتے بھڑتے اور جنسی صحبت و مجامعت میں انسان کے اندر کی حیوانی سوڈے والے مشروب کی مانند جھاگ مار کر باہر اُبل آتی ہے...... انسان کی تعلیم تہذیب یا تربیت دھری دھری رہ جاتی ہے...... اور اس پہ ستم کہ بندے کے پاس اگر مال حرام وافر ہو یا دم دارو بھی لگا چکا ہو جبلی تقاضے اسے خوب ننگی کا ناچ نچواتے ہیں۔ جبکہ بابا تھے شاہ کے ہاں اس بھی سوا کچھ ابلیسی تھیں...... وہ کسی بھوکے بھیڑیے کی مانند بھنبھوڑ بھنبھوڑ، دانت نکوسے بر شٹ کچو پر کا تیا پانچہ کر رہا تھا۔ حالت دیکھ کر مجھے خدشہ پیدا ہو گیا کہیں وہ کھا ڈکار کر، اُستاد عنایتے کی ریلیز کا وعدہ ہی نہ بھول اس پیر فرتوت، مرو جانگلوس کے سامنے پکے سیر بھر دریائی پُھدے کے کچے پکے دھانے ہوئے گوشت کی اوقات تھی...... یہ تو محض بھنگ بادام خشخاش کی صبوحی کا نمکین و چسکین لوازمہ تھا۔

خاکستر و خون سے لتڑے ہوئے ہاتھ اپنی ہمہ رنگ ٹکڑوں سے بنی ہوئی گودڑی سے پونچھتے اس نے ایک چیلے کو اشارہ کیا۔ جس نے لپک کر چانڈو کی چلم اس کے پیش کر دی...... ریلوے کے کو انجن کے بعد جو مشینیں بے تحاشا اور غلیظ دھواں اُگلتی ہیں وہ پشاوری سُوٹی چلم اور مدک چانڈو کا

[illegible] بیان ہے۔ دھویں کی دھواں فشانی دیکھ کر دیکھنے والا کہہ اُٹھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے...... ''الٰہی! یہ دھواں کہاں سے اُٹھتا ہے؟؟''

وہ کش پہ کش کھینچ رہا تھا اور میں محوِ حیرت...... چہرہ بداماں اور آنکھیں مستاناں کرتے ہوئے وہ [illegible] بات اپنے بٹے کٹے چیلے سے متکلم ہوا۔

''اُٹھ اوئے مولے! مُکا دے رولے......''

وہ بھی ٹُن تھا، لڑکھڑاتا ہوا خونبار نگاہوں سے مجھے تولتا ہوا اُٹھا اور بادلِ نخواستہ میرے آگے آگے چل [illegible]—— چند قدم چلنے کے بعد میں نے جانا کہ یہ بندۂ مولا کسی اور رُخ بڑھ رہا ہے۔ یہ وہ راستہ نہیں جدھر میرا [illegible] گڑھے میں دھنسا ہوا چلّہ بھوگ رہا ہے۔ مولا شاید نشے کی پینک میں ہو، میں نے ہمت کر کے اُسے پیچھے سے آوازہ دیا۔

''سائیں جی! عنا کا استاد اُدھر نہیں، اِدھر پرانی مڑھی کے چوبچے کے پاس [illegible] پڑا ہے۔''

اُس [illegible] دیوث نے پیچھے دیکھے یا رُکے بغیر ہی ہاتھ کے اشارے سے مجھے پیچھے پیچھے آنے کا [illegible]—— [illegible] ے میں قدرے گھبرا سا گیا تھا کہ یہ مجھے [illegible] جا رہا ہے۔ میں احتیاطاً [illegible] تین قدم [illegible] پیچھے ہو گیا [illegible] کوٹھے کے [illegible] جا رُکا۔ وہاں ایک ٹوٹی ہوئی کھاٹ پہ اک مردِ مدقوق ہنوز خوابِ غفلت میں پڑا خراٹے [illegible] رہا تھا...... [illegible] نے چھوٹے گھڑے، لوٹے، ٹوکرے اور کچھ آلات از قسم قبر کھدائی و کشائی دکھائی دیے۔ کہا جا سکتا تھا [illegible] گورکن قسم کی کوئی چیز ہے۔ دو چار بلند بانگ آوازے بھی جب اس کی غفلت میں کوئی کمی واقع نہ کر سکے تو ایک [illegible] لات نے اسے الف سیدھا کھڑا کر دیا...... اب وہ ہڑبڑایا ہوا بیلچہ کدال بکف ہم دونوں کے آگے لگا [illegible]—— کسی دوسرے رُوٹ کے ذریعے جب ہم تینوں یعنی ''ماضی حال و مستقبل'' اُس مقامِ جہول و عتوب [illegible] پہنچے تو استاد یا تو واصلِ ابلیسِ لعین ہو چکا یا پھر ضعف و استغراق کے اس نقطے پہ تھا جس کے آگے صرف [illegible] ہی ہوتا ہے۔

یہاں پہنچتے ہی مولے نے کسی جناتی زبان میں اُس گورکن کو کچھ حکم دیا...... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ [illegible] کی بغل میں شگاف ڈالنے پہ جُت گیا۔ میں حیران کہ یہ کیا ہو رہا ہے...... بے حس و مُردار سے عنا کے [illegible] زبان کھول کر کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔

یہاں مٹی ریتلی بُھربُھری سی تھی۔ کدال اور بیلچے نے کچھ ہی تگ و دو کے بعد استاد عنا کے کو واشگاف کر [illegible] تختے سے مختہ سُوتلی سے بندھا ہوا جو سُوج کر سُرخ اور سخت ہو گئے ہوئے تھے۔ سُوتلی کھال میں دھنس کر رہ

گئی تھی۔ خون کی گردش رُک جانے کے باعث اب کسی حرکت برکت سے بھی عاری تھے...... عنائت علی کو جب باہر گھسیٹا تو وہ مکمل طور پہ بے سُدھ تھا اور مَیں بے ہوش ہونے کے قریب۔ وہ دونوں اُسے باہر نکال کر یوں پھینک گئے تھے جیسے بدرو میں پھنسا ہوا کُتا گھسیٹ نکال کر چوہڑے باہر کرتے ہیں۔ وہ بھینسا نما ملنگ پیچھے سے صرف اتنا کہہ گیا۔

''چوبچے سے پانی لاکر اس کے مُنہ پہ چھپاکے مارو اور سردائی پلاؤ...... اس کا ضعف دُور ہو جائے گا۔''

ٹخنوں کی سُوتلی علیحدہ کرنے میں مجھے خاصی جدوجہد کرنا پڑی اور اس سے زیادہ محنت اس کے حواس بحال کرنے میں لگی۔ مگر ذہنی حالت اب بھی مخدوش سی تھی یا شاید سردائی کے اثر سے ذہنی طور پہ کچھ حد تک سردمہر ہو گیا تھا...... پانی کے چھپاکوں اور ہاتھوں کے تھپکیوں سے اگر کچھ سُرت پکڑی تو مصیبت کی ایک چھوٹی بہن پریشانی آ کھڑی ہوئی کہ اُستاد کا چلنا تو درکنار محض کھڑا ہونا ہی محال دکھائی دے رہا تھا۔ جسم نے بھی اب آنکھیں دکھانی شروع کر دی تھیں۔ مَیں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''اُستاد! ہمت پکڑو اور یہاں سے نکلنے کی کر۔''

[illegible] کر اُٹھ کے ملکے چگ دریا کے رُخ بڑھنا شروع کیا۔ یہ ایک نیا راستہ تھا' جگہ جگہ ٹوٹے بُتے' گھنی اور خاردار جھاڑیاں' ٹہنیوں اور کانٹوں میں اٹکے پھنسے ہوئے سادہ و رنگین چیتھڑے' کالی ڈوریاں' دھاگے...... جا بہ جا انسانی جانوروں کی بوسیدہ ہڈیاں' [illegible] کا ایک متلا دینے والا ماحول...... پھر کیا دیکھا کہ اُستاد عنائت کی طرح کچھ چلہ کھینچنے والے مختلف ٹولیوں گڑھوں میں دبے پڑے ہیں۔ چند ایک درختوں سے بندھے لٹکے ہوئے نظر آئے...... کوئی سر نیچے اور پاؤں آسمان کی جانب کیے ہوئے پڑا ہے تو کوئی ایک ٹانگ پہ کھڑا کچھ حرکت کر رہا ہے...... کوئی ننگا ہے تو کوئی چھلانگا ہے۔ مَیں کسی کھسکے ہوئے بھونتر کی طرح کبھی اِسے اور کبھی اُسے دیکھ رہا ہوں مگر یہ سب اپنے اپنے دھیان گیان میں تھے...... ہم کون ہیں' کیوں ہیں' کہاں ہیں؟ شاید انہیں اس سے کچھ سروکار نہ تھا یا ان کے دماغ ہی اُلٹ پلٹ کر دیے ہوئے تھے کہ یہ کچھ سوچ ہی نہ سکیں...... مَیں نے ٹسٹ کے لئے ایک آدھ سے بات کرنے کی بھی کوشش کی مگر انہوں نے جیسے ہمیں سنا یا دیکھا ہی نہیں۔ مجھے یہاں سے اِک عجیب طرح کی گھن سی آنے لگی تھی۔ اِک کھوتے کا لدّ یعنی اُستاد عنائت کا بوجھ [illegible] میں لشتم پشتم دھیرے دھیرے دریا کی جانب کھسک رہا تھا...... کافی آگے پہنچے تو دھوبیوں اور انگریزی [illegible] الگنیاں اور دھوپ پٹوں کے ڈانڈے سامنے آ گئے جبکہ دھوبی گھاٹ ابھی خاصا دُور تھا۔ اِک وقت [illegible]

[illegible] سے نیچے گری پڑی تھی۔ میں نے ڈھب سے اُستاد کو اس پہ دے پٹکا...... ہلکے سے کراہتے ہوئے [illegible] نے چندھی سی آنکھیں وا کیں۔ ڈیلے گھما اِدھر اُدھر تاکتے ہوئے بولا۔

"سخت پیاس لگی ہے حلق زبان سوکھ گئے ہیں مجھے پانی پلاؤ۔"

میری جانب سے سخت ناگواری سے جواب آیا۔

"تم سے کہیں زیادہ میرا بُرا حال ہے...... یہاں اگر کہیں پانی ہوتا تو سب سے پہلے میں پیتا...... پانی [illegible] دھوبیوں کے ڈیرے یا دریا تک پہنچنا ہوگا۔"

"پھر تم جاؤ' جلدی سے پانی لے کر آؤ۔ میری جان نکلی جا رہی ہے۔"

اُستاد کی جان نکلی یا بچی۔ یہ قصہ بڑا دور دراز ہے۔ یہاں صرف یہی بتانا مقصود تھا کہ جو لوگ شوقیہ یا [illegible] چلے وظیفے وغیرہ کرتے ہیں وہ کس قدر نقصان کرتے ہیں...... جاہل اور دھوکہ باز بازاری عاملوں' [illegible] نام نہاد صوفیوں کے ہتھے چڑھ کر مال اور اعمال دونوں برباد کرتے ہیں۔ [illegible] امیر کبیر یا وقتی [illegible] چکر میں [illegible] گھناؤنے سے گھناؤنا اور مشکل سے مشکل کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں

پچھلے [illegible] میری ملاقات ایک نوجوان سے ہوئی [illegible] نفیس سُرمیلی [illegible] ہونٹوں [illegible] انگوٹھیاں...... [illegible] انہوں نے میرے [illegible] پہ بوسہ دیا...... اس جوان کا لمس حاصل ہوتے ہی میں نے سونگھ لیا کہ نئی نئی فقیری ہے...... ایسی سوندھی فقیری' بلوغت پہ [illegible] اتی ہوئی کسی الہڑ مُٹیار کی طرح ہوتی ہے جسے بچے کھچے کی ہوش نہ بھلے بُرے کی [illegible] ہر وقت چوپٹ بازیاں [illegible] ہوتی ہیں۔ پھولوں' رُومالوں اور [illegible] پھریروں سے جی بہلتا ہے۔ گدگداتی ہوئی ہوا...... چبھتی ہوئی دھوپ اور انگ انگ چھیدتی ہوئی [illegible] برسات بڑی تسکین دیتی ہے' وہ کھیت کھلیارے کھِلتی ہوئی نئے نئے [illegible] کھلاتی ہے...... کچی کی [illegible] کے بھی بڑے کچے ہوتے ہیں...... سولہ شنگار' بتیس اُبٹنے' چونسٹھ چٹکلے اور ایک سو اٹھائیس [illegible] نئی نئی تتلی' ناچتی ہوئی نوچی' موسم پہ آئی ہوئی کسی بلی کی مانند اندھا دُھند کھمبے نوچتی ہے' احتیاط تو کیا [illegible] بھی نہیں برتتی۔ ایسا پو پھٹیا بپا کرتی ہے کہ بلے بلے کر دیتی ہے۔

اس نوین فقیر کے چند مزید پرت اُتارنے سے معلوم ہوا' ہتھ مزدوری' حق حلال کی کھاتے ہیں۔ [illegible] کے حکم سے دن بھر روزہ رکھتے ہیں شام کو نمک پانی یا جو بھی میسر ہو افطار کر لیتے ہیں...... جوار و دور [illegible] مرقد پہ پا بہ برہنہ حاضری دیتے ہیں۔ سردی گرمی لُو برسات سڑکوں پہ پگھلی ہوئی تارکول' ہر تکلیف تردد [illegible] کرتے ہیں...... پھٹی ہوئی دھوتی' اُدھڑا ہوا کُرتہ' دریدہ چادر...... ٹخنے پہ پڑا وزنی آہنی حلقہ......

کلائیوں میں کڑے...... الٰہی! توبہ...... میں سوچتا رہ گیا کہ یہ نوجوان کس عذاب میں جکڑا ہوا ہے۔ [illegible] دو چار چھلکے اُترے تو پتہ چلا کہ نماز سے روگردانی ہے اور شادی مناکحت سے مناعی...... لیکن ڈبل [illegible] گرو تین سو گنگی ویلی چی کی پھکّی، سلطی کی چٹکی اور شاہی قوام کی چھتراونگی کی رضائی ہے۔ جسم کی تاڑیں [illegible] تنبورے کی تاروں کی مانند کھنچی ہوئیں...... وحشیوں کی طرح بڑھے ہوئے غلاظت سے اَٹے ہوئے [illegible] اُجاڑ چہرے پہ اتری ہوئی نحوستیں دیکھ کر طبیعت مکدّر ہوئی جاتی تھی...... بڑی رسان سے سمجھایا، دلداری کر کے پاس بٹھایا۔ اپنے ہاتھوں سے کھلایا پلایا کہ عزیزِ من! یہ کیسا تماشا ہے؟ یہ فقر ہے یا جہالت بے تحاشا ہے۔ سنتیں پوری کرتے ہو مگر فرائض سے فرار اختیار کرتے ہو۔ ابھی تُو کاکا ہے اور ایسا علتوں سے علاقہ ہے خصوص سے خصومت...... یہ درویشی ہے نہ فقیری...... رہائی ہے نہ اسیری...... علامتی نہ کرامتی......!

میں نے بڑے پیار سے کہا۔ بچے یہ ڈرامے چھوڑ کر کچھ عصری تعلیم حاصل کرو۔ رزق حلال کماؤ اور ہو سکے تو جلد شادی کر لو...... تمہاری دین و دُنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔"

دکھائی دیا کہ یہ بے علم، سیدھا سادا سا نوجوان فقیر درویش بننے کے چکر میں کسی پیر کے ہاں پڑ [illegible] اس نے اسے اپنے لالچ کی خاطر غیر ضروری مجاہدوں [illegible] میں ڈال دیا...... [illegible] غریب اس [illegible] پائے اور کرامتیں دکھانے [illegible] ان چکروں [illegible] کر اپنی عاقبت اور دُنیا دونوں برباد کر لیتے ہیں اور یہیں سے وہ منشیات اور جرائم کی [illegible] داخل ہو جاتے ہیں۔

● مورے سیّاں جی اُتریں گے پار......!

کچی فقیری اور چلّوں کی بات بہاولنگر کے تھل میں رینجرز کی چوکی سے چلی تھی۔ وہاں [illegible] والے کمرے میں مُختر بچے سیّاں سمیت دو تین دنوں کے لئے بند ہو جاتا ہوں۔ اُدھر مُختروں کا سوداگر [illegible] غلام حسین اور غلام عباس میرے کمرے سے باہر نکلنے کے انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ چندر [illegible] سَرن کالی رین یعنی شب یلدا دو روز بعد تھی جدولی ترتیب و تقسیم میں فی الحال سعد ساعت کی صورت [illegible] نہیں تھی۔ اگلے روز سوم وار منگل وار کی درمیانی شب کسی بھی نئے چاند نے متھنا تھا...... بس اسی کی [illegible] میں مجھے وظیفۂ جُمل پا کے چلّے کا چلّہ چڑھانا تھا...... جو اس لحہ مولود تک برقرار رہتا جب تک نیا چاند [illegible] لے لیتا...... یہیں پھر اس مخصوص حسیات کے حامل مُختر بچے کا عمل شروع ہو جاتا جو بالآخر اس خاص [illegible]

[illegible] ہوتا جسے ریگتی چلّے وظیفہ کی تکمیل کے لئے موزوں یا منتخب پایا جاتا ہے۔

یہ چلّے' مجاہدے' ریاضتیں وغیرہ شمشیر کی دھار پہ پابرہنہ دھمال ڈالنے کے مترادف ہوتے ہیں۔ [illegible] جائے اور رنگ چڑھ جائے تو خیر...... ورنہ دوپارہ ہو کر کٹ گرنا تو ہوتا ہی ہے...... یہ کھیل کٹھن [illegible] سے فارغ تارک کھیلتے ہیں جن کے آگے پیچھے کوئی کوسنے پیٹنے والا نہ ہو یا پھر وہ جن کی پُشت پہ کسی [illegible] کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اپنا شوق و ذوق لیئے...... اپنے بابا کے حُکم کے مطابق میں بالالتزام و بالترتیب یہ [illegible] طے کرتا ہوا آگے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ بلاشبہ مجھے تائیدِ ایزدی اور اپنے باباجی کی بے پناہ [illegible] توجہ حاصل تھی۔

نوری' علوی' افلاکی عُلوم کی تحصیل کا مقصد ہی انسانیت کی خدمت ہوتا ہے جبکہ سفلی' ناری عُلوم شیطانی [illegible] کے حصول کے لئے سیکھے جاتے ہیں اور اس کے لئے ابلیس لعین سے استعانت حاصل کی جاتی ہے۔ [illegible] عمل کے لئے جو چلّے کھینچے اور جیسے کھنڈل کھنڈال کھیڈے جاتے ہیں ان کی اول و آخر نجاست و خباثت [illegible] شیطنت ہی ہوتی ہے۔ انسان جب لباس پہن لیتا ہے تو جانتا ہے کہ اُس کا تن ڈھانپا گیا ہے۔ [illegible] لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ روپوش ہو گیا [illegible] طرح [illegible] لیتا ہے [illegible] اور [illegible] [illegible] کر لیتا ہے...... یہ سب ظاہری باطنی تصورات ہی تو ہوتے ہیں جبکہ حقیقت و اصل [illegible] ہوتی ہے...... بچہ' ماں کی گود میں خود کو محفوظ و مامون دیکھتا ہے حتیٰ وہ بھی اتنا ہی آفات کی زد میں ہوتا [illegible] کہ اس کی ماں...... انڈے کا خول' رحم کی جھلی' درخت' دیوار' چھت' پہاڑ' آنچل' زلف' چھاتا' گھونسلہ [illegible] ایک تصوراتی حفاظتی پردے ہی تو ہیں۔

میں بھی اپنے تئیں ایک خول میں سمٹ کر پڑ گیا تھا۔ شتر بچہ سیاں تو یوں مجھ سے لگا بیٹھا تھا جیسے اپنی [illegible] چمک کر قیلولہ کر رہا ہو...... ستر کولے گن کر میں نے اپنے گرد حصار کھینچ لیا تھا۔ تب ہی جسم نے [illegible] بے حسی کا اظہار شروع کر دیا۔ اُچکتا بدن بدک کر وجود سے ہمکنار ہوتا جا رہا تھا۔ پھر نہ [illegible] کب وجدان کی وادی کا کافوری سفر شروع ہُوا اور کب خاکستری دھول اور فاختئی رنگت دھند نے مجھے [illegible] دینے شروع کر دیئے تھے۔

وقت کے پھیرے پہ جب ٹھٹھری ہوئی سپیدیٔ سحر نے جُھرجُھری لے کر انگڑائی توڑی تو [illegible] کے کاگے [illegible] کی اذان سے صبح صادق کی نوید سُنائی...... میں پھر گرہیں کُھلیں' فضا اور ہوا میں اک سرسراتی [illegible] سیلی سی خوشبو رچ بس گئی تھی...... ملگجے سے اندھیرے میں اُجالے کی پھٹیاں پڑ گئی تھیں' آس [illegible] دکھائی دے رہا تھا جیسے کسی اندھے کو دُور سے سجھائی دے رہا ہو۔ اب جو جسم جاگا تو سُوجھ میں بھی

دھاگہ پڑ گیا...... دو دِن اور دو راتیں لمحوں میں بیت گئی تھیں...... سیّاں یاد آیا تو کمرے میں کہیں دیا...... اندھیرے سے آشنا آنکھیں جب اُسے تلاش کرنے میں ناکام ہو گئیں تو میں بیٹریاں اور کا ہوا اُدھ بھڑے دروازے سے باہر نکل آیا۔ سامنے جھلملاتے مسکراتے قطبی تارے نے میرا ماتھا تھل ابھی تک نیند میں جل تھل تھا...... عروسِ مشرق کے سُرخ بانات آنچل کی ہلکی سی جھلک نے آنکھ چوندی پیدا کر دی۔ اچانک چند صحرائی تیتر کہیں سے نمودار ہوئے اور ٹکٹکاتے ہوئے میرے سامنے کر کہیں اوجھل ہو گئے۔ یہیں دیکھا کہ غسل خانے کی دیوار کے ساتھ ایک صحرائی چارپائیوں پہ بابا حکمت یار، غلام حسن اور غلام عباس ابھی تک پڑے اُونگھ رہے ہیں۔

صحراؤں، تھلوں، جنگلوں، پہاڑوں میں رات بھی رینگ رینگ اُترتی ہے اور صبح بھی ہے۔ اِن جگہوں پہ سونا بھی مشکل ہوتا ہے اور سو کر پھر جاگنا تو اِس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے معاون اور چوکیدار شاید ایسی ہی کسی مشکل میں پھنسے ہوئے تھے۔ دیکھا جائے تو نیند کا جنم سال بھی اور بلوغت کے مابین پھنسی ہوئی کسی مُیار کی جاگن مٹی کی مانند ہوتا ہے کہ جاگ رہی ہو تو نیند محسوس کرتی محسوس ہو...... سو رہی ہو تو ہر پل جاگی جاگی لگتی ہے۔

میں ان بعد ... سوچ رہا تھا کہ انہیں جگاؤں اور ... جو مجھے یہاں ... بھی کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا...... لیکن مجھے انہیں جگانے کا موقع ہی نہ ملا والوں کا پالتو کتّا ... صبح کی فراغیات کے سلسلے میں غسل خانے کے پچھواڑے مٹر گشت پہ تھا بو باس پا کر اِدھر لپکا...... تیتر ... لیکن اپنی بھاگا بھاگی میں ان پُختہ خوابیدہ خام دیدہ کر گیا تھا...... وہ بھونچکے سے چارپائی پا اُکڑوں بیٹھ چکے تھے۔ حواس ابھی تک خوابیدہ تھے استادہ پا کر قدرے خوفزدہ سے ہو گئے...... وجہ بھی ظاہر تھی کہ میں نے انہیں رات کو باری باری سونے کی تھی اور اَب وہ دونوں سوتے ہوئے پائے گئے تھے...... صبح کے جھٹپٹے میں وہ دونوں بھوتوں کی طرح سے لگ رہے تھے اور میں بھی یقیناً انہیں کوئی پریت ہی لگ رہا ہوں گا۔

اُوپر آسمان پہ اِک نامعلوم سی پرچھائیں تیز رَعدی سُرعت لئے ہوئے مشرق کی جانب بڑھ گئی میرے اور کُتّے کے علاوہ کوئی اور محسوس نہ کر سکا۔ کتا ایک ہی سی بھونکی کے ساتھ اپنی ٹانگوں کو سکیڑ بچھ سا گیا تھا جیسے کسی نے اِک خاصا بوجھ اس پہ رکھ دیا ہو۔ پھر وہ متوحش سی نگاہوں سے مجھے جانب کھسک لیا...... ہلکے سے سکوت کے بعد میں نے اپنے معاونین سے کہا۔

”اپنا اور میرا سامان لے کر میرے پیچھے پیچھے چلے آنا...... یاد رہے کہ مجھ سے غیر ضروری

نے کی ضرورت نہیں اور ہمارا درمیانی فاصلہ فرسانگ کا آٹھواں حصہ رہے۔ باقی ہدایات سے آپ پہلے ہی گاہ ہیں۔ غسل ناشتے سے پہلے ہی پوسٹ کے تمام افراد کو ہماری رُخصت کی خبر ہو چکی تھی۔ مگر میری ہدایت کے مطابق کوئی بھی قریب نہ آیا...... دُور ہی سے دیکھتے اور ہاتھ کے اشاروں سے دُعا و برکت کے لئے کہتے رہے۔

چھوٹی مسجد میں نوافل ادا کر کے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس سعد ساعت کی نوید ملی...... ایک روشن مگر غیر واضح سا کوندا، مشرق جنوب سے مغرب شمال کی جانب پینسٹھ درجہ زاویہ تراشتا ہوا راستہ سجھا گیا تھا۔

پہلا قدم اُٹھانے سے پہلے سر جھکا کر میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا اور مستقیمی مراقبہ کیا۔ بعداً اپنے حقیقی سے خیر و برکت کے لئے توجہ کی...... بسم اللہ پڑھ کر ڈول ڈال دیا۔

ننگے پاؤں ریت پہ چلنے میں بڑی راحت ہے اگر وہ وقت صبح کا انتہائی پہلا پہر ہو، ہاتھ اور کاندھے کسی بوجھ سے آزاد ہوں۔ راستہ سیدھا اور ہموار ہو...... نم دار ٹھنڈی ٹھنڈی ریت تلووں ٹخنوں اور دل و دماغ کو بڑی تقویت پہنچاتی ہے۔ گرم گرم ریت میں بھنتے ہوئے نرم نرم مکئی کے آبو۔ کچے پکے پچھنے، چاول گندم اور باجرے کے مرنڈے، کاجو اور مونگ پھلی، سنگھاڑے اور چلغوزے بڑے خستہ اور مزیدار ہوتے ہیں جبکہ ٹھنڈی ریت صرف صبح صبح چہل قدمی اور سائے میں پڑے پانی کے کچے گھڑوں کے نیچے بچھانے کے کام آتی ہے...... صحراؤں تھلوں [illegible] پھر ہی استفادہ کرتے ہیں، بقیہ اوقات یہ ریت جہنم کا نمونہ بنی ہوتی ہے۔ ہر ذی جان العطش العطش پکارتے ہوئے پناہ گاہوں میں دُبکے پڑے ہوتے ہیں۔

ذہن نے سمت کا تعین کیا ہوا تھا...... قدم اک میکانکی انداز میں اُدھر ہی چل پڑے تھے...... ابھی کچھ دُور ہی نکلا ہوں گا کہ اچانک ایک بڑا سا سروک (صحرائی کوا) پیچھے سے کسی لڑاکا طیارے کی طرح غوطہ لئے ہوئے آیا...... زن سے میرے اُوپر جھکولا لیتے ہوئے دائیں جانب پانچ ڈگری مُڑ کر غائب ہو گیا...... معلوم ہوا کہ میری سمت میں کچھ سقم تھا...... پیچھے مُڑ کر دیکھنا منع تھا۔ اپنے پچھلوں کی ٹوہ لینے کے لئے دونوں معاونوں کے ٹخنوں میں ایک ایک کانسی کی ٹلی بندھی تھی جس کی ہلکی سی ٹن ٹن مسلسل میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی یعنی دونوں اک مخصوص فاصلے پہ میرے پیچھے پیچھے تھے۔ میرے دائیں رُخسار پہ گلال رنگت غازہ کھل اُٹھا۔ مشرق میں آسمان کے نیلے اُودے کناروں کے نیچے جیسے آگ سی لگ گئی تھی۔ کچھ ہی دُور اور چلا ہوں گا کہ وہ جان بہار شتر بچہ یعنی میرے سیاں نے پیچھے سے مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ وہ دھیمے دھیمے بغبغاتے ہوئے چند لمبے قدم پیچھے چلا آ رہا تھا۔ سات سو چھیاسی قدم جب پورے ہوئے تو میں دائیں قدم پہ ٹھہر گیا۔ مصلے بچھا کر اہتمام صلوٰۃ کیا...... کچھ ذکر و درود اور دُعائیں...... صبحگاہی کی ارغوانی رنگت اب رُوپہلی رُوپا میں

بدلتی جا رہی تھی...... پرندوں کی ڈاریں، تیتر تکوروں کی سُبحان تیری قدرت...... صحرائی ٹیٹریاں، بٹیڑیاں چکاریں...... جیسے تھل انگڑائیاں توڑ توڑ کر جاگ رہا ہو۔

طبیعت میں شگفتگی شادابی سی در آئی تھی...... اُٹھا، اپنی سمت سیدھ کی۔ سامنے دیکھا تو دوارے کھڑے تھے۔ میرا قدم اُٹھتے ہی وہ آگے لگ گئے...... چل سو چل، کیا مجال جو جھکائی لے کر پیچھے ہو...... کیسے ٹیلے اور ٹیکریاں اُترچڑھے راہ پڑے بالآخر ایک آڑی سی ٹیکری سامنے آ پڑی...... تھکوک اور بھیڑے کی گھنی گھنی شاخیں، جھاڑیاں اور کچھ چھدری چھدری گھاس اور ریت بھی ہموار اور بھاری مطلب تھا اس جگہ کے نیچے، بہت قریب میٹھے پانی کا اجتماع موجود ہے۔ سیاں تھوتھنی جمائے ریت ریت جا رہا تھا۔ ایک آدھ جھاڑ جھاڑی پہ مُنہ بھی مارا۔ آخر اس ٹیکری کی ایک میڑھ میں پہنچ کر رُک گیا۔ تھوڑی کچھ سونگھتا رہا...... دائیں بھی بائیں جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ اب جیسے اُس نے وہ کچھ پا لیا جس کی اُسے تھی۔ اگلے پاؤں سے اُس نے ریت پہ اُکھاڑ پچھاڑ شروع کر دی۔ کمزور سا بچہ لگتا تھا دیوانہ ہو گیا ہے۔ نتھنوں سے عجیب سی آوازوں کے ساتھ دُھواں سا خارج ہو رہا تھا۔ میں ذرا ہٹ کر کھڑا اُس کی جائزہ لے رہا تھا...... وہ گردوپیش سے بے نیاز جیسے پاؤں [illegible] ریت کرتے اُڑا رہا تھا اس طرح دوبار اُٹھ کھڑا [illegible] میں [illegible] والی جگہ پہ اب خاصہ گڑھا بن گیا تھا مگر وہ اُسے مزید گہرا کرنے پہ تُلا ہوا تھا۔ وقفہ وقفہ مُنہ اُٹھا کر آسمان کی جانب بھی اور پھر میری جانب

دیکھا ہے کہ ہاتھی [illegible] اونٹ اگر پاگل ہو جائیں تو انہیں کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ وہ بے حد ہو جاتے ہیں۔ انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے اور اگر انہیں ہلاک کرنا ممکن نہ ہو تو پھر یہ فطرت کی کسی نہ کسی میں آ کر خود ہی ہلاک ہو جاتے ہیں۔ گو یہ بچہ تھا مگر تھا تو اونٹ...... اپنی تمام تر ناتوانی اور کمسنی کے ایک بھرپور وحشی کی مانند گڑھا کھودنے میں جُتا ہوا تھا۔ مجھے تو محض دیکھنے سے ہی دانتوں پسینہ آ چکا تھا حال ہو گا؟ لوہے کی فونڈریوں میں پگھلے ہوئے لوہے کے ساتھ لوہا بنے ہوئے مزدور، اینٹوں کے بھٹوں آگ سے رزق کشید کرتے ہوئے محنت کش، تعمیراتی جگہوں پہ سولہ سولہ اینٹیں سر پہ اُٹھانے والے دار...... فصلوں کی بیجائی کٹائی والے دہقان اور بڑے بڑے کاروباری لوگوں کے لئے قالین بنانے والے پارچات پہ ذر دوزی، کڑھائی کا کام کرنے والے ہنرمند اگر اپنے قماش میں جنوں طرآری سے کام ایک لمبا عرصہ تک پیٹ کے جہنم کا ایندھن مہیا کرنے کے اہل نہ رہیں...... مگر یہ کم سن شُتر بچہ تو کسی میں نہیں آتا تھا۔

گڑھا شاید اتنا کھد چکا تھا کہ وہ خود اگر اُتر کر بیٹھ جائے تو اُوپر سطح سے برابر ہو جائے۔ بادِ سموم کئی طرح کی ہوتی ہے۔ مختلف صحراؤں میں یہ مختلف صورتوں میں وارد ہوتی ہے۔ مصر، عراق، اُردن اور سعودی عرب، خلیج کے ریاستوں کے چھوٹے بڑے صحراؤں میں یہ بالعموم ایسی خطرناک یا جان لیوا نہیں ہوتی—— اس کی آمد پہ کاروان فوری طور پہ مُنہ ناک ڈھانپ کر لیٹ جاتے ہیں۔ اُونٹ بھی اپنے چڈوں میں تھوتھنیاں دبائے پڑ جاتے ہیں لیکن کالاہاری، صحارا، گوبی، ٹکلا مکان، سوڈان، شام اور افریقا، لیبیا کے صحراؤں میں سردیوں کے وسط اور گرمیوں کی انتہا میں مختلف اوقات بادِ سموم کے جھکڑ طوفان بڑی خاموشی سے اپنا کام کر جاتے ہیں۔ پرانے تجربہ کار ساربان اور سیانے اُونٹ اس کی آمد سے پہلے اس کی گن سُن پا لیتے ہیں—— اس کی ہولناکی سے بچنے کی خاطر وہ فوری طور پر ریت میں گڑھے کھود کر اندر دُبک کر بیٹھ جاتے ہیں اگر گڑھے کھودنے کا موقعہ نہ ملے تو دونوں گھٹنوں کو اُٹھا کر اوپر منہ سے کمبل [illegible] ڈال دیتے ہیں یا ان کی بغلوں [illegible] میں مُنہ ناک دے لیتے ہیں۔ اُونٹ بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ کبوتر، فاختہ کی بغلوں کے پَروں، بھیڑ [illegible] کے میمنوں کی سانسوں...... تیتر بٹیروں، جنگلی کبوتروں، موروں اور اسی طرح کستورا مچھلی اور نافہ ہرن [illegible] کی بُو مہک بھی اُونٹ کی بغلوں، چڈوں کی بُو اسی کی مانند جراثیم کش...... وقتِ سموم اور زہریلے [illegible]

تبت میں لہاسہ کے متبرک پہاڑوں پہ آکسیجن کی کمی اور سردی کے نتیجے میں میں سخت بیمار پڑ گیا تھا۔ میری بے احتیاطی سے [illegible] ہو گیا اور پھیپھڑوں میں دُھند کے جالے پڑ گئے...... نمونیہ نے اپنا رنگ دکھایا تو جان کے لالے پڑ گئے...... قریب میں کوئی باقاعدہ ہسپتال تو تھا نہیں...... پنگوما کا شفائی مرکز بھی خاصا دُور تھا۔ راستہ انتہائی دُشوار گزار کہ صحت مند تندرست انسان کے لئے مشکل پڑے...... پاس پلے ہنگامی صورت حال کے لئے جو ادویات تھیں وہ ان امراض کے تدارک کے لئے کچھ خاص مفید نہیں تھیں۔ جب اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو ساتھیوں نے ایک خود ساختہ اسٹریچر پہ باندھ کر مجھے قریب تر شفائی مرکز پنگوما میں لے جانے کی ٹھانی—— مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق راستے میں ایک پہاڑی دَرّے میں شب بسری کے لئے پڑاؤ کیا۔ رات کو یہاں کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا۔ اسے سانپ بھی کہا جا سکتا تھا...... مگر متاثرہ جگہ پہ کوئی [illegible] کا نشان وغیرہ نہیں تھا۔ جسم نیلا پڑ کر سُوجنا شروع ہو گیا...... یہ حالت دیکھ کر ساتھیوں نے اناللہ پڑھ لیا کہ اب یہ دیر بدیر میں قصہ پاک کر جائے گا...... اسی دوران خچروں کے ہنہنانے اور ٹلیوں کی آوازیں سُنائی دیں۔ چھوٹا سا کوئی سا قافلہ درّے کی مخالف سمت سے آ رہا تھا۔ وہ چند زائرین تھی جو کچھ شبد الاپتے، گام گام [illegible] ہوئے آ رہے تھے...... پاس پہنچے تو ساتھیوں نے انہیں میری بیماری اور بپتا سُجھائی۔ زبان بیان

وہ کیا سمجھتے' میری ظاہری حالت دیکھ کر وہ کچھ سمجھ گئے ہوں گے۔ اُنہوں نے جھٹ پٹ جھاڑ جھنکاڑ اکٹھا کر کے آگ جلائی کچھ جڑی بوٹیاں پانی میں ڈال کر جوشاندہ سا تیار کیا' پھر چمڑے کی بوسیدہ سی تھیلی سے کوئی موم جیسی چیز نکالی' نگدی کی مانند زبردستی مجھے کھلائی اُوپر سے نیم گرم جوشاندہ پلا دیا۔ جو کمبل یا گرم کپڑے وغیرہ دستیاب تھے اُوڑھا پہنا کر لٹا دیا' اس طرح کہ میرا اگلا حصّہ قدرے نیچے اور ٹانگوں کی جانب جسم اونچا تھا۔ قافلے والوں نے بھی شب بسری کے لئے یہیں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ سامان وغیرہ اُتار کر وہ جانوروں کے چارے اور اپنے کھانے پینے کے اہتمام میں لگ گئے۔ کھانے پینے میں انہوں نے ہمارے ساتھیوں کو شامل کیا۔ اک دوجے کی زبان سے نابلد انسان' اکٹھے بیٹھے کھا پی رہے تھے۔ اشاروں کنائیوں میں کچھ سمجھا رہے تھے۔ ویسے منہ کھولنے' زبان ہلانے کی بھی کوئی ایسی ضرورت نہیں ہوتی۔ آنکھیں' تاثرات' ہاتھ' اُنگلیاں' جذبات' اخلاق وغیرہ اور انسانیت سے بڑھ کر اور کون سی زبانیں ہو سکتی ہیں۔ الفاظ و بیان تو عموماً جھوٹ بولتے ہیں یا پھر انسانی مافی الضمیر کی صحیح ترجمانی کر ہی نہیں سکتے۔

جوشاندہ اور وہ موم جیسی دوا کھانے پینے کے بعد غنودگی سی طاری ہو گئی تھی۔ نقاہت سے تو میں پہلے ہی ہلکان تھا جیسے میرا دم نکلنے کو ہو...... مجھے سجھائی دیا کہ زندگی کا پہاڑی راگ اب اپنے انت پہ پہنچ چکا ہے جبکہ میری از [illegible] ان [illegible] پہ آرزو [illegible] خوبانی کا پیڑ...... جس پہ خوش رنگ شگوفوں کی بہار اُتری ہو...... کسی ایک شاخسار پہ کوئی پہاڑی تو دل کو بیٹھ ہوا کاں کاں! کہاں کہاں؟ کی رٹ لگائے ہوئے ہو اور مَیں اس پیڑ کے عین نیچے چھوٹے بڑے گول پچکے نوکیلے پتھروں کے ڈھیری کے نیچے پڑا غور کر رہا ہوں کہ مَیں کون ہوں' کیا ہوں اور کیوں ہوں؟ اور یہ بھی کہ مَیں تھا...... ہُوں یا ہوں گا؟

اسی دوران مجھے اُبکائی سی آئی اور ایک بڑی قے نے مجھے مزید نڈھال کر دیا...... یُوں لگا جیسے میرے پیٹ سینے سے ہر اعضاء آنتیں اُلٹ کر باہر نکل آئے ہوں...... اُونگھتے سوتے جاگتے سب ہی میرا ایسا حال دیکھ کر متوجّہ ہو گئے...... اچھا خاصا بدبودار اُگالا...... جیسے کسی پہاڑی مارخور بکرے نے اَن دیکھی میں پدم ناگ بھر لیا ہو اور وہ اُس سے ہضم نہ ہو سکا ہو' مجھے جو موم جیسی دوا دی گئی تھی وہ مارخور بکرے کی جگالی کا لعاب تھا۔ جو بکرے کے منہ سے گر گر کر پتھروں پر موم کی صورت جم جاتا ہے جو ہر قسم کے زہریلے اثرات کو ختم کرنے کا تیر بہدف تریاق ہے۔ ظاہر ہے کہ مَیں صبح تک تندرست ہو چکا تھا۔

بات شُتر بچے سیاں کی ہو رہی تھی کہ وہ اک جنونی انداز میں اپنی ہمت و اوقات اور عمر سے بڑھ چڑھ کر ریت میں گڑھا کھود رہا تھا اور پھر بات بڑھی کچھ جانور غیر معمولی قوت و صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں

انسانیت کے لیے اُن کے ہاں بے پناہ استعانتیں اور نعمتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں اہلِ حکمت و نظر اور اہلِ علم و عرفان محسوس کرتے ہیں۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ بہت سے مخصوص ملائکہ، جنّات اور رجالِ غیب کے علاوہ ہر مخلوق خاص طور پہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے تخلیق کی گئی۔ عبادت اللہ کریم کی ہوتی ہے لیکن خدمت و اطاعت انسان کی ہوتی ہے۔ اگر انسان فکر و تجسس سے کام لے تو وہ دیکھے کہ اس کے شش جہت، ہر چیز خاص طور پہ اس کے لیے پیدا کی گئی ہے...... اس فلسفے کو گہرائی اور گیرائی سے سمجھنے کے لیے سورہ رحمٰن سے بہتر اور کوئی مثال نہیں۔

کڑاں کڑاں چیختے چلاتے کاگے، خدا جانے کہاں کہاں سے آنے شروع ہو گئے تھے۔ جبکہ ان [illegible] میں کوّے تو تھے مگر ایسے کچھ زیادہ بھی نہیں کہ کوّے زیادہ تر آبادیوں کے قریب ہوتے ہیں۔ دو دو تین تین [illegible] کا طیاروں کی طرح آتے اور گڑھے کے اوپر کڑاں کڑاں کی بمبارمنٹ کر کے پھر کہیں غوطہ لگا جاتے...... بالکل ایسے جیسے جہاز آتے ہیں اور ہدف پہ بم پھینک کر غائب ہو جاتے ہیں۔

سیاں اب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ کچھ دیر میں اس کے دکھائی دینے کا انتظار کھینچتا رہا پھر آگے بڑھ کر گڑھے کے اوپر آ کھڑا ہوا۔ وہ بے دم سا پڑا ہانپ رہا تھا۔ آنکھیں مجھ پہ ٹکی ہوئی...... یہیں مجھے احساس ہو گیا کہ اس کا کام اب تمام ہو چکا...... بغیر مڑ کر دیکھے میں نے معاونین کو ہاتھ کے اشارے سے طلب کیا۔ انہوں نے گڑھے میں اتر کر سیاں کو باہر نکالا۔ کچھ دیر تک وہ بے سدھ سا پڑا رہا پھر مجھے دیکھے بغیر وہ گھسٹتے ہوئے ایک سمت کو چل دیا۔

گڑھے میں میرے معاونوں کے وزن سے ایک دہانہ نمودار ہو گیا تھا۔ جسے میں نے دیکھ لیا۔ اب وہ [illegible] میرے اشارے پہ باہر آ گئے۔ مجھے میرے سامان والا تھیلا تھما کر منہ موڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اب وہ منتظر تھے کہ میں کب گڑھے میں اُترتا ہوں۔ تاکہ وہ میری ہدایت کے مطابق گڑھے کے اندر دہانے پہ مٹی کا کچا گھڑا اوندھا کر کے دوبارہ ریت سے پاٹ دیں اور اوپر پھر پانی سے لبالب بھرا ہوا مٹی کا مٹکا رکھنا تھا جس کے پیندے میں سوئی کے ناکے برابر سوراخ تھا اور جب مٹکا پانی سے خالی ہو جاتا تب ریت کھود کر دہانے سے گھڑا ہٹا کر مجھے باہر نکالا جاتا۔

میں نے اپنی پہلی منزل پہ پہنچنے پہ دو رکعت نفل شکرانے کے ادا کیے، دعا مانگی، اپنے بابا جی سے رجوع کیا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر گڑھے میں اُتر گیا۔ دوسرے لفظوں میں زندہ قبر میں پہنچ گیا...... تھوڑی سی فاضل ریت ہٹی تو قبر کے دہانے کا منہ واضح ہو گیا۔ چند ثانیے وقف لینے کے بعد میں سر کے بل قبر کے اندر داخل ہو گیا۔

[illegible] تھلوں میں ریت کے نیچے مختلف گہرائیوں میں قدرتی اور غیر قدرتی پانی کے سٹور اور ذخیرے ہوتے ہیں۔ ذخیرے ریت کے نیچے ایسی جگہوں کو کہتے ہیں جہاں قدرتی ذرائع سے پانی جمع ہو کر جذب ہو جاتا ہے۔

خشک سالی کے موسم میں صحرائی حیات ایسے سیموں کو تلاش کر کے اپنی بقا کا اہتمام کر لیتی ہے۔ جھاڑ جھنکار گھاس پھوس بھی ان ہی سیموں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ مصنوعی سیمے بھی بنائے جاتے ہیں جو عموماً جگہوں پہ ہوتے ہیں جہاں نیچے زمین پتھریلی یا سخت ہو۔ تا کہ پانی خاصی مدت تک محفوظ رہ سکے...... یہ مصنوعی اور قدرتی سیمے مختلف حدود اربعے کے ہوتے ہیں۔ بہت بڑے بڑے اور بہت چھوٹے بھی...... محض چار کے سائز کے بھی...... صحرائی طور وطریق کے مطابق یہ سیمے بھی بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ جیسے تھلوں میں ٹیلے اپنے وقوع بدلتے ہیں اس طرح یہ بھی خشک اور تر ہوتے رہتے ہیں اور جو سیمے ایک دو موسم خشک رہ جائیں وہ اندر سے ایک پختہ کمین گاہ یعنی چھپی ہوئی خندق کی مانند ہو جاتے ہیں...... اور قیامت کی گرمی ہو لیکن اندر سے ٹھنڈے یخ ہوتے ہیں اور عجیب بات کہ اندر کسی نہ کسی مقدار میں ہوا کا گزر بھی رہتا ہے۔ اکثر وبیشتر پرانے اور خشک سیمے صحرائی جانوروں کے مسکن بن جاتے ہیں یا پھر جو کبھی بھی نہیں کھلتے۔ ریگ ماہی وظیفے یا قسم کے ریگتی چلہ کشی کے لئے موخر الذکر سیمے ہی کارآمد ہوتے ہیں۔ جو اِک مخصوص مکتب فکر کے صوفیوں درویشوں کے وظیفے کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ مخلوقات میں سب ہی اللہ سُبحانہٗ کی حمد و ذکر کرتے ہیں مگر جانداروں میں کچھ مخصوص چرند و پرند و خزندے اپنے خالق و مالک کی تعریف و توصیف کی تسبیح بیان کرنے کے ذوق وشوق [illegible] میں بھی [illegible] ہیں۔ مچھلیاں، چیونٹیاں، کبوتر، ابابیل، زاغ، بلبلیں، ہدہد، تیتر، کتا، ریگ ماہیاں وغیرہ...... مشاہدے میں آیا ہے کہ اللہ والوں کے مقبروں، مزاروں، مسجدوں کے نزدیک وجوار کبوتر، بلبلیں، ابابیلیں اور ٹٹیے کثرت سے ہوتے ہیں۔ زائرین ان کے کھانے پینے، دانے دُنکے کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ حرمین شریف اور دیگر ولیوں قُطبوں کے آستانے اس کی بہتر مثالیں ہیں۔ اسی طرح نباتات، جمادات و فواکہات رفیق و شفیق میں سے اللہ کریم کی کچھ ایسی خاص نعمتیں ہیں جو مخصوص روحانی خواص کے ساتھ ساتھ ذاکر و زاہدہ بھی ہیں۔ زیتون، انجیر انگور، شہد، دودھ، جَو، کلونجی...... عود، عنبر، مشک...... عقیق، مرجان، مُونگا، فیروزہ، سنگِ مریم، سنگِ خارا، سنگِ مرمر اور سنگِ سلیمان وغیرہ کچھ خصوصی اشیاء ایسی ہیں جو روحانی اعتبار سے عبادت و ریاضت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ ریاضت مجاہدوں، چلوں، وظیفوں کے لئے پیٹ و نفس پہ قابو ضروری اَمر ہوتا ہے...... دھیان گیان ان سے صرفِ نظر و تظلم کیئے بغیر ممکن ہی نہیں ہوتا، لیکن جسم و جان کا سلسلہ قائم رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ کھانا پینا بھی ہے۔ اس مقصد کے لئے تیل، شہد، کلونجی، زیتون وغیرہ۔ ان نعمتوں سے جسم و جان میں طاقت و تقویت تو ہوتی ہے لیکن نفخ اور بول و براز پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی نفسانی اور شیطانی وساوس سر اُٹھاتے ہیں۔ غنودگی سے بھی نجات مل جاتی ہے یعنی یہ نعمتیں چونکہ خود ذاکر و شاکر ہوتی ہیں اس لئے طویل وظیفوں اور مشکل چلوں

[illegible] یہ بھی عبادت وریاضت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ خوشبویات' بخورات' کچا موم...... اگر' صندل' کافور' لوبان'
[illegible] وغیرہ بھی ان ہی خصوصیات کی حامل ہیں۔

● آبی آتشی' بادی ریگ ماہیاں......!

ارضی سماوی' بادی اور آبی مخلوقات میں صرف مچھلیاں ہی ایسی مخلوق ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرتی ہیں...... یہ واحد جاندار ہے جسے ربُّ العالمین نے خود ذبح کر کے بھیجا ہے۔ اس کا ذکر بطور خاص کیا اور اس کے پیٹ کو اپنے نبی کا مسکن بنایا...... اس کے سفید گوشت کو اعلیٰ اور متبرک شفا بخش ترین غذاؤں میں شامل کیا۔ اس کو ایسی دلکشی اور یوں شکل و شباہت عطا فرمائی کہ حسنِ تخلیق بھی سبحان اللہ پکار اُٹھتی ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ ہمہ رنگ' ہمہ اقسام اور ہمہ تعداد اگر کوئی مخلوق ہے تو وہ نادر روزگار مچھلیاں ہیں...... میرے جیسے کم عقل [illegible] کے مالک یہ سمجھتے ہیں کہ مچھلیاں صرف پانیوں میں ہی ہوتی ہیں...... جبکہ مچھلیاں ہوا' آگ اور ریت میں بھی پائی جاتی ہیں...... پانی کی مچھلیاں تو ہر کوئی [illegible] کھا سکتا ہے جبکہ ان مخفی مچھلیوں کے بارے میں عموم ایسا [illegible] یہ مچھلیاں کانٹے جال بارود' زہروں اور [illegible] سے شکار نہیں ہوتیں۔ [illegible] خدمت' عزت' صحبت اور کرم و کرامت سے آشکار ہو سکتی ہیں۔ مگر بات پھر وہی کہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہر کسی کا مقدر ایسا ہوتا تھا۔

ماہی آب کی سینکڑوں ہزاروں نہیں لاکھوں اقسام ہیں...... جبکہ ابھی تک صرف ہزاروں اقسام سے شناسائی ہو سکی ہے۔ ابھی جہانوں کے جہان زیرِ آب پوشیدہ ہیں جن تک حضرتِ انسان کی ابھی تک رسائی نہیں ہو سکی۔ لیکن ہوائی یعنی آسمانی مچھلی صرف ایک ہی ہے...... ابابیل' اس کا ذکر خیر بھی فرقان الحمید میں ہے۔ اس کی چلت پھرت' شکل شباہت' کار و ورود سب کچھ آبی مچھلی سے مشابہ ہے۔ یہ فضا کی وسعتوں کے سمندر میں اُسی شان بان اور آزادیٔ پرواز سے تیرتی پھرتی ہے جیسے مچھلی سمندر کی پنہائیوں میں ہوتی ہے۔ یہ چلہ لاہوت میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ ایک مچھلی سمندر بھی ہوتی ہے جو آتش ماہی ہے۔ اسے آگ کا کیڑا بھی کہتے ہیں۔ اللہ کریم کی حکمت اور شان کہ یہ آگ میں ہی زندہ رہتا ہے۔ [illegible] بجھ جائے تو کچھ عرصہ بھوبھل' خاکستر میں سانس پورے کرتا رہتا ہے...... جب یہ بھی سرد پڑ جائے تو پران [illegible] ہے...... یہ آتش ماہی چلہ فی النار کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ہر نوع کی مچھلیوں میں شاید ایسی [illegible] ہوتی ہے جو وظیفوں' چلوں اور مجاہدات میں عامل و طالب کے لئے آسانی پیدا کرتی ہے اور اس کے

وسیلے سے مُرادِ منزل پوری ہو جاتی ہے۔ جس کی ایک اعلیٰ مثال صاحب الحوت ذوالنون حضرت یونسؑ کی [illegible] کا مچھلی کے شکم میں آیت کریمہ کا چلہ، جس سے انہیں نجات ملی۔ مذکورہ چوتھی ریگ ماہی جو صحراؤں میں [illegible] جاتی ہے۔ اس کا مفصل بیان پہلی فصل میں ہو چکا ہے۔ جس طرح ضروری نہیں کہ ہر اجتماعِ آب میں مچھلیاں ہوں اسی طرح ہر فضاء میں ابابیلیں بھی نہیں ہوتیں اور نہ ہی ہر آتشکدے میں آتشی کیڑا اور ہر لق ودق صحرا [illegible] ریگ ماہی موجود ہوتی ہے۔ یہ تو اپنے اپنے نصیب کی بات ہے کہ کیسے کیسے رنگ لگتے ہیں۔

ریگتی چلہ کشی میں ریگ ماہیاں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں اور اپنی افزائشِ نسل کے موسم میں [illegible] ماہیاں، رتیلی ریگلی غاروں...... تاریک سیلوں اور ٹیلے ٹیوں کے کٹے پھٹے کونوں کھدروں کا انتخاب کرتی ہیں۔ ان میں نر مادہ کی تخصیص نہیں ہوتی دونوں ہی ایک نقرئی رنگت کا لعاب خارج کرتے ہیں۔ یہ لعاب [illegible] قریب سے اک خاص قسم کے چمکیلے ذرّوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور پھر کچھ ہی دیر میں یہ ریت کے ذرّے بار آور ہو کر ننھے ننھے انڈوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں پھر دن رات کی گرمی سردی سے یہ ریگ [illegible] کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ ان کی خوراک بھی ریت ہی ہوتی ہے۔ اب ریت کا ہر ذرّہ [illegible] نہیں ہوتا۔ ان میں کوئی شیشہ اور کوئی پتھر...... جو سورج کی کرنوں [illegible] منعکس ہوتے ہیں وہ ذرّے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] ذرّے ریگ ماہیوں کی [illegible] ہوتے ہیں۔ ریگ ماہیاں اک خاص عرصے کے بعد خشک ہو کر کانچ کی چوڑی کی مانند ٹوٹ پھوٹ کر شیشے کا برادہ بن جاتی ہیں۔ جو ریت میں شامل [illegible] ریت ہی بن جاتی ہیں۔ ٹرانسپیرنٹ مچھلیوں کی مانند یہ بھی دُھندلے شیشے سا آر پار نظر والا جسم رکھتی [illegible] دن کے اُجالے میں غور سے دیکھیں تو دکھائی دیتی ہیں۔ چلتے پھرتے ہوئے ریت پہ لہریے سے بناتی [illegible] غبار اُڑاتی جاتی ہیں...... اندھیرے میں جگنوؤں کی طرح چمکتی ہیں۔ زیادہ تعداد میں اکٹھی ہوں تو [illegible] کو بقعہ نور بنا دیتی ہیں...... یہ ننھا سا کمیاب قیمتی صحرائی کیڑا اپنے انداز میں دیگر تمام جانداروں سے [illegible] ذکرِ الٰہی کرتا ہے...... لگ بھگ اسی شکل وصورت کا ایک اور چھپکلی نما کیڑا بامنی بھی ہوتا ہے مگر یہ نجس [illegible] ہوتا ہے۔

یہ قدرتی خشک سیلا جو شاید صدیوں سے بند تھا ایک لمبی چوڑی سی قبر کی مانند تھا...... اس کے [illegible] ہوتے ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ یہاں ریگ ماہیوں کا بسیرا ہے...... سیلے سیلے تاریک سے ماحول میں [illegible] رُوح پرور مہک رچی بسی تھی۔ اُب باہر سے دہانے کا مُنہ گھڑا رکھ کر بند کر دیا گیا تھا...... ہلکی ہلکی آوازوں سے [illegible] چل رہا تھا کہ اب گڑھا ریت سے بھرا جا رہا ہے۔ اُوپر چلنے پھرنے کی ہلکی ہلکی چاپ بھی سُنائی دے رہی [illegible] کچھ دیر بعد جب یہ آوازیں بند ہو گئیں تو میں نے جان لیا کہ گڑھا بھرا جا چکا ہے جبکہ اُوپر پانی بھرا [illegible]

[illegible] اب میرے معاون اپنی دیگر ذمہ داریاں نبھانے کے لئے کمر بستہ ہو چکے ہوں گے۔

میں نے اپنے طور طریقے کے تحت مراقبۃ القبر کے وظیفے سے پہلے مراقبہ ال م کا حجاب لیا۔ ہلکے [illegible] اس وظیفے کے بعد آنکھیں وا کیں تو سیلے کے اندر کی دُنیا ہی تبدیل ہو چکی تھی اور آنکھیں تھیں کہ جیسے [illegible]ت و مبرودت میں کئی گنا کشادگی پیدا ہو گئی ہو۔ زمین سے کئی فٹ نیچے جیسے سینکڑوں قمقمے روشن [illegible] کے نیچے نرم نرم ٹھنڈی ریت کا فرش جس کا ایک ایک ذرہ روشن و تابندہ...... دیواریں چھت وغیرہ [illegible] تھیں یہ ایسے ہی تھیں جیسے سمندری علاقے میں کناروں پہ پتھریلی غاریں' کھوئیں' سرنگیں ہوتی [illegible] کی ہولناک تاریکی میں سمندری حیات اَٹی پٹی ہوتی ہے۔ سمندر کی شوریدہ لہریں اور نمکیات ان کی [illegible] میں بڑی ہیبت اور پُراسراریت پیدا کر دیتے ہیں۔ مگر یہاں پانی کی جگہ ریت تھی۔ اللہ جانے کہ [illegible] کس طرح یہ کشادہ قبر نما سیلا عرصۂ وجود میں آیا تھا؟ اندر کے شواہد سے پتہ چلتا تھا کہ کبھی نہ کبھی یہاں [illegible] رہا ہوگا۔

مراقبہ ال م کے بعد میں اپنی نشست بنانے کی خاطر ذرا آگے سرک کر سیلے کے طول و عرض کا جائزہ [illegible] صرف التحیات کی گنجائش نکلتی تھی اور [illegible] میں محض کھڑا ہو [illegible] ذرا آگے مزید [illegible] آدمی نہیں جا [illegible] بھی ادرک کی جڑوں کی مانند کھوئیں کھالیاں تھیں اور ان میں ریگ ماہیوں [illegible] پڑے [illegible] نے محسوس [illegible] کہ میرے ادھر جاگزین ہونے سے ان کے معمولات [illegible] میں چنداں فرق [illegible] ان کی حرکات سے بشاشت [illegible] محسوس ہوتی تھی۔

اس قبر میں داخل ہوتے ہوئے یہ تو واضح تھا کہ مادی جسم کے ساتھ داخل ہوا ہوں جو ہوا' پانی' خوراک [illegible] گل سڑ جاتا ہے...... یہاں تک پہنچنا تو ایک حد تک اپنے اختیار میں تھا لیکن یہاں سے نکلنا اور کامیاب [illegible] بھی اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ ایک دوسری دُنیا تھی۔ جہاں مادی دُنیا کے قریب قریب سب ہی [illegible] مسائل ختم ہو کر رہ جاتے ہیں اور یہ ایک خود اختیاری عمل تھا' جس کو اختیار کرنے میں کچھ میرے بابا جی کی [illegible] بھی تھا۔

میرے بابا جی اپنے بچوں کو ایسے چیدہ و پیچیدہ قسم کے مجاہدوں چلّوں میں ڈالنا پسند نہیں کرتے تھے۔ [illegible] فرمایا کرتے کہ اللہ کے بندے کے لئے رزق حلال کمانا' دین و دُنیا کا علم حاصل کرنا' حقوق اللہ کے [illegible] حقوق العباد پورے کرنا اور اپنے لواحقین کے حقوق کا خیال رکھنا ہی سب سے بڑے چلّے مجاہدے ہیں۔ [illegible] حقوق کا خیال رکھنے والے کے لئے اور کسی چلّے کی ضرورت نہیں۔ بارے چند بچوں کو انہوں نے اس نوع

کے چلّے کھینچنے کی اجازت دی تھی جن میں سرِفہرست میَں خود بھی تھا۔ فرمایا کرتے کہ مجاہدوں کی مشقت ضروری نہیں۔ یہ مخصوص راستے کے مسافروں کا تردّد ہے اور ایسے لوگوں کی ہڈیاں اور رگیں ہی مختلف ہیں۔ اللہ پاک انہیں خوف و خلجان سے محفوظ فرماتا ہے۔ ریاضتوں سے اِن کا مقصد، جسم و جان کو وُجود و وِجدان کو صدیق بنانا مقصود ہوتا ہے تاکہ مادی اور رُوحانی طور پہ مضبوط و مربوط رکھ کر اللہ کی مخلوق کی انداز سے خدمت و رہنمائی کر سکیں نہ کہ ان کا مقصد خرقِ عادت کرامتوں معجزوں کا فروغ، معجزے، کرامتیں بہت ہی خاص الخاص بندوں سے اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے اَمر سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ کریم جب چاہتا جس پہ چاہتا ہے اِن کا ظہور فرما دیتا ہے۔ سو جو نام نہاد پیر، عامل ایسے معجزوں کرامتوں کے دعوے دار ہوتے ہیں محض شیطان کے چیلے، شعبدہ باز اور سفلی علت و عُلوم کے مقلد ہوتے ہیں جن کے ہاں دین دُنیا دونوں ہوتے ہیں۔ تاریخ بھری پڑی ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل نے ہمیشہ مات کھائی...... استعمار و استبداد کے سامنے بغاوت و حریت ایک سیسہ پلائی ٹھوس دیوار ثابت ہوئی۔ موسےٰ کے مقابل نمرود اور جادوگر، عیسےٰ کے سامنے یہودی، اسرائیلی، نبی کریمؐ کے رُوبرو کفار و نصاریٰ، امام عالی مقام کے آگے یزید اور اس کے حواری آگے آگے سرکتے جائیں تو محمد بن قاسم اور راجہ داہر پھر اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام جنہوں نے حقیقت سے وقت کے [illegible] ابلیس کے چیلوں اور بڑے بڑے مہان بُتوں کو زمین چاٹنے پہ مجبور کر دیا۔

● نیرنگِ اَرض کے مقلدو......!

چودھویں صدی کے مورّخ ابنِ خلدون نے مصر کے عروس البلاد قاہرہ کو اُمّ المدائن بھی کہا ہے۔ غور کیا جائے تو سچ ہی کہا ہے۔ واقعتاً یہ سرزمین، دُنیا کی قدیم تہذیب و تمدن، عُلوم و فنون، امورِ حکومت و حکمت، معاشرے، محافقت میں یکتائے روزگار ٹھہری۔ میرے اپنے خیال میں ایسا چشم کشا ابنِ خلدون اِس ''دُنیا کی ماں'' کے ساتھ ساتھ ''دُنیا کے باپ'' یعنی سرزمین عراق کا ذکر بھی اگر اسی رَواں پیرائے میں دیتا تو بے محل نہ ہوتا۔ بابل نینوا کے چاہ، مُعلق باغات، محلات، سیرگاہیں، دانش کدے، معبد...... ارضی حکمت اور افلاکی فراست و فکر کے لئے رصد گاہیں، بصرہ بغداد، موصل، نصیریہ کی مساجد اور خانقاہیں، بغداد، نجف، کربلا، کُوفہ کے مزارات، مقابر اور گورستان...... گاہے دجلہ اور فرات کی تشرف و تبحر کی تاریخ پہ نظر پڑے تو مارے حیرت و حسرت آنکھیں پھیل کر نم آلود ہو جاتی ہیں اِن کے پانیوں اور وسیع کناروں نے کیسے

ہوں گے اور کن کن نامیوں کے قدم چُومے ہوں گے؟...... یہاں کے صحراؤں' پہاڑوں' جنگلوں' میدانوں' کوچہ بازاروں اور مکینوں کے لئے۔ طالع آزماؤں' جنگجوؤں' لٹیروں' قاتلوں نے اپنی تسکین حرص کے لئے کیا کیا خونچکاں سامانِ ستم پیدا نہ کئے ہوں گے جبکہ اِدھر کی عظیم قیمتی کتب گھروں' درس گاہوں نے [illegible] کی بے حُرمتی' بے قدری و بربادی کے کیا نہ منظر و تماشے اہتمام نظر نہ کیے ہوں گے...... اس بزرگ سرزمین نے خُلفاء و اُمراء و سلاطین کی جاہ و جلالت' سطوت و سروری کے کیسے کیسے خُوب رَوشن اَدوار ملاحظہ کیے' حکومت و خلافت' علم و دانش...... تصوّف و تصرّف' تہذیب و تعلیم کے جیسے اور جتنے سنہری زمانے اس سرزمین کے تصرّف میں آئے وہ کسی اور ملک و ریاست کے نصیب میں نہ ہوئے اور جیسی خوں ریزی' [illegible] بربریت و بہیمیت...... طوائف الملوکی' بربادی و تباہ کاری اس کے ماتھے لگی اور جو لگ رہی ہے شاید کسی اور سرزمین کا مقدر بنی ہوگی۔ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ' بیت المقدس کے بعد جو کچھ بھی ہے وہ اس سرزمین کے لئے ہے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ قریب قریب اَزمنہ قدیم سے ہی یہ قطعہ اَرض' ریاستی' سیاسی' علمی' اَدبی' [illegible] اور روحانی گوناگوں سرگرمیوں کا مرکز و محور رہا ہے لیکن یہاں بعض مقامات اپنی ظاہرہ حیثیت کے علاوہ بھی چنداں ماورائی اہمیت کے حامل ہیں۔ ارض و سما' سیارگانِ افلاک کے جہتی' محوری' [illegible] الرسات...... کچھ مُدوّر و مُعقون اجرام فلکی کے بروج کے پسندیدہ رُخ' قیام و قعود میں [illegible] اضافت و اقامت اور یہاں کشش ثقل کا ایک قدرتی ارتکاز و تحلّل' شمسی کرنوں کا ایک خاص [illegible] سے انعکاس وغیرہ اس [illegible] علوم علوی کے اعتبار سے خاص الخاص بنا دیتا ہے جہاں علوم علوی کے حصول کی بنیادی شکل واضح ہو جائے وہاں سفلی علوم کے سر اُٹھانے کی بنا پڑ ہی جاتی ہے۔ فطرت قدرت کے مساوی علم و ہنر' تحلیل و تکامیل کی جو بھی مساعی ہوئیں ان کے ڈانڈے بلاواسطہ بھی [illegible] سے جڑے اور بالواسطہ بھی اِدھر سے ہی ملے۔ اَدب و شاعری' حکمت و کیمیا گری' فہامت و دانشوری' [illegible] ساحری' صنم گری و آذری' نبوت و پیغمبری...... زمین کے سینے میں بلند و بالا مینار گاڑھے گئے۔ پاتال [illegible] کنویں اور بغل باولیاں تھیں جن کے اندر تہہ در تہہ شہر آباد تھے۔ ان ہی کے پہلو سے روشن چاند [illegible] گئے۔ اس کے دوش پہ لٹکے جھولتے باغ...... لرزیدہ محل و سیر گاہیں' تماشا گھر اور عشرت کدے اُٹھائے گئے۔ ان کی کاکلوں سے آب جوئیں' آبشاریں اور جھرنے اُچھالے گئے۔ نینوا یا بابل اپنے نام کی مانند [illegible] کا ایک طلسم کدہ؟ یہاں صدیوں پُرانے عُلوم۔ طبیعات والٰہیات' ہیئت و ہندسہ' نجوم و نظرات' [illegible] حروف و حساب سی' مثلث مطّع و مثلث کردی' عنصر و زیجات' توقیت و تصرقاف' عالم فلکی و عالم سفلی'

اعداد و اَوج، ہبوط و زوال، فرح و طرح، طول بلد و عرض بلد، کواکب کے شرف و بیضائے بروج، حقیقی [illegible] سحر و طلسمات اور دیگر نہفتہ اور فوق العقل و فطرت علوم کا شہرہ تھا بلکہ باقاعدہ ان کی تدریس و تعلیم [illegible] یہاں بڑی بڑی درس گاہیں، پُر شکوہ مندر نما ماگھے، عالیشان معبد، مٹھ، بھیتر، چالے، آشرم، چکر دھارے [illegible] رسدے، پنڈال، کلش وغیرہ موجود تھے۔ زمین کے اندر، زمین کے باہر اور اُوپر بلند و بالا میناروں، بالا [illegible] پہاڑیوں کی چوٹیوں پہ عظیم الشان تجربہ گاہیں، رصدگاہیں، سیرگاہیں، آبشاریں، جھرنے، تالاب، باغ، باغیچے محلات، خوش نما خوش ادا، خوش نوا پرندوں کے لیے گلزاریں...... نینوا، بابل، کلدان و مدائن اَوجِ ہنر و کمال [illegible] اصل حُسن و جمال تھا۔ یونانیوں، رومیوں، سمیریوں، اُسیریوں، مصریوں، چینیوں، ایرانیوں، کلدانیوں [illegible] نے جرِ ثقیل کے علم و ہنر کو جو معیار و مقام دیا اُس پہ دُنیائے تعمیرات آج بھی انگشت بدنداں ہے۔ اگرچہ [illegible] مصر، ایتھنز، روم، فارس، قسطنطنیہ اور دیگر قدیم ملکوں میں بھی ان علوم و فنون پہ زندہ رہنے والا کام [illegible] علوم و فنون کے کمال و مثال کی سرزمین صرف اور صرف عراق یا پھر مصر!...... کوقاسیون کی رصدگاہیں، شرف [illegible] کی رصدگاہ، ہمدان میں ابنِ سینا کی رصدگاہ، ملک شاہ، قاہرہ میں ابنِ یونس اور الافضل اور [illegible] مراکش میں [illegible] میں الطوسی کی رصدگاہوں میں [illegible] اپنے عصر کے حساب [illegible] فلک [illegible] مگر جو کارنامے بابل نینوا کے ہیکلوں، ہیئت دانوں، موجدوں، کیمیا گروں، قلا گروں اور افلاک کی [illegible] سحرِ بابلی یا [illegible] علوم کے عالموں نے سرانجام دیے وہ اس عالمِ تعمیر و تخریب، خواب و تعبیر میں بے مثال تھے۔

یہاں اپنے دور کی عجیب و غریب فلک شناس دوربینیں استادہ تھیں، جن کے بے عیب، بے [illegible] شفاف بلوری عدسے اور آبِ نقرہ [illegible] صیقل [illegible] جہازی پرات پیالے افلاک [illegible] نگاہیں جمائے رہتے۔ یہ کئی طرح کی جاذبِ معدنیات کے ادغام سے ڈھلے ہوئے سیر مین پرت [illegible] کارکردگی میں گوناگوں کرشماتی خصوصیات کے حامل بھی تھے اور جو نہ صرف فلکیاتی نظام پہ نظر رکھتے [illegible] ستاروں کی گردشوں، لحظہ لحظہ بدلتی ہوئی سمتوں، باجوں، موسموں، بُرجوں اور دیگر افلاکی تیوروں کی پیشگی [illegible] بھی فراہم کرتے۔ چونکہ یہاں کی ارضی پرت میں قدرتی طور پہ مقناطیسیت عام درجے سے کہیں زیادہ [illegible] اثرات لیے ہوئے تھی اس لئے اکثر ماورائے عقل و عادت واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے۔ سو یہ [illegible] سحرگروں، فسوں خوانوں...... شعبدہ بازوں کی گرہ بندیوں، سرگرمیوں، بہرہ وریوں کے لئے بڑی [illegible]

یہاں کے صحراؤں نخلستانوں میں جب گرد و باد کے طوفان اُمڈتے، آندھیوں کی شوریدہ [illegible] جب سرمستی میں لڈی ڈالتیں تو ہر منظر دُور کہیں دُھند کے سایوں میں اُوجھل ہو جاتا اور جب کبھی [illegible] آتے تو پھر دیکھتے ہی دیکھتے صحرا، ریگ کی بجائے، جھاگ اُڑاتے لہر بہ لہر، موج در موج ایک [illegible]

لیتے...... گویا انسانی آنکھ دیکھتی کہ اِک بحرِ طلسمات ہے جہاں ہر اِک شے' سفید پھٹک جھاگ جھال
بن کر لہروں موجوں گردابوں اور اِک پُراسراری خامشی میں جذب ہو گئی ہے۔

میں اس وادئ دجلہ و فرات کے لہو رنگ حُسن و جمال' ہنر و کمال' فسوں و طلسمات کا ازل سے مداح
ہوں اور اس کی تاریخ و تہذیب کا ایک نالائق سا طالب علم بھی۔ لیکن اس سے کہیں بڑھ کر مجھے نجف
کوفہ اور سید عبدالقادر جیلانی کے بغداد سے اِک والہانہ عقیدت رہی۔ جونہی میرا کہیں بادیہ پیمائی
میں کسی چکار بچے کی مانند چھلانگے مارتا ہوا' عراق کے جنگلوں پہاڑوں صحراؤں کی ہوا اقتضا پھانکنے
لیتا...... بعد' یہیں سے ہی شام' اُردن' ترکی' مصر' لیبیا' لبنان یا سعودیہ عربیہ وغیرہ' کسی جانب بھی
...... پھر وہی چل سو چل! جیسے زود رنج زندگی سے اُوازار لوگ صحت اور صالح خون بنانے کی غرض
صحت افزا مقامات کا رُخ کرتے ہیں ایسے ہی میں بھی اپنی رُوحانی' علمی اور نہفتہ علوم سیکھنے جاننے کی
کرنے کی خاطر ایسے مقامات کو ترجیح دیتا جو میری طلب و جستجو کا مداوا کر سکتے...... اور اس کے لئے
آلِ رسول اور خلفاء' اولیاء' شہداء کا یہ مقدس و مکرم خطہ ہی اولیٰ تھا۔

پچھلے [illegible] میں کہیں اُونٹ کی ہڈیوں کا ذکر ہوا تھا...... محض اُونٹ [illegible] ہی کیا موقوف [illegible] کی ہڈی
[illegible] اور [illegible] ہے۔ نازک ہڈی اور بال بھی ایسی [illegible] ہیں جو
غیر معینہ عرصہ تک کسی نہ کسی ہیئت میں اپنی وجہ وجود قائم رکھتی ہیں...... [illegible] دیوں پرانے
ڈھانچوں کو ملاحظہ کریں تو دیکھیں پورے کا پورا استخوانی پنجر سلامت ہے [illegible] سر جسم کے بال یوں
کر کنگھا کر لیں...... [illegible] قاہرہ' لندن' امریکہ' جرمنی اور [illegible] کے کئی ایک عجائب خانوں اور
میں درجنوں ایسی ممیاں مُردے دیکھے کہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی اُن کی نازک سے نازک
تھیں...... ازمنہ قدیم میں ہڈیوں کا استعمال کثیر المقاصد تھا...... چونکہ چوپائے عظیم الجثہ ہُوا کرتے
ان کی ہڈیاں بھی مضبوط اور لمبی چوڑی ہوا کرتی تھیں...... جن پہ کندہ کاری' تحریر و تراش نسبتاً
پا رہتی تھی۔ اس لئے بہت سے مذاہب و ادیان کے اُپدیش' فرمودات' صحیفات' الوحات وغیرہ
اور درختوں کی چھالوں کے علاوہ ہڈیوں پہ بھی ملتی ہیں...... ایک خاص بات جو میرے
میں آئی۔ ہڈیوں کی الواحات پہ اکثر طلسم' علوم خفی اور اشراف فلکی کی تنزیلیں' تخفیفیں اور تخصیصیں
پائیں۔ قدیمی نسخے زبورِ جلّی کی کچھ آیات' جن میں ابلیس لعین کے ایک خاص ورد کا ذکر تھا' میں
کی چھپکی سالخوردہ ہڈی پہ کندہ دیکھیں۔ ماسکو کے میوزیم میں محفوظ زرد رنگ کی تقریباً اڑھائی فٹ
انچ چوڑی یہ ہڈی یقیناً کئی صدیاں پرانی تھی اور کسی ایسے جانور کی جو طویل القامت اور قوی الجثہ

بھی ہوگا۔ جانوروں بشمول اور بالخصوص انسان کی ہڈیوں کی اہمیت اِس طور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اِن کا حص
اور استعمال آسان ہوتا ہے۔ سِفلی عَلوی عملیات اور فسوں سوزی کے وظیفے اور مُوکلاتِ خبیثہ و حاضرات کے
لیے خصوصاً نجس جانوروں کی سالخوردہ بوسیدہ ہڈیاں ''میڈیم'' کا کام دیتی ہیں۔

میں انتہائی غور و غوض اور مختلف تجربات سے یہ سمجھ پایا کہ ہڈیوں کا بنیادی کیلشیم' فاسفورس اور کا
بوسیدہ بوژیدہ ہو کر ایک ایسا پُر اَسرار سا جالا بن جاتا ہے جس کے خانوں دانتوں کی تقسیم و تفہیم ابلیس مُردود
تبلیس سے مشابہت لے لیتی ہے تاہم ایک ایسی طاغوتی سَڑاند بھی پیدا ہو جاتی ہے جو شیطانی بخورات
سِفلی عملیات میں مدد ثابت ہوتی ہے...... ایسی ہڈیوں میں کولہے' شانے' پسلی کی ٹیڑھی کمان نما ہڈیوں کے
ریڑھ کی ہڈی کی نوک جو مرد کے صُلب میں گھسی ہوتی ہے' کنپٹیوں کی پپڑی نما کاغذی ہڈیاں...... تالو کی
ہڈی...... اس کے بعد بازوؤں' ٹانگوں اور انگلیوں کی ہڈیاں ہوتی ہیں جہاں' زانوؤں اور پنڈلیوں کی
ہڈیوں کی نلیاں بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہیں...... جتنی اور جیسی بوسیدہ اور بڑی ہوں گی اُتنی ہی زیادہ کا
ہیں جیسے کہ [illegible] سنگیں کام کرتی ہیں۔ فرق صرف اتنا کہ ان میں بظاہر پاٹ دار دھما نہیں ہو
انتہائی خاموشی سے اپنا کام دکھا جاتی ہیں۔ کہا گیا کہ کسی بھی قسم کی ہڈی سے استنجا وغیرہ نہ کی...... یہ جنات
شیاطین کا پسند [illegible]

ہڈ خانے میں ایک پاگل خانہ......!

میرا بچپن تھا...... ہمارے ایک رشتہ دار کی دوسری شادی شیخوں کے ایک ایسے خاندان میں
کا ہڈیوں کا کاروبار تھا۔ شہر سے باہر کافی ہٹ کر اُن کا گودام تھا گودام کیا تھا ایک بڑی سی چاردیو
کے اندر اچھے بُرے جانوروں کی ہڈیوں کے پہاڑ کھڑے رہتے تھے...... تمام شہر کے کتّے' چیلیں'
یہاں جمع ہوتے۔ خوب شور اور موج اُڑاتے۔ آس پاس بدبو کا یہ عالم کہ اُدھر ناک نہیں دھری جاتی
دو چار ہفتے دھوپ کھا کر جب یہ ہڈیاں آلائشوں سے نجات حاصل کر کے قدرے سُوکھ جاتیں تو
گدھوں پہ لاد کر ریلوے سٹیشن لایا جاتا۔ یہاں سے انہیں مال گاڑی میں ڈال کر کسی دوسرے شہر
جاتا...... سُنا کرتے کہ ان کو پیس پھٹک چھان کر چینی کے برتن بنائے جاتے ہیں...... کلائیوں کی چ
کنگھیاں...... ادویات اور نہ جانے کیا کیا اَلّم غلّم تیار ہوتا ہوگا۔

ہڈیوں کا گودام چونکہ شہر سے باہر تھا اور اس کے اِرد گرد سبزیوں' پھلوں کے کھیت اور با

[illegible] خریدے نکمے لڑکوں بالوں کی ضرورت تھے۔ ہم لڑکوں کی چھاپہ مار پارٹیاں اکثر اُدھر یلغار کرتی رہتی تھیں۔ مجھے انہوں نے مجبوراً اور ضرورتاً اپنا سرخیل بنا رکھا تھا کہ کبھی کھیتوں باغوں میں پکڑے جانے پہ ہڈیوں [illegible] کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ہماری گوشمالی نہیں ہوتی تھی یا پھر ہم دوڑ بھاگ کر گودام میں پناہ لے لیا کرتے تھے...... اس طرح یہاں آنے جانے سے ہمارے دماغوں سے اُدھر کی دماغ پھاڑ دینے والی سڑاند کا [illegible] بھی جاتا رہا تھا...... ہم تعفّن' سڑی ہڈیوں کے بیچ یوں گھوما کرتے جیسے کسی باغیچے میں چہل قدم کر رہے [illegible] یہ مختلف نوع کی ہوتیں...... بیل' مجھوں' گاووں' گدھوں' گھوڑوں کے پورے پورے ڈھانچے' جن [illegible] خونخوار گدھ اور رکتے کتورے گھسے ہوتے...... بوچڑوں قصابوں کی دوکانوں سے اکٹھے کیئے ہوئے [illegible] مصلّیوں' چوہڑوں سے حاصل کیئے ہوئے مُردار جانوروں کے کلبوت...... گلی محلّوں میں پھینکے [illegible] ہڈیوں کے ٹکڑے...... بظاہر یہ کام کاروبار بڑا گھٹیا اور چیتھڑوں پھٹیچروں کے کرنے کا ہے مگر خالصتاً [illegible] اندازِ فکر کے لوگوں میں جتنی شرح منافع کی اہمیت ہوتی ہے اتنی شاید عزت [illegible] اور گھٹیا پنے کی نہیں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ کاروبار صرف کاروبار ہوتا ہے بڑھیا یا گھٹیا نہیں ہوتا یا پھر یہ کہ اچھا اور [illegible] کاروبار تو سب کر لیں' گھٹیا اور گندا کاروبار کون کرے گا بہرحال ہمارے یہ [illegible] والے رشتہ دار [illegible]

[illegible] اس ہڈ خانے میں' میں اکثر ایک پھٹکار پڑے چہرے اور کمان کمر والے مدقوق سے شخص کو [illegible] میں اس منحوس ہڈستان میں ہڈیوں کو اُلٹ پلٹ کر [illegible] دیکھتا تھا۔ عجیب سا خبطی [illegible] اپنے آپ میں گم [illegible] دھیان اور مشاقی سے ایک ایک ہڈی کا معائنہ کرتا پھر وہ ہڈی کو اس [illegible] کے مطابق اِرد گرد کے مختلف انباروں کی جانب اُچھال دیتا۔ ہاں اس کے پاس ایک بوسیدہ سی بوری [illegible] تھی۔ خدا جانے اس میں وہ کیا دھرتا؟ میں نے اسے کبھی کچھ اس میں ڈالتے نہیں دیکھا تھا۔ میں کئی دنوں [illegible] میں خدا واسطے کی دلچسپی لینے لگا تھا جبکہ اس کی کوئی خاص وجہ بھی میرے پاس نہیں تھی' ایسے ہنکے بکے [illegible] لوگ اکثر ایسی ہی اوپری بے ڈھنگی بیگار پہ دھرے ہوتے ہیں۔ اس نوع کے سنکی دھن کے پکے مگر [illegible] لوگ اکثر آپ کو اپنے آس پاس دکھائی دیں گے اور یہ ان کاموں دھندوں میں جُتے ہوں گے جنہیں [illegible] میں کرنا تو کجا دیکھنا تک پسند نہیں کرتا...... ان فالتو لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ ان کو [illegible] کے باوجود کوئی انہیں جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ نہ جانے کیوں میں اس میں کچھ غیر معمولی [illegible]۔ وہ گودام کے منشی اور چوکیدار کے لئے صبح دوپہر شام شیخوں کے بڑے گھر سے لسی ناشتہ کھانا [illegible] تھا میں سوچا کرتا کہ وہ معقول سا بوڑھا منشی اور لنگڑا چوکیدار اس کے ہاتھ کا چُھوا ہوا کھانا کس

طرح حلق سے اُتار لیتے ہیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں جسم چہرے پہ کیا موقوف وہ تو سراپا کسی خچر یا [illegible] بوڑھے مرے ہوئے گدھے کی بوسیدہ ہڈی کی مانند تھا۔ دُور سے دیکھو تو لگتا تھا کوئی بڑی سی ہڈی کسی تار [illegible] چلی آ رہی ہے۔ سامنے مقابل آنے والے اُسے دیکھتے ہی راستہ دے دیا کرتے تھے۔ بدقسمتی یا خوش بختی سے ایک دن اِس کی زد میں آ گیا تھا۔ وہ ناشتے کا سامان اُٹھائے ہڈ خانے کی جانب رواں تھا میں اپنی گلی سے [illegible] وہ سامنے تھا۔

”چاچا! لا لسّی کا ڈول مجھے دے۔ میں بھی اُدھر لکواڑے جا رہا ہوں۔“

وہ مجھے یوں تکنے اور کھوجنے لگا گویا میں بھی کسی نوع کی کوئی ہڈی ہوں اور وہ سوچ رہا ہو کہ اسے [illegible] ڈھیر کی جانب اُچھالوں...... میں نے کسی زندہ انسان کے ایسے بڑے بڑے ڈراؤنے دانت نہیں دیکھے۔ [illegible] تو یہ لگتا تھا کہ ہڈیوں کے ڈھیر [illegible] اس نے کسی بڑے سے مردہ خچر یا گدھے کی بتیسی نکال کر اپنے جبڑے میں زبردستی فٹ کر لی ہے۔ اُس نے دانت کٹکٹاتے ہوئے کچھ کہے سُنے بغیر ڈول میری جانب بڑھا دیا [illegible] پیتل کے ڈول کو میں نے یوں احتیاط سے تھاما کہ جیسے اس میں چاٹی کی بلوئی ہوئی لسّی نہ [illegible] نکلی ہوئی [illegible] ہو۔ مجھے کانپا سا لگ گیا۔ وہ ناشتہ والا لوٹا تھامے آگے آگے اور میں لسّی کا ڈول [illegible] پیچھے پیچھے [illegible] شخص کے پیچھے چلنے میں کچھ راحت ضرور ہوتی ہے کہ مقلد آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی زحمت نہیں اُٹھاتا...... بس تقلید میں چلتا [illegible] ہے تاوقتیکہ پیش رو کہیں خود ہی رُک نہ جائے...... ہم گھُگے بندھے راہ راستوں پہ گزرتے ہوئے گودام [illegible] تک آ لگے تھے جو اب چنداں ناگوار محسوس نہیں ہوتی تھی۔ کھرک کھائے [illegible] سفید چتیوں والے [illegible] باچھیں چرے کتے نے آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا...... چوکیدار کتے اور کسی چسدار درویش سے آشنائی کام آتی ہے۔ چور سپاہی کا ناٹک نہیں کھیلنا پڑتا...... حلوے اور لسّی سے کتے کی لگت نہیں ہوتی۔ حلوے سے درویش کو فرصت نہیں ہوتی ایسے میں دھیان ودھان کی سیندھ لگانا“ کچھ سیدھ میں ہی رہتا ہے۔ [illegible] کر ناشتے والے کے گرد ہو لیا۔ شاید ناشتے کے پوٹلے میں کچھ اچار پراٹھے ہوں گے۔ گوشت ہڈیوں سے اُسے کچھ رغبت نہیں رہی تھی کہ گودام کے ہڈوں نے اس کے دانتوں پہ درانتی پھیر دی ہوئی تھی [illegible] پھاڑ کر پھیپھڑوں تک پھیلا دی تھیں...... ایسے میں وہ ستم ظریف بحالتِ مجبوری خارش سے [illegible] دال دلیے اور جو جوی پہ ٹکا ہوا تھا۔ منشی نے لپک کر میرے ہاتھ سے لسّی کا ڈول لے لیا تھا اور اُدھر [illegible] ہاتھ دھو کر دھوتی کے پلّوں سے پونچھ رہا تھا۔

اصل میں مجھے اس سے راستے میں بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ وہ واؤ درود [illegible]

جا رہا تھا اور میں اُچک اُچک لپک لپک دو قدم درمیانی فاصلہ پاٹنے کی تگ و دو میں ہی لگا رہا...... اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اتنا منحوس و مطعون کیوں دکھائی دیتا ہے...... ایسا غلیظ اور ناپسندیدہ کام کرتا ہے اور وہ مُرداروں کی سڑی گلی ہڈیوں میں کیسی چھانٹی کرتا رہتا ہے؟

میں نے ایک بار ماموں شوکے سے پوچھا تھا۔

”ماموں یہ شبابو آپ کا ملازم کیا چیز ہے؟ نجس ہڈیاں یہ چھانٹا رہتا ہے‘ ہاتھ منہ دھوتے کبھی اس کو نہیں دیکھا — گائے‘ بھینسوں کے علاوہ وہ آپ کے کتوں کو بھی نہلاتا ہے۔ اس کے پھٹے‘ پسینے‘ کپڑوں بلکہ اس کے تصور اور سائے سے بھی گنہگار مُردوں کی بدبُو آتی ہے...... کیا آپ کو کبھی اس سے گھن نہیں آتی؟“

ماموں مٹھی میں سگریٹ دبا کر کش لگانے کے عادی تھے۔ بھرپور کش لگانے کے بعد وہ سگریٹ والی مٹھی میرے ہاتھ کی مٹھی پہ یوں جھاڑتے گویا نہاری کی نلی سے مغز برآمد کرنا چاہ رہے ہوں...... وہ اِک قہقہہ لگاتے ہوئے ہنسنے لگے۔

”برخوردار شبابو ہمارا ملازم نہیں ہے بلکہ ہم سب اس کے نوکر ہیں۔ وہ ہمارے رزق روزی کو پاک کرتا ہے۔ میں نے کبھی کسی کام کے لیے نہیں کہا۔ جو جی چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس سے [illegible] سوچ اور اس [illegible] ہے۔“

پھر ماموں میرے گال پہ چپت لگاتے ہوئے بولا۔

”کاکا! دوبارہ شبابو کے بارے میں کوئی سوال مت کرنا اور نہ ہی اس کی بابت کچھ سوچنا...... تمہارا دماغ اتنی بڑی بات کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔“

مگر میں تو بنا ہوا ہی چیکنی اور چلبلی مٹی کا تھا۔ ماموں کے مسکت جواب نے گویا میرے رہوارِ تجسس کو [illegible] کر دیا تھا۔ ماموں شوکے کو میں انتہائی گھامڑ قسم کا کاروباری بندہ سمجھتا تھا ایسے کلکولیٹر قسم کے لوگ محض دو [illegible] میں ہی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ انہیں زندگی‘ بندگی‘ جمال و کمال‘ وفا اور رضا قسم کی باریکیوں ایسی [illegible] سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر کیا کہیے اس وقت اس نے ایسی بجھنی سی بات کی کہ میں حیران رہ [illegible] معلوم ہوا گھامڑتا اور عقلمندی کسی کی میراث نہیں ہوتیں‘ کوئی بھی کسی وقت بھی‘ کچھ بھی کہہ سکتا ہے پھر کر [illegible] بس یہ عین وقت پہ آمد اور جامد کی بات ہوتی ہے۔

شبابو میرے اپنے خیال کے مطابق مجھے کسی طور بھی درخورِ اعتنا نہیں گردانتا تھا۔ شاید وہ مجھے بچہ کچا [illegible] پھر وہ کسی کو بھی اس لائق نہیں جانتا تھا کہ منہ لگا جائے۔

پراٹھے اور اچار میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے کہ دونوں اپنی خوشبو مارتے ہیں...... کھانے کے بعد

ان کی سوندھی اور کھٹی میٹھی خوشبو منہ ماتھے کے علاوہ کپڑوں اور باتوں سانسوں سے بھی آتی ہے اور بندہ سا دن پینڈو بنا کتوں بلوں سے پنڈا اور کپڑے بچاتا پھرتا ہے۔ شرط ہے کہ یہ پراٹھے گھر کی گندم اور لیری کے گھی سے بنے ہوں جبکہ اچار اپنے آنگن کے آم اور کالی سرسوں کی پہلی گھانی کے تیل سے کالی مٹی کے مٹ میں تیار کیا ہوا ہو اور ہاتھ نگاہ کسی ایسی سہاگن کے ہوں جس کے ہاتھوں میں برکت اور نگاہوں میں شرافت ہو ورنہ اچار کو اُلی لگ جائے گی۔ شہابو اپنا پراٹھا اچار اور لسی کا پیالہ اُٹھائے باہر گودام میں ہڈوں کے پہاڑ تلے بیٹھا تھا...... پیچھے پیچھے دو کتے...... چار ٹانگوں والا اور دو ٹانگوں والا...... کہتے ہیں کتے کی پوچھل سو برس کی میں رکھو پھر بھی ٹیڑھی ہی نکلے گی...... میں کہتا ہوں پوچھل کو نلکی میں رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ آدھا چپا جڑ سے رکھ کر باقی قلم کر دو۔ نہ دُم ہوگی نہ ٹیڑھی رہے گی...... اکثر مسائل ہم خود جان بوجھ کر تخلیق کرتے ہیں تاکہ ان پہ واویلا کر کے زندگی کا لطف اُٹھا سکیں ورنہ ہر مسئلہ کا حل ہمارے پاس ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔ وہ ہڈوں کے ایک ناہموار سے چبوترے پہ رسائی سے بیٹھ گیا۔ دسترخوان بچھانے یا ہاتھ پوریں دھونے کا تکلف تو وہ کریں جو طعام بالاہتمام کریں اور جو بالالتزام کریں ان کے لئے یہ تکلفات محض فروعات ہی تو ہیں......!

پراٹھے کا لقمہ اچار کے مصالحے سے لبیڑ کر دُم کا ٹھل ہلاتے ہوئے کتے کے آگے پھینک دیا تھا۔ لقمے کی جانب [illegible] کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ کتا بار بار میری جانب دیکھ رہا ہے جبکہ وہ پیر فرتوت اپنی ازلی بے نیازی میں ہڈی ہڈی ہوا پراٹھے پہ [illegible] اور تھلیوں سے کچھ لڈو سی کھیل رہا تھا۔ اچانک کتے نے مریل سی بھونکی سے اُسے متنبہ کیا۔ اس پہ اُس مرد زبوں حال نے بڑی کراہت آمیز استغنا سے دیکھتے ہوئے پراٹھے کا ایک اور تیل میں تھڑے سے متھا ہوا ٹکڑا اُدھر اُچھال دیا۔ عجب تماشا کہ اس سگ صد آزار نے اُچک کر فضا میں سے ہی لقمہ جبکہ پہلے کو محض سونگھ کر ہی چھوڑ دیا تھا...... یہ کچھ چنداں میری بودی عقل میں نہ آیا۔ میں آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے ابھی اسی عقلی جوڑ توڑ میں تھا کہ شہابو نے کسی جانور کے بچے کی پسلی کی ہڈی میری ٹانگوں کی جانب پھینکی...... ہڈی پھینکنے کا انداز وہی تھا جو زمانہ جہالت میں جنگلی انسانوں کا ہوتا تھا...... وہ پتھروں ہڈیوں درختوں کا تھا...... ابتدائی انسان نے ان ہی چیزوں کو اپنا ملجا و ماوا سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا وہ دیگر کاموں کے علاوہ کسی کو مخاطب ان ہی میں کسی ایک چیز سے کرتا خصوصاً جبکہ وہ حالتِ غیض میں ہوتا۔ میں نے اس کی حرکت کا بُرا نہیں نہ ہی مجھے کوئی ضرر پہنچا تھا...... یقیناً اس میں کوئی پیغام ہوگا۔ میں ٹوٹ بٹوتوں کی طرح ہڈی اور کبھی اُسے لگا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں کچھ سمجھ نہیں پا رہا ہوں تو اس نے اپنے جی ماش کر دینے والے کچکچاتے ہوئے کہا۔

● تیتھوں اُتے کُتے......!

"کُتیا! راتب کھا......"

اپنے لئے یہ سُن کر میری سماعت کی تو آنت چڑھ گئی' میں کُتا ہوں اور راتب' کون سا؟ چند ثانیے تو میں گم سم سا ہو گیا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کیا کہوں؟ اسی اثنا وہ کھُرک کھایا ہوا کُتا اپنی جگہ سے اٹھا' ہڈیوں میں پڑے ہوئے لقمے کو سُونگھا' تھوتھنی سے اُلٹ پلٹ کیا۔ پھر میری جانب یُوں دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو۔ یہی تمہارا راتب ہے۔ یہ تمہارا حصّہ ہے میں اپنا کھا چکا' میں کبھی کُتے کو اور کبھی نوالے کو دیکھنے لگا۔ الٹ پلٹ سے خُوب مٹی' غلاظت' ہڈیوں کی خشک تر آلائش سے آلودہ ہو چکا تھا۔ اسی دوران میرے اندر [illegible] کی کیفیت پیدا ہونے لگی...... گویا میرے اندر ایسے ہی نوالے اٹکے ہوئے ہیں' پیٹ انہیں قبول کرنے سے انکاری ہو گیا ہو۔ اب وہ سارے باہر اُمڈنے کے لئے حلقوں تک پہنچ چکے ہوں۔ جب ایک دو اُبکائیاں [illegible] وہ کمال بے اعتنائی سے میری جانب متوجہ ہوا۔

"چل جا اور اپنا راتب کھا' وررررنہ...... تمہاری پُوچھل کاٹ کر تمہیں بھی ڈبو کی طرح بے پُوچھلا بنا [illegible]"

یہ سنتے ہی ناگاہ میرا ہاتھ اپنی پیٹھ کی طرف چلا گیا...... کدو سا سر نفی میں ہلاتے ہوئے میں تُرت بولا۔

"میری پُوچھل نہیں ہے۔ میں ڈبو کی طرح کُتا بھی نہیں ہوں...... میں تو بندہ [illegible] میرا نام......!"

اُس نے ایک بھیانک قہقہے کا پتھر میری بات پہ رکھتے ہوئے تُرت کہا۔

"اُلو باٹے' ڈبو کی پُوچھل باہر تھی جو میں نے کاٹ دی۔ تیری پُوچھل اندر ہے۔ باہر کھینچ کر میں اسے بھی کاٹ دوں گا......"

میں آپے آپ ہی دو قدم پیچھے سرک گیا کہ بھاگنے میں آسانی رہے۔ مگر وہ تو جیسے میرا ذہن میری سوچیں میرے خیالات وخدشات سب کچھ قابو کیئے ہوئے تھا۔

"یہاں سے کھسکنے کی مت سوچو...... تم ہمیشہ میرے بارے میں سوچتے رہتے ہو۔ مجھے محض دیکھتے ہی [illegible] مجھ سے بات چیت کرنا بھی چاہتے ہو مگر تمہیں مناسب موقع اور الفاظ نہیں ملتے تھے...... تم جاننا چاہتے ہو کہ یہ ذلیل گندہ کام کیوں کرتا ہوں...... میں اتنا غلیظ اور مکروہ کیوں ہوں...... میرے اُن تراشے ٹوٹے [illegible] گندے ناخن...... بڑھے ہوئے بالوں کے جھاڑ جھنکاڑ...... تن کے متعفن چیتھڑے...... کھڑکتی نوکیلی ہڈیوں کا سریر...... میں کون ہوں' کیا ہوں اور کیوں ہوں؟ اور سنو! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کوئی عام سے

بچے نہیں ہو۔ تم میں جاننے، سمجھنے، دیکھنے، محسوس کرنے اور برداشت و جذب کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔

یہ سب کچھ کہہ سنا کر وہ کھانے میں مگن ہو گیا۔ نوالہ توڑتا، اُلٹا سیدھا جیسے وٹّی پہ حجام اُسترے کو پھیرتا ہے۔ وہ نوالے کو پراٹھے پہ گھما پھرا کر بھاڑ سے مُنہ میں رکھ لیتا...... یہ بھی دیکھا کہ اس نے آدھا نوالہ خود کھایا بقیہ ڈبو کے مُنہ میں ڈال دیا۔ یوں کہ یہ بندہ اور وہ کُتا نہ ہوں، ایک ہوں۔

میں اپنی اُبکائی اور متلی پہ بڑی مشکل سے قابو رکھتے ہوئے سوچ رہا تھا...... اُف خدایا! یہ بظاہر گھٹیا سا بے وقوف سنکی سا کیڑا، اندر سے کیا نکلا؟ اس کی یہ فلسفیانہ انداز کی گفتگو اس کے معقول پڑھے لکھے انسان ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ فنِ گفتگو سے بھی آشنا لگتا ہے تعجب کہ وہ حیوان اور انسان کے مابین کا واضح فرق اور نجس و پاک کے امتیاز سے ایسی روگردانی برتتا ہے۔ کُتا تو نجس العین بھی ہے جو کبھی پاک نہیں ہوتا...... وقتی خارش زدہ جس کی پیپ پڑی کوڑھو کھال جگہ جگہ سے ادھڑ رہی ہے جسے دیکھتے ہی جی متلاش کرنے لگتا ہے...... اس کا سونگھا مُس کیا ہوا نوالہ میں کھاؤں......؟

''کھاؤ...... میں کھا لیتا ہوں......'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈبو سے مخاطب ہوا۔ ''ڈبو وہ نوالہ اُٹھا کر

ڈبو نے جھٹ نوالہ دبوچا اور اس کے پاؤں [illegible] ایک ہڈی [illegible] رکھ کر [illegible]۔ بالکل یوں جیسے شکاری [illegible]

میں سوچنے لگا انسان کا ذہن تو یہ پڑھتا ہی ہے حیوانوں پہ بھی اپنا حکم لگا لیتا ہے۔ ''خدایا! یہ کس قماش کا بندہ ہے؟'' میں سوچنے لگا۔

''اِدھر آؤ......!'' اس نے مجھے یوں حکم دیا جیسے میں اس کے دربار کا ایک ادنیٰ چوب دار ہوں۔ میں بھی ایک حکم کے بندے کی طرح سر خمیدہ اور اس کے رُوبرو جا کھڑا ہوا...... وہ تختِ استخوان پہ نوشیرواں پھسکڑا آسن جمائے بیٹھا خاصہ تناول فرما رہا تھا۔ درباری کوّے گدھ چیلیں ابھی حاضر باش نہیں تھے۔ دیوان جی ڈبو رُوبرو تھے یا پھر میں معتوب و مسکین وہ دھاڑتے ہوئے بولا۔

''اگر تم نے میری بات کی نفی ہی کرنی تھی تو پیچھے پیچھے کُتے کی مانند آنے کی کیا ضرورت تھی؟ تم نے بہت سے سوالات بھی جمع کر رکھے تھے...... تم سے تو یہ کُھرک کھایا ہوا ڈبو اچھا ہے جس کے پاس اطاعت، محبت، خدمت اور خود سپردگی ہے...... یہ تمہاری طرح عقل ناقص اور تشکیک کا تردد تمرد نہیں رکھتا رہی بات نجس و پاک، خوشبو اور بدبو اور غلیظ و لطیف...... تو سوچو تم کس چیز سے تخلیق ہوئے...... بدبودار غلیظ منی...... ناپاک قطرے، حیض کا گندہ متعفن خون، جسے کئی عشروں مہینوں تک بطور غذا استعمال کرتے رہے انگ انگ میں حرام مغز اور حرام خون...... سُرخ و سیاہ مونہہ والے کیڑوں سے بھرپور شُدے...... ہمہ

مثانہ میں کئی کلو اور لیٹروں کے حساب سے بول و براز...... ناک، مُنہ، کان، آنکھوں اور ناخنوں میں غلاظت و سمیات...... اُنگلیوں کی جڑوں، دانتوں کی ریخوں، بغلوں کے درمیان اور زیرِناف و قاف بدبُو، بھرا ہے...... یہی ہے پاکیزگی؟ یہ سب محسوسات ہیں۔ اصل میں ہر چیز ایک دائرے میں گھوم رہی ہے۔ جس چیز کا جو حصہ جس کیفیت کے زیرِاثر آ جاتا ہے وہ وہی ہو جاتا ہے۔ سُرخ رنگ کے سامنے آیا تو سُرخ رنگ کا ہو گیا۔ یہی پھر سبز رنگ، پیلا، نیلا، کالا بھی بن جاتا ہے۔ پلید چیز دوسرے لمحے پاکیزہ ہو جاتی ہے جبکہ صاف مطہر بھی ایک چکر لے کر گندلی اور غلیظ ہو جاتی ہے...... یہ ہڈیاں ہی لے لو، پاک ناپاک کی یہاں کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ یہ سب پس کر اک نیا روپ دھار لیں گی...... جس طرح ہر قسم کی گندگی مل کر کھاد میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر یہی کھاد پیداوار میں اضافے اور تروتازگی کا سبب بنتی ہے۔ حیوان اور انسان کے مابین بھی چند حروف، کچھ قدروں، معمولی جذبوں اور سوچوں، حسوں کا معمولی سا ہیر پھیر ہی تو ہے، ہیں تو دونوں ایک ہی...... ایک حیوانِ مُطلق اور دُوجا حیوانِ ناطق!''

مَیں اپنے جی میں سوچنے لگا۔ ''الٰہی! یہ کس قماش کا بندہ ہے؟ باہر سے کچھ اور اندر سے کچھ؟''

وہ ہنس کر بولا۔ ''اندر باہر کی چھوڑو...... یہ نوالہ [illegible] کھا رہا ہوں...... تم بھی [illegible] رہو۔''

اتنا [illegible]

''یہ تمہارے مقدر میں ہی نہیں تھا...... اور ہاں ہڈیوں کے بارے میں جاننا چاہو تو کبھی نجف، کوفہ اور دمشق کے قبرستانوں میں پہنچ جانا۔''

قبرستانوں کی بات پہ کیا [illegible] میں تو اس نوالے میں ہی کہیں پھنسا ہوا تھا...... یونہی میرے مُنہ سے نکل گیا۔

''یہ کُتّے کا سُونگھا اور مُنہ لگایا ہوا نوالہ کیا میرے لئے کھانا ضروری تھا؟''

''ہاں......!'' وہ بے ساختہ سا بولا۔ ''ہاں، بالکل ایسے ہی جیسے اک مدت سے میرے بارے میں تمہارا تجسس کرنا اور کُتّے کی طرح میرے پیچھے پیچھے یہاں تک آنا ضروری تھا۔ جب مَیں نے تمہارے اندر کے بہت سے سوالات کا جواب دینا چاہا تو تم کچھ سمجھنے، یعنی سُننے سے ہی انکاری ہو گئے۔ مَیں بتاتا ہوں کہ کُتّوں کی بھی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں...... ایک وہ بھی ہے جو جنت میں جائے گا۔ ایک وہ بھی جو جان و مال کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ بھی ہوتا ہے جس کے مُنہ دانتوں سے پکڑا ہوا شکار رغبت سے کھایا جاتا ہے۔ کُتّوں کو گود میں بٹھاتے ہیں۔ انہیں نہلا دُھلا، بنا سنوار کر نمائش میں لایا جاتا ہے، یہ سُراغ رسانی کرتے ہیں، کُھرے اُٹھاتے ہیں، چوروں، ڈاکوؤں پہ گرفت کرتے ہیں۔ مویشیوں کی حفاظت، بُھولوں بھٹکوں اور اندھوں کی رہبری کے

فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

وہ خاموش ہو کر مجھے گھورنے لگا۔ میری چُندی چُندی آنکھوں میں اپنی نگاہوں کے برمے اُتارتا ہوا بولا۔

''......اور کچھ کُتے اس قابل بھی نہیں ہوتے کہ انہیں آدھے دھیلے کا کُچلا ہی کھلا دیا جائے......''

شہابے کی اس آخری بات کے بعد میں بھنا کر بن کچھ کہے سُنے وہاں سے کھسک آیا۔ میری اپنی عقل سمجھ کے مطابق اس نے میرے ساتھ انتہائی اہانت آمیز سلوک کیا تھا جبکہ میری اس سے دلچسپی محض یہ جاننے کے لئے تھی کہ وہ پاک پلید جانوروں کی ہڈیوں سے اتنی گہری دلچسپی کیوں لیتا ہے۔ اِن کی بانٹ چھانٹ میں سنجیدہ اور منہمک ہونے میں کیا راز پنہاں ہے۔ وہ گویا ان ہڈیوں پہ مٹی اَن مٹی لکیریں تحریریں پڑھنے کی کوشش میں ہو؛ وہ اِن کے خم خمیدے جُھکاؤ، اُبھار اُکھار، طول عرض اور وزن یوں جانچتا اور نظر سے نکالتا جیسے ان پہ لدے وقتوں کی کوئی پُر اسرار تحریریں لکھی ہوں یا ان میں نبیوں پیغمبروں، حکیموں، فلاسفروں اور جہاں گشتوں کی رانوں تلے رہنے والے جانوروں کی مقدس ہڈیاں کہیں سے آ ملی ہوں۔ وہ کچھ ہڈیوں کو یوں اُلٹ پلٹ کر بغور دیکھتا، پرکھتا جیسے وہ انہیں جان پہچان چکا ہو۔ اس عالم میں اُس کے چہرے کے بھیانک خدوخال ہو بہو بدل جاتے تھے اور وہ علم الاعضاء کا شکی سا کوئی یونانی عالم دکھائی دیتا، کبھی وہ کوئی صنم تراش جاپ پڑھتا ہوا کوئی ایسا [illegible] جیسے [illegible] تیز [illegible] ہو [illegible] اس کی [illegible] سلسلا اتر [illegible] رہ گئی ہو۔ مجھے اکثر محسوس ہوتا جیسے اُس نے میرا کوئی قرض دینا ہو یا اس کے پاس میری کوئی شے گروی پڑی ہو۔ لگتا تھا کسی نہ کسی ناطے اس سے کوئی آشنائی ضرور تھی لیکن جب تک منظر واضح نہ ہو تب تک ناظر اپنی بصارت کی صحت پہ بھروسہ نہیں کر سکتا۔ صرف بصیرت کی ٹامک ٹوئیاں ہی مارتا رہتا ہے...... جس سے شاید ہی اُس کے لئے کوئی راہ نکلتی ہو۔

میں بے دلی سے واپس گھر کی جانب لوٹ رہا تھا...... نگاہ کہیں، قدم کہیں اور دماغ تو جیسے کہیں تھا ہی نہیں...... انسان خالی الذہن دو صورتوں میں ہی ہو سکتا ہے۔ انتہائی پُر سکون لمحات میں یا پھر جب وہ شدت سے کسی ذہنی اُدبار میں دبا پڑا ہو...... کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کس کیفیت میں ہوں...... سورج میرے پیچھے تھا، سایا میرے آگے...... میں خوامخواہ ہی راہ کی دھول مٹی میں پاؤں رپٹا رہا تھا...... روڑے پتھر ٹھوکریں...... راہ راستے کی ہر چیز سے بے نیاز...... آخر یہ کیفیت اس وقت ٹوٹی جب ایک لینڈی کتا میرے آگے چھلانگ مار کر سامنے آ گیا۔ بالشت بھر لمبی زبان لٹکائے وہ مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے میں اس کی ہڈی اُٹھا کر بھاگا جا رہا ہوں۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ ذات شریف مجھ سے آخر کیا چاہتے ہیں؟ جبکہ ادھر ادھر اور بھی لوگ آ جا رہے ہیں مجھ ہی پہ یہ نظر کرم کیوں؟ جب کچھ اچھے خاصے لمحے اسی دیکھا دیکھی میں بیت گئے

جے پہ ٹکی ہوئی نگاہوں میں تاڑ پڑی تو اس رذیل نے زبان کھینچی اور خونخوار قسم کے دانت نکوسنے شروع کر دیئے۔ میں ایک دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے اتنا ہی آگے بڑھ کر ناک سکیڑ سکیڑ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ مجھے کے تیور کچھ غیر مہربانہ سے دکھائی دے رہے تھے۔ اچانک میری نظر اس کی کٹی ہوئی دُم اور کٹے ہوئے پہ پڑی تو گرہ کھلی کہ یہ اُستاد بھی اسی بڈاں والے گھرانے سے فیض یاب ہیں۔ چلیئے' ہوں گے میری بلا سے۔ میں نے چند قدم پلٹ کر بغل سے نکلنا چاہا۔ وہ کمینہ میرا ارادہ بھانپتے ہوئے اِدھر ہو لیا یعنی وہ پوری پوری ناکہ بندی کیئے ہوئے تھا۔ اَب اتمامِ حُجت کے طور میں نے مزید پَرے سے راہ بنانے کی کوشش کی تو وہ سورما بنا اُدھر ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ رہگزر و تماشا دیکھنے کھڑے ہو گئے تھے کہ اس بچے اور کُتے کے مابین کیا معاملہ ہے۔ ایک آدھ نے آگے بڑھ کر کُتے کو ڈرایا دھمکایا بھی...... روڑے پتھر بھی پھینکے مگر وہ چنڈا اُچھل کے اِدھر ہو لیتا تھوڑی دیر بعد بھونکتا بھاگتا پھر سے میرے سامنے کھڑا ہو جاتا۔ ایک بوڑھے نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بھاگ کر اس کی طرف آ جاؤں لیکن میں نے انکار کر دیا...... میں جانتا تھا کہ سانپ اور سود خور کسی کو سے بھاگنے نہیں دیتے۔ وہی بوڑھا مجھ سے پوچھنے لگا۔

''پُتر یہ کُتا تیرے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے کیا تو اس کا کچھ لے کر بھاگا ہے؟''

''ہاں چاچا [illegible]''

''ہڈیاں......؟'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''تو نے اس کی ہڈیاں کیا کرنی تھیں''

''وہی جو ہڈیوں کے ساتھ کُتے کرتے ہیں۔''

وہ بھاڑ مُنہ کھولے مجھے خشمگیں نظروں سے تولتے ہوئے اپنی راہ لگ گیا۔ اب میری کُتے کے ساتھ شروع ہو گئی...... میں ایک سانس میں کٹ کٹ کہتا اُدھر اپنی راہ بنانے کے لیے لپکتا اور وہ بھوں بھوں ہوا مجھے گھیرے رکھتا...... آخر تھک ہار کر میں ایک ٹاہلی کے نیچے بیٹھ گیا...... جب ذرا دم سانس کا ہانپا ختم دماغ کے دروازے پہ دستک دی کہ حضرتِ داغ' اب کیا چارہ کیا جائے' آج صبح صبح کس کا مُنہ دیکھا تھا بلے ہی پیچھا نہیں چھوڑ رہے...... مجھے یوں بیٹھا دیکھ کر وہ ناہنجار بھی کچھ فاصلہ رکھ کر بیٹھ گیا...... وقفے سے زبان نکلتی اور ہانپا لے کر دوبارہ اندر چل جاتی مگر گرگ دیدہ' بدیدہ' مجھ پہ ہی جمی تھیں کہ جانو! آج مجھ سے جان بچا پاؤ تو جانوں؟ لیکن میں تو اس سے زیادہ ڈھیٹ اور [illegible] تھا وہ اگر کُتا تھا تو میں اس کا بھی باپ...... ہار ماننا تو جیسے سیکھا ہی نہیں۔ سینگ پھنسانے اور تڑوانے میں مزہ آتا...... بے ایمانیوں' نوسر بازیوں' کے سارے ڈراموں کا میں آغا حشر کاشمیری تھا۔ خوب مانا کہ کُتے کے ہاں کچھ حسیں اور چند خفتہ صلاحیتیں اضافی ہوتی ہیں...... اس کی قوتِ شامہ بلا کی تیز ہوتی ہے۔ وہ مقابل کے خیالات' سوچ اور

ارادے کو فوری طور پہ پڑھ لیتا ہے...... اس کی باطنی آنکھ بڑی زبردست ہوتی ہے۔ وہ رجال غائب ناری ارضی افلاکی مخلوق، شیاطین وشتابرات، آفات وبلیات...... فضاؤں، ہواؤں، آندھیوں، جھکڑوں، سرابوں، ویرانوں، اندھیروں، جنگلوں پہاڑوں میں خرمستیاں مچاتے ہوئے آوارہ شر شرار کو براہ راست دیکھ ہے۔ نیک وبد جنات وپریاہ سے اس کی جان پہچان ہوتی ہے...... اس کے ماتھے پہ آنکھوں کے درمیان غدود کی صورت میں ایک انتہائی حساس ریڈار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی آنکھ کے کرنے میں ایک عدسہ...... دونوں کانوں کی لوؤں کی نوکوں اور دُم کے سرے پہ چھوٹی چھوٹی گلٹیوں میں عجیب وغریب اریل انٹینے ہوتے ہیں۔ جو آفاق وپاتال کے اندرون بیرون تیسری تہہ پرت تک رسائی رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں...... کتا زمین کی تہہ در تہوں میں پوشیدہ رقیق وثقیل معدنیات کو سونگھ اور پہچان لیتا ہے۔ زلزلے سے ہونے والی عمارات، بیٹھی ہوئی کانوں میں پھنسے ہوئے افراد کو کتوں کی مدد سے ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ابھی کتے کی تمام تر خوبیوں اور خوبصورتیوں سے کماحقہ واقف نہیں ہوا۔ ابھی صرف چند خوبیوں سے واقف ہو سکا۔ سائنس ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ روشن دور میں جہاں حساس ترین آلے بے بس ہو جاتے ہیں کتے ہی کام آتے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ کتے ریاضی دان، حکیم، کیمیا دان، منجم، پیش بین اور علم کے ماہر بھی [illegible] اور [illegible] خطرات حالات سونگھنے والی حس بھی ہوتی ہے۔ لطف کی بات کہ یہ سچے اور جھوٹے کو بھی پہچان لیتے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ ایسی نادر روزگار صلاحیتیں رکھنے والا سامنے پڑے ہوئے گوشت کے ٹکڑے میں چھپے وجودگی کو جان نہیں سکتا یعنی قدرت نے بے پناہ خوبیوں کے مقابل کوئی نہ کوئی خامی کمزوری بھی رکھی ہوتی ہے۔ ایسا نہ ہو تو نظام حیات ہی ٹھپ ہو کر رہ جائے۔" اساطیر میں بھی کتے موجود رہے۔ روایت ہے کہ یہ آدم وجود سے ہی معرض وجود میں آیا۔ آدم کا پُتلا قریب قریب مکمل ہو چکا تھا۔ ابلیس لعین کہیں پاس سے رقابت یا شرارت سے پُتلے پہ تھوک پھینک کر بھاگ لیا۔ کہتے ہیں کہ اس تھوک والی جگہ سے مٹی نکال کر پھینکی وہیں کتے نے جنم لیا۔ استدلال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ کُتا ہمیشہ آدمی کے قریب رہتا ہے۔ اس کا وفادار رہتے اس کا ہر برتاؤ برداشت کرتا ہے اور اس کے لئے جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتا...... میدان جنگ کارزار سیاست وقیادت...... معرکہ عشق ہو یا بازیچہ الفت ومحبت...... بارگاہ تصوف وتصرف ہو یا تعلق وتما چین...... منگول ہوں یا بہلول، کتے ہر جا آگے پیچھے دکھائی دیتے ہیں...... کسی نے اسے صفات والا کہا۔ کسی نے اسے اپنے سے اونچا گردانا...... کسی نے بطور گالی حقارت سے کتا کہا...... اور کسی صد عجز وانکسار خود ہی کو کتا کہہ دیا۔ کبھی اسے نفرت سے دُر دُر کہا، ڈنڈے پتھر سے مارا دھمکایا اور کسی نے

[illegible] یا کھلایا پلایا اور گود بٹھایا...... کسی نے اسے اپنا بچا ہوا کھلایا اور کسی نے اس کا جھوٹھا کھایا...... میرا بڑا [illegible] ہے کہ کُتّے کو جتنا غیر مسلموں نے سمجھا' جانا...... محبت' توجہ' عزت دی اور انسانی فلاح و بہبود کے [illegible] اس سے کام لیا۔ مسلمانوں نے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا۔ مسلمان اپنی پاکیٔ داماں کے زعم میں ہمیشہ [illegible] دھتکارتے ہی رہے۔ اسے نجس ناپاک کہتے رہے۔ لیکن اس وفادار نے پھر بھی ان کا دامن اور دروازہ نہ [illegible] مسلمان ہلکی سے ہلکی گالی یا کم سے کم نفرت کا اظہار بھی اگر کسی سے کرے گا تو کُتّا ضرور کہے گا......

[illegible] بھی عجیب چیز ہے عقیدت و عجز میں کبھی کُتّا بننا پسند کر لیتا ہے اور کبھی انتہائی غصہ اور نفرت کے عالم میں [illegible] کو کُتّا کہنا چاہتا ہے۔ انتہائی عقیدت و محبت کے عالم میں سگِ درِ رسول صلعم کہنا اپنے لئے اعزاز اور [illegible] سمجھتا ہے کسی ولی یا پھر مرشد کی چوگھٹ پہ بندھا کُتّا کہلوانا بھی اپنے لئے فخر سمجھتا ہے۔ مگر اسے ہاتھ [illegible] پسند نہیں کرتا...... آج تک کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں فلاں در کا عفریت ہوں' گھوڑا یا بکرا ہوں یہی کہا [illegible] ان کے در کا کُتّا ہوں...... معلوم ہوا کہ کُتّا تصوف میں اک خاص مقام رکھتا ہے

جتنی ضرب الامثال اور محاورے کُتّے کے بارے میں ہیں شاید و باید ہی کسی اور جانور کے بارے میں [illegible] دھوبی کا کُتّا گھر کا نہ گھاٹ کا...... برتن کا مُنہ [illegible] کُتّے کو ہی شرم آنی [illegible] قصائی کے یار [illegible] کُتّے [illegible] کُتّے [illegible] کُتّے کی نہیں اس کی مالک کی حیا کرنی پڑتی ہے...... کُتّے سے جو نبٹا نہ جا[illegible] وہ شیر کا شکار [illegible] کرے گا...... کُتّا کُتّے کا ویری...... پاگل کُتّے' ہاتھی' گھوڑے اور اونٹ کا آخری علاج گولی مار دینا [illegible] ہے...... کُتّے کی ٹیڑھی دُم...... [illegible] کے مُنہ لگنا...... کُتّے کو اصلی گھی ہضم نہیں ہوتا...... طوائف کا کُتّا بھی کُتّیوں کا [illegible] صبر والا کُتّا' تے بے صبرا نائی...... کُتّے کی یاری [illegible] خانہ...... کُتّا ہڈی کا نہیں اپنے جبڑے [illegible] کا سواد لیتا ہے...... بڈھے شیر دے یار کُتّے گیدڑ تے بگیاڑ...... کُتّا باہروں پلید تے اندروں پاک......

[illegible] معشوق کے کُتّے اور چور کو ساہوکار کے کُتّے سے دوستی فائدہ پہنچاتی ہے...... آوارہ کُتّوں سے راستہ لینا [illegible] بھونکنا شروع کر دینا چاہئے۔ کُتّے کو دُر دُر نہیں کہنا چاہئے یہ بُرا مان جاتا ہے...... اگر یہ پڑھا لکھا ہوتا [illegible] کہ دُر عربی میں موتی کو کہتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ اسے موتی موتی کہتے ہیں تو یہ بیوقوف دُم ہلاتا ہوا [illegible] میں لوٹنیاں لینے لگتا ہے جبکہ فرق صرف عربی اور ہندی کا ہے۔ اسے شاید ہندو اور ہندی پسند ہے جبکہ [illegible] کے ہاں اس کے چچوڑنے بھنبھوڑنے کے لئے کوئی ہڈی ہی نہیں ہوتی۔ وہ ماس کھانا پاپ سمجھتے ہیں اور [illegible] ماس کھانا مہاپاپ سمجھتا ہے اور نہ ہی ہندو دیو مالا میں اس غریب کا کوئی خاص ذکر اذکار ہے...... [illegible] نے اسے اس قابل بھی نہیں گردانا کہ سانپ' بندر' ہاتھی کی طرح اس بھی کوئی چھوٹا موٹا دیوتا بنا

دیتے...... شاید اس کی وجہ اس کی سرِ عام غیر اخلاقی حرکتوں کا کچھ دخل ہو۔ ویسے ایسی بدذاتیاں تو مہارانی [illegible] میں بھی ہیں اور ایسی کمال درجہ کی پائی جاتی ہیں کہ دیکھنے والے نگاہیں چرا جائیں۔ اپنا کُتا پھر بندہ کو بندہ دیکھتا ہے مگر بندر تو خاص خاص بندیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے حیائی کے کرتب دکھاتا ہے۔ ہندوؤں کی عدم دلچسپی کی [illegible] کُتے ہمارے ہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ وہاں کُتوں کی نسبت سؤر زیادہ ہوتے ہیں، جو گلی کوچوں میں دندناتے پھرتے ہیں...... گندی موریوں کا گند میل اور گھروں ڈھابوں کا سب کچرا منٹوں میں صاف کر دیتے ہیں کہ کسی مہتر شودر کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ لطف بالائے لطف یہ کہ جن کا گند کچرا یہ سؤر کھاتے ہیں۔ [illegible] بدیر وہ لوگ پھر ان سؤروں کو کھا کر حساب برابر کر لیتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں، دائیں ہاتھ سے دے اور بائیں ہاتھ سے لے۔

میں ٹاہلی کے نیچے مٹی کی منڈیر پہ اکڑوں بیٹھا اسی کُتا کہانی پہ غور کر رہا تھا اور وہ سامنے مجھ پر نظریں جمائے، جیب لٹکائے شاید میرے اندر کی کُتا کہانی سن رہا تھا اسی لئے نچنت بیٹھا تھا...... جونہی میری [illegible] ختم ہوئی اور میں نے نظروں کا زاویہ اور بیٹھنے کا کاویہ بدلا تو [illegible] کر ہوشیار ہو گیا تھا۔ [illegible] منڈ ہلاتے ہوئے [illegible] میرے [illegible] اپنا [illegible] جان بوجھ کر [illegible] کا ارادہ معلوم کرنے کی خاطر ایک بھرپوری انگڑائی توڑی اور اسے نظر انداز کرنے کی اداکاری کرتے ہوئے چھوٹے موٹے کنکر روڑے اٹھا کر ادھر اُدھر پھینکنے شروع کر دیئے...... پہلے تو وہ میرے اس کھیل پہ [illegible] پھر ہوشیار ہو کر کھڑا ہو گیا...... یعنی وہ میری بدمعاشی سمجھتے ہوئے میرا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اُب میں نے اُٹھ کر ارد گرد سے بڑے بڑے مٹی کے ڈھیلے اُٹھا اٹھا کر ادھر اُدھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ [illegible] جبلت میں شامل ہے کہ وہ پھینکی ہوئی چیز پہ لپکتا ہے۔ دبوچنے کی جستجو کرتا ہے۔ وہ میرے ہر پھینکے ہوئے [illegible] پہ جسم کو جھکائی دیتا۔ گردن سکیڑتا اور ڈھیلے کے پھینکنے اور گرنے پہ نگاہ رکھتا۔ میں بھی کانی نگاہوں سے [illegible] حرکتوں کو دیکھ رہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے غیر ارادی طور پر ایک نرم سا ڈھیلا اٹھا کر اس کی جانب [illegible] دیا تھا جو ٹوٹے کر کے اس کی کمر پہ پڑا...... بس یہیں اس نے جست لگائی اور میری پشت پہ آ سوار [illegible] میرے تو اوسان جاتے رہے...... ایسا ناگہانی حملہ! جس کا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرا اندازہ ہے [illegible] نے قدرے احتیاط سے کام لیا تھا ورنہ میری کمر اور قمیض یقیناً اُدھڑ چکی ہوتیں۔ مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ اب [illegible] نے بھونک بھونک لپک لپک کر مجھے مخالف سمت یعنی گودام کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ الٰہی یہ کیا [illegible] میں نے اپنے آپ سے سوال کیا...... بھوں بھوں، اس نے کچھ اس انداز میں بھونکی لگائی کہ صاف [illegible]

[illegible] "واپس چلو واپس چلو!" یہ پیغام، حکم یا مشورہ اتنا واضح تھا کہ سمجھنے میں شمہ بھر بھی ابہام پیدا نہ ہوا۔ سو [illegible] موجودہ صورت حال پہ مزید غور کرنے کے بعد آخری کوشش کے طور میں نے اپنے گھر کی جانب دوڑ لگا [illegible] میں جانتا تھا کہ کم از کم کتے کے مقابلے میں دوڑ کر پیچھا نہیں چھڑایا جا سکتا...... وہ پوری مستعدی سے میرے پیچھے لپکا اور ایک ہی جست میں میری شلوار کا پائنچہ منہ میں لے لیا۔ اس سے پیشتر کہ میں [illegible] ہو کر گر پڑتا اس نے مجھے چھوڑ بھی دیا تھا۔ یہ تماشا قریب کچے راستے سے گزرنے والے لوگوں نے [illegible] اور ایک دو بچے اور ایک بھلا سا آدمی کتے کی جانب ڈھیلے پھینک رہے تھے...... پوری صورتِ حال [illegible] سمجھنے کے بعد میں نے اپنا ارادہ اور راستہ بدل دیا اب میں واپس گودام کی جانب جا رہا تھا اور کتا بھی [illegible] سے میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا...... ذرا آگے پہنچے تو میں نے یونہی پلٹ کر اس کی جانب [illegible] اس ستم ظریف نے وہیں سے بھونکی لگائی۔ "ایک اچھا کتا بن کر [illegible] آگے چل اور مجھے بندہ بننے پہ [illegible]"

[illegible] تماشا بڑھا اور دیکھا بھی کہ کچھ مخصوص نسل کے تربیت یافتہ کتے چار پاؤں والے جانوروں پہ [illegible] ہیں انہیں اپنے ریوڑ سے بھٹکنے نہیں دیتے اور [illegible] ہو جائے تو [illegible] یہاں ایک [illegible] کتا مقرر تھا۔ جو کسی کے حکم پہ اُسے ہنکائے لے جا رہا تھا۔ شاید یہ دو پایوں کا بھی گروہ یا پھر [illegible] سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پہلے سورج میرے پیچھے اور اب چڑھتا سورج میرے سامنے تھا۔

سورج رُوبرو ہو تو انسان کا [illegible] جو کبھی عالمِ شہزادگی میں سکندر کے ابلق گھوڑے کا ہوا تھا۔

سکندر کے بخت کا سُورج......!

میدان جما ہوا...... پنڈال میں بڑے بڑے اُمراء و رؤساء حسبِ مراتب اپنی اپنی نشستوں پہ متمکن تھے۔ سکندر کا بوڑھا باپ شہنشاہ فیلقوس اور اتالیق محترم ارسطو حکیم سنگی تختوں پہ جلوہ افروز تھے۔ اس زمانے [illegible] کے تحت مختلف نوع کے طائفے تماشے آتے اور عوام و خواص ان کے ہنر و فن سے محظوظ ہوتے...... [illegible] شہ زوری، شہ سواری، تیغ زنی، پنجہ آزمائی، رتھوں کی دوڑ، نیزہ بازی اور دیگر جسمانی کرتبوں پہ مبنی ہوتے تھے۔

اسی دوران ایک نوعمر اسپ تازی لایا گیا جسے بمشکل دو پہلوانوں نے مضبوط چرمی تسموں سے جکڑا ہوا

تھا۔ گھوڑا کیا تھا غیض وغضب میں پُھنکتی ہوئی عفریت کہ کسی کو پُٹھے پہ ہاتھ نہ دھرنے دے۔ آدھے سے چنگاریاں اور نتھنوں سے دُھواں چھوڑتا ہوا یہ بدمست جب شہنشاہ فیلقوس کے رُوبرو پچھلے پاؤں پہ تو بوڑھے فیلقوس نے اِسے تحسین وتہذیب بھری نگاہوں سے تولا...... گو اس کے مضبوط زانوؤں ملاحظے میں بڑے بڑے خوبصورت' پارہ صفت' آشفتہ سر گھوڑے آئے تھے مگر جو طمطراق' تندی و چھبیلے میں نظر آئی وہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی...... شاہی اصطبل کا یہ نوخیز نایاب گھوڑا پہلی مرتبہ اکھاڑے میں کے ملاحظے کے لئے لایا گیا تھا۔ شہنشاہ فیلقوس کافی دیر تک اس خوبصورت سرکش جانور کی حرکات میں رہا ایک آدھ بار اپنے معتمد خاص اور ولیعہد سکندر کے اتالیق ارسطو کی جانب بھی تحسین طلب نگاہوں سے دیکھا...... جو بڑے پُروقار انہماک سے اس کی حرکات وسکنات دیکھ رہا تھا...... گھوڑے کی سرمستیاں طراریاں جب حد سے بڑھیں اور اس پہ قابو رکھنا مشکل پڑ گیا تو فیلقوس نے حکم دیا۔

"ہے کوئی جو اس سرکش وسرمست کو قابو کرکے لگام ڈالے...... اس پہ سواری کرے اتنا بھگائے اس کی مستی وطراری اس کے سینے پہ پسینے کی شکل میں بہہ نکلے......"

بڑے بڑے تجربہ کار شہسوار آئے مگر اس کی [illegible] سے عاجز ہو گئے...... اس تین پہلوانوں نے [illegible] گھیرے میں [illegible] جو آخری اعلان ہوا کہ جو کوئی بہادر اس منہ زور کے منہ میں لگام لگائے اور اس پہ سوار ہو کر [illegible] وہ اعزاز وانعام پائے...... لاکھوں کے پنڈال میں جب کوئی ایسا شہسوار دریافت نہ ہوا تو فیلقوس کے بیٹھا ہوا نوعمر سکندر حدِ ادب میں [illegible] اجازت طلب کی...... شہنشاہ باپ نے بڑے حیرت سے ایک نظر اپنے ولیعہد کو دیکھا پھر اچٹتی سی نگاہ اس کے اُستاد ارسطو پہ ڈالی جسے سکندر کی اس جرأت قطعی کوئی تعجب نہیں ہوا تھا۔ چند استعجاب وانبساط آمیز لمحے وہ سکندر کو گھورتا رہا پھر تردد وتفاخر کی ملی کیفیت اس کے چہرے پہ ہویدا ہوئی اور اگلے ثانیے اس نے شاہی عصا کو بلند کرتے ہوئے نرمی سے اذنِ خوشنودی مرحمت فرمایا۔ شہنشاہ باپ کے آگے سر خم کرنے کے بعد وہ اپنے عظیم المرتبت اتالیق کے رُوبرو سر خم کرتے ہوئے اجازت کا طلبگار رہا...... بارگاہِ حکمت ودانش سے بھی اُسے امر ہوا...... انہی لمحات میں حکمت دریں' پیش بیں فیلقوس کے خانہ'' قیاس کن زگلستان من بہار مرا رنگ وخوش گلو پرندوں کے پرے کے پرے اُڑے اور نصف کرۂ ارض پہ محوِ پرواز دکھائی دینے لگے۔

بلند بخت' تومند اور ارسطو کی حکمت وبینش سے سرفراز سکندر نے ہاتھ کے اشارے سے پہلوانوں کی گرفت سے آزاد کروا دیا...... گھوڑا آزاد ہوتے ہی اُلانگتا پھلانگتا ہوا میدان میں اپنی

سکندر گھوڑے کی رفتار کے ساتھ ساتھ اپنا رُخ بھی بدلتا جا رہا تھا۔ ہاتھ کے اشارے اور آواز کے
بھی اسے آگاہ رکھ رہا تھا...... چڑھاؤ تو ہوتا ہی اُترنے کے لئے ہے۔ تیزی کی تان جلدی ٹوٹنے
جوش ہوش کے قالب میں ڈھلتے ہی ڈھیلا پڑ جاتا ہے...... کوئی رفتار برقرار نہیں رہتی...... گھوڑا تو
کے حصار سے آزاد ہوتے ہی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ آزادی سے بھاگ دوڑ کر خوب بھڑاس نکال لی
وہ جیسے آہستہ آہستہ رفتار سے اُتر کر پُرسکون ہوتا جا رہا تھا...... اس دوران ایک لحظہ کے لئے بھی
اس سے نہیں ہٹی تھی...... ہاتھ کے اشارے للکار و پُچکار نگاہ و نقطہ سب کچھ جیسے گھوڑے کے ساتھ
چھٹے چکر کے بعد گھوڑے کی طرّاری میں تیلے سے لگ گئے وہ پٹھے اور نتھنے پھڑکاتا ہوا سکندر سے
کر کھڑا ہو گیا...... مشقت سے پسینے کے پرنالے چھُٹے پڑے تھے...... سکندر کمال آہستگی سے اُس
محبت بھری آواز سے پُچکارتے ہوئے اس کے بھیگے ہوئے ایال پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ گردن
پہ تھا...... کمر پہ ہلکی ہلکی تھپکیاں لگائیں پھر قدم اور ہاتھ بڑھا کر تھوتھنی کو سنبھالا۔ بڑی رسان سے مُنہ
پھیرتے ہوئے لگام دے دی...... گھوڑے نے جھکی لینے کی کوشش کی مگر سکندر لگام کھینچ کر اس
روبرو کر چکا تھا...... جس پھُرتی اور نرمی [illegible] گھوڑے [illegible] رشتوں کو بھی
[illegible] سے "ہا"
مہمیز جو لگائی۔ گھوڑا جیسے ہوا کے دوش پہ اُڑنے لگا...... تحسین و آفرین کا ایک نہ تھمنے والا
چکا تھا۔

ارسطو اور اُمراء نے شہزادے کی اس حکمت و بہادری پہ دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا......
یہ معرکہ سکندر کی پہلی فتح تھی جس کے بعد اس نے پھر مُڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ اس گھوڑے والے
جہاں اور بھی کچھ حکمتیں بروئے کار لائی گئیں وہاں سورج روبرو والی حکمت سب سے اہم تھی۔
کا اگر غور سے مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کئی ایک مُشکل جنگیں محض سورج روبرو والی حکمت

اس لینڈی کُتے نے بھی مجھے سورج کے روبرو کر کے میری مت مار دی تھی...... سورج سامنے ہو
کر چلتا ہے...... سامنے سے زیادہ نیچے پاؤں میں دیکھتا ہے۔ منزل کی دُوری نزدیکی کا کچھ پتہ
چلتا ہی رہتا ہے۔ میری بھی یہی حالت تھی کہ اس رذیل کے آگے لگا ہوا تھا۔ ایک دو بار
بھی چاہا تو یہ نانجار وہیں سے بھونکی لگا کر مجھے تڑی لگا دیتا...... بالآخر میں وہیں پہنچ گیا جدھر سے

بے آبرو ہو کر نکلا تھا۔

گودام کے گیٹ پہ ڈبو برانگیختہ سا کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ میری وہی صورت تھی جو جیل سے بھاگتے ہوئے کسی قیدی کی ہوتی ہے۔ مجھے گھیرنے والے کتّے نے اپنی کتّی زبان میں ڈبو سے کچھ مذاکرات کیے۔ بادلِ نخواستہ اِس نے میرے گودام میں داخل ہونے کے لئے راستہ چھوڑا۔ اب میں ڈبو کی عملداری [illegible] نیہوڑے وہیں پہنچادیا گیا جدھر سے بھاگا تھا یا بھگایا گیا تھا...... شہابو نے شاید مجھے اِک نظر دیکھنا بھی [illegible] کیا حسبِ معمول ہڈیوں کی چھانٹی بانٹی میں مشغول تھا۔ منشی اور چوہڑا چوکیدار بھی کہیں آس پاس دکھائی [illegible] دیئے۔ وہ اکثر ناشتے سے فارغ ہوتے ہی اپنی کوٹھڑی کا کنڈا چڑھا کر شفاخانہ حیوانات' بُچڑ خانے اور [illegible] کے کانجی ہاؤس' مُردہ جانوروں کی کھوج لگانے نکل جاتے تھے۔

میں سوچنے لگا' یا اللہ! اِس دوران اگر کوئی پھڈا پڑ گیا تو یہاں کوئی میری مدد کرنے والا بھی نہیں ہوگا...... میں اُسی لٹکے ہوئی جگہ پہ کسی مجرم کی مانند سرخم کیئے ہوئے کھڑا تھا...... خالی الذہن کہ جو ہو سو ہو [illegible] جاسکتا ہے کہ اِس حالت میں کئی صدیاں بیت گئیں۔ نہ جانے کب ایک میٹھی مگر تیکھی سی ہڈی میرے [illegible] چھوتی ہوئی آگے جا پڑی...... میں نے غیر ارادی طور پہلے ہڈی پھر ہڈی نواز کو پوچھ دیکھا...... وہ [illegible] والے انہماک [illegible] لگتا تھا جیسے ہڈی [illegible] کسی انسان [illegible] میری طرف اچھالی ہو...... چلئے' جو ہُوا سو ہُوا۔ میں صبر باندھے پھر مردہ سا پڑ گیا...... کچھ دن پھر بیت گئے ہوں گے۔ اچانک بھونکنے کی کوئی گھن گرج میرے کانوں سے ٹکرائی...... میں سرتاپا لرز ہی تو گیا۔ [illegible] کیا ہُوا؟...... وہ پوری کھلی قہر آلود آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا...... وہیں سے دھاڑا۔

"دھُتکے! تو پھر اپنی منحوس صورت اور فضول سیرت لئے ہوئے پہنچ آیا ہے...... غارت ہو یہاں سے"

میں نے منمناتے ہوئے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

"روتے کیوں ہو منحوسڑے......؟"

میں نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔

"جانے دیتے ہو اور نہ آنے دیتے ہو' میں روؤں نہ تو اور کیا کروں؟"

وہ ہڈیاں چھوڑ کر خالی ہاتھ دیر تک مجھے گھورتا رہا...... خلافِ توقع بڑی رسان سے بولا۔

"آئندہ کبھی بھی انکار مت کرنا...... یہ سب دھندا جی اور پی کا ہے......"

میں نے جی اور پی زیرِ لب دُہرایا۔ اُردو اور انگریزی دونوں میں جی اور پی میرے دماغ [illegible] پہ اُبھر آئے...... مجھے خود ہی محو دیکھ کر وہ پھر دھاڑا۔

"میری بکواس سُن رہے ہو یا......؟"

میں بڑبڑاتے ہوئے کہتے ہی چلا گیا۔

"جی جی......جی......جی پی پی......پی......پی......پی!"

"ادھر میرے پاس آؤ......!"

میں سرکتا ہُوا قریب پہنچا تو ایک ہڈی پہ سے پراٹھے کا لُقمہ اُٹھا کر میرے مُنہ میں رکھتے ہوئے بڑی سے کہنے لگا۔

"چکھو اور الحمد للہ کہو اللہ نے تمہیں خوب نعمت کھلائی...... اور ہاں میرے پاس آیا کرو میں تمہیں گا کہ ہڈیوں پہ کون سی بھاشا اور اَسرار ہوتے ہیں...... اَب تم جاؤ...... ڈبو! اِسے پھاٹک تک چھوڑ

ڈبو آگے اور میں پیچھے پیچھے...... پھاٹک سے باہر وہی لینڈی کُتا میرا انتظار کر رہا تھا۔ اَب وہ میرے اور میرے پیچھے تھا۔

میرا یہاں آنا جانا تو پہلے سے ہی تھا۔ اَب ذرا اہتمام سے اور پکا ہو گیا...... میاں جی [illegible] والوں کا [illegible] یہاں چوں چوں [illegible] وہ اور کھیت تے ہی وہ لینڈی کُتا، جس کا نام میں نے گندا انڈہ رکھ دیا تھا۔ اپنی مخصوص جگہ یعنی گندی گلی کے پاس شاید اس کی ڈیوٹی یہیں سے شروع ہوتی تھی۔ مجھے دُور سے دیکھتے ہی کھڑا ہو جاتا...... گلی پار کرتے جاتا اور مجھے گودام کے پھاٹک پہ پہنچا کر آتا۔ واپسی ڈیوٹی [illegible] وصولتا۔

شبابو نے مجھے باقاعدہ ہڈیوں کی چھانٹ بانٹ پہ لگا لیا تھا...... میں اس کے ایک علیحدہ کیے ہوئے سے چھوٹی چھوٹی ہڈیاں چھانٹا رہتا...... یہ ہڈیاں عموماً پسلیوں، پنجوں یا پھر ریڑھ کی ہوتیں...... سری پاؤں کی میں شامل ہوتیں...... اکثر ہڈیوں پہ سڑا ہوا گوشت، کھال، چھیچھڑے جمے ہوتے لیکن اَب اُن سے جی پتلا نہیں پڑتا تھا...... البتہ گھر والے اکثر کہتے۔

"کاکا! تیرے کپڑوں اور جسم سے بڑی گندی بُو آتی ہے، کہاں کھیلتے رہتے ہو؟"

ایک روز میں نے یونہی اُسے کہہ دیا۔

"شبابو! تم نے مجھے کس کام پہ لگا دیا...... گھر والوں کے علاوہ یار دوست اور سکول کے ساتھی بھی کہنے تم سے گندی بو آتی ہے...... لیکن سچی بات ہے کہ مجھے تو کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا...... بلکہ کبھی کبھی تو میرے وجود سے خوشبوئیں پھوٹ کر باہر نکل رہی ہوں......"

وہ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہنے لگا۔

’’کہنے دو جو کہتا ہے تم صرف اپنے محسوسات پہ دھیان رکھا کرو...... بدبو کے حوالے سے جو اُبھرتی ہے وہی دائمی قائمی ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو بدبو اور کراہت و کراہہ سے ایسا مانوس کر لو کہ ان کا وجود و احساس ہی تمہارے لئے اجنبی ہو جائے لذت بے سوادی سے...... محبت عداوت سے اور قربت سے تبدیل ہو جاتی ہے...... اور یہ جو تم ہڈیوں کی رَٹ لگائے ہوئے ہو چُغد! جسم و جان کو قائم رکھنے کے ہڈیاں ہی تو اصل کردار ادا کرتی ہیں۔

اگر چنداں غور کیا جائے تو سمجھ میں آتا ہے کہ گوشت پوست اور دیگر اعضاء تو محض کار کردگی کے ہیں جیسے کسی مشین کا پہلے ڈھانچہ تیار ہوتا ہے پھر اس میں کل پُرزے جوڑے جاتے ہیں۔ انسانی مشین ہڈیوں کا ایسا ہی ڈھانچہ ہوتا ہے جس کی بنیاد ریڑھ کی ہڈیوں کا سلسلہ ہوتا ہے...... انسانی یا حیوانی جسم میں بھی ہڈی ایک سی نہیں ہوتی...... نہ ہی وہ وزن و حجم اور لمبائی چوڑائی میں یکساں ہوتی ہیں۔ دونوں بازوؤں یا ناخنوں انگلیوں کی ہڈیاں ہی کیوں نہ ہوں...... یہ ہڈیاں سینکڑوں اقسام کی ہوتی ہیں ٹھوس کوئی کھوکھلی اور بھربھری...... کوئی بانسری کی مانند اور کوئی لٹھ کی طرح مضبوط [illegible] نازک کہ سا [illegible] کا بوجھ [illegible] ایسی مصنوعات ہے جس کے اجزائے ترکیبی مخصوص ہیئت کذائی اس کے ظاہری اور مخفی کمالات کو کما حقہ جان نہیں پایا کسی کی ایک معمولی سی ہڈی کی جانچ پڑتال کر کے انسان یا جانور کی صحیح عمر جنسی نفسی بیماری تندرستی کا خاطر خواہ تعین کیا جا سکتا ہے...... لیکن بہت کم لوگ شاید یہ بھی جانتے مختلف نوع کی ہڈیاں جسمانی ذہنی جنسی اور روحانی امراض کے علاوہ سفلی عملوں اور جادو ٹونوں میں آتی ہیں...... خاص طور پہ اونٹ سانپ کچھوا خارپشت چغد کتا کوا شکرا ابجو بندر ریچھ چیتا اور شیر انسانی ہڈیوں میں مُردہ بانجھ عورت کے چوکلے اندام نہانی کی ہنسلی اور اس سے مربوط ریڑھ کی ہڈی مُہرہ...... ست ماہے مُردہ بچے کی پسلیوں اور پاؤں پنجے کی ہڈیاں...... مرگی سے مرے ہوئے کسی کے سر کی ہڈی...... چتا میں جلے ہوئے انسانوں کی نیم جلی ہوئی اور خاص طور پہ کھوپڑی یا ریڑھ ہڈیاں...... بھوت پریت کے خوف سے ہلاک ہونے والوں کی ہڈیاں...... ڈوبنے یا قتل ہونے کی ہڈیاں...... غرضیکہ یہ تمام ہڈیاں بڑی قیمتی اور نایاب ہوتی ہیں...... غرض مند دیوانے اپنے مقاصد کے لئے انہیں منہ مانگی قیمت پہ حاصل کرتے ہیں...... قبرستانوں کے گورکن پوسٹ مارٹم غیر ذمہ دار لالچی کارندے۔ لاشوں کی آلائشیں تلف کرنے والے مہتر مصلّی...... ہسپتالوں میں نچلے

کرنے والے ملازم ایسی مطلوبہ ہڈیاں بھاری معاوضوں پہ فراہم کر دیتے ہیں...... سفلی علوم کے عاملوں کے پاس اپنے وسائل ہوتے ہیں۔ ہڈیوں کے علاوہ یہ لوگ انسانی دل، دماغ، پھیپھڑے، جگر، گردے کپورے تک فراہم کر دیتے ہیں۔ اپنے مذموم عزائم کی تکمیل کے لئے جاہل لوگ کیسے کیسے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں سفلی علوم کرنے والے ظالم فاسق عامل کون کون سے غیر شرعی اور غیر قانونی اخلاق کام کرتے ہیں سن اور دیکھ کر انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے...... اپنے دشمن کو زیر کرنا۔ کسی کا کاروبار برباد کرنا۔ رشتوں کی بندش، کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا...... کسی کو اپنی محبت میں پھانسنا، کسی کے کلیجے کو جکڑ لینا...... کسی کو قلبی خلجان اور دماغی ہیجان میں مبتلا کر دینا اور خاص طور پہ اولاد کے حصول کے لئے ایسے ایسے طریقے اختیار کیئے جاتے ہیں جو انتہائی خطرناک ہونے کے علاوہ مکروہ اور شرمناک بھی ہوتے ہیں...... ظاہر ہے ایسے کام بھرپور معاونت اور سرپرستی کے بغیر نہیں ہو سکتے...... عامل حضرات ایسے پکے انتظامات کرتے ہیں جو مکمل فول پروف ہوتے ہیں۔ اس کام و انتظام کے عوض وہ لاکھوں روپے پیشگی وصول کرتے ہیں۔ ان کے عاملین کے کارندوں میں پیشہ ور گورکن محلے علاقے کے بدمعاش۔ علاقے کے چوکیدار اور دیگر بدقماش عورتیں شامل ہوتی ہیں۔

- قبرستان [illegible]

خدانہ کرے آپ کو کبھی کسی قبرستان، شمشان گھاٹ، ویرانے یا کسی دریا کے کنارے رات گزارنے کی نوبت آئے...... ان جگہوں پہ آدھی رات اور صبح کاذب کیا کچھ ہوتا ہے یہ انسانی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ یہ غیر انسانی حرکتیں دیکھنے کے لئے پتھر کا کلیجا اور بلوری آنکھ چاہئے۔ دن کی روشنی میں آپ اگر قبرستان یا شمشان گھاٹ جائیں تو دیکھیں گے کہ جابجا جانوروں کی ہڈیاں پڑی ہوں گی اور کہیں کہیں انسانی ہڈی بھی دکھائی دے جاتی ہے چھوٹے جانور اور انسان کی اکثر ہڈیوں میں بے پناہ مماثلت ہوتی ہے۔ عام آدمی ان کے مابین کے فرق محسوس نہیں کر سکتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ گے بندھے گورکن اور کارندے سورج نکلنے سے پہلے ہڈیاں اٹھا کر بوریوں میں بھر لیتے ہیں پھر بھی کچھ ادھر اُدھر پڑی بکھری رہ جاتی ہیں...... یہ وہ ہڈیاں ہوتی ہیں جو رات کے کسی پہر یا صبح سورج نکلنے سے بہت پہلے غرضمند لوگوں نے اپنے سفلی عاملوں کی ہدایت کے مطابق ٹونوں ٹوٹکوں میں استعمال کی ہوتی ہیں۔ ان میں کئی ہڈیاں ایسی ہوتی ہیں جیسے کچھ دیر پہلے ہی کسی نے، کسی کے جسم سے جدا کی ہوں اور کچھ بوسیدہ پرانی گویا صدیوں کہیں دبی پڑی نکالی گئی ہو...... کچھ قبریں گیلی ہوں گی...... آپ سوچیں گے کہ ورثوں نے قبر ٹھنڈی کی ہوگی۔ نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ یہاں کسی اولادِ نرینہ کی طالب عورت نے قبر سواری

کرکے برہنہ تن غسل کیا ہے...... کسی معصوم مُردہ بچّے کی پسلی کی ہڈی ناف کے نیچے رکھی ہوگی...... اُلٹی لیٹی [illegible] دونوں ٹانگیں یوں جیسے گھوڑے پہ بیٹھتے ہوئے لٹکاتے ہیں۔ قبر پہ ننگے غسل کا انتظام قبرستان کا بہشتی، [illegible] چوکیدار وغیرہ عامل کی ہدایت کے مطابق کرتے ہیں۔ غسل کے بعد وہ نرینہ اولاد کی متمنّی خاتون اُلٹا ننگے [illegible] لیٹے ہی کچھ شبدوں کا وظیفہ پڑھتی ہے۔ پھر وہ ہڈی ناف کے نیچے سے نکالتی ہے، قبر کے درمیان مُردے کے ناف کی جگہ سے کچھ مٹی کُھرچ کر اپنی ناف سے مَس کرکے اپنے سر کے اُوپر سے وار کر قبر کی پائنتی کی جانب پھینک دیتی ہے۔ اس کے بعد فوراً اُٹھ کر بیٹھ جاتی ہے۔ یہیں اس کے معتقد اُوپر چادر ڈال دیتے ہیں۔ بعد [illegible] نگی بندھی راہ سے اپنی سواری کی جانب بڑھ جاتی ہے...... اس خاتون کا مقصد پورا ہو نہ ہو لیکن عامل، [illegible] بہشتی چوکیدار، پولیس والوں کے علاوہ، صاحبِ قبر چوہدری کرم الٰہی مرحوم، عمر ۸۰ سال کا کچھ نہ کچھ مقصد ضرور پورا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ایسے قبرستانوں میں کشف القبور اور کلام القبور کا چلّہ کھینچنے والے بھی پہنچتے ہیں...... اس کے لئے وہ کسی ایرے غیرے کی قبر پہ نہیں بلکہ کسی پیر فقیر، موسیقار، شاعر یا کسی صاحبِ [illegible] و جادو کی قبر انتخاب کرتے ہیں۔ مقصد وہی کسی راز و حجاب کا افشا...... خفیہ و پوشیدہ علم کا فیض، کسی خزانے تک رسائی [illegible] محض مُردے [illegible] ساتھ ایسی [illegible] نصف شب قبر کے تکیئے پہ تکیہ جمانا پڑتا ہے...... کسی پرانے بزرگ و پارسا مُردے کی کھوپڑی کے تالو کا پیالہ [illegible] کنجشک و زاغ کے جھوٹے پانی سے لبالب ہو قبر کے سینے پہ دھرا ہوگا۔ پیالے کے پیندے میں سُوئی برابر سوراخ ہوتا ہے۔ اکیسویں شب جب چاند کا کُوا نکلتا ہے اور کوّے چڑیاں دونوں ایک وقت اکٹھے ہو کر شور شروع کر دیں تو صاحبِ چلّہ کی مُراد بھر آتی ہے۔ مُردہ قبر اور کفن پھاڑ کر باہر نکل آتا ہے اور اگر قبر [illegible] یا بزرگ مُردے کا موڈ ٹھیک نہ ہو تو وہ ہاتھ بڑھا کر چلّے والے کو اندر ہی گھسیٹ لیتا ہے۔ اُلّو، خارپشت، [illegible] نیولے اور سانپ پکڑنے والے بھی راتوں کو قبرستانوں میں قبریں چھانتے پھرتے ہیں۔ چونکہ [illegible] حشرات الارض اور حشرات الفلک چھپے چھپائے کہیں قیلولہ کر رہے ہوتے تھے...... اندھیری راتوں میں [illegible] باسی مُردوں کی گوشمالی کرنے نکلتے ہیں...... یہ شکاری بھی سفید چادر پہ عطر گلاب اور مُشک کافور چھڑکے گڑھے میں مُردہ بنے پڑے ہوتے ہیں۔ جونہی کوئی بھوک پیاس کا مارا، پاس پھٹکا یہ پھندا پھینک کر [illegible] کر لیتے ہیں...... اُلّو کو یہ اُلّو کی آواز نکال کر دھوکا دیتے ہیں یا کسی جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ کر کسی [illegible] کی شوقِ وصال میں ڈوبی ہوئی آواز سے زیرِ دام کرتے ہیں...... کفن چور شاید کبھی ہوتے ہوں اب تو [illegible] کہیں دُور دُور بھی نشان نہیں...... اب تو کفن، قبر میں ہی رہنے دیا جاتا ہے مُردہ گھسیٹا جاتا ہے...... [illegible]

[illegible] رکھ کر پائنتی کی جانب سے ڈگ کیا جاتا ہے۔ پاؤں سے پکڑ کر مُردہ باہر...... مٹی برابر کر کے اوپر گھاس [illegible] کنکر پھیلا دیئے جاتے ہیں...... مُردے کے وارثوں کو تو کیا مُردے تک کو خبر نہیں ہوتی کہ تیزاب کے [illegible] کے اندر محض ایک ڈیڑھ گھنٹے میں اس کے ساتھ کیا کچھ بیت چکی ہے۔ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی...... سفید [illegible] پنجر...... لش لش کرتی ہوئی ہڈیاں...... خوبصورت گہری گہری آنکھوں کی کھائیوں، ستواں ناک کے [illegible] اور سپید کچکچاتے دانتوں والے جبڑے سے آراستہ کھوپڑی...... مُہرہ مُہرہ گننے کے لائق ریڑھ کی [illegible]...... موتیوں کی گیٹیوں والے ہاتھ پاؤں کے پنجے...... لانبی لانبی بازوؤں ٹانگوں کی بانسریاں...... یہ سب [illegible] سامری وسحر پھر کسی عامل کے آستانے میں سجنے اور بکنے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ کون جانے کہ کسی مذموم [illegible] تکمیل کے لئے حاصل کی ہوئی ہاتھ بازو کی ہڈی کسی باپ بھائی کی ہی ہو...... یقین کرنے میں کوئی حرج [illegible] اکثر قبرستانوں میں قبریں [illegible] خالی ہیں...... مجھے کوئی ساتھ لے چلے میں دیکھتے ہی بتا دوں [illegible] یہاں کوئی مُردہ پڑا ہے یا گڑھا خالی ہے۔

کون جانے کہ قبرستانوں میں کاشت بھی ہوتی ہے اور یہ فصلیں بھی جادو ٹونے عملیات میں کام آتی [illegible]۔ مگر یہ کام [illegible] علم، مخصوص لوگوں کا ہے...... چاند گرہن، سورج گرہن اور کچھ مخصوص فلکی، [illegible] اور بروجی [illegible] کے [illegible] سے معاملات [illegible] مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اُلٹے جنم لینے والے انسان بھی علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس نوعیت کے لوگوں میں [illegible] کوئی نہ کوئی [illegible] موجود رہتی ہے۔ کبھی جسمانی، کبھی ذہنی اور کبھی روحانی...... کئی ایک میں عام انسانوں سے بڑھ کر خوبیاں اور خارق العقل و عادت صلاحیتیں بھی دیکھی گئی ہیں۔ کچھ عامل لوگ ایسے لوگوں اور اٹھرا [illegible] مرض کا علاج ایسی جڑی بوٹیوں اور نباتاتی ڈھول ڈلی سے کرتے ہیں جو قبرستانوں کی مٹی اور ماحول میں پیدا [illegible] ہیں...... یہ خودرو نہیں ہوتیں بلکہ انہیں نہایت اہتمام واحتیاط سے اُگایا جاتا ہے...... یہ جڑی بوٹیاں بیج اور [illegible] پتے بطور بخورات بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں...... جو حاضرات کی مجالس میں دیگر خوشبویات کے [illegible] سلگائے جاتے ہیں جن جلسوں میں خصوصی طور پہ ارواح کی آمد ورفت کا سامان پیدا کیا جاتا ہے وہاں [illegible] اگروس کے بغیر ماحول پیدا کرنا ممکن نہیں ہوتا...... اس اگروس کو کوئی کامل عامل ہی تیار کرتا ہے۔ پھر ان [illegible] استعمال میں بڑی احتیاط ونفاست سے کام لیتا ہے۔ یہ اگروس یورپ، امریکہ اور دیگر ممالک کے عاملین بھی [illegible] کے قبرستانوں میں اُگاتے ہیں۔

اگروس تیار کرنے کے لئے قد آور جانوروں کے گھٹنوں اور رانوں کی بڑی نلیاں استعمال کی جاتی ہیں [illegible] ایک طرف بند ہوں۔ اس مقصد کے لئے اونٹ، سانڈ، گھوڑے، ہاتھی، گینڈے کی ہڈیاں چاہئے ہوتی ہیں

جن کا حصول کوئی ایسا مشکل بھی نہیں ہوتا۔ جانوروں کے کھر اور بال جلا کر اُن کی راکھ میں کسی پرانے قبرستان کی مٹی ملا کر کھاد بنائی جاتی ہے...... اَب موقوف ہے کہ کس نوعیت کا اگروس تیار کرنا ہے...... مختلف مقاصد کے لئے مختلف بیج بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں...... ارنڈی کے بیج' کالی سرسوں' سُورج مکھی' حشیش' گل شبو' جوہی' تلسی وغیرہ...... ہڈی کی کھاد میں چٹکی بھر بیج ڈال کر کسی پرانی قبر کے پاؤں کی جانب گھاس پھول کے درمیان گاڑ دیتے ہیں...... کچھ ہڈیاں قبر کے سینے پہ بھی گاڑی جاتی ہیں...... ہڈی کا اُوپر والا سرا مٹی کے برابر کر دیتے ہیں کہ نظر نہ آئے...... جس مقصد کے اگروس چاہئے ہوتا ہے وہ ذہن میں رکھا جاتا ہے...... کچھ اَوراد بھی ہیں جو دُہراتے ہیں۔ اگر مقصد حل ہونا ہو تو چند ہی روز میں اس ہڈی میں گھاس کے پتے اُگنے شروع ہو جاتے ہیں جو مزید ایک دو روز میں کونپلوں اور ڈوڈوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں...... یہ پھول ڈوڈے گھاس وغیرہ اُتار لیے جاتے ہیں اور وہ کھاد بھی سنبھال لی جاتی ہے...... یہ اگروس سفلی عملیات میں کثیر المقاصد سمجھا جاتا ہے۔

بہت ہی کم لوگ جانتے ہوں گے کہ عام انسانوں کے علاوہ جانوروں کے قبرستان بھی ہوتے ہیں...... خاص طور پہ یورپین ممالک میں بلیوں' کتوں اور گھوڑوں کے علیحدہ قبرستان تو عام ہیں...... چین میں سانڈوں کے قبرستان بھی موجود ہیں۔ اسی طرح کوہ ارارط کے دامن میں شمال مشرق کی جانب ایک قدیم بستی میں ایک ایسا [illegible] عام [illegible] جو قبر بھی دیکھی پچیس چھبیس فٹ لمبی ہی دیکھی...... الٰہی! یہ انسان تھے یا جن؟...... یہ انسان ہی تھے۔ ہر قرن کے بعد انسانی قدریں' مقدرت' [illegible] قاعدے' قامتیں کرامتیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ انسان پہلے کیسا تھا اور اَب کیا کچھ ہو گیا ہے یہ سب فطرت وقدرت کی [illegible] ہیں۔

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں

● بونے' بونیرے' بالشتیے......!

شاید ہی کسی نے بونوں کا قبرستان دیکھا ہو یا اپنی آنکھوں سے کسی اصلی بونے کو دیکھا ہو۔ ہماری نظر میں بونا وہ ہے جو اڑھائی تین فٹ کا ہو' اس سے کچھ کم یا قدرے زیادہ۔ یہ تو پست قامت انسان ہوتے ہیں جو کسی بھی وجہ چھوٹے رہ جاتے ہیں جبکہ ان کے بہن بھائی عام قد وقامت کے ہوتے ہیں۔ ہم نے چونکہ اصلی بونے دیکھے ہی نہیں اس لئے انہیں ہی بونے سمجھتے ہیں۔ اساطیر قدیم بچوں کی کہانیوں اور والٹ ڈزنی کے

فلموں کے توسط سے ہم نے بونوں کا تصور قائم کیا ہوا ہے کہ یہ ایسے ہوتے ہوں گے جبکہ یہ ایسے نہیں ہوتے۔ دیگر مخلوقات کی مانند یہ بھی ایک خوبصورت اور ذہین ترین مخلوق ہے لیکن ان کا جہاں اور' ہمارا جہاں اور ہے۔ یہ بھی اسی کرۂ ارض پہ متمکن ہیں۔ سوائے قامت اور چند دیگر معائب و محاسن کے علاوہ' سب کچھ انسانوں جیسا ہی ہوتا ہے۔ ایک اور ہلکا سا فرق کہ انہیں سانس لینے کے لئے ہماری طرح بہت سی صاف آکسیجن کی ضرورت نہیں ہوتی اور یہ کہ اس حلقوم' مچھلیوں کے گلپھڑوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ پانیوں کی گہرائیوں' زمین کی گہری پرتوں تنگ و تاریک غاروں کھائیوں...... اندھے کوؤں اور باؤلیں' جہاں تازہ ہوا روشنی کا گزر تک نہیں ہوتا' وہاں خوش و خرم زندگی گزار رہے ہوتے ہیں...... قدرت نے ان کے لئے تاریکی' ٹھنڈے پانی اور پتھروں کے اندر بھی زندہ رہنے کا انتظام کر دیا ہوا ہے۔ اس ضمن میں ایک بہتر مثال پانی میں مچھلی اور پتھر میں کیڑے کے زندہ رہنے سے ملتی ہے۔ ان کے اپنے جہان اور اپنی دُنیا میں ہوتی ہیں۔ انسان اپنی عقل و فراست اور سائنس ٹیکنالوجی کے بل بوتے پہ آسمانوں' آفاقوں پہ جھنڈے گاڑتا پھرتا ہے' نام نہاد ہمہ دانی یا علم کُل کے دعوے بھی کرتا ہے مگر صد افسوس کہ اُسے ابھی تک چیونٹے کے سر کے برابر اپنی دُنیا کی معمولی چیزوں اور چھوٹی چھوٹی مخلوقات کے بارے میں [illegible] آتی [illegible] نہیں جتنی [illegible] سمجھتے' کوے یا [illegible] اندر رہنے والے جانور رہتے ہیں۔ بزعم خود بڑا زیرک و مدبر انسان ابھی تک مچھلیوں اور حشرات الارض' حشرات الفضا و ہوا کی اقسام کا عشر عشیر بھی دریافت نہیں کرسکا۔ اپنے جسم و جان کے حشرات الاجسام کے آگے وہ عاجز ہے۔ سمجھ نہیں پاتا کون سے دوست ہیں اور کون دشمن؟...... ایک جراثیم دریافت ہوتا ہے ابھی اس کا نام [illegible] کہ اسی ایک جراثیم کے اندر سے ایک سو ایک اور جراثیم نئے معرضِ وجود میں آجاتے ہیں۔ یہ انسان اپنی ناک کے نیچے کے نزلے زکام کے جرثوموں کو شناخت نہیں کرسکا۔ ابھی اس کی کوئی منطقی توجیہہ پیش نہیں کرسکا کہ انسانی قلب کے قلب میں نازک ترین جھلی یا پردہ کیونکر پھڑپھڑاتا ہے۔ اسے کون سی بیٹری یا قوت حرکت میں رکھتی ہے۔ یہی پھڑپھڑاہٹ حرکتِ قلب' زندگی کی علامت ٹھہرتی ہے۔ انسانی دماغ کی بوالعجبیوں کو نہیں جان سکا...... اپنے حیاتی نظام کو کماحقہ نہیں سمجھ سکا یعنی ابھی اپنے جسم و وجود کی الف بائے کی ادھ پچدھ کو ہی بمشکل سمجھ پایا ہے۔ چہ جائیکہ وہ ربّ العالمین کے کائنات کے مربوط نظام و انصرام کو جان سکے۔ ہاں البتہ! اللہ سُبحانہٗ تعالےٰ جسے چاہے' اُسے جاننے کا ادراک' فہم و توفیق عطا فرما کر صاحبِ حکمت وفضل کردے۔

بات بونوں کی چھڑی تھی کہ اللہ کریم کی یہ نادرالوجود مخلوق بھی' جنوں اور دیگر نوری مخلوق کی مانند ہمارے درمیان یا نزدیک و دُور موجود ہوتی ہے...... اِن کے اجزائے ترکیبی بھی انسان کی طرح کے ہی ہوتے

ہیں لیکن انتہائی نفیس' لطیف اور قلیل ...... آسمانی صحائف و کتب میں گو اِن کا ذکر بطور خاص موجود نہیں لیکن [illegible] مخلوقات میں یہ بھی شامل و کامل ہیں ...... آسمانی یا ارضی کتابوں میں تو لاکھوں کروڑوں مخلوقات کا کوئی [illegible] نشان نہیں ملتا لیکن ہم انہیں مخلوقات کی دُنیا میں دیکھتے ہیں' انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ اَب سوال یہ ہے کہ ایسی مخلوقات جن کے بارے میں معتبر کتابیں چپ سادھے ہوئے ہیں ہم وثوق و رسوخ سے کیسے کچھ کہہ سکتے ہیں ...... کیونکہ سند کے بغیر نہ تو کوئی دلیل معتبر ٹھہرتی ہے اور نہ ہی کوئی روایت و حکایت ...... لیکن کیا کیجئے کہ سینہ بہ سینہ روایات و حکایات' دیدن شُنیدن واقعات یا پھر ذاتی مشاہدات ...... ایسی سربستہ' گم گشتہ مخلوقات کے موجود ہونے کا پختہ یقین دلاتی ہیں۔ قرآن الحکیم نے جہاں صاف صاف واضح طور پہ بیان کیا ہے وہیں اشارۃً اور کنایۃً بھی کلام فرمایا ہے ...... کہیں ''الحمد للہ رب العالمین'' بنا کسی ابہام و تشکک' اظہرِ من الشمس کیا اور کہیں ''ا ل م'' بیان فرما کر معنی [illegible] قرار دے دیئے۔ یہی متشابہات ہی [illegible] اور یا پھر کوئی راسخون فی [illegible] ہی سمجھتا جانتا ہوگا۔ تاکید ہوئی کہ تجسس کرو' غور و فکر سے کام لو ...... یہ کھلی کتاب ہے اُن کے لئے جو فکر [illegible] کرتے ہیں۔ یعنی پھر تم بھی اپنی عقل شعور استعمال کرو۔ ورنہ دماغ شعور' دانش و بینش کی عطا کے کیا معنی [illegible] باقی رہ جاتے [illegible] ارضیات' عمرانیات' انسانیات اور مخلوقات [illegible] کتابوں [illegible] اور [illegible] قصوں کہانیوں ...... [illegible] سیاحوں اور [illegible] کے توسط سے مختلف [illegible] کے بونوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں ہر چند کہ ان کے ثقہ اور بصحت ہونے کے بارے میں کچھ [illegible] موجود ہے تاہم انکار بھی [illegible] نہیں ...... جیسے پانی کی دوشیزہ یعنی جل پری اور ایسا گھوڑا جس کا سر مثلِ انسان [illegible] ہے یا نسناس اُبلا پری وغیرہ ...... [illegible] چشم دیدہ لوگ بھی ہیں جن کی بات [illegible] سچائی سے انکار بھی ممکن نہیں۔ سو بونوں کا طلسماتی وجود بھی ایسے ہی تناظر میں اُبھرتا ہے' لیکن اکثر و بیشتر [illegible] اور دیکھے گئے بونوں کو چھوٹے اور بہت ہی پست قد کے انسان سمجھا گیا ہے۔ دُنیا بھر میں کروڑوں کم [illegible] قد کاٹھ کے انسانوں میں چند لاکھ ایسے انسانوں کا وجود بعید از قیاس نہیں جو پست قامت وجود ہوں۔ ایسے بونے بالشتیئے آپ سرکسوں' بڑے بڑے ہوٹلوں کے صدر دروازوں' اشتہاروں اور فلموں کارٹونوں میں [illegible] رہتے ہیں ...... یہ قطعی بونے نہیں ہوتے محض پست قامت ہوتے ہیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ اصل بونے شاید و باید ہی کسی نے دیکھے ہوں تو یہ غلط نہ ہوگا کیونکہ جنات [illegible] پری زاد' ہمزاد' موکلات' نساچ' قدسی یا رجالِ غائب وغیرہ دیکھنے اور قابو کرنے کے دعوے تو بہت کرتے [illegible] لیکن حقیقت میں ایسی مخلوقات کو کم ہی کسی نے دیکھا ہوگا یا ان سے کوئی واسطہ رہا ہوگا اور اگر کوئی ان مراحل سے گزرا ہوگا تو وہ مہر بہ لب ہوگا' ڈھنڈورچی بن کر ڈھنڈورہ نہیں پیٹتا۔ اخباروں کے اشتہاروں میں [illegible]

کرتے۔

انسان ان سب مخلوقات سے ایک مخصوص الگ مخلوق ہے اور ان سب سے افضل و اشرف بھی' انسان پے دائرہ کار حیات میں اس مخلوق کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ بونوں اور انسان کا خمیر چونکہ قریب یک سے اجزاء سے ہی اُٹھا ہوا ہے اور اس میں گل (گندھی ہوئی مٹی) کا تناسب چونکہ دیگر عناصر سے ہے اس لئے یہ مخلوق انسان کی مانند زمین پہ آسودگی محسوس کرتی ہے۔ لیکن انسان کی طرح پانی' ہوا اور بھی تعلق خاطر رہتا ہے۔ یہ برف زاروں' کوہساروں' سربفلک چوٹیوں' تنگ و تاریک طویل پہاڑی ور صحراؤں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ قبیلوں کی صورت' سرداری نظام کے تحت رہتے ہیں۔ معاش شرت' خاندانی رسم و ضوابط۔ مرنا جینا' لڑنا بھڑنا ایک طرح سے انسانوں اور جنوں کی طرح ہی ہوتا ہے ......

حیثیات بھی موجود ہیں مثلاً یہ قامت میں ایک چاول کے دانے سے لے کر عجوہ کھجور کی گٹھلی کی لمبائی تک تے ہیں ...... کچھ قبیلوں قوموں میں جوان آدمی کی اُنگلی کی گرہ تک کے بھی پائے جاتے ہیں۔ بالشت اور مت والے بالشتیے کہلاتے ہیں جو بونوں کی نسل سے ہی تعلق رکھتے ہیں مگر ایک علیحدہ قوم ہیں اور خصوصیات میں ان سے قدرے مختلف [illegible] بونوں کا ایک [illegible] حضرت نوح [illegible] بل نہیں رہی جو [illegible] کا اس قبیلے سے تعلق تھا جو اس جنگل میں رہائش پذیر تھا جس کے درختوں کے تنوں اور کشتی تیار ہوئی تھی حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت حق پہ ایمان لانے والے اس جوڑے کو کوا اپنی میں اٹھا کر کشتی تک لایا تھا اور یہ [illegible] نے بچے انڈے بھی دیئے تھے اس بونوں کے جوڑے کے ہاں بھی جڑواں بچے پیدا ہوئے' ایک نر اور ایک مادہ ...... مگر وہ چند ہی روز چند بلکہ سہ چند ہو گئے اور قد و قامت میں اپنے والدین سے بھی بڑھ گئے۔ ان کے والدین نے کے پیش نظر انہیں ہنڈیا بدر کر دیا ...... یہ کچھ دن بلی کے بچوں کی سنگت میں رہے ...... مہربان بلی نے کے باوجود ان کی پرورش کی ...... بلونگڑوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوش پکڑتے گئے ...... خشکی پہ پہنچنے کے نے اپنے بلونگڑوں کے ساتھ ان کو بھی خشکی پہ اتار دیا۔ قرین قیاس ہے کہ یہی بونوں کے بچے اپنے قد کی بنا پہ بالشتیے کہلائے ...... اُدھر ترخی ہوئی ہانڈی والے بونوں کی بھی سنیے۔ اپنے بچے جدا کی پاداش میں انہیں ہانڈی سمیت کیچڑ میں پھینک دیا گیا۔ کوا انہیں تلاش ہی کرتا رہ گیا مگر یہ زمینی کے ساتھ کہیں دب کر رہ گئے ...... کہا جا سکتا ہے کہ بونوں کے زیر زمین اور انسان سے دور رہنے کی شاید یہ خجالت بھی ہو ...... کسی خاص صورت حال کے علاوہ آج بھی اگر بونوں یا بالشتیوں کی کہیں نشاندہی

ہوتی ہے تو اس کے محرک بندر، کوے اور بلی ہی ہوتے ہیں۔ یہ تینوں جانور خوب جانتے ہیں کہ ان کے [illegible] کہاں کہاں ہیں...... ان کے ان سے رابطے بھی رہتے ہیں۔ وہ ان کے مرنے جینے میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

مہرولی، جنت کی گلی......!

دہلی کے قدیمی علاقے مہرولی میں خواجہ قطب الاقطابؒ کی چوکھٹ چومنے پہنچا ہوا تھا۔ اللہ کے [illegible] سے میری ملاقات ایک درویش سے ہوئی۔ درگاہ کے قریب بازار میں ایک پتلی سی گلی کی نکڑ پہ ان کی تسبیحوں [illegible] سرمے کی دوکان تھی۔ تسبیحیاں لاکھ اور کٹھل بیر کی گٹھلیوں کی بنایا کرتے جبکہ مختلف قسم کے سرمہ جات عجیب عجیب نسخوں سے بذاتِ خود تیار کرتے...... نمازِ فجر سے نمازِ ظہر تک رزقِ حلال کی جستجو میں رہتے بعد ازاں وہ خواجہ کی چوکھٹ پہ حاضر ہو جاتے جہاں جاروب کشی اور زائرین کی خدمت فی سبیل اللہ کرتے۔ عشاء اور تہجد کے بعد سوا لاکھی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے۔ معمولی مگر صاف ستھرے کپڑے، مٹھی بھر ریشِ نورانی [illegible] تھا...... [illegible] خوبصورت سرمے سے بھری ہوئی آنکھیں، خدا کی شان [illegible] تھے مگر کیا مجال کوئی جان پائے کہ یہ [illegible] قطعی محروم [illegible] [illegible] کرتے [illegible] قہقہے، معصوم مسکراہٹ، بذلہ سنجی، خوش اخلاقی ان کی طبیعت کا خاصا تھی...... واضح محسوس ہوتا تھا کہ اللہ نے انہیں ظاہری باطنی بینائی و بصیرت سے خوب نواز رکھا ہے۔ حافظوں نابیناؤں کی طرح وہ اپنے ڈبے [illegible] نہیں رہتے تھے اور نہ ہی ان کی آنکھوں میں بے رونقی، خالی پن یا بےبسی پائی جاتی تھی...... ویسے بھی ظاہری بینائی کے محتاج نہیں تھے...... پھٹے پرانے کپڑوں پہ ایسی مشاقی سے ٹکی لگاتے کہ کوئی رفو گر کیا لگائے گا۔ اپنی دوکان کی صفائی ستھرائی، لیپا پوتی، گلی بازار میں آنا جانا لگا رہتا مگر کیا مجال کہیں قدم غلط پڑ جائے۔ ایک ایک دوکاندار سے علیک سلیک ہو رہی ہے۔ باپ کی جگہ بیٹا بیٹھا ہے تو پوچھ رہے ہیں۔

''ابے غفورے! ابا کہاں ہے آج؟ نصیب دشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟'' [illegible] سے الجھ رہے ہیں۔ ''ابے کلن کے مُردے! کیا جھروں بیٹا کوٹ رہا ہے...... پھینک اسے وہ سندلی کے [illegible] اٹھا۔'' ...... یا پھر درگاہ کے چوکے پہ بیٹھے ہوئے دُور سے ہی زائر کو آوازہ لگا رہے ہیں۔

''بھیا! جوتے سمیت مت چڑھتے آؤ۔ اِدھر پہلے پائیدان کے نیچے ہی اتارو پھینکو......''

حد تو یہ کہ کھانا تناول کرتے ہوئے کیا مجال جو رکابی پیالہ ٹٹولیں یا کہیں چپاتی نکالتے ہوئے [illegible] کلہڑ گلاس لڑھکا دیا ہو...... درگاہ کی راہداری یا گلی کی نکڑ پہ کسی سے ٹکرائے ہوں یا نماز کے لئے کھڑے [illegible]

[illegible] پہلے سے کھڑے بیٹھے نمازی پہ جا چڑھے ہوں۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یا تو مکمل نابینا نہیں تھے اور یا [illegible] طاقت اُن کی بینائی بنی ہوئی تھی...... ان بزرگ سے پہلی ملاقات اِک عجیب واقعہ ہے۔

خواجہ بختیار کاکیؒ کی درگاہ شریف پہ ایک بوڑھے مجاور سے مَیں یونہی پوچھ بیٹھا۔

”حضرت! آپ کبھی خواجہ سرکارؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے ہیں؟“

انہوں نے پہلے تو مجھے عجیب سی نگاہوں سے تولا پھر کرخنداری لہجے میں پوچھا۔

”میاں پاکستان سے آئے ہو؟“

مَیں نے کدو سا سر اثبات میں ہلا دیا۔ جبکہ مَیں یورپ سے یہاں پہنچا تھا۔

”خواجہ باباؒ کی زیارت کا شوق ہے؟“ انہوں نے پھر پوچھا۔

سامنے راہداری میں اُکڑوں ہوئے ایک شخص فرش صاف کر رہا تھا۔ اس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے [illegible]

”جاؤ تسلیم میاں کی آنکھوں میں غور سے دیکھو ایک آنکھ میں خواجہ باباؒ اور دوجی میں خواجہ گنج شکرؒ [illegible]......“

مَیں [illegible] تسلیم میاں [illegible] کی دہلیز [illegible] دریوزگراں میں نکل چکے تھے...... تنگ اور اونچی نیچی گلیوں میں تعاقب کرتے ہوئے مَیں بمشکل [illegible] پایا لیکن اُس عرصہ میں وہ اپنی دوکان تک آ گئے تھے...... وہ بے ڈھبے [illegible] کر پرانی [illegible] کا بھرا در کھول ہی پائے تھے کہ مَیں نے السلام علیکم کہہ دیا۔ وعلیکم السلام کا جواب انہوں نے [illegible] جانب متوجہ ہوئے بغیر ہی دیا تھا...... وہ ایک مشاق دوکاندار کی طرح اپنا سودا سامان جمانے میں جُت [illegible] مَیں اُن کی توجہ کا منتظر نیچے کھڑا ہوں...... مگر کیا مجال جو انہوں نے مجھے ہلکا سا بھی درخورِ اعتنا سمجھ کر اِک [illegible] بھی ہو...... پھر اچانک اُنہوں نے ہلکا سا پلٹتے ہوئے مجھے دیکھا۔ مَیں نے اِک قدم آگے بڑھتے [illegible] کے اشارے سے آداب عرض کے علاوہ دوبارہ مُنہ سے السلام علیکم کہا۔

وعلیکم السلام کہتے ہوئے اَب وہ میری جانب متوجہ ہوئے۔

”فرمایئے حضرت! کیا پیش کروں؟“

غیر ارادی طور پہ میرے مُنہ سے نکل گیا۔

”زیارت کی تمنا ہے......؟“

انہوں نے بغیر کچھ مزید پوچھے، کیل کی کھونٹی سے ایک تسبیح میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تو محض اُٹھل لاکھ کی تسبیح' مگر اس کا چمتکار سوا بارہ کروڑ سے بھی اُوپر کا ہے...... امام کے [illegible] پُتلی جما کر دیکھو زیارت ہو جائے گی اگر خواجہ پیا کا اَمر کُھلا تو......!

عجب بے ڈھنگے منکوں والی اَدھنّی مول کی تسبیح میری ہتھیلی پہ دھری تھی اور مَیں اس سوچ میں تھا [illegible] جواب دوں؟ تسبیحوں کے اماموں میں خانہ کعبہ اور گنبد خضرا کی زیارتیں تو بچپن سے کرتا چلا آ رہا تھا مَیں [illegible] اور زیارت کی تمنّا لے کر یہاں پہنچا تھا...... معاً وہ جھکے اور میری ہتھیلی پہ پڑی تسبیح پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگے۔

''میاں بھائی! صبح صبح میری بونی کا وقت ہے۔ نیت نصیب نیک ہو تو ہدیہ ہلکا کیجیے [illegible] بڑھایئے......''

مَیں نے تسبیح پہ گرفت کرتے ہوئے کہا۔

''حضرت! آپ نے اٹھل کی بتائی ہے۔ دو چار سو کی بات ہوتی تو حاضر کر دیتا' پکا ایک [illegible] سے لاؤں؟''

میرے ہاتھ پر سے اپنا تُنک سا ہاتھ ہٹاتے ہوئے فرمانے لگے۔

''چلیے یوں ہی دوستی میں لے جائیں۔ اللہ آپ کے کاروبار میں بھی برکت ڈالے اور اُدھر [illegible] ساکھ بھی قائم [illegible]

تسبیح لے کر مَیں نے کچھ عرض کرنا چاہا مگر انہوں نے سُرمے کی ایک شیشی اور پھر مجھے تھماتے ہوئے مزید اِرشاد فرمایا۔

''یہ سے لمبی گفتگو کا [illegible] آنکھوں کو زیارت ہوئی تھی [illegible] جو میرے آقا دو جہاںؐ اور میرے خواجہ قطب الاقطابؒ کی سُنّت سُرمے سے اپنی آنکھوں کو زینت [illegible] بخشا۔''

آپ میری آنکھوں میں اپنی من موہنی سی آنکھیں ڈال کر انکشاف فرمایا۔

''میاں بھائی! اِس خاکسار کے تیار کردہ سُرمے میں خاکِ مدینہ اور خواجہ کی گلیوں کی دُھول بھی [illegible] ہوتی ہے۔ پھر ذرا جھکتے ہوئے اپنی آنکھوں کے کنول کھولتے ہوئے کہا۔

''میرے اِن اَنچھوٹے دیدوں کا تو وضو ہی سُرمے سے ہوتا ہے۔''

مَیں ان کی باتوں کے نور سے بھیگ سا گیا...... دل اور دماغ جیسے سُن سے ہو کر رہ گئے تھے۔ [illegible] تو مجھ میں جرأتِ گفتار تھی اور نہ ہی وہاں کھڑے ہونے کی ہمت و سہار...... تسبیح مُٹھی میں دبائے مَیں اپنی [illegible] قیام گاہ کی جانب چل دیا...... جبکہ میرا پروگرام سارا دن یہیں درگاہ پہ پڑے رہنے کا تھا۔

گرمی سے گھبرایا ہوا انسان جب یکدم ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیتا ہے تو اُسے پھر سردی کا کانپا سا [illegible] ہے۔ وہ ٹھٹھر ٹھٹھر اپنی ٹھار ٹھلاتا رہتا ہے۔ اُسے بخار بھی چڑھ سکتا ہے یعنی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میرے [illegible] اس وقت یہی کچھ تھا۔ میں تنہائی اور رنج پنے سے اپنی اس کیفیت کو سمجھنا برداشت کرتا اور پھر اسے [illegible] چاہتا تھا۔ یہ تو طے شدہ امر ہے کہ کسی صاحبِ کیفیت شخص سے مل کر انسان اپنی پہلی سی کیفیت میں [illegible]۔ جیسے اگر کسی چیز کو محض تھوڑی دیر کے لئے ہی فریزر میں رکھ دیا جائے یا آنچ کے قریب ڈال دیا [illegible] چیز فوراً گرم سرد اثر قبول کر لیتی ہے اور مقابل کی کیفیت میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔

مجھے صوفی تسلیم میاں نے اندر سے سُن سا کر دیا تھا۔ گرم موسم ہونے کے باوجود میں ہلکا سا کپکپا رہا [illegible] میری ایک مُٹھی میں اور سُرمہ سرنجو میری دوسری مُٹھی میں تھے۔ میں نے کمرا بند کر کے سب سے [illegible] پہ غور کیا کہ سُرمے کا زیارت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ جوں جوں غور کرتا گیا عقدہ کھلتا گیا کہ [illegible] کا جلوہ دیکھنے اور زیارت نصیب ہونے سے گہرا تعلق ہے۔ آنکھ کا رنگ خواہ کیسا بھی ہو درمیانی [illegible] کے درمیانی پردے دماغ کے خلیوں کے بعد آنکھ کا قُطب...... قدرت کی اعلیٰ ترین [illegible] ہے۔ قدرتی سیاہ سُرمے [illegible] آلودہ آنکھ [illegible] ہوتی ہے اور وہ [illegible] پہ جو کچھ ہوتا رہا ہے [illegible] سے کون [illegible]۔ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو، مسواک کے ساتھ سُرمے سے بھی اظہارِ محبت [illegible] ایک طرف ارباب اسرار و رموز خوب جانتے ہیں کہ سُرمہ لگانے سے کیا کچھ سجھائی اور دکھائی [illegible] کے رُوحانی اثرات [illegible] جلوے دکھاتے ہیں۔

[illegible] خیر کی نیت کر کے میں نے آنکھوں میں سُرمہ ڈالا...... عجیب سا سُرمہ تھا۔ محض ایک ایک سلائی [illegible] ہوا گویا کوہِ طور آنکھوں میں رکھ لیا ہے۔ عام سُرمے سے آنکھوں میں رڑک نہیں ہوتی وہ [illegible] ہے ہلکی ہلکی طراوت اور ملاحت کا احساس ہوتا ہے۔ اسے ڈالنے سے لگا کہ آنکھوں میں بجری [illegible] ہیں...... کیا مجال جو پپوٹے پھر کھلے ہوں۔ آنکھوں کے ڈیلوں پہ گویا خارِ مغیلاں اُگ سے آئے [illegible] سے بھی ہلکان ہو جاتا۔ اب جو پانی کے پرنالے چھوٹے کہ چہرہ جل تھل ہو گیا، یوں لگا آنکھوں [illegible] ہے وہ آج پانی بن کر بہہ جائے گا۔ ابھی تک مجھے یہ قطعی احساس نہیں تھا کہ صوفی تسلیم میں [illegible] ہیں ورنہ میں یہ سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہ کرتا کہ وہ مجھے بھی کور دیدہ کر دینا چاہتے ہیں۔ [illegible] گام بھاگ غسل خانے میں پہنچا...... ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارے، زبردستی آنکھیں کھول کر [illegible]۔ الٰہی! آنکھیں سُرخ بوٹی ہو رہی تھیں...... کونوں کے تاندے رگیں پھوٹنے کو پڑ رہی تھیں اور

تو کچھ نہ سوجھا تو لیا بھگویا، سر آنکھوں پہ ڈال کر کھاٹ پہ پڑ گیا۔

آنکھیں بند کر لیں تو اور کیفیت ہوتی ہے محسوس ہوتا ہے کہ انسان گردوپیش سے کٹ گیا ہے [illegible] اور اِک سکون سا در آتا ہے اور اگر آنکھیں بند کر کے مُنہ سر کسی کپڑے چادر سے ڈھانپ لیا جائے [illegible] بہت سی کیفیات سے دوچار ہُوا جا سکتا ہے...... انسان محض گردوپیش سے ہی نہیں بلکہ زندگی یا دُنیا سے [illegible] ہُوا محسوس کرتا ہے۔ وہ خود کو اپنے بھیتر کے بلیک ہول میں سرکتا ہوا پاتا ہے...... دل کی زمین پہ بارش [illegible] چھینٹے کی ہلکی ہلکی پھواری پڑنے لگتی ہے...... دماغ کے اُفق پہ شام کی اُداس اُداس شانتی اُتر آتی ہے [illegible] بڑھتے روزِ ازل کے پُرسکون ملگجے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کبھی قبر کے عمیق و دقیق اندھیرے چاروں [illegible] محسوس ہوتے ہیں...... ایسے میں اپنے اندر باہر کی ایک ایک کارکردگی مختلف اشکال میں سامنے [illegible] ہے۔ سوچوں، خدشوں، فکروں اور جذبات کی [illegible] گرہیں ڈھیلی پڑنے لگتی ہیں۔ نا آسودہ خواہش [illegible] خوابوں کی عجب عجب تاویلیں اور تعبیریں سمجھ میں آتی ہیں۔ فکرِ امروز اور اندیشۂ فردا کچوکے دینے [illegible] اِنہی ہچکولوں میں ڈوبتا اُبھرتا بہتا ہوا بندہ بالآخر پُرسکون نیند کے دھارے پہ اِک خاشاک کی [illegible] ہے۔ تلاطم سے نکل آئے تو زندہ کہلاتا ہے [illegible] کام آ جائے تو [illegible]۔

[illegible] کیفیت [illegible] کار [illegible] نیند [illegible] کیا تھا [illegible] کو یہ وقت [illegible] نہیں بلکہ جاگ کر جاگنے کا تھا لیکن کیا کیجئے کہ جن راہوں کا مَیں راہی ہوں وہاں کب سونے پہ سہاگہ [illegible] کب پیتل بنتا ہے [illegible] نہیں چلتا...... میری راہوں، راستوں، پگڈنڈیوں کے نیچے زمین نہیں [illegible] بغلوں کی ریشمیں رُوئیں...... [illegible] کی [illegible] پُروائی کے [illegible] اور کرنوں کی شبک قجیاں [illegible] جہاں مَیں چلتا نہیں بلکہ دھنس جاتا ہوں اور دھنسا پھنسا ہُوا پرندہ ہو یا درویش، بے بس ہوتا ہے [illegible] تالاب میں اُترا ہوا ہاتھی بے طاقت ہوتا ہے وہ دھنس تو سکتا ہے اُبھر نہیں سکتا۔

نیند بھی تو پُروائی رُوئی، کافور، کرنوں اور شُروں کا اِک تالاب ہی تو ہوتی ہے...... اس [illegible] گھسا ہوا جب مَیں باہر نکلا تو ظہر کا وقت نکل چکا اور عصر لگ چکا تھا۔ حیرت یُوں ہوئی کہ آنکھیں [illegible] سبک تھیں...... نہ ٹیس نہ جلن...... سُرخی وغیرہ سب غائب...... آہستہ آہستہ اُبھرتے سب [illegible] لگے...... چند گھنٹوں کی نیند نے جیسے مجھے ہلکا پھلکا کر دیا تھا...... صوفی تسلیم میاں تو بعد میں یاد آئے [illegible] قطبی تارا سی آنکھیں سامنے آ گئیں طبیعت اور شگفتہ ہو گئی...... تسبیح سرہانے کے پاس پڑی تھی جس کے [illegible] سوراخ میں مَیں نے ابھی تک جھانکا نہیں لیا تھا...... سُرمہ دانی بغلی تپائی پہ دھری تھی...... حواس [illegible] مَیں نے جھٹ غسل کی ٹھانی...... فارغ ہونے کے بعد آئینہ میں جھانکا تو آنکھیں پچھلے سے کچھ [illegible]

[illegible] ہو کی چشم میری آنکھوں کی جگہ لگا دی ہوں۔ سُرمے نے اندھیر مچایا ہوا تھا…… سُبحان اللہ! اپنی
[illegible] مجھے خود ہی پیار آنے لگا۔ تازے کپڑے پہنے، خوشبو ملی اور باہر نکل آیا…… بازار سے گزر کر گلی میں آ
[illegible] تسلیم میاں کو آنکھیں دکھاؤں اور پچھاب تک کی رُوداد بھی بیان کروں۔ مگر وہ شاید دکان بڑھا چکے
[illegible] خود بخود ہی قدم درگاہ شریف کی جانب اُٹھ لیئے۔ مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی…… صوفی صاحب کو
[illegible] دیکھا، جب دکھائی نہ دیئے تو میں نے ان کی دی ہوئی تسبیح رولنا شروع کر دی…… اُچٹتی نظروں
[illegible] امام کو دیکھا…… مگر ابھی تک امام کے قُطب کو دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی تھی۔ دُعا دم کے بعد میں
[illegible] کے احاطے کی جانب آ نکلا کہ یقیناً صوفی صاحب یہیں کہیں ہوں گے۔ اِدھر اُدھر دیکھا بھی مگر وہ
[illegible] نہ دیئے۔ اسی اُدھر بُدھر میں خواجہ سرکارؒ کے مزار کی پائنتی کی دائیں جانب اِک خوبصورت سی کنج
[illegible] ایک درخت کے نیچے آ ٹھہرا ہوا فاتحہ سلام کے بعد یہیں بیٹھ گیا۔ خواجہ سرکارؒ کے مزار اقدس
[illegible] دیوار تو ہے نہیں…… یہ دنیا میں شاید اپنی نوعیت کا واحد مزار ہے جو باقاعدہ قبر کی صورت میں نہیں بلکہ
[illegible] قطعہ ہے جس کے گرد چھوٹی سی مُنڈیر بنی ہوئی ہے۔ اس قطعہ خوش بخت زمین پہ ہلکی سی
[illegible] وقت پھولوں سے اَٹا رہتا ہے…… اور عرش [illegible] الاقطاب
[illegible] بارگاہ

کشتگان خنجر تسلیم را، ہر زماں از غیب جانے دیگر اَست"

[illegible] جمال [illegible]…… اک متانت اور پُروقار سی سادگی، در و دیوار پہ چھائی رہتی ہے۔ دیگر
[illegible] یہاں غیر ضروری [illegible] دکھائی نہیں دیتا اور نہ ہی مجاورین اور
[illegible] وہ چھینا جھپٹی دیکھی کہ زائر خود کو بکرا سمجھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے…… یہاں کے خدام اور منتظمین صحیح
[illegible] دکھائی دیتے ہیں، کوئی ٹھیکیدار نہیں۔

[illegible] اس درخت کے نیچے جم کر بیٹھے ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی نے بڑی رسان سے السلام علیکم
[illegible] پیچھے سے میرے شانے پہ پولا سا ہاتھ رکھا…… وعلیکم السلام کہنے سے پہلے مُڑ کر دیکھا……
[illegible] تھے۔ میں عجز و تسلیم سے نثار ہو گیا۔ میرے چہرے پہ نظر پڑتے ہی بولے۔

[illegible] اتنے سارے رَت جگے؟"

[illegible] آہستگی سے عرض گزاری۔

[illegible] جی! ابھی تو سُرمہ ڈالے دو پہر اور سہ پہر ہی گزرے ہیں، رات تو ابھی سر پہ پڑی ہی
[illegible] دوپہر کو خوب سویا۔"

میری کمر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگے۔

''بہت ساری کالی رتیاں آنکھوں میں جتیں گی...... گھبراؤ نہیں ابھی تو ابتدائے عشق ہے [illegible] ہے میاں آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟''

قارئین! یاد رہے ابھی تک مجھ پہ یہ حقیقت کھلی نہیں تھی کہ میاں جی کی آنکھیں کوری [illegible] خوبصورت بولتی آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھ سکتے...... اچنبھا اس وقت ہوا جب انہوں نے مجھے ہلکے [illegible] ہوئے فرمایا۔

''حضرت! اس جگہ آپ کا بیٹھنا کچھ مناسب نہیں...... اللہ کی مخلوق کو خوامخواہ تکلیف ہوگی [illegible] کچھ خاطر خواہ آسودگی بھی حاصل نہیں ہوگی...... آیئے میں آپ کو اس جگہ بٹھاتا ہوں جہاں خوا[illegible] پاپوش اتار کر رکھتے تھے۔''

سبحان اللہ [illegible] ہوا میں اٹھا اور وہ میرا ہاتھ تھامے ہوئے اسی احاطے [illegible] ایک کونے میں [illegible] ایک کچی سی جگہ پہ ہاتھ کے دباؤ سے بٹھاتے ہوئے کہا۔

''میاں بیٹھ لیجیے اور اپنا شغل جاری رکھیے...... میں فراغت کے بعد حاضر ہو جاؤں گا۔''

[illegible] سامنے کی [illegible] کرتے [illegible] برآمدے کا [illegible] لیتے ہوئے دایہ ماں کے مزار کی جانب کہیں اوجھل ہو گئے تھے۔

یہیں بیٹھے بیٹھے تسبیح رولتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں میاں جی کے الفاظ گونجے [illegible]

''اس جگہ آپ کا بیٹھنا کچھ مناسب نہیں، اللہ کی مخلوق کو خوامخواہ تکلیف ہوگی اور آپ کو کچھ خاطر خواہ [illegible] حاصل نہ ہوگی۔'' میں نے اسی درخت والی کنج کی جانب دیکھا جدھر سے مجھے اٹھنے کا مشورہ دیا گیا [illegible] جگہ مجھے بڑی پرسکون' آسودہ اور مزار شریف سے کافی نزدیک نظر آئی۔ قدیمی درخت کا تنا اور [illegible] سی باہر نکلی ہوئی جڑیں بڑا دلفریب اور دیومالائی سا ماحول پیش کر رہی تھیں اور یہ موجودہ جگہ ایک [illegible] کافی ہٹ کر تھی اور دوبے بڑی سپاٹ اور اداس اداسی کی کیفیت لیے ہوئے تھی...... حکم حاکم [illegible] بیٹھ تو گیا لیکن میرا دل ابھی تک ادھر ہی اٹکا ہوا تھا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ ابھی تک میں نے اس [illegible] آنکھ سے آنکھ نہیں ملائی جس کے بارے میں میاں صاحب نے بتایا تھا کہ اس کے اندر زیا[illegible] دوسرے لمحے ہی میں نے بائیں بند کر کے دائیں آنکھ سے امام کے سوراخ پہ لگا دی مگر سوائے [illegible] کچھ نظر نہ آیا۔ الٹ پلٹ بھی لاحاصل ثابت ہوئی...... الٰہی! زیارتیں کہاں گئیں؟ سوراخ کے [illegible] عدسہ اور ایک ٹرانسپیرنٹ تصویر ہوتی ہے۔ آنکھ کی پتلی کے قریب رکھ کر اگر سوراخ کے اندر جھانک[illegible]

[illegible] دکھائی دیتا ہے۔ امام کے سوراخ میں عدسہ اور پیچھے تصویر بھی تھی مگر آر پار کچھ نظر نہیں آ رہا تھا…… ادھر سے دھیان ہٹایا تو اک اور دلدل میں پھنس گیا۔ میرے پیچھے کچھ ہٹ کر اک دریچوں والی دیواری تھی جس کے [illegible] جانب وہ راہداری تھی جس سے گزر کر زائرین مزار شریف تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ عورتوں کو [illegible] کی اجازت نہیں اس لئے عورتیں اور دریچوں والی دیواری کے اس طرف کھڑی ہو کر مزار شریف کی [illegible] سکتی ہیں۔ یہاں دریچوں سے لگ کر وہ دعائیں، مناجات آہ و زاری کرتی رہتی ہیں۔ میں نے ہلکا سا [illegible] چار بوڑھیاں کھڑی بھیں بھیں کر رہی تھیں…… ان سے بھی دھیان ہٹانے کی کوشش لاحاصل کی [illegible] جیسے کوئی شیریں مقال عورت مجھ سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہی ہے…… پہلو بدلتے ہوئے گردن [illegible] دیکھا کہ میرے عین پیچھے دریچوں سے لگی گھونگھٹ گرائے کوئی خاتون مجھ سے مخاطب تھی۔

”اللہ کے پیارے، خواجہ [illegible]!…… دعا کرو کہ میرا بچھڑا ہوا بیٹا مجھے مل جائے……“ وہ [illegible] سسکیاں بھر رہی تھی۔

میں نے کچھ بات کیئے بغیر دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھا لیئے…… وہ عورت اب شاید وہیں سے مل چکی [illegible] مزید اُتھل پتھل ہو گئی…… ابھی اس صورت [illegible] سنبھلنے نہیں پایا تھا [illegible] پیچھے سے مزید [illegible] ب میں نے [illegible] اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے۔

”اے ربِ العزت، خواجہ حضورؒ کے صدقے ان پریشاں حالوں کی پریشانیاں دور فرما……“

[illegible] عورت بھی ٹلی تو میں نے پھر تسبیح پہ انگلیاں جما دیں…… [illegible] ہی پھرے ہوں گے کہ پھر [illegible] آہ و زاری دعا کی اپیل…… اک دم میرا دھیان بیت المقدس میں دیوارِ گریہ کی طرف پھر گیا۔ وہاں [illegible] ہے مگر وہاں کسی ولی یا میرے ایسے [illegible] کو درمیانی وسیلہ نہیں بنایا جاتا…… سیدھا دیوار سے ماتھا [illegible] مناجات و دعائیہ کلمات کہے اور فارغ۔

[illegible] میں نے آخری بار ہاتھ اٹھائے کیونکہ میں ادھر سے ٹلنے کا ارادہ کر چکا تھا…… یہ بھی خیال [illegible] جی کو تو یہاں کی صورت حال کا بخوبی علم ہو گا اس کے باوجود انہوں نے مجھ گامڑ کو یہاں بٹھا دیا……

[illegible] میاں جی کی اس منطق پہ غور ہی کر رہا تھا کہ وہ سامنے کے بغلی دروازے سے میری جانب آتے ہوئے [illegible]…… ہاتھوں میں ایک طشتری تھی جس میں تام چینی کی چینک اور دو چھوٹے چھوٹے شیشے کے گلاس [illegible] تھے…… راستے کی رکاوٹوں مثلاً درخت، تھڑے، لوگ باگ وغیرہ سے بچتے بچاتے وہ مجھ تک پہنچ [illegible] مسکراتے ہوئے السلام کہا اور پاس بیٹھ گئے۔

"نصیبوں والے ہو...... ہر کسی کو یہاں بیٹھنے کا شرف حاصل نہیں ہوتا......"

اب میں کیا کہتا...... بس جی جی کہتا رہ گیا...... آخر پھوٹا۔

"میاں جی! کیا اس دیوار کے پیچھے خواتین اسی طرح آہ و بکا کرتی رہتی ہیں اور ادھر بیٹھے [illegible] خوش نصیب کو دُعا کے لئے منتخب کر لیتی ہیں؟"

وہ میری بات میں چھپی ہوئی شکایت سے مزہ لیتے ہوئے مسکرائے، پھر فرمایا۔

"معلوم ہوتا ہے کچھ بیبیوں نے آپ کو خوب تنگ کیا ہے۔ پیارے میاں! جدھر آپ بیٹھے [illegible] مقام ہی ایسا ہے کہ ہر جائز دُعا مستجاب ہوتی ہے۔ لیکن یہاں بیٹھنے کی توفیق ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی [illegible] پہلے براجمان تھے وہاں تو کسی کو بھی بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوتی۔"

"وہ کیوں......؟"

"فی الحال تو چائے پیو، ٹھنڈی ہو رہی ہے...... اس بارے میں پھر کبھی بات ہوگی۔"

چائے پلانے کے بعد وہ پھر کہیں غائب ہو گئے۔ مغرب کی اذان سے کچھ پہلے وہ تشریف [illegible] آئے۔ نماز کے بعد انتہائی عاجزی سے کہنے لگے۔

[illegible] فرمالیں...... پھر بیٹھیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔" وہ مجھے ساتھ لیتے ہوئے درگاہ کی حدود [illegible] تنگ لمبی سی گلی میں آ نکلے۔ یہاں بھی ایک چھوٹا سا مزار تھا۔ کہنے لگے۔

"یہاں ایک مجذوب مدفون ہیں میری ان سے بھی خاصی یاد اللہ ہے...... لگے ہاتھوں سلام [illegible] اور فاتحہ شریف بھی...... اور ہاں اپنے لئے کچھ......؟"

پہلے ان کی کون سی ساری باتیں پلے پڑتی تھیں جو یہ بھی پڑتی...... اسی مزار کے باہر [illegible] اوپر ایک مچان سے تختے پہ مجھے بٹھا لیا...... ایک مدقوق سے لونڈے نے ایک بڑے سے تسلے میں [illegible] خشک چاول، ارہر کی پتلی سی دال، اچار اور کٹے ہوئے پیاز و ادرک لا کر رکھ دیئے...... اس معمولی سا [illegible] نے اپنی جگہ دعوتِ شیراز سا مزہ دیا کہ اُنگلیاں چاٹ چاٹ کر کھایا۔ فرمایا۔

"کھانا تو کھانا ہی ہوتا ہے معمولی ہو یا اعلیٰ...... اصل برکت و لذت تو حضور سے ہر لقمہ پہ [illegible] ہوئے ہوتی ہے۔"

موقعہ پاتے ہی میں بے صبرا اپنی بات لے بیٹھا۔

"میاں جی! آپ نے تسبیح کے بارے میں فرمایا تھا زیارت ہوگی مگر مجھے تو کچھ بھی......؟"

وہی ازلی سی مسکراہٹ اُن کے چہرے پہ کچی دھوپ کی مانند پھیل گئی جو کسی معصوم بچے کے مکھڑے پہ کی شرارت پکڑے جانے پہ کھل اُٹھتی ہے۔ قدرے ہچکچاہٹ سے فرمایا۔

”میاں بھائی! جب سے تسبیح لی ہے کتنی بار اِس پہ دُرود شریف کا ورد کیا ہے اور کتنے صبح و شام سرمہ استعمال کیا ہے؟“

مَیں خجل ہو کر بغلیں جھانکنے لگا۔ مجھے خاموش اور خالی پا کر خود ہی بتانے لگے۔

”عینک کے شیشے خواہ کیسے بھی طاقتور اور قیمتی ہوں اگر دُھندلے اور گندے ہوں گے تو کچھ بھی واضح نظر نہیں دے گا جیسے شیشہ لالٹین کا ہو عینک یا منہ دیکھنے والا' پہلے ذرا کاغذ یا کپڑے سے جھاڑا پونچھا جاتا ہے پھر سانسوں کی گرمی نمی دکھلا کر صاف کیا جاتا ہے اور آخر خشک گف کپڑے سے اُسے خوب آب دی جاتی ہے کہ چمچم پالش کرنے لگے اِس کے بعد مزہ دید کی نظارگی اور روشنی حاصل کرنے کا آتا ہے...... پہلے اچھی طرح اپنے دیدے تو صاف کر لو۔ ایسے کاموں میں اُتاؤل اچھی نہیں ہوتی۔“

مَیں دم سادھے اُن کی گوہر افشانی سے محظوظ ہو رہا تھا وہ ذرا کی ذرا رُکے تو مَیں نے پھر سُرمے اور آنکھوں کی تکلیف کا مسئلہ داغ دیا اور من و عن ساری کیفیت [illegible] سُن کر کھلکھلا [illegible] فرمایا۔

”اب [illegible] دِکھائی دے رہا ہے؟“

مَیں نے جواب دیا۔ ”ہاں' ماشاءاللہ پہلے سے بھی خوب دکھائی دے رہا ہے۔“

ماشاءاللہ' ماشاءاللہ کہتے ہوئے میری آنکھوں پہ ہاتھ پھیرا۔

”اب دیکھو' امام میں کچھ دکھائی دے رہا ہے؟“

مَیں نے جھٹ امام پہ آنکھ لگا دی...... غور سے دیکھا' کچھ تھا ضرور مگر واضح اور صاف نہیں تھا...... وہ توضیح فرمانے لگے۔

”صاف نہیں دُھندلا دُھندلا سا دکھائی پڑ رہا ہے...... اچھا کچھ دنوں تک صاف دیکھنے لگو گے...... شکر ہے کہ سُرمہ ڈالنے سے آنکھوں کے پَرت کُھلے...... مجھے دیکھو میں تو بالکل ہی اندھا ہو گیا۔ صرف ایک ایک ڈالی تھی وہ دن اور یہ دن بینائی نہیں لوٹی...... لیکن سُرمہ ڈالنا کبھی نہ چھوڑا' تم بھی کبھی نہ چھوڑنا۔“

یہ پہلا موقع تھا کہ مجھ پہ یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ میاں جی نابینا ہیں جبکہ ان کی کسی حرکت سے مجھے کیا بلکہ کسی کو بھی کبھی احساس نہیں ہوا ہو گا کہ وہ اِن چمکتے بولتے ہوئے خوبصورت دیدوں سے کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ مَیں ہکا بکا اُن کے اِس مذاق سے لطف اندوز ہونے کی کوئی راہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ پوچھنے لگے

''حونقوں کی مانند کیوں دیکھ رہے ہو' کبھی کوئی اندھا نہیں دیکھا؟''

میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ جیسا نہیں دیکھا۔''

وہ اُٹھے' میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر کہنے لگے۔

''مجھے بھی آپ جیسا کوئی نہیں ملا میں چلتا ہوں' عشاء کی نماز میں کہیں اور پڑھتا ہوں۔ آپ اپنے شغل میں رہیں انشاء اللہ کل صبح مسجد میں ملاقات ہوگی...... اور ہاں رات سونے سے پہلے سُرمہ لگانا نہ بھولیے گا اور تسبیح کا بھی خیال رہے۔''

وہ مجھے مدانی میں لسی کی مانند رڑک کر جا چکے تھے۔ کافی دیر تک میں اپنے آپ میں گم صم رہا' سوچتا رہا کیا کوئی بِن آنکھوں سب کچھ دیکھنے پہ قادر ہو سکتا ہے اور کیا صرف آنکھوں سے ہی دیکھا جا سکتا ہے یا جسم و وجود کے دیگر اعضاء بھی دیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں...... یا پھر کوئی باطنی قوت ہے؟...... جب کوئی جواب سمجھ میں نہ آیا اور سر میں ٹیسیں چمکنے لگیں تو وہاں سے اُٹھ لیا...... درگاہ سے نکل رہا تھا کہ وہی حضرت دکھائی دیے جنہوں نے مجھے میاں جی کے پاس یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ ان کی ایک آنکھ میں خواجہ قطب الاقطاب اور دوسری میں خواجہ گنج شکر [illegible] تھا۔

''السلام علیکم...... قبلہ اجازت ہو تو ایک دو باتیں صوفی تسلیم میاں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔''

دہلی کے بزرگوں بوڑھوں کو جہاں تک میں نے دیکھا کہ اگر وہ ایک بار شروع ہو جائیں تو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔ مگر یہ شاید کسی اور قبیل کے بزرگ تھے۔ چہرہ شریف ہی کچھ یوں تھا کہ دیکھنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ جائے۔ پہلے تو وہ مجھے گھورتے رہے پھر بڑی کج سے بادلِ نخواستہ بولے۔

''کسی کے بارے میں کوئی کتنا کچھ جان سکتا ہے لیکن صوفی تسلیم میاں کے بارے میں کچھ نہ جاننے میں ہی سلامتی ہے۔ ویسے میں تم کو اُن کے بارے میں تھوڑا سا بتا چکا ہوا ہوں اب فرمایئے آپ اور کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

میں اُن کے فلسفیانہ اندازِ تکلم سے بدک سا گیا۔ سوچنے لگا واقعی یہ دہلی والے باتوں کے کاریگر ہیں۔ باتوں میں ایسی ایسی گھاتیں لیتے ہیں کہ مقابل پٹڑی سے اُتر جاتا ہے۔ حرفوں' لفظوں کے طوطے مینائیں اُڑانا بھی انہیں خوب آتا ہے۔ میں نے محتاط انداز میں عرض کی۔

''میاں جی کے بارے میں معلوم ہوا کہ نابینا ہیں مگر اس کے باوجود وہ سب کچھ دیکھتے ہیں' یہ کیسے

[illegible] آپ نے یہ بھی فرمایا تھا اُن کی ایک آنکھ میں خواجہ قطب الاقطابؒ اور دوسری آنکھ میں خواجہ گنج شکرؒ [illegible] ہیں لیکن مجھے تو ابھی تک کچھ دکھائی نہیں دیا۔''

وہ کسمساتے ہوئے بولے۔ ''میاں! ہلالِ عید اُفق پہ موجود ہوتا ہے مگر ہر اک کو دِکھائی نہیں دیتا۔ اس [illegible] دیکھنے کے لئے دستورِ دید اور ساعتِ سعید ضروری ہوتے ہیں۔ ممکن ہے تمہارے ہاں ایسی کچھ کمی [illegible] تم محرومِ زیارت رہے باقی رہی نابینا ہونے کی بات تو بھیا! یہ کوئی ایسی اچنبھے کی بات نہیں...... [illegible] پرندے، حشرات الارض ایسے ہیں جن کے کان آنکھیں سرے سے ہی نہیں ہوتے لیکن وہ دوسرے [illegible] والوں سے کہیں زیادہ سننے، دیکھنے کا ادراک رکھتے ہیں تو کیا تسلیم میاں، ان سے بھی گئے گزرے [illegible] کچھ سمجھ میں آیا؟''

اتنا کہہ سُن کر وہ ایسے گم سُم اور بے نیاز سے ہو گئے جیسے میں اُن کے سامنے ایک انسان نہیں کوئی بیکار [illegible] ہوں ــــ زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھتے ہوئے میں اُدھر سے کھسک لیا۔

عشاء کی نماز کے بعد میں اِدھر اُدھر گلیوں کوچوں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ جب جی بہلا اور سوچ سمجھ کا [illegible] دماغ میں بے سُوجھے سوالات کے کیڑے کلبلا رہے ہوں تو انسان، لنگر سے ٹوٹی ہوئی کشتی کی [illegible] نہیں کا کہیں [illegible] جو کبھی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

میں اپنی [illegible] میں پتہ نہیں کہاں سے کہیں نکل آیا تھا...... گوبر کی بدبُو سے ناک سڑنے لگی تھی...... [illegible] بھینسوں کی ڈکرانے کی آوازوں سے احساس ہُوا کہ میں کسی گوالوں کی بستی میں آ گھسا ہوں۔ گھُپ اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد پتہ چلا کہ پاؤں کیچڑ اور گوبر میں دھنس گئے ہیں جو کھینچا کھانچی کی تو جوتے اندر رہ گئے لیکن پاؤں باہر نکل آئے۔ اب میں ننگے لتھڑے پاؤں سنبھالتا [illegible] آس پاس کہیں پانی کھوجنے لگا کہ پاؤں کی غلاظت دُور کروں۔ اچانک کہیں سے ایک بوڑھا نمودار ہوا یقیناً [illegible] کوئی گوالا ہوگا۔ صورت تو میں نہ دیکھ سکا کہ اندھیرا تھا۔ سلام کرتے ہوئے میں نے پانی کا دریافت کیا۔ [illegible] ہی پوچھنے لگا۔

''جوتے وہیں چھوڑ آئے ہو یا پاؤں کے سنگ نکل آئے؟''

میں نے یونہی جواب لگا دیا۔

''شکر ہے بھائی! پاؤں نکل آئے...... جوتے بہت پر پاؤں تو دو ہی ہوتے ہیں۔''

جواب سُن کر ہنسنے لگا۔ میرا ہاتھ تھامے بولا۔

''آؤ میرے سنگ میں تمہارے پاؤں دُھلا دیتا ہوں۔''

وہ مجھے قریب قریب گھسیٹتے ہوئے پاس ہی ایک باڑے میں نکل آیا۔ یہاں مویشیوں کے پانی کی ایک پختہ ناند تھی پَرے جھونپڑے کے آنگڑے میں لٹکی لالٹین بھی چمک رہی تھی۔ وہ مجھے ایک پتھر پہ کھڑا کر کے میرے پاؤں دُھلانے لگا۔

''اِدھر کدھر آئے تھے' بھیا؟ اجنبی دِکھت ہو...... اِدھر کے ہوتے تو جانت ہوتے کہ یہ راہ و راستہ جناوروں کا ہے مَنشوں کا نہیں۔ اَب یہیں رُکو میں تمہارے جُوتے کیچڑ کھاتے سے نکلوائے دیتا ہوں۔''

میں نے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔

''بھلے مانس! اَب مجھے اِن چپلوں کی ضرورت نہیں اور نہ ہی وہ اَب پہننے کے لائق رہے ہوں گے۔ تم صرف مجھے درگاہ شریف کی جانب کسی محفوظ راستے پہ ڈال دو۔''

میری بات سُن کر وہ اندھی سی لالٹین اُٹھا لایا' میرے آگے آگے چلتے ہوئے کہنے لگا۔

''بھیا! درگاہ شریف کے کسی محفوظ راستے پہ تو تسلیم میاں ہی ڈالیں گے۔ میں تو گلی گلی تک کا راستہ بتا سکتا ہوں۔''

یہ [illegible]

''...... تم صوفی تسلیم میاں کو جانتے ہو؟''

وہ مجھے اِس طرح ٹھٹکتا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے' بھیا! تسلیم میاں کو مَنش تو کیا' یہاں کے جناور' پکھیرو اور بونیرو تک سب جانتے ہیں۔''

''مَنش' جناور' پکھیرو اور بونیرو سب جانتے ہیں؟'' میں نے زیرِ لب دُہراتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بونیرو کیا ہوتے ہیں......؟''

لالٹین میرے چہرے کے قریب لا کر وہ چند ثانیے مجھے گھورتا رہا۔

''تم نہیں جانتے کہ بونیرو کون ہوتے ہیں؟''

میں نے اسی استعجاب میں نفی میں سر ہلا دیا۔ اس نے بھی آنکھیں جھپکائے بغیر جواب دیا۔

''بونیرے ننھے منے یعنی بہت ہی چھوٹے انسان نما مخلوق ہوتے ہیں' اگر تم نے اُنہیں دیکھا نہیں تو اِن کے بارے میں سُنا تو ہو گا؟''

میں نے حونقوں کی طرح اُسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''چھوٹے بچوں کی قدامت کے انسان تو اکثر دیکھے ہیں لیکن جیسے تم بتا رہے ہو ایسوں سے بھی میرا ہے پر انہیں تو بونے کہتے ہیں۔''

''تم تسلیم میاں سے کبھی ملے ہو؟''

''ہاں' کل بھی ملاقات ہوئی تھی اور آج عصر' مغرب کی نماز بھی ہم نے اکٹھے ہی ادا کی۔ عشاء کی نماز میں انہوں نے کہا کہ کہیں اور پڑھتے ہیں۔''

''ہاں' عشاء کی نماز وہ بونیروں کی مسجد میں ادا کرتے ہیں...... بلکہ وہاں امامت کرتے ہیں۔''

بے صبروں کی طرح میں نے جھٹ پوچھا۔

''بتا سکتے ہو وہ مسجد کدھر ہے؟''

''وہ کوئی گنبد و میناروں والی مسجد نہیں...... قطب جی کی بڑی باؤلی کے نیچے اُتری ہوئی کسی کھوہ کے جگہ ہے۔ جانتے تو کیا ہم بھی نا ہیں پر سُنا ہے کہ میاں جی عشاء کی نماز وہیں پڑھاتے ہیں۔''

''دکھائی تو نہیں دیتا نہیں...... وہ رات کے اندھیرے مندھیرے میں ایسی سنسان خطرناک جگہ پہ تے جاتے ہوں گے؟'' میں حیرتوں کے [illegible] ہوئے پوچھ بیٹھا تھا۔

وہ کوئی [illegible] جان چھڑاتے ہوئے بولا۔

''وہی جانت بھیا یا خدا جانت ہے...... چلو میں تمہیں راہ دکھاؤں۔''

اس رات اک راہ تو اس نے مجھے دکھا دی تھی

یہ رات بھی کیا رات تھی۔ کروٹیں بدل بدل کر میرے جسم کی چولیں ہل گئیں۔ کہیں پل دو پل جو آنکھ تو عجیب عجیب منظر آنکھوں کے سامنے اُبھرتے ڈوبتے رہے...... پاتال میں اُتری ہوئی پُر اسرار گہرے گہرے اندھے کنویں...... گھپ اندھیری کھائیاں' غاریں' نیلے گہرے سمندر' پتہ نہیں کیا کیا رہا...... کئی بار ایسا بھی لگا جیسے میں غلطی سے بونوں کی کسی بستی میں جا گھسا ہوں اور اُن کے قابو میں آ ۔ ایسا بھی محسوس ہوا کہ میں ایک مورچہ بند قلعہ ہوں اور چیونٹوں کی مانند ننھے ننھے بونوں کی فوج نے اچانک شب خون مار دیا ہے۔ میرا انگ انگ ان کی یلغار کی زد میں ہے...... میرے کانوں' ناک آنکھوں کے دروازے توڑ کر وہ میرے دل و دماغ تک پہنچ رہے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک دستہ پیٹ پہ چڑھ آیا ہے میری ناف میں جھنڈا گاڑ کر شاہی نقارچی نقارہ پیٹ پیٹ بڑے بلند آہنگ سے فتح مندی کا اعلان کر رہا ہے۔

اِس وقت قطبی مسجد میں فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

''خیال وخواب'' یہ الفاظ بھی بڑے سحر آگیں ہوتے ہیں محض زبان سے دُہرانے سے بھی [illegible] دیتے ہیں اور جو اِن کی کیفیات میں مست رہتا ہو اِس کی نرگسیت کا کیا عالم ہوگا؟...... خیال ہی [illegible] روپ دھارتے ہیں جبکہ خواب بھی مختلف نوع انگ کے خیالات کو جنم دیتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی یہ دونوں [illegible] آپس میں گڈمڈ ہوتے ہیں کہ یہ خوامخواہ کی طرح خیال خواہ سے بن جاتے ہیں۔ مَیں بھی آخرِ شب خیال [illegible] اپنی سُلگتی آنکھوں میں نیند کے چند بونوں کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا جو میرے بیدار ہونے سے کہیں اِدھر اُدھر روپوش ہو گئے تھے۔

صوفی تسلیم میاں سے ملنے کی تانگ نہ ہوتی تو شاید مَیں فجر کی نماز اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہی ادا کر لیتا۔ کچی نیند کے اِدبار نے مجھے خاصا مضمحل سا کر دیا ہوا تھا پھر بھی کسی نہ کسی طور مَیں مسجد تک پہنچ ہی گیا۔ [illegible] پہلی صف میں دکھائی دیئے جبکہ مجھے جگہ دوسری صف میں ملی۔ نماز کے بعد امام صاحب سے مصافحہ کرنے والوں کی لائن لگ چکی تھی مگر مَیں اپنے امام کے رُوبرو جا کھڑا ہوا۔ اُن سے بھی نمازی سلام [illegible] کر رہے تھے۔ موقعہ ملتے ہی مَیں نے بھی ہاتھ تھام کر بوسہ دیا۔ وہی [illegible] اُجلی مسکراہٹ اُن کے چہرے پہ [illegible] تھی۔ نرم [illegible] لہجے میں میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے گویا ہوئے۔

''جب رَت جگے جگر جگر کرنے لگیں تو پھر جان لو بھیا کہ چھٹی ہو گئی...... دیکھ لو ابھی تک تمہاری آنکھوں سے کچی نیند کا خمار نہیں چھٹا......''

مَیں نے کچھ اَونگا بونگا جواب دینا چاہا مگر وہ میرا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے مسجد کے دروازے کی جانب بڑھ چکے تھے...... آج مَیں اپنے تئیں یہ تہیہ کئے ہوئے تھا کہ میاں جی کی بینائی کا راز ضرور معلوم کروں گا۔ مَیں جان بوجھ کر آدھ قدم پیچھے رہا کہ دیکھوں وہ راستے کی رکاوٹوں اور رہ گزروں سے کیسے بچ بچا کر گزرتے ہیں۔ اندازے اور مسلسل مشق سے کوئی نابینا کسی راہ گلی سے قدرے تردد سے گزر تو سکتا ہے مگر کسی [illegible] رکاوٹ سے بچنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے جبکہ وہ کسی ٹٹولنے والی چھڑی یا عصاء کے بغیر ہو مگر مَیں نے [illegible] ایک شخص جو ہمارے آگے آگے ببول کی کانٹے دار جھاڑیوں کو گھسیٹتے ہوئے جا رہا تھا اچانک کسی وجہ سے رُک [illegible] چاہئے تو یہ تھا کہ میاں جی اُن جھاڑیوں پہ چڑھ جاتے مگر نہیں' وہ تو اس شخص کے رُکنے سے پہلے ہی رُک گئے تھے...... بولے۔

''بُوٹی رام بھاڑ کے لئے یہ جھاڑ جھنکاڑ مُنہ اندھیرے گھسیٹ لیا کرو...... یہ سمے لوگوں کی آمد [illegible] کا ہوئے ہے۔''

تب میاں جی میرا ہاتھ پکڑے ایک جانب سے ہو لیئے چند قدم آگے اپنی دوکان کے تھڑے پہ اگلا قدم جماتے ہوئے کہنے لگے۔

"بھیا! رات جب بھیگ جاوے اور پنکھ پکھیرو اپنا ٹھکانا پا لیویں تو بستی سے باہر اُجاڑوں کی جانب نہیں نکلتے ___ شکر کرو کہ محض جوتے ہی گوبر میں دھنسوائے اور خود سلامتی سے نکل آئے۔"

پھر دوکان کے کواڑ کھول کر اپنا ٹھیا جماتے ہوئے کہا۔

"تمہیں صبح سرمہ لگانا بھی یاد نہ رہا۔ اچھا، تم ذرا ان طغروں کی پونچھا پانچھی کرو اور میں ناشتے پانی کا بندوبست کرتا ہوں۔"

وہ مجھے ہکا بکا سا چھوڑ کر یہ جا وہ جا سامنے ایک پتلی سی گلی میں غائب ہو چکے تھے۔ عجیب بات تھی کہ ساری باتیں اور سوالات، جو میں پوچھنا چاہتا اُن کے سامنے پہنچتے ہی سب بھول جاتا تھا۔ اگر کچھ یاد بھی رہتا تو پوچھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ وہ مجھے بات کرنے کا موقعہ بھی کب دیتے تھے۔ ایسی میٹھی میٹھی من موہنی، بے ساختہ گفتگو...... سرشار، ششدر، شرابور اور شہید سا کر دینے والی باتیں شروع کر دیتے کہ بندہ سنتے جی نہ تھکے اور نہ سامعے کی گوشمالی کریں......!

کہ کسی [illegible] تنوری روٹیاں اور چائے کی چینک دھرے یوں لہراتے لہراتے چلے آ رہے تھے جیسے کوئی سکولی لونڈا میچ جیتنے پہ انعامی کپ تھامے گھر لوٹتا ہے۔ کیسے نابینا تھے کہ نہ تو کسی سے ٹکراتے اور نہ کہیں اندھوں کی طرح ہاتھ لہرائے، جھجک جھجک نہ کوئی اندیشہ...... میں سمجھتے تو یہی جاتا کہ وہی دیکھتے ہیں باقی سب نابینا...... وہ جدھر رُخ کرتے ہیں راستے اُدھر ہو جاتے ہیں۔ وہ نُوری شعاعوں کی مانند لطیف، حسیں اور غیر مرئی سے ہیں جو ہر ٹھوس، رقیق و کثیف سے ہو گزرتے ہیں۔

"بھیا! بس، بسم اللہ پڑھ کر شروع ہو جاؤ۔"

وہ تھڑے پہ قدم دھرتے ہی بولے۔

"مجھے نماز کے فوراً بعد کچھ کھانے کو نہ ملے تو میرا بندے کھا جانے کو جی کرتا ہے۔"

وہ میرے پیالے میں کھچڑا ڈالتے ہوئے بتانے لگے۔

"کھچڑا اِدھر کا خاص کھاجا ہے...... تمہاری تسلی خاطر اصلی گھی کا تڑکا بھی کروا لایا ہوں اور ہاں، ذرا یہ تنوری روٹیوں کی خستگی اور زعفرانی مہک تو ملاحظہ کرو۔ ممدو کشمیری سے خاص کہہ بول کر تنور میں اچھی طرح سنکوائی ہیں۔"

میں محسوس کر رہا تھا وہ اِس قسم کی گنگا جمنی باتیں کر کے مجھے بات کرنے یا کوئی سوال و جواب کا موقع نہیں دینا چاہتے اور یہ جو کچھ بھی وہ کہہ سُن رہے ہوتے ہیں وہ محض میرے بہلاوے دکھلاوے کے لئے ہے۔ اُن کا اصل انگ رنگ کچھ اور ہے…… یہ سمجھ جان کر میں بھی بِلّی چوہے کے کھیل سے لطف اندوز ہونے لگا تھا۔ ایک نادان بُچُو سا بچہ بن کر ہاں میں ہاں ملائیں اور جی میں جان ملائے نچنت ہو کر بیٹھ گیا۔

کچھڑا، حلیم، نہاری، شب دیگ، گوشتابہ، سری پائے، بھیجہ، بوٹنگ، ہریسہ اور شُلہ وغیرہ یہ سب چٹخارے اور بھٹیارے کے کھاجے ہیں…… شب بھر کی تیاری میں پکتے ہیں اور مُنہ نہار ناشتے کی صورت بارغبت تناول کیئے جاتے ہیں۔ پاکستان میں نام نہاد نہاری اور حلیم، سننے دیکھنے اور کھانے کی حد تک دستیاب ہو جاتی ہے جبکہ دیگر پکوان شاذ ہی کہیں یہ پُرانے امرتسریوں کشمیریوں کے کسی گھر میں پکتے ہوں، نئی نسل نے کھانا تو در کنار ان کے کبھی نام بھی نہیں سُنے ہوں گے لیکن دہلی، حیدرآباد، لکھنؤ، ممبئی، بھوپال، [illegible] نگر وغیرہ میں یہ پکوان آج بھی اُسی روایتی انداز میں پکتے کہیں نہ کہیں چکھنے کو مل جاتے ہیں۔

ناشتے کے بعد چائے چسکتے ہوئے میں نے یونہی کہہ ڈالا۔

''[illegible] عشاء [illegible] آپ کی معیت میں [illegible] کروں۔''

وہ چائے کا ایک لمبا سا گھونٹ لے کر مسکراتے ہوئے گویا ہوئے۔

''عشاء کی نماز میں [illegible] اور پڑھتا ہوں، مغرب تک ٹھیک ہے۔''

''جہاں آپ پڑھتے ہیں میں بھی آپ کی اجازت سے وہیں چلا چلوں گا۔''

وہ مجھے سمجھانے کے انداز میں بولے۔

''میاں بھائی! تمہارا وہاں جانا کچھ مناسب نہیں…… ہاں، تم یہ بتاؤ آج تمہاری آنکھیں سُرمے سے کیوں خالی ہیں؟ سُرمہ کے بغیر تو آنکھیں سُر میں ہی نہیں آتیں…… تمہیں جو سُرمہ دیا تھا وہ کوئی معمولی سُرمہ نہیں ہے…… زیارتی سُرمہ ہے مسلسل لگانے سے آنکھوں کے ظاہری پردے ہٹ جاتے ہیں…… آنکھوں کو دیکھنے کا قرینہ آجاتا ہے۔''

''میاں جی! آپ بھی یہی سُرمہ استعمال کرتے ہیں؟''

''ہاں بھئی کبھی یہی سُرمہ میں خود لگاتا تھا اور اب تو یہ سُرمہ مجھے لگاتا ہے۔'' ہلکا سا مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میاں جی! میں کچھ سمجھا نہیں......"

"مطلب یہ کہ اب میری آنکھیں کاجل کوٹھا بن گئی ہیں...... دیا جلے نہ جلے کوٹھا کالا ہی رہتا ہے۔ [illegible] جھاڑو، پونچھو کالک ختم نہیں ہوتی۔"

"کاجل کوٹھا......؟" میں نے زیرِ لب دُہرا کر پھر کہا۔

"میں اب یہ کاجل کوٹھے والی بات بھی نہیں سمجھا میاں جی!"

چور سپاہی کے کھیل کی طرح یہ بلّی چوہے کا کھیل بھی عجیب سی معصومیت یا شاید سنگین سی کمینگی پر مبنی ہوتا [illegible] جب چوہے کو اپنے گھیراؤ میں لے کر ہلکے پھلکے پنجوں اور نرم نرم دانتوں کا مناسب استعمال کر لیتی ہے [illegible] لینے کی خاطر اُسے آزاد پنچھی کی طرح آزاد چھوڑ دیتی ہے...... تو [illegible] باختہ نیم مُردہ چوہا دُم دبائے [illegible] دبکا سا پڑا رہتا ہے۔ بلّی کمینی بظاہر بے دھیانی کا غرض سُست سی پڑ کر اونگھ لینے لگتی ہے...... چوہا [illegible] سو چوہا کھا کر حاجن نمازن ہو گئی ہے بس ذرا اپنی فطرت عادت سے مجبور ہو کر مجھ سے [illegible] بیٹھی اب بڑی توبہ استغفار کرتی ہے...... لہٰذا میں [illegible] اب وہ بیچارا [illegible] ہو کر کھسکنے کی [illegible] خود باہر نکل آتے ہیں۔ بقول استاد [illegible]......

"منزل کے لئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے"

[illegible] جائے پناہ سامنے ہوتی ہے وہ چشم زدن میں وہاں پہنچ کر اس کی دست [illegible] سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ [illegible] جسم میں اینٹھا لے کر جست [illegible] کی تیاری کرتا ہے۔ بلّی "[illegible] باریاں تے تالے کنداں ٹپ کے [illegible] کے" الاپتی ہوئی اس کے بل کے سامنے اسی مراقبے کی صورت بیٹھی ہوتی ہے۔ بس وہ ذرا [illegible] کی خاطر اُسے اپنی اگلی ٹانگوں کے حصار میں لے کر نوکیلے پنجوں سے گدگدی کرتی ہے۔ ہلکی [illegible] کر کے پھر اُسے آزاد کر دیتی ہے۔ بس اسی بار بار دُہرائے گئے ڈرامے کو چوہے بلّی کا کھیل کہتے [illegible] چوہا بے چارہ کئی ایک موتوں کا سواد چکھ کر بلّی کے پیٹ میں آسودہ خاطر ہو جاتا ہے۔

[illegible] ہم دونوں بھی شاید اسی نوعیت کا کوئی کھیل کھیل رہے تھے اور بھیتر سے ہماری کوئی راہ و رسم [illegible] لئے ہم ذرا "زیبِ داستانِ تعلق" کے لئے اِدھر اُدھر کے ٹھوٹے مٹھوٹے کر رہے تھے۔

[illegible] کوٹھے کی بات پہ فرمانے لگے۔

"یہ کاجل کوٹھا سمجھانے سے تمہاری سمجھ نہیں آوے گی...... جب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تب صحیح [illegible] کہ درویشی میں یہ کاجل کوٹھا والا استعارہ کس کیفیت اور کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔"

''میاں جی! آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ کرم کر کے مجھے کاجل کوٹھا بھی دکھا دیجئے۔'' میں نے [illegible] کا ٹھنڈا واجتے ہوئے کہا۔

''بھیا! پہلے اپنے تئیں سوچ کر یہ فیصلہ کر لو کہ اصل میں تم نے دیکھنا کیا ہے؟ خواجگان کی زیارت کرنی ہے بونیرے دیکھنے ہیں یا پھر کاجل کوٹھا ملاحظہ کرنا ہے۔''

''حضرت! بونیرے کا تو میں نے ذکر تک نہیں کیا' آپ نے......؟''

''بھئی مجھ سے نہ سہی' رات گوالے سے تو بونیروں کی بابت بات ہوئی تھی نا......''

''ہاں جی! اُس نے ہی بتایا تھا کہ آپ کو پنکھ پکھیرو' جناور اور بونیرے تک جانتے ہیں [illegible] بونیروں کی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھاتے ہیں لیکن بونیروں کی بات تو میں نے اس گوالے سے کی تھی' آپ اس کا کیونکر علم ہوا؟''

وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''کیا تم نے اُس گوالے کو دیکھا تھا؟''

''اندھیرا اتنا تھا کہ میں اُسے صحیح سے دیکھ ہی نہیں پایا۔''

وہ [illegible] چپ [illegible] ہو [illegible] پھر [illegible] پاؤں میں [illegible] ہوئے گویا ہوئے۔

''یہی ہیں نا تمہارے چپل؟...... رات تمہارے رُخصت ہونے کے بعد میں نے کیچڑ سے نکال انہیں دھویا' سکھایا اور پالش کیے......''

میں ہکا بکا سا اُن کا منہ تکنے لگا۔

اگلا عشرہ اُنہوں نے مجھے خوب رگڑا دیا۔ پو پھوٹتے ہی وہ میرے ہوٹل میں آ براجتے [illegible] شاید اس لئے تھا کہ انہوں نے طہارت اور وضو کا ایک خاص انداز مجھے سکھایا تھا اور پھر سُرمہ ڈالنے کا [illegible] عجیب سا طریقہ...... جو عام طریقے سے قطعی جداگانہ تھا۔ پھر چند روز اُنہوں نے مجھے تہجد کی نماز سے پہلے [illegible] خاص وظیفہ کروایا جس کے دوران میری بینائی اس قدر تیز ہوئی کہ اندھیرے' اُجالے بن گئے [illegible] بلند پرواز پرندوں کے پَر تک دکھائی دینے لگے۔ ایسے ایسے نجوم و فلکیات نظر آنے لگے جو صرف دُوربین [illegible] ہی دیکھے جا سکتے تھے...... ذرّہ و دیوار' خس و خاشاک...... ہوا اور پانی کے جاندار...... پھلوں' ترکاریوں [illegible] دہی میں کلبلاتے کیڑے' جراثیم وغیرہ۔ یوں محسوس ہوتا جیسے میری آنکھوں میں کسی نے دُوربین [illegible] دیئے ہوں...... ایسا ہی تجربہ مجھے اپنے بچپن میں اپنی پہلی اُستاد چاچی کے تصرف سے حاصل ہوا تھا [illegible]

[illegible] مقابل انسان کے جبلّی جانور کو دیکھ لیتی تھی...... اَب میاں جی کے تصرف سے مجھے نظر و نگاہ کی [illegible] نصیب ہوگئی تھی۔

[illegible] دیکھا ہے کہ ہر مخلوق کے ساتھ اس کا ایک مخصوص نظام بھی تخلیق ہوا ہے۔ نظام یعنی سسٹم ہر ایک کا [illegible]...... کہیں ہلکی بھاری مشابہت تو ہو سکتی ہے لیکن ایک سے نہیں ہو سکتے...... اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے [illegible] اقسام کے پھول ہوتے ہیں۔ شکلیں، شباہتیں، رنگ روپ، مہکیں، خوشبوئیں، اوصاف، تاثیریں اور [illegible] وغیرہ ہر اک کے جدا جدا...... اس کارزارِ رنگ و بو میں کئی ایک پھول ہیئر پن کے سرے کے [illegible] بھی ہیں جن پہ کبھی کسی کی نظر نہیں پڑی ہو اور نہ کسی گل فروش کے ہاں پڑے ملیں گے...... کسی گل دان یا [illegible] گجرے میں سجے ہوئے دکھائی نہیں دیں گے...... انہیں محدودے چند سرپھرے، جوگی سنیاسی، پرانے [illegible] یا کوئی پچھلی نسلوں کے گل شناس ہی جانتے سمجھتے ہوں گے...... ان کے مقابلے میں اتنے بڑے [illegible] پھول بھی کہ انسان ان کی قدامت و جسامت دیکھ کر ششدر رہ جائے۔ یہ سب اسی صانع لم یزل کی [illegible] ہیں جو خوب رنگ و روپ اور خوشبوئیں، مہکاریں پیدا فرمانے والا ہے پھر ہر اک کی تاثیر و توصیف [illegible] قوت الگ، شناخت [illegible] نظام بھی جدا [illegible] ہاتھی اور [illegible] جانور ہیں اسی کرہ ارض کے باسی ہیں ایک ہی زمین پہ چلتے پھرتے ہیں لیکن اپنے اپنے الگ [illegible] کے تحت [illegible] ان کی عمریں، ضرورتیں، زندگی بسر کرنے کی قدریں، فکریں، اعمال و افکار اور ہئیت و بود کے [illegible] قطعی ایک دوسرے سے مختلف......"

ہالی ووڈ کے شہرہ آفاق فلم سٹوڈیوز میں میں متعدد بار گیا ہوں بلکہ کئی ایک مشہور فلموں کی شوٹنگ بھی دیکھنے کا موقع ملا...... معلوم ہوا کہ فلم بنانے کی ہنرمندی، بصیرت، پختگی اور جو جدید سہولتیں ان کے پاس [illegible] کسی دوسری فلم انڈسٹری کے ہاں موجود نہیں۔

والٹ ڈزنی کے اسٹوڈیو میں ایک انتہائی چھوٹے بونے کے متعلق ایک اچھوتی سی فلم کی شوٹنگ کا [illegible]۔ یہ سنسنی خیز اور موضوع کے اعتبار سے ایک انوکھی فلم تھی جس میں دکھایا کہ اتفاق سے ایک شریر سے [illegible] اپنے جیسے ایک نٹ کھٹ سے بونے سے ہو جاتی ہے۔ یہ لڑکا اسے اکثر اوقات اپنی جیب میں [illegible] ہے۔ بونا چونکہ بہت ہی پست قامت اور قلیل سا ہوتا اس لیے وہ آسانی سے اس کے جسم کے مختلف [illegible] میں چھپ جاتا اور اپنی حرکتوں سے لڑکے کو دق کیا کرتا...... رات کو وہ لڑکا اسے کسی پلیٹ، جوتوں کے [illegible] بکس میں ٹشو پیپر یا رومال کے بستر پہ لٹا کر خود سو جاتا۔ یہ بونا چونکہ چتوری طبیعت کا تھا اس لیے

رات کو اکثر کچھ کھانے پینے کی نیت سے باہر نکل آتا۔ اب فریج کھولنا چونکہ اس کی ہمت طاقت سے [illegible] لئے یہ کسی نہ کسی طرح کھانے کی میز پر چڑھ لیتا۔ وہ پڑے دھرتے بسکٹ، پھل، پنیر، ڈبل روٹی کے ٹکڑے [illegible] چُن کر اپنی ضرورت عادت پوری کر لیتا۔ اسی قسم کی حرکتوں میں کہیں تو اپنی ٹانگ چائے دانی کی [illegible] پھنسا بیٹھتا ہے اور کہیں وہ ٹوسٹر میں اُلجھ جاتا ہے اور کہیں وہ کتابوں سے پھسلتا ہوا کسی ردّی کی ٹوکری میں [illegible] ہے......بس اسی قسم کی معصوم حرکتوں، شرارتوں پہ مبنی یہ فلم چھوٹوں بڑوں میں بے حد مقبول ہوئی [illegible] فلم کی سب سے بڑی خوبی وہ فطری ماحول تھا جو اس بڑی ہنرمندی اور جدید ٹیکنیکی جادوگری سے پیدا کیا گیا [illegible] یعنی بیک وقت دو سسٹم دکھائے گئے۔ ایک عام قد و کاٹھ کے انسانوں کا اور دوسرا مخصوص بونوں کا [illegible] ایک سگریٹ کے سائز کا تھا جو ایک چھوٹے بچے کے جوتے میں آرام سے سو سکتا ہے۔ سامنے کی جیب [illegible] نکال کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ تختے کے پاس کھڑا جب وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ بچہ دوست اُسے آسمان سے [illegible] نکلتا ہوا دیو دکھائی دیتا ہے۔ یہی بونا ایک چیونٹی اور رینگنے والے کسی کیڑے پتنگے کے لئے بھی دیو ہے [illegible] کیڑا کسی نہ دکھائی دینے والے جراثیم کے لئے بھی یہی حیثیت رکھتے ہیں۔

جنہیں جن، دیو نما چیز اور دھاگا سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک ہماری قدامت بھی کسی کیڑے [illegible] مانند ہی ہوگی [illegible] پیش کیا گیا [illegible] چشم تماشائی [illegible] بھول جاتی ہے......وہ سیونگ مشین کے سٹینڈ پہ چڑھنا چاہتا ہے، یہ فرش پہ پڑے [illegible] ریشوں میں کمر تک [illegible] کھڑا کوئی ترکیب لڑا رہا ہوتا ہے کہ کس طرح وہ اوپر مشین تک پہنچے جو اس [illegible] ایک فلک بوس آہنی ڈھانچے کی [illegible] مانند کھڑی ہوتی ہے......دیکھتا ہے کہ ایک جانب ایک موٹا [illegible] رسّہ لٹک رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک بازی گری کی طرح اس سے لپٹ کر اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے۔ [illegible] براؤن رنگ کا دھاگا ہوتا ہے۔ یہ اُوپر چڑھتا جاتا ہے، دھاگے کی پھرکی اس کے وزن سے کھلتی جاتی [illegible] ہنوز درمیان میں لٹکا رہتا ہے۔ آخر تمام دھاگا ختم ہو جاتا ہے اور یہ دھڑام سے نیچے گر کر بیہوش ہو جاتا [illegible] جب لڑکا بیدار ہوتا ہے تو یہ بونا بوٹ کے ڈبے میں اپنے بستر پہ موجود نہیں ہوتا۔ تلاش کے بعد یہ [illegible] اُلجھے ڈھیر میں پھنسا بیہوش پایا جاتا ہے۔ اسی نوع کے بہت سے مناظر جو انسان اور بونے کے [illegible] نظاموں کو اک عجیب دلچسپ انداز میں ایک دوسرے میں مدغم دکھاتے ہیں ناظرین کے لئے بے [illegible] خبرگی کا مظہر ثابت ہوئے۔

بات والٹ ڈزنی کے سٹوڈیو میں شوٹنگ کی شروع کی تھی۔ وہاں اک عجیب نوع کی [illegible] تھی......ایک بہت بڑے میز پہ ایک متوسط درجہ کے گھر کا ماڈل سیٹ لگا ہوا تھا۔ ویسا ہی جیسے گے پہ [illegible]

بچوں بچیوں کے ''گھر گھر'' کھیلنے کے لئے کھلونا گھر ہوتے ہیں۔ جس میں پلاسٹک کے میز کرسیاں، وغیرہ ہوتے ہیں۔ بالکل یونہی یہ سیٹ بھی تھا...... لیکن سیٹ کیا تھا، انسانی ہاتھوں کی ہنرمندی کا نمونہ...... ایک ایک ادنیٰ اعلیٰ چیز بمطابق اصل کے تھی۔ یوں لگتا تھا کہ کسی جادو کی چھڑی سے گھر اور گھر اصل سے کئی ہزار گناہ چھوٹا کر دیا گیا ہے۔ اس گھر میں شوٹنگ ہو رہی تھی...... یہ کسی زمین دوز گھر تھا۔ جہاں بونا اپنے انسان دوست کو لے کر جاتا ہے۔ اس ماڈل سیٹ پہ جو مووی کیمرہ استعمال ہو رہا عجیب وغریب کیمرہ تھا۔ کسی بچے کی چھوٹی سی پلاسٹک کی کھلونا کار کی مانند روبوٹ کیمرہ...... جس کے سیٹ کی جگہ ننھا سا لینز تھا جو ماڈل گھر کی چھوٹی چھوٹی راہداریوں، آنگن، باورچی خانے، بیت الخلاء کمروں اور سیڑھیوں پہ ریموٹ کنٹرول سے مطلوبہ مناظر کی عکسبندی کر رہا تھا یعنی بونوں کے ماحول، جو کم قامتی اور کوتاہ روی سے تعبیر ہوتا ہے کو ان کے حقیقی انداز میں پیش کر رہا تھا۔ اسی طرح میں نے پہ وہ سیٹ بھی دیکھا جس پہ ہر چیز اپنے حقیقی قد وقامت سے کئی سو گنا بڑی بنائی گئی تھی۔ بیٹھنے والی بنی تھی...... چائے کی پیالی ایک کمرے جتنی [illegible] کر کے بڑا دروازے دیوار [illegible] کا مرحلہ پایا جاتا [illegible] سے بڑھائی کے لحاظ سے اس [illegible] کو بونا ظاہر کرتے تھے۔

مقصد اس ابتدائی تمہید کا یہ تھا کہ جبکہ ایک سسٹم دوسرے سسٹم سے ٹکراتا ہے تو دونوں غیر موثر اور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ [illegible] تمام عالمین کے الگ الگ مخصوص ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک سسٹم سے قطع تعلق کیئے بغیر دوسرے سسٹم میں داخل ہوا جائے۔ عالم اسباب، اور عالم انفس و آفاق سے دامن پاک کر کے ہی عالم ملکوت سے ربط ممکن ہے اور عالم لاہوت تو بعید کی بات ہے۔ کسی بھی آپریشن سے پہلے مریض کو مکمل کنٹرول میں لایا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس بول و براز، آرام سکون، موڈ مزاج پہ نظر رکھی جاتی ہے۔ معدے، مثانے کو صاف کیا جاتا ہے۔ جسمانی صفائی کی جاتی۔ آپریشن والی جگہ کے بال مونڈھے جاتے ہیں۔ طاقت بحال رکھنے کے ٹیکے، اور فالتو خون کی بوتلوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تسلیم میاں بھی مجھے کسی گردش سے گزار رہے تھے۔

تھری ڈی فلم بغیر خصوصی عینک کے نہیں دیکھی جا سکتی...... نہ منظر صاف اور صحیح دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی پیدا ہوتا ہے جو اس مخصوص فلم کا خاصا ہے۔ دور دراز دیکھنے کے لئے دوربین اور قریب و خورد دیکھنے کے

لئے خوردبین کا ہونا ضروری ہے...... اور جب بات روحیت‘ رُوحانیت...... پیرانارمل سائنسز اور پُر [illegible] کی ہو تو پھر اہتمامِ دروںِ دل و دماغ چنداں سوا ہونا چاہئے۔

نوچندی جمعرات تھی...... صبح قطبی سے جب وہ میرے کمرے میں تشریف لائے تو اُن کے [illegible] گاڑھے سُوت کا ایک سیاہ رنگت کپڑے کا جوڑا تھا...... مجھے تھماتے ہوئے بولے۔

’’آج مغرب کے بعد غسل لے کر انہیں پہن لینا...... سُرمہ اور عُود بھی تازہ کر لینا۔ طریقہ وہی [illegible] جو مَیں نے بتایا ہوا ہے اور ہاں روپے اٹھنی کی کالے تلوں والی گزک یا اَمرتیاں بھی بندھوا لینا [illegible] کی نکڑ پہ چھیندے حلوائی کے ہاں مل جاویں گی۔ آج عشاء اکٹھے پڑھیں گے۔ یہ کہہ کر یہ جا وہ جا [illegible] بگولے پہ چلے گئے...... ایسا لگتا تھا جیسے وہ کھڑے کھڑے [illegible] آئے تھے۔

فجر کی نماز پہ مسجد میں نظر نہ آئے۔ دوکان بند‘ درگاہ سے غیر حاضر! ابھی تو آج یہ کدھر لد گئے [illegible] محسوس تک نہیں ہوئے...... تنگ آکر مَیں بھی اُوبا دُوبا سا بستی نظام الدینؒ نکل آیا یہاں سے [illegible] لال قلعہ پہنچ گیا...... یہاں لاہوری دروازے کے اندر [illegible] میرا ایک دیرینہ واقف [illegible] نوادرات کا [illegible] پرانے پتھر انگوٹھیاں وغیرہ۔ مجھے نہیں یاد کہ میں اس کے پاس سے کبھی خالی ہاتھ لوٹا۔ وہ ہمیشہ [illegible] ہاتھ بیچ ہی ڈالتا تھا۔ اچھے خاصے دام بٹورنے کے بعد بھی وہ یہی کہتا ’’گورو! بھری طرف سے [illegible] سمجھو...... خلاف معمول وہ اپنے [illegible] موجود نہ تھا اس کے حوالی موالی لعل بھنڈاری سے معلوم ہوا کہ [illegible] کے اندر موتی مسجد کے پاس کسی سے ملنے گئے ہیں...... اس نے مجھے بڑا جنے اور جل پان کی دعوت [illegible] دھتا دکھتے ہوئے اندر چلا آیا۔ لال قلعہ میں مغلوں کی موتی مسجد کی حالت بھی قریب قریب وہی ہے [illegible] ہاں اُن کے استھانوں اور مندروں کی ہے...... موتی مسجد اگر لال قلعہ کا ایک معتبر حصہ ’’آثار‘‘ اور [illegible] سے اس کا تعلق نہ ہوتا اور زرمبادلہ پیدا کرنے کا ایک واضح ذریعہ نہ ہوتی تو شاید وہ اس وقت صفحۂ ہستی [illegible] ہو چکی ہوتی...... نماز واز یا اذان وغیرہ کا سلسلہ تو نصف صدی سے بند ہے اب صرف دکھاوے [illegible] ہاں کبھی کوئی سیر سیاحت کرنے والا مسلمان اِدھر آ نکلے اور نماز کا وقت بھی نکلا جا رہا ہو تو وہ [illegible] تجدیدِ حیا اور وفا کے لئے دو چار ٹکریں مار لے تو کچھ بعید از قیاس نہیں......!

مَیں ٹہلتا ٹہلتا ٹونگے بونگے لیتا ہوا اِدھر آ نکلا تھا...... سیر سپاٹا مقصد نہیں بلکہ محض مغرب [illegible] گزاری کا بہانا...... اور یا پھر تسلیم میاں کے اس بے طرح غائب ہونے کا ردِ عمل‘ جو مجھے یہاں سے [illegible]

[illegible] کے باہر گھاس کے قطعے کے کنارے ایک پرانے چھتنار پیڑ کی چھاؤں میں ڈھے سا گیا تھا۔ پہاڑ، قلعہ [illegible] سا بھی ہو اپنے پاس آنے والوں کی پنڈلیوں میں سیسہ سا بھر دیتے ہیں۔ ان کی اُونچائی گٹے گوڈوں [illegible] کھنچائی کر دیتی ہے۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا تھا، گہری تھکاوٹ اور گھنا سایہ، دونوں مل کر جاندار [illegible] کے غنود میں ڈال دیتے ہیں، بے سُرتی اپنی اَوج پہ ہوتی ہے اور نیند اپنی مَوج میں...... مَیں کہنی [illegible] دیں ٹکی ہو رہا تھا۔ جب کسی نے میرے کندھے کو خوب جھنجھوڑ کر ہلایا تو مَیں یوں بدک کر اُٹھ بیٹھا [illegible] خواستہ مجھے بجلی کے ننگے تار چُھوا دیئے ہوں۔ لالہ کندن لعل مجھ پہ جھکا، دانت نکالے ہوئے کھڑا [illegible] سے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"[illegible] سے پتہ چلا آپ اِدھر آئے ہوئے اور میرا پُوچھ رہے تھے۔ مَیں اِدھر آپ کو کھوجنے چلا آیا [illegible] آپ اِدھر آرام کر رہے ہیں۔" وہ معذرت چاہتے ہوئے کہنے لگا۔

"[illegible] آپ کو ہرگز نہ جگاتا اگر یہ استھان آپ کے آرام کے لائق ہوتا۔ اِدھر دیکھیں اس درخت [illegible] بورڈ بھی لگا ہوا ہے۔"

[illegible] نخواستہ اُٹھا اور بورڈ پڑھنے لگا۔ ہندی اور انگریزی دونوں بھاشاؤں میں لکھا تھا۔

[illegible]

[illegible] اُوبتے ہوئے تلخی سے لالہ کو کہا۔

"[illegible] کسی سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بیٹھنا یا لیٹنا تو بڑا اُپن پنے کا کاج ہوتا ہے لالہ جی! درخت تو [illegible] لئے ہیں کہ جاندار ان کے پھل پھول، لکڑی سائے اور ہوا سب سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ آپ [illegible] نے کیا لکھ دیا کوئی اِدھر بیٹھے لیٹے ہی نہیں...... تو اُکھاڑ پھینکیے اس بے کار درخت کو یہاں سے۔"

وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"آیئے مَیں آپ کو نیمبو پانی پلواتا ہوں اور اس درخت کی حقیقت بھی کہ اس درخت کے نیچے بیٹھنے یا [illegible] منع کیوں ہے۔"

ہم دونوں وہاں سے ٹل کر سامنے سُرخ پتھروں والے چبوترے پہ آ بیٹھے۔ لالہ کندن لعل بتا رہا تھا۔

"مہاراج! مشہور ہے کہ اس درخت کے نیچے بونوں کی بستی ہے اور یہیں کہیں بونوں کے آنے [illegible] کرامت بھی ہے...... آتے جاتے تو کسی نے دیکھا تو نہیں...... لیکن مشہور یہی ہے۔ اس لئے ادھر اس [illegible] کے آس پاس کوئی نہیں بیٹھتا۔"

میرے ادراک میں تھا کہ لال قلعہ دہلی چونکہ کئی منزلوں کی بلندی پہ تعمیر ہوا جو پھیلاؤ اور گھماؤ میں کسی

چھوٹے شہر سے کسی طور بھی کم نہ تھا اس کے نیچے بھی اک جہاں آباد۔ خفیہ تہہ در تہہ خانے' منزلیں' [illegible] خانے...... ایسی زیرِ زمین دنیاؤں کے اپنے علیحدہ نظام ہوتے ہیں۔ جس کے تحت ہوا' پانی' روشنی [illegible] ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے ذرائع ایسے قدرتی اور حکمتی ہوتے ہیں کہ عقل و سائنس ششدر رہ جائے۔ ایک عام انسان کے لئے انہیں کماحقہٗ جاننا سمجھنا بہت ہی اَدق ہے...... زیرِ زمین ہی کیا موقوف' زیرِ سمندر [illegible] وبیش یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہوا' روشنی اور بقائے حیات کے سارے سامان موجود ہوتے ہیں۔ پانیوں کی [illegible] گہرائیوں میں اللہ کی مخلوق موجود ہوتی ہے۔ ان کے اپنے چاند سورج ستارے' کہکشائیں' رواج' رسمیں' [illegible] خاندان' رنجشیں' محبتیں' روائتیں' قدریں اور رویے...... اللہ جو اَن گنت عالموں جہانوں کا ربّ ہے ہر عالم [illegible] جہت' دنیاؤں' رُخوں' بلندیوں' پستیوں' ندرتوں' موسموں کا مالک خالق اور رازق......!

بات ہوتی رہی تھی لال قلعے کے زیریں مخلوق اور مخفی دنیاؤں کی جو عالمِ انسان کی نظر سے [illegible] ہیں...... اُوپر کی دنیا اور چند نفوس سے اگر ان کے کوئی رابطے ہیں بھی تو ان کے بارے میں کوئی کچھ [illegible] سے نہیں کہہ سکتا۔ برصغیر ہندو پاک کے قریب قریب تمام قدیمی قلعے...... لال قلعہ دہلی' شاہی قلعہ [illegible] قلعہ عنبر' جے پور' قلعہ رہتاس' تارا گڑھ اجمیر' دین گڑھ [illegible] گوڑھ بھانگڑ' قلعہ آگرہ' قلعہ [illegible] قلعہ منگلا' قلعہ [illegible] قلعہ بالہ و غیرہ اور وہ تمام سرائیں' کنوئیں' باؤلیاں' مینار' مساجد و مزارات و مکاتب جنہیں [illegible] دیگر غیر مسلم حکمرانوں نے بنوایا ان کے نیچے اکثر بصد اہتمام تہہ خانے' بغلی کوٹھڑیاں' نوبت خانے' سرد خانے' ہوا خانے' اسلحہ خانے' تجوری خانے' خفیہ راستے اور سرنگیں وغیرہ کسی نہ کسی وضع قطع میں [illegible] جاتے تھے یہ اس دور کے حالات' ریاست و سیاست کے تقاضے تھے اور یا پھر ان مطلق العنان [illegible] مذاقِ تعمیر ہی ایسا تھا۔ میں نے اچھی خاصی تحقیق و تصدیق کے بعد یہ جانا کہ خاص طور پہ مغل بادشاہوں نے تعمیرات میں تین طرح کے انداز اپنائے۔ عسکری ضرورت کے لئے جو قلعے' بُرج' مینار' خندقیں تعمیر [illegible] میں محلِ وقوع کے ساتھ سُورج کے رُخ' دریا کے کنارے' زمین کی پختگی و تاثیر' ہواؤں کے [illegible] آبادی سے مناسب دُوری کا بھی خیال رکھا جاتا۔ خاص طور پہ قلعہ اور ہیکل برج کے لئے کسی اونچی [illegible] کسی چھوٹے پہاڑ کا انتخاب کیا جاتا...... سمندری جہاز کی طرح قلعہ جتنا نظر آتا ہے اس سے کئی [illegible] زیرِ زمین ہوتا ہے۔ جس میں اس کے تمام وسائل...... اسلحہ' اناج خوراک' مال خزانے' پانی ایندھن [illegible] ہوتے ہیں۔ حدودِ اربعہ کے لحاظ تازہ ہوا اور سُورج کی روشنی کے انعکاس کا قدرتی انتظام ہوتا ہے۔ ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ کشادہ راہداریاں' وسیع سڑکیں' فراخ دالان و گودام' لمبی چوڑی غلام گردشیں [illegible]

پیوست سُرنگیں...... مغلوں کے قلعوں میں خاص طور پہ خفیہ سُرنگوں' راستوں کے سلسلے بنائے جاتے' تا کہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت قلعہ سے نکلا جا سکے۔ یہ سُرنگوں کے وسیع سلسلے بہت دُور دراز تک پھیلے ہوتے ــــ ایک شہر سے دوسرے شہر تک' اکثر سُرنگیں دریا کے محفوظ کناروں' پہاڑوں' ٹیلوں کوؤں اور باؤلیوں تک بھی دیکھیں...... قلعوں سے کئی ایک خفیہ راستے کسی مسجد یا مزار تک بھی ہوتے۔ کچھ پائیں باغ کی کسی کُنج میں جا نکلتے' کسی معتمد یا مرکزی کوتوالی تک بھی خفیہ راستے ہوتے...... کئی ایک سُرنگیں ایسی بھی ملاحظے میں آئیں جن کی چوڑائی اُونچائی کا اندازہ اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ ان میں بیل گاڑیاں اور رتھیں چلا کرتی تھیں۔ گھڑسوار اپنی منزلیں مارا کرتے تھے۔ قدرتی اور مصنوعی روشنی' اور تازہ ہوا کا ایسا انتظام کہ محسوس تک نہ ہو پاتا کہ سفر کرنے والا جنگلوں دریاؤں اور آبادیوں کے نیچے کتنی گہری کھدی ہوئی سُرنگ میں اپنی منزل کی جانب رَواں دَواں ہے۔ طویل یعنی بعید ابعاد سُرنگوں پہ کہیں کہیں پوشیدہ محفوظ مقامات پہ دُود کش' ہوادان' روشن دان بنے ہوتے جو بظاہر کوئی مینار' ٹیلہ یا بُرج دکھائی دیتے۔ ان کے قریب نگہداری پہ عملہ متعین ہوتا۔ ظاہر ہے کہ زمین کے اُوپر کا سسٹم الگ اور اندر کا الگ ہوتا...... جیسے جسم کے باہر اور کھال کے نیچے کوئی اور سسٹم کام کرتا ہے۔

زمین [illegible] ہے۔ ان حشرات الارض میں ہزاروں اقسام کے کیڑے مکوڑے' سانپ' بچھو' نیولے' بجو' گوہ اور کرلے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ ان راستوں پہ سفر کرنے والوں کا ان سے واسطہ بھی رہتا لہٰذا انہیں ذرا محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اکثر و بیشتر ہراول دستہ آگے آگے ہوتا جن کے پاس انہیں قلع قمع کرنے کا بندوبست ہوتا۔ اس کے باوجود حشرات الارض کی مسلسل آزار بنے رہتے...... ان حشرات الارض کے درمیان اک مخلوق ایسی بھی ہے جسے ہم بونے' [illegible] کہتے ہیں۔ بعض بے علم انہیں چھلاوے' بڈاوے یا بالشتیے بھی کہہ لیتے ہیں جبکہ یہ درست نہیں۔ چھلاوے' بڈاوں وغیرہ کا تعلق از قسم بھوت پریت وغیرہ سے ہے جبکہ بونے' ہلکی بھاری مشابہت اور قدامت کے فرق کے ساتھ انسان کی ہی طرح ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کے فطری مزاج و خمیر کا تعلق تہہ زمین سے ہوتا ہے اس لیے ان کا زمین کے اُوپر تعلق واسطہ اتنا ہی ہے جتنا اک انسان کا زیر زمین' زیر سمندر یا آفاق و اُفق سے ہوتا ہے۔ انسان کیسا بھی ہواؤں فضاؤں میں اُڑے یا سمندر' زمین کی گہرائیوں میں اُترے اسے چین' سکون' اطمینان اسی وقت میسر آتا ہے جب وہ زمین کے اُوپر اپنے فطری ماحول میں آزادی سے سانس لیتا ہے۔ بونوں کا فطری ماحول حشرات الارض کی طرح باطن الارض ہے لیکن ہم انہیں حشرات الارض نہیں کہہ سکتے یہ تو مخلوقات الارض ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کی بچی کھچی، کچی پکی آسودہ نا آسودہ گِل سے ننھے منے بونے بنا کر ارض کی دراڑوں، پہاڑوں کی کھوؤں غاروں میں اُتار دیے گئے تاکہ وہ باقیماندہ مٹی جس کا تعلق سیدنا آدم علیہ السلام کے پتلے سے تھا وہ ضائع نہ ہو پائے یا پھر شیطان رجیم کے ہتھے نہ چڑھ جائے اور یہ بھی روایت ہے کہ کُتا بھی اسی مٹی سے پیدا کیا گیا جو پتلے کی ناف سے کھینچ اُتار کر پھینکی گئی تھی کہ شیطان نے جوشِ رقابت وخباثت میں پتلے کے پیٹ پہ تھوک دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قلعوں، حویلیوں، سُرنگوں...... زمین دوز پناہ گاہوں، صدیوں پرانے چھتنار درختوں کے کھوکھلے تنوں اور تنوں میں پاتال تک اُتری ہوئی جڑوں، گہرائیوں میں اُتری ہوئی باؤلیوں اور اندھے سوکھے کنوؤں میں ان کے بسیرے ہوتے ہیں اور یہی اُوپر زمین تک رسائی کے ذرائع بھی...... خلا نوردوں اور غوطہ خوروں کی طرح یہ کبھی کبھی زمین نوردی کی خاطر یا کسی اور وجہ سے زمین کے اُوپر پہنچ کر کسی کی نظر میں آ جاتے ہیں اور پھر فوراً غائب بھی۔

یہ فطرتی طور پر انسانوں سے خائف رہتے ہیں۔ شاذ ہی کسی خاص وجہ سے کسی انسان سے واسطہ رکھیں ورنہ یہ لاتعلق ہی رہنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان میں ہر طبع قبیلے کے ہوتے ہیں۔ بھلے بُرے [illegible] وغیرہ۔ ان میں مسلمان اور کافر [illegible] بھی ہوتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی بھی اور دُنیا میں ہر اس جگہ موجود ہو سکتے ہیں جہاں زمین پہاڑ صحرا جنگل اور سمندر ہوتے ہیں...... کوہ ارارط میں ان کی بستیاں موجود ہیں۔ جبلِ خلیل کے آس پاس ان کے قبیلے ہیں۔ دیوارِ چین کے ایک خاصے ویران حصے کی بنیادیں ان کی آماجگاہ ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں میں بھی ان کے بسیرے ہیں۔ مُردار کے ایک چھوٹے سے مُردہ جزیرے میں ان کی قومیں آباد ہیں۔ اسی طرح جزیرہ انڈیمان میں بھی ایک قسم پائی گئی۔ امریکہ کے خشک صحرا، قطب شمالی کے برف زار یا سندربن، ایتھنز کے کھنڈرات یا نیشاپور کے باغات...... یہ ہر اس جگہ پائے گئے جہاں انسان کے قدم کی دھمک ہوئی۔

اہرامِ مصر کی دریافتوں اور کھدائیوں میں بھی یہ دکھائی دیے مگر عجیب بات ہے کہ آج تک [illegible] کسی سطح پہ کسی بونیرے کے وجود کو زندہ، مُردہ ڈھانچے کی صورت یا ان کی کسی حقیقی تصویر کو پیش نہیں کیا جا [illegible] یہ قدرت کا ان سے کوئی وعدہ ہے یا محض اتفاق! میں نے ان کے قبرستان اور مساجد بھی دیکھی ہیں۔ [illegible] اذان، قرأت، حمد و نعت حتیٰ کہ گیت گاون وغیرہ بھی سُنے ہیں۔ تین چار مخصوص لوگوں کے علاوہ میری یہ حسرت ہی رہی میں کہیں ایسے لوگوں کو کھوج پاؤں جو بونیروں سے ملے ہوں یا اُن کے بارے میں مزید کچھ معلومات رکھتے ہوں۔

تیری آنکھوں کے سوا دُنیا میں رکھا کیا ہے۔۔۔۔۔!

بات بونوں کی تھی پھر آ گے دہلی میں مہرولی کے صوفی تسلیم میاں کا ذکر شروع ہوا۔ جو ایک صاحب کشف نابینا بزرگ تھے۔ جن کی زندہ خوبصورت آنکھوں سے مجھے کچھ اور آنکھیں بھی یاد آ گئیں۔ مجھے حیران کن بات یہ کہ ان دونوں آنکھوں کا اِک باہمی رُوحانی ربط بھی تھا جو بہت آگے جا کر سمجھ میں آیا۔

سُرمگیں آنکھیں یعنی سُرمہ سے آلودہ آنکھیں، لیکن کچھ آنکھیں سُرمہ کاجل کے بغیر بھی قدرتی طور پہ [illegible] فروز ہوتی ہیں۔ غزالوں، گدھوں، بچھڑوں، شتر مرغوں، زیبروں اور بعض انسانی بچوں کی آنکھوں میں قدرتی سُرمہ چھپا ہوتا ہے جو بڑا اچھا لگتا ہے ان کی فطری معصومیت مزید اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ میری کسی کتاب کے ایک مضمون میں آنکھوں اور اُن کی اقسام کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں زلفیں اور آنکھیں دو ایسے موضوع ہیں جن پہ بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود بھی ابھی کافی کچھ کہا لکھا جا سکتا ہے۔ یہ آنکھیں اور زُلفیں، سیاہ رنگت کے علاوہ کچھ اور رنگوں کی بھی ہوتی ہیں مگر جو [illegible] اور کافرانہ رنگ ان [illegible] ہے وہ کسی اور رنگ میں [illegible] نہیں دیکھا۔ انسان کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کا [illegible] اور واضح اظہار ان ہی آنکھوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ آنکھیں، خاموشیوں کی ایسی زبان، بہت کچھ کہہ دینے پہ قادر ہوتی ہے۔ دل، دماغ، احساسات، جذبات اور خرد و خیال کے سارے سوتے سلسلے [illegible] سے رواں دواں ہوتے ہیں [illegible] عشق، محبت، نفرت، عداوت اور شقاوت کا یہیں سے ہی شروع اور [illegible] ہوتا ہے۔۔۔۔۔ آنکھیں، چہرے کے آئینے کا ضمیر اور اس کی رُوح ہوتی ہیں۔ دیکھیں تو یہ ایسی پُر اثر پُر رمز گفتگو کرتی ہیں جو نُطق کے مقدر و بس کی بات نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ مصوری ہو یا صنم تراشی، داستان گوئی یا شاعری، [illegible] نغمگی یا سنگیت کا سنگ، آنکھوں کی نمائندگی معتبر ٹھہرتی ہے۔ زبان لاکھ گنگ ہو مگر آنکھیں بولتی ہوئی ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ اردو فارسی شاعری مصوری آنکھوں کی جادوگری سے بھری پڑی ہے۔

میں نے اسی دُنیائے ""چشم و چراغ"" میں بڑی بڑی حسین دلنشین آنکھیں دیکھی ہیں۔ ایسی ایسی آنکھیں سحر انگیز آنکھیں کہ مقابل منتر ڈھونڈتا رہ جائے اور ایسی بھی وحشی، خواب آگیں آنکھیں کہ انسان غنود [illegible] مرغزاروں میں بھٹکتا رہ جائے۔ کٹیلی، زہریلی اور نشیلی آنکھیں، پیمانہ آنکھیں، مے خانہ آنکھیں، داستان آنکھیں، [illegible] آنکھیں۔۔۔۔۔ مکان آنکھیں، زمان آنکھیں اور حدیث آنکھیں، قرآن آنکھیں، لیکن ان سب میں سے مجھے [illegible] کرتی ہوئی آنکھیں اچھی لگیں۔۔۔۔۔ مزہ برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو۔۔۔۔۔!

جدّہ کی ایک ملٹی سٹوری سپر مارکیٹ میں محض ونڈو شاپنگ کی غرض سے وقت گذاری کر رہا تھا۔۔۔ منزل کبھی اُس منزل' برقی زینوں' خوبصورت جدید کیپسول لفٹوں سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ دُنیا بھر کے پُرتعیش سامان سے بھرپور ماڈرن یورپین انداز کی یہ مارکیٹ' متموّل شیوخ' اُمراء اور غیر ملکیوں کے لئے تھی جو اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے سلسلہ میں جدّہ میں مقیم تھے۔ گیہوں میں شامل گھن کی طرح' مجھ ایسے اور فُقرے قسم کے لوگ بھی ایسی شاندار اعلیٰ جگہوں پہ محض دل پشوری کرنے کی خاطر چلے جاتے ہیں۔ [illegible] ہے اِن کا مقصد وہاں خریداری کرنا نہیں ہوتا' اپنی محرومیوں اور بے بسریوں کی جھوٹی تسکین ہوتا ہے۔ اپنی کلائی پہ پٹھان سے خریدی ہوئی پچیس روپے کی گھڑی باندھے ہوئے جب کوئی میرے جیسا غریب غُربا' چم چماتے شوکیس میں رولیکس کی ہیروں سے مزیّن' سفید سونے کی گھڑی سے اپنی آنکھیں روشن کرتا ہے تو اُسے تسکین ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے چند لمحے وہ اِن لاکھوں ریالوں کی بیش قیمت گھڑی کو اپنی کلائی پہ [illegible] ہوا محسوس بھی کرتا ہے تو اس وقت وہ خود کو سعودیہ کے بادشاہ کے برابر خیال کرتا ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کوئی بندہ رہتا ہے اور نہ کوئی بندہ نواز......!

میں بھی اسی طرح کی خیالی عیاشیاں' فضول خرچیاں اور خریداریاں کرتا ہوا دکان در دکان [illegible]

''دولت' اُن [illegible] تھی۔ یہاں [illegible] دُنیا ہی الگ [illegible] باقاعدہ دوکان یا شورُوم تو کوئی نہیں تھا لیکن سٹوڈیو نما ورکشاپیں جا بجا تھیں۔ یہاں مختلف ہُنر مند بیٹھے اپنے اپنے کاموں میں جُتے ہوئے تھے۔ عروسی پارچات' عورتوں کے [illegible] ملبوسات' [illegible] طلائی' تکائی' طِلّہ دوزی' منقّش مزیّن کاری وغیرہ۔ ساتھ ہی دوسری جانب مردانہ عبائیں یا [illegible] کے رُومال' مختلف خراش وتراش کی عبائیں' قبائیں' زیر پاجامے' ٹوپیاں...... کہیں صحرائی انداز کا فرنیچر [illegible] کرسیاں' سٹول' دریاں' غالیچے' جائے نماز' تسبیحاں اور کہیں کھجور کی مصنوعات تیار ہو رہی ہیں' کہیں [illegible] مٹھائیاں بن رہی ہیں۔ اونٹ کی پوستین کی مصنوعات' عورتوں کے پرس' جوتے' تسمے تیار ہو رہے ہیں۔ [illegible] بڑی ورکشاپ عربی بدوی خواکہات طعام وتمیز کی بھی تھی۔ ثرید اور عربی پلاؤ' عربی انداز کی تخی...... مخروطی تندور' جن میں سوندھی سوندھی مہک والے خستہ خستہ نان تافتان پک رہے ہیں۔ قیمے بھرے پراٹھے' شوارمے' پنیر اور بینگن کے سالن' سبزیوں ترکاریوں کے شوربے...... اچار چٹنیاں' اونٹنیوں کا [illegible] دُودھ دہی وغیرہ۔ غرضیکہ اِک جہانِ دید وشام اور اِک خوانِ طعام بالالتزام کُھلا پڑا ہے...... تیار ہوتے [illegible] اپنے سامنے دیکھئے بھی اور خرید کر وہیں بیٹھ کر کھائیے بھی۔ اِک طرف ایک چگی داڑھی' لمبی سی عبا اور [illegible] والی ٹوپی پہنے ایک شخص خطاطی میں مگن ہے۔ خاصے لوگ ارد گرد کھڑے اس کے فن پہ عش عش کر رہے ہیں۔

مختلف سائز کراکری کی طشتریوں پہ عربی انگریزی جلی حروف میں خطاطی پہ مصروف ہیں۔ ان کی مشاقی، فنی اور اندازِ تحریر دیکھنے اور توصیف کا متقاضی ہے۔ اپنا یا اپنے کسی عزیز کا نام کاغذ پہ تحریر کر کے ان کے حوالے کیجیے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ صاف شفاف سفید پلیٹ پہ یہ نام ایسے سٹائل اور عمدگی سے لکھیں اور دیں گے کہ آپ یہ تحفہ پا کر فخر محسوس کریں گے...... جو چاہیں انھیں ہدیہ کے طور پہ دے دیں۔ وہ بخوشی قبول کر لیں گے۔ اصل چیز اس فنکار کی پھرتی اور فنی بالیدگی ہے کہ روزانہ ہزاروں نام تحریر کرتا ہو گا پر کیا مجال جو ایک دوسرے انداز سے لکھا جائے...... اسی طرح ایک دُبلے پتلے سینک سلائی سے آدمی کے رُوبرو سٹول پہ ماڈل بیٹھا ہے۔ یہ عجیب الحلیہ شخص محض دس منٹ میں اس کا پورٹریٹ تیار کر کے اس کے حوالہ کر دے گا۔ بڑھے ہوئے ناخنوں، لانبی لانبی پتلی اُنگلیوں والا یہ باکمال آرٹسٹ محض ایک دو بار اپنے ماڈل پہ اُچٹتی سی نظر ڈالتا ہے اور ایسا رزلٹ دیتا ہے کہ پورٹریٹ بنوانے والا ششدر رہ جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ یگانہ فنکار لمحہ موجود کے [illegible] اور جذبوں خیالوں کو بھی مجسم کر کے قرطاس پہ مقید کر سکتا ہے۔ یہیں پہ احساس ہوا محض ظاہری خد و خال کو اُجاگر کر دینے کا نام مصوری نہیں...... سچا اور اچھا مصور تو باطن [illegible] و خط کو مستقبل قریب و بعید کی دُھند دُھوپ کی دُھون میں محسوس کرتا [illegible] ے میں بچے نقش و [illegible]

- **ممتاز مفتی اور زوبی......!**

ایک سچے فنکار زوبی نے ایک بڑے اور سچے قلمکار ممتاز مفتی کے پورے سر چہرے کا مجسمہ بڑی فنی مہارت اور باطنی تخیلی محسوسات کو بروئے کار لاتے ہوئے تیار کیا۔ مجسمے کی تکمیل کے دوران مفتی کو خاصا وقت ماڈل کی صورت سامنے بیٹھنا پڑا۔ دل میں اک شوق فراواں تھا دیکھیں کہ چاک مٹی ممتاز مفتی کیسا دکھائی دیتا ہے؟ تصویر کھنچوانے والا یا اپنا مجسمہ بنوانے والا کیسا بھی کالا کلوٹا یا کم شکل سے گذرا ہو، نتیجہ خوبصورت چاہتا ہے۔ مفتی صاحب پکے رنگ اور خالص دیہاتی وضع قطع اور خد و خال کے انسان تھے۔ تاہم بشری تقاضے کے تحت اُن کے دل میں بھی کہیں چھپی ہوئی خواہش تھی کہ مجسمہ خوبصورت زوبی کے زورِ فن کا منہ بولتا اچھوتا سا نمونہ ہو...... اب جوں جوں تکمیل کے مراحل طے ہوتے گئے مفتی صاحب کا شوق اور بے تابی بڑھتی گئی۔ آخر خدا خدا کر کے تکمیل کا دن بھی آ پہنچا...... خیال رہے کہ تصویر ہو یا مجسمہ، مکمل ہونے کے بعد ہی دکھائے جاتے ہیں۔ مجسمہ سیاہ کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا جبکہ

مُفتی جی اپنے مجسمے کے صوری نُور اور زوبی کے یگانۂ روزگار فن کے تخلیقی ظہور کو ملاحظہ کرنے کے لئے بےتاب تھے۔ خدا خدا کر کے زوبی مرحوم نے پردہ اُٹھایا اور جلوہ دکھایا...... وہ تو اچھا ہوا کہ مُفتی صاحب غیر مسلح تھے ورنہ زوبی غیر طبعی طور پہ اُمر ہو جاتے۔ مُفتی صاحب کو ویسے بھی اسلحے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اسلحے سے بہتر کام وہ اپنی زبان کلامی سے لے لیا کرتے تھے۔ مجسمہ دیکھ کر مُفتی صاحب تو کیا کوئی بھی آنکھ عقل والا یہ کرنے کو تیار نہیں تھا کہ یہ مجسمہ کم از کم مُفتی صاحب کا ہو سکتا ہے۔ رنگ کو تو چھوڑیئے' صاحب اور مجسمہ دونوں یکساں تھے۔ اصل خصومت تو مجسمے کے خدوخال کی خُشونت اور بے ڈھباپن تھا یعنی صاحب کے اصل چہرے سے مطابقت نہیں تھی۔ زوبی جیسے آرٹسٹ اور دوست سے کم از کم اُنہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ ان کا مجسمہ اس طور بگاڑ کر بنائے گا۔ مُفتی صاحب بڑے جُزبُز ہوئے خفا ہوتے ہوئے شکایتاً کہا۔

''یار! تم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے یہ مجسمہ دیکھو اور میرا چہرہ دیکھو...... کیا میرا چہرہ ایسا ہے جیسا تم نے بنایا ہے؟''

زوبی بے چارہ صادقین کی طرح ایک درویش منش تھا...... دبے دبے لہجے میں گویا ہوا۔

''مُفتی صاحب! اصل ممتاز مُفتی یہی ہے جسے میں نے [illegible] بنایا ہے۔''

[illegible] ہے [illegible] اور [illegible] کو ہوتے آواخر میں [illegible] رہ جاتے ہیں۔ بچپن' بھیروں کی طرح...... جوانی' جے جے وتی جیسی اور بڑھاپا [illegible] بھاویں ہوتے ہیں۔ اس مجسمے کو دیکھ مُفتی صاحب کا بُڑھاپا وضع کیا گیا تھا۔

میں شاید یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ سچا فنکار چاہے وہ کسی بھی مکتب فنون سے ہو وہی ہے جس کی تخلیق میں تخیل' تصور اور باطنی تصوف کے ماضی حال اور مستقبل کی آگہی بدرجۂ اتم موجود ہو۔ دریں صورت وہ دیہاڑی دار مزدور تو ہو سکتا ہے سچا فنکار نہیں......!

جدہ کی مارکیٹ میں وہ آرٹسٹ کچھ اسی نوع ہی کی تصویریں بنا رہا تھا وہ شاید ایک آدھ بار [illegible] کو کسی اندرونی آنکھ سے دیکھ لیتا تھا پھر اس کی پُرکار پُھرتیلی اُنگلیاں لکیریں کھینچنے میں جُٹ جاتی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ عجیب سی تصویر اپنے گاہک کے ہاتھ میں تھما دیتا...... اس کا کوئی مقررہ ریٹ تو تھا نہیں بھاؤ تاؤ کے جھنجھٹ میں پڑا رہتا۔ جو کچھ کوئی اس کے پنسلوں والے ڈبے میں ڈال دیتا وہ اُسے آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا...... میں کافی دیر کھڑا رہا' اس کے کام اور اُسے دیکھتا رہا۔ یقیناً وہ سعودی نہیں تھا' پاکستانی بلکہ دیسی بھی جان نہیں پڑتا تھا۔ شاید ہندوستانی ہو۔ اب مارکیٹ میں کہیں سے اذان کی آواز آنے لگی دیکھتے ہی دیکھتے سب لوگ دوکانیں بڑھانے لگے...... میں بھی اذان کی آواز کے سہارے پیچھے مسجد تک چلا گیا

نماز کے بعد' مسجد سے نکل رہا تھا کہ وہی آرٹسٹ مجھے مسجد کے باہر سگریٹ سلگاتے دکھائی دیا...... [illegible] مجھے اس سے گپ لگانے کی سوجھی۔ دل ہی دل دعا مانگی کہ یہ انگریزی بول سمجھ لیتا ہو ورنہ بڑی مشکل [illegible] میں نے اس کے قریب پہنچ کر حسب عادت السلام علیکم کہا...... میری سیاہ پوشی اور حال حلیہ دیکھ کر پہلے [illegible] متجسسانہ نگاہوں سے تولتا رہا پھر سلام کا جواب دے کر انگریزی میں پوچھنے لگا۔

"ایرانی یا افغانی......؟"

"نو نو آئی ایم پاکستانی!"

وہ میری انگوٹھیوں اور گلے کی مالاؤں کو بڑی استعجاب بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے......؟"

میں جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اگلا سوال داغ دیا۔

"تم شیعہ ہو...... یا کسی خاص مسلک سے تعلق ہے؟"

میں نے پھر تو نو کی گردان سنائی...... میں اسے اپنی ہی انگریزی میں بتانے لگا۔

"میں مسلکوں' عقیدوں سے ہٹ کر محض ایک عام نام کا مسلمان ہوں۔ وہ بھی [illegible] لئے کہ میری [illegible] تھے میرے [illegible] میرے مرشد ملامتی رومی...... میرے سسرالی اہل تشیع اور میرے بابا اہل سنت والجماعت [illegible] والے اور میں خود شاید ملامتی اویسی درویش ہوں یا نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ میں کچھ [illegible] ہوں...... ویسے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ہونے سے کچھ نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ کیا خیال ہے؟"

مجھے نہیں پتہ کہ وہ میری اس ژولیدہ گفتگو سے رنج ہوا یا زچ ہوا...... وہ دوستانہ انداز سے مسکراتے ہوئے [illegible] لگا۔

"تم خاصے پُراسرار ہو مگر دلچسپ بھی...... آؤ میرے ساتھ...... اس ملاقات کے نام دوپہر کا کھانا مل [illegible] تے ہیں۔"

اس نے پاس ہی ایک ہوٹل سے کھانا بندھوایا اور کشاں کشاں مجھے ساتھ گھسیٹتا ہوا اپنی ورکشاپ کے [illegible] حصے میں پہنچ گیا۔ یہ جگہ اس کے سٹور' سٹوڈیو' سٹڈی روم کے لئے مختص تھی جبکہ باہر کے حصے میں [illegible] یعنی تصویریں بناتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے روشنی کا ایک سیلاب پھیلا دیا۔ ادھر کی ہر چیز [illegible] کی مانند واضح ہو گئی۔ اللہ اللہ! در و دیوار' ایزل' میزیں' کونے کھدرے' پٹی کھلی' چھوٹی بڑی' ادھوری [illegible]...... ہر جا' ہر جانب آنکھیں ہی آنکھیں...... کئی ساکت و جامد لمحے مبہوت سا میں یہ "نین کدہ" دیکھتا

رہا...... یوں محسوس ہونے لگا میں آنکھوں کے کسی نین نستان میں چلا آیا ہوں۔ مسکراتی' گنگناتی' شرمیلی غلافی' نرگسی ...... لجاتی' خاموش' بولتی ہوئی' تولتی ہوئی' رولتی ہوئی ...... سیاہ چشم' بلوری' شربتی' سبز' نیلی' کنول کٹورہ آنکھیں' غزالی آنکھیں ...... غرضیکہ ہر سُو نینوں کی بہار کھلی ہوئی تھی ...... میں کبھی ادھر اور کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں ...... الٰہی! اتنے اور ایسے زاویئے' انداز' کیفیات' ایسے انگ رنگ دیوانے نے کہاں سے حاصل کیئے؟! اگر یہ سب محض آنکھیں ہی ہوتیں تو میں بھی محض آنکھوں سے دیکھ مگر یہ تو کیفیتیں' حقیقتیں' رولتی کھولتی ہوئی آنکھیں تھیں ...... متکلم' چشم ارشاد تھیں' خرد و بینش کی اور کھولتی ہوئیں ...... وہ مجھے اِس طرح مستغرق دیکھتے ہوئے بولا۔

''دوست! یہ شغل پھر کبھی سہی' سرِدست طعام سے نبٹ لو ٹھیک تیس منٹ بعد میں اپنے کاروبار جاؤں۔''

مُرغی' چاول' اچار اور سلاد' بے مرچ پھیکا پھٹک کھانا! ویسے بھی کام و دہن [illegible] کہیں زیادہ میں تو آنکھیں پی رہا تھا جو میرے چاروں طرف' مجھے اپنے حصار میں لیئے ہوئے تھیں ...... پھیکے چاولوں کا ایک ہوئے میں [illegible] بیٹھا۔

[illegible]

یہ جاننا چاہتا ہوں کیا کوئی خاص وجہ ہے کہ تم نے جملہ اعضاء سے قطع نظر محض آنکھوں کو ہی اپنے فن کے لئے منتخب کیا۔ ایسی بولتی' سوچتی' ہنستی دلفریب آنکھوں سے میں پہلی مرتبہ واقف ہوا ہوں اور شدت سے احساس ہوا کہ انسانی جسم میں صرف آنکھیں ہی ایسا حصہ ہیں جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی خاموش بھی ہے اور متکلم بھی ...... اور یہ کہ رُخِ زیبا کی ساری زیبائش آرائش آنکھوں کی ہی مرہونِ منت ہے۔''

وہ کھانا کھانے میں خاصی عجلت دکھا رہا تھا۔ میری یہ سنجیدہ سی بات تو جیسے اس نے سُنی تھی۔ مُرغی کی ٹانگ میری جانب کھسکا کر لقمہ چباتے ہوئے بہ دقت بولا۔

''یہ وقت ایسی باتوں کے لئے مناسب نہیں۔ میری دوکانداری کا وقت ہُوا چاہتا ہے جلد کھانا ختم کر کے باہر پہنچ جاؤ......!''

میں دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ ہاتھ مُنہ پونچھتا ہوا سٹوڈیو سے باہر نکل چکا تھا۔

عربوں اور بنگالیوں میں کم از کم دو قدریں مشترکہ ہیں ایک مذہب' دوسری کھانا پینا اور

مُرغ وماہی دونوں کا پسندیدہ کھاجا ہیں۔ بنگالیوں میں بھات کے ساتھ مُرغ کے مقابلے میں مچھلی اس [illegible] پسندیدہ کھائی جاتی ہے کہ یہ غریب امیر کے لئے آسانی سے دستیاب ہے۔ اس کا سالن بنانے کے لئے تیل [illegible] مسالحوں کی بھی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ مچھلی واحد ایسا خوردنی لحمِ ابیض ہے جس میں قدرت نے ہر وہ [illegible] روغن' مصالحے' وٹامن' نمکیات اور دیگر حیاتینی عنصر شامل کر دیئے جن کی دوسرے گوشتوں کو پکانے [illegible] اضافی ضرورت ہوتی ہے...... اسی طرح عربوں کے لئے مچھلی کی نسبت مُرغ یا اس کے بعد بھیڑ بکری [illegible] گوشت زیادہ آسان ہے۔ دونوں کے کھانے کا انداز قریب قریب ایک سا ہی ہے۔ مُچّے کاٹ کاٹ کر مُٹھے [illegible] کر کھانا...... یہ لوگ کھاتے کم ہیں رگیدتے زیادہ ہیں۔ کھانے کے اختتام پہ دسترخوان' مُرغوں کی لڑائی [illegible] منظر پیش کرتا ہے۔ جابجا بکھرے چاول...... اَدھ کھائی چبائی بوٹیاں ہڈیاں' روٹیوں کے ٹکڑے' اَچار' [illegible] کی باقیات یہاں بھی یہی منظر تھا جبکہ ہم [illegible] موجود تھے مجھے دسترخوان سمیٹتے ہوئے [illegible] آئی...... بہر طور [illegible] کسی نہ کسی ڈھنگ سے سمیٹ سماٹ' ہاتھ منہ صاف [illegible] کے باہر نکلنے کو ہی تھا کہ [illegible] میں اَدھ کھلے کینوس کے ایک رول پہ پڑی جو اسی نوع کے کاٹھ کباڑ کے ساتھ بڑی [illegible] پڑا ہوا تھا۔ اگرچہ درمیانی فاصلہ کچھ ایسا کم بھی نہ تھا پھر بھی میں اُن نرم اور [illegible] کی حدت میں [illegible] کہ وہ کینوس [illegible] ہوئی محض آنکھیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ آنکھیں' چاہے کسی گوشت پوست کے [illegible] پہ ہوں یا [illegible] کینوس پہ آنکھیں آنکھیں ہی رہتی ہیں۔ ان کا فسوں اور اثر انگیزی [illegible] ہی ہوتی ہے۔

- نیناں رے نیناں......!

[illegible] دنوں کی بات...... ائیر پورٹ پہنچنے کے لئے میں ٹیکسی پہ سوار ہوا...... ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے کراچی [illegible] پکڑنی تھی۔ بغلی سڑک سے نکل کر مین روڈ میں کیا داخل ہوئے کہ اک مصیبت میں پھنس گئے ٹریفک [illegible] چال چل رہی تھی۔ گرمی' حبس گاڑیوں اور سواروں کے مزاج اور انجن گرم...... پیں پیں پاں پاں کا [illegible] زہریلے دُھوئیں کا اخراج...... کہتے ہیں کہ جس ریاست میں عوام مہنگائی' ملاوٹ' عدم تحفظ و انصاف [illegible] ہوں گے...... جہاں رشوت اور اقربا پروری کا بول بالا ہوگا۔ عزتِ نفس اور شخصی آزادی چھین لی گئی [illegible] عوام الناس میں سب سے پہلے صبر و تحمل غائب ہوتا ہے۔ بے صبوری' بے اعتمادی' چڑچڑا پن اور [illegible] کے ساتھ خود غرضی بھی در آتی ہے۔ مرکز و ملت کا تصور دُھندلا جانے کا خدشہ لاحق ہو جائے گا...... بس

ایسی ہی کیفیت یہاں اس وقت بھی تھی۔ ہر گاڑی والا چاہتا ہے کہ وہ اگلی گاڑی سے آگے نکل لے جائے مگر ہیں کہ اگلی آگے نہیں بڑھ سکتی کہ اس کے آگے بھی گاڑیاں رُکی ہوئی ہیں پھر بھی ہارن پہ ہارن دیے جاتے ہیں۔ جیسے ہر شخص پاگل بے حس ہو گیا ہو...... ہمارے پیچھے ایک ویگن والا لگا ہوا تھا وہ کچھ زیادہ ہی [illegible] بے تاب تھا' ہارن پہ ہارن...... کبھی دائیں کبھی بائیں...... اس کی کوشش تھی کسی طرح وہ ہماری ٹیکسی سے آگے نکل لے...... نکل بھی لیتا تو محض ایک گاڑی کے فرق سے وہ اسی قطار میں رہتا...... پر توبہ کیجئے کہ جو اُسے کچھ صبر آئے...... دائیں بائیں بھی گنجائش نہیں تھی کہ ہم اُسے راستہ دے کر اپنے آگے آنے دیں۔ میں نے [illegible] کڑوا تھوک باہر تھوکتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو کہا۔

"بھائی! اس بیوقوف بے صبرے کو کسی طور اپنے سے آگے نکلنے کا موقعہ دے دو......!"

وہ میری جانب دیکھے بغیر ہی بولا۔ "بس چلتا تو میں بھی یہی ہوں...... تین لائنیں مُنہ پیچھے ساتھ ساتھ ملائے سرک رہی ہیں...... یہ پاگل دا پتر! اوپر سے فلائی کر کے ہی ہمارے آگے جا سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے نہیں......!" بات ٹھیک تھی...... میں بھی خاموش ہو گیا۔

اِسی پھنسا پھنسی میں بیس منٹ گزر گئے۔ میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"[illegible] ایئر پورٹ تک پہنچ سکیں گے؟"

کچھ آگے بس سٹاپ کے نزدیک' پتہ نہیں پچھلی ویگن والے نے کیسی تگڑم لڑائی کہ وہ بائیں جانب سے ہمارے آگے آ لگا...... میں نے دیکھا کہ وہ گل بندھی اسی رُوٹ کی ویگن تھی...... خوش رنگ نئی نویلی پھرتیلی...... اس کے اندر سواریاں بھی موجود تھیں جبکہ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پہ ایک خوبصورت سی عورت بڑے ناز و انداز سے براجمان تھی...... ڈرائیور بھی چھیل چھبیلا سا گھبرو تھا...... اس کی بے تابی' پھرت پھری سمجھ میں آ گئی...... ٹیکسی ڈرائیور کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اُب میں نے جو ویگن کے پیچھے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ پیچھے والے پورے شیشے پہ فل سائز [illegible] ہوا تھا۔ دو خوبصورت سی غزالی آنکھیں چلمن کے پیچھے سے جھانک رہی ہیں۔ بعد میں تو ایسی بھی کئی آنکھیں قریب قریب ہر ویگن کے پیچھے دکھائی دینے لگیں...... لیکن جب میں نے دیکھیں تب یہ سٹکر نئے نئے امپورٹ ہو کر آئے تھے اور واقعی ایک دلکش شہکار تھے۔ ایسی مدھر نشیلی آنکھیں کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ چلمن کی اُوٹ میں صرف آنکھیں...... سراپا انتظار آنکھیں...... جس بھی فنکار نے یہ ڈیزائن کیا تھا کمال کیا تھا...... اَب میں آنکھوں میں مگن! کہاں کی پھنسی ٹریفک...... وقت کی کمی...... ایئر پورٹ' کراچی وغیرہ......

اور جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔

مجھے خاموش اور بے سدھ سا پا کر ڈرائیور بولا۔ ''وہ آگے دیکھیں......!''

ایک بس فٹ پاتھ پہ چڑھی ہوئی تھی جبکہ ایک دو موٹر کاریں بھی رگڑی گئیں تھیں...... ایمبولینس اور گاڑیاں بھی موجود...... میں نے اُچٹتی سی نظر اُدھر دیکھا...... پھر جو اِدھر دیکھا تو آنکھوں والی ویگن کافی نکل چکی...... کیونکہ آگے اب ٹریفک آسان ہو چکی تھی۔ میں نے دُور ویگن کو سڑک پہ تیرتے ہوئے دیکھا

سے کہا۔

''جلدی نکلو، دیکھو ویگن کہاں سے کہاں نکل گئی ہے۔''

ڈرائیور نے جو کلی دبائی تو ویگن کو چوبرجی کواٹروں کے پاس جا لیا۔ آنکھیں دیکھیں تو میری جان میں آگئی۔ ڈرائیور میری بدمعاشی سے بے خبر تھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ میں وقت کی تنگی کے پیشِ نظر اُسے رفتار کا کہہ رہا ہوں۔ چوبرجی سٹاپ پہ ویگن والے نے رُکنے کا عندیہ دیا تو میں نے ڈرائیور کو ویگن کے کے لیے کہا۔ اِس شریف آدمی نے یہ سمجھا کہ میں شاید پان سگریٹ کے لئے رُکا ہوں۔ عین ویگن ...... آنکھیں مجھ سے اب سات آٹھ فٹ ہی دُور تھیں...... اتنی قربت پا کر میں اُن آنکھوں گیا۔ [illegible] کی مانند کی جانب اور کبھی میری جانب دیکھ رہا ہے۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ ویگن نے اور دیکھتے ہی دیکھتے 'یہ جا وہ جا'۔ اب میں بوکھلایا ہوا ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جلدی جلدی اس ویگن کو پکڑو۔''

وہ بے چارہ کسی روبوٹ کی طرح عمل کرتا ہوا تھوڑی دیر میں جین مندر سٹاپ پہ اس ویگن کے پیچھے تھا۔

''اس ویگن کا پیچھا مت چھوڑنا......!'' میں نے اسے حکم دیا تھا۔ وہ بے چارہ ہر سٹاپ پہ اس کے جاتا اور میں چلمن والی آنکھوں میں ڈبکی لگا دیتا۔ سرکار موج دریا دربار کے سامنے پہنچ کر وہ ہکلایا

''سرکار! آپ نے ایئر پورٹ جانا ہے یا اس ویگن کے پیچھے ریلوے سٹیشن؟'' ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ گھنٹہ باقی ہے۔

میں نے اُن آنکھوں سے آنکھیں ہٹائے بغیر اسے جواب دیا۔

''کراچی کی فلائیٹ کا وقت گزر چکا ہے۔ تم صرف اور صرف اس ویگن کو فالو کرتے رہو...... ویگن

آگے اور ٹیکسی پیچھے۔ پیسوں کی فکر نہ کرنا' جو مانگو گے ملے گا۔''

پتہ نہیں وہ کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا مگر اتنا ضرور سمجھ گیا ہوگا...... بڈھا ٹھرکی ہے' ویگن میں فرنٹ سیٹ والی لڑکی کو دیکھ لیا ہے' اُسے پٹانے کی غرض سے پیچھا کر رہا...... میری بات کے جواب میں معنی خیز مسکراہٹ سے کہنے لگا۔

''فکر نہ کرو' سرکار! اب ویگن ہمارے آگے آگے ہی رہے گی۔''

واقعی پھر اس نے ویگن کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ آنکھوں والا معاملہ تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یہی چھوا چھوائی اور ٹیفن میٹی کھیلتے کھیلتے ہم اسٹیشن کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں سٹینڈ پہ ویگنیں ایک قطار میں کھڑی ہوتی ہیں اور پھر اپنی اپنی باری پہ سواریاں بھر کے نکلتی ہیں۔ میرے علم کے مطابق ٹیکسی ڈرائیور نے یہاں بھی ٹیکسی' ویگن کے پیچھے رکھی ہوئی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے پیچھے اسی روٹ کی دو اور ویگنیں پہنچ آئیں۔ ویگن کے پیچھے قطار میں ٹیکسی' سامان اور مجھے دیکھ کر اگلی ویگن اور پچھلی ویگنوں والے ڈرائیور ہمارے آ گئے...... اگلی ویگن والا وہ بے صبرا' صاف ستھرے کپڑوں اور چہرے مہرے والا ڈرائیور مجھے گھور کر سے تولتا ہوا ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''[illegible]''

''چاچا جی! آپ شاہ نور سے میرے آگے آگے تھے پھر سمن آباد موڑ سے یہاں ویگن تک پیچھے پیچھے...... ویگن میں آپ کا کوئی بندہ تھا یا......؟''

میں کیا جواب دیتا...... ہماری گاڑی ڈرائیور' کنڈیکٹر اکٹھے ہو چکے تھے۔ سچ کہتے ہیں بولے جان چھوٹے...... ایسی صورت حال اگر کبھی پیدا ہو جائے تو میں سچ کہنے میں ہی بہتری سمجھتا اس سے مجھے کیسا ہی نقصان پہنچے...... میں نے جی کڑا کر کے اس کی ویگن کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''بیٹا! دراصل مجھے ویگن والی خوبصورت آنکھوں نے بڑا متاثر کیا۔ بس میں بے خود سا ہو کر ویگن کا پیچھا کرنے پہ مجبور ہو گیا......''

وہ پہلے تو مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر انتہائی تلخ لہجے میں دھاڑا۔

''بزرگو! حیا کرو' کم از کم اپنی عمر اور چٹی داڑھی ہی کا خیال کر لو۔ وہ میرے ساتھ بیٹھی ہوئی کی مالکن ہے۔ اس کا خاوند پولیس میں افسر تھا۔ ایک مقابلے میں شہید ہو گیا۔ تین بچوں کی ماں ہے اس کی مدد کے لئے رقم دی ہے۔ اس نے بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھریلو اخراجات پورے کرنے کے ویگن ڈال لی۔ آج پہلے دن یہ ویگن روڈ پہ آئی ہے اور وہ بسم اللہ کے لئے میرے ساتھ ویگن پہ بیٹھی

بیٹی کے برابر ہے۔ بیٹیاں خوبصورت اور خوبصورت آنکھوں والی بھی ہوتی ہیں۔ کیا ماں باپ اُن کی پہ فریفتہ ہو کر سڑکوں پہ اُن کا پیچھا کرتے ہیں......؟''

میں اس شریف آدمی کی یہ باتیں سن رہا تھا اور مسلسل سامنے اُس چلمن والی آنکھوں کو بھی دیکھ رہا ن حالات میں، میں نے اپنی صفائی میں بھی کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ نظریں سامنے آنکھوں پہ جمائے میں نے صرف اتنا کہا۔

''اللہ مجھے معاف کرے اور تم بھی مجھے معاف کر دو۔''

واپسی گھر تک سارا راستہ ٹیکسی ڈرائیور خاموش رہا اور میں بھی، کہ میں چشمِ تصور سے اُنہی چشمِ آہو رہا تھا۔

چشمِ آہو، چشمِ لیلیٰ، پیاسی نظریں، دید کی دیوانی، ترستی آنکھیں، پاگل اکھیاں، نگاہِ شوق، حسرتِ دیدار، رم جھم رم جھم...... اکھیوں کو رہنے دو اکھیوں کے آس پاس، نین [illegible] نین جھروکے وغیرہ اسی نوع کے بے شمار الفاظ اور مصرعے آپ کو ٹرکوں، ویگنوں، رکشاؤں کے پیچھے پڑھنے کے لئے اور رنگ رنگیلی کٹیلی نشیلی آنکھیں دیکھنے کو ملیں گی۔ سفر کے ساتھ ساتھ ڈرائیور اور سواریوں کا [illegible] پاس ہوتا ہے۔

بات اس آرٹسٹ کے سٹوڈیو کے ایک کونے میں بے احتیاطی سے پڑی ہوئی آنکھوں کی تصویر کی ہو جس کی غیر معمولی کشش نے مجھے بے خود سا کر دیا اور میں باہر جانے کی بجائے اس کونے پہ پہنچ کر اس پہ جھکا ہوا تھا، یہ شاید چارکول سے بنا ہوا سکیچ تھا...... آنکھیں واضح جبکہ ماتھا اور باقی چہرہ دھندلکے میں تھا۔ یہی عمل اور برتاؤ اس کی اکثر تصاویر میں نمایاں تھا۔ لگتا تھا اُسے محض آنکھوں سے ایک تعلقِ خاص چہرہ اور دیگر اعضاء اس کے لئے غیر اہم سے ہیں۔

آنکھ کی کشش اور سحر انگیزی میں جہاں بیضوی بناوٹ...... نرگسی انداز، ڈیلے کی نیلگوں سپیدی...... کی گولائی، گیرائی، نیلے، سرخ، سبز، اودے، شربتی رنگوں کا دلفریب امتزاج اور پتلی کا سیاہ مرکزی نکاؤ نقطہ کرتے ہیں۔ وہیں آنکھ کے کونے کی گلابی جز، ترائی آب کی تاب، خمیدہ لانبی مژگان اور کھنچے کٹار کا اعجاز بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ سب اصناف، اوصاف اور جمالِ حل کے سحر آفرینی اور مقناطیسی تاثر بنتے ہیں اور یہ بھی کہ صاحبِ چشم و نظر اپنی ذات و چشم بچار اور احساسات میں کیسا ذکی و فہیم ہے۔ جذباتی کیفیات کس اوج اور نوع کی ہیں۔ ایسی سریت اور مقناطیسیت بُوم سانپ میں بدرجہ اتم اور

طرح کام کرتی ہے۔ حکیم حاذق کے ہاں دستِ شفاء اور ولی کی تصرف ولائت' درویش کی درود [illegible] ہے اور اگر یہ عشق و عمل راست فکر و فہامت کا متقاضی نہ ہو تو پھر بھی توانائی و تاب منفی اثرات کی حامل ہو جاتی ہے۔ بدطینت' بدقماش اور بدنصیب سفلی علم والے عامل بابے اس سے جائز و ناجائز کام لیتے ہیں۔ معمول کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہپناٹائز کے عمل سے اس کے دماغ کو سُن کر دینے کے بعد اس کی مثبت سوچ و خیالات اور ارادوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ابلیسی استعانت سے ایسی پُراثر اور ہولناک ہوتی ہیں کہ مقابل کے دل میں ایک ہیبت اور خوف بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا لاشعور اور شعور اس کی شیطانی اسراریت کے زیرِ اثر آ جاتا ہے اور پھر یہ معمول وہی سوچتا' چاہتا اور کرتا ہے جو یہ شیطان کا چیلا اس سے چاہتا ہے۔ نظر بندی' جادو' شعبدہ گری اور کالے ایلم کے اکثر و بیشتر مظاہرات اسی آنکھ کی قوت کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ نظر کا لگنا' لرزنا' خوف زدہ ہونا' ہذیان بکنا وغیرہ بھی اسی کا شاخسانہ ہیں۔

اس خود بینی یا [illegible] کے علاوہ اور بھی جو ظاہری ترتیبی عمل یا ریاضت ہوتی ہے وہ بھی بیشتر بصری [illegible] ذہنی ہوتی ہے...... مثلاً نقطہ بینی' شمع بینی' سایہ بینی' آفتاب و ماہتاب بینی' گرہن بینی' مطلع و غروب [illegible] وغیرہ...... اسی طرح آتش اور قلزم بینی بھی ہوتی ہے...... [illegible] عمل و اوراد محض آنکھوں کی روحانی [illegible] بڑھانے اور [illegible] محنت [illegible] مقاصد کے [illegible] استعمال کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی مذموم فعل ہے...... بالکل ایسے ہی جیسے کھانا پکانے کے لیے جلائی جانے والی آگ اُٹھا کر کوئی کسی کے دامن یا آشیانے پہ پھینک دے یا [illegible] ترکاری کاٹنے والی [illegible] سے کسی کا پیٹ پھاڑ دیا جائے۔

اسی آنکھ کی روحانی یا شیطانی قوت سے بڑے بڑے محیرالعقول کارنامے منظرِ شہود پہ آتے ہیں۔ جس طرح یہ روحانی اور ابلیسی بصریت ہوتی ہے بالکل ایسے ہی روحانی تکلم اور شیطانی تکلم بھی ہوتے ہیں جسے ٹیلی پیتھی کہتے ہیں...... خیر و شر کی یہ قوت و تعلیم بھی درپردہ ظاہری و باطنی بصریت سے مربوط ہے۔ دیکھیں اور غور کریں تو کھلتا ہے کہ آنکھوں کے سارے ڈانڈے سوتے' کہیں پیچھے دماغ و اذہان سے منسلک ہیں جو ایک دوسرے کے سہارے وسیلے سے مختلف رویے اختیار کرتے ہیں۔

میں نے اپنی بے کار زندگی میں بصری اور تکلمی قوتوں کے بڑے بڑے اسرار مشاہدہ کیے ہیں۔ جانے...... روزِ آفرینش سے لمحۂ موجود تک' نہ جانے کتنے عامل' عالم' ساحر اور شعبدہ باز ہو گزرے ہیں جنہوں نے اپنی ان خداداد اور خودوداد صلاحیتوں سے بڑے بڑے کارہائے نیک و بد انجام دیے اور انسانوں' سلطنتوں' خطوں کی تقدیریں اور تدبیریں بدل کر رکھ دیں۔ اللہ کے خاص بندوں' ولیوں' قطبوں کے

عمرؓ و علیؓ، بلالؓ، بہلولؒ و بایزیدؒ، جنیدؒ و رومیؒ...... عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ اور داتا گنج بخشؒ، سحر کا تصرف بن گئیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اپنی نگاہوں اور مثبت سوچوں فکروں سے گمراہی اور [illegible] میں بھٹکے انسانوں کی تقدیریں بدل دیں اور جب یہ طاقتیں اور علوم و اسرار طاغوتی چیلوں کے ہاتھ لگے [illegible] ہامان، شداد، نمرود...... فرعون کے جادوگر، اہلِ یہود کے ساحر...... ٹکلے ٹوکری نجومی، دو نمبر عامل و پیر، [illegible] غیب کا حال بتانے والے بابے۔ جنات، موکلات، ہمزادوں سے کام نکلوانے والے، خاندانی [illegible] راسپوتین صفات والے شاہ، میاں، پیر اور پیرزادے بن جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دعوے [illegible] والے جادوگر، شعبدہ باز، نظر بند بھی ایسی ہی منفی قوتوں کے عامل ہوتے ہیں۔ مگر ان میں بعض محض [illegible] کی خاطر یہ علوم سیکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا...... وہ ان [illegible] وقتی دلچسپی اور سنسنی کی خاطر استعمال کرتے ہیں۔

میں بہت سے حال، ماضیٔ قریب اور ماضیٔ بعید کے ایسے صاحبانِ تصرف علمائے علومِ مخفی و سری کو [illegible] کے ہاں یہ پُر اسرار علم محض جاننے اور یا پھر انسانیت کی فلاح و بہبود کی حد تک ہی ہے۔ وہ ان [illegible] مقصد کے لیے استعمال کرنا گناہِ کبیرہ سمجھتے [illegible] کے ساتھ ساتھ میر[illegible] دسترس اور [illegible] جو جادوگری، [illegible] علوم اور شعبدہ گری میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ میں یورپ کے ایک دو ایسے کلبوں [illegible] سوسائٹیوں کا ممبر بھی رہا جن کے ممبران کے لئے کسی نہ کسی خفتہ و نہفتہ یا مابعد فوق الفطرت علوم سے [illegible] ضروری ٹھہرتا ہے اور وہ مخفی علوم کے ماہرین میں سے بھی ہوں۔

یوں تو پورا ہندوستان ہی مگر خاص طور پہ ممبئی، بنارس، کولکتہ، مدراس، جے پور، جودھ پور اور ہری دوار [illegible] اسرار علوم جاننے والوں جادوگروں، سادھوں سپیروں کے گڑھ ہیں۔ ہندومت میں سادھو، سنیاسی، [illegible] دیوی دیوتاؤں، اپسراؤں، بھوت پریت، ناسچوؤں پہ بڑا اعتقاد کیا جاتا ہے جبکہ پنڈتوں، جوتشیوں، سپیروں جوگیوں، جادوگروں کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی ہے۔ ہندومت کے پرانے پُران، پتر، [illegible] دھارمک کہانیوں اور ماورائے عقل و فطرت کتھاؤں سے بھری پڑی ہیں۔ جہاں دھارمک، ناٹک، [illegible] قصوں کہانیوں پہ مبنی ہوتے ہیں پیش کیے جاتے ہیں اور کچھ تھیٹر محض جادوگری، نظر بندی اور [illegible] کے مظاہروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہندوستان ہمیشہ سے انہی جادوئی کھیل تماشوں، [illegible] جوگیوں جادوگروں، سانپوں، حسین و جمیل دیوداسیوں، مصالحہ جات اور جنگلوں، مندروں بندروں کی

بناء پہ اک مخصوص شہرت و اہمیت کا حامل رہا ہے...... خاص طور پہ ہندوستانی ناری کا تصور ہی دوسری میں سانولی سلونی سی رنگت، دراز گھنیری مشکیں زلفوں، چھریرا بدن اور سیاہ خمدار پلکوں والے کٹار نینوں سے ابھرتا ہے۔

اسلام ایسے تمام علوم و فنون کی نفی کرتا ہے۔ جو دینی عقائد اور انسانیت کی سلامتی کے خلاف ہوں محض تضیع اوقات کی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ علوم، علوم نافع کے نقیض ہیں...... مگر ہاں ایک آدھ صورت ان علوم کا حصول اگر محض جاننے یا سمجھنے کی حد تک طے ہو اور مقصد ان کا انسداد کرنا...... ان کی حقیقت لانا اور ان کا توڑ تلاش کرنا ہے تو پھر ان کا جاننا کسی حد تک روا ہو سکتا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص منشیات نہیں کرتا مگر وہ ادارۂ انسدادِ منشیات کے افعال و کردار سے واقف ہوتا ہے، اصل نقل کی پہچان کے علاوہ ہو کہ اس کے مُضمرات اور مضرات کا کوئی توڑ بھی تلاش کر سکے۔ قانون کے محافظ اگر قانون شکنوں سے زیادہ ان کی وارداتوں کو نہ جانتے ہوں تو وہ کچھ بہتر انداز میں اپنے فرائض سر انجام دے نہیں پائیں گے۔ سیر کسی سوا سیر کے آگے، نہلا کسی دہلے کے آگے...... لکڑ بھگا کسی ببر شیر کے آگے اور [illegible] موٹے کے آگے ہی ڈھیر ہوتے ہیں۔

جا[illegible] تحلیلِ نفسی وغیرہ کچھ برحق اور چند بے حق علوم ہیں۔ ان کا اقرار ضروری نہیں مگر انکار بھی ممکن نہیں...... رحمٰن الرحیم کے ساتھ شیطان الرجیم کا تصور بھی موجود ہے...... دونوں سے انکار ممکن نہیں...... چنگل سے نکلنے اور اس کی ترغیبات و وسواس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے اگر قرآنی آیات اور دعائیں پڑھنی چاہئیں، وہیں ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ شیطان مردود اپنے کن حربوں اور ہتھکنڈوں کو لا کر ہمیں ورغلاتا ہے...... اگر ہمارے پاس یہ علم نہیں تو ہمارا وہی حشر ہو سکتا ہے جو ایک بزعم خود لکیر کے فقیر مولانا صاحب کا ہوا تھا......!

● ابلیس اپنے چیلوں کے ساتھ......!

شیطان الرجیم اپنی ایک ترقیتی ورک شاپ میں اپنے چیلے چانٹوں کو لیکچر دے رہا تھا۔ اپنے خطاب کے بعد آخر میں تاکید مکرر کے طور پر ایک خاص نکتے پہ زور دیتے ہوئے کہنے لگا...... میرے ماننے والو ابلیسی چیلو! میرے اس حکم اور ہدایت کو مضبوطی سے پلّے باندھ لو کہ کبھی کسی عالم کو ورغلانے

نہ کرنا۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کیا تو وہ اپنے الہیاتی علم کے نور سے تمہیں جلا کر خاکستر کر دے
کے برعکس تم عام لوگوں' نام نہاد عالموں' جمعراتی مولویوں' ختم مولودی حفاظ قاریوں اور نمبر بنانے
چیوں کو خوب چکمہ دے سکتے ہو...... اس گھمبیر نکتے پہ آپس میں خوب سوال و جواب ہوئے۔ لیکن
کو محسوس ہوا کہ اس کے شاگرد اس نکتے کو کماحقہٗ سمجھ نہیں پائے۔ اس نے مجلس برخاست کرتے
دیا...... تم سب سٹوڈنٹ میرے ساتھ چلو میں تمہیں کچھ پریکٹیکل کرواتا ہوں۔

سب چیلوں کے فرشتوں سے حُلیے بنوائے اور خود ایک برگزیدہ اعلیٰ ذات کا رہبر فرشتہ بن کر وہ شہر
مشہور نیک نام و نمود مولوی صاحب کے حُجرہ کے دروازے پہ دستک دے رہا تھا...... آدھی رات پیچھے
گے' مولوی صاحب تہجد کی نیت کیے مولوانی کے پہلو میں آسودۂ استراحت تھے...... دروازہ کھٹکنے
ہوئے...... سوچنے لگے اس وقت کون ہو... پھر ذہن میں آیا کہ علاقے کے مولوی' دائی اور پولیس کے
کوئی بھی کسی وقت بھی پہنچ سکتا ہے۔ بادلِ نخواستہ اُٹھے' ستر ڈھانپتے ہوئے دروازے تک آئے
پوچھا۔ کون؟...... جواب میں بڑی گہری نستعلیق نورانی سی "السلام علیکم [illegible]" کی لہراتی ہوئی
لہرائی...... سوچا کہ الٰہی! ایسی پُراثر باوقار آواز......؟

[illegible]

"اعلیٰ حضرت کون؟...... اس وقت زحمت فرمائی...... آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

جواب میں وہی آفاقی سا آہنگ' پُراسرار سا لہجہ......!

"مولانا اللہ وسایا صاحب! دروازہ وا کیجئے...... آپ کی مناجاتیں سُنی گئیں' دعائیں اور التجائیں
ہوئیں...... ہاتھ بڑھا کر کنڈا کھولیئے' قبولیت کا وقت کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔"

اک عجیب سرمدی سی سرشاری سے دروازہ کھول دیا...... سامنے نورانی چہرے' ملکوتی خدوخال'
دُھند دُھند پیرہن و پَر والے فرشتہ نفس کھڑے ہیں...... جلو میں دُور تک ملکوتی انفاس' ہاتھ باندھے
ایستادہ ہیں...... نصف شب کے اندھیرے میں اک عجیب سی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... جبکہ اجنبی سی
سے مشامِ جان میں اک تازگی سی لہرا سی گئی تھی۔ لعین مردود جو سرکردہ فرشتے کا روپ دھارے ہوئے
کورنش بجالا کر گویا ہوا۔

"مولانا اللہ وسایا صاحب! آپ کو مُبارک ہو...... ساکنانِ آسماں کی جانب سے آپ کو سلام
مطلع ہو کہ آپ کی شبانہ روز کی نمازیں' عبادتیں' ختم شریف' مولود شریف' نکاح' جنازے اور مسجد میں
ریں...... طمع لالچ سے پاک اور اخلاق و اخلاص سے بھرپور زندگی کے پیشِ نظر بلکہ متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ

نے آج کی رات آپ کو عرش پہ مدعو کیا ہے...... میں جبرئیل ہوں جو خصوصی طور پہ آپ کو پورے پروٹوکول کے ساتھ لے جانے کی خاطر، ستر ہزار قدسیوں کے ہمراہ حاضر ہُوا ہُوں۔ لہٰذا آپ فوراً لباس تبدیل فرما کر تیار ہو جائیں کہ وہ سامنے والے پہاڑ پہ آسمانی سواری آپ کی راہ دیکھ رہی ہے۔“

بن سوچے سمجھے کہ جبرئیل اب زمین پہ اُتر سکتے ہیں یا نہیں، وہ نام نہاد، بے علم و عقل مولوی قاف خوشی خوشی تیار ہوگیا۔ اُلٹا سیدھا لباس تبدیل کیا اور ساتھ چل دیا...... پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ کر شیطان نے دھکا دے کر دوسری طرف گرا دیا...... اس کے بعد شیطان اپنے ٹولے کے ساتھ اِک صاحبِ بصیرت عالم کے ہاں پہنچا جو دین و دُنیا کے چیدہ چیدہ عُلوم سے بہرہ ور ہی نہیں بلکہ چند ایسے عُلوم بھی جانتا تھا جو مُروّجہ نہیں تھے۔ یہ علم اُس نے بہیمیت، طاغوتیت اور شر و شدیدیت سے برأت کے لئے سیکھ رکھے تھے۔ شیطان نے وہی کچھ یہاں بھی دُہرایا...... اس صاحبِ علم و عقل نے تمام بات سُنی اور لباس کی تبدیلی کا کہہ کر اندر چلا گیا...... کچھ دیر بعد واپس پلٹا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کے کیلوں سے جڑاؤ ایک مضبوط سا ڈنڈا تھا۔ آتے ہی اُس نے لاحول والاقوۃ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے شیطان کی دُھنائی شروع کر دی...... چار چوٹ کی مار کھا کر شیطان اپنے چیلوں کے ساتھ نو دو گیارہ ہو گیا۔

[illegible]

”میرے پیارے شاگردو! تم نے دیکھ لیا کہ علم کیا ہوتا ہے؟ اس نام نہاد عقل و علم سے بیگانے مولوی کا علم محض فروعی اور نصابی کتابی سا تھا۔ یہ لکیر کا فقیر مولوی ٹھہرے ہوئے گدلے اتھلے کائی کھائے جوہڑ کی مانند تھا ایسے پانی میں مینڈک تو ہو سکتے ہیں مگر مچھلی نہیں ہوتی۔ جھینگروں کے ہاں بھنبھناہٹ اور مینڈکوں کے ہاں محض ٹرٹراہٹ ہوتی ہے، مچھلی کی مانند کارآمد قیمتی وجود نہیں ہوتا۔ تمہارا آسان شکار یہی تھوڑ علیے لوگ ہیں۔ یاد رکھو علم عمل والوں کے قریب مت پھٹکنا، یہ تمہارے چنگل میں نہیں پھنسیں گے۔“

بات، قوت باصرہ کی ہو رہی تھی جو آنت کی طرح بڑھتے بڑھتے پتہ نہیں کہاں سے کہاں تک گئی ہے۔ سر کا پتہ نہ پاؤں کی خبر...... خامۂ بے خبر و خیر کیا کیا بے برگ و گلیم گُل کھلاتا ہے...... دس میں سے ظاہری حسّوں میں باصرہ پہلے درجہ پہ ہے۔ باصرہ سامعہ، شامہ لامسہ اور ذائقہ۔ باقی پانچ باطنی حسّوں میں سمجھ، فہم، ہوش اور اوسان...... یہاں عقل اولیٰ ہے۔ حسّی اور اعصابی طور پہ پورا انسانی جسمانی نظام انہی حسّوں پہ انحصار کرتا ہے۔ خواہ وہ جذبات ہوں یا خیالات...... سوچ ہو یا کوئی سُوجھ...... جنسیت ہو یا روحانیت سارے اچھے بُرے رویّے انہی دس عدد حسیات کے مرہونِ منت ہیں۔ اگر یہ حسّیں توانا اور راست

[illegible] انسان اپنی ذات سے آگے دیگر انسانیت کے لئے بھی بہت سی کارہائے خیر سرانجام دے سکتا ہے۔ [illegible] حسیاتی اور اعصابی صلاحیتیں، جبری اور خفی بھی ہوتی ہیں...... وہبی، وصفی، وقوعی اور وقتی بھی...... ان پہ آمد [illegible] بھی آتی جاتی رہتی ہے۔ انہیں حد درجہ دبایا اور بے حساب انگیخت بھی کیا جا سکتا ہے۔ پس یہ کہنا مقصود [illegible] علم فوری و نافع، معقول و منقول...... علوی، ارضی یا آفاقی سماوی ہو، سب انہی حسیاتی قوتوں کی ماہرانہ [illegible] تجسس سے دائرۂ ادراک میں آتے ہیں۔ عالمانِ عالم، خواہ کسی بھی مکتب و منصب سے منسلک تھے ان [illegible] یہ حسیاتی صلاحیتیں بدرجۂ اتم پائی گئیں۔ مدعیانِ ہمہ دانی، ماہرینِ طبیعیات، عالمانِ مسمریزم، فیلسوف [illegible] حسیاتی قوتوں کو علمِ ظاہری و باطنی کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ سارا تحلیلِ نفسی، مدرکات، معقولات، [illegible] متخیلات اور موہومات کا کمال ہے کہ آپ ایسے خارق العادات اور مافوق الفطرت کارنامے سرانجام [illegible] کہ دیکھنے والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں وہ آپ کو جادوگر سمجھنے لگتا ہے جبکہ یہ سارا تماشا [illegible] حسیاتی کمال ہوتا ہے...... قوتِ متخیلہ، تحلیلِ نفسی اور تزکیۂ نفس کی حرکت سے بڑے بڑے محیر العقول مناظر دکھائے [illegible] ہیں۔ یونانیوں، سمیریوں، بابلیوں، کلدانیوں کے علاوہ ہندوستانیوں میں اس نوع کے بڑے بڑے [illegible] گزرے ہیں۔ فارس، حضر موت، مائن، سبا، [illegible] بغداد و بصرہ کے [illegible] ستیوستان اور [illegible] اولیا [illegible] اور درویشوں [illegible] ظاہری و باطنی صلاحیتوں کو انسانی، دینی، اخلاقی بہبود و احیاء کے لئے استعمال کیا۔ جو منصب، طاقت، [illegible] علم و دانش، ریاست و حکومت، بنی نوع انسان اور اللہ تعالیٰ کی اولیٰ و اعلیٰ تخلیق کے لئے آسودگیاں، [illegible] انصاف، تحفظ، عزتِ نفس [illegible] کر سکے وہ بلاشبہ طاغوتی، فسق اور [illegible] ہے۔

پُراسرار یا مخفی علوم کی ذیل میں محض وہی علوم نہیں آتے جو محیر العقول یا مابعد الطبیعیات کے زمرے [illegible] آتے ہوں بلکہ علم و عقل و عمل کی اس زنبیل میں سے عیاں ہونے والی ہر علمی فنی تحقیق و کاوش شروع شروع [illegible] میں پُراسرار و واہم ہوتی ہے۔

- یہ تیرے پُراسرار بندے......!

اولیاء کا معنی اللہ کا دوست بھی ہے اور یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اولیائے ظاہرین اور اولیائے [illegible]۔ آگے ان کی بارہ درجات میں تقسیم ہے جیسے قطب، غوث، امامان، اوتاد، ابدال اور اخیار...... ابرار، [illegible] عمد، مکتومان اور مفردان۔ اولیائے مستورین، ظاہر ہے کہ اپنے مقام و درجہ میں مستور ہوتے ہیں......

سوا حق تعالیٰ اور چند مخصوص نفوس کے اور کوئی اُن کے مقام وحد سے آگاہ نہیں ہوتا...... اور اگر کسی بھی طرح ظاہر ہو جائیں تو پھر اللہ کی ذات اُنھیں پردہ دے دیتی ہے۔ اَب رہے اَولیائے ظاہرین...... یہ اللہ کے [illegible] بندے اپنے مقام و درجات کے ساتھ اپنی اپنی ڈیوٹیوں پہ بیٹھے ہوتے ہیں...... یہ جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیات اَولیائے مستورین سے عملی طور پہ مختلف سطح کی ہوتی ہیں اور یہ اللہ کی مخلوق سے کنارہ کشی بھی نہیں کرتے...... دینی شرعی اشغال اَکلِ حلال کی تکمیل وحصول کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی اور توجہ سے [illegible] کی مخلوق کی خدمت میں جُٹے رہتے ہیں۔ البتہ ان کی خدمت اور ہمدردی کے طور طریق قدرے مختلف ہوتے ہیں...... ہوا میں ہوا، پانی میں پانی، آگ میں آگ اور مٹی کے ساتھ مٹی...... مخلوقِ خدا کی خدمت، کفش [illegible] اور خاک نشینی ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔ اِن کی زبانِ فیض ترجمان سے محبت، اُخوت، سلامتی اور راستی کے سوتے پھوٹتے ہیں اور نگاہ برقِ عالم سوز بھی...... یہی نگاہ ظہورِ تجلی آموز بھی۔ یہ عالمِ مثال میں بے مثال اور [illegible] گُرہوں کے چارہ ساز ہوتے ہیں...... یہ علامۂ دہر، رجلِ رشید، فرد وحید، فقیرِ کامل، منیبِ مبین، رِشی، منی، [illegible] جوگی، بھگت، [illegible]، گیانی، برہمچاری وغیرہ انہی کے آگے اپنی اپنی راہوں پہ لگے ہوئے کرم کرتے ہوتے ہیں...... سائنسدان، حکیم، کیمیا دان، ادیب، شاعر، [illegible] ساز، گوئیے، رقاص، [illegible] اور عالمانِ علوم [illegible] ہوتے ہیں...... اور عہدِ قدیم کے بڑے بڑے حکمت و ہیئت، [illegible] ریاضی، منطق و موسیقی دانوں فلاسفروں اور اَرضیات و افلاکیات کے عالموں کو پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ [illegible] اپنے اپنے مقام پہ علامۂ دہر تھا...... کون سا معقول اور منقول، ظاہری باطنی [illegible] جس میں وہ یکتائے روزگار نہیں تھے [illegible] اُن کی نظر میں رہتے تھے۔ اوپر بروج و سیارے [illegible] میں۔ اَرض و سما کی گردشیں اُن کے ہالۂ بازو میں، پاتال کے پیندے میں پڑا ہوا پیپل کا پتہ، اُن کے سامنے ہوتا...... ہواؤں فضاؤں کی سسکیاں، اُن کی بغلوں سے اُبھرتی تھیں...... ہاں! وہ نابغۂ روزگار ہستیاں...... جابر بن حیان، بو علی سینا، محمد بن زکریا رازی، ابن الہیثم، البیرونی، عمر خیام، سعدی، رومی، رازی، حافظ، [illegible] کندی، ابنِ سینا، ابنِ رشد، فارابی وغیرہ سے آگے دائیں اور بائیں دیکھیں...... افلاطون، ارسطو، بقراط، [illegible] ہرقلیطاس، لیوطائی، پائیچز، کوپرنیکس، نطشے، گلیلیو، ڈیمقراطیس اور تاؤ...... اب لیو ٹالسٹائی، گوئٹے، سمرسٹ ماہم، پکاسو، آسکر وائلڈ، ملٹن، برنارڈ شاہ، فرائیڈ، سارتر، رابندر ناتھ ٹیگور، ڈاکٹر محمد اقبال کے جن [illegible] و اصول، کُلیے، قاعدے، شاعری فلسفی نظریات، کردار، زندگی، تصوف، ادب سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ [illegible] اَفکار و خیالات میں صالحیت پیدا کرنا سکھاتے ہیں، ظاہری و باطنی وجود اور مادی، رُوحانی اور علمی ترقی [illegible] کے ساتھ زندگی کا مقصد مکمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جبکہ اپنے دین و مذہب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ

[illegible] عصری تعلیم و تربیت بھی اَز بس ضروری ہے۔

علمِ اسماء اللہ سُبحانہٗ کی جانب سے انسان کو بخشی ہوئی وہ نعمت ہے جو فرشتوں اور جنوں کو بھی نہیں [illegible] (چند ایک جو مُستثنیٰ ٹھہرے) تمام ارضی و سماوی عُلوم علمِ اسماء سے ہی باہم مربُوط و مُتشکّل ہوئے بعداً [illegible] معارف و مفہوم پردۂ اخفاء سے نکل کر معرضِ فہم و ادراک اور بیان و ارشاد تک پہنچے پھر آسمانی صحیفوں کے [illegible] خصوصاً فرقان الحمید کے وسیلہ جلیلہ سے بالالتزام و اہتمام اس کے ثمرات انسان تک پہنچائے گئے۔ [illegible] رسائی عہدِ عتیق کے عہد ناموں صحیفوں اور آخری کتاب کتابِ مُبین تک آسانیوں کے ساتھ ہو [illegible] جاننا ہوگا کہ ربّ کریم نے اس عالمِ رنگ و بو جہانِ کارزار کائنات کُن فیکون میں جو کچھ بھی تخلیق [illegible] اپنے پیارے محبوب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ ہی تو ہے جو آدم اور اس کی اولاد کے [illegible] رحمت و برکت کا موجب بنا۔ علمِ الٰہیت اور علوم ارض و سما جیسے علوم وحی و القاء، رؤیائے صادقہ اور علمِ اسماء [illegible] سے عطا فرمائے آسمانی صحیفے اُتارے، تجسس اور غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ حضرتِ انسان خود کو [illegible] اپنے خالق کو پہچان سکے۔

ربّ [illegible] حکمت و عظمت نے جسے چاہا اسے علوم لدُنّی بھی [illegible] فرمایا اور [illegible] ایسے ایسے [illegible] وقتوں [illegible] آشکار ہو [illegible] عقل [illegible] اور [illegible] دنیا کی تاریخ [illegible] سلطنتوں کے [illegible] کہانیوں اور اساطیر سے معلوم ہوا کہ انسان ہر دور میں ظاہری اور باطنی علوم و فنون جاننے [illegible] جستجو میں سرگرداں رہا۔ ظاہر ہے کہ ظاہری عُلوم سے اس نے کمال درجہ ترقی کی [illegible] بڑے بڑے اعلیٰ ترین [illegible] حاصل کیے ...... زمینوں آسمانوں سمندروں کو مسخر کیا ...... ستاروں پہ کمندیں ڈالیں ...... نئے نئے جہان [illegible] کیے ...... بے شمار سُود مند اور تباہ کن ایجادیں کیں ...... غرضیکہ اپنی علمی، فنی اور اختراعی عُروج کی انتہا تک [illegible] ہم ان ظاہری عُلوم کی فتحمندی اور خاطر خواہ ثمرات سے بھی اس کی علمی تجسسانہ تشنگی بجھ نہ سکی۔ یہ باطنی [illegible] ظاہری علوم سے بدرجہا قوت خیز، سریع الاثر اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ انسان کسی نہ کسی طور ان سے [illegible] حاصل کرنے کی جستجو میں جُتا رہا۔ جو چیز جتنی کمیاب، مُتخیّل اور پُر اسرار ہوتی ہے وہ اتنی ہی قیمتی اور [illegible] جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ دُنیا کے ہر دور میں ماورائے عقل و طبیعات کے عُلوم کے ماہرین اور [illegible] علم بڑی پُر اسراری حیثیت و شخصیت کے حامل رہے۔ طاغوتی سِفلی عُلوم کے مقلدین کی نجاست ایک [illegible] علوم صحیحہ و ثقہ کی نجابت کے امین بھی اکثر شکوک بھری نظروں سے دیکھے گئے۔ میرے اپنے ایک ایسی [illegible] ہے جو دیکھتے ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ دائیں بازو والا ہے یا کہ بائیں والا۔ مٹی کے تیل کی بُو اور چنبیلی کے [illegible] خوشبو کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ میرے نصیب کہہ لیں یا محض حُسنِ اتفاق کہ مغربی ممالک کے علاوہ ایشیا

کے بیشتر ممالک کے بیشتر ماہرینِ سفلی و علوی علوم سے میری کسی نہ کسی طور بھٹ رہی۔ مجھے نہ صرف [illegible] دیکھنے ملنے کا موقع ہی ملا بلکہ اُن کا چیدہ چیدہ کام بھی قریب و دُور سے ملاحظہ کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ کئی ایک سے دوستانہ مراسم بھی ٹھہرے...... ان مختلف نسل و مذاہب ماہرین میں مقامی ملکی بھی ہیں اور [illegible] بھی...... دیندار اور لادین بھی...... انتہائی پڑھے لکھے، پُروقار اور والا اعتبار بھی اور بے حد جاہل، مکروہ [illegible] گھٹیا افراد بھی اور بہت سے یوں بھی کہ وہ محض یہ علوم ذاتی دلچسپی اور شوق کی بناء پہ سیکھے ہوئے ہیں [illegible] قبیل کے زیادہ تر لوگوں کا یہ پیشہ ہے۔ ان میں بین الاقوامی شہرت یافتہ بڑے بڑے جادوگر، شعبدہ باز [illegible] اور جو یورپ اور اُمریکہ، کینیڈا کے بڑے بڑے عالیشان میجک تھیٹروں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں [illegible] اسی نوع کے کھیل تماشوں کے لئے مخصوص ہیں۔ مخصوص اس لئے کہ جادو، نظری بندی اور شعبدہ [illegible] پیشکاری کے لئے بڑی پیچیدہ اور مخفی میکانکی استعانتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ بیشتر جادو شعبدہ [illegible] کھیل تو سو فیصد میکانیاتی، برقیاتی، سائنسیاتی اور فطرتی اُصولوں، بوقلمونیوں، انداز، استعمال اور سُرعت [illegible] کے مظاہر ہوتے ہیں۔ شعبدہ باز جادوگر کا یہی کمال و فن ہوتا ہے کہ وہ اپنی شخصی پُراسراریت، ترو [illegible] اور اپنے آہنگ و لہجہ کی پُراثر لہروں سے ایک ایسا پُراسرار ماحول پیدا کر دیتا ہے کہ ناظرین [illegible] سامعین [illegible] سے ہو کر اس [illegible] حرکات و سکنات، آنکھوں کی تسخیری قوت، روشنی سایوں کی ساجھ اور مخصوص لمحوں کے باج [illegible] کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ وہ اکیلا جو چاہتا ہے وہ سینکڑوں ہزاروں کو دکھا سکتا ہے۔ [illegible] نظر بندی، شعبدہ گری، موسیقی [illegible] اور محبت وغیرہ زیادہ تر ماحول پیدا کرنے کا کام ہے۔ میں [illegible] فنون و کمالات کے ایسے ایسے کام دیکھے ہیں کہ اگر میں راسخ العقیدہ مسلمان نہ ہوتا تو ان کارناموں پہ [illegible] لیتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے تمام جادو کے کھیل کرتب محض استدراج کی ذیل میں آتے ہیں...... مسلمان [illegible] سے اگر ماورائے فہم و فطرت کوئی کرامت و تصرف ظاہر ہو جائے تو وہ اللہ کریم کی جانب سے ہے [illegible] کوئی حرکت غیر مُسلم سے ظہور پذیر ہو جائے تو وہ استدراج ہے جس کا وسیلہ شیطان مردود ہوتا ہے۔

- عہدِ قریب و بعید کے حکیم نخشب، شدّاد اور سامری......!

دورِ حاضر کا مشہور و معروف امریکن جادوگر ڈیوڈ کوپر فیلڈ اپنے منفرد جادوئی کمالات کا [illegible] وہ کوئی پُرانے انداز اور حلیہ کا بوڑھا قسم کا جادوگر نہیں۔ بلکہ عہدِ جدید کا ایک خوبرو، پڑھا لکھا، ماڈرن [illegible]

براڈوے، پیرس کے شانزلے سے ماسکو، ٹرانٹو، سڈنی، میونخ، جوہانسبرگ، روم اور برسلز تک اس کے فن [illegible] کا ڈنکا بجتا تھا۔ اسی طرح روس کا سلیمان باکوف، ٹرکی کا رحیم راپاشا، مصری جادوگر آذر مصری، ہندوستان [illegible] گوگیا پاشا، کولکتہ کا راجندر نرائن بھالیہ، برطانیہ کا میجک ماسٹر جے این میکلین جبکہ ازمنہ قریب کے [illegible] جادوگروں شعبدہ بازوں میں ہیرو ونامس، رابرٹ ہوڈین، جین ہوجین کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ [illegible] جادوگر جو ہاف مین کے نام سے مشہور تھا بڑی حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل تھا...... شکر دوپہرے برسات [illegible] دیتا تھا۔ لوہے کی سلاخوں کو گڑ کی گزک کی مانند چبا کھا جاتا۔ وہ اپنی گاڑی کی ٹینکی پٹرول کی بجائے پانی سے بھرتا تھا...... دہکتے انگاروں اور آبِ شور سے ناشتہ...... ظہرانہ اور عصرانہ ہمیشہ بیرنگ کی آہنی گولیوں کی [illegible] کروڈ آئل کا سوپ، کاپر کے آدھے انچ موٹے پتروں کے ٹوسٹ استعمال کرتا۔ اس کے پسندیدہ مشروب پٹرول، ڈیزل، گندھک اور نمک کا تیزاب تھے...... وہ نوکیلے کانچوں اور کیلوں کے آرام دہ بستر پہ سوتا تھا [illegible] حیف کہ زندگی بھر وہ کبھی علیل نہیں ہوا...... کسی ڈاکٹر حکیم یا ہسپتال سے وہ واقف نہ تھا۔ اس کی موت [illegible] عجیب وغریب حالات میں واقع ہوئی۔ وہ چیکوسلواکیہ میں ایک سٹیج پروگرام کے وقفہ میں چند گھڑیاں [illegible] کرنے کی غرض سے ایک آرام کرسی پہ دراز تھا۔ بیک سٹیج کی اونچی چھت سے ایک ننھی سی چھپکلی [illegible] آن گری۔ [illegible] غائب ہوئی۔ بچاری کا [illegible] پہنچے ہوئے [illegible] جادوگر سے وہ مس تک نہیں ہوئی تھی۔ کاٹنے واٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ مگر کیا کہیے کہ یہ جادوگر محض ایک [illegible] بے ضرری چھپکلی کے خوف سے ہی چل بسا۔

ہندوستان میں صفِ اوّل کے جادوگروں اور شعبدہ گروں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ [illegible] اس کی ایک بڑی وجہ ان کا عقیدہ یا مذہب بھی ہے۔ دیکھا جائے تو ہندوؤں کے روایتی ثقافتی تقاضے [illegible] معاشرتی اور تمدنی رویوں کے علاوہ ان کے مذہبی اسلوب بھی ہیں۔ منتر جنتر تنتر، چمتکار، شکتیاں، [illegible] دیویاں، بھوت، پریت، پلیت، شرار، شراپ، شرن، شگون چونکہ ان کے ہاں روزمرہ کی طرح ہیں۔ [illegible] سادھو سنت، جوگی بیراگی، مٹھ دھاری، ونجھی، جادوگر، کرم چاری وغیرہ ان کی ضرورت ہوتے ہیں جبکہ [illegible] حکومتی سطح پہ ان کی خوب پذیرائی بھی ہوتی ہے۔ مہاراشٹر کے مرکزی شہر ممبئی میں چند ایک تھیٹرز موجود [illegible] صرف جادوئی کرتب اور شعبدہ گری کے کمالات دکھائے جاتے۔ یہاں کی گوگیا فیملی، جونیر پی [illegible] مشہور ہیں۔ ان جادوگروں نے بیحد منفرد جادوئی کرتب ایجاد کیے، اک دنیا سے پذیرائی حاصل کی [illegible] بیرون ملک بھی خوب دام اور نام کمایا۔

دنیا کے بیشتر ممالک کی طرح انگلستان میں سینما ہاؤسز، رقص گاہیں، تھیٹرز، آرٹ گیلریز، آرٹس [illegible]

میوزیم اور اس کے ساتھ ساتھ میجک تھیٹرز بھی موجود ہیں جو ان کی ثقافت کا ایک نمایاں حصہ ہیں…… توازن معاشرے کی تعریف شاید یوں ہے کہ وہ زندگی کی گونا گوں گہما گہمیوں اور دلچسپیوں سے بھی ہے۔ اپنی تہذیب' ثقافت اور لوک ورثے سے جڑت کے ساتھ ساتھ اپنی روایات کی رخشندگی کا بھی ہے…… انسانی جسمانی نظام کو اگر بہ چشم عمیق دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحتمندی…… اعمال وخیالات' خوبی وخرابی اور وظائفِ زندگانی میں اک گونہ توازن قائم رکھنے سے برقرار رہتی ہے۔ اسی طرح میں اسی نوع کے توازن کی ضرورت ہوتی ہے۔

کیا اچھا ہے کیا بُرا' لیکن ہمارے معاشرے میں فنونِ لطیفہ کو لطف بھری نظروں سے نہیں دیکھا موسیقی' مصوری' شعر وشاعری' رقص' مجسمہ سازی' تصویر کشی' فلم سازی وغیرہ۔ شاید اس لئے بھی کہ مذہبی شعار میں یہ اشغال لہو ولعب میں شمار ہوتے ہیں۔ سینما ہال تھیٹر وغیرہ بھی شیطانی اکھاڑے سمجھے ہیں کہ یہ سب فنونِ لطیفہ ایک طرح کے فنونِ کثیفہ کی حیثیت رکھتے ہیں…… گانا بجانا مکروہ حرام مگر کے بول اور دھن اگر کوئی نعت گو حمد یا نعت میں فٹ کر لیتا ہے تو یہی کچھ مشرف بہ اسلام ہو کر ثواب بن جاتا ہے۔ ڈھول طبلہ بجانا مکروہ یا حرام مگر یہی طبلہ یا ڈھولک [illegible] تالی اگر کوئی منہ [illegible] بڑی بڑی درگاہوں اور مزاروں [illegible] میں اکثر کرتے ہیں…… دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ساتھی مائک تھامے منہ سے تال دے رہے ہوتے طبلے اور ڈھولک کے مصداق آواز منہ سے پیدا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ اللہ اللہ کہہ رہے ہوتے سرمستی اور جذبی کیفیت [illegible] اور سنائی دیتا ہے…… اگر واقعی وہ اللہ اللہ دہرا رہے ہوتے ہیں تو کے سرمدی آہنگ کی بجائے طبلے کی تال تھاپ کی آواز کیوں اُبھرتی ہے جبکہ حکم ہوا اللہ اور اس کے بلکہ سب برگزیدہ ہستیوں کے نام القاب اچھے واضح اور محبت بھرے انداز میں لیا کرو…… قرآن الحکیم خوش الحانی اور خوش بیانی سے کیا کرو…… اعراب ومخرج کی ادائی' کہولت سے نہیں سہولت سے طریقہ پسندیدہ اور اجر آگیں ہیں۔ اسی طرح رقص وسرود کو بھی ہم نے دھمال و سرود اور کہیں میں بدل کر اپنے لئے حلال کر لیا ہے۔ فنونِ لطیفہ کی دیگر اصناف بھی اسی طرح کی ردوبدل سے کرلی ہوئی ہیں…… دیکھا جائے تو اس قسم کی منافقت دوہرے معیار اور چالاکی ہوشیاری کے ہم عادی ہیں۔ اب آپ اپنے قومی اخبار اٹھا کر دیکھ لیں…… دو چار کو چھوڑ کر سب ہی قوم کا بیڑہ غرق کرنے پہ ہیں…… پورے کے پورے رنگین صفحات' جادوگروں' عاملوں کاملوں بابوں کے گمراہ کن اشتہارات پڑے ہیں۔ ایک رات کے عمل سے بگڑے کام سنورنے کے دعوے…… محبت' شادی' کاروبار'

مقدمے میں سو فیصد کامیابی کے اعلان ...... لاٹری، پرچی، کمیٹی اور میچوں کے جوئے جتانے کی خوش خبریاں وغیرہ وغیرہ ...... کوئی خاندانی عامل ہے تو کوئی سید صاحب، شاہ اور صاحبزادہ صاحب ...... داتا کا فقیر اور کوئی شکتی مان ہنومان، کالی مائی کا بھگت ...... عیسائی اور بے شمار بنگالی ...... لگتا ہے اس فیلڈ میں بنگالیوں اور عیسائیوں کا قبضہ ہے ...... کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس معاشرے میں تعلیم کا فقدان ہو، تنگ نظری، توہم پرستی کا دورہ ہو۔ معاملاتِ زندگی میں غیر متوازن رویوں پہ انحصار کرتے ہوں تو اُس معاشرے میں یہی کچھ ہو سکتا ہے کہ دین راست اور نہ دُنیا دُرست۔ اَخبار و جرائد اور دیگر ذرائع اِبلاغ تو کسی ملک و قوم کے لیے روشنی کے مینارے کا کردار اَدا کرتے ہیں۔ جب یہ مینارے ہی کشتیوں اور مسافروں کو غلط راستے پہ ڈالنے لگیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ رہبر ہی رہزن بن جائیں تو منزل کیسے نصیب ہوگی۔

● نگاہِ خواب گر ......!

بات آنکھ کی [illegible] مصحفی [illegible]

بڑھتے بڑھتے سنہری دھوپ کی مانند پھیل گئی۔ ایوانِ انسان میں داخل ہونے کے لیے [illegible] دروازے آنکھیں ہیں بلکہ انسان کے مقامِ علم و سیرت، حماقت، شرافت، نفرت، محبت وغیرہ کا انہی آنکھوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس کی زندگی موت، ظاہری باطنی عوارض کی غماز بھی یہی آنکھیں ہوتی ہیں [illegible] آنکھیں آنکھیں اور صرف آنکھیں ہی آنکھیں ...... میں جدہ کی عظیم الشان [illegible] عجیب و غریب آرٹسٹ کے اندرونی سٹوڈیو کے کونے میں لاپرواہی سے پڑے ہوئے آنکھوں کے ایک نامکمل اسکیچ پہ جھکا سوچ رہا تھا کہ ان آنکھوں سے [illegible] بڑھ کر دُنیا میں اور حسین آنکھیں کیا ہوں گی۔ پھر خیال آیا کہ آنکھیں تو آنکھیں ہی ہوتی ہیں ...... خوب نظری تو دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ داغ ہو یا میر، نظیر اور مصحفی ...... غالب، اقبال، فیض یا [illegible] ہر کسی کے لیے اس کے محبوب کی آنکھیں ہی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور اس کے لیے [illegible] ہوتی ہیں ...... تیر، تلوار، خنجر، کٹار، جھیل، ساگر ...... ساغر، مینا اور مے خانہ ...... دیر و حرم، کرامات [illegible] مہر و مروت ...... یہ آنکھیں کیا کچھ نہیں ہوتیں۔ دیدہ بانی، دیدگی اور دیدہ وری میں بڑا فرق ہے۔ [illegible] ایک ایرانی مصور کا بنایا ہوا فن پارہ دیکھا۔ اس نے پوری کائنات کے تصور کو ایک آنکھ کی پتلی میں [illegible] تھا۔ میری سمجھ میں آیا کہ شائد آنکھ ہی ہے جسے آپ آفاقی کائناتی استعارے کے طور استعمال کر سکتے ہیں۔

وہ سگریٹ ہونٹوں میں دبائے میرے سر پہ کھڑا تھا اور میں آنکھوں میں یوں کھویا ہوا کہ اس کے اندر خبر تک نہ ہوئی...... وہ کھنگارتے ہوئے جز بز سا گویا ہوا۔

”بھائی! تم یہاں یہ آنکھیں دیکھ رہے ہو اور میں باہر تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ آگے بڑھ کر اس نے تھوں سے وہ آنکھوں والا کینوس کا ٹکڑا لے لیا...... ”آؤ، باہر آؤ...... میں تمہیں گرم گرم قہوہ پلواتا ہوں۔ پھر وہ کینوس کے ٹکڑے پہ اُچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا...... ”تم چاہو تو یہ اسکیچ لے بھی سکتے ہو۔“

باہر پہنچ کر اس نے مجھے لکڑی کے ایک چھوٹے سے سٹول پہ بٹھا دیا۔ تھرماس سے قہوہ اُنڈیلتے ہوئے جانتا ہوں کہ تم بھی میری طرح خاصے تھکے ہوئے ہو...... اسی لئے میں نے تمہیں اپنے ساتھ کھلایا ہے...... لو یہ قہوہ نوشِ جان کرو اور مجھے کام کرتے ہوئے دیکھو...... مگر خاموشی اور صبر کے ساتھ......“

اس قبیل کے آؤٹ کلاس لوگ بہت کم اکیلے ہوتے ہیں...... ان کی بے اعتدالیاں، بے نیازیں اور یب مجنونانہ حرکات و مصروفیات انہیں تنہا نہیں چھوڑتیں۔ صد حیف کہ ان کے غیر موزوں رویوں اور شخصیت کے باوجود ان کی مقبولیت و محبوبیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی...... کیسے کیسے امیر و کبیر، کے شیدائی جن کی جیبیں ڈالروں سے اُبھری ہوئی [illegible]۔ ان کو آرٹ [illegible] سے دیکھتے کی بنائی [illegible] یادگار کے طور اپنے پاس محفوظ رکھتے ہیں۔ [illegible] بی طرز کے پیچھا [illegible] دیکھ رہا تھا کیسے کیسے ذی حیثیت لوگ، اس عجب زرد رو زندگی سے آوارہ دکھائی دینے کے روبرو بچھے [illegible] ہیں جیسے وہ کہیں بام معلّٰی سے اترا ہوا کوئی صورت [illegible] ہو اور وہ سب اس کی کے منتظر ہوں۔ میں نے سمجھنے کی کوشش کی کہ ایسے فنکار جو یکتائے روزگار ہوتے ہیں ایسی پالتے ہیں جو بالآخر ان کی طبعی اور فنی زندگی مختصر کر دینے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ پتلے ہونٹوں میں نچ مڑسا سگریٹ دابے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا اور سگریٹ کی راکھ تھی کہ گری کہ اب گری۔

سی داڑھی، ہونٹوں پہ لٹکی ہوئی مونچھیں، اس پہ مستزاد گلے میں ڈالا ہوا پلاسٹک کا ایپرن...... جس پہ سمت میں ایک عجیب سی ٹہنیوں والا پودا بنا ہوا تھا، اس شکل میں کہ پتوں کی بجائے مختلف کیفیتوں کو تے ہوئے نین تھے اور گول پتیوں کی جگہ سوراخ...... ان سوراخوں سے اُجلتے ہوئے کئی ایک شیڈ اور شاید یہ ایپرن کے نیچے پہنی ہوئی ہم رنگ شرٹ کا کمال تھا...... اس دھان پان سے آرٹسٹ کی فنی نے مجھے مبہوت و مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے قدرت نے بصر و بصیرت یرتیں اس دانائے حشم چشم کو عطا کر دی ہوں۔ میں بصد استعجاب و اشتیاق اُسے شائقین کے سکیچ ہوئے دیکھ رہا تھا وہ کمال یکسوئی سے مصروفِ کار تھا...... ایسا منہمک کہ جیسے یہ کام اس کی زندگی کا آخری

فریضہ ہو...... وہ اڑھائی بار مشکل سے اپنے ماڈل کے چہرے بلکہ آنکھوں میں جھانک لیتا...... اس کے بعد
کی پُرکار انگلیاں، قرطاسِ ابیض پہ یوں پھرت لیتیں جیسے کہیں کوہ قاف کے برف باروں میں برفانی پریاں
آفروز ہوتی ہوں...... میں نے بڑی عمیق نگاہی سے دیکھا کہ وہ خصوصاً آنکھوں پہ بڑی توجہ دیتا
جیسے انہیں کاغذ پہ زندہ کر کے چھوڑے گا...... یہ بھی کہ اس کے ماڈل کچھ ایسے بھی دیکھے جیسے مُردہ چہروں پہ
آنکھیں لئے ہوئے ہوں اور کچھ یوں بھی جیسے وہ مُردہ آنکھوں والے زندہ چہرے ہوں...... اپنا سکیچ مکمل کر
کے بعد دستخط کر کے اپنے ماڈل کے سپرد کرتے ہوئے وہ سکیچ کو یوں دیکھتا جیسے کاغذ میں لپیٹ کر اس نے
آنکھیں دے دی ہوں۔ اس کے سکیچ پہ آنکھیں ہی نمایاں ہوتیں...... باقی چہرہ شاید اس کے لئے
نہ ہوتا ہو۔ بنظرِ غائر دیکھنے سے لگتا کہ آنکھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بنایا...... معدوم سے خدوخال
آنکھوں کے لگاؤ کے لئے بنالیتا تھا...... جیسے قیمتی ہیرو جواہر کو اجاگر اور محفوظ کرنے کی خاطر اسے کسی جا
مدبر مخمل منڈھی، جڑاؤ ڈبیا میں سجا دیا جاتا ہے۔

میں باقی کا دن اپنی تمام خاطر جمع کے ساتھ اس کی دُم سے بندھا بیٹھا رہا...... وہ
اور میں فنجان قہوہ نوشِ جان کرتے وقت [illegible]
چندرے نین [illegible] آ پہنچا تھا...... چندرے نین سے قریب ہو آیا [illegible]
مخصوص انداز [illegible] گائیکی، راگ داری کے لئے مشہور ہے۔ اس کے برعکس چندرے نین کسی
نہیں تھا اور نہ ہی کسی گھرانے کا نام تھا۔ یہ تو بھوپال کی ایک نواحی بستی کے ایک مسلم گھرانے کی ورد
تھا...... ہے نا عجیب سی بات! وقت [illegible] کہ کسی کی زندگی [illegible] لگنے کا جز لازمی نہیں ہوتی
مختصر سی حیات میں زیادہ تر زندگی پاگل پنے، احمق پنے اور غیر ذمہ دارانہ حرکات و افعال میں بسر کر
سمجھ و شعور، استحکام، بُردباری اور ذمہ داریاں سمجھنے سمجھانے تک وہ عمرِ عزیز کے ایسے مقام پہ پہنچ جاتا ہے
نشانِ منزل، بس دو چار گام ہی رہ جاتا ہے...... اب دام و دم تو ہوتا نہیں جو خود عمل پیرا ہو سکے اور
جیون جیسی وہ روپہلی دھوپ ڈھاپ کہیں دکھائی دیتی ہے جس سے گردا گرد کی ہر چیز
پسینہ عرقِ گلاب کی مثل مہکتا تھا۔ اس مقامِ عبرت و خجلت پہ وہ عمر کھایا اور بہت پچھتایا ہوا بوڑھا
کیوں کیوں کی گردان گرداننا رہتا ہے جو گزرے سانپ کی راہ پہ لاٹھی برسانے کے مترادف ہے۔
کچھ اپنی ذات کے بارے میں لکھ رہا ہوں کہ میری حماقتوں، لاپروائیوں اور آوارہ گردیوں کا دور بھی
دور تھا...... اُتری کا تردد نہ چڑھی کی چنتا...... نہ کسی ذمہ داری کا احساس اور نہ کسی دُنیا داری کا پاس
مُنہ اُٹھا اُدھر چل دیئے۔ زادِ راہ اور کھیسے کا بوجھ تو اُن مسافروں کے لئے ضروری ہوتا ہے جو کسی

اور کسی متعینہ منزل کے متمنی ہوتے ہیں...... مَیں تو ہواؤں کے دوش پہ پھُوس کے بے توقیر تنکے کی آبشار پہ بہتے کسی درخت کے ٹوٹے پتّے کی طرح...... آندھیوں کے اَنگ لگے کسی پھٹی جنتری کے ورق کی صورت...... گرداب دریا میں چکراتے ہوئے کسی ٹوٹی پتوار کے ٹکڑے کی سی حالتِ آشفتگی میں میری فطری، ذہنی، جسمانی، علمی، دُنیاوی اور رُوحانی ترکیب وتعمیر کی تہذیب ہی کچھ یوں تھی کہ مَیں کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ تھا...... اور یا پھر کچھ تھا ہی نہیں اور بہت کچھ تھا۔ اِس ہونے، نہ ہونے کی کیفیت مجھے بھلی لگتی تھی۔ کہیں کچھ ہوتا یا نہ ہوتا، بس اگر ہوا اِس طرف کی چل پڑی تو مَیں بھی اُدھر چل دیا...... کیوں، کیا جیسے الفاظ اور معنٰی پہ غور کرنا تو شاید میری سرِشت میں ہی نہیں تھا۔

پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں، انسانی، حیوانی اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر مرئی مخلوق کی ماہیتی تراکیبی عادات، طور وطریق، ظاہری باطنی حرکات واشتغال کا مطالعہ میری مصروفیات کا ایک نمایاں حصہ رہا جاندار ہو یا عنصری کی مخلوق، ہر کسی میں کوئی نہ کوئی ترجیعی خوبی خامی اور وجودی، عنصری نمایاں نشانی موجود ہوتی ہے اور جہاں کہیں وہ موجود ہوں، وہاں ان علامات سے اپنی نشاندہی کرواتی ہیں۔ کچھ وہ اپنی مخصوص بُو، خوشبو سے اپنی پہچان کرواتی ہیں...... کچھ اپنے آہنگ [illegible] اور کچھ اپنی [illegible] حاضر ہونے کا [illegible] ہوتی ہیں...... ان عوامل میں حضرتِ انسان خصوصی طور پہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ اپنے اعمال، افعال اور عقلی خصوصیتوں کی بنا پہ اپنا الگ ہی مقام رکھتا ہے۔ اس کے ظاہری پیکر میں سب سے اعلٰی اور انمول حصّہ ہوتی ہیں۔ شاید میری یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہ آئے۔ ذرا غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھیں فکر اور فعل کی ابتدا ہیں۔ ہر جذبہ، احساس، سوچ...... اظہار، اقرار انہیں کا مرہونِ منت ہے۔ خوبصورتی، آنکھوں سے ہی ہوتی ہے۔ آنکھوں میں دم نہ ہو تو حُسن سے متعلق ہر چیز بے دم سی رہ جاتی ہے...... ہو کہ شاعری...... رقص ہو کہ مجسمہ سازی...... گانا یا بجانا، آنکھیں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔

میری ہزاروں بُرائیوں میں میری نمایاں کمزوری حسین، نرگسی، کنول، ستارہ آنکھیں نہیں...... نین ہیں۔ خوف کے غلاف میں لپٹے ہوئے نین...... پاگل پنے، حمق اور لاعلمی کی دھند میں کھوئے سے نین...... چونک جانے والے، اچنبھرے، بدک پڑنے والے نین...... جھٹ سے پھٹ بھیگے نین......!

ہندوستان کے کلاسیکل فلم ڈائریکٹر، رائیٹر کیدار شرما، جو راج کپور کے گرو بھی تھے کا تعلق شکر گڑھ

سیالکوٹ سے تھا۔ پرتھوی راج کپور اس کو بڑا مان دیتا تھا۔ یہ اپنے اُسلوب کا ایک نادرِ روزگار فنکار تھا۔ نے بمبئی میں جتنا بھی کام کیا۔ وہ کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی ایک فلم ''باورے نین'' تھی۔ جس گیتا بالی نے بڑی خوبصورت اداکاری کی۔ یہ فلم مَیں نے کم از کم بیس بار دیکھی تھی۔ مَیں جاننا چاہتا تھا اس کا نام ''باورے نین'' کیوں ہے۔ مَیں پُراسرار نیناں کو صرف نینوں کے حوالے سے دیکھنے کے لئے اور ممبئی' گھر سے بھاگ کر گیا۔ لاہور میں ایک اداکارہ نیناں تھی' اُسے بھی اسی وجہ سے دیکھا...... آہو چشم اداکارہ شاہینہ' عشرت جہاں ببو' جدّن بائی کے ہاں بھی لاجواب خوبصورت آنکھیں تھیں...... اداکارہ آنکھیں نہیں تھیں نین تھے۔ آنکھوں اور نینوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آنکھیں محض دیکھنے یا دکھانے کے ہوتی ہیں اور جبکہ نین......؟

رئیس امروہوی مرحوم [illegible] کے ہاں جس زمانے میں [illegible] ''[illegible] وری'' کی مشقیں کیا کرتا تھا نے ایک بار مجھے آنکھ اور نین کے مابین کا فرق سمجھایا تھا...... بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھ اور نین اور نگاہ' چشم اور چشمان وغیرہ یکساں معنوں میں ہی مستعمل ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ مجھے سمجھ میں کچھ مختلف ہے...... شاید جیسے عقل اور عشق' مسلمان اور مومن' آدمی اور بندے میں جو نازک سا معنوی فرق وہ آنکھ اور [illegible] کوئی پاگل وہ آنکھوں کی بھیڑ میں کہیں نینوں کی تلاش میں تھا اور اِدھر مَیں بھی ان نینوں کی وجہ سے ہی اس کے قریب تھا۔ مجھے یقین ہے اُس نے اپنی قلبی اور باطنی بالیدگی سے مجھے پہچان لیا تھا۔ اُسے مزید جاننے کی غرض سے ساتھ شاملِ طعام کیا...... اس [illegible] کی صحبت میں مجھے اُس کے سٹوڈیو میں جھانکنے کا موقع مل گیا۔ تاک جھانک کے دوران' ایک کونے میں پڑے کینوس پہ نینوں کے ایک نامکمل سے سکیچ نے مجھے پکڑ لیا تھا اِک زمانے کے بعد مَیں نے ایسے باورے نین دیکھے کہ جنہیں دیکھنے کی آرزو میں مَیں باورا ہو کر رہ گیا تھا

تین چار روز میرا وطیرہ یوں رہا کہ مَیں ظہر کی نماز میں اس کے ساتھ شریک ہوتا...... پھر عشاء بادلِ نخواستہ اپنے ہوٹل لوٹتا۔ کھانا پینا اُس کے ساتھ...... پورا دن مَیں اُس کے پاس سٹول پہ بیٹھا اُس کی اُنگلیوں کی ''چشم سازیاں'' دیکھتا رہتا۔ ولندیزی اور فرانسیسی روایتی مصوروں کی اپنی ایک علیحدہ ہی پہچان ہے۔ وہ حال حلیے' شکل وصورت اور اپنے طور طریقوں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اس جدید دور میں وہ کہیں ازمنہ قدیم کے باشندے دکھائی دیتے ہیں...... شاید سچے آرٹسٹ کے پاس اِک جنونی محبت ہوتی ہے جو اُسے خود اور دُنیا ومافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کا ناتا صرف اور صرف جنون وفنون سے ہی رہ جاتا ہے...... اس کا بھی یہی عالم تھا۔ اپنے کام میں مصروف' اُسے کچھ ہوش نہ

[illegible] کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ کون آیا کون گیا...... کسی نے کچھ معاوضہ دیا ہے یا وہ سکیچ لے کر محض تھینک یو کہہ کر چلا گیا ہے۔ میں نے دیکھا ایک دو تو سکیچ مکمل ہونے سے پیشتر ہی اُٹھ کر چل دیے شاید وہ جم کر نہ بیٹھنے کی سکت یا بخت کی تنگی کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں...... مگر اُسے تو ایسے اُٹھ کر چل دینے والوں کی بھی خبر یا پروا نہ ہوتی [illegible] ہی وہ کسی خفگی کا اِظہار کرتا بلکہ کمال استغناء سے نامکمل سکیچ ایک طرف ڈال کر اگلے ماڈل کی جانب متوجہ ہو جاتا۔ —— مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ نامکمل نینوں والا سکیچ بھی جسے میں نے اُس کے سٹوڈیو سے اُٹھایا اور جو ابھی تک میرے ہی قبضہ میں تھا' وہ بھی کوئی ایسا ہی سکیچ تھا جس کا ماڈل اُسے اُدھورہ چھوڑ کر چلا گیا ہوگا۔

میں نے جدہ سے روانگی کے آخری دِن خصوصی طور پہ اُس سے درخواست کی۔

''میرے اچھے فنکار! الوداعی ملاقات کا آخری طعام میری جانب سے قبول کرو۔'' وہ بہ عجلت بولا۔

''یہ تو تم جانتے ہو گے میں قلیل اور عام سا طعام لیتا ہوں اور اپنے سٹوڈیو میں ہی کھانا پسند کرتا ہوں یہ طعام اُسی یمنی مطبخ سے آتا ہے جو نیچے مسجد کے پہلو میں ہے۔ اَب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ طعام میں [illegible] یا تم لاتے ہو۔''...... میری آنکھوں میں دُور تک جھانکتے ہوئے پھر گویا ہوا...... ''اچھا تو آج تم ہی [illegible]ے کر آؤ۔''

نیچے مطبخ پہ پہنچا تو ایک بدو نے مجھے دیکھتے ہی پیک کیا ہوا طعام میرے سامنے رکھ دیا۔ [illegible] دینا چاہا تو اُس نے ہاتھ لہراتے ہوئے فر فر عربی میں کوئی تلخ سی گردان دُہرائی کہ مجھے [illegible] دبا کر کھسکتے ہی [illegible] —— واپس پہنچ کر ساری صورتحال بیان کی تو کھلکھلا ہنستے ہوئے بتانے لگا۔

''میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا کہ اس مطبخ کا یمنی مالک بڑا صاحبِ ذوق و شوق ہے...... خاص طور پہ مصری اور صحرائی موسیقی سے بڑی دلچسپی رکھتا ہے۔ اُمِّ کلثوم اور مصباح درویش کا تو دیوانہ ہے...... تم نے اس مطبخ کا اَندرونی حصہ نہیں دیکھا...... اگر تم ایک بار وہ سب کچھ دیکھ سُن اور کھا پی لو جو اس مطبخ کے اندر ہے تو یہ مشاہدہ اور تجربہ تمہارے لئے انوکھا سا ہوگا۔''

''مثلاً......؟'' میں نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ طعام والا پیکٹ کھولتے ہوئے کہنے لگا۔

''پہلے اس دعوت سے نپٹ لیں جو خاص طور پہ تمہاری طرف سے ہے۔ بعد اَز نیچے چل کر اُس کے ہاتھ سے یمنی حلوہ' جو عجوہ کھجور' شامی اَنجیر اور شہد سے بنتا ہے کھائیں گے۔ اس کی لذت آفرینی اور منفرد ذائقہ تم کبھی نہ بھلا پاؤ گے۔'' بھیڑ کی بھنی ہوئی ران سے ایک بچا کاٹ کر میرے آگے سرکاتے ہوئے مزید بتانے لگا۔ ''عبید بن عبداللہ' جو اِس مطعم کا مالک ہے میرا دوست اور قدردان ہے۔ مگر ٹھہرا وہ قدرے

سنکی......!" وہ مزید مزہ لیتے ہوئے چہکنے لگا۔ "تم یقیناً جانتے ہو گے سنکی لوگ کسی نہ کسی طور غیر معمولی [illegible] ہوتے ہیں۔ ایسے سنکیائے افراد کی ایک آدھ رگ ٹیڑھی نہیں بلکہ دل و دماغ کی قریب قریب ساری رگیں اُلٹی ٹیڑھی ہوتی ہیں...... بظاہر یہ بیکار و بیزار دکھائی دینے والے بڑے اولڑے ہوتے ہیں...... مفکر، فلاسفر سائنسدان، شاعر، ادیب وغیرہ۔"

یہ مصوّر بھی کمال کا آدمی تھا کھاتا اور فرماتا، دونوں کام ایک ساتھ کر رہا تھا۔ عربی النسل اور دبلی [illegible] والے باتوں کے گالڑ ہوتے ہیں...... کوئی دل گُردے والا یا کوئی فقیر درویش، جس نے اپنا مَن مارا ہو [illegible] اپنے کان 'کانے' کروانے پہ تُلا ہو وہ ان کے آگے جم سکتا ہے...... میں کمال تحمّل و برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا شاید اس لئے بھی کہ میں اکثر ایسے ہی معرکوں کی محرابوں تلے 'پیش امام کا مکبّر بنا رہتا ہوں...... ابتدا مجھ سے ہوتی ہے پھر پوری گفتگو کی نماز مجھے خاموشی سے اگلے کی اقتدا میں پڑھنی پڑتی ہے۔

اُسے وقفہ دینے کی خاطر میں نے پوچھ لیا۔

"سنکی یمنی وہی تو نہیں جس نے مجھے طعام کا پوٹلا یوں تھمایا تھا جیسے اس کے اندر لطیفے [illegible] کی بجائے [illegible] گرینڈ اور ہوم میڈ بم رکھے ہوئے ہوں اور [illegible] اس نے عربی کا ایک [illegible] مارا کہ میں [illegible]

وہ [illegible] ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا...... مُنہ بھرے لُقمے نے اُسے لب ہلانے کی اجازت [illegible] تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

"تم بھی کچھ کم سنکی نہیں ہو......" اور ساتھ ہی میں نے پوچا لگاتے ہوئے کہا...... "شاید سنکی [illegible] اچھے اور سچے فنکار کی مجبوری ہوتی ہے ورنہ وہ مکمل یکسوئی حاصل نہیں کر سکتا...... یعنی تخلیقی توانائیوں کو [illegible] رُخ پہ ڈالنے یا کسی مخصوص نقطۂ ارتکاز پہ مجتمع کرنے کے لئے فنکار کا کھسکا ہوا ہونا اور دکھائی دینا [illegible] ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو اس یمنی مطبخ والے کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یقیناً کوئی گُنی گیانی ہے جو [illegible] تلملایا ہوا مردم بیزار ہے۔"

دورانِ طعام اگر پُر لطف گفتگو، ہلکی پھلکی پھبتیاں، مذاق لطیفے چلتے رہیں تو نہ صرف کھانے کا [illegible] اس کی غذائیت دوچند ہو جاتی ہے بلکہ ایسے خوشگوار ماحول میں پیٹ پڑا کھانا بھی جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ [illegible] میں پلک کے ساتھ ساتھ خونِ صالح پیدا ہوتا ہے۔ انبساط بھرے ماحول کی خوشگواریت 'آکسیجن' [illegible] میں ایک مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔ مُنہ میں لعاب لازمہ کا چشمہ پُھوٹ نکلتا ہے...... طبیعت کا [illegible] اور مزاج کا تکدّر دُور ہو جاتا ہے۔

ہم دونوں بڑے اچھے موڈ میں نیچے مطعم میں پہنچے...... صدر دروازے کی بائیں جانب ٹیک اوے کے لئے کاؤنٹر اور دائیں طرف، مطعم کے اندر جانے کے لئے راہداری تھی...... سنگِ ابیض کا شفاف فرش، چم چم کرتے رنگین آئینوں سے آراستہ چھت...... سبز گرینائٹ کی محرابیں اور دیواریں...... اندر داخل ہوتے ہی ام کلثوم کے زمزموں نے ہمارا استقبال کیا...... پھر اللہ جانے مطعم کا مالک وہ یمنی کہاں سے نکل کر ہمارے سامنے آموجود ہوا...... ایسے ہی جیسے چراغ رگڑنے سے اس کا جن آنِ واحد میں سامنے، ہاہاہا قہقہے لگاتے ہوئے حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ شخص بھی کچھ پہلوؤں سے ایک جن جیسا ہی تھا...... سر پہ لپٹا ہوا عربی طرز کا رومال، کھچے ہوئے تنگ ماتھے تلے اُلوؤں جیسی گول گول آنکھیں...... تہمت کی طرح لگا ہوا چپٹا سا ناک...... اُدھڑی مونچھوں کے پیچھے کتھئی دانتوں کی ناہموار باڑ اور ٹھگنے قد پہ توندیلہ سا جسد۔ اس نے چھوٹتے ہی اھلاً وسھلاً کے بعد چوما چاٹی شروع کر دی۔ جس کی [illegible] میں بھی آ گیا تھا...... چوما چاٹی میں چنداں حرج نہیں اگر اس میں کچھ قرینہ اور سلیقہ بھی روا رکھا جائے۔ یہیں کہیں میری سمجھ میں آیا کہ عربی لوگ عطریات کا اتنا زیادہ استعمال کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید عوام و خواص، مرد و زن حتیٰ کہ بچگان تک بڑی بے دردی سے تمباکو نوشی کی لعنت قبیحہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ بس منہ تمباکو کی بُو مارنے کی بنا پر بے تحاشہ خوشبویات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ [illegible] ایک تمباکو کی بو سے [illegible] یا کشید قامت، فربہ یا ڈبلا پتلا ہو...... گندے بدصورت دانتوں اور کھردری ڈاڑھی والے سے بھی یہ حرکت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں میرے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ میں [illegible] یمنی کو طرح دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے جھپٹ کر آکٹوپس کے سے بازوؤں کے شکنجے میں جکڑ لیا اور وہی کچھ کیا جو عربی ایک دوسرے سے ملتے وقت کرتے ہیں...... میں جل سا کھڑا سوچ رہا تھا کہ مجھے فوراً کسی واش روم میں گھس کر اپنا چہرہ دھو لینا چاہئے...... کڑوے تمباکو کی بُو نے میری مت مار دی تھی۔ گو اس کی بے تحاشہ نکلی ہوئی توند نے مجھے خاصے فاصلے پہ رکھا تھا مگر اس ریچھ نے کھینچ کھانچ کر اپنا کام کر ہی لیا تھا۔

اس نے ہمیں اس مخصوص کمرے میں بٹھایا جو شاید انتہائی معزز اور خاص الخاص گاہکوں کے لئے تھا۔ کمرے میں کیا داخل ہوئے محسوس ہوا ہم کسی عین نستان میں داخل ہو گئے ہیں۔ کمرے کا بیرون دروازہ ایک حسین آنکھ کے نقشے کا بنا ہوا...... چوکھٹ کے پٹوں کی جگہ بڑے بڑے غلافی پپوٹے...... ہم ان کے اندر داخل ہوئے تو آگے سفید موتیوں کی چلمن پڑی ہوئی، جس پہ سیاہ موتیوں سے آنکھ کی پتلی بنی ہوئی تھی۔ اس سے گزر کر جب اندر قدم رکھا تو یہ احساس ہوا کہ ہم کسی چشمِ نم میں اتر آئے ہیں۔ ہلکی ہلکی نم دار برودت نے ہمیں ایک خوشگوار سی شگفتگی میں بھگو سا دیا...... نیم ملگجے سے ماحول میں ہر چیز غیر واضح سی تھی۔ لگا کہ ہم کسی بھوت بنگلے

کے ڈرائنگ رُوم میں پہنچ آئے ہیں۔ اِدھر کی ہر چیز کسی نہ کسی طور آنکھ کی شکل سے مشابہ تھی۔ فرش پہ بچھے اَدھ کھلی‘ سوئی جاگی‘ گھورتی‘ سوچتی اور کھوجتی ہوئی آنکھوں سے لبالب قالین...... گاؤ تکیے تپائیاں‘ [illegible] غالیچے‘ پردے آرائشی سامان جو بھی تھا آنکھ سے مُتشکّل...... آنکھ کے اُبھار پُرخمار کی طرح اُبھری ہوئی [illegible] نشستوں پہ بیٹھتے ہی محسوس ہوا کہ جیسے مَیں کسی دیوہیکل مخلوق کی آنکھ کے ڈیلے پہ بیٹھ گیا ہوں۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب آنکھوں نے اندر کے ماحول سے قدرے آشنائی لی تو یوں لگا کہ مَیں آنکھوں کے کسی سمندر میں [illegible] آیا...... دُنیا جہاں کی کوئی آنکھ ایسی نہیں تھی جو یہاں موجود نہ ہو۔ وہ سارے جلوے‘ جوت‘ جادو‘ جذبات جن کا تعلق کسی طور آنکھوں سے ہو سکتا ہے وہ سب کچھ یہاں پہ سجایا دفنا دیا گیا ہے۔ اِس جگہ کو نینوں کا نگارخانہ بھی کہا جا سکتا تھا اور مُردہ خانہ بھی۔ بلکہ اِسے نینوا کا قبرستان کہنا زیادہ مناسب تھا۔

آنکھ یا نین‘ اِنسانی اعضا ہیں اور اجسام و اعضاء کے لئے بقا نہیں (اِستثناء کے ساتھ) لیکن کچھ خاص ماحول و محل میں ان کی کچھ کیفیات‘ اَمر ہو جانے کی قدرت بھی رکھتی ہیں جیسے زندگی موت‘ خوشی [illegible] محبت نفرت‘ جنہیں [illegible] وقت کے ساتھ ہم فراموش کر بیٹھتے ہیں مگر ان سے ظہور پذیر اکثر کیفیات کو محو کرنا [illegible] آسان نہیں ہوتا۔ جب ہم کسی کی محبت یا نفرت کو سامنے [illegible] تو کوئی نقش‘ چہرہ رُوبرو آئے نہ آئے [illegible] خوشگوار یا ناگوار [illegible] کیفیات [illegible] میں کیفیات [illegible] فقدان تھا۔ میرے بریف کیس میں اس کے سٹوڈیو سے اُٹھایا ہوا وہ سُلگتی ہوئی آنکھوں والا [illegible] موجود تھا جس پہ آنکھیں تو بے شک ادھوری تھیں مگر ان میں کیفیات بلاشبہ مکمل تھیں۔

مَیں دو جیتے جاگتے اِنسانوں اور بے شمار ساکت و جامد آنکھوں کے درمیان ایک ایسا رُوہانسو سا بچہ بنا بیٹھا تھا جو اپنے گھر کا راستہ بھول کر گھنے جنگل میں کسی اندھے جادوگر کے چنگل میں پھنس گیا ہو—— جو اپنے شکار کی آنکھوں سے کیفیات کشید کر کے اپنی کور آنکھوں کو سینچتا ہے...... باقی ماندہ ڈیلوں کو جھاڑ جھنکاڑ پہ ٹانک دیتا ہے۔ سُوکھنے بوسیدہ ہونے پہ ان ڈیلوں سے خُون آشام چمگادڑیں جنم اُٹھاتی ہیں......!

مَیں تصورات کی دُنیا میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا...... مَیں نے اس سے پیشتر بھی کہیں کہا ہے کہ کالا رنگ‘ آنکھیں‘ بال‘ رات اور آواز‘ یہ پانچوں پُرتمکنت یعنی جادو ہیں۔ یہ اپنی گرہیں اُس کے سامنے کھولیں گے جس کے ہاں ناخنِ علم و ہُنر ہو گا اور جسے کسی مُرشدِ کامل سے فیضان حاصل ہو گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکثر لوگ کالا رنگ شوق سے پہنتے ہیں مگر وہ اس کے شرف اور شر سے واقف نہیں ہوتے۔ اِسی طرح آنکھیں بھی ہر کوئی رکھتا ہے مگر بینائی کہیں ایک آدھ میں ہی ہوتی ہے۔ آنکھوں کی فسوں کاریاں‘ فتنہ گریاں اور حشر سامانیاں سمجھنا اِک الگ دردِ سر ہے۔

جس طرح سانپوں سنپولوں پہ سپیرے سپیادے ہوتے ہیں جو اُن کے زہر و تریاق طریق و طور سے سب جانکاری رکھتے ہیں۔ اسی طرح سمندروں' دریاؤں کے شناور اور ناخدا بھی ہوتے ہیں۔ جو اُن کے مزاج' موسموں' لہروں موجوں' گہرائیوں پنہائیوں کے محرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح شاید یہ نگی سے مصوّر بھی ہوتے ہیں۔ کوئی پورے پیکر کو اہمیت دیتا ہے تو کوئی پیراہن و پازیب اور کوئی گیسوئے تابدار و تمکنت جمال کو ابھارتا ہے۔ عارضِ گلگوں اور چاہِ زنخداں کو اور کہیں لب کی نزاکت اور کوئی آنکھوں' پلکوں اور ابروؤں کی تشبیہیں کرتا ہے۔ مصوّروں کی بھی اقسام ہوتی ہیں...... فلسفی' صوفی' اجتہادی' مذہبی' تجریدی' عسکریت پسند' [illegible] پسند' امن پسند' ترقی پسند' انتہا پسند' تشدّد پسند وغیرہ...... کچھ حُسن و جمال کو ہی پینٹ کرتے ہیں۔ چند ایسے بھی جو محض کراہت و کدورت اور کسر و کسل کو ہی موضوع رکھتے ہیں۔ ایرانی' تورانی' کُرد' عراقی مصوّر عسکریت اور وطنیت کو اُجاگر کرتے ہیں...... فرانسیسی' پرتگالی' ہسپانوی [illegible] ہنرمند قدرتی مناظر' گُل و ثمر' فطرت کی [illegible] کے علاوہ انسانی معروضی مشاغل پہ رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ امریکن مصوّر فلک بلڈنگز' موٹر کاریں' [illegible] مناظر' ہوائی اور بحری جہاز' شاہراہیں' رقص گاہیں۔ برٹش سکاٹش' پرندے' کتّے' گھوڑے' ظروف' جنگل کے مناظر' پہاڑ' جبکہ جرمن' اٹالین مصوّر' چرچ' باغات' پھل' [illegible] کاروان اور ناچتی ہوئی حبشی عورتیں وغیرہ جبکہ قدیم ایرانی [illegible] اظہار تک ہی ہے۔

یمنی مطعم کے اس نگارخانے میں مَیں اپنی حیرتوں کے چراغوں کی لو میں بیٹھے ششدر سا بیٹھا تھا...... یہ بات تو میرے دائرہ ادراک میں آ چکی تھی کہ دیواروں کی بانہوں سے جھانکنے پھنکارنے والے [illegible] کے یہ سارے مار سیاہ اسی مجنون سپیرے کے کیلے ہوئے ہیں اور یہ مخبوط الحال یمنی اس کا زبردست مدّاح ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے اسے اچھے کھانے بھجواتا ہے۔

بڑے نفیس برتنوں میں قہوہ اور کھانے ٹونگنے کا سامان تپائی پہ دھرا ہُوا تھا۔ اسے کون اور کب لایا' مجھے کچھ خبر نہ ہوئی تھی۔ مَیں تو ان تینوں کی نظارگی میں محو ہو کر خود سے بیگانہ ہُوا بیٹھا تھا۔ جبکہ یہ دونوں [illegible] دنیا سے بے نیاز اپنی دُھنکی بیٹھکی میں لگے ہوئے تھے۔

پٹھان اور عربی اپنی روزمرّہ کی گفتگو میں باہم پیکار دکھائی دیتے ہیں۔ فرق صرف پشتو اور عربی کی گرمی اور نرمی کا ہوتا ہے۔ ان کی باہمی گفتگو محض زبان سے ہی نہیں ہوتی۔ ہاتھوں' انگلیوں' آنکھ' ہونٹوں اور مختلف نوع کی حرکات و سکنات سے بھی ہوتی ہے...... جو دیکھنے سننے سے کہیں زیادہ محسوس کر کے لُطف لینے کا باعث بنتی ہے۔

شاید اُن کی گفتگو میں کوئی وقفہ آ گیا تھا، مجھے یوں مبہوت سا دیکھ کر مصور بولا۔

''خیریت، بھائی! کدھر پہنچے ہوئے ہو؟...... میں تو اپنی باتوں میں اپنے اس مخلص دوست اور مداح سے تعارف کرانا بھی بھول گیا۔''

اس سے پہلے کہ وہ تعارف کرواتا میں بیچ میں بول پڑا۔

''بھائی! میں آج دوپہر انہی کے ہاتھوں سے کھانا لے کر آیا تھا۔ جس احتیاط اور محبت سے کھانا مجھے تھمایا اور بھگایا اس سے مجھے اِن کے اخلاص اور آشفتہ مزاجی کا کچھ کچھ اندازہ ہو چکا ہے۔''

وہ چتون چڑھائے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''آپ نے مجھے اِن کے ہاں کھانا لینے بھیجا...... جب میں ان کے مطعم پہنچا تو یہ کھانا لیے میرے منتظر تھے۔ علیک سلیک کے بعد کمال محبت و مہر سے کھانے کا پیکٹ میری جانب بڑھا دیا۔ میری بدبختی جو میں نے بل کا پوچھ لیا...... بس وہیں سے ان کا محبت بھرا لہجہ شقاوت کی کثافت میں منقلب ہو گیا اور میں سر پہ پاؤں رکھے بھاگ آیا۔''

وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا۔ ''بھائی! ایسی بھی بل والی بات [illegible] بگڑی [illegible] تم ان باتوں [illegible] تو [illegible] میں [illegible] قہوہ انڈیلتے ہوئے مزید [illegible] لگا۔ ''تمہارے اور تمہارے خبط کے متعلق میں اسے سب کچھ بتا چکا ہوں...... چونکہ یہ بھی تمہاری طرح چشم گریہ ہے اسی نسبت سے میرا ایک پُرخلوص فین ہے...... مجھ پہ جان چھڑکتا ہے۔ ایک سے عرصہ سے میرے طعام و قیام کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے۔''

اُب شاید گفتگو کا ٹریک بدلنے کی خاطر پوچھنے لگا۔

''تم اس نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے کیا محسوس کر رہے ہو؟''

میں اس سوال پہ ہڑبڑا سا گیا...... سوچ میں پڑ گیا اسے کیا جواب دوں؟ کچھ توقف کے بعد میں آنکھ نما طشتری میں پڑے ہوئے کسی معصوم بیمار بچے کی ادھ کھلی اکھڑیوں کی مانند ایرانی پستے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں ایک نین نیّا میں سوار ہوں اور جیسے یہ نیّا کسی نین ندیا میں ہچکولے لے رہی ہو۔ ندیا میں مچھلیاں، سیپیاں، گھونگے موتی بھی آنکھوں جیسے آسمان پہ چاند ستارے بھی نیم خواب آنکھوں کی طرح سوتے جاگتے سے، جدھر دیکھوں آنکھیں ہی آنکھیں...... لگتا ہے دنیا تو دنیا، پوری کائنات ہی ایک بے کنار کھلی سی آنکھ ہے اور پھر اس کائناتی آنکھ کی تخلیق بھی جیسے کسی ازلی ابدی آنکھ والے کی مرہونِ منت ہو۔''

میں یونہی بے پروبال کی ہانک رہا تھا اور وہ میری لن ترانی پہ مسکرا رہے تھے۔ میں شاید کچھ زیادہ ہی بہک گیا تھا خجل سا ہو کر پوچھ بیٹھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں اکھڑیوں' آنکھوں اور نینوں کے حوالہ سے تمہارا خاصا کام یہاں پہ آویزاں ہے۔۔۔۔۔ ایک طرح سے یہ کمرا تمہاری نگاہ پروری کا نگار خانہ ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھ کیا ہے اس کا ظاہر' باطن' کیسی کیسی رعنائیوں سے بصیرت ہے...... کیسے کیسے اسرار و افہام' ان میں پنہاں ہوتے ہیں۔ شاید آج ایک ایسا سوال پوچھنے کا مناسب موقع ہے جو ملاقات کے پہلے روز سے ہی میرے اندر مچل رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم نے انسانی اعضائی حسن و جمال کی فتنہ توزیوں اور رعنائیوں سے قطع نظر صرف انسانی آنکھوں کو ہی مشقِ ہنر بنایا ہے جبکہ آنکھوں کی اکملیت' چہرے سے متعلقہ اعضاء و جزویات کے [illegible] نہیں ٹھہرتی۔ غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھیں چہرے کا حصہ ہیں اور چہرہ' جسم کا جزو ہے۔ جبکہ تمہارا تمام تر زور صرف اور صرف آنکھوں پہ ہی ہوتا ہے یعنی تم جسم کی کلیات کے قطع نظر محض جسم کی جزویات کو اہمیت دیتے [illegible]

اس کے بے جغرافیہ چہرے پہ زلزلے کے [illegible] سے اُبھرتے ہوئے [illegible] میری جز بین نگاہوں سے پوشیدہ [illegible] بولا۔

''کچھ آنکھیں ایسی بھی دکھائی دے جاتی ہیں جو مجھے سمندر کی اُمڈتی ہوئی موجوں کی مانند اپنے ساتھ بہا کر اندر لے جاتی ہیں اور جو پھر ان گہرائیوں' گیرائیوں' گدرائیوں اور گویائیوں میں اتر جاتا ہے اُسے بھلا یہ ہوش کہ لبِ ساحل کیسی اور کتنی سیپیاں اور گھونگے اُگلنے پڑے ہیں۔ وہ تو آنکھوں کی مرجانی وادیوں گھاٹیوں میں مروارید چننے پہ لگ جاتا ہے۔''

''سبحان اللہ!'' میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا جبکہ میں اس کی وضاحت وفصاعت پہ قربان ہو کر رہ گیا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں اپنے تجربے اور گہرے مشاہدے کی بنا پہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر جاندار' خاص طور پہ انسان کی آنکھیں ایک ایسی چیز ہیں جو کسی مصور یا شاعر کی جولانی طبع کو انگیخت کرتی ہیں۔ باقی چہرہ اور نقوش آؤٹ آف فوکس یعنی طفیلی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں آنکھوں میں چند ایسی فسوں خیز و طلسم ہوشربا کہ ان کے سرسراتے ہوئے جادو سر پہ چڑھ کر بولتے ہیں۔ نینوں کی سولی پہ چڑھا ہوا مژگان کی انیوں سے چھدا ہوا اور ابروؤں کی کٹاروں سے کٹا ہوا پھر کہیں چین نہیں پکڑتا...... اگر وہ دنیا کا بندہ ہے تو کسی نینوں والے کے ہاں

بندۂ بے دام بن کر رہ جاتا ہے۔ اگر وہ تصوف کے رنگ میں رنگا ہوا ہے تو اُسے نین جھروکوں سے کسی ''نازِ تجلّی'' کی جھلک' جلوہ دکھائی دیتی ہے۔ شاعروں نے کشوں کے جہانِ تخیّل کے گنبدِ مینائی اور قلزم انگبیں —— کہے صائب نظر صانع' صنم تراش اور مخترع مصوّر کے لئے ایسے نیناں اِک آفتِ جان سے کم نہیں ہوتے۔''

کچھ دیر پہلے سپاٹ بنجر سا دکھائی دینے والا چہرہ' ان نینوں کی گفتگو کے دوران یوں تمتمانے لگا جیسے کسی بالڑ کا چہرہ' اپنے پہلے پہلے پیار کی رُوداد سناتے سمے تمتما اُٹھتا ہے...... شاعر' انشا پرداز' مصوّر' رقاص' سنگ تراش یعنی فنونِ لطیفہ سے جُڑے ہوئے یہ اَن کہے سنو کھے ملوک سے لوگ' باہر سے باورے مگر بھیتر سے شکر دانے اور شیتل شانت...... انگ رنگ میں کہیں بھنگ ہو جائیں تو فصاحت و بلاغت کی ایسی پھلجھڑیاں اور شُرلیاں چھوڑتے ہیں کہ سنا اور دیکھا کرے کوئی......؟

میں اُسے تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا...... قہوے کا ایک جُرعہ چڑھاتے ہوئے وہ مزید کہنے لگا۔

''یہ دیواروں پہ اُگے' اُترے اور چھپے ہوئے عذابوں کی مانند نیناں دیکھ رہے ہو' یہ میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں...... یہ لخت لخت نیناں میرے اَن گنت برسوں کی جاں سوزی اور انگشت نگاری کا ماحصل ہیں۔ مجھے یہاں پہنچ [illegible] ہوتا [illegible] میں شب کا اہتمام کرتا ہوں۔ کام کے علاوہ یہیں میری نشست' میرا بستر اور یہی جگہ میرے لئے قبر' برزخ اور جنت دوزخ ہے۔''

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ جذبات سے عاری گفتگو کر رہا ہے...... بیٹھے ہوئے نینی کی جانب بہجت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ مزید گویا ہوا۔

''یہ میرا ایک مخلص قدردان ہے۔ مصوّر تو نہیں لیکن مصوّری کی باریکیاں' تقاضے خوب سمجھتا ہے۔ عہدِ جدید و قدیم کی اعضائی مصوّری پہ بھی گہری نظر رکھتا ہے...... شاید تم یہ جان کر خوشی محسوس کرو کہ یہ بھی تمہاری طرح کسی نین نگری کا نین دُکھیا ہے۔ اپنے مطعم میں آنے والے گاہکوں کی جیبوں میں ریالوں کی بجائے ان کی آنکھوں میں کہیں نمانے نینوں کی کھوج میں پڑ جاتا ہے۔ کسی بلّی کتے کی آنکھیں خوبصورت ہوں گی تو انہیں گود بھر لے گا...... کوئی پھول پتا' پھل' پتھر وغیرہ آنکھ نما نظر آ جائے یہ انہیں حاصل کر کے ہی آنکھوں اور نینوں کے متعلق بھی اس کا فلسفہ عجیب سا ہے کہ اکثر چہروں پہ مُردہ آنکھیں ہوتی ہیں جبکہ نین تو کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے...... کہتا ہے کہ کارزارِ حیات کا کوئی سفر اِتنا دراز اور دُشوار گزار نہیں جتنا آنکھوں کے سمندروں اور نینوں کے لق و دق صحراؤں کا ہے...... جہاں ذرہ ذرہ شہاب اور ہر قطرہ ایک قلزم ہوتا ہے۔''

گفتگو شگفتہ اور عام فہم ہو تو ماحول میں چنبیلی کی سی مہک کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ گہرے گلابی اور رنگ بکھر جاتے ہیں اور اگر گفتگو اَدَق اور غیر دلچسپ سی ہو تو کچے دھتورے کی دھونی پھیلی ہوئی گھن کا گھٹس اُترا ہوا لگتا ہے۔ بارے موضوعِ سخن اگر فنونِ لطیفہ ہو یا حُسنِ جاناں کی باتیں...... یار یا قامتِ دلدار کی قیامت کا تذکرہ چھڑا ہوا ہو تو چاروں اطراف تارے تمتمائے ہوئے ہوتے موگرے، مہوے، موتیے کی ملی جلی مہکاریں اور دھنک رنگوں کی دیوالی سی رمی ہوئی ہوتی ہے۔

مصوّر کی ایسی دلپذیر اور سحر آفرین گفتگو سے یہاں بھی کچھ ایسا ہی سماں بندھا ہوا تھا۔ ماحول جیسے وقت نے ہچکی لے لی ہو۔ کمرے کی دیواروں، دروازوں کے پٹ پردوں، فرشی گدیلوں، اور خورد و نوش کے سامان و ظروف پہ کھلے اَدھ کھلے چٹپٹاتے ہوئے نیناں ہی نیناں...... ہمیں کہیں سمجھ کہ دیپک راگ سے واقعی ہی دیپ جل اٹھتے ہیں...... آگ لگ جاتی ہے، شعلے بھڑک سکتے ہیں اور ملہار چھڑنے سے رم جھم ہو جاتی ہے۔

سُر، تال اور لَے اور اس کے اثرات و ثمرات، محض موسیقی کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے سخن بھی کما حقہٗ مستفیض ہوتی ہیں۔ موسیقی کو [illegible] حاصل [illegible] جذبات، و اثرات [illegible] آفرینی اور میں [illegible] کر بولتے ہیں...... فنونِ لطیفہ سے متعلق ہر صنف باہم ایک دوسرے [illegible] مربوط ہوتی کی جہت سے [illegible] اور موسیقار بھی ہوتا ہے جبکہ رقاص کسی آنگ سے تراشے......!

اس نگینہ ستان میں ہم نے [illegible] کی ایک تصویریں بھی [illegible]۔ رخصت ہوتے وقت اس میزبان نے کمال محبت و عنایت مجھے ایک عدد پینٹنگ تھماتے ہوئے کہا۔

"میں کسی کو اپنی کھال تو کھینچ کر دے سکتا ہوں مگر اس کمرے میں آویزاں کوئی پینٹنگ اُتار کر نہیں ...... میں خود حیران ہوں کہ میرے جی میں کیا آیا؟ یہ پینٹنگ میرے اس دوست کا ایک شاہکار ...... تمہارے پاس جو سکیچ ہے یہ اسی پینٹنگ کا ایک نامکمل حصہ ہے۔"

وہ مجھے پینٹنگ کا پیکٹ پکڑاتے ہوئے تاکید کرنے لگا۔

"یہ پیکٹ تم اپنے ٹھکانے پہ پہنچ کر کھولنا...... اب تم فوراً یہاں سے فی امان اللہ ہو جاؤ کہیں میری نیت ...... جائے...... جلدی کرو تمہاری فلائٹ کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے۔"

ایئرپورٹ پہنچنے سے پہلے ہم ٹریفک میں خوب پھنسے...... یہاں تک کہ فلائٹ چھوٹنے کا خدشہ پیدا ...... جانے کس سیارے سے گاڑیاں اور مخلوق اُتر آئی تھی...... لنگڑے کچھوے کی چال رینگتے رینگتے جب

ہم ایئر پورٹ کی حدود میں داخل ہوئے تو ہمارے خود کے حساب سے کاؤنٹر بند ہوئے آدھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ مایوسی اور بے دلی کے عالم میں بادلِ نخواستہ ہم برٹش ایئر ویز کے کاؤنٹر پہ پہنچے تو اک ناقابلِ یقین اطلاع ہماری منتظر تھی۔ کسی ٹیکنیکل وجوہ کی بنا پہ فلائٹ 'تا اطلاعِ ثانی لیٹ تھی۔ بلکہ خاصی ہی لیٹ دکھائی دے رہی تھی کیونکہ مسافروں کو ایئر پورٹ کے ریسٹورنٹ کی جانب رات کے کھانے کے لئے ہنکایا جا رہا تھا۔ محض یہ صورتِ حال اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب روانگی کم از کم چار گھنٹے کے لئے غیر یقینی ہو جائے اور اس وقفے میں کھانے کا وقت بھی آ لگے۔ ہم دونوں دیوانوں کے لئے یہ صورتِ حال بڑی تعجب خیز خوشگواریت کا سبب تھی۔ خاص طور پہ میری خوشی دوچند تھی۔ ریسٹورنٹ کے ایک انتہائی کونے میں ایک مختصر سی میز کے گرد ہم نشستوں پہ بیٹھ گئے...... خلافِ حال وہ مجھے شاداں و فرحاں پا کر پوچھنے لگا۔

"تمہیں تو اس صورتِ حال سے قدرے پریشان دکھائی دینا چاہیے مگر تم تو ایسے ہشاش بشاش ہو جیسے برٹش ایئر ویز نے تمہیں دُنیا کی مفت سیر کا اعزازی ٹکٹ پیش کرنے کی غرض سے یہاں مدعو کیا ہے۔"

میں نے ایک جھکا واں سا قہقہہ پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں واقعی اس ناگہانی تبدیلی پہ بہت خوش ہوا ہوں...... ذرا غور کرو بندہ اپنی [illegible] پوری کرنے کے لئے کیسی [illegible] کیا کچھ نہیں کرتا...... اُس کی محنت، کوشش، اہلیت اور نیّت میں کہیں جھول نہیں ہوتا۔ اس کے باوصف وہ ناکام رہتا ہے کہ گوہرِ مراد اُس کے ہاتھ نہیں لگتا...... وہ سوچتا اور کرتا کچھ ہے مگر ہوتا اس کی توقع کے برعکس ہے۔ آج کی ابھی کا قضیہ ہی لے لو...... وقت پہ یہاں پہنچنے کی خاطر ہم نے کیا کیا طریقے حربے استعمال نہیں کیے ہماری کوشش اور نیت میں کوئی کمی تھی؟ اس کے باوجود ہم یہاں وقت پہ نہیں پہنچ پائے۔ ایئر پورٹ سے صورتِ حال کچھ اور دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں پہنچ پائے تو کچھ اور ہو گئی...... اب دیکھیے کہ آگے کیا ہوتا ہے؟"

اُس نے کچھ کہنے کے لئے پر تولے ہی تھے کہ میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے اپنی رو جاری رکھی۔

"دوست! میں ایئر پورٹس، پلیٹ فارموں، لاری اڈوں پہ خجل خوار ہو کر بڑی طمانیت محسوس کرتا ہوں۔ شاید اس لئے کہ یہ مقامات بطور استعارات استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے ازل اور ابد کے درمیان زندگی اور موت کے مابین زمانیان...... مرگ اور محشر کے بیچوں بیچ برزخ، گھر سے گھاٹ کے درمیان دھوبی گھسیٹے رام کا کتا وغیرہ...... لیکن میری اس خوشی کی ایک بڑی وجہ تو تمہیں معلوم ہی نہیں، چلو میں خود ہی

مجھے کچھ مزید وقت تمہاری صحبت میں بیٹھنے کے لئے مل گیا ہے۔"

وہ جھٹ بولا۔ "اتنے دن تم میرے پاس بیٹھے رہے ہو' کیا اس سے تمہارا جی نہیں بھرا؟"

"نہیں' اس لئے کہ تم اتنے دن کبھی ایک لمحہ بھی میرے لئے تنہا نہیں رہے۔ تمہارے ہاتھ' انگلیاں' دل' دماغ ہر وقت مصروفِ کار رہتے ہیں...... تم چاہو بھی تو کسی کو ایسے لمحے نہیں دے سکتے جب تم اپنی تنہا ہوتے ہو...... اس جگہ اب نہ تو کوئی سکیچ بنا سکتے ہو' نہ یہاں کوئی تمہارا ماڈل ہے۔ بُرش' بورڈ اور نہ کاغذ وغیرہ......!"

وہ مجھے یوں تشویش بھری نظروں سے گھور رہا تھا جیسے میں اُسے اغوا کر کے یہاں لایا ہوں...... کر وہ گھمبیر سے لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اب تم مجھے یہاں تنہا پا کر کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟"

میں نے غلیظ کڑوے دھوئیں سے ناک ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

"میں تمہاری ذات کے نہاں خانے میں جھانکنا چاہتا ہوں...... جدھر تم نے کچھ چوری کا مال چھپا ہے۔"

"[illegible] دور سامنے پہ نظریں جماتے ہوئے با دلِ نخواستہ کہنے لگا۔

"مجھے پہلی ملاقات سے ہی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ تم عام لوگوں سے ایک الگ انسان ہو...... تمہاری کھوجتی آنکھوں اور [illegible] اُچاٹتی باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ تم کبھی نہ کبھی میرے لئے کوئی صورتِ حال ضرور پیدا کرو گے کہ جس کا سامنا کرنے پہ میں خود کو مجبور پاؤں گا۔ اب دیکھ لو اس وقت وہی ہے کہ میں کوئی مناسب سا ٹک ٹکا کیے بغیر تم سے اپنی جان نہیں چھڑا سکتا۔"

میں نے مسکراتے ہوئے اُس کے سبک ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس ٹک ٹکا کو حسابِ دوستاں سمجھتے ہوئے مجھے یہ سمجھاؤ کہ تمہاری ساری مصوری' جو صرف لکڑیوں' ٹینوں کے جادو جگانے تک محدود ہے اس کی وجہ میلانِ شوق ہے یا شوکتِ اظہار...... پاگل پنا رومانی حادثہ......؟"

وہ بٹ بٹ میرا منہ تکے جا رہا تھا۔ میں نے مزید مزہ لینے کی خاطر اپنی بات جاری رکھی۔

"میں اکثر تمہیں اُس کھردرے مگر کھرے شاعر کی سی حالت میں پاتا ہوں جس کے وجدانی لاشعور میں خیال' شعر یا مصرعہ چنگاری مار رہا ہوتا ہے مگر وہ کوشش بسیار کے باوصف اُسے اپنے احاطہ اظہار و ابلاغ

میں نہیں لا پاتا۔ عجب جنون کی سی کیفیت صفحے پہ صفحے کالے..... خلاؤں میں گھورتا ہے تو کبھی خود سے [illegible] سوچتا ہے لکھتا ہے۔ مگر بات اَب بھی نہیں بنتی تو قرطاس مٹھی میں مروڑ، گولے بنا بنا کر پھینکتا رہتا ہے۔ [illegible] کہیں وہ بند مٹھی سے سرکتے جگنو جیسا خیال، ہاتھ سے نکلی ہوئی تتلی جیسی ندرت تخلیق کی گُن سُن پالیتا ہو [illegible] تشنہ لَبی ہی مقدر رہتی ہے اور پھر شاید یہی تشنہ لبی یا اَمر کھوج اسے خوب سے خُوب تر کے فنی ارتقا کی جانب بڑھنے کا ولولہ عطا کرتی ہے۔"

میں اس کی کٹورا آنکھوں سے اپنی نظریں ہٹا کر چند ثانیوں کے لئے رُکا تو وہ فوراً بول پڑا۔

"کہتے جاؤ، میں تمہاری دلچسپ گفتگو سے خوب لُطف اندوز ہو رہا ہوں۔"

"بس میں جو جاننا چاہتا ہوں وہ تم جان چکے ہو۔ اگر چاہو تو مجھ سے شیئر کر لو..... وقت بھی ہے [illegible] بھی اور میری دِلی خواہش بھی۔"

وہ خشمگیں نگاہوں سے تولتا ہوا مخاطب ہوا۔

"سب سے پہلے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم خوامخواہ مجھے بانس پہ چڑھا رہے ہو..... ابھی [illegible] گفتگو سے مجھے احساس ہوا جیسے تم میرے نہیں کسی اور کے بارے [illegible] ایسی باتیں کر رہے [illegible] کو جو اہمیت [illegible] چونکہ تم ایک [illegible] تم چاپلوسی یا [illegible] بیانی سے کام لے رہے ہو۔ بہر حال.....!"

اسی دوران [illegible] چُن دیا گیا، دورانِ طعام بتانے لگا۔

"میں بنگلور میں ایک [illegible] مُسلم گھرانے میں پیدا ہوا..... میرا باپ پیشے کے [illegible] سنگ تراش تھا۔ اس کا پسندیدہ موضوع ہندو میتھالوجی تھا۔ ایک مُسلمان ہونے کے ناطے اُسے یہ [illegible] کا پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اسی وجہ سے اُسے اپنے خاندان کے علاوہ دیگر مُسلم حلقوں میں بھی غیر پسندیدہ فرد سمجھا جاتا تھا۔ آخر کار اُسے ایک فتوے کے تحت فاسق و فاجر قرار دے کر خاندان [illegible] سے باہر نکال دیا گیا۔ بس یہیں سے ہماری بد نصیبی کا دور شروع ہوا۔ ہم چھوٹے چھوٹے پانچ بہن [illegible] میں سب سے بڑا، ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا..... گھر میں کچھ ایسی آسودگی بھی نہ تھی کہ ہم باپ [illegible] رہ پاتے۔ ہمارے باپ کو گھر بار بیوی بچے، چھوڑتے ذرا بھی احساس نہ ہوا..... سنگِ مرمر [illegible] میری ماں کا چہرہ، جس پہ آنکھیں سب سے نمایاں تھیں اور اپنے کام کے اوزار اٹھائے وہ ایسے [illegible] جیسے کوئی برسوں کا اسیر اچانک رہائی پانے پہ بندی خانے سے جان چھڑاتا ہے..... مجھے وہ لمحہ [illegible] تک یاد ہے کہ جب ہم سہمے ہوئے بہن بھائی، خاموشی سے آنسو بہاتی اندھی ماں کے ساتھ گھر کے [illegible]

[illegible] کہیں وہ بھی ہمیں بے آسرا چھوڑ کر اس کے پیچھے نہ چل دے...... شام غم کے گھاٹ پہ سورج بس آخری [illegible] ہی والا تھا' سامنے آسمان' ہماری بے بسی کا یہ دلخراش منظر دیکھ کر لہو لہو ہو رہا تھا...... گھر کی روشنی سے نکل [illegible] گہرے ہوتے ہوئے سایوں میں مدغم ہونے والے اس باپ نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

اپنی جگہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ میرا باپ ایک منفرد فنکار تھا...... دیوی' دیوتاؤں اور سورگ کی [illegible] کے پیکر تراشنے میں اُس کا کوئی ثانی نہیں تھا...... بڑے بڑے سیٹھوں' دھارمک اداروں' مندروں' [illegible] گھروں اور بدیسی آرٹ ڈیلروں کے لئے اُس نے بے مثال شاہکار تخلیق کیے۔ داد و دام بھی ملے [illegible] و عزت بھی سمیٹی۔ مگر شراب اور جوئے کی لت نے اُسے ہمیشہ کنگال اور خستہ حال ہی رکھا۔ وہ اکثر [illegible] کے عالم میں میری سدا کی روگی اندھی ماں کو پٹائی بھی کر دیا کرتا تھا...... ہم بچے لوگ ڈرے سہمے سے [illegible] کھدروں میں دبک جایا کرتے...... ہمارے معصوم چہرے کسی قسم کے اچھے بُرے تاثر سے عاری رہتے [illegible] ہی ہم کسی قسم کا کوئی ردِ عمل ظاہر کرنے کے قابل تھے یا شاید اس روزمرہ عمل کے عادی ہو چکے تھے۔ [illegible] سی ماں بھی چار چوٹ کی کھا کر بے مزہ نہ ہوتی۔ اس کے منہ سے ہائے وائے تو دور کی [illegible] سسکاری بھی نہ نکلتی۔ عجیب بات کہ مار کھا [illegible] بعد وہ جب گھر اور [illegible] خاوند کے [illegible] عجیب بات کہ اس مرحلے میں تھک ہار کے ہمارا باپ بھی [illegible] بڑ جاتا اور نشہ بھی ہرن ہو جاتا۔ اب ہم ایک اور ڈرامائی منظر دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں خجل خجل [illegible] کی خیریت دریافت کر رہے ہیں۔ مضروبہ مقام و اعضا ٹٹول رہے ہیں [illegible] باپ میرا اچھا بچھا جا رہا [illegible] اس حرکت پہ پچھتا رہا ہے [illegible] معافیاں مانگ رہا ہے۔ ماں میری' اُس [illegible] حالت پہ بے دم سی ہو جاتی ہے...... کہے جا رہی ہے' نہیں نہیں کچھ نہیں ہوا...... میں بالکل ٹھیک ٹھاک [illegible] یہ تو آپ کا پیار تھا' میاں بیوی میں یہ کچھ تو ہوتا رہتا ہے...... میرے باپ کو اپنی خفت مٹانے کے لئے [illegible] نہ سوجھتا تو وہ بے تحاشہ اپنا منہ ماتھا پیٹنے لگتا یا پھر زور زور سے فرش پہ اپنے ہاتھ توڑنا شروع کر دیتا۔ [illegible] حالت دیکھ ہم بہن بھائی بھی رونا شروع کر دیتے۔''

آلو کا ایک قتلہ چھری کی زد میں لاتے ہوئے وہ چند ساعتوں کے لئے خاموش ہو گیا پھر استہزائیہ سی [illegible] کے ساتھ مزید بولا۔

''ہمارا گھر بھی ایک نوٹنکی کی طرح تھا...... جدھر ہر روز' صبح دوپہر یا شام ایسا ناٹک ضرور کھیلا جاتا [illegible] گھر کے ساتوں افراد اداکاروں کی طرح تھے...... وہی رٹے رٹائے کردار' لائنیں جملے' ایکشن...... [illegible] آغاز اور وہی جما جمایا ہوا انجام...... کھیل' تماشا' تمثیل کیسے بھی اچھے کامیاب اور قابل دید ہوں

آخر کار اپنے انجام کو پہنچتے ہیں...... ہماری باپ کے جانے پہ یہ نوٹنکی بھی بند ہوگئی...... اور اداکار......

''اچھا اچھا' تم پہلے اپنا کھانا ختم کرو...... پڑا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' میں اُسے ہلکی سی ریلیف [illegible] سوچ رہا تھا۔

چند منٹ ہم دونوں سر نہوڑے کھانے میں مگن رہے۔ یکبارگی میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے [illegible]

''دوست! تم نے دورانِ گفتگو خود بتایا ہے کہ تمہارا تعلق بنگلور سے ہے جبکہ میں تمہیں یہیں کہیں [illegible] کے خطے کا رہنے والا سمجھ رہا تھا...... تمہاری وضع قطع' لب ولہجہ اور عادات واطوار کسی طور بھی ہندوستانی [illegible] اشارہ نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ تمہاری شکل بھی یمنیوں' شامیوں' مصریوں سے مُشابہ ہے۔''

ہلکے سے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

''ہاں' تم نے درست کہا...... میرے ساتھ ایسے ہی ہے کہ میں اسی خطے کا باشندہ لگتا ہوں۔ [illegible] مشابہت میرے لئے کچھ خوش آئند نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا آزارِ جاں ہے۔ ایسی مطابقت کو یہاں کے [illegible] اور مقامی لوگ کچھ ایسا خوشگوار بھی نہیں سمجھتے بلکہ اُلٹا معیوب گردانتے ہیں۔ اہلِ فارس کہتے ہیں کہ [illegible] شہباز نہیں ہو سکتا...... یعنی اہلِ عرب کسی عجمی کو اپنی سی توقیر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے [illegible] ہاں [illegible] تھا۔ باپ [illegible] پر [illegible] بڑا تھا...... بڑے بھائی کے ساتھ کسی نہ کسی طور گھر چلانے میں ماں کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ آخر ایک دن ماں [illegible] ایک رات ایسی سوئی کہ اگلی صبح اس کی میت اس حالت میں بستر پہ پڑی تھی کہ دونوں آنکھوں کے [illegible] ڈھیلے' چاندی کی ایک کٹوری میں دھرے تھے اور پاس ایک کاغذ پہ بُوری سی شکستہ تحریر بھی پڑی تھی۔ [illegible] تھا...... ''یہ بدنصیب آنکھیں' میرے بچوں کے باپ کے لئے میری جانب سے آخری تحفہ ہیں...... میری [illegible] ہے کہ یہ آنکھیں' جیسی بھی حالت میں ہوں دیر بدیر میرے محبوب شوہر تک پہنچا دی جائیں''...... میرے [illegible] نے ایک حکیم کے مشورے کے مطابق ان بڑی بڑی مُردہ آنکھیں شہد میں ڈال کر شیشے کے ایک مرتبان [illegible] محفوظ کر لیں...... ماں کی فوتیدگی کے بعد میں نے سکول چھوڑ دیا۔ ماموں بھی کچھ آسودہ نہ تھا کہ پانچ [illegible] کفالت قبول کر لیتا۔ بس برائے نام آسرا ہی تھا...... وہ کون سا معقول' نامعقول کام تھا جو میں نے نہ کیا [illegible] نہ کسی طور رُوکھی سُوکھی روٹی چلنے لگی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے میرے قد کی طرح' وقت بھی آگے نکل آیا...... میں فارغ اوقات میں [illegible] باپ کے کام والے کمرے میں گھس جاتا۔ جہاں اب بھی اُس کے کچھ اوزار تراشے اَن تراشے مجسمے [illegible] مکمل اور اُدھورا کام پڑا ہوا تھا...... یہاں مجھے ایک گونہ سکون سا محسوس ہوتا تھا...... اِدھر اُدھر کونوں [illegible]

[illegible] رہتا۔ ایک دن پتھروں کے کاٹھ کباڑ میں ایک ایسا نامکمل پتھر کا چہرہ ملا جو ہو بہو میری ماں کے چہرے سے مشابہ تھا...... اس چہرے پہ آنکھوں کے علاوہ باقی نقش مدھم تھے لیکن آنکھیں ایسی جاندار اور بولتی تھیں کہ جان پڑتا تھا ابھی مسکرا اٹھیں گی یا پھر چھلک پڑیں گی۔ میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہی رہ گیا کیونکہ یہ ہو بہو میری ماں کی آنکھیں تھیں...... تم شاید جانتے ہوگے کہ پتھر پلاسٹر، مٹی اور لکڑی پہ آنکھیں ابھارنا بڑا مشکل کام ہے۔ خصوصی طور پہ ان میں کسی کیفیت یا تاثر کو پیدا کرنا ایسا آسان نہیں ہوتا۔ ایسی آنکھیں تراشنے یا بنانے والے لاکھوں میں کہیں دو چار ہی ہوتے ہیں اور میرا باپ بھی ان دو چار میں سے ایک تھا...... یہیں مجھے سجھائی دیا کہ میری ماں نے مرنے سے پیشتر اپنی آنکھیں نکال کر جو میرے باپ کو بھینٹ کی تھیں اس کے پس منظر میں کیا تھا؟ میں نے بچپن میں اپنے ماں باپ کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے اور بعد صلح صفائی کرتے دیکھا لیکن اب دھیرے دھیرے سمجھ میں آ رہا تھا کہ میری ماں سے میرے باپ کا بیوی کے علاوہ بھی کوئی رشتہ تھا۔ میری اندھی ماں، میرے باپ کی بیوی سے زیادہ ایک محبوبہ تھی۔ وہ اس کی دلنشین آنکھوں پہ دل و جان سے فدا تھا۔ انہی آنکھوں نے ہی اُسے ایک نابغۂ روزگار صنم تراش بنایا تھا۔ سیتا یا دیگر دیویوں کے چہروں پہ وہ اسی کی آنکھیں سجاتا تھا۔ ان سُندر مدھ سے بھری آنکھوں کی [illegible] کے بنائے ہوئے مجسمے [illegible] جاتے تھے۔''

''[illegible] اپنی ماں کی آنکھوں [illegible] میں [illegible] اندھی [illegible]؟''

''ہاں، میری ماں نیم اندھی تھی...... یعنی دن کی روشنی میں برائے نام ہیولا سا دیکھ سکتی تھی جبکہ شام کے سائے ڈھلتے ہی وہ کور چشمی کا شکار ہو جاتی...... پر اس کی شفاف ہیرے کی مانند دمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مادرزاد نابینا ہے۔ اسی کیا تمہیں، اس کے خاندان والے بھی سب کے سب ایسی ہی آنکھوں والے اور اسی طرح اندھے ہیں۔''

میں نے اس کے قریب سرکتے ہوئے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔

''کیا تم کچھ ان خوبصورت آنکھوں والے اندھوں کے بارے میں کچھ مزید بتانا پسند کرو گے؟''

وہ ایسا لمبا سا وقفہ لیتے ہوئے قدرے متردد سا بولا۔

''یہ ساری کتھا سنانے کے لئے مجھے کچھ تفصیل میں جانا پڑے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے جاننا ضروری ہے۔ ہاں، البتہ دلچسپ ضرور ہے۔''

''یہ سنگ تراشی، چتر کاری کا فن و پیشہ ہمیں اپنے پرکھوں سے ودیعت ہوا ہے...... ہمارے دادا پردادا، [illegible] راجوں مہاراجوں کے لئے پتھروں، ہاتھی دانت اور سونے چاندی کی مورتیاں بناتے تھے اور شاہی [illegible] مورت گڑھتے کہلاتے تھے۔ ان کے بنائے ہوئے چیدہ چیدہ شاہکار آج بھی مختلف ریاستوں کے

راج بھونوں، عجائب گھروں، پرانے مندروں اور بیرونِ ملک آرٹ گیلریوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ [illegible] دادا نے میرے باپ کو بہت کم عمری میں اِس کام پہ لگا دیا تھا...... مگر اِس کام میں اِس کی دلچسپی نہ ہونے [illegible] برابر تھی۔ جب اِک خاصا عرصہ پتھر رگڑتے، مورتیوں کی پالش کرتے گزر گیا اور اصل کام و ہنر کی [illegible] تو دادا نے میرے باپ کو نکھٹو سمجھتے ہوئے اپنے بھائی لکشمن داس کے ہاں بھوپال بھیج دیا۔ لکشمن [illegible] شمار وہاں کے مہان اُستاد چتر کاروں میں ہوتا تھا۔ مَیں بتاؤں کہ ایسے چتر کار، مورتیاں تراشنے [illegible] صرف دیویوں، دیوتاؤں اور شری کرشن جی، مائی سیتا یا اوتاد اوتاروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں [illegible] عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اِسی طرح لکشمن داس بھی ایک مہان چتر کار تھے۔ اُن کے [illegible] میں مشہور تھا کہ وہ ہر کسی کو اپنا شاگرد نہیں بناتے تھے اور اگر کسی کو بنا بھی لیتے تو ڈھنگ سے کام نہیں [illegible] تھے۔ مزاج کے تلخ، زبان کے سخت نہ کسی کا لحاظ نہ خیال...... میرے باپ کو بھی اُنہوں نے بڑی [illegible] شرطوں سے قبول کیا تھا۔

مَیں نے بڑی آہستگی سے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

”[illegible] ابھی تم نے کہا کہ تمہارے دادا کے بھائی کا [illegible] لکشمن داس تھا۔ اِس کا [illegible] دادا پڑدادا [illegible]......“

”ہاں، ہمارے علاوہ ہمارے تمام رشتہ دار ہندو ہی ہیں۔ بلکہ کٹر ہندو! وقت ہو گزرا کہ میرے [illegible] بھگوان داس کی ایک مسلمان درویش سے کہیں مٹھ بھیڑ ہو گئی...... خدا جانے اُس نے کیا چمتکار دکھایا [illegible] مسلمان ہو کر اِس کا مرید بن گیا [illegible]...... مشہور ہوا کہ اللہ بخش میرے دادا کے [illegible] اور میرے والد کے دوست بھی...... اِن دونوں کا ایک ہی وقت زمانہ تھا۔ ایک ہی طرح کا کام اور ایک [illegible] کمایا...... چاہئے تو یہی تھا مُسلمان ہونے کے بعد وہ مورتیاں اور دیویاں دیوتا بنانا ترک کر دیتے [illegible] نہ کر سکے۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر بت، اَصنام گری اور چتر کاری میں اساطری ہندو میتھالوجی کو نکال [illegible] تو باقی محض اُچھل کود، گھگو گھوڑے اور بچوں کے کارٹون رہ جاتے ہیں۔ جیسے گیت کویتا وغیرہ [illegible] انگ رنگ بغیر پھیکے ڈھولے سے لگتے ہیں...... میرے دادا نے اسلام قبول کرنے کے بعد کوشش کی [illegible] کسی ایسے معاش میں ڈالے جس میں کوئی مذہبی قدغن نہ ہو، مگر کوشش بسیار کے باوجود ایسا نہ ہو سکا...... فن و ہنر کی آفاقیت ہماری نسلی پہچان بن کر ہمارے خون میں جذب ہو چکی تھی...... دادا راہی [illegible] گھرداری کا سارا بوجھ والد صاحب کے کندھوں پہ آ پڑا اور اِن کا یہ عالم کہ اِن کے نام کام سے نہ [illegible] اور نہ مُسلمان راضی...... ہندو اِن کے ہاتھ کی بنی مورتیاں تصویروں کو کُھلے دل سے قبول نہ کرتے [illegible]

مسلمان نے بنائی ہیں جو اپنا نام، جنم دھرم سب کچھ تیاگ کر ملیچھ ہو چکا ہے۔ اُدھر مُسلمان یوں خفا کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود بھی کافروں کے لئے بُت تراشتا ہے۔ ان کے دیوتاؤں دیویوں کی تصویریں بناتا ہے۔ یہ منافق و ملحد ہے۔ اس کی روزی حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی کیفیات اور مسلسل ذہنی قلبی اذیت نے اسے بے طرح چڑچڑا اور زندگی سے بے زار سا کر دیا۔ اس خاندانی کام کے علاوہ اسے اور کچھ آتا بھی نہیں تھا...... پیٹ کا دوزخ بھرنے کی خاطر بادلِ نخواستہ یہی دھندہ جاری رکھا...... مگر جو کام قماش، دلجمعی، ذہنی آزادی اور کُھلے ہاتھوں سے انجام پذیر نہ ہو اُس میں بھلا خاک مزہ اور برکت ہو گی جبکہ میرا باپ پہلے ہی سے ہاتھوں کا کچا اور فنی اعتبار سے بچہ تھا اب اس صورتِ حال سے بالکل ہی بکھر کر رہ گیا...... بکھری ہوئی کوئی بھی شے ہو وہ بے رُخی، بے وزنی اور بے توقیری سی ہو جاتی ہے۔ عمر ناپختہ، سمجھ عقل خام، تحمل صبور ناپید اُور اُوپر سے معاشی پریشانی...... ایسی صورتوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ پیروں فقیروں، آستانوں اور دلچسپی یا منشیات سے رغبت!...... ورنہ خودکشی یا دیوانگی تو ہوتی ہی ہے۔

• بھوپال میں جِن جنجال......!

بھوپال میں حضرت شاہ بابا نابینا کا مرقد کوئی ایسا معروف مزار نہیں تھا جہاں ہر وقت زائرین ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہوں یا قوالی سماع کی محفلیں بپا ہوتی ہوں۔ یہ جنگل کے کنارے ایک چھوٹی سی کچی قبر تھی جس پہ کچھ کم اور ٹھیکریاں روڑے زیادہ تھے ورنہ ہی ارد گرد کوئی دیوار یا اور کھپریل یا نمدوں کا چھپر کھٹ...... آس پاس کہیں "نذر نیاز" پھول پتی کی دوکان یا کوئی جھونپڑا مکان بھی نہ تھا...... مجاور نہ متولی اور نہ کوئی مہتر مصلّی...... ایک عجیب سی بے سروسامانی اور اک گونہ ویرانی یہاں کھنڈی رہتی...... اِکا دُکا آنے جانے والوں میں اکثر مست حالے اور بے مالے ہوتے تھے۔ جو پتہ نہیں یہاں کیا لینے دینے آ جاتے تھے؟ دیکھا گیا ہے کہ ایسے غیر معروف مرقدوں مزاروں کے آس پاس، ٹونے جڑے نشے والے مٹ پونجیے آ براجتے ہیں...... اپنے حالات اور اُلکست کا ستایا ہُوا میرا باپ کہیں اس راہ پہ آ لگا تھا...... اپنے اندر کے تھور شور کی طرح یہاں کا اجڑا محلِ وقوع بھی اسے بہت بھایا۔ چونکہ یہاں کے آنے جانے والے زیادہ تر اندھے نابینے تھے اس لئے وہ اِدھر بلا خوف خطر آنے جانے لگا...... ہلکی پھلکی منشیات کا عادی وہ پہلے بھی تھا یہاں آنے جانے سے وہ بھنگ پہ لگ گیا جس کی پاس جنگل میں کمی نہ تھی...... تم جانتے ہو گے کہ بھنگ کا نشہ، نشوں میں سب سے گھٹیا اور کمینہ نشہ ہے۔ صاحبِ مزار کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مادر زاد نابینا اور مجذوب تھے...... بھنگ کے

چتوں کی تُندی اور مشروب خوراک...... پُرانے لوگ کہتے تھے کہ کورنظری کے باوجود وہ سب کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے...... ان کے گھرانے والے چندنے نینان والے حافظ کہلاتے اور اس مزار سے بہت پرے جنگل کے کنارے ایک چھدری سی بستی میں رہتے تھے۔ مفلوک الحال بے ضرر شریف سے لوگ جن کا رزق پانی قرآن پاک کی تلاوت سے بندھا ہوا تھا...... اس گھرانے میں جنم لینے والا ہر بچہ مادرزاد نابینا ہوتا۔ اللہ جانے یہ کسی بزرگ کی بددعا تھی' اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش یا کوئی انعام و اعزاز...... اندھا ہونا اپنی جگہ پہ ایک کمی ضرور ہے مگر یہی کمی ان سب کے لئے رحمت کا باعث تھی کہ ہر فرد قرآن پاک کی نعمتِ بے بہا سے بہرہ ور تھا۔ ان مرد اور عورتوں کا قماش' سوز' نعتیں اور قرآن پڑھنا پڑھانا تھا۔ ایک اور نمایاں خصوصیت جو اس خاندان کے ہر بچے بوڑھے' مرد و زن کی پہچان تھی وہ ان کے پُرنور روشن چہرے پہ کنول نین تھے...... ایسے بولتے زندہ جادو کہ دیکھنے والا' ان میں کہیں گم ہو کر رہ جائے...... ان رس بھرے نینوں کو دیکھنے والا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بے نور ہیں۔ مقابل کے چہرے پہ آنکھیں جما کر بات کرتے تھے...... اندھوں والی جھنجلاہٹ اور احساسِ محرومی ان میں نام کو نہ تھی اور نہ ہی روزمرہ کے معمولات میں کوئی غیر معمولی بات تھی...... انہیں کارہائے حیات میں پوری دلچسپیوں اور توانائیوں سے مگن دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ یہی اک سکھ اور جانکھ والے [illegible]

کہتے ہیں اندھوں کے ہاں محض اک ظاہری بینائی کی کمی ہوتی ہے مگر ان کی حسیات اور باطنی بینائی غیر معمولی طور پہ تیز ہوتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آنکھ والے راستہ بھول جاتے ہیں مگر بے آنکھ نہیں بھولتے۔ دس برس بعد بھی وہ اس اجنبی کو پہچان لیتے ہیں جس سے وہ صرف ایک بار ہی ہم کلام ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے رُوبرو والے کی سات پردوں میں چھپی ہوئی خوبیوں' خباثتوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ کورچشم وکیل' ڈاکٹر' سائنسدان' پروفیسر...... میں نے ایک اندھا گھڑی ساز بھی دیکھا...... اندھے سائیکل موٹر چلاتے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرتے ہیں۔ دُنیا کے سفر کو نکلتے ہیں۔ شاعر' ادیب' موسیقار' مصور' مجسمہ ساز' اخباروں کے ایڈیٹر' فلموں کے پروڈیوسر' ڈائریکٹر بھی۔ سرکسوں میں' نشانہ باز' آہنی تار پہ سائیکل چلانے والے۔ حتیٰ کہ کئی ایک طبیب حاذق بھی بینائی سے محروم گزرے ہیں...... معلوم ہوا جو [illegible] انسان ظاہری بینائی سے محروم ہوتے ہیں ان کے ہاں دیگر حسیات اور بہت سی پُراسرار صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔

وہ بتا رہا تھا...... اسی عالمِ شوریدگی و بے خودی میں ایک دن میرا باپ اس مزار کے قریب ایک بے ثمر و بار درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بے سُرت سا پڑا تھا...... بھوک اور مایوسی نے اُودھم مچایا ہوا تھا۔

[illegible] جانب سے معمولی لباس و شکل صورت والی ایک لڑکی اُس کی طرف آئی اور پیپل کے پتوں والے تُڑے مُڑے دونے میں ڈھیلا سا کھچڑا اُسے تھماتے ہوئے بولی۔

"مایوسی، بے دلی گناہ ہیں......"

میرے باپ نے اُسے نظر اُٹھا کر دیکھا...... شمشاد قامت، دھان پان سی لڑکی اُس کے سر پہ چڑھے [illegible] کھڑی تھی...... ملیح چہرے پہ ایسی شفاف روشن آنکھیں کہ جیسے دریائے نور کے دھارے ہوں۔ گم سُم حیرت میں ڈوبا، بن آنکھ جھپکے اس کی آنکھوں میں کھویا رہا۔ ہوش اُس سمے آیا جب وہ دیے کی لو سی لڑکی وہاں [illegible] چکی تھی۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھا بھالا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی...... اک عجیب سے بے کلی، تجسس [illegible] کیفیت سے دوچار کر کے سحرزدہ سا کر گئی تھی۔ شام ڈھلے تک وہ انتظار کرتا رہا، تب وہاں سے اُٹھ آیا۔ [illegible] روز صبح سویرے ہی وہاں پہ جا براجمان ہوا...... پورا دن راہ دیکھتے کٹ گیا، مگر اُسے نہ آنا تھا نہ آئی۔ [illegible] جانے والیوں کو غور سے دیکھتا رہا مگر وہ شمشاد قامتی، یمنی عود کی سی ملاحت رنگی...... فسوں گھولتی ہوئی [illegible] کا سحر پھر کہیں دکھائی نہ دیا۔ اس روز بھی بے نیل مرام گھر پلٹ آیا...... کھانا پینا ختم ہو گیا، البتہ [illegible] بوٹی کی خوراک بڑھ گئی...... رات کُھلی آنکھوں سے [illegible] گنتا رہتا، ہر تارا اُسی [illegible] بن آنکھ کا کُھلا [illegible] جب [illegible] کو خطوط میں [illegible] شروع کر دیا۔ نور کے تڑکے وہ اُس کا سراپا وضع کر چکا تھا۔ آنکھوں پہ پہنچ کر پھنس گیا...... بناتا، مٹاتا [illegible] دن کے پہلے پہر تک وہ اسی بنانے مٹانے میں سرگرداں رہا۔ جو اُس کے تخیل میں تھا وہ ہنوز بن نہ پا رہا تھا...... سر پٹا کر اُٹھا اور بن کچھ کھائے پیے مزار کی جانب چل دیا۔ پھر وہی انتظار اور انتظار۔ اسی طرح پھر [illegible] روز آگے بڑھ گئے اور جنوں بھی کہ ان دنوں وہ کئی ایک تصویریں بنا کر ضائع کر چکا تھا...... بس اک [illegible] تھیں جو نہیں بن پا رہی تھیں...... اُن میں وہ پاکیزہ سی آفاقیت ہی پیدا نہیں ہو رہی تھی جو اُن آنکھوں کا [illegible] تھی۔

جمعرات ہی کا روز کہ وہ حسبِ معمول اُسی پیڑ کے تنے سے تن جوڑے بھنگ کے نشے میں جھولے [illegible] تھا...... اُس نینوں والی کا وہ بول اُسے ابھی تک ازبر تھا...... "مایوسی، بے دلی گناہ ہیں"...... اسی سبق نے [illegible] ابھی تک اس اُمید سے باندھے رکھا تھا کہ وہ ضرور آئے گی...... کھچڑے کا دونا دے گی اور کوئی نیا سبق [illegible]...... اور ہوا بھی ایسے ہی...... وہ اپنی لگی میں گم مُتحان پڑا تھا۔ ایسے میں کوئی پاس آ کر بڑی نرمی سے کہہ رہا [illegible]

"لو! یہ تبرک کھا لو......" وہی لڑکی اُس کے رُوبرو ایک دُھوپ کی دھانس بنی کھڑی تھی...... ترنگ میں

ڈولی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اُسے دیکھ رہی تھا۔ لرزتے ہاتھوں سے کھچڑے کا ڈونا تھامتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں پوچھنے لگا۔

''تم اتنے روز کہاں رہی؟ میں ان دنوں اِدھر بیٹھا تمہارا اِنتظار کرتا رہا۔ تیرا پڑھایا ہوا سبق مجھے اچھی طرح یاد ہے...... میں نا اُمید ہوا نہ ہی بد دِل...... لیکن تم نے مجھے یہ سبق یاد کرنے کی خوب سزا دی۔''

وہ ہبڑ ہبڑ کھچڑا ٹھونس رہا تھا...... اُسے اِس بُری طرح کھاتے محسوس کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''دھیرج سے کھاؤ' کم پڑے تو اور لا دوں گی۔''

کچھ جواب دیئے بنا اُٹھ کھڑا ہوا' کھلی آستین سے باچھیں پونچھی...... ہونٹ صاف کیے' چند لمحے اُس کے شانت نین ساگروں میں دُور تک اُترتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم کہاں رہتی ہو' تمہارا نام کیا ہے' تم اِدھر جمعرات کے روز ہی آتی ہو یا......؟''

وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اِن باتوں کو چھوڑو...... پکڑنے کی بات یہ ہے کہ کام کاج سے [illegible] چرا کر بیکار کے نشے سے بات نہیں بنے گی۔'' مزار کی جانب چہرہ پھیرتے ہوئے مزید کہنے لگی۔ ''[illegible] بابا کہا کرتے تھے کہ جو منش نشے کے بھیتر اپنی کوئی منزل یا مقصد تلاش کرتا ہے وہ بدنصیب اور بد [illegible] تمہیں یہاں [illegible] اور [illegible] دے......!''

اتنا کہہ کر وہ واپس جانے لگی تو اُس نے بن سوچے سمجھے' جھٹ اُس کی کلائی پکڑلی' پاس [illegible] بستے سے کھینچ کچھ چتر نکالے' دکھاتے ہوئے گھگھیایا۔

''دیکھو میں ان دنوں گھر پہ یہ کام کرتا رہا ہوں...... میں ایک چترکار ہوں...... کیول میرا من [illegible] کام میں نہیں ٹکتا۔ یہ ہمارا پُرکھوں سے دھندا ہے۔ پر یوں لگتا ہے کہ میرا تن من کسی نے باندھ دیا ہوا ہے۔ [illegible] توڑنے کو جی نہیں کرتا...... لیکن جب سے تمہیں دیکھا' تمہارے سبق پہ غور کیا ہے...... سمجھ میں کچھ کچھ آیا [illegible] اپنے پُرکھوں کے فن کو آگے بڑھانا چاہیے...... یہ نشہ کرنا مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ میرے باپ کو بھی یہ نشہ [illegible] لے ڈوبی۔ لیکن؟...... لیکن میرا خود بھی قابو نہیں' میرا من کچھ کرنے کو نہیں کرتا اگر کچھ کام کرتا بھی ہوں [illegible] میں دَم نہیں ہوتا۔''

وہ اُسے اُلٹے سیدھے کئی ورق دکھاتے ہوئے مزید بتانے لگا۔

''دیکھو میں اِتنے روز تمہاری تصویریں بناتا رہا ہوں...... تمہارے شریر کے رُوپ سُروپ [illegible] بنے مگر ہر بار تمہاری آنکھوں نے مات دی۔ بننے کو تو وہ بن جاتی تھیں مگر وہ بات نہیں بنتی تھی جو

آنکھوں کی گھات میں ہے۔”

وہ وہیں سے چتون چڑھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

“چترکاری میں شعلے کی لپوٹ، دیے کی لوٹ اور آنکھ کی جوت میں جان ڈالنا بڑے جوکھم کا کام ہے۔۔۔ آنکھ کے اندر جو آنکھ اور اس کے اندر جو آہوان ہوتا ہے اس کا آنک کرنا، اُسی مہان چترکار یا آکارکار کے لئے آسان ہے جس نے کسی آبھگیہ لوچن کے آنگن میں آنکھ کھولی ہو۔ میرا کہا تم سمجھ گئے ہو کہ آنکھ ظاہری صورت میں محض عکس دیکھنے والا عضو ہے۔ جس کی خوبصورتی کی محض ایک پرت ہے مگر اس کے اندر کی جو باطنی آنکھ ہے وہ عکس کو نہیں اصل کو دیکھتی ہے اور یہ خوب دیدگی میں صد برگ گلِ داؤدی کی مانند ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ [illegible] کی سوجھ اُسی کو ملتی ہے جس کو وہ مہان چترکار عطا کرے جسے مصوّر اور خالق بھی کہتے ہیں اور یا پھر جسے کسی چشمِ یار سے اذنِ اظہار عطا ہوا ہو۔”

وہ آنکھوں میں شگاف کیے، دل و دماغ کے دیپوں کی لَویں بڑھائے اُس دیدہ ور کی دُرافشانی کے [illegible] میں تھا۔۔۔ نہیں اُس کے دماغ کی کوئی ورید کھلی اُس پہ افشا ہوا کہ یہ نفسیات تو محض اصل ہی غفلت ہے۔۔۔ اصل [illegible] اچانک پوچھ لیا۔ تم ناری کا روپ ہو [illegible] پھر ایسے دقیانت بھرے [illegible] ایسے بھید بھرے شبد اور گیان کُنڈ سے گُن؟۔۔۔۔ اس برستی برکھا کے دو چار چھینٹے مجھ [illegible] جلے پہ بھی [illegible]۔”

چند لمحے وہ بے شکست بُت [illegible] منہ اُٹھا کر جدھر سے آئی تھی اُدھر [illegible]۔۔۔۔ میرا باپ کچھ دیر اُسے مزار کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ پریشان تھا کہ کوئی جواب یا مزید [illegible] بات کیے بغیر وہ بڑی بے نیازی سے چل دی۔ اُس کی یہ بے رُخی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ کہیں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے تو نہیں نکل گئی تھی۔۔۔۔ یہی سوچتے غور کرتے اُس کے پیچھے مزار تک آ پہنچا۔۔۔۔ وہ سرہانے کی جانب دھرے نمک بھرے لگن میں اگربتیاں اڑوس رہی تھی۔۔۔۔ پائینتی کے پاس کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔۔۔۔ [illegible] قد، چھریرا انگ بدن، کچے صندل سی رنگت، آنکھوں کے علاوہ عام سے خدوخال۔۔۔۔ معمولی مقامی [illegible] میں وہ کسی انجانے نگر کی ناری دکھائی دے رہی تھی۔

ایک مجذوب سا بوڑھا اُس کے پاس آ کھڑا ہوا اور اک عجیب لہجے میں با آوازِ بلند کچھ بڑبڑانے لگا ساتھ ساتھ اپنی کہنی سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکے بھی رسید کرنے لگا۔ اس نئی اُفتاد سے گھبرا کر ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اگلے لمحہ وہ بوڑھا پھر اس کی بغل میں آ کھڑا ہوا۔۔۔۔ منہ اس کے کانوں کے قریب لا کر

کہنے لگا۔

''مانگ جو کچھ مانگتا ہے، دیکھتے نہیں ہو صاحبزادی صاحب اگر سُلگا رہی ہیں پھر چراغ جلائیں گ

اس سمے جو بھی مانگو بابا دلوا دیتے ہیں۔''

سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے میرے باپ نے اُسی لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟...... اس کا نام اور یہ کہاں رہتی ہے؟''

بوڑھا ناگوار سی حیرانی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگر تم صاحبِ مزار کو جانتے ہو تو صاحبزادی صاحب کو جانتے ہو گے۔ نہیں جانتے تو سنو صا

صاحب چندنے نیناں والے خاندان کی چشم و چراغ ہیں اور صاحبِ مزار بابا کی متولی ہیں۔''

میرا باپ حیران سا پوچھ بیٹھا...... ''اک عورت بھی مزار پہ متولی ہو سکتی ہے؟''

''ہاں اگر صاحبِ مزار بھی عورت ہو تو......!''

''تو کیا یہ کسی بزرگ عورت کا مزار ہے؟''

''نہیں یہ ایک ولی کا مزار ہے۔ جنھوں نے تجرد کی زندگی گزاری اور تمام عمر [illegible] ایک قرآن [illegible]

تلاوت کیا۔

''آپ کہہ رہے کہ یہ لڑکی یہاں کی متولی ہے...... میں یہاں ہر روز آتا ہوں، اسے پچھلی جمعر

یہاں دیکھا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے مجھے چھوارا دیا تھا اور یا پھر آج میں نے اس کا دیا ہوا چھوارا کھایا ہ

وہ صرف جمعرات کو ہی یہاں آتی ہے؟''

''متولی تو کیا...... یہاں صاحبِ مزار بھی رات کو نہیں رہتیں...... وہ بغداد شریف [illegible]

روضے پہ شبینہ پڑھنے چلی جاتی ہیں۔ اُن کی عدم موجودگی میں یہاں شیر پہرہ دیتے ہیں۔''

''اور متولی صاحب......؟''

''وہ سامنے جنگل کی اوٹ اپنی بستی میں چلی جاتی ہیں۔ چندنے نیناں والے حافظوں کا

بستی میں ہے۔''

''چندنے نیناں والے حافظ......؟'' میرے باپ نے کئی بار ان الفاظ کو دُہرایا......

اس کی سُوئی اٹک جاتی تھی...... نیناں، نیناں...... یکبارگی اس نے رُوبرو اس متولی لڑکی کے نیم

اُبھر آئے جنھوں نے اس کی زندگی کا پانسہ ہی بدل دیا تھا۔ اس کے اندازِ فکر میں اک مثبت تبدیلی

دی...... اندر کے مدہوش فنکار کو جھنجھوڑ کر اس میں جینے کا جذبہ، کچھ کر گزرنے کی جستجو جگا دی تھی۔

حسنِ جمال کو انگیخت کر کے بیدار کر دیا تھا۔

نَینا' چندنے نَیناں؟...... بزرگوار! یہ چندنے نَینوں کا کیا قصہ ہے؟''

بوڑھا اس کی جانب دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔

''اس عجیب و غریب گھرانے کے بارے میں کوئی بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... کوئی کچھ بتاتا ہے اور کوئی کچھ سُناتا ہے...... متوسط طبقہ کے متوکّل سے لوگ ہیں۔ اللہ جانے کیا سچ ہے اور کیا نہیں؟...... تخمین ہے کہ موجودہ خاندان ایک جنّ کی نسل سے ہے۔ یہ جنّ پہلے مُلحد تھا...... اللہ کا کرنا کہ یہ کسی مُہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ بہتیرے علاج معالجے ہوئے مگر افاقے کی بجائے دن بدن حالت دِگرگوں ہوتی چلی گئی...... آخر جب جان کے لالے پڑ گئے تو کسی حکیم حاذق کا پتہ چلا کہ اُن کی مسیحائی سے جنّ و بشر کے علاوہ دیگر مخلوق بھی مستفید ہوتی ہے...... یہ صاحب مزار مسیحا صفت حکیم' مادر زاد نابینا و حافظِ قرآن تھے اور ادھر بھوپال کے نواح میں ایک پسماندہ سے علاقے میں رہتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کے پاس حکمت و طب کے علوم بھی وہبی تھے۔ کسی سے لکھا پڑھا اور نہ کہیں سے سیکھا۔ مکتب مدرسے کے قریب تک نہ گزرے تھے...... مریض کے قدموں کی [illegible] آہٹ' جسم کی بُو اور لمس [illegible] ان کے پاس مختلف نوع کے جانور بھی علاج کے لیے پہنچتے۔ اسی خاندان کے ایک نوجوان بزرگ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان حکیم صاحب کے ہاتھوں کی پشت پہ حضرت سلیمانؑ کے درباری حکیم مقیس خمشی والی لوح کا نقش اُبھرا ہوا تھا...... اس نقش کی طلسماتی لہروں سے حکیم مقیس جو بشر تھا...... جنوں' انسانوں' پرندوں اور دیگر جانداروں کا علاج کیا کرتا تھا۔ (ہاتھوں کی [illegible] لہریں' انسانی [illegible] مختلف ترغیبات وغیرہ شاید اسی طلسماتی لوح کی جوہری توانائی کی لہریں ہیں جو پُراسرار نہفتہ عُلوم کی گُم گُوتھ سے کہیں خارج ہو کر انسانی دماغ کی پٹاری میں کسی خوبصورت مگر خوفناک سانپ کی مانند قید ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کُرہ ارض پہ سانپ ہی سانپ اور مچھلیاں ہی مچھلیاں ہوتیں۔ اگر سانپ اور مچھلیاں اپنے نوزائیدہ انڈے بچے چٹ نہ کر دیں...... جو بچہ کسی طور بچ نکلتا ہے وہی زندہ رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی خفتہ اکھر ٹوٹکا بچ کر کسی مخصوص انسان کے پاس آ نکلتا ہے۔ جس سے ایک عالم فیضیاب ہوتا ہے)...... وہ قریب الموت جنّ اپنی جون بدل کے کسی نہ کسی طور حکیم صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ اس کی سمجھ میں تھا کہ حکیم صاحب پیدائشی نابینا ہیں' خود کو ظاہر کیے بغیر اپنا علاج کروا لے گا...... ادھر حکیم جی تھے کہ اس کی بُوباس پاتے ہی جان گئے' اس کی اصلیت اور مرض کی کیفیت کیا ہے مگر مصلحتاً چُپ رہے۔ رسمی طور پہ مرض کے بارے میں کچھ سوال جواب کیے...... نبض' زبان' آنکھیں وغیرہ ٹٹولیں اور کہا آپ ادھر میرے ہاں مریض خانے میں قیام کریں۔ آپ کے مرض کی نوعیت کچھ یوں ہے کہ مجھے کچھ مزید تشخیص اور

غور و خوض کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں دوبارہ طلب کر کے آپ کے لئے کوئی مناسب علاج تجویز کروں گا...... دراصل حکیم صاحب اس کے جن ہونے کی وجہ سے شش و پنج میں پڑ گئے کہ اس غیر انسان مخلوق سے کس طرح نمٹا جائے۔ حکمت و طبّ سے زیادہ تر استفادہ خاکی بشر اُٹھا سکتا ہے۔ ناری نُوری مخلوق کے لئے ارضی نباتاتی جڑی بوٹیاں بے اثر ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے اِن حکیم صاحب کو اربعہ عناصر اور شش جہت کی بالیدگی بخشی ہوئی تھی۔ ایک دو روز بعد انہوں نے علاج کے لئے ایک طریقہ وضع کرتے ہوئے اس سے کہا۔

”تمہارے علاج کا ایک حصّہ یہاں میرے ہاں مکمل ہوگا اور دوسرا حصّہ جھیل سیف الملوک کے پہاڑ مت لُونی کے ایک غار میں تکمیل پائے گا۔“

جھیل سیف الملوک کے پہاڑ اور علاقہ‘ حاملانِ افلاک کا جہانِ فسوں‘ مسکن و طلسم آباد تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں جنات پری زاد اور نساجِ دون کی تربیت گاہ کے طور بھی استعمال ہوتی تھی۔ یہاں ایک مت لُونی کا پہاڑ بھی ہے۔ مت لُونی پہاڑ کے اس غار کے بابت کہا جاتا ہے کہ اس کا دُوسرا دہانہ دوزخ کے درمیان دہکتی آگ میں کُھلتا ہے۔ سرکش شرارتی جنّات‘ جو معتوب و ملعون ٹھہرتے انہیں تادیبی کارروائی کے تحت اس کے غار کے اندر دھکیل دیا جاتا۔ غار میں دوزخ کی آگ [illegible] ایک ایسا ماحول پیدا کیے [illegible] جنّات [illegible] توبہ کرنے لگتے۔

علاج کے لئے مت لُونی کے پہاڑ کا سن کر وہ جن بُری طرح کانپنے لگا۔ پاؤں پڑتے ہوئے بولا۔

”حکیم صاحب میرا اِدھر ہی کوئی اُپائے کریں اُدھر بھیجنے کا مطلب ہے کہ میرے بچنے کی اگر کوئی تھوڑی بہت اُمید ہے تو وہ بھی نہ رہے۔“

حکیم صاحب نے بہ ظاہر خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟...... حکیم میں ہوں یا کہ تم؟...... علاج تمہارے مرض کے مطابق ہوگا تمہاری مرضی کے تحت نہیں...... ویسے وہاں جانے میں تمہیں کیا پریشانی ہے؟...... جھیل سیف الملوک کا علاقہ تو ایک صحت افزا مقام ہے۔“

وہ اپنی جان بچاتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ مجھے سیف الملوک کے علاقہ میں مت لُونی پہاڑ کے علاوہ کسی بھی جگہ پہ بھیج دیں...... مگر“

”مگر کیوں......؟“

وہ ہتھیار پھینکتے ہوئے گویا ہوا۔

”آپ جانتے ہیں کہ وہاں کنہیں اور کیوں بھیجا جاتا ہے اور میں اس حالت میں مزید کچھ اور

برداشت نہیں کرسکتا۔''

اَب حکیم صاحب بولے۔ ''ہاں' مَیں یہ جاننے کے علاوہ یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا یہ جان لیوا عارضہ' حد سے زیادہ سرکشی اور مُلحدانہ سرگرمیوں کا شاخسانہ ہے۔ اَب تمہارا آخری علاج مت لُونی کا شفاخانہ ہے۔'' چند لمحوں کے توقف پہ مزید کہنے لگے...... ''میرے خیال میں وہاں کی سزا اور علاج سے بچنے کی شاید گنجائش تا حال موجود ہے۔ لیکن......؟''

وہ جھٹ بول پڑا...... ''حکیم صاحب بتائیے' میں کچھ بھی کرنے کو حاضر ہوں مگر مت لُونی کے آزار سے بچاتے ہوئے اس جان لیوا بیماری سے نجات دلوایئے......''

حکیم صاحب' کسی گہری سوچ میں اُترے ہوئے بڑے گھمبیر لہجے سے گویا ہوئے۔

''اِسی لمحہ میرے اندر ایک ندا سی لہرائی ہے جو اسمِ پاک اللہ کی صورت اختیار کرگئی ہے۔ اس سے یہ کہ تمہیں اَب مُلحدانہ رَویے اور سرکشی چھوڑ کر رَاہِ راست پہ آ جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ تم اپنے گرفت میں آ جاؤ' سچے دل سے توبہ کر کے خدائے برحق کی وحدانیت اور اُس کے آخری پیارے رسولؐ کر دو' اسلام میں پناہ لے لینی چاہیے...... تمہارا [illegible] اور [illegible] بیماری کا [illegible] اک آخری ہے۔''

جن نے حکیم صاحب کے پاؤں سے اپنے ہاتھ مَس کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے کہا۔

''آپ نے وہی کچھ کہا جو میرے دل میں تھا...... لیکن میرے گناہ اور خطائیں اس قدر زیادہ ہیں کہ شمار نہیں کرسکتا۔ مَیں نے [illegible] انسانوں میں [illegible] فسادات اور فتنے کھڑے کیے۔ بہکایا' اُن کے ایمان خراب کیے...... مَیں نے خدا کی بجائے ابلیس کو اپنا پروردگار بنایا جس نے آج یہ دکھایا کہ مَیں زمینوں' آسمانوں' جنّوں' شیطانوں میں کہیں اپنے لئے پناہ نہیں پاتا...... مَیں اَرض و فلک کے کسی جسیم خنزیر کی اُوجڑی میں بندھا' تصور کے جھاڑ میں اُلجھا پڑا اپنی کرتوتوں کے زخم چاٹ رہا تھا۔ ایک رَجلِ نُوری کا گزر ہُوا...... میری حالتِ زار آہ و بکا پہ شاید اُسے ترس آیا۔ میرا حال دیکھتے ہوئے نے مجھے آپ کی طرف کی راہ سُجھائی...... بلکہ مجھے یقین ہے کہ یہ سارا سلسلہ رَبُّ الکائنات کے رحم و کرم سے شروع ہوا...... اَب مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں مجھے دائرۂ ایمان میں داخل کر کے مشرف با ایمان اور میرا علاج فرمائیں تاکہ مَیں صحت مند ہو کر باقی عمر اللہ کی عبادت اور آپ کی خدمت میں بسر کر

حکیم صاحب اُسے مسلمان کرنے کے بعد چند نصیحتیں بھی فرمائیں۔ خاص طور پہ تاکید کی کہ کبھی کسی پہ

تمہارے جن النسل ہونے کا راز افشا نہیں ہونا چاہئے اور نہ کبھی کوئی خرق عادت حرکت سرزد ہو —— آہستہ آہستہ تمہیں بشری تقاضوں، رشتوں سے شناسائی ہو جائے گی۔

حکیم جی نے اس کا نام عبدالغفور رکھا تھا...... علاج کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم و تربیت پہ بھی توجہ رکھا۔ شروع شروع میں تو اسے اچھی خاصی پریشانی اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا...... کہاں پتھر، ہڈیاں، گوشت کہاں دال، کھچڑی، قورمہ، بریانی اور ساگ پات...... آتشی اور خاکی تضادات کی باہمی کشمکش نے اسے [illegible] متزلزل سا کر دیا۔ کئی مرتبہ یہاں سے بھاگنے کی ٹھانی...... اوپر کھلی فضاؤں میں اڑنے کو جی چاہا —— اپنا خاندان یاد آتا...... انسانی قالب اس کے لئے اک آزار بن گیا...... اردگرد اور انسانی محدودے۔ [illegible] گھٹن نے اسے شیر سے خرگوش بنا کر رکھ دیا تھا...... چند عشروں کی اس تبدیلی اور تربیت سے اسے یوں لگا وہ جن اور بشر کے درمیان کی کوئی ایسی جنس بنتا جا رہا ہے جو مکمل طور پہ بشر ہے اور نہ جن!...... حکیم صاحب [illegible] حکمت کے علاوہ ارضی و سماوی علوم میں بھی درک رکھتے تھے اس کی کیفیت و اذیت سے خوب واقف تھے [illegible] نسبت سے انھوں نے اس پہ پکا ہاتھ ڈالا ہوا تھا...... اس کی خوراک میں ایسے معدنیاتی اور جماداتی [illegible] کر دیئے جاتے جو اس کی طبعی خوراک کا نعم البدل ہوں [illegible] قیام کا [illegible] بھی جنگل کے قریب ایک الگ تھلگ جگہ پہ تھا جو پیچیدہ امراض کے مریضوں کے لئے مخصوص تھی۔ اب پڑھائی [illegible] دین کی تعلیم، حکیم صاحب خود دیتے تھے یوں اس کا زیادہ تر وقت انہی کی مصاحبت میں گزرتا۔ گویا اسے حد درجہ محبت اور حکمت کے بندھن میں باندھ کر بے بس کیا ہوا تھا۔

کچھ عرصہ بعد بہ تقاضۂ بشریت حکیم صاحب بیمار ہو گئے [illegible] خفقان اور ضعفِ ذہنی کے عارضہ میں ایسے بولائے کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ گھریلو علاج، صدری ٹوٹکے، جھاڑ پھونک، نقش غرضیکہ کوئی حیلہ حربہ باقی نہ چھوڑا...... وہی کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ عقیدت مند، مرید، شاگرد پیشہ سب ہی بوکھلائے [illegible] نیندیں حرام، سکھ چین تجے ہوئے کسی معجزے کے منتظر تھے۔ ان کے درمیان عبدالغفور جن بھی تھا جو [illegible] حد درجہ مجبور و مجبور کہ پیر و مرشد نے اسے اپنے احکام کے حصار میں پابند کیا ہوا ہے...... اپنی مرضی کے خلاف کوئی قدم اٹھانا تو کیا ہلکی سی جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کئی بار اس نے لب کشائی کی کوشش کی مگر بارگاہِ مرشد سے اذنِ اظہار نہ ملا۔ جن بہر طور بشر سے بہت سی جہات و ازواق میں ماورائی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ کرۂ ہوا، کرۂ ماء، ارض و سما اور کرۂ آتش کے علاوہ دو گوشے کونے بھی ان کی نگاہ و دسترس میں ہوتے ہیں جن تک انسانی وسائل اور فہم و ادراک کی پہنچ نہیں ہوتی۔ فاصلے، وقت، اونچائیاں، گہرائیاں، پنہائیاں وغیرہ ان کے لئے سدِ راہ نہیں بنتیں۔ وہ اپنی ہیئت بدل لینے پہ قادر ہوتے ہیں جبکہ ہوا، روشنی اور کہرباء کی مانند سرعت

[illegible] سکڑنے اور گزرنے کی صلاحیت بھی موجود ہوتی ہے...... چشم زدن میں صدیوں کی خبر لاتے ہیں۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ پیرو اُستاد کو مرض المرگ نے آ گھیرا ہے کہ جس کا علاج ملک الموت کے پاس بھی نہیں [illegible] حجتِ اِتمام کی خاطر مکرم اُستاد سے بصد ادب عرض کی۔

''اجازت ہو تو میں وادیٔ خضر الموت سے مفارخ المراد کی جھاڑیوں سے کچھ کونپلیں پتے اکھاڑ [illegible] جو اس مرضِ مردود کا آخری اور شافی علاج ہیں۔''

اُستاد روشن ضمیر نے تحسین بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بقدر رقت جواب میں کہا۔

''لوحِ تقدیر پہ مرقوم واجب الادا قرض چکانے کا موقعہ درپیش ہے سو اب ادائیگی میں حیل و حجت [illegible] دیتی......''

ایسے جگر پاش جواب نے اسے دہلا کر رکھ دیا...... کسی چھوٹی ہوئی مرغابی کی مانند بے سُرا سا کہنے لگا۔

''میرا ماجرا تو وہی ہوا اُڑنے بھی نہ پائے کہ گھائل ہوئے...... صدیوں بھٹکا جب راہ لگا تو بنجارے [illegible]۔ [illegible] منزل اب کس کا دامن تھاموں گا۔ مجھ آتش کبیدہ کو کون آسودۂ خاطر کرے گا؟''

چند [illegible] آمادۂ توقف ہوا پھر جو [illegible] آہ کھینچی [illegible] ہوا

''بلند مرتبت قدوم [illegible] کوئی دعا دیجئے کہ میرے بیقرار [illegible] قلب و نظر کو [illegible] ڈھارس [illegible] ہو۔''

پیرِ بیمار نے اس کے ماتھے پہ اپنا سرد سا ہاتھ رکھتے ہوئے تخلیے کا حکم دیا۔ قریب و دُور بیٹھے ہوئے [illegible] مرید، معتقدین جب وہاں سے [illegible] کہا۔

''عبد الغفور! تدبیر بھی تقدیر کے آگے سرنگوں ہوتی ہے...... مشیتِ ایزدی کے سامنے لبیک کہنا ہی [illegible] کا اصل مفہوم ہے...... ہمارے تمہارے چاہنے، سوچنے یا کرنے سے ہی اگر تمام مسئلے حل ہو سکتے تو پھر خدا [illegible] ہے؟ ہم منزل کی سمت قدم بڑھا کر سفر تو شروع کر سکتے ہیں لیکن منزل پا لینا ضروری نہیں ٹھہرتا۔ بہر حال [illegible] بہ رضا ہی منزل کا مفہوم ہے۔''

پھر جب دم دُرست کرنے رُکے تو عبد الغفور نے سسکیاں لیتے ہوئے جواباً کہا۔

''میرے محسن! اب میں تسلیم و رضا کا مطلب خوب سمجھا۔ شکوہ شیون کی بجائے شکر شعاری ہی بہتر [illegible] ہے اور تدبیر و تدبّر کے راستے پہ تقدیر کے پہاڑ کو بھی جان پایا کہ پتھر کی سختی گُل کی نرمی پہ بھاری پڑتی [illegible] جو حکم......؟''

حکیم صاحب، خندہ رُو [illegible] کہنے لگے۔

''جنّ و بَشر کے مابین بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ تفصیل بیان کرنے کا محل نہیں یہ کچھ تم خود بھی جانتے ہو۔ بہرحال اس موقعہ پہ جب کہ ہمارے درمیان فاصلے بڑھنے والے ہیں مَیں تمہیں مشورہ دیتا ہوں تم اپنا باقی ماندہ زندگی کا سفر اپنے ایک جیون ساتھی کے سنگ طے کرو اور وہ اِک انسان عورت ہوگی جو میری بیٹی ہے...... اس کے ساتھ تمہارا نکاح ہوگا...... اس بیوی سے تمہاری اولاد ہوگی اور اس اُولاد میں سے ایک بچہ ایسا بھی ہوگا جو اپنے وقت کا ولیٔ کامل ہوگا...... جس سے آگے اِک مخصوص سلسلۂ چند نے حافظوں کا چلے گا جو اپنے دَور کے قابلِ قدر کامل لوگ ہوں گے۔''

حکیم صاحب کو کھانسی اُٹھی تو وہ اُن کا سینہ سہلاتے ہوئے متعجب سا پوچھنے لگا۔

''پیر و مُرشد! آپ کا کہا سَر آنکھوں پہ...... ایک جنّ اور انسان عورت کی شادی......؟''

''ہاں نا ممکن نہیں...... ہر جنّ آدھا بَشر ہوتا ہے اور انسان آدھا جنّ! تم دیکھو کہ قرآن پاک میں ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے بلکہ جنّ کو اِنسان سے اَولیت دی گئی...... اسے بہت سے تشرفات دے کر انسان سے بہت پہلے تخلیق کیا گیا۔ ایسی صلاحیتیں عطا کی گئیں جن سے انسان بھی محروم ہے [illegible] دونوں [illegible] اور متاخرین [illegible] سے ہیں...... ان کی اسی ساتھ ساتھ کی [illegible] کے مابین اکثر معاملات [illegible] طے پاتے ہیں...... تعلیم [illegible] میں دینی و دنیاوی [illegible] کے درمیان مناکحت [illegible] بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مَیں نے اللہ کے اَمر [illegible] اپنی اکلوتی بیٹی کو تمہارے نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا ہے جو ہر طور تمہارے [illegible] ہے۔ [illegible] آدم زادی مگر اپنے اعمال [illegible] اشغال اور روحانی اَذواق و مواجید میں جنّ و اِنس کا [illegible] ہے...... اور ہاں [illegible] کے بعد تمہاری تمام تر تعلیمی تربیتی [illegible] کی اور تم ہمیشہ اپنے جنّ ہونے [illegible] معاملہ راز میں رکھو گے' کبھی اپنی بیوی پہ ظاہر نہیں کرو گے اور قرآن کے حفظ کی تکمیل سے پہلے بیوی سے خلوت میں نہیں ملو گے۔''

سرکتے وقت اور اُس کی قصہ بیانی کے سحر میں ایسا بھیگا کہ مجھے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ کون ہوں' [illegible] کیا ہوں' کہاں ہوں۔ جیسے مَیں خود اس کی کتھا کا حصہ تھا۔ اَزل سے وہ کہہ رہا ہے اور مَیں سن رہا ہوں جسم و وجود نہیں محض گوش ہوں اور وہ کوئی آفاقی سروش ہے۔

وہ شاید سگریٹ سُلگانے اور دو چار بھرپور کش لینے کے لئے خاموش ہُوا تھا اور مَیں اندر باہر [illegible] جھٹکے لے کر جیسے کسی ہپناٹسٹ کے رُوبرو اِک لمبی غنودگی سے بیدار ہوا تھا۔ باقی ماندہ کھانا' جسے ہم کھانا بھول گئے تھے سامنے دھرا عجیب سا منظر پیش کر رہا تھا۔ دُور لٹکے ہوئے ڈیجیٹل کلاک کی سُوئیاں جو بہت آگے سرک چکی تھیں۔ ناگاہ میری نظر اس کے چہرے پہ جا ٹکی...... ڈھلا ڈھلا سا سپاٹ چہرہ' بے نقط حروف کی مانند

سے خدوخال' گول گول بے پلک آنکھیں۔ مجھے جُھرجُھری سی آ گئی تھی' سچ تو یہ کہ میں آدھے جن اور آدھے انسان والا یہ قصہ سن کر خوف زدہ ہو گیا تھا...... میں اُسے اَجنبی اَجنبی نظروں سے دیکھتے ہوئے گھگھیا کر بولا۔

"تم...... تم کہیں اُن دونوں کی اولاد میں سے تو نہیں ہو؟"

وہ سگریٹ پھولتے ہوئے پُراسرار سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"دریاؤں سمندروں میں ایک ایسی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جو مچھلی کم اور خطرناک سانپ زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ بے علمی کی بناء پہ اکثر لوگ اسے پکڑنے' کھانے سے اجتناب کرتے ہیں جبکہ وہ ذائقہ میں لذیذ' غذائی اعتبار سے مفید اور شفائی لحاظ سے اک بے مثال تریاق ہوتی ہے۔ مار (سانپ) اور ماہی' چند ہیئتی تبدیلیوں کے ساتھ ایک نسل و خاندان کے بے دست و پا جانور ہیں۔ ایک پانی میں پیدا کر دیا گیا دُوسرا خاک و خشت میں ڈال دیا گیا...... جن و انس کی شاخیں بھی کبھی آپس میں مدغم ہوتے ہوئے ایسے شگوفے پیدا کرتی ہیں جن میں کئی طرح کے رنگ اور خوشبوئیں ہوتی ہیں۔"

میں احمقوں کی طرح مُنہ کھولے آنکھیں پھیلائے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا...... سگریٹ سے نئے سگریٹ کو دم دیتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

"کہو [illegible] دیا [illegible]......؟"

میں نے لب ہلائے بغیر حونقوں کی مانند اثبات میں سر ہلا دیا۔

"حکیم صاحب نے دمِ واپسیں سے پہلے جن عبدالغفور سے اپنی عالمہ فاضلہ بیٹی کا عقد کر دیا۔ دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ عبدالغفور صاحب دن رات قرآن کی منزلوں میں پڑے رہتے...... علاج معالجہ بھی کامیابی سے چل رہا تھا۔ بیوی صاحبہ چونکہ عالمہ فاضلہ تھیں وہ طالبعلموں کے جلو میں درس و تدریس میں جُتی رہتی۔ چھدرے جنگل کے کنارے کُٹیا نما مکان میں وہ دونوں نصف میاں بیوی اپنے اپنے الگ حصوں میں رہتے تھے۔ بی بی صاحبہ انتہائی کم گو' حجاب و نقاب میں رہنے والی' درس و تدریس سے جو وقت بچتا وہ ضروری' خاوند کی خدمت اور عبادت میں گزر جاتا۔ علاج معالجہ بھی کرتی تھیں۔ اِردگرد اور نزدیک و دُور تک اُن کی پاکیزہ شخصیت اور علمی طبی روحانی حیثیت کا شہرہ تھا جبکہ اُن کے شوہر کو لوگ اک مریض اور حکیم صاحب کے جاننے والے کسی دُور دراز علاقہ کے رہنے والی مفلوک الحال شاگرد کے طور پہ پہچانتے تھے۔ عبدالغفور بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے رنگ ڈھنگ میں ڈھلتا جا رہا تھا تاہم اُسے اپنی جبلی خُو خصلت کے باعث میں چند پریشانیاں لاحق ضرور تھیں۔ وہ کبھی کبھی اپنی غیر فطری بسر اوقات' محدود حرکت و عمل اور ناموافق خوراک کی وجہ سے باغی ہو جاتا۔ جب بھی موقع ملتا اُڑان بھرتا' غائب ہو جاتا تھا۔ پہاڑوں' سمندروں'

صحراؤں اور آسمانوں' جہاں جی چاہتا خوب اُڑتا دھوم مچاتا پھرتا اپنے من پسند کھانے کھاجے کھاتا۔ اس دوران اُس کی اپنے قبیلے والے جنوں سے ملاقاتیں بھی رہتیں جو اس کی سنبھلتی ہوئی صحت اور دیگر غیر [illegible] تبدیلیاں دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس دورانیے میں اس کی نصف بیوی کو کہیں رتی بھر بھی اس کے غیر انسان ہونے کا شائبہ نہیں ہوا تھا...... وقت کا گھوڑا دُلکی چال چلتا ہوا خاصا فاصلہ طے کر چکا تھا...... مگر قرآن کے حفظ والی منزل ابھی تک کہیں آدھی ہی طے کر پایا تھا۔

برسات کا موسم' چھم چھما چھم مینہ برس رہا تھا۔ اچانک پرانا مرض عود آیا۔ بن پانی مچھلی کی مانند تڑپنے لگا۔ آدھی رات کا سماں' نصف بیوی' اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھی۔ یہ دے' وہ دے۔ ہر ٹوٹکا دارو آزمایا مگر اسے چین نہ آیا۔ زیرِ لب کچھ پڑھ رہی تھی کہ اچانک کڑ کڑ بجلی کڑکی وہ سہم کر اس سے چمٹ گئی۔ بس! جنگل کے سبزے کی خوشگوار مہک' بارش کا جادو' لمسے کی سمیا میں دونوں کچھ ایسے بھیگے کہ جل تھل ہو گئے' اندر باہر دونوں کی سب بیماریاں بہہ گئیں...... طوفان تھمنے کے بعد بڑی پراسراری خاموشی طاری ہو جاتی ہے...... درد دُور ہو جائے تو سکون سے آنکھیں بند ہونا شروع ہو جاتی ہیں...... بچہ جننے کے بعد زچہ پر کاوی کی مانند سبک اور [illegible] ہو جاتی ہے۔ بارش [illegible] کے بعد [illegible] آ جاتا ہے [illegible] ڈھے سے پڑے تھے میاں بیوی [illegible] ہو چکے تھے۔ بھوک سے جان کے لالے پڑے ہوں [illegible] حرام کر [illegible] دیکھتا ہے۔ بھوک [illegible] بھوگ ذرا آئیں تو کچھ نہیں سوجھتا" بارش صرف یہ پوچھتا ہے کہ ان کے اَنت کا [illegible] کیا ہو؟

عبدالغفور کے دماغ کو بھی بھول کی چھپکلی چمٹ گئی تھی وہ اپنے پیرو مرشد کی نصیحت فراموش کر بیٹھا تھا کہ قرآن پاک حفظ کرنے سے پہلے بیوی سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کرے گا۔ اب پچھتائے کیا ہوئے [illegible] کھلیان میں کھے اُڑا چکا تھا۔ بیوی اپنی کسی ضرورت سے اُٹھی' تن تر ڈھانپا' آس پاس ٹٹولتی ہوئی گھر سے باہر نکل گئی' منہ زور مینہ کا منہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ وہ سامنے کھاڑ الانگ کر سنڈاس تک پہنچنا چاہتی تھی کہ یک بجلی کڑکی اور آسمان سے ایسا گونجدار چمکتا کوندا لپکا کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں...... اندر باہر چودہ طبق روشن ہو گئے' بدحواس سی وہیں اوندھے منہ گر پڑی پھر اک اور کڑاکا ہوا جیسے آسمان پھٹ کر اس کے اوپر آ پڑا [illegible] اس کے جھونپڑ گھر کے آگے کھاڑ سے ذرا پرے پرانا پیپل دھڑام سے اس کے اوپر آ گرا۔ یہ سب [illegible] ایکا ایکی میں ہوا اسے پتہ تک نہ چلا کہ درخت کے نیچے دب چکی ہے۔ مسلسل بارش' کیچڑ' گھٹا ٹوپ اندھیرا کبھی چکا چوند کڑکیلا اُجالا...... بدحواس مفلوج سی بے بسی کے عالم میں پڑی تھی کہ ادھر اندر عبدالغفور کو بجلی کڑک کے ساتھ بھاری درخت گرنے کا دھماکہ سنائی دیا تو وہ بیوی کی ٹوہ لینے کی خاطر باہر نکلا۔ آدھا گھر آدھا کھاڑ بیچ پیپل گرا پڑا تھا۔ گھبرا کر بیوی کو آواز دی۔ بجلی کی کڑ کڑ' بارش برسنے کا شور...... وہ آگے بڑھتا گیا

[illegible] پھر اچیل کے ملبے کے اندر سے کہیں ہائے وائے کی مدھم سی لہر اُس کے کانوں سے ٹکرائی...... پتے [illegible] شاخیں ہٹاتے ہوئے پاگلوں کی طرح اُسے ڈھونڈ رہا تھا مگر وہ تو نیچے کہیں تنے تلے دبی پڑی تھی...... اس کا [illegible] کرتے ہی اُس نے چشم زدن میں سینکڑوں من وزنی درخت کو گلدستے کی مانند اُٹھا کر جنگل کی جانب اچھال دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا اُس نے اپنے جن ہونے کا عملی ثبوت دیا تھا۔

بیوی کو پھول کی مانند اُٹھا کر اندر لایا۔ دیکھا بھالا سوائے آزردگی اور ہلکی سی وحشت اور کوئی ضرر نہیں [illegible] آنکھیں ملتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ آنکھوں سے کچھ بھی بجھائی نہیں دیتا۔ صبح کے اُجالے میں معلوم ہوا [illegible] کی بینائی پہلے حال سے بھی چلی گئی ہے...... اردگرد بہت نقصان ہوا تھا۔ چھوٹے موٹے درخت ٹوٹے [illegible] تھے۔ پالتو جانور گم ہو گئے۔ باڑیں چھتیں اُڑ گئیں...... مگر اس کے ہاں سب سے بڑا نقصان آنکھوں کا [illegible] خوبصورت آنکھیں ہی تو تھیں جو پیر و مرشد کے حکم کے بعد یہاں کھنچنے کا موجب بنی تھیں۔

ایک آدھ روز بعد جب بیوی آنکھوں کے صدمے سے سنبھلی اور پوری طرح اوسان بحال ہوئے تو [illegible] پوچھ بیٹھی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ درخت میرے اُوپر گرا تھا۔ میں نیچے کہیں دبی پڑی تھی کہ کچھ حرکت نہیں [illegible] تھی۔ جب [illegible] تو کسی نے [illegible] اور جنگل کی [illegible] اچھال دیا۔ یہ میرا وہم ہے، کوئی معجزہ یا میرے بزرگوں کی مدد کہ انہوں نے مجھے اتنی بڑی ابتلا سے [illegible]"

اچانک عبدالغفور کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ کسی جن کی کارستانی بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ سُنی اَن سُنی کرتی ہوئی بولی۔ "ہو سکتا ہے مگر کسی جن کا یہاں کیا کام...... یا اُسے مجھ سے کیا دلچسپی [illegible] ہے؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی عبدالغفور نے جواب دیا۔

"یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی جن کو آپ سے دلچسپی ہو اور آپ نہ جانتی ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ انسان انسانوں میں اور جن جنوں میں...... کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز......!"

"لیکن کبھی انہونیاں بھی ہو جاتی ہیں...... باز کبوتروں میں بھی اُتر آتے ہیں...... اُنہیں زک پہنچانے کے لئے نہیں۔ دوسرے بدطینت شکروں سے اُنہیں محفوظ رکھنے کے لئے۔"

وہ اُسے مُندھی مُندھی نگاہوں سے ٹٹولتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''کیا ایسی اَنہونی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے؟''

''ہاں، دیکھی سُنی بھی اور دیکھ بھی رہا ہوں۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں......؟''

عبدالغفور، جواب کی بجائے گہری سوچ میں ڈوب گیا...... بتائے نہ بتائے، کیا کرے؟ جھوٹ سے
کام لینا اُس کے نزدیک بہت غلط تھا، سچ بولنے سے بہت سے کام بگڑتے تھے۔ طوفانی رات جو کچھ
سرزد ہوا، اُس میں اِس کے کسی اَرادے کا دخل نہیں تھا اور نہ ہی پیر و مُرشد سے کیئے ہوئے وعدے کو
کوئی نیت تھی...... خلافِ توقع و ارادہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ جیسے کوئی غیبی طاقت کی ایما پہ یہ سب کچھ
ہو...... بیوی سے قربت والا واقعہ بھی جیسے سارا ماحول پیدا کر کے ظہور میں آیا...... اِسے محسوس
واقعات کے پیچھے یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت موجود ہے۔ اِس نے یہی مناسب سمجھا کہ من و عن سب
دے۔ انجام چاہے کچھ بھی ہو...... یہی کیا، شروع سے اب تک ہر بات کھول کر سامنے رکھ دی۔ وہ
علمدار تھی، کمالِ تحمل سے سنتی رہی...... نہ خوف زدہ ہوئی، بوکھلائی نہ کسی غم و غصے کا اظہار کیا۔
تمام ہوئی تو

''تقدیر میں لکھا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ شکایت نہیں اور نہ ہی آ
میرے مرحوم والد نے جو فیصلہ کیا تھا۔ یقیناً میری بہتری کے لئے تھا۔ غور کرو، آسمانی بجلی درخت پہ
میرے اُوپر گرا...... اور اگر آپ جن نہ ہوتے وہ سینکڑوں من بھاری درخت نہ ہٹاتے تو میں شاید
ہوتی۔ آپ نے اچھا کیا جو ہر اَسرار سے پردہ ہٹا دیا۔ جن ہو یا بشر ہر کوئی اللہ کی مخلوق ہے...... میں
جیون ساتھی ہوں اور خوش بھی......''

وقت کی کچھوا گاڑی گھسٹتی رہی۔ سوا برس بعد ان کے ہاں ایک بچے کا جنم ہوا مگر یہ بچہ پیدا
اپنی راضی برضا ماں کو چاٹ گیا...... عجیب و غریب، غیر معمولی صحت مند بچہ، پیدائش کے وقت کچھ ایسی
ہوئیں کہ زچہ بچہ دونوں خطرے میں پھنس گئے۔ بچہ تو کسی طور بچ گیا مگر زچہ جانبر نہ ہو سکی۔ شاید اِس
وہ ایک جن زادہ تھا۔ عبدالغفور کے لئے یہ سانحہ ناقابلِ برداشت تھا اِس کے لئے وہ خود کو ذمہ دار
کہ مُرشد کی وصیت پہ عمل نہ کرنے سے یہ سب کچھ ہوا ہے۔ بچے کی ہیئت حالت صورت دیکھ کر
کراہت سی محسوس ہوئی...... حالتِ غضب میں اُسے اُٹھا کر جنگل اندر بھیڑیوں کے بھٹ کے آگے
آیا...... اَب یہ گھر یہ جگہ علاقہ اُسے کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا...... بات بھی دُرست تھی۔ حکیم صاحب بھی

کے مربی و مرشد تھے۔ بیوی جو محسن رازدار اور شریک حیات تھی سو وہ بھی چل بسی' اب رہا بچہ جو انسانی' باپ کا عجیب سا نمونہ' اُس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اُس نے اِدھر سے کوچ کر جانے کا فیصلہ کر لیا پھر جانے جی میں کیا آئی۔ جنگل سے بچے کو اُٹھا لایا' واپس ماں کے مُردے پہ ڈال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہو گیا۔

انسان کچھ سوچتا ہے اور کرتا ہے۔ قدرت کے اپنے طریقے اور فیصلے ہوتے ہیں۔ انسان اور قدرت اپنی اپنی ڈگر پہ چلتے رہتے ہیں...... انسان اور جن...... پھر ماں بچہ اور باپ! ہر کوئی اپنے اپنے راستے پہ [illegible] وقت اور کرم نے بچے کو ایک بے اولاد ہندو کے آنگن میں ڈال دیا۔ جدھر ہر جانب چھوٹے بڑے پتھر تراشے اَن تراشے دیویوں' دیوتاؤں کے چھوٹے بڑے بُت...... گھٹنوں کے بل چلنے کی عمر تک تو وہ بتوں کو کھلونے سمجھ کر کھیلتا رہا...... پاؤں پہ چلا تو مُورتی ساز باپ نے پتھروں کی کٹائی رگڑائی پہ لگا دیا۔ کام کی طرح اس کا نام بھی مُورتی داس تھا۔ وہ ہندوؤں کی ایک نچلی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے پاس یہ بچہ بھی بڑے عجیب طریقے سے [illegible] ماں کے کفن دفن کے بعد اسے کوئی قبولنے کو تیار نہ تھا۔ باپ کی جانب سے تو کوئی تھا ہی نہیں...... ننھیال والے خود ہی فاقہ مست لوگ' جو اس عجیب الخلقت کی پیدائش کے وقت سے ہی [illegible] تھے جنم لیتے ہی اپنی ماں کو ہڑپ کر لیا' باپ کو بھگا دیا...... کم بخت جان پاک کرتے ہوئے انہوں نے ایک [illegible] مورتی [illegible] مذہب و ملک سے کیا تعلق؟ جس قوم قبیلہ کنبہ میں جنم لیں رہیں کہیں' وہیں کے ہو کر رہ جاویں...... مورتی داس نے اس کے گلے میں جنیو ڈال کر اس کا نام مورتی مل رکھ دیا...... ہنومان جیسا چہرہ' ویسا ہی بالوں تاروں سے بھرا ہوا' [illegible] جیسا سر پہ پنڈا...... عقل کا ادھورا اور فہم کا کھدرا...... وہ دیکھتے ہی دیکھتے بچے سے جوان ہو گیا۔ ایسا کہ بڑے بڑے بھاری پتھروں کو اُٹھا کر آسانی سے اِدھر اُدھر کر دیتا۔ اس کا منہ بولا باپ بہت خوش تھا کہ اولاد کی کمی بھی پوری ہوئی اور مفت میں ایک کڑیل مزدور بھی ہاتھ لگ گیا۔

اب جو کچھ آگے لگا تو مورتی داس نے اِسے مورتیاں بنانے اور چترکاری کی تربیت دینی شروع کی...... یہ دونوں تخلیقی ہنر ہیں' عام طور پہ ورثہ میں یا پھر خاص طور پہ قدرت سے ودیعت ہوتے ہیں...... اس [illegible] مُورتی مل کے ہاں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ مُورتی داس جلد ہی سمجھ گیا کہ یہ گنوار گوپالا کسی مہین کام کے لئے نہیں ہے۔

وقت کے کولہو پہ جُتا بیل جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کی گردن پہ جُتے ایک فاضل بوجھ بن جاتے ہیں۔ ایک عملی کے محور پہ گھومتے گھومتے وہ خود بھی ایک گھن چکر بن جاتا ہے...... سوتے اُونگھتے بھی وہ چکر ہی کاٹتا ہے۔ پتھر تراشنا فن ہے اور پتھر توڑنا مزدوری...... پتھر توڑنے گھسیٹنے اُٹھانے سے مزہ محسوس ہوتا...... جوکھم

میں پڑنا، جلد بازی، جلالت، جذبات سے عاری ہونا وغیرہ...... لگتا تھا اُس میں بشریت کم ہے اور جنیت زیادہ ہے...... تھا بھی ایسا ہی......!

جنات کے طور طریق، روزمرہ کے عمل و شغل، برتاؤ، رویے، انسان سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ ہم شہروں، دیہوں، گنجان بستیوں میں رہنا پسند کرتے جبکہ وہ ویرانوں، قبرستانوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے ہیں کہ اُدھر خالق و رازق نے اُن کے لئے پتھر، گوبر، ہڈیوں اور گلے سڑے سوختہ چوب و چام کا وافر انتظام کر [illegible] ہوتا ہے۔ اُن کی بود و باش کے لئے وسیع میدان، اونچے پہاڑ، گہری کھائیاں، گھاٹیاں، غاریں...... مرغزار، ذخیرے اور گھنے جنگلات ہوتے ہیں۔ وہ سمندروں، دریاؤں میں اُترتے ہیں تو سیلاب سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھنور پڑنے لگتے ہیں جبکہ بارشوں، آندھیوں، بھوت پھیریوں، جھگڑوں کا سبب بھی اکثر اوقات انہی کے خرمستیاں، شرارتیں، کھیل کود، سفر، لڑائیاں اور دیگر اجتماعات و تقریبات ہوتی ہیں۔

اُس رات جب [illegible] بیوی اکٹھے ہوئے اور اِن کا آپس میں اختلاط ہوا تو آتش دم ہوئی، خون [illegible] جب سب ایک [illegible] ہوئے تو اس جگہ ایسی ہوائی اور آتشی لہریں پیدا ہوئیں جنہوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ بارش کا سلسلہ پہلے ہی چل رہا تھا۔ سوئے اتفاق کہ اُوپر سے شریر جنی بچوں کا ایک ٹولہ بھی برسات کا مزہ لیتے ہوئے گزر رہا [illegible] کرتے ہیں۔ انسان، جن، ہاتھی، بندر، سانپ اور گدھے کے بچے کبھی نچلے نہیں بیٹھتے...... بھیگی رُتیں، چھاجوں برستی برساتیں، ٹھنڈی ہوائیں ان میں ایک بے طرح کی مستی پیدا کر دیتی ہیں۔ ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا جانور اور جن وغیرہ اپنی اپنی ایک مخصوص بُو باس رکھتے ہیں۔ جیسے آدم بُو، جن بُو، جنگل، ہاتھی ہتوس، بندر بوک، سانپا سگند اور گدھا گند وغیرہ...... عامل کامل، سنیاسی، یوگی، درویش، بھگت اور مخصوص قوتِ شامہ کے ماہرین، ان بوؤں، خوشبوؤں کو محسوس کر لیتے ہیں۔

عبدالغفور کی بیوی، اپنی ضرورت کے تحت باہر نکلی باد و باراں کا سلسلہ جاری تھا...... صحن عبور کر کے سامنے سنڈاس تک جانا تھا۔ عین اسی وقت اُوپر جنات بچوں کا گزر ہوا۔ جنبی عورت، جو گابھن ہو چکی ہو سفلی علوم کی اصطلاح میں کچھ خاص خصوصیات کی حامل ہو جاتی ہے۔ اُسے باد و باراں، کسی بھی طرح کے گرجن کے سمے۔ زلزلے کے وقت، سخت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ تین چار گھنٹا میں ایک سنگ آ پڑے، [illegible] جنات نے عورت کے سر پر میں اپنی مخصوص بُو سونگھی ترنگ میں آ کر سیکڑوں برس پُرانے پیپل کے پیڑ کو گرا کر چل دیے۔ یہیں سے پھر آگے کتھا شروع ہوئی۔ گابھن عورت جس کے پیٹ میں جن کا نطفہ تھا بالفاظ دیگر اپنی کوکھ میں آگ کا شعلہ دہکا رہی تھی...... حکیم صاحب کی وصیت سے بھی رُوگردانی ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ وہ جن

پت اسفلُ اسافلین کا مہاجر اَب مُورتی داس کے ہاں پڑا ہوا تھا...... قدرت نے کائنات کے اُصول وضع کیے ہوئے ہیں۔ وقت اپنی رفتار کبھی تیز یا ہلکی نہیں کرتا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ وقت بڑا تیزی سے گزر رہا ہے یا کہ بہت سست رفتاری سے کٹ رہا ہے۔ ایسا احساس انسان کو اپنے حالات' موڈ اور سماجی' اقتصادی رویوں کے تحت ہوتا ہے...... مُورتی داس کو ایسا لگتا تھا کہ یہ اَچپل بالک کسی ایسے پُرش کا پُن پھند ہے جو اناج دھان نہیں آگ کے شعلے انگارے کھاتا رہا ہوگا۔ جل کی جگہ جلتا اُبلتا لاوا پیتا ہوگا۔ عام سے بندوں بُندووں والی اس میں کوئی بات ہی نہیں تھی۔ بندرابن کے بَنھل بانس کی سی اُٹھان اور افریقہ کے بن مانس جیسا جُثہ......!

ایک شام مُورتی داس نے اس کی آنکھوں میں واسنا کی ایک ایسی لہر اُبھرتی ڈوبتی دیکھی جو کسی مخصوص اپرادھی کی آنکھوں میں کسی اَبھوگی مہلا کی سنگت میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے...... ایک زنگی مہلا اپنی منی سی میّا کے ساتھ کوئی مُورتی بنوانے پہنچی تھی...... بیلے چہرے [illegible] جسم والی اس زنگی کا اُتم انگ اس کی خوبصورت آنکھیں تھیں جو جگر جگر کرتی دل کے آر پار اُترتی تھیں...... سمے کی سنگت تھی یا کرموں کی کلپٹ کہ اس بھوت راکھشش کو یہ آنکھیں چٹ گئیں۔ ایسی کہ وہ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ سوتیلا باپ اور بڑھیا جو تھی دیگر مورتیاں دیکھنے کے لئے دوکان کی جانب بڑھے اس نے اسے دبوچ لیا۔ ورکشاپ میں لے جا کر دروازہ [illegible] اس زنگی کی بیٹی خرانٹ تھا سے جو خاصی بہری' بھاری اور کاروباری معاملات میں گھری تھی' مورتی تیار کرنے کے تخمینے اور جل پان میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُن دونوں کی دانست میں لڑکی اندر اپنی پسند کا پتھر بُت تلاش کر رہی ہے...... اچھی خاصی سرکھپائی' وقت برباد اور ٹونگ ٹو کیے کے بعد اُن کے درمیان مُورتی تیار کرنے کا معاوضہ اور وصولی کا دن طے پا گیا...... بڑھیا نے اُٹھتے ہوئے لونڈیا کو آواز دی...... دو چار آوازے دے چکنے کے بعد' جب نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا تو مورتی داس اور بڑھیا' دونوں پیچھے صحن کی جانب آ گئے...... اِدھر اُدھر دیکھا' آوازیں دیں۔ لونڈیا اور لونڈا جب دونوں کہیں دکھائی نہ دیے تو تشویش بڑھی۔ سامنے ورکشاپ کا دروازہ خلافِ معمول بند دیکھا تو بوڑھے کے اندر کا طوطا بول اُٹھا کہ آج لُٹیا لڑھک گئی ہے۔ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھ کر دروازے کے بھاری پٹوں کو دھکیل کر کھولنا چاہا مگر انہیں تو جنبش تک نہ ہوئی۔ بڑے بڑے پتھر نہ پڑے ہوتے تو شاید کُھل جاتے۔ ناکام ہو کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور پھر جب اس نے دروازہ چھوڑ کر سینہ پیٹنا شروع کیا تو بڑھیا بھی واویلا کرتے ہوئے اپنی بیٹی کا نام لے لے کر چلانے لگی...... اڑوس پڑوس والے اسی پیشے سے منسلک دوکاندار جمع ہو گئے۔ بڑھیا نے دُہائی دی کہ اس کی بیٹی کو اس کے ملازم نے زبردستی اندر محبوس کر رکھا ہے اور پتہ نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے...... لوگوں کو تو تماشا چاہیے اور یہاں بڑا مزے کا تماشا

ہو رہا تھا۔ مورتی داس ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنی بے گناہی ظاہر کر رہا تھا۔ سارا دوش اپنے کرموں کو دے رہا تھا کہ کس نحس گھڑی اس نے اس بچے کو گود لیا تھا...... آخر بڑی تگ و دو کے بعد دروازہ کھلوایا گیا...... دروازہ کیا کھلا گویا اجنتا ایلورا کا کوئی غار کھل گیا ہو۔ دونوں اپنے اردگرد اور لباس سے بے نیاز باہم یوں پیچاں و پیوست تھے کہ دیکھنے والے اپنی آنکھیں بند کرنے پہ مجبور ہو گئے۔ دروازہ کھلنے اور اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں بھی انہیں رتی بھر شرم و حیا نہ آئی بلکہ وہ زنگی بڑی ڈھٹائی سے اپنی ماں سے کہنے لگی۔

''ماں! مجھے میرا پرم پریم مل گیا ہے...... ہم نے یہاں کرشنا جی کی ان گرجھی مورتی کے سامنے ایک دوجے کو اپنا جیون ساتھی مان لیا ہے' تن من ایک کر لیا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں علیحدہ نہیں کر سکتی مجھے جس پُرش پریمی کی تلاش تھی وہ یہی شکتی مان مورتی مل ہے۔''

اپنے پرائے سب گنگ منگ سے ان دونوں کا منہ تکنے لگے...... تماشا دیکھ کر لوگ اپنا اپنا منہ اٹھائے کلجگ کلجگ کرتے ہوئے نکل لیے تو یہ بوڑھا اور بڑھیا منہ سر لپیٹتے ہوئے ان کی کرتوت اور اپنے کرموں کا کریا کرم کرنے لگے۔

نشست پہ ایک پہلو پڑے پڑے میری دائیں ٹانگ سُن ہو چکی تھی۔ کہانی کہنے کا انداز و بیان اس قدر دلپذیر اور [illegible] سامنے پڑا شخص ہو چکا تھا۔ ٹانگ ٹھنڈے پتھر سی محسوس ہوئی تو خود بخود میرے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی...... میں پہلو بدلنے کی کوشش میں تکلیف سے دوہرا ہوا تو اس نے کہانی روکتے ہوئے میرے کولہے کی جانب تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت' کیا ہوا......؟''

''ٹانگ سو گئی داستان سنتے سنتے......'' میں نے ٹانگ سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا...... ''اس کا مطلب ہے کہ میں خاصا بول چکا ہوں۔ ویسے بھی یہ بور اور منحوس کہانی اپنے اختتام کے قریب پہنچ چکی ہے۔ دو چار باتیں باقی رہ گئی ہیں' سو وہ بھی سن لو۔ میری زندگی میں تم واحد شخص ہو جسے میں نے اپنی ذاتی جن بیتی سنائی ہے۔ مجھے یقین ہے تمہارے علاوہ کوئی اسے ہضم نہیں کر سکتا اور میں جانتا ہوں کہ تم جن و انس جیسی دو مختلف مخلوق کے مابین کسی ممکنہ مادی یا ماورائی تعلق کی نوعیت' حقیقت اور اس سے رونما ہونے والے کسی منفی و مثبت ردِعمل کو سمجھنے' اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہو......''

میں نے قدرے بوکھلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم کس بنیاد پہ ایسا کہہ رہے ہو؟''

اُس نے میری آنکھوں میں اپنی جناتی نگاہوں کے تیکھے بَرے اُتارتے ہوئے جواب دیا۔

’’تمہاری آنکھوں میں مقابل کا اصل رُوپ دیکھنے کی صلاحیت ہے جبکہ تمہاری غیر معمولی خداداد ذہانت وفطانت...... ماورائی معاملات اور مافوق الفطرتی بوالعجبیوں کو جاننے بُوجھنے میں عجب ہے...... میرے قریب آنے کی بھی یہی وجہ تھی کہ نینوں کے حوالے سے میرا اتمام کچا چٹھا تمہاری نظر میں آ چکا تھا...... تمہیں یاد ہوگا میرے سٹوڈیو میں پڑا نینوں کا ایک اُدھورا سا سکیچ...... تم نے مجھ سے مانگا تھا جسے ایک نایاب اور قیمتی چیز سمجھ کر ابھی تک تم نے سنبھالا ہوا ہے۔ اِک عام انسان کے لئے یہ کینوس کا ٹکڑا دو ٹکے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ مگر تمہارے لئے یہ اِک شاہکار اور ایک نادر لَوح وتعویذ ہے۔‘‘

ایک دو طویل کشوں میں باقی ماندہ سگریٹ راکھ کرتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

’’تمہاری فلائٹ کا وقت بھی قریب ہے...... میں سناتے سناتے تھکا اور تم سُنتے سُنتے بور ہو چکے ہو۔ اب اٹھو! اپنی منزل کی طرف بڑھو...... انشاءاللہ! پھر ملاقات ہوگی۔‘‘

وہ ایک لمبی سی انگڑائی توڑتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

’’میں جانتا ہوں کہ تم جب بھی کبھی ادھر پہنچو گے مجھے ضرور ملو گے اور تم بھی مجھے اسی طرح مسرور، مصروف، مہربان پاؤ گے۔‘‘

لاونج میں جانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر اُس کی پُرخلوص رفاقت اور نینوں والے کینوس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

’’اگر میں کبھی اپنی سیلانی طبیعت اور اندر کی شورش سے مجبور ہو کر بھوپال جا نکلوں اور اُس مزار پہ فاتحہ پڑھنے کے لئے بھی پہنچ جاؤں تو......؟‘‘

وہ میری جانب گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

’’میں جانتا ہوں تم وہاں پہنچے بنا رہ ہی نہیں سکتے۔ چندے نینوں والوں میں شاذ ہی کوئی قابلِ ذکر فرد وہاں پہ ہو...... یہ نادر الوجود خاندان عرصے سے بکھر چکا ہے...... اگر ان میں کوئی دانہ تمہیں مل بھی گیا تو اس سے شاید تمہاری کوئی خاطر خواہ تسلی نہ ہو سکے...... ہاں اگر تم جاؤ اور مل پاؤ تو میرے ماموں سے ضرور ملو...... وہ تمہیں دلی، مہرولی میں تلاش کرنے پہ مل جاویں گے اگر وہ وہاں ہوئے تو...... کیونکہ وہ اکثر گرمیوں میں شری نگر حضرت بل چلے جاتے ہیں۔‘‘

قارئین! نینوں کے اس یگانۂ روزگار مصور کی اُدھوری ہڈبیتی آپ نے ملاحظہ فرمائی...... مجھے ایسے

خبطیوں اور اُس ایسے جنوبی اُور بیجنل فنکاروں کی کتھائیں کہانیاں اسی طرح اُدھوری اور تشنہ لب ہوتی ہیں۔ دیکھا جائے تو جو لُطف و مزہ اُدھورے پن میں ہے وہ مکمل پنے یا سیر ہونے میں کہاں؟...... اُدھوری کہانیوں جوانیوں...... ملاقاتوں گھاتوں...... خواہشوں خوابوں...... محبتوں رفاقتوں اور زندگیوں' شرمندگیوں سے جو ٹیڑھی ٹیسیں حاصل ہوتی ہیں اُن کا ایک الگ ہی سانولا سا سواد ہوتا ہے...... یعنی جو گھات بات' اِن اُدھورے نینوں والے سکیچ میں تھی وہ اِس کے مکمل ہونے پہ شاید نہ ہوتی...... رُخصت ہونے کے سمے اُس نے بڑا اُدھورا مصافحہ اور معانقہ کیا اور اَلوداعی بوسہ تو یُوں تھا جیسے بصدِ کراہت و عُجلت' وہ کسی ناپسندیدہ شخص کے تھوبڑے سے گالوں سے گال مس کرنے پہ مجبور ہُوا ہو۔ اُدھوری اُچٹتی سی نگاہ ڈال کر وہ باہر لوگوں کے ہجوم میں یوں غائب ہوگیا جیسے اِس کا وجود' کبھی یہاں موجود نہ تھا۔

انگلینڈ واپس پہنچ کر میَں کئی عشروں تک اُس کی اُلجھی اور اُدھوری کہانی کے تانے بانے سے باہر نہ نکل سکا...... میَں تو جیسے کسی جادوگری کے بلند و بالا' اُونچے اُونچے بام و دَر' میناروں منڈیروں والے محل کی تاریک غلام گردش کے کونے میں لپٹی' تارِ عنکبوت میں ایک بوکھلائی ہوئی مکھی کی مانند جکڑا ہُوا تھا۔ میَں کہانی کے ایک ایک تار کو الگ الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے [illegible] رہ رہ کر مجھے خود پہ تاؤ آ رہا تھا کہ میَں اپنے اِس مصوّر دوست [illegible] پوچھ [illegible] تمہارا کیا جاتا ہے...... [illegible] نینوں والے حافظوں سے کیا [illegible] تھا...... یہ نامکمل نینوں کے سکیچ والی کون ہے؟ اور یہ بھی کہ چندنے نینوں والی کا گھرانہ کیا اَب بھی وہاں موجود ہے؟ کیا اُن کے کسی فرد کو دیکھا یا ملا جا سکتا ہے...... اُسی جنگلی کنارے والے مزار تک رسائی ہوسکتی ہے......؟

بے شمار اُدھورے سوالات تھے جو بھوکے اَندھے کیچوؤں کی مانند میرے دماغ میں کلبلا رہے تھے۔ تشفّی کسی طور نہ ہو رہی تھی۔ اب میرے ہاں دو ہی طریقے تھے اوّل' میَں ٹیلیفون پہ رابطہ کر کے اُس سے پوچھوں...... یہ طریقہ شاید قابلِ عمل نہ تھا۔ ایسے سرپھرے' تنک چڑھے' اُتا مارے تو سامنے دھرے بیٹھے جواب نہیں دیتے' ٹیلیفون کی ٹرٹر کون سُنے گا...... دوسرا ممکنہ طریقہ یہی کہ میَں ٹکٹ کٹاؤں اور جدہ اُس کے پاس پہنچ جاؤں۔ لیکن نہ جانے کیوں' طبیعت وہاں جانے پہ راغب نہ ہوسکی...... اسی تذبذب میں کچھ اور وقت گزر گیا...... چندنے نینوں والے سکیچ نے مجھے تو بے حال کر رکھا تھا' دِن میں دو چار بار دیکھ نہ لیتا چین نہ پڑتا' ایک انجانی سی کشش مجھے اُن کے اندر دُور تک اُتار لے جاتی...... کوشش کے باوجود میَں خود کو اِن کے سحر سے بچا نہیں پاتا تھا۔ یہیں یہ عقدہ بھی کھلا کہ نین کنول کسی چہرے پہ کھلے ہوں' سنگِ مرمر پہ کُھدے ہوں یا کسی قرطاس کینوس پہ اُبھرے ہوں اِن کی سحر انگیزی سے بہر طور اِغماض برتا نہیں جا سکتا...... شرطیوں کے

عشق، شوق اور حسنِ جمال کے اجمال میں از قسم ''وڈ قصائی'' نہ ہو......!

شکیلہ بانو بھوپالی ملکۂ قوالی......!

حُسنِ اتفاق یا میری کہیں سُنی گئی...... بھارت سے شکیلہ بانو بھوپالی (مشہور و معروف خاتون قوّال اور خوبصورت شاعرہ) اپنے مکمل طائفے کے ساتھ انگلینڈ چلی آئی...... مکمل طائفہ یوں کہا ہے کہ اُنیس بیس افراد پہ مشتمل اس گروپ میں نوے فیصد اس کا اپنا خاندان شامل تھا۔ اماں اور باوا کے علاوہ کئی ایک صغیرے کبیرے بھائی اور بھابیاں، بھتیجے وغیرہ...... بس پانچ سات خانہ زاد قسم کے سازندے اور ہمنوا، جن میں کالی کلوٹی سی لڑکیاں بھی شامل تھیں...... اس کے اپنے گھر والے سب سنگت میں سٹیج پہ بیٹھتے تھے۔ باوا جی بیک وقت سیکریٹری جنرل، ناظم اعلیٰ اور خازن تھے۔ اماں جان ہارمونیم پہ بیٹھتی اور ہمنوائی بھی کرتیں جبکہ بھتیجے وغیرہ سنگت سازوں پہ بجے تھے...... یہ دُنیا کا واحد طائفہ تھا جس میں انسانوں، فنکاروں کی ہر قسم قبیلی شامل تھی...... بچے، جوان، اُدھیڑ عمر، بوڑھے، [illegible] کورے [illegible] اور اعلیٰ تعلیم یافتہ...... سکھ، ہندو، مسلمان، [illegible] شاعر، ادیب، اداکار [illegible] وغیرہ...... یہ ہندوستان کا اس لحاظ سے بھی واحد طائفہ تھا جو بھوپال کے نواب خاندان سے لے کر سرکار کے ایوانوں تک پہنچ پاتا تھا...... فلم انڈسٹری کے مہا تو قسم کے ایکٹرز، ڈائریکٹرز اس قوالۂ عالم شکیلہ بانو بھوپالی کے مدّاح تھے...... بلا کی ذہین فطین، کمال کی شاعرہ...... سٹیج کی مہارانی، شعر فہمی اور [illegible] گرہ بندی، برمحل استعمال...... شعر کے معنی و مفہوم وہ زبان کے علاوہ اپنی اداؤں، کنائیوں اور غمزوں سے ادا کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ بذلہ سنج، حاضر جواب، مہذب، باادب اور باکلام و جمال خاتون، کم از کم اس فیلڈ میں کوئی اور نہ تھی، نہ ہے [illegible] ہی کبھی ہوگی۔

شکیلہ بانو بھوپالی سے میری بالمشافہ کوئی واقفیت یا ملاقات نہیں تھی۔ ہندوستان کے اخباروں، رسالوں کی حد تک میں اُسے جانتا تھا۔ البتہ یہ خواہش ضرور تھی کہ کبھی اُسے ملوں یا اُس کا کوئی پروگرام دیکھوں...... جب بھی کبھی ہندوستان جانا ہُوا وہ کسی لمبے دورے پہ نکلی ہوتی۔ اصل میں میں اُس سے تفصیل سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کا فن، اخلاق، ذہنی، جسمانی خوبصورتی اپنی جگہ پہ، مگر میری جستجو اور شوق کا مرکز کچھ اور تھا۔ شکیلہ بانو بھوپالی میرے اپنے علم اور حساب کے مطابق لاکھوں میں ایک تھی...... وہ عورت کا ایک ایسا انوکھا سروپ تھی جو قادرِ مطلق سے بڑی خاص سیرت، نسوانی خوبیاں، صلاحیتیں اور منزل و مقام حاصل کر کے اس جہانِ رنگ و بو

میں وارد ہوتی ہیں...... ایسی خال خال عورتیں شمسی ہوتی ہیں۔ اِن میں افلاک کی بلندیاں اور آفاقی سیر بینیاں ہوتی ہیں...... یہ شمس کی نگونی اور مشتری کی فرودی میں عالم تیرہ و تار میں جنم لیتی ہیں...... آہنگ میں غنود کی کھنک...... نگاہ میں پسے ستارے...... جُڑے ابروؤں بیچ رینگتی ہوئی ریگ ماہی...... پیکر، تاج محل کی محرابوں قوسوں اور گولائیوں میں ڈھلا ہوا...... چال میں بادِ صبا سی مست خرامی اور لہجہ میں میور پنکھ کی نرماہٹ...... منش قطب کی مانند یہ قطبی ناری بھی کہیں کہیں دکھائی دے جاتی ہے...... زیادہ دُور نہیں قریب کی بات کریں تو میرا مائی، میرا، سیتا جی، رانی کیکئی، رضیہ سلطانہ، جھانسی کی رانی، سروجنی نائیڈو، اُم کلثوم، روشن آرا بیگم، صوفیہ لورین، ڈیانا، اندرا گاندھی، نور جہاں (ملکۂ ہندوستان) نور جہاں (ملکۂ ترنم) مینا کماری —— اسی طرح چند اور بھی خواتین اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ عموماً بچے پیدا کرنے والی عورتیں نہیں ہوتیں۔ ان میں فنونِ لطیفہ کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ رُوحانیت یا انسانیت کی جانب جدھر بھی نکل جاویں، دُنیاوی مال و دولت عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ ایک قدر سب میں مشترک ہوتی ہے۔ انہیں وفا نہیں ملتی۔ ازدواجی زندگی ناقص ہوتی ہے...... آخیر، حسرت و یاس نصیب ہوتی ہے...... پر نام اور کام چمکتا سورج ہوتا ہے

اس [illegible] گائیکہ، اداکارہ اور [illegible] نفیس [illegible] خاتون [illegible] بھی قریب [illegible] کچھ ایسے ہی آثار دکھائی دیتے تھے...... [illegible] اور زندگی [illegible] سب دوسروں پہ لٹا دیا...... عمر کی بھری بہار میں دل کے روگ سے قبر میں اُتر گئی...... بس! یونہی یہ محفل تذکرہ اِس کا قصہ چل نکلا...... اصل بات تو چندے نینوں کی شروع تھی۔

دہلی میں ماہنامہ ''شمع'' کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ حافظ محمد یوسف دہلوی مرحوم سے بات چیت کے دوران شکیلہ بانو بھوپالی کا ذکر چل نکلا...... میں نے اُنہیں کہہ دیا کہ میں اُسے ملنا چاہتا ہوں آپ کوئی سبیل پیدا کر دیں۔ اُنہوں نے تو جیسے میرے مُنہ کی بات اُچک لی۔ کہنے لگے۔

''میاں! تمہیں ضرور اُس سے ملنا چاہئے...... وہ تمہارے مطلب کی چیز ہے۔ اُس کی قوالی اگر نہیں سُنی، اُس کی محفل میں اگر نہیں بیٹھے، اُس کے ہاتھ کا پکا کھانا نہیں کھایا۔ اُس کے اشعار نہیں سُنے تو تم نے ابھی دیکھا، سُنا، کھایا اور جانا ہی کچھ نہیں۔''

وہ مجھے ایک بڑی سی کتاب تھماتے ہوئے مزید فرمانے لگے۔

''یہ پکڑو اور شکیلہ سے تعارف حاصل کرو۔ مجھے معلوم کر لینے دو کہ وہ بمبئی میں ہے یا کہیں باہر؟ خاطر جمع رکھو اُس سے ملوا بھی دوں گا۔''

سیاہ جلد کی کتاب...... ''امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک'' میں عنوان پڑھتے ہی چونک پڑا۔ شکیل بدایونی

کے منہ بولے بیٹے اور تلامذۂ خاص اکمل حیدرآبادی کی تالیف و تصنیف تھی۔ شکیلہ بانو کی ذات‘ فن‘ خاندان‘ شعری‘ خدمات وغیرہ۔ امیر خسروؒ کے حوالے سے قوالی کی پوری تاریخ‘ اثرات...... میں اِک ندیدے کی [illegible] کتاب پہ ٹوٹ پڑا۔ ایک ہی نشست میں پوری کی پوری چاٹ ڈالی۔ اُدھر حافظ یوسف صاحب نے شکیلہ کا [illegible] کروایا...... معلوم ہوا کہ وہ تو حیدرآباد پہنچی ہوئی ہے آئندہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ تک اس سے ملاقات کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ اِس کے سیکنڈ سیکرٹری کو پیغام اور بمبئی میں اپنا فون رابطہ نمبر لکھوا دیا تھا۔

دس روز بعد‘ شکیلہ بانو نے خود ہی مجھ سے رابطہ کیا...... ہوٹل سے اُٹھا کر اپنے دادر والے گھر لے گئی۔ گھر والوں‘ اپنے سٹاف‘ دوستوں سب سے ملوایا۔ اسی طرح میرے بہانے دعوتوں کا موقع بھی نکل آیا۔ ان شعر و سخن‘ رنگ و رامش اور ناؤ نوش کی پُرتہذیب و تکلف محافل میں مَیں پہلی مرتبہ بی آر چوپڑا‘ نوشاد‘ دلیپ کمار‘ شکیل بدایونی‘ راج کپور‘ مکری‘ جانی واکر‘ راما نند ساگر‘ اجیت‘ پران اور بہت سے دیگر فلمی‘ غیر فلمی فنکاروں‘ قوالوں‘ شاعروں اور موسیقاروں سے تفصیل سے ملا...... مہاراشٹر کے چند ایک پروگراموں میں شامل ہونے کا موقع بھی ملا۔ اسی دوران مجھے اندازہ ہوا شکیلہ بانو کا حلقۂ احباب کس قدر وسیع ہے۔ اگر اپنے فن‘ ہنر‘ ذوق و سخن میں یکتائے روزگار تھی وہیں ہر طرح کے لوگوں [illegible]۔ یہی وجہ تھی کہ ریاست و [illegible] عام و خواص میں وہ بے حد مقبول تھی...... بہت جلد میری اس سے دوستی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس کے والد عبدالرشید خان‘ والدہ اور بہن بھائیوں سے بھی خلوص و وفا کے سلسلے اُستوار ہو گئے...... اب میں اُن کے گھر کے کسی فرد کے لئے اجنبی نہ تھا۔

اچانک ایک روز میں خان صاحب سے فرمائش کر ڈالی کہ اگر آپ کا قریبی دنوں میں بھوپال جانا ہو تو مجھے بھی ساتھ لے لیجئے گا میں اس خوبصورت قدیمی شہر کو جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں...... یہاں کے محلات‘ [illegible]ت‘ دیہات‘ گلیوں‘ کوچوں بازاروں میں خوب گھومنا چاہتا ہوں اور خاص طور پہ وہاں بزرگوں‘ اولیائے اللہ کے مزارات کی زیارت بھی میرا مقصد ہے...... خان صاحب میری خواہش سُن کر خوش ہوئے...... کہنے لگے۔

”جب چاہیں اپنی سہولت کو مدِنظر رکھتے ہوئے پروگرام بنا لیں...... آپ وہاں جا کر بہت خوش ہوں گے اور آپ سے زیادہ میں خوش ہوں گا کہ مجھے آپ کی میزبانی اور ہمرکابی کا موقع ملے گا۔“

اَب میں اس انتظار میں رہا کہ کب خان صاحب‘ بھوپال چلنے کا کہتے ہیں...... دوبارہ اپنی خواہش کے اظہار میں تامّل تھا کہ ان کی دن رات کی گھریلو مصروفیات‘ ریہرسلز‘ پارٹیوں سے معاملات اور دیگر انتظامی امور کی نوعیت یوں کہ انہیں کان کھُجلنے کی فرصت نہ تھی...... میں نے محسوس کیا اُنہوں نے مروتاً بھوپال لے جانے کی حامی تو بھر لی ہے مگر حقیقتاً ان کے پاس حاجی علیؒ کی درگاہ تک جانے کے لئے بھی وقت نہیں۔

ایک صبح میں نے انہیں مطلع کیا۔

”خان صاحب! آپ کی بے پناہ مصروفیات کا مجھے احساس ہے۔ میں چونکہ پہلی مرتبہ بھوپال [illegible] ہوں۔ ہو سکے تو کسی بھلے سے بندے سے میرا رابطہ کروا دیں جو بھوپال میں میری کچھ رہبری کر سکے۔“

خان صاحب نے مصروفیت کا عذر اور معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

”میں چاہتا تو یہی تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں' پر کیا کہیے کہ اب چند ایک پروگرام اچانک [illegible] میں آن پڑے ہیں۔ آپ تو سمجھتے ہیں کہ آئی روزی کو لات مارنا بھی کفرانِ نعمت ہے۔ ویسے آپ کو وہاں [illegible] کی ایسی عجلت بھی کیا ہے؟ ایک آدھ ہفتہ اور رُک لیں۔“

”خان صاحب! ایک تو مجھے واپس انگلینڈ جلد پہنچنا ہے۔ دوسرے وہاں جنگل کنارے ایک بزرگ [illegible] مزار ہے جن کا عرس اس شکروار کو شروع ہو رہا ہے۔ میں وہاں عرس کے موقع پہ حاضری دینا چاہتا ہوں۔“

چند لمحے اُدھر ٹیلیفون پہ خامشی چھائی رہی۔

”ہیلو..... خان صاحب! آپ سُن رہے ہیں کیا.....؟“

بیزری ہوں کے ساتھ خان صاحب بولے۔

”[illegible] ان بزرگوں کا نام [illegible] بابا نابینا تو نہیں.....؟“

”جی اُن کا یہی نام مجھے بتایا گیا تھا۔“

اب خان صاحب کا لہجہ اک دم تبدیل ہو گیا۔ بڑی بے دلی سے بادلِ نخواستہ بتانے لگے۔

”تمہیں شاید معلوم نہیں کہ اب کوئی ایسا مزار وہاں موجود نہیں نہ ہی وہاں کوئی عُرس ہوتا ہے جس میں شرکت کی خواہش لیے تم وہاں جا رہے ہو۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں' خان صاحب؟ یہ تو بہت قدیمی مزار ہے اور صاحبِ مزار بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ انسان تو انسان جنگل کے شیر چیتے وہاں حاضری دیتے تھے بلکہ جنات تک وہاں سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔“

خان صاحب جھنجھلائے سے بولے۔

”معذرت خواہ ہوں اس وقت تفصیل سے بات نہیں کر سکتا' دوسری لائن پہ سیٹھ ٹیکا رام میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ویسے سردست میرا مشورہ ہے آپ وہاں میرے ساتھ ہی تشریف لے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو پھر مجبوری' اکیلے ہی چلے جائیں' لیکن وہاں کسی مزار و زار پر جانے سے اجتناب کریں' آپ انگلینڈ سے آئے ہوئے ہیں بھوپال کے خانقاہی ماحول سے آپ واقف نہیں۔ محض وقت برباد کرنے والی بات ہے۔

وہ بڑی عجلت میں کہہ رہے تھے جیسے اُنہیں مجھ سے جان چھڑانے کی پڑی ہو اور اِدھر میں اُن سے بھی [illegible] آگے کا اُتاولا کھٹ سے پوچھ بیٹھا۔

”قبلہ خان صاحب! خاکم بدہن آپ کہیں وہابی شابی تو نہیں......؟“

جواب میں ٹیلیفون ڈیڈ ہو گیا۔ تعلقات، ٹیلیفون اور سیٹھ ٹیکارام۔ تینوں پہ چار حرف بھیجتے ہوئے [illegible] نے بمبئی چھوڑ دیا۔ میرا طریقہ ہے کہ میں سفر کے دَوران، سامان اور خوراک بہت کم لیتا ہوں...... معمولی [illegible] بھی یوں کہ دھویا نہ دھویا ایک برابر...... شکل صُورت، حال حلیہ بھی ایسا رکھتا کہ اجنبی دِکھائی نہ دوں۔ [illegible] طرح میں مکروہات اور سفری پریشانیوں سے بچا رہتا ہوں۔ زندگی اور سفر دونوں کا مزہ ہی بے سروسامانی، [illegible] حالی اور من موجی میں حاصل ہوتا ہے۔ علی الصباح بھوپال کے سٹیشن پہ اُترا تو میرے کاندھے پہ لٹکے [illegible] کے تھیلے میں ایک آدھ جوڑا لباس، دو چار کتابیں تھیں۔ کرتہ پاجامہ اور معمولی سی چپل جو میں پہنے [illegible] تھا...... اس حال اور اموال کے ساتھ باہر نکلا تو کسی ٹیکے، ٹیکسی رکشہ والے نے مجھے گھاس تک نہ ڈالی۔ [illegible] حال ہی [illegible] بے وقوف گیدڑ کی طرح تھا جو شامتِ اعمال سے شہر کا رخ کر لیتا ہے۔

دُور دراز کے علاقوں، دیہاتوں سے معاشی مسائل کے حل کی تلاش میں [illegible] لوگ باگ، [illegible] شہروں [illegible] رکشہ والے ان کی جانب دھیان [illegible] کم ہی دیتے [illegible] سے قطع نظر وہ کسی رس بھرے سنگترے مالٹے کی جستجو میں ہوتے ہیں [illegible] میں چونکہ ان [illegible] کو سمجھتا ہوں اس لیے جان بُوجھ ایسا حال حلیہ رکھتا ہوں کہ نہ سُرخی پوڈر ہوتی نہ مجھے کوئی دیکھے یا سیٹی [illegible]...... سٹیشن کے باہر بیٹری کی [illegible] ڈھانچے اپنی اپنی سواریاں لیے [illegible] اچھے مسافروں کی پکڑ دھکڑ میں مصروف تھے۔ کیا مجال جو میری جانب کسی نے نگاہِ غلط ہی ڈالی ہو۔ میں [illegible] سے ٹہلتا بہلتا ہُوا سٹیشن کی حدود سے باہر، مین روڈ پہ نکل آیا...... چند لمحے رُک کر دائیں بائیں دیکھا، [illegible] لگایا کہ مرکزی شہر کس طرف ہو سکتا ہے؟

یہ بھی سیاحت کی ایک سائنس یا سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہُوا علم ہے جو تجربہ کار سیاحوں، جہاں نوردوں یا [illegible] میری طرح کے بین الاقوامی بلکہ بین الکائناتی خاندانی آوارہ گردوں کے ہاں ہوتا ہے۔ یہ راندۂ درگاہ، [illegible] وسیلہ کفیلہ پنچھی اپنے اسی علم و سائنس سے دُنیا بھر میں شہروں شہروں، ملکوں ملکوں، خاک چھانتے رہتے ہیں...... ان سدا بہار صدر رنگے سیمیں مرغوں کی خارجی اور داخلی حسّیں، غیر معمولی اور عام انسانوں سے کہیں [illegible] ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ غیر انسانی ہوتی ہیں...... کتے، کوے اور کبوتر کی خصلتیں، جبلتیں اور عادتیں، [illegible] خاندانی آوارہ گرد میں موجود نہیں تو وہ دو نمبر ہے...... محض اندر باہر کی کالک سے کوا...... انسان دوستی سے کتا

اور صرف معصومیت سے کبوتر تعریف نہیں ہوتا۔ اِن میں کشف ' رُویا...... ماضی ' حال ' مستقبل بینی...... [illegible]
نجوم ' موسم...... وقت کے تقاضے ' غیب کے اشارے...... انسان کے ظاہر و باطن ' نیت و سوچ کی تمام تر [illegible]
اور خباثتیں سمجھنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔

آنکھیں بند کر کے کھڑے کھڑے ''مراقبۂ السمت'' ادا کیا اور حسبِ طریق اپنے دائیں جانب چل دیا...... کافی دُور آگے جا کے ' پیچھے سے آتا ہوا ایک پھٹیچر سا یکّہ میرے قریب پہنچ کر رُکا...... پوپلے منہ بوڑھا یکّہ بان پوچھ رہا تھا...... ''کہاں جاؤ گے بھیا؟''...... چھنگلی پور برابر بیڑی کے دم کش میں وہ [illegible] کھانس بھی رہا ' اس کی ایک مُندھی آنکھ سے آشوب بھی بہہ رہا تھا...... بادلِ نخواستہ ' رُکتے ہوئے میں [illegible] بوڑھے ' عسرت زدہ یکّہ بان کو غور سے تکنے لگا۔

اس طرح مجھے بھونچکا سا پا کر وہ دوبارہ پوچھنے لگا...... ''بھیا! اِدھر مومن گنج کی طرف جانا ہو تو [illegible] میں اُدھر ہی تو جا رہا ہوں...... بھاڑے کی فکر نہ کرو...... بسم اللہ کی سواری سے میں [illegible] بھاڑا ویسے بھی نہیں لیتا۔ آؤ ' بیٹھو...''

میں [illegible] شخص کی طرح اُچھل کر یکّے میں [illegible] گیا...... دل میں کہنے لگا [illegible] کی بسم اللہ کی [illegible]

یکّے [illegible] نکلتے اندر بھونپو سے بجنے لگے۔ الٰہی! اب کی خیر ' مریل سا ٹٹو...... ڈُلکی چال میں ایک [illegible] سی قائم کر چکا تھا...... میں [illegible] اندر سبھا میں مست...... کچھ خبر نا ہیں کہ میں کون ' کہاں اور کدھر جا رہا [illegible] آنکھیں نیم وا ' صبحِ صبح کا سماں [illegible] اسی طرح بے سُدھ سا تھا کہ کانوں سے کچھ شبد ٹکرائے۔

''بھیا! کہاں اُترو گے میں تو مومن گنج کی جانب مُڑ رہا ہوں؟''

بِن سوچے سمجھے مُنہ سے نکل گیا۔

''میاں جی! مومن گنج لے چلو یا کسی کافر نگر ' میری اِدھر کوئی جان پہچان تو ہے نہیں ' چاہو تو کسی مسجد یا آشرم کے پاس اُتار پھینکو......''

پیچھے مُڑ کر مجھے کڑی نگاہوں سے تکتا ہوا پھر پوچھنے لگا۔

''بھیا! تم اِدھر ہی کے رُخ پہ بڑھے جا رہے تھے آخر کسی ٹھور ٹھکانے پہ پہنچنے کا قصد تو ہو گا؟''

سمجھ میں آ گئی کہ بات کی بلی ' تھیلے سے باہر نکالے بغیر یہ بوبک پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ جان [illegible] کرنے کی غرض سے میں نے اُسے بتا ہی دیا۔

’’بڑے میاں! میں بمبئی سے آیا ہوں...... یہاں کے ایک باسی' جو بمبئی میں رہتے ہیں مجھے ان کے ساتھ یہاں پہنچنا تھا مگر بوجوہ وہ میرے ساتھ نہ آ سکے...... اِدھر آنے کا اصل مقصد' یہاں آسودۂ خاک ایک بزرگ کے مزار پہ حاضری دینا تھا اور دُوسرا مقصد' یہاں کے تاریخی مقامات' مساجد و مکاتب' تہذیب و تمدن کا مشاہدہ و مطالعہ بھی ہے۔‘‘

وہ مزید کُریدتے ہوئے بولا...... ’’اور کچھ......؟‘‘

’’میں یہاں کے پُرانے لوگوں' قدیمی مزاروں' کنوؤں باولیوں اور جنگل بیابانوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہاں کے شاہی محلات' عجائب گھر اور لائبریریوں تک جانا چاہتا ہوں۔‘‘

’’بھیا! تم نے ابھی کہا ہے کسی بزرگ کے مزار پہ جانا تمہارا اصل مقصد ہے؟ اور تم بھوپال کے رہنے والے کسی آدمی کے ساتھ اِدھر آنا چاہتے تھے...... ان دونوں کے نام پتے بتا سکتے ہو تاکہ اُدھر پہنچا دوں؟‘‘

’’وہ اِدھر کے بڑے جانے پہچانے بندے ہیں۔ نام اُن کا عبدالرشید خان ہے مشہور قوالہ شکیلہ بانو کے محترم ہیں ولایت گھاٹ میں بھی اُن کی سکونت ہے۔ دوسرے جن بزرگ کے مزار پہ میں حاضری دینا چاہتا ہوں...... وہ حضرت شاہ بابا نابینا ہیں۔ اسی طرح میں ایک قدیم رُوحانی خاندان کے کسی فرد سے بھی ملنا چاہتا ہوں جو چند [illegible] ہیں۔‘‘

میری یہ باتیں سُن کر تانگے والے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اگر وہ کچھ دیر بعد گھوڑے کو ہشکارتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ پرائے [illegible] چکا ہے۔ اَب میں اس انتظار میں کہ وہ کوئی مزید بات کرے یا کچھ پوچھے...... جب اِک دُوجے کو ٹٹولنے کا سلسلہ چل ہی نکلا تو اسے اپنے منطقی انجام تک جاری رہنا چاہیے تھا۔ جب خاصا وقت خاموشی کے حبس دَم میں گزر گیا تو میں نے ہی بات کی ایک ہلکی سی کنکری سکوت کے تالاب میں پھینکی۔

’’میاں جی! کچھ جواب نہیں دیا' میری کوئی بات ناگوار گزری یا جواب کے لائق نہیں؟‘‘

بڑے میاں نے رُخ میری جانب موڑے بغیر ہی رُوکھا سوکھا جواب پھینکا۔

’’بھیا! صبح صبح بسم اللہ پڑھنے کے وقت آپ نے باتیں ہی لاحول وَلاقوۃ پڑھنے والی شروع کر دیں اب بھلا میں خاموش نہ رہوں تو کیا آفرین کہوں؟‘‘

میں سٹپٹا کر رہ گیا...... اپنی باتوں پہ غور کیا...... کون سی بات ایسی کر دی جو قابلِ لاحول ٹھہری ہے۔ جب چنداں سمجھ میں نہ آیا تو پھر پوچھ بیٹھا۔

’’بارِ خاطر نہ ہو تو کچھ بتا دیں میری کون سی بات ایسی تھی جو آپ کی طبعِ نازک پہ گراں گزری؟‘‘

وہ یکہ روکتے ہوئے بولا۔ ’’بھیا! بس تم یہیں اُتر لو۔ میں سویرے سویرے کسی قضیے میں پڑتا نہیں

چاہتا...... جس مزار کا تم نے ذکر کیا وہاں تو جنات کا بسیرا ہے...... کوئی ہوش مند اُدھر کا رُخ کرنا پسند نہیں کرتے۔ شاہ بابا کا پورے کا پورا مزار اردگرد کی مٹی تک جنات اکھاڑ کر کوہ قاف کے پہاڑوں پہ لے گئے ہوئے ہیں۔ اَب تو یہاں اُن کی باقیات میں ایک بڑا سا گڑھا ہے جس میں ہر وقت الاؤ جلتا رہتا ہے...... نہ کوئی لکڑی ڈالے ہے نہ تیل گھی' پر چوبیس کلاک وہاں خوشبودار میٹھی میٹھی آگ روشن رہتی ہے۔ کہتے ہیں جنات یہ خوشبودار ٹھنڈی ٹھنڈی آگ خود جلاتے ہیں...... جنات کے خوف سے کوئی اُدھر کا رُخ نہیں پکڑتا۔ البتہ وہاں سے قریب ہی اُن کی صاحبزادی صاحبہ کا مزار بھی ہے وہاں مست ملنگ لوگ آتے جاتے ہیں۔ وہاں جانا چاہو تو مَیں چھوڑے آتا ہوں۔ اَکٹی کم' روپلی بھاڑا ہوگا' صبح صبح بوہنی کا ٹیم ہے۔''

ٹکے والے کی خوف زدہ کر دینے والی باتوں سے مجھے کوئی فرق نہ پڑا کیونکہ اس قسم کی جناتی باتیں جدہ والے نَینوں کے مصوّر سے بھی سُن رکھی تھیں...... اَب ٹکے والا میری سُنا کے میرے کسی جواب کا منتظر تھا۔ مَیں ایک دماغی جھٹکا لے کر چندے نَینوں والے حافظوں کی بابت پوچھنے ہی والا تھا کہ وہ عُجلت ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگا

''بیبا! چلنا ہے تو بیٹھو ورنہ اُترلو۔''

مَیں [illegible] تسلیم سے —

چلئے بسم اللہ!'

میرے اس جواب پہ وہ یوں چونکا جیسے مَیں نے اُسے کہہ دیا ہو...... ''مہربان! مَیں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔ بہت کالے برسوں پہلے لاہور سٹیشن سے آپ نے مجھے اپنے تانگے پہ بٹھایا تھا میرے گلے میں ڈالے پھر خراماں خراماں داتا دربار'' کی جانب چل دیئے۔ شاہ عالمی کے باہر مسجد شب بھر کے پاس تم نے ''پیا رنگ مبارک ہو'' کہا تھا۔ داتا صاحب'' کا لنگر کھلایا۔ وہاں سے شاہی محلّے جمنا بائی جہلم پوری کی بارگاہ کا رستہ پکڑا...... بھلا کبھی جسم' جگہ' تانگ اور وقت بدلنے سے بھی کہیں اَمرِ واصل بدلتا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ مَیں اُسے قاہرہ میں سفائر آف نائیل کے شعبدہ باز کی یاد بھی دلاتا...... دمشق میں موٹر سائیکل والے کھلنڈرے نبیل ہمانی کا ذکر بھی کرتا مگر شاید اس وقت ان قصّوں کو چھیڑنے کا محل نہیں تھا...... اچھا خاصا راستہ طے کرنے کے بعد ہم شہر کے نواح میں پہنچ پائے تھے۔ اس دوران ہمارے دونوں محاذوں پہ بات چیت کی مکمل فائر بندی رہی۔

نیچے پاتال میں مختلف نوع کی معدنیات' مائعات' لطیف و کثیف بادیات' دھاتیات...... انجانی سی اور بے پناہ گرم مادے...... دھرتی کی اپنی بطونی کیفیات وغیرہ...... اپنے اُوپر موجود مخلوقات پہ براہِ راست اَثر پذیر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ حیوانِ مطلق ہوں یا حیوانِ ناطق' شجرات یا حجرات وغیرہ اور کچھ طبقات ایسے

بھی ہوتے ہیں کہ ان پہ سرانجام دیئے کاروکرم بڑے مثبت نتائج کے حامل ٹھہرتے ہیں‘ کہیں ایسی زمین بھی کہ سونا بیجو تو چیتل بھی نہ اُگے...... کئی ایک بدطالع‘ مضرت خیز اور کئی ایک تختۂ ارض ایسی تاثیر بھی رکھتے ہیں کہ جنون وخلجان پیدا کردیں اور یہ بھی دیکھا کچھ حصۂ زمین پہ دل ودماغ کے بند سوتے کھل لیتے ہیں‘ خفقان وادبار جاتا رہتا ہے۔ بشاشت‘ عفو ورحم اور استغناء پیدا ہوتا ہے۔

گوہرِ مقدونیہ سکندر جب دُنیا کو فتح کرنے کا عزم لے کر اپنے ملک سے نکلتا ہے تو اس کا مُعلم المعلّمین [illegible] اتالیق اور مشیرِ خاص ارسطو اسے چند خاص پند ونصائح سے نوازتا ہے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ کے پسینے سے بچنے‘ کبود چشم چرتر اور آنکھ آنسوؤں سے بات کرنے والی عورت کے مکروفریب سے دُور رہنے کی تلقین کی اور خصوصاً طریقِ جہاں بانی کے ضمن میں راز ہائے سربستہ کھولتے ہوئے کششِ ثقل‘ ارضی طبقاتی اثرات‘ اُن کی پہچان وخصوصیات کے بارے میں تھیں۔ کسی فیصلے کے وقت زیرِ قدم زمین کی اتھاہ تک درجہ بدرجہ تمام خفی نحس وسعد اثرات اور کوئی حکم صادر کرتے سمے اپنے سر کے اوپر‘ وابستگانِ افلاک کا کلی جائزہ لینا بھی سکھایا کہ وجود کے [illegible] نیچے اور اوپر جو گنجینۂ حکمت ومعرفت ہے فطرت وقدرت کے جو خفیف وبین خفیہ اشارے [illegible] دیدہ ساعتوں کی جو گزرگاہیں ہیں ان کے ثمرات ومضرات کیسے جانے اور سمجھے جاسکتے ہیں۔

ایک [illegible] نوجوان [illegible] کیسے بنا......

اس طرح کہ اس کے پاس اک عزمِ تازہ تھا۔ وہ مثبت عسکری اندازِ فکر سے جہاں بانی پہ آمادہ تھا۔ اس کے پشت پہ ایک دیدہ ور بابا تھا...... اور بابا بھی وہ جس نے اسے کسی حجرۂ گناہ وثواب میں مقید نہیں کیا بلکہ اس کے سامنے آدھی دُنیا کو عزم وہمت‘ کشادہ دلی وکشادہ قدمی‘ سیاسی‘ ریاستی نظامت وانتظامات کا مکتب بنادیا...... اُسی نے ہی یہ سبق دیا کہ تم سکندرِ اعظم بن کر پوری دُنیا بھی فتح کرلو تب بھی تمہاری مقدرت‘ دونوں ہاتھ خالی ہی لوٹنا ہے اور جب تمہاری موت آئے گی تو وہ یہ نہیں دیکھے گی کہ تم اپنے وطن‘ گھر کے آنگن میں یا دُور کہیں گم نام [illegible] گزار راہوں پہ ہو۔ آخری وقت دونوں ہاتھ خالی اور کھلے رکھنے کا گُر بھی اس کے جلیل القدر فاضل اُستاد نے بتایا تھا۔ اس خالی ہاتھ دُنیا سے جانے والے بادشاہ کو رہتی دُنیا تک الیگزینڈر دی گریٹ ہی کہا جائے گا۔

سکندرِ اعظم کا یہ مختصر سا تذکرہ‘ زمین وافلاک کی دیدہ اَن دیدہ قوتوں کے حوالے سے درمیان میں آ گیا کہ میں اور یکے والا اک خاصا وقت اپنا اپنا دم سادھے رہے...... شاید اس لئے ہم دونوں اک دوجے کے سامنے قدرے ننگے ہوگئے یا جس زمین اور آسمان کے درمیان ہم موجود تھے یہ اس کا بھی اثر یا تقاضا تھا۔

پہاڑ ابھی دُور ہوتے ہیں‘ زمین پہلے ہی پتھریلی سی شروع ہوجاتی۔ جنگلوں سے پہلے زمین کی آب وہوا‘ خوشبو‘ خوش منظری مسافر کو خوش آمدید کہہ دیتی ہے...... سمندر وصحرا بھی دُور سے اپنی شناخت کروا

دیتے ہیں۔ چمن کے قریب عندلیبیں، چڑیاں، قمریاں اور کونجیں آپ کا استقبال کرتی ہیں...... سوئے مقتل کے راستے، ایسے سرسبز اور خوش منظر نہیں ہوتے کہ یہ ناآسودہ زندگی اور فرسودہ موت کی گزرگاہ ہوتے ہیں۔ ان گزرگاہوں کے نیچے تحت الثریٰ تک گندھک شور کا جہنم دہک رہا ہوتا ہے۔ میں نے یروشلم، کوفہ، کربلا، دہلی، امرتسر، میسور اور دُنیا کے بہت سے دیگر علاقوں میں ایسے طبقاتِ ارضی اور افلاک منکشف دیکھے جو آج بھی اُسی ہلاکت آفرینی کے زیرِ اثر ہیں جو صدیوں پہلے اِن کے حصے میں آئی تھی۔

میں اَب ناہموار راستے پہ تھا...... جنگل کی آوارہ گنواری خوشبو نے مجھے منزل کا پتہ دے دیا تھا۔ طبیعت نڈھال پژمردہ سی تھی جیسے کالے کوسوں کا طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ اُونچی نیچی راہوں پہ خستہ حال سائیکل کسی آشفتہ سر کی طرح ہچکولے لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں چونکہ پیچھے بیٹھا ہوا تھا اِس لئے پیچھے کا منظر واضح تھا۔ آپ نے کبھی محسوس کیا ہو کہ بیل گاڑی یا تانگے کے پیچھے بیٹھے ہوئے کے لئے ماضی سے فرار اور آگے بیٹھنے والے کے لئے مستقبل کا رجوع ہوتا ہے...... پیچھے والے کی نظر ماضی بعید کے قلب میں گڑی ہوتی ہے اور راہ کے سنگِ میل، پتھر زدہ کاوشیں، خار و خرابے بڑی یاس بھری نظروں سے دیکھتا ہے جیسے اُن سے دور جانے کا اسے ملال ہو جبکہ آگے والے کی تجسس بھری نظریں مستقبل کے باطن میں نہیں اُس کے ظاہری وجود کے خدوخال سے [illegible] میری نظر سور وغیرہ کی گیلی گوبریوں پہ پڑی جو پگڈنڈی نما راستے پہ جابجا بکھری ہوئی تھیں۔ میرے سمجھنے کے لئے یہ کافی تھا کہ یہ جنگل ہی کا راستہ ہے کسی منگل منڈل کا نہیں......!

اِنسان کھانا پینا تو سب کے سامنے کر لیتا ہے مگر گُو مُوت کے لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ لیکن پرندے درندے چوپائے کھانے پینے اور فراغت کے لئے کسی پردہ پوشی کا مظاہرہ نہیں کرتے...... اُڑتے، بیٹھتے، تیرتے چلتے اور سوتے جاگتے بھی یہ فریضے آسانی سے سرانجام دے لیتے ہیں۔ ہر جانور کا بول و براز بشمول انسان کسی نہ کسی کام کا ہوتا ہے اور بہت سے عوارض کی دوا، لاتعداد سحری سفلی عملیات کا جزوِ اوّل اور کئی ایک سمیات کے لئے تریاق...... ربُّ الحکمت نے اس جہان میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں فرمایا۔ بظاہر بے مقصد فضول دکھائی دینے والی شے بھی کہیں نہ کہیں اپنی افادیت رکھتی ہے ہم اگر کور بینی کی بناء پہ نہ جان پائیں تو اس میں ہمارا قصور ہو سکتا ہے۔ اِنسانی جسم سے خارج ہونے والے مختلف مواوات کو ہم پسینہ، کیچ، میل، سنکری، فضلہ پیشاب کہتے ہیں۔ یہ اِنسانی مل مُوتر اپنے ہاں، کسی نہ کسی مقدار میں وہی منرل، پروٹین، وٹامن، روغنیات اور ریشہ جات محفوظ رکھتا ہے جو اس کی غیر ہضم غذائی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ ایسی کراہت و حالت کے سبب اس کا زیادہ دیر سامنا نہیں کر پاتا مگر یہ اِس کے معدے میں موجود ہوتا ہے اور بعض اوقات تو کئی دن پڑا رہتا

ہے۔۔۔۔۔ بظاہر اس غلاظت کا کوئی روشن پہلو نظر نہیں آتا لیکن پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ انسانی فضلے کی پیٹمن اور چربی سے بڑے بڑے قیمت اور مشہور میک اپ کے سامان بنتے ہیں۔۔۔۔۔ خاص طور پہ عورتوں کے لئے ایک مخصوص لپ سٹک' انسانی فضلے سے حاصل کی گئی چربی سے تیار کی جاتی ہے۔ انسانی معدے میں ہضم ہو کر جب فضلہ بننے کے عمل سے گزرتی ہے تو اس میں اک خاص کیمیاوی تبخیر پیدا ہوتی ہے اس سے بھی ایک ایسا نایاب مادہ وجود میں آتا ہے جو چمگادڑ کے فضلے اور ابابیل کی بیٹ کے علاوہ کہیں اور یا کسی متبادل ذریعے سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی فضلے سے اس مادے کو حاصل کر کے ایک ایسی دوا' وجود میں آئی ہے جو آنکھوں کے سرطان کے لئے تریاق ثابت ہوئی۔ متعلقہ ذرائع اس پہ مزید تحقیق کر رہے ہیں۔ اسی مادے سے ایگزیما' الرجی' برص اور جلد کی دیگر بیماریوں کے لئے مرہم بھی تیار ہو رہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ انسانی فضلے کی بدبو سے ضعفِ شامہ کا شافی علاج بھی ہوتا ہے۔ [illegible] اس کا پلٹس باندھنے سے خاصا افاقہ ہوتا ہے۔ تجربہ کار پولیس کے تفتیشی افسر نہ قبولنے والے مجرم کے منہ پہ اس غلاظت کا توبرا چڑھا دیتے ہیں تو سخت جان [illegible] اگلے پچھلے تمام جرم قبول لیتا ہے۔

یورپ میں زیر زمین پائپوں کے ذریعے گھروں کی تمام غلاظت' شہر سے باہر ایک پلانٹ میں پہنچا دی جاتی ہے۔ جہاں [illegible] کیئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اس سے ایک ایک کارآمد چیز علیحدہ کی جاتی ہے۔ ٹھوس' مائع' پوڈر کی شکلوں میں تبدیل کر کے متعلق صنعتوں کو ترسیل کر دیا جاتا ہے۔ پھر کون جانے کہ ہم جو دوا' کریم' میک اپ خاصی رقم خرچ کر کے استعمال کر رہے ہیں۔ اس کا اصل ماخذ کیا ہے۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ہر چیز کا ظاہر اور باطن علیحدہ کیا ہے۔ پردہ فرمایا ہے۔ وہی بات کہ ری سائیکلنگ سسٹم۔۔۔۔۔ ہر چیز اپنی ہیئت تبدیل کرتی رہتی ہے۔ ایک لمحہ پہلے جو غذا پاکیزہ سمجھی جاتی ہے۔ حلق سے اترتے ہی وہ پلید ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔ حلوہ دو منٹ بعد قے کی صورت باہر نکل آئے تو محض بدبودار اور غلاظت بن جاتا ہے۔۔۔۔۔ اندھیرے سے اُجالا' اجالے سے پھر تاریکی۔۔۔۔۔ زندگی سے موت' موت سے پھر زندگی کی نمو۔۔۔۔۔ اچھائی سے بُرائی' نیکی سے بدی۔۔۔۔۔ محبت' نفرت' دُوری سے نزدیکی اور قربت۔۔۔۔۔ زندگی اسی ردّ و بدل سے تعبیر ہے۔۔۔۔۔ اچھا ہمیشہ ایسا ہی نہیں رہتا (استثنا کے ساتھ) اور بُرا اکثر بہت اچھا ہو جاتا ہے' اس رنگ بدلتی دُنیا میں ہر شے تغیر نصیب ہے۔

فُضلات یعنی وہ فضول چیز' جس سے اس کا جوہر نکل چکا ہو اور باقی پھوک رہ گیا ہو۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ یہ پھوک بھی اصل کی مانند افادیت کا حامل ہوتا ہے۔ پھلوں' ترکاریوں کے گودے' چھلکے' بیج' گٹھلی' پتے اور جڑیں۔۔۔۔۔ گوشت کی ہڈیاں' پھیپھڑے' بافتیں' چربی۔۔۔۔۔ اناج دالوں کے چھلکے بھوسی۔۔۔۔۔ چائے قہوے کی

استعمال شدہ پتی۔ استعمال کیئے ہوئے برتنوں اور کپڑوں کی دھلائی کا پانی' سر جسم کے اُتارے ہوئے بال ناخن وغیرہ میں سے کچھ بھی تو فضول نہیں' ہم ہی بے علم ہیں۔

کسی خسیس ساہوکار کے ہاں ایک نہایت ہی غریب مگر عقلمند آدمی ملازم تھا۔ ساہوکار اپنی کنجوسی اور کمینگی کی بنا پہ اس کی پوری گرفت کرتا تھا۔ ایک ایک چیز' حرکت پہ نظر معاوضے کے مقابلے میں تگنا کام لینا...... گن گن کر کھانے پینے کو دینا...... یہاں تک کہ اکثر باسی بچی کچھی خوراک سے بھی اسے محروم تھا۔ یہ بے چارہ غربت کا مارا' جیسے تیسے اس کے ہاں پڑا گزارہ کر رہا تھا کہ اور جو کوئی زندگی بسر کرنے کا بہانہ نہ تھا۔ گھاگ خسیس ساہوکار اکثر اوقات اس کی صحت' چہرے بشرے پہ کھلی آسودگی اور اطمینان قلبی دیکھ کر کڑھتا اور سوچتا رہتا کہ اس کمبخت کو کھانا پینا بھی نپا تُلا اور رہنے کو کھونڈ ملتا ہے آرام سکون کا کوئی تصور نہیں۔ لعن و گھرکی سے ہر وقت اس کی تواضع ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کی صحت پہلوانوں جیسی اور خوشی باشی ایسی کہ جیسے دُنیا کا امیر ترین شخص ہو۔ کچھ مزید نگرانی اور تفتیش کے بعد جب ہاتھ پلّے کچھ نہ پڑا تو ایک روز پاس بٹھایا...... بڑی نرسان و سچ سے پوچھا۔

''ابے ناہنجار! سچ بتا' تو چوری کرتا ہے کہ میرا مال اساب اڑاتا ہے...... رسوئی میں منہ مارتا ہے کہ گودام سے غلہ چرا [illegible] خندہ کرتا ہے۔ غم نہ کوئی چنتا [illegible] دم خوش خوش پھولا رہتا ہے۔ سچ کہہ بتا کہ آج سچ کہنے پہ تری ہر خطا معاف' یہ میرا وچن ہے۔

وہ مردِ آسودہ خندہ' تسلیم و رضا واقفِ حکمت و شفا' مسکراتے ہوئے بولا۔

''مالک! میں نہ چور ہوں اور نہ ہی بے ایمان و بے وفا...... میری خوشی و اطمینان کا سبب' اپنے کام دھندے میں محنت اور لگن ہے۔ میں معاوضے اور تحسین کے قطع نظر اپنے ذمہ کے کام کاج جان تو ڑ محنت سے سرانجام دیتا ہوں۔ محنت اور خدمت میں ڈوب جانا ہی میری خوشی اور اطمینان کا باعث ہے اور میں یہ نہیں دیکھتا کہ آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں...... میرا دھیان صرف اس امر پہ رہتا ہے کہ میری جانب سے خدمت محنت میں کوئی کوتاہی نہیں رہنی چاہیے۔''

ساہوکار چند لمحے خاموش رہنے کے بعد' اس کے سراپے پہ نظریں گاڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تیری صحتمندی کا راز کیا ہے۔ میں دُنیا کی ہر نعمت کھاتا ہوں پھر بھی تیرے جیسی تندرستی نہیں رکھتا تو کیا کھاتا ہے' جو میں نہیں کھا سکتا؟''

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''اَن داتا! رسوئی سے جو چیز پھینکنے والی ہوتی ہے وہی میری خوراک ہے...... ترکاریوں' دالوں

دانوں کے چھلکے' اناج آٹے کی بھوسی۔ مولی چقندر' شلجم پالک کے پتّے ڈنٹھل میری خوراک۔ میں انھیں پھینکنے کی بجائے' بھجیا بنا کر کھا لیتا ہوں کہ اصل مزہ اور جوہر تو ان میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ یہی میری تندرستی کا راز ہے......!''

بات ہو رہی تھی انسان اور دیگر جانوروں چوپائیوں کی کہ ان کے فضلے' اُگلے' پسینے' پیشاب اور دیگر مادے جو ان کے کانوں' آنکھوں' ناک' جسم' منہ سے لعاب' کیچ' کینچلی' ریزش' میل' جھاگ کی صورت میں خارج ہوتے ہیں یہ بظاہر نجس ناپاک اور بیکار چیزیں اپنے اندر کیا کیا خواص رکھتی ہیں۔ طبی اور طلسماتی اعتبار سے ان میں کیسے کیسے اَسرار پنہاں ہیں۔ سنیاسی ٹوٹکوں' دیسی طریقہ علاج اور صدری نسخوں میں ان کے کیا کیا چمتکار ہیں۔ سفلی عملیات اور فسوں بندی میں ان چیزوں کا کیا کردار ہے؟

انسانی' حیوانی بال' ناخن اور کُھرتن' اُترے کپڑے' جوتے' پاؤں کی مٹی' جھوٹا کھانا' پانی اور تحریر و تصویر سے کیا کیا نیکیاں بدیاں ہو سکتی ہیں...... ہندوؤں اور دیگر لادین قوموں میں ان چیزوں کا بہت عمل دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کے روزمرّہ کا ضروری حصہ اور دھیان گیان اور تپسیا کی آتما ہیں۔ گائے کے گوبر کو پوتر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے اپنے گھر کے فرش دیواریں لیپی پوتی جاتی ہیں۔ اس کی دُھونی چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے [illegible] کے تیل میں جلا کر بہرے پن کے کام آتی ہے۔ اس کی دُم کے بال اگر پراندے میں بٹ کر چٹیا میں باندھے جاویں تو بیمار بال تندرست ہو کر خوب گھنے اور چمکدار ہوتے ہیں...... اسی طرح بیل کا پیشاب' طاقت اور جنسی رغبت پیدا کرتا ہے۔ اس کے جلے ہوئے کُھروں کی راکھ بہت سی جسمانی اور اعصابی بے چینی کا علاج ہے۔ اس کے سینگ' گھر کے صدر دروازے پہ نصب کرنے سے بھوت پریت اُدھر کا رُخ نہیں کرتے۔ سانڈ' بھیڈو' بکرے اپنا پیشاب پی جاتے ہیں اُن میں رَجولت اور مستی بڑھ جاتی ہے...... دُودھ تو دُودھ ہے' بکری' گدھی' کُتیا' اُونٹنی حتیٰ کہ سُورنی کے پیشاب میں بھی عجیب و غریب اثرات ہوتے ہیں جن میں بہت سے جسمانی عوارض کے لیے شفا ہے۔ اُلّو' چمگادڑ' کوّا' گدھ' کرلا' خار پُشت' چھپکلی' جنگلی کُتا یعنی لگڑ بھگا' عام کُتا' نیولا' لومڑی' بندر' جنگلی بھینسا' جنگلی خرگوش' شیر' ریچھ اور بجو' ان جانوروں کا گوشت پوست' چونچ' پنجے' پَر اور ان کی غلاظت وغیرہ سفلی عملیات اور آسیبی بیماریوں میں کام آتی ہیں۔ خچّر کے پیشاب میں تیر' خنجر' تلوار سُرخ کر کے بُجھا لیے جاویں تو اِن کا زخم جان لیوا ہوتا ہے۔ خار پُشت کے کانٹے' بربادی اور بے اتفاقی کا موجب بنتے ہیں...... مچھلی کے کانٹوں کی کنگھی خوش بختی لاتی ہے۔ کستورہ ہرن کا نافہ جس گھر میں ہو وہاں اک عجیب سی رُوحانی خوشبو اور خوشیوں کی بہاریں اُمڈی رہتی ہیں۔ مارخور کی جگالی کی جھاگ' مکڑی' مگس' مور' نیولے' چیل کی بیٹ اور خون'

زہر خورانی، مرگی، خونی مسہل اور لقوے کا بہدف علاج ہیں۔ چمگادڑ کے اُگالے، بلی کی قے کی پلٹس باندھنے سے کوڑھ کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گدھے، گھوڑے، خچر، ہاتھی کی لید سلگائیں تو اس کے دھوئیں دھانس سے پلیگ، ہیضہ کے وبائی وبال سے جان چھوٹتی ہے۔ اُونٹ کی ہڈیاں، بارہ سنگھے کے سینگ، گوبریاں، پیشاب، جھاگ، رال، ایک ایک چیز ایسے ایسے کیمیائی شفائی اثرات رکھتی ہے کہ انسانی عقل و بینش دنگ رہ جاتی ہے۔

جنگلات کی دُنیا کی حیات و بقا کا سارا نظام انہی فطری وَدیعتی حسوں اور قوتوں پہ مبنی ٹھہرتا دکھائی دیتا ہے۔ اکثر پرندے، درندے، خزندے ایک دوجے کو اُس کے جُثے، بول و براز کی بُو سے شناخت، دریافت اور شکار کرتے ہیں...... جنگل کی گہرائیوں تاریکیوں میں جہاں آنکھ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں جانوروں کی ایسی حسیں سامنے آتی ہیں جو حضرتِ انسان کے ہاں اپنی توانائیوں کے ساتھ موجود نہیں۔ بول و براز، دم، پوست و استخواں کی بوئیں نہ صرف اپنی مخصوص کیمیائی شدت رکھتی ہیں بلکہ فوق الطبعیاتی افسوں خیزی کی مظہر بھی ہو جاتی ہیں۔

جادو ٹونہ، ٹونکا، بندش باندھنا اور شگر شگون کے لیے نجاستیں، حرام اشیاء جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں...... سفلی [illegible] جیسی چیزیں [illegible] پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

ایک شیطان صفت نام نہاد عامل، جو اشتہاروں، اخباروں میں بڑے بڑے دعووں کی تشہیر کرتا کہ اس کے پاس جسمانی، روحانی مسائل کا سو فیصد حل، صرف اڑھائی منٹ کے عمل میں ہے۔ صدری نسخے، جنات، موکلات سے وہ دُکھی انسانیت کی فی سبیل اللہ خدمت کا داعی تھا۔ ناکامی کی صورت میں سات لاکھ روپے جرمانہ ادا کرنے کا وعدہ بھی...... خواتین کے لئے پردہ اور مکمل رازداری کا تحفظ بھی فراہم تھا...... ان کی نورانی صورت، لمبی سی سفید داڑھی، صاحبزادہ اور شاہ صاحب کا لاحقہ بھی انہیں معتبر اور مخلص سمجھنے میں گارنٹی تھا۔ اتوار کی صبح لاکھوں گھروں میں پھینکے جانے والے مخصوص اخباروں کے میگزین کے آخری رنگین صفحات، ایسے ہی جادوگروں دو نمبر نورانی صورت عاملوں کاملوں، جنات، نقش، موکلات کی شبیہیں سے مزین ہوتے ہیں۔ ان کی متاثر کر دینے والی تحریریں، بلند و بانگ دعوے، عجیب و غریب حلیوں شکلوں والے ملنگوں، سنیاسیوں کی تصویریں آسام، مصر، بنگلہ دیش، تبت کے جنگلوں پہاڑوں صحراؤں میں ریاضت اور چلوں کے تذکروں کے اشتہاروں کو بڑا ہیجان خیز اور پُراسرار بنا دیتے ہیں۔ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ابلیسی سحر سے خود کو بچا نہیں پاتا۔ پڑھنے دیکھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ خاص طور پہ کچے ذہن کے لڑکے، لڑکیاں، جو کسی نہ کسی جذباتی

جسمانی' رومانی یا روحانی اُلجھاؤ کا شکار ہوتے ہیں ان کے چُنگل میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ گھر گھر موجود چھوٹے چھوٹے اور لاینحل خانگی مسائل کی سنگینی سے دوچار عامتہ الناس' بادلِ نخواستہ ان کے آستانوں پہ پہنچ جاتے ہیں۔

ایسی ہی ایک پڑھی لکھی مگر احمق لڑکی' جس کی شادی کو بمشکل دو اڑھائی سال ہی گزرا تھا اس شک میں مبتلا کہ اُس کا خوبرو شوہر' اس سے مخلص نہیں ہے...... کسی اور لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے...... چونکہ یہ لڑکی اپنے شوہر کے مقابل میں کچھ ایسی جاذبِ نظر نہ تھی اور شوہر کا کاروبار بھی ایسا کہ وہ اِسے خاطر خواہ وقت اور توجہ نہ دے پاتا تھا۔ رات گئے آنا' دوسرے شہروں کے دوروں پہ رہنا...... وقت بے وقت ٹیلیفون پہ لمبی لمبی باتیں وغیرہ۔ آسودہ خاندان کی بیوقوف شکی مزاج لڑکی' اپنی زندگی اجیرن کر بیٹھی۔ شوہر بے چارہ اِسے سمجھا سمجھا کر عاجز آ چکا تھا مگر اس کے شک کا شیشہ دھندلے کا دھندلا ہی رہا۔ اس کی اپنی جیسی ایک سہیلی نے اِسے ایک پہنچے ہوئے اخباری اشتہاری عامل کی راہ سجھائی جو دھائے کے علم سے اڑھائی دن اڑھائی پہر' اڑھائی گھنٹے اور اڑھائی منٹوں سیکنڈوں میں بگڑے کام بنا دیتا تھا۔ اسی سہیلی کی وساطت سے جب اس سحر انگیز شخصیت کے حامل' روحانی عامل' سے ملی تو اس کے چشم کشا انکشاف [illegible] کر کے رکھ دیا۔ اس گھاگ نے اس کے خاوند کی حالیہ تصویر [illegible] مزید بتایا کہ اُس پہ ایک خوبصورت [illegible] حسن صفت اور جنس زدہ عورت نے کالے علم کے ذریعے قبضہ کیا ہوا ہے۔ وہ اُس کا غلام بے دام بن چکا ہے...... اُس کی محبت' اُس کا جسم' اُس کا حسن بے پناہ ہی اب اس کی زندگی ہے...... تم اُس کے لئے اِک حرفِ غلط کی مانند ہو...... یہ روح فرسا انکشافات سن کر بے وقوف لڑکی ذہنی طور پہ مفلوج ہو کر رہ گئی۔ آنسو بھر کے ہاتھ جوڑتی ہوئی کہنے لگی۔

''مجھ پہ رحم فرمائیں' میرے گھر کو بربادی بدنامی سے بچالیں۔ کسی طریقے میرے شوہر کے دل میں میری طلب وچاہت پیدا کر دیں۔ اس کے عوض میں ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔''

دھوکے باز دو نمبر عامل نے جب چڑیا' دام میں پھڑ پھڑاتے دیکھی تو مزید چند ایک خدشات بیان کرتے ہوئے کہا۔

''کام بڑا ٹیڑھا اور رسک والا ہے...... مجھے بڑے کٹھن چلّے اور وظیفے کرنے پڑیں گے جو لمبے وقت اور چوڑے خرچے کا تقاضا کرتے ہیں۔ تب جا کر کہیں اُس چڑیل سے آپ کے شوہر کو واگذار کرایا جا سکتا ہے......!''

لڑکی ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگی۔

”عورت کے لئے اُس کے گھر کی سلامتی اور شوہر کی محبت ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرا پیسہ زیور جو کچھ ہے حاضر ہے۔ میرا گھر برباد ہونے سے بچالیں۔“

قارئین! قصہ کوتاہ کہ اِس پرانے پروفیشنل شکاری نے اس سونے کا انڈہ دینے والی مرغی سے ایسی مہارت سے انڈے حاصل کیئے کہ اُس بے چاری کو یہ احساس تک نہ ہُوا کہ وہ اَب غلط جواب پہ ممتحن والا گول انڈہ بھی دینے کے قابل نہیں رہی...... خاندانی دو نمبر عامل، اچھے پروفیشنل فراڈیے اور شریف النفس نوسربازکا کمال یہ ہوتا ہے کہ لُٹنے والے کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ برباد ہو چکا ہے بلکہ اپنے تئیں شرمندگی سی محسوس کرتا ہے کہ وہ مزید لٹنے سے محروم کیوں رہا۔ عامل نے اِس مسئلے کے لئے مختلف وظائف کیئے اور کروائے، جب کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا تو آخری نسخہ یہ بتایا کہ وہ اپنے حیض کی ایک خاص مقدار، سوپ یا کسی گرم مشروب میں شامل کر کے رات سوتے سمے، اسے پلا دیا کرے۔

انسان اپنے بُرے بھلے مقصد کو پانے کے لئے بسا اوقات جائز ناجائز ہر حربہ استعمال کر لیتا ہے۔ غرض مند دیوانہ اور دیوانے سے کچھ بعید نہیں ہوتا۔ یہ لڑکی محض شک کی بناء پہ یہ سب کچھ کر بیٹھی۔ اس نے شوہر کو اپنی جسمانی غلاظت پلانے سے دریغ نہ کیا۔ عامل نے بتایا تھا کہ اس طرح وہ خاوند کو اپنا مطیع کر لے گی۔ یہ عمل [illegible] جو [illegible]۔ یہ [illegible] ایک خاصی مدت تک یہ قبیح عمل کرتی رہی۔ خاوند مطیع ہوا یا نہ ہوا لیکن وہ ازخود ایک چڑیل نما عورت ضرور بن گئی۔ خاوند میں رجولیت اپنی انتہا تک بجھ چکی تھی، نتیجہ یہ نکلا میاں بیوی دونوں جنسی مریضوں کی طرح مختلف عوارض میں جکڑے گئے۔ لڑکی کے چہرے، جسم پر بڑے بڑے داغ دھبے اور چھائیاں پڑ گئیں۔ چھاتیاں، پچھل پائیوں کی مانند لٹک گئیں۔ آنکھوں میں وا سنا اُچھل اُچھل کر چھلکنے لگی۔ یعنی سارا انسانی نظام درہم برہم ہو گیا۔ خاوند کے جسمانی اعضاء شکست و ریخت کا شکار ہو گئے...... اک عجیب سی غلیظ بدبو، اس کے جسم پسینے اور منہ میں پیدا ہو گئی اور وہ آتشک کے جہنمی مرض میں مبتلا ہو چکا تھا۔ آتشک، سوزاک کے مریض سے یہ مرض، اس کی بیوی یا اس عورت کو منتقل ہو جاتا ہے جس سے وہ جنسی رجوع کرتا ہے...... بیوی پہلے آسودہ حال تھی مگر جب اچھا خاصا مال عامل کے چرنوں میں بھینٹ کر چکنے کے بعد کنگال اور بے حال ہو گئی تو تب کسی میرے دُشمن نے اُسے میرے در کی راہ سُجھائی۔ مَیں اُس کی بیہودہ کہانی سے قطعی متعجب نہ ہوا تھا۔ ایسے دلخراش واقعے اور شرمناک قصے کہانیاں ہمارے معاشرے میں چیچک وطاعون کی طرح پھیلی ہوئی ہیں کوئی کہاں تک سنے اور کوئی کہاں تک سنائے ــــــ تعویذ، گنڈے، عملیات، جنات، ہمزاد اور جعلی عامل، ان اخباروں اشتہاروں کے ذریعہ عوام الناس کو بے دردی سے لوٹ رہے ہیں۔ گھروں کے گھر، ان نام نہاد پیروں، صاحبزادوں کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں۔ قصہ مختصر

اس تباہ حال لڑکی سے اپنے لئے ایک نیکی یہ سرزد ہوئی کہ اس نے کچھ چھپائے بغیر' ہر بات میرے گوش گزار کر دی اور اپنی کوتاہیوں' غلطیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اِنسانیت کے نام میری مدد چاہی...... اُس کے نصیب میں ہدایت لکھی تھی کہ میری کچھ توجہ کوشش سے اس کا بھلا ہو گیا۔

بات وہیں سے چلی تھی کہ جانوروں انسانوں کے جسمانی فُضلات وعُضلات وغیرہ بیکار محض نہیں ہوتے بلکہ ان کے سعدی وسفلی' مقناطیسی' تابکاری اور کیمیائی اثرات بڑے سریع الاثر ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق حکمتِ اسفلیہ اور علوم سحر وفسوں سے ہے اس لئے یہ علم محض مخصوص حکماء اور عاملانِ مابعد الطبیعات تک ہی محدود رہا۔

نوزائیدہ بچے اور زچہ کی جسمانی اندرونی آلائشیں...... اَول نال' نوبچہ کے جسم کی جھلی' رطوبتیں' خون' اس کے بال' زچگی کے دوران صفائی کے لئے استعمال کیے جانے والے کپڑے بھی جادو ٹونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے اکثر فرقوں میں سریے جل یعنی انسانی پیشاب مختلف شکتیوں اور بندگیوں کے لئے کام آتا ہے اس کے علاوہ ہڈیوں کے مسان' پیٹ میں مرے بالک کی کھوپڑی مختلف اعضاء' مردہ گابن عورت کے دائیں پاؤں کے ناخن' مٹی' بال وغیرہ۔

بگلے [illegible] ہو جاتا ہے۔ زرد مینڈک کی چربی السی کے تیل میں ملا کے مالش کرنے سے برص کے پرانے داغ غائب ہو جاتے ہیں۔ بندروں کے خصیوں اور بھالو کی ہڈیوں کی رطوبت اور [illegible] سے قوتِ باہ' امساک کی تیر بہدف قیمتی دوائیں اور طلاء بنتے ہیں۔ سانپ کے زہر سے گنٹھیا' لقوہ فالج اور جریانِ خون کا شافی علاج ہوتا ہے۔ اُلّو کی ہڈی پیچھے کمر پہ باندھنے سے ریڑھ کے کھسکے ہوئے منکے بیٹھ جاتے ہیں۔ جنگلی مُوش کی مینگنیوں سے بنا ہوا مرہم پرانے سے پرانے ناسور کے گھاؤ زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ پچھوے کا پیالہ' سر پہ باندھنے سے بیٹھا ہوا تالو سخت ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حرام ونجس چیزوں' رطوبتوں' غلاظتوں کے اثرات وفوائد اپنی جگہ پہ مسلمہ ہیں اور پاک وطیب اشیاء اپنی اجزائی ہیئت بدل کے منفی نتائج کی حامل ہو جاتی ہیں۔ اُصول کائنات کہ ہر مخلوق ساقط وجامد' متحرک ومتزلزل ہے...... ہر لحظہ تغیر پذیر ہے۔ خواص وخصائل میں ایک دُوجے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خالقِ کائنات نے اچھی بُری' سعد ونحس' پاک وپلید ہر چیز میں انسانیت کے لئے کہیں نہ کہیں بہتری کا پہلو بہر طور پنہاں رکھا ہے۔

انسانی حسّیں بھی عجب طرفہ سی نعمت ہیں۔ جن کی اپنی کوئی واضح سی شکل نہیں ہوتی۔ ناک' کان' زبان کی طرح اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا...... لیکن یہ دِکھائی نہ دینے والی قوتیں اپنی جگہ یوں قوی اور معتبر ہوتی ہیں کہ انسانی کارِ عمل' سوچ سمجھ اور حرکت وحیات کے سب ہی وظیفے انہی کی بدولت سرانجام پاتے ہیں۔

یہ حواسِ خمسہ اگر نہ ہوں تو انسان ایک ایسا سولولر ٹیلیفون کی طرح ہو جس کی چِپس علیحدہ کر لی گئی ہو۔ یہ [illegible] حواس‘ عام انسان کو مقدر کیے گئے۔ انسان کے علاوہ دیگر دام و دد اور جانداروں کو جو حواس عطا کیے گئے ہیں ان میں کچھ تو انسان جیسے اور کچھ انسان سے ماورا۔ جو ان کی طرزِ زندگی‘ فطری تقاضوں اور ہیئتی ضرورتوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے عام سے پرندوں‘ رینگنے والے کیڑوں‘ پانی میں تیرنے والوں اور ہوا میں اُڑنے والوں میں ایسی فوق العقل حسّیتیں پائی جاتی ہیں کہ فہم و ادراک کو پسینے آ جائیں...... ابابیلوں‘ چمگادڑوں سانپوں‘ چیونٹیوں کے ہاں بینائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور کسی کے ہاں تو بالکل ہی نہیں ہوتی لیکن ان کے جسم و اعصاب کی خروجی اور دخولی شعاعیں‘ ریڈیائی لہریں‘ ان کی رہبری کرتی ہیں کہ دکھائی نہ دینے کے باوجود وہ رکاوٹوں سے نہیں ٹکراتے۔ سانپ‘ موش‘ مولا میلوں دور بھی کوئی پاؤں دھرتی پہ دھرے تو اس کی آہٹ چاپ محسوس کر لیتے ہیں۔ آبی مخلوق میں خاص طور پہ وہیلیں اور مچھلیاں سینکڑوں کوس دور شکار کو محسوس کر لیتی ہیں۔ بسیط فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے بہت نیچے رینگتے کیڑوں مکوڑوں‘ پھدکنے والی چڑیوں لالڑیوں‘ قمریوں فاختاؤں اور پدیوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

نوری ناری مخلوق بھی اپنی مخصوص خوشبوؤں‘ بدبوؤں سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ کہیں [illegible] رہے ہوں یا [illegible] غیر مرئی [illegible] نشاندہی ہو جاتی ہے...... شر شرارتی روحیں‘ پریت پرتولے‘ شیاطین وغیرہ تو اچھی خاصی بُو ماری مچاتے ہیں۔ [illegible] ویران کھنڈروں اندھیرے مکان‘ انسانی آبادی سے دور سنسان جنگلوں گھپاؤں‘ پہاڑوں غاروں میں اس کیفیت اور عجیب سی بدبو کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہیں لکھ چکا ہوں کہ انسانوں میں کہیں خال خال ایسی ہستیاں بھی ہوتے ہیں جنہیں عام حسّوں کے علاوہ کچھ مخصوص حسّیتیں بھی قدرت کی جانب سے ودیعت ہوتی ہیں۔ پانچ حسّوں کے علاوہ چھٹی حس تو ہوتی ہی ہے یعنی وہ باطنی اشارہ جو کبھی کہیں پیش آنے والے غیر معمولی حالات کی کُن سُن دیتا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ‘ ستر انتہائی اہم پُراسرار باطنی حواس اور بھی ہیں جو اس حیوانِ ناطق یعنی انسان کا مقدور ہیں مگر انہیں کھوجنا‘ تقویت دینا اور پھر ان سے افادہ حاصل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ ان دفینوں اور علم و فنون کی مانند ہیں جن سے بہرہ مند ہونا شاید ہم جانتے ہی نہیں پھر بوجوہ جوکھم و جھنجھٹ چاہتے ہی نہیں۔ یہ کثیر الحواسی بھی باطنی علوم میں سے ایک علم ہے جو وہبی بھی ہے اور نفسی اکتسابی بھی۔

واپس وہیں بھوپال چلتے ہیں۔ میں یکے کی پچھلی نشست پہ بیٹھا جنگل کی راہ پہ ہوں‘ صبح صبح کا وقت کچی راہ کے کناروں پہ کہیں کہیں خنزیروں کی غلاظت دکھائی دیتی ہے اور ہوا فضا میں کچھ ایسی ملی جلی خوشبو ہے

محسوس ہوتی ہے جسے احاطۂ فہم و ادراک میں لانا ہر کسے باشد کا کام نہیں' کثیر الحواسی ہی اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کچی نیند جیسے دُھندلے دُھندلے اس راستے پہ نادیدہ' فوق البشر مخلوقات کی ساندھی سکھروی [illegible] جب میرے باطنی نتھنوں سے ٹکرائی تو مَیں قدرے چوکنا ہو گیا۔ گردن تھما کے آگے کی جانب دیکھا تو ذرا سامنے گنا پھنا جنگل کا دِھاما دکھائی پڑا...... فضاء میں غیر مرئی مرغولے بھی لہراتے سے محسوس ہوئے جو اس امر کی دلیل تھے کہ مَیں اَب ایک ایسے علاقہ میں داخل ہو رہا ہوں جدھر مجھے قدم قدم پہ محتاط رہنا پڑے گا۔ مَیں حیران بھی تھا کہ اس راہ پہ مجھے ایک بھی ذی نفس نظر نہ آیا۔ آنحالنکہ یہ سماں صبح کی سیر اور سویرے سویرے کے شروعاتی کام کاج نبٹانے کا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ڈھور ڈنگر یا بھیڑ بکری...... جو اس طرح کے ماحول کا حصہ ہوتے ہیں۔ خنزیروں کی غلاظت سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہ تھا کہ اَبلیسی اور طاغی استعانتوں کا یہاں غلبہ ہے۔ اَب مَیں نے اپنی اَندر کی [illegible] سے باہر نکلتے ہوئے یک بان سے رجوع چاہا جو مسلسل پُراسرار سی خاموشی سادھے ہوئے تھا۔ اُس کے ہچکولے لیتے ہوئے سر اور لگام تھامے ہوئے جھولتے ہاتھوں میں اک عجب سی [illegible] تھی...... ایسی تال میل بھیتر کی سادھنا سے ہوتی ہے یا پھر من شکتی کی اَمرتا سے درشن دیتی ہے۔

میری [illegible] ہوا۔

"بھیّا تم شہر سے جنگل کی جانب آ رہے ہو اور جنگل بھی وہ جس میں جناور کم اور جن بھوت زیادہ رہتے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ پھر چپ سادھ لیا۔

جبکہ مَیں اُسے آمادۂ گفتگو [illegible] کنکری پھینکتے ہوئے پوچھا۔

"شاہ بابا نابینا کا مزار اِدھر ہی ہے نا......؟"

وہ اُلجھا ہوا با دلِ نخواستہ بولا۔ "مَیں پہلے بھی بتا چکا ہوں بھیّا' اَب وہاں مزار وزار نہیں ایک گڑھا ہے۔ جنات' شاہ بابا کا تابوت وہاں سے نکال کر لے گئے ہوئے ہیں اور بقیہ بچی ہوئی وہاں کی مٹی' اینٹیں عقیدت مند اُکھیڑ کر لے گئے۔"

مَیں نے سوال کا ایک اور روڑا پھینکا۔

"مٹی' اینٹیں اُکھاڑنے کی وجہ......؟"

"عقیدت کی انتہا...... پیروں' فقیروں کو ماننے والے اس سے بھی بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں۔ بھیّا تھوڑا سا احوال سُن لو پھر خود ہی اَندھی عقیدت کا اندازہ کر لو؟

جمعرات کا روز' آدھی رات کا وقت۔ شاہ بابا نابینا کو پردہ کیئے پانچ روز گزر چکے تھے۔ حسبِ معمول

ہزاروں عقیدت منداور مُرید مرقد پہ موجود ذکر اذکار' سماع اور دیگر خانقاہی اشغال جاری تھے کہ یک دم پہاڑ کی اوٹ سے کالی آندھی اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز اندھیرے میں ڈوب گئی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آہ و بکا' چیخ پکار' شور و غوغا' اک قیامت بپا ہوگئی' روشنی کے ہنڈولے اُلٹ گئے ...... مَرے کو مارے شاہ مدار ...... وہاں قریب ہی جلتا بھڑکتا ہوا الاؤ بھی تھا جس میں منتیں مرادیں پوری ہونے پہ زائرین' گھی' تیل اور کپڑے ڈالتے تھے۔ کالی آندھی نے الاؤ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اُٹھا کر چاروں طرف پھیلا دیا۔ جو شے جلنے لائق تھی آگ رسیدہ ہوگئی۔ کئی سادھو ملنگ اور دیگر زائرین جل کوئلہ ہوئے ...... کچھ دیر بعد آندھی تو رُک گئی پر آگ کا دھواں دھانس کئی روز تک قائم رہا۔ جلے ہوئے ملبے کو ہٹایا تو دکھائی دیا کہ شاہ بابا کی چند روزہ قبر تہہ و بالا ہوئی پڑی ہے۔ یوں پتہ پڑتا تھا جیسے کسی نادیدہ طاقت نے ایک ہی جھٹکے میں پوری کفنائی ہوئی میت کو نکال کر وہاں سے غائب کر دیا ہے۔ ایسی کالی آندھی اور آگ کی چپقلش میں کسی انسان کے لئے ایسا کام کرنا ممکن نہ تھا مگر حقیقت یہی تھی کہ قبر' صاحبِ قبر سے خالی تھی ...... خاصی گہری قبر کشائی کے لئے مہارت' افراد اور اوزاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان میں سے کسی چیز کا بھی وہاں انتظام نہیں تھا ...... لگتا تھا یہ کام انسانوں نے نہیں جنوں نے کیا ہے اور تھا بھی یہی ...... شاہ بابا نابینا کا جن شاگرد [illegible] بھی تھا یہ اسی کا شاخسانہ تھا۔ چند روز بعد کسی معلوم [illegible] علاوہ [illegible] کے پُراسرار پہاڑوں کے ایک مقدس مقام پہ دفن کر دیا ہے۔ یہ جگہ اور یہاں کے لوگ' اس قابل نہیں کہ وہ شاہ بابا جیسے بلند مرتبت ولی اللہ کے مقام اور درجات کو سمجھ سکیں۔"

درختوں کے ایک بے ترتیب جھنڈ کے پاس یکّہ اور یکّہ بان کی زبان' دونوں رُک چکے تھے۔ عجیب سی اُجڑی بجھی جگہ تھی' جیسی سیلابوں' آتش زدگی یا زلزلوں کے بعد ہوتی ہے ...... یکّہ بان عجلت سے نیچے اترا بیڑی سلگاتے ہوئے کہنے لگا۔

"بھیا! لو تم پہنچے اپنی منزل پہ اور مجھے دو اجازت ......"

اللہ خیر! ...... کہتے ہوئے وہ یکّے پہ بیٹھنے لگا تو میں نے اُسے کاندھے سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"میاں جی! یہ کس جگہ پہ مجھے پھینکے جا رہے ہو۔ آدم نہ آدم ذات ...... جنگل نما ذخیرہ تو ضرور سامنے نظر آ رہا ہے لیکن وہ شاہ بابا نابینا کا مزار ...... وہ خانقاہ ...... اور وہ ......؟"

میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "بھیا! کاہے کو میرا ٹیم خراب کرتے ہو ...... سب کچھ تو تمہیں بتا چکا ہوں ...... مزار والے کو تو جن لے گئے ہوئے ہیں اور مزار کی مٹی' اینٹیں وغیرہ اُن کے عقیدت مند اُٹھا کے لے گئے ...... اَب یہی کچھ بچا پڑا ہے جو تمہیں اپنے ارد گرد دکھائی دے رہا ہے۔"

مَیں نے ایک بار پھر آگے پیچھے نگاہ کرتے ہوئے کہا۔

''حضرت! اِدھر تو مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا' کوئی تو ہو جس سے مَیں ملوں' کچھ دریافت کروں؟ اس بے آب و گیاہ زمین' جھاڑ جھنکاڑ اور ویرانے سے تو مَیں کچھ حاصل کرنے سے رہا یا پھر مجھے چھنے حافظوں کے کسی فرد سے ملوا دیں' کچھ تو حاصل ہو جس کے کارن مَیں کالے کوسوں کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔''

وہ کچھی داڑھی میں کھجلاتے ہوئے خشمگیں سا بولا۔

''بھیا! مَیں جو کچھ جانتا تھا وہ پہلے ہی آپ کے کانوں میں ڈال چکا ہوں...... اِس سے زیادہ نہ تو مجھے کچھ پتہ ہے اور نہ کوئی مزید مدد کر سکتا ہوں' اَب مَیں تو چلا......!'' یہ کہہ اور میری کچھ مزید سُنے بنا وہ گھوڑے کو چابک دکھا کر ہوا ہو چکا تھا۔

کچھ دیر تو مَیں آئیں بائیں شائیں سا کھڑا صورتِ حال پہ غور کرتا رہا پھر بِلا کچھ سوچے سمجھے اُس چھدرے سے درختوں کے ذخیرے کی جانب چل دیا جسے شاید کبھی جنگل کہا جاتا ہو۔

بن باس لینا یا سُوئے بن سفر اختیار کرنا کچھ ایسا خوشگوار بھی نہیں ہوتا کہ مسافر خراماں خراماں چلتا چلے۔ جنگلوں بیابانوں کا سفر تو کٹھن' پُرپیچ اور پُرخطر ہوتے ہیں...... سُوئے یار سُوئے دار کا سفر بھی سفر نہیں ہوتا بلکہ انتہائے سفر ہوتا ہے۔ اس راہ پہ کوئی سنگِ میل' سرائے' پڑاؤ' چاہ یا پُل نہیں آتا نہ کوئی خطرہ' سود و زیاں ہوتا ہے۔ یہاں تیر اپنے نشانہ پہ پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اگر کبھی انتہائے مجبوری کسی میت کا جنازہ پڑھنے کی نوبت آ جائے تو مَیں کسی غیر کا نہیں بلکہ خود اپنا جنازہ پڑھتا ہوں...... اور اُسے کسی نہ کسی طور اپنا وجود میں گھسیٹ لیتا ہوں۔

اکثر لوگ قبرستانوں' شمشانوں میں جاتے ہوئے گھبراتے ہیں...... اگر خود کو موت آشنا بنا لیا جائے تو یہ تجربہ خوف نہیں بلکہ ایک مطالعاتی دورہ اور تعلیمی مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جنگلوں میں جانا' پہاڑوں پہ چڑھنا' صحراؤں میں بھٹکنا' گہرے پانیوں میں اُترنا بھی خاصی تفریح کا سبب ہو سکتا ہے اگر اپنے اندر کے جنگل بیلے' پہاڑ اور تھل رُو بہ سر کر رکھے ہوں۔ اُن سے یاداللہ اور اِرادت برکت کی بناء پہ پھر کوئی جنا' جنا نہیں رہتی تجسس کی دلنشین ادا بن جاتی ہے۔

چھدرے درختوں کے جھنڈ رُخ بڑھتے ہوئے یُوں لگ رہا تھا جیسے مَیں کسی نخلستان کی راہ پہ ہوں...... تھوڑے قریب پہنچا تو اُدھر سے کچھ جانوروں پرندوں کی آوازیں سنائی دیں یعنی وہ مجھے باور کروا رہے تھے کہ انہیں میرے اس طرف آنے کی خبر ہو چکی ہے...... مَیں بھی تو یہی چاہتا تھا یہاں کا ایک اک پتہ' بُوٹا درخت'

پتھر مٹی روڑا' بلکہ یہاں کے رہنے والے انسان جن اور جانور تک مجھے جانیں پہچانیں' جن کی خاطر کئی [illegible] حسرت پالنے میں بیت گئے تھے کہ کوئی موقعہ ملے تو میں یہاں پہنچوں۔

اُس زمانہ میں انسان اور جنات کے مابین ممکنہ تعلقات و روابط کی کُرید مزید اور مطالعہ مشاہدہ [illegible] جنون تھا۔ میری یہ حالت کہ جہاں جدھر کہیں بھنک پڑتی دیوانہ وار دوڑ پڑتا' کاگا کی طرح چھینا جھپٹی کر کے کچھ نہ کچھ لے ہی اُڑتا...... اِدھر بھوپال والا جن قصہ' اپنی نوعیت' حقیقت اور واقعاتی لحاظ سے ایسا عجیب اور پُراسرار تھا کہ لامحالہ' میرا اس جانب رجوع کرنا بنتا تھا جبکہ اس سارے قصہ میں رُوحانیت' [illegible] تجزیت وحکمت بھی اپنی تمام تر موشگافیوں کے ساتھ موجود تھی۔

اَب جبکہ درختوں کا ذخیرہ چند قدموں کے فاصلہ پہ تھا کہ اچانک اُدھر سے بے شمار گلہریاں چیختی [illegible] نکلیں اور دانت نکوستے' دُمیں اُچھالتے میری جانب لپکیں' لگتا تھا وہ مجھ پہ حملہ آور ہونا چاہتی ہیں۔ اس [illegible] صورتِ حال سے گھبرا کر میں اپنے راستہ سے قدرے ہٹ کر دائیں جانب ہو لیتا ہوں ویسے ہی جیسے [illegible] سامنے گدھا [illegible] کے آ جانے پہ ڈرائیور سڑک چھوڑ کر کچے پہ اُتر جاتا ہے۔ اپنے تئیں میں نے اپنے [illegible] بندوبست کر [illegible] تھا...... مگر نہیں' دانت کٹکٹاتی ہوئی جہازی سائز کی گلہریوں نے مجھے اپنی [illegible] لے لیا تھا۔ جنگل کے [illegible] ساری شیری [illegible] ہو جاتی ہے۔ موٹے سکینڈوں منٹوں میں اس کا تیا پانچا کر دیتے ہیں...... [illegible] گلہریوں میں [illegible] اُچھل کر میرے سر اور کاندھوں پہ حملہ آور ہوئیں' چند ایک میرے پاجامے کے پائینچوں میں گھس گئیں۔ گلہریوں نے شاید یہ پائینچوں میں گھسنے والا حربہ تفتیشی پولیس والوں سے سیکھا [illegible] اقبالِ جرم کروانے کے لئے [illegible] کوشش کے طور پر مُلزم کی شلوار میں چوہے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگلے چند لمحوں میں مُلزم کردہ ناکردہ سارے [illegible] قبول کر لیتا ہے...... مگر مجھے تو کچھ قبول یا نہ قبول کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ کمانڈو گلہریوں نے میرے [illegible] پاجامہ کچھ ایسی حرکاتی کھلبلی مچائی کہ مجھے ہڑبڑا کر وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ شکر کہ غیر ارادی طور پہ میرا [illegible] جنگل کی جانب تھا۔ بھاگتا چور' ناچتا مور...... جان بچاتا ہوا انسان وحیوان اور لاحول کی چوٹ کھایا ہوا شیطان وغیرہ بڑی بے جگری' بے سُدھی دکھاتے ہیں...... میری اُوچھل پیچھے اگر کوئی شرلی پٹاخے باندھ کر چلا دیتا تو بھی شاید میں بھاگنے میں ایسی پُھرتی نہ دکھاتا جو اب پاجامے میں گھسی ہوئی گلہریوں کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ذخیرے میں گھس کر میں نے خود کو مٹی کے ایک ڈھیر پہ یوں گرا دیا جیسے کوئی کمزور مزدور [illegible] ڈھب سے نیچے گرا دیتا ہے...... وہ جناتی گلہریاں جو میرے پیچھے پیچھے تھیں یہاں بھی اُنہوں نے مجھے [illegible] نرغے میں لے کر ٹونا شروع کر دیا۔

"میاں جی! میں کچھ سمجھا نہیں......"

"مطلب یہ کہ اب میری آنکھیں کاجل کوٹھا بن گئی ہیں...... دیا جلے نہ جلے کوٹھا کالا ہی رہتا ہے۔ [illegible] جھاڑو پونچھو کالک ختم نہیں ہوتی۔"

"کاجل کوٹھا......؟" میں نے زیرِلب دُہرا کر پھر کہا۔

"میں اب یہ کاجل کوٹھے والی بات بھی نہیں سمجھا میاں جی!"

چور سپاہی کے کھیل کی طرح یہ بلّی چوہے کا کھیل بھی عجیب سی معصومیت یا شاید سنگین سی کمینگی پہ مبنی ہوتا [illegible] جب چوہے کو اپنے گھیراؤ میں لے کر ہلکے پھلکے پنجوں اور نرم نرم دانتوں کا مناسب استعمال کر لیتی ہے [illegible] لینے کی خاطر اُسے آزاد کشمیر کی طرح آزاد چھوڑ دیتی ہے...... تو [illegible] باختہ نیم مُردہ چوہا دُم دبائے [illegible] سا پڑا رہتا ہے۔ بلّی کمینی بظاہر بے دھیانی لاغرض سُست سی پڑ کر اونگھ لینے لگتی ہے...... چوہا [illegible] سو چوہا کھا کر حاجن نمازن ہو گئی ہے بس ذرا اپنی فطرت عادت سے مجبور ہو کر مجھ سے [illegible] اب بڑی توبہ استغفار کرتی ہے...... لہٰذا [illegible] وہ [illegible] ہو کر کھسکنے کی [illegible] بقول [illegible]......

"منزل کے لئے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے"

[illegible] کی جائے پناہ سامنے ہوتی ہے وہ چشمِ زدن میں وہاں پہنچ کر اس کی دست [illegible] سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ [illegible] میں اینٹھا لے کر جست [illegible] کی تیاری کرتا ہے۔ بلّی "[illegible] بلیاں تے تالے کنداں ٹپ کے [illegible] کے" الاپتی ہوئی اس کے بل کے سامنے اسی مراقبے کی صورت بیٹھی ہوتی ہے۔ بس وہ ذرا [illegible] کی خاطر اُسے اپنی اگلی ٹانگوں کے حصار میں لے کر نوکیلے پنجوں سے گدگدی کرتی ہے۔ بلکی [illegible] کر کے پھر اُسے آزاد کر دیتی ہے۔ بس اسی بار بار دُہرائے گئے ڈرامے کو چوہے بلّی کا کھیل کہتے [illegible] چوہا بے چارہ کئی ایک موتوں کا سواد چکھ کر بلّی کے پیٹ میں آسودہ خاطر ہو جاتا ہے۔

[illegible] ہم دونوں بھی شاید اسی نوعیت کا کوئی کھیل، کھیل رہے تھے اور بھیتر سے ہماری کوئی راہ و رسم [illegible] ہی لئے ہم ذرا "زیبِ داستانِ تعلق" کے لئے اِدھر اُدھر کے ٹھونے مٹھونے کر رہے تھے۔

[illegible] کاجل کوٹھے کی بات پہ فرمانے لگے۔

"یہ کاجل کوٹھا سمجھانے سے تمہاری سمجھ نہیں آوے گی...... جب تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے تب صحیح [illegible] گے کہ درویشی میں یہ کاجل کوٹھا والا استعارہ کس کیفیت اور کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔"

''میاں جی! آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ کرم کر کے مجھے کاجل کوٹھا بھی دکھا دیجئے۔'' [illegible] کا گھٹنا دابتے ہوئے کہا۔

''بھیا! پہلے اپنے تئیں سوچ کر یہ فیصلہ کر لو کہ اصل میں تم نے دیکھنا کیا ہے؟ خواجگان کی [illegible] کرنی ہے بونیرے دیکھنے ہیں یا پھر کاجل کوٹھا ملاحظہ کرنا ہے۔''

''حضرت! بونیرے کا تو میں نے ذکر تک نہیں کیا' آپ نے......؟''

''بھئی مجھ سے نہ سہی' رات گوالے سے تو بونیروں کی بابت بات ہوئی تھی نا......''

''ہاں جی! اُس نے ہی بتایا تھا کہ آپ کو پنکھ پکھیرو' جناور اور بونیرے تک جانتے ہیں [illegible] بونیروں کی مسجد میں عشاء کی نماز پڑھاتے ہیں لیکن بونیروں کی بات تو میں نے اُس گوالے سے کی تھی [illegible] اس کا کیونکر علم ہوا؟''

وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''بھیا! تم نے اُس گوالے کو دیکھا تھا؟''

''اندھیرا اتنا تھا کہ میں اُسے صحیح سے دیکھ ہی نہیں [illegible]''

وہ [illegible] چپ [illegible] ہو [illegible] پھر [illegible] پاؤں میں [illegible] ہوئے گویا ہوئے۔

''یہی ہیں نا تمہارے چپل؟...... رات تمہارے رُخصت ہونے کے بعد میں نے کیچڑ سے [illegible] انہیں دھویا' سکھایا اور پالش کیے......''

میں ہکا بکا سا اُن کا مُنہ تکنے لگا۔

اگلا عشرہ اُنہوں نے مجھے خوب رگڑا دیا۔ پَو پھوٹتے ہی وہ میرے ہوٹل میں آ براجتے [illegible] شاید اس لئے تھا کہ انہوں نے طہارت اور وضو کا ایک خاص انداز مجھے سکھایا تھا اور پھر سُرمہ ڈالنے [illegible] عجیب سا طریقہ...... جو عام طریقے سے قطعی جداگانہ تھا۔ پھر چند روز اُنہوں نے مجھے تہجد کی نماز سے [illegible] خاص وظیفہ کروایا جس کے دوران میری بینائی اس قدر تیز ہوئی کہ اندھیرے اُجالے بن گئے [illegible] بلند پرواز پرندوں کے پَر تک دکھائی دینے لگے۔ ایسے ایسے نجوم و فلکیات نظر آنے لگے جو صرف دُوربین [illegible] ہی دیکھے جا سکتے تھے...... در و دیوار' خس و خاشاک...... ہوا اور پانی کے جاندار...... پھلوں ترکاریوں [illegible] دہی میں کلبلاتے کیڑے جراثیم وغیرہ۔ یوں محسوس ہوتا جیسے میری آنکھوں میں کسی نے دُوربین کے [illegible] دیئے ہوں...... ایسا ہی تجربہ مجھے اپنے بچپن میں اپنی پہلی اُستاد چاچی کے تصرف سے حاصل ہوا تھا [illegible]

[illegible] مقابل انسان کے جبلّی جانور کو دیکھ لیتی تھی...... اب میاں جی کے تصرف سے مجھے نظر و نگاہ کی [illegible] نصیب ہو گئی تھی۔

[illegible] دیکھا ہے کہ ہر مخلوق کے ساتھ اس کا ایک مخصوص نظام بھی تخلیق ہوا ہے۔ نظام یعنی سسٹم ہر ایک کا [illegible] —— کہیں ہلکی بھاری مشابہت تو ہو سکتی ہے لیکن ایک سے نہیں ہو سکتے...... اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے [illegible] اقسام کے پھول ہوتے ہیں۔ شکلیں، شباہتیں، رنگ روپ، مہکیں، خوشبوئیں، اوصاف، تاثیریں اور [illegible] وزان وغیرہ ہر اک کے جدا جدا...... اس کارزار رنگ و بو میں کئی ایک پھول پیپر پن کے سرے کے [illegible] بھی ہیں جن پہ کبھی کسی کی نظر نہیں پڑی ہو اور نہ کسی گل فروش کے ہاں پڑے ملیں گے...... کسی گل دان یا [illegible] جوڑے میں سجے ہوئے دکھائی نہیں دیں گے...... انہیں محدودے چند سرخیلے، جوگی سنیاسی، پرانے [illegible] یا کوئی پچھلی نسلوں کے گل شناس ہی جانتے سمجھتے ہوں گے...... ان کے مقابلے میں اتنے بڑے [illegible] پھول بھی کہ انسان ان کی قدامت و جسامت دیکھ کر ششدر رہ جائے۔ یہ سب اُس صانع لم یزل کی [illegible] ہیں جو خوب رنگ و روپ اور خوشبوئیں، مہکاریں پیدا فرمانے والا ہے پھر ہر اک کی تاثیر و توصیف [illegible] قرار الگ، نفع و قیمت الگ، [illegible] شناخت [illegible] اور [illegible] نظام بھی جدا [illegible] ہاتھی اور [illegible] جانور ہیں اسی کرۂ ارض کے باسی ہیں ایک ہی زمین پہ چلتے پھرتے ہیں لیکن اپنے اپنے الگ [illegible] کے تحت [illegible] ان کی عمریں، ضرورتیں، زندگی بسر کرنے کی قدریں، فکریں، اعمال و افکار اور ہست و بود کے [illegible] قطعی ایک دوسرے سے مختلف......“

ہالی ووڈ کے شہرہ آفاق فلم سٹوڈیوز میں میں متعدد بار گیا ہوں بلکہ کئی ایک مشہور فلموں کی شوٹنگ بھی [illegible] دیکھنے کا موقع ملا...... معلوم ہوا کہ فلم بنانے کی ہنرمندی، بصیرت، پختگی اور جو جدید سہولتیں ان کے پاس [illegible] کسی دوسری فلم انڈسٹری کے ہاں موجود نہیں۔

والٹ ڈزنی کے اسٹوڈیو میں ایک انتہائی چھوٹے بونے کے متعلق ایک اچھوتی سی فلم کی شوٹنگ کا [illegible] سنسنی خیز اور موضوع کے اعتبار سے ایک انوکھی فلم تھی جس میں دکھایا کہ اتفاق سے ایک شریر سے [illegible] اپنے جیسے ایک نٹ کھٹ سے بونے سے ہو جاتی ہے۔ یہ لڑکا اسے اکثر اوقات اپنی جیب میں [illegible] ہے۔ بونا چونکہ بہت ہی پست قامت اور قلیل سا ہوتا اس لئے وہ آسانی سے اس کے جسم کے مختلف [illegible] میں چھپ جاتا اور اپنی حرکتوں سے لڑکے کو دق کیا کرتا...... رات کو وہ لڑکا اسے کسی پلیٹ، جوتوں کے [illegible] جیومیٹری بکس میں ٹشو پیپر یا رومال کے بستر پہ لٹا کر خود سو جاتا۔ یہ بونا چونکہ چتوری طبیعت کا تھا اس لئے

رات کو اکثر کچھ کھانے پینے کی نیت سے باہر نکل آتا۔ اب فریج کھولنا چونکہ اس کی ہمت طاقت سے باہر تھا لئے یہ کسی نہ کسی طرح کھانے کی میز پر چڑھ لیتا۔ وہ پڑے دھرتے بسکٹ، پھل، پنیر، ڈبل روٹی کے ٹکڑے چن کر اپنی ضرورت عادت پوری کر لیتا۔ اسی قسم کی حرکتوں میں کہیں تو اپنی ٹانگ چائے دانی کی ٹونٹی میں پھنسا بیٹھتا ہے اور کہیں وہ ٹوسٹر میں اُلجھ جاتا ہے اور کہیں وہ کتابوں سے پھسلتا ہوا کسی ردی کی ٹوکری میں جا گرتا ہے...... بس اسی قسم کی معصوم معصوم حرکتوں، شرارتوں پہ مبنی یہ فلم چھوٹوں بڑوں میں بے حد مقبول ہوئی۔ فلم کی سب سے بڑی خوبی وہ فطری ماحول تھا جو اس بڑی ہنرمندی اور جدید ٹیکنیکی جادوگری سے پیدا کیا گیا یعنی بیک وقت دو سسٹم دکھائے گئے۔ ایک عام قد و کاٹھ کے انسانوں کا اور دوسرا مخصوص بونوں کا۔ ایک سگریٹ کے سائز کا تھا جو ایک چھوٹے بچے کے جوتے میں آرام سے سو سکتا ہے۔ سامنے کی جیب سے نکال کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ تختے کے پاس کھڑا جب وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ بچہ دوست اُسے آسمان سے نکلتا ہوا دیو دکھائی دیتا ہے۔ یہی بونا ایک چیونٹی اور رینگنے والے کسی کیڑے پتنگے کے لئے بھی دیو ہے۔ کیڑا کسی نہ دکھائی دینے والے جراثیم کے لئے بھی یہی حیثیت رکھتے ہیں۔

جنھیں جن دیو نما چرا اور دھاگا سمجھتے ہیں اُن کے نزدیک ہماری قدامت بھی کسی کیڑے کی مانند ہی ہوتی ہے [illegible] چشم تماشائی دیکھنا بھول جاتی ہے...... وہ سیونگ مشین کے سٹینڈ پہ چڑھنا چاہتا ہے، یہ فرش پہ پڑے ریشوں میں کمر تک دھنسا کھڑا کوئی ترکیب لڑا رہا ہوتا ہے کہ کس طرح وہ اُوپر مشین تک پہنچے جو اس ایک فلک بوس آہنی ڈھانچے کی [illegible] کی مانند کھڑی ہوتی ہے...... دیکھتا ہے کہ ایک جانب ایک موٹا رسہ لٹک رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک بازی گری کی طرح اس سے لپٹ کر اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے۔ براؤن رنگ کا دھاگا ہوتا ہے۔ یہ اُوپر چڑھتا جاتا ہے، دھاگے کی پھرکی اس کے وزن سے کھلتی جاتی ہے۔ ہنوز درمیان میں لٹکا رہتا ہے۔ آخر تمام دھاگا ختم ہو جاتا ہے اور یہ دھڑام سے نیچے گر کر بیہوش ہو جاتا ہے۔ جب لڑکا بیدار ہوتا ہے تو یہ بونا بوٹ کے ڈبے میں اپنے بستر پہ موجود نہیں ہوتا۔ تلاش کے بعد یہ اُلجھے ڈھیر میں پھنسا بیہوش پایا جاتا ہے۔ اسی نوع کے بہت سے مناظر جو انسان اور بونے کے نظاموں کو اک عجیب دلچسپ انداز میں ایک دوسرے میں مدغم دکھاتے ہیں ناظرین کے لئے بے خیرگی کا مظہر ثابت ہوئے۔

بات والٹ ڈزنی کے سٹوڈیو میں شوٹنگ کی شروع کی تھی۔ وہاں اک عجیب نوع کی تھی...... ایک بہت بڑے میز پہ ایک متوسط درجہ کے گھر کا ماڈل سیٹ لگا ہوا تھا۔ ویسا ہی جیسے گے

[illegible] بچوں بچیوں کے ''گھر گھر'' کھیلنے کے لئے کھلونا گھر ہوتے ہیں۔ جس میں پلاسٹک کے میز کرسیاں، [illegible] پلنگ وغیرہ ہوتے ہیں۔ بالکل یونہی یہ سیٹ بھی تھا...... لیکن سیٹ کیا تھا، انسانی ہاتھوں کی ہنرمندی کا [illegible] نمونہ...... ایک ایک ادنیٰ اعلیٰ چیز بمطابق اصل کے تھی۔ یوں لگتا تھا کہ کسی جادو کی چھڑی سے گھر اور گھر [illegible] اصل سے کئی ہزار گناہ چھوٹا کر دیا گیا ہے۔ اس گھر میں شوٹنگ ہو رہی تھی...... یہ کسی زمین دوز گھر [illegible] تھا۔ جہاں بونا اپنے انسان دوست کو لے کر جاتا ہے۔ اس ماڈل سیٹ پہ جو مووی کیمرہ استعمال ہو رہا [illegible] عجیب وغریب کیمرہ تھا۔ کسی بچے کی چھوٹی سی پلاسٹک کی کھلونا کار کی مانند روبوٹ کیمرہ...... جس کے [illegible] سیٹ کی جگہ ننھا سا لینز تھا جو ماڈل گھر کی چھوٹی چھوٹی راہداریوں، آنگن، باورچی خانے، بیت الخلاء، [illegible] کمروں اور سیڑھیوں پہ ریموٹ کنٹرول سے مطلوبہ مناظر کی عکسبندی کر رہا تھا یعنی بونوں کے ماحول، جو [illegible] کم قامتی اور کوتاہ روی سے تعبیر ہوتا ہے کو ان کے حقیقی انداز میں پیش کر رہا تھا۔ اسی طرح میں نے [illegible] پہ وہ سیٹ بھی دیکھا جس پہ ہر چیز اپنے حقیقی قد و قامت سے کئی سو گنا بڑی بنائی گئی تھی۔ بیٹھنے والی [illegible] تھی...... چائے کی پیالی ایک کمرے جتنی [illegible] دروازے دیوار [illegible] سمجھایا جاتا [illegible] کے لحاظ سے اس [illegible] کو بونا ظاہر [illegible] تے تھے۔

مقصد اس [illegible] تمہید کا یہ تھا کہ جبکہ ایک سسٹم دوسرے سسٹم سے [illegible] ہے تو دونوں غیر موثر اور [illegible] ہو کر رہ جاتے ہیں۔ [illegible] تمام عالمین کے الگ الگ مخصوص [illegible] ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک سسٹم سے قطع تعلق کیئے بغیر دوسرے سسٹم میں داخل ہوا جائے۔ عالم اسباب، [illegible] اور عالم انفس و آفاق سے دامن پاک کر کے ہی عالم ملکوت سے ربط ممکن ہے اور عالم لاہوت تو [illegible] بعید کی بات ہے۔ کسی بھی آپریشن سے پہلے مریض کو مکمل کنٹرول میں لایا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے اس [illegible] بول و براز، آرام سکون، موڈ مزاج پہ نظر رکھی جاتی ہے۔ معدے، مثانے کو صاف کیا جاتا ہے۔ [illegible] جسمانی صفائی کی جاتی۔ آپریشن والی جگہ کے بال مونڈھے جاتے ہیں۔ طاقت بحال رکھنے کے ٹیکے، [illegible] اور فالتو خون کی بوتلوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تسلیم میاں بھی مجھے کسی گردش سے گزار [illegible] تھے۔

تھری ڈی فلم بغیر خصوصی عینک کے نہیں دیکھی جا سکتی...... نہ منظر صاف اور صحیح دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی [illegible] پیدا ہوتا ہے جو اس مخصوص فلم کا خاصا ہے۔ دور دراز دیکھنے کے لئے دوربین اور قریب و خورد دیکھنے کے

لئے خوردبین کا ہونا ضروری ہے...... اور جب بات روحیت' رُوحانیت...... پیرانارمل سائنسز اور سپر نیچرل [illegible]
کی ہو تو پھر اہتمامِ دروں دل و دماغ چنداں سوا ہونا چاہئے۔

نوچندی جمعرات تھی...... صبح تڑکے جب وہ میرے کمرے میں تشریف لائے تو اُن کے ہاتھ میں [illegible]
گاڑھے سُوت کا ایک سیاہ رنگت کپڑے کا جوڑا تھا...... مجھے تھماتے ہوئے بولے۔

"آج مغرب کے بعد غسل لے کر انہیں پہن لینا...... سُرمہ اور عود بھی تازہ کر لینا۔ طریقہ وہی [illegible]
جو مَیں نے بتایا ہوا ہے اور ہاں روپے اٹھنی کی کالے تلوں والی گزک یا اَمرتیاں بھی بندھوا لینا...... مجھے [illegible]
کی نکڑ پہ چھندے حلوائی کے ہاں مل جاویں گی۔ آج عشاء اکٹھے پڑھیں گے۔ یہ کہہ کر یہ جا وہ جا [illegible]
بگولے پہ چلے گئے...... ایسا لگتا تھا جیسے وہ گھر سے [illegible] آئے تھے۔

فجر کی نماز پہ مسجد میں نظر نہ آئے۔ دوکان بند' درگاہ سے غیر حاضر' الٰہی! آج یہ کدھر لُد گئے [illegible]
محسوس تک نہیں ہوئے...... تنگ آ کر مَیں بھی اُوبا دُوبا سا بستی نظام الدینؒ نکل آیا یہاں سے [illegible]
لال قلعہ پہنچ گیا...... یہاں لاہوری دروازے کے اندر [illegible] میرا ایک دیرینہ واقف [illegible]
نوادرات کا [illegible] ہوئے ہوتا [illegible]
پرانے پتھر انگوٹھیاں وغیرہ۔ مجھے نہیں یاد کہ میں اس کے پاس سے کبھی خالی ہاتھ لوٹا۔ وہ ہمیشہ [illegible]
ہاتھ بیچ ہی ڈالتا تھا۔ اچھے خاصے دام بٹورنے کے بعد بھی وہ یہی کہتا "گورو! میری طرف سے تحفہ [illegible]
سمجھو"...... خلافِ معمول وہ اپنے ٹھیے پہ موجود نہ تھا اس کے حوالی موالی بھنڈاری سے معلوم ہوا کہ [illegible]
کے اندر موتی مسجد کے پاس کسی سے ملنے گئے ہیں...... اس نے مجھے براجنے اور جل پان کی دعوت [illegible]
دھنباد کہتے ہوئے اندر چلا آیا۔ لال قلعہ میں مغلوں کی موتی مسجد کی حالت بھی قریب قریب وہی ہے [illegible]
ہاں اُن کے استھانوں اور مندروں کی ہے...... موتی مسجد اگر لال قلعہ کا ایک معتبر حصہ' آثار اور [illegible]
سے اس کا تعلق نہ ہوتا اور زرمبادلہ پیدا کرنے کا ایک واضح ذریعہ نہ ہوتی تو شاید وہ اس وقت صفحۂ ہستی [illegible]
ہو چکی ہوتی...... نماز واز یا اذان وغیرہ کا سلسلہ تو نصف صدی سے بند ہے اب صرف دکھاوے کی [illegible]
ہاں کبھی کوئی سیر سیاحت کرنے والا مسلمان اِدھر آ نکلے اور نماز کا وقت بھی نِکلا جا رہا ہو تو وہ [illegible]
تجدیدِ حیا اور وفا کے لئے دو چار ٹکریں مار لے تو کچھ بعید از قیاس نہیں......!

مَیں ٹہلتا ٹہلتا ٹو ٹگے بو ٹگے لیتا ہوا اِدھر آ نکلا تھا...... سیر سپاٹا مقصد نہیں بلکہ محض مغرب تک [illegible]
گزاری کا بہانا...... اور یا پھر تسلیم میاں کے اس بے طرح غائب ہونے کا ردِعمل' جو مجھے یہاں سے [illegible]

کے باہر گھاس کے قطعے کے کنارے ایک پرانے چھتنار پیڑ کی چھاؤں میں ڈھے سا گیا تھا۔ پہاڑ، قلعہ بھی ہو اپنے پاس آنے والوں کی پنڈلیوں میں سیسہ سا بھر دیتے ہیں۔ ان کی اُونچائی گٹے گوڈوں میں کھینچائی کر دیتی ہے۔ یہی کچھ میرے ساتھ ہوا تھا' گہری تھکاوٹ اور گھنا سایہ' دونوں مل کر جاندار کے غنود میں ڈال دیتے ہیں' بے سُرتی اپنی اَوج پہ ہوتی ہے اور نیند اپنی مَوج میں...... مَیں کبھی دیں لگی ہو رہا تھا۔ جب کسی نے میرے کندھے کو خوب جھنجھوڑ کر ہلایا تو مَیں یوں بدک کر اٹھ بیٹھا خواستہ مجھے بجلی کے ننگے تار چھُوا دیے ہوں۔ لالہ کندن لعل مجھ پہ جھکا' دانت نکالے ہوئے کھڑا سے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

"سے پتہ چلا آپ ادھر آئے ہوئے اور میرا پُوچھ رہے تھے۔ مَیں اِدھر آپ کو کھوجنے چلا آیا آپ ادھر آرام کر رہے ہیں۔" وہ معذرت چاہتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کو ہرگز نہ جگاتا اگر یہ استھان آپ کے آرام کے لائق ہوتا۔ اُدھر دیکھیں اس درخت بورڈ بھی لگا ہوا ہے۔"

خواستہ اُٹھا اور بورڈ پڑھنے لگا۔ ہندی اور انگریزی دونوں بھاشاؤں میں لکھا تھا۔

[illegible]

اوبتے ہوئے تلخی سے لالہ کو کہا۔

"کسی سایہ دار درخت کی چھاؤں میں بیٹھنا یا لیٹنا تو بڑا پُن پنے کا کاج ہوتا ہے لالہ جی! درخت تو لئے ہیں کہ جاندار ان کے پھل پھول' لکڑی سائے اور ہوا سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ آپ نے کیا لکھ دیا کوئی اِدھر بیٹھے لیٹے ہی نہیں...... تو اُکھاڑ پھینکیے اس بے کار درخت کو یہاں سے۔"

وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔

"آئیے مَیں آپ کو نیبو پانی پلواتا ہوں اور اس درخت کی حقیقت بھی کہ اس درخت کے نیچے بیٹھنے یا منع کیوں ہے۔"

ہم دونوں وہاں سے ٹل کر سامنے سُرخ پتھروں والے چبوترے پہ آ بیٹھے۔ لالہ کندن لعل بتا رہا تھا۔

"مہاراج! مشہور ہے کہ اس درخت کے نیچے بونوں کی بستی ہے اور یہیں کہیں بونوں کے آنے راستہ بھی ہے...... آتے جاتے تو کسی نے دیکھا تو نہیں...... لیکن مشہور یہی ہے۔ اس لئے اِدھر اس کے آس پاس کوئی نہیں بیٹھتا۔"

میرے ادراک میں تھا کہ لال قلعہ دہلی چونکہ کئی منزلوں کی بلندی پہ تعمیر ہوا جو پھیلاؤ اور گھماؤ میں کسی

چھوٹے شہر سے کسی طور بھی کم نہ تھا اس کے نیچے بھی اک جہاں آباد۔ خفیہ تہہ در تہہ خانے' منزلیں' [illegible] خانے...... ایسی زیرِ زمین دُنیاؤں کے اپنے علیحدہ نظام ہوتے ہیں۔ جس کے تحت ہوا' پانی' روشنی [illegible] ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے ذرائع ایسے قدرتی اور حکمتی ہوتے ہیں کہ عقل وسائنس ششدر رہ جائے۔ ایک عام اِنسان کے لئے انہیں کماحقہٗ جاننا سمجھنا بہت ہی اَدق ہے...... زیرِ زمین ہی کیا موقوف' زیرِ [illegible] وبیش یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہوا' روشنی اور بقائے حیات کے سارے سامان موجود ہوتے ہیں۔ پانیوں کی [illegible] گہرائیوں میں اللہ کی مخلوق موجود ہوتی ہے۔ ان کے اپنے چاند سورج ستارے' کہکشائیں' رواج رسمیں [illegible] خاندان' رنجشیں' محبتیں' روائتیں' قدریں اور رویّے...... اللہ جو اَن گنت عالموں جہانوں کا ربّ ہے ہر [illegible] جہت' دُنیاؤں' رُخوں' بلندیوں' پستیوں' ندرتوں' موسموں کا مالک خالق اور رازق......!

بات ہوتی رہی تھی لال قلعے کے زیریں مخلوق اور مخفی دُنیاؤں کی جو عالمِ اِنسان کی نظر سے [illegible] ہیں...... اُوپر کی دُنیا [illegible] چند نفوس سے اگر ان کے کوئی رابطے ہیں بھی تو ان کے بارے میں کوئی [illegible] سے نہیں کہہ سکتا۔ برصغیر ہندوپاک کے قریب قریب تمام قدیمی قلعے...... لال قلعہ دہلی' شاہی قلعہ [illegible] قلعہ عنبر' جے پور' قلعہ رہتاس' تاراگڑھ اجمیر' دین گڑھ [illegible] گوڑھ بھاگ' قلعہ آگرہ' قلعہ [illegible] قلعہ منگلا' [illegible] قلعہ بالہ وغیرہ اور وہ تمام سرائیں' کنوئیں' باؤلیاں' مینار' مساجد ومزارات ومکاتب جنہیں [illegible] بادشاہوں [illegible] دیگر غیر مسلم حکمرانوں نے بنوایا ان کے نیچے اکثر بصد اہتمام تہہ خانے' بغلی کوٹھریاں' نوبت خانے' [illegible] سرد خانے' ہوا خانے' اسلحہ خانے' تجوری خانے' خفیہ راستے اور سرنگیں وغیرہ کسی نہ کسی وضع قطع میں ضرور [illegible] جاتے تھے یہ اس دور کے حالات' ریاست وسیاست کے تقاضے تھے اور یا پھر ان مطلق العنان [illegible] مذاقِ تعمیر ہی ایسا تھا۔ میں نے اچھی خاصی تحقیق وتصدیق کے بعد یہ جانا کہ خاص طور پہ مغل بادشاہوں نے [illegible] تعمیرات میں تین طرح کے انداز اپنائے۔ عسکری ضرورت کے لئے جو قلعے' بُرج' مینار' خندقیں تعمیر [illegible] میں محل ووقوع کے ساتھ سُورج کے رُخ' دریا کے کنارے' زمین کی پختگی وتاثیر' ہواؤں کے [illegible] آبادی سے مناسب دُوری کا بھی خیال رکھا جاتا۔ خاص طور پہ قلعہ اور ہیکل بُرج کے لئے کسی اونچی [illegible] کسی چھوٹے پہاڑ کا انتخاب کیا جاتا...... سمندری جہاز کی طرح قلعہ جتنا نظر آتا ہے اس سے کئی [illegible] زیرِ زمین ہوتا ہے۔ جس میں اس کے تمام وسائل...... اسلحہ' اناج خوراک' مال خزانے' پانی ایندھن [illegible] ہوتے ہیں۔ حدودِ اربعہ کے لحاظ تازہ ہوا اور سُورج کی روشنی کے انعکاس کا قدرتی اِنتظام ہوتا ہے۔ ایک دُنیا آباد ہوتی ہے۔ کشادہ راہداریاں' وسیع سڑکیں' فراخ دالان وگودام' لمبی چوڑی غلام گردشیں [illegible]

[illegible] سُرنگیں...... مغلوں کے قلعوں میں خاص طور پہ خفیہ سُرنگوں' راستوں کے سلسلے بنائے جاتے' تاکہ کسی ناگہانی ضرورت کے وقت قلعہ سے نکلا جاسکے۔ یہ سُرنگوں کے وسیع سلسلے بہت دُور دراز تک پھیلے ہوتے ـــــ ایک شہر سے دوسرے شہر تک' اکثر سُرنگیں دریا کے محفوظ کناروں' پہاڑوں' ٹیلوں کوؤں اور باؤلیوں تک بھی دیکھیں...... قلعوں سے کئی ایک خفیہ راستے کسی مسجد یا مزار تک بھی ہوتے۔ کچھ پائیں باغ کی کسی کنج میں جا نکلتے' کسی مُعتمد یا مرکزی کوتوالی تک بھی خفیہ راستے ہوتے...... کئی ایک سُرنگیں ایسی بھی ملاحظے میں آئیں جن کی چوڑائی اُونچائی کا اندازہ اس طرح سے کیا جاسکتا ہے کہ ان میں بیل گاڑیاں اور رتھیں چلا کرتی تھیں۔ گھڑسوار اپنی منزلیں مارا کرتے تھے۔ قدرتی اور مصنوعی روشنی' اور تازہ ہوا کا ایسا انتظام کہ محسوس تک نہ ہوپاتا کہ سفر کرنے والا جنگلوں دریاؤں اور آبادیوں کے نیچے کتنی گہری کھدی ہوئی سُرنگ میں اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ طویل یعنی میلوں ابعاد سُرنگوں پہ کہیں کہیں پوشیدہ محفوظ مقامات پہ دُودکش' ہوادان' روشن دان بنے ہوتے جو بظاہر کوئی مینار' ٹیلہ یا برج دکھائی دیتے۔ ان کے قریب چوکیداری پہ عملہ متعین ہوتا۔ ظاہر ہے کہ زمین کے اُوپر کا سسٹم الگ اور اندر کا الگ ہوتا...... جیسے جسم کے باہر اور کھال کے نیچے کوئی اور سسٹم کام کرتا ہے۔

زمین [illegible] ہے۔ ان حشرات الارض میں ہزاروں اقسام کے کیڑے مکوڑے' سانپ' بچھو' نیولے' بجّو' گوہ اور کرلے وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ ان راستوں پہ سفر کرنے والوں کا ان سے واسطہ بھی رہتا لہٰذا انہیں ذرا محتاط رہنا پڑتا تھا۔ اکثر و بیشتر ہراول دستہ آگے آگے ہوتا جن کے پاس انہیں قلع قمع کرنے کا بندوبست ہوتا۔ اس کے باوجود حشرات الارض کی مسلسل آزار بنے رہتے...... ان حشرات الارض کے درمیان اک مخلوق ایسی بھی ہے جسے ہم بونے' کہتے ہیں۔ بعض بے علم انہیں چھلاوے' بڈاوے یا بالشتیے بھی کہہ لیتے ہیں جبکہ یہ درست نہیں۔ چھلاووں' بڈاووں وغیرہ کا تعلق ازقسم بھوت پریت وغیرہ سے ہے جبکہ بونے' ہلکی بھاری مشابہت اور قدامت اور شکل کے ساتھ انسان کی ہی طرح ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کے فطری مزاج و خمیر کا تعلق تہہ زمین سے ہوتا ہے اس لیے ان کا زمین کے اُوپر تعلق واسطہ اتنا ہی ہے جتنا اک انسان کا زیرِ زمین' زیرِ سمندر یا آفاق و اُفق ہوتا ہے۔ انسان کیسا بھی ہواؤں فضاؤں میں اُڑے یا سمندر' زمین کی گہرائیوں میں اُترے اسے چین' سکون' اطمینان اسی وقت میسر آتا ہے جب وہ زمین کے اُوپر اپنے فطری ماحول میں آزادی سے سانس لیتا ہے۔ بونوں کا فطری ماحول حشرات الارض کی طرح باطن الارض ہے لیکن ہم انہیں حشرات الارض نہیں کہہ سکتے یہ تو مخلوقاتُ الارض ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پتلے کی بچی کھچی' بچی کچی آسودہ نا آسودہ گِل سے ننھے ننھے بونے بنا کر ارض کی دراڑوں' پہاڑوں کی کھوؤں غاروں میں اُتار دیئے گئے تاکہ وہ باقیماندہ مٹی جس کا تعلق سیّدنا آدم علیہ السلام کے پتلے سے تھا وہ ضائع نہ ہو پائے یا پھر شیطان رجیم کے ہتھے نہ چڑھ جائے اور یہ بھی روایت ہے کہ کتا بھی اسی مٹی سے پیدا کیا گیا جو پتلے کی ناف سے کھینچ اُتار کر پھینکی گئی تھی کہ شیطان نے جوشِ رقابت وخباثت میں پتلے کے پیٹ پہ تھوک دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قلعوں' حویلیوں' سرنگوں...... زمین دوز پناہ گاہوں' صدیوں پرانے چھتنار درختوں کے کھوکھلے تنوں اور تنوں میں پاتال تک اُتری ہوئی جڑوں' گہرائیوں میں اُتری ہوئی باؤلیوں اور اندھے سوکھے کنوؤں میں ان کے بسیرے ہوتے ہیں اور یہی اُوپر زمین تک رسائی کے ذرائع بھی...... خلا نوردوں اور غوطہ خوروں کی طرح یہ کبھی کبھی زمین نوردی کی خاطر یا کسی اور وجہ سے زمین کے اوپر پہنچ کر کسی کی نظر میں آ جاتے ہیں اور پھر فوراً غائب بھی۔

یہ فطری طور پر انسانوں سے خائف رہتے ہیں۔ شاذ ہی کسی خاص وجہ سے کسی انسان سے واسطہ رکھیں ورنہ یہ لاتعلق ہی رہنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ انسانوں کی طرح ان میں ہر طبع قبیل کے بونے ہوتے ہیں۔ بھلے بُرے [illegible] وغیرہ۔ ان میں بھی مسلمان اور [illegible] کافر بھی ہوتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی بھی اور دُنیا میں ہر اس جگہ موجود ہو سکتے ہیں جہاں زمین پہاڑ صحرا جنگل اور سمندر ہوتے ہیں...... کوہ ارارط میں ان کی بستیاں موجود ہیں۔ جبلِ خلیل کے آس پاس ان کے قبیلے ہیں۔ دیوارِ چین کے ایک خاصے ویران حصے کی بنیادیں ان کی آماجگاہ ہیں۔ افریقہ کے جنگلوں میں بھی ان کے بسیرے ہیں۔ بحیرہ مُردار کے ایک چھوٹے سے مُردہ جزیرے میں ان کی قومیں آباد ہیں۔ اسی طرح جزیرہ انڈیمان میں بھی ان کی ایک قسم پائی گئی۔ امریکہ کے خشک صحرا' قطبِ شمالی کے برف زار یا سندربن' ایتھنز کے کھنڈرات یا نیشاپور کے باغات...... یہ ہر اس جگہ پائے گئے جہاں انسان کے قدم کی دھمک ہوئی۔

اہرامِ مصر کی دریافتوں اور کھدائیوں میں بھی یہ دکھائی دیئے مگر عجیب بات ہے کہ آج تک میڈیا نے کسی سطح پہ کسی بونیرے کے وجود کو زندہ مُردہ ڈھانچے کی صورت یا ان کی کسی حقیقی تصویر کو پیش نہیں کیا ہے۔ یہ قدرت کا ان سے کوئی وعدہ ہے یا محض اتفاق! میں نے ان کے قبرستان اور مساجد بھی دیکھی ہیں۔ ان کی اذان' قرأت' حمد ونعت حتیٰ کہ گیت گاؤن وغیرہ بھی سُنے ہیں۔ تین چار مخصوص لوگوں کے علاوہ میری یہ حسرت ہی رہی میں کہیں ایسے لوگوں کو کھوج پاؤں جو بونیروں سے ملے ہوں یا اُن کے بارے میں مزید کچھ معلومات رکھتے ہوں۔

• تیری آنکھوں کے سوا دُنیا میں رکھا کیا ہے......!

بات بونوں کی تھی پھر آگے دہلی میں مہرولی کے صوفی تسلیم میاں کا ذکر شروع ہُوا۔ جو ایک صاحبِ کشف نابینا بزرگ تھے۔ جن کی زندہ خوبصورت آنکھوں سے مجھے کچھ اور آنکھیں بھی یاد آ گئیں۔ [illegible] حیران کن بات یہ کہ اِن دونوں آنکھوں کا اِک باہمی رُوحانی ربط بھی تھا جو بہت آگے جا کر سمجھ میں آیا۔

سُرمگیں آنکھیں یعنی سُرمہ سے آلودہ آنکھیں، لیکن کچھ آنکھیں سُرمہ کاجل کے بغیر بھی قدرتی طور پہ [illegible] فروز ہوتی ہیں۔ غزالوں، گدھوں، بچھڑوں، شتر مرغوں، زیبروں اور بعض انسانی بچوں کی آنکھوں میں [illegible] سُرمہ چُھپا ہوتا ہے جو بڑا اچھا لگتا ہے اُن کی فطری معصومیت مزید اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ میری کسی [illegible] کے ایک مضمون میں آنکھوں اور اُن کی اقسام کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں [illegible] اور [illegible] دو ایسے موضوع ہیں جن پہ بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود بھی ابھی کافی کچھ کہا لکھا جا سکتا ہے۔ یہ آنکھیں اور زُلفیں، سیاہ رنگت کے علاوہ کچھ اور رنگوں کی بھی ہوتی ہیں مگر جو [illegible] اور کافرانہ [illegible] ان [illegible] دکھائی نہیں دیتا۔ انسان کے ظاہری اور باطنی [illegible] وجمال کا [illegible] اور واضح اظہار اِن ہی آنکھوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ آنکھیں، خاموشیوں کی ایسی زبان، [illegible] کچھ کہہ دینے پہ قادر ہوتی ہے۔ دل، دماغ، احساسات، جذبات اور خرد و خیال کے سارے سوتے سلسلے [illegible] سے رَواں دَواں ہوتے ہیں [illegible] عشق، محبت، نفرت، عداوت، شقاوت کا آنکھیں سے ہی شروع اور [illegible] ہے...... آنکھیں، چہرے کے آئینے کا ضمیر اور اس کی رُوح ہوتی ہیں۔ دیکھیں تو یہ ایسی پُراثر پُر رمز گفتگو کرتی ہیں جو نُطق کے مقدور و بس کی بات نہیں ہوتی...... مصوری ہو یا صنم تراشی، داستان گوئی یا شاعری، [illegible] یا سنگیت کا سنگ، آنکھوں کی نمائندگی معتبر ٹھہرتی ہے۔ زبان لاکھ گنگ ہو مگر آنکھیں بولتی ہوئی ہوتی ہیں...... اُردو فارسی، شاعری مصوری آنکھوں کی جادوگری سے بھری پڑی ہے۔

میں نے اسی دُنیائے ''چشم و چراغ'' میں بڑی بڑی حسین دلنشین آنکھیں دیکھی ہیں۔ ایسی ایسی آنکھیں سحر انگیز آنکھیں کہ مقابل منتر ڈھونڈتا رہ جائے اور ایسی بھی وحشی، خواب آگیں آنکھیں کہ انسان غنود [illegible] میں بھٹکتا رہ جائے۔ کٹیلی، زہریلی اور نشیلی آنکھیں، پیمانہ آنکھیں، مے خانہ آنکھیں، داستان آنکھیں، [illegible]...... مکان آنکھیں، زمان آنکھیں اور حدیث آنکھیں، قرآن آنکھیں، لیکن ان سب میں سے مجھے [illegible] کرتی ہوئی آنکھیں اچھی لگیں...... مزہ برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو......!

جدہ کی ایک ملٹی سٹوری سپر مارکیٹ میں محض ونڈو شاپنگ کی غرض سے وقت گذاری کر رہا تھا۔ منزل بہ منزل، کبھی اس منزل، برقی زینوں' خوبصورت جدید کیپسول لفٹوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ دُنیا بھر کے پُرتعیش سامان سے بھرپور ماڈرن یورپین انداز کی یہ مارکیٹ' متموّل شیوخ' اُمراء اور غیر ملکیوں کے لئے تھی جو اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے سلسلہ میں جدہ میں مقیم تھے۔ گیہوں میں شامل گُھن کی طرح' مجھ ایسے اور فُقرے قسم کے لوگ بھی ایسی شاندار اعلیٰ جگہوں پہ محض دل پشوری کرنے کی خاطر چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اِن کا مقصد وہاں خریداری کرنا نہیں ہوتا' اپنی محرومیوں اور بے بسریوں کی جھوٹی تسکین ہوتا ہے۔ اپنی کلائی پہ پٹھان سے خریدی ہوئی پچیس روپے کی گھڑی باندھے ہوئے جب کوئی میرے جیسا غریب غُربا' چم چماتے شوکیس میں رولیکس کی ہیروں سے مزین' سفید سونے کی گھڑی سے اپنی آنکھیں روشن کرتا ہے تو اُسے بڑی تسکین ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے چند لمحے وہ اِن لاکھوں ریالوں کی بیش قیمت گھڑی کو اپنی کلائی پہ بندھا ہوا محسوس بھی کرتا ہے تو اس وقت وہ خود کو سعودیہ کے بادشاہ کے برابر خیال کرتا ہے اور یہ وہ وقت ہوتا ہے جب کوئی بندہ رہتا ہے اور نہ کوئی بندہ نواز......!

میں بھی اسی طرح کی خیالی عیاشیاں فضول خرچیاں اور خریداریاں کرتا ہوا دکان در دکان [illegible]

'' دولت [illegible] تھی۔ یہاں دُنیا ہی الگ [illegible] باقاعدہ دوکان یا شورُوم تو کوئی نہیں تھا لیکن سٹوڈیو نما ورکشاپیں جا بجا تھیں۔ یہاں مختلف ہُنر مند بیٹھے اپنے اپنے کاموں میں جُتے ہوئے تھے۔ عروسی پارچات' عورتوں کے گھریلو ملبوسات' موتی طلائی' ٹکائی' طِلّہ دوزی' منقش و مزین کاری وغیرہ۔ ساتھ ہی دوسری جانب مردانہ عبائیں' [illegible] سر کے رُومال' مختلف خراش وتراش کی عبائیں' قبائیں' زیرِ پاجامے' ٹوپیاں...... کہیں صحرائی انداز کا فرنیچر' کرسیاں' سٹول' دریاں' غالیچے' جائے نماز' تسبیحاں اور کہیں کھجور کی مصنوعات تیار ہو رہی ہیں' کہیں مٹھائیاں بن رہی ہیں۔ اونٹ کی پوستین کی مصنوعات' عورتوں کے پرس' جوتے' تسمے تیار ہو رہے ہیں۔ بڑی ورکشاپ عربی بدوی خوا کہات طعام و تمیز کی بھی تھی۔ ثرید اور عربی پلاؤ' عربی انداز کی بنی...... مخروطی تندور' جن میں سوندھی سوندھی مہک والے خستہ خستہ نان تافتان پک رہے ہیں۔ قیمے بھرے پراٹھے' شوارمے' پنیر اور بینگن کے سالن' سبزیوں' ترکاریوں کے شوربے...... اچار' چٹنیاں' اونٹنیوں کا دودھ' دہی وغیرہ۔ غرضیکہ اک جہانِ دید و شام اور اک خوانِ طعام بالالتزام کھلا پڑا ہے...... تیار ہوتے اپنے سامنے دیکھئے بھی اور خرید کر وہیں بیٹھ کر کھایئے بھی۔ اک طرف ایک چھچی داڑھی' لمبی سی عبا اور رُوئی والی ٹوپی پہنے ایک شخص خطاطی میں مگن ہے۔ خاصے لوگ اردگرد کھڑے اس کے فن پہ عش عش کر رہے ہیں۔

مختلف سائز کراکری کی طشتریوں پہ عربی انگریزی جلی حروف میں خطاطی پہ مصروف ہیں۔ ان کی مشاق، فنی اور انداز تحریر دیکھنے اور توصیف کا متقاضی ہے۔ اپنا یا اپنے کسی عزیز کا نام کاغذ پہ تحریر کر کے ان کے حوالے کیجئے۔ اگلے چند لمحوں میں وہ صاف شفاف سفید پلیٹ پہ یہ نام ایسے سٹائل اور عمدگی سے لکھیں اور سجائیں گے کہ آپ یہ تحفہ پا کر فخر محسوس کریں گے…… جو چاہیں انہیں ہدیہ کے طور پہ دے دیں۔ وہ بخوشی قبول کریں گے۔ اصل چیز اس فنکار کی پھرتی اور فنی بالیدگی ہے کہ روزانہ ہزاروں نام تحریر کرتا ہو گا پر کیا مجال جو ایک نام دوسرے انداز سے لکھا جائے…… اسی طرح ایک دبلے پتلے سینک سلائی سے آدمی کے روبرو سٹول پہ ماڈل بیٹھا ہے۔ یہ عجیب الخلیہ شخص محض دس منٹ میں اس کا پورٹریٹ تیار کر کے اس کے حوالے کر دے گا۔ بڑھے ہوئے ناخنوں، لانبی لانبی پتلی انگلیوں والا یہ باکمال آرٹسٹ محض ایک دو بار اپنے ماڈل پہ اچٹتی سی نظر ڈالتا ہے اور ایسا رزلٹ دیتا ہے کہ پورٹریٹ بنوانے والا ششدر رہ جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ یہ یگانہ روزگار فنکار لمحہ موجود کے [illegible] اور جذبوں خیالوں کو بھی مجسم کر کے قرطاس پہ مقید کر سکتا ہے۔ یہیں پہ احساس ہوا کہ محض ظاہری خدوخال کو اُجاگر کر دینے کا نام مصوری نہیں…… سچا اور اچھا مصور تو باطن [illegible] کو مستقبل قریب و بعید کی دھند دھوپ کی دھون میں محسوس کرتا ہے [illegible] کر دے میں بچے نقش و [illegible] ہے۔

● ممتاز مفتی اور زوبی……!

ایک سچے فنکار زوبی نے ایک بڑے اور سچے قلمکار ممتاز مفتی کے پورے سر چہرے کا مجسمہ بڑی جانفشانی، فنی مہارت اور باطنی تخلیقی محسوسات کو بروئے کار لاتے ہوئے تیار کیا۔ مجسمے کی تکمیل کے دوران مفتی کو خاصا وقت ماڈل کی صورت سامنے بیٹھنا پڑا۔ دل میں اک شوق فراواں تھا دیکھیں کہ چاک مٹی سے چہرہ ممتاز مفتی کیسا دکھائی دیتا ہے؟ تصویر کھنچوانے والا یا اپنا مجسمہ بنوانے والا کیسا بھی کالا کلوٹا یا تنگ سے گزرا ہو۔ نتیجہ خوبصورت چاہتا ہے۔ مفتی صاحب پکے رنگ اور خالص دیہاتی وضع قطع اور خدوخال کے انسان تھے۔ تاہم بشری تقاضے کے تحت اُن کے دل میں بھی کہیں چھپی ہوئی خواہش تھی کہ مجسمہ خوبصورت زوبی کے زور فن کا منہ بولتا اچھوتا سا نمونہ ہو…… اب جوں جوں تکمیل کے مراحل طے ہوتے گئے تیوں تیوں مفتی صاحب کا شوق اور بے تابی بڑھتی گئی۔ آخر خدا خدا کر کے تکمیل کا دن بھی آ پہنچا…… خیال رہے کہ تصویر ہو یا مجسمہ، مکمل ہونے کے بعد ہی دکھائے جاتے ہیں۔ مجسمہ سیاہ کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا جبکہ

مُفتی جی اپنے مجسمے کے صوری نُور اور زوبی کے یگانۂ روزگار فن کے تخلیقی ظہور کو ملاحظہ کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ خدا خدا کر کے زوبی مرحوم نے پردہ اُٹھایا اور جلوہ دکھایا...... وہ تو اچھا ہوا کہ مُفتی صاحب غیر مسلح تھے ورنہ زوبی غیر طبعی طور پہ اَمر ہو جاتے۔ مُفتی صاحب کو ویسے بھی اسلحے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔ اسلحے سے کہیں بہتر کام وہ اپنی زبان کلامی سے لے لیا کرتے تھے۔ مجسمہ دیکھ کر مُفتی صاحب تو کیا کوئی بھی آنکھ عقل والا یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ یہ مجسمہ کم از کم مُفتی صاحب کا ہو سکتا ہے۔ رنگ کو تو چھوڑیئے' صاحب اور مجسمہ دونوں یکساں تھے۔ اصل خصومت تو مجسمے کے خدوخال کی خشونت اور بے ڈھبا پن تھا یعنی صاحب کے اصل چہرے سے مطابقت نہیں تھی۔ زوبی جیسے آرٹسٹ اور دوست سے کم از کم اُنہیں ایسی توقع نہیں تھی کہ وہ ان کا مجسمہ اس طور بگاڑ کر بنائے گا۔ مُفتی صاحب بڑے جُز بُز ہوئے خفا ہوتے ہوئے شکایتاً کہا۔

''یار! تم نے میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ یہ مجسمہ دیکھو اور میرا چہرہ دیکھو...... کیا میرا چہرہ ایسا ہے جیسا تم نے بنایا ہے؟''

زوبی بے چارہ صادقین کی طرح ایک درویش منش تھا...... دبے دبے لہجے میں گویا ہوا۔

''مُفتی صاحب! اصل ممتاز مُفتی یہی ہے جسے مَیں نے بنایا ہے۔''

مَیں [illegible] آواخر میں [illegible] رہ جاتے ہیں۔ بچپن' بھیروں کی طرح...... جوانی' جے جے وتی جیسی اور بڑھاپا [illegible] بھاویں ہوتے ہیں۔ اس مجسمے کو دیکھیے مُفتی صاحب کا بڑھاپا وضع کیا گیا تھا۔

مَیں شاید یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ سچا فنکار چاہے وہ کسی بھی مکتبِ فن سے ہو وہی ہے جس کی تخلیق میں تخیل' تصور اور باطنی تصوف کے ماضی حال اور مستقبل کی آگہی بدرجۂ اُتم موجود ہو۔ دریں صورت وہ دیہاڑی دار مزدور تو ہو سکتا ہے سچا فنکار نہیں......!

جدہ کی مارکیٹ میں وہ آرٹسٹ کچھ اسی نوع ہی کی تصویریں بنا رہا تھا وہ شاید ایک آدھ بار کو کسی اندرونی آنکھ سے دیکھ لیتا تھا پھر اس کی پُرکار پھرتیلی اُنگلیاں لکیریں کھینچنے میں جُت جاتی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ عجیب سی تصویر اپنے گاہک کے ہاتھ میں تھما دیتا...... اس کا کوئی مقررہ ریٹ تو تھا نہیں بھاؤ تاؤ کے جھنجھٹ میں پڑا رہتا۔ جو کچھ کوئی اس کے پنسلوں والے ڈبے میں ڈال دیتا وہ اسے آنکھ بھی نہیں دیکھتا...... مَیں کافی دیر کھڑا' تکا' اس کے کام اور اُسے دیکھتا رہا۔ یقیناً وہ سعودی نہیں تھا' پاکستانی بنگلہ دیشی بھی جان نہیں پڑتا تھا۔ شاید ہندوستانی ہو۔ اب مارکیٹ میں کہیں سے اذان کی آواز آنے لگی دیکھتے ہی دیکھتے سب لوگ دوکانیں بڑھانے لگے...... مَیں بھی اذان کی آواز کے سہارے نیچے مسجد تک چلا گیا

نماز کے بعد، مسجد سے نکل رہا تھا کہ وہی آرٹسٹ مجھے مسجد کے باہر سگریٹ سلگاتے دِکھائی دیا...... [illegible] مجھے اس سے گپ لگانے کی سُوجھی۔ دل ہی دِل دُعا مانگی کہ یہ انگریزی بول سمجھ لیتا ہو ورنہ بڑی مشکل [illegible] میں نے اس کے قریب پہنچ کر حسب عادت السلام علیکم کہا...... میری سیاہ پوشی اور حال حلیہ دیکھ کر پہلے [illegible] محتسبانہ نگاہوں سے تولتا رہا پھر سلام کا جواب دے کر انگریزی میں پوچھنے لگا۔

"ایرانی یا افغانی......؟"

"نو نو آئی ایم پاکستانی!"

وہ میری انگوٹھیوں اور گلے کی مالاؤں کو بڑی استعجاب بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے......؟"

میں جواب دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے اگلا سوال داغ دیا۔

"تم شیعہ ہو...... یا کسی خاص مسلک سے تعلق ہے؟"

میں نے پھر نو نو کی گردان سُنائی...... میں اُسے اپنی سی انگریزی میں بتانے لگا۔

"میں مسلکوں، عقیدوں سے ہٹ کر محض ایک عام سا مسلمان ہوں۔ وہ بھی [illegible] لئے کہ میری [illegible] تھے میرے [illegible]...... میرے مُرشد ملامتی رُومی...... میرے سسرالی اہل تشیع اور میرے بابا اہل سنت والجماعت [illegible] والے اور میں خود شاید ملامتی اویسی دَرویش ہوں یا نہیں ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ میں کچھ [illegible] ہوں...... ویسے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ ہونے سے کچھ نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ کیا خیال ہے؟"

مجھے نہیں پتہ کہ وہ میری اس زل گفتگو سے رچ ہوا یا زچ ہوا...... وہ دوستانہ انداز سے مسکراتے ہوئے [illegible] لگا۔

"تم خاصے پُراسرار ہو مگر دلچسپ بھی...... آؤ میرے ساتھ...... اس ملاقات کے نام دوپہر کا کھانا مل کھاتے ہیں۔"

اُس نے پاس ہی ایک ہوٹل سے کھانا بندھوایا اور کشاں کشاں مجھے ساتھ گھسیٹتا ہوا اپنی ورکشاپ کے [illegible] حصے میں پہنچ گیا۔ یہ جگہ اس کے سٹور، سٹوڈیو، سٹڈی روم کے لئے مختص تھی جبکہ باہر کے حصے میں [illegible] یعنی تصویریں بناتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے روشنی کا ایک سیلاب پھیلا دیا۔ ادھر کی ہر چیز [illegible] روشنی کی مانند واضح ہوگئی۔ اللہ اللہ! در و دیوار، ایزل، میزیں، کونے کھدرے، لپٹی کھلی، چھوٹی بڑی، اُدھوری [illegible]...... ہر جا، ہر جانب آنکھیں ہی آنکھیں...... کئی ساکت و جامد لمحے مبہوت سا میں یہ "نین کدہ" دیکھتا

رہا...... یُوں محسوس ہونے لگا میں آنکھوں کے کسی نین نستان میں چلا آیا ہوں۔ مسکراتی، گنگناتی، شرمیلی، غلافی، نرگسی...... لجاتی، خاموش، بولتی ہوئی، تولتی ہوئی، رولتی ہوئی...... سیاہ چشم، بلوری، شربتی، سبز، نیلی، کنول کٹورہ آنکھیں، غزالی آنکھیں...... غرضیکہ ہر سُو نینوں کی بہار کِھلی ہوئی تھی...... میں کبھی اِدھر اور کبھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ آنکھوں کو دیکھ رہا ہوں...... الٰہی! اتنے اور ایسے زاویئے، انداز، کیفیات، ایسے انگ، رنگ دیوانے نے کہاں سے حاصل کیئے؟! اگر یہ سب محض آنکھیں ہی ہوتیں تو میں بھی محض آنکھوں سے دیکھ مگر یہ تو کیفیتیں، حقیقتیں، رولتی کھولتی ہوئی آنکھیں تھیں...... متکلم، چشمِ ارشاد تھیں، خرد و بینش کی گتھیاں اور کھولتی ہوئیں...... وہ مجھے اِس طرح مستغرق دیکھتے ہوئے بولا۔

''دوست! یہ شغل پھر کبھی سہی، سرِ دست طعام سے نبٹ لو، ٹھیک تیس منٹ بعد میں اپنے کاروبار پہ جاؤں۔''

مُرغی، چاول، اچار اور سلاد، بے مرچ پھیکا پھٹک کھانا! ویسے بھی کام و دہن [illegible] کہیں زیادہ میں تو سے پی رہا تھا جو میرے چاروں طرف، مجھے اپنے حصار میں لیئے ہوئے تھیں...... پھیکے چاولوں کا ایک ہوئے میں [illegible] بیٹھا۔

[illegible]

یہ جاننا چاہتا ہوں کیا کوئی خاص وجہ ہے کہ تم نے جملہ اعضاء سے قطع نظر محض آنکھوں کو ہی اپنے فن کے کے لئے منتخب کیا۔ ایسی بولتی، سوچتی، ہنستی دلفریب آنکھوں سے میں پہلی مرتبہ واقف ہوا ہوں اور مجھے شدت سے احساس ہوا کہ انسانی جسم میں صرف آنکھیں ہی ایسا حصہ ہیں جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی خاموش بھی ہے اور متکلم بھی...... اور یہ کہ رُخِ زیبا کی ساری زیبائش آرائش آنکھوں کی ہی مرہونِ منت ہے۔''

وہ کھانا کھانے میں خاصی عجلت دکھا رہا تھا۔ میری یہ سنجیدہ سی بات تو جیسے اس نے سُنی اَن سُنی تھی۔ مُرغی کی ٹانگ میری جانب کھسکا کر لقمہ چباتے ہوئے بہ دقت بولا۔

''یہ وقت ایسی باتوں کے لئے مناسب نہیں۔ میری دوکانداری کا وقت ہُوا چاہتا ہے سے جلد کھانا ختم کر کے باہر پہنچ جاؤ......!''

میں دیکھتا ہی رہ گیا اور وہ ہاتھ مُنہ پونچھتا ہوا سٹوڈیو سے باہر نکل چکا تھا۔

عربوں اور بنگالیوں میں کم از کم دو قدریں مشترکہ ہیں ایک مذہب، دوسری کھانا پینا اور

[illegible] مُرغ و ماہی دونوں کا پسندیدہ کھاجا ہیں۔ بنگالیوں میں بھات کے ساتھ مُرغ کے مقابلے میں مچھلی اس [illegible] کھائی جاتی ہے کہ یہ غریب امیر کے لئے آسانی سے دستیاب ہے۔ اس کا سالن بنانے کے لئے تیل [illegible] کی بھی خاص ضرورت نہیں ہوتی۔ مچھلی واحد ایسا خوردنی لحمِ ابیض ہے جس میں قدرت نے ہر وہ [illegible] روغن' مصالحے' وٹامن' نمکیات اور دیگر حیاتینی عنصر شامل کر دیئے جن کی دوسرے گوشتوں کو پکانے [illegible] اضافی ضرورت ہوتی ہے...... اسی طرح عربوں کے لئے مچھلی کی نسبت مُرغ یا اس کے بعد بھیڑ بکری [illegible] زیادہ آسان ہے۔ دونوں کے کھانے کا انداز قریب قریب ایک سا ہی ہے۔ مُچّے کاٹ کاٹ کر مُٹھے [illegible] کر کھانا...... یہ لوگ کھاتے کم ہیں رگیدتے زیادہ ہیں۔ کھانے کے اختتام پہ دسترخوان' مُرغوں کی لڑائی [illegible] منظر پیش کرتا ہے۔ جا بجا بکھرے چاول...... اَدھ کھائی چبائی بوٹیاں ہڈیاں' روٹیوں کے ٹکڑے' اچار' [illegible] کی باقیات یہاں بھی یہی منظر تھا جبکہ ہم [illegible] کھانے [illegible] تھے مجھے دسترخوان سمیٹتے ہوئے [illegible] آ گئی...... بہر طور [illegible] کسی نہ کسی ڈھنگ سے سمیٹ سماٹ' ہاتھ منہ صاف کر کے باہر نکلنے کو ہی تھا کہ [illegible] میں اَدھ کھلے کینوس کے ایک رول پہ پڑی جو اسی نوع کے کاٹھ کباڑ کے ساتھ بڑی [illegible] سے پڑا ہوا تھا۔ اگرچہ درمیانی فاصلہ کچھ ایسا کم بھی نہ تھا پھر بھی میں اُن نرم اور [illegible] کی حدت میں [illegible] کہ وہ کینوس [illegible] پہ بنی ہوئی محض آنکھیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ آنکھیں' چاہے کسی گوشت پوست کے چہرے پہ ہوں یا [illegible] کینوس پہ آنکھیں' آنکھیں ہی رہتی ہیں۔ ان کا فسوں اور اثر انگیزی یکساں ہی ہوتی ہے۔

● نیناں رے نیناں......!

[illegible] دنوں کی بات...... ایئر پورٹ پہنچنے کے لئے میں ٹیکسی پہ سوار ہوا...... ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے کراچی [illegible] پکڑنی تھی۔ بغلی سڑک سے نکل کر مین روڈ میں کیا داخل ہوئے کہ اک مصیبت میں پھنس گئے ٹریفک [illegible] کی چال چل رہی تھی۔ گرمی' حبس' گاڑیوں اور سواروں کے مزاج اور انجن گرم...... پیں پیں پاں پاں کا [illegible] زہریلے دُھوئیں کا اخراج...... کہتے ہیں کہ جس ریاست میں عوام مہنگائی' ملاوٹ' عدمِ تحفظ و انصاف [illegible] ہوں گے...... جہاں رشوت اور اقربا پروری کا بول بالا ہوگا۔ عزتِ نفس اور شخصی آزادی چھین لی گئی [illegible] عوام الناس میں سب سے پہلے صبر و تحمل غائب ہوتا ہے۔ بے صبری' بے اعتمادی' چڑچڑا پن اور [illegible] کے ساتھ خود غرضی بھی دَر آتی ہے۔ مرکز و ملت کا تصور دُھندلا جانے کا خدشہ لاحق ہو جائے گا...... بس

ایسی ہی کیفیت یہاں اس وقت بھی تھی۔ ہر گاڑی والا چاہتا ہے کہ وہ اگلی گاڑی سے آگے نکل لے جائے مگر ہیں کہ اگلی آگے نہیں بڑھ سکتی کہ اس کے آگے بھی گاڑیاں رُکی ہوئی ہیں پھر بھی ہارن دیے جاتے ہیں۔ جیسے ہر شخص پاگل بے حس ہو گیا ہو...... ہمارے پیچھے ایک ویگن والا لگا ہوا تھا وہ کچھ زیادہ ہی [illegible] بے تاب تھا‘ ہارن پہ ہارن...... کبھی دائیں کبھی بائیں...... اس کی کوشش تھی کسی طرح وہ ہماری ٹیکسی سے آگے نکل لے...... نکل بھی لیتا تو محض ایک گاڑی کے فرق سے وہ اسی قطار میں رہتا...... پر توبہ کیجئے کہ جو اُسے [illegible] صبر آئے...... دائیں بائیں بھی گنجائش نہیں تھی کہ ہم اُسے راستہ دے کر اپنے آگے آنے دیں۔ میں نے [illegible] کڑوا تھوک باہر تھوکتے ہوئے ٹیکسی ڈرائیور کو کہا۔

”بھائی! اس بیوقوف بے صبرے کو کسی طور اپنے سے آگے نکلنے کا موقع دے دو......!“

وہ میری جانب دیکھے بغیر ہی بولا۔ ”چاہتا تو میں بھی یہی ہوں...... تین لائنیں مُنہ پیٹھ ساتھ ساتھ ملائے سرک رہی ہیں...... یہ پاگل دا پُتّر! اوپر سے فلائی کر کے ہی ہمارے آگے جا سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے نہیں......!“ بات ٹھیک تھی...... میں بھی خاموش ہو گیا۔

اسی پھنسا پھنسی میں بیس منٹ گزر گئے۔ میں نے گھڑی دیکھتے ہوئے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”[illegible] ایئر پورٹ تک پہنچ سکیں گے......“

کچھ آگے [illegible] سٹاپ کے نزدیک‘ پتہ نہیں پچھلی ویگن والے نے کیسی تگڑم لڑائی کہ وہ بائیں جانب سے ہمارے آگے آ لگا...... میں نے دیکھا کہ وہ گلی بندھی اسی رُوٹ کی ویگن تھی...... خوش رنگ نئی [illegible] پُھرتیلی...... اس کے اندر سواریاں بھی موجود تھیں جبکہ اس کے ساتھ اگلی سیٹ پہ ایک خوبصورت سی عورت [illegible] ناز و انداز سے براجمان تھی...... ڈرائیور بھی چھیل چھبیلا سا گھبرو تھا...... اس کی بے تابی‘ پُھرت پُھری کچھ تھم گئی...... ٹیکسی ڈرائیور کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اب میں نے جو ویگن کے پیچھے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ پیچھے والے پورے شیشے پہ فل [illegible] ہوا تھا۔ دو خوبصورت سی غزالی آنکھیں چلمن کے پیچھے سے جھانک رہی ہیں۔ بعد میں تو ایسی [illegible] آنکھیں قریب قریب ہر ویگن کے پیچھے دکھائی دینے لگیں...... لیکن جب میں نے دیکھیں تب یہ [illegible] امپورٹ ہو کر آئے تھے اور واقعی ایک دلکش شہکار تھے۔ ایسی مدھر نشیلی آنکھیں کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا...... چلمن کی اوٹ میں صرف آنکھیں...... سراپا انتظار آنکھیں...... جس بھی فنکار نے یہ ڈیزائن کیا تھا [illegible] تھا...... اب میں آنکھوں میں مگن! کہاں کی پھنسی ٹریفک...... وقت کی کمی...... ایئر پورٹ‘ کراچی وغیرہ......

[illegible] کسی اور جہاں میں پہنچا ہوا تھا۔

مجھے خاموش اور بے سُدھ سا پا کر ڈرائیور بولا۔ ''وہ آگے دیکھیں......!''

ایک بس فُٹ پاتھ پہ چڑھی ہوئی تھی جبکہ ایک دو موٹر کاریں بھی رگڑی گئیں تھیں...... ایمبولینس اور [illegible] گاڑیاں بھی موجود...... میں نے اُچٹتی سی نظر اُدھر دیکھا...... پھر جو اِدھر دیکھا تو آنکھوں والی ویگن کافی [illegible] نکل چکی...... کیونکہ آگے اَب ٹریفک آسان ہو چکی تھی۔ میں نے دُور ویگن کو سڑک پہ تیرتے ہوئے دیکھا [illegible] سے کہا۔

''جلدی نکلو، دیکھو ویگن کہاں سے کہاں نکل گئی ہے۔''

ڈرائیور نے جو کلّی دبائی تو ویگن کو چوبرجی کوارٹروں کے پاس جالیا۔ آنکھیں دیکھیں تو میری جان میں [illegible] آئی۔ ڈرائیور میری بدمعاشی سے بے خبر تھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ میں وقت کی تنگی کے پیشِ نظر اُسے رفتار [illegible] کا کہہ رہا ہوں۔ چوبرجی سٹاپ پہ ویگن والے نے رُکنے کا عندیہ دیا تو میں نے ڈرائیور کو ویگن کے [illegible] کے لئے کہا۔ اس شریف آدمی نے یہ سمجھا کہ میں شاید پان سگریٹ کے لئے رُکا ہوں۔ عین ویگن [illegible] ٹھہر گیا...... آنکھیں مجھ سے اب سات آٹھ فٹ ہی دُور تھیں...... ایسی قربت [illegible] ان آنکھوں [illegible] کیا۔ [illegible] ڈرائیوروں کی مانند [illegible] کی جانب اور کبھی میری جانب دیکھ رہا ہے۔ کچھ نہ سمجھتے ہوئے وہ کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ ویگن نے [illegible] اور دیکھتے ہی دیکھتے 'یہ جا وہ جا'۔ اب میں بوکھلایا ہوا ڈرائیور سے مخاطب ہوا

''یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ جلدی جلدی اس ویگن کو پکڑو۔''

وہ بے چارہ کسی روبوٹ کی طرح عمل کرتا ہوا تھوڑی دیر میں جین مندر سٹاپ پہ اس ویگن کے پیچھے [illegible]

''اس ویگن کا پیچھا مت چھوڑنا......!'' میں نے اسے حکم دیا تھا۔ وہ بے چارہ ہر سٹاپ پہ اس کے [illegible] جاتا اور میں چلمن والی آنکھوں میں ڈبکی لگا دیتا۔ سرکار موج دریا دربار کے سامنے پہنچ کر وہ ہکلایا [illegible]

''سرکار! آپ نے ایئر پورٹ جانا ہے یا اس ویگن کے پیچھے ریلوے سٹیشن؟'' ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ [illegible] باقی ہے۔

میں نے ان آنکھوں سے آنکھیں ہٹائے بغیر اسے جواب دیا۔

''کراچی کی فلائیٹ کا وقت گزر چکا ہے۔ تم صرف اور صرف اس ویگن کو فالو کرتے رہو...... ویگن

آگے اور ٹیکسی پیچھے۔ پیسوں کی فکر نہ کرنا' جو مانگو گے ملے گا۔''

پتہ نہیں وہ کیا سمجھا اور کیا نہ سمجھا مگر اتنا ضرور سمجھ گیا ہوگا...... بڈھا ٹھرکی ہے' ویگن میں فرنٹ سیٹ لڑکی کو دیکھ لیا ہے' اُسے پٹانے کی غرض سے پیچھا کر رہا...... میری بات کے جواب میں معنی خیز مسکراہٹ سے کہنے لگا۔

''فکر نہ کرو' سرکار! اب ویگن ہمارے آگے آگے ہی رہے گی۔''

واقعی پھر اس نے ویگن کو اکیلا نہیں چھوڑا۔ آنکھوں والا معاملہ تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا یہی چھوا چھوائی اور ٹیفن میٹی کھیلتے کھیلتے ہم اسٹیشن کے سامنے پہنچ گئے۔ یہاں سٹینڈ پہ ویگنیں ایک قطار میں کھڑی ہوتی ہیں اور پھر اپنی اپنی باری پہ سواریاں بھر کے نکلتی ہیں۔ میرے علم کے مطابق ٹیکسی ڈرائیور نے یہاں مجھے ٹیکسی' ویگن کے پیچھے رکھی ہوئی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے پیچھے اسی روٹ کی دو اور ویگنیں پہنچ آئیں ویگن کے پیچھے قطار میں ٹیکسی' سامان اور مجھے دیکھ کر اگلی ویگن اور پچھلی ویگنوں والے ڈرائیور' ہمارے آگئے...... اگلی ویگن والا وہ بے صبرا' صاف ستھرے کپڑوں اور چہرے مہرے والا ڈرائیور مجھے گھورتا ہوا ٹیکسی ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

''ویگن والا [illegible] بار بار [illegible]

''بابا جی! آپ شاہ نور سے میرے آگے آگے تھے پھر سمن آباد موڑ سے یہاں ویگن تک پیچھے پیچھے...... ویگن میں آپ کا کوئی بندہ تھا یا......؟''

میں کیا جواب دیتا...... ڈرائیور' کنڈیکٹر اکٹھے ہو چکے تھے۔ سچ کہے بنے اور نہ بولے جان چھوٹے...... ایسی صورتِ حال اگر کبھی پیدا ہو جائے تو میں سچ کہنے میں ہی بہتری سمجھتا ہوں اس سے مجھے کیسا ہی نقصان پہنچے...... میں نے جی کڑا کر کے اس کی ویگن کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

''بیٹا! دراصل مجھے ویگن والی خوبصورت آنکھوں نے بڑا متاثر کیا۔ بس میں بے خود ہو کر ویگن کا پیچھا کرنے پہ مجبور ہو گیا......''

وہ پہلے تو مجھے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر انتہائی تلخ لہجے میں دھاڑا۔

''بزرگو! حیا کرو' کم از کم اپنی عمر اور چٹی داڑھی ہی کا خیال کر لو۔ وہ میرے ساتھ بیٹھی ہوئی ویگن کی مالکن ہے۔ اس کا خاوند پولیس میں افسر تھا۔ ایک مقابلے میں شہید ہو گیا۔ تین بچوں کی ماں ہے اس کی مدد کے لئے رقم دی ہے۔ اس نے بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لئے ویگن ڈال لی۔ آج پہلے دن یہ ویگن روڈ پہ آئی ہے اور وہ بسم اللہ کے لئے میرے ساتھ ویگن پہ بیٹھی

بیٹی کے برابر ہے۔ بیٹیاں خوبصورت اور خوبصورت آنکھوں والی بھی ہوتی ہیں۔ کیا ماں باپ اُن کی آنکھوں پہ فریفتہ ہو کر سڑکوں پہ اُن کا پیچھا کرتے ہیں......؟"

میں اس شریف آدمی کی یہ باتیں سن رہا تھا اور مسلسل سامنے اُس چلمن والی آنکھوں کو بھی دیکھ رہا تھا۔ ان حالات میں، میں نے اپنی صفائی میں بھی کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ نظریں سامنے آنکھوں پہ جمائے ہوئے میں نے صرف اتنا کہا۔

"اللہ مجھے معاف کرے اور تم بھی مجھے معاف کر دو۔"

واپسی گھر تک سارا راستہ ٹیکسی ڈرائیور خاموش رہا اور میں بھی، کہ میں چشمِ تصور سے اُنہی چشمِ آہو کو دیکھ رہا تھا۔

چشمِ آہو، چشمِ لیلیٰ، پیاسی نظریں، دیدی دیوانی، نرگسی آنکھیں، پاگل اکھیاں، نگاہِ شوق، حسرتِ دیدار، رم جھم رم جھم...... انکھیوں کو رہنے دو انکھیوں کے آس پاس، نین [illegible]، نین جھروکے وغیرہ اسی نوع کے بے شمار الفاظ اور مصرعے آپ کو ٹرکوں، ویگنوں، رکشاؤں کے پیچھے پڑھنے کے لئے اور رنگ رنگیلی نشیلی آنکھیں دیکھنے کو ملیں گی۔ سفر کے ساتھ ساتھ ڈرائیور اور سواریوں کا [illegible] پاس ہوتا ہے۔

بات اُس آرٹسٹ کے سٹوڈیو کے ایک کونے میں بے احتیاطی سے پڑی ہوئی آنکھوں کی تصویر کی ہو رہی تھی۔ جس کی غیر معمولی کشش نے مجھے بے خود سا کر دیا اور میں باہر جانے کی بجائے اس کونے پہ پہنچ کر اس تصویر پہ جھکا ہوا تھا، یہ شاید چارکول سے بنا ہوا سکیچ تھا...... آنکھیں واضح جبکہ ماتھا اور باقی چہرہ دھندلکے میں تھا۔ یہی عمل اور برتاؤ اس کی اکثر تصاویر میں نمایاں تھا۔ لگتا تھا اُسے محض آنکھوں سے ایک تعلقِ خاص ہے، تمام چہرہ اور دیگر اعضاء اس کے لئے غیر اہم سے ہیں۔

آنکھ کی کشش اور سحر انگیزی میں جہاں بیضوی بناوٹ...... نرگسی انداز، ڈیلے کی نیلگوں سپیدی...... پتلی کی گولائی، گیرائی، نیلے، سرخ، سبز، اودے، شربتی رنگوں کا دلفریب امتزاج اور پتلی کا سیاہ مرکزی نکاؤ، نقطہ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہیں آنکھ کے کونے کی گلابی جز، ترائی، آب کی تاب، خمیدہ لانبی مژگان اور کھنچے کٹار ابروؤں کا اعجاز بھی شامل ہوتا ہے۔ یہ سب اصناف، اوصاف اور جمال حل کے سحر آفرینی اور مقناطیسی تاثر کا سبب بنتے ہیں اور یہ بھی کہ صاحبِ چشم و نظر اپنی ذات و چشمِ بچار اور احساسات میں کیسا ذکی و فصیح ہے۔ جذباتی کیفیات کس اوج اور نوع کی ہیں۔ ایسی سریت اور مقناطیسیت بُوم سانپ میں بدرجہ اتم اور

طرح کام کرتی ہے۔ حکیم حاذق کے ہاں دستِ شفاء اور ولی کی تصرف ولائت' درویش کی درود و دعا [illegible] ہے اور اگر یہ عشق و عمل راست فکر و فہامت کا متقاضی نہ ہو تو پھر بھی توانائی وتاب منفی اثرات کی حامل ہو جاتی ہے۔ بد طینت' بدقماش اور بدنصیب سفلی علم والے عامل باب' اس سے جائز و ناجائز کام لیتے ہیں۔ معمول کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہپناٹائز کے عمل سے اس کے دماغ کو سُن کر دینے کے بعد اس کی مثبت سوچ و خیالات اور ارادوں کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ابلیسی استعانت سے ایسی پُراثر اور ہولناک ہوتی ہیں کہ مقابل کے دل میں ایک ہیبت اور خوف بیٹھ جاتا ہے۔ اس کا لاشعور اور شعور اس کی شیطانی اسراریت کے زیر اثر آ جاتا ہے اور پھر یہ معمول وہی سوچتا' چاہتا اور کرتا ہے جو یہ شیطان کا چیلا اس سے چاہتا ہے۔ نظر بندی' جادو' شعبدہ گری اور کالے علم کے اکثر و بیشتر مظاہرات اسی آنکھ کی قوت کے مرہون منت ہوتے ہیں۔ نظر کا لگنا' لرزنا' خوف زدہ ہونا' ہذیان بکنا وغیرہ بھی اسی کا شاخسانہ ہیں۔

اس خود بینی یا خود عکسی کے علاوہ اور بھی جو ظاہری ترتیبی عمل یا ریاضت ہوتی ہے وہ بھی بیشتر بصری یا ذہنی ہوتی ہے...... مثلاً نقطہ بینی' شمع بینی' سایہ بینی' آفتاب و ماہتاب بینی' گرہن بینی' طلوع و غروب وغیرہ...... اسی طرح آتش اور قلزم بینی بھی ہوتی ہے...... [illegible] عمل و اوراف محض آنکھوں کی روحانی [illegible] بڑھانے اور [illegible] ظاہری [illegible] مقاصد کے [illegible] استعمال کرتا ہے تو یہ اس کا ذاتی مذموم فعل ہے...... بالکل ایسے ہی جیسے کھانا پکانے کے لئے جلائی جانے والی آگ اٹھا کر کوئی کسی کے دامن یا آشیانے پہ پھینک دے یا چھری ترکاری کاٹنے والی سے کسی کا پیٹ پھاڑ دیا جائے۔

اسی آنکھ کی روحانی یا شیطانی قوت سے بڑے بڑے محیر العقول کارنامے منظرِ شہود پہ آتے ہیں۔ جس طرح یہ روحانی اور ابلیسی بصریت ہوتی ہے بالکل ایسے ہی روحانی تکلم اور شیطانی تکلم بھی ہوتے ہیں جسے ٹیلی پیتھی کہتے ہیں...... خیر و شر کی یہ قوت و تعلیم بھی دریں پردہ ظاہری و باطنی بصریت سے مربوط ہے۔ دیکھیں اور غور کریں تو کھلتا ہے کہ آنکھوں کے سارے ڈانڈے سوتے' کہیں پیچھے دماغ و اذہان سے منسلک ہیں جو ایک دوسرے کے سہارے وسیلے سے مختلف رویے اختیار کرتے ہیں۔

میں نے اپنی بے کار زندگی میں بصری اور تکلمی قوتوں کے بڑے بڑے اسرار مشاہدہ کیے ہیں۔ جانے...... روزِ آفرینش سے لمحہ موجود تک' نہ جانے کتنے عامل' عالم' ساحر اور شعبدہ باز ہو گزرے ہیں جنہوں نے اپنی ان خداداد اور خودداد صلاحیتوں سے بڑے بڑے کارہائے نیک و بد انجام دیے اور انسانوں' سلطنتوں' خطوں کی تقدیریں اور تدبیریں بدل کر رکھ دیں۔ اللہ کے خاص بندوں' ولیوں' قطبوں کے

مرؓ و علیؓ، بلالؓ، بہلولؒ و بایزیدؒ، جنیدؒ و رومیؒ...... عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ اور داتا گنج بخشؒ، کا تصرف بن گئیں۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں نے اپنی نگاہوں اور مثبت سوچوں فکروں سے گمراہی اور میں بھٹکے انسانوں کی تقدیریں بدل دیں اور جب یہ طاقتیں اور علوم و اسرار طاغوتی چیلوں کے ہاتھ لگے ہامان، شداد، نمرود...... فرعون کے جادوگر، اہلِ یہود کے ساحر...... ٹکلے ٹوکری نجومی، دو نمبر عامل و پیر، غیب کا حال بتانے والے بابے۔ جنات، موکلات، ہمزادوں سے کام نکلوانے والے، خاندانی راسپوتین صفات والے شاہ، میاں، پیر اور پیرزادے بن جاتے ہیں۔ بڑے بڑے دعوے والے جادوگر، شعبدہ باز، نظر بند بھی ایسی ہی منفی قوتوں کے عامل ہوتے ہیں۔ مگر ان میں بعض محض ت کی خاطر یہ علوم سیکھے ہوئے ہوتے ہیں اُن کا مقصد کسی کو نقصان پہنچانا نہیں ہوتا...... وہ ان وقتی دلچسپی اور سنسنی کی خاطر استعمال کرتے ہیں۔

بہت سے حال، ماضیٔ قریب اور ماضیٔ بعید کے ایسے صاحبانِ تصرف علمائے علومِ مخفی و سری کو کے ہاں یہ پُر اسرار علم محض جاننے اور یا پھر انسانیت کی فلاح و بہبود کی حد تک [illegible] ہے۔ وہ ان مقصد کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ سمجھتے [illegible] کے ساتھ ساتھ [illegible] دسترس اور [illegible] جو جادوگری، م اور شعبدہ گری میں بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ میں یورپ کے ایک دو ایسے کلبوں سوسائٹیوں کا ممبر بھی رہا جن کے ممبران کے لیے کسی نہ کسی خفتہ و نہفتہ یا مابعد الفطرت علوم سے ضروری ٹھہرتا ہے اور وہ متعلقہ علوم کے ماہرین میں سے بھی ہوں۔

یوں تو پورا ہندوستان ہی مگر خاص طور پہ ممبئی، بنارس، کولکتہ، مدراس، جے پور، جودھ پور اور ہری دوار رار علوم جاننے والوں جادوگروں، سادھوں سپیروں کے گڑھ ہیں۔ ہندومت میں سادھو، سنیاسی، دیوی دیوتاؤں، اپسراؤں، بھوت پریت، نساچروں پہ بڑا اعتقاد کیا جاتا ہے جبکہ پنڈتوں، جوتشیوں، سپیروں جوگیوں، جادوگروں کی بڑی عزت و توقیر کی جاتی ہے۔ ہندومت کے پُرانے پُران، پتر، دھارمک کہانیوں اور ماورائے عقل و فطرت کتھاؤں سے بھری پڑی ہیں۔ جہاں دھارمک، ناٹک، قصوں کہانیوں پہ مبنی ہوتے ہیں پیش کیئے جاتے ہیں اور کچھ تھیٹر محض جادوگری، نظر بندی اور کے مظاہروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہندوستان ہمیشہ سے انہی جادوئی کھیل تماشوں، جوگیوں جادوگروں، سانپوں، حسین و جمیل دیوداسیوں، مصالحہ جات اور جنگلوں، مندروں بندروں کی

بناء پہ اِک مخصوص شہرت واہمیت کا حامل رہا ہے...... خاص طور پہ ہندوستانی ناری کا تصور ہی دوسری [illegible] میں سانولی سلونی سی رنگت' دراز گھنیری مشکیں زلفوں' چھریرا بدن اور سیاہ خمدار پلکن والے کٹار نینوں سے [illegible] اُبھرتا ہے۔

اسلام ایسے تمام علوم وفنون کی نفی کرتا ہے۔ جو دینی عقائد اور انسانیت کی سلامتی کے خلاف ہوں [illegible] محض تضیع اَوقات کی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ علوم 'علوم نافع کے نقیض ہیں...... مگر ہاں ایک آدھ صورت [illegible] ان علوم کا حصول اگر محض جاننے یا سمجھنے کی حد تک طے ہو اور مقصد ان کا اِنسداد کرنا...... ان کی حقیقت سامنے لانا اور ان کا توڑ تلاش کرنا ہے تو پھر ان کا جاننا کسی حد تک روا ہو سکتا ہے۔ جیسے اگر کوئی شخص منشیات استعمال نہیں کرتا مگر وہ ادارۂ انسدادِ منشیات کے افعال و کردار سے واقف ہوتا ہے' اصل نقل کی پہچان کے علاوہ وہ اس [illegible] ہو کہ اس کے مُضمرات اور مضرات کا کوئی توڑ بھی تلاش کر سکے۔ قانون کے محافظ اگر قانون شکنوں سے کچھ زیادہ' ان کی وارداتوں کو نہ جانتے ہوں تو وہ کچھ بہتر انداز میں اپنے فرائض کو انجام دے نہیں پائیں گے۔ سیر کسی سوا سیر کے آگے' نہلا کسی دہلے کے آگے...... لکڑ بھگا کسی ببر شیر کے آگے اور سامری و فرعون موسٰے کے آگے ہی ڈھیر ہوتے ہیں۔

جا [illegible] تحلیلِ نفسی [illegible] وغیرہ کچھ برحق اور چند بے حق علوم ہیں۔ ان کا اِقرار ضروری نہیں مگر انکار بھی ممکن نہیں...... [illegible] رحمٰن الرحیم کے ساتھ شیطان الرجیم کا تصور بھی موجود ہے...... دونوں سے اِنکار ممکن نہیں...... [illegible] چنگل سے نکلنے اور اس کی ترغیبات و وسواس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے اگر قرآنی آیات اور مسنون دعائیں پڑھنی چاہئیں' وہیں ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ شیطان مردود اپنے کن حربوں اور ہتھکنڈوں کو بروئے لا کر ہمیں ورغلاتا ہے...... اگر ہمارے پاس یہ علم نہیں تو ہمارا وہی حشر ہو سکتا ہے جو ایک بزعم خود عابد [illegible] لکیر کے فقیر مولانا صاحب کا ہوا تھا......!

● ابلیس اپنے چیلوں کے ساتھ......!

شیطان الرجیم اپنی ایک ترقیّ ورک شاپ میں اپنے چیلے چانٹوں کو لیکچر دے رہا تھا۔ اپنے [illegible] خطاب کے بعد آخر میں تاکید مکرّر کے طور پر ایک خاص نکتے پہ زور دیتے ہوئے کہنے لگا...... میرے [illegible] ماننے والو ابلیسی چیلو! میرے اس حکم اور ہدائت کو مضبوطی سے پلّے باندھ لو کہ کبھی کسی عالم کو ورغلانے [illegible]

نہ کرنا۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کیا تو وہ اپنے الہیاتی علم کے نُور سے تمہیں جلا کر خاکستر کر دے
کے برعکس تم عام لوگوں' نام نہاد عالموں' جمعراتی مولویوں' ختم مولودی حفاظ قاریوں اور نمبر بنانے
چیلوں کو خوب چکمہ دے سکتے ہو...... اس گھمبیر نکتے پہ آپس میں خوب سوال و جواب ہوئے۔ لیکن
محسوس ہوا کہ اس کے شاگرد اس نکتے کو کما حقہٗ سمجھ نہیں پائے۔ اس نے مجلس برخاست کرتے
دیا...... تم سب سٹوڈنٹ میرے ساتھ چلو میں تمہیں کچھ پریکٹیکل کرواتا ہوں۔

سب چیلوں کے فرشتوں سے حُلیے بنوائے اور خود ایک برگزیدہ اعلیٰ ذات کا رہبر فرشتہ بن کر وہ شہر
مشہور نیک نام و نمود مولوی صاحب کے حُجرہ کے دروازے پہ دستک دے رہا تھا...... آدھی رات پیچھے
گے' مولوی صاحب تہجد کی نیت کیے مولوانی کے پہلو میں آسودۂ استراحت تھے...... دروازہ کھٹکنے
ہوئے...... سوچنے لگے اس وقت کون ہو؟ پھر ذہن میں آیا کہ علاقے کے مولوی' دائی اور پولیس کے
کوئی بھی کسی وقت بھی پہنچ سکتا ہے۔ بادلِ نخواستہ اُٹھے' ستر ڈھانپتے ہوئے دروازے تک آئے
پوچھا۔ کون؟...... جواب میں بڑی گہری نستعلیق نورانی سی ''السلام علیکم'' کی لہراتی ہوئی
لہرائی...... سوچا کہ الٰہی! ایسی پُر اثر باوقار آواز......؟

[illegible]

''اعلیٰ حضرت کون؟...... اس وقت زحمت فرمائی...... آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟''

جواب میں [illegible] آفاقی سا آہنگ' پُر اسرار سا لہجہ......!

''مولانا اللہ وسایا صاحب! دروازہ وا کیجئے...... آپ کی مناجاتیں سُنی گئیں' دعائیں اور التجائیں
ہوئیں...... ہاتھ بڑھا کر کنڈا کھولیے' قبولیت کا وقت کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔''

اک عجیب سرمدی سی سرشاری سے دروازہ کھول دیا...... سامنے نُورانی چہرے' ملکوتی خدوخال'
دھند دھند پیرہن و پر والے فرشتہ نفس کھڑے ہیں...... جلو میں دُور تک ملکوتی انفاس' ہاتھ باندھے
استادہ ہیں...... نصف شب کے اندھیرے میں اک عجیب سی روشنی پھیلی ہوئی تھی...... جبکہ اجنبی سی
مشامِ جان میں اک تازگی سی لہرا سی گئی تھی۔ لعین مردود جو سرکردہ فرشتے کا رُوپ دھارے ہوئے
کورنش بجا لا کر گویا ہوا۔

''مولانا اللہ وسایا صاحب! آپ کو مُبارک ہو...... ساکنانِ آسماں کی جانب سے آپ کو سلام
ہو کہ آپ کی شبانہ روز کی نمازیں' عبادتیں' ختم شریف' مولود شریف' نکاح' جنازے اور مسجد میں
طمع لالچ سے پاک اور اخلاق و اخلاص سے بھرپور زندگی کے پیشِ نظر بلکہ متاثر ہو کر اللہ تعالیٰ

نے آج کی رات آپ کو عرش پہ مدعو کیا ہے...... میں جبرئیل ہوں جو خصوصی طور پہ آپ کو پورے پروٹوکول کے ساتھ لے جانے کی خاطر، ستر ہزار قدسیوں کے ہمراہ حاضر ہوا ہوں۔ لہٰذا آپ فوراً لباس تبدیل فرما کر تیار ہو جائیں کہ وہ سامنے والے پہاڑ پہ آسمانی سواری آپ کی راہ دیکھ رہی ہے۔''

بِن سوچے سمجھے کہ جبرئیل اب زمین پہ اُتر سکتے ہیں یا نہیں، وہ نام نہاد، بے علم و عقل مولوی فوراً خوشی خوشی تیار ہو گیا۔ اُلٹا سیدھا لباس تبدیل کیا اور ساتھ چل دیا...... پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ کر شیطان نے دھکا دے کر دوسری طرف گرا دیا...... اِس کے بعد شیطان اپنے ٹولے کے ساتھ اِک صاحبِ بصیرت عالم کے ہاں پہنچا جو دین و دُنیا کے چیدہ چیدہ عُلوم سے بہرہ ور ہی نہیں بلکہ چند ایسے عُلوم بھی جانتا تھا جو مروّجہ نہیں تھے۔ یہ علوم اُس نے بہیمیت، طاغوتیت اور شر و شدیدیت سے برأت کے لئے سیکھ رکھے تھے۔ شیطان نے وہی کچھ یہاں بھی دُہرایا...... اس صاحبِ علم و عقل نے تمام بات سُنی اور لباس کی تبدیلی کا کہہ کر اندر چلا گیا...... کچھ دیر بعد واپس پلٹا تو اس کے ہاتھ میں لوہے کے کیلوں سے جڑا ایک مضبوط سا ڈنڈا تھا۔ آتے ہی اُس نے لاحول ولا قوۃ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے شیطان کی دُھنائی شروع کر دی...... چار چوٹ کی مار کھا کر شیطان اپنے چیلوں کے ساتھ تو دو گیارہ ہو گیا۔

[illegible]

''میرے پیارے شاگردو! تم نے دیکھ لیا کہ علم کیا ہوتا ہے؟ اس نام نہاد عقل و علم سے بیگانے مولوی کا علم محض فروعی اور نصابی کتابی سا تھا۔ یہ لکیر کا فقیر مولوی ٹھہرے ہوئے گدلے اتھلے کائی کھائے پانی کی مانند تھا، ایسے پانی میں مینڈک تو ہو سکتے ہیں مگر مچھلی نہیں ہوتی۔ جوہڑوں کے ہاں جھنجھناہٹ اور مینڈکوں کے ہاں محض ٹرٹراہٹ ہوتی ہے، مچھلی کی مانند کارآمد قیمتی وُجود نہیں ہوتا۔ تمہارا آسان شکار ایسے تھوڑ علمے لوگ ہیں۔ یاد رکھو علم عمل والوں کے قریب مت پھٹکنا، یہ تمہارے چُنگل میں نہیں پھنسیں گے۔

بات، قوتِ باصرہ کی ہو رہی تھی جو آنت کی طرح بڑھتے بڑھتے پتہ نہیں کہاں سے کہاں تک آ گئی ہے۔ سر کا پتہ نہ پاؤں کی خبر...... خامۂ بے خبر و خیر کیا کیا بے برگ و گلیم گُل کھلاتا ہے...... دس میں سے پانچ ظاہری حسّوں میں باصرہ پہلے درجہ پہ ہے۔ باصرہ، سامعہ، شامہ، لامسہ اور ذائقہ۔ باقی پانچ باطنی حسّوں میں سمجھ، فہم، ہوش اور اَوسان...... یہاں عقل اَولیٰ ہے۔ حسّی اور اعصابی طور پہ پورا انسانی جسمانی نظام انہی حسّوں پہ انحصار کرتا ہے۔ خواہ وہ جذبات ہوں یا خیالات...... سوچ ہو یا کوئی سُوجھ...... جنسیت ہو یا روحانیت، سارے اَچھے بُرے رویّے انہی دس عدد حسیات کے مرہونِ منّت ہیں۔ اگر یہ حسّیں توانا اور راست

[illegible] انسان اپنی ذات سے آگے دیگر انسانیت کے لیے بھی بہت سی کارہائے خیر سرانجام دے سکتا ہے۔ [illegible] جسیاتی اور اعصابی صلاحیتیں جبری اور خفی بھی ہوتی ہیں...... وہبی، وصفی، وقوعی اور وقتی بھی...... ان پہ آمد [illegible] بھی آتی جاتی رہتی ہے۔ انہیں حد درجہ دبایا اور بے حساب انگیخت بھی کیا جا سکتا ہے۔ پس یہ کہنا مقصود [illegible] علوم نوری و نافع، معقول و منقول...... علوی، ارضی یا آفاقی سماوی ہو، سب انہی جسیاتی قوتوں کی ماہرانہ [illegible] تجسس سے دائرۂ ادراک میں آتے ہیں۔ عالمانِ عالم خواہ کسی بھی مکتب و منصب سے منسلک تھے ان [illegible] یہ جسیاتی صلاحیتیں بدرجۂ اتم پائی گئیں۔ مدعیان ہمہ دانی، ماہرینِ طبیعات، عالمانِ مسمریزم، فیلسوف [illegible] جسیاتی قوتوں کو علمِ ظاہری و باطنی کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ سارا تحلیلِ نفسی، مدرکات، معقولات، [illegible] متخیلات اور موہومات کا کمال ہے کہ آپ ایسے خارق العادات اور مافوق الفطرت کارنامے سرانجام [illegible] ہیں کہ دیکھنے والے کی آنکھیں حیرت سے پھیل جاتی ہیں وہ آپ کو جادوگر سمجھنے لگتا ہے جبکہ یہ سارا تماشا [illegible] جسیاتی کمال ہوتا ہے...... قوتِ متخیلہ، تحلیلِ نفسی اور تزکیۂ نفس کی حرکت سے بڑے محیر العقول مناظر دکھائے [illegible] ہیں۔ یونانیوں، سمیریوں، بابلیوں، کلدانیوں کے علاوہ ہندوستانیوں میں اس نوع کے بڑے بڑے [illegible] گزرے ہیں۔ فارس، حضر موت، مائن، سبا، قطبان، [illegible]، بغداد و بصرہ کے [illegible] ستان اور [illegible] اولیا [illegible] اور درویشوں [illegible] ظاہری باطنی صلاحیتوں کو انسانی، دینی، اخلاقی بہبود و احیاء کے لیے استعمال کیا۔ جو منصب طاقت، [illegible] علم و دانش، ریاست و حکومت، بنی نوع انسان اور اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ و اعلیٰ مخلوق کے لیے آسودگیاں، [illegible] انصاف، تحفظ، عزتِ نفس [illegible] نہ کر سکے وہ بلاشبہ طاغوتی، فسق اور [illegible] ہے۔

پُراسرار یا مخفی علوم کی ذیل میں محض وہی علوم نہیں آتے جو محیر العقول یا مابعد الطبیعات کے زمرے [illegible] آتے ہوں بلکہ علم و عقل و عمل کی اس زنبیل میں سے عیاں ہونے والی ہر علمی فنی تحقیق و کاوش شروع شروع [illegible] میں پُراسرار و اہم ہوتی ہے۔

● یہ تیرے پُراسرار بندے......!

اولیاء کا معنی اللہ کا دوست بھی ہے اور یہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اولیائے ظاہرین اور اولیائے [illegible] ہیں۔ آگے ان کی بارہ درجات میں تقسیم ہے جیسے قطب، غوث، امامان، اوتاد، ابدال اور اخیار...... ابرار، [illegible] محمد، مکتومان اور مفردان۔ اولیائے مستورین، ظاہر ہے کہ اپنے مقام و درجہ میں مستور ہوتے ہیں......

سوا حق تعالیٰ اور چند مخصوص نفوس کے اور کوئی اُن کے مقام وحد سے آگاہ نہیں ہوتا...... اور اگر کسی بھی طرح ظاہر ہو جائیں تو پھر اللہ کی ذات اُنھیں پردہ دے دیتی ہے۔ اَب رہے اَولیائے ظاہرین...... یہ اللہ کے مخصوص بندے اپنے مقام و درجات کے ساتھ اپنی اپنی ڈیوٹیوں پہ بیٹھے ہوتے ہیں...... یہ جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ ان کی مصروفیات، اَولیائے مستورین سے عملی طور پہ مختلف سطح کی ہوتی ہیں اور یہ اللہ کی مخلوق سے کنارہ کشی بھی نہیں کرتے...... دینی شرعی اشغال، اکلِ حلال کی تکمیل و حصول کے ساتھ ساتھ وہ پوری تندہی اور توجہ سے خدا کی مخلوق کی خدمت میں جُتے رہتے ہیں۔ البتہ ان کی خدمت اور ہمدردی کے طور طریق قدرے مختلف ہوتے ہیں...... ہواؤں میں ہوا، پانی میں پانی، آگ میں آگ اور مٹی کے ساتھ مٹی...... مخلوقِ خدا کی خدمت، کفش برداری اور خاک نشینی ان کا وطیرہ ہوتا ہے۔ اِن کی زبانِ فیض ترجمان سے محبت، اُخوت، سلامتی اور راستی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور نگاہ برقِ عالم سوز بھی...... یہی نگاہ ظہورِ تجلی آموز بھی یہ عالمِ مثال میں بے مثال اور [illegible] گرہوں کے چارہ ساز ہوتے ہیں...... یہ علامۂ دہر، رجلِ رشید، فردِ وحید، فقیرِ کامل، [illegible]، رِشی، مُنی، [illegible] جوگی، بھگت، گیانی، دھیانی، برہمچاری وغیرہ انہی کے آگے اپنی اپنی راہوں پہ لگے ہوئے کرم کرتے ہوتے ہیں...... سائنسدان، حکیم، کیمیا دان، ادیب، شاعر، [illegible] سازگر، گویّے، رقاص، [illegible] اور عالمانِ علوم [illegible] بڑے ہوتے ہیں...... اور عہدِ قدیم سے بڑے بڑے حکمت و ہیئت، [illegible]، ریاضی، منطق و موسیقی دانوں، فلاسفروں اور اَرضیات و افلاکیات کے عالموں کو بھی پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے مقام پہ علامۂ دہر تھا...... کون سا معقول اور منقول، ظاہری باطنی علم جس میں وہ یکتائے روزگار نہیں تھے [illegible] ان کی نظر میں [illegible] تھے۔ اوپر بروج و سیارے [illegible] میں۔ اَرض و سما کی گردشیں اُن کے ہالۂ بازو میں، پاتال کے پیندے میں پڑا ہوا پیپل کا پتہ، اُن کے [illegible] ہوتا...... ہواؤں فضاؤں کی سسکیاں، اُن کی بغلوں سے اُبھرتی تھیں...... ہاں! وہ نابغۂ روزگار ہستیاں جابر بن حیان، بوعلی سینا، محمد بن ذکریا رازی، ابن الہیثم، البیرونی، عمر خیام، سعدی، رومی، رازی، حافظ، [illegible] کندی، ابن سینا، ابن رشد، فارابی وغیرہ سے آگے دائیں اور بائیں دیکھیں...... افلاطون، ارسطو، بقراط، [illegible] ہرقلیطاس، لیوطائی، پاسچر، کوپرنیکس، نطشے، گلیلیو، ڈیمقراطیس اور تاؤ...... اب لیو ٹالسٹائی، گوئٹے، سمرسٹ ماہم، پکاسو، آسکر وائیلڈ، ملٹن، برنارڈ شاہ، فرائیڈ، سارتر، رابندر ناتھ ٹیگور، ڈاکٹر محمد اقبال کہ جن [illegible] واصول، کلیے قاعدے، شاعری، فلاسفی، نظریات، کردار، زندگی، تصوّف، ادب سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ اَفکار و خیالات میں صالحیت پیدا کرنا سکھاتے ہیں، ظاہری و باطنی وجود اور مادی، روحانی اور علمی ترقی [illegible] کے ساتھ زندگی کا مقصد مکمل کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ جبکہ اپنے دین و مذہب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ

[illegible] عصری تعلیم و تربیت بھی اَز بس ضروری ہے۔

علمِ اَسماءُ اللہ سُبحانہٗ کی جانب سے اِنسان کو بخشی ہوئی وہ نعمت ہے جو فرشتوں اور جنوں کو بھی نہیں [illegible] (چند ایک جو مُستثنیٰ ٹھہرے) تمام اَرضی و سماوی عُلوم علمِ اَسماء سے ہی باہم مَربُوط و مُتشکّل ہوئے بعداً [illegible] معارف و مفہوم پردۂ اَخفاء سے نکل کر معرضِ فہم و ادراک اور بیان و ارشاد تک پہنچے پھر آسمانی صحیفوں کے [illegible] خصوصاً فرقان الحمید کے وسیلہ جلیلہ سے بالالتزام و اہتمام اِس کے ثمرات اِنسان تک پہنچائے گئے۔

[illegible] رسائی عہدِ عتیق کے عہد ناموں' صحیفوں اور آخری کتاب' کتابِ مُبین تک آسمانیوں کے ساتھ ہو [illegible] جاننا ہوگا کہ ربِّ کریم نے اس عالمِ رنگ و بو' جہانِ کارزار' کائنات کُن فیکون میں جو کچھ بھی تخلیق [illegible] اپنے پیارے محبوب محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ ہی تو ہے جو آدم اور اس کی اولاد کے [illegible] رحمت و برکت کا موجب بنا۔ علمِ الٰہیت اور علومِ ارض و سما جیسے علوم وحی' القاء' رؤیائے صادقہ اور علمِ اسماء [illegible] سے عطا فرمائے' آسمانی صحیفے اُتارے' تجسس اور غور و فکر کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ حضرتِ اِنسان خود کو [illegible] اپنے خالق کو پہچان سکے۔

ربِّ [illegible] حکمت و عظمت نے جسے چاہا اسے علوم [illegible] بھی رُوشناس فرما دیا اور [illegible] ایسے ایسے [illegible] وقتوں [illegible] دُنیا کی تاریخ [illegible] سلطنتوں کے [illegible] زوال کی کہانیوں' اور اساطیر سے معلوم ہوا کہ اِنسان ہر دور میں ظاہری اور باطنی علوم و فنون جاننے' [illegible] جستجو میں سرگرداں رہا۔ ظاہر ہے کہ ظاہری عُلوم سے اس نے کمال درجہ ترقی کی [illegible] بڑے بڑے اعلیٰ ترین [illegible] حاصل کیے...... زمینوں' آسمانوں' سمندروں کو مسخر کیا...... ستاروں پہ کمندیں ڈالیں...... نئے نئے جہان [illegible] کیے...... بے شمار سُود مند اور تباہ کُن ایجادیں کیں...... غرضیکہ اپنی علمی' فنی اور اختراعی عُروج کی اِنتہا تک [illegible] مگر ہم اِن ظاہری عُلوم کی فتحمندی اور خاطر خواہ ثمرات سے بھی اس کی علمی تجسسانہ تشنگی بُجھ نہ سکی۔ یہ باطنی [illegible] ظاہری علوم سے بدرجہا قوت خیز' سریع الاثر اور حیرت انگیز ہوتے ہیں۔ اِنسان کسی نہ کسی طور ان سے [illegible] حاصل کرنے کی جستجو میں جُتا رہا۔ جو چیز جتنی کمیاب' مُخفی اور پُراسرار ہوتی ہے وہ اتنی ہی قیمتی اور [illegible] جاتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ دُنیا کے ہر دور میں ماورائے عقل و طبیعات کے عُلوم کے ماہرین اور [illegible] بڑی پُراسراری حیثیت و شخصیت کے حامل رہے۔ طاغوتی سِفلی عُلوم کے مقلدین کی نجاست ایک [illegible] علوم صحیحہ و ثقہ کی نجابت کے امین بھی اکثر شکوک بھری نظروں سے دیکھے گئے۔ میرے اپنے ایک ایسی [illegible] جو دیکھتے ہی پہچان لیتی ہے کہ یہ دائیں بازو والا ہے یا کہ بائیں والا۔ مٹی کے تیل کی بُو اور چنبیلی کے [illegible] خوشبو کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ میرے نصیب کہہ لیں یا محض حُسنِ اتفاق کہ مغربی ممالک کے علاوہ ایشیا

کے بیشتر ممالک کے بیشتر ماہرینِ سفلی و عُلوی عُلوم سے میری کسی نہ کسی طور جُڑت رہی۔ مجھے نہ صرف [illegible] دیکھنے ملنے کا موقع ہی ملا بلکہ اُن کا چیدہ چیدہ کام بھی قریب و دُور سے ملاحظہ کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ کئی ایک سے دوستانہ مراسم بھی ٹھہرے...... اِن مختلف نسل و مذاہب ماہرین میں مقامی ملکی بھی ہیں اور غیر ملکی بھی...... دیندار اور لادین بھی...... انتہائی پڑھے لکھے' پُروقار اور والا اِعتبار بھی اور بے حد جاہل' مکروہ [illegible] گھٹیا اَفراد بھی اور بہت سے یوں بھی کہ وہ محض یہ علوم ذاتی دلچسپی اور شوق کی بناء پہ سیکھے ہوئے ہیں—— [illegible] قبیل کے زیادہ تر لوگوں کا یہ پیشہ ہے۔ ان میں بین الاقوامی شہرت یافتہ بڑے بڑے جادوگر' شعبدہ باز [illegible] اور جو یورپ اور اَمریکہ' کینیڈا کے بڑے بڑے عالیشان میجک تھیٹروں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں اِسی نوع کے کھیل تماشوں کے لئے مخصوص ہیں۔ مخصوص اِس لئے کہ جادو' نظری بندی اور شعبدہ [illegible] پیشکاری کے لئے بڑی پیچیدہ اور مخفی میکانکی اِستعمالوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ بیشتر جادو شعبدہ [illegible] کھیل تو سو فیصد میکانیاتی' برقیاتی' سائنسیاتی اور فطرتی اُصولوں' بوقلمونیوں' انداز استعمال اور سُرعت [illegible] کے مظاہر ہوتے ہیں۔ شعبدہ باز' جادوگر کا یہی کمال و فن ہوتا ہے کہ وہ اپنی شخصی پُراسراریت' [illegible] اور اپنے آہنگ و لہجہ کی پُراثر لہروں سے ایک ایسا پُراسرار ماحول پیدا کر دیتا ہے کہ ناظرین یا سامعین [illegible] سے ہو کر [illegible] حرکات و سکنات' آنکھوں کی تسخیری قوت' روشنی سایوں کی ساجھ اور مخصوص لمحوں کے باج [illegible] کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ وہ اکیلا جو چاہتا ہے وہ سینکڑوں ہزاروں کو دکھا سکتا ہے۔ [illegible] نظر بندی' شعبدہ گری' موسیقی' [illegible] اور محبت وغیرہ زیادہ تر ماحول پیدا کرنے کا کام ہے۔ میں [illegible] فنون و کمالات کے ایسے ایسے کام دیکھے ہیں کہ اگر میں راسخ العقیدہ مسلمان نہ ہوتا تو ان کارناموں پہ [illegible] لیتا۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے تمام جادو کے کھیل کرتب محض استدراج کی ذیل میں آتے ہیں...... مسلمان [illegible] سے اگر ماورائے فہم و فطرت کوئی کرامت و تصرف ظاہر ہو جائے تو وہ اللہ کریم کی جانب سے ہے۔ [illegible] کوئی حرکت غیر مُسلم سے ظہور پذیر ہو جائے تو وہ استدراج ہے جس کا وسیلہ شیطان مردود ہوتا ہے۔

● عہدِ قریب و بعید کے حکیم مخشب' شدّاد اور سامری......!

دورِ حاضر کا مشہور و معروف امریکن جادوگر ڈیوڈ کوپرفیلڈ اپنے منفرد جادوئی کمالات کی [illegible] وہ کوئی پُرانے انداز اور حلیہ کا بورژوا قسم کا جادوگر نہیں۔ بلکہ عہدِ جدید کا ایک خوبرو پڑھا لکھا ماڈرن [illegible]

براڈوے پیرس کے شانزے لے سے ماسکو، ٹرانٹو، سڈنی، میونخ، جوہانسبرگ، روم اور برسلز تک اس کے فن [illegible] کا ڈنکا بجتا تھا۔ اسی طرح روس کا سلیمان باکوف، ترکی کا رحیم راپاشا، مصری جادوگر آذر مصری، ہندوستان [illegible] گوگیا پاشا، کولکتہ کا راجندر نرائن بھاٹیہ، برطانیہ کا میجک ماسٹر جے این میکلین جبکہ ازمنہ قریب کے [illegible] جادوگروں شعبدہ بازوں میں ہیرو ناٹمس، رابرٹ ہوڈین، جین ہوجین کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ [illegible] جادوگر جو ہاف مین کے نام سے مشہور تھا بڑی حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل تھا...... شکر دوپہرے برسات [illegible] دیتا تھا۔ لوہے کی سلاخوں کو گڑ کی گزک کی مانند چبا کھا جاتا۔ وہ اپنی گاڑی کی ٹینکی پٹرول کی بجائے پانی سے بھرتا تھا...... دہکتے انگاروں اور آبِ شور سے ناشتہ...... ظہرانہ اور عصرانہ ہمیشہ بیرنگ کی آہنی گولیوں کی [illegible] کروڈ آئل کا سوپ، کاپر کے آدھے انچ موٹے پتروں کے ٹوسٹ استعمال کرتا۔ اس کے پسندیدہ مشروب پٹرول، ڈیزل، گندھک اور نمک کا تیزاب تھے...... وہ تو کیلے کانٹوں اور کیلوں کے آرام دہ بستر پہ سوتا تھا۔ حیف کہ زندگی بھر وہ کبھی علیل نہیں ہوا...... کسی ڈاکٹر حکیم یا ہسپتال سے وہ واقف نہ تھا۔ اس کی موت بھی عجیب وغریب حالات میں واقع ہوئی۔ وہ چیکوسلواکیہ میں ایک سٹیج پروگرام کے وقفہ میں [illegible] کرنے کی غرض سے ایک آرام کرسی پہ دراز تھا۔ بیک سٹیج کی اونچی چھت سے ایک ننھی سی چھپکلی [illegible] آن گری۔ [illegible] ہی وہ [illegible] ہوئی۔ بیچارے کا [illegible] ہوئے [illegible] جادوگر [illegible] سے وہ مس تک نہیں ہوئی تھی۔ کاٹنے واٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ مگر کیا کہیے کہ یہ جادوگر محض ایک بے ضرری چھپکلی کے خوف سے ہی چل بسا۔

ہندوستان میں صفِ اوّل کے جادوگروں شعبدہ گروں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ [illegible] اس کی ایک بڑی وجہ ان کا عقیدہ یا مذہب بھی ہے۔ دیکھا جائے تو ہندوؤں کے روایتی ثقافتی تقاضے [illegible] معاشرتی اور تمدنی رویوں کے علاوہ ان کے مذہبی اسلوب بھی ہیں۔ منتر جنتر تنتر، چمتکار، شکتیاں [illegible] دیویاں، بھوت، پریت، پلیت، شراپ، شرن، شگون چونکہ ان کے ہاں روزمرہ کی طرح ہیں۔ اس [illegible] سادھو سنت، جوگی بیراگی، مٹھ دھاری، نجومی، جادوگر، کرم چاری وغیرہ ان کی ضرورت ہوتے ہیں جبکہ [illegible] حکومتی سطح پہ ان کی خوب پذیرائی بھی ہوتی ہے۔ مہاراشٹر کے مرکزی شہر ممبئی میں چند ایک تھیٹرز موجود [illegible] صرف جادوئی کرتب اور شعبدہ گری کے کمالات دکھائے جاتے۔ یہاں کی گوگیا فیملی، جونیر پی سی سرکار [illegible] مشہور ہیں۔ ان جادوگروں نے بیحد منفرد جادوئی کرتب ایجاد کیے، اک دنیا سے پذیرائی حاصل کی [illegible] بیرون ملک بھی خوب دام اور نام کمایا۔

دنیا کے بیشتر ممالک کی طرح انگلستان میں سینما ہاؤسز، رقص گاہیں، تھیٹرز، آرٹ گیلریز، [illegible]

[illegible] میوزیم اور اس کے ساتھ ساتھ میجک تھیٹرز بھی موجود ہیں جو ان کی ثقافت کا ایک نمایاں حصہ ہیں...... [illegible] متوازن معاشرے کی تعریف شاید یوں ہے کہ وہ زندگی کی گوناگوں گہما گہمیوں اور دلچسپیوں سے بھی [illegible] ہے۔ اپنی تہذیب، ثقافت اور لوک ورثہ سے جڑت کے ساتھ ساتھ اپنی روایات کی رخشندگی کا بھی [illegible] ہے...... انسانی جسمانی نظام کو اگر بہ چشم عمیق دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صحتمندی...... اعمال وخیالات، [illegible] خوبی وخرابی اور وظائفِ زندگانی میں اِک گونہ توازن قائم رکھنے سے برقرار رہتی ہے۔ اسی طرح [illegible] میں اسی نوع کے توازن کی ضرورت ہوتی ہے۔

کیا اچھا ہے کیا برا، لیکن ہمارے معاشرے میں فنونِ لطیفہ کو لطف بھری نظروں سے نہیں دیکھا [illegible] موسیقی، مصوری، شعروشاعری، رقص، مجسمہ سازی، تصویر کشی، فلم سازی وغیرہ۔ شاید اس لئے بھی کہ [illegible] مذہبی شعار میں یہ اشغالِ لہوولعب میں شمار ہوتے ہیں۔ سینما ہال تھیٹر وغیرہ بھی شیطانی اکھاڑے سمجھے [illegible] ہیں کہ یہ سب فنونِ لطیفہ ایک طرح کے فنونِ کثیفہ کی حیثیت رکھتے ہیں...... [illegible] گانا بجانا مکروہ حرام مگر [illegible] کے بول اور دھن اگر کوئی نعت گو حمد یا نعت میں فٹ کر لیتا ہے تو یہی کچھ مشرف بہ اسلام ہو کر [illegible] ثواب بن جاتا ہے۔ ڈھول طبلہ بجانا مکروہ یا حرام مگر یہی طبلہ یا ڈھولک قوالی اگر کوئی منہ [illegible] میں اکثر [illegible] کرتے ہیں...... دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ساتھی مائک تھامے منہ سے تال دے رہے ہوتے [illegible] طبلے اور ڈھولک کے مصداق آواز منہ سے پیدا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ اللہ کہہ رہے ہوتے [illegible] جو سرمستی اور جذبی کیفیت [illegible] دیتا ہے...... اگر واقعی وہ اللہ اللہ دہرا رہے ہوتے ہیں تو [illegible] کے سرمدی آہنگ کی بجائے طبلے کی تال تھاپ کی آواز کیوں ابھرتی ہے جبکہ حکم ہوا اللہ اور اس کے [illegible] بلکہ سب برگزیدہ ہستیوں کے نام القاب اچھے واضح اور محبت بھرے انداز میں لیا کرو...... قرآن الحکیم [illegible] خوش الحانی اور خوش بیانی سے کیا کرو...... اعراب ومخرج کی ادائی، کہولت سے نہیں سہولت سے [illegible] طریقہ پسندیدہ اور اجر آگیں ہیں۔ اسی طرح رقص وسرود کو بھی ہم نے دھمال و سرود اور کہیں [illegible] میں بدل کر اپنے لئے حلال کر لیا ہے۔ فنونِ لطیفہ کی دیگر اصناف بھی اسی طرح کی ردوبدل سے [illegible] کی ہوئی ہیں...... دیکھا جائے تو اس قسم کی منافقت دوہرے معیار اور چالاکی ہوشیاری کے ہم عادی [illegible] ہیں۔ اب آپ اپنے قومی اخبار اٹھا کر دیکھ لیں...... دو چار کو چھوڑ کر سب ہی قوم کا بیڑہ غرق کرنے پہ [illegible] ہیں...... پورے کے پورے رنگین صفحات، جادوگروں، عاملوں کاملوں بابوں کے گمراہ کن اشتہارات [illegible] پڑے ہیں۔ ایک رات کے عمل سے بگڑے کام سنورنے کے دعوے...... محبت، شادی، کاروبار،

مقدمے میں سو فیصد کامیابی کے اعلان...... لاٹری' پرچی' کمیٹی اور میچوں کے جوئے جتانے کی خوش خبریاں وغیرہ وغیرہ...... کوئی خاندانی عامل ہے تو کوئی سید صاحب' شاہ اور صاحبزادہ صاحب...... داتا کا فقیر [illegible] کوئی شکتی مان ہنومان' کالی مائی کا بھگت...... عیسائی اور بے شمار بنگالی...... لگتا ہے اس فیلڈ میں بنگالیوں اور عیسائیوں کا قبضہ ہے...... کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جس معاشرے میں تعلیم کا فقدان ہو' تنگ نظری' توہم پرستی کا دورہ ہو۔ معاملاتِ زندگی میں غیر متوازن رویوں پہ انحصار کرتے ہوں تو اس معاشرے میں یہی کچھ ہو سکتا ہے کہ دین راست اور نہ دُنیا دُرست۔ اخبار و جرائد اور دیگر ذرائع ابلاغ تو کسی ملک و قوم کے لئے روشنی کے مینارے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ جب یہ مینارے ہی کشتیوں اور مسافروں کو غلط راستے پہ ڈالنے لگیں تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ رہبر ہی رہزن بن جائیں تو منزل کیسے نصیب ہوگی۔

● نگاہِ خواب گر......!

بات [illegible] مصحفی [illegible] پہنچ گئی [illegible] بڑھتے بڑھتے سنہری دھوپ کی مانند پھیل گئی۔ ایوانِ انسان میں داخل ہونے کے لئے صدر دروازے [illegible] آنکھیں ہیں بلکہ انسان کے مقام علم و سیرت' حماقت' شرافت' نفرت' محبت وغیرہ کا انہی آنکھوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس کی زندگی سوئے ظاہری باطنی عوارض کی غماز بھی یہی آنکھیں ہوتی ہیں [illegible] آنکھیں [illegible] ہی آنکھیں...... میں جدہ کی عظیم الشان [illegible] آرٹسٹ کے اندرونی سٹوڈیو کے کونے میں لاپرواہی سے پڑے ہوئے آنکھوں کے ایک نامکمل اسکیچ پہ جھکا سوچ رہا تھا کہ ان آنکھوں سے بڑھ کر دُنیا میں اور حسین آنکھیں کیا ہوں گی۔ پھر خیال آیا کہ آنکھیں تو آنکھیں ہی ہوتی ہیں...... حسن و خوب نظری تو دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ داغ ہو یا میر' نظیر اور مصحفی...... غالب' اقبال' فیض یا ہر کسی کے لئے اُس کے محبوب کی آنکھیں ہی سب سے زیادہ حسین و جمیل اور اس کے لئے حسن ہوتی ہیں...... تیر' تلوار' خنجر' کٹار' جھیل' ساگر...... ساغر' مینا اور مے خانہ...... دیر و حرم' کرامات مہر و مروت...... یہ آنکھیں کیا کچھ نہیں ہوتیں۔ دیدہ بانی' دیدگی اور دیدہ وری میں بڑا فرق ہے۔ ایک ایرانی مصور کا بنایا ہوا فن پارہ دیکھا۔ اس نے پوری کائنات کے تصور کو ایک آنکھ کی پتلی میں [illegible] تھا۔ میری سمجھ میں آیا کہ شائد آنکھ ہی ہے جسے آپ آفاقی کائناتی استعارے کے طور استعمال کر سکتے ہیں۔

وہ سگریٹ ہونٹوں میں دبائے میرے سر پہ کھڑا تھا اور میں آنکھوں میں یوں کھویا ہوا کہ اس کے اندر [illegible] خبر تک نہ ہوئی...... وہ کھنگارتے ہوئے جز بز سا گویا ہوا۔

”بھائی! تم یہاں یہ آنکھیں دیکھ رہے ہو اور میں باہر تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ آگے بڑھ کر اس نے [illegible] ہاتھوں سے وہ آنکھوں والا کینوس کا ٹکڑا لے لیا...... ”آؤ، باہر آؤ...... میں تمہیں گرم گرم قہوہ پلواتا [illegible] پھر وہ کینوس کے ٹکڑے پہ اُچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا...... ”تم چاہو تو یہ اسکیچ لے بھی سکتے ہو۔“

باہر پہنچ کر اس نے مجھے لکڑی کے ایک چھوٹے سے سٹول پہ بٹھا دیا۔ تھرماس سے قہوہ اُنڈیلتے ہوئے [illegible] جانتا ہوں کہ تم بھی میری طرح خاصے تھکے ہوئے ہو...... اسی لئے میں نے تمہیں اپنے ساتھ کھلایا [illegible]...... لو یہ قہوہ نوشِ جان کرو اور مجھے کام کرتے ہوئے دیکھو...... مگر خاموشی اور صبر کے ساتھ......“

اس قبیل کے آؤٹ کلاس لوگ بہت کم اکیلے ہوتے ہیں...... ان کی بے اعتدالیاں، بے نیازیں اور [illegible] مجنونانہ حرکات و مصروفیات انہیں تنہا نہیں چھوڑتیں۔ صد حیف کہ ان کے غیر موزوں رویوں اور [illegible] کے باوجود ان کی مقبولیت و محبوبیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی...... کیسے کیسے امیر و کبیر [illegible] شیدائی جن کی جیبیں ڈالروں سے اُبھری ہوئی [illegible] ان کو [illegible] سے دیکھتے [illegible] یادگار [illegible] اپنے پاس [illegible] رکھتے ہیں۔ [illegible] طرز کے [illegible] دیکھ رہا تھا کیسے کیسے ذی حیثیت لوگ، اس سنکی زرد رو، زندگی سے آوارہ دکھائی دینے [illegible] کے روبرو بیٹھے [illegible] ہیں جیسے وہ کہیں بامِ معلّیٰ سے اُترا ہوا کوئی صورت گر ہو اور وہ سب اس کی [illegible] کے منتظر ہوں۔ میں [illegible] کی کوشش کی کہ ایسے فنکار جو یکتائے روزگار ہوتے ہیں ایسی [illegible] پالتے ہیں جو بالآخر ان کی طبعی اور فنی زندگی مختصر کر دینے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ پتلے [illegible] ہونٹوں میں تُڑا مُڑا سا سگریٹ دابے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا اور سگریٹ کی راکھ تھی کہ گری کہ اب گری۔

[illegible] سی داڑھی، ہونٹوں پہ لٹکی ہوئی مونچھیں، اس پہ مستزاد گلے میں ڈالا ہوا پلاسٹک کا ایپرن...... جس پہ [illegible] میں ایک عجیب سی ٹہنیوں والا پودا بنا ہوا تھا، اس شکل میں کہ پتوں کی بجائے مختلف کیفیتوں کو [illegible] ہوئے نین تھے اور گول پتلیوں کی جگہ سوراخ...... ان سوراخوں سے اُبلتے ہوئے کئی ایک شیڈ اور [illegible] ایپرن کے نیچے پہنی ہوئی ہم رنگ شرٹ کا کمال تھا...... اس دھان پان سے آرٹسٹ کی فنی [illegible] نے مجھے مبہوت و مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ یوں محسوس ہونے لگا جیسے قدرت نے بصر و بصیرت [illegible] اس دانائے حشم چشم کو عطا کر دی ہوں۔ میں بصد استعجاب و اشتیاق اسے شائقین کے سکیچ [illegible] دیکھ رہا تھا وہ کمال یکسوئی سے مصروفِ کار تھا...... ایسا منہمک کہ جیسے یہ کام اُس کی زندگی کا آخری

فریضہ ہو...... دو اڑھائی بار مشکل سے اپنے ماڈل کے چہرے بلکہ آنکھوں میں جھانک لیتا...... اس کے بعد کی پُرکار انگلیاں قرطاسِ ابیض پہ یوں پھرت لیتیں جیسے کہیں کوہ قاف کے برف باروں میں برفانی پریاں آفروز ہوتی ہوں...... میں نے بڑی عمیق نگاہی سے دیکھا کہ وہ خصوصاً آنکھوں پہ بڑی توجہ دیتا جیسے انہیں کاغذ پہ زندہ کر کے چھوڑے گا...... یہ بھی کہ اس کے ماڈل کچھ ایسے بھی دیکھے جیسے مُردہ چہروں پہ آنکھیں لئے ہوئے ہوں اور کچھ یوں بھی جیسے وہ مُردہ آنکھوں والے زندہ چہرے ہوں...... اپنا سکیچ مکمل کر کے بعد دستخط کر کے اپنے ماڈل کے سپرد کرتے ہوئے وہ سکیچ کو یوں دیکھتا جیسے کاغذ میں لپیٹ کر اس نے آنکھیں دے دی ہوں۔ اس کے سکیچ پہ آنکھیں ہی نمایاں ہوتیں...... باقی چہرہ شاید اس کے لئے نہ ہوتا ہو۔ بنظرِ غائر دیکھنے سے لگتا کہ آنکھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بنایا...... معدوم سے خدوخال آنکھوں کے رکاؤ کے لئے بنا لیتا تھا...... جیسے کسی گوہر و جواہر کو اجاگر اور محفوظ کرنے کی خاطر اسے کسی مذبر مخمل منڈھی جڑاؤ ڈبیا میں سجا دیا جاتا ہے۔

میں نے باقی کا دن اپنی تمام خاطر جمع کے ساتھ اس کی دُم سے بندھا بیٹھا رہا...... وہ [illegible] اور میں فنجان [illegible] قہوہ نوشِ جان کرتے [illegible] وقت [illegible] چورائی قصے سے [illegible] چندرے نین [illegible] اچھا تھا...... چندرے نین سے [illegible] کب یاد آیا [illegible] تمام پوربی [illegible] مخصوص اندازِ گائیکی، راگ داری کے لئے مشہور ہے۔ اس کے برعکس چندرے نین کسی [illegible] نہیں تھا اور نہ ہی کسی گھرانے کا نام تھا۔ یہ تو بھوپال کی ایک نواحی بستی کے ایک مسلم گھرانے کی [illegible] تھا...... ہے نا عجیب سی بات! [illegible] کہ کسی بھی دور میں پاگلوں کی [illegible] کمی نہیں ہوتی [illegible] مختصر سی حیات میں زیادہ تر زندگی پاگل پنے، احمق پنے اور غیر ذمہ دارانہ حرکات و افعال میں بسر کر [illegible] سمجھ و شعور، استحکام، بُردباری اور ذمہ داریاں سمجھنے سمجھانے تک وہ عمرِ عزیز کے ایسے مقام پہ پہنچ جاتا ہے [illegible] نشانِ منزل بس دو چار گام ہی رہ جاتا ہے...... اب ڈام و دم تو ہوتا نہیں جو خود عمل پیرا ہو سکے اور [illegible] جیون جیسی وہ رُوپہلی دھوپ ڈھاپ کہیں دکھائی دیتی ہے جس سے گرداگرد کی ہر چیز چیز [illegible] پسینہ عرقِ گلاب کی مثل مہکتا تھا۔ اس مقامِ عبرت و خجلت پہ وہ عمر کھایا اور بہت پچھتایا ہوا بوڑھا [illegible] کیوں کیوں کی گردان گردانتا رہتا ہے جو گزرے سانپ کی راہ پہ لاٹھی برسانے کے مترادف ہے۔ [illegible] کچھ اپنی ذات کے بارے میں لکھ رہا ہوں کہ میری حماقتوں، لاپروائیوں اور آوارہ گردیوں کا دور بھی [illegible] دور تھا...... اُتری کا تردد نہ چڑھی کی چنتا...... نہ کسی ذمہ داری کا احساس اور نہ کسی دنیاداری کا پاس [illegible] مُنہ اٹھا ادھر چل دیئے۔ زادِ راہ اور کھیسے کا بوجھ تو اُن مسافروں کے لئے ضروری ہوتا ہے جو کسی

کسی متعینہ منزل کے متمنی ہوتے ہیں...... مَیں تو ہواؤں کے دوش پہ پھُوس کے بے توقیر تنکے کی آبشار پہ بہتے کسی درخت کے ٹوٹے پتے کی طرح...... آندھیوں کے اَنگ لگے کسی پھٹی جنتری کے کی صورت...... گرداب دریا میں چکراتے ہوئے کسی ٹوٹی پتوار کے ٹکڑے کی سی حالتِ آشفتگی میں میری فطری' ذہنی' جسمانی' علمی' دُنیاوی اور رُوحانی ترکیب وتعمیر کی تہذیب ہی کچھ یوں تھی کہ مَیں کچھ بھی کچھ نہ تھا...... اور یا پھر کچھ تھا ہی نہیں اور بہت کچھ تھا۔ اس ہونے' نہ ہونے کی کیفیت مجھے تھی۔ کہیں کچھ ہوتا یا نہ ہوتا' بس اگر ہوا اس طرف کی چل پڑی تو مَیں بھی اُدھر چل دیا...... کیوں' کیا ایسے الفاظ اور معنٰی پہ غور کرنا تو شاید میری سرِشت میں ہی نہیں تھا۔

پہلے بھی کہیں عرض کر چکا ہوں' انسانی' حیوانی اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر مرئی مخلوق کی ماہیّتِ ترا کیبی عادات' طور وطریق' ظاہری باطنی حرکات و اشتغال کا مطالعہ میری مصروفیات کا ایک نمایاں حصہ رہا جاندار ہو یا عنصری مخفی مخلوق' ہر کسی میں کوئی نہ کوئی ترجیحی خوبی خامی اور وجوہی' عنصری نمایاں نشانی موجود ہوتی ہے اور جہاں کہیں وہ موجود ہوں' وہاں ان علامات سے اپنی نشاندہی کرواتی ہیں۔ کچھ کی وہ اپنی مخصوص بُو' خوشبو سے اپنی پہچان کرواتی ہیں...... کچھ اپنے آہنگ [illegible] سے اور کچھ ایسی [illegible] حاضر ہونے کا ہوتی ہیں...... ان عوامل میں حضرت انسان خصوصی طور پہ قابلِ ذکر ہے۔ یہ اپنے اعمال' افعال اور عقلی صلاحیتوں کی بنا پہ اپنا الگ ہی مقام رکھتا ہے۔ اس کے ظاہری پیکر میں سب سے اعلیٰ اور انمول حصہ ہوتی ہیں۔ شاید میری یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہ آئے۔ ذرا غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھیں اور فعل کی ابتدا ہیں۔ ہر جذبہ' احساس' سوچ...... اظہار' اقرار' انہیں کا مرہونِ منت ہے۔ خوبصورتی' آنکھوں سے ہی ہوتی ہے۔ آنکھوں میں دم نہ ہو تو حُسن سے متعلق ہر چیز بے دم سی رہ جاتی ہے...... ہو کہ شاعری...... رقص ہو کہ مجسمہ سازی...... گانا یا بجانا' آنکھیں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔

میری ہزاروں بُرائیوں میں میری نمایاں کمزوری حسین' نرگسی' کنول' ستارہ آنکھیں نہیں...... ہیں۔ خوف کے غلاف میں لپٹے ہوئے نین...... پاگل پنے' حمق اور لاعلمی کی دھند میں کھوئے سے نین...... چونک جانے والے' اچھبرے' بدک پڑنے والے نین...... جھٹ سے پٹ بھیگے بھیگے نین......!

ہندوستان کے کلاسیکل فلم ڈائریکٹر' رائٹر کیدار شرما' جو راج کپور کے گُرو بھی تھے کا تعلق شکر گڑھ

سیالکوٹ سے تھا۔ پرتھوی راج کپور اس کو بڑا مان دیتا تھا۔ یہ اپنے اُسلوب کا ایک نادرِ روزگار فنکار تھا۔ نے بمبئی میں جتنا بھی کام کیا۔ وہ کلاسیک کا درجہ رکھتا ہے۔ اس کی ایک فلم ''باورے نین'' تھی۔ جس میں گیتا بالی نے بڑی خوبصورت اداکاری کی۔ یہ فلم میں نے کم از کم بیس بار دیکھی تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کا نام ''باورے نین'' کیوں ہے۔ میں پُراسرار نیناں کو صرف نینوں کے حوالے سے دیکھنے کے لئے اور ممبئی' گھر سے بھاگ کر گیا۔ لاہور میں ایک اداکارہ نیناں تھی' اُسے بھی اسی وجہ سے دیکھا...... آہو چشم اداکارہ شاہینہ' عشرت جہاں بیو' جدن بائی کے ہاں بھی لاجواب خوبصورت آنکھیں تھیں...... اداکارہ آنکھیں نہیں تھیں نین تھے۔ آنکھوں اور نینوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ آنکھیں محض دیکھنے یا دکھانے کے لئے ہوتی ہیں اور جبکہ نین......؟

رئیس امروہوی مرحوم [illegible] کے ہاں جس زمانے میں میں ''[illegible]'' کی مشقیں کیا کرتا تھا نے ایک بار مجھے آنکھ اور نین کے مابین کا فرق سمجھایا تھا...... بہ ظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھ اور نین اور نگاہ' چشم [illegible] چشمان وغیرہ یکساں معنوں میں ہی مستعمل ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ [illegible] سمجھ میں کچھ مختلف ہے...... شاید جیسے عقل اور عشق' مسلمان اور مومن' آدمی اور بندے میں جو نازک سا معنوی فرق وہ آنکھ اور نین [illegible] کوئی پاگل وہ آنکھوں کی بھیڑ میں کہیں نینوں کی تلاش میں تھا اور ادھر میں بھی ان نینوں کی وجہ سے ہی اس کے قریب تھا۔ مجھے یقین ہے اس نے اپنی قلبی اور باطنی بالیدگی سے مجھے پہچان لیا تھا۔ اب مزید جاننے کی غرض سے ساتھ شاملِ طعام کیا...... اس [illegible] صحبت میں مجھے اس کے [illegible] میں جھانکنے کا موقع مل گیا۔ تاک جھانک کے دوران' ایک کونے میں پڑے کینوس پہ نینوں کے ایک نامکمل سے سکیچ نے مجھے پکڑ لیا اک زمانے کے بعد میں نے ایسے باورے نین دیکھے کہ جنہیں دیکھنے کی آرزو میں میں باورا ہو کر رہ گیا

تین چار روز میرا وطیرہ یوں رہا کہ میں ظہر کی نماز میں اس کے ساتھ شریک ہوتا...... پھر عشاء بادلِ نخواستہ اپنے ہوٹل لوٹتا۔ کھانا پینا اُس کے ساتھ...... پورا دن میں اُس کے پاس سٹول پہ بیٹھا اُس کی اُنگلیوں کی ''چشم سازیاں'' دیکھتا رہتا۔ ولندیزی اور فرانسیسی روایتی مصوروں کی اپنی ایک علیحدہ ہی ہے۔ وہ حال حلیے' شکل وصورت اور اپنے طور طریقوں سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔ اس جدید دور وہ کہیں ازمنہ قدیم کے باشندے دکھائی دیتے ہیں...... شاید سچے آرٹسٹ کے پاس اک جنونی ہوتی ہے جو اُسے خود اور دُنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ اُس کا ناتا صرف اور جنون وفنون سے ہی رہ جاتا ہے...... اس کا بھی یہی عالم تھا۔ اپنے کام میں مصروف' اُسے کچھ ہوش نہ

کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ کون آیا کون گیا...... کسی نے کچھ معاوضہ دیا ہے یا وہ سکیچ لے کر محض تھینک یو کہہ کر گیا ہے۔ میں نے دیکھا ایک دو تو سکیچ مکمل ہونے سے پیشتر ہی اُٹھ کر چل دیے شاید وہ جم کر نہ بیٹھنے کی سکت کی تنگی کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں...... مگر اُسے تو ایسے اُٹھ کر چل دینے والوں کی بھی خبر یا پروا نہ ہوتی ہی وہ کسی خفگی کا اظہار کرتا بلکہ کمال استغناء سے نامکمل سکیچ ایک طرف ڈال کر اگلے ماڈل کی جانب متوجہ ہو —— مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ نامکمل نینوں والا سکیچ بھی جسے میں نے اُس کے سٹوڈیو سے اُٹھایا اور جو ابھی میرے ہی قبضہ میں تھا، وہ بھی کوئی ایسا ہی سکیچ تھا جس کا ماڈل اُسے اُدھورہ چھوڑ کر چلا گیا ہوگا۔

میں نے جدہ سے روانگی کے آخری دن خصوصی طور پہ اُس سے درخواست کی۔

''میرے اچھے فنکار! الوداعی ملاقات کا آخری طعام میری جانب سے قبول کرو۔'' وہ بہ عجلت بولا۔

''یہ تو تم جانتے ہو گے میں قلیل اور عام سا طعام لیتا ہوں اور اپنے سٹوڈیو میں ہی کھانا پسند کرتا ہوں یہ طعام اُسی یمنی مطبخ سے آتا ہے جو نیچے مسجد کے پہلو میں ہے۔ اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ طعام میں یا تم لاتے ہو۔''...... میری آنکھوں میں دُور تک جھانکتے ہوئے پھر گویا ہوا...... ''اچھا تو آج تم ہی کر آؤ۔''

نیچے مطبخ پہ پہنچا تو ایک بدو نے مجھے دیکھتے ہی پیک کیا ہوا طعام میرے سامنے رکھ دیا۔ چاہا تو اُس نے ہاتھ لہراتے ہوئے فرفر عربی میں کوئی تلخ سی گردان دُہرائی کہ مجھے [illegible] کر کھسکتے ہی —— واپس پہنچ کر ساری صورتحال بیان کی تو کھلکھلا ہنستے ہوئے بتانے لگا۔

''میں تمہیں بتانا بھول گیا تھا کہ اس مطبخ کا یمنی مالک بڑا صاحبِ ذوق و شوق ہے...... خاص طور پہ مصری اور صحرائی موسیقی سے بڑی دلچسپی رکھتا ہے۔ اُم کلثوم اور مصباح درویش کا تو دیوانہ ہے...... تم نے اس کے مطبخ کا اندرونی حصہ نہیں دیکھا...... اگر تم ایک بار وہ سب کچھ دیکھ سُن اور کھا پی لو جو اس مطبخ کے اندر ہے تو یہ مشاہدہ اور تجربہ تمہارے لئے انوکھا سا ہوگا۔''

''مثلاً......؟'' میں نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

وہ طعام والا پیکٹ کھولتے ہوئے کہنے لگا۔

''پہلے اس دعوت سے نبٹ لیں جو خاص طور پہ تمہاری طرف سے ہے۔ بعداً نیچے چل کر اس کے یمنی حلوہ، جو عجوہ کھجور، شامی انجیر اور شہد سے بنتا ہے کھائیں گے۔ اس کی لذت آفرینی اور منفرد ذائقہ مشکل سے بھلا پاؤ گے۔'' بھیڑ کی بھُنی ہوئی ران سے ایک ٹکڑا کاٹ کر میرے آگے سرکاتے ہوئے مزید نے لگا۔ ''عبید بن عبداللہ، جو اس مطعم کا مالک ہے میرا دوست اور قدردان ہے۔ مگر ٹھہرا وہ قدرے

سنکی......!'' وہ مزید مزہ لیتے ہوئے چہکنے لگا۔ ''تم یقیناً جانتے ہوگے سنکی لوگ کسی نہ کسی طور غیر معمولی [illegible] ہوتے ہیں۔ ایسے سنکیائے افراد کی ایک آدھ رگ ٹیڑھی نہیں بلکہ دل و دماغ کی قریب قریب ساری رگیں اُلٹی ٹیڑھی ہوتی ہیں...... بظاہر یہ بیکار و بیزار دکھائی دینے والے بڑے اَولڑے ہوتے ہیں...... مفکر [illegible] سائنسدان، شاعر، ادیب وغیرہ۔''

یہ مصور بھی کمال کا آدمی تھا کھاتا اور فرماتا، دونوں کام ایک ساتھ کر رہا تھا۔ عربی النسل اور [illegible] والے باتوں کے گالڑ ہوتے ہیں...... کوئی دل گُردے والا یا کوئی فقیر، درویش، جس نے اپنا مَن مارا ہوا ہو [illegible] اپنے کان 'کانے' کروانے پہ تُلا ہو وہ ان کے آگے جم سکتا ہے...... میں کمال تحمل و برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا شاید اس لئے بھی کہ میں اکثر ایسے ہی معرکوں کی محرابوں تلے 'پیش امام' کا مکبّر بنا رہتا ہوں...... ابتدا مجھ سے ہوتی ہے پھر پوری گفتگو کی نماز مجھے خاموشی سے اگلے کی اقتدا میں ہی پڑھنی پڑتی ہے۔

اُسے وقفہ دینے کی خاطر میں نے پوچھ لیا۔

''یہ یمنی وہی تو نہیں جس نے مجھے طعام کا پوٹلا یوں تھمایا تھا جیسے اس کے اندر لطیفے مرغیلے [illegible] کی بجائے ہینڈ گرینیڈ اور ہوم میڈ بم رکھے ہوئے ہوں اور [illegible] لگنے پہ اُس نے عربی کا ایک [illegible] مارا کہ میں [illegible]''

وہ [illegible] ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا...... مُنہ بھرے لقمے نے اُسے لب ہلانے کی اجازت [illegible] تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

''تم بھی کچھ کم سنکی نہیں ہو......'' اور ساتھ ہی میں نے پوچا لگاتے ہوئے کہا...... ''شاید سنکی [illegible] اچھے اور سچے فنکار کی مجبوری ہوتی ہے ورنہ وہ مکمل یکسوئی حاصل نہیں کرسکتا...... یعنی تخلیقی توانائیوں کو [illegible] رُخ پہ ڈالنے یا کسی مخصوص نقطۂ ارتکاز پہ مجتمع کرنے کے لئے فنکار کا کھسکا ہوا ہونا اور دکھائی دینا [illegible] ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو اس یمنی مطبخ والے کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا کہ یقیناً کوئی گُنّی گیانی ہے جو اس [illegible] تلملایا ہوا مردم بیزار ہے۔''

دورانِ طعام اگر پُر لطف گفتگو، ہلکی پھلکی پھبتیاں، مذاق لطیفے چلتے رہیں تو نہ صرف کھانے کا [illegible] اس کی غذائیت دوچند ہو جاتی ہے بلکہ ایسے خوشگوار ماحول میں پیٹ پڑا کھانا بھی جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ [illegible] میں چلک کے ساتھ ساتھ خونِ صالح پیدا ہوتا ہے۔ انبساط بھرے ماحول کی خوشگواریت 'آکسیجن' [illegible] میں ایک موثر کردار ادا کرتی ہے۔ مُنہ میں لعابِ لازمہ کا چشمہ پُھوٹ نکلتا ہے...... طبیعت کا اضمحلال اور مزاج کا تکدّر دور ہو جاتا ہے۔

ہم دونوں بڑے اچھے موڈ میں نیچے مطعم میں پہنچے...... صدر دروازے کی بائیں جانب ٹیک اوے کے لئے کاؤنٹر اور دائیں طرف، مطعم کے اندر جانے کے لئے راہداری تھی...... سنگِ ابیض کا شفاف فرش، چم چم کرتے رنگین آئینوں سے آراستہ چھت...... سبز گرینائٹ کی محرابیں اور دیواریں...... اندر داخل ہوتے ہی ام کلثوم کے زمزموں نے ہمارا استقبال کیا...... پھر اللہ جانے مطعم کا مالک وہ یمنی کہاں سے نکل کر ہمارے سامنے آموجود ہوا...... ایسے ہی جیسے چراغ رگڑنے سے اس کا جن آنِ واحد میں سامنے، ہاہاہا قہقہے لگاتے ہوئے حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ شخص بھی کچھ پہلوؤں سے اک جن جیسا ہی تھا...... سر پہ لپٹا ہوا عربی طرز کا رومال، لپٹے ہوئے تنگ ماتھے تلے اُلوؤں جیسی گول گول آنکھیں...... تہمت کی طرح لگا ہوا چپٹا سا ناک...... اُدھڑی مونچھوں کے پیچھے کتھئی دانتوں کی ناہموار باڑ اور ٹھگنے قد پہ توندیلہ سا جسد۔ اس نے چھوٹتے ہی اہلاً وسہلاً کے ساتھ چوما چاٹی شروع کر دی۔ جس کی زد میں میں بھی آ گیا تھا...... چوما چاٹی میں چنداں حرج نہیں اگر اس میں کچھ قرینہ اور سلیقہ بھی رکھا جائے۔ یہیں کہیں میری سمجھ میں آیا کہ عربی لوگ عطریات کا اتنا زیادہ استعمال کیوں کرتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید عوام و خواص، مرد و زن حتیٰ کہ بچگان تک بڑی بے دردی سے تمباکو نوشی کی لعنت قبیحہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ بس منہ تمباکو کی بُو مارنے کی مناسبت سے بے تحاشہ خُشبویات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ [illegible] جب دو عرب [illegible] ایک تمباکو کی بو سے [illegible] یا کشیدہ قامت، فربہ یا دُبلا پتلا ہو...... گندے بدصورت دانتوں اور کھردری داڑھی والے سے ایسی یہ حرکت بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں میرے ساتھ بھی کچھ ہوا۔ میں اس یمنی کو طرح دینے کی سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے مجھے اپنے آکٹوپس کے سے بازوؤں کے شکنجے میں جکڑ لیا اور وہی کچھ کیا جو عربی ایک دوسرے سے ملتے وقت کرتے ہیں...... میں جل سا کھڑا سوچ رہا تھا کہ مجھے فوراً کسی واش روم میں گھس کر اپنا چہرہ دھو لینا چاہئے...... کڑوے تمباکو کی بُو نے میری مت مار دی تھی۔ گو اس کی بے تحاشہ نکلی ہوئی توند نے مجھے خاصے فاصلے پہ رکھا تھا مگر اس ریچھ نے کھینچ کھانچ کر اپنا کام کر ہی لیا تھا۔

اس نے ہمیں اس مخصوص کمرے میں بٹھایا جو شاید انتہائی معزز اور خاص الخاص گاہکوں کے لئے تھا۔ کمرے میں کیا داخل ہوئے محسوس ہوا ہم کسی عین نستان میں داخل ہو گئے ہیں۔ کمرے کا بیرون دروازہ ایک نہایت حسین آنکھ کے نقشے کا بنا ہوا...... چوگھٹ کے پٹوں کی جگہ بڑے بڑے غلافی پپوٹے...... ہم ان کے اندر داخل ہوئے تو آگے سفید موتیوں کی چلمن پڑی ہوئی، جس پہ سیاہ موتیوں سے آنکھ کی پتلی بنی ہوئی تھی۔ اس سے گزر کر جب اندر قدم رکھا تو یہ احساس ہوا کہ ہم کسی چشمِ نم میں اتر آئے ہیں۔ ہلکی ہلکی نم دار برودت نے ہمیں ایک خوشگوار سی شگفتگی میں بھگو سا دیا...... نیم ملگجے سے ماحول میں ہر چیز غیر واضح سی تھی۔ لگا کہ ہم کسی بھوت بنگلے

کے ڈرائنگ رُوم میں پہنچ آئے ہیں۔ اِدھر کی ہر چیز کسی نہ کسی طور آنکھ کی شکل سے مشابہ تھی۔ فرش پہ بچھے اَدھ کُھلی، سوئی جاگی، گھورتی، سوچتی اور کھوجتی ہوئی آنکھوں سے لبالب قالین...... گاؤ تکیے تپائیاں [illegible] غالیچے، پردے آرائشی سامان جو بھی تھا آنکھ سے مُتشکّل...... آنکھ کے اُبھار پُرخمار کی طرح اُبھری ہوئی [illegible] نشستوں پہ بیٹھتے ہی محسوس ہوا کہ جیسے مَیں کسی دیوہیکل مخلوق کی آنکھ کے ڈیلے پہ بیٹھ گیا ہوں۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جب آنکھوں نے اندر کے ماحول سے قدرے آشنائی لی تو یوں لگا کہ مَیں آنکھوں کے کسی سمندر میں اُتر آیا...... دُنیا جہاں کی کوئی آنکھ ایسی نہیں تھی جو یہاں موجود نہ ہو۔ وہ سارے جلوے، جُوت، جادو، جذبات جن کا تعلق کسی طور آنکھوں سے ہوسکتا ہے وہ سب کچھ یہاں پہ سجایا، دفنا دیا گیا ہے۔ اِس جگہ کو نینوں کا نگارخانہ بھی کہا جاسکتا تھا اور مُردہ خانہ بھی۔ بلکہ اِسے نینوا کا قبرستان کہنا زیادہ مناسب تھا۔

آنکھ یا نین، اِنسانی اعضا میں اور اجسام و اعضاء کے لئے بقا نہیں (اِستثناء کے ساتھ) لیکن کچھ خاص ماحول و محل میں ان کی کچھ کیفیات، اَمر ہو جانے کی قدرت بھی رکھتی ہیں جیسے زندگی موت، خوشی، غم محبت نفرت، جنھیں وقت کے ساتھ ہم فراموش کر بیٹھتے ہیں مگر ان سے ظہور پذیر اکثر کیفیات کو محو کرنا آسان نہیں ہوتا۔ جب ہم کسی کی محبت یا نفرت کو سامنے لاتے ہیں تو کوئی نقش، چہرہ رُوبرو آئے نہ آئے [illegible] خوشگوار یا ناگوار [illegible] میں کیفیات فقدان تھا۔ میرے بریف کیس میں اس کے سٹوڈیو سے اُٹھایا ہوا وہ سُلگتی ہوئی آنکھوں والا [illegible] موجود تھا جس پہ آنکھیں تو بے شک اَدھوری تھیں مگر ان میں کیفیات بلاشبہ مکمل تھیں۔

مَیں دو جیتے جاگتے اِنسانوں اور بے شمار ساکت و جامد آنکھوں کے درمیان ایک ایسا روہانسو [illegible] بنا بیٹھا تھا جو اپنے گھر کا راستہ بھول کر گھنے جنگل میں کسی اندھے جادوگر کے چُنگل میں پھنس گیا ہو ـــــ جو اپنے شکار کی آنکھوں سے کیفیات کشید کر کے اپنی کور آنکھوں کو سینچتا ہے...... باقی ماندہ ڈیلوں کو جھاڑ [illegible] ٹانک دیتا ہے۔ سُوکھنے بوسیدہ ہونے پہ ان ڈیلوں سے خُون آشام چمگادڑیں جنم اُٹھاتی ہیں......!

مَیں تصورات کی دُنیا میں نہ جانے کہاں کہاں بھٹک رہا تھا...... مَیں نے اس سے پیشتر بھی [illegible] ہے کہ کالا رنگ، آنکھیں، بال، رات اور آواز، یہ پانچوں پُرتمکنت یعنی جادو ہیں۔ یہ اپنی گرہیں اُس کے [illegible] کھولیں گے جس کے ہاں ناخُن علم و ہُنر ہوگا اور جسے کسی مُرشدِ کامل سے فیضان حاصل ہوگا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر لوگ کالا رنگ شوق سے پہنتے ہیں مگر وہ اس کے شرف اور شر سے [illegible] نہیں ہوتے۔ اِسی طرح آنکھیں بھی ہر کوئی رکھتا ہے مگر بینائی کہیں ایک آدھ میں ہی ہوتی ہے۔ آنکھوں [illegible] فسوں کاریاں، فتنہ گریاں اور حشر سامانیاں سمجھنا اِک الگ دردِ سر ہے۔

جس طرح سانپوں سنپولوں پہ سپیرے سپیادے ہوتے ہیں جو اُن کے زہر و تریاق طریق و طور سے سب جانکاری رکھتے ہیں۔ اسی طرح سمندروں، دریاؤں کے شناور اور ناخدا بھی ہوتے ہیں۔ جو اُن کے مزاج، موسموں، لہروں موجوں، گہرائیوں پنہائیوں کے محرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح شاید یہ تنگی سے مصوّر بھی ہوتے ہیں۔ کوئی پورے پیکر کو اہمیت دیتا ہے تو کوئی پیراہن و پازیب اور کوئی گیسوئے تابدار و تمکنت جمال کو ابھارتا ہے۔ عارضِ گلگلوں اور چاہِ زنخداں کو اور کہیں لب کی نزاکت اور کوئی آنکھوں، پلکوں اور ابروؤں [illegible] کرتا ہے۔ مصوّروں کی بھی اقسام ہوتی ہیں...... فلسفی، صوفی، اجتہادی، مذہبی، تجریدی، عسکریت پسند، [illegible] پسند، امن پسند، ترقی پسند، انتہا پسند، تشدد پسند وغیرہ...... کچھ حُسن و جمال کو ہی پینٹ کرتے ہیں۔ چند ایسے بھی جو محض کراہت و کدورت اور کسر و کسل کو ہی موضوع رکھتے ہیں۔ ایرانی، تورانی، کُرد، عراقی مصوّر، [illegible] عسکریت اور وطنیت کو اُجاگر کرتے ہیں...... فرانسیسی، پرتگالی، [illegible] ہنرمند، قدرتی مناظر، گُل و ثمر، فطرت کی [illegible] جھونیوں کے علاوہ انسانی معروضی مشاغل پہ رنگ آمیزی کرتے ہیں۔ امریکن [illegible] فلک بلڈنگز، موٹر کاریں، [illegible] مناظر، ہوائی اور بحری جہاز، شاہراہیں، رقص گاہیں۔ برٹش سکاٹش، پرندے، کتے، گھوڑے، ظروف، جنگل کے مناظر، پہاڑ جبکہ جرمن، اٹالین مصوّر، چرچ، باغات، پھل، [illegible] کاروان اور ناچتی ہوئی [illegible] عورتیں وغیرہ [illegible] قدیم ایرانی [illegible] اظہار تک ہی [illegible]

یمنی مطعم کے [illegible] اس نگارخانے میں مَیں اپنی حیرتوں کے چراغوں کی لو میں [illegible] ششدر سا بیٹھا تھا۔ یہ بات تو میرے دائرہ ادراک میں آ چکی تھی کہ دیواروں کی [illegible] سے جھانکتے پھنکارنے والے [illegible] کے یہ سارے مار سیاہ اسی مجنون سپیرے کے کیلے ہوئے ہیں اور یہ مخبوط الحال یمنی اس کا زبردست مدّاح ہے اور اسی دوستی کی وجہ سے اسے اچھے کھانے بھجواتا ہے۔

بڑے نفیس برتنوں میں قہوہ اور کھانے ٹونگنے کا سامان تپائی پہ دھرا ہوا تھا۔ اسے کون اور کب لایا، مجھے خبر نہ ہوئی تھی۔ مَیں تو ان نمونوں کی نظارگی میں محو ہو کر خود سے بیگانہ ہوا بیٹھا تھا۔ جبکہ یہ دونوں [illegible] دنیا سے بے نیاز اپنی دھنکی بیٹھکی میں لگے ہوئے تھے۔

پٹھان اور عربی اپنی روزمرہ کی گفتگو میں باہم پیکار دکھائی دیتے ہیں۔ فرق صرف پشتو اور عربی کی گرمی اور نرمی کا ہوتا ہے۔ ان کی باہمی گفتگو محض زبان سے ہی نہیں ہوتی۔ ہاتھوں، انگلیوں، آنکھ، ہونٹوں اور مختلف نوع کی حرکات و سکنات سے بھی ہوتی ہے...... جو دیکھنے سننے سے کہیں زیادہ محسوس کر کے لطف لینے کی [illegible] ہے۔

شاید اُن کی گفتگو میں کوئی وقفہ آ گیا تھا، مجھے یوں مبہوت سا دیکھ کر مصور بولا۔

''خیریت، بھائی! کدھر پہنچے ہوئے ہو؟...... میں تو اپنی باتوں میں اپنے اس مخلص دوست اور مداح سے تعارف کرانا بھی بھول گیا۔''

اس سے پہلے کہ وہ تعارف کرواتا میں بیچ میں بول پڑا۔

''بھائی! میں آج دوپہر انہی کے ہاتھوں سے کھانا لے کر آیا تھا۔ جس احتیاط اور محبت سے کھانا مجھے تھمایا اور بھگایا اس سے مجھے اِن کے اخلاص اور آشفتہ مزاجی کا کچھ کچھ اندازہ ہو چکا ہے۔''

وہ چتون چڑھائے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ ''میں کچھ سمجھا نہیں؟''

''آپ نے مجھے اِن کے ہاں کھانا لینے بھیجا...... جب میں اِن کے مطعم پہنچا تو یہ کھانا لیے میرے منتظر تھے۔ علیک سلیک کے بعد کمالِ محبت و مہر سے کھانے کا پیکٹ میری جانب بڑھا دیا۔ میری بدبختی جو میں نے بل کا پوچھ لیا...... بس یہیں سے ان کا محبت بھرا لہجہ، شقاوت کی کثافت میں ڈھل گیا اور میں سر پہ پاؤں رکھے بھاگ آیا۔''

وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا۔ ''بھائی! یہی بل والی بات سے [illegible] بگڑی [illegible] تم اِن باتوں [illegible] ہوئے مزید کہنے لگا۔ ''تمہارے اور تمہارے خبط کے متعلق میں اِسے سب کچھ بتا چکا ہوں...... چونکہ یہ بھی تمہاری طرح چشم گرفتہ ہے اِسی نسبت سے میرا ایک پُرخلوص فین ہے...... مجھ پہ جان چھڑکتا ہے۔ ایک سے عرصہ سے میرے طعام و قیام کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہے۔''

اَب شاید گفتگو کا ٹریک بدلنے کی خاطر پوچھنے لگا۔

''تم اِس نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے کیا محسوس کر رہے ہو؟''

میں اِس سوال پہ ہڑبڑا سا گیا...... سوچ میں پڑ گیا اسے کیا جواب دوں؟ کچھ توقف کے بعد میں آنکھ نما طشتری میں پڑے ہوئے کسی معصوم بیمار بچے کی اَدھ کھلی آنکھڑیوں کی مانند ایرانی پستے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں ایک نین نیا میں سوار ہوں اور جیسے یہ نیا کسی نین ندیا میں ہچکولے لے رہی ہو۔ ندیا میں مچھلیاں، سیپیاں، گھونگے مونگے بھی آنکھوں جیسے آسمان پہ چاند ستارے بھی نیم خواب آنکھوں کی طرح سوتے جاگتے سے جدھر دیکھوں آنکھیں ہی آنکھیں...... لگتا ہے دُنیا تو دُنیا، پوری کائنات ہی ایک بے کنار کھلی آنکھ ہے اور پھر اس کائناتی آنکھ کی تخلیق بھی جیسے کسی اَزلی اَبدی آنکھ والے کی مرہونِ منت ہو۔''

میں یونہی بے پَر و بال کی ہانک رہا تھا اور وہ میری لن ترانی پہ مسکرا رہے تھے۔ میں شاید کچھ زیادہ ہی گیا تھا خجل سا ہو کر پوچھ بیٹھا۔

”میں دیکھ رہا ہوں اکھڑیوں‘ آنکھوں اور نینوں کے حوالہ سے تمہارا خاصا کام یہاں پہ آویزاں ہے۔ ایک طرح سے یہ کمرا تمہاری نگاہ پروری کا نگار خانہ ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھ کیا ہے اس کا ظاہر‘ باطن‘ کیسی کیسی رعنائیوں سے بصیرت ہے...... کیسے کیسے اسرار و افہام ان میں پنہاں ہوتے ہیں۔ شاید آج ایک ایسا سوال پوچھنے کا مناسب موقع ہے جو ملاقات کے پہلے روز سے ہی میرے اندر کلبلا رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم نے انسانی اعضائی حسن و جمال کی فتنہ توزیوں اور رعنائیوں سے قطع نظر صرف انسانی آنکھوں کو ہی مشقِ ہنر بنایا ہے جبکہ آنکھوں کی اکملیت‘ چہرے سے متعلقہ اعضاء و جزویات کے بغیر ممکن نہیں ٹھہرتی۔ غور کریں تو سمجھ میں آتا ہے کہ آنکھیں چہرے کا [illegible] ہیں اور چہرہ‘ جسم کا جزو ہے۔ جبکہ تمہارا تمام تر زور صرف اور صرف آنکھوں پہ ہی ہوتا ہے یعنی تم جسم کی کلیات کے قطع نظر محض جسم کی جزویات کو اہمیت دیتے ہو۔“

اُس [illegible] بے جغرافیہ چہرے پہ زلزلے کے [illegible] سے اُبھرتے ہوئے [illegible] میری جزبین [illegible] سے پوشیدہ [illegible] انداز میں بولا۔

”کچھ آنکھیں ایسی بھی دکھائی دے جاتی ہیں جو مجھے سمندر کی اُمڈتی ہوئی موجوں کی مانند اپنے ساتھ [illegible] کر اندر لے جاتی ہیں [illegible] جو پھر ان گہرائیوں‘ گیرائیوں‘ گدرائیوں اور گویائیوں میں اُتر جاتا ہے اُسے بھلا یہ ہوش کہ لبِ ساحل کیسی اور کتنی سیپیاں اور گھونگے اُگلتے پڑے ہیں۔ وہ تو آنکھوں کی مرجانی وادیوں گھاٹیوں میں مروارید چُننے پہ لگ جاتا ہے۔“

”سبحان اللہ!“ میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا جبکہ میں اس کی وضاحت و فصاحت پہ قربان ہو کر رہ گیا۔

وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”میں اپنے تجربے اور گہرے مشاہدے کی بنا پہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہر جاندار‘ خاص طور پہ انسان کی آنکھیں ایک ایسی چیز ہیں جو کسی مصور یا شاعر کی جولانیٔ طبع کو انگیخت کرتی ہیں۔ باقی چہرہ اور نقوش آؤٹ آف فوکس جیسی طفیلی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ہزاروں آنکھوں میں چند ایسی فسوں خیز و طلسم ہوشربا کہ ان کے سرسراتے [illegible] جادو سر پہ چڑھ کر بولتے ہیں۔ نینوں کی سولی پہ چڑھا ہوا مژگان کی انیوں سے چھدا ہوا اور ابروؤں کی کٹاروں سے کٹا ہوا پھر کہیں چین نہیں پکڑتا...... اگر وہ دنیا کا بندہ ہے تو کسی نینوں والے کے ہاں

بندۂ بے دام بن کر رہ جاتا ہے۔ اگر وہ تصوف کے رنگ میں رنگا ہوا ہے تو اُسے نین جھروکوں سے کسی "نازِ تجلّی" کی جھلک' جلوہ دکھائی دیتی ہے۔ شاعروں نے کنوں کے جہانِ تخیّل کے گنبدِ مینائی اور قلزم اُنگبیں ——— کہے صائب نظر صانع' صنم تراش اور مخترع مصوّر کے لئے ایسے نیناں اِک آفتِ جان سے کم نہیں ہوتے۔"

کچھ دیر پہلے سپاٹ بنجر سا دکھائی دینے والا چہرہ' اِن نینوں کی گفتگو کے دوران یوں تمتمانے لگا جیسے کسی بالڑ کا چہرہ' اپنے پہلے پہلے پیار کی رُوداد سُناتے سمے تمتما اُٹھتا ہے...... شاعر' انشا پرداز' مصوّر' رقاص' سنگ تراش یعنی فنونِ لطیفہ سے جُڑے ہوئے یہ انوکھے سنوکھے مَلوک سے لوگ' باہر سے باورے مگر بھیتر سے شکر دانے اور شیتل شانت...... اُمنگ رنگ میں کہیں بھنگ ہو جائیں تو فصاحت و بلاغت کی ایسی پھلجھڑیاں اور شُرلیاں چھوڑتے ہیں کہ سُنا اور دیکھا کرے کوئی......؟

میں اُسے تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا...... قہوے کا ایک جُرعہ چڑھاتے ہوئے وہ مزید بتانے لگا۔

"یہ دیواروں پہ اُگے' اُترے اور چمٹے ہوئے عذابوں کی مانند نیناں دیکھ رہے ہو' یہ میرے کلیجے کے ٹکڑے ہیں...... یہ لخت لخت نیناں میرے اَن گنت برسوں کی جاں سوزی اور اَنگشت نگاری کا حاصل ہیں۔ مجھے یہاں پہنچ [illegible] ہوتا [illegible] میں شب کا اہتمام کرتا ہوں۔ کام کے علاوہ یہیں میری نشست' میرا بستر اور یہی جگہ میرے لئے قبر' برزخ اور جنت دوزخ ہے۔"

میں دیکھ رہا تھا کہ وہ جذبات سے عاری گفتگو کر رہا ہے...... بیٹھے ہوئے مکینی کی جانب بہجت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ مزید گویا ہوا۔

"یہ میرا ایک مخلص قدردان ہے۔ مصوّر تو نہیں لیکن مصوّری کی باریکیاں' تقاضے خوب سمجھتا ہے۔ یہ عہدِ جدید و قدیم کی اعضائی مصوّری پہ بھی گہری نظر رکھتا ہے...... شاید تم یہ جان کر خوشی محسوس کرو کہ یہ بھی تمہاری طرح کسی نین نگری کا نین دُکھیا ہے۔ اپنے مطعم میں آنے والے گاہکوں کی جیبوں میں ریالوں کی بجائے ان کی آنکھوں میں کہیں نمانے نینوں کی کھوج میں پڑ جاتا ہے۔ کسی بِلّی کُتّے کی آنکھیں خوبصورت ہوں گی تو اُنہیں گود بھر لے گا...... کوئی پھول پتا' پھل' پتھر وغیرہ آنکھ نما نظر آ جائے یہ اُنہیں حاصل کر لے گا۔ آنکھوں اور نینوں کے متعلق بھی اس کا فلسفہ عجیب سا ہے کہ اکثر چہروں پہ مُردہ آنکھیں ہوتی ہیں جبکہ نین تو کہیں دکھائی ہی نہیں دیتے...... کہتا ہے کہ کارزارِ حیات کا کوئی سفر اِتنا دراز اور دُشوار گزار نہیں جتنا آنکھوں کے سمندروں اور نینوں کے لق و دق صحراؤں کا ہے...... جہاں ذرہ ذرہ شہاب اور ہر قطرہ ایک قلزم ہوتا ہے۔"

گفتگو، شگفتہ اور عام فہم ہو تو ماحول میں چنبیلی کی سی مہک کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ گہرے گلابی اور ہلکے جامنی رنگ بکھر بکھر جاتے ہیں اور اگر گفتگو اَدق اور غیر دلچسپ سی ہو تو کچے دھتورے کی دھونی پھیلی ہوئی [illegible] گھٹن کا گھٹس اُترا ہُوا لگتا ہے۔ بارے موضوعِ سخن اگر فنونِ لطیفہ ہو یا حُسنِ جاناں کی باتیں...... [illegible] یار یا قامتِ دلدار کی قیامت کا تذکرہ چھڑا ہوا ہو تو چاروں اَطراف تارے تمتمائے ہوئے ہوتے ہیں ...... موگرے، مہوے، موتیے کی ملی جلی مہکاریں اور دھنک رنگوں کی دیوالی سی دمی ہوئی ہوتی ہے۔

مصوّر کی ایسی دلپذیر اور سحر آفریں گفتگو سے یہاں بھی کچھ ایسا ہی سماں بندھا ہوا تھا۔ ماحول [illegible] جیسے وقت نے ہچکی لے لی ہو۔ کمرے کی دیواروں، دروازوں کے پَٹ پردوں، فرشی گدیلوں، [illegible] اور خورد و نوش کے سامان و ظروف پہ کھلے اَدھ کھلے پٹپٹاتے ہوئے نیناں ہی نیناں...... یہیں کہیں سمجھ [illegible] کہ دیپک راگ سے واقعی ہی دیپ جل اٹھتے ہیں...... آگ لگ جاتی ہے، شعلے بھڑک سکتے ہیں اور [illegible] ملہار چھڑنے سے رِم جھم ہو جاتی ہے۔

سُر، تال اور لے اور اس کے اَثرات و ثمرات، محض موسیقی کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے [illegible] سخن بھی کما حقہٗ مستفیض ہوتی ہیں [illegible] موسیقی کو [illegible] حاصل [illegible] کہ یہ منفی [illegible] جذبات، [illegible] و اثرات [illegible] آفرینی اور [illegible] میں سر [illegible] چڑھ کر بولتے ہیں...... فنونِ لطیفہ سے متعلق ہر صنف باہم ایک دوسرے [illegible] مربوط ہوتی ہے [illegible] کی جہت سے [illegible] اور موسیقار بھی ہوتا ہے جبکہ رقاص کسی اَنگ سے تراش [illegible]......!

اس [illegible] ستان میں ہم نے [illegible] کئی ایک تصویریں بھی کھینچیں۔ رخصت ہوتے وقت اس [illegible] میزبان نے بکمال محبت و عنایت مجھے ایک عدد پینٹنگ تھماتے ہوئے کہا۔

”میں کسی کو اپنی کھال تو کھینچ کر دے سکتا ہوں مگر اس کمرے میں آویزاں کوئی پینٹنگ اُتار کر نہیں دے سکتا...... میں خود حیران ہوں کہ میرے جی میں کیا آیا؟ یہ پینٹنگ میرے اس دوست کا ایک شاہکار ہے...... تمہارے پاس جو سکیچ ہے یہ اسی پینٹنگ کا ایک نامکمل حصہ ہے۔“

وہ مجھے پینٹنگ کا پیکٹ پکڑاتے ہوئے تاکید کرنے لگا۔

”یہ پیکٹ تم اپنے ٹھکانے پہ پہنچ کر کھولنا...... اب تم فوراً یہاں سے فی امان اللہ ہو جاؤ کہیں میری نیت [illegible] جائے...... جلدی کرو تمہاری فلائٹ کا وقت بھی ہوا چاہتا ہے۔“

ائیر پورٹ پہنچنے سے پہلے ہم ٹریفک میں خوب پھنسے...... یہاں تک کہ فلائٹ چھُوٹنے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا جانے کس سیارے سے گاڑیاں اور مخلوق اُتر آئی تھی...... لنگڑے کچھوے کی چال رینگتے رینگتے جب

ہم ائیر پورٹ کی حدود میں داخل ہوئے تو ہمارے خود کے حساب سے کاونٹر بند ہوئے آدھ گھنٹہ سے زیادہ وقت
گزر چکا تھا۔ مایوسی اور بے دلی کے عالم میں بادلِ نخواستہ ہم برٹش ائیرویز کے کاونٹر پہ پہنچے تو اک ناقابلِ یقین
اطلاع ہماری منتظر تھی۔ کسی ٹیکنیکل وجوہ کی بنا پہ فلائٹ 'تا اطلاع ثانی لیٹ تھی۔ بلکہ خاصی ہی لیٹ دکھائی دے
رہی تھی کیونکہ مسافروں کو ائیر پورٹ کے ریسٹورنٹ کی جانب رات کے کھانے کے لئے ہنکایا جارہا تھا۔ ایسی
صورتِ حال اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب روانگی کم از کم چار گھنٹے کے لئے غیر یقینی ہو جائے اور اس دوران
کھانے کا وقت بھی آ لگے۔ ہم دونوں دیوانوں کے لئے یہ صورتِ حال بڑی تعجب خیز خوشگواریت کا سبب تھی۔
خاص طور پہ میری خوشی دوچند تھی۔ ریسٹورنٹ کے ایک انتہائی کونے میں ایک مختصر سی میز کے گرد ہم نشستوں پہ
بیٹھ گئے...... خلافِ حال وہ مجھے شاداں و فرحاں پا کر پوچھنے لگا۔

''تمہیں تو اس صورتِ حال سے قدرے پریشان دکھائی دینا چاہئے مگر تم تو ایسے ہشاش بشاش ہو
جیسے برٹش ائیرویز نے تمہیں دُنیا کی مفت سیر کا اعزازی ٹکٹ پیش کرنے کی غرض سے یہاں مدعو کیا ہے۔''

میں نے ایک جھکاواں سا قہقہہ پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

''میں واقعی اس ناگہانی تبدیلی پہ بہت خوش ہوں...... ذرا غور کرو بندہ اپنی مرضی پوری کرنے
کے لئے کیسی [illegible] کیا کچھ نہیں
کرتا...... اس کی محنت' کوشش' اہلیت اور نیت میں کہیں جھول نہیں ہوتا۔ اس کے باوصف وہ ناکام رہتا ہے
کہ گوہرِ مراد اُس کے ہاتھ نہیں لگتا...... وہ سوچتا اور کرتا کچھ ہے مگر ہوتا اس کی توقع کے برعکس ہے۔ آج
ابھی کا قضیہ ہی لے لو...... وقت پہ یہاں پہنچنے کی خاطر ہم نے کیا کیا طریقے حربے استعمال نہیں کیے
ہماری کوشش اور نیت میں کوئی کمی تھی؟ اس کے باوجود ہم یہاں وقت پہ نہیں پہنچ پائے۔ ائیر پورٹ کے
صورتِ حال کچھ اور دکھائی دے رہی تھی۔ یہاں پہنچ پائے تو کچھ اور ہو گئی...... اب دیکھئے کہ آگے کیا
ہوتا ہے؟''

اُس نے کچھ کہنے کے لئے پر تولے ہی تھے کہ میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے اپنی روانی
جاری رکھی۔

''دوست! میں ائیر پورٹس' پلیٹ فارموں' لاری اڈوں پہ خجل خوار ہو کر بڑی طمانیت محسوس
ہوں۔ شاید اس لئے کہ یہ مقامات بطور استعارات استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے ازل اور ابد کے درمیان
زندگی اور موت کے مابین زمانیاں...... مرگ اور محشر کے بیچوں بیچ برزخ' گھر سے گھاٹ کے درمیان
دھوبی گھسیٹے رام کا کتا وغیرہ...... لیکن میری اس خوشی کی ایک بڑی وجہ تو تمہیں معلوم ہی نہیں' چلو میں خود ہی

مجھے کچھ مزید وقت تمہاری صحبت میں بیٹھنے کے لئے مل گیا ہے۔“

وہ جھٹ بولا۔ ”اتنے دن تم میرے پاس بیٹھے رہے ہو، کیا اس سے تمہارا جی نہیں بھرا؟!“

”نہیں، اس لئے کہ تم اتنے دن کبھی ایک لمحہ بھی میرے لئے تنہا نہیں رہے۔ تمہارے ہاتھ، اُنگلیاں، دل، دماغ ہر وقت مصروفِ کار رہتے ہیں...... تم چاہو بھی تو کسی کو ایسے لمحے نہیں دے سکتے جب تم اپنی ذات میں تنہا ہوتے ہو...... اس جگہ اب نہ تو کوئی سکیچ بنا سکتے ہو، نہ یہاں کوئی تمہارا ماڈل ہے۔ بُرش، بورڈ اور نہ کاغذ وغیرہ......!“

وہ مجھے یوں تشویش بھری نظروں سے گھور رہا تھا جیسے میں اُسے اغوا کر کے یہاں لایا ہوں...... سُن کر وہ گھمبیر سے لہجے میں پوچھنے لگا۔

”اب تم مجھے یہاں تنہا پا کر کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟“

میں نے غلیظ کڑوے دھوئیں سے ناک ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

”میں تمہاری ذات کے نہاں خانے میں جھانکنا چاہتا ہوں...... جدھر تم نے کچھ چوری کا مال چھپا رکھا ہے۔“

[illegible] دُور سامنے نظریں جماتے ہوئے بادلِ نخواستہ کہنے لگا۔

”مجھے پہلی ملاقات سے ہی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ تم عام لوگوں سے ایک الگ انسان ہو...... تمہاری کھوجتی آنکھوں اور مرکوز اُچاٹی باتوں سے مجھے یقین ہو گیا کہ تم نہیں نہ کہیں میرے لئے کوئی صورتِ حال ضرور پیدا کرو گے کہ جس کا سامنا کرنے پہ میں خود کو مجبور پاؤں گا۔ اب دیکھ لو اس وقت وہی صورت ہے کہ میں کوئی مناسب سا ٹَکا کیے بغیر تم سے اپنی جان نہیں چُھڑا سکتا۔“

میں نے مسکراتے ہوئے اُس کے سبک ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”تم اس ٹک ٹکا کو حسابِ دوستاں سمجھتے ہوئے مجھے یہ سمجھاؤ کہ تمہاری ساری مصوری، جو صرف لکڑیوں، ٹھنیوں کے جادو جگانے تک محدود ہے اس کی وجہ میلانِ شوق ہے یا شوکتِ اظہار...... پاگل پنا یا کوئی رُومانی حادثہ......؟“

وہ بٹ بٹ میرا مُنہ تکے جا رہا تھا۔ میں نے مزید مزہ لینے کی خاطر اپنی بات جاری رکھی۔

”میں اکثر تمہیں اُس کھردرے مگر کھرے شاعر کی سی حالت میں پاتا ہوں جس کے وجدانی لاشعور میں کوئی خیال، شعر یا مصرعہ چنگاری مار رہا ہوتا ہے مگر وہ کوشش بسیار کے باوصف اُسے اپنے احاطۂ اظہار و ابلاغ

میں نہیں لا پاتا۔ عجب جنون کی سی کیفیت صفحے پہ صفحے کالے..... خلاؤں میں گھورتا ہے تو کبھی خود سے اُلجھتا
سوچتا ہے لکھتا ہے۔ مگر بات اَب بھی نہیں بنتی تو قرطاس مٹھی میں مروڑ، گولے بنا بنا کر پھینکتا رہتا ہے۔
کہیں وہ بند مٹھی سے سرکتے جگنو جیسا خیال، ہاتھ سے نکلی ہوئی تتلی جیسی ندرتِ تخلیق کی گُن سُن پالیتا ہو
تشنہ لبی ہی مقدر رہتی ہے اور پھر شاید یہی تشنہ لبی یا اَمر کھوج اُسے خُوب سے خُوب تر کے فنی ارتقا کی جانب
بڑھنے کا ولولہ عطا کرتی ہے۔''

میَں اُس کی کٹورا آنکھوں سے اپنی نظریں ہٹا کر چند ثانیوں کے لئے رُکا تو وہ فوراً بول پڑا۔

''کہتے جاؤ، میَں تمہاری دلچسپ گفتگو سے خوب لُطف اندوز ہو رہا ہوں۔''

''بس میَں جو جاننا چاہتا ہوں وہ تم جان چکے ہو۔ اگر چاہو تو مجھ سے شیئر کرلو..... وقت بھی ہے
بھی اور میری دِلی خواہش بھی۔''

وہ خشمگیں نگاہوں سے تولتا ہوا مخاطب ہوا۔

''سب سے پہلے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ تم خوامخواہ مجھے بانس پہ چڑھا رہے ہو..... ابھی
گفتگو سے مجھے احساس ہوا جیسے تم میرے نہیں کسی اور کے بارے ایسی باتیں کر رہے ہو مجھے
کو جو اہمیت [illegible] چونکہ تم ایک [illegible]
تم چاپلوسی یا غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ بہر حال.....!''

اسی دوران کھانا چن دیا گیا، دورانِ طعام بتانے لگا۔

''میَں بنگلور میں ایک [illegible] مُسلم گھرانے میں پیدا ہوا..... میرا باپ پیشے کے
سنگ تراش تھا۔ اُس کا پسندیدہ موضوع ہندو میتھالوجی تھا۔ ایک مُسلمان ہونے کے ناطے اُسے یہ
کا پیشہ اختیار نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اسی وجہ سے اُسے اپنے خاندان کے علاوہ دیگر مُسلم حلقوں میں بھی
غیر پسندیدہ فرد سمجھا جاتا تھا۔ آخر کار اُسے ایک فتوے کے تحت فاسق و فاجر قرار دے کر خاندان
سے باہر نکال دیا گیا۔ بس یہیں سے ہماری بدنصیبی کا دَور شروع ہوا۔ ہم چھوٹے چھوٹے پانچ بہن
میَں سب سے بڑا، ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا..... گھر میں کچھ ایسی آسودگی بھی نہ تھی کہ ہم باپ
رہ پاتے۔ ہمارے باپ کو گھر بار بیوی بچے، چھوڑتے ذرا بھی احساس نہ ہوا..... سنگِ مرمر
میری ماں کا چہرہ، جس پہ آنکھیں سب سے نمایاں تھیں اور اپنے کام کے اوزار اُٹھائے وہ ایسی عجلت
جیسے کوئی برسوں کا اسیر اچانک رہائی پانے پہ بندی خانے سے جان چھڑاتا ہے..... مجھے وہ لمحہ
تک یاد ہے کہ جب ہم سہمے ہوئے بہن بھائی، خاموشی سے آنسو بہاتی اندھی ماں کے ساتھ گھر کے پچھلے

کہیں وہ بھی ہمیں بے آسرا چھوڑ کر اُس کے پیچھے نہ چل دے...... شام سَمے کے گھاٹ پہ سُورج بس آخری لینے ہی والا تھا' سامنے آسمان' ہماری بے بسی کا یہ دلخراش منظر دیکھ کر لہو لہو ہو رہا تھا...... گھر کی روشنی سے نکل سامنے گہرے ہوتے ہوئے سایوں میں مدغم ہونے والے اس باپ نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

اپنی جگہ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ میرا باپ ایک منفرد فنکار تھا...... دیوی' دیوتاؤں اور سورگ کی کے پیکر تراشنے میں اُس کا کوئی ثانی نہیں تھا...... بڑے بڑے سیٹھوں' دھارمک اداروں' مندروں' گھروں اور بدیسی آرٹ ڈیلروں کے لئے اُس نے بے مثال شاہکار تخلیق کیے۔ داد و دام بھی ملے شہرت و عزت بھی سمیٹی۔ مگر شراب اور جوئے کی لت نے اُسے ہمیشہ کنگال اور خستہ حال ہی رکھا۔ وہ اکثر کے عالم میں میری سدا کی روگی اندھی ماں کو پٹائی بھی کر دیا کرتا تھا...... ہم بچے لوگ ڈرے سہمے سے کھدروں میں دُبک جایا کرتے...... ہمارے معصوم چہرے کسی قسم کے اچھے بُرے تاثر سے عاری رہتے ہم کسی قسم کا کوئی ردِ عمل ظاہر کرنے کے قابل تھے یا شاید اس روزمرہ عمل کے عادی ہو چکے تھے۔ مریل سی ماں بھی چار چوٹ کی کھا کر بے مزہ نہ ہوتی۔ اس کے منہ سے ہائے وائے تو دور کی سسکاری بھی نہ نکلتی۔ عجیب بات کہ مار کھانے کے بعد وہ جیسے نکھر اور اُجل جاتی' خاوند کے [illegible] عجیب بات کہ اس عرصے میں تھک ہار کر ہمارا باپ بھی بڑ جاتا اور نشہ بھی ہرن ہو جاتا۔ اب ہم ایک اور ڈرامائی منظر دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں [illegible] کی خیریت دریافت کر رہے ہیں۔ مضروبہ مقام و اعضا ٹٹول رہے ہیں۔ باپ میرا بچھا بچھا جا رہا اس حرکت پہ پچھتا رہا ہے [illegible] معافیاں مانگ رہا ہے۔ ماں میری' اُس حالت پہ بے دم سی ہو جاتی ہے...... کہے جا رہی ہے' نہیں نہیں کچھ نہیں ہوا...... میں بالکل ٹھیک ٹھاک یہ تو آپ کا پیار تھا' میاں بیوی میں یہ کچھ تو ہوتا رہتا ہے...... میرے باپ کو اپنی خفت مٹانے کے لئے نہ سُوجھتا تو وہ بے تحاشہ اپنا منہ ماتھا پیٹنے لگتا یا پھر زور زور سے فرش پہ اپنے ہاتھ توڑنا شروع کر دیتا۔ صورت حال دیکھ ہم بہن بھائی بھی رونا شروع کر دیتے۔"

آلو کا ایک قتلہ چھری کی زد میں لاتے ہوئے وہ چند ساعتوں کے لئے خاموش ہو گیا پھر استہزائیہ سی ساتھ مزید بولا۔

"ہمارا گھر بھی ایک نوٹنکی کی طرح تھا...... جدھر ہر روز' صبح دوپہر یا شام ایسا ناٹک ضرور کھیلا جاتا گھر کے ساتوں افراد اداکاروں کی طرح تھے...... وہی رٹے رٹائے کردار' لائنیں' جملے' ایکشن...... آغاز اور وہی جما جمایا ہوا انجام...... کھیل' تماشا' تمثیل کیسے بھی اچھے کامیاب اور قابل دید ہوں

آخر کار اپنے انجام کو پہنچتے ہیں...... ہماری باپ کے جانے پہ یہ نوٹنکی بھی بند ہوگئی...... اور اداکار......

''اچھا اچھا' تم پہلے اپنا کھانا ختم کرو...... پڑا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' میں اُسے ہلکی سی ریلیف [illegible]
سوچ رہا تھا۔

چند منٹ ہم دونوں سرنہوڑے کھانے میں مگن رہے۔ یکبارگی میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے [illegible]

''دوست! تم نے دورانِ گفتگو خود بتایا ہے کہ تمہارا تعلق بنگلور سے ہے جبکہ میں تمہیں یہیں کہیں کے خطے کا رہنے والا سمجھ رہا تھا...... تمہاری وضع قطع' لب و لہجہ اور عادات و اطوار کسی طور بھی ہندوستانی [illegible] اشارہ نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ تمہاری شکل بھی یمنیوں' شامیوں' مصریوں سے مُشابہ ہے۔''

ہلکے سے مسکراتے ہوئے بتانے لگا۔

''ہاں' تم نے دُرست کہا...... میرے ساتھ ایسے ہی ہے کہ میں اسی خطے کا باشندہ لگتا ہوں۔ [illegible] مشابہت میرے لئے کچھ خوش آئند نہیں ہے بلکہ ایک طرح کا آزارِ جاں ہے۔ ایسی مطابقت کو یہاں کے [illegible] اور مقامی لوگ کچھ ایسا خوشگوار بھی نہیں سمجھتے بلکہ اُلٹا معیوب گردانتے ہیں۔ اہلِ فارس کہتے ہیں کہ [illegible] شہباز نہیں ہو سکتا...... یعنی اہلِ عرب کسی عجمی کو اپنی سی توقیر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے...... ہاں [illegible] تھا۔ باپ [illegible] بیمار [illegible] پڑ [illegible] بڑا تھا...... پڑھائی کے ساتھ کسی نہ کسی طور' گھر چلانے میں ماں کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ آخر ایک دن ماں [illegible] ایک رات ایسی سوئی کہ اگلی صبح اس کی میت اس حالت میں بستر پہ پڑی تھی کہ دونوں آنکھوں کے [illegible] ڈیلے' چاندی کی ایک کٹوری میں دھرے تھے اور پاس ایک کاغذ پہ اُدھوری سی شکستہ تحریر بھی پڑی تھی۔ [illegible] تھا...... ''یہ بدنصیب آنکھیں' میرے بچوں کے باپ کے لئے میری جانب سے آخری تحفہ ہیں...... میری [illegible] ہے کہ یہ آنکھیں' جیسی بھی حالت میں ہوں دیر بدیر میرے محبوب شوہر تک پہنچادی جائیں''...... میرے [illegible] نے ایک حکیم کے مشورے کے مطابق ان بڑی بڑی مُردہ آنکھیں شہد میں ڈال کر شیشے کے ایک مرتبان میں محفوظ کرلیں...... ماں کی فوتیدگی کے بعد میں نے سکول چھوڑ دیا۔ ماموں بھی کچھ آسودہ نہ تھا کہ [illegible] کفالت قبول کرلیتا۔ بس برائے نام آسرا ہی تھا...... وہ کون سا معقول' نامعقول کام تھا جو میں نے نہ کیا [illegible] نہ کسی طور رُوکھی سُوکھی روٹی چلنے لگی۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے میرے قد کی طرح' وقت بھی آگے نکل آیا...... میں فارغ اوقات میں [illegible] باپ کے کام والے کمرے میں گھس جاتا۔ جہاں اب بھی اُس کے کچھ اوزار' تراشے اَن تراشے [illegible] مکمل اور اُدھورا کام پڑا ہوا تھا...... یہاں مجھے ایک گونہ سکون سا محسوس ہوتا تھا...... اِدھر اُدھر' کونوں [illegible]

میں تکتا رہتا۔ ایک دن پتھروں کے کاٹھ کباڑ میں ایک ایسا نامکمل پتھر کا چہرہ ملا جو ہو بہو میری ماں کے چہرے سے مشابہ تھا…… اس چہرے پہ آنکھوں کے علاوہ باقی نقش مدھم تھے لیکن آنکھیں ایسی جاندار اور بولتی تھیں کہ جان پڑتا تھا ابھی مسکرا اٹھیں گی یا پھر چھلک پڑیں گی۔ میں ان آنکھوں کو دیکھتا ہی رہ گیا کیونکہ یہ ہو بہو میری ماں کی آنکھیں تھیں…… تم شاید جانتے ہو گے کہ پتھر، پلاسٹر، مٹی اور لکڑی پہ آنکھیں ابھارنا بڑا مشکل کام ہے۔ خصوصی طور پہ اُن میں کسی کیفیت یا تاثر کو پیدا کرنا ایسا آسان نہیں ہوتا۔ ایسی آنکھیں تراشنے یا بنانے والے لاکھوں میں کہیں دو چار ہی ہوتے ہیں اور میرا باپ بھی ان دو چار میں سے ایک تھا…… یہیں مجھے سجھائی دیا کہ میری ماں نے مرنے سے پیشتر اپنی آنکھیں نکال کر جو میرے باپ کو بھینٹ کی تھیں اس کے پس منظر میں کیا تھا؟ میں نے بچپن میں اپنے ماں باپ کو ہمیشہ لڑتے جھگڑتے اور بعد صلح صفائی کرتے دیکھا لیکن اب دھیرے دھیرے سمجھ میں آ رہا تھا کہ میری ماں سے میرے باپ کا بیوی کے علاوہ بھی کوئی رشتہ تھا۔ میری اندھی ماں، میرے باپ کی بیوی سے زیادہ ایک محبوبہ تھی۔ وہ اس کی دلنشین آنکھوں پہ دل و جان سے فدا تھا۔ انہی آنکھوں نے ہی اُسے ایک نابغۂ روزگار صنم تراش بنایا تھا۔ سیتا یا دیگر دیویوں کے چہروں پہ وہ اسی کی آنکھیں سجاتا تھا۔ ان سندر مدھ سے بھری آنکھوں کی وجہ سے [illegible] کے بنائے ہوئے مجسمے [illegible] ہو جاتے تھے۔''

''[illegible] اپنی ماں کی آنکھوں [illegible] آنکھیں [illegible] باپ [illegible] اندھی [illegible] تھا؟''

''بالکل، میری ماں نیم اندھی تھی…… یعنی دن کی روشنی میں برائے نام ہیولا سا دیکھ سکتی تھی جبکہ شام کے سائے ڈھلتے ہی وہ کور چشمی کا شکار ہو جاتی…… پر اس کی شفاف ہیرے کی مانند دمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مادر زاد نابینا ہے۔ [illegible] کیا تمہیں، اُس کے خاندان والے بھی سب کے سب ایسی ہی آنکھوں والے اور اسی طرح اندھے ہیں۔''

میں نے اُس کے قریب سرکتے ہوئے جھجکتے جھجکتے پوچھا۔

''کیا تم کچھ ان خوبصورت آنکھوں والے اندھوں کے بارے میں کچھ مزید بتانا پسند کرو گے؟''

وہ ایک لمبا سا وقفہ لیتے ہوئے قدرے متردد سا بولا۔

''یہ ساری کتھا سنانے کے لئے مجھے کچھ تفصیل میں جانا پڑے گا اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے جاننا ضروری ہے۔ ہاں، البتہ دلچسپ ضرور ہے۔''

''یہ سنگ تراشی، چتر کاری کا فن و پیشہ ہمیں اپنے پرکھوں سے ودیعت ہوا ہے…… ہمارے دادا پڑدادا، راجوں مہاراجوں کے لئے پتھروں، ہاتھی دانت اور سونے چاندی کی مورتیاں بناتے تھے اور شاہی چتر کار، مورت گڑھتے کہلاتے تھے۔ ان کے بنائے ہوئے چیدہ چیدہ شاہکار، آج بھی مختلف ریاستوں کے

راج بھوتوں، عجائب گھروں، پُرانے مندروں اور بیرونِ ملک آرٹ گیلریوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ میرے دادا نے میرے باپ کو بہت کم عمری میں اِس کام پہ لگا دیا تھا...... مگر اِس کام میں اِس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جب اِک خاصا عرصہ پتھر رگڑتے، مورتیوں کی پالش کرتے گزر گیا اور اصل کام و ہنر کی [illegible] تو دادا نے میرے باپ کو نکھٹو سمجھتے ہوئے اپنے بھائی لکشمن داس کے ہاں بھوپال بھیج دیا۔ لکشمن [illegible] شمار وہاں کے مہان اُستاد چتر کاروں میں ہوتا تھا۔ مَیں بتاؤں کہ ایسے چتر کار، مورتیاں تراشنے والے صرف دیویوں، دیوتاؤں اور شری کرشن جی، مائی سیتا یا اوتاد اوتاروں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں انھیں [illegible] عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اِسی طرح لکشمن داس بھی ایک مہان چتر کار تھے۔ اُن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ہر کسی کو اپنا شاگرد نہیں بناتے تھے اور اگر کسی کو بنا بھی لیتے تو ڈھنگ سے کام نہیں سکھاتے تھے۔ مزاج کے تلخ، زبان کے سخت نہ کسی کا لحاظ نہ خیال...... میرے باپ کو بھی اُنھوں نے بڑی سخت شرطوں سے قبول کیا تھا۔

مَیں نے بڑی آہستگی سے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

”ابھی ابھی تم نے کہا کہ تمہارے دادا کے بھائی کا نام لکشمن داس تھا۔ اِس کا مطلب ہے کہ تمہارے دادا پڑدادا ہندو تھے......“

”ہاں! ہمارے علاوہ ہمارے تمام رشتہ دار ہندو ہی ہیں۔ بلکہ کٹر ہندو! وقت [illegible] کہ میرے بھگوان داس کی ایک مسلمان درویش سے کہیں مٹھ بھیڑ ہو گئی...... خدا جانے اُس نے کیا چمتکار دکھایا کہ مسلمان ہو کر اِس کا مرید بن گیا [illegible]...... مشہور ہوا تھا اللہ بخش میرے دادا کے [illegible] اور میرے والد کے دوست بھی...... اِن دونوں کا ایک ہی وقت زمانہ تھا۔ ایک ہی طرح کا کام اور ایک سا کمایا...... چاہیے تو یہی تھا مُسلمان ہونے کے بعد وہ مورتیاں اور دیویاں دیوتا بنانا ترک کر دیتے مگر نہ کر سکے۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر نرت، اَصنام گری اور چتر کاری میں اساطری ہندو میتھالوجی کو نکال دیں تو باقی محض اُچھل کود، گھگو گھوڑے اور بچوں کے کارٹون رہ جاتے ہیں۔ جیسے گیت کویتا وغیرہ [illegible] انگ رنگ بغیر ٹپے ڈھولے سے لگتے ہیں...... میرے دادا نے اسلام قبول کرنے کے بعد کوشش کی کسی ایسے معاش میں ڈھالے جس میں کوئی مذہبی قدغن نہ ہو مگر کوشش بسیار کے باوجود ایسا نہ ہو سکا فن و ہنر کی آفاقیت ہماری نسلی پہچان بن کر ہمارے خون میں جذب ہو چکی تھی...... دادا راہیِ عدم [illegible] گھرداری کا سارا بوجھ والد صاحب کے کندھوں پہ آ پڑا اور اِن کا یہ عالم کہ اِن کے نام کام سے نہ ہندو اور نہ مُسلمان راضی...... ہندو اِن کے ہاتھ کی بنی مورتیاں تصویروں کو کھلے دل سے قبول نہ کرتے تھے

مسلمان نے بنائی ہیں جو اپنا نام، جنم دھرم سب کچھ تیاگ کر ملیچھ ہو چکا ہے۔ اُدھر مُسلمان یوں خفا کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود بھی کافروں کے لئے بُت تراشتا ہے۔ ان کے دیوتاؤں دیویوں کی تصویریں بناتا ہے۔ یہ منافق و ملحد ہے۔ اس کی روزی حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی کیفیات اور مسلسل ذہنی قلبی اذیت نے اسے بے طرح چڑچڑا اور زندگی سے بے زار سا کر دیا۔ اس خاندانی کام کے علاوہ اسے اور کچھ آتا بھی نہیں تھا…… پیٹ کا دوزخ بھرنے کی خاطر بادلِ نخواستہ یہی دھندہ جاری رکھا…… مگر جو کام قماش، دلجمعی، ذہنی آزادی اور کُھلے ہاتھوں سے انجام پذیر نہ ہو اُس میں بھلا خاک مزہ اور برکت ہو گی جبکہ میرا باپ پہلے ہی سے ہاتھوں کا کچا اور فنی اعتبار سے بچہ تھا اب اس صورتِ حال سے بالکل ہی بکھر کر رہ گیا…… بکھری ہوئی کوئی بھی شے ہو وہ بے رنگی، بے وزنی اور بے توقیری سی ہو جاتی ہے۔ عمر ناپختہ، سمجھ عقل خام، تحمل صبور ناپید اور اُوپر سے معاشی پریشانی…… ایسی صورتوں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ پیروں فقیروں کے آستانوں اور دلچسپی یا منشیات سے رغبت!…… ورنہ خود کشی یا دیوانگی تو ہوتی ہی ہے۔

بھوپال میں جن جنجال……!

بھوپال میں حضرت شاہ بابا نابینا کا مرقد کوئی ایسا معروف مزار نہیں تھا جہاں ہر وقت زائرین ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے ہوں یا قوالی سماع کی محفلیں بپا ہوتی ہوں۔ یہ جنگل کے کنارے ایک [illegible] سی کچی قبر تھی جس پہ گھاس کم اور ٹھیکریاں روڑے زیادہ تھے اور نہ ہی ارد گرد کوئی دیوار یا اور کھپریل یا گنبدوں کا چھپر کھٹ…… آس پاس کہیں "نذر نیاز" پھول پتی کی دوکان یا کوئی جھونپڑا مکان بھی نہ تھا…… مجاور نہ متولی اور نہ کوئی مہتر مصلی…… ایک عجیب سی بے سروسامانی اور اک گونہ ویرانی یہاں کھنڈی رہتی…… اکا دکا آنے جانے والوں میں اکثر مست حالے اور بے حالے ہوتے تھے۔ جو پتہ نہیں یہاں کیا لینے دینے آ جاتے تھے؟ دیکھا گیا ہے کہ ایسے غیر معروف مرقدوں مزاروں کے آس پاس، ٹونے جڑے نشے والے مٹ پونجیے آ براجتے ہیں…… اپنے حالات اور اُلکست کا ستایا ہُوا میرا باپ کہیں اس راہ پہ آ لگا تھا…… اپنے اندر کے تھور شور کی طرح یہاں کا اُجڑا محلِ وقوع بھی اسے بہت بھایا۔ چونکہ یہاں کے آنے جانے والے زیادہ تر اندھے نابینے تھے اس سے وہ اِدھر بلا خوف خطر آنے جانے لگا…… ہلکی پھلکی منشیات کا عادی وہ پہلے بھی تھا یہاں آنے جانے سے وہ عموماً بھنگ پہ لگ گیا جس کی یہاں جنگل میں کمی نہ تھی…… تم جانتے ہو گے کہ بھنگ کا نشہ، نشوں میں سب سے گھٹیا اور کمینہ نشہ ہے۔ صاحبِ مزار کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ مادر زاد نابینا اور مجذوب تھے…… بھنگ کے

چتوں کی تُندی اور مشروب خوراک...... پُرانے لوگ کہتے تھے کہ کورنظری کے باوجود وہ سب کچھ دیکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے...... ان کے گھرانے والے چندنے نیناں والے حافظ کہلاتے اور اس مزار سے بہت پرے جنگل کے کنارے ایک چھدری سی بستی میں رہتے تھے۔ مفلوک الحال بے ضرر شریف سے لوگ جن کا رزق پانی قرآن پاک کی تلاوت سے بندھا ہوا تھا...... اس گھرانے میں جنم لینے والا ہر بچہ مادرزاد نابینا ہوتا۔ اللہ جانے یہ کسی بزرگ کی بددعا تھی' اللہ کی طرف سے کوئی آزمائش یا کوئی انعام و اعزاز...... اندھا ہونا اپنی جگہ پہ ایک کمی ضرور ہے مگر یہی کمی ان سب کے لئے رحمت کا باعث تھی کہ ہر فرد قرآن پاک کی نعمتِ بے بہا سے بہرہ ور تھا۔ ان مردوں اور عورتوں کا قماش' سوز' نعتیں اور قرآن پڑھنا پڑھانا تھا۔ ایک اور نمایاں خصوصیت جو اس خاندان کے ہر بچے بوڑھے' مرد و زن کی پہچان تھی وہ ان کے پُرنور روشن چہرے پہ کنول نین تھے...... ایسے بولتے زندہ جادو کہ دیکھنے والا' ان میں کہیں گم ہو کر رہ جائے...... ان سحر بھرے نینوں کو دیکھنے والا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ بے نُور ہیں۔ مقابل کے چہرے پہ آنکھیں جما کر بات کرتے تھے...... اندھوں والی جھنجھلاہٹ اور احساسِ محرومی ان میں نام کو نہ تھی اور نہ ہی روزمرہ کے معمولات میں کوئی غیر معمولی بات تھی...... انہیں کارہائے حیات میں پوری دلچسپیوں اور توانائیوں سے مگن دیکھ کر گمان ہوتا تھا یہی اک آنکھ اور جانچ والے [illegible]

کہتے ہیں اندھوں کے ہاں محض اک ظاہری بینائی کی کمی ہوتی ہے مگر ان کی حسیات اور باطنی بینائی غیر معمولی طور پہ تیز [illegible] ہوتی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ آنکھ والے راستہ بھول جاتے ہیں مگر بے آنکھ نہیں بھولتے۔ دس برس بعد بھی وہ اس اجنبی کو پہچان لیتے ہیں جس سے وہ صرف ایک بار بھی ہم کلام ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے رُوبرو والے کی سات پردوں میں چھپی ہوئی خوبیوں' خباثتوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ کورچشم وکیل' ڈاکٹر' سائنسدان' پروفیسر...... میں نے ایک اندھا گھڑی ساز بھی دیکھا...... اندھے سائیکل موٹر چلاتے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیاں سر کرتے ہیں۔ دُنیا کے سفر کو نکلتے ہیں۔ شاعر' ادیب' موسیقار' مصور مجسمہ ساز' اخباروں کے ایڈیٹر' فلموں کے پروڈیوسر' ڈائریکٹر بھی۔ سرکسوں میں' نشانہ باز' آہنی تار پہ سائیکل چلانے والے۔ حتیٰ کہ کئی ایک طبیب حاذق بھی بینائی سے محروم گزرے ہیں...... معلوم ہوا جو جاندار انسان ظاہری بینائی سے محروم ہوتے ہیں ان کے ہاں دیگر حسیات اور بہت سی پُراسرار صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں۔

وہ بتا رہا تھا...... اسی عالمِ شوریدگی و بے خودی میں ایک دن میرا باپ اس مزار کے قریب ایک بے ثمر و بار درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بے نُرت سا پڑا تھا...... بھوک اور مایوسی نے اودھم مچایا ہوا تھا۔

جانب سے معمولی لباس و شکل صورت والی ایک لڑکی اُس کی طرف آئی اور پیپل کے پتوں والے تُڑے مُڑے میں ڈھیلا سا کھچڑا اُسے تھماتے ہوئے بولی۔

''مایوسی، بے دلی گناہ ہیں......''

میرے باپ نے اُسے نظر اُٹھا کر دیکھا...... شمشاد قامت، دھان پان سی لڑکی اُس کے سر پہ چڑھے کھڑی تھی...... ملیح چہرے پہ ایسی شفاف روشن آنکھیں کہ جیسے دریائے نور کے دھارے ہوں۔ گُم سُم میں ڈوبا، بن آنکھ جھپکے اِس کی آنکھوں میں کھویا رہا۔ ہوش اُس سمے آیا جب وہ دِیے کی لو سی لڑکی وہاں چکی تھی۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں دیکھا بھالا مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی...... اِک عجیب سے بے کلی، تجسس سے دوچار کر کے سحر زدہ سا کر گئی تھی۔ شام ڈھلے تک وہ انتظار کرتا رہا، تب وہاں سے اُٹھ آیا۔

روز صبح سویرے ہی وہاں پہ جا براجمان ہوا...... پورا دن راہ دیکھتے کٹ گیا، مگر اُسے نہ آنا تھا نہ آئی۔ نے جانے والیوں کو غور سے دیکھتا رہا مگر وہ شمشاد قامتی، یمنی عود کی سی ملاحت رنگی...... فسوں گھولتی ہوئی کا عکس بھی کہیں دکھائی نہ دیا۔ اِس روز بھی بے نیل مرام گھر پلٹ آیا...... کھانا پینا ختم ہو گیا، البتہ کی خوراک بڑھ گئی...... رات، کھلی آنکھوں سے تارے گنتا رہتا، ہر تارا اُس کی [illegible] بن آنکھ کا کھلا [illegible] کو خطوط میں شروع کر دیا۔ نور کے تڑکے وہ اُس کا سراپا وضع کر چکا تھا۔ آنکھوں پہ پہنچ کر پھنس گیا...... بناتا، مٹا دن کے پہلے پہر تک وہ اسی بنانے مٹانے میں سرگرداں رہا۔ جو اُس کے تخیل میں تھا وہ ہنوز بن نہ پا رہا سر پٹا کر اُٹھا اور بن [illegible] مزار کی جانب چل دیا۔ پھر وہی انتظار اور انتظار۔ اِسی طرح پھر روز آگے بڑھ گئے اور جنوں بھی کہ اِن دنوں وہ کئی ایک تصویریں بنا کر ضائع کر چکا تھا...... بس اِک تھیں جو نہیں بن پا رہی تھیں...... اُن میں وہ پاکیزہ سی آفاقیت ہی پیدا نہیں ہو رہی تھی جو اُن آنکھوں کا امتیاز تھی۔

جمعرات ہی کا روز کہ وہ حسبِ معمول اُسی پیڑ کے تنے سے تن جوڑے بھنگ کے نشے میں جھوٹے رہا تھا...... اُس نینوں والی کا وہ بول اُسے ابھی تک ازبر تھا...... ''مایوسی، بے دلی گناہ ہیں''...... اِسی سبق نے ابھی تک اِس اُمید سے باندھے رکھا تھا کہ وہ ضرور آئے گی...... کھچڑے کا دونا دے گی اور کوئی نیا سبق ...... اور ہُوا بھی ایسے ہی...... وہ اپنی لگن میں گم منتظر پڑا تھا۔ ایسے میں کوئی پاس آ کر بڑی نرمی سے کہہ رہا

''لو یہ تبرک کھا لو......'' وہی لڑکی اُس کے روبرو ایک دھوئیں کی دھانس بنی کھڑی تھی...... ترنگ میں

ڈولی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اُسے دیکھ رہی تھا۔ لرزتے ہاتھوں سے کھچڑے کا ڈونا تھامتے ہوئے خودکلامی کے انداز میں پوچھنے لگا۔

''تم اتنے روز کہاں رہی؟ میں اِن دنوں اِدھر بیٹھا تمہارا اِنتظار کرتا رہا۔ تیرا پڑھایا ہوا سبق مجھے اچھی طرح یاد ہے...... میں نا اُمید ہوا نہ ہی بد دل...... لیکن تم نے مجھے یہ سبق یاد کرنے کی خوب سزا دی۔''

وہ ہبڑ ہبڑ کھچڑا ٹھونس رہا تھا...... اُسے اِس بُری طرح کھاتے محسوس کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''دھیرج سے کھاؤ، کم پڑے تو اور لا دوں گی۔''

کچھ جواب دیے بنا اُٹھ کھڑا ہوا، کُھلی آستین سے باچھیں پُونچھی...... ہونٹ صاف کیے، چند لمحے اُس کے شانت نین ساگروں میں دُور تک اُترتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم کہاں رہتی ہو، تمہارا نام کیا ہے، تم اِدھر جمعرات کے روز ہی آتی ہو یا......؟''

وہ ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی۔ ''اِن باتوں کو چھوڑو...... پکڑنے کی بات یہ ہے کہ کام کاج سے [illegible] چرا کر بیکار کے نشے شغلے سے بات نہیں بنے گی۔'' مزار کی جانب چہرہ پھیرتے ہوئے مزید کہنے لگی۔ ''بابا کہا کرتے تھے کہ جو منش نشے کے بھیتر اپنی کوئی منزل یا مقصد تلاش کرتا ہے وہ بدنصیب اور بد اعمال ہے۔ تمہیں یہاں [illegible] اور [illegible] دے......!''

اِتنا کہہ کر وہ واپس جانے لگی تو اُس نے بن سوچے سمجھے، جھٹ اُس کی کلائی پکڑ لی، پاس [illegible] بستے سے کھینچ کچھ چتر نکالے، دکھاتے ہوئے گھگھیایا۔

''دیکھو میں اِن دنوں گھر پہ یہ کام کرتا رہا ہوں...... میں ایک چتر کار ہوں...... کیول میرا من [illegible] کام میں نہیں ٹکتا۔ یہ ہمارا پُرکھوں سے دھندا ہے۔ پر یوں لگتا ہے کہ میرا تن من کسی نے باندھ دیا ہوا ہے۔ [illegible] توڑنے کو جی نہیں کرتا...... لیکن جب سے تمہیں دیکھا، تمہارے سبق پہ غور کیا ہے...... سمجھ میں کچھ کچھ آیا ہے۔ اپنے پُرکھوں کے فن کو آگے بڑھانا چاہیے...... یہ نشہ کرنا مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ میرے باپ کو بھی یہ نشہ [illegible] لے ڈوبی۔ لیکن؟...... لیکن میرا خود بھی قابو نہیں، میرا من کچھ کرنے کو نہیں کرتا اگر کچھ کام کرتا بھی ہوں [illegible] میں دم نہیں ہوتا۔''

وہ اُسے اُلٹے سیدھے کئی ورق دکھاتے ہوئے مزید بتانے لگا۔

''دیکھو میں اِتنے روز تمہاری تصویریں بناتا رہا ہوں...... تمہارے شریر کے رُوپ سروپ تو [illegible] بنے مگر ہر بار تمہاری آنکھوں نے مات دی۔ بننے کو تو وہ بن جاتی تھیں مگر وہ بات نہیں بنتی تھی جو تمہاری [illegible]

آنکھوں کی گھات میں ہے۔"

وہ وہیں سے چتون چڑھاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"چترکاری میں شعلے کی لپوٹ، دیئے کی لوٹ اور آنکھ کی جوت میں جان ڈالنا بڑے جوکھم کا کام ہے۔ آنکھ کے اندر جو آنکھ اور اس کے اندر جو آہوان ہوتا ہے اُس کا آنک کرنا، اُسی مہان چترکار یا آکار کار کے لئے آسان ہے جس نے کسی آبھنگیہ لوچن کے آنگن میں آنکھ کھولی ہو۔ میرا کہا تم سمجھ گئے ہو کہ آنکھ ظاہری صورت میں محض عکس دیکھنے والا عضو ہے۔ جس کی خوبصورتی کی محض ایک پرت ہے مگر اس کے اندر کی جو باطنی آنکھ ہے وہ عکس کو نہیں اصل کو دیکھتی ہے اور یہ خوب دیدگی میں صد برگِ گلِ داؤدی کی مانند ہوتی ہے...... اس کی سوجھ، اُسی کو ملتی ہے جس کو وہ مہان چترکار عطا کرے جسے مصوّر اور خالق بھی کہتے ہیں اور یا پھر جسے چشمِ یار سے اذنِ اظہار عطا ہوا ہو۔"

وہ آنکھوں میں شگاف کیے، دل و دماغ کے دیوں کی لَویں بڑھائے اُس دیدہ ور کی دُر افشانی کے [illegible] میں تھا۔ ..... نہیں اُس کے دماغ کی کوئی ورید کھلی اُس پہ افشا ہوا کہ یہ منشیات تو محض اصل ہی غفلت ہے۔ [illegible] اچانک پوچھ لیا۔ "تم ناری کا روپ ہو یوں [illegible] ایسے دیہات بھرے بھید بھرے شبد اور گیان گندھے گن؟ ..... اس برتی برکھا کے دو چار چھینٹے مجھ کم جلے پہ بھی [illegible]"

چند لمحے وہ بے شکت بُت کی مانند کھڑی رہی [illegible] منہ اُٹھا کر جدھر سے آئی تھی اُدھر چل دی۔ ..... میرا باپ کچھ دیر اُسے مزار کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ پریشان تھا کہ کوئی جواب یا مزید کچھ بات کیے بغیر وہ بڑی بے نیازی سے چل دی۔ اُس کی یہ بے رُخی سمجھ میں نہ آئی تھی۔ کہیں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے تو نہیں نکل گئی تھی ..... یہی سوچتے غور کرتے اُس کے پیچھے مزار تک آ پہنچا ..... وہ سرہانے کی جانب دھرے نمک بھرے لگن میں اگربتیاں اُڑس رہی تھی ..... پائنتی کے پاس کھڑا اُسے دیکھتا رہا ...... میانہ قد، چھریرا انگ بدن، کچے صندل سی رنگت، آنکھوں کے علاوہ عام سے خد و خال ..... معمولی مقامی پہناوے میں وہ کسی انجانے نگر کی ناری دکھائی دے رہی تھی۔

ایک مجذوب سا بوڑھا اُس کے پاس آ کھڑا ہوا اور اک عجیب لہجے میں بآوازِ بلند کچھ بڑبڑانے لگا ساتھ ساتھ اپنی کہنی سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکے بھی رسید کرنے لگا۔ اس نئی اُفتاد سے گھبرا کر ذرا پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اگلے لمحہ وہ بوڑھا پھر اس کی بغل میں آ کھڑا ہوا ..... منہ اس کے کانوں کے قریب لا کر

کہنے لگا۔

''مانگ جو کچھ مانگتا ہے، دیکھتے نہیں ہو صاحبزادی صاحبہ اگر سلگا رہی ہیں پھر چراغ جلائیں گی اس کے جو بھی مانگو بابا دلوا دیتے ہیں۔''

سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے میرے باپ نے اُسی لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟...... اس کا نام اور یہ کہاں رہتی ہے؟''

بوڑھا، ناگواری حیرانی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگر تم صاحبِ مزار کو جانتے ہو تو صاحبزادی صاحب کو جانتے ہو گے۔ نہیں جانتے تو سنو۔ صاحبزادی صاحبہ چندے نیناں والے خاندان کی چشم و چراغ ہیں اور صاحبِ مزار بابا کی متولی ہیں۔''

میرا باپ حیران سا پوچھنے لگا...... ''ایک عورت بھی مزار پہ متولی ہو سکتی ہے؟''

''ہاں اگر صاحبِ مزار بھی عورت ہو تو......!''

''تو کیا یہ کسی بزرگ عورت کا مزار ہے؟''

''ہاں یہ ایک ولیہ کا مزار ہے۔ جنھوں نے تجرد کی زندگی گزاری اور تمام عمر ہر روز ایک قرآن پاک تلاوت کیا۔

''آپ کہہ رہے کہ یہ لڑکی یہاں کی متولی ہے...... میں یہاں ہر روز آتا ہوں! اسے پچھلی جمعرات یہاں دیکھا تھا۔ اس کمبخت نے اپنے ہاتھ سے مجھے کھچڑا دیا تھا اور یا پھر آج میں نے اس کا دیا ہوا کھچڑا کھایا ہے۔ کیا وہ صرف جمعرات کو ہی یہاں آتی ہے؟''

''متولی تو کیا...... یہاں صاحبہ مزار بھی رات کو نہیں رہتیں...... وہ بغداد شریف میں اپنے جد کے روضے پہ شبینہ پڑھنے چلی جاتی ہیں۔ اُن کی عدم موجودگی میں یہاں شیر پہرہ دیتے ہیں۔''

''اور متولی صاحبہ......؟''

''وہ سامنے جنگل کی اوٹ اپنی بستی میں چلی جاتی ہیں۔ چندے نیناں والے حافظوں کا گھرانہ اسی بستی میں ہے۔''

''چندے نیناں والے حافظ......؟'' میرے باپ نے کئی بار ان الفاظ کو دُہرایا...... نیناں پہ اس کی سوئی اٹک جاتی تھی...... نیناں نیناں...... یکبارگی اس نے روبرو اس متولی لڑکی کے غیر معمولی نقش اُبھر آئے جنھوں نے اس کی زندگی کا پانسہ ہی بدل دیا تھا۔ اس کے اندازِ فکر میں ایک مثبت تبدیلی دی...... اندر کے مدہوش فنکار کو جھنجھوڑ کر اس میں جینے کا جذبہ، کچھ کر گزرنے کی جستجو جگا دی تھی۔ اس کے

حسنِ جمال کو انگیخت کر کے بیدار کر دیا تھا۔

نیناں‘ چندے نیناں؟...... بزرگوار! یہ چندے نینوں کا کیا قصہ ہے؟''

بوڑھا اس کی جانب دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔

''اس عجیب و غریب گھرانے کے بارے میں کوئی بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... کوئی کچھ بتاتا ہے اور کوئی کچھ سناتا ہے...... متوسط طبقہ کے متوکل سے لوگ ہیں۔ اللہ جانے کیا سچ ہے اور کیا نہیں؟...... ہے کہ موجودہ خاندان ایک جن کی نسل سے ہے۔ یہ جن پہلے مُلحد تھا...... اللہ کا کرنا کہ یہ کسی مُہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ بہتیرے علاج معالجے ہوئے مگر افاقے کی بجائے دن بدن حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ آخر جب جان کے لالے پڑ گئے تو کسی حکیم حاذق کا پتہ چلا کہ اُن کی مسیحائی سے جن و بشر کے علاوہ دیگر مخلوق بھی مستفید ہوتی ہے۔ یہ صاحبِ مزار مسیحا صفت حکیم‘ مادرزاد نابینا و حافظِ قرآن تھے اور ادھر بھوپال کے نواح میں ایک پسماندہ سے علاقے میں رہتے تھے۔ مشہور ہے کہ ان کے پاس حکمت و طب کے علوم بھی وہبی تھے۔ کسی سے لکھا پڑھا اور نہ کہیں سے سیکھا۔ مکتب مدرسے کے قریب تک نہ گزرے...... مریض کے قدموں کی [illegible] جسم کی بُو اور لمس [illegible] ان کے پاس مختلف نوع کے جانور بھی علاج کے لیے پہنچتے۔ اسی خاندان کے ایک موجودہ بزرگ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان حکیم صاحب کے ہاتھوں کی پشت پہ حضرت سلیمانؑ کے درباری حکیم مقیس خمشی والی لوح کا نقشہ اُبھرا ہوا تھا۔ اس نقشہ کی طلسماتی لہروں سے حکیم مقیس‘ جو بشر تھا...... جنوں‘ انسانوں‘ پرندوں اور دیگر جانداروں کا علاج کیا کرتا تھا۔ (ہاتھوں کی [illegible] ترغیبات وغیرہ شاید اسی طلسماتی لوح کی جوہری توانائی کی لہریں ہیں جو پُراسرار نہفتہ علوم کی گُم گُوتھ سے کہیں خارج ہو کر انسانی دماغ کی پٹاری میں کسی خوبصورت مگر خوفناک سانپ کی مانند قید ہو کر رہ جاتی ہیں۔ کُرۂ ارض پہ سانپ ہی سانپ اور مچھلیاں ہی مچھلیاں ہوتیں۔ اگر سانپ اور مچھلیاں اپنے نوزائیدہ انڈے بچے چٹ نہ کر دیں...... جو بچہ کسی طور بچ نکلتا ہے وہی زندہ رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی خفتہ اکھر ٹونکا بچ کر کسی مخصوص انسان کے پاس آ نکلتا ہے۔ جس سے ایک عالم فیضیاب ہوتا ہے)...... وہ قریب المَوت جن اپنی جون بدل کے کسی نہ کسی طور حکیم صاحب کے ہاں پہنچ گیا۔ اُس کی سمجھ میں تھا کہ حکیم صاحب پیدائشی نابینا ہیں‘ خود کو ظاہر کیے بغیر اپنا علاج کروا لے گا...... ادھر حکیم جی تھے کہ اس کی بُو باس پاتے ہی جان گئے‘ اس کی اصلیت اور مرض کی کیفیت کیا ہے مگر مصلحتاً چُپ رہے۔ رسمی طور پہ مرض کے بارے میں کچھ سوال جواب کیے...... نبض‘ زبان‘ آنکھیں وغیرہ ٹٹولیں اور کہا آپ ادھر میرے ہاں مریض خانے میں قیام کریں۔ آپ کے مرض کی نوعیت کچھ یوں ہے کہ مجھے کچھ مزید تشخیص اور

غور و خوض کی ضرورت پیش آئے گی۔ میں دوبارہ طلب کر کے آپ کے لئے کوئی مناسب علاج تجویز کروں گا...... دراصل حکیم صاحب اس کے جن ہونے کی وجہ سے شش و پنج میں پڑ گئے کہ اس غیر انسانی مخلوق سے کس طرح نمٹا جائے۔ حکمت و طب سے زیادہ تر استفادہ خاکی بشر اُٹھا سکتا ہے۔ ناری نُوری مخلوق کے لئے ارضی نباتاتی جڑی بوٹیاں بے اثر ہوتی ہیں۔ اللہ کریم نے اِن حکیم صاحب کو اربعہ عناصر اور شش جہت کی بالیدگی بخشی ہوئی تھی۔ ایک دو روز بعد انہوں نے علاج کے لئے ایک طریقہ وضع کرتے ہوئے اس سے کہا۔

''تمہارے علاج کا ایک حِصّہ یہاں میرے ہاں مکمل ہوگا اور دوسرا حِصّہ جھیل سیف الملوک کے پہاڑ مَت لُونی کے ایک غار میں تکمیل پائے گا۔''

جھیل سیف الملوک کے پہاڑ اور علاقہ' حاملانِ افلاک کا جہانِ فسوں' مسکن و طلسم آباد تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہدِ حکومت میں جِنات پری زاد اور نِساچروں کی تربیت گاہ کے طور بھی استعمال ہوتی تھی۔ یہاں ایک مَت لُونی کا پہاڑ بھی ہے۔ مَت لُونی پہاڑ کے اس غار کے بابت کہا جاتا ہے کہ اس کا دُوسرا دہانہ دوزخ کے درمیان دہکتی آگ میں کُھلتا ہے۔ سرکش شرارتی جِنّات' جو معتوب و ملعون ٹھہرتے انہیں تادیبی کارروائی کے تحت اس کے غار کے اندر دھکیل دیا جاتا۔ غار میں دوزخ کی آگ کی تپش ایک ایسا ماحول پیدا کیے [illegible] سرکش جنات [illegible] توبہ [illegible] لگتے۔

علاج کے لئے مت لُونی کے پہاڑ کا سن کر وہ جن بُری طرح کانپنے لگا۔ پاؤں پڑتے ہوئے بولا۔

''حکیم صاحب! میرا اِدھر ہی کوئی اُپائے کریں اُدھر بھیجنے کا مطلب ہے کہ میرے بچنے کی اگر کوئی تھوڑی بہت اُمید ہے تو وہ بھی نہ رہے۔''

حکیم صاحب نے بہ ظاہر خفا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟...... حکیم میں ہوں یا کہ تم؟...... علاج تمہارے مرض کے مطابق ہوگا تمہاری مرضی کے تحت نہیں...... ویسے وہاں جانے میں تمہیں کیا پریشانی ہے؟...... جھیل سیف الملوک کا علاقہ تو ایک صحت افزا مقام ہے۔''

وہ اپنی جان بچاتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ مجھے سیف الملوک کے علاقہ میں مت لُونی پہاڑ کے علاوہ کسی بھی جگہ پہ بھیج دیں...... مگر''

''مگر کیوں......؟''

وہ ہتھیار پھینکتے ہوئے گویا ہوا۔

''آپ جانتے ہیں کہ وہاں کنہیں اور کیوں بھیجا جاتا ہے اور میں اس حالت میں مزید کچھ اور

[illegible] برداشت نہیں کرسکتا۔''

اَب حکیم صاحب بولے۔ ''ہاں' میں یہ جاننے کے علاوہ یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا یہ جان لیوا عارضہ' [illegible] حد سے زیادہ سرکشی اور مُلحدانہ سرگرمیوں کا شاخسانہ ہے۔ اَب تمہارا آخری علاج مت لُونی کا شفاخانہ [illegible]'' چند لمحوں کے توقف پہ مزید کہنے لگے...... ''میرے خیال میں وہاں کی سزا اور علاج سے بچنے کی شاید [illegible] تا حال موجود ہے۔ لیکن......؟''

وہ جھٹ بول پڑا...... ''حکیم صاحب بتائیے' میں کچھ بھی کرنے کو حاضر ہوں مگر مت لُونی کے آزار [illegible] ہوئے اس جان لیوا بیماری سے نجات دلوائیے......''

حکیم صاحب' کسی گہری سوچ میں اُترے ہوئے بڑے گھمبیر لہجہ سے گویا ہوئے۔

''اِسی لمحہ میرے اندر ایک [illegible] لہرائی ہے جو اسمِ پاک اللہ کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اس سے یہ [illegible] کہ تمہیں اَب مُلحدانہ رویے اور سرکشی چھوڑ کر راہِ راست پہ آ جانا چاہئے۔ اس سے پہلے کہ تم اپنے [illegible] گرفت میں آ جاؤ' سچے دل سے توبہ کر کے خدائے برحق کی وحدانیت اور اُس کے آخری پیارے رسولؐ [illegible] کر دائرہ اسلام میں پناہ لے لینی چاہئے...... تمہارا [illegible] اور [illegible] بیماری کا [illegible] ایک آخری [illegible] آتا ہے۔''

جن [illegible] حکیم صاحب کے پاؤں سے اپنے ہاتھ مَس کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے کہا

''آپ نے وہی کچھ کہا جو میرے دل میں تھا...... لیکن میرے گناہ اور خطائیں اس قدر زیادہ ہیں کہ [illegible] شمار نہیں کر سکتا۔ میں نے [illegible] فسادات اور فتنے کھڑے [illegible] بہکایا' اُن کے ایمان خراب کیے...... میں نے خدا کی بجائے ابلیس کو اپنا پروردگار بنایا جس نے آج یہ [illegible] کہ میں زمینوں' آسمانوں' جنّوں' شیطانوں میں کہیں اپنے لئے پناہ نہیں پاتا...... میں ارض و فلک کے [illegible] کسی جسیم خنزیر کی اوجڑی میں بندھا' تھوہر کے جھاڑ میں اُلجھا پڑا اپنی کرتوتوں کے زخم چاٹ رہا تھا۔ [illegible] ایک رَجلِ نوری کا گزر ہوا...... میری حالتِ زار آہ و بکا پہ شاید اُسے ترس آیا۔ میرا حال دیکھتے ہوئے [illegible] نے مجھے آپ کی طرف کی راہ سُجھائی...... بلکہ مجھے یقین ہے کہ یہ سارا سلسلہ' رَبُّ الکائنات کے رحم و کرم سے شروع ہوا...... اَب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں مجھے دائرۂ ایمان میں داخل کر کے مشرف با ایمان [illegible] اور میرا علاج فرمائیں تاکہ میں صحت مند ہو کر باقی عمر اللہ کی عبادت اور آپ کی خدمت میں بسر کر [illegible]

حکیم صاحب اُسے مسلمان کرنے کے بعد چند نصیحتیں بھی فرمائیں۔ خاص طور پہ تاکید کی کہ کبھی کسی پہ

تمہارے جن النسل ہونے کا راز افشا نہیں ہونا چاہئے اور نہ کبھی کوئی خرق عادت حرکت سرزد ہو...... [illegible] آہستہ تمہیں بشری تقاضوں، رشتوں سے شناسائی ہو جائے گی۔

حکیم جی نے اِس کا نام عبدالغفور رکھا تھا...... علاج کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیم و تربیت پہ بھی [illegible] رکھا۔ شروع شروع میں تو اِسے اچھی خاصی پریشانی اور مشکل کا سامنا کرنا پڑا...... کہاں پتھر، ہڈیاں [illegible] کہاں دال، کھچڑی، قورمہ، بریانی اور ساگ پات...... آتش اور خاکی تضادات کی باہمی کشمکش نے اسے [illegible] متزلزل سا کر دیا۔ کئی مرتبہ یہاں سے بھاگنے کی ٹھانی...... اوپر کھلی فضاؤں میں اُڑنے کو جی چاہا...... [illegible] خاندان یاد آتا...... انسانی قالب اس کے لئے اک آزار بن گیا...... اردگرد اور انسانی محدودے۔ [illegible] گھٹن نے اُسے شیر سے خرگوش بنا کر رکھ دیا تھا...... چند عشروں کی اس تبدیلی اور تربیت سے اُسے یوں [illegible] وہ جن اور بشر کے درمیان کی کوئی ایسی جنس بنتا جا رہا ہے جو مکمل طور پہ بشر ہے اور نہ جن!...... حکیم صاحب [illegible] حکمت کے علاوہ ارضی و سماوی عُلوم میں بھی درک رکھتے تھے اس کی کیفیت و اذیت سے خوب واقف تھے [illegible] نسبت سے اُنھوں نے اس پہ پکا ہاتھ ڈالا ہوا تھا...... اس کی خوراک میں ایسے معدنیاتی اور جمادی [illegible] کر دیے جاتے جو اس کی طبعی خوراک کا نعم البدل [illegible] طاقت و قیام کا [illegible] بھی جنگل [illegible] قریب ایک [illegible] سی جگہ پہ تھا جو پیچیدہ امراض کے مریضوں کے لئے مخصوص تھی۔ اب [illegible] دین کی [illegible] تعلیم، حکیم صاحب خود دیتے تھے یوں اس کا زیادہ تر وقت اِنہی کی مصاحبت میں گزرتا۔ گویا اسے حد درجہ محبت اور حکمت کے بند [illegible] میں باندھ کر بے بس کیا ہوا تھا۔

کچھ عرصہ بعد بہ تقاضۂ بشریت حکیم صاحب بیمار ہو گئے تپ خفقان اور ضعفِ ذہنی کے عارضہ میں یوں [illegible] بولائے کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ گھریلو علاج، صدری ٹوٹکے، جھاڑ پھونک، نقش غرضیکہ کوئی حیلہ حربہ باقی نہ چھوڑا...... وہی کہ مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی۔ عقیدت مند، مُرید، شاگرد پیشہ سب ہی بوکھلائے [illegible] نیندیں حرام، سکھ چین تجے ہوئے کسی معجزے کے منتظر تھے۔ اِن کے درمیان عبدالغفور جن بھی تھا جو [illegible] حد درجہ مجبور و مجبور کہ پیر و مُرشد نے اسے اپنے احکام کے حصار میں پابند کیا ہوا ہے...... اپنی مرضی کے [illegible] کوئی قدم اُٹھانا تو کیا ہلکی سی جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کئی بار اس نے لب کشائی کی کوشش کی مگر بارگاہِ مُرشد [illegible] اذنِ اظہار نہ ملا۔ جن بہر طور بشر سے بہت سی جہات و اذواق میں ماورائی صلاحیتوں کے حامل ہوتے [illegible] کرۂ ہوا، کرۂ ماء، ارض و سما اور کرۂ آتش کے علاوہ دو گوشے کونے بھی اُن کی نگاہ و دسترس میں ہوتے [illegible] تک اِنسانی وسائل اور فہم و ادراک کی پہنچ نہیں ہوتی۔ فاصلے، وقت، اُونچائیاں، گہرائیاں، پنہائیاں وغیرہ [illegible] کے لئے سدِ راہ نہیں بنتیں۔ وہ اپنی ہیئت بدل لینے پہ قادر ہوتے ہیں جبکہ ہوا، روشنی اور کہرباء کی مانند [illegible]

نے اور گزرنے کی صلاحیت بھی موجود ہوتی ہے...... چشمِ زدن میں صدیوں کی خبر لاتے ہیں۔

وہ سمجھ گیا تھا کہ پیرِ اُستاد کو مرض الموت نے آگھیرا ہے کہ جس کا علاج ملک الموت کے پاس بھی نہیں

اتمام کی خاطر مکرّم اُستاد سے بصد ادب عرض کی۔

"اجازت ہو تو میں وادیٔ خضر الموت سے مفارخِ المراد کی جھاڑیوں سے کچھ کونپلیں پتے اکھاڑ

جو اس مرضِ مردود کا آخری اور شافی علاج ہیں۔"

اُستاد روشن ضمیر نے تحسین بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بقدر رقت جواب میں کہا۔

"لوحِ تقدیر پہ مرقوم واجب الادا قرض چکانے کا موقعہ درپیش ہے سو اب ادائیگی میں حیل و حجت

دیتی......"

ایسے جگر پاش جواب نے اسے دہلا کر رکھ دیا...... کسی چھوٹی ہوئی مرغابی کی مانند بے سُرا سا کہنے لگا۔

"میرا ماجرا تو حق ہوا اُڑنے بھی نہ پائے کہ گھائل ہوئے...... صدیوں بھٹکا [illegible] راہ لگا تو بنجارے

منزل اب کس کا دامن تھاموں گا۔ مجھ آتش کبیدہ کو کون آسودۂ خاطر کرے گا؟"

چند ساعتیں [illegible] توقف ہوا پھر [illegible] آہ [illegible] کھینچی ہوئی [illegible]

"بلند مرتبت قدوم! [illegible] کی صورت کوئی دعا دیجئے کہ میرے بیقرار [illegible] قلب و نظر کو

ڈھارس [illegible] ہو۔"

پیرِ بیمار نے اس کے ہاتھ پہ اپنا سرد سا ہاتھ رکھتے ہوئے تخلیئے کا حکم دیا۔ قریب و دور بیٹھے ہوئے

و مرید، معتقدین جب وہاں سے [illegible] کہا۔

"عبدالغفور! تدبیر بھی تقدیر کے آگے سرنگوں ہوتی ہے...... مشیتِ ایزدی کے سامنے لبیک کہنا ہی

کا اصل مفہوم ہے...... ہمارے تمہارے چاہنے، سوچنے یا کرنے سے ہی اگر تمام مسئلے حل ہو سکتے تو پھر خدا

ہے؟ ہم منزل کی سمت قدم بڑھا کر سفر تو شروع کر سکتے ہیں لیکن منزل پا لینا ضروری نہیں ٹھہرتا۔ بہر حال

بہ رضا ہی منزل کا مفہوم ہے۔"

پھر جب دم دُرست کرنے رُکے تو عبدالغفور نے سسکیاں لیتے ہوئے جواباً کہا۔

"میرے محسن! اب میں تسلیم و رضا کا مطلب خوب سمجھا۔ شکوہ شیون کی بجائے شکر شعاری ہی بہتر

ہے اور تدبیر و تدبّر کے راستے پہ تقدیر کے پہاڑ کو بھی جان پایا کہ پتھر کی سختی گُل کی نرمی پہ بھاری پڑتی

جو حکم......؟"

حکیم صاحب، خندہ رُو کچ کہنے لگے۔

”جن و بشر کے مابین بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ تفصیل بیان کرنے کا محل نہیں یہ کچھ تم خود بھی جانتے ہو۔ بہر حال اس موقعہ پہ جب کہ ہمارے درمیان فاصلے بڑھنے والے ہیں میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں تم اپنا باقی ماندہ زندگی کا سفر اپنے ایک جیون ساتھی کے سنگ طے کرو اور وہ اک انسان عورت ہوگی جو میری بیٹی ہے...... اس کے ساتھ تمہارا نکاح ہوگا...... اس بیوی سے تمہاری اولاد ہوگی اور اس اولاد میں سے ایک بچہ ایسا بھی ہوگا جو اپنے وقت کا ولیٔ کامل ہوگا...... جس سے آگے اک مخصوص سلسلۂ چند نے حافظوں کا چلے گا جو اپنے دور کے قابلِ قدر کامل لوگ ہوں گے۔“

حکیم صاحب کو کھانسی اُٹھی تو وہ اُن کا سینہ سہلاتے ہوئے متعجب سا پوچھنے لگا۔

”پیر و مرشد! آپ کا کہا سر آنکھوں پہ...... ایک جن اور انسان عورت کی شادی......؟“

”ہاں ناممکن نہیں...... ہر جن آدھا بشر ہوتا ہے اور انسان آدھا جن! تم دیکھو کہ قرآن پاک میں ان دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ ہے بلکہ جن کو انسان سے اولیت دی گئی...... اسے بہت سے تشرفات دے کر انسان سے بہت پہلے تخلیق کیا گیا۔ ایسی صلاحیتیں عطا کی گئیں جن سے انسان بھی محروم ہے یہ دونوں اولین اور متاخرین میں سے ہیں...... ان کی اسی ساجھ باجھ کی بنا پر ان کے مابین اکثر معاملات [illegible] طے پا جاتے ہیں...... تعلیم و تدریس دین و دنیا [illegible] ان کے درمیان مناکحت [illegible] بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا میں نے اللہ کے امر سے اپنی اکلوتی بیٹی کو تمہارے نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا ہے جو ہر طور تمہارے قابل ہے۔ بے شک آدم زادی مگر اپنے اعمال و اشغال اور روحانی اذواق و مواجید میں جن و انس کا حاصل ہے...... اور ہاں آج کے بعد تمہاری تمام تر تعلیمی تربیتی [illegible] کی ذمہ داری اس لڑکی کے سپرد [illegible] کی اور تم ہمیشہ اپنے جن ہونے کا معاملہ راز میں رکھو گے، کبھی اپنی بیوی پہ ظاہر نہیں کرو گے اور قرآن کے حفظ کی تکمیل سے پہلے بیوی سے خلوت میں نہیں ملو گے۔“

سرکتے وقت اور اُس کی قصہ بیانی کے سحر میں ایسا بھیگا کہ مجھے کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ کون ہوں، کس کیا ہوں، کہاں ہوں۔ جیسے میں خود اس کی کتھا کا حصہ تھا۔ ازل سے وہ کہہ رہا ہے اور میں سن رہا ہوں جسم و وجود نہیں محض گوش ہوں اور وہ کوئی آفاقی سروش ہے۔

وہ شاید سگریٹ سلگانے اور دو چار بھرپور کش لینے کے لئے خاموش ہُوا تھا اور میں اندر باہر [illegible] جھٹکے لے کر جیسے کسی ہپناٹسٹ کے رُوبرو اک لمبی غنودگی سے بیدار ہوا تھا۔ باقی ماندہ کھانا، جسے ہم کھانا بھول گئے تھے سامنے دھرا عجیب سا منظر پیش کر رہا تھا۔ دُور لٹکے ہوئے ڈیجیٹل کلاک کی سُوئیاں جو بہت آگے سرک چکی تھیں۔ ناگاہ میری نظر اس کے چہرے پہ جا ٹکی...... ڈھلا ڈھلا سا سپاٹ چہرہ، بے نقط حروف کی مانند جس

سے خدوخال' گول گول بے پلک آنکھیں۔ مجھے جھرجھری سی آ گئی تھی' سچ تو یہ کہ میں آدھے جن اور آدھے انسان والا یہ قصہ سن کر خوف زدہ ہو گیا تھا...... میں اُسے اجنبی اجنبی نظروں سے دیکھتے ہوئے گھگھیا کر بولا۔

''تم...... تم کہیں اُن دونوں کی اولاد میں سے تو نہیں ہو؟''

وہ سگریٹ پھونکتے ہوئے پُراسراری مسکراہٹ سے مجھے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''دریاؤں سمندروں میں ایک ایسی مچھلی بھی پائی جاتی ہے جو مچھلی کم اور خطرناک سانپ زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ بے علمی کی بناء پہ اکثر لوگ اسے پکڑنے' کھانے سے اجتناب کرتے ہیں جبکہ وہ ذائقہ میں لذیذ' غذائی اعتبار سے مفید اور شفائی لحاظ سے اک بے مثال تریاق ہوتی ہے۔ مار (سانپ) اور ماہی' چند ہیئتی تبدیلیوں کے ساتھ ایک نسل وخاندان کے بے دست وپا جانور ہیں۔ ایک پانی میں پیدا کر دیا گیا دُوسرا خاک وخشت میں ڈال دیا گیا...... جن وانس کی شاخیں بھی کبھی آپس میں مدغم ہوتے ہوئے ایسے شگوفے پیدا کرتی ہیں جن میں ہر طرح کے رنگ اور خوشبوئیں ہوتی ہیں۔''

میں احمقوں کی طرح مُنہ کھولے آنکھیں پھیلائے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا...... سگریٹ سے نئے سگریٹ کو دَم دیتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

''کہو [illegible] دیا [illegible]......؟''

میں نے لب ہلائے بغیر حونقوں کی مانند اثبات میں سر ہلا دیا۔

''حکیم صاحب نے دَمِ واپسیں سے پہلے جن عبدالغفور سے اپنی عالمہ فاضلہ بیٹی کا عقد کر دیا۔ دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ عبدالغفور صاحب دِن رات قرآن کی منزلوں میں پڑے رہتے...... علاج معالجہ بھی کامیابی سے چل رہا تھا۔ بیوی صاحبہ چونکہ عالمہ فاضلہ تھیں وہ طالبعلموں کے جلو میں دَرس وتدریس میں جُتی رہتی۔ چھدرے جنگل کے کنارے کُٹیا نما مکان میں وہ دونوں نصف میاں بیوی اپنے اپنے الگ حصوں میں رہتے تھے۔ بی بی صاحبہ انتہائی کم گو' حجاب ونقاب میں رہنے والی' دَرس وتدریس سے جو وقت بچتا وہ ضروری' خاوند کی خدمت اور عبادت میں گزر جاتا۔ علاج معالجہ بھی کرتی تھیں۔ اِردگرد اور نزدیک و دُور تک اُن کی پاکیزہ شخصیت اور علمی طبی روحانی حیثیت کا شہرہ تھا جبکہ اُن کے شوہر کو لوگ اک مریض اور حکیم صاحب کے جاننے والے کسی دُور دراز علاقہ کے رہنے والی مفلوک الحال شاگرد کے طور پہ پہچانتے تھے۔ عبدالغفور بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسانوں کے رنگ ڈھنگ میں ڈھلتا جا رہا تھا تاہم اُسے اپنی جبلی خُو خصلت کے سلسلے میں چند پریشانیاں لاحق ضرور تھیں۔ وہ کبھی کبھی اپنی غیر فطری بسر اوقاتی' محدود حرکت وعمل اور ناموافق خوراک کی وجہ سے باغی ہو جاتا۔ جب بھی موقع ملتا اُڑان بھرتا' غائب ہو جاتا تھا۔ پہاڑوں' سمندروں'

صحراؤں اور آسمانوں' جہاں جی چاہتا خوب اُڑتا دُھومیں مچاتا پھرتا اپنے من پسند کھانے کھاجے کھاتا۔ اس دوران اُس کی اپنے قبیلے والے جنوں سے ملاقاتیں بھی رہتیں جو اس کی سنبھلتی ہوئی صحت اور دیگر غیر [illegible] تبدیلیاں دیکھ کر حیران ہوتے۔ اس دورانیے میں اس کی نصف بیوی کو کہیں رتی بھر بھی اس کے غیر انسانی ہونے کا شائبہ نہیں ہوا تھا...... وقت کا گھوڑا دُلکی چال چلتا ہوا خاصا فاصلہ طے کر چکا تھا...... مگر قرآن کے حفظ والی منزل ابھی تک کہیں آدھی ہی طے کر پایا تھا۔

برسات کا موسم' چھم چھما چھم مینہ برس رہا تھا۔ اچانک پرانا مرض عود آیا۔ بن پانی مچھلی کی مانند تڑپنے لگا۔ آدھی رات کا سماں' نصف بیوی' اس کی تیمارداری میں لگی ہوئی تھی۔ یہ دے' وہ دے۔ ہر ٹوٹکا دارو آزمایا مگر اسے چین نہ آیا۔ زیرِ لب کچھ پڑھ رہی تھی کہ اچانک کڑ کڑ بجلی کڑکی وہ سہم کر اس سے چمٹ گئی۔ بس! جنگل کے سبزے کی خوشگوار مہک' بارش کا جادو' لمس کی سمیا میں دونوں کچھ ایسے بھیگے کہ جل تھل ہو گئے' اندر باہر دونوں کی سب بیماریاں بہہ گئیں...... طوفان تھمنے کے بعد بڑی پُراسراری خاموشی طاری ہو جاتی ہے...... درد دُور ہو جائے تو سکون سے آنکھیں بند ہونا شروع ہو جاتی ہیں...... بچہ جننے کے بعد زچہ پرکاوی کی مانند سبک اور شانت ہو جاتی ہے۔ بارش [illegible] کے بعد [illegible] روشن اور مطمئن [illegible] آتے ہیں [illegible] لگ گے [illegible] ڈھے سے پڑے کہ میاں بیوی [illegible] ہو چکے۔ بھوک سے جان کے لالے پڑے ہوں تو حلال حرام کم [illegible] دیکھتا ہے۔ بھوک [illegible] ذرا آئیں تو کچھ نہیں سوجھتا" پرش صرف یہ پوچھتا ہے کہ ان کے انت کا [illegible] کیا ہو؟

عبدالغفور کے [illegible] کو بھی بھول کی چھپکلی چمٹ گئی تھی وہ اپنے پیرومرشد کی نصیحت فراموش کر بیٹھا تھا کہ قرآن پاک حفظ کرنے سے پہلے بیوی سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کرے گا۔ اب پچھتائے کیا ہوئے [illegible] کھلیان میں کھے اُڑا چکا تھا۔ بیوی اپنی کسی ضرورت سے اٹھی' تن ترا دھانپا' آس پاس ٹٹولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی' منہ زور مینہ کا منہ ابھی تک کھلا ہوا تھا۔ وہ سامنے کھاڑ الانگ کر سنڈاس تک پہنچنا چاہتی تھی کہ یک بجلی کڑکی اور آسمان سے ایسا گونجدار چمکتا کوندا لپکا کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں...... اندر باہر چودہ طبق روشن ہو گئے' بدحواس سی وہیں اوندھے منہ گر پڑی پھر اک اور کڑاکا ہوا جیسے آسمان پھٹ کر اس کے اوپر آ پڑا ہو۔ اس کے جھونپڑ گھر کے آگے کھاڑ سے ذرا پرے پرانا پیپل دھڑم سے اس کے اوپر آ گرا۔ یہ سب [illegible] ایکا ایکی میں ہوا اسے پتہ تک نہ چلا کہ درخت کے نیچے دب چکی ہے۔ مسلسل بارش' کیچڑ' گھٹا ٹوپ اندھیرا کبھی چکا چوند کڑکیلا اُجالا...... بدحواس مفلوج سی بے بسی کے عالم میں پڑی تھی کہ اُدھر اندر عبدالغفور کو کڑ کڑک کے ساتھ بھاری درخت گرنے کا دھماکہ سنائی دیا تو وہ بیوی کی ٹوہ لینے کی خاطر باہر نکلا۔ آدھا گھر آدھا کھاڑ بیچ پیپل گرا پڑا تھا۔ گھبرا کر بیوی کو آواز دی۔ بجلی کی کڑ کڑ' بارش برسنے کا شور...... وہ آگے بڑھتے گئے

پھر پیپل کے ملبے کے اندر سے کہیں ہائے وائے کی مدھم سی لہر اُس کے کانوں سے ٹکرائی...... پتے ٹہنیاں ہٹاتے ہوئے پاگلوں کی طرح اُسے ڈھونڈ رہا تھا مگر وہ تو نیچے کہیں تنے تلے دبی پڑی تھی...... اس کا تصور کرتے ہی اُس نے چشم زدن میں سینکڑوں من وزنی درخت کو گلدستے کی مانند اُٹھا کر جنگل کی جانب اچھال دیا۔ یہ پہلا موقعہ تھا اُس نے اپنے جن ہونے کا عملی ثبوت دیا تھا۔

بیوی کو پھول کی مانند اُٹھا کر اندر لایا۔ دیکھا بھالا' سوائے آزردگی اور ہلکی سی وحشت اور کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ آنکھیں ملتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ آنکھوں سے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔ صبح کے اُجالے میں معلوم ہوا کہ بینائی پہلے حال سے بھی چلی گئی ہے...... اردگرد بہت نقصان ہوا تھا۔ چھوٹے موٹے درخت ٹوٹے گئے تھے۔ پالتو جانور گم ہو گئے۔ باڑیں چھتیں اُڑ گئیں...... مگر اس کے ہاں سب سے بڑا نقصان آنکھوں کا تھا۔ یہ خوبصورت آنکھیں ہی تو تھیں جو پیر و مرشد کے حکم کے بعد یہاں آنے کا موجب بنی تھیں۔

ایک آدھ روز بعد جب بیوی آنکھوں کے صدمے سے سنبھلی اور پوری طرح اوسان بحال ہوئے تو پوچھ بیٹھی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ درخت میرے اُوپر گرا تھا۔ میں نیچے کہیں دبی پڑی تھی کہ کوئی حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ جب [illegible] پیپل [illegible] اور جنگل کی جانب اچھال دیا۔ یہ میرا وہم ہے' کوئی معجزہ یا میرے بزرگوں کی مدد کہ انہوں نے مجھے اتنی بڑی ابتلا سے محفوظ رکھا۔"

اچانک عبدالغفور کے منہ سے نکل گیا۔

"یہ کسی جن کی کارستانی بھی ہو سکتی ہے۔"

وہ سُنی اَن سُنی کرتی ہوئی بولی۔ "ہو سکتا ہے مگر کسی جن کا یہاں کیا کام...... یا اُسے مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

نہ چاہتے ہوئے بھی عبدالغفور نے جواب دیا۔

"یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کسی جن کو آپ سے دلچسپی ہو اور آپ نہ جانتی ہوں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ انسان' انسانوں میں اور جن' جنوں میں...... کند ہم جنس باہم جنس پرواز' کبوتر با کبوتر باز با باز......!"

"لیکن کبھی انہونیاں بھی ہو جاتی ہیں...... باز' کبوتروں میں بھی اُتر آتے ہیں...... اُنہیں زک پہنچانے کے لئے نہیں۔ دوسرے بدطینت شکروں سے اُنہیں محفوظ رکھنے کے لئے۔"

وہ اُسے مُندھی مُندھی نگاہوں سے ٹٹولتی ہوئی پوچھنے لگی۔

''کیا ایسی اَنہونی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے؟''

''ہاں' دیکھی سُنی بھی اور دیکھ بھی رہا ہوں۔''

''میں کچھ سمجھی نہیں......؟''

عبدالغفور' جواب کی بجائے گہری سوچ میں ڈوب گیا...... بتائے نہ بتائے' کیا کرے؟ جھوٹ سے کام لینا اُس کے نزدیک بہت غلط تھا' سچ بولنے سے بہت سے کام بگڑتے تھے۔ طوفانی رات جو کچھ سرزد ہوا' اُس میں اِس کے کسی اَرادے کا دخل نہیں تھا اور نہ ہی پیر و مُرشد سے کیئے ہوئے وعدے کو توڑنے کی کوئی نیت تھی...... خلافِ توقع و ارادہ سب کچھ ہو چکا تھا۔ جیسے کوئی غیبی طاقت کی ایما پہ یہ سب کچھ ہو...... بیوی سے قربت والا واقعہ بھی جیسے سارا ماحول پیدا کر کے ظہور میں آیا...... اِسے محسوس ہوا کہ واقعات کے پیچھے یقیناً کوئی نہ کوئی مصلحت موجود ہے۔ اِس نے یہی مناسب سمجھا کہ من وعن سب کچھ بتا دے۔ انجام چاہے کچھ بھی ہو...... یہی کیا' شروع سے اب تک ہر بات کھول کر سامنے رکھ دی۔ وہ علمدار تھی' کمالِ تحمل سے سنتی رہی...... نہ خوف زدہ ہوئی' بوکھلائی نہ کسی غم و غصے کا اظہار کیا۔ جب بات تمام ہوئی تو ا

''تقدیر میں لکھا ہوتا ہے ہو کر رہتا ہے۔ مجھے آپ سے کچھ شکایت نہیں اور نہ ہی آپ کے میرے مرحوم والد نے جو فیصلہ کیا تھا۔ یقیناً میری بہتری کے لئے تھا۔ غور کرو' آسمانی بجلی درخت پہ میرے اُوپر گرا...... اور اگر آپ جنّ نہ ہوتے وہ سینکڑوں من بھاری درخت نہ ہٹاتے تو میں شاید آج زندہ نہ ہوتی۔ آپ نے اچھا کیا جو ہر اَسرار سے پردہ ہٹا دیا۔ جنّ ہو یا بشر ہر کوئی اللہ کی مخلوق ہے...... میں آپ کی جیون ساتھی ہوں اور خوش بھی......''

وقت کی کچھوا گاڑی گھسٹتی رہی۔ سوا برس بعد ان کے ہاں ایک بچے کا جنم ہوا مگر یہ بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی راضی برضا ماں کو چاٹ گیا...... عجیب و غریب' غیر معمولی صحت مند بچہ' پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیاں ہوئیں کہ زچہ بچہ دونوں خطرے میں پھنس گئے۔ بچہ تو کسی طور بچ گیا مگر زچہ جانبر نہ ہو سکی۔ شاید اس لئے کہ وہ ایک جنّ زادہ تھا۔ عبدالغفور کے لئے یہ سانحہ ناقابلِ برداشت تھا اس کے لئے وہ خود کو ذمہ دار سمجھتا تھا کہ مُرشد کی وصیت پہ عمل نہ کرنے سے یہ سب کچھ ہُوا ہے۔ بچے کی ہیئت حالت صورت دیکھ کر اسے کراہت سی محسوس ہوئی...... حالتِ غضب میں اُسے اُٹھا کر جنگل اندر بھیڑیوں کے بھٹ کے آگے پھینک آیا...... اَب یہ گھر یہ جگہ علاقہ اُسے کاٹ کھانے کو دَوڑتا تھا...... بات بھی دُرست تھی۔ حکیم صاحب بھی

[illegible] کے مُربّی و مُرشد تھے۔ بیوی جو محسن رازدار اور شریکِ حیات تھی سو وہ بھی چل بسی' اَب رہا بچّہ' جو انسانی' [illegible] کا عجیب سا نمونہ' اُس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ اُس نے اِدھر سے کوچ کر جانے کا فیصلہ کر لیا پھر جانے [illegible] کیا آئی۔ جنگل سے بچّے کو اُٹھا لایا' واپس ماں کے مُردے پہ ڈال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کہیں غائب ہوگیا۔

انسان کچھ سوچتا ہے اور کرتا ہے۔ قدرت کے اپنے طریقے اور فیصلے ہوتے ہیں۔ انسان اور قدرت [illegible] اپنی اپنی ڈگر پہ چلتے رہتے ہیں...... انسان اور جِن...... پھر ماں بچّہ اور باپ! ہر کوئی اپنے اپنے راستے پہ [illegible] وقت اور کرم نے بچّے کو ایک بے اولاد ہندو کے آنگن میں ڈال دیا۔ جدھر ہر جانب چھوٹے بڑے [illegible] تراشے اَن تراشے دیویوں' دیوتاؤں کے چھوٹے بڑے بُت...... گھٹنوں کے بل چلنے کی عمر تک تو وہ [illegible] کھلونے سمجھ کر کھیلتا رہا...... پاؤں پہ چلا تو مُورتی ساز باپ نے پتھروں کی کٹائی رگڑائی پہ لگا دیا۔ کام [illegible] اس کا نام بھی مُورتی داس تھا۔ وہ ہندوؤں کی ایک نچلی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے پاس یہ بچّہ [illegible] بڑے عجیب طریقے سے ماں کے کفن دفن کے بعد اسے کوئی قبولنے کو تیار نہ تھا۔ باپ کی جانب سے تو [illegible] تھا ہی نہیں...... ننھیال والے خود ہی فاقہ مست لوگ' جو اس عجیب الخلقت کی پیدائش کے وقت سے ہی [illegible] تھے...... جنم لیتے ہی اپنی ماں کو ہڑپ کر لیا' باپ کو بھگا دیا...... کم بخت جہاں [illegible] انہوں [illegible] ایک [illegible] مذہب و ملک [illegible] تعلق؟ جس قوم قبیلہ کنبہ میں جنم لیں رہیں بسیں' وہیں کے ہو کر رہ جاویں...... مورتی داس نے اس کے [illegible] میں جنیو ڈال کر اس کا نام مورتی مل رکھ دیا...... ہنومان جیسا چہرہ' ویسا ہی بالوں تاروں سے بھرا ہوا' [illegible] جیسا سر یہ پنڈا...... [illegible] اور فہم کا کھدرا...... وہ دیکھتے ہی دیکھتے بچپن سے جوان ہوگیا۔ ایسا کہ [illegible] بڑے بھاری پتھروں کو اُٹھا کر آسانی سے اِدھر اُدھر کر دیتا۔ اس کا منہ بولا باپ بہت خوش تھا کہ اولاد کی [illegible] بھی پوری ہوئی اور مفت میں ایک کڑیل مزدور بھی ہاتھ لگ گیا۔

اُسے کچھ آگے لگا تو مورتی داس نے اِسے مورتیاں بنانے اور چتر کاری کی تربیت دینی شروع [illegible] یہ دونوں تخلیقی ہنر ہیں' عام طور پہ ورثہ میں یا پھر خاص طور پہ قدرت سے ودیعت ہوتے ہیں...... اس [illegible] مُورتی مل کے ہاں یہ دونوں باتیں نہیں تھیں۔ مُورتی داس جلد ہی سمجھ گیا کہ یہ گنوار گوپالا کسی مہین [illegible] کے لئے نہیں ہے۔

وقت کے کولہو پہ جُتا بیل جلد بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کی گردن پہ لگے ایک فاضل بوجھ بن جاتے [illegible] ایک عمل کے محور پہ گھومتے گھومتے وہ خود بھی ایک گھن چکر بن جاتا ہے...... سوتے اونگھتے بھی وہ چکر ہی کاٹتا [illegible] ہے۔ پتھر تراشنا فن ہے اور پتھر توڑنا مزدوری...... پتھر توڑنے گھسیٹنے اُٹھانے سے مزہ محسوس ہوتا...... جو کھم

میں پڑنا' جلد بازی' جلالت' جذبات سے عاری ہونا وغیرہ...... لگتا تھا اُس میں بشریت کم ہے اور جن [illegible] ہے...... تھا بھی ایسا ہی......!

جنات کے طور طریق' روز مرہ کے عمل و شغل' برتاؤ' رویئے' انسان سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔ ہم شہروں' دیہوں' گنجان بستیوں میں رہنا پسند کرتے جبکہ وہ ویرانوں' قبرستانوں' پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے ہیں کہ اُدھر خالق و رازق نے اُن کے لئے پتھر' گوبر' ہڈیوں اور گلے سڑے سوختہ چوب و چام کا وافر انتظام [illegible] ہوتا ہے۔ اُن کی بود و باش کے لئے وسیع میدان' اُونچے پہاڑ' گہری کھائیاں' گھاٹیاں' غاریں ——— [illegible] ذخیرے اور گھنے جنگلات ہوتے ہیں۔ وہ سمندروں' دریاؤں میں اُترتے ہیں تو سیلاب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ بھنور پڑنے لگتے ہیں جبکہ بارشوں' آندھیوں' بھوت پھیریوں' جھگڑوں کا سبب بھی اکثر اوقات اُنہی کے خرمستیاں' شرارتیں' کھیل کود' سفر' لڑائیاں اور دیگر اجتماعات و تقریبات ہوتی ہیں۔

اُس رات جب [illegible] میاں بیوی اکٹھے ہوئے اور ان کا آپس میں اختلاط ہوا تو آتش دم ہوئی' خون [illegible] جب سب ایک [illegible] ہوئے تو اس جگہ ایسی ہوائی اور آتشی لہریں پیدا ہوئیں جنہوں نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا۔ بارش کا سلسلہ [illegible] پہلے ہی چل رہا تھا۔ سوئے اتفاق کہ اُوپر سے شریر جنّی بچوں کا ایک ٹولہ بھی [illegible] ہوئے گزر رہا [illegible] کرتے ہیں۔ انسان' جن' ہاتھی' بندر' سانپ اور گدھے کے بچے کبھی نچلے نہیں بیٹھتے...... بھیگی رُتیں چھاجوں [illegible] برساتیں ٹھنڈی ہوائیں ان [illegible] ایک بے طرح کی مستی پیدا کر دیتی ہیں۔ ملحوظ رہے کہ مندرجہ بالا جانور اور جن [illegible] اپنی اپنی ایک مخصوص بُو باس رکھتے ہیں۔ جیسے آدم بو' جن جنّل' ہاتھی ہتوس' بندر ریوک' ساناپا سگند اور گدھا [illegible] وغیرہ...... عامل کامل' سنیاسی یوگی' درویش بھگت اور مخصوص قوتِ شامہ کے ماہرین' ان بوؤں خوشبوؤں کو محسوس کر لیتے ہیں۔

عبدالغفور کی بیوی' اپنی ضرورت کے تحت باہر نکلی باد و باراں کا سلسلہ جاری تھا...... صحن عبور کر کے سامنے سنڈاس تک جانا تھا۔ عین اسی وقت اُوپر جنات بچوں کا گزر ہوا۔ جنبی عورت' جو گابھن ہو چکی ہو سفلی علوم کی اصطلاح میں کچھ خاص خصوصیات کی حامل ہو جاتی ہے۔ اُسے باد و باراں' کسی بھی طرح کے گرہن کے سمے۔ زلزلے کے وقت' سخت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ تین چار گھنٹا میں ایک سنگ آپڑیں [illegible] جنات نے عورت کے سر پر میں اپنی مخصوص بُو سونگھی' ترنگ میں آ کر سینکڑوں برس پُرانے چھپل کے پیڑ کو گرا کر چل دیئے۔ یہیں سے پھر آگے کتھا شروع ہوئی۔ گابھن عورت جس کے پیٹ میں جن کا نُطفہ تھا' بالفاظ دیگر اپنی کوکھ میں آگ کا شعلہ دہکا رہی تھی...... حکیم صاحب کی وصیت سے بھی رُوگردانی ہوئی۔ نتیجہ یہ کہ وہ [illegible]

[illegible] اسفل اسافلین کا مہاجر اب مورتی داس کے ہاں پڑا ہوا تھا...... قدرت نے کائنات کے اُصول وضع کیے ہوئے ہیں۔ وقت اپنی رفتار کبھی تیز یا ہلکی نہیں کرتا۔ ہم جو کہتے ہیں کہ وقت بڑا تیزی سے گزر رہا ہے یا کہ بہت سست رفتاری سے کٹ رہا ہے۔ ایسا احساس انسان کو اپنے حالات' موڈ اور سماجی' اقتصادی رویوں کے تحت ہوتا ہے...... مورتی داس کو ایسا لگتا تھا کہ یہ اچپل بالک کسی ایسے پُرش کا پُن پھند ہے جو اناج دھان نہیں آگ کے شعلے انگارے کھاتا رہا ہوگا۔ جل کی جگہ جلتا اُبلتا لاوا پیتا ہوگا۔ عام سے بندوں بُندووں والی اس میں کوئی بات ہی نہیں تھی۔ بندرابن کے بُھل بانس کی سی اُٹھان اور افریقہ کے بن مانس جیسا جثہ......!

ایک شام مورتی داس نے اس کی آنکھوں میں واسنا کی ایک ایسی لہر اُبھرتی ڈوبتی دیکھی جو کسی بھٹ اپرادھی کی آنکھوں میں کسی اُبھوگی مہلا کی سنگت میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے...... ایک زنگی مہلا اپنی منّی سی مَیا کے ساتھ کوئی مورتی بنوانے پہنچی تھی...... بیلے چہرے [illegible] جسم والی اس زنگی کا اُتم انگ اس کی خوبصورت آنکھیں تھیں جو جگر جگر کرتی دل کے آر پار اُترتی تھیں...... [illegible] کی سنگت تھی یا کرموں کی کلپٹ کہ اس بھوت راکھشس کو یہ آنکھیں چپٹ گئیں۔ ایسی کہ وہ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ سوتیلا باپ اور بڑھیا جونہی نئی مورتیاں دیکھنے کے لئے دوکان کی جانب بڑھے اس نے اسے دبوچ لیا۔ ورکشاپ میں لے جا کر دروازہ بند کر کے آگے [illegible] پہ اس زنگی کی بیٹی کی خرانٹ ماتا سے جو خاصی بہری' بھاری اور کاروباری معاملات میں گُھری تھی' مورتی تیار کرنے کے تخمینے اور جل پان میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُن دونوں کی دانست میں لڑکی اندر اپنی پسند کا پتھر بُت تلاش کر رہی ہے...... اچھی خاصی سرکھپائی' وقت [illegible] اور ٹونگ ٹو کیے کے بعد اُن کے درمیان مورتی تیار کرنے کا معاوضہ اور وصولی کا دن طے پا گیا...... بڑھیا نے اُٹھتے ہوئے لونڈیا کو آواز دی...... دو چار آوازے دے چکنے کے بعد' جب نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا تو مورتی داس اور بڑھیا' دونوں پیچھے صحن کی جانب آ گئے...... اِدھر اُدھر دیکھا' آوازیں دیں۔ لونڈیا اور لونڈا جب دونوں کہیں دکھائی نہ دیے تو تشویش بڑھی۔ سامنے ورکشاپ کا دروازہ خلافِ معمول بند دیکھا تو بوڑھے کے اندر کا طوطا بول اُٹھا کہ آج لُٹیا لُڑھک گئی ہے۔ ڈرتے ڈرتے آگے بڑھ کر دروازے کے بھاری پٹوں کو دھکیل کر کھولنا چاہا مگر انہیں تو جنبش تک نہ ہوئی۔ بڑے بڑے پتھر نہ پڑے ہوتے تو شاید کُھل جاتے۔ ناکام ہو کر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا اور پھر جب اس نے دروازہ چھوڑ کر سینہ پیٹنا شروع کیا تو بڑھیا بھی واویلا کرتے ہوئے اپنی بیٹی کا نام لے لے کر چلانے لگی...... اڑوس پڑوس والے اسی پیشے سے منسلک دوکاندار جمع ہو گئے۔ بڑھیا نے دہائی دی کہ اس کی بیٹی کو اس کے ملازم نے زبردستی اندر محبوس کر رکھا ہے اور پتہ نہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے...... لوگوں کو تو تماشا چاہئے اور یہاں بڑا مزے کا تماشا

ہو رہا تھا۔ مورتی داس ہاتھ جوڑ جوڑ کر اپنی بے گناہی ظاہر کر رہا تھا۔ سارا دوش اپنے کرموں کو دے رہا تھا کہ کس نحس گھڑی اس نے اس بچے کو گود لیا تھا...... آخر بڑی تگ و دو کے بعد دروازہ کھلوایا گیا...... دروازہ کیا کھلا گویا اجنتا ایلورا کا کوئی غار کھل گیا ہو۔ دونوں اپنے اردگرد اور لباس سے بے نیاز باہم یوں پیچاں و پیوست تھے کہ دیکھنے والے اپنی آنکھیں بند کرنے پہ مجبور ہو گئے۔ دروازہ کھلنے اور اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں بھی انہیں رتی بھر شرم و حیا نہ آئی بلکہ وہ نرتکی بڑی ڈھٹائی سے اپنی ماں سے کہنے لگی۔

''ماں! مجھے میرا پرم پریم مل گیا ہے...... ہم نے یہاں کرشنا جی کی اُن گڑھی مورتی کے سامنے ایک دوجے کو اپنا جیون ساتھی مان لیا ہے' تن من ایک کر لیا ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں علیحدہ نہیں کر سکتی—— مجھے جس پرش پریمی کی تلاش تھی وہ یہی شکتی مان مورتی مل ہے۔''

اپنے پرائے سب گنگ منگ سے ان دونوں کا منہ تکنے لگے...... تماشا دیکھ کر لوگ اپنا اپنا منہ اٹھائے کلجگ کلجگ کرتے ہوئے نکل لیے تو یہ بوڑھا اور بڑھیا منہ سر لپیٹتے ہوئے ان کی کرتوت اور اپنے کرموں کا کریا کرم کرنے لگے۔

نشست پہ ایک پہلو پڑے پڑے میری دائیں ٹانگ سُن ہو چکی تھی۔ کہانی کہنے کا انداز و بیان اس قدر دلپذیر اور [illegible] ہو چکا تھا۔ ٹانگ ٹھنڈے پتھر سی محسوس ہوئی تو خود بخود میرے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی...... میں پہلو بدلنے کی کوشش میں تکلیف سے دوہرا ہوا تو اس نے کہانی روکتے ہوئے میرے کولہے کی جانب تشویش بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''خیریت' کیا ہوا......؟''

''ٹانگ سو گئی داستان سنتے سنتے......'' میں نے ٹانگ سہلاتے ہوئے جواب دیا۔

وہ گھڑی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا...... ''اس کا مطلب ہے کہ میں خاصا بول چکا ہوں۔ ویسے بھی یہ بور اور منحوس کہانی اپنے اختتام کے قریب پہنچ چکی ہے۔ دو چار باتیں باقی رہ گئی ہیں' سو وہ بھی سُن لو—— میری زندگی میں تم واحد شخص ہو جسے میں نے اپنی ذاتی جن بیتی سنائی ہے۔ مجھے یقین ہے تمہارے علاوہ کوئی اسے ہضم نہیں کر سکتا اور میں جانتا ہوں کہ تم جن و انس جیسی دو مختلف مخلوق کے مابین کسی ممکنہ مادی یا ماورائی تعلق کی نوعیت' حقیقت اور اس سے رونما ہونے والے کسی منفی و مثبت ردِعمل کو سمجھنے' اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہو......''

میں نے قدرے بوکھلاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تم کس بنیاد پہ ایسا کہہ رہے ہو؟''

اُس نے میری آنکھوں میں اپنی جناتی نگاہوں کے تیکھے بَرے اُتارتے ہوئے جواب دیا۔

”تمہاری آنکھوں میں مقابل کا اصل رُوپ دیکھنے کی صلاحیت ہے جبکہ تمہاری غیر معمولی خداداد ذہانت وفطانت...... ماورائی معاملات اور مافوق الفطرتی بوالعجبیوں کو جاننے بُوجھنے میں عجب ہے...... میرے قریب آنے کی بھی یہی وجہ تھی کہ نینوں کے حوالے سے میرا تمام کچا چٹھا تمہاری نظر میں آچکا تھا...... تمہیں یاد ہوگا میرے سٹوڈیو میں پڑا نینوں کا ایک اُدھورا سا سکیچ...... تم نے مجھ سے مانگا تھا جسے ایک نایاب اور قیمتی چیز سمجھ کر ابھی تک تم نے سنبھالا ہوا ہے۔ اِک عام انسان کے لئے یہ کینوس کا ٹکڑا دو ٹکے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ مگر تمہارے لئے یہ اِک شاہکار اور ایک نادر لوح وتعویذ ہے۔“

ایک دو طویل کشوں میں باقی ماندہ سگریٹ راکھ کرتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

”تمہاری فلائٹ کا وقت بھی قریب ہے...... میں سُناتے سُناتے تھکا اور تم سُنتے سُنتے بور ہو چکے ہو۔ اب اُٹھو! اپنی منزل کی طرف بڑھو...... انشاء اللہ! پھر ملاقات ہوگی۔“

وہ ایک لمبی سی انگڑائی توڑتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم جب بھی کبھی اِدھر پہنچو گے مجھ سے ضرور ملو گے اور تم بھی مجھے اِسی طرح مسرور، مصروف، مہربان پاؤ گے۔“

لاؤنج میں جانے سے پہلے میں نے ایک بار پھر اُس کی پُرخلوص رفاقت اور نینوں والے کینوس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔

”اگر میں کبھی اپنی سیلانی طبیعت اور اندر کی شوریدگی سے مجبور ہو کر بھوپال جا نکلوں اور اُس مزار پہ فاتحہ پڑھنے کے لئے بھی پہنچ جاؤں تو......؟“

وہ میری جانب گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں جانتا ہوں تم وہاں پہنچے بنا رہ ہی نہیں سکتے۔ چندنے نینوں والوں میں شاذ ہی کوئی قابلِ ذکر فرد وہاں پہ ہو...... یہ نادر الوجود خاندان عرصہ سے بکھر چکا ہے...... اگر ان میں کوئی دانہ تمہیں مل بھی گیا تو اس سے شاید تمہاری کوئی خاطر خواہ تسلی نہ ہو سکے...... ہاں اگر تم جا اور مل پاؤ تو میرے ماموں سے ضرور ملو...... وہ تمہیں دہلی، مہرولی میں تلاش کرنے پہ مل جاویں گے اگر وہ وہاں ہوئے تو...... کیونکہ وہ اکثر گرمیوں میں شری نگر، حضرت بل چلے جاتے ہیں۔“

قارئین! نینوں کے اس یگانۂ روزگار مصور کی اُدھوری ہڈبیتی آپ نے ملاحظہ فرمائی...... مجھے ایسے

خبطیوں اور اُس ایسے جنوبی اُور بجنل فنکاروں کی کتھائیں کہانیاں اسی طرح اُدھوری اور تشنہ لب ہوتی ہیں۔ دیکھا جائے تو جو لُطف و مزہ اُدھورے پن میں ہے وہ مکمل پنے یا سیر ہونے میں کہاں؟...... اُدھوری کہانیوں جوانیوں...... ملاقاتوں گھاتوں...... خواہشوں خوابوں...... محبتوں رَفاقتوں اور زندگیوں' شرمندگیوں سے جو ٹیڑھی ٹیسیں حاصل ہوتی ہیں اُن کا ایک الگ ہی سانولا سا سواد ہوتا ہے...... یعنی جو گھات بات' اِن اُدھورے نینوں والے سکیچ میں تھی وہ اِس کے مکمل ہونے پہ شاید نہ ہوتی...... رُخصت ہونے کے سمے اُس نے بڑا اُدھورا مصافحہ اور معانقہ کیا اور اَلوداعی بوسہ تو یُوں تھا جیسے بصدِ کراہت و عُجلت' وہ کسی ناپسندیدہ شخص کے تھوبڑے سے گالوں سے گال مس کرنے پہ مجبور ہُوا ہو۔ اُدھوری اُچٹتی سی نگاہ ڈال کر وہ باہر لوگوں کے ہجوم میں یوں غائب ہوگیا جیسے اِس کا وجود' کبھی یہاں موجود نہ تھا۔

اِنگلینڈ واپس پہنچ کر میں کئی عشروں تک اُس کی اُلجھی اور اُدھوری کہانی کے تانے بانے سے باہر نہ نکل سکا...... میں تو جیسے کسی جادوگری کے بلند و بالا' اُونچے اُونچے بام و دَر' میناروں منڈلوں والے محل کی تاریک غلام گردش کے کونے میں لٹکی' تارِ عنکبوت میں ایک بوکھلائی ہوئی مکھی کی مانند جکڑا ہُوا تھا۔ میں کہانی کے ایک ایک تار کو الگ [illegible] کر کے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بے [illegible] ہو کر مجھے خود سے [illegible] تھا کہ میں اپنے اِس مصوّر دوست [illegible] پوچھ [illegible] تمہارا کیا خیال بنتا ہے...... چندرے نینوں والے حافظوں سے کیا [illegible] تھا...... یہ نامکمل نینوں کے سکیچ والی کون ہے؟ اور یہ بھی کہ چندرے نینوں والیوں کا گھرانہ کیا اَب بھی وہاں موجود ہے کیا اُن کے کسی فرد کو دیکھا یا ملا جا سکتا ہے...... اُسی جنگلے کٹہارے والے مزار تک رسائی ہو سکتی ہے......؟

بے شمار اُدھورے سوالات تھے جو بھوکے اندھے کیچوؤں کی مانند میری دِماغ میں کلبلا رہے تھے تشفّی کسی طور نہ ہو رہی تھی۔ اب میرے ہاں دو ہی طریقے تھے اوّل' میں ٹیلیفون پہ رابطہ کر کے اس سے پوچھوں...... یہ طریقہ شاید قابلِ عمل نہ تھا۔ ایسے سرپھرے' نک چڑھے' اَنا مارے تو سامنے دھرے بیٹھے دھیان نہیں دیتے' ٹیلیفون کی ٹرٹر کون سُنے گا...... دوسرا ممکنہ طریقہ یہی کہ میں ٹکٹ کٹاؤں اور جدہ اس کے پاس پہنچ جاؤں۔ لیکن نہ جانے کیوں' طبیعت وہاں جانے پہ راغب نہ ہو سکی...... اِسی تذبذب میں کچھ اور وقت گزر گیا...... چندرے نینوں والے سکیچ نے مجھے تو بے حال کر رکھا تھا' دِن میں دو چار بار دیکھ نہ لیتا چین نہ پڑتا۔ انجانی سی کشش مجھے اُن کے اندر دُور تک اُتار لے جاتی...... کوشش کے باوجود میں خود کو اِن کے سحر سے بچا نہیں پاتا تھا۔ یہیں یہ عقدہ بھی کھلا کہ نین کنول کسی چہرے پہ کھلے ہوں' سنگِ مرمر پہ کُھدے ہوں یا کسی قرطاس کینوس پہ اُبھرے ہوں اِن کی سحر انگیزی سے بہر طور اِغماض برتا نہیں جا سکتا...... شرطیوں کہ بعد

عشق، شوق اور حسنِ جمال کے اجمال میں از قسم ''وڈ قصائی'' نہ ہو......!

● شکیلہ بانو بھوپالی ملکۂ قوالی......!

حسنِ اتفاق یا میری کہیں سُنی گئی...... بھارت سے شکیلہ بانو بھوپالی (مشہور و معروف خاتون قوّال اور خوبصورت شاعرہ) اپنے مکمل طائفے کے ساتھ انگلینڈ چلی آئی...... مکمل طائفہ یوں کہا ہے کہ اُنیس بیس افراد پہ مشتمل اس گروپ میں نوے فیصد اس کا اپنا خاندان شامل تھا۔ اماں اور باوا کے علاوہ کئی ایک صغیرے کبیرے بھائی اور بھابیاں، بھتیجے وغیرہ...... بس پانچ سات خانہ زاد قسم کے سازندے اور ہمنوا، جن میں کالی کیلی مرغیوں سی لڑکیاں بھی شامل تھیں...... اُس کے اپنے گھر والے سب سنگت میں سٹیج پہ بیٹھتے تھے۔ باوا جی ایک وقت سیکریٹری جنرل، منتظم اعلیٰ اور خازن تھے۔ اماں جان ہارمونیم پہ بیٹھتی اور ہمنوائی بھی کرتیں جبکہ بھائی بھتیجے دیگر سنگت سازوں پہ بجے تھے...... یہ دُنیا کا واحد طائفہ تھا جس میں انسانوں، فنکاروں کی ہر قسم قبیلی شامل تھی...... بچے جوان، اُدھیڑ عمرے، بوڑھے، [illegible] کورے کاغذ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ...... سکھ، ہندو مسلمان، [illegible] اور [illegible] شاعر، ادیب، اداکار، رقاص وغیرہ...... یہ ہندوستان کا اس لحاظ سے بھی واحد طائفہ تھا جو بھوپال کے نواب خاندان سے لے کر سرکار کے ایوانوں تک پذیرائی پاتا تھا...... فلم انڈسٹری کے مہا تو قسم کے ایکٹرز، ڈائریکٹرز اس قتالۂ عالم شکیلہ بانو بھوپالی کے مدّاح تھے...... بلا کی ذہین، فطین، کمال کی شاعرہ...... سٹیج کی مہارانی، شعر فہمی اور سنگیت، گرہ بندی، برمحل استعمال...... شعر کے معنی و مفہوم وہ زبان کے علاوہ اپنی اداؤں، کنائیوں اور غمزوں سے ادا کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی تھی۔ بڑی بذلہ سنج، حاضر جواب، مہذب، باادب اور باکلام و جمال خاتون، کم از کم اس فیلڈ میں کوئی اور نہ تھی، نہ ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔

شکیلہ بانو بھوپالی سے میری بالمشافہ کوئی واقفیت یا ملاقات نہیں تھی۔ ہندوستان کے اخباروں، رسالوں کی حد تک میں اُسے جانتا تھا۔ البتہ یہ خواہش ضرور تھی کہ کبھی اُسے ملوں یا اُس کا کوئی پروگرام دیکھوں...... جب بھی کبھی ہندوستان جانا ہُوا وہ کسی لمبے دَورے پہ نکلی ہوتی۔ اصل میں میں اُس سے تفصیل سے ملنا چاہتا تھا۔ اُس کا فن، اخلاق، ذہنی، جسمانی خوبصورتی اپنی جگہ پہ، مگر میری جستجو اور شوق کا مرکز کچھ اور تھا۔ شکیلہ بانو بھوپالی میرے اپنے علم اور حساب کے مطابق لاکھوں میں ایک تھی...... وہ عورت کا ایک ایسا انوکھا سروپ تھی جو قادرِ مطلق سے بڑی خاص سیرت، نسوانی خوبیاں، صلاحیتیں اور منزل و مقام حاصل کر کے اس جہانِ رنگ و بو

میں وارد ہوتی ہیں...... ایسی خال خال عورتیں شمسی ہوتی ہیں۔ اِن میں افلاک کی بلندیاں اور آفاق کی سیر بینیاں ہوتی ہیں...... یہ شمس کی نگونی اور مشتری کی فرودی میں عالم تیرہ وتار میں جنم لیتی ہیں...... آہنگ میں غنودگی کھنک...... نگاہ میں پسے ستارے...... جڑے ابروؤں بیچ رینگتی ہوئی ریگ ماہی...... پیکر، تاج محل کی محرابوں قوسوں اور گولائیوں میں ڈھلا ہوا...... چال میں بادِصبا سی مست خرامی اور لہجہ میں میور پنکھ کی نرماہٹ...... مثلِ قطب کی مانند یہ قطبی ناری بھی کہیں کہیں دکھائی دے جاتی ہے...... زیادہ دُور نہیں، ذرا قریب کی بات کریں تو میرا مائی، نیرا، سیتاجی، رانی کیکئی، رضیہ سلطانہ، جھانسی کی رانی، سروجنی نائیڈو، اُم کلثوم، روشن آرا بیگم، صوفیہ لورین، ڈیانا، اندرا گاندھی، نورجہاں (ملکۂ ہندوستان) نورجہاں (ملکۂ ترنم) مینا کماری— اسی طرح چند اور بھی خواتین اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ عموماً بچے پیدا کرنے والی عورتیں نہیں ہوتیں۔ ان میں فنونِ لطیفہ کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔ رُوحانیت یا انسانیت کی جانب جدھر بھی نکل جاویں، دُنیاوی مال و دولت، عزت و شہرت حاصل ہوتی ہے۔ ایک قدر سب میں مشترک ہوتی ہے۔ انہیں وفا نہیں ملتی۔ ازدواجی زندگی ناقص ہوتی ہے...... آخیر حسرت و یاس نصیب ہوتی ہے...... پر نام اور کام چمکتا سورج ہوتا ہے۔

اس [illegible] گلوکارہ، اداکارہ، ادیب اور [illegible] نفیس [illegible] خاتون [illegible] بھی قریب [illegible] کچھ ایسے ہی آثار دکھائی دیتے [illegible] زندگی دوسروں پہ لٹا دی...... عمر کی بھری بہار میں دل کے روگ سے قبر میں اُتر گئی...... بس! یونہی [illegible] تذکرہ کا قصہ چل نکلا...... اصل بات تو چند نغموں کی شروع تھی۔

دہلی میں ماہنامہ ''شمع'' کے دفتر میں بیٹھا تھا۔ حافظ محمد یوسف دہلوی مرحوم سے بات چیت کے دوران شکیلہ بانو بھوپالی کا ذکر چل نکلا...... میں نے انہیں کہیں کہہ دیا کہ میں اُسے ملنا چاہتا ہوں آپ کوئی سبیل پیدا کردیں۔ انہوں نے تو جیسے میرے مُنہ کی بات اُچک لی۔ کہنے لگے۔

''میاں! تمہیں ضرور اُس سے ملنا چاہئے...... وہ تمہارے مطلب کی چیز ہے۔ اُس کی قوالی اگر نہیں سُنی، اُس کی محفل میں اگر نہیں بیٹھے، اُس کے ہاتھ کا پکا کھانا نہیں کھایا۔ اُس کے اشعار نہیں سُنے تو تم نے ابھی دیکھا، سُنا، کھایا اور جانا ہی کچھ نہیں۔''

وہ مجھے ایک بڑی سی کتاب تھماتے ہوئے مزید فرمانے لگے۔

''یہ پکڑو اور شکیلہ سے تعارف حاصل کرو۔ مجھے معلوم کرلینے دو کہ وہ بمبئی میں ہے یا کہیں باہر؟ خاطر جمع رکھو اس سے ملوا بھی دوں گا۔''

سیاہ جلد کی کتاب...... ''امیر خسرو سے شکیلہ بانو تک'' میں عنوان پڑھتے ہی چونک پڑا۔ شکیل بدایونی

کے منہ بولے بیٹے اور تلامذۂ خاص اکمل حیدرآبادی کی تالیف و تصنیف تھی۔ شکیلہ بانو کی ذات، فن، خاندان، شاعری، خدمات وغیرہ۔ امیر خسروؒ کے حوالے سے قوالی کی پوری تاریخ، اثرات...... میں اِک ندیدے کی طرح کتاب پہ ٹوٹ پڑا۔ ایک ہی نشست میں پوری کی پوری چاٹ ڈالی۔ اُدھر حافظ یوسف صاحب نے شکیلہ کا پتہ کروایا...... معلوم ہوا کہ وہ تو حیدرآباد پہنچی ہوئی ہے آئندہ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ تک اس سے ملاقات کی کوئی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ اِس کے سیکنڈ سیکرٹری کو پیغام اور بمبئی میں اپنا فون رابطہ نمبر لکھوا دیا تھا۔

دس روز بعد، شکیلہ بانو نے خود ہی مجھ سے رابطہ کیا...... ہوٹل سے اُٹھا کر اپنے دادر والے گھر لے گئی۔ گھر والوں، اپنے سٹاف، دوستوں سب سے ملوایا۔ اسی طرح میرے بہانے دعوتوں کا موقع بھی نکل آیا۔ ان شعر و سخن، رنگ و رامش اور ناؤنوش کی پُرتہذیب و تکلف محافل میں مَیں پہلی مرتبہ بی آر چوپڑا، نوشاد، دلیپ کمار، شکیل بدایونی، راج کپور، مکری، جانی واکر، راماننداساگر، اجیت، پران اور بہت سے دیگر فلمی، غیر فلمی فنکاروں، قوالوں، شاعروں اور موسیقاروں سے تفصیل سے ملا...... مہاراشٹر کے چند ایک پروگراموں میں شامل ہونے کا موقع بھی ملا۔ اسی دوران مجھے اندازہ ہوا شکیلہ بانو کا حلقۂ احباب کس قدر وسیع ہے۔ اگر اپنے فن، ہنر، ذوق و سخن میں یکتائے روزگار تھی وہیں ہر طرح کے لوگوں سے [illegible] تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ریاست و [illegible] مقبول تھی...... بہت جلد میری اس سے دوستی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ اُس کے والد عبدالرشید خان، والدہ اور بہن بھائیوں سے بھی خلوص و وفا کے رشتے اُستوار ہو گئے...... اَب مَیں اُن کے گھر کے کسی فرد کے لئے اجنبی نہ تھا۔

اچانک ایک روز مَیں نے خان صاحب سے فرمائش کر ڈالی کہ اگر آپ کا قریبی دنوں میں بھوپال جانا ہو تو مجھے بھی ساتھ لے لیجئے گا مَیں اس خوبصورت قدیمی شہر کو جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں...... یہاں کے محلات، عمارات، دیہات، گلیوں، کوچوں بازاروں میں خوب گھومنا چاہتا ہوں اور خاص طور پہ وہاں بزرگوں، اولیائے اللہ کے مزارات کی زیارت بھی میرا مقصد ہے...... خان صاحب میری خواہش سُن کر خوش ہوئے...... کہنے لگے۔

”جب چاہیں اپنی سہولت کو مدِنظر رکھتے ہوئے پروگرام بنالیں...... آپ وہاں جا کر بہت خوش ہوں گے اور آپ سے زیادہ مَیں خوش ہوں گا کہ مجھے آپ کی میزبانی اور ہمرکابی کا موقع ملے گا۔“

اَب مَیں اس انتظار میں رہا کہ کب خان صاحب، بھوپال چلنے کا کہتے ہیں...... دوبارہ اپنی خواہش کے اظہار میں تامل تھا کہ ان کی دن رات کی گھریلو مصروفیات، ریہرسلز، پارٹیوں سے معاملات اور دیگر انتظامی امور کی نوعیت یوں کہ اُنہیں کان کھجلنے کی فرصت نہ تھی...... مَیں نے محسوس کیا اُنہوں نے مروتاً بھوپال لے جانے کی حامی تو بھر لی ہے مگر حقیقتاً ان کے پاس حاجی علیؒ کی درگاہ تک جانے کے لئے بھی وقت نہیں۔

ایک صبح میں نے انہیں مطلع کیا۔

''خان صاحب! آپ کی بے پناہ مصروفیات کا مجھے احساس ہے۔ میں چونکہ پہلی مرتبہ بھوپال [illegible] ہوں۔ ہو سکے تو کسی بھلے سے بندے سے میرا رابطہ کروا دیں جو بھوپال میں میری کچھ رہبری کر سکے۔''

خان صاحب نے مصروفیت کا عذر اور معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا تو یہی تھا کہ آپ کو اپنے ساتھ لے جاؤں' پر کیا کہئے کہ اب چند ایک پروگرام اچانک [illegible] میں آن پڑے ہیں۔ آپ تو سمجھتے ہیں کہ آئی روزی کو لات مارنا بھی کفرانِ نعمت ہے۔ ویسے آپ کو وہاں [illegible] کی ایسی عجلت بھی کیا ہے؟ ایک آدھ ہفتہ اور رُک لیں۔''

''خان صاحب! ایک تو مجھے واپس انگلینڈ جلد پہنچنا ہے۔ دوسرے وہاں جنگل کنارے ایک بزرگ [illegible] مزار ہے جن کا عرس اس شکروار کو شروع ہو رہا ہے۔ میں وہاں عرس کے موقع پہ حاضری دینا چاہتا ہوں۔''

چند لمحے ادھر ٹیلیفون پہ خامشی چھائی رہی۔

''ہیلو...... خان صاحب! آپ سُن رہے ہیں کیا......؟''

گہری ہوں کے ساتھ خان صاحب بولے۔

''[illegible] ان بزرگوں کا نام شاہ [illegible] بابا [illegible] تو نہیں......؟''

''ہاں اُن کا یہی نام مجھے بتایا گیا تھا۔''

اب خان صاحب کا لہجہ اک دم تبدیل ہو گیا۔ بڑی بے دلی سے بادلِ نخواستہ بتانے لگے۔

''تمہیں شاید معلوم نہیں [illegible] کوئی ایسا مزار وہاں موجود نہیں [illegible] وہاں کوئی عُرس ہوتا ہے [illegible] شرکت کی خواہش لئے تم وہاں جا رہے ہو۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں' خان صاحب؟ یہ تو بہت قدیمی مزار ہے اور صاحبِ مزار بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔ انسان تو انسان جنگل کے شیر چیتے وہاں حاضری دیتے تھے بلکہ جنات تک وہاں سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔''

خان صاحب جھنجھلائے سے بولے۔

''معذرت خواہ ہوں اس وقت تفصیل سے بات نہیں کر سکتا' دوسری لائن پہ سیٹھ ٹیکا رام میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ویسے سرِدست میرا مشورہ ہے آپ وہاں میرے ساتھ ہی تشریف لے جائیں۔ اگر کسی وجہ سے ایسا نہ ہو سکے تو پھر مجبوری' اکیلے ہی چلے جائیں' لیکن وہاں کسی مزار و زار پر جانے سے اجتناب کریں' آپ انگلینڈ سے آئے ہوئے ہیں بھوپال کے خانقاہی ماحول سے آپ واقف نہیں۔ محض وقت برباد کرنے والی بات ہے۔''

وہ بڑی عجلت میں کہہ رہے تھے جیسے اُنھیں مجھ سے جان چھڑانے کی پڑی ہو اور اِدھر میں اُن سے بھی [illegible] آگے کا اُتاولا' کھٹ سے پوچھ بیٹھا۔

”قبلہ خان صاحب! خاکم بدہن' آپ کہیں وہابی شاہی تو نہیں......؟“

جواب میں ٹیلیفون ڈیڈ ہو گیا۔ تعلقات' ٹیلیفون اور سیٹھ ٹیکا رام۔ تینوں پہ چار حرف بھیجتے ہوئے میں نے بمبئی چھوڑ دیا۔ میرا طریقہ ہے کہ میں سفر کے دَوران' سامان اور خوراک بہت کم لیتا ہوں...... معمولی لباس بھی یوں کہ دھویا نہ دھویا ایک برابر...... شکل صُورت' حال حلیہ بھی ایسا رکھتا کہ اجنبی دِکھائی نہ دوں۔ اِس طرح میں مکروہات اور سفری پریشانیوں سے بچا رہتا ہوں۔ زندگی اور سفر دونوں کا مزہ ہی بے سروسامانی' خستہ حالی اور من موجی میں حاصل ہوتا ہے۔ علی الصباح بھوپال کے سٹیشن پہ اُترا تو میرے کاندھے پہ لٹکے کپڑے کے تھیلے میں ایک آدھ جوڑا لباس' دو چار کتابیں تھیں۔ کرتہ پاجامہ اور معمولی سی چپل جو میں پہنے ہوئے تھا...... اس حال اور اَموال کے ساتھ باہر نکلا تو کسی تانگے' ٹیکسی رکشہ والے نے مجھے گھاس تک نہ ڈالی۔ میرا حال ہی کچھ بے وقوف گیدڑ کی طرح تھا جو شامتِ اعمال سے شہر کا رُخ کر لیتا ہے۔

دُور دراز کے علاقوں' دیہاتوں سے معاشی مسائل کے حل کی تلاش میں جب [illegible] لوگ باگ بڑے شہروں [illegible] پہ اُترتے ہیں تو ٹیکسی رکشہ والے اُن کی جانب دھیان [illegible] کم ہی دیتے ہیں۔ [illegible] قطع نظر وہ کسی رس بھرے سنگترے مالٹے کی جستجو میں ہوتے ہیں...... میں چونکہ ان باتوں کو سمجھتا ہوں اس لیے جان بوجھ ایسا حال حلیہ رکھتا ہوں کہ نہ سُرخی پوڈر ہوتی نہ مجھے کوئی دیکھے یا سیٹی بجائے...... سٹیشن کے باہر بیڑی کے کش لگاتے ہوئے [illegible] ڈھانچے اپنی اپنی سواریاں لیے اچھے مسافروں کی پکڑ دھکڑ میں مصروف تھے۔ کیا مجال جو میری جانب کسی نے نگاہِ غلط ہی ڈالی ہو۔ میں مزے سے ٹہلتا بہلتا ہُوا سٹیشن کی حدود سے باہر' مین روڈ پہ نکل آیا...... چند لمحے رُک کر دائیں بائیں دیکھا' اندازہ لگایا کہ مرکزی شہر کس طرف ہو سکتا ہے؟

یہ بھی سیاحت کی ایک سائنس یا سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا ہُوا علم ہے جو تجربہ کار سیاحوں' جہاں نوردوں یا پھر میری طرح کے بین الاقوامی بلکہ بین الکائناتی خاندانی آوارہ گردوں کے ہاں ہوتا ہے۔ یہ راندۂ درگاہ' بے وسیلہ کفیلہ پنچھی اپنے اسی علم و سائنس سے دُنیا بھر میں شہروں شہروں' ملکوں ملکوں' خاک چھانتے رہتے ہیں...... ان سدا بہار صدرنگے سیمیں مُرغوں کی خارجی اور داخلی حِسّیں' غیر معمولی اور عام انسانوں سے کہیں وسیع ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ غیر انسانی ہوتی ہیں...... کتے' کوے اور کبوتر کی خصلتیں' جبلتیں اور عادتیں' اگر خاندانی آوارہ گرد میں موجود نہیں تو وہ دو نمبر ہے...... محض اندر باہر کی کالک سے کوا...... اِنسان دوستی سے کتا

اور صرف معصومیت سے کبوتر تعریف نہیں ہوتا۔ اِن میں کشف' رؤیا...... ماضی' حال' مستقبل بینی...... [illegible] نجوم' موسم...... وقت کے تقاضے' غیب کے اشارے...... اِنسان کے ظاہر و باطن' نیت و سوچ کی تمام تر [illegible] اور خباثتیں سمجھنے کی صلاحیتیں ہوتی ہیں۔

آنکھیں بند کر کے کھڑے کھڑے "مراقبۂ السمت" ادا کیا اور حسبِ طریق اپنے دائیں جانب [illegible] دیا...... کافی دُور آگے جا کے' پیچھے سے آتا ہوا ایک پھٹیچر سا یکّہ میرے قریب پہنچ کر رُکا...... پوپلے [illegible] بوڑھا یکّہ بان پوچھ رہا تھا...... "کہاں جاؤ گے بھیا؟"...... چھنگلی پور برابر بیڑی کے دم کش میں وہ [illegible] کھانس بھی رہا' اس کی ایک مُندھی آنکھ سے آشوب بھی بہہ رہا تھا...... بادل نخواستہ' رُکتے ہوئے [illegible] بوڑھے' غُربت زدہ یکّہ بان کو غور سے تکنے لگا۔

اس طرح مجھے بھونچکا سا پا کر وہ دوبارہ پوچھنے لگا...... "بھیا! اُدھر مومن گنج کی طرف جا [illegible] میں اُدھر ہی تو جا رہا ہوں...... بھاڑے کی فکر نہ کرو...... بسم اللہ کی سواری سے میں [illegible] بھاڑا ویسے بھی [illegible] لیتا۔ آؤ' بیٹھو۔"

میں کسی بوکھلائے شخص کی طرح اُچھل کر یکّے میں [illegible] دل میں کہنے لگا [illegible] کی بسم اللہ کی سواری [illegible]

یکّے [illegible] نکلتے اندر بھونپو سے بجنے لگے۔ الٰہی! اب کی خیر' مریل سا ٹٹو...... ڈھلکی چال میں ایک [illegible] سی قائم کر چکا تھا...... میں اندر کی اندر سجا میں مست...... کچھ خبر نا ہیں کہ میں کون' کہاں اور کدھر جا رہا [illegible] آنکھیں نیم وا' صبح صبح کا سماں [illegible] اسی طرح بے سُدھ سا تھا کہ [illegible] سے کچھ شبد ٹکرائے۔

"بھیا! کہاں اُترو گے میں تو مومن گنج کی جانب مُڑ رہا ہوں؟"

بن سوچے سمجھے مُنہ سے نکل گیا۔

"میاں جی! مومن گنج لے چلو یا کسی کا فرگر' میری اِدھر کوئی جان پہچان تو ہے نہیں' چاہو تو کسی [illegible] یا آشرم کے پاس اُتار پھینکو......"

پیچھے مُڑ کر مجھے کڑی نگاہوں سے تکتا ہوا پھر پوچھنے لگا۔

"بھیا! تم اِدھر ہی کے رُخ پہ بڑھے جا رہے تھے آخر کسی ٹھور ٹھکانے پہ پہنچنے کا قصد تو ہوگا؟"

سمجھ میں آ گئی کہ بات کی بلّی' تھیلے سے باہر نکالے بغیر یہ بوبک پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ [illegible] کرنے کی غرض سے میں نے اُسے بتا ہی دیا۔

"بڑے میاں! میں بمبئی سے آیا ہوں...... یہاں کے ایک باسی' جو بمبئی میں رہتے ہیں مجھے ان کے ساتھ یہاں پہنچنا تھا مگر بوجوہ وہ میرے ساتھ نہ آ سکے...... اِدھر آنے کا اصل مقصد' یہاں آسودۂ خاک ایک بزرگ کے مزار پہ حاضری دینا تھا اور دُوسرا مقصد' یہاں کے تاریخی مقامات' مساجد و مکاتب' تہذیب و تمدن کا مشاہدہ و مطالعہ بھی ہے۔"

وہ مزید کُریدتے ہوئے بولا...... "اور کچھ......؟"

"میں یہاں کے پُرانے لوگوں' قدیمی مزاروں' کنوؤں باولیوں اور جنگل بیابانوں کو دیکھنا چاہتا ہوں ــــ یہاں کے شاہی محلات' عجائب گھر اور لائبریریوں تک جانا چاہتا ہوں۔"

"بھیا! تم نے ابھی کہا ہے کسی بزرگ کے مزار پہ جانا تمہارا اصل مقصد ہے؟ اور تم بھوپال کے رہنے والے کسی آدمی کے ساتھ اِدھر آنا چاہتے تھے...... اُن دونوں کے نام بتا سکتے ہو تا کہ اُدھر پہنچا دوں؟"

"وہ اِدھر کے بڑے جانے پہچانے بندے ہیں۔ نام اُن کا عبدالرشید خان ہے مشہور قوال شکیلہ بانو [illegible] محترم ہیں [illegible] گھاٹ میں بھی اُن کی سکونت ہے۔ دوسرے جن بزرگ کے مزار پہ میں [illegible] حاضری دینا چاہتا ہوں...... وہ حضرت شاہ بابا نابینا ہیں۔ اسی طرح میں ایک [illegible] روحانی خاندان کے کسی فرد سے بھی ملنا چاہتا ہوں جو چند [illegible] بھی ہیں۔"

میری یہ باتیں سُن کر تانگے والے کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ اگر وہ کچھ دیر بعد گھوڑے کو ہشکارتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ [illegible] چکا ہے۔ اب میں اس انتظار میں کہ وہ کوئی مزید بات کرے' کچھ پوچھے...... جب اک ڈوبے کو ٹٹولنے کا سلسلہ چل ہی نکلا تو اسے اپنے منطقی انجام تک جاری رہنا چاہیے تھا۔ جب خاصا وقت خاموشی کے حبس دم میں گزر گیا تو میں نے ہی بات کی ایک ہلکی سی کنکری سکوت کے تالاب میں پھینکی۔

"میاں جی! کچھ جواب نہیں دیا' میری کوئی بات ناگوار گزری یا جواب کے لائق نہیں؟"

بڑے میاں نے رُخ میری جانب موڑے بغیر ہی رُوکھا سوکھا جواب پھینکا۔

"بھیا! صبح صبح بسم اللہ پڑھنے کے وقت آپ نے باتیں ہی لاحول ولا قوۃ پڑھنے والی شروع کر دیں اب بھلا میں خاموش نہ رہوں تو کیا آفرین کہوں؟"

میں سٹپٹا کر رہ گیا...... اپنی باتوں پہ غور کیا...... کون سی بات ایسی کر دی جو قابلِ لاحول ٹھہری ہے ــــ جب چنداں سمجھ میں نہ آیا تو پھر پوچھ بیٹھا۔

"بارِ خاطر نہ ہو تو کچھ بتا دیں میری کون سی بات ایسی تھی جو آپ کی طبعِ نازک پہ گراں گزری؟"

وہ یکہ روکتے ہوئے بولا۔ "بھیا! بس تم یہیں اُتر لو۔ میں سویرے سویرے کسی قضیے میں پڑتا نہیں

چاہتا...... جس مزار کا تم نے ذکر کیا وہاں تو جنات کا بسیرا ہے...... کوئی ہوش مند اُدھر کا رُخ کرنا پسند نہیں کرتے۔ شاہ بابا کا پورے کا پورا مزار اردگرد کی مٹی تک جنات اکھاڑ کر کوہ قاف کے پہاڑوں پہ لے گئے ہوئے ہیں۔ اب تو یہاں اُن کی باقیات میں ایک بڑا سا گڑھا ہے جس میں ہر وقت الاؤ جلتا رہتا ہے...... نہ کوئی لکڑی ڈالے ہے نہ تیل گھی' پہ چوبیس کلاک وہاں خوشبودار میٹھی میٹھی آگ روشن رہتی ہے۔ کہتے ہیں جنات خوشبودار ٹھنڈی ٹھنڈی آگ خود جلاتے ہیں...... جنات کے خوف سے کوئی اُدھر کا رُخ نہیں پکڑتا —— البتہ وہاں سے قریب ہی اُن کی صاحبزادی صاحبہ کا مزار بھی ہے وہاں مست ملنگ لوگ آتے جاتے ہیں۔ وہاں جانا چاہو تو میں چھوڑے آتا ہوں۔ اکّی کم' روپلی بھاڑا ہوگا' صبح صبح بوہنی کا ٹیم ہے۔''

یکے والے کی خوف زدہ کر دینے والی باتوں سے مجھے کوئی فرق نہ پڑا کیونکہ اس قسم کی جناتی باتیں جدہ والے نینوں کے مصور سے بھی سُن رکھی تھیں...... اب یکے والا [illegible] لگائے میرے کسی جواب کا منتظر تھا۔ میں ایک دماغی جھٹکا لے کر چندے نینوں والے حافظوں کی بابت پوچھنے ہی والا تھا کہ وہ عجلت ظاہر کرتے ہوئے کہنے لگا

''بیبا! چلنا ہے تو بیٹھو ورنہ اُتر لو۔''

میں [illegible] تسلیم سے

چلیے' بسم اللہ!''

میرے اس جواب پہ وہ یوں چونکا جیسے میں نے اُسے کہہ دیا ہو...... ''مہربان! میں آپ کو خوب پہچانتا ہوں۔ بہت کالے برسوں پہلے لاہور سٹیشن سے آپ نے مجھے اپنے تانگے پہ بٹھایا تھا میرے گلے میں ڈالے پھر خراماں خراماں داتا دربارؒ کی جانب چل دیئے۔ شاہ عالمی کے باہر مسجد شب بھر کے پاس ''پیا رنگ مبارک ہو'' کہا تھا۔ داتا صاحبؒ کا لنگر کھلایا۔ وہاں سے شاہی محلے جمنا بائی جبل پوری کی بارگاہ کا رستہ پکڑا...... بھلا کبھی جسم' جگہ' تانگہ اور وقت بدلنے سے بھی کہیں امرِ واصل بدلتا ہے۔ ہو سکتا تھا کہ میں اُسے میں سفائر آف نائیکل کے شعبدہ بازی کی یاد بھی دلاتا...... دمشق میں موٹر سائیکل والے کھلندرے نبیل ربانی کا بھی کرتا مگر شاید اس وقت ان قصوں کو چھیڑنے کا محل نہیں تھا...... اچھا خاصا راستہ طے کرنے کے بعد کے نواح میں پہنچ پائے تھے۔ اس دوران ہمارے دونوں محاذوں پہ بات چیت کی مکمل فائر بندی رہی۔

نیچے پاتال میں مختلف نوع کی معدنیات' مائعات' لطیف و کثیف بادیات' دھاتیات...... انتہائی گرم اور بے پناہ گرم مادے...... دھرتی کی اپنی بطونی کیفیات وغیرہ...... اپنے اُوپر موجود مخلوقات پہ براہ راست اثر پذیر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ حیوانِ مطلق ہوں یا حیوانِ ناطق' شجرات یا حجرات وغیرہ اور کچھ طبقات

ہیں بھی ہوتے ہیں کہ ان پہ سرانجام دیئے کاروکرم بڑے مثبت نتائج کے حامل ٹھہرتے ہیں' کہیں ایسی زمین بھی کہ سونا بیجو تو پیتل بھی نہ اُگے...... کئی ایک بدطالع' مضرت خیز اور کئی ایک تختۂ اَرض ایسی تاثیر بھی رکھتے ہیں کہ جنون و خلجان پیدا کر دیں اور یہ بھی دیکھا کچھ حصۂ زمین پہ دل و دماغ کے بند سوتے کھل لیتے ہیں' [illegible] و ادبار جاتا رہتا ہے۔ بشاشت' عفو و رحم اور استغناء پیدا ہوتا ہے۔

گوہرِ مقدونیہ سکندر' جب دُنیا کو فتح کرنے کا عزم لے کر اپنے ملک سے نکلتا ہے تو اس کا مُعلم المعلمین کہ جس اَتالیق اور مشیرِ خاص اَرسطو اسے چند خاص پند و نصائح سے نوازتا ہے۔ گھوڑے کی ننگی پیٹھ کے پسینے سے بچنے' کبود چشم چرتر اور آنکھ آنسوؤں سے بات کرنے والی عورت کے مکر و فریب سے دُور رہنے کی تلقین کی اور خاص طریقِ جہاں بانی کے ضمن میں رازہائے سربستہ کھولتے ہوئے کششِ ثقل' اَرضی طبقاتی اثرات' اُن کی پہچان و خصوصیات کے بارے میں تعلیم دیں۔ کسی فیصلے کے وقت زیرِ قدم زمین کی اَتھاہ تک درجہ بدرجہ تمام خفی نحس و سعد اثرات اور کوئی حکم صادر کرتے سمے اپنے سر کے اُوپر' وابستگانِ افلاک کا کُلی جائزہ لینا بھی سکھایا کہ وجود کے عین نیچے اور اُوپر جو گنجینۂ حکمت و معرفت ہے فطرت و قدرت کے جو خفیف و عمیق خفیہ اشارے [illegible] دیدہ ساعتوں کی جو گزرگاہیں ہیں ان کے ثمرات و مضمرات کیسے جانے اور سمجھے جا سکتے ہیں

ایک [illegible] نوجوان [illegible] کیسے بنا......

اس طرح کہ اس کے پاس اِک عزمِ تازہ تھا۔ وہ مثبت عسکری اندازِ فکر سے جہاں پیمائی پہ آمادہ تھا۔ اس کے بخت پہ ایک دیدہ ور بابا تھا...... اور بابا بھی وہ جس نے اسے کسی حجرۂ گناہ و ثواب میں مقید نہیں کیا بلکہ اُس کے لئے آدھی دُنیا کو عزم و ہمت' کشادہ دلی و کشادہ قدمی' سیاسی' ریاستی نظامت و انتظامات کا مکتب بنا دیا...... اُسی نے ہی یہ سبق دیا کہ تم سکندرِ اعظم بن کر پوری دُنیا بھی فتح کر لو تب بھی تمہاری مقدرت' دونوں ہاتھ خالی ہی لوٹنا ہے اور جب تمہاری موت آئے گی تو وہ یہ نہیں دیکھے گی کہ تم اپنے وطن' گھر کے آنگن میں یا دُور کہیں گم نام دشوار گزار راہوں پہ ہو۔ آخری وقت دونوں ہاتھ خالی اور کُھلے رکھنے کا گُر بھی اس کے جلیل القدر فاضل اُستاد نے بتایا تھا۔ اس خالی ہاتھ دُنیا سے جانے والے بادشاہ کو رہتی دُنیا تک الیگزینڈر دی گریٹ ہی کہا جائے گا۔

سکندرِ اعظم کا یہ مختصر سا تذکرہ' زمین و افلاک کی دیدہ اَن دیدہ قوتوں کے حوالے سے درمیان میں آ گیا کہ میں اور بگے والا اِک خاصا وقت اپنا اپنا دم سادھے رہے...... شاید اس لئے ہم دونوں' اِک دوجے کے سامنے قدرے ننگے ہو گئے یا جس زمین اور آسمان کے درمیان ہم موجود تھے یہ اس کا بھی اثر یا تقاضا تھا۔

پہاڑ ابھی دُور ہوتے ہیں' زمین پہلے ہی پتھریلی سی شروع ہو جاتی۔ جنگلوں سے پہلے زمین کی آب و ہوا' خوشبو' خوش منظری مسافر کو خوش آمدید کہہ دیتی ہے...... سمندر و صحرا بھی دُور سے اپنی شناخت کروا

دیتے ہیں۔ چمن کے قریب عندلیبیں، چڑیاں، قمریاں اور فاختیں آپ کا استقبال کرتی ہیں...... سوئے مقتل کے راستے، ایسے سرسبز اور خوش منظر نہیں ہوتے کہ یہ نا آسودہ زندگی اور فرسودہ موت کی گزرگاہ ہوتے ہیں ان گزرگاہوں کے نیچے تحت الثریٰ تک گندھک شور کا جہنم دہک رہا ہوتا ہے۔ میں نے یروشلم، کوفہ، کربلا، دہلی، امرتسر، میسور اور دُنیا کے بہت سے دیگر علاقوں میں ایسے طبقاتِ ارضی اور افلاکی منکشف دیکھے جو آج بھی اُسی ہلاکت آفرینی کے زیرِ اثر ہیں جو صدیوں پہلے اِن کے حصے میں آئی تھی۔

یکہ اب ناہموار راستے پہ تھا...... جنگل کی آوارہ گنواری خوشبو نے مجھے منزل کا پتہ دے دیا تھا۔ طبیعت نڈھال پژمردہ سی تھی جیسے کالے کوسوں کا طویل سفر طے کر کے یہاں پہنچا ہوں۔ اُونچی نیچی راہوں پہ خستہ حال سا یکہ کسی آشفتہ سر کی طرح ہچکولے لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ میں چونکہ پیچھے بیٹھا ہوا تھا اس لئے پیچھے کا منظر واضح تھا۔ آپ نے کبھی محسوس کیا ہو کہ بیل گاڑی تانگے یکے کا سفر پیچھے بیٹھے ہوئے کے لئے ماضی سے فرار اور آگے بیٹھنے والے کے لئے مستقبل کا رجوع ہوتا ہے...... پیچھے والے کی نظر ماضی بعید کے قلب میں گڑی ہوتی ہے اور راہ کے سنگِ میل، پتھر روڑا، کاوٹیں، خار و خرابے بڑی یاس بھری نظروں سے دیکھتا ہے جیسے اُن سے دور جانے کا اسے ملال ہو جبکہ آگے والے کی تجسس بھری نظریں مستقبل کے باطن میں نہیں اس کے ظاہری وجود کے خدوخال سے [illegible] نظر آ رہا تک میری نظر سور وغیرہ کی گیلی گوبریوں پہ پڑی جو پگڈنڈی نما راستے پہ جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ میرے سمجھنے کے لئے یہ کافی تھا کہ یہ جنگل ہی کا راستہ ہے کسی منگل منڈل کا نہیں......!

اِنسان کھانا پینا تو سب کے سامنے کر لیتا ہے مگر رگِ مُوت کے لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ لیکن پرندے درندے چوپائے کھانے پینے اور فراغت کے لئے کسی پردہ پوشی کا مظاہرہ نہیں کرتے...... اُڑتے بیٹھتے، پھرتے چلتے اور سوتے جاگتے بھی یہ فریضہ آسانی سے سرانجام دے لیتے ہیں۔ ہر جانور کا بول و براز بشمول اِنسان کے نہ کسی کام کا ہوتا ہے اور بہت سے عوارض کی دوا، لاتعداد سحری سفلی عملیات کا جزوِ اوّل اور کئی ایک سمیات کے لئے تریاق...... ربُّ الحکمت نے اس جہاں میں کسی چیز کو بے کار پیدا نہیں فرمایا۔ بظاہر بے مقصد فضول دکھائی دینے والی شے بھی کہیں نہ کہیں اپنی افادیت رکھتی ہے ہم اگر کور بینی کی بناء پہ نہ جان پائیں تو اس میں ہمارا قصور ہو سکتا ہے۔ اِنسانی جسم سے خارج ہونے والے مختلف مواد ات کو ہم پسینہ، کیچ، میل، سکری، فضلہ اور پیشاب کہتے ہیں۔ یہ اِنسانی مل مُوتر اپنے ہاں، کسی نہ کسی مقدار میں وہی میزل، پروٹین، وٹامن، روغنیات اور ریشہ جات محفوظ رکھتا ہے جو اس کی غیر ہضم غذائی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ ایسی کراہت وحالت کے سبب اس کا زیادہ دیر سامنا نہیں کر پاتا مگر یہ اس کے معدے میں موجود ہوتا ہے اور بعض اوقات تو کئی دن پڑا رہتا

ہے۔۔۔۔۔۔ بظاہر اس غلاظت کا کوئی روشن پہلو نظر نہیں آتا لیکن پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ انسانی فضلے کی پروٹین اور چربی سے بڑے بڑے قیمت اور مشہور میک اپ کے سامان بنتے ہیں۔۔۔۔۔۔ خاص طور پہ عورتوں کے لئے ایک مخصوص لپ سٹک' انسانی فضلے سے حاصل کی گئی چربی سے تیار کی جاتی ہے۔ انسانی معدے میں ہضم ہو کر جب فضلہ بننے کے عمل سے گزرتی ہے تو اس میں اک خاص کیمیاوی تبخیر پیدا ہوتی ہے اس سے بھی ایک ایسا نایاب مادہ وجود میں آتا ہے جو چمگادڑ کے فضلے اور ابابیل کی بیٹ کے علاوہ کہیں اور یا کسی متبادل ذرائع سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی فضلے سے اس مادے کو حاصل کر کے ایک ایسی دوا' وجود میں آئی ہے جو آنکھوں کے سرطان کے لئے تریاق ثابت ہوئی۔ متعلقہ ذرائع اس پہ مزید تحقیق کر رہے ہیں۔ اسی مادے سے تجربتاً الرجی' برص اور جلد کی دیگر بیماریوں کے لئے مرہم بھی تیار ہو رہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ انسانی فضلے کی بدبو سے ضعفِ شامہ کا شافی علاج بھی ہوتا ہے۔ [illegible] ہے۔ اس کا پلٹس باندھنے سے خاصا افاقہ ہوتا ہے۔ تجربہ کار پولیس کے تفتیشی افسر نہ قبولنے والے مجرم کے منہ پہ اس غلاظت کا توبرا چڑھا دیتے ہیں وہ بخت جان [illegible] اگلے پچھلے تمام جرم قبول لیتا ہے۔

یورپ میں زیر زمین پائپوں کے ذریعے گھروں کی تمام غلاظت' شہر سے باہر ایک پلانٹ میں پہنچا دی جاتی ہے۔ جہاں [illegible] بدبو [illegible] دور کیئے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس سے ایک ایک کارآمد چیز علیحدہ کی جاتی ہے۔ ٹھوس' مائع' پوڈر کی شکلوں میں تبدیل کر کے متعلق صنعتوں کو ترسیل کر دیا جاتا ہے۔ پھر کون جانے کہ ہم جو دوا' کریم' میک اپ خاصی رقم خرچ کر کے استعمال کر رہے ہیں۔ اس کا اصل ماخذ کیا ہے۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ہر چیز کا ظاہر اور باطن علیحدہ کیا ہے۔ پردہ پوشی فرمایا ہے۔ وہی بات کہ ری سائیکلنگ سسٹم۔۔۔۔۔۔ ہر چیز اپنی ہیئت تبدیل کرتی رہتی ہے۔ ایک لمحہ پہلے جو غذا پاکیزہ سمجھی جاتی ہے۔ حلق سے اترتے ہی وہ پلید ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ حلوہ دو منٹ بعد قے کی صورت باہر نکل آئے تو محض بدبودار اور غلاظت بن جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ اندھیرے سے اُجالا' اُجالے سے پھر تاریکی۔۔۔۔۔۔ زندگی سے موت' موت سے پھر زندگی کی نمو۔۔۔۔۔۔ اچھائی سے بُرائی' نیکی سے بدی۔۔۔۔۔۔ محبت' نفرت' دُوری سے نزدیکی اور ہجرت۔۔۔۔۔۔ زندگی اسی رد و بدل سے تعبیر ہے۔۔۔۔۔۔ اچھا ہمیشہ ایسا ہی نہیں رہتا (استثنا کے ساتھ) اور بُرا تو اکثر بہت اچھا ہو جاتا ہے' اس رنگ بدلتی دُنیا میں ہر شے تغیر نصیب ہے۔

فُضلات یعنی وہ فضول چیز جس سے اس کا جوہر نکل چکا ہو اور باقی پھوک رہ گیا ہو۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ یہ پھوک بھی اصل کی مانند افادیت کا حامل ہوتا ہے۔ پھلوں' ترکاریوں کے گودے' چھلکے' بیج' گٹھلی' پتے اور جڑیں۔۔۔۔۔۔ گوشت کی ہڈیاں' چھیچھڑے' بافتیں' چربی۔۔۔۔۔۔ اناج دالوں کے چھلکے بھوسی۔۔۔۔۔۔ چائے قہوے کی

استعمال شدہ پتی۔ استعمال کیئے ہوئے برتنوں اور کپڑوں کی دُھلائی کا پانی' سرجسم کے اُتارے ہوئے بال ناخن وغیرہ میں سے کچھ بھی تو فضول نہیں' ہم ہی بے علم ہیں۔

کسی خسیس ساہوکار کے ہاں ایک نہایت ہی غریب مگر عقلمند آدمی ملازم تھا۔ ساہوکار' اپنی روایتی کنجوسی اور کمینگی کی بنا پہ اس کی پوری گرفت کرتا تھا۔ ایک ایک چیز' حرکت پہ نظر معاوضے کے مقابلے میں دُگنا تگنا کام لینا...... گن گن کر کھانے پینے کو دینا...... یہاں تک کہ اکثر باسی بچی کھچی خوراک سے بھی اسے محروم رکھتا تھا۔ یہ بے چارہ غربت کا مارا' جیسے تیسے اس کے ہاں پڑا گزارہ کر رہا تھا کہ اور جو کوئی زندگی بسر کرنے کا حیلہ بہانہ نہ تھا۔ گھاگ خسیس ساہوکار اکثر اوقات اس کی صحت' چہرے بشرے پہ کھلی آسودگی اور اطمینان قلبی دیکھ کر کڑھتا اور سوچتا رہتا کہ اِس کمبخت کو کھانا پینا بھی نپا تُلا اور رہند کھوند ملتا ہے آرام سکون کا کوئی تصور نہیں۔ لعن و گھرکی سے ہر وقت اس کی تواضع ہوتی ہے پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کی صحت پہلوانوں جیسی اور خوشی باشی ایسی کہ جیسے دُنیا کا امیر ترین شخص ہو۔ کچھ مزید نگرانی اور تفتیش کے بعد جب ہاتھ پلّے کچھ نہ پڑا تو ایک روز پاس بٹھایا...... بڑی رَسان و نَج سے پوچھا۔

''ابے نا ہنجار! سچ بتا' تو چوری کرتا ہے کہ میرا مال سامان بیچتا ہے...... رسوئی میں منہ مارتا ہے کہ گودام سے غلہ چرا [illegible] خدا کرتا ہے۔ غم نہ کوئی چنتا' ہر دم خوش خوش پھولا رہتا ہے۔ سچ کہہ بتا کہ آج سچ کہنے پہ تیری ہر خطا معاف' یہ میرا وچن ہے۔

وہ مردِ آسودہ خندہ بہ تسلیم و رضا واقفِ حکمت و شفا' مسکراتے ہوئے بولا۔

''مالک! میں نہ چور ہوں اور نہ ہی بے ایمان و بے وفا...... میری خوشی و اطمینان کا سبب' اپنے کام دھندے میں محنت اور لگن ہے۔ میں معاوضے اور تحسین کے قطع نظر اپنے ذمہ کے کام کاج جان توڑ محنت سے سرانجام دیتا ہوں۔ محنت اور خدمت میں ڈوب جانا ہی میری خوشی اور اطمینان کا باعث ہے اور میں یہ نہیں دیکھتا کہ آپ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں...... میرا دھیان صرف اس امر پہ رہتا ہے کہ میری جانب سے خدمت محنت میں کوئی کوتاہی نہیں رہنی چاہئے۔''

ساہوکار چند لمحے خاموش رہنے کے بعد' اس کے سراپے پہ نظریں گاڑتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تیری صحتمندی کا راز کیا ہے۔ میں دُنیا کی ہر نعمت کھاتا ہوں پھر بھی تیرے جیسی تندرستی نہیں رکھتا تو کیا کھاتا ہے' جو میں نہیں کھا سکتا؟''

وہ ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''اَن داتا! رسوئی سے جو چیز پھینکنے والی ہوتی ہے وہی میری خوراک ہے...... ترکاریوں' [illegible]

دانوں کے چھلکے' اناج آٹے کی بُھوسی۔ مُولی چوقندر' شلجم پالک کے پتے ڈنٹھل میری خوراک۔ میں انہیں پھینکنے کی بجائے' بھجیا بنا کر کھا لیتا ہوں کہ اصل مزہ اور جوہر تو ان میں چُھپا ہوا ہوتا ہے۔ یہی میری تندرستی کا راز ہے......!''

بات ہو رہی تھی اِنسان اور دیگر جانوروں چوپائیوں کی کہ اِن کے فضلے اُگلے' پسینے' پیشاب اور دیگر مادے جو ان کے کانوں' آنکھوں' ناک جسم منہ سے لعاب' کیچ' کینچلی' ریزش' میل' جھاگ کی صورت میں خارج ہوتے ہیں یہ بظاہر نجس ناپاک اور بیکار چیزیں اپنے اندر کیا کیا خواص رکھتی ہیں۔ طبی اور طلسماتی اعتبار سے ان میں کیسے کیسے اَسرار پنہاں ہیں۔ سنیاسی ٹوٹکوں' دیسی طریقہ علاج اور صدری نسخوں میں ان کے کیا کیا چمتکار ہیں۔ سفلی عملیات اور فسوں بندی میں اِن چیزوں کا کیا کردار ہے؟

اِنسانی' حیوانی بال' ناخن اور کُھرچن' [illegible] کپڑے' جوتے' پاؤں کی مٹی' جھوٹا کھانا' پانی اور تحریر و تصویر سے کیا کیا نیکیاں بدیاں ہو سکتی ہیں...... ہندوؤں اور دیگر لادین قوموں میں اِن چیزوں کا بہت عمل دخل ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اُن کے روزمرّہ کا ضروری حصہ اور دھیان گیان اور تپسیا کی آتما ہیں۔ گائے کے گوبر کو پوتر سمجھا جاتا ہے۔ اس سے اپنے گھر کے فرش دیواریں لیپی پوتی جاتی ہیں۔ اس کی دھونی چڑھائی جاتی ہے۔ اس کے [illegible] کے تیل میں جلا کر بہرے پن کے کام آتی ہے۔ اس کی دُم کے بال اگر پراندے میں بٹ کر چٹیا میں باندھے جاویں تو بیمار بال تندرست ہو کر خوب گھنے اور چمکدار ہوتے ہیں...... اسی طرح بیل کا پیشاب' طاقت اور جنسی رغبت پیدا کرتا ہے۔ اس کے جلے ہوئے کُھروں کی راکھ بہت سی جسمانی اور اعصابی' بے چینیوں کا علاج ہے۔ اس کے سینگ' گھر کے صدر دروازے پہ نصب کرنے سے بھوت پریت' اُدھر کا رُخ نہیں کرتے۔ سانڈ' بھیڈ و بکرے اپنا پیشاب پی جاتے ہیں اُن میں رَجولت اور مستی بڑھ جاتی ہے...... دودھ تو دودھ ہے' بکری' گدھی' کُتیا' اونٹنی حتیٰ کہ سؤرنی کے پیشاب میں بھی عجیب و غریب اثرات ہوتے ہیں جن میں بہت سے جسمانی عوارض کے لیے شفا ہے۔ اُلّو' چمگادڑ' کوّا' گدھ' کرلا' خار پُشت' چھپکلی' جنگلی کُتا یعنی لگڑ بھگا' عام کُتا' نیولا' لومڑی' بندر' جنگلی بھینسا' جنگلی خرگوش' شیر' ریچھ اور بِجّو' ان جانوروں کا گوشت پوست' چونچ' پنجے' پَر اور ان کی غلاظت وغیرہ سفلی عملیات اور آسیبی بیماریوں میں کام آتی ہیں۔ خچر کے پیشاب میں تیر' خنجر' تلوار سرخ کر کے بُجھا لیے جاویں تو ان کا زخم جان لیوا ہوتا ہے۔ خار پُشت کے کانٹے' بربادی اور بے اتفاقی کا موجب بنتے ہیں...... مچھلی کے کانٹوں کی کنگھی خوش بختی لاتی ہے۔ کستورہ ہرن کا نافہ' جس گھر میں ہو وہاں اک عجیب سی روحانی خوشبو اور خوشیوں کی بہاریں اُمڈی رہتی ہیں۔ مارخور کی جگالی کی جھاگ' مکڑی' مگس' مور' نیولے' چیل کی بیٹ اور خون'

زہر خورانی، مرگی، خونی مسہل اور لقوے کا بہدف علاج ہیں۔ چمگادڑ کے اُگالے، بلی کی قے کی پلٹس باندھنے سے کوڑھ کے زخم مندمل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گدھے، گھوڑے، خچر، ہاتھی کی لید سلگائیں تو اس کے دھوئیں دھانس سے پلیگ، ہیضہ کے وبائی وبال سے جان چھوٹتی ہے۔ اونٹ کی ہڈیاں، بارہ سنگھے کے سینگ، گوبریاں، پیشاب، جھاگ، رال، ایک ایک چیز ایسے ایسے کیمیائی شفائی اثرات رکھتی ہے کہ انسانی عقل و بینش دنگ رہ جاتی ہے۔

جنگلات کی دُنیا کی حیات وبقا کا سارا نظام انہی فطری وَدیعتی حسّوں اور قوتوں پہ مبنی ٹھہرتا دکھائی دیتا ہے۔ اکثر پرندے، درندے، خزندے ایک دوجے کو اُس کے بُخشے، بول و براز کی بُو سے شناخت، دریافت اور شکار کرتے ہیں...... جنگل کی گہرائیوں تاریکیوں میں جہاں آنکھ کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں جانوروں کی ایسی حسّیں سامنے آتی ہیں جو حضرتِ انسان کے ہاں اپنی توانائیوں کے ساتھ موجود نہیں۔ بول و براز، دم، پوست واستخواں کی بوئیں نہ صرف اپنی مخصوص کیمیائی شدت رکھتی ہیں بلکہ فوق الطبعیاتی اُفسوں خیزی کی مظہر بھی ہو جاتی ہیں۔

جادو ٹونہ، ٹوٹکا، بندش باندھ اور شگر شگون کے لئے نجاستیں، حرام اشیاء جزو لاینفک کی حیثیت رکھتی ہیں...... سفلی [illegible] جیسی چیزیں [illegible] پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔

ایک شیطان صفت نام نہاد عامل، جو اشتہاروں، اخباروں میں بڑے بڑے دعووں کی تشہیر کرتا کہ اس کے پاس جسمانی، روحانی مسائل کا سو فیصد حل صرف اڑھائی منٹ کے عمل میں ہے۔ صدری نسخے، جنات، موکلات سے وہ دُکھی انسانیت کی فی سبیل اللہ خدمت کا داعی تھا۔ ناکامی کی صورت میں سات لاکھ روپے جرمانہ ادا کرنے کا وعدہ بھی...... خواتین کے لئے پردہ اور مکمل رازداری کا تحفظ بھی فراہم تھا...... ان کی نورانی صورت، لمبی سی سفید داڑھی، صاحبزادہ اور شاہ صاحب کا لاحقہ بھی انہیں معتبر اور مخلص سمجھنے میں کارگر تھا۔ اتوار کی صبح لاکھوں گھروں میں پھینکے جانے والے مخصوص اخباروں کے میگزین کے آخری رنگین صفحات، ایسے ہی جادوگروں دو نمبر نورانی صورت عاملوں کاملوں، جنات، نقش، موکلات کی شعبدوں سے مزین ہوتے ہیں۔ ان کی متاثر کر دینے والی تحریریں، بلند و بانگ دعوے، عجیب و غریب حلیوں شکلوں والے ملنگوں، سنیاسیوں کی تصویریں آسام، مصر، بنگلہ دیش، تبت کے جنگلوں پہاڑوں صحراؤں میں ریاضت اور چلوں کے تذکروں کے اشتہاروں کو بڑا ہیجان خیز اور پُراسرار بنا دیتے ہیں۔ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ابلیسی سحر سے خود کو بچا نہیں پاتا۔ پڑھنے دیکھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ خاص طور پہ کچے ذہن کے لڑکے، لڑکیاں، جو کسی نہ کسی جذباتی

جسمانی، رومانی یا روحانی اُلجھاؤ کا شکار ہوتے ہیں ان کے چنگل میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں۔ گھر گھر موجود چھوٹے چھوٹے اور لاینحل خانگی مسائل کی سنگینی سے دوچار عامتہ الناس، بادلِ نخواستہ ان کے آستانوں پہ پہنچ جاتے ہیں۔

ایسی ہی ایک پڑھی لکھی مگر احمق لڑکی، جس کی شادی کو بمشکل دو اڑھائی سال ہی گزرا تھا اس شک میں مبتلا کہ اُس کا خوبرو شوہر، اس سے مخلص نہیں ہے...... کسی اور لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے...... چونکہ یہ لڑکی اپنے شوہر کے مقابل میں کچھ ایسی جاذبِ نظر نہ تھی اور شوہر کا کاروبار بھی ایسا کہ وہ اِسے خاطر خواہ وقت اور توجّہ نہ دے پاتا تھا۔ رات گئے آنا، دوسرے شہروں کے دوروں پہ رہنا...... وقت بے وقت ٹیلیفون پہ لمبی لمبی باتیں وغیرہ۔ آسودہ خاندان کی بیوقوف شکی مزاج لڑکی، اپنی زندگی اجیرن کر بیٹھی۔ شوہر بے چارہ اِسے سمجھا سمجھا کر عاجز آ چکا تھا مگر اس کے شک کا شیشہ دھندلے کا دھندلا ہی رہا۔ اس کی اپنی جیسی ایک سہیلی نے اِسے ایک پہنچے ہوئے اخباری اشتہاری عامل کی راہ سجھائی جو ڈھائی کے علم سے اڑھائی دن اڑھائی پہر، اڑھائی گھنٹے اور اڑھائی منٹوں سیکنڈوں میں بگڑے کام بنا دیتا تھا۔ اسی سہیلی کی وساطت سے جب اس سحر انگیز شخصیت کے حامل، روحانی عامل سے ملی تو اس کے چشم کشا انکشافات [illegible] تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اس گھاگ نے اس کے خاوند کا حلیہ [illegible] اور [illegible] بیان [illegible] مزید بتایا [illegible] ایک خوبصورت [illegible] صفت اور جنس زدہ عورت نے کالے علم کے ذریعے قبضہ کیا ہوا ہے۔ وہ اُس کا غلام بے دام بن چکا ہے...... اُس کی محبت، اُس کا جسم، اُس کا حُسن بے پناہ ہی اب اس کی زندگی ہے...... تم اُس کے لئے اِک حرفِ غلط کی مانند ہو...... یہ روح فرسا انکشافات سُن کر [illegible] لڑکی زندگی [illegible] کر رہ گئی۔ آنسو بھر کے ہاتھ جوڑتی ہوئی کہنے لگی۔

”مجھ پہ رحم فرمائیں، میرے گھر کو بربادی بدنامی سے بچالیں۔ کسی طریقے میرے شوہر کے دل میں میری طلب وچاہت پیدا کر دیں۔ اس کے عوض میں ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔“

دھوکے باز دو نمبر عامل نے جب چڑیا، دام میں پھڑ پھڑاتے دیکھی تو مزید چند ایک خدشات بیان کرتے ہوئے کہا۔

”کام بڑا ٹیڑھا اور رسک والا ہے...... مجھے بڑے کٹھن چلّے اور وظیفے کرنے پڑیں گے جو لمبے وقت اور چوڑے خرچے کا تقاضا کرتے ہیں۔ تب جا کر کہیں اُس چڑیل سے آپ کے شوہر کو واگذار کرایا جا سکتا ہے......!“

لڑکی ہاتھ جوڑتے ہوئے کہنے لگی۔

"عورت کے لئے اُس کے گھر کی سلامتی اور شوہر کی محبت ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ میرا پیسہ زیور جو کچھ ہے حاضر ہے۔ میرا گھر برباد ہونے سے بچالیں۔"

قارئین! قصہ کوتاہ کہ اِس پرانے پروفیشنل شکاری نے اِس سونے کا انڈہ دینے والی مرغی سے اتنی مہارت سے انڈے حاصل کیئے کہ اُس بے چاری کو یہ احساس تک نہ ہُوا کہ وہ اَب غلط جواب پہ ممتحن والا گول انڈہ بھی دینے کے قابل نہیں رہی...... خاندانی دو نمبر عامل' اچھے پروفیشنل فراڈیے اور شریف النفس نوسرباز کا کمال یہ ہوتا ہے کہ لُٹنے والے کو احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ برباد ہو چکا ہے بلکہ اپنے تئیں شرمندگی سی محسوس کرتا ہے کہ وہ مزید لٹنے سے محروم کیوں رہا۔ عامل نے اِس مسئلے کے لئے مختلف وظائف کیئے اور کروائے' جب کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا تو آخری نسخہ یہ بتایا کہ وہ اپنے حیض کی ایک خاص مقدار' سوپ یا کسی گرم مشروب میں شامل کر کے رات سوتے سمے' اسے پلادیا کرے۔

اِنسان اپنے بُرے بھلے مقصد کو پانے کے لئے بسا اوقات جائز ناجائز ہر حربہ استعمال کر لیتا ہے۔ غرض مند دیوانہ اور دیوانے سے کچھ بعید نہیں ہوتا۔ یہ لڑکی محض شک کی بناء پہ یہ سب کچھ کر بیٹھی۔ اس نے شوہر کو اپنی جسمانی غلاظت پلانے سے دریغ نہ کیا۔ عامل نے [illegible] بتایا تھا کہ اس طرح وہ خاوند کو اپنا مطیع کر لے گی۔ یہ عمل [illegible] جو [illegible]۔ یہ بیوقوف [illegible] ایک خاصی مدت تک یہ قبیح عمل کرتی رہی۔ خاوند مطیع ہوا یا نہ ہوا لیکن وہ از خود ایک چڑیل نما عورت ضرور بن گئی۔ خاوند میں رجولیت اپنی انتہا تک بجھ چکی تھی' نتیجہ یہ نکلا میاں بیوی دونوں جنسی مریضوں کی طرح مختلف عوارض میں جکڑے گئے' لڑکی کے چہرے' جسم پہ بڑے بڑے داغ دھبے اور چھائیاں پڑ گئیں۔ چھاتیاں' پچھل پائیوں کی مانند لٹک گئیں۔ آنکھوں میں وَاسنا اُچھل اُچھل کر چھلکنے لگی۔ یعنی سارا انسانی نظام درہم برہم ہو گیا۔ خاوند کے جسمانی اعضاء شکست و ریخت کا شکار ہو گئے...... اک عجیب سی غلیظ بدبو' اس کے جسم پسینے اور منہ میں پیدا ہو گئی اور وہ آتشک کے جہنمی مرض میں مبتلا ہو چکا تھا۔ آتشک' سوزاک کے مریض سے یہ مرض' اس کی بیوی یا اس عورت کو منتقل ہو جاتا ہے جس سے وہ جنسی رجوع کرتا ہے...... بیوی پہلے آسودہ حال تھی مگر جب اچھا خاصا مال عامل کے چرنوں میں بھینٹ کر چکنے کے بعد کنگال اور بے حال ہو گئی تو تب کسی میرے دُشمن نے اُسے میرے در کی راہ سُجھائی۔ مَیں اُس کی بیہودہ کہانی سے قطعی متعجب نہ ہوا تھا۔ ایسے دلخراش واقعے اور شرمناک قصّے کہانیاں ہمارے معاشرے میں چیچک و طاعون کی طرح پھیلی ہوئی ہیں کوئی کہاں تک سنے اور کوئی کہاں تک سنائے۔

تعویذ' گنڈے' عملیات' جنّات ہمزاد اور جعلی عامل' اِن اخباروں اشتہاروں کے ذریعہ عوام الناس کو بے دردی سے لوٹ رہے ہیں۔ گھروں کے گھر' اِن نام نہاد پیروں' صاحبزادوں کے ہاتھوں تباہ ہو رہے ہیں۔ قصہ مختصر

اس تباہ حال لڑکی سے اپنے لئے ایک نیکی یہ سرزد ہوئی کہ اس نے کچھ چھپائے بغیر، ہر بات میرے گوش گزار کر دی اور اپنی کوتاہیوں، غلطیوں کو تسلیم کرتے ہوئے اِنسانیت کے نام میری مدد چاہی...... اُس کے نصیب میں ہدایت لکھی تھی کہ میری کچھ توجہ کوشش سے اس کا بھلا ہو گیا۔

بات وہیں سے چلی تھی کہ جانوروں انسانوں کے جسمانی فُضلات وغُضلات وغیرہ بیکار محض نہیں ہوتے بلکہ اِن کے سعدی و سفلی، مقناطیسی، تابکاری اور کیمیائی اثرات بڑے سریع الاثر ہوتے ہیں۔ چونکہ ان کا تعلق حکمتِ اسفلیہ اور علوم سحر و فسوں سے ہے اس لئے یہ علم محض مخصوص حکماء اور عاملانِ مابعدالطبیعات تک ہی محدود رہا۔

نوزائیدہ بچے اور زچہ کی جسمانی اندرونی آلائشیں...... اَوّل ناڑو، بچّہ کے جسم کی جھلی، رطوبتیں، خون، اس کے بال، زچگی کے دوران صفائی کے لئے استعمال کیے جانے والے کپڑے بھی جادو ٹونوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے اکثر فرقوں میں سریہ جل یعنی انسانی پیشاب مختلف شکتیوں اور بندگیوں کے لئے کام آتا ہی ہے اس کے علاوہ ہڈیوں کے مسان، پیٹ میں مرے بالک کی کھوپڑی مختلف اعضاء، سردکھی گابن عورت کے دائیں پاؤں کے ناخن، مٹی، بال وغیرہ۔

بگلے [illegible] ہو جاتا ہے۔ [illegible] کی چربی السی کے تیل میں ملا کے مالش کرنے سے برص کے پرانے داغ غائب ہو جاتے ہیں۔ بندروں کے خصیوں اور بھالو کی ہڈیوں کی رطوبت اور گودے سے قوتِ باہ، اِمساک کی تیر بہدف قیمتی دوائیں اور طلاء بنتے ہیں۔ سانپ کے زہر سے گنٹھیا، لقوہ فالج اور جریانِ خون کا شافی علاج ہوتا ہے۔ اُلّو کی ہڈی پیچھے کمر پہ باندھنے سے ریڑھ کے کھسکے ہوئے منکے بیٹھ جاتے ہیں۔ جنگلی مُوش کی مینگنیوں سے بنا ہوا مرہم پُرانے سے پُرانے ناسور کے گھاؤ زخم کو مندمل کر دیتا ہے۔ کچھوے کا پیالہ، سر پہ باندھنے سے بیٹھا ہوا تالو سخت ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ حرام اور نجس چیزوں، رطوبتوں، غلاظتوں کے اثرات و فوائد اپنی جگہ پہ مسلمہ ہیں اور پاک و طیب اشیاء اپنی اجزائی ہیئت بدل کے منفی نتائج کی حامل ہو جاتی ہیں۔ اُصولِ کائنات کہ ہر مخلوق ساقط و جامد، متحرک و متزلزل ہے...... ہر لحظہ تغیر پذیر ہے۔ خواص و خصائل میں ایک دُوجے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ خالقِ کائنات نے اچھی بُری، سعد و نحس، پاک و پلید ہر چیز میں انسانیت کے لئے کہیں نہ کہیں بہتری کا پہلو بہر طور پنہاں رکھا ہے۔

انسانی حسّیں بھی عجب طُرفہ سی نعمت ہیں۔ جن کی اپنی کوئی واضح سی شکل نہیں ہوتی۔ ناک، کان، زبان کی طرح اِس کا کوئی وجود نہیں ہوتا...... لیکن یہ دِکھائی نہ دینے والی قوتیں اپنی جگہ یوں قوی اور معتبر ہوتی ہیں کہ اِنسانی کارِ عمل، سوچ سمجھ اور حرکت و حیات کے سب ہی وظیفے انہی کی بدولت سرانجام پاتے ہیں۔

یہ حواسِ خمسہ اگر نہ ہوں تو انسان ایک ایسا سولو ٹیلیفون کی طرح ہو جس کی چپس علیحدہ کر لی گئی ہو۔ [illegible] حواس عام انسان کو مقدر کیے گئے۔ انسان کے علاوہ دیگر دام و دد اور جانداروں کو جو حواس عطا کیے گئے [illegible] میں کچھ تو انسان جیسے اور کچھ انسان سے ماورا۔ جو ان کی طرزِ زندگی، فطری تقاضوں اور ہیئتی ضرورتوں [illegible] ہوتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے عام سے پرندوں، رینگنے والے کیڑوں، پانی میں پیرنے والوں اور [illegible] اُڑنے والوں میں ایسی فوق العقل حسیتیں پائی جاتی ہیں کہ فہم و ادراک کو پسینے آ جائیں...... ابابیلوں، [illegible] سانپوں، چیونٹیوں کے ہاں بینائی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے اور کسی کے ہاں تو بالکل ہی نہیں ہوتی لیکن [illegible] جسم و اعصاب کی خروجی اور دخولی شعاعیں، ریڈیائی لہریں، ان کی رہبری کرتی ہیں کہ دکھائی نہ دینے کے باوجود وہ رکاوٹوں سے نہیں ٹکراتے۔ سانپ، موش، ممولا میلوں دور بھی کوئی پاؤں، دھرتی پہ دھرے [illegible] آہٹ چاپ محسوس کر لیتے ہیں۔ آبی مخلوق میں خاص طور پہ وھیلیں اور مچھلیاں سینکڑوں کوس دور شکار کو محسوس کر لیتی ہیں۔ بسیط فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے بہت نیچے رینگتے کیڑوں مکوڑوں، پھدکنے والی [illegible] لالڑیوں، قمریوں، فاختاؤں اور پدیوں کو دیکھ لیتے ہیں۔

نوری ناری مخلوق بھی اپنی مخصوص خوشبوؤں بدبوؤں سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ کہیں [illegible] رہے ہوں یا [illegible] غیر مرئی [illegible] ہے...... شر شر [illegible] روحیں، پریت، پر تو لے شیاطین وغیرہ تو اچھی خاصی بُو ماری مچاتے ہیں...... ویران [illegible] اندھیرے مکان، انسانی آبادی سے دور سنسان جنگلوں گپھاؤں، پہاڑوں غاروں میں [illegible] کیفیت اور [illegible] سی بدبو کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی کہیں لکھ چکا ہوں کہ انسانوں میں کہیں خال خال [illegible] ہستیاں بھی ہوتے ہیں جنہیں عام حسوں کے علاوہ کچھ مخصوص حسیتیں بھی قدرت کی جانب سے [illegible] ہوتی ہیں۔ پانچ حسوں کے علاوہ چھٹی حس تو ہوتی ہی ہے یعنی وہ باطنی اشارہ جو کبھی کہیں پیش آنے والے غیر معمولی حالات کی گن سن دیتا ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ، ستر انتہائی اہم پُر اسرار باطنی حواس اور بھی [illegible] اس حیوانِ ناطق یعنی انسان کا مقدور ہیں مگر انہیں کھوجنا، تقویت دینا اور پھر ان سے افادہ حاصل کرنا [illegible] کے بس کی بات نہیں۔ یہ ان دفینوں اور علم و فنون کی مانند ہیں جن سے بہرہ مند ہونا شاید ہم جانتے [illegible] پھر بوجوہ جوکھم و جھنجھٹ چاہتے ہی نہیں۔ یہ کثیر الحواسی بھی باطنی علوم میں سے اک علم ہے جو وہبی بھی [illegible] اور نفسی اکتسابی بھی۔

واپس وہیں بھوپال چلتے ہیں۔ میں تکیے کی پچھلی نشست پہ بیٹھا جنگل کی راہ پہ ہوں، صبح صبح کا وقت [illegible] کچی راہ کے کناروں پہ کہیں کہیں خنزیروں کی غلاظت دکھائی دیتی ہے اور ہوا فضاء میں کچھ ایسی ملی جلی خوشبو [illegible]

مجھے محسوس ہوتی ہے جسے احاطۂ فہم و ادراک میں لانا ہر کسے باشد کا کام نہیں' کثیر الحواسی ہی اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کچی نیند جیسے دھندلے دھندلے اس راستے پہ نادیدہ' فوق البشر مخلوقات کی سانداھی سکھروی باس جب میرے باطنی نتھنوں سے ٹکرائی تو مَیں قدرے چوکنا ہو گیا۔ گردن تھما کے آگے کی جانب دیکھا تو ذرا دور سامنے گھنا پھیلا جنگل کا دھاما دکھائی پڑا...... فضاء میں غیر مرئی مرغولے بھی لہراتے سے محسوس ہوئے جو اس امر کی دلیل تھے کہ مَیں اَب ایک ایسے علاقہ میں داخل ہو رہا ہوں جدھر مجھے قدم قدم پہ محتاط رہنا پڑے گا۔ مَیں حیران بھی تھا کہ اس راہ پہ مجھے ایک بھی ذی نفس نظر نہ آیا۔ آنحالنکہ یہ سماں صبح کی سیر اور سویرے سویرے کے شروعاتی کام کاج نمٹانے کا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ڈھور ڈنگر یا بھیڑ بکری...... جو اس طرح کے ماحول کا حصہ ہوتے ہیں۔ خنزیروں کی غلاظت سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہ تھا کہ اَبلیسی اور طاغی استعانتوں کا یہاں غلبہ ہے۔۔۔ اَب مَیں نے اپنی اندر کی اُدھیڑ بُن سے باہر نکلتے ہوئے یکہ بان سے رجوع چاہا جو مسلسل پُراسراری خاموشی سادھے ہوئے تھا۔ اس کے ہچکولے لیتے ہوئے سر اور لگام تھامے ہوئے جھولتے ہاتھوں میں اک عجب سی ہم آہنگی تھی...... ایسی تال میل بھیتر کی سادھنا سے ہوتی ہے یا پھر من شکتی کی اَمرتا سے درشن دیتی ہے۔

میری جانب [illegible] ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

''بھیّا! تم شہر سے جنگل کی جانب آ رہے ہو اور جنگل بھی وہ جس میں جناور کم اور جن بھوت زیادہ رہتے ہیں۔'' اتنا کہہ کر وہ پھر چپ سادھ لیا۔

جبکہ مَیں اُسے آمادۂ گفتگو [illegible] کنکری پھینکتے ہوئے پوچھا۔

''شاہ بابا نابینا کا مزار ادھر ہی ہے نا......؟''

وہ اُلجھا ہوا بادلِ نخواستہ بولا۔ ''مَیں پہلے بھی بتا چکا ہوں بھیّا' اب وہاں مزار وزار نہیں ایک گڑھا ہے۔۔۔ جنات' شاہ بابا کا تابوت وہاں سے نکال کر لے گئے ہوئے ہیں اور بقیہ بچی ہوئی وہاں کی مٹی' اینٹیں عقیدت مند اُکھیڑ کر لے گئے۔''

مَیں نے سوال کا ایک اور روڑا پھینکا۔

''مٹی' اینٹیں اُکھاڑنے کی وجہ......؟''

''عقیدت کی انتہا...... پیروں' فقیروں کو ماننے والے اس سے بھی بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں۔ بھیّا! تھوڑا سا احوال سُن لو پھر خود ہی اندھی عقیدت کا اندازہ کر لو؟

جمعرات کا روز' آدھی رات کا وقت۔ شاہ بابا نابینا کو پردہ کیئے پانچ روز گزر چکے تھے۔ حسبِ معمول

ہزاروں عقیدت منداور مُرید مرقد پہ موجود ذکر اذکار، سماع اور دیگر خانقاہی اشغال جاری تھے کہ یک دم [illegible] کی اوٹ سے کالی آندھی اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر چیز اندھیرے میں ڈوب گئی ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ آہ و بکا، چیخ پکار، شور و غوغا، اِک قیامت بپا ہو گئی، روشنی کے ہنڈولے اُلٹ گئے...... مَرے کو مارے شاہ مدار [illegible] وہاں قریب ہی جلتا بھڑکتا ہوا الاؤ بھی تھا جس میں منّتیں مُرادیں پوری ہونے پہ زائرین، گھی، تیل اور [illegible] ڈالتے تھے۔ کالی آندھی نے الاؤ کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اُٹھا کر چاروں طرف پھیلا دیا۔ جو شے جلنے لائق تھی آگ رسیدہ ہو گئی۔ کئی سادھو ملنگ اور دیگر زائرین جل کوئلہ ہوئے...... کچھ دیر بعد آندھی تو رُک گئی پر آگ کا دھواں دھاندس کئی روز تک قائم رہا۔ جلے ہوئے ملبے کو ہٹایا تو دکھائی دیا کہ شاہ بابا کی چند روزہ قبر تہ و بالا ہوئی پڑی ہے۔ یوں پتہ پڑتا تھا جیسے کسی نادیدہ طاقت نے ایک ہی جھٹکے میں پوری کفنائی ہوئی میّت کو نکال کر وہاں سے غائب کر دیا ہے۔ ایسی کالی آندھی اور آگ کی چھل بل میں کسی انسان کے لئے ایسا کام کرنا ممکن نہ تھا لیکن حقیقت یہی تھی کہ قبر، صاحبِ قبر سے خالی تھی...... خاصی گہری قبر کشائی کے لئے بہ جہت افراد اور اوزاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان میں سے کسی چیز کا بھی وہاں انتظام نہیں تھا...... لگتا تھا یہ کام انسانوں نے نہیں جنّوں نے کیا ہے اور تھا بھی یہی...... شاہ بابا نابینا کا جن شاگرد [illegible] بھی تھا یہ اسی کا شاخسانہ تھا۔ چند روز بعد کسی نامعلوم ذریعے سے [illegible] کے پُراسرار پہاڑوں کے ایک مقدس مقام پہ دفن کر دیا ہے۔ یہ جگہ اور یہاں کے لوگ، اس قابل نہیں کہ وہ شاہ بابا جیسے بلند مرتبت ولی اللہ کے مقام اور درجات کو سمجھ سکیں۔"

درختوں کے ایک بے ترتیب جھنڈ کے پاس یکّہ اور یکّہ بان کی زبان، دونوں رُک چکے تھے۔ عجیب سی اُجڑ پجڑ جگہ تھی، جیسی سیلابوں، آتش زدگی یا زلزلوں کے بعد ہوتی ہے...... یکّہ بان عجلت سے نیچے اتر بیڑی سلگاتے ہوئے کہنے لگا۔

"بھیّا! لو تم پہنچے اپنی منزل پہ اور مجھے دو اجازت......"

اللہ خیر!...... کہتے ہوئے وہ یکّے پہ بیٹھنے لگا تو مَیں نے اُسے کاندھے سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"میاں جی! یہ کس جگہ پہ مجھے پھینکے جا رہے ہو۔ آدم نہ آدم ذات...... جنگل نما ذخیرہ تو ضرور سامنے نظر آ رہا ہے لیکن وہ شاہ بابا نابینا کا مزار...... وہ خانقاہ...... اور وہ......؟"

میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "بھیّا! کاہے کو میرا ٹیم خراب کرتے ہو...... سب کچھ تو تمہیں بتا چکا ہوں...... مزار والے کو تو جن لے گئے ہوئے ہیں اور مزار کی مٹی اینٹیں وغیرہ اُن کے عقیدت مند اُٹھا کے لے گئے...... اَب یہی کچھ بچا پڑا ہے جو تمہیں اپنے اِردگرد دکھائی دے رہا ہے۔"

میں نے ایک بار پھر آگے پیچھے نگاہ کرتے ہوئے کہا۔

”حضرت! ادھر تو مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا‘ کوئی تو ہو جس سے میں ملوں‘ کچھ دریافت کروں؟ اس بے آب و گیاہ زمین‘ جھاڑ جھنکاڑ اور ویرانے سے تو میں کچھ حاصل کرنے سے رہا یا پھر مجھے پچھنے حافظوں کے کسی فرد سے ملوا دیں‘ کچھ تو حاصل ہو جس کے کارن میں کالے کوسوں کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔“

وہ کھچڑی داڑھی میں کھجلاتے ہوئے خشمگیں سا بولا۔

”بھیا! میں جو کچھ جانتا تھا وہ پہلے ہی آپ کے کانوں میں ڈال چکا ہوں...... اسے زیادہ نہ تو مجھے کچھ پتہ ہے اور نہ کوئی مزید مدد کر سکتا ہوں‘ اب میں تو چلا......!“ یہ کہہ اور میری کچھ مزید سُنے بنا وہ گھوڑے کو چابک دکھا کر ہوا ہو چکا تھا۔

کچھ دیر تو میں آئیں بائیں شائیں سا کھڑا صورتِ حال پہ غور کرتا رہا پھر بغیر کچھ سوچے سمجھے اس چھدرے سے درختوں کے ذخیرے کی جانب چل دیا جسے شاید کبھی جنگل کہا جاتا ہو۔

بن باس لینا یا سُوئے بن سفر اختیار کرنا کچھ ایسا خوشگوار بھی نہیں ہوتا کہ مسافر خراماں خراماں چلتا چلے۔ جنگلوں بیابانوں [illegible] سفر پہ بھاری اور پُرخطر ہوتے ہیں...... سوئے یار سوئے دار کا سفر بھی سفر نہیں ہوتا بلکہ انتہائے سفر ہوتا ہے۔ اس راہ پہ کوئی سنگِ میل‘ سرائے‘ پڑاؤ‘ چاہ یا پُل نہیں آتا نہ کوئی خطرہ‘ سود و زیاں ہوتا ہے۔ یہاں تیر اپنے نشانہ پہ پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اگر کبھی انتہائے مجبوری کسی میت کا جنازہ پڑھنے کی نوبت آ جائے تو میں کسی کا نہیں بلکہ خود اپنا جنازہ پڑھتا ہوں...... اور اُسے کسی نہ کسی طور اپنا وجود میں گھسیٹ لیتا ہوں۔

اکثر لوگ قبرستانوں‘ شمشانوں میں جاتے ہوئے گھبراتے ہیں...... اگر خود کو موت آشنا بنا لیا جائے تو یہ خوف‘ خوف نہیں بلکہ ایک مطالعاتی دورہ اور تعلیمی مشاہدہ بن جاتا ہے۔ جنگلوں میں جانا‘ پہاڑوں پہ چڑھنا‘ صحراؤں میں بھٹکنا‘ گہرے پانیوں میں اُترنا بھی خاصی تفریح کا سبب ہو سکتا ہے اگر اپنے اندر کے جنگل بیلے‘ بیابان‘ پہاڑ اور تھل رَو بہ سر کر رکھے ہوں۔ اُن سے یاد اللہ اور ارادت برکت کی بناء پہ پھر کوئی جفا‘ جفا نہیں رہتی محبوب کی دلنشین ادا بن جاتی ہے۔

چھدرے درختوں کے جھنڈ رُخ بڑھتے ہوئے یُوں لگ رہا تھا جیسے میں کسی نخلستان کی راہ پہ ہوں...... تھوڑے قریب پہنچا تو اُدھر سے کچھ جانوروں پرندوں کی آوازیں سنائی دیں یعنی وہ مجھے باور کروا رہے تھے کہ انھیں میرے اس طرف آنے کی خبر ہو چکی ہے...... میں بھی تو یہی چاہتا تھا یہاں کا ایک اک پتہ‘ بُوٹا درخت‘

پتھر مٹی روڑا' بلکہ یہاں کے رہنے والے انسان جن اور جانور تک مجھے جانیں پہچانیں' جن کی خاطر کئی [illegible] حسرت پالنے میں بیت گئے تھے کہ کوئی موقعہ ملے تو میں یہاں پہنچوں۔

اُس زمانہ میں انسان اور جنّات کے مابین ممکنہ تعلقات و روابط کی کُرید مزید اور مطالعہ مشاہدہ [illegible] جنون تھا۔ میری یہ حالت کہ جہاں جدھر کہیں بھنک پڑتی دیوانہ وار دوڑ پڑتا' کاگا کی طرح چھینا جھپٹی کر کے کچھ نہ کچھ لے ہی اُڑتا...... اِدھر بھوپال والا جن قِصّہ' اپنی نوعیت' حقیقت اور واقعاتی لحاظ سے ایسا عجیب اور پُراسرار تھا کہ لامحالہ میرا اس جانب رجوع کرنا بنتا تھا جبکہ اس سارے قِصّہ میں رُوحانیت' [illegible] تجزیت وحکمت بھی اپنی تمام تر موشگافیوں کے ساتھ موجود تھی۔

اَب جبکہ درختوں کا ذخیرہ چند قدموں کے فاصلہ پہ تھا کہ اچانک اُدھر سے بے شمار گلہریاں چیختی [illegible] نکلیں اور دانت نکوستے' دُمیں اُٹھائے میری جانب لپکیں' لگتا تھا وہ مجھ پہ حملہ آور ہونا چاہتی ہیں۔ اس [illegible] صورتِ حال سے گھبرا کر میں اپنے راستہ سے قدرے ہٹ کر دائیں جانب ہو لیتا ہوں ویسے ہی جیسے ایک [illegible] سامنے گدھا گاڑی کے آ جانے پہ ڈرائیور سڑک چھوڑ کر کچے پہ اُتر جاتا ہے۔ اپنے تئیں میں نے اپنے [illegible] بندوبست کر لیا تھا...... مگر نہیں' دانت کٹکٹاتی ہوئی جہازی سائز کی گلہریوں نے مجھے اپنی زد میں لے لیا تھا۔ جنگل کے [illegible] ڈھیر پہ [illegible] ساری شیری [illegible] ہو جاتی ہے۔ موے سیکنڈوں منٹوں میں اس کا تیا پانچا کر دیتے ہیں...... گلہریوں میں [illegible] اُچھل کر میرے سر اور کاندھوں پہ حملہ آور ہوئیں' چند ایک میرے پائجامے کے پائینچوں میں گھس گئیں۔ گلہریوں نے شاید یہ پائینچوں میں گھسنے کا گُر تفتیشی پولیس والوں سے سیکھا جو اقبالِ جُرم کروانے کے لیے کوشش کے طور پر مُلزم کی شلوار میں چوہے چھوڑ دیتے ہیں۔ اگلے چند لمحوں میں مُلزم کردہ ناکردہ سارے [illegible] قبول کر لیتا ہے...... مگر مجھے تو کچھ قبول یا نہ قبول کرنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ کمانڈو گلہریوں نے میرے [illegible] پائجامہ کچھ ایسی حرکاتی کھلبلی مچائی کہ مجھے ہڑبڑا کر وہاں سے بھاگتے ہی بنی۔ شکر کہ غیر ارادی طور پہ میرا [illegible] جنگل کی جانب تھا۔ بھاگتا چور' ناچتا مور...... جان بچاتا ہوا انسان وحیوان اور لاحول کی چوٹ کھایا ہوا شیطان وغیرہ بڑی بے جگری' بے سُدھی دکھاتے ہیں...... میری پُوچھل پیچھے اگر کوئی شرلی پٹاخے باندھ کر چلا دیتا [illegible] بھی شاید میں بھاگنے میں ایسی پُھرتی نہ دکھاتا جو اب پائجامے میں گھسی ہوئی گلہریوں کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔ ذخیرے میں گھس کر میں نے خود کو مٹی کے ایک ڈھیر پہ یوں گرا دیا جیسے کوئی کمزور مزدور [illegible] دھب سے نیچے گرا دیتا ہے...... وہ جناتی گلہریاں جو میرے پیچھے پیچھے تھیں یہاں بھی اُنہوں نے مجھے نرغے میں لے کر ٹُومنا شروع کر دیا۔

میں پیدا ہوا تھا جہاں لگ بھگ نو ماہ قبل اس کے پتا جی نیلم سنگھ نے عجیب و غریب حالت میں پران ہارے تھے۔ چگی کے دوران اس کی خالہ، خلیریوں اور خاندانی دایہ نے مدد دی تھی۔ شکل و شباہت کے لحاظ سے نومولود اپنے پہ تھا ہی، لیکن اس کے رنگ ڈھنگ بھی اس جیسے ہی تھے...... رو مچل رہا ہوتا تو لوری سنگیت سنتے ہی دھیرج لیتا۔ گھنگھرو، ڈھول، تھاپ کی آوازیں تو جیسے اس کے اندر مدوجزر اٹھانے لگتیں۔ نہایت نحیف و نزار، سرخ و سپید اور کنچے نینوں والا ملکوتی سا بچہ تھا......!

● عشق میں شرک نہیں ہوتا......!

وقت گزرتے کھسکتے دکھائی تو نہیں دیتا بلکہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بڑے فاصلے طے کر جاتا ہے۔ چہروں پہ ٹاٹ کی تر پریں سی ابھر آتی ہیں...... مخمور آنکھیں خس خس کی خالی ڈوڈوں کی مانند کھنڈر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح [illegible] انگلیاں اور کلائیاں، جسم جثوں کی گولائیاں رعنائیاں، گردنوں کی صراحیاں، گالوں کے گل و گلاب، [illegible] ٹھوڑیوں کے چاہ و ایاغ، لبوں کے یاقوت، [illegible] کے [illegible] موتی [illegible] کھانے، مژگاں، [illegible] کسی [illegible] کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور زلف بنگال بھی کسی کنگال کے بے رنگ و آب، چھدرے جھڑوے جھانے کی مانند ہو جاتی ہے۔ جو چڑھتے اترتے دکھائی نہیں دیتے لیکن بہر طور زیر و زوال کا عمل جاری رہتا ہے۔ اب یہ تو بڑا کمہار ہی کہ وہ کس گل و گلال کے آمیزے سے تشکیل تھی کہ اسے کسی خزاں و [illegible] کا احساس تک نہ تھا۔ کبھی تو بھی جان پڑتا کہ وہ گوشت پوست سے نہیں کسی آتش فشانی لاوے کی بنی ہوئی ہے۔ مٹی، ہوا اور پانی کا گزر ہوا۔ وہ اول آخر سراپا کرسٹل ہے۔ کیسی بھی رت آئے جائے اس کے انگ کوئی پیلی نیلی پھٹکی نہیں لگتی۔ بس! چند اڑتے سے لمحے دور خلاؤں میں گھور لیتی اور پھر وہی بے نیازی و بے رخی...... وقت اس پہ نہیں وقت پہ سوار تھی...... اب جو کہیں مرکب وقت نے انگڑائی توڑی تو دھڑام سے نیچے آ پڑی۔ ہیضہ کے ایک جھٹکے سے اڑھائی برس کا لعل سنگھ ہاتھ ہی ہاتھ میں لڑھک لیا...... ہائے نہ وائے، پیٹ جایا اٹھایا اور اس کے باپ کے پہلو تیار قبر میں دبا آئی۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔

ان باپ بیٹے کے مزار پہ ہمہ وقت نگاہ رکھنے والا کچھ دنوں سے اپنے گاؤں گیا ہوا تھا کہ یہ واقعہ پیش باپ بیٹے کی قبروں کے درمیان یہ مست الست صابر سنگھ لیٹا ہوا پایا گیا، جسے اپنے ڈرائیور کے ذریعہ وہاں سے بھگایا تھا اور صابر سنگھ نہایت خاموشی سے وہاں سے ٹل کر باہر راہ گزر پہ اک شکستہ سے منڈیر پہ آ ٹکا تھا

اور اس کے پیچھے پیچھے آنے والا وہ کالا کتا بھی' جو مزار کے کتبے کی اوٹ میں بیٹھا ہوا پایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ سنبل سہانی کے مزاج اس وقت سخت برہم تھے...... اک فضول سا کتا اور اک عجیب مجہول سا ملنگ' اسے کسی طور پہ بھی گوارہ نہ ہوئے تھے۔ لیکن اندر ہی اندر اپنے نازیبا برتاؤ پہ ہلکی سی خائف بھی ضرور ہوئی تھی...... کچھ نہ کچھ تو ایسا تھا جو نیزے کی انی کی مانند اسے چبھوکا سا دے گیا تھا...... صابر سنگھ کی متوحش سرخ آنکھیں' حال تال سر جھکا کر ہولے سے اٹھ کر چل دینا کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا' اسے گھائل سا کر گیا تھا...... یہ کوئی عام ملنگ تو دکھائی نہیں دیتا تھا جو گورستانوں' شمشان گھاٹوں یا جنگل بیابانوں میں مارے مارے پائے جاتے ہیں۔ یہ تو کسی ایسی اونچی ڈال کا پکھیرو جان پڑتا تھا جس کے پیپل پیڑ کی جڑیں پرتھوی بھیتر کسی انجانے سے سورگ میں اتری ہوں۔

وہ اپنے روزمرہ کی پھول پتی اور صفائی ستھرائی سے آج قدرے جلدی ہی فارغ ہو چکی تھی۔ شاید اس کی وجہ اس کے اندر کی اتھل پتھل تھی۔ مزار کی چار باڑ کے آہنی دروازے کا تالا ڈال کر ڈرائیور کے آگے آگے وہ اس پگڈنڈی پہ آ گئی جو پندرہ بیس قدم آگے اس راستے سے جڑتی تھی جو گورستان سے باہر اور اندر جنازہ گاہ اور مسجد کی جانب کھلتا تھا اور اسی راہ پہ صابر سنگھ بھی اک موڑ پہ گٹھڑی اٹھائے اکڑوں بیٹھا تھا جیسے کہیں اٹھ بھاگنے کا قصد ہو۔

اس کے قریب سے گزرتے ہوئے دل کی دھڑکن' ڈھول کے ڈھگے کی مانند بجنے لگی تھی۔ جسم کی ساری چولیں ڈھیلی...... وہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے گزر لینا چاہتی تھی مگر پلٹتی ہوئی اچٹتی سی نظر جو صابر سنگھ پہ پڑی تو گڑبڑا کر رہ گئی۔ لٹیں چھوٹتی ہوئی آتشی پیشانی' چہرے پہ اک پراسراری بے نیازی جس میں خشونت جھانکے مار رہی تھی...... لال بوٹی آنکھیں اٹھائے وہ اسے گھور رہا تھا۔

سانپ' چور اور مجذوب' ان کی دہشت ہی بہت ہوتی ہے...... زہر' ضرب اور زد ہو نہ ہو' بندہ ایک تو دہل ہی جاتا ہے۔ ہپ ہپ' چھو چھو اور تھو تھو...... آپے آپ ہی منہ سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔

وہ خود کو سنبھالے تیز تیز قدموں اس کے برابر سے تو گزر گئی لیکن لگا یوں جیسے کوئی پل صراط عبور کے آئی ہو۔ گاڑی کے قریب پہنچ کر ڈرائیور نے آگے بڑھتے ہوئے دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا۔ سنبل سہانی نے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کن اکھیوں سے اس دیوانے کی جانب دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے گاڑی بڑھانے کا حکم دیا...... لیکن اگلے لمحے وہ رکو رکو کہتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل آئی کیونکہ اس نے صابر سنگھ اور کالے کتے کو واپس مزار کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

وہ اِدھر لپکی تو ڈرائیور بھی بھاگا بھاگا پیچھے پہنچ رہا مگر اِن کے پہنچتے پہنچتے وہ دونوں دوبارہ اپنی اپنی جگہ پہ براجمان ہو چکے تھے۔ تب سنبل سُبھانی اور ڈرائیور کو اپنی جانب لپکتے دیکھ کر کُتّے نے بھونکنا شروع کر دی۔ اب جو ڈرائیور قریب پہنچا تو کُتّے نے اُچک کر اس کی پنڈلی پہ دانت رکھ دیئے...... ڈرائیور کی چیخ اور اِن دونوں کی دھاندلی دیکھ کر یہ آپے سے باہر ہو گئی...... آؤ دیکھا نہ تاؤ' جھٹ پرس سے چھوٹا سا پسٹل نکالا اور کُتّے پہ میگزین خالی کر دیا۔ یہ سب کچھ یوں آناً فاناً ہُوا کہ اِسے خود سمجھ نہ آیا کہ یہ سب کچھ اس سے کیونکر سرزد ہو گیا۔ کُتّے بیچارے کی کیا اوقات تھی چھ عدد گرم گرم گولیوں نے اِسے بُھوسہ کر رکھ دیا تھا جبکہ کسی کالے کے لئے تو پیچھے کی اِک بے ضرری کالی گولی بھی کافی ہوتی ہے۔ مُنہ سے نکلنے والی آخری چوؤں کے وقت اس کی کُھلی آنکھوں کا رُخ صابر سنگھ کی جانب تھا۔

اُدھر صابرا وہیں باپ بیٹے کی قبروں کے درمیان اپنی آزلی بے نیازی و بے حسی کے ساتھ نیم اُکڑوں پڑا ہوا تھا۔ کُتّے کی آخری چوؤں تو کیا اُس کی آنکھیں تو گولیوں کی تڑ تڑ سے بھی نہیں جھپکی تھیں کہ جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں...... مستقل دَرویشوں' مجذوبوں کے لئے راوی چین ہی چین لکھتا ہے چین ہی چین...... کُوئے یار سے نکلیں یا سُوئے دار چلیں اُن کے پائے استغنا میں لغزش نہیں آتی۔

غیر ارادی طور پہ اس نے بے [illegible] کا رُخ اب صابر کی جانب [illegible] ٹھنڈی مٹی کے مقابل...... اُسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ میگزین خالی ہے۔ یہ احساس اُبھرتے ہی اُس [illegible] ٹھنڈی مٹی کی آنکھوں میں جھانکا تو وہاں ویرانی قُفل لوڈ تھی...... گھوڑے کے ہنہنانے کی سی آواز اُبھری۔

''ایک تو مر گیا' اب اِس [illegible] کا بھی فیصلہ کر دو [illegible] مزید برداشت نہیں ہوتا۔''

''افسوس کہ میرے پسٹل میں کوئی گولی نہیں...... نہیں تو تمہارا فیصلہ بھی اس کُتّے کے ساتھ ہی ہو جاتا...... تم دونوں نے اس جگہ کو ناپاک کر دیا ہے...... ایک تو انجام کو پہنچ گیا مگر شاید تیرا انجام میرے ہاتھوں نہیں لکھا......؟''

''میرا انت تمہارے ہاتھوں ہی ہے' آج نہیں تو کل...... تم ضرور میرا فیصلہ کرو گی...... کلیر شریف میں بری دوار والی مائی جی نے یہی حکم دے کر مجھے یہاں بھیجا ہے...... اس سے پہلے بابا جی نے بھی یہی کہا تھا کہ تمہارا انت ماہیم شریف والی مائی کے پاس ہے...... مجھے یہاں اس مزار پہ بڑا آنند ملا ہے۔ اجازت ہو تو میں یہاں پڑا رہوں؟''

وہ وہاں سے اُٹھ کر خون میں نہائے ہوئے کُتّے کے پاس اُٹھ آیا...... اس کے خون سے ہاتھ بھگو کر اُس سے مخاطب ہُوا۔

”نچے گرو دی سَوں...... کُتا بن کے جو کُج مِلدا اے' او عاشق بن کے وی نہیں لبھدا۔“

سنبل سُہانی کے برہم مزاج پہ ان اُٹ شٹ باتوں نے کوئی خوشگوار اثر نہیں ڈالا تھا بلکہ وہ مزید بگڑتے ہوئے بولی۔

”تمہاری ان فضول باتوں اور خُو خصلت سے مجھے کُتوں کے پسینے جیسی بُو محسوس ہو رہی ہے۔ انسانی لہجے میں گفتگو بجائے اگر تم کُتوں کی بھوؤں بھوؤں اختیار کر لو تو عاشق کی بجائے ایک اچھا کُتا بننے کی آرزو بھی پوری ہو جائے گی اور گُرو نام کی قسم کھانے میں بھی خاصا وزن آ جائے گا......!“

صابر سنگھ نے عالمِ جذب میں بلند آہنگ ایک جَلی لگائی اور کُتے کے لہو سے رنگے ہوئے ہاتھوں کو اپنے چہرے' جسم اور کپڑے چیتھڑے سے صاف کیا...... کُتے کی لاش کو اُٹھایا' سینے سے چمٹایا اور سُہانی کے چرنوں میں گر کر کسی پجاری کی مانند ڈنڈوت کرنے لگا...... سُہانی نے ہڑبڑا کر پیچھے ہٹنے کی کوشش میں تنگی سے ٹکرا کر بُری طرح گر پڑی۔ ڈرائیور سہارا دینے کی کوشش میں آگے بڑھا...... صابرے نے کمال عجلت و مستعدی سے اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا...... اب یہ عالم کہ سُہانی' صابرے کی گود میں نیم بیہوشی سی پڑی ہے۔ ڈرائیور حواس باختہ سا پاس کھڑا ہوا میں لٹھ بازی کر رہا [illegible] اس غریب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بھوت [illegible] نے اس کے ہاتھ بازو اور کپڑے لتھڑے [illegible] کر دیے تھے۔

اسی اثنا اِدھر اُدھر سے کچھ لوگ' شور و غُل' خون' کُتے کی لاش' بے طور و طریقہ مجذوب اور لوٹ پوٹ ہو رہی خوبصورت عورت کو دیکھ کر آگے بڑھ آئے تھے۔ ایک دیوانے مستانے کی گود میں ایک خوش شکل بے سار و سُدھ پڑی تھی۔ اس سے زیادہ دلچسپ تماشا اور بھلا کیا ہو سکتا ہے...... قبرستان کے چوکیدار اور گورکن بھی آ پہنچے تھے۔ سنبل سُہانی سے وہ خوب واقف تھے۔ آتے ہی اُنہوں نے فالتو لوگوں کو احاطہ سے باہر دھکیل کیا...... بڑے جتنوں سے اسے آزاد کروا کے' پانی کے چھینٹوں سے اس کے حواس بحال کیے...... اسے سہارا دیے کار تک لے جانے لگے تو صابرے نے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ جوڑتے ہوئے پوچھا۔

”اس کُتے کے لیے کیا حُکم ہے......؟“

سُنبل جو ہیجانی کیفیت میں بیزار اور لاغر سی دکھائی دے رہی تھی اپنے کپڑوں اور ہاتھ بازوؤں پہ لگے کُتے کے خون سے گھن کھاتے ہوئے بولی۔

”تُو نے مجھے رُسوا کر دیا ہے...... دیوانہ ہوتا تو میں تجھے پولیس کے حوالے کر دیتی۔ تُو فوراً یہاں سے چلا جا اور دوبارہ کبھی اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔“

وہ کُتے کی لاش کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''یہی اِک میرا وفادار ساتھی تھا۔ جو کلیئر شریف سے میرے سنگ آیا تھا۔ اَب تو اس کا مزار بھی اسی احاطہ میں بنے گا اور مَیں یہاں مجاور بن کر بیٹھوں گا۔''

''کُتا، کُتا...... کُتا......'' سنبل سُہانی پہ جیسے ہذیانی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ وہ وہیں کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے بیٹھ گئی...... اُسے خشمگیں نگاہوں سے تومتی ہوئی پھر کُتے کی گردان رٹنے لگی۔

صابر سنگھ نے اک عجیب سی وجدانی کیفیت میں مُنہ اُٹھا کر بھوں بھوں کی ہانک لگائی...... پھر سننے والوں نے سُنا کہ گورستان میں ہر سُو بھوں بھوں کی بازگشت گونجنے لگی تھی۔

• کُتا کُتا کر دی نی میں آپے کُتا ہوئی......!

اس روز کے واقعہ کے بعد تو جیسے اس کا چین لد گیا تھا...... اک عجیب سی بے کلی نے اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔ روشن دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ جاتا تھا مگر تاریکی پھیلتے ہی جیسے اس کا جگر جکڑا جاتا ہے۔ کانوں میں بھوں [illegible] باہر [illegible] بھونکتے ہی رہتے ہیں...... اُن کے کرخت بے ہنگم آوازے ایسے دُکھتے بھی نہیں کہ بندہ سنگ بیزار ہو جائے مگر جب کسی لگن لاگے کے اندر کہیں کُتے بھونکنا شروع ہو جائیں تو وہ پھر سگ گزیدہ سا ہو کر دُوجوں کو آزار پہنچانا شروع کر دیتا ہے۔

ایسا ہی کچھ حال اس کا بھی ہوا۔ صحت کے ساتھ ساتھ زبان بھی بگڑ گئی۔ نوکر چاکر رشتہ دار تو جان چھپاتے پھرتے ہی تھے یہ خود اپنے آپ سے جان بچاتی رہی تھی۔ ہنسنا مسکرانا، کھانا پینا، کھلکھلانا، پہننا سنورنا وغیرہ محض نام ہی کا رہ گیا۔ وہ کئی روز سے قبرستان نہیں جا سکی تھی۔ شروع سے ہی اک مخصوص سمے اس کا مزار پہ دیا بتی اور پھول پتی، ہر روز کا معمول تھا لیکن اَب وہاں کا تصور بھی اس کے لیے سوہانِ رُوح بن کر رہ گیا تھا۔

بھوں بھوں کی دل آزار آوازوں سے تنگ آ کر اس نے اپنے فلیٹ کے دروازوں کھڑکیوں کی ڈبل گلیزنگ کروالی تھی مگر وہی بات کہ باہر کے شور سے تو کان بچائے جا سکتے ہیں مگر اندر کے شور سے جان بچانا مشکل پڑتا ہے۔ بہت بیرونی شور و غوغ سے کان اور دماغ بجنے لگتے ہیں جبکہ اندرونی شورش و ہنگام سے وجود و وجدان لرزنے لگتے ہیں۔

آہنگِ گشت، سواد و سوز، صدا و کراہ وغیرہ لرزش کا خمیازہ ہی تو ہوتے ہیں۔ تنبورہ اک تارا، تانپورہ یا طاؤس...... ستار ہو یا سورنگی، سُر منڈل یا سنتور، یہ سب لرزنے، کپکپانے، چھیڑنے گدگدانے کے سازینے ہیں۔

زخمی زخمہ، اُنگشتِ فگار، ناخونِ ہُنر، مضراب مضطرب، اُنگشتری آہنی یہ سب اُنگیختے ہی تو ہیں۔

کُتا قریب و دُور، کہیں بھی بھونکی لے اس کے کان کھڑے اور دل بیٹھنے لگتا۔ بے کلی، کسا مسی اور بے طرح کی توڑ پھوڑ دو چند ہو جاتی، کانوں میں اُنگلیاں گھسیڑے، دروازے کھڑکیاں بند کرنا شروع کر دیتی۔ اک عجیب بات کہ کُتے کے بھونکنے پہ اس کے ذہن میں کُتا نہیں بلکہ صابر سنگھ کا تصوّر اُبھرتا۔ بس وہیں وہ سارے مناظر ازسرِ نو شروع ہو جاتے جو عرصہ پہلے قبرستان میں وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ وقت کچھ اور آگے سرکا تو اس کا ایک ملازم جس کے ذمہ قبرستان جانا اور اس کی جانب سے پھول پتی، اگربتی اور صفائی ستھرائی، روشنی وغیرہ کے انتظامات کرنا تھا، بغیر اطلاع غائب ہو گیا۔ وہ کوئی ایسا غیر ذمہ داری یا بازاری ملازم بھی نہیں تھا کہ جن کے آنے جانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، وہ بھروسے کا بندہ تھا۔ تیسرے روز اس کی بیوی نے کسی ہسپتال سے اطلاع بھجوائی کہ اس کا خاوند ذہنی طور پہ ناکارہ ہو چکا ہے لہٰذا اسے مزید خدمات سرانجام دینے سے قاصر سمجھا جائے۔ مزید کُریدنے سے پتہ چلا کہ وہ سگ آزاری کے مرض میں مبتلا ہو چکا ہے۔

دراصل صابرے نے اس کی مت مار کر رکھ دی ہوئی تھی...... وہ سارا سارا دن اور رات وہیں قبروں کے درمیان پڑا رہتا...... کھانا پینا، ہگ مُوت، سونا جاگنا اور دیگر زندگی کے لوازمات اس کے لیے اپنی اہمیت کھو [illegible] قبروں [illegible] سبب آتے جاتے تھے۔ وہ شاید سُنبل سُہانی کی راہ دیکھتا رہتا تھا جو اس دن کے بعد اسے دکھائی نہیں دی تھی۔ اس کے علاوہ اسے بھونکنا یاد تھا۔ انسانی لہجے میں گفتگو وہ جیسے فراموش کر چکا تھا۔ ذہنی طور پہ معذور ہونے والے ملازم نے اپنے تئیں بہتیری کوشش ہمت کی کسی طور یہ دیوانہ ان قبروں کا پیچھا چھوڑ دے۔ وہ اس کے سامنے کھانا پینا بھی رکھتا، آگے پیچھے کی صفائی پونچھائی کے علاوہ اس سے محبت و عقیدت سے بھی پیش آتا۔ مگر یہ اُس کے ہر احسن سلوک کا جواب بھونک بھونک کے دیتا...... ملازم جانتا تھا کہ جس روز اس کی مالکن نے اس دیوانے کو قبروں پہ دیکھ لیا۔ اُس دن اس کی چھٹی ہو جائے گی۔

سُنبل اگلے روز خود قبرستان پہنچ گئی۔ وہاں کار سے اُترتے ہی اِدھر اُدھر کے کُتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ اسے کیا خبر کہ ان آوازوں میں ایک آواز اُس دیوانے کی بھی ہے جس نے کئی دنوں کی دید پیاس اس کی آمد سے بجھائی ہے۔

اُدھر صابرا اسے دیکھتے ہی دیوانہ وار لپکا۔ باڑ، دیواریں، قبریں، چھلاوے کی طرح [illegible] اس کے سامنے یوں ٹھوسیاں کھا کھا کر بچھنے لگا جیسے پالتو کُتا، مدّت بعد گھر لوٹنے والے مالک کے آگے پیچھے

لوٹ پوٹ اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کرتا ہے۔ صابر دیوانہ ہلکے ہلکے بھونکتا بھی جا رہا تھا...... سُنبل سُہانی اسے اک دم سامنے اس غیر معمولی حالت میں پا کر سٹپٹا گئی۔ وہ اس صُورتِ حال سے دوچار ہونے کے مُوڈ میں نہ تھی۔ اس کی سمجھ عقل کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کُتوں سے کس طرح نبٹے؟ اکا دُکا لوگ آس پاس موجود تھے' پھر وہی پہلے والی ناخوشگوار صورتِ حال پیدا ہونے کے اِمکان کے خوف سے گھبرا کر وہ واپس گاڑی میں بیٹھ گئی اور ڈرائیور کو یہاں سے ٹلنے کا اذن دیا۔ سڑک کے اگلے موڑ تک ان کُتوں نے اس کا پیچھا کیا...... اگلے چوک میں پہنچ کر جو پیچھے مُڑ کر دیکھا' اُن میں دو ٹانگوں والا سب سے آگے آگے تھا۔

ایک وقت آیا کہ اُس کے خوابوں خیالوں میں بھی کُتے بھونکنے لگے۔ وہ اکثر سوتے جاگتے ڈر جاتی اور اس طرح سے آوازیں نکالتی جیسے پنڈلی بھنبھوڑے ہوئے کُتے سے جان چُھڑا رہی ہو...... میکے میں صرف اک اماں ہی تھی جو شوہر کے انتقال اور بیٹی کے حال و مآل کی وجہ سے بے حد دلبرداشتہ تھی یا پھر اک دردمند' غمگسار سی خالہ ظلیری بہنیں' جو ہر آڑے مشکل وقت میں اس کا دم دلاسا تھیں۔ اَب اس پہ بھی "خالہ کا دم اور کواڑوں کی جوڑی" والا وقت آن پڑا تھا۔ سب سر جوڑے' اس کی موجودہ بِپتا کا کوئی اُپائے ڈھونڈنے بیٹھے...... متفقہ مشورے کے تحت اس کے لئے شہر کے سب سے مہنگے اور قابل ماہر نفسیات کی خدمات حاصل کی گئیں...... چند روز کی مغز ماری [illegible] لیکن [illegible] نہیں بلکہ باطنی اور رُوحانی ہے۔ سُنبل نے بھی کہا تھا کہ کسی عامل یا ڈاکٹر کے ہاں جانے کی ضرورت نہیں۔ اُسے اس کے حال و اعمال پہ چھوڑ دیا جائے۔ میرے لئے فیصلے کہیں اور سے ہوتے ہیں۔

رات پُونم کی ہو یا اندھی اندھیری...... لُو جس میں ہانپتی ہوئی یا جاڑے خنکی سے کانپتی ہوئی' وہ شبِ فراق ہو یا شبِ وصال۔ اَماوس یا نوچندری کی۔ شبِ زفاف ہو یا شبِ ماتم' کہیں نہ کہیں کُتے ضرور بھونکا کرتے ہیں۔ اُن کی اپنی ایک لہر ہے۔ دیکھنے سننے والا سوچتا رہ جاتا ہے۔ کوئی آگے نہ کوئی پیچھے' چور نہ کوئی اجنبی...... آخر انہیں تکلیف کیا ہے۔ منہ اُٹھائے' سینے کے زور لگاتے بھونکے ہی جا رہے ہیں...... یہ راز تو کوئی مخصوص کالا کُتا ہی جانتا ہوگا یا کوئی کالے کُتے ڈرگا کہ وہ بالخصوص راتوں کو ہی کیوں بھونکتے ہیں؟ کیا دُکھ دم ہے۔ وُہ کیا دیکھ یا سُن رہے ہوتے ہیں' بھونک بھونک کسی سے کیا کہہ رہے ہیں؟

کُتے' کوّے' کبوتر اور کچھوے کو سمجھے' جانے اور سیکھے بن رہِ ملامت پہ چلنا مشکل پڑتا ہے اور اگر کہیں "ملامتی" کے ساتھ دُرویشی کی بھی چھینک لگی ہو تو پھر دُرویشی' کسی بد رنگے سے نہیں کہیں سیاہ یک رنگے سے سمجھ میں آوے گی...... کُتا اور کوّا علامتی ملامتی ہوتے ہیں جبکہ کبوتر اور کچھوا محض دُرویش......!

خشکی ہو یا تری، جنگل ویرانہ...... شمشان گورستان، سمادھی آستانہ...... دریا گھاٹ، کنواں باؤلی، ہر جا یہ فقیر درویش، مجذوب عاشق، اپنی پکی چار یاری میں پائے جائیں گے۔ ہر چند کہ سب گنجے، کوے، کبوتر اور بچھوے، اپنی قامت وشباہت، خو وخصائل اور محاسن ومعائب کی ہلکی بھاری تفریق وتفصیل سمیت ایک سے ہی ہوتے ہیں۔ تاہم چنداں، چنیدہ بخت اپنے ہم ذاتوں ہم جنسوں میں ایسے اَولی اَوقات ومراعات ٹھہرے کہ باعثِ رشک بن کر ضرب الامثال وتمثال ہوئے۔ کوئی وفا، تسلیم اور صبر کا پیکر...... اور کوئی اپنے اندر باہر کالکیں ملامتیں پھٹکاریں دہکائے...... پیار رنگ کی تصویر اور تفسیر، کالا شا فقیر...... گنجے اور کوے تو اِس سے بھی جگے ہوتے ہیں جب نیند بھی ذرا کی ذرا ٹکی لے لیتی ہے۔ شب زندہ دار، خود کو زندہ کیئے ہوتا ہے تو کوئی یاد کی سانسوں کی مہکار سے تارِ نفس میں موتی پرو رہا ہوتا ہے...... قعود میں پڑا کوئی سجود میں گرا اور کوئی کسی کے وجد میں گڑا...... کوئی رہزنی اور کوئی چوکیداری میں...... کہیں جام اُنڈیں تو کہیں پانسے پھینکیں...... ہر ذی نفس کہیں نہ کہیں دھرا، مگر یہ ملامتی فقیر...... جو بن ماں باپ پیدا ہوا، موذنِ اوّل سویرے سویرے بنیرے بنیرے سب کو سلامتا اور جگاتا پھرے۔

کُتا پاک، کوا نجس...... کبوتر پاک اور بچھوا مکروہ...... پاکی پلیدی، نجاست اور کراہت کا کیسا ملا جلا امتزاج ہے یہ [illegible]

وقت شاید دھرتی پہ اُترتے، بکھرے ٹھہرے ہوئے بادلوں کی مانند ہوتا ہے۔ چھدرا اور کہیں گہرا...... رم جھم برستا اور کہیں [illegible] منی کرتا ہوا۔ اسی طرح محض دکھاوے کا بادل بھی ہوتا ہے جو کہیں نہیں برستا، بس جھلک دکھا کر کہیں غائب ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح کچھ زندگیاں، دوستیاں، محبتیں، تعلق رشتے، ہمدردیاں، تسلیاں بھی ہوتی ہیں جو کھوکھلی اور بے ثمر وسواد ہوتی ہیں۔

قصہ کوتاہ! میاں، دیا، ظلیریاں میریاں...... بے برسے بادل کی طرح تو تھیں جو مُنہ ماتھا کرا کے جھلک جاتا ہے۔ دیکھا جائے تو کوئی کسی کے لئے کر بھی کیا سکتا ہے۔ جب اپنی ہی گوگی نہ پکے تو دوسرے کی پرچی کیسے لگے؟ البتہ یہ مشورہ ضرور ملا کہ یہ عمر ماش کی دال چُننے کے لئے نہیں، سولہ سنگھار اور اُمنگ امنگیں بسانے کی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ جوانی کی بیوگی نحوست اور بڑھاپے میں بیوگی سہولت ہوتی ہے۔ جوان بیوہ دوجا کرے تو ملکہ بن جاتی ہے اور اگر بوڑھی کلمے پڑھوا لے تو رسوائیوں کا تلک بن جاتی ہے۔ سانڈل بیوہ کی ڈگڈگی اور کھانگڑ کی کھڑتال......!

ہائے! وقت نے کیا پتے پہ پتا مارا کہ دیکھنے سننے والوں کے منہ مارے حیرت کُھل گئے...... اُسی پہلے شوہر، جس سے پہلی رات، کھڑے کھڑے طلاق لکھوالی تھی۔ اسے کمال رضا ورغبت مناکحت کا پیغام بھ

دیا...... اللہ جانے وہ کس مٹی کا مادھو تھا۔ لاکھوں کا کاروبار' بازار منڈی میں ساکھ۔ سوداگر بچہ' مگر مت عقل کا گیا...... دوبارہ اپنی بھد کا بھدرا کروانے پہ تُل بیٹھا۔

لاتعداد نشوں کی طرح خود پسندی' خودنمائی' خودستائی اور خود اذیتی بھی بڑے قاتل نشے ہیں۔ نفسیات کے عالم خوب سمجھتے ہیں کہ اس نوع کے انسانی کیفیاتی لطف و حظ کا حصول' ایسے ذہنی' جنسی اور اخلاقی طور پہ بگڑے ہوئے افراد کا وطیرہ ہوتا ہے جو کبھی کہیں کسی غیر معمولی واقعے' جذباتی یا روحانی کیفیت میں ادھورے رہ جاتے ہیں...... انہیں کوئی پچھتاوہ ہوتا ہے اور یا پھر احساسِ برتری یا کہتری کا بے پناہ ادراک...... بارے اذیت پسند بھی ایک طرح سے ملامتی ہی ہوتے ہیں۔ فرق صرف مُجرم اور محرم کے مابین محض اک نقطے کا ہوتا ہے اور آپ نے کبھی نہ کبھی کسی ذہنی مریض کو ضرور دیکھا ہوگا وہ اکثر اپنے جسم کے ایسے حصول کو دانتوں سے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں ان کے دانتوں کی رسائی ہوتی ہے۔ بڑی حیرت ہے انہیں کسی درد تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا...... اور کسی ایسے نئے نئے عاشق لونڈے کو بھی جانتے ہوں گے جو بڑے چاؤ اور فخر سے اپنی کلائیوں پہ بلیڈ سے کٹ لگاتے ہیں۔ رستے ہوئے خون سے ''آئی لَو یُو'' یا دل اور تیر بنا کر اپنے جیسی کچی کچوری محبوبہ کو اسی کے چھوٹے بھائی کے ہاتھ موبائل پہ بھجواتے ہیں۔ بازو کو گھر والوں سے چھپاتے ہیں اور گلی بازار [illegible] اپنے [illegible] اٹھاتے ہیں...... ایسوں کو بھی بلیڈ پھیرتے ہوئے مطلق کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ ایک طرح کا حظ محسوس ہوتا ہے۔ سینہ' سر پیٹنا' منہ پہ دوہتھڑ مارنا' ماتھا پھوڑنا...... فاقہ مستی' نہانے دھونے سے اجتناب' گوشہ نشینی' زبان بندی وغیرہ یہ سب خود ملامتی خود اذیتی کی مختلف شکلیں ہیں۔

میں نے دُنیا کے بڑے بڑے ملکوں کے چیدہ چیدہ شہروں کی نمایاں شہرت کی حامل مارکیٹوں میں...... خود اذیتی کے آلات' لٹریچر اور کیسٹوں' فلموں کے بڑے شاندار اور اذیت ناک سٹور دیکھے ہیں...... ان جدید انداز کے بنے سجے سٹوروں میں داخل ہونے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ غلطی سے کسی میوزیم یا صدیوں پُرانے کسی قلعے کے عقوبت خانے میں چلے آئے ہیں...... سٹاف کے لوگ بھی عجیب شکلوں' ڈراؤنے گٹ اَپ والے کہ کسی مقتل کے پہرے دار دکھائی دیں...... اندر لائیٹ اینڈ ساؤنڈ' اسٹرکچر' ڈیزائن' کلر شیڈ کی ایسی سحر طرازیاں کہ بندہ سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ وہ خود کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور یہاں کیونکر پہنچا ہے؟

اس آزار نگری میں ہر اطراف مختلف آلات و لباس' اپنی خوفناک ہیئت کذائی اور پُراسراریت کے ساتھ دکھائی دیں گے...... یہی نہیں بلکہ مختلف کرداروں کے موی مجسموں کے ذریعے وہ مختلف مناظر بھی دکھائی دیتے ہیں جن میں ایذا رسانی اور خود اذیتی کے عمل کو ایسے ڈرامائی انداز سے دکھایا گیا ہے کہ دیکھنے والا' ان سنسنی

خیز مناظر کی ہولناکی کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں اُترتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ کچھ مجسمے اور کردار متحرک بھی ہیں…… غور کریں ایک برہنہ خوبصورت دوشیزہ جس کے سڈول جسم کے اُبھار گولائیاں رگیں پٹھے ڈھلوانیں اُٹھانیں قیامت اُٹھا رہی ہوں…… ہاتھ میں ایک خطرناک چرمی چابک اُٹھائے ایک اُدھیڑ عمر مرد کی دُھلائی کر رہی ہے۔ ہر چوٹ پہ شڑاپ سی آواز اُبھرتی ہے اور اس مرد کا سارا جسم کانپ اُٹھتا ہے…… اس کے ساتھ ہی مضروب کے مُنہ سے اک تسکین آمیز سسکی نکلتی ہے۔ چہرے پہ طمانیت کی لہریں اُبھرتی ہیں اور وہ سر اُٹھا کر اس جلاد عورت کو تحسین بھری نظروں سے دَنس مور کہتا ہے۔ اسی طرح کہیں کوئی مرد کسی عورت کو ہنٹروں سے پیٹ رہا ہے…… کہیں وحشی مرد آہنی بٹنوں والے بلٹ سے بیک وقت کسی برہنہ عورت کو مار رہا ہے۔ ایسے بیہودہ مناظر کہ جن میں بربریت وحشت شیطنت اور جنسی خباثت کو اُجاگر کیا گیا۔ مرد اور عورت کے ایسے ایسے لباس اور جوتے سینڈل کہ جن کے اندر سے میخیں نکلی ہوئی ہیں۔ سر کے آہنی ٹوپیاں ہیٹ خاردار دستانے وغیرہ۔ غرضیکہ اک جہانِ خرابات ہے جو وہاں سجا ہوا ہے۔ دُنیا کی کوئی قوم ملک ایسا نہیں جن کے باشندے وہاں خرید و فروخت نہ کر رہے ہوں…… بڑے بڑے سنجیدہ اور عالی نسل و حسب لوگ یہاں سے اسی نوع کی مخش کتابیں فلمیں کیسٹ خریدتے دکھائی دیتے ہیں۔

ای [illegible] ہیں جب [illegible] مر [illegible] جاتی ہے۔ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ایک شخص کسی من چاہی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کر پاتا۔ آدمی شریف اور عزت شہرت والا ہے۔ ان حالات میں قصداً خود کو خود اذیتی میں مبتلا کر لیتا ہے۔ وہ ایک ایسی عورت سے برضا و رغبت شادی کرتا ہے جو کسی طور اس کی پسند سے لگا نہیں کھاتی۔ اس طرح خاموشی سے ساری زندگی خود اذیتی میں بسر کر لیتا ہے اور کہیں یہی خود اذیتی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سرخوشی میں تبدیل ہو کر اس کی تسکین کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

شاید اس سوداگر بچے کے ساتھ بھی یہی خود اذیتی والا معاملہ بن گیا ہوگا۔ وہ اپنے کاروباری خاندانی سماجی حساب کتاب میں بڑا ٹھیک ٹھاک بندہ تھا۔ آن بان والا اور خوددار…… گو پہلی رات ہی بیوی کی طرف سے طلاق کا تحفہ ملنے پہ اس کی کافی بھد اڑی تھی…… لیکن صد آفرین کہ کبھی اس نے سنبل سہانی کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالا تھا۔ ہر بات ہر رسوائی کو اپنی چند گھنٹوں کی شادی کا تحفہ جان کر سہہ لیا تھا۔ جب کبھی گھر میں شادی کی بات چھیڑی گئی تو اس نے یہی کہا کہ میری بیوی بنے گی تو وہی…… ورنہ کہیں اور شادی نہیں ہوگی…… نیلم سنگھ کی شادی کے موقعہ پہ اور اس کے مرنے پہ بھی کبھی اس کے ہاں نہیں گیا تھا۔ مگر اب اس دیوانے اور کالے گھتے کا عجیب و غریب قصہ اور اس کی درماندگی کا سن کر اس سے نہ رہا گیا…… وہ آگے بڑھ

اور سنبل سُہانی کی غم زدہ اَماں کے پاس پہنچا...... تمام حالات جان کر اپنا تعاون پیش کیا۔ اَماں بے چاری پہلے ہی شرمندہ تھی اسے اپنا مُنہ دِکھانے کے قابل نہ تھی۔ بجائے کچھ جواب دینے کے بیساختہ رو پڑی۔ وہ پاؤں کو تھامتے ہوئے کہنے لگا۔

اَماں! مجھے آپ اور آپ کی بیٹی سے کوئی شکایت نہیں۔ افسوس صرف اپنی بدنصیبی پہ ہے کہ میں آپ اور آپ کی بیٹی کے کسی کام نہ آسکا۔ آپ نے جب مجھے اپنی فرزندی میں قبول کیا تھا تو یہی نیت کہ میں ایک بیٹے کی کمی بھی پوری کروں گا۔ وائے نصیب! میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اب اِن نامساعد حالات میں جب کوئی گھر میں محرم مرد موجود نہیں' میں ایک مرتبہ پھر بیٹا بن کر آپ کے دُکھ سُکھ بانٹنا چاہتا ہوں۔”

اَب پتہ نہیں سنبل کی اَماں نے اس کی ہمدردانہ پیشکش کو کس انداز میں لیا...... نتیجہ یہ نکلا کہ اَماں' اس کے اخلاق واخلاص کے گُن گانے لگی اور وہ بھی وقتاً فوقتاً اِس کے ارشاد و تعمیل میں پیش پیش رہنے لگا۔ پھر وقت کا رُولیٹ کچھ یوں گھوما اور مقدر کا رولنگ بال' بھٹکتا سنبھلتا' لڑکھڑاتا کچھ ایسے پڑا کہ وہ صفر نمبر کا سبز گھر تھا۔

کیسینو میں جوئے کی گھومنے والی تشتری کو زور سے چکر دے کر ریٹھے کی گولی سے ذرا بڑا ہاتھی دانت کا سفید بال' تشتری کے چکر کے اُلٹے رُخ گھما دیا جاتا ہے۔ تشتری' جس کے کناروں پہ سُرخ و سیاہ' خانے بنے ہوتے ہیں [illegible] سُرخ [illegible] ہوتے ہیں۔ جواری بار باز سُرخ یا سیاہ خانے پہ رقم لگاتے ہیں۔ جو جیتنے کی صورت میں دُگنی ملتی ہے۔ کچھ پُرانے تجربہ کار نمبروں پہ لگاتے ہیں۔ جس میں جیتنے کے چانس کم ہوتے ہیں۔ لیکن جیتنے کی صورت میں ایک کے مقابلے میں پینتیس ملتے ہیں۔ ان بہت سے اعداد اور کالے سُرخ رنگوں کے درمیان ایک خانہ سبز رنگ اور صفر نمبر کا بھی ہوتا ہے۔ اس سبز قدرے خانے میں اگر بال رُک جائے تو اِس وقت داؤ پہ لگی ہوئی تمام رقم ہاؤس کی ہوتی ہے۔ یعنی تمام جواری ہار جاتے ہیں اور جُواء کرانے والے جیت جاتے ہیں۔ لیکن ایسا ہوتا بہت کم ہے۔

پہلی بار وقت کا رُولیٹ کچھ یوں گھوما تھا کہ بال سرخ گھر میں براجتے ہوئے دِکھائی دیا...... لیکن چشم زدن میں یوں اُچھل کر سبز کوٹھے میں جا پڑا کہ ساری بازی کا رُخ ہی پلٹ گیا۔ وہ اپنے اخلاق واخلاص سے اَماں کے دِل میں گھر کر گیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دو ماہ بعد ماہِ رمضان' ستائیسویں کی بابرکت رات' اُسی نکاح خواں نے انہیں مناکحت میں باندھ دیا جس نے ان کا پہلا عقد پڑھانے کی بھی سعادت حاصل کی تھی......

قدرت کے رنگ بھی نیارے ہوتے ہیں جبکہ اُدھر قسمت بھی عجیب عجیب کھیل کھیلتی ہے اور حضرتِ اِنسان تو اپنی تلوّن مزاجی سے ایسے ایسے گل چنے دِکھاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اَن ہونیاں اور حادثے بھی اگر نہ ہوں تو نہ زندگی رہے اور نہ ہی اِنسان' پیکرِ اِنسانیت میں برقرار رہے۔ جو لوگ اَنا پرست ہوتے ہیں......

خود پسندی، غرور و تکبر کو اپنی متاع اور خود کو عقلِ کُل کا مالک سمجھ لیتے ہیں اور اپنے تئیں تصور کر لیتے ہیں کہ ان کے حُسن، دولت، طاقت اور شہرت کا سُورج کبھی نہیں گہنائے گا۔ سدا یُوں ہی ہرے بھرے، قابلِ قدر اور چاہے جانے کے قابل رہیں گے تو اِن کی مثال، ایسے نرگسیت پسند، بھولے بھالے احمق مگر خوبصورت جانوروں، گھوڑے، مور، کبوتر جیسی ہے، جن کو نرگسیت لے ڈوبتی ہے......!

سنبل سُہانی کو یہ صابر مجذوب اور کالا کُتا لے ڈوبا تھا۔ ڈوبتے ڈوبتے اتفاق سے اس کے ہاتھ اچانک اس کے سابقہ شوہر کا دامن آ گیا جسے تھامے وہ پھر زندگی کے کنارے تک آ لگی تھی۔ ڈوبنے والے کے لئے سب سے پہلا اور بڑا مسئلہ صرف اور صرف ہلاکت سے خود کو محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ سو سابقہ شوہر سے نکا کر کے اس نے وقتی طور ہی سہی، خود کو کس قدر محفوظ کر لیا تھا۔ بیوی، دوست، سواری، دُکھ سُکھ، کارندے وغیرہ اگر نئے میسر آ جائیں تو پھر سابقین پہلی سی اہمیت کے حامل نہیں رہتے۔

شادی کی شب حجلۂ عُروسی میں داخل ہوا تو اُس سے وہی انداز اختیار رہا جو پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

"السلام علیکم! میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ [illegible] سے کچھ فاصلے پہ خمیدہ سر [illegible] ایستادہ تھا۔

[illegible] کے بعد وہ [illegible] سے [illegible] ہو کے [illegible]۔

"آپ آگے بڑھ کر اس بائیں میز کی دراز کھولیں......"

حکم کی تعمیل میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے دراز کھولی۔

"اندر سے لفافہ اُٹھائیں، کھول لیں اور تحریر پڑھیں......"

اُس نے ایسا ہی کیا۔ لفافے کے اندر کاغذ پہ لکھا تھا "آج کے بعد آپ نہیں بلکہ میں آپ کے پابند رہوں گی...... اب آپ میری جانب بڑھیں اور چہرے سے گھونگھٹ اُٹھائیں...... آپ کی دُلہن منتظر ہے۔"

کہنے کو تو وہ اب اس کے حکم کی پابند ٹھہری تھی مگر دُولہا بے چارہ وہی کچھ کرتا رہا جو وہ چاہتی رہی۔ معلوم ہوا شاہ جمالوں اور ناہید خصالوں کی بندگی اور نیاز مندی میں بھی ایک طرح کی تمکنت و تحکم ہی ہوتا ہے۔ لاکھ بچھے بچھے دکھائی دیں، مگر اصل صورت وہ چھائے چھائے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال خربوزے اور چھری سی ہوتی ہے کہ ہر حال میں خربوزہ ہی کٹتا اور چھری ہی کاٹتی ہے۔

شادی کے کچھ ہی دِنوں بعد اس نے محمد علی روڈ سے اپنی رہائش تبدیل کر کے انڈیا گیٹ کے پوش علاقے میں اختیار کر لی تھی۔ ساتویں مالے پہ دو بیڈ روم والا یہ فلیٹ بے حد پُر آسائش خوبصورت تھا۔ دُلہن کو تحفے میں ملنے والی اس رہائش گاہ کی چند نمایاں خُوبیاں تھیں...... سامنے دُور تک موج

نیلگوں سمندر...... سمندری پرندوں کی اُڑانیں' انڈیا گیٹ کا نظارہ...... لانچوں کشتیوں' جہازوں اور کروزروں کی آمد و رفت' ایک طرف پُرشکوہ تاج محل ہوٹل اور سونے پہ سہاگہ دُور حاجی بابا کا سمندر سے اُبھرتا ہوا مزار تھا' جہاں سارا دن بھکاریوں' عقیدت مند زائرین کے پرے کے پرے لگے رہتے۔ سپید موتی کی مانند گنبد پہ لہراتا ہوا پھریرا اور رات کو جھلمل جھلمل کرتی ہوئی روشنیاں' دل میں عجیب سی طمانیت بھر دیتیں۔ شور و غوغا سے یکسر پاک یہ علاقہ اس لئے بھی اہم اور منفرد تھا کہ یہاں عوام الناس کی رسائی نہ تھی۔ اس کے راہ راستے شارع عام نہیں تھے۔ پھیری' ریڑھی' خوانچہ فروش تو کیا' یہاں آوارہ کتوں بلیوں' کوّوں کا بھی کوئی تصور نہ تھا۔ زمین سے خاصی اُونچی اور آسمان سے بے حد و بے قیاس نیچی یہ رہائش گاہ' عین سنبل سُہانی کی ضرورت و خواہش کے مطابق تھی۔ جدھر اُسے کوئی دیوانہ زچ نہ کر سکے۔ کوئی چتا کالا کُتا اپنی بے ہنگم کرخت اور منحوس آواز سے آزار نہ کرے...... وہ شور و شغب' شر و شورش سے کوسوں دُور رہنا چاہتی تھی۔ وہ اب شاید تنہائی و یکسوئی کی زندگی گزارنا چاہتی تھی۔ یہی ہُوا کہ یہاں پہنچ کر وہ بظاہر بڑی پُرسکون دکھائی دیتی تھی۔ اس کا سوداگر شوہر' اس پہ دل و جان سے فدا تو تھا ہی' اس کی دلجوئی اور دلبستگی میں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسے احساس تھا کہ بیگم کو کون سی چیزوں کی ضرورت ہے اور کن کی [illegible] کی خواہش [illegible] پھیری والے جیم کولیز پہ اٹھا [illegible] اور بابا [illegible] شاہ [illegible] قبرستان والے مزار کے گرد [illegible] اسی بار [illegible] محفوظ کروا کر گورکے کا پہرا اٹھوا دیا۔ نئی نئی شادی رہائش کی تبدیلی اور درمیان اک فاصلہ' ظاہر ہے اب وہ پہلے جیسی گورستان والی روزانہ کی حاضری ممکن نہ رہی تھی۔ صابر دیوانے اور کالے کتے کا الگ کھٹکا...... اوپر سے ڈاکٹروں سیانوں کا مشورہ کہ تنہائی قبروں مزاروں' [illegible] ملنگوں اور کتوں [illegible] دور [illegible] رہے تو بہتر ہے۔ شوہر بے چارہ شوہر سے کہیں زیادہ عاشق تھا' اس کے ہر معائب و محاسن کا خُوب ادراک رکھتا تھا۔ وہ نامحسوس طور پہ اس کے بچاؤ اور بڑھاوے کے لئے کوئی نہ کوئی لائحہ عمل تیار کرتا ہی رہتا تھا جبکہ گھر میں آسائش و آسودگی کی ہر نعمت سے تھی۔

کہتے ہیں کہ جس کے گھر میں بھینس موجود ہو اُسے باہر سے دودھ لینے کی ضرورت نہیں ہوتی...... پر کیا کیجئے کہ انسان فطرت' ایک ہی کھونٹے پہ بندھے رہنا گوارہ نہیں کرتی...... گھر کے نعمت خانہ میں کیا کچھ موجود نہیں ہوتا ہے لیکن پھر بھی لوگ باہر کے کھانے کھاتے ہیں۔ اسی طرح وفا' شفقت' محبت' عزت' حسن و علم اور پاک و حلال کے حاصل ہوتے ہوئے بھی یہ سیماب صفت انسان' خصومت' نفرت' حماقت' مکروہ حرام اور بے وفائی و بددیانتی کا مظاہرہ کرنے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ...... پل میں پھنگری پل میں بتاشہ' یعنی یہی بشریت کا خاصہ کہ اسے کہیں ثبات نہیں...... یہ ثابت رہ ہی نہیں

سکتا...... تغیر، تساہل، تلون، تململاہٹ، توہم، تنفر، تفاخر، تنقید، تلابیلی وغیرہ اِس کی ہتھیلی پہ دھرے رہتے ہیں۔ ناک کی سیدھ چلنے...... قطار، قرینہ، قول میں قائم رہنے سے اِس کی کایا کانپنے لگتی ہے۔ اس کی ایسی کلپن مٹی کہ پوری حیاتی کد کدورتی اور کل کل میں ہی گزر جاتی ہے۔

وقت کا پہیہ، تبدیلی کا تیل دینے سے ایک بار پھر جیسے تیسے رواں ہو گیا تھا۔ اُصول حرکت ہے کہ زندگی میں یکسانی نہیں ہوتی۔ جن عناصر، آوازوں، سوچوں، خیالوں سے بدکی ہوئی وہ یہاں نئی پناہوں میں پہنچی تھی، وہی اَب یہی چیزیں شدید شد و مد سے اِسے اپنی جانب کھینچتی ہوئی محسوس ہونے لگیں...... ڈھول، دھمالے، قوالیاں اور کُتوں کے بھونکنے کی آوازیں۔ نشے کی ٹوٹ والا جس طرح دیوانہ وار اپنی خوراک کے حصول کے لیے سرگرداں ہوتا ہے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے حاصل کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ اِسی طرح اَب اس کی حالت بھی ہونے لگی...... جدید ساؤنڈ سسٹم پہ فلم والیم کھول کر ڈھول قوالیاں سنتی...... کتوں کی آوازیں سننے کے لیے کھڑکیاں کھول دیتی...... اُسی پرانی دُوربین سے حاجی بابا کے مزار کے نظارے دیکھتی رہتی...... شوہر بچے سب کچھ دیکھتے سمجھتے ہوئے بھی خاموش اور صبر کرنے پہ مجبور تھے...... اس کی تو "اُف اللہ! کچھ کہہ بھی نہیں سکتے" والی طبیعت تھی...... بس جی ہاں جی اور جی ہاں!

پرانی شاہراہ پٹی سے بائیں بغل زاویے بارکی باڑ کو چھوڑ دو تو ایک پتلا سا بازار رکھتا ہے...... پھول پتے سست بازاری کے تحفے تحائف، جل پوری، بھوجن کھاجے، تسبیحاں، سُرمے، ٹوپیاں...... سیپوں گھونگوں کے زیور، کھلونے۔ مچھلی، ناریل، جل پری [illegible] کے سلا دو وغیرہ...... ڈھلوان سے اُترتے ہی سامنے نیلے سمندر میں اِک ٹوٹے بجرے کے مانند دمکتا ہوا حاجی بابا کا مزار نظر آتا ہے...... لگتا ہے جیسے مہربان مہان ساگر نے چنبیلی اور چمپا کے پھولوں اور کلیوں سے بھری ٹوکری، اپنے کشادہ بازوؤں میں تھام رکھی ہو۔ بل کھاتی ہوئی اِک پتلی تنگ سی پگڈنڈی، جس کے دونوں اطراف پتھر اور کنکریٹ کے بڑے بڑے بلاک پڑے ہوئے اُدھر سامنے درگاہ شریف تک دراز دکھائی دیتے ہیں۔ اِس تنگ سے راستے کو جو رات کے وقت ڈوب کر سمندر کا حصہ بن جاتا ہے نہ تو سڑک کہا جا سکتا ہے اور نہ پگڈنڈی...... یہ کوئی درمیانی سی چیز ہے جس کے دو رویہ پیشہ ور بھک منگے چیونٹیوں کی مانند چمٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ بوڑھے جوان بچے، عورتیں، لولے لنگڑے، اندھے...... غرضیکہ ہر نوع قبیل کا فقیر، فقرا یہاں اپنی اپنی الاٹ جگہ پہ دھرا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ تو وہ جو ازل ازیل سے پیدا ہی یہیں پہ ہوئے۔ کچھ وہ جو بولی دام دے کر اِدھر دھندے پہ آ بیٹھے۔ ان کا کمال ہے کہ یہ اُس زائر سے بھی دان بھکشا نکلوا لیتے ہیں جس کے پاس زہر پھانکنے کو پھوٹی کوڑی تک نہیں

ہوتی۔ آمنے سامنے دو رویہ براجمان' ان گرگانِ باراں دیدہ کے درمیان سے ہر گزرنے والا' ان کے لئے دُھر لیا ہوتا ہے۔ اگر کوئی دُھر لیا اپنی ازلی خساست یا دامن و جیب کی غربت کی بنا پہ بِن دیئے دِلائے سامنے سے گزرنے کی جُرأت کرتا تو یہ اسے بدشبدی سے ایسا گُل حکمت کرتے ہیں کہ وہ غریب مارے شرم و غیرت خود کہیں سے مانگ تانگ کر اِن کے ماتھے مار جاتا ہے...... دُور درگاہ شریف تک پہنچتے پہنچتے عقیدت مند بے چارہ ان فقیروں کی آہ و زاریاں' دُعائیں بددُعائیں سُن سُن کر اور جیبیں جھاڑتے جھاڑتے بے حال و کنگال ہو جاتا ہے اور اگر کچھ چھدرا چھدام بچ جاتا ہے تو وہ اندر ممبئی کے پاکٹ ماروں اور قاعدہ' بے قاعدہ قوالوں کے کام آ جاتا ہے۔

● خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا......!

سُنبل سہانی کے مرحوم اُبا کی شکار والی دُوربین' یہاں بھی اس کے کام آئی۔ سمندر جانب کھڑکی کھولے وہ پہروں دُوربین سے حاجی بابا کے مزار اور سمندر [illegible] جزیرے کا نظارہ کیا کرتی جبکہ [illegible] سے گزرنے [illegible] پڑے دونوں زائرین اور فقیروں کے سروں سے اس کی دُوربین' ساحلی کونجوں کی سی بے اعتنائی سے گزر جاتی تھی۔

وہ بھی ایک [illegible] کی صبح تھی۔ خلافِ معمول وہ جلد بیدار ہو گئی تھی۔ صبح کے معمولات اور شوہر کے ناشتہ پانی سے فراغت کے بعد یہ [illegible] دُوربین تھامے کھڑکی [illegible] آ گئی...... صبح صبح سمندر کی نم دار ٹھنڈی پُروائی اِسے تازگی سے بھگو سی گئی۔ دُور تک سامنے پھیلا ہوا شانت سمندر' صاف شفاف نیلا آسمان...... آبدار کُھلے سیپ اور تابدار موتی کی مانند دمکتا ہوا گُنبد اور مزار...... طبیعت بڑی مسرور ہوئی...... ہوا سے لہراتی لٹ اڑوسنے کی کوشش میں دُوربین جو جھولی تو ایک نیا منظر سامنے تھا...... صابر دیوانہ' مزار کے صدر دروازے سے کچھ پہلے دائیں جانب سمندر کے بریتے میں اُبھری ہوئی ایک چھوٹی سی چٹان کے اُوپر یوں پھیلا سمٹا بیٹھا تھا جیسے ایک مشہور تصویر میں خوبصورت سی جل پری' موجوں لہروں کے اندر اُبھری ہوئی چٹان پہ بڑی اک ادا سے بازو ٹکائے بیٹھی ہوئی سمندر کی سکندر بختی کا نظارہ کر رہی ہے۔ اِسے وہ اتنی دُور بیٹھا ہوا بھی رگِ جاں کے قریب لگا۔ دُوربین کے عدسے گھما پھیرا کر بڑے انہماک سے اُسے دیکھنے لگی۔ معاً اس کے کانوں میں وہی جانی بُوجھی بھوں بھوں کی آواز ٹکرائی' گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا' مگر اِدھر کوئی ہوتا تو دِکھائی دیتا۔ کتّا تو کیا اِدھر آس پاس تو کوئی کبوتر کا بچہ تک نہ تھا۔ کوئی سراغ نہ پا کر دُوربین دوبارہ آنکھوں پہ لگالی......

اللہ! یہ کیا؟ صابر دیوانہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا اور کُتّا بھی لپک لپک کر اِدھر دیکھتے ہوئے بھونک رہا تھا۔ وہی کُتّا، جس پہ اُس نے اپنے پسٹل کا پورا میگزین خالی کر دیا تھا...... صابر دیوانے کی متوحش نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اُس نے اپنی دُوربین کُتّے پہ مرکوز کر دی...... حیرت دوچند ہو گئی جب اُسے یہ احساس ہوا کہ اُس کے کانوں پہ ہتھوڑے کی مانند پڑنے والی بھوں بھوں اُسی کُتّے کی ہے جو اس سے کم وبیش ڈیڑھ دو کلومیٹر دور ہے...... اپنا وہم دُور کرنے کی خاطر اس نے آواز اور کُتّے کے جبڑے کی حرکت کی جانب توجہ دی۔ معلوم ہوا کہ یہ اُسی کی ہی بھوں بھوں ہے۔ اَب یہ جاننا اس کے لئے ضروری نہیں تھا کہ اتنے فاصلے سے یہ بھوں بھوں سننا...... نگاہوں کا آپس میں ملنا، کیونکر ممکن ہے؟

ہر ذی نفس پہ وقت، زمانہ یا سَماں...... اس کی باطنی، وجدانی اور فکری فہمی حالت، کیفیات اور محسوسات کے مطابق اثر پذیر ہوتا ہے...... وہ اگر اس اہل ہو اور چاہے تو رَخشِ عصرِ رواں کو لگام دے سکتا ہے یا مہمیز کر سکتا ہے۔

وقت [illegible] کے دل کی دھڑکن جیسے رُک سی گئی تھی۔ وہ سنگِ مرمر کے اس کتبے کی مانند جو کسی جوانمرگ کی قبر پہ گڑا ہوا [illegible] اور حروف حسرت آیات [illegible] نظر ڈالنے کا موقع بھی [illegible] سکا ہو، کھڑی تھی...... وقت [illegible] رکے [illegible] دین و دنیا اخلاقی [illegible] معاشرتی تقاضے کہیں پیچھے بہت دور رہ گئے تھے۔ ایسے پل کسی [illegible] متروک پُل کے پایوں کی مانند ہوتے ہیں جن پہ جمی کائی کا رنگ بھی سانولا گیا ہوتا ہے اور بھول چکے ہوتے ہیں کہ [illegible] بہتا، شوریدہ و تند و تیز پانی، ان کو گدگداتا، چھیڑ چھاڑ کرتا ہوا کسی وشال ساگر کے ملن کے ارمان میں آگے بڑھ جایا [illegible] سنائی ہوئی ساعتیں دُوربین [illegible] صابر دیوانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اور بھوں بھوں کی بھونکار پہ کان لگائے کھڑی رہی...... پھر تب کہیں اَمر کی کوئی کلی چٹک کر غنچہ بنی اور وہ پیچھے ہٹی...... جھٹ پٹ تیار ہوئی کالا پیرہن زیب تن کیے کشمیری ڈابے کی چادر مکھ شانہ کی...... برہنہ پا میرا کی مورنی سی چال، حاجی بابا کے مزار کی جانب نکل آئی کالے کُتّے نے شروع بازار سے ہی اُس کا بھونک کر استقبال کیا تھا۔ جو غور کیا تو یہ وہی کُتّا تھا جس پہ پسٹل کا میگزین خالی ہوا تھا۔ شروع گردن، پسلیوں اور پچھلی ٹانگوں تلے گولیوں کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے...... پر کیا مجال جو اس کے برتاؤ دکھاؤ میں کہیں شکوہ رنجی یا خفگی دکھائی ہو۔ وہ دُم ہنٹر کی مانند [illegible] ساڑھے چار قدم آگے یوں طمطراق چل رہا تھا جیسے کسی ملکہ کی آمد پہ کوئی درباری چوبدار ہٹو بچو میں [illegible] ہے...... دیوانوں، مستانوں، طوفانوں...... بگولوں آندھیوں اور اندھوں کے لئے راہ رستے آپ ہی [illegible] جایا کرتے ہیں...... گرد و پیش سے بے نیاز وہ اَب پکی راہ سے اُتری، روکاوٹیں پھلانگتی ہوئی سمندر کی [illegible]

تربت پہ اُتر آئی تھی اور بہت آگے سامنے ایک جہازی پتھر پہ صابر دیوانہ بیٹھا اس کو آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

روزمرہ معمول کے مطابق دو چار بار ٹیلیفون گھمایا مگر سوداگر بچّے کو کوئی جواب موصول نہ ہُوا...... بلڈنگ کے نگران سے پتہ چلا کہ وہ صبح ہی عجیب و غریب حال حُلیے میں باہر نکل گئی تھی...... اَندر کا طوطا تائیں تائیں کرنے لگا کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہونے والا ہے...... گھر پہنچا تو پنجرہ خالی تھا۔ نیم وا کھڑکی کے پاس میز پہ فوکس کی ہوئی دُوربین دھری تھی...... معاملہ سمجھنے میں دیر نہ لگی۔ دُوربین اُٹھا کر سامنے سمندر کی جانب دیکھتے دیکھتے مزار شریف پہ آ ٹکا۔ چنانچہ وہاں اِدھر اُدھر دائیں بائیں تاک جھانک کرنے لگا کہ شاید وہ کہیں دِکھائی دے جائے۔ کھوجو تو کہیں ملتا نہیں، نہ مانگو تو سامنے دھرا ہوتا ہے...... کافی دیر اِدھر اُدھر دیکھتا بھالتا رہا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ مایوس ہو کر نیچے اُتر آیا کہ مزار پہ جا کر تلاش کرے۔ اس کا اندر بول رہا تھا وہ یقیناً یہیں کہیں ہوگی...... تو چندی جمعرات اچانک اس کے دماغ میں پٹاخہ سا پُھوٹا کہ آج نیلم سنگھ کی برسی بھی تو ہے۔ چند روز پہلے سنبل نے یاد دہانی کرائی تھی کہ اس تو چندی جمعرات وہ نیلم سنگھ اور بچّے کی فاتحہ دلوائے گی۔

عام [illegible] عصری، معرفی، اَرضی سماوی اور رُوحانی اعتبار سے بھی اس روز کی بڑی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ ولیوں، قطبوں، قلندروں اور فقیروں دُرویشوں کے [illegible] مزاروں پہ انوار کی بے تحاشا چھما چھم ہوتی ہے...... قرآن خوانی، دُرود و صلواۃ میں اک خاص لُطف و اثر دَر آتا ہے۔ عالم برزخ میں صالح اَرواح [illegible] اور شادمانی محسوس کرتی ہیں۔ مُستجاب دُعاؤں، اَوراد و تسبیحات کے تحفے اور ثمرات انہیں بہ وسیلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی جانب کھنچتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ مدینہ پاک، نجف اشرف، بغداد شریف، قونیہ قدیمہ، اجمیر گوشہ، دہلی دربار، پاکپتن شریف، داتا نگری میں رُوحانی میلے لگتے ہیں...... حمد و نعت، قول و قوالی کی محافل سجائی جاتی ہیں۔ لنگر تقسیم ہوتے ہیں اور اس روز نصف شب، چند ایسے لمحات بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں جب فرش سے عرش تک عبد سے معبود تک اور دُعا سے قبولیت تک اک روشن لکیر کھنچی ہوتی ہے...... تو طے چندرما کے مُکھ پہ اک ایسی تجلی اور گدرلی حیا کا ہالہ ہوتا ہے کہ کبھی تو وہ کسی چندر مُکھی کے کان کا بالا اور کبھی وہ کسی شیشہ تن کی گردن کے گرد گوزگاؤں کے کھِلے گلابوں کی مالا دِکھائی دے۔ اُوپر نگاہ کریں تو عجیب و غریب بکتی جھمکتی چنگاریوں کے انگوں والے نُورانی طیور تر میرے فضاؤں اور نگاہوں میں تیرتے سے محسوس ہوتے ہیں۔ یوں کہیئے کہ تو چندی جمعرات گذشتہ سے پیوستہ گردشِ ایام میں اک شب برأت کی مانند ہوتی ہے کہ بہجت افروزیوں کی بُوچھاریں ہرا نگ سنگ

کو گدرائے رکھتی ہیں...... ہر چند یہ بھی دیکھا کہ سودائے عشق اور جذب و جنوں میں بندھے گندھے ہوئے مزید مبتلائے ابتلا ہو گئے...... کچے گھڑوں کا پانی اُبل پڑا...... سیندوری مچھلیوں کے غلاف جھڑ گئے۔ سلاسل خود بہ خود ٹوٹ گریں...... قفس بند پڑے رہے اور پنچھی اُڑ گئے...... یہ بھی کہ جگنوؤں کے قمقمے لہرانے لگے...... تتلیوں کے پروں کا سنہری بنفشی، قرمزی غبار اُجل سا گیا۔

عشق ہی جانے کہ سنبل سہانی کو آج نوچندی جمعرات، سمے کی کون سی لہر بہا کر اپنے ساتھ سمندر تک لے گئی تھی وہ کوئی بے اختیاری تھی، مجبوری یا مقسوموں کی کوئی گرفت...... اِدھر یہ بندۂ عشق و مشک، مہر و وفا و حیا کشتۂ تسلیم و رضا، اسے کمال تندہی و استقامت، یہاں انسانی مجوسے کے کھلاڑے میں سوئی کی مانند کھوج رہا تھا۔ اُدھر اندھیرا کہ لمحہ بہ لمحہ کسی کنویں میں اُترتا چلا جا رہا تھا...... مغرب کی اذان تک وہ تھک ہار کر چور ہو چکا تھا۔ نماز دُعا کے بعد اس نے ایک بار پھر تلاش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ قوالوں کا پنڈال، خواتین کی محفل، مسجد لنگر خانہ، ڈھول دھمال کے ٹھکانے وغیرہ مگر اُسے اِدھر نہ ملنا تھا لہٰذا وہ نہ ملی۔

سورج ابھی اپنا مکھڑا صحیح سے ڈھانپ نہیں پاتا کہ سمندر کا شوریدہ سر پانی، اُترے ہوئے کناروں کی جانب [illegible] چڑھنا شروع ہو جاتا ہے [illegible] پھر [illegible] دیکھتے [illegible] شریف کے [illegible] بڑے اور پتھریلے ٹیلے [illegible] آہستہ آہستہ ڈوبنا شروع ہو جاتے ہیں...... پکی رہگذر پہ دن بھر کے [illegible] بھک منگے اپنے تام جھام سمیت یا ادھر مزار شریف کی جانب بڑھ آتے ہیں یا پھر اُدھر شروع کے بڑے بازار اور بس اسٹینڈ کی طرف نکل جاتے ہیں کیونکہ سمندر کا پانی اب اس تنگ سے پتھریلے راستے پہ بیٹھنا چلنا مشکل کر دیتا ہے۔ خاص طور پہ نوچندی جمعرات اکثر یہ [illegible] چھلانگ پھلانگ کر آتے جاتے ہیں...... وہ بھی یہی سوچ کر اُٹھ آیا کہ پانی بڑھنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائے...... گرمی، حبس، اژدھام اور تلاش میں ناکامی نے اسے خاصا پژمردہ کر دیا ہوا تھا۔ آتے جاتے لوگوں کے سیلاب میں وہ بھی ایک خشک و خستہ چوب کی صورت تھپیڑے دھکے کھاتا ہوا واپس پلٹ رہا تھا کہ ناگاہ اس کی نگاہ بائیں جانب نیم ڈوبے ہوئے ایک بڑے سے پتھر پہ پڑی۔ بھیگی شام کے ملگجے میں اُسے سنبل سہانی کو پہچاننے میں قطعی بھی دقت نہ ہوئی...... یا وحشت! صابر دیوانہ پاس بیٹھا کالا کُتا اور پاؤں میں بیٹھی بکھری، اُس کی بیوی وہ بھیڑ میں سے کہنیاں اٹکاتا ہوا باہر نکل، کنارے کی باڑ پہ آ لگا...... دم مارے ہوئے سرسراتی بانجھ ہوا اور بے طرح و حکم چیل، ہانپا ہانپی اور اس پہ مستزاد یہ آنکھیں پھوڑتا ہوا منظر...... اُسے یوں لگا جیسے وہ ریزہ ریزہ ہو کر سمندر کی ریت بن جائے گا...... دیکھ رہا تھا کہ پہلے کُتا بھونکتا ہے بعد دیوانہ اور پھر؟...... یہ سب کچھ دیکھ سن کر اس کے ہوش غوطہ مار گئے...... للعجب! یہ کیا؟ تینوں ایک سی آوازیں، جنہیں سُن کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ

ان تینوں بھونکیوں میں دو بھونکیاں کہیں انسانوں کی بھی ہو سکتی ہیں۔ خاصی دیر وہ ٹکٹکی باندھے بھونکیوں پہ کان دھرے اُدھر دیکھتا رہا…… اس کی سمجھ سے بالا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ بلا ارادہ اس نے بائیں جانب گردن موڑ کر حاجی بابا کے مزار کی جانب دیکھا۔ سچے موتی کی مانند چمکتے سپید گنبد پہ جوت جگی ہوئی تھی…… پیچھے کہیں ایلی فنٹا جزیرے کی اوٹ میں کہیں نئے بھسم ہو رہا تھا کہ دُور تک آسمان پگھلے تانبے کی مانند تپ رہا یا شاید دن بھر کا تپا ہارا سورج' ساگر اشنان لے رہا تھا کہ اُپ کی چھینٹوں سے ہوی ہوائیاں چھوٹی پڑی تھیں۔

سوداگر بچے کا ایسی بے چارگی کی حالت میں گنبد کی جانب دیکھنا اس امر کا غماز تھا کہ وہ اُدھر سے امر لینا چاہتا ہے۔ اچانک سمندری کونجوں کی ایک ڈار گنبد شریف کی اوٹ سے نمودار ہوئی…… نیم اندھیرے میں ان کے سفید سراپے خوب چمک رہے تھے لگتا تھا کہ باغ بہشت سے نورانی پرندے آج نوچندی جمعرات کے موقع پہ حاجی بابا کے مزار پہ سلام کے لئے پہنچ رہے ہیں…… اُدھر مزار شریف کی جانب سے ٹھنڈی ہوا کا ایک تریرا اس کے بدن کو گدگداتا ہوا گزر گیا۔ تسکین وطمانیت کی ایک یخ بستہ سی لہر [illegible] لہرا سی گئی…… یقیناً یہ صاحب مزار کی جانب سے عطائے شرف تھا۔ سکون وسکت کا سانس لے کر دوبارہ اسی جانب دیکھنے لگا جدھر وہ تینوں سب [illegible] راہ سے نیچے گیلے بریتے [illegible] پانی تھا کہ ہلکورے لے لے کر بڑھتا چلا آ رہا…… ظاہر ہے سوداگر بچے کا رُخ اسی پتھریلے چھوٹے سے ٹیلے کی جانب تھا جدھر اس کی دوبار بننے والی بیوی' اک دیوانے اور ایک عجیب وغریب کالے کتے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ وہی کتا' جس نے شاید اسی جون جنمے میں دوبارہ جنم لے لیا تھا جس میں وہ چھ گولیاں کھانے سے پیشتر موجود تھا۔ [illegible] کے دیکھ کر بھونکتا ہوا نیچے بریتے پہ اُتر آیا تھا جبکہ سوداگروں' دریوزہ گروں' مسافروں اور لشکریوں کے راہ راستے کتوں کے بھونکنے سے مارے نہیں جاتے۔ سوداگر بچہ' گھٹنوں اوپر پانی میں اُدھر بڑھتا جا رہا تھا۔ کیا مجال جو سنبل سہانی اور صابر دیوانے نے آنکھ اُٹھا کر بھی اسے اک نظر دیکھا ہو…… جبکہ اِدھر اُدھر سے کچھ شہدے شاہد باز اور آوارہ لونڈے بھی اِدھر آ لپکے تھے۔ مکھیاں' ملوڑے اور مچھندر وغیرہ کسی کے بلائے ہوئے نہیں ہوتے وہ تو گاد گندگی' شیرا' [illegible]' ملغوبہ' عجوبہ' سونگھ پا کر خود بہ خود ہی کھنچے چلے آتے ہیں۔ اِدھر ایک جٹ دھاریہ ننگ دھڑنگ ملنگ اور ایک سیاہ پوش خوش شکل کنول کا پھول' شام کا جھٹپٹا…… ہلکورے لے لے کر سمندر کا چڑھتا بڑھتا ہوا پانی اور بیچ پانی' اُٹھی ہوئی چٹان اور ایک عجیب ہیئت والا کالا کتا…… جو اپنی اوقات سے کچھ آگے بڑھ بڑھ کر بھونک رہا تھا۔ یہ سب کچھ ان تماش بینوں کے لئے اک تماشا ہی تو تھا۔ پاس پہنچ کر سوداگر بچے نے کیا دیکھا کہ کتا تو بھونک ہی رہا ہے مگر اس کے ساتھ یہ دونوں بھی باری دے دے کر بھونک رہے ہیں…… وہ کچھ اور آگے بڑھ گیا کہ شاید

نیم اندھیرے میں کچھ صحیح سے دکھائی نہ دیا ہو...... اب حیرت سے اُس کا مُنہ کھُل گیا، وہ دیدے پھاڑے دو انسانوں کو بھونکتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

کسی طور چٹان کے اُوپر چڑھا، سنبھل سنبھل آوازے دے کر اُسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا مگر وہ ایسے بھونکیاں دے دے کر اُس کی جانب بڑھی جیسے کوئی کُتیا حملہ کرنے کے لئے اُچھل اُچھل لپکتی ہے۔ وہ بھونچکا سا پیچھے ہولیا...... کیا کرے اور کیا نہ کرے سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اِسی کدمد میں اندھیرا مزید پھیل گیا...... ساحل کی جانب بڑھنے والی جھاگیلی لہروں کے ساتھ، دن بھر کا پھینکا گیا کوڑا کرکٹ' کیلے، املی، پیپل کے پتوں کے بنے ہوئے دونے، جن میں کھانے پینے کا سامان دیا جاتا ہے۔ پلاسٹک اور شیشے کی بوتلیں...... سمندری گھاس اور لمبی لمبی لہروں والی اُلجھی ملجھی سیاہ سبز کائی وغیرہ...... یہ الم غلم اِس کے پاؤں سے لپٹ کر مشکل پیدا کر رہا تھا، اُدھر لونڈوں لوگوں کے شُشکارنے سے بھی اِن کتوں نے اِک ہنگام بے لگام بپا کر رکھا تھا۔

کُتے، سمندر اور گنبد میں اِک قدر مشترک ہوتی ہے کہ وہ کسی کا اُدھار اُٹھا نہیں رکھتے۔ سمندر میں جو ڈالو گے وہ شام کے بعد واپس ساحل پہ اُگل دیا جائے گا اور گنبد تو اگلے ہی لمحے لوٹا دیتا ہے جبکہ کُتا اپنا اُدھار قسطوں میں [illegible] بھونک بھونک کر ادا کرتا ہے...... سوداگر بچہ [illegible] شریف آدمی تھا اور شریف آدمی کسی شیر چیتے سے بھڑ کر اپنی انتڑیاں تو اُدھڑوا سکتا ہے مگر کُتے سے اپنی پنڈلیاں اور پائینچے پھڑوانا پسند نہیں چاہتا۔ بارے بہادر سے بہادر آدمی بھی کُتے سے اُلجھنا پسند نہیں کرتا۔ کنی کترا کر گزر لینا ہی مناسب سمجھتا ہے۔

لاشعوری طور پہ پیچھے ہٹتے ہٹتے دربار کی پتھریلی رہگذر کے ساتھ آ لگا۔ نگاہوں کے سامنے انسانوں کی بجائے اب غیر واضح سے دھبّے سے دکھائی دینے لگے تھے۔ ساحل سے ٹکراتے پانی کی شڑپ شڑاپ، اُدھیرے میں اُبھرتے ڈوبتے تاریکیوں کے سائے، سمندری کونجوں کی کرلاہٹیں اور ابابیلوں کی پھُرت پھُریریاں اِک عجیب ساحزنیہ منظر پیش کر رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ طویل دورانیے کا یہ المیہ کھیل اب اپنے المیہ انجام پہ پہنچ چکا ہے۔ بس اب ''دی اینڈ'' دکھانا باقی ہے۔ اپنے سامنے اپنے گھر کو جلتے پھنکتے اور اپنی کشتی کو ڈوبتے ہوئے دیکھنا یا اپنی بے مُراد تمناؤں اور بانجھ خواہشوں کو دھواں دیتی حسرتوں کی تابوت میں اُترتے ہوئے ملاحظہ کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ مگر اِس سوداگر بچے کے کلبوت میں ملتانی گل کچھ یوں گُندھی گدری تھی کہ ہر دُکھ درد اور مایوسی ومحرومی اِس سے ٹکرا کر خود شرمندہ ہو جاتی...... سوداگر بچہ تھا۔ نقصان کو بھی کاروباری انداز میں برداشت کرنے کا عادی...... دوبارہ وقوع پذیر ہونے والے اِس قضیئے کو بھی اُس نے محبت کے کاروبار میں گھاٹے کی مد میں ڈال دیا...... دیر تک کھڑا ٹکٹکی باندھے اُدھر تکتا رہا...... پھر دیکھتے ہی دیکھتے خاصا اندھیرا چھا گیا اور پانی اُس کی کمر تک آ لگا تھا۔ بدیر رات کے دوسرے پہر تک وہ اُبھری ہوئی چٹان بھی گردن تک ڈوب چکی تھی جس

پہ صابر دیوانہ، سنبل سہانی اور کُتا بیٹھے تھے۔ اب بھی وقفہ وقفہ سے تینوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ اُدھر رات کسی تھکے ہارے مسافر کی مانند محوِ سفر تھی اور وہ کسی حنوط کیئے ہوئے پیکر کی طرح اُدھر نگاہیں جمائے ساکت و جامد کھڑا تھا۔

سمندری پانی سینے سے اُٹھ کر ٹھوڑی سے اٹھکھیلیاں کرنے لگا تھا۔ اچانک چند سمندری پرندے بُری طرح چیختے ہوئے اِس کے اُوپر سے گزرے تو اِسے جھنجھونا سا آ گیا۔ اب جو بے دھیانی میں جھکائی لی تو نمکین تلخ پانی منہ میں بھر آیا۔ آ تھوکا تو بے طرح کھانسی چھڑ گئی...... کھانستے کھانستے کہیں پانی ناک کے راستے دماغ تک چڑھ گیا۔ سیاہ سبز ترمرے پھیلتے ہی ہوش و حواس مختل ہو گئے۔ بھاری جسم کسمسایا اور وہ سیلابی ریلے کے آگے ریت مٹی کی دیوار کی مانند ڈھے گیا...... آدھی رات، کون تھا جو اُسے دیکھتا؟...... اُدھر وہ چٹان بھی پانی سے برابر ہو گئی ہوئی تھی۔ ساری اٹھکھیلیاں دَم توڑ چکی تھیں اور اُدھر نامراد سوداگر بچّے کو سمندری پانی اپنی گود میں بھر کر کسی نامعلوم پُرسکون جگہ بہالے گیا۔

گیٹ وے آف انڈیا کے مقابل ایک پانچ ستاروں والے ہوٹل کے کمرا نمبر [illegible] میں مقیم ایک بوڑھے نے خواب کی سی کیفیت میں دیکھا کہ تین کُتے باہر [illegible] کے پاس کھڑے [illegible] رہے ہیں...... بوڑھا پریشان [illegible] لینی شروع کر دیتا ہے...... بوڑھے کے لیے حیران کن کہ اس نے اس پانچ ستارہ ہوٹل میں دروازے پر [illegible] لینڈی کُتے؟

''بابا جی سرکار[illegible]!'' اچانک سرخیل کُتے کی بھوں بھوں کی بھونکار، انسانی آ[illegible] میں بدل گئی تھی۔

''میں تمہارا اچھو، صابر [illegible]......!''

بارے اس طوالانی قصۂ المناک، بتانا یہ مقصود تھا کہ انسان کی وجدانی رُوحانی کیفیات اور اس کے بطونی رُجحانات و میلانات اِسے کیسی کیسی انجانی بیجانی راہوں پہ چلا کے کسی بے طلب منزل کی جانب دھکیل لے جاتے ہیں...... ہزاروں لاکھوں سال کنکروں، پتھروں، کوئلوں کی تزئین و تہذیب ہوتی ہے، تب کہیں کسی کو ذاتِ یکتا بے بہا کا اعزاز نصیب ہوتا ہے۔ راہِ عشق، سلوک و فقر پہ نامرادیاں، بے ثباتیاں، رُسوائیاں اور بے اعتنائیاں سنگِ میلوں کی مانند گڑی ہوتی ہیں...... ناتراش پتھروں اور آزار پیشہ کانٹوں بھولوں، آندھیوں طوفانوں سے واسطہ رہتا ہے۔ غرضیکہ ابتدا انتہا، اِبتلا ہی مقدور رہتا ہے۔

میں نے کُتوں کو ایسے ایسے مدارج پہ متمکن دیکھا کہ اُن کی قسمت پہ رشک آیا۔ کھیل کود، ناچنے کودنے، دوڑنے والے یا سرکس کے کُتے، گھوڑے تو ویسے ہی بڑے قیمتی، خاص الخاص اور نجیب النسل ہوتے ہیں۔ اِن

کی قدر و توقیر محض اُن کی خوبیوں، خُو خصلت اور مادی مفاد کی خاطر ہوتی ہے مگر عام کُتے جنہیں ہم لینڈی، لوفر یا آوارہ بازاری کہتے ہیں اور جن کا بہ ظاہر کوئی والی وارث نہیں ہوتا، ہوٹلوں کے پچھواڑے، مرگھٹوں، مذبح خانوں کے آس پاس بھی پائے جاتے ہیں، آپ جانیں کہ ان میں بھی بڑے بڑے نادر دانے ہوتے ہیں۔

سگ شناسی بھی ایک علم اور فن ہے۔ اللہ پاک نے اس کائنات کو اپنے پیارے محبوب کی خاطر تخلیق فرمایا اور اسی محبوبی حوالہ سے یہاں کی بیشتر مخلوقات کو انسان کا رفیق بنا دیا اور ان مخلوقات میں چنداں ایسی خُو خُوبیاں، خصوصیات اور حسیات ودیعت کیں جو جنّات اور انسان کے حصّے میں بھی نہیں آئیں...... بہ ظاہر حقیر، نجس، منحوس، بے مقصد، بدطینت سمجھے جانے والے جاندار بھی بہت سی جہتوں اور حجتوں میں یوں ارفع ہیں کہ ہم اپنی دُنیاوی، علمی اور رُوحانی تربیت وتہذیب میں اُن کی طرف دیکھتے ہیں، اُن سے مدد لیتے ہیں۔

مغربی حکمت دانوں، مفکروں، موجودہ علومِ عقلی کے عالموں، ماہرین حرب و عسکریت اور پرفارمنس آرٹ کے فنکاروں نے کتے، کبوتر، کوے، بلی، شکرے، اُلو، مچھلی، گدھے، گھوڑے، چمگادڑ حتیٰ کہ چوہے، مولے جیسے بہ ظاہر حقیر جانوروں سے بھی خاصا کام لیا۔ ان سے سیکھا، بہت فائدے اُٹھائے، آج بھی ان کی وہی اہمیت موجود ہے۔ زراعت، آب پاشی، زیرِ زمین ترجیحات، [illegible] برق اور گیس [illegible] پیغام رسانی، بارشوں، طوفانوں [illegible] تک اِن جانوروں سے رہنمائی حاصل کی گئی۔ پچھلی عظیم جنگوں کے علاوہ لاتعداد حربی معرکوں میں کتوں، کبوتروں، شکروں، چوہوں نے ایسی ایسی معرکتہ الآرا خدمات سرانجام دیں کہ عقلِ انسانی بھونچکا ہو کر رہ گئی...... پرندوں نے ہوائی جہاز بنانے سکھائے، مچھلیوں، وہیلوں، شارکوں، ڈولفنوں اور کچھوؤں سے بحری جہاز، کشتیاں، آبدوزیں، ہوور کرافٹس، سمندری کاریں اور موٹر سائیکل معرضِ وُجود میں آئے۔ مولوں، چوہوں، سانپوں اور خرگوشوں سے سرنگیں اور زیرِ زمین اقامت گاہیں بنانا سیکھا۔ عقاب نے لنکارڈ کا تصور دیا۔ ریڈار، سیلولر ٹیکنیک، ریڈیو وائرلیس اور لاسلکی ٹیکنالوجی چمگادڑوں، ابابیلوں، کتوں، بلیوں سے حاصل ہوئیں۔ اندھیرے میں دیکھنے کا ڈھنگ ابابیلوں، چمگادڑوں، اُلوؤں سے لیا...... شب خون مارنے کے طریقے بھی انہی سے سیکھے...... بلندی سے نیچے اور نیچے سے اُوپر آنا چڑھنا، گرنا، پانیوں، ہواؤں میں تیرنا بھی انہی کی مرہونِ منّت ہے۔ شکار کرنا، زخمیوں، بیماروں کا علاج بھی جانوروں سے سیکھا، موسموں کی شناخت اور اُن کے مضرت سے محفوظ رہنا، نقشے بنانا، گھر بنانا، کپڑا بننا، لکڑی کا کام، گانا بجانا، سُر اور تال کی پہچان، رنگ آمیزی وغیرہ سیکھنے میں یہ جانور ممد ثابت ہوئے۔

یوں تو سب ہی جانور اپنی اپنی جگہ پہ کسی نہ کسی مخصوص خُوبی وخصلت کے اہل ہیں بااین ہمہ چند ایک بہت اہم ہیں...... ان میں کُتا سب سے پہلے ہے۔ گھوڑا، کوا، بلی، شہد کی مکھی، مکڑی، چیونٹی وغیرہ یا اسی نوع کے

دیگر جانور بعد میں ہیں۔ جو اسرار اَوصاف عقلیہ و باطنیہ کُتّے میں موجود ہیں کسی اور میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ یہ واحد جانور ہے جو جنوں' ذواتِ قدسیہ' حاملانِ افلاکی اور بلیاتِ ارضی و سماوی کو اپنی آنکھوں سے بغیر کسی درمیانی حجاب' دیکھ سکتا ہے جبکہ گھوڑا ہلکی سی گن مُن' سایا یا آوازیں سُن سکتا ہے فی الوجود نہیں دیکھ سکتا۔ بلّی' محض آہٹ کی گن مُن یا پھر خوشبو بدبو کو محسوس کر سکتی ہے۔ اس قسم کی صورتِ حال میں اکثر دُم سمیٹے دُڑ دوٹ کر کسی کونے کھدرے میں پڑ جاتی ہے۔ گھوڑا محض تھان پہ کھڑا پاؤں پٹکتا ہے یا ہنہنا کر اپنی بے چینی کا اظہار کرتا ہے۔ اب صرف کُتّا ہے جو اُن کے پیچھے لپکتا ہے بھونک بھونک کر بھگاتا ہے...... اُن کی موجودگی کی خبر دیتا ہے۔ بعض کُتّے تو اُن سے بھڑ کر اپنی جان پہ کھیل جاتے ہیں...... نقب زن' ایسے پولیس یا چوکیدار سے نہیں ڈرتے جتنا وہ گلی محلّے کے کُتّے سے یرکتے ہیں۔ اس سے طاغوتی ابلیسی طاقتیں بھی خاصا ہٹ کر رہتی ہیں۔

کیونکہ یہی ایک ایسا ارضی جانور ہے جس کا شیطان الرجیم کے ساتھ روزِ اوّل سے اَٹ کُتّے کا وَیر ہے۔ پرانے زمانے کے بڑے بوڑھے گھر میں کُتّا ضرور رکھتے تھے۔ کہتے تھے کہ گھر میں اک کُتّا رکھنے سے کئی دین و دُنیا کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ چوکیداری رہتی ہے' شر شرار' بھوت پریت سے حفاظت اور دشمن خبردار رہتا ہے' گھر کے رزق' پانی میں برکت کے علاوہ شکار کے کام بھی آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی وفا سیکھنا چاہے [illegible] تو وہ کُتّے سے بھی کچھ اخذ کر سکتا ہے۔ انسانیت کے لیے بھی اس کی خدمات گراں قدر ہیں۔

حیوانِ ناطق یعنی انسان کے بعد کُتّا ہی ایک ایسا حیوانِ مطلق ہے جو اپنی حیاتی اوصاف اور عقل و فہامت کے باعث قدر و قیمت کا اہل ٹھہرتا ہے۔ آپ نے انسانوں کے لیے بڑی بڑی پرتعیش اقامت گاہیں' تفریحی مقامات' ہوسٹل ہسپتال' آرائشی سیلون' سینما' سونا باتھ اور ورزش گاہیں دیکھی سُنی ہوں گی...... مگر کُتّوں کے لیے یہ مخصوص جگہیں' انسانوں کی جگہوں سے کئی گنا زیادہ قیمتی اور خوبصورت ہیں۔ ممبئی کے علاوہ برِ صغیر پاک و ہند میں کہیں کُتّوں کے باقاعدہ ہوسٹل' کلینک' ریسٹورنٹ ہوٹل نہیں۔ اس کے علاوہ دُنیا بھر میں ان کے لیے مخصوص ہوسٹل اور ہوٹل' ان کے بیوٹی سیلون' جدھر ان کی ہیر کٹنگ' میک اپ' فیشل' مساج' ورزش اور سوئمنگ ڈائٹنگ کا انتظام ہوتا ہے۔ ان کی رہائش کے ہوٹل' انسانوں سے زیادہ مہنگے ہوتے ہیں۔ ان کی حفاظت' دلبستگی اور ٹریننگ کے لیے بہترین ڈگری ہولڈر سٹاف ہوتا ہے۔ کوچ' بٹلر اور ڈاکٹر...... کُتّے کسی ملکہ' بادشاہ کے ہوں یا بیوروکریٹ یا کسی جاگیردار کے...... ایکٹریس کے ہوں یا کسی گلوکار کے وہ بہترین توجہ اور پروٹوکول پاتے ہیں۔ فوج میں کُتّے' کیپٹن' میجر کے عہدوں تک ہوتے ہیں۔ پولیس کے کُتّے افسر ہوتے ہیں۔ جیلوں میں یہ قابلِ اعتماد چوکیدار' عالمی انسدادِ منشیات کے اداروں' ایئرپورٹس' نیوکلیئر پلانٹس اور اعلیٰ سرکاری دفاتر کی سیکورٹی پہ

معمور...... برف زاروں میں' جہاں انسانی وسائل کام نہیں آتے وہاں ان کی خدمات قابلِ تحسین ہوتی ہیں۔ جھیلوں دریاؤں میں ڈوبنے والوں کو بچانا۔ آگ' سیلاب طوفانوں سے قیمتی جانوں کو نکالنا۔ والٹ ڈزنی کی معرکتہ الآراء فلموں میں ان کے کارنامے دیکھ کر انسان ششدر رہ جاتا ہے۔ کُتوں کی تاریخ کے مطالعے سے کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے کہ اِن کے انسانیت کے لئے کیسے کیسے کارنامے اور احسان ہیں...... ایسے ایسے عظیم مفکر سائنسدان' مغنّی و مصور جنہوں نے اپنی تمام زندگی ان کی مونست و ہمدمی میں بسر کر دی۔ اُن کی بہترین یادوں میں کُتے شامل رہے۔ انسانوں کی اِس دُنیا میں اس انسان نے جو کچھ ترکے کے نام پہ کُتوں کے لئے مختص کیے۔ وہ اُس نے اپنی آل اولاد کے لئے نہیں کیا...... چشمِ حیرت کو مزید وا کرنا مقصود ہو تو یورپ امریکہ کے کسی کُتوں کے قبرستان میں تشریف لے جائیں' آپ ششدر رہ جائیں گے...... ایسی ایسی خوبصورت اور فنِ تعمیر و آرائش کی شہکار قبریں کہ حیرت پیدا ہو کہ ہمیں ایسی نصیب ہوں گی کہ نہیں...... سنگِ ابیض اور سنگِ سیاہ کے تراشے ہوئے استادہ تعویذ...... سرہانے کی قیمتی لوح پہ پوری داستانِ زندگی خاندان باپ دادا کا نام ــــ وطنیت اور نمایاں کارنامۂ ہائے حیات...... شادیاں' اولاد...... عادات و مشغلات وغیرہ اطلاع کنندہ کہ جیسے یہاں کُتا دفن نہ ہو کوئی سپہ سالار یا کسی شاہی خاندان کا کوئی فرد محوِ استراحت ہو۔ مثلاً [illegible] سلسلہ رکھ کر بنائی ہوئی یہ نادر قبر [illegible] باپ [illegible] ہیں ویسی [illegible] امر کی بھی دلیل ہیں کہ خیر و خوبی اور وفا و حیا کو خراجِ تحسین پیش کرنا اعلیٰ انسانی وطیرہ بھی ہے...... اس کے لئے زندہ یا مُردہ ہونا ضروری نہیں ٹھہرتا۔ انسان یا حیوان ہونا بھی شرط نہیں...... کُتوں کے نام پہ ٹرسٹ' خیراتی ادارے' سکول کالج موجود ہیں...... جانوروں سے کام لینا' اُن سے سیکھنا اور پیار کرنا کوئی مغربی ممالک سے سیکھے۔

سورۃ الجاثیہ میں اللہ کریم فرماتے ہیں۔ ''اس زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا' سب کچھ اپنے پاس سے بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''...... ہم اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو واضح محسوس ہوتا ہے تمام مخلوقات اور اس کے تشرفات اِنسانیت کے لئے وقف ہیں۔ ہر عنصر میں اُس کے لئے سامانِ تعمیر پیدا کیا گیا ہے۔ یہ سب تدبّر و تفکر کے مقامات ہیں اِن میں غور کرے' سمجھے اور جانے' پھر اُنہیں حاصل کرے' اپنے رَبّ کا شکر گزار بندہ بنے۔

کیسی عجیب بات کہ دُنیا بھر میں توقیر اور تذلیل' دونوں صیغوں میں لفظ کُتے کا استعمال عام ہے۔ اعلیٰ اَوصاف کے لئے بھی اور اَدنیٰ معاملہ میں بھی...... دیکھا جائے تو اسفل' اعلیٰ دونوں حالتیں اس کے ہاں موجود ہیں۔ جو بیک وقت ہم میں کراہت' نفرت اور محبت و عزت پیدا کرتی ہیں یعنی کُتا' اصولِ فطرت کے تحت' اچھے بُرے دونوں رُخ رکھتا ہے۔ اچھائی بُرائی دونوں معاملوں میں وہ کُھلم کُھلا ہے کہیں منافقت و مصلحت

سے کام نہیں لیتا۔ جو کچھ کرنا ہوتا ہے بیچ چوراہے میں کر گزرتا ہے۔ رُسوائی پٹائی کا خوف اِسے چنداں ہراساں نہیں کرتا۔ کُتّا' کُتّے کا وَیری...... ایسی بھی کوئی بات نہیں وہ لڑائی بھڑائی غیرت میں آ کر گزرتا ہے۔ ہڈی' علاقہ گلی' محبوبہ' مالک پہ اگر کوئی دوسرا غلط نگاہ ڈالے گا تو وہ یہی کچھ کرے گا...... کہتے ہیں وہ اپنے ہی خون کا مزہ لے لے کر ہڈی بھنبھوڑتا رہتا ہے۔ ٹھیک ہے اُس کا اپنا خون ہے مزہ لینا اُس کا حق بنتا ہے۔ اِنسان بھی تو اپنے خون کا ہی مزہ لیتا ہے۔ ایک اور اَفترا ملاحظہ ہو' "دھوبی کا کُتا گھر کا نہ گھاٹ کا"...... اِس میں کُتّے کے لئے بُرائی کا پہلو کہاں نکلتا ہے۔ کُتّا' دھوبی کا ہے' گھر کا یا گھاٹ نہیں...... دھوبی گھر ہوگا تو یہ بھی اِدھر ہوگا اگر وہ گھاٹ پہ ہے تو اِسے بھی وہیں ہونا چاہیے۔ اصل میں یوں کہنا چاہیے' کُتّے کا دھوبی' گھر کا نہ گھاٹ کا...... ایسی ہی ایک اور شرمندہ سی ضرب المثل مشہور ہے۔ "رنڈی کا کُتا سب کا یار"...... اَب میرے نزدیک' مالکن کے احباب سے خیر سگالی کے تعلقات اُستوار رکھنا [illegible] وفاداری کی دلیل میں آتا [illegible] نہ کہ۔ اِس میں کُتّے کی رذیلی کا کوئی رُخ نمایاں ہوتا ہے۔ اِسی طرح ایک اور ضرب المثل "کُتّے تیرا نہیں تیرے خصم کا منہ مارتا ہے" یہاں اِس مہربانی میں بھی کُتّے کے خصم کی عزت وقدر ہے جو بلاواسطہ کُتّے کی بھی عزت افزائی ہے...... اِسی طرح اور بھی بے شمار کُتّے ہیں...... سگِ لیلیٰ' اصحابہ کا کُتا' فقیر کا کُتا' کارواں اور سرائے' بھٹیارے کا کُتا...... قصائی اور چمار کا کُتا...... خان [illegible] ذرا اُن کُتوں کا بھی تصور کیجیے جو دُنیا بھر میں لاکھوں اندھوں کی آنکھیں بنے اُنھیں متحرک رکھتے ہیں۔ دُنیا بھر کے کُتوں کی عاداتِ قبیحہ ایک سی ہوتی ہیں۔ ویسے کُتوں کُتوں میں بھی کئی کُتوں کا فرق ہوتا ہے۔

آپ نے ڈبا پیر' سائیں سنگھاں والا' بابا چھتری والا' سائیں [illegible] والا...... لتاں والی سرکار' بابا سوا لکھ' ٹنو سائیں سرکار...... بابا گھوڑے شاہ' نوری بوری والی سرکار...... بابا تنکے' کوڑا پیر' پیر پگاڑا' پنج پیر' ٹکی سرکار' بلیاں والا بابا' چڑیاں دا چوگا دربار' بابا سک مٹراں' کچی دربار جیسے برگزیدہ ہستیوں کے نام یقیناً سُن رکھے ہوں گے۔ ایسے المشہور قسم کے نام دراصل اُن کے اصل نام نہیں ہوتے' اُن کی کسی خاص چیز میں دلچسپی یا کسی عادتِ ثانیہ کی وجہ سے خاص وعام میں مشہور ہو جاتے ہیں جو بالآخر اُن کا نشان یا پہچان بن جاتے ہیں یا پھر اُن کا کوئی تصرف یا کرامت کے شاخسانے میں اُن کے صفاتی نام منظرِ عام پہ شہرت پکڑتے ہیں۔

● بُلھے شاہ کے کُتّے......!

کراچی سے بذریعہ سڑک داتا سرکارؒ کی نگری لاہور آتے ہوئے درمیان ایک گاؤں جو بڑی شاہراہ

کے کنارے پہ واقع ہے اپنے ایک معتقد بچے سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی' وہ بچہ لاہور میں ملازم اور ہر جمعرات داتا صاحب میرے پاس آتا تھا' یہ شریف الطبع بچہ' اکثر مجھے اپنے گاؤں آنے کی دعوت دیتا رہتا تھا۔ لیکن میں چاہنے کے باوجود کبھی اس کی یہ معصوم سی خواہش پوری نہ کر سکا۔ شومئی اتفاق کہ کراچی سی پورٹ سے مجھے اپنی گاڑی بذریعہ سڑک لانی پڑی' دو بچے بھی تھے جو ڈرائیونگ کے لئے ساتھ تھے۔ اب بھول یہ ہوئی کہ یاد ہی نہ رہا گاڑی آٹومیٹک ہے جبکہ وہ معمول گاڑی چلانے والے تھے۔ اس حال مجھے مجبوراً ڈرائیونگ کرنی پڑی۔ میں بوڑھا' ناتواں ایسی لمبی ڈرائیونگ کا کہاں متحمل ہو سکتا تھا...... دن کی روشنی میں تو کسی نہ کسی طرح میں گاڑی کھینچ کھانچ لیتا لیکن رات کی ڈرائیونگ میرے لئے ممکن نہیں ہوتی...... سامنے والی گاڑیوں کی لائیٹ میں مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ میرا پروگرام تھا کہ ہم ملتان پہنچ کر قیام' آرام اور طعام کریں گے لیکن سڑک خراب ہونے کی وجہ سے راستے میں ہی شام ہوگئی۔ [illegible] تے ہی لب سڑک آبادی دکھائی دی ذرا آگے آئے تو پاس ہی کسی مسجد سے اذان کی آواز ابھری...... میں نے ذرا آگے مسجد کے مینار دیکھتے ہی گاڑی کچے [illegible]...... مسجد کے باہر ہی بیت الخلاء بنے ہوئے تھے۔ جلدی جلدی طہارت کی' اندر پہنچے وضو کرتے کرتے جماعت کھڑی ہو چکی۔ پچھلی صف میں کھڑے ہو گئے...... نماز ختم ہوئی دائیں جانب سلام پھیر تو وہی لاہور وا [illegible] ا تھا۔ نماز ختم ہوئی تو وہ میرے ہاتھ چومنے لگا حیران و پریشان سا پوچھنے لگا۔

''بابا جی! خوش آمدید! دیر آید درست آید' آپ تشریف لائے تو......''

میں نے مختصراً اسے اپنی سفری روداد سنائی...... اسے میرے ساتھ اس طرح عقیدت سے پیش آتے دیکھ کر اور نمازی بھی میری جانب متوجہ ہوئے۔ اچھا خاصا مجمع لگ گیا...... وہ لوگ' میرے کالے کپڑے' انگوٹھیاں' مالائیں منکے دیکھ کر کوئی اونچا پیر فقیر سمجھ رہے تھے۔ یہ حال دیکھتے ہوئے میں نے اس بچے سے کہا۔

''بھائی! مجھے یہاں سے نکال لے چلو۔''

وہ ہمیں مسجد کے پیچھے' دو گلیاں آگے ایک کشادہ سے مکان میں لے آیا۔ میرے اصرار کے باوجود اس نے ہمیں ادھر ٹھہرنے پہ مجبور کر دیا...... جب میں نے اپنے ڈرائیور ساتھیوں کو بھی اس کا ہمنوا دیکھا تو اس شرط پہ رات ٹھہرنا منظور کیا کہ سویرے سویرے ہی نماز کے بعد ہم یہاں سے چل دیں گے۔ اب میرے نصیب میں آرام یا نیند کہاں' کھانے پینے کے دوران ہی لوگوں کا آنا جانا لگ گیا...... یہ میرا میزبان بچہ' جس کا نام جمشید تھا۔ دکھائی یہی دیا کہ اس نے یہاں میری الٹی سیدھی ہوا باندھی ہوئی ہے۔ جو آ رہا ہے ہاتھ چوم رہا ہے معانقہ ہو رہا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کمرا بھر گیا اور مجھے پلنگ پہ مسند لگا کر کسی پیشہ ور پیر کی طرح بٹھا دیا گیا

سوچنے لگا۔

الٰہی! میں کس مصیبت میں پھنس گیا۔ دل ہی دل میں دُعا کی' مالک! مجھے اِن اندھے عقیدتمندوں سے بچا...... وقتِ قبولیت تھا۔ ایک معتبر سا بوڑھا شخص اندر داخل ہوا۔ مجھ سے نپٹنے کے بعد اس نے اعلان کیا۔

''حضرات! نمازِ عشاء کے فوراً بعد ہمارا قافلہ سنگ دار بابا کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ بس اور ویگن سامنے چوک میں کھڑی ہیں۔ ڈھولوں اور چادر والا جتھہ' بس کے اُوپر بیٹھے گا۔ لہٰذا' تمام سنگ دار بابے کے دیوانے' نماز کے فوراً بعد بس میں بیٹھ جائیں۔ یہ آخری اعلان ہے......!''

میرا اُوپر کا سانس اُوپر اور نیچے کا نیچے۔ میں ہکا بکا سا کبھی اس بزرگ کو اور کبھی اپنے ''بزرگ'' بچے جمشید کو دیکھ رہا تھا۔ سنگ دار بابا! معاً میرے دماغ میں کوندا سا لپکا۔ کاواں والی سرکار' گھوڑے شاہ سرکار' منو سائیں' بلیاں والا بابا اگر ہو سکتا ہے تو سنگ دار بابا کیوں نہیں ہو سکتا۔ یہ سارے جانور اللہ کی مخلوق ہیں اُس کی حمد وثناء کرتے ہیں۔ جمشید سے اس ہماہمی میں کچھ کہنے سننے کا موقعہ نہ مل سکا۔ نماز کے فوراً بعد میں نے اُسے گلی میں پکڑا۔ ایک کونے میں لے جا کر کہا۔

''بھائی! ہم نے آرام کر لیا کھانا بھی کھا لیا' تمہاری خواہش پوری ہو گئی۔ اب ہمیں مت روکو...... ہم ملتان کسی ہوٹل میں [illegible] کریں گے صبح دم لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے...... ہاں یہ سنگ دار بابا کون ہے؟ ذرا جلدی بتاؤ......!''

وہ میری بات درمیان سے دولخت کرتے ہوئے بولا۔

''بابا جی! باقی تمام بہانے تھے آپ کو [illegible] کے...... [illegible] آپ کو سنگ دار سرکار نے ہی یہاں روکا ہے۔ آج آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں...... میرا وعدہ کہ آپ بہت مسرور ہوں گے۔''

میں نے گہری نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تم کس بھرتے پہ کہہ رہے ہو......؟''

وہ سر نیوڑ کر بڑے ادب سے بولا۔

''بابا جی! میری گردن مار دیجئے گا اگر میری اس بات میں سرِ مو بھی فرق نکلے......''

وہ میرے آگے سے سر نہ اُٹھاتا اگر وہی اعلان والا بزرگ درمیان میں نہ آ جاتا...... جمشید یہاں سے ہٹ کر انتظامات میں لگ گیا...... میرے ساتھی بچے ہاتھ باندھے میرے عقب میں کھڑے میرے کسی فیصلے کے منتظر تھے کہ دیکھئے پروانہ اِدھر آتا ہے یا اُدھر جاتا ہے؟

میرے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے بس اور ویگن بھر گئیں۔ جدھر جسے گنجائش ملی وہ وہیں پہ الفی ہو گیا......

چھت پہ ڈھول تاشوں والے بیٹھ گئے تھے۔ جنہیں اُوپر یا اندر بیٹھنے کے لئے جگہ میسّر نہ ہوئی وہ بَس کے باہر اور پیچھے لٹک گئے۔ میں دیکھ دیکھ خوش ہو رہا تھا کہ چلو' بَس ویگن میں جگہ نہ ہونے کی بناء پہ جان چھُوٹ جائے گی...... اَب جو دیکھا جمشید خراماں خراماں میری جانب چلا آ رہا ہے۔

''بابا جی! آئیے' سب تیار ہیں بس آپ کا اِنتظار ہے۔''

''بیٹا! ایک تو میں بَس میں سفر نہیں کر سکتا' دوسرے ویگن میں بھی تِل دھرنے کو جگہ نہیں' ہم تین چار افراد کہاں بیٹھیں گے؟''

''بابا جی! آپ کے لئے موٹر کار کا بندوبست ہے۔ آپ آرام سے کُھلے ڈُھلے جائیں گے...... بس آدھے پونے گھنٹے میں اِنشاءاللہ ہم وہاں ہوں گے۔''

اپنا یہ حیلہ بھی بیکار جاتے دیکھ کر میں نے اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑا۔

''برخوردار! کسی عُرس میلے میں شرکت کرنا میرے پروگرام میں شامل نہیں تھا۔ میں مسلسل اٹھارہ گھنٹے سے ڈرائیونگ کرتا آیا ہوں۔ میرے جسم کی ایک ایک چول ہلی پڑی ہے۔ مجھے چند گھنٹے کمر سیدھی کرنے کا موقعہ ملنا چاہیے تاکہ علی الصبح دوبارہ گاڑی چلانے کے قابل ہو سکوں۔''

وہ [illegible] بڑے [illegible] سے بولا۔ ''بابا جی! آپ کا عین وقت پہ یہاں تشریف لانا بھی خالی از مصلحت نہیں...... آپ نے ملاحظہ فرمایا' آپ کی آمد سے یہاں کس قدر خوشی کا اظہار ہوا۔ کچھ لوگ آپ سے کسی تعلق کے حوالے سے بھی عقیدت رکھتے ہیں آپ انہیں......''

میں نے درمیان سے بات کاٹتے ہوئے کڑک کر کہا۔

''......اور کچھ لوگوں کو تم نے میرے بارے میں اُلٹی سیدھی ہانک کر گمراہ کیا ہوا ہے...... میرے عقل کے کچے' عُرس میلوں میں جانا' کچھ یُوں آسان بھی نہیں ہوتا...... یہ ہاتھ لگا کر واپس آنے کا کام نہیں...... جانا آسان اور واپسی اگلے کی مرضی سے ہوتی ہے۔''

وہ ستم ظریف کمال ڈھٹائی سے کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے بابا جی! وہ بَس کے پیچھے کالے رنگ کی گاڑی بمعہ ڈرائیور موجود ہے۔ بابا جی نے آپ کو بغیر کسی پیشگی پروگرام' اِدھر روکا ہی اسی لئے ہے کہ آپ کی شرکت لکھی جا چکی ہے۔ بابا جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اِنشاءاللہ آپ آج ضرور شرکت کریں گے۔ باقی اللہ جانے کون بشر ہے۔'' کہتے ہوئے میرے پاؤں کو ہاتھ لگایا اور چلتی ہوئی بَس کے پیچھے لٹک گیا...... میں بَس کے پیچھے بھاگتے ہوئے کُتوں اور لال سُرخ بتیوں کو دیکھتا رہ گیا۔

اَب میَں نے جو اپنے پیچھے کھڑے ساتھیوں کو دیکھا...... لٹکے ہوئے چہروں پہ عجیب سی پژمُردگی کھنڈی ہوئی تھی...... حیران رہ گیا کہ ان کو کیا ہُوا ہے؟

قدرے تاؤ میں پوچھا۔ ”کم بختو! تمہاری پھونک کیوں نکلی ہوئی ہے؟“

اِک دَم خیال آیا‘ مسلسل سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے ہیں لہٰذا‘ فوراً ملتان پہنچ کر کسی ہوٹل کا بندوبست کرنا چاہیے۔

”چلو‘ گاڑی سٹارٹ کرو...... ملتان پہنچ کر نہاؤ دھو خوب آرام کرنا۔ وہ جیسے بادلِ نخواستہ سے گاڑی کی جانب چل دیے۔ میَں اُن کے پیچھے کچھ فاصلہ پہ تھا۔ اَب اُس کالی گاڑی والے ڈرائیور نے جو میلے میں لے جانے کے لئے تیار کھڑا ہمارا انتظار کر رہا تھا‘ ہمیں اپنی جانب آتے دیکھ کر گاڑی کے دَروازے کھول دیئے۔ میں نے اُسے بڑے شفقت سے السلام علیکم کہتے ہوئے حال مزاج پوچھ کر کہا۔

”بیٹا! تم ہمارا انتظار نہ کرو...... ہم کراچی سے یہاں پہنچے ہیں اور ہمارا سارا شیڈول متاثر ہوگا۔“ میں نے اُس کی جیب میں سو روپے کا نوٹ ڈالتے ہوئے مزید کہا۔ ”اب ہم ملتان جا رہے ہیں‘ تم گاڑی لے کر جمشید صاحب [illegible] چلے جاؤ...... وہاں [illegible] کی طرف [illegible] اجازت کے بعد اس گاڑی اور اُس خدمت کے لئے شکریہ بھی کہا۔

● ملک کافور‘ بندۂ عجز و قصور......!

گہری مُلتانی رنگت‘ مَراکشی عُود کی سی ہلکی کسیلی سی مہک اور سُرمیلی شرمیلی آنکھوں والا یہ نوجوان‘ سڑک کی دودھیائی برقی رَوشنی میں ملک کافور لگا...... مزید دھیان سے دیکھا‘ سیاہ لباس میں وہ کالی ٹیوٹا کا ایک حِصّہ جاپ پڑا...... میں اَزلی جمال پَرست اور سیاہ مَست...... وہ کسی سیامی سانجھری سی تجلّی لئے میرے رُوبرو تھا۔

جب کوئی سولہ سنی مہ رُو‘ کسی چودھویں کے چاند کے رُوبرو آ جائے تو کسی پنجابی فلم کے گیت کا وہ ٹکڑا سماعت میں رس گھولنے لگتا ہے...... ”چن‘ چن دے سامنے آ گیا‘ میں دوہاں دے صدقے جاواں“...... اسی طرح سیاہیوں کی گھور گھٹائیں بھی جب کہیں آمنے سامنے ہو جاتی ہیں تو خُوب مدارا برتتی ہے۔

سَمپت کی بھی اپنی ایک بانت ہوتی ہے شاید ان لمحوں میں اِس سلونی دھرتی‘ سَمے کے سنجت اور سیاہیوں کے سیام بچے‘ کچھ یوں گُھل مِل گئے کہ میَں کستوری‘ عُود‘ سیاہ شہد اور مُصفّر کے آمیزے میں لتھڑ سا گیا...... چشمِ سیاہ کی ظلمت تو آتما کا فر کر کے رکھ دیتی ہے جبکہ بس بُھرے کالک چاٹے‘ چاک ہونٹ تو ہڈیاں

تک خاکستر کر دیتے ہیں۔ میں جب اتنی ساری کالکوں کے بیچ کسی جوگا نہ رہا تو خامشی کی بُکل مار لی......!

ملتانی ٹھاٹ میں کچھ شبد لہرایا لیتے ہوئے میرے کانوں سے ٹکرائے۔

''بابا جی! یہ سواری آپ کو لے جانے کے لئے بابا سنگ دار سرکار نے بھیجی ہے' جمشید نے نہیں۔''

کالی گاڑی ہمیں اپنے پیٹ میں ڈال کر روانہ ہو چکی تھی۔ پورے راستے' ڈھول تاشے' چمٹے چھینکے فرطِ عقیدت سے دھمالیں بھنگڑے ڈالتے ہوئے خوش عقیدہ زائرین...... سب کی منزل صرف ایک تھی وہی بابا جی کُتیاں والی سرکار......! کراچی سے لے کر اس گاؤں تک کی پوری فلم دماغ میں چلنے لگی۔ یہاں رُکنا ہمارے شیڈول میں نہیں تھا اور نہ ہی علم تھا کہ یہ جمشید کا گاؤں ہے۔ اذان نے ہمیں روک لیا۔ سڑک کنارے مسجد میں پہنچے...... نماز کے بعد اِس ذاتِ شریف جمشید صاحب کو اپنی دائیں جانب بیٹھا پایا۔ بہت لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ کچھ کھایا پیا۔ اب یہاں سے آگے ملتان کا قصد تھا' اچانک درمیان میں بابا کُتیاں والے کے میلے کا ذکر آ گیا...... مجھے ساتھ چلنے کی دعوت ملی۔ مگر میں یہ سوچتے ہوئے میلے کے لئے تیار نہ ہوا کہ پورا ایک دن ضائع ہو جائے گا جبکہ ایک بڑی وجہ تھکاوٹ بھی تھی۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میرے نوجوان ساتھی تھی مجھ سے میری وجہ سے دم سادھے ہوئے [illegible] کے رویے سے ان کی نیت کو بھانپ لیا تھا لیکن جو میرے پیشِ نظر تھا اُسے وہ نہیں سمجھتے تھے۔

میرے کانوں میں جمشید کے الفاظ سرگوشیاں کرنے لگے۔

''آپ کی شرکت لکھی جا چکی ہے' آپ انشاء اللہ ضرور شرکت فرمائیں گے...... بابا جی سنگ دار سرکار جو کہہ دیتے ہیں وہ پورا ہو جاتا ہے۔''

بابا اور کُتے' کُتیاں والا بابا' بابا کُتیاں والا...... سُن سُن کر محسوس ہونے لگا کہ جیسے میں بھی ایک کُتا ہوں اور مجھے کُتیاں والے بابے کے پاس ضرور جانا چاہیے...... سو اب میں وہاں پہنچنے ہی والا تھا۔ اک عجیب بات کہ پورا راستہ نہ تو کوئی بات ملک کا فور نے کی اور نہ ہی میں نے...... شاید ہم دونوں اپنے اپنے بھید گزاریوں میں پھنسے ہوئے تھے بلکہ مجھے تو یہ بھی شک گزرا کہ یہ کالی گاڑی کوئی دھاتِ میٹریل کی بنی ہوئی بلکہ اندروں پاک تے باہر پلیدی والی کوئی کالی کُتی ہے جو سارا راستہ بھونکی نہ چونکی...... تھلتھلاتے تھل کی جھول میں جھولتی ہوئی اپنے مُرشد کی جھوک میں پہنچ گئی۔ یہیں مجھے وہ کٹر ارٹ کی کالی کُتی بھی یاد آئی جسے جٹی نے 'نت چوں چوں کرنے پہ مرنے کی بدعادی تھی......!

لایا ہے تیرا شوق مجھے پردے کے باہر......!

کھٹ سے ایک اور دریچہ وا ہُوا اور میرے سامنے ایک اور کُتیا آ گئی جس کی نگاہ و دُعا سے ایک ناچنے گانے عشوہ و ادائیں بیچنے والی طوائف کے درجات یوں بلند ہوئے کہ وہ ایک اللہ والی کہلوانے لگی۔ اس کی دُعا مستجاب ٹھہرتی' اس کی نگاہ سے بڑے بڑے بگڑے ہوؤں نے راہِ ہدایت پکڑی۔ جس طرح اس قادرِ مُطلق کے عطا کرنے کی ڈھنگ نرالے ہیں اسی طرح اس کی ہدایت دینے کے بھی رنگ جداگانہ ہیں...... اصل چیز تو اخلاص و اخلاق ہے' اللہ پاک کو یہ دونوں بہت پسند ہیں۔ بندہ کیسا بھی عبادت گزار نیک و پارسا کیوں نہ ہو اگر اس کے ہاں یہ دونوں صفتیں موجود نہیں تو سب کچھ بیکار ہے۔ ایک ایسے پھول و پھل کی طرح جو خوبصورت' خوش رنگ تو ضرور ہے مگر ذائقہ اور خوشبو سے خالی...... کام و دہن کا سامان تو بنے شاد کامیِ قلب و روح نہیں۔

یہ طوائف اپنے قماش کے حساب سے ایک پیشہ ور طوائف ضرور تھی مگر اس کے اندر اخلاص و اخلاق کی ننھی سی قندیل کہیں روشن تھی...... بالکل ایسے ہی جیسے بڑے سے اندھیرے کمرے کے کسی کونے میں کوئی چھوٹا سا دیا جھلملا [illegible] اس [illegible] اندھیرے کو اپنے کرب میں چھپا کر اسے مزید ظلمت میں ڈھالتا ہے یا ان کو جذب کر کے اپنی جوت مان سے روشن کر دیتا ہے۔

یہ ایک خوبصورت سا شہر تھا۔ دریا کے کنارے آباد...... مُصوروں' موسیقاروں' [illegible] اور مسلمانوں سے بھرا پڑا...... مذکورہ ان چاروں چیزوں کی یہاں بہتات تھی۔ مسجدیں' مدرسے آباد' بنگلے باغیچے طاؤسوں سے سجے بھرے ہوئے...... اربابِ نشاط کے بازار [illegible] ایک سے ایک بڑھ کر گائیک' کلاونت' ساز کار...... [illegible] طرحدار طوائفیں' چندن چہروں والی نوچیاں اور زمانہ چشیدہ ڈیرہ دارنیاں...... یعنی چشمِ گردوں کے نیچے یہ نادر سا اک مثالی شہر تھا۔ وقت ہو گزرا کہ یہاں خشک سالی کا سماں آیا۔ کالی گھٹائیں اُمڈ اُمڈ آتیں اور بن برسے گزر جاتیں' دریا خشک اور زمین کے نیچے کا پانی' مزید کہیں نیچے اُتر گیا...... کھیتوں' میدانوں میں دراڑیں پڑ گئیں...... جھاڑ پیڑ بوٹے سُوکھ گئے۔ اب چارا پانی ختم ہونے سے مویشی جانور پرندے مرنے لگے۔ اللہ کی مخلوق بلبلا اُٹھی...... بالآخر شہر کے لوگ اکٹھے ہو کر ایک اللہ کے ولی کے پاس پہنچے اور بارش کے لئے دُعا کی درخواست کی...... اللہ کے بندے نے ہاتھ اُٹھائے...... لیکن کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ جب صورتِ حال مزید بگڑی تو دوبارہ حاضر ہوئے۔ تب اُنہوں نے فرمایا...... سب لوگ' پابرہنہ شہر کی عیدگاہ میں جمع ہوں گڑگڑا کر بارش کی دعا کریں...... لہٰذا اُن کی معیت میں اُدھر کا رُخ ہُوا۔ راستہ میں بازارِ حُسن کا کچھ حصّہ پڑتا تھا...... اللہ کے بندوں کا جلوس اس جگہ پہنچ کر قدرے عجلت سے گزرنے لگا تا کہ اِدھر کی مکروہات و منکرات سے بچتے ہوئے

عیدگاہ تک پہنچ پائیں...... اسی گزرگاہ کے سامنے مذکورِ بالا سگ صفت یعنی ظاہر نجس اور بباطن سعد طوائف کا بالاخانہ تھا۔ اس سمے وہ جھروکے میں چلمن کی اوٹ' بیٹھی بناؤ سنگھار میں مگن تھی۔ نیچے بازار ایک بے کنار ہجوم جن کا پیشرو ایک بوڑھا درویش سا شخص تھا گزر رہا ہے...... وہ ٹھٹکی کہ شہر میں یہ کیسا ہنگام ہے؟ کھٹ نیچے پنواڑی سے پتہ کروایا۔ معلوم ہوا کہ پریشان حال مخلوق' بارانِ رحمت کی نماز دعا کے لئے فلاں بزرگ کے قیادت میں عیدگاہ کی جانب رواں ہے۔

ارضی' آفاقی' وبائی' موسمی حادثاتی مصیبتوں' بلاؤں سے عموماً عوام الناس ہی زیادہ اثر لیتے ہیں۔ خواص تک ان کے اثرات ذرا کم ہی پہنچتے ہیں۔ عیش و عشرت' داد و دہش کے ماحول میں زندگی کے سنہرے دن بسر کرنے والی طوائف زادیاں کیا جانیں کہ خشک سالی کیا ہوتی ہے...... بارش نہ برسے' کنویں تالاب سوکھ جائیں...... مویشیوں اور انسانوں کو چارا' خوراک' دودھ نہ ملے زمین کھیت بانجھ ہو جائیں تو کیسی قیامت ٹوٹتی ہے۔ ان کے شبستانوں' عشرت کدوں کی رعنائیوں اور فتنہ توزیوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا...... انھیں کسی آسائش کی کوئی کمی نہیں ہوتی...... راوی ان کے لئے عیش ہی عیش اور کیش ہی کیش لکھتا ہے۔ یہ طوائف بھی کچھ وکھری [illegible] کی تھی...... اسی بازار میں رہتے ہوئے [illegible] اندر کی [illegible] تنگ گلی کی [illegible] اندھیری سیلن زدہ سی کوٹھری میں رہتی تھی۔

یوں لگتا تھا پورا شہر ہی بارش کی دعا کے لئے اس بوڑھے خستہ حال بزرگ کے پیچھے نکل پڑا ہے۔ مزید دلچسپی لیتے ہوئے [illegible] ہجوم کا جائزہ لینے لگی۔ بچے' جوان' بوڑھے۔ امیر غریب سب ہی اپنی دھن میں چلے جا رہے تھے۔ ناگاہ اس کی نظر [illegible] پڑی جو کسی نہ کسی جسمانی عارضہ میں مبتلا تھے۔ ایک لنگڑا سا شخص بُری طرح خود کو گھسیٹ گھسیٹ چل رہا تھا۔ سوچ میں پڑی کہ عیدگاہ تو شہر کے دوسرے کنارے پہ واقع ہے...... اتنا لمبا فاصلہ یہ شخص کیسے طے کر پائے گا؟ جانے اس کے من میں کیا سمائی کہ پنواڑی کو پھر حاضر کیا اور اس اللہ کے ولی کو فوری پیغام پہنچوایا کہ اے اللہ کے بندے!...... بارش کی دعا کے لئے ایسا بھی کیا کالے کوس کا سفر ضروری ہے۔ دعا تو گھر' گلی' بازار' مسجد' بے خانہ میں بھی کی جا سکتی ہے۔ یہیں بازار میں دعا کے لئے بیٹھ جاؤ...... اللہ کی مخلوق' جو پہلے ہی پریشان و خستہ حال ٹھہری ہے انھیں مزید مبتلا نہ کرو...... پنواڑی' جو اک چلتا پھرتا پرزہ تھا۔ ہوا کے دوش اڑتا ہوا' ہجوم کے آگے اس اللہ کے بندے کے پاس پہنچا...... بائی جی کا نام لے کر اس کا سلام پہنچایا بعد ازاں من و عن پیغام سنایا۔ بزرگ تو سے سنا کیے لیکن اردگرد حاشیہ برداروں نے اس رذیل پنواڑی کے خوب لتے لیے کہ اسے ایک فاحشہ کا ایسا بیہودہ پیغام لانے کی جرأت کیوں کر ہوئی...... اچھی خاصی فہمائش کے ساتھ اسے یہ جوابی پیغام

ساتھ وہاں سے بھگایا کہ تم گندگی کے ڈھیر میں غلاظت پہ پلنے والی سنڈی ہو...... شرح شریعت کے معاملات میں مشورہ دینا اور دینداروں کو دین سکھانا' نہ تو تمہارا منصب ہے اور نہ ہی تقاضا......!

پہلے پہر کے گئے ہوئے یہ لوگ کہیں تیسرے پہر لوٹے...... عین بالاخانے کے سامنے سڑک کا موڑ مڑتے ہوئے ہجوم کی اکثریت نے اِس طوائف کے کوٹھے اور نیچے پنواڑی کی دوکان پہ نفریں کی نظر ضرور ڈالی...... ایک دِن' دو' تین اور پھر چوتھا دِن بھی بیت گیا۔ بارش تو کیا کسی کی آنکھ سے آنسو تک نہ ٹپکا کہ آنکھ کے پانی کا سرچشمہ بھی تو جسم ہے اور جسم کا پانی بھی' کنویں دریا اور بارش کا محتاج ہوتا ہے۔

آنکھوں' دریاؤں' ندیوں' نالوں کنوؤں اور باولیوں کے بعد جب ماؤں کی چھاتیوں سے دُودھ بھی خشک ہو گیا تو صدیوں سے یہاں پڑے ہوئے لوگ ہجرت کا سوچنے لگے۔ اَب جو تین روز میں' لُو حبس نڈھالی سے بیس پچیس جنازے اُٹھے تو ایسی ہاہاکار مچی کہ شہر بھر میں اذانیں گونجنے لگیں۔ مسجدیں' مندر' گرجے اور گوردوارے بھر گئے...... لیکن بارش کو نہ برسنا تھا نہ برسی۔ تب فاقوں اور خشک سالی کے عذابوں سے بوکھلائی ہوئی مخلوقِ خدا' دوبارہ اُسی اللہ والے کے پاس پہنچی اور دستگیری کے لئے التجا کی اور بزرگ جو پہلے بھی ان کی درخواست پہ دُعا کر چکے تھے ان کو مشورہ دیتے ہوئے فرمانے لگے

''میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن یہ میرے بس کا کام نہیں۔ فلاں جگہ ایک تارک الدُنیا دُرویش پڑا رہتا ہے...... مجھے یقین ہے کہ اگر وہ زبان ہلا دے اور ہاتھ اُٹھا دے تو یہ بارش و رحمت والا کام ہو جائے گا...... اب یہ ہجوم خستہ حالاں اُس بزرگ کی رہنمائی میں' تارک الدُنیا دُرویش کے پاس پہنچے...... اُنہوں نے ساری بات سن کر فرمایا۔

''مالک کی مرضی میں دخل اندازی' آدابِ بندگی کے خلاف ہے...... میں سرے سے دُعا مانگتا ہی نہیں اور اگر کبھی مانگنی ہی پڑے تو یہی مانگتا ہوں...... اے مالک! ہم تیرے غلام بندے ہیں تُو جو چاہے کرتا ہے اور یقیناً بہتر کرتا ہے۔ مالک کے آگے کلام نہیں کیونکہ مالک خود ہی کلام ہے...... مالک کو اُلٹا پڑھ کر دیکھ لو' کلام ہی آئے گا۔ الحمدللہ علیٰ کُلِ حال...... جن کا وِردِ زندگی ہوتا ہے اُن کی زبانیں شکوہ و شیون سے آلودہ نہیں ہوتیں۔''

نہایت اَدب سے کہا گیا۔ ''حضرت! آپ مقامِ فنافی اللہ پہ فائز ہیں آپ کا یہی فرمانا بنتا ہے...... ہم دُنیاداری کی گندی موری کے غلیظ کیڑے ہیں' اچھوں کے ساتھ بُروں کو بھی جینے کا حق دلوائیں۔ خلقِ خدا بُری طرح بلبلا اُٹھی ہے۔ بچے' بوڑھے' جوان' بیمار اور جانور پانی کے قطرے قطرے کو ترس گئے ہیں۔ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے! انسانیت کے نام پہ بارانِ رحمت کے لئے دُعا فرمایئے۔''

بزرگ، کچھ خاموش رہنے کے بعد فرمانے لگے۔ ''بہتر! چلئے، ہم سب اُس مالکِ ارض و سما کے حضور، گڑگڑا کر اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور بارش کے لئے نمازِ استسقاء کا اہتمام کرتے ہیں۔''

اَب پھر ایک ہجوم...... جس کے آگے آگے ایک عجیب الحُلیہ درویش تھا، اُسی راستے پر چلتے چلتے جب بازارِ مصر میں پہنچا تو وہی زنانِ بازاری، بصدِ اہتمام طرحداری اُسی جھروکۂ جمال گاہی میں جلوہ نما تھی...... وہی غلغلہ وہی شور جب سنائی دیا تو چلمن سرکا کر دُوہ لی تو معلوم ہوا وہی عشرہ قبل والا ہی قصّہ ہے۔ جانے کیا دل میں سمائی کہ نیچے سے پنواڑی کو طلب کر کے پھر اک نیا پیغام، اُس نئے درویش کو پہنچایا۔

''بابا! اتنے سارے ہجوم کو اِتنی دُور لے جانے کی زحمت کیوں دے رہے ہو؟ جبکہ یہ لوگ ایک دو بار پہلے بھی وہاں جا کر دُعا نماز کر چکے ہیں۔ آپ میرے کوٹھے کی سیڑھیاں چڑھنے کی زحمت گوارہ فرمائیں اگر آپ کا کام اِدھر ہی ہو جائے تو اِتنی دُور جانے کی کیا ضرورت......؟''

درویش نے تو ابھی کچھ جواب نہ دیا تھا کہ دائیں بائیں کے لوگوں نے پہلے کی طرح اس پنواڑی کی گردن دبوچ لی۔

''[illegible] پہنچا [illegible] باپ [illegible] ہے جو راستہ کاٹ جائے [illegible] ہوا کام بگڑ جاتا ہے۔'' ہجوم میں چند لوگ بے طرح اس پہ پل پڑے۔

چار چوٹ کی کھا کر وہ درویش کے قدموں پہ پڑ کر گھگھیایا۔

''باوا! میں مائی جی کا [illegible] ہوں جیسا حکم دیتی ہے میں بجا لاتا ہوں۔ جو پیغام دیا آپ تک پہنچا دیا۔ اَب آپ جو چاہو سلوک کرو......؟''

باوا جی نے اُسے پاؤں سے ہٹا کر کھڑا کیا...... زیادتی کی معذرت چاہتے ہوئے بڑی رسان سے پوچھا۔

''یہ آپ کی مائی جی، کون ہیں کہاں ہیں......؟''

اس سے پیشتر کہ وہ کوئی جواب دیتا۔ ایک واقف کار بیچ میں پھٹ پڑا...... سرکار! یہ کسی مائی جی کا ملازم نہیں بلکہ اس بازارِ حسن کی مشہور، بدنام زمانہ طوائف جنداں بائی المعروف جی جان جی کا بھڑوا ہے۔ آپ اس کمین کے منہ نہ لگیئے۔ اتنا کہنے کی دیر تھی کہ طوائف کا یہ فرستادہ اک بھیانک سی چیخ کے ساتھ لوٹ پوٹ ہونے لگا...... یہی تکرار کہ مائی جی! اسے معاف کر دیں یہ اَنجان ہے کچھ نہیں جانتا۔ بھوک پیاس نے اسے بے لگام کر دیا ہے۔'' اَب وہ باوا جی سے مخاطب ہوا...... ''حضور! میں نے مائی جی کا پیغام پہنچا دیا ہے مجھے

اجازت دیں۔‘‘ وہ اپنے پھٹے ہوئے لباس اور مضروب ہاتھ پاؤں سہلاتا ہوا اُٹھا اور ہجوم سے باہر نکل گیا۔

اَب لوگوں نے باواجی کے لئے راستہ کھولتے ہوئے عیدگاہ کی جانب چلنے کی درخواست کی۔ اُنہوں نے کمالِ استغنا سے فرمایا۔

’’لوگو! تم مجھے کیوں ساتھ لائے ہو......؟‘‘

یکبارگی کئی ایک پُکار اُٹھے...... ’’اللہ ہم پہ رحم کرے ہمارے گُناہ معاف فرمائے...... بارش‘ رحمتِ باراں...... آپ بارش کی دُعا کریں۔ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ خدا آپ کی سنتا ہے وغیرہ وغیرہ۔‘‘

آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے خاموشی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

’’لوگو! یہ فیصلہ بہت مشکل ہے کہ کون اچھا‘ کون بُرا ہے۔ کس کے ہاں اخلاص ہے اور دکھاوے والا کون ہے۔ کوئی بائی ہے اور کون مائی ہے میں تو اِتنا جانتا ہوں کہ بارانِ رحمت کے لئے دُعا اُس کی قبول ہوگی جس کا اخلاص اللہ کے ہاں قبول ہوگا...... اور سُنو! جو اللہ سے حیا کرتا ہو‘ اللہ بھی اُس سے حیا کرتا ہے۔ بازارِ حُسن سے [illegible] کر گزرنا...... کسی طوائف [illegible] کر نظر [illegible] گھولنا‘ نظر بھر [illegible] کرنا‘ چہ جائیکہ وہ ایسے ہی کیوں نہ ہو پھر بھی یہ کہنا بجا نہیں...... [illegible] زبان میں [illegible] چاہیے۔ کون جانے کہ سرمد کے پردے میں کون جل رہا ہوتا ہے۔‘‘

گنگ منگ سے لوگ باوے کے پیچھے ہو لیئے مگر باوا کا رُخ عیدگاہ کی جانب نہیں تھا اُس پیامبر کی طرف تھا جو چار چوٹ کی کھا کر لنگڑاتا ہوا جی جان جی کے بالاخانے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ ہجوم میں کانا پھوسی ہونے لگی کہ یہ باواجی‘ اللہ کے گھر کی بجائے اِک طوائف کے کوٹھے کی طرف جا رہے ہیں...... اُس طرف بالاخانے کے جھروکے میں کھڑی جی جان جی دلچسپی سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ عین نیچے وہ باوا آ کھڑا ہوا‘ چاروں اطراف‘ اشراف بھی کھڑے ہیں بازاری تماشبین‘ بارش کی دُعا اور مالک کی رضا والے بھی...... شاہد باز بھی اور حیا نواز بھی...... اُدھر بازار میں تل ڈالنے کی جگہ خالی نہیں‘ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے‘ کھڑکیاں‘ جھروکے بالکونیاں‘ چھت منیرے بازاری عورتوں سے طومارے ہوئے کہ اک تماشا لگا ہوا تھا۔ اُوپر سے وہی پنواڑی نیچے اُترا‘ پیغام لایا۔

’’بازار میں یوں ہجوم نہ کیجئے...... اُوپر تشریف لائیں لیکن اکیلے...... کسی مولوی وولوی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں...... ‘‘ پنواڑی یہ پیغام زبانی اور باآوازِ فراوانی سنا رہا تھا۔

باوا تو حسبِ طریق شانت تھے مگر دائیں بائیں والے‘ اُن کے طوائف کے کوٹھے پہ اکیلے جانے اور

مولویوں کی ایسی تحقیر پہ بھڑک اُٹھے تھے۔ اُنہوں نے باواجی کو یہاں سے نکلنے اور عیدگاہ کی جانب چلنے کی درخواست کی۔ باواجی نے بڑی خندہ پیشانی سے جواب میں کہا۔

''آپ کو آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے سے...... میں آم پیڑ سے اُتارتا ہوں یا آک سے آپ کو اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے...... مناسب ہے کہ سب لوگ اِن پہلے والے صوفی صاحب کی معیت میں عیدگاہ تشریف لے جاویں۔ میں اِنشاءاللہ عصر کے قریب وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

عام سادے سے لباس میں ایک ناتواں سا بُوڑھا' جس کی زندگی زُہد و تقویٰ میں گزری تھی جو جونکیں پالتا اور اِن سے فسادِ خون کے مریضوں کا علاج کرتا تھا۔ قدم قدم اُوپر کوٹھے پہ چڑھ رہا تھا...... نیچے لوگ کچھ تو عیدگاہ چلے گئے' کچھ اچھا بُرا کہہ سن کر کہیں ٹہل لیئے اور اکثریت وہیں اِدھر اُدھر ہو گئے کہ دیکھیں ''کوٹھائے طوائف'' سے کیا ظہور میں آتا ہے؟...... بوڑھا درویش اس طرح اس کی بیٹھک میں داخل ہوا جیسے بے کھٹک و جھجک اپنے حجرہ میں وارد ہُوا ہو۔

طوائف زادی نے اپنے لگے بندھے پیشہ ورانہ انداز میں آداب و تسلیم سے اُن کا استقبال کیا۔ بڑی دلربائی اور عشوہ طرازی سے ایک مسندِ خاص پہ فروکش ہونے کے لیے مجرا بجا لائی...... بائیں [illegible] پیچوان دھرا' سامنے گلوریوں [illegible] پاندان [illegible] مزاج [illegible] ایک دھار بیٹھے ہوئے سب [illegible] دیکھا کیے...... وہی بُشرے پہ پاکیزہ سی بشاشت' طبع میں تناؤ نہ کھچاؤ...... جیسے یہ سب کچھ اُن کا روزمرّہ ہو...... چھت والا جھولا پنکھا جھل رہا تھا اس کے باوجود دو جلی سی نوخیز [illegible] مورچھل لیئے دائیں بائیں استادہ ہو گئیں...... آبنوسی تپائی لائی گئی' شراب کی صراحی اور پیالے بھی...... یہ سب اہتمام کے بعد ہلکی سی خاموشی طاری رہی...... باواجی نے لب کشائی کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

''آپ کو جی جان جی کیوں کہتے ہیں......؟''

متبسم سی کھنک اُٹھی...... ''وقت ہو گزرا میرے ہاں عجیب سا ایک نوجوان آیا تھا۔ دو بھاری سے تھیلے اُس کے ہمراہ تھے...... یہاں پہنچتے ہی دونوں تھیلے میرے سپرد کرتے ہوئے کہنے لگا...... جی جان جی! یہ دولت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اِنہیں اپنے پاس رکھو مجھے کچھ دیر یہاں آرام کرنا ہے۔ رقص و موسیقی' شراب' شباب' کباب' رُباب ہر چیز سے اُسے پرچانا چاہا مگر وہ کسی چیز کا طالب نہیں تھا۔ تین پہر یہاں آرام کیا...... اُٹھا اور پھر چل دیا...... جاتے سے کہنے لگا۔ جی جان جی! یہ ساری دولت تمہاری ہے صرف ایک شرط کہ تم ''جی جان جی'' اپنا تکیہ کلام بنالو......!''

باواجی نے گرہ لگائی۔ ''پھر......؟''

’’پھر یہ کہ میں نے ہر بات کے آغاز و انجام پہ جی جان جی ہی کہتی ہوں اور اب یہی میری پہچان ہے...... جی جان جی!‘‘

’’مجھے تمہارا پیغام ملا...... بارش کی دُعا کے لئے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں...... لوگ نیچے میرا انتظار کر رہے ہیں...... مخلوقِ خدا کئی ہفتوں سے بے حال ہے۔ بھوک پیاس سے لوگ مر رہے ہیں...... اچھے بُرے سب گڑگڑا کر دُعائیں مانگ رہے ہیں مگر کسی کی دُعا مستجاب نہیں ہوتی۔ تم نے کس بھرتے پہ بارش برسانے کا یہ پیغام دیا ہے؟‘‘

وہ مسکراتے‘ اٹھلاتے ہوئے اُٹھی۔ شراب کی صراحی تھامی اور جھروکے میں جا کھڑی ہوئی...... آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

’’جی جان جی! بارش اور شراب کا برسانا بہانا کچھ ایسا مشکل بھی تو نہیں...... آپ میرے پاس یہاں جھروکے میں آئیں۔ آسمان اور زمین کی جانب دیکھیں......!‘‘

باواجی اُدھر پہنچے تو شراب کی صراحی اُن کے ہاتھ تھماتے ہوئے بولی۔

’’جی جان جی! لیجئے جتنی چاہے بارش لے لیں۔‘‘

باواجی [illegible] جب [illegible] کھڑے رہے۔

جی جان جی نے [illegible] دہرایا۔

’’شراب کو [illegible] یا لنڈھا دیں تو بارش لے لیں۔‘‘

باواجی کے چہرے پہ [illegible] صراحی کو [illegible] کیا...... آسمان سے گڑگڑ کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں...... طرفۃ العین بادل گھر آئے۔ جی جان جی نے اپنی کومل سی سبز چوڑیوں بھری کلائی جھروکے سے باہر نکال کر جو لہرائی تو چوڑیوں کی چھن چھن میں میگھا کی رم جھم شروع ہو گئی...... خلقتِ خدا‘ جو نیچے اُوپر کھڑی تھی۔ خوشی سے ناچنے لگے۔ ہر سمت ٹھنڈی ہوا کے تریڑے لہرانے لگے...... مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو اور موسلا دھار برستی بارش نے اک سماں باندھ دیا...... جسے دیکھو بارش میں بھیگا ہوا اُدھم مچا رہا ہے۔ باواجی مارے حیرت‘ ششدر سے کھڑے اس طلسماتی بارش کا نظارہ کر رہے ہیں اور کبھی جی جان جی کی بارش میں بھیگتی ہوئی کلائی اور ہلتی ہوئی سبز چوڑیوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں جن کے حلقہ سے مینہ کی بوندیں نقرئی موتیوں کی مانند ٹپک رہی تھیں۔ اک اُچٹتی سی نگاہ چہرہ پہ پڑی جدھر اک ماہتاب اُترا ہوا تھا۔

’’جی جان جی! سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔ یہاں ظاہر فسق و فجور ہے مگر بباطن نُور علیٰ النُور‘ مجھے لگا‘ اپنی عمر اس دشت کی سیاحی میں رائیگاں گئی۔ کچھ ہاتھ نہ آیا...... تمہارے ہاں صراحی سے مے کے

چند قطرے ٹپکتے ہیں تو آسمانوں پہ بادلوں کے بند مُنہ کُھل جاتے ہیں...... چوڑیاں کھنکناتی ہو تو رم جھم مینہ برسنے لگتا ہے...... اَب کچھ سمجھاؤ یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟''

وہ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اپنی ہی کہنے لگی۔ ''چھوڑیئے ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ ذرا باہر کا نظارہ کیجئے...... اللہ کی مخلوق کیسی خوش ہے ان کے چہرے تازہ گلابوں کی مانند کِھل اُٹھے ہیں...... پیاسی دھرتی خوب سیراب ہو رہی ہے۔''

باواجی نے نیچے دیکھا...... ہر جانب پانی ہی پانی دکھائی دیا۔ چھاجوں برستی ہوئی بارش نے ہر سو آب زار کِھلا دیئے تھے...... اب عیدگاہ کی جانب سے بھی ہجوم واپس پہنچ چکا تھا۔ وہ لوگ شاید وہاں پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ مقصد پورا ہو گیا۔ ایسے میں بھیگتا ہوا پنواڑی اُوپر پہنچ آیا۔ پیغام لایا کہ نیچے لوگ باواجی کا انتظار کر رہے ہیں۔ مگر باواجی کو اب نیچے اُترنے کا ہوش ہی کہاں رہا تھا۔ وہ تو اب چھجو کے چوبارے چڑھ چکے تھے۔ منڈھے چڑھی ہوئی بیل، تک چڑھی رکھیل، کچی گھانی کا تیل...... ان کے کھیل [illegible] بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ جیرا مزہ چھجو دے چوبارے اُو نہ بلخ نہ بخارے......!

[illegible] جی جان جی رہی تھی

''پرانے دِنوں کی بات ہے جب [illegible] پہ [illegible] براجمان تھا۔ پسینے میں بسا ہندی کے اُبٹن کی مہک سی رہتی تھی۔ گلے میں سرسوتی جی کا استھان تھا...... شہرت و دولت کی باندیاں پاؤں پڑی رہتی تھیں...... واقعہ ہے کہ میں اُونی سے دُور جنگلات میں ایک پک نک پارٹی میں شریک تھی...... یہ سارا انتظام وہاں کے ایک رئیس نے اپنے اکلوتے بیٹے کی پہلی سالگرہ کی خوشی میں کیا تھا۔ اس پارٹی میں بڑے بڑے امیر کبیر لوگ اور غیر ملکی مہمان بھی شامل تھے۔ جنگل میں قدرے محفوظ حصوں میں مناسب فاصلوں پہ حسب مراتب خیمے، چھولداریاں، تنبوقناتیں استادہ کر کے بڑی رونق پیدا کر دی گئی تھی...... رقص و موسیقی کا بڑا خاص انتظام تھا۔ میں بھی اپنے طائفے کے ساتھ شامل تھی۔ یہ رئیس رقص و موسیقی کی اعلیٰ قدروں اور تہذیب و تکلف کے حوالے سے میرا قدردان تھا...... چنانچہ اس نے بطور خاص میری خاطرداری کے لئے میرا پُرآسائش و آرائش خیمہ دوسرے خیموں سے ہٹ کر ایک ہموار جگہ پہ استادہ کروایا۔ یہاں دوسری جانب بڑی دلفریب وادی تھی۔ کئی ایک جھرنے اور آبشاریں نزدیک و دُور دکھائی دیتیں۔ گلابی جاڑوں کا موسم تھا۔ قدر بلند یہ جگہ خاصی نمدار اور دُھندلی سی تھی۔ کوئی بھی چیز واضح اور خشک دکھائی نہ دیتی تھی...... دن بھر سیر و تفریح اور شکار کا شغل رہتا۔ رات رقص و سرود اور ناؤ نوش کی محفل گرم ہو جاتی۔ ایک شام کا ذکر کہ اچانک سردی بڑھ گئی اور دُھند نے ایک دبیز چادر تان دی تھی۔ ساتھ ہی ژالہ باری شروع ہو گئی۔ اس سے سردی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ اَب جو ہوا چلی تو خیمے پرندوں کے

پروں کی مانند پھڑ پھڑانے لگے۔ میرا خیمہ' اس پنڈال سے خاصے فاصلے پہ تھا...... تیز ہوا' بارش' دھند اور لحہ بہ لحہ بڑھتی ہوئی سردی نے ہمیں اس جگہ سے نکلنے نہیں دیا۔ ہماری ایک مجبوری ہمارے آلات موسیقی بھی تھے جنہیں بارش اور ایسے تُند و تلخ موسم کے اثرات سے بچانا ضروری تھا...... بہر حال' کسی نہ کسی طرح ہم انتظام کر کے اپنے خیمے میں پہنچے تو وہ صحیح سلامت تھا...... میرے ساتھی سازندے اپنی اپنی چھولداریوں میں گھس گئے کہ سردی اور بھیگے لباس نے اُن کا بُرا حال کر دیا ہُوا تھا۔ میں بھی اپنی خوابگاہ والی چھولداری میں چلی آئی جس کے پردے پرت دُوہری تہہ والے کپڑے سے بنے ہوئے تھے۔ اِسی نرم گرم اور آرام دہ بستر کے تصوّر سے میری ساری کلفت کافور ہو گئی اور میں عُجلت سے شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے سونے کی غرض سے توشک اُٹھا لینے لگی تو مارے حیرت و خفگی میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ ایک لمبوترے منہ والی کالی کُتیا معہ اپنے پانچ چھ نوزائیدہ پلّوں' میرے بستر میں آسودہ ہے۔ اُن [illegible] موت سے بستر کا ناس مارا ہوا ہے۔ بدبو نے میرا دماغ صاف کر دیا تھا۔ میں توشک' واپس اُنہی پہ پھینکتے' پاؤں پٹختے ہوئے باہر خیمے میں نکل آئی۔ میرے عراقی ملازم سازندے' جو بھیگے' سردی سے لرزتے ابھی ابھی اپنے بستروں میں گھسے تھے مجھے اس طرح چیخ پا' پا کر بستروں سے باہر نکل آئے۔ جب ساری صورت حال کا انہیں پتہ چلا تو تلملائے [illegible] میرے ساتھ چھولداری میں پہنچے۔ کُتیا اپنا لمبا سا چہرہ' توشک سے باہر نکالے [illegible] ملازموں نے آگے بڑھ کر کُتیا کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اب وہ اسے بستر سے باہر کرنے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ ایک نے آگے بڑھ کر توشک کھینچ اُتار پھینکی۔ لمبے جسم والی کالی کُتیا' بڑے ٹھسے سے یک پہلو نیم دراز تھی نصف درجن نوزائیدہ ننھے ننھے پلّے' جن کی ابھی آنکھیں بھی نہیں کھلی تھیں' چپ چاپ دودھ پی رہے تھے۔ [illegible] انسان اس سنگین موسم میں اُن کے سروں پہ کھڑے نرم گرم محفوظ بستر سے بے دخل کرنے کی ترکیبیں کر رہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ اس نیم جنگل میں یہ کُتیا میرے بستر میں کیونکر گھس آئی...... جبکہ مہمانوں کے خیموں کی نگہداشت پہ نگہداروں کا عملہ موجود تھا۔ میرے ملازموں میں دو آگے بڑھے تاکہ بستر کی چادر سمیت انہیں اُٹھا کر کہیں ٹھکانا دے آئیں۔ اب اُٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ کُتیا بُری طرح کراہنے لگی ہے۔ غور سے دیکھا تو پورا بستر' توشک کے نیچے کُتیا کی زچگی والی آلائش سے لتھڑا پڑا ہے۔ اب جو میں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ ایک پلّا' جس کا آدھا دھڑ باہر اور آدھا کُتیا کے پیٹ کے اندر تھا' بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔ میری توجہ دینے پر کُتیا بُری طرح ہانپنے اور جسم اینٹھنے لگی تھی۔ مزید توجہ دینے پہ معلوم ہوا کہ ایک پلّا زچگی کی کسی پیچیدگی کی وجہ سے مر چکا ہے' زچہ ہر ممکن کوشش کے باوجود اس کے پورے جسم کو اپنے جسم سے خارج نہیں کر پا رہی۔ خدا جانے مجھے کیا ہُوا میں نے ایک ملازمہ کے علاوہ سب کو باہر کیا۔ پانی گرم کروایا۔ ملازمہ کی مدد سے کُتیا کے جسم کو صاف کیا' مردہ پلّے سے

نجات دلوائی۔ گرم دُودھ پلایا' بستر کی چادریں تبدیل کر کے کُتیا اور پلّوں کو اُسی بستر پہ لیٹایا اور خود تمام رات اُس کی تیمارداری' نگہداشت میں گزار دی۔"

جی جان جی بتا رہی تھی اس واقعہ کے بعد اُس کی زندگی اور سوچ میں اِک عجیب سی تبدیلی واقع ہوئی...... اس قماش میں رہنے کے باوجود وہ اللہ کی توفیق سے گناہوں سے بچی رہی...... ظاہری اور باطنی عبادتیں وہ ہمیشہ پوشیدہ رکھتی...... کتوں سے محبت اور اُن کی خدمت کا یہ عالم کہ اُس دن سے اس دن تک دوسرے روز کتوں کی دعوت کا اہتمام کرتی ہے۔ اُن کے لئے خاص پکوان پکوا کر کھلاتی ہے...... کہیں دکھائی دے جائے تو احترام کرتی ہے۔ اُس نے بتایا کہ اللہ پاک' اُس کی کسی بات کو رد نہیں کرتے...... جو التجا کروں' مان لی جاتی ہے۔ لیکن میں نے اپنے لئے کبھی کچھ نہیں چاہا......!

بابا جی سنگ دار سے یہ کُتیا کا ذکر نکل آیا تھا۔ واپس وہیں پہ چلتے ہیں۔ میں اور میرے تین ساتھی ملک کافور بندۂ نُرمیٔ طُولا کے ساتھ سنگ دار بابا جی کے میلے میں شرکت کے لئے روانہ ہیں۔ [illegible] ملک کافور...... [illegible] کاری' پاکستانی فراری از راہ کرم' بابا جی سنگ دار نے مجھ کُتے کو لانے کے لئے بھیجا تھا اور جمشید کے مطابق کہ "بابا جی نے ہی آپ کو اِدھر روکا ہے [illegible] میلے میں شرکت لکھی جا چکی ہے [illegible] آپ [illegible] ضرور شرکت کریں [illegible]

شب تار ہمراہ [illegible] ستار' اور ابرار...... سُبحان اللہ' الحمدُللہ......!

سفر اور خاموشی...... اگر ساتھ ساتھ ہوں تو تھکن' اُلجھن اور بیکار کی بیگاری محسوس ہوتی ہے۔ تھکے راستوں اور فاصلوں کا اژدر' مسافر [illegible] تیلی [illegible] آہستہ آہستہ نگل رہا ہے...... منزل پہ مسافر کی بجائے ایک مُردہ نما ڈھانچہ برآمد ہوتا ہے جس کے ہاں نہ تو کسی خوشی کا احساس ہوتا ہے اور نہ کوئی بیتے ہوئے سفر کی سہانی یاد...... وہ ایک پارسل کی مانند ہوتا ہے جسے پہنچنے پہ اُتار پھینک دیا جاتا ہے۔ سفر تو ایک کھلی کتاب کی طرح ہے جس کا ایک ایک حرف ولفظ آپ سے توجہ بھی چاہتا ہے اور تکلم بھی...... سفر میں ساتھی اگر [illegible] اس سے بہتر ہے کہ اپنے ساتھ کسی بندر کو لے لیں تاکہ کم از کم وہ اپنی غوں غوں اور منچلی حرکتوں سے آپ کو بہلائے تو رکھے...... بندر سے یاد آیا۔

● لنکا کے سفر میں بندر ہزار......!

ایران جانے کے لئے بذریعہ بس بلوچستان عبور کرنا میری مجبوری تھی' ٹرین کا ٹریک ٹوٹا ہوا تھا

ہوائی جہاز کی سروس تہران تک تھی جبکہ مجھے بارڈر کے قریب ایک ایرانی گاؤں میں پہنچنا تھا۔ اب دو ہی طریقے تھے ایک مقامی بس پہ سفر اور دوسرا کار یا ٹیکسی۔ دوسرا طریقہ اس لئے قابلِ عمل نہیں تھا کہ پرائیویٹ کار یا ٹیکسی ایسے طویل اور تھکا دینے والے پہاڑی اور صحرائی سفر کے لئے موزوں نہیں تھیں اور پھر غیر محفوظ بھی ایسی کہ مسافر اور گاڑی دونوں غائب ہو جائیں۔ اب صرف اور صرف مقامی بس ہی میرے سامنے حتمی راستہ تھا۔ چنانچہ میں کوئٹہ کے مقامی اڈے پہ پہنچا۔ بس میں بھارو بھرے جا رہے تھے۔ وہی بلوچ، مکرانی، ایرانی، افغانی، پاکستانی، زیادہ تر پھیرے باز...... اندر جھانکا تو وہی ماحول تنگ نشستیں ٹھنسے ہوئے مسافر، اوپر نیچے سامان کے انبار...... الٰہی! بیس چوبیس گھنٹے کا سفر کس طرح طے ہوگا؟ میں بس سے نکل آیا کہ جو بھی ہو میں اس طرح سفر نہیں کر سکتا۔

اڈے والے نے مجھے آواز دے کر کہا۔

"حاجی صیب! ٹکٹ لے لیں بعد میں سیٹ نہیں ملے گی......!"

میں نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! میں بیمار اور بوڑھا ہوں ایسی چھوٹی سیٹ اور [illegible] ماحول میں میرے لئے سفر کرنا دشوار ہے اس لئے......"

وہ مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "حاجی صیب! آپ آگے فرسٹ کلاس میں ٹکٹ لے لو۔"

اس کے مشورے پہ میں نے فرسٹ کلاس کا جائزہ لیا...... ڈرائیور کے پیچھے چھ سات نشستیں تھیں۔ قدرے کشادہ اور صاف، پینے کے پانی کا کولر بھی لگا تھا۔ لیکن جب ادھر بیٹھے ہوئے مسافروں کو دیکھا تو پسینہ آ گیا۔ مسلسل نسوار کی پیک پھینک رہے...... کچھ سگریٹ بھی پی رہے تھے...... وہ کنڈیکٹر بولا۔

"حاجی صیب! دو چار سیٹیں ہی رہ گئی ہیں۔ بیٹھنا ہے تو بولو، پیچھے اور لوگ بھی کھڑے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "بیٹا! ان لوگوں کو ادھر بٹھا دو، مجھے نہیں جانا۔"

میں ایک مایوسی کے عالم میں وہاں سے ٹلنے ہی والا تھا کہ پاس ہی کھڑا مچھیل ڈرائیور میرا حال حلیہ، کالا لباس انگوٹھیاں، گلے کے منکے وغیرہ دیکھ کر متوجہ ہوا۔

"اوئے نوازے! خیر ہے کیا پرابلم ہے؟"

کنڈیکٹر بتا رہا تھا...... "حاجی صیب نے تفتان جانا ہے۔ سیٹ پسند نہیں آیا۔"

اب وہ بھلا ڈرائیور مجھ سے مخاطب ہوا۔ "پیر صیب! سیٹ کا کیا پرابلم ہے؟"

اب میں نے بتایا کہ بس بہت خوبصورت ہے۔ آپ اور یہ کنڈیکٹر بھی بہت اچھے ہیں۔ اندر سیٹیں

بھی بہت خوب ہیں...... میری عمر' بیماریاں اور مزاج ہی اچھے نہیں۔"

میرا یہ اُوٹ پٹانگ قسم کا جواب سن کر وہ ہڑبڑا کر ہنسا...... بڑی گھمبیر گھمبیل چپڑی ہوئی مونچھوں کے نیچے سپید سپید ہموار دانتوں سے میں محظوظ ہو ہی رہا تھا کہ یہ "مجھ نہیں تے کچھ نہیں" قسم کا ڈرائیور' جس میں حسِ مزاح بھی دکھائی دی' میرے مُونڈھے پہ پولے سے ہاتھ رکھتے ہوئے التجا بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

"آیئے پیر صیب! آپ کو تجی بھی کھلائیں اور قہوہ بھی پلائیں......"

اس سے پہلے کہ میں کچھ جواب دیتا' وہ مجھے کھینچتا ہوا۔ اڈّے کے دفتر میں پہنچ گیا۔ چھوٹا سا خالی دفتر ابھی ہم ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک خوفناک شکل وحلیہ والا ایک بندہ' المونیم کے چمکتے گول تھال میں دُنبے کی ران' جسے تجی کہتے ہیں۔ دو تین گرم خستہ روٹیاں اور قہوے کے چائنک' گلاس لیے پہنچ گیا۔

"لیجئے' بسم اللہ کیجئے......!" وہ ایک بڑا سا گوشت کا ٹکڑا میرے آگے دھرتے ہوئے بولا۔

مان نہ مان تو میرا مہمان!...... "بھائی! ایک تو میں کھانا کھا چکا ہوں' دوسرے میں ایسے کھانے نہیں کھا سکتا...... میرے دانت اور آنت دونوں کمزور ہیں اور ہاں ابھی آپ تو مجھے بٹھا کر نکلنے والے تھے کہ بس بھر گئی ہے اور آپ یہاں؟"

وہ ہنسے اور دانت چبائے ہوئے بولا۔

"پیر صیب! ابھی دو گھنٹے تک ہماری گاڑی ادھر ہی اڈّے پہ ہے۔ وہ بس کے اندر بیٹھے ہوئے لوگ تقریباً ہمارے اپنے اڈّے والے ہیں۔ ٹکٹ تو ابھی سارے دس پندرہ ہی دیئے ہیں۔ یہ ہماری چال ہوتی ہے۔ بندے بٹھا کے' یوں یوں [illegible] دیتے ہیں کہ ہم بس چلنے والے ہیں...... ابھی ہم کھانا کھائے گا' چلم پیئے گا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پاؤں پسار کر آرام کرے گا۔ پھر کہیں شام کی نماز بعد یہاں سے روانہ ہوگا......"

اس کی یہ حقیقت افروز باتیں سن کر میری تو سٹی گم ہوگئی...... الٰہی! ادھر بھی کھانے کے دانت اور دکھانے کے اور...... خداوندا' یہ تیرے سادہ لوح مسافر کدھر جائیں۔ کنڈیکٹری بھی عیاری ہے ڈرائیوری بھی عیاری......!

مجھے یوں ششدر گم صم سا پا کر وہ چپ سادھ لیا۔ پھر شاید بات چلنے کی غرض سے میرے سامنے قہوے کا گلاس دھرتے ہوئے کہنے لگا۔

"لیجئے' قہوہ تو پیجئے...... اس کے لئے دانتوں اور آنتوں' دونوں کی ضرورت نہیں۔ پیر صیب! اتنا ضرور ہونا' مجھے کچھ زیادہ بولنے کا پرابلم ہے۔ کوئی ایسا تعویذ دو میری زبان بندی ہو جائے۔"

مَیں پھر خاموش رہا کہ میری پالیسی ہے اگر مقابل زیادہ کہنے بولنے کا مریض ہو تو اُسے خوب تے کرنے دو۔ جب اُس کا پیٹ خالی ہو جائے گا تو خود ہی شانت پڑ جائے گا۔ مَیں اَب کسی نہ کسی طور اُدھر سے کھسکنے کی سوچ رہا تھا۔ اچانک مجھے سوجھی۔

''بھائی جی! آپ نے تو اِدھر سے شام کو نکلنا ہے۔ مجھے بھی کچھ کام ہے' آپ آرام کریں مَیں اِنشاءاللہ' شام تک اِدھر آ جاؤں گا۔'' اُٹھنے کی خاطر گھٹنے پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہی للّو جگلدر کنڈیکٹر اندر آ گیا۔

''اوئے نوازے! تجھے کیا پرابلم ہے' پیر صیب کے لئے ٹکٹ کیوں نہیں بناتا...... اِن کو سُپر ڈیلکس وی وی آئی پی کلاس میں بٹھانا ہے۔ جلدی سے اِن کا ٹکٹ بناؤ۔''

مَیں اس طرح چھنتے دیکھ کر پوچھ لیا۔

''بھائی صاحب! یہ سپر ڈیلکس وی وی آئی پی کلاس......؟''

''پیر صیب! یہ تین سیٹیں میری بائیں طرف ہوتی ہیں۔ آرام دہ' کھلی کھلی...... دباؤ نہ دھچکا...... سامنے ہر منظر صاف۔ راستے میں جگہ جگہ کسٹم' پولیس' رینجر اور چیکنگ والے بھی آگے والی' وی آئی پی سواریوں کو پوچھتے تک نہیں بلکہ الٹا سلوٹ کر کے جانے [illegible]''

اَب [illegible] بازی [illegible]

''مگر استاد! اُدھر دو سیٹیں بُک ہو چکی ہیں۔ ایک تو تفتان امیگریشن والا افسر رند صاحب ہیں' دوسری سواری سردار صیب' حبیب بینک والے ہیں۔ تیسری سیٹ' گیئر بکس کے ساتھ خالی ہے۔ حاجی صیب کو دے دیتے ہیں۔''

میرا تو کلیجہ اُچھل کے حلق میں آ گیا۔ ڈرائیور کے ساتھ آگے' تین سیٹیں اور میری سیٹ گیئر بکس کے ساتھ...... مَیں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''بھائی جی! سفر میں مجھے اُلٹی کا احتمال بھی رہتا ہے۔ آپ یقین کریں کہ مجھے تفتان جانا ہی نہیں۔ مَیں تو ویسے ہی ذرا اِدھر معلومات کے لئے آیا تھا۔''

اَب مَیں نے طوعاً کرہاً اُٹھ کر جانا چاہا۔

ڈرائیور بھائی بھی کھانا چھوڑ کر میرے ساتھ اُٹھ لیا...... دفتر سے باہر نکلتے نکلتے وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

''مَیں سمجھ گیا آپ تنگ ہو کر بیٹھنا نہیں چاہتے۔ مَیں آپ کو تینوں وی آئی پی سیٹوں پہ اکیلا ہی بٹھاؤں گا۔ کُھلا ڈُھلا' اُلٹی آئے تو کھڑکی سے باہر...... اوئے نوازے! میری سمجھ میں نہیں آتا تجھے کیا پرابلم ہے۔ اوئے' آگے کی دونوں سواریوں کو پیچھے فرسٹ کلاس میں بٹھاؤ...... اُنہیں سمجھا دو' ہمارے مُرشد' پیر صاحب

آگے اکیلے بیٹھیں گے وہ کچھ نہیں بولیں گے۔"

میں نے گڑبڑا کر انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ انہیں وہیں رہنے دیں۔ میں نے جانا ہی نہیں — وہ میرے کان کے قریب پہنچ کر سرگوشی کے انداز میں مشورہ دینے لگا۔

"پیر صیب! مجھ ایسا تابعدار ڈرائیور، اس بس سے بہتر بس' آپ کو پورے اڈے پہ نہیں ملیں گے۔ پورے راستے میں ہی دوسروں کو اوورٹیک کروں گا...... اگر کوئی اس بس کو اوورٹیک کر جائے تو میں یہ بچپن کی پالی ہوئی مونچھیں صاف کروادوں گا۔ یہ میرا بلوچستان کو چیلنج ہے۔"

اُس نے پاس کھڑے کنڈیکٹر کو ایک دھول جماتے ہوئے پوچھا۔

"اوے نوازے! تجھے کیا پرابلم ہے تو پیر صیب کو میرے بارے میں کچھ بتاتا کیوں نہیں۔"

اس سے پیشتر کہ وہ اپنے استاد کی کچھ تائید کرتا۔ میں ہی ممیا اٹھا۔

"ڈرائیور بھائی! یقین کرو، مجھے آپ اور آپ کی بس کی تمام خوبیوں کی خبر ہے۔ ایسی لاجواب بس اور ایسا باکمال، بااخلاق ڈرائیور پورے بلوچستان میں نہیں ہوگا۔ پتہ نہیں کہ میرا دل کیوں آمادہ سفر نہیں آپ......؟"

اس نے پھر میری بات اچک لی...... کمال ہوشیاری سے کہنے لگا۔

"پیر صیب! ایک بات پہ میرا دل بھی آمادہ دکھائی نہیں دیتا کہ میں آپ کو یہاں اس پریشانی کی حالت میں چھوڑ کر جاؤں۔" وہ میرے سفری تھیلے، کھانے پینے کے سامان کی ٹوکری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مزید بولا...... "آپ یہاں [illegible] سکتے ہیں...... اس بس پہ نہیں کسی دوسری پہ یا کسی ٹیکسی کار...... لیکن یہ میری گارنٹی ہے کہ آپ کو میرے ساتھ اس بس سے بہتر کوئی اور سفری وسیلہ نہیں ملے گا۔"

میری دیگر کمزوریوں کے علاوہ، میری ایک نمایاں کمزوری میری اَڑنے والی طبیعت بھی ہے۔ نفع نقصان سے قطع نظر میری سوئی جدھر اَڑ گئی، سو اَڑ گئی۔ تاوقتیکہ کوئی ایسی ڈرامائی صورت حال درمیان میں پیدا ہو جائے جو میری خوامخواہ کی ضد کا بُطلان کر دے۔ یہاں بھی یہی صورت تھی۔ میں "بے فضول" ہی [illegible] ہوا جبکہ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اگر جگہ کی تنگی کا علاج ہو جاتا ہے اور ٹوٹے باز نسواری اور یاوہ گو مسافروں سے علیحدہ کشادہ سیٹ مل جاتی ہے تو اور مجھے کیا چاہیے؟...... بس میری نام نہاد اَنا کا مسئلہ کہ میں ایک دفعہ [illegible] جو کر بیٹھا تھا۔ میں نے اپنی انکار والی اَنا کے ترکش کا آخری تیر بالآخر آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

"بھائی! میں بڑا مسکین فقیر منش ہوں۔ میں تو عام مسافروں والے کرائے میں بھی 'اسٹوڈنٹ

طرح فقیرانہ رعائت کا سوچ رہا تھا اور آپ مجھے اکٹھی تین سپر ڈیلکس وی وی آئی پی سیٹوں پہ اکیلا بٹھا رہے ہیں۔‘‘

بجائے کہ وہ مجھے مفتوڑ مسافر سمجھ کر جان چھڑا جاتا...... اُس نے نیم مسکراہٹ کے ساتھ میرے ہاتھ سے تھیلا اور کھانے والا باسکٹ لیا اور کنڈیکٹر کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

’’اُوئے نوازے‘ بیوقوف! اگر تیرے لئے کوئی پرابلم نہ ہو تو پیر صیب کا یہ سامان‘ میرے ساتھ والی سیٹوں پہ رکھ دو۔ دیکھو وہاں کسی اور کو بیٹھنے نہ دینا۔‘‘

’’بھائی! وہ وی آئی پی سیٹیں تو پہلے ہی بک ہو چکی ہیں‘ آپ میری وجہ سے اُن معزز لوگوں کو کیوں پریشان کر رہے ہیں؟‘‘

اُس کا جواب تھا۔ ’’پیر صیب! کوئی بکنگ وکنگ نہیں ہوئی تھی۔ یہ سواری پھانسنے اور فالتو پیسے بٹورنے کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔‘‘

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ لمبے روٹ پہ جب بس چل پڑے‘ سو پچاس میل فاصلہ طے کر چکے‘ پہر دو پہر نکل لیں تو پیچھے لٹکے ہوئے‘ چھت پہ پڑے‘ سیکنڈ‘ فرسٹ‘ وی آئی پی [illegible] گوشت پوست کے [illegible] ڈھیر ڈگے ایک سے ہو جاتے ہیں [illegible] کہیں بوریاں [illegible] میں [illegible] جانے والے مٹی کے بُدھے [illegible] مانند ہوتی ہیں۔ سفر کے پہلے دو چار گھنٹے احساسِ سود و زیاں‘ کون و مکاں رہتا ہے۔ اس کے بعد ادنیٰ و اعلیٰ‘ چھوٹا موٹا سب ایک سے نمک لگے نرم و کسیلے جامنوں کی مانند ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی ہوا جیسے ڈرائیور چمن لعل نے بتایا تھا۔ بس مغرب کی نماز کے بعد روانہ ہوئی۔ مزے کی بات کہ چمن لعل ڈرائیور نے نمازِ مغرب ہمارے ساتھ ہی ادا کی۔ وہ جام شورو کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوا۔ لیکن نام کے علاوہ وہ ہر طرح سے مسلمان ہی تھا بلکہ ہم ایسے برائے نام مسلمانوں سے لاکھ درجہ بہتر تھا۔ بات چیت کے دوران‘ یہ بھی بتایا کہ وہ ایک پیاری سی مسلمان چھمک چھلّو سے پیار کرتا ہے اور وہ دل و جان سے اسے چاہتی ہے۔

کوئٹہ سے نکلتے نکلتے اچھا خاصا اندھیرا چھا چکا تھا اور پہاڑ بھی سر اُٹھانے شروع ہو گئے تھے۔ پہلے دوسرے گیئر میں مسافروں اور مختلف قسم کے سامان سے لدی پھدی بس آہستہ آہستہ چڑھائی کر رہی تھی۔

مَیں چمن لعل کی بائیں جانب برائے نام تینوں سیٹوں پہ اکیلا ہی براجمان تھا۔ پچھلی عام کلاس اور فرسٹ کلاس کے مسافروں نے شروع شروع میں مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا...... چونکہ میرا پیرہن‘ حلیہ‘ انگوٹھیاں‘ مالائیں وغیرہ سے یہی ظاہر تھا کہ مَیں کوئی اَز قسم پیر‘ مرشد وغیرہ ہوں۔ جن کے لئے اِن پسماندہ

علاقوں میں خاصی توقیر ہوتی ہے۔ اس طرح اُنہوں نے مجھے اسی پروٹوکول کے قابل جان کر برداشت کر لیا تھا۔ مگر یہ شاید کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کنڈیکٹر نوازے عرف پرابلم نے ان تینوں سیٹوں کے لیے (جو دراصل ایک ہی سیٹ تھی) یکمشت اچھی خاصی رقم کرائے کی مد میں وصول کر لی ہوئی تھی۔ تنگ سی پہاڑی سڑک۔ بس کے ساتھ بھاگتے سرکتے پہاڑوں ٹیلوں کے بھوت' حدِ نظر تک گہرے اندھیروں کے پُر ہیبت اور ہولناک سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ کہیں کہیں نزدیک و دُور کسی بستی یا جھونپڑے میں ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی زرد کرن لہرا سی جاتی تو احساس ہوتا کہ کوئی نہ کوئی اِدھر موجود ہو گا جو یقیناً انسان ہو گا۔ چمن لعل سے ابھی تک کوئی باضابطہ بات چیت شروع نہیں ہوئی تھی۔ شاید وہ بھی ابھی تک میری طرح شعوری طور پہ خود کو سفر کا حصہ نہیں بنا سکا تھا۔ سفر کوئی بھی ہو کچھ آگے نکل کر ہی اپنے باطن سے باہر نکلتا ہے۔ جیسے دوستی' شادی' کاروبار' تعلقات وغیرہ...... کھانا بھی پہلے دو چار لقموں کے بعد اپنا اصل ذائقہ ظاہر کرتا ہے۔ گاڑی چوتھے پانچویں گیئر میں...... گھوڑا دُلکی چال کے بعد سرپٹ بھاگتا ہے۔ گویّا بھی الاپ لیتا ہے پھر کہیں مکھڑے استھائی انترے کی جانب بڑھتا ہے۔

میں نے اپنے جسم کو اس کے قدرتی ڈھب پہ چھوڑ دیا۔ پانی کی بوتل' ٹیشو پیپر اپنے سامنے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیے۔ آنکھیں پھیلا کر میں اپنے تئیں [illegible] ذہنی طور پہ تیار ہو چکا تھا۔ خوش بھی کہ پیچھے کی [illegible] بک بک جھک جھک سے جان چھوٹی...... یہاں آگے آرام سے سوتے جاگتے [illegible] ہو گا...... سامنے دائیں بائیں پھیلی سین سینریاں' گھومیں' گاؤں' گاڑیاں خوب دیکھوں گا۔ اُترائیوں چڑھائیوں موڑوں پہ خوب جھولے لوں گا۔ اسی طرح کی ''شیخ چلیوں'' میں پھنسا ہوا سامنے اُدھڑی پدھڑی سڑک پہ نیم وا آنکھیں جمائے ہوئے پڑا تھا...... ایسی حالت بھی عجیب [illegible] ہوتی ہے۔ انسان سوتا بھی اور جاگ بھی رہا ہوتا ہے۔ اُس کا شعور اور لاشعور اُس کے ساتھ چوہے بلّی کا کھیل' کھیل رہے ہوتے ہیں۔

میرے سامنے بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ کہیں دُور دُھند کے پرے' غُوں غُوں اور چھنی چھنی جھانجھر کی مدھری آوازیں اُبھریں۔ دورانِ سفر اس نوع کے آہنگ' زیر و بم' ارتعاشے' شعور کے گنبدوں' لاشعور کے میناروں سے خارج ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ کچھ وہ نہ تھا۔ ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک بلا میرے کاندھے پہ چڑھ اور اپنے ننھے ننھے پنجوں سے میرا سر کھجلانے لگی...... میں حواس باختہ سا' اس نئی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ چمن لعل اگر مداخلت نہ کرتا تو میں شاید کیا کر گزرتا۔ اُس نے کہا ''باوری کے باوری! اُتر اُدھر سے بیوقوفے اپنے پیر صیب ہیں۔'' ننھی سی چھمک چھلّو باندری' جس کا نام باوری معلوم ہوا میرے کندھے سے پھلانگ کر پیچھے کے ریلنگ راڈ پہ سے ہوتی ہوئی چمن لعل کے سر پہ چڑھ بیٹھی اور وہاں سے نکوس نکوس اور مُنہ پھلا پھلا میرے لتّے لینے لگی۔ کچھ دیر پہلے میں نے' سفر میں آسودگی میسر ہونے پہ جو

اطمینان کو محسوس کیا تھا اتنی جلدی اسے باطل ہوتے دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ یوں لگا کہ میں اس بیہودہ بس' جس کے وی وی آئی پی کے کندھے سر اور بال' ایک چھچھوری باندری کی دستبرد سے محفوظ نہ ہوں' ایک لمحہ کے لئے بھی سفر جاری نہیں رکھ سکتا۔۔۔۔۔۔ میں نے قہر بھری نظروں سے چمن لعل کو گھورا۔ وہ مجھ سے نظریں چراتا ہوا کھسیانا سا بتانے لگا۔

''پیر صیب! میں نے آپ کو اپنی جس دوست باوری کے بارے میں بتایا تھا وہ یہی چھمک چھلو ہے۔ ذرا نٹ کھٹ نادان ہے' آپ اسے معاف کر دیں۔''

میں نے اس چونکا دینے والے انکشاف پہ مزید برافروختہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے' تم نے شاید کسی مسلمان لڑکی کے بارے میں بتایا تھا' جسے تم چاہتے ہو اور وہ بھی تمہیں۔۔۔۔۔۔؟''

وہ حسب عادت قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''میں نے کسی لڑکی کا نہیں' اس باوری کا ذکر کیا تھا۔۔۔۔۔۔ یہ بڑی پکی مسلمان ہے۔ نجس نہیں کھاتی' جسم اور سر ڈھانپ کے رکھتی ہے۔۔۔۔۔۔ حیا' شرم کرنے والی ہے ابھی کمسن ہے مگر انتہائی پیار دلار کرنے والی بی ہے۔''

میں [illegible] ہوئے [illegible] ''میرے کندھے پہ بیٹھ کر اس نے میرے کانوں بالوں کے ساتھ جو پیار دلار کیا ہے اس [illegible] کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

سامنے ایک کاٹ دار موڑ کاٹتے ہوئے' کمال بے نیازی سے جواب دیا۔

''پیر صیب! آپ تو جانتے ہیں کہ ہر کسی کا پیار یا نفرت کا اپنا انداز ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ یہ جانور اسی طرح سے اپنی محبت یا عقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ اگلے کے سر سے جوئیں' لیکھیں ڈھونڈ ڈھ نکال کر چٹ کرنا۔۔۔۔۔۔ بالوں کانوں سے مستی کرنا' ان کے لئے پسندیدہ ہوتا ہے بلکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ دوسرا بھی ان کی حرکتوں سے خوش ہو رہا ہے۔''

میں بندروں کے بارے' اس کے فلسفۂ الفت و عقیدت پہ غور کرنے کے ساتھ ساتھ' کانی آنکھ سے بی باوری کی حرکات یکا نگت بھی دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔۔ ریشمی چمکدار کپڑے کی گھاگریا' جس پہ طلے کا اکاؤ کام تھا۔۔۔۔۔۔ دونوں کانوں میں سونے کے تار' پاؤں میں چاندی کی جھانجریا' بازوؤں میں ننھے ننھے کنگن۔۔۔۔۔۔ میں نے کم از کم اپنی ہوش میں ایسا کوئی پالتو بندر یا بندریا نہیں دیکھی جس کے گلے میں کوئی ڈوری یا زنجیر بندھی ہوئی نہ ہو کیونکہ یہ جانور بڑا اچپل ہوتا ہے۔ موقعہ میسر آتے ہی سارے بندھن توڑ کے نکل جاتا ہے۔ یہ جنگل' درختوں' غاروں گھپاؤں کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ گلی محلوں میں گھومنے والے مداریوں'

قلندروں کی رسیوں میں بندھے، گھسٹتے ہوئے بندر؟...... یہ بندر نہیں بلکہ بندر روڈ ہوتے ہیں یعنی سڑکوں کے بندر...... جو جنگل کے بندروں جیسا ایک روبوٹ ہوتا ہے۔ بندر اور انسان کا بچہ، اگر خاموش اور بغیر کسی اچھی بری حرکت کے ہے تو یہ طے ہے کہ وہ بیمار یا پھر گزر چکا ہے۔

آپ نے کہیں نہ کہیں ضرور دیکھا ہوگا کہ ریڑھیوں ویگنوں، ٹرکوں والے اور کچھ اسی قبیل کے شوقین لوگ، دیہاتوں قصبوں میں آوازے لگا کر، سائیکلوں ریڑھیوں پہ سامان بیچنے والے دوکاندار، اکثر اپنے ساتھ بندر کا بچہ بھی رکھتے ہیں۔

''باندر والا آیا، باندر والا آیا......'' بچے بالے اور ان کے پیچھے اُن کی مائیں بہنیں بھی نکل آتی ہیں...... دوکاندار کچھ نہ کچھ دے دلا کر ہی وہاں سے نکلتا ہے۔

نوجوانوں میں اکثر وہ بندریا پالتے ہیں جو پیار محبت کے کسی معرکے میں ناکام ہو چکے ہوتے ہیں۔ اپنے محبوب معشوق کے نام پہ کچھ حرف آگے پیچھے کر کے اس کا نام دھر دیتے ہیں۔ اچھا کھلاتا پلاتا، کپڑے زیور وغیرہ ایک طرح سے اسے اپنے بے وفا محبوب کا روپ دے کر خود کو تسکین دیتے رہتے ہیں۔ لمبے روٹوں کے ڈرائیور حضرات کے لیے بندریا ایک اچھی ساتھی اور دل بہلاوے کا سامان ہوتی ہے۔ بعض بندریاں تو [illegible] بن جاتی ہیں۔ مزاج [illegible] اور ضروریات کو سمجھتی ہیں۔ ان کے چھوٹے موٹے سب کام سر انجام دیتی ہیں۔ کھانا پینا آرام سب ایک ساتھ رہتا ہے۔ اس کی گود میں معشوق کی مانند سر دھرے سو رہتی ہیں۔

بے بی باوری کے پاؤں میں کوئی ڈوری زنجیر دکھائی نہ دی تو میں نے پوچھ لیا۔

''چمن لعل! تم اسے کوئی زنجیری وغیری باندھ کے نہیں رکھتے؟ سفر کی حالت میں اسے باندھ کے رکھنا، اس کی حفاظت کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔''

میری اس بات کے جواب میں وہ یوں ہنسا جیسے میں نے کوئی انتہائی بچکانا سی بات، بڑی عقلمندی سے کہنے کی کوشش کی ہو...... یوں ہنسنے کے بعد وہ یک دم، دم سادھ لیا، شاید اس لیے بھی کہ سامنے سے دو چار ٹرک فل لائٹ چھوڑے آ رہے تھے۔ فرنٹ سیٹ پہ سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ ایسی تیز روشنی کیسی پریشان کرتی ہے...... ٹرک گزر گئے تو وہ واپس اپنے ٹریک پہ آتے ہوئے کہنے لگا۔

''پیر صیب! یہ باوری میری محبوبہ ہے کوئی انارکلی نہیں جسے زنجیریں پہنائی جائیں۔ جس تعلق محبت کو باندھنے کی ضرورت پیش آئے اس سے خود ہی دستبردار ہو جانا چاہیے۔ اس کو میں اس لیے بھی باوری کہتا ہوں کہ یہ واقعی باوری ہے جو مجھ ایسے بے مایا بے کایا کے سنگ اک وفا کا بندھن جوڑے بیٹھی ہے۔ بس کے تحت

دروازے اور دس کھڑکیاں کھلی ہوتی ہیں...... کسی سمے بس میں کوئی بھی نہیں ہوتا...... یہ جاسکتی ہے' کہیں بھی...... شہر' صحرا' پہاڑوں میں' کہیں جہاں وہ جانا چاہے...... مگر میں تو چلا جاتا ہوں' اپنی ضرورت کے مطابق...... یہ کہیں میرے پاؤں کے نیچے اپنی جگہ پڑی رہتی ہے۔ جب جی چاہے بس کی سیٹوں' کھڑکیوں' چھت' انجن پہ ٹہلنے لگتی ہے۔ یہی بس...... اِس کا گھر' آنگن' جنگل منگل...... میکہ سسرال سب کچھ ہے......''

میں سوچ رہا تھا کہ کوئی بھی جاندار' زندگی کے کسی بھی رُوپ میں ہو۔ مکمل ایک کائنات ہوتا ہے۔ اُس کے اپنے سورج' چاند' ستارے دریا' پہاڑ' سمندر' آسمان ہوتے ہیں...... وہ اپنے اندر کے صحراؤں سرابوں کا بھی مالک ہوتا ہے۔ اپنی سوچوں خیالوں کے ثوابوں' عذابوں کا بھی وارث...... وہ اپنی سائیکی کے سائیکلون میں پھنسا ہوا ساری زندگی زیر و زبر ہوتا رہتا ہے۔ جبکہ ہر انسان' روزِ اوّل سے ہی دین و دُنیا کے ہر عُلوم و اسرار سے آراستہ ہوتا ہے' دانش و بینش کا ادراک رکھتا ہے۔ بندہ ہو یا بندر' اپنا سود و زیاں خوب سمجھتے ہیں...... صرف اظہار و بیاں کے بودے ہوتے ہیں۔ پھر اپنی اپنی تسکین و تشفی' یقین و تسلی کی بھی بات ہوتی ہے کہ جہاں' جدھر کوئی ٹھک جائے' ٹھہر جائے۔ رفیقِ حیات' ہمدم و ندیم محض انسان ہی نہیں بلکہ چرند پرند' شجر حجر' جن و انس یا کوئی اور جاندار بھی ہوسکتا ہے۔ بات تو طبیعت کی کہ کہاں جا کے اٹکتی ہے؟ کہ بس اِتنی سی بات ہے۔

دیکھا [illegible] جنوں [illegible] کی [illegible] جب باہم مل کر دھانس چھوڑنے لگیں تو دُھواں دُھواں دُھند میں' زماں و مکاں کے فاصلے' سلسلے چشمِ زدن میں طے ہو جاتے ہیں۔

لگی بندھی رفتار' ہو کا سناٹے' دائیں بائیں سل پتھر نما چٹانوں کی مانند گڑے کھڑے پہاڑ...... آسمان کی سیاہ چادر پہ ٹکے مُوتیوں سے جھلملاتے ستارے' پہاڑوں ریگزاروں کی مخصوص خُوشبو...... جو رات کے پچھلے پہر پردہ اور آخرِ شب شامیانے تان لیتی ہے کی' شاید ابھی ابھی اونگھ ٹوٹی تھی کہ کھڑکیوں سے مشکبار بادِ صبا کے جھونکے یوں تراوت دینے لگے کہ جیسے ہم طلسمی بادبانی کشتی پہ سوار کسی قلزمِ نکہت و نکھ میں اُترے ہوئے ہوں۔ ایسے لمبے لمحات' رات کے راہیوں' ڈرائیوروں' مسافروں' پہرہ داروں پہ خوب اُترتے ہیں کہ وہ پورے نیند سے پُر بھی ہوتے ہیں اور جگر جگر جگے ہوئے بھی...... یعنی جاگو میٹی کی پُر کیف کیفیت میں سرشار بھی...... بس کے فرنٹ کیبن میں موجود ہم تینوں رات کے راہیوں کی اِس وقت یہی حالت تھی۔

سمندر میں رات کا سفر باطنی سکون دیتا ہے...... صحرا میں ستاروں کی تنویر میں سفر رُوحانی بالیدگی عطا کرتا ہے۔ پہاڑوں کے سفر' مزاج میں صفراویت' طبیعت میں تُندی اور قوٰی میں قوّت پیدا کرتے ہیں...... میدانی سفر' آسودگی آسانی اور عُجلت کا میلان پیدا کرتے ہیں جبکہ فضائی سفر' وُسعتِ خیالی' دیدہ وری اور فکر میں

آفاقیت پیدا کرنے کے حامل ہوتے ہیں۔ جنگلوں کے اندرون سفرطبع میں تحمل' تجسّس' اُلجھن اور فطرت سے دلچسپی پیدا کرنے کے موجب ہوتے ہیں...... برف زاروں کے سفر بردباری' مشقت' برداشت اور عبادت کا ذوق پیدا کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی چند ایک اسفار ہیں...... زمین اور سمندر کے اندر' نیچے کے سفر...... کانیں' کنویں' باولیاں' سرنگیں' غاریں...... کچھ اور اندر کے بطونی' وجدانی' کیفیاتی' مراقبی سفر اور کہیں ایسے بھی جو سوچوں' خیالوں' فکروں' اندیشوں کی مسافتوں سے معمور ہوتے ہیں۔

غیر شعوری طور پہ میرے منہ سے نکلا گیا۔

''چمن لعل! یہ بندریا' آپ کو کہاں سے ملی تھی؟''

توقف کے بعد لمحے بڑے بھاری پڑ گئے تھے۔ شاید وہ کوئی مناسب سا جواب سوچ رہا تھا۔

میں نے دوبارہ پوچھا' ''بھائی! میں نے پوچھا ہے کہ یہ بندریا آپ کو کہاں سے ملی تھی؟''

اس بار اُس [illegible] مجھے بڑی ہارڈ سی لُک کرائی...... میں سہم سا گیا' سوچنے لگا یقیناً میرے سوال میں کوئی سقم ہے [illegible] طور' جواب نہیں ملا' اُوپر سے اُس کی خشمگیں نگاہیں' اب جو ذرا اپنے سوال پہ غور کیا تو میں خود بھی زیرِ لب مسکرانے لگا۔ اب میرا سوال کچھ یوں تھا [illegible] باوری [illegible] سے آپ کی پہلی مُلاقات [illegible] پر ہوئی تھی؟

مصنوعی سی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا۔

''میں آپ کو جواب ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد دوں گا۔''

مجھے بھی کیا جلدی تھی۔ [illegible] سفاک اور سنگلاخ پہاڑوں میں اِس وقت شب کے سنگِ اسود کو ہی اب پو پھٹنے تک چُومنا چاہتا تھا۔

سفر کے دوران اُکڑوں بیٹھے بیٹھے میری گردن کے پٹھے اکڑ گئے تھے جبکہ جسم' بوڑھے بیل کے تھلتھلے گوشت کی مانند سیٹ پہ دھرا ہوا تھا۔ بس کی ہر حرکت مسافر خود بخود دُھراتا رہتا ہے۔ اس کا وجود اس کے اختیار میں نہیں رہتا...... خاص کر اس وقت جب یہ جاگو میٹی کی حالت میں ہو...... آنکھیں موندے مجھے پھیلاتے سکیڑتے پتہ بھی نہ چلا کہ گھنٹے بھر کی مسافت طے ہو چکی ہے۔ سپیڈ ٹوٹنے سے ہلکا سا جھٹکا لگا تو میں ہڑبڑائے ہوئے بندر کی طرح آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ وہی اُزلی تاریکی' جو راتوں کے سفر میں پہاڑوں' دروں' بیابانوں کا مقدر ہوتی ہے۔ البتہ کچھ دور دائیں جانب بجھی مدھم پیلی سی روشنی ضرور دکھائی دی...... باقاعدہ سڑک ہوتی تو میں کہتا کہ ہم کچے پہ اتر چکے تھے۔ بہرحال' ہم سڑک چھوڑ کر آہستہ آہستہ دو چار بڑے سے جھونپڑوں کے رُوبرو جا کھڑے ہوئے۔ پتھر کے بڑے بڑے دیے باہر ایک تھڑے پہ

تُنبے پہ دھرے تھے۔ پیچھے بَس میں سوئے جاگے مسافر بھی کسمسا کر ہوشیار ہو چکے تھے۔ مس باوری بھی ٹپوسیاں مارتی ہوئی' چمن لعل کی گود سے باہر کود کر میرے ساتھ خالی جگہ پہ بیٹھ کے بغلیں کھجلنے لگی۔

مَیں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

''بھائی' چمن لعل! یہ کون سی جگہ ہے۔ کوئی چھپڑ ہوٹل یا چیکنگ پوسٹ؟''

وہ مجھے نیچے اُترنے کا اِذن دیتے ہوئے بولا۔

''پیر صیب! یہ جگہ اُس بات کا جواب ہے جو ایک گھنٹہ پہلے آپ نے پوچھی تھی کہ باوری مجھے کہاں سے ملی تھی۔''

مَیں اُس کی بات پہ غور کرتے ہوئے نیچے اُتر آیا۔ جکڑی ہوئی ٹانگیں سیدھی کیں۔ ایک لمبی انگڑائی توڑی پھر بھرپور جمائی لی...... ہوش حواس بحال ہوئے تو اِن جھونپڑوں کا بنظرِ غائر جائزہ لیا۔ وہی بے ڈھبے پتھروں کی بے مسالہ دھری ہوئی دیواریں' اُوپر کانٹے دار جھاڑیوں کی کھپریل۔ ایسا گھپ اندھیرا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ نہ آدم نہ آدم زاد...... اَب دھیرے دھیرے جکڑے بندھے ہوئے مسافر بھی باہر نکلنا شروع ہوئے۔ پاس ہی پتھروں سے بنے ہوئے حوض سے پانی کے لوٹے بھر کر اِدھر اُدھر کھسکنے لگے۔ چمن لعل' جس کے کندھے پہ باوری براجمان تھی' ٹارچ کی روشنی دکھاتے ہوئے میرے لئے پانی کا لوٹا بھر لایا۔

''لیجئے آپ فارغ ہو لیں۔ اتنی دیر میں مَیں آپ کے لئے کڑک سی چائے بنواتا ہوں......''

اتنا کہہ کے وہ سامنے والے جھونپڑے میں گھس گیا۔ شاید وہاں کوئی چائے خانہ تھا۔ مَیں اس باورے کو جاتے دیکھ رہا تھا جس کے کاندھے پہ باوری بیٹھی ہوئی تھی۔ عجب بندہ تھا جس کے سر پیر کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا جو پیچھے کی لپیٹ دیتا ہے اور آگے کی اچانک کھول دیتا ہے۔ پیشاب کی اشد حاجت تھی' لوٹے کی گردن دبوچے' مَیں ذرا پرے ڈھلواں سی جگہ پہ ہو لیا۔ اَب کوئی جگہ مجھے پسند ہی نہیں آ رہی۔ میرا ہمیشہ سے طریقہ رہا ہے کہ سفر میں سفری چاقو (سوئیس میڈ' مٹی پر پڑ سرخ دستے والا) اور سفری پن ٹارچ' میری جیب میں ضرور موجود ہوں گی۔ ایک ہاتھ میں پانی والا لوٹا اور دوسرے ہاتھ میں ننھی سی ٹارچ' جس کی لرزتی ہوئی مدھم روشنی میں مَیں اپنے پاؤں تلے کے اُونچے نیچے پتھروں پہ کوئی معقول سی جگہ ڈھونڈ رہا تھا مگر تا حال کوئی ایسی جگہ جاپ نہ پڑی جدھر مَیں حاجت رفع کر سکتا۔ کثرتِ بول کا عارضہ' ہمارے ہاں موروثی بیماری ہے کم از کم مَیں اس سے بہت عاجز رہا...... دن میں بار بار اور رات بھر بیت الخلاء کے چکر۔ زیادہ پریشانی سفر کے دوران ہوتی ہے۔ حتی الوسع' مَیں بس' کوچ کے ذریعے سفر سے گریز کرتا ہوں۔ البتہ ٹرین' جہاز سے قدرے سہولت رہتی ہے کہ سیٹ باتھ روم کے قریب تر حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر بھی کبھی کبھی ایسی عجلت دَر آتی ہے کہ

پہنچتے پہنچتے ہی گیلا ہو جاتا ہوں...... کئی بار تو ایسے ایسے عذاب جھیلے ہیں کہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پریشان کر دیا۔ ملاحظہ فرمائیں کہ آرام سے سفر کے دوران پڑھ رہا ہوں، باہر کے مناظر سے لطف اندوز ہو رہا ہوں یا کسی ہمسفر سے گفتگو ہو رہی ہے۔ یونہی محسوس ہوا کہ مثانہ قدرے بوجھل ہو رہا ہے۔ اِس فرسودہ سے پیشاب آور احساس کو جھٹک دیتا ہوں کہ شیطان خوانخواہ خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے...... خود کو صحت مند اور ایک اچھا مسلمان ثابت کرنے کے لئے لاحول ولاقوۃ پڑھتا ہوں مگر میرے خیال میں اس قسم کی مکروہ بیماریوں میں لاحول ولاقسم کے پاکیزہ ٹوٹکے کچھ زیادہ اثر نہیں کرتے۔ اَب حال یہ کہ ناف کے نیچے اندر جیسے کوئی غبارہ پھول رہا ہے اور مثانہ پھٹنے کو آ رہا ہو۔ اَب میں آگے پیچھے اور اندر باہر کی صورتِ حال کا جائزہ لیتا ہوں...... زانوؤں کو جوڑ کر اکڑا لیتا ہوں اور پہلو پہ پہلو بدلتا ہوں...... اس مقام پہ میرے ہاں ایک آدھ منٹ ہی ہوتا ہے وہ بھی سختی سے دانتوں تلے زبان داب کے۔ اَب میں باہر نظر دوڑاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ بس کسی ایسی جگہ سے گزر رہی ہے کہ وہ رُک نہیں سکتی یا ڈرائیور کہتا ہے۔ پانچ دس منٹ اور صبر کر لیں' آگے پٹرول سٹیشن پہ واش رُوم بھی ہے اور وضو نماز کی سہولت بھی!...... پانچ دس منٹ اگر حقیقت میں پانچ دس ہی ہوں تو آدمی نافے میں تھوک لگا کر ٹائم پاس کر لیتا ہے اور اگر یہ پانچ دس منٹ آدھے پونے گھنٹے کی بھی پوری نہیں ہوں تو جو ہوتا ہے وہ لکھنے کے قابل نہیں...... میں کئی بار سفر ملتوی کر کے راستے میں ہی اتر جاتا ہوں۔ وہ بار بار یہاں ہو یا رات دن کہیں بھی پیشاب کی حاجت پڑے تو میں بجائے یہ کہنے کے کہ بس روکو...... مجھے پیشاب کرنا ہے' میں سیٹ سے اُٹھ کر ڈرائیور کے سر پہ آ کھڑا ہوتا ہوں۔ بس فوراً روکو اور مجھے اُتار کر چلے جاؤ...... بس سے اتر کر فارغ ہوئے اور پھر وہیں واپس پہنچ کر کسی اور بس پہ بیٹھ گئے۔

لاہور کے ایک پانچ ستارہ والے ہوٹل میں اولڈ راوین کا سالانہ ڈنر تھا۔ کسی کی غلطی سے مجھے بھی دعوت میں شریک کر لیا گیا۔ مہمانِ خصوصی چونکہ ایک بڑے سائنسدان تھے اس لئے سیکورٹی بہت سخت تھی۔ شرکاء کو چیکنگ سکریننگ کے مختلف مراحل طے کرنے پڑے۔ جب تمام شرکاء نشستوں پہ بیٹھ چکے تو سارے دروازے بند کر دیئے گئے۔ آنا جانا موقوف کر دیا گیا۔ یہیں مجھے اور ہوٹل کے سیکورٹی عملے کو ایک ایسے آزمائشی مرحلے سے گزرنا پڑا جسے ہم دونوں حصہ داران بُھلانا بھی چاہیں تو شاید ایسا نہ کر سکیں...... میں مخصوص نشست پہ بیٹھا پروگرام سے محظوظ ہو رہا تھا کہ اچانک مثانے سے سگنل موصول ہوا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں کسی واش رُوم میں ہونا چاہیے ورنہ وہی ہو گا جو کم از کم اس فائیو سٹار ہوٹل میں اور اس سنجیدہ اور اعلیٰ سطح کے حامل' اس ہمہ جہت ڈنر فنکشن میں نہیں ہونا چاہیے۔ عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے...... میں سمجھ کر اُٹھا اور سیدھے دروازہ پہ اِستادہ سیکورٹی کے مستعد اہلکاروں سے واش رُوم کا پوچھا...... میں صدقے جاؤں کہ اُن کی تنی بھنویں

گردنوں کے سریوں میں کوئی خم ہی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی اُنہوں نے میرے سوال کو کسی جواب کے قابل سمجھا۔ اُنہیں خاموش پا کر میں نے دوبارہ اپنا مدعا بیان کیا کہ شاید وہ اُونچا سنتے ہوں یا سنگر ملکو کی موسیقی سے لُطف اندوز ہو رہے ہوں۔ اس بار اُن میں سے ایک بڑے رُوکھے اور تلخ لہجہ میں بولا۔

''واش روم ہال سے باہر دوسری طرف ہیں مگر اس وقت تک ہال سے باہر کوئی نہیں جا سکتا۔''

''کیوں......؟''

''جب تک ثمر مبارک مند (سائنس دان) یہاں موجود ہیں دروازے بند رہیں گے۔''

میں اپنے زانو دباتے ہوئے بولا۔ ''بیٹا! میں شوگر اور کثرتِ بول کا مریض ہوں۔ یقیناً مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا مگر یہاں کے کچھ لوگ زبردستی پکڑ کر مجھے یہاں لے آئے ہیں۔ میں گھر سے احتیاطاً خوب اچھی طرح پیشاب کر کے آیا تھا۔ اب کیا کروں پیشاب نے پھر پریشان کر دیا ہے۔ میں یوں گیا اور یوں آیا بس ذرا سی ذرا دروازہ کھول دو۔''

اُسی لاپرواہی اور بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہمیں کسی بھی صورت دروازہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ آپ انتظار کر لیں۔''

میں [illegible] پیٹ دباتے ہوئے بولا۔ ''واش روم جانے کی ضرورت کسی کو بھی پیش آ سکتی ہے۔ یہ ایمرجنسی کا معاملہ ہے۔ فوراً دروازہ کھولو...... ورنہ؟''

میری جانب ناگواری سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ دوسرے بڑے ذرا [illegible] دروازہ نہیں کھل سکتا......''

ٹھیک میں جہاں کھڑا تھا وہیں جھک گیا کہ کم از کم ٹانگیں پانجامہ تو گیلا نہ ہو...... برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ جب یہ حد ختم ہو جاتی ہے تو کوئی ضابطہ اخلاق، قانون اور شرم لحاظ باقی نہیں رہتا۔ پانجامہ ڈھیلا کر کے بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ لیکن اب مجھے کسی واش روم میں نہیں بلکہ گھر جانے کی حاجت تھی۔ ویسٹ منسٹر یون انچ دبیز کارپٹ، انتظامیہ کی اخلاقی بے حسی اور عدمِ تعاون پہ پانی پانی تو نہ ہوا البتہ شرم کے مارے پیشاب پیشاب ضرور ہو گیا۔ واہ رے امپورٹڈ قالین تیرے نصیب...... جہاں درویش کا مُوت، وہاں پریت نہ بھوت......!

واپس تفتان کے سفر کی جانب چلتے ہیں...... پن ٹارچ روشن کیے میں نیچے دیکھتا، جھانکتا ہوا کسی مناسب اور ہموار جگہ کا متلاشی تھا...... عام آدمی کا کیا ہے کسی بھی بظاہر مناسب جگہ پہ بیٹھ کر فارغ ہو لے گا۔ مشکل تو ہم ایسے خبطیوں کے لیے پڑتی ہے۔ سے پہر کا خیال، نیچے پاتال تک کا جھانکا...... اُوپر نگاہ اُٹھاؤ، آگے

پیچھے' دائیں بائیں دیکھو بھالو...... نیچے کسی حشرات الارض جانور کا بل' نباتات' کوئی زہریلی جڑی بوٹی — نیچے پتھریلی زمین ہے تو کس قسم کی؟...... شور تھور تو نہیں؟

درویش' فقیر' سنیاسی' بول و براز کے لئے ایک سو ایک چیز دیکھتا ہے اور جاہل جا تلا' جدھر آڑ اوٹ پاتا ہے' کام ڈال دیتا ہے۔ انسان عموماً اپنی ظاہری آنکھ سے آسانی کے ساتھ مادے کو دیکھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ لیکن دیگر غیر انسانی مخلوقات' ماورائی عناصر اور آتشی ابلیسی محرکات کو عام حالات میں دیکھ نہیں سکتا — پورے بحر و بر کا کوئی حصہ' کونا' ٹکڑا ایسا نہیں جہاں اللہ کریم کی کوئی نہ کوئی مخلوق موجود نہ ہو...... انسان بے چارہ تو محض پانچ چھ فیصد بحر و بر پہ برقرار ہے باقی ماندہ پہ جنات اور دیگر نوری ناری مخلوقات اپنا تسلط رکھے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کے سلسلے' برف زار' جنگلات' سمندر' ریگ زار وغیرہ جہاں انسان کی ابھی تک رسائی نہیں ہوئی دیگر مخلوقات کی آماجگائیں ہیں [illegible] لئے کہا گیا۔ بول و براز کے لئے جگہ منتخب رکھو۔ اجنبی جگہ پہ رفع حاجت کے لئے بیٹھنے سے پہلے آس پاس خوب دیکھ بھال لو۔ بواسیر' سوزشِ مقعد' آنتوں کی بیماریاں...... سوزاک' پیشاب کی نالی کی جلن' دَھدر' اور پھوڑے پھنسیاں وغیرہ یہ وہ خبیث عارضے ہیں جو گھر کے واش روم سے باہر کھلی فضا' جنگل' کھیت کھلیان...... مرگھٹ قبرستان کے آس پاس' چوہوں' [illegible]' کیڑوں مکوڑوں کے بلوں کے اوپر یا قریب' [illegible] فضلے پہ' [illegible] اُپلوں اور بجھے ہوئے یا سالم چولہے پہ' [illegible] جلن بوٹی' جنگلی گھاس' بانس کی جڑوں کے قریب' رفع حاجت سے مذکور بالا عارضوں میں مبتلا ہونے کا ستر فیصد اندیشہ ہوتا ہے جبکہ نیازبو' تلسی' صندل' رات کی رانی' موتیا کے پودوں کے نزدیک یا ان کی زمین مٹی استعمال کرنے سے نکسیر [illegible] بغلوں کی گلٹیاں' [illegible] پھٹنے اور وجع المفاصل کے عارضے لاحق ہو سکتے ہیں۔ کیسر کے کھیت کے پاس بیٹھنے سے خللِ دماغ واقع ہو سکتا ہے۔ گرم ریت پہ بول و براز سے فوطے پھول جاتے ہیں۔ گردن کے گلہڑ کی بیماری عود آتی ہے...... کھڑے پانی میں اتر کر پیشاب کرنے سے پیشاب میں رکاوٹ بندش پیدا ہو جاتی ہے' جبکہ رواں پانی سے قوت مردانہ میں نقاہت آ جاتی ہے۔ گرم بھوبھل' راکھ سے عضو کی سپاری سوج کر سرخ ہوتی ہے...... درختوں کے نیچے بھی یہ کام بڑی تکلیفیں پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ جن کا سایہ' کسی باہر والی چیز کا چمٹنا' بھوت پریت کا پرچھاواں وغیرہ۔

● حصارِ حفظ و پناہ......!

انسان اپنی ناسمجھی اور کور نظری کی بنا پہ انجانی مشکلات اور پریشانیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ زیادہ نہ کی

کم از کم صاف ہموار سی جگہ اوٹ دیکھ کر بیٹھے اور کسی کنکر یا ٹہنی سے 'لاحول ولا قوۃ' زیرِ لب دُہرا کر اپنے گرد حصار کھینچ لے اور قدرے آواز سے تین مرتبہ دُہرائے...... ''میں رفع حاجت کے لئے یہاں بیٹھتا ہوں اگر کوئی اللہ کی اَن دیدہ مخلوق' یہاں آس پاس موجود ہو تو وہ پردہ لے لے اور میرے اس بشری تقاضے سے درگزر کرے'' ...... یہ انتہائی مجرّب ہے۔ یاد رہے کہ جنّات اور دیگر عنصری' ہوائی مخلوقات' مختلف قالب میں بھی موجود سکتی ہیں مثلاً سانپ' چھپکلی' چمگادڑ' کتا' بلی' ابابیل' کوا' اُلو' گیدڑ اور گدھ...... یہاں تک کہ مکھی' مچھر اور انسان وغیرہ کا رُوپ سروپ بھی دھار لیتی ہیں۔

میں اپنے حساب کتاب کی جگہ ڈھونڈتے ہوئے کافی آگے نکل آیا تھا۔ یہاں مٹی کم پتھر زیادہ تھے اور سامنے کچھ آگے پہاڑ اونچے نیچے ہوتے دکھائی دیے...... یہ نہ ہوتے تو میں شاید کچھ اور آگے نکل لیتا۔ کچھ آگے ایک چھوٹا سا کٹاؤ دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔ ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی......

جنگل' پہاڑ' میدان' صحرا میں اگر کہیں رات بسر کرنے کی مجبوری پیش آجائے تو اپنے قریب آگ جلانے کا انتظام ضرور کرلو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی بھی طرح کی روشنی کا چارہ کرو...... چاہے وہ ٹارچ' مشعل موم بتی یا کوئی چھوٹا سا دیا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ شرار بلیات' حشرات الارض و افلاک سے محفوظ رہنے کا آزمودہ نسخہ ہے۔ [illegible] سے باز رکھتی ہیں۔ اُن کے اندر اک انجانا سا خوف طاری رہتا ہے۔ مگر ایک ستم یہ بھی ہے کہ آپ مکمل طور پر اُن سب کی نظر میں رہتے ہیں۔

بچّہ ہو یا بڑا' اُن کے ہاتھ میں جھنجھنا یا سیٹی تھمادی جائے تو وہ اُسے ضرور بجائیں گے...... اگر اندھیرا ہو اور ہاتھ میں ٹارچ ہو تو آدمی اُسے روشن کرکے اِدھر اُدھر دیکھے گا۔ کیونکہ اندھیرے میں اس کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں ہوتا۔

میں اُکڑوں سا بیٹھا' پیشاب کی مصیبت میں پھنسا ہوا تھا۔ جو قطرہ قطرہ اپنی مرضی سے ٹپک رہا تھا۔ کثرتِ بول اور شوگر کے مریضوں کا یہ ایک المیہ ہے کہ وہ مثانے میں آخری قطرے تک' اُسے خارج کرنے کے جتن میں لگے رہتے ہیں۔ پہلو پہ پہلو بدلا جارہا ہے نیچے پاؤں پنجے تن ہیں' روشنی کے ہالے میں مچھر اور پتنگے ناچنے لگے تھے۔ میں ٹارچ کی روشنی کا رُخ بدل بدل کر آس پاس کا ماحول دیکھنے لگتا ہوں۔ ناگہاں مجھے کچھ پرے' کھینچے ہوئے حفاظتی حصار کے باہر' چھوٹے چھوٹے قد کے دو انتہائی مضطرب بندر دکھائی دیے...... بھورے بالوں میں سیاہ بالوں کی کچھ زیادہ ہی آمیزش تھی...... نوکیلے دانت کچکچاتے ہوئے وہ سخت ناگواری کے عالم میں چیخ و پکار کرنے لگے۔ اب کیا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے میرے گرد بندر جمع ہونے شروع ہوگئے۔

میرے خدایا! میں کہاں پھنس گیا۔ میں نے پلٹ کر دُور اپنی بس کی جانب دیکھنا چاہا مگر اُدھر سوائے اندھیرے کے کچھ بھی دکھائی نہ دیا شاید اس لئے کہ درمیان میں وہ دونوں بڑے بڑے جھونپڑے تھے۔ اب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا کہ اتنی دُور نہیں آنا چاہیے تھا...... ذرا سی دیر میں چاروں طرف بندر ہی بندر...... دانت منہ نکالے غوں غوں کرتے میرے دوالے ہو چکے تھے۔ مگر میرے گرد کا حصار ایسا تھا کہ وہ اندر داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

حِصار کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ یہ ایک دائرہ ہوتا ہے جو کسی عصا، لکڑی، پتھر، خنجر، تلوار، تیر یا دائیں ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی سے، زمین، مٹی، ریت، پتھر، کپڑے یا پانی پہ کھینچا جاتا ہے۔ اس کا مقصد کسی خطرے کی صورت میں، خود کو مالک کی پناہ میں رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ نوری، ناری ہر دو قسم کے عملیات یا ذاتی تحفظات کے ضمن میں بھی یہ حصار کھینچا جاتا ہے...... کچھ اَوراد، آیات اور جنتر منتر ایسے بھی ہیں جو اسے کھینچتے سمے پڑھے جاتے ہیں۔ اس نشان زدہ زمین (جدھر بھی یہ حصار کا نشان کھنچے) یا دائرہ کے اندر پھر کوئی اچھی بُری مخلوق زک پہنچانے کی غرض سے داخل نہیں ہو سکتی...... چلّے، مراقبات اور بیچ جنگلوں، گھپاؤں میں لمبے چوڑے عملیات کرنے والے عاملوں، یوگیوں، بیراگوں اور تپسویوں کے لئے یہ حفاظتی حصار ناگزیر ہوتے ہیں۔ یہ عرض کرتا چلوں کہ اگر اس وقت میں حصار [illegible] میں نہ [illegible] ہاتھ میں روشن ٹارچ [illegible] تو خدا جانے یہ اُچھل مخلوق [illegible] ہیں...... شاید یہ نسناس ہے (انسان نما ایک جنگلی جانور) جس کی شکل و صورت، آنکھیں...... ہنسنا، رونا، دیکھنا سب کچھ انسان کی مانند ہوتا ہے...... بعض ڈارون کا جدِ امجد، ہنومان کی پہچان، جنگل کا کھل نائیک...... اپنی عادات اور جبلّی جنسی، جمالی، جذباتی، جنونی کیفیات کے اظہارات میں انسان کے کچھ قریب دکھائی دیتا ہے...... غور کریں تو یہ حیوانِ ناطق ہے اور نہ حیوانِ مطلق...... نوری ہے نہ ناری...... اس کے بندر بانٹی ہی سے اس کی نیت، حیثیت کا ادراک ملتا ہے...... ہاتھی کی سونڈ کے بعد بندر کی کثیر المقاصد دُم ہے جس سے یہ ایسے ایسے کام لیتا ہے کہ حضرتِ انسان کی سِٹی گم ہو جاتی ہے۔

شیر کی بابت آپ نے سنا پڑھا ہوگا کہ یہ جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے، انڈے دے یا بچے جنے، یہ اس کی مرضی مُوڈ پہ منحصر ہوتا ہے...... اپنا مغلِ اعظم جلال الدین اکبر، جنگل کے قانون کو تو سمجھتا تھا مگر شاید جنگلی جانوروں کے بارے میں کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ ورنہ خواہ مخواہ نورتنوں کی صورت میں سفید ہاتھی کون پالتا۔ جو خوبیاں خرابیاں اِن میںوں میں تھیں وہ اُسے ایک اکیلے بندر میں مل جاتیں...... بات جنگل کے بادشاہ شیر کی ہو رہی تھی۔ اصل میں شیر، صرف اسٹیمپ بادشاہ ہوتا ہے جو صرف اپنی بھوک مٹانے کے لئے معصوم کمزور اور بے ضرر جانوروں پہ اپنی خونخواری اور دہاڑ دھب کا رُعب جما کر جنگل کا مغلِ اعظم کہلاتا

ہے۔۔۔۔۔۔ حقیقت میں جنگل کے دربار کا سارا دارومدار بندر کے دم بھرم سے ہی ہوتا ہے۔ مخبری سے لے کر چوبداری، پلّے داری، چوکیداری، تابعداری اور اہلیانِ جنگل کی بال بچے داری میں بھی اسی بندر کا ہاتھ ہوتا ہے۔ یعنی جنگل کے طویلے کی ہر بلا بندر کے سر ہوتی ہے۔ جنگل کے چوہڑے لگڑبھگے سے لے کر بادشاہ شیر خاں اور اُس کے بیوقوف بیوی بچوں تک سب چھوٹے بڑے اس کو تایا جی کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس جنگلت تایا کے جب درجات بلند ہو جاتے ہیں تو یہ تایا بندر سے خلیفہ مچھندر ہو جاتا ہے۔

سانپ کے ازلی دشمنوں میں بندر، مور، نیولا، گرز، چیل، مارخور، باز اور انسان سرِفہرست ہیں۔ مگر بندر کا کوئی دشمن نہیں کیونکہ وہ سب کے کام آنے والا اور دل بہلانے والا جانور ہے۔ بندوں اور قلندروں سے وہ بدکتا ہے کہ وہ بندھن باندھ دیتے ہیں۔ اُسے اُن کی سوٹی اور روٹی کے اشارے پہ ناچنا پڑتا ہے۔ بندر دوست بھی ہوتے ہیں اور دشمن بھی۔۔۔۔۔۔ دوستی ایک حد تک مگر دشمنی بے حد ہے۔ اِس کے ہاں ذہانت و فطانت سوا ہوتی ہے تاہم اُونٹ کی مانند کینہ اور کمینگی کے رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔ نقالی خوب کرتا ہے۔ رجولت پسند بھی ہے۔ بندر نیچ ذات کا شودر، اِن کی اعلیٰ ذات برہمن لنگور ہوتے ہیں۔

اس وقت مجھے جن بونے بوزنوں سے واسطہ پڑا تھا اُن کے بارے میں مَیں یہی کہہ سکتا ہوں کہ یہ بوزنوں کی کسی [illegible] اور بلا کے نچلے۔۔۔۔۔۔ مَیں نے اندازہ لگایا کہ جہاں مَیں بیٹھا ہوں اس کے اطراف کی چٹانوں، دراڑوں میں ان کے مسکن ہیں۔ رواں موسم، بندروں کے ہاں پیدائش کا ہوتا ہے لہٰذا دن ہو یا رات، بندر اپنے مسکنی علاقے میں، خاص طور پہ کسی انسان کی آمد کو اپنے اور اپنے بچوں کے حق میں کوئی مناسب نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔۔ بندر پکڑنے والے شکاری اور مداری، اس موسم میں جالوں اور زمینی پھائیوں پنجروں سے انہیں پھانسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بڑے بندر تو ذرا کم ہی ان کی پکڑ میں آتے ہیں مگر چھوٹے بچے اکثر اپنی بے سمجھی کی بنا پہ پکڑے جاتے ہیں۔ بڑے بندر کو سدھانے میں بڑی مشکل پڑتی ہے جبکہ ننھا بندر آسانی سے سیکھ جاتا ہے اور مداری سے مانوس ہونے میں بھی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔

یہ ننھے ننھے بندروں کا گروہ بھی شاید مجھے اَز قسم کوئی قلندر، مداری سمجھے ہوئے تھا۔۔۔۔۔۔ اس میں اُن کا بھی کوئی قصور نہ تھا میرا حلیہ حال ہی ایسا کہ مَیں کور نظروں کو بچے چُک دکھائی دیتا ہوں۔

بول و براز کا اخراج ایک خودکار نظام ہوتا ہے۔ اس میں فاعل کو کچھ زیادہ تردد نہیں پڑتا۔ خود بخود ہی سارا کام پڑ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ مَیں فارغ ہو چکا ہوں اور اب مجھے طہارت سے فارغ ہو کر اِدھر سے عزتِ سادات بچا کر نکل لینا چاہیے۔ اب مَیں پاجامہ چڑھائے لوٹا، ٹارچ تھامے کھڑا ہو جاتا ہوں۔

حصار سے باہر نکلنے کی دیر تھی کہ بندروں نے مجھ پہ یلغار کر دی۔ ابھی میں پوری طرح اُن کی گرفت میں نہیں آیا تھا کہ حواس برقرار رکھتے ہوئے واپس حصار میں کود آیا…… دو چار جو میرے کپڑوں سے اُلجھے ہوئے میرے ساتھ ہی حصار میں چلے آئے تھے۔ بُری طرح چیختے چلاتے ہوئے باہر پھلانگ گئے بلکہ وہاں سے بھی بھاگ گئے۔ اَب میرے پاس حصار میں رُکنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں رہ گیا تھا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ اندھیرے میں ٹارچ سے ڈالی ہوئی روشنی شیر کو بھی اندھا کر دیتی ہے۔ ہر جانور روشنی سے گھبراتا ہوا کھسک لیتا ہے۔ یہاں بھی یہی تھا کہ جدھر روشنی ہوتی اُدھر سے بندر دوسری جانب ہو جاتے ہیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان سے جان چھڑا کر بھاگ لینا ناممکن اگر نہیں تو مشکل ضرور ہے…… ابھی اِسی اُدھیڑ بن میں تھا کہ سڑک کی جانب سے کچھ آوازیں سنائی دیں…… اُدھر کان دھرے تو معلوم ہوا کہ چمن لعل مجھے پکارتا ہوا اِسی طرف آ رہا ہے۔ جب اُدھر سے ملی جلی آوازیں قدرے بلند سنائی دیں تو میں نے اسے آواز دی۔

"چمن لعل! میں آگے چٹان کے پاس ہوں' بندروں نے مجھے گھیرا ہوا ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں چمن لعل دو تین آدمیوں کے ساتھ جن کے ہاتھ میں ٹارچیں اور ڈنڈے تھے میرے قریب پہنچ گئے…… بندر تو انہیں دیکھتے ہی کہیں رفوچکر ہو گئے تھے…… واپس جھونپڑی کے پاس پہنچے چائے بسکٹ سے فار[illegible] پوچھا [illegible] معلوم ہوا کہ یہ علاقہ ایک قدیم نسل کے بندروں کے لئے مشہور ہے…… کچھ مخصوص لوگ' ان سے سمگلنگ بھی کرواتے ہیں۔ چھوٹے قد والے یہ فتنے بڑے کام دام والے ہوتے ہیں۔ اب میرے خیال میں آپ کو اپنے سوال کا جواب مل گیا ہوگا؟…… فوری طور پہ میری سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کس سوال کا ذکر کر رہا ہے۔ دماغ پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا تو خود بخود میرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پیر صیب! یہ میری باوری کا میک علاقہ ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یہ اسی جگہ میری سیٹ کے نیچے گھسی ہوئی ملی تھی۔ دودھ بن کھلایا۔ بہتیرا بھگایا مگر یہ ادھر سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔"

پون گھنٹے کی بریک کے بعد ہم پھر اپنے سفر پہ رواں تھے۔ چمن لعل نے بس کے ڈیک پہ کسی سندھی بلوچی لوک فنکار کا کیسٹ لگا دیا تھا…… الفاظ تو کچھ زیادہ سمجھ میں آنے والے نہ تھے لیکن دھن' لے اور گائیکی انداز بڑا دلنشین تھا…… راجستھانی ٹھاٹ کا سُر' شب رواں کا فسوں!

راتوں میں صحرائی سفر' ستاروں کے ٹمٹماتے جگنوؤں کی روشنی میں یوں لگتا ہے کہ جیسے مسافر معراجِ کائنات کے لئے نکلا ہو…… ایسے سفروں میں جسم نہیں رُوح محوِ سفر ہوتی ہے…… ایسی ہی کچھ کیفیت اِدھر بھی واقع تھی…… موسیقی کے زیروبم پہ جھومتی اور بس کی رفتار کے آہنگ پہ جھولتی ہوئی نیند کی لہریں' عجب سا کیف

پیدا کر رہی تھیں…… اُدھ جگے سی حالت تھی کہ زانوؤں کے نیچے پنڈلیوں پہ آہستہ سے کسی نے گدگدی کی۔ پہلے تو خواب سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا۔ بعداً جب کسی نے ہلکے سے دانت دھرے تو احساس ہوا کہ نیچے کوئی ہے۔ کھٹ سے دماغ میں آئی کہ ہو نہ ہو باوری کی حرکت ہے۔ چمن لعل کی جانب دیکھا' باوری تو اُس کی گود میں سر دیئے سو رہی تھی۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے…… الٰہی! نیچے کون سی بلا ہے؟ مزید کوئی اضافی حرکت کیئے ہولے سے دونوں زانوؤں کے درمیان نیچے نظر کی۔ نیم اندھیرے میں بھلا کیا دکھائی دیتا؟ وہمہ جان کر در گزر کرنا چاہا مگر توبہ کیجئے جو اس بلا نے میرا پیچھا چھوڑا ہو۔ اب اس نے ہلکی ہوا والے لجلجے غبارے کی مانند اپنا جسم میری پنڈلی سے مَس کرنا شروع کر دیا۔ جیسے کوئی نرم نرم ہاتھوں سے سہلا رہا ہو۔ اب بجائے غصہ' مجھے پیار آنے لگا' یوں سہلانے تھپکانے سے تو بڑے بڑے درندے وحوش شانت پڑ جاتے ہیں انسان تو ہے ہی بڑی نرم گل کا' اب یہ طے تھا کہ وہ کوئی بلی کا بلونگڑا ہے اور یا پھر بندری کا بچہ۔ چنانچہ اب میں نے بھی اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیا۔ دونوں پنڈلیوں کے درمیان لا کر ہلکا سا بھینچا تو اُس کی چیں چاں سے اُس کا بندر کا بچہ ہونا واضح ہو چکا تھا۔ اِس لمحۂ موجود تک چمن لعل کو اس واردات کی خبر نہیں تھی جو کہ مجھ پہ گزر گئی تھی یا گزر رہی تھی۔

اچانک اس نے میری اس چھوا چھوائی والی محویت کو [illegible]

''پیر [illegible] بیدار [illegible]''

میں نے فی الفور جواب دیا۔ ''جب کوئی پیار سے پنڈلیوں میں گدگدی کر رہا ہو تو آئی ہوئی نیند بھی اُڑنچھو ہو جاتی ہے۔''

اَب میں نے قدرے اُس [illegible] ہوتے ہوئے پوچھا۔

''چمن لعل! کیا تم بتا سکتے ہو میرے پاؤں میں کون ہے جو میری پنڈلیوں کو گُدگُدا رہا ہے……؟''

وہ قدرے میری جانب جھک کر میرے پاؤں کے نیچے دیکھتے ہوئے بولا۔

''پیر صیب! کیا چیز ہے مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا؟''

اَب میں بولا۔ ''دکھائی تو ابھی تک مجھے بھی کچھ نہیں دیا مگر ہے کوئی ضرور' جو میری ٹانگوں سے لگا لپٹا کھیل رہا ہے۔''

''آپ ذرا ہاتھ بڑھا کر اسے اُوپر نکالیں' دیکھیں تو سہی کوئی بلی کا بلونگڑا ہے یا کوئی بندر کا بچہ……؟''

''چند لمحے توقف کے بعد' میں نے دھیرے سے ہاتھ ڈال کر اس ذاتِ شریف کو گردن سے پکڑ کر اُوپر اُٹھا لیا' بالکل یہ ویسے ہی تھا جیسے کوئی اَدھ مری چوہیا' مربے کے مٹکے سے باہر کرتا ہے۔ یہ ایک بندریا تھی بالکل باوری جیسی…… اپنی باوری تو بیاہی برتی تھی۔ پوشاک جھانجھریں' مرکیاں' آنکھوں میں کاجل'

ہزار نخرے نخرے...... مگر یہ تو بڑی غریب لاغری' بالکل کسی بچے کے جاپانی کھلونے کی مانند کٹھ پتلی سی' چھوتا تو درکنار' نظر بھی دیکھتے ہوئے کپکپائے...... اس کے منظر پہ آتے ہی باوری جیسے پاگل ہوگئی۔ وہ چیختی ہوئی وہی چھلانگی اور میرے سر پہ آ براجی' لپک لپک گھوم گھوم غرانے لگی' جیسے اُسے اس کی موجودگی بے حد ناگوار گزری ہو۔ میرے لمبے بال پکڑے وہ ٹارزن کی طرح جھول رہی تھی' میں بُری طرح جھلا کر رہ گیا...... دو بندریوں کے درمیان اک مچھندر بنا ہوا میں مدد طلب نظروں سے چمن لعل کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھی اس صورتِ حال سے پریشان ہوتے ہوئے کہنے لگے۔

''اس مصیبت کو واپس نیچے کردیں......'' پھر اس نے اپنی زبان میں باوری کو کچھ کہا...... وہ چھلانگ کر واپس اُس کی گود میں پہنچ گئی مگر اس کی جھنجھلاہٹ اور خفگی میں کمی نہ آئی۔

میں نے اپنے اُلجھے ہوئے بال سمیٹے ہوئے پوچھا۔

''چمن لعل! کیا اس وی وی آئی پی کلاس کے مسافر کے لئے یہ بندر تماشے بھی ٹکٹ میں شامل ہیں؟''

وہ بوڑھا باراں دیدہ میرے اس سوال پہ خوب کھلکھلا کر ہنسا۔

''صیب! سات برس ہوگئے اس راستے پہ آتے جاتے۔ ایسا کھیل اور تماشا کبھی پیش نہیں آئے۔ اس [illegible] نے آپ پہ [illegible] ایک حیران کن واقعہ ہے کہ ایسا کبھی کسی مسافر کے ساتھ نہیں ہوا۔ حالانکہ مسافر اور مقامی دُور آگے تک بھی نکل جاتے ہیں اور یہاں پہ بندری کے بچے والا کام بھی آپ کے ساتھ ہی ہوا ہے۔ بلکہ مجھے پکا یقین ہے کہ یہ بندری کا بچہ' وہیں کہیں آپ کے کُرتے کی جیب یا چادر [illegible] لٹک [illegible] کے یہاں پہنچ گیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ میں نے باوری کو کنٹرول کرلیا ورنہ وہ اُسے اُدھیڑ کر رکھ دیتی۔''

میں اس کی یہ بات سن کے حیران رہ گیا۔ سوچنے لگا یہ بھی ہو تو سکتا ہے کیونکہ وہاں ایسے ہی بندر بچے مجھے گھیرے ہوئے تھے' ہوسکتا ہے کہ اسی لپکا جھپکی میں یہ نامعلوم سا سہم بچہ کہیں میرے نیفے یا پائنچے سے لگ لٹک کر یہاں تک آ گیا ہو؟...... میں نے قدرے متردد ہوتے ہوئے کہا۔

''چمن لعل! جو ہُوا سو ہُوا۔ بولو! اب کیا کریں؟ میرے خیال میں اس کو بھوک بھی لگی ہوئی ہے۔ کہیں کوئی دُودھ وُودھ......؟''

لاپروائی سے بولا۔ ''دُودھ شودھ کی جگہ سے ہم کافی آگے نکل آئے ہیں۔ اب تو صبح چھ بجے کے قریب اگلے ہوٹل پہ پہنچ پائیں گے...... اب تو وہیں دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔''

''اس کا مطلب......؟''

''مطلب یہ کہ میرے پاس بوتل میں دُودھ تو ہے لیکن وہ باوری کے لئے صبح کا ناشتہ ہے۔ سیانے کہتے ہیں کہ پیٹ اپنا اپنا' قبر اپنی اپنی...... لہٰذا میں اپنی باوری کا دُودھ' کسی اور کو نہیں دے سکتا...... چاہے وہ بندہ ہو یا کوئی بندریا......!''

''میں نے اُسے سمجھانے کی غرض سے کہا۔

''چمن لعل! اِس وقت تو باوری کھا پی چکی ہوگی اُس کے صبح کے ناشتے کے لئے دُودھ اگلے ہوٹل سے لے لیں گے۔ تم کچھ دُودھ اِس ننھے بچّے کے لئے دے دو' جو کسی بھی طرح اِس وقت ہمارا مہمان ہے۔''

وہ اپنا موقف واضح کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''پیر صیب! میری باوری بازار کے گھٹیا اور غیر معیاری دُودھ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ اگر کبھی مجبوری کی حالت میں ایک آدھ گھونٹ پی بھی لے تو کھانسی زکام میں جکڑی جاتی ہے۔ اِس لئے دُودھ کے لئے معذرت...... دوسری بات یہ ہے' ٹکٹ کے پیچھے لکھا ہوا ہے۔ اپنا اپنا بوجھ اُٹھاؤ' اپنا اپنا غم کھاؤ' یعنی سواری اپنے سامان کی حفاظت کی خود ذمہ دار ہے۔ لہٰذا آپ اپنے سامان کی خود حفاظت اور ضرورت پوری کریں۔ کمپنی کسی کی ذمہ داری نہیں لیتی......''

اُس [illegible] کا ہو گیا ہے [illegible] اور خودغرض ڈرائیور جو ایسا بے حس بھی ہو[illegible] از کم میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ بس میں بٹھاتے وقت تو اُس نے بڑی لو لی پوپی کی تھی جیسے وہ ایک مخلص اور شریف متقی ہے۔ میرے کہیں گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک معصوم بچّے کے لئے دو گھونٹ دُودھ کی خاطر ایسا سفاکانہ رویّہ اختیار کرے گا۔ اُس کی غیر اخلاقی اور غیر انسانی سوچ پہ سخت ذہنی اذیت ہوئی۔ ''قہرِ درویش بر جانِ درویش'' کے مصداق' کوئی جواب دینا یا مزید کچھ کہنا سننا مناسب نہ سمجھا۔ خاموشی سادھتے ہوئے اپنا سفری تھیلا ٹٹولنا شروع کیا۔ چند ٹوٹے پھوٹے نمکین بسکٹ' کا جو اور مونگ پھلی کے دانے مل گئے...... باوری کے خوف سے' نیچے ہی اپنے پاؤں کے قریب ڈال دیئے۔ کافی دیر تک میں منہ بسورے رہا...... پھر شاید کہیں نیند تھکن نے زور مارا ہوگا۔ اپنی دو اڑھائی سیٹوں پہ پاؤں پسارے نیم دراز سا ہو گیا۔ پھر شاید کہیں اونگھ آ گئی ہوگی۔

آنکھ اُچٹی تو ہر سُو سپیدۂ صبح پھیلا ہوا تھا۔ دن کو بھی وہاں شب کی سیاہی کا سماں تھا...... دائیں بائیں وہی بے مہر' بے چہرہ پہاڑی سلسلے...... بندہ نہ بندے کی ذات' سنگلاخ' بے آب و گیاہ میدان گھاٹیاں۔ مسلسل ایسا گردوپیش دیکھ دیکھ کر آنکھیں دُکھنے لگتی ہیں۔ اب جو اُٹھ کے بیٹھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ایک پہلو لیٹے لیٹے اکڑ گئے ہیں۔ تھوڑا سا ہاتھ سے ملا دبایا سہلایا اور پھر پیچھے کی ریلنگ کی ٹیک لے کر اُٹھ بیٹھا...... اب اک

نیا منظر میرا منتظر تھا...... باوری اور میرے والی ساانوری دونوں' گیئر لیور کے پاس بیٹھی ایک دوسرے کا سر پھرول رہی ہیں۔ آپس میں ایسی رَلی ملی بیٹھی تھیں جیسے دونوں سگی بہنیں ہوں اور چمن لعل' ویسے ہی ہوشیار و چوبند ------ یہ ڈرائیور حضرات' جب تک ساتھ مشین کے مشین نہ بنیں' مشین چلا ہی نہیں سکتے۔ ان کے اعصاب گوشت پوست کے نہیں' آہن کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔

میں نے بڑا ہشیار بنتے ہوئے کانی نظروں سے اُسے دیکھا۔ میں اُسے ناراض تھا کہ اُس نے گھونٹ دودھ کے لئے ایسی بے مروتی دکھائی...... وہ بظاہر بڑا انجنت اور بے نیاز سا ڈرائیونگ میں جُتا ہوا تھا۔ معاً ساانوری (میں نے اپنے طور پر اُسے یہ نام دیا تھا) نے پٹوسی ماری اور میری گود میں آ گئی...... چند ثانیے توقف کے' باوری بھی آ براجی' بلکہ آتے ہی اُس نے میری داڑھی سے جھولا جھولنے کی کوشش بھی کی۔ جس پہ میں نے اُسے ڈپٹتے ہوئے ہاتھ سے پرے کر دیا...... بس یہیں پہ چمن لعل پھٹا۔

''پیر صیب! اپنا غصہ اس غریبنی پہ تو نہ نکالیں؟''

اب میں نے بھی دھماکہ کیا۔

''وا چمن لعل' واہ! میری بندریا کے دو گھونٹ دودھ کے لئے تم نے مجھے [illegible] کے پیچھے لکھی ہوئی ہدائتیں پڑھوا دیں...... اپنا اپنا بوجھ [illegible] اپنا [illegible] دیا۔ اب یہ جو تمہارا بوجھ میری جھولی میں آ کر میری داڑھی سے جھولا جھولنے کی گستاخی کر رہا ہے اس کا کون ذمہ دار ہے؟''

وہ بے طرح ہنسنے لگا۔ اُس کی زوردار ہنسی سے ڈر کر دونوں بندریاں اپنی اپنی جائے پناہ میں گھس گئیں...... یعنی باوری اُدھر اور ساانوری میری ٹانگوں کے نیچے...... میں نے قدرے ترشی سے کہا۔

''بجائے کہ تم میرے سوال کا کوئی معقول جواب دو' اُلٹا ہنسی میں بات اُڑا کر مجھے مزید تاؤ دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟''

قدرے سنجیدہ ہو کر کہنے لگا...... ''نہیں پیر صیب! میں مذاق نہیں اُڑا رہا۔ میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتا۔ صرف نیند اُڑانے اور آپ کو کچھ مصروف رکھنے کی خاطر یہ ڈرامہ بازی کر رہا تھا۔ دیکھیں یہ پہاڑ [illegible] سفر...... وہ بھی رات کی تاریکی میں' اُجاڑ سنسان پہاڑی راستے...... کبھی گانے والے کبھی ہنسی مذاق' کبھی کچھ...... یہ بندریاں بھی سفر میں دل بہلانے' وقت کاٹنے کا سامان ہیں۔ آپ زندہ دل بزرگ [illegible] دیئے اس لئے آپ سے ہنسی مذاق بھی ہوتا رہا۔ وقت اور سفر کٹتا رہا...... اللہ خیر! اب دن چڑھ آیا ہے تفتان بھی جلد پہنچنے والے ہیں۔ آپ اپنی منزل کی طرف اور ہم سفری پھیرو' کچھ آرام سکون کے بعد پھر [illegible] سفر کی تیاری میں لگ جاویں گے۔''

میری جانب ہلکا سا کھسک کر رازدارانہ لہجے میں کہنے لگا۔

"یہ اپنی بندریاں' ایک ہی ماں کی بیٹیاں ہیں۔ پچھلے پڑاؤ جدھر آپ کو بندروں نے گھیرا تھا...... وہاں سے مغرب کی جانب کالے پہاڑ شروع ہو جاتے ہیں۔ پرانے بوڑھے بتاتے ہیں کہ اِدھر کسی پہاڑ کی کھوہ میں ایک مجذوب' جسے سائیں منزولہ کہتے تھے رہتا تھا۔ یہاں پہاڑ کی کھوہ میں رہنے کی بھی ایک داستان بتائی جاتی ہے۔ سائیں منزولہ ایک بھاڑے کا چرواہا تھا۔ آس پاس کے قبیلوں کے جانور پالتا تھا۔ ایسے سدامست چرواہے بڑا لمبا عرصہ چراہ گاہوں اور پہاڑوں میں گزارتے ہیں...... اردگرد کی دُنیا سے اُن کا کوئی رابطہ واسطہ نہیں ہوتا...... سونا جاگنا' کھانا پینا' مرنا جینا سب کچھ اِن کا اپنے ریوڑ کے ساتھ ہوتا ہے۔ بھیڑ بکریوں' اونٹنیوں کا دُودھ پنیر' گوشت اُون پشم سے وہ گزارہ کرتے ہیں۔ جنگلوں' بیابانوں' پہاڑوں میدانوں میں وہ ہوتے ہیں' اُن کا ریوڑ یا پھر اِن سب کا مالک پالن ہار...... ایسے چرواہے بھی خدامست ہوتے۔ قدرت اور فطرت کو خوب جانتے اور سمجھتے ہیں۔ انبیاء کرام' اصحابہ اور دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں میں بہت سوں نے یہ چرواکاری کی ہے۔ اس مقدس کام میں بڑے کام کی تنہائی' سکون اور جذب میسر رہتا ہے۔ زمین مخلوق سے بھی واسطہ اور اللہ سے بھی رابطہ...... کہتے ہیں کسی دشمن قبیلے کے [illegible] موقع پا کر اس کے تمام ریوڑ [illegible] کر لے گئے اور اسے ہلکان کر [illegible] مر جائے گا۔ مگر وہی بات کہ جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے......!

کہتے ہیں کہ اس علاقہ میں کہیں دُور پار کچھ بندر بھی رہتے تھے۔ جو قد' رنگ اور خوخصلت میں عام بندروں سے مختلف تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان بندروں کا جدِ امجد' کئی زمانے پہلے' یہاں ہجرت کرنے والے کسی ایرانی دُرویش کے ساتھ خادم کی حیثیت سے آیا تھا۔ کسی بھی وجہ سے اُس دُرویش کا' اِس علاقے میں انتقال ہو گیا۔ مرنے کے کئی روز بعد تک اس کی میت' بے گور و کفن ایک کھوہ میں پڑی رہی اور یہ خادم بندر' سرہانے بیٹھا روتا رہا۔ آخر ایک رات امرِ ربی کھلا اور بندر کو کفن دفن کا اذن ملا۔ کہتے ہیں کہ سائیں منزولہ کے مردہ جسم کے نیچے سے ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ اب بندر کے ہاتھ دُرویش کی گودڑی جو لگی تو اُس میں سے ایک چھوٹی سی بندریا ٹپک پڑی...... بندر اور بندریا نے مل جل کر میت کو اُس کے انجام تک پہنچایا۔ اب یہ دونوں اپنے مرشد کی قبر پہ مجاور بن کر بیٹھ گئے۔ کئی زمانے کسی کو اس قبر اور بندروں کی خبر نہ لگی۔ یہ ریوڑ والا بابا' زخمی حالت میں اِنہی بندروں کو ملا تھا...... جو کچھ دیر بعد اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا۔ اِس کی قبر بھی اُسی ایرانی دُرویش کے ساتھ ہے۔ اُس دُرویش بندر اور گودڑی والی بندریا سے پھر آگے اُن کی نسل چلی۔ یہ باوری اور سانوری اسی نسل سے ہیں...... باوری کوئٹہ سے تفتان تک ساتھ ہی رہتی ہے جبکہ سانوری' پچھلے پڑاؤ منزولہ بھاؤ

سے تفتان تک اور واپسی پہ ادھر منزولہ میں اتر جاتی ہے۔"

میں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا نام ساتوری' کیا تم نے رکھا تھا......؟"

اس کا جواب تھا۔ "......اور کیا آپ نے رکھا ہے......؟"

قارئین! یہ بندروں والی بات' کتوں والی بات سے نکلی تھی کہ کس طرح طوائف جی جان جی کی زندگی میں ایک نوزائیدہ بچوں والی کتیاں آئی جس کے وسیلے سے طوائف کی زندگی بدل گئی۔ معلوم ہوا کہ فیض محض اچھوں' نیکوں' ولیوں اور پاکیزہ نفس انسانوں سے ہی نہیں...... ایسے لوگوں سے بھی مل سکتا ہے جو بظاہر برے بدقماش' بدنام ہوتے ہیں یا پھر وہ ایسے دکھائی دیتے ہیں۔ فیض تو انسانوں کے علاوہ جانوروں' درختوں' پہاڑوں' سمندروں سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک چیونٹی سے بھی مل سکتا ہے۔

بارش برسانے والی طوائف سے پہلے بابا کتیاں والے کے میلے کی بات شروع تھی۔ جدھر میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔ ملک کافور ڈرائیونگ سیٹ پہ ہے اور ہمارے ساتھ میرے ڈرائیور بچے بھی ہیں...... سب ہم ایک گنجان سے گاؤں میں داخل ہوتے ہیں جہاں [illegible] مٹی کے برتن اور کھلونوں کی دوکانیں سجی ہیں۔ [illegible] گزرتے ایک بات خاص طور پہ نوٹ کی کہ دوکانوں پہ مٹی اور پلاسٹک کے کتوں کے کھلونے نمایاں ہیں جیسے گھوڑے شاہ سرکار" کے میلے میں مٹی کے گھگھو گھوڑے نمایاں ہوتے ہیں۔ زائرین منت اور چڑھاوے کے طور پہ خرید کر مزار کے فرش اور دیواروں پہ رکھتے ہیں [illegible] کے تہواروں اور میلوں ٹھیلوں میں مٹی' کانچ' پلاسٹر آف پیرس' سینگ' ہاتھی دانت' پلاسٹک اور پیتل کانسی کے ناگ' بیل' بندر' دیویوں دیوتاؤں کے مجسمے کھلونے عام فروخت ہوتے ہیں۔ بالکل ایسی ہی یہاں بھی مٹی کے کالے کتوں کے کھلونے بک رہے تھے۔ کچھ منچلے اور عقیدت مند اصلی کتوں کو بڑا سجا بنا کر لائے ہوئے تھے۔ گوٹے طلے سے مزین پٹکے اور دوپٹے...... موٹے چھوٹے قد آور ہر نوع کا کتا نظر آیا۔ خاص بات یہ کہ سب سیاہ کالے...... ڈھونڈھنے سے بھی کوئی چتا لال یا کسی اور رنگ دکھائی نہ دیا تو میں نے ملک کافور سے پوچھ لیا۔

"بچے! جیتے جاگتے اور کھلونوں کی صورت میں سب کتے کالے ہی دکھائی دے رہے ہیں' اس کی خاص وجہ؟"

اس نے اسرار بھری ڈبیا کا ڈھکن کھولا۔

"سرکار! آپ کا پیرہن کالا...... میرے سمیت سب بچوں کا لباس کالا...... آپ کی اس گاڑی کا رنگ

کالا...... اب فرمائیں؟ یہاں کے کتوں کا رنگ کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے؟ ویسے بھی من کا معشوق، مندری کا تھیوا، سواری کا گھوڑا اور در کا کتا، کالے رنگ کے ہوں تو میٹ ہی کچھ وکھرا ہوتا ہے۔'' اپنے کالے کالے نینوں کے سوئے میری آنکھوں میں کھبوتا ہوا بولا...... ''ٹھیک ہے نا......؟''

جواب سن کر میری تو مت ماری گئی۔ الٰہی! کس کالے کے کاٹے سے میرا واسطہ پڑا ہے؟ آج کالی رات میں کالے اور کتے میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔

ڈھولوں کی آوازیں اپنے عروج پہ تھیں...... سامنے بڑی سی حویلی اور لمبی چوڑی چار دیواری۔ باہر بڑی سی آرائشی محراب، جس پہ برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ ہماری بس پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ جمشید نے شاید پہلے ہی میرے آنے کی اطلاع پہنچا دی ہوئی تھی۔ کار رکتے ہی اک جم غفیر، ہمارے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ ڈھول والے بھی تھے، نعرۂ تکبیر ہوئی، گل پاشی کے بعد ہمیں بڑے احترام سے حویلی کے اندر لے جایا گیا۔ مزار تو کوئی تھا نہیں، جدھر فاتحہ سلام ہوتا۔ حویلی بھی ایسی، جیسی بڑے دیہاتوں میں آسودہ حال زمینداروں کی ہوتی ہے۔ اندر قدم دھرتے ہی میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

انسانی کم اور کالے کتے زیادہ...... ایک وسیع سے تخت دراز پہ ایک چینڈو سے بزرگ بیٹھے تھے۔ سامنے بہت بڑ[illegible] روٹیاں پک[illegible]۔ وہ دو[illegible] اٹھاتے اور سامنے بیٹھے کتے کے سامنے رکھ دیتے وہ منت سے سر جھکا کر روٹی داب کے الٹے قدموں پیچھے ہولیتے...... مریدین، معتقدین ہاتھ باندھے تھوڑے پیچھے کھڑے...... ہمارے پہنچتے ہی بابا جی کتیاں والے کھڑے ہولیے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، معانقہ ہوا...... اپنے پاس بٹھا کر حال احوال پوچھا۔ میں بدحواس [illegible] مسکرا کر اظہار عقیدت پیش کرتا رہا...... حیران کہ یہ سادہ سا انسان، نہ تو پیر دکھائی دیتا اور نہ اس میں کوئی بناوٹ، تصنع یا زعم تکبر نظر آتا تھا۔ وہ تو ایسے کہ کسی کسان نے اپنے کامے کو کتوں کے لئے روٹیاں بانٹنے پہ لگا رکھا ہو۔ میں نے سامنے میدان کی جانب نگاہ کی...... دور دراز سے آئے ہزاروں کالے کتے، اپنے اپنے مالکوں کے ہمراہ خاموشی اور ادب سے بیٹھے تھے۔ مٹی کی کنالیاں دودھ سے لبالب، روٹیاں سامنے دھری ہوئی، نہ کسی کی گردن پٹکا، زنجیر یا رسی...... بھونکنا تو درکنار، کوئی ماڑی سی چوں چاں بھی نہیں کر رہا تھا۔ بول و براز کا یہاں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور نہ کوئی کتا بابا جی کی جانب پشت کرتا۔ نذر نیاز نہ ہاتھ پاؤں کی چوما چاٹی...... بابا جی نے ہمارے لئے شربت منگوایا۔ کھانے کا پوچھا۔

میں نے شاید پہلے بھی کہیں تحریر کیا ہے کہ میں پیروں کی طرح، فرشی نشست پہ زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتا۔ میری ٹانگوں میں کمزوری کے باعث کھچاؤ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ میں بار بار پہلو بدلنے اور ٹانگیں

سہلانے پہ مجبور ہو جاتا ہوں۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد مجھے یہ تکلیف ہونی شروع ہوگئی...... دن بھر کی مسلسل ڈرائیونگ سے بھی جسم ٹوٹ رہا تھا...... میں نے بصدِ ادب رُخصت کی درخواست کی۔

بڑی لجاجت اور نرمی سے اپنی علاقائی زبان میں فرمایا۔

''آپ کے لئے میرے کاجل کوٹھے میں استراحت کا بندوبست ہے اور ساتھی بچوں کے لئے مہمان خانے میں انتظام ہے۔''

میں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولنے چاہے تو آہستگی سے میرے منہ پہ ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''لاہور' ملتان والے تو ادھر پہنچے ہوئے ہیں اور آپ اُدھر جا رہے ہیں۔''

اُٹھنے کا اذن دیتے ہوئے پیچھے دروازے کی جانب اشارہ کیا...... جب اُدھر دیکھا' ملک کافور میری آنکھوں میں اپنی کالی کٹاریاں گاڑے ہوئے دکھائی دیا اس سمے میری بس ہوگئی۔

ملک کافور کے پیچھے پیچھے میں حویلی کی چار دیواری میں ایک الگ سی کچی کوٹھڑی میں پہنچ آیا' کوٹھڑی کے گرد کئی کالے [illegible] بیٹھے تھے۔ یہ کوٹھڑی کالی مٹی سے لپی ہوئی اور اندر دیواروں میں طاق آلے جن میں جناتی قسم کے مٹی کے دیے دھرے تھے مگر ان میں روشن صرف ایک تھا۔ دیوں کے تیل دھوئیں کی دھانس نے اک عجیب سا [illegible] ہوا کو نہیں بلکہ کڑوے تیل میں لتھڑا ہوا کالا دھواں' گشت کر رہا ہے۔ چند منٹ اندر رہنے کے بعد میں پورے یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اگر کوئی ذی نفس ایک رات تو کیا محض دو چار گھنٹے ہی اس سیاہ خانے میں بسر کرلے تو اس کا پورا اندر اس کمرے کی مانند تاریک ہو جائے۔ میں سوچنے لگا یہ بابا کتیاں والا' کس طرح اس حجرے یا کمرے میں بسر اوقات کرتا ہوگا۔ یہ ڈارک روم' جو فوٹو گرافی یا کسی سیاہ رو مجرم کے لئے عقوبت گاہ کے طور اس کا استعمال تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر کسی مہمان کی شب بسری کے لئے کسی طور موزوں نہیں تھا۔

میں کمرے کا جائزہ لے رہا تھا اور ملک کافور حسبِ حکم میرا جائزہ لے رہا تھا۔

میں نے اُسے اپنی جانب متوجہ پا کر قدرے خجل سا ہوتے ہوئے پوچھا۔

''حضرت! یہ حجرہ......؟''

میری بات پہ اپنی بات رکھتے ہوئے فوراً بولا۔

''یہ کاجل کوٹھا آپ کے آرام کے لئے ہے۔ آپ لیٹئے' میں ہولے ہولے جسم دبا دیتا ہوں آپ کو سکون محسوس ہوگا...... لیکن اس سے پہلے آپ قہوہ لیں گے جسے خادم لے کر پہنچنے ہی والا ہے۔''

فرش بھی کچا...... ایک جانب کالے رنگ کا مٹی کا مٹکا' جس پہ اُلٹا پیالا پڑا ہوا تھا۔ دیوار کی کھونٹی پہ

کاسۂ گدائی اور ایک موٹی سی کالے کو ہو کی مدار اور چند موٹے کھدر' گاڑھے کے کپڑے' تہبند چادریں وغیرہ' بنا کسی اہتمام لٹکے ہوئے تھے...... نیچے زمین پہ کھجوری صف' سرہانے کی جگہ لپٹی ہوئی شطرنجی تو شک اور شاید اوڑھنے کے لئے دیہاتیوں والا چارخانہ کھیس...... حجرہ اور اِن اشیاء کو دیکھتے ہوئے یہی سمجھ میں آیا کہ یہ جگہ بابا کُتیاں والے کی ذاتی آرام گاہ ہے۔ پھر بھی مزید تسلی کے لئے میں نے پوچھ ہی لیا۔

''جناب! یہ کاجل کوٹھا......؟''

اُس مردِ پُراسرار کی شاید عادت تھی یا پھر وہ محض میرے ساتھ ہی بیچ میں بات کاٹ دینے والا رویہ رَوا رکھے ہوئے تھا...... کھٹ سے بولا۔

''سرکار! یہ اَوطاق بابا جی کی ذاتی اقامت گاہ ہے۔ جہاں تک میں نے دیکھا ہے کہ یہ حجرہ کبھی کسی کو شب بسری یا آرام کی خاطر نہیں دیا گیا...... اور نہ کسی کے لئے بابا جی نے گاڑی بھیجی۔''

''میرے بارے میں جمشید نے اطلاع دی تھی کہ میں اس کے پاس پہنچا ہوا ہوں......؟''

''نہیں سرکار! جمشید صاحب نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ بابا جی اسی طرح اپنی جگہ پہ بیٹھے ہوئے تھے' اچانک مجھے طلب کر کے حکم دیا...... فوراً جمشید کے ہاں جاؤ' ان کا سرکارؒ والا بابا محمد یحییٰ خان پہنچ رہا ہے۔ اُسے اپنے ساتھ لے آؤ...... میں آناً فاناً وہاں جا پہنچا۔ جمشید نے بتایا کہ یحییٰ بابا کا تو اِدھر آنے کا کوئی پروگرام نہیں اور نہ ہی اُن کی طرف سے کوئی اطلاع ہے۔ میں نے اُسے کہا تم منتظر رہو وہ آیا ہی چاہتے ہیں...... بابا جی نے تو اُن کے لئے گاڑی بھجوائی ہے...... میں چوک میں چائے کی دوکان کے باہر اُن کا انتظار کرتا ہوں۔ جمشید میری نہ سمجھ میں آنے والی بات پہ سر ہلاتے ہوئے مسجد کی جانب چل دیا۔ اب اللہ کا کرنا کہ آپ کچھ دیر بعد وہاں پہنچ گئے اور سیدھے مسجد کی جانب چل دیئے۔ وہاں جمشید سے آپ کی ملاقات ہوئی چونکہ آج میلہ شروع ہو رہا تھا بہت سے عقیدت مند میلے پہنچنے کی تیاریوں میں تھے۔ آپ کے لئے سواری تو پہلے ہی بھیج دی گئی تھی۔ لہٰذا آپ سے بھی شرکت کی درخواست کی گئی...... آپ نے کسی بھی وجہ سے معذرت کر لی...... لیکن مجھے پکا یقین تھا کہ آپ آج کاجل کوٹھے کے مہمان ہوں گے۔ اب دیکھ لیں کہ آپ کالے اَوطاق میں فروکش ہیں۔''

میں اُس کے طرزِ استدلال اور اپنے بارے میں ایسے انکشاف سن کر ششدر رہ گیا۔ میں تو کبھی بابا جی کُتیاں والے سے ملا ہی نہیں تھا اور نہ کہیں اُن کا ذکر سنا پڑھا۔ تعجب! کہ اُنہیں سرِراہ میرے گزر کا کیونکر پتہ چلا؟...... اور یہ بھی کہ میں اِدھر نماز کے لئے رُکوں گا۔ اُنہوں نے میرے پہنچنے سے پہلے ہی کالی شا گاڑی بھجوا دی' سیاہ لباس ڈرائیور' گہرا سانولا۔ اِس کی باتیں بھی سلونی۔ مجھے تو یہ ملک کافور (اِسے پہلی نظر دیکھتے ہی یہ نام میرے مُنہ پہ آ گیا تھا) بھی کوئی مستور الحال درویش دکھائی دیا۔ جس کے مشکی رنگ میں کافور و کستوری'

عود و عنبر کا سَت گھلا ہوا تھا اور آنکھیں تو جیسے کسی نیناں کوٹ کے نین سکھی وید نے کاجل الجواہر' غبارِ مشتری اور رُوحِ گلابِ سیاہ...... سنگِ آہن رُبا کے آمیزے میں تحلیل کر کے اُترتے چاند کی تیرہ شبوں میں اُس کی نین پُتلیاں تخلیق کی ہوں کہ انسان تو انسان' پتھر کو بھی تاک لیں تو تڑخ جائے۔

ایک بوڑھا سا دیہاتی مٹی کے پیالہ میں گہری گلابی سی چائے لے کر اندر داخل ہوا...... ملک کافور نے پیالہ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

''سرکار! آپ چائے پی کر تھوڑی دیر یہاں صف پہ آرام فرما لیں...... حُجرے کے باہر غسل خانہ____ اور ساتھ ہی مسجد ہے۔ ویسے یہاں اندر مصلےٰ بھی موجود ہے۔ کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو باہر دروازے پہ خادم بیٹھا ہے۔''

اللہ حافظ...... کہہ کر وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ میں بلک پڑا۔

''بھائی! مجھے کس جرم کی سزا کے طور یہاں پہ چھوڑے جا رہے ہو؟ میرے ساتھی بچے میرے بغیر پریشان ہوں گے۔ دیکھو میں ذرا اوٹ پٹانگ سا بندہ ہوں' بڑا کھلا ڈھلا ہو کر سونے جاگنے والا۔ میں کسی نیک بندے کے بستر پہ لیٹنے سے حجاب محسوس کرتا ہوں تم مجھے اُسی مہمان خانے میں لے چلو جہاں میرے بچے ہیں۔''

''سرکار! [illegible] پہنچتا ہے اور اُسی بندے کو ملتا ہے......'' یہ سنا کر وہ باہر نکل گیا۔

اب میں نے اَللّٰذی نہ اَللّٰذی کی کیفیت میں چند طویل لمحے گزارے اور اقبال کا مصرعہ دل ہی دل میں گنگناتا رہا...... ؎

''وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں''

یہ حسبِ حال تھا یا نہیں لیکن اس نے لُطف ضرور دے گیا۔

بات یہ نہ تھی کہ مَیں سیاہی پسند نہ تھا یا مجھے تاریکیوں اندھیروں سے خوف آتا تھا۔ میرے تو خمیر اور ضمیر میں ہی ظلمتیں گندھی ہوئی ہیں۔ مَیں تو اُجالوں کی جلو میں بھی اندھیرے کی چادر اوڑھ لیتا ہوں کہ اندھیروں میں دماغ سے خوف کی کنجلی اُتر جاتی ہے۔ روشنی میں آنکھ دیکھتی ہے اور دھوکہ کھاتی ہے مگر اندھیرے میں اندر کی آنکھ دیکھتی ہے اور ایسا آر پار کہ شمہ بھر بھی شک نہیں رہتا۔ اُجالوں اور چکاچوندیوں کی انتہا اَبہام کو نظری ہے اور تاریکیوں' سیاہیوں کی منتہا' روشن بالیدگی اور واضح تابیدگی سے تعبیر ہوتی ہے۔

رات جل اُٹھتی ہے جب شدّتِ ظلمت سے ندیم
لوگ اُس وقفۂ ماتم کو سحر کہتے ہیں

ہم ملامتی اُویسی دُرویش ہیں...... ہر تعزیر کو بر جانِ دُرویش لینے والے...... ہمارا مسلک اِس دُرویش سا ہے جو گھوڑا چوری ہونے پہ قبرستان جا کر بیٹھ گیا تھا۔ کسی کے استفسار پہ اُس نے گھوڑے کی چوری والی ساری رُوداد سنائی...... جواب ملا' یہاں بیٹھنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بازار' منڈی میں جا کر گھوڑے چور کو تلاش کرو۔ تھانے چوکی رَپٹ لکھواؤ۔ دُرویش نے کمالِ اِستغناء سے جواب دیا۔ یہ پِٹ سیاپے ہم سے نہیں ہوتے۔ گھوڑے کھویا سو کھویا۔ اَب اپنا دھیان گیان بھی کھو دو۔ یہ جوکھم جُھنجھا ہمیں راس نہیں...... کہاں تک بھاگے گا آوے گا تو بالآخر اِدھر ہی...... حساب کتاب ہو جائے گا۔"

چمن میں رہنے والوں سے تو مَیں صحرانشیں اچھا
بہار آ کر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی

وہ روشنی' اُجالے کس کام کے جن کا انجام اندھیرے اور تاریکیاں ہوں۔ وہ خوشی کس کاج کی جس کا انجام رَنج و محَن ہوں۔ مت کھاؤ ایسا طعام جو کسی عارضہ کا موجب بنے...... کم خور بہ نسبت بسیار خوروں کے بہت کم بیمار پڑتے ہیں۔ ایسے اُجلے سپید لباس کا کیا فائدہ جسے داغوں اور لوگوں سے بچانا پڑے۔ جو صبح سے شام تک کا ساتھ بھی مشکل سے دے سو ہم کالے شا کالے' بڑی دُرویشی شان سے رہتے ہیں۔ بڑی بوڑھیاں نظرِ بد کی زد کے لیے کالا ٹیکہ پیشانی پہ لگا دیتی ہیں۔ ہم سراپا سیاہ دھبے اور داغ ہیں۔ ہم سے [illegible] جادو' ٹونہ' جن' بُھوت پریت' پناہ مانگتے ہیں...... "قدمِ دُرویشاں ردِ بلا......"

پیالے میں پڑی چائے' پینے والی نہیں بلکہ سُڑکنے والی تھی۔ جس طرح کچھ آم کھانے والے اور کچھ چُوپنے والے ہوتے ہیں۔ کھانے والے آم دیکھ بھال کر کھائے جاتے ہیں جبکہ چوپنے والے آم' آنکھیں میچنے سے زیادہ مزہ دیتے ہیں۔ مَیں آنکھیں میچے ہُوئے چائے سُڑک رہا تھا کیونکہ جس چائے نما جوشاندے میں دار چینی' چھوٹی بڑی الائچی' بادیہ خطائی' بادیان' پسے ہوئے بادام اور گڑ کی شیرینی سواد دے رہے ہوں اور ہو بھی گرما گرم تو اِسے آسانی سے پیا نہیں بلکہ مجبوری سے سُڑکا ہی جا سکتا ہے...... پیالہ خالی کر کے دھرا تب منہ تلخ سی شیرینی سے بھرا ہوا تھا۔

کچے فرش پہ لیٹنے کا لُطف ہی کچھ اور ہوتا ہے اور دو آتشہ تب ہوتا ہے جب اس پہ کوئی کھجوری صف اور دریائی سرکنڈوں کے بالیں سے بنی اور پانی سے نم چٹائی بچھی ہو۔ سہ آتشہ لُطف وہاں حاصل ہوتا ہے جہاں رَڑی زمین پہ پرالی بچھی ہوئی ہو۔ اُوپر کوئی سایہ دار درخت اور درخت پہ بیٹھیں چہکنے والے پرندے اَز قسم' کوّے' چڑیاں' طوطے' چیلیں یا چمگادڑ ہوں۔ پرالی میں پشو جانوروں کی جوئیں...... ڈڈل چیونٹے' کتی کیڑیاں بھی موجود ہوں...... ایسی جگہوں اور اَستروں بستروں پہ نیند بڑی ڈوب کے آتی ہے۔ کھچل رہا ہے'

کروٹوں پہ کروٹ بدل رہا ہے۔ خرّاٹے بھی چل رہے ہیں...... بڑبڑا بھی رہا ہے اور گھوڑے گدھے بیچ کے سو بھی رہا ہے...... وجہ یہ کہ بندہ سو فیصد فطرت کی گود میں آسودہ خاطر ہوتا ہے۔ پرالی کی سوندھی سوندھی خوشبو، دھرتی ماں کی گود کی ممتا بھری تمازت۔ مٹی کا مٹی سے ملاپ (ارتھ ہونا یعنی کرۂ ارض کے پہلے حصار سے جڑا رہنا جو اس بشرِ خاکی کی جسمانی وجودی اور روحانی نشوونما کے لئے بے حد اہم ہے) حشرات الارض میں جو انسان دوست کیڑے ہیں اُن سے مستفیض ہونا وغیرہ وغیرہ۔

● اے تیرہ و تار، اے مُشتِ غُبار......!

انسان کا اپنی دھرتی سے تعلق برائے نام سا باقی بچا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ خود بھی وظیفہ ہائے حیات، صحت، جنس اور انسانی اعلیٰ قدروں کے معاملہ میں اُدھورا ہو کر رہ گیا۔ ہے تو وہ خاکی مسکین خاک مٹی سے ناطہ ڈھیلا کر کے وہ [illegible] لیس سٹیل، پلاسٹک، گلاس فائبر کا ایک روبوٹ بن گیا۔ ننگی زمین اور خاک مٹی میں اُسے خطرناک بیکٹیریا [illegible] رہتے ہیں وہ زمین کے مضرات [illegible] کی خاطر موٹی موٹی جرابیں [illegible] بوٹوں کے جوتے استعمال کرتا ہے کہ کہیں اس کے پاؤں زمین سے ٹچ نہ ہو جائیں...... اور تو اور وہ درختوں، جھاڑیوں، جنگلوں کو اب صرف ٹیلی وژن پہ دیکھ کر خوش ہو لیتا ہے۔ ان پہ چڑھنا، انہیں پروان چڑھانا، ان پہ جھولا [illegible] یا محض چھونا بھی پسند نہیں کرتا...... مبادا کوئی جراثیم اسے مس کر جائے۔

پرانے سنیاسی، جوگی، صوفی [illegible] چمڑے کی پیزار استعمال کرتے تھے...... موٹے کھدّر کپڑے کی پاپوش بھی بہ ضرورت کام میں آتی رہی۔ ان پہ غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حسبِ ضرورت تھا...... زمین سے دوری مقصد نہ تھا۔ چونکہ اکثر تارک الدنیا فقیر درویش، جوگ سنیاس لینے والے، تپسیا دھاری، یوگی وغیرہ...... پہاڑوں، دشوار گزار راستوں، خاردار جنگلوں، آتش تپاں تھلوں سے وابستہ رہتے ہیں اس لئے انہیں بقدرِ ضرورت اپنے پیروں کی حالت کے پیشِ نظر کچھ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ تاہم یہ اشیاء بھی ایسی جو زمین سے انسانی رابطے کو یکسر ختم نہیں کرتیں کہ پاؤں کھلے ہی رہتے ہیں۔

دنیا بھر میں قدرتی اور فطری طریقہ ہائے علاج مروّج ہیں۔ جو زود اثر اور آسانی رسائی سے کم [illegible] میں آنے والے اور سستے بھی ہیں۔ مثلاً موسیقی، پانی، آتش، شفائی توجہ...... تنویم، جڑی بوٹیاں، یوگا، رنگ، غذا، تحلیل نفسی، ورزش، خوشبو، دھاتیں، روشنی، ہوا، گرمی سردی...... آفتابی مہتابی شعاعیں، لمسی [illegible] سانپ، بچھو، بھڑ، مچھر، شہد کی مکھی، جوک، ڈیمو...... گدھی، اونٹنی، عورت، گائے، بھینس، بکری اور کتّی کا [illegible]

بھینسے' مارخور' چوہے اور چمگادڑ کی مختلف چیزیں وغیرہ (ان کے علاوہ ہزاروں لاکھوں اور بھی قدرتی فطری نعمتیں ہیں جن میں انسانی عوارض کے لئے شفا ہے) پرانے حکیم اور کیمیادان ایسی حکمتوں سے واقف تھے۔ آج اگر کوئی ہے تو وہ نام نہاد' اُدھورہ یا جذبہ خدمتِ خلق سے عاری۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مذکورہ بالا مخلوقات وعناصر کا تعلق بالخصوص کرۂ التراب یعنی اَرض سے ہے جبکہ دیگر کرۂ لھوا' کرۂ النّار اور کرۂ لماء سے واسطہ بالعموم ہے۔

آدم کے تخلیق میں تراب' یعنی مٹی کا عنصر' پانی' ہوا اور کچھ دیگر لوازمات سے زیادہ رہا ہے۔ اس کو اُتارا بھی اسی مٹی پہ' اس کی بیشتر معیشت' کاربارحیات' ذرائع و وسائل' جینا مرنا اسی مٹی اور زمین کی مرہونِ منت ٹھہرائے گئے۔ اس کی گِل' اسی مٹی سے تیار ہوئی۔ اس کی فطرت وفہامت' اس مٹی کی تاثیر اور مزاج کے مطابق ڈھالی گئی۔ مگر جب اس مٹی سے بیگانگی روا رکھ کر یہ مٹی کا پتلا ملٹی سٹوری فلیٹوں میں جا بسا تو نتیجہ یہ نکلا کہ ایسی ایسی سمجھ میں آنے والی بیماریاں' دماغی عارضے' نفسیاتی اُلجھنیں اور رُوحانی رو کائیں پیدا ہو گئیں کہ جن کا شافی علاج 'لمحہ موجود تک میڈیکل سائنس کے پاس بھی موجود نہیں ...... یہ سارا شاخسانہ' زمین مٹی سے ناطہ توڑنے کا ہے ...... مٹی کے قریب رہنا' محسوس کرنا' [illegible] ...... اس پہ ٹہلنا لیٹنا سونا' اس کی [illegible] وغیرہ بذاتِ خود ہزار بیماریوں کا علاج ہیں۔

زمین بنیادی طور پہ تو کرۂ الارض ہی ہے' صرف اپنی جغرافیائی' علاقائی' خطائی' تخلیقی' طبقاتی وجوہ یا خصوصیات و مضرات کی بنا پہ کہیں بارانی یا چاہی ہے تو کہیں شور و تھور ...... کہیں ریتلی اور کہیں چکنی ...... پتھریلی' دلدلی ...... نمدار اور کہیں سوختہ ...... [illegible] اثرات لیے ہوئے ...... میٹھے کھارے پانی کی حامل یا تیل گیس اپنی کوکھ میں چھپائے ہوئے۔ نرم ہے تو کہیں گرم' بے بار و برگ کہیں رشکِ چمن و ثمر ...... سعد اور نحس بھی ہوتی ہے۔ بہشت کا گلزار بھی اور دُوزخ کا بحرِ مردار بھی ...... مہرباں اور بے مہر بھی ...... جس خطہ زمین کی کوکھ میں جو ہوگا اُس کا پرتو اُس کے مکھڑے پہ گھنڈا ہوگا۔ اُس کی دمک مہک اُسی مٹی میں رچی بسی ہوگی اور اُس کی اثرات' اردگرد کی ہر چیز پہ ہویدا ہوں گے۔ زمین' مٹی' پکڑتی بھی ہے کھینچتی' لپکتی' جکڑتی اور بھینچتی بھی ہے۔

لفظ ماں کی ہمہ گیری کو کماحقہٗ طور پہ جاننے سمجھنے کے لئے صرف اور صرف دھرتی ماں ہے۔ انسان ماں کے حوالہ سے اس رشتہ کو جزوی طور پہ سمجھا جا سکتا ہے کُلی طور پہ نہیں ...... ذرا اس مثال سے اندازہ ہو کہ ہماری گوشت پوست سے بنی ہوئی ماں ممتا محبت اور ایثار کا ایک ایسا مینارہ ہوتی ہے جو اپنی دھیمی دھیمی مہربان روشنی سے اندھیرے میں بھٹکتے ہوؤں کو راستہ دکھاتا ہے ...... اَب غور کریں کہ اَیسے کئی کروڑ مینارے' یہ دھرتی

کی صلاحیت عطا ہوئی شاید اسی بنا پہ خلقِ آدم میں بنیادی طور پہ اِسے استعمال کیا گیا۔ معدنیات' جمادات' نباتات' فواکہات' حیوانات اور دیگر متعلقہ مخلوقات کا بھی اسی زمین مٹی سے خمیر اُٹھا اور انجام کار یہ سب اسی میں آسودہ ہو جاتے ہیں۔ زمین مختلف حالتوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ مٹی' پانی' پتھر اور ریگ...... مٹی ہی مٹی دکھائی تو میدان ہیں...... پانی کا اجتماع' سمندر...... پتھروں پتھر پڑے ہوں تو پہاڑ بن جاتے ہیں اور ریت اُڑ رہی ہو تو صحرا' تھل' روہی وجود میں ہوتے ہیں...... وسیع و عریض زمینوں پہ سبزہ و شجر کی زیادتی ہو تو جنگل بیلے بن جاتے ہیں اسی طرح سمندروں میں جزیرے ٹاپو...... پہاڑوں میں غاریں' دَرّے' چوٹیاں...... صحراؤں میں نخلستان اور وادیاں اپنا اک الگ تشخص قائم کر لیتی ہیں...... اس طرح ان مقامات اور قطعاتِ اَرض کے موسم' مزاج اور طبقاتی تقاضے بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کہیں خشکی اور گرمی' کہیں نمی اور سردی...... کہیں اعتدال اور کہیں شوریدگی......!

بہ نظرِ عمیق اور تجسّسِ صدیق سے اگر غور کیا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ یہ سب عناصر اک دُوجے میں اس طور ضم ہیں کہ ایک میں سے دُوسرے کو نکال لو۔ مٹی میں سے پانی' پانی میں ریت پتھر...... کنواں کھودو تو ریت' ریت کھودو تو پانی...... ایسے ایسے سنگلاخ پہاڑ [illegible] جن کے اُوپر چشمے جھرنے جھیلیں موجود ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے...... آگ اور ہوا کا ذکر علیحدہ ہو گا کیونکہ دونوں میں مادہ کم اور نُور کا ظہور زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ہیں بھی اور نہیں بھی۔ یہ دونوں اس جگہ بھی موجود ہیں جدھر پانی' مٹی' ریت' پہاڑ یا جنگل موجود نہیں۔ ان دونوں کو انسان پیدا کر سکتا ہے جبکہ دوسرے مادوں کو ہر جگہ حاصل نہیں کر سکتا۔

آگ اور ہوا؟...... نارِ جہنم کی ایک چنگاری ستر بار ٹھنڈی کر کے آگ کی صورت دُنیا میں اُتاری گئی جبکہ بادِ نسیم یعنی ہوا' بہشت کے حوضِ کوثر کی منڈیر پہ سرسراتے ہوئے ایک جھونکے کو اتنی ہی بار اس کی نکہت تیزی اور جلاوے سے کم کر کے دُنیا میں دھکیلا گیا۔

مذکورہ بالا ان مادوں کی اصل ماں "مٹی" ہی ہے اس ماں کی ممتا اور محبت کے بھی ستر ہزار رُوپ ہیں۔ اس نے اپنی گود کے بچوں کی ہر ضرورت پوری کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہر بیماری پریشانی کا شافی علاج بھی اس کے پاس ہوتا۔ کیا کریں کہ ہم اپنے اُوپر فضاؤں' خلاؤں کو مسخر کرنے کی تو ٹھانے ہوئے ہیں جو ہم سے کھربوں نوری سال دُور ہیں لیکن اپنے وجود سے جڑی ہوئی مٹی اور زمین پہ دھیان نہیں دیتے جو ہمارے اصل مزاج' عین فطرت کے مطابق اور ہماری دسترس میں بھی ہے۔ شاید اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو زمین اور مٹی ہماری انتہائی اپروچ میں ہے جبکہ آسمانی فضائیں اور خلائیں ہمارے وہم و گمان سے بھی بے حد دُور اُفتادہ...... جو ہاتھ میں ہے اُس کی قدر نہیں اور جو اُڑ رہی ہے اُس کے ہم پیچھے بھاگتے ہیں۔

پیا رنگ کالا حصہ اوّل میں اسپین کے دُور اُفتادہ ساحل پہ ایک قدیمی متروک روشنی کے مینار میں دُنیا والوں سے دُور چھپے ہوئے کوڑھ کے مرض میں مبتلا مرد و زن سے ناگہانی طور پہ میری ملاقات ہوتی ہے۔ وہ مجھ سے ملنے اور کھُل کر سامنے آنے سے گریزاں ہوتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں ان سے مل کر ان جیسے عذاب میں مبتلا ہو جاؤں…… لیکن میں اُن میں موجود ایک ڈاکٹر میاں بیوی کی انسان دوستی اور ڈاکٹر ہونے کے ناطے اُن ایک عظیم قربانی کی کہانی سن کر بے حد متاثر ہوتا ہوں کہ کیسے انہوں نے یہاں موجود ان بدنصیب کوڑھیوں کا علاج شروع کیا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ دونوں میاں بیوی لاکھ احتیاط کے باوجود خود بھی اس منحوس مرض کا شکار ہو گئے تھے اور پھر انہوں نے اپنی باقی اچھی بُری زندگی انہی ساتھیوں کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ تب سے اب تک خود بھی مریض ہونے کے باوجود اپنے ساتھیوں کے علاج معالجہ تیمارداری میں مگن تھے۔ میں اُن کی اس قربانی اور جذبۂ خدمت سے متاثر ہو کر ان کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرتا ہوں جبکہ وہ مجھ سے متفق نہیں تھے…… اُن سب کا اصرار تھا کہ میں فوراً یہاں سے چلا جاؤں اور انہیں اُن کے حال پہ چھوڑ دوں اپنی جان بچاؤں یہ تو ایک لمحہ کے لئے میرے دل میں بھی لہر آئی میں تو یونہی اپنی خانہ خراب آوارہ گردی کی عادت سے مجبور صدیوں پرانا مینار دیکھ کر ادھر نکل آیا تھا [illegible] سے بہتر ہے کہ اُوپر اُوپر ہمدردی جتانے [illegible] ویرانے اور جہنم زار میں اُن سب کے کھانے پینے اور دوا دارو کا بندوبست بغیر کسی لالچ معاوضہ کرتا تھا۔ اُن کی لہو اور پیپ بھری پٹیاں بدبو چھوڑتے ہوئے چیتھڑے اور دیگر استعمال شدہ چیزیں اپنے ہاتھوں اُٹھا کر سمندر میں پھینکتا…… اُن کی خواب گاہ اور عبادت کے ننگے فرش [illegible] زخموں کی غلاظت صاف کرتا تھا۔ یہ سب سوچتے سوچتے میرا دِل خون کے آنسو رونے لگا…… میں اُن مقہور بدنصیب مرد و زن کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا جو تسلیم و رضا کے زندہ پیکر تھے پھر میری نگاہ اُن ڈاکٹر میاں بیوی پہ پڑی۔ جن کا چہرہ ناک اور ہونٹوں سے خالی تھا۔ چہرے کی ہڈیاں ننگی تھیں۔ ہاتھوں کی آدھی اُنگلیاں جھڑ چکی تھیں…… یہاں سب کا قریب قریب یہی حال تھا…… یہ سب مسلمان تھے۔

اللہ جو حکیم بھی ہے اور شفا دینے والا بھی…… اُوپر سے اَمر کھلتے ہی میں نے اُن کے علاج کی ٹھان لی۔ لیکن یہاں کونسی میرے پاس ادویات علاج کے لئے دیگر سامان یا جراثیم کش انجکشن تھے۔ میں نے بسم اللہ پڑھی اور اپنے اندر کا صندوقچہ ٹٹولا کھولا…… کچھ لاہوتی نسخے نکالے اللہ کا نام لے کر شروع ہو گیا۔ اللہ جانتا ہے کہ اُن کوڑھیوں جذامیوں کے ساتھ میں خود بھی کوڑھا بن گیا تھا کہیں کوئی احتیاط روا رکھی اور نہ چھوت چھات کا کوئی خیال کیا۔ جن اُنگلیوں سے انہیں کھلایا بن دھوئے اُنہی ہاتھوں سے خود بھی کھایا اُنہیں نہلایا دھلایا

پہنایا کہ اب ان ڈاکٹر میاں بیوی کی طرح میں بھی ان کے مرنے جینے میں شامل ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اپنے اِک مخصوص طریقۂ علاج کے مطابق' ساحلِ سمندر پہ زمین کا وہ خاص قطعہ تلاش کیا جو اپنے باطن میں زنک اور پارے کے ہمراہ تانبے کے مرکبات کا حامل سمجھ میں آیا تھا۔ معلوم ہو کہ سمندری مخلوق' از قسم کیکڑے' گھونگھے' سمندری گھوڑے' کچھوے' پونگڑے' جھینگے' سمندری مکڑے' مچھر وغیرہ سمندر اور ساحل کی ایسی جگہوں پہ خود بخود کھنچے چلے آتے ہیں۔ جدھر ان کی من بھاتی خوراک' حرارت اور مقناطیسی لہروں کی جھنجھناہٹ موجود ہوتی ہے جو اُن کی مزاجی جبلی کیفیات میں تحریک پیدا کرتی ہوں۔ وہیل ڈولفن شارک اور دیگر آبی مخلوق بھی انھی فطری تقاضوں پہ سفر بسر کرتی ہیں۔ اسی میں ہی ان کی بقا اور ارتقا کا راز پنہاں ہے......

سمندری مخلوق پہ ہی کیا موقوف' کائنات کی ساری مخلوقات اپنے اپنے خمیر کی جانب ملتفت ہوتی ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی عرصہ خلاؤں یا پانیوں میں رہے مگر چین اسے زمین پہ ہی آ کے ملے گا...... مچھلی پانی میں' پرندہ فضا میں...... شاہین چٹانوں پہ' طیور و وحوش جنگلوں میں...... سانپ بانبیوں میں۔ نیولے چوہے بلوں میں اور تیل' تلوں میں......

ساحل پہ اپنے علاج کے مطابق جگہ تلاش کر کے [illegible] میاں بیوی [illegible] باہم مشاورت سے گڑھے کھود کر انھیں ریت میں دبا دیا [illegible] ان کے چہرے اور ہاتھ بازو قدرے باہر رہیں اور وہ [illegible] شدید ضرورت سے اپنی مدد آپ کے تحت باہر بھی نکل سکیں۔ مینار کے آس پاس اُجاڑ کھلیانوں میں جنگلی پودینے اور تلسی' نیاز بو کے پودے آسانی سے دستیاب ہو گئے تھے۔ ان کے عرق سے تر بتر کپڑے کی پٹیاں کھلے زخموں پہ لپیٹ دیے گئے تھے۔ یہی عرق ان کو پلا کر [illegible] سمندری مخلوق [illegible] پانی' روشنی اور ہوا کے سپرد کر کے میں واپس اپنے عارضی مستقر کی جانب چلا آیا تھا جدھر وہ بقلول قسم کے میاں بیوی میزبان میرے منتظر تھے۔ جن کا وہاں سبزیوں کی ایکسپورٹ کا کاروبار تھا۔ مجھے بلیک میجک ماسٹر سمجھتے ہوئے کچھ جاننے سیکھنے کی جستجو میں رہتے تھے۔

میں ایک روز بعد واپس مینار پہ پہنچ آیا تھا۔ میری ایک دن کی غیر موجودگی میں ڈاکٹر میاں بیوی نے عین میری ہدایت کے مطابق ریت میں دبے ہوئے مریضوں کی دیکھ بھال کی تھی۔ شہر سے لائی ہوئی دوائیں اور خصوصی طور پہ کاٹن کی پٹیاں' تولیے چادریں اور اینٹی بائیوٹک صابن اور کچھ مرہمیں وغیرہ نے علاج معالجہ میں بے شمار سہولتیں پیدا کر دیں...... پہلے دن کے تجربے نے مریضوں کے اندر ایک خاطر خواہ تبدیلی محسوس کی گئی تھی...... اب باقاعدہ ایک شیڈول بنا کر علاج کا سلسلہ کر دیا گیا...... خدا کا کرنا کیا ہوا کہ علاج کے تیسرے روز ایک مریض چل بسا۔ یہ ایک اُدھیڑ عمر کا انتہائی قابل اور صابر انسان تھا۔ مینار کے اُوپر چڑھتے' آخری دروازہ کا

قفل کھولنے میں اِس اچھے اِنسان نے میری مدد کی تھی۔ کفن دفن کے روز، ریت کے علاج کو مؤخر کرنا پڑا۔ چوتھے روز تک یہاں کی باہمی فضا بڑی بوجھل سی رہی۔ لگتا تھا اِس ہمدرد شخص کی طبعی موت نے اِن سب کو انتہائی سوگوار کر دیا تھا۔ اب جب ریت کے نئے کُھدے ہوئے گڑھوں میں اُترنے کا موقعہ آیا تو اچانک ایک مریض نے اِنکار کر دیا کہ موت سے رُستگاری نہیں اور اگر علاج کامیاب بھی ہو جاتا ہے تو باقی ماندہ تباہ حال جسم و اعضا کے ساتھ زندگی کا کوئی معقول جواز باقی نہیں رہتا۔ یہ مایوسی کی انتہائی خطرناک صورت تھی۔ اِس کے باوجود میں نے ڈاکٹر میاں بیوی کی حد تک ریت والا علاج رکھا۔

عرض کرتا چلوں کہ اِس طریقہ علاج میں مریض کے لئے ہر روز اِک نیا گڑھا تیار کرنا پڑتا ہے۔ اگر مریض ایک سے زیادہ ہوں تو درمیانی فاصلہ کم از کم دس بارہ فٹ ہونا چاہئے اور مریض کا گڑھا، ساحل پہ اتنی دُور کہ سمندر کی لہریں، رات دِن کسی وقت بھی گڑھے تک نہ پہنچ پائیں بلکہ ہرگز پیچھے ہی رہیں۔ رات کو سمندر کناروں تک چڑھ آتا ہے جبکہ دِن میں وہ بہت پیچھے تک اُترا ہوا ہوتا ہے۔ علی الصباح اگر آپ ساحل سمندر کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پانی بہت آگے تک پہنچ کر پیچھے ہٹا ہے اور گیلی گیلی نرم ریت پہ سو چھوٹی بڑی سیپیاں، گھونگھے، سمندری گھاس، کائی اور اَلم غلم جو سمندر میں [illegible] ہوتا ہے سمندر اُسے [illegible] ساحل پہ لا کر ڈال جاتا ہے۔ [illegible] اوپر سے ریتیلا [illegible] دکھائی دیتا ہے مگر نیچے سے پایاب ہوتا ہے...... [illegible] دو فٹ کھودنے پہ پانی جمع ہو جاتا ہے...... سمندر جو کنارے سے دکھائی دیتا ہے وہ تو اُس کے ایک پہلو کی محض ہلکی سی جھلک ہوتی ہے۔ اِس کی وسعتِ داماں کا خفیف سا اندازہ چاہئے ہو تو کسی کشتی، جہاز پہ سوار ہو کے لمبے سفر پہ نکل لیں۔ رات دِن کے کسی تنہا لمحوں میں عرشے پہ کھڑے ہو جائیں [illegible] چاروں اطراف، دُور و نزدیک نظر دوڑائیں...... خوب توجہ دیں۔ اِس کی بیکرانیوں، اُس کے دھیرج...... اِس کی موجوں، لہروں، جھکولوں، ہچکولوں پہ غور ہو...... اُس کی بے قراریوں، تندیوں، طراریوں پہ بھی طرف نگاہ کریں تو پھر شاید سمجھ میں آئے کہ اسے سمندر، ساگر، قلزم اور بحر کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ جو کچھ اور جتنا کچھ آپ کی نگاہوں کے رُوبرو ہے وہ محض اس کے اُوپر کی سطح کا ایک ادنیٰ سا منظر ہے۔ اَصل سمندر تو اَندر کے اندر کہیں ہوتا ہوگا...... افلاک کی وسعتوں، آفاقیت کے بے کنار وسیلوں...... سمندر کی پراَسرار پنہائیوں، دُنیاؤں کے اندازے لگانا، کم از کم اِس لمحہ موجود تک ممکن نہیں ہو سکا۔ ہاں، جن کو ربّ الحکمت وعظمت نے چشمِ بینا عطا فرمائی ہے اُن سے کچھ بعید نہیں۔ عالمِ صور کا مذکور کیا؟ یہ پراگندہ طبع لوگ تو عالمِ کبیر سے بھی پرے تک کی بھی خبر رکھتے ہیں......

نہ پوچھ اِن زہرہ جبینوں کے اختیار کی بات
یہ لوگ کون و مکاں زیرِ دام رکھتے ہیں

● جل پریوں کا جہانِ فسوں......!

زیرِ آب دُنیا...... اس دُنیا کی سب سے خوبصورت دُنیا ہے۔ اس کے بعد سیارگاں یعنی مہرومہ نجم و نگار کے سلسلے...... قوسِ قزح دھنک کے رنگ، ابرِ باراں، جھرنوں آبشاروں کی معطر پھواریں زمزم ریزیاں...... جگنوؤں کی چاندنی راتیں، برف زاروں میں آب پارہ کے معبد...... وادیوں مرغزاروں میں میٹھی دھوپ کے پڑے پڑاؤ۔ کیا کیا نہ اس جہانِ رنگ و بو میں ہوگا...... لیکن کیا کہیے کہ جو بوقلمونی، ہمہ اقسامی، صور صنم گری، جمالی جدت و جودت، کثیر التعدادی اور نادریت اس زیرِ آب نادر الوجود مخلوق کو عطا ہوئی وہ کسی اور ارضی، آبی مخلوق کے حصہ میں نہیں آئی۔ اس سلسلہ کی ایک بات بھی بہت اہم کہ زیرِ آب پروردہ ہر نوع کی مخلوق نسلاً مچھلی ہی ہے۔ خواہ وہ مگرمچھ ہو مینڈک آبی سانپ دریائی گھوڑا کچھوا یا ننھے ننھے جھینگے کیڑے وغیرہ یہ ساری مخلوق شکاری بھی ہے اور شکار بھی۔ جنگل کے قانون کی طرح سمندر کا قانون بھی یہی ہے کہ ہر کمزور، طاقتور کا شکار بن جائے۔ زیرِ آب گہرائیوں اور تاریکیوں کی گھپاؤں، غاروں اور مونگے مرجان کی جھاڑیوں کی اوٹ آڑ میں معصوم مخلوق اپنی جان چھپاتی پھرتی ہے۔ چھوٹی [illegible] مچھلیاں [illegible] ان کو ہڑپ کرنے کے چکر [illegible] جب سمندر پر جوش ہوتا ہے تو [illegible] بی کیڑے مکوڑے وغیرہ جوار بھاٹے کے ساتھ ساحل کناروں پہ آپڑتے ہیں۔ بظاہر یہاں ان کے لئے عافیت ہوتی ہے کہ یہاں ان کی دشمن شکاری مچھلیاں نہیں پہنچ پاتیں...... صبح طلوع ہوتے ہی پانی کنارے چھوڑنے لگتا ہے اور بسا اوقات ایسی تیزی سے اُترتا ہے کہ یہ معصوم مخلوق کناروں پہ پھنس کر رہ جاتی ہیں۔ کچھ تو روشنی اور سورج کی تمازت کو برداشت نہ کرتے ہوئے مرجاتی ہے یا نیم مُردہ سی ہو کر ریتے پہ ہی پڑی رہتی ہے جبکہ اکثریت نرم گیلی اور بھربھری ریت میں اُتر جاتی ہے۔ نیچے چونکہ وافر پانی موجود ہوتا ہے اس لئے یہ جگہ ان کے لئے جائے اماں بن جاتی ہے مگر تابکہ، یہاں ان کے لئے اپنی خوراک حاصل کرنے کا مسئلہ درپیش آتا ہے۔ جس کی خاطر یہ مخلوق اوپر نیچے اپنی گردش قائم رکھتی ہے۔ اس طرح یا تو کسی آبی پرندوں یا پنچھوں کا شکار ہو جاتی ہے یا پھر یہ اِدھر اُدھر سے اپنی خوراک حاصل کر لیتی ہے۔ آپ نے سمندر کنارے گیلی ریت پہ اکثر چھوٹے چھوٹے بکھرے ہوئے سوراخ دیکھے ہوں گے جن سے ہوا کے بلبلے نکل رہے ہوتے ہیں۔ انہی سوراخوں کے نیچے یہ سمندری مُرداریدی جھینگے، کیڑے مکوڑے، نڈے وغیرہ ہوتے ہیں۔ جوں جوں سورج اُبھرتا ہے یہ اپنی بِل سے مزید گہرائی میں اُتر جاتے ہیں، جدھر وافر پانی اور ان کے لئے مطلوبہ ٹمپریچر موجود ہوتا ہے۔

جلدی بیماریاں اَز قسم کوڑھ، جذام، ایگزیما، خناق، داد، چنبل، خنازیر حتیٰ کہ پُرانے بگڑے ہوئے

سوزاک وغیرہ میں بھی ساحل کی ریت میں دھنسے ہوئے کیڑے بڑا کام دکھاتے ہیں...... خون کی بڑھی ہوئی حدت پیشاب کی مکروہ بیماریاں' برص' فوطوں کا ورم...... مقعد کا اُلٹنا' ناف کی نادرستگی' جوڑوں کا درد' یہاں تک جسمانی بالوں کی کمی یا زیادتی کا بھی بہدف علاج اسی طریقہ میں موجود ہے۔ اسی طرح نمک' مٹی' زندہ اور مرا ہوا چونا' آبِ شور دہی اور دودھ کے حوض میں بھی دو ایک جنسی بیماریوں' بڑی خطرناک کا علاج ہوتا ہے۔ آپ کے لئے نئی بات ہوگی کہ مختلف درختوں پیڑوں کے کھالے کی مٹی' اُن کے سائے اور رطوبت' گوند اور پتوں چھال سے بھی بہت سی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔ خاص طور پہ نیم' آم' زیتون' صندل' سرو اور [illegible] کے درختوں کے تنوں سے مریض کو لپٹا اور باندھ کر بھی تپ محرقہ' سل' جگر کے سرطان' سانس دمے کی تکلیف پھیپھڑوں کا دق' گلے کی گلٹیاں اور آنتوں کے کیڑوں کا شافع علاج کیا جاتا ہے۔

مالکِ کائنات نے کوئی بھی شے ایسی پیدا نہیں فرمائی جس میں انسان کے لئے فائدہ اور شفا نہ ہو۔ جیسے ہم سب کے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کُل کائنات کو تخلیق فرمایا...... تمام نبیوں' رسولوں' پیغمبروں' جنوں' قدسیوں اور دیگر مخلوقات کو ان کی اقتدا میں رکھ کر ان کے درجات کو ارفع کر دیا۔ اسی طرح انسان کو اپنا خلیفہ بنا کر ارض پر تفویض کرتے ہوئے اس [illegible] ثمرات اور انعامات اس کے تصرف میں دے دیئے...... چونکہ انسان اپنے [illegible] کُل نہیں اور [illegible] مالک کُل کی تخلیق و ترتیب مصلحت و مشیت میں اسے دخل نہیں' یہ خاکی (مستثنیات کے ساتھ) محض اپنی ذات و زندگی کے قریب واضح اور سود مند محرکات سے ہی بہرہ یاب رہا۔ بہ ظاہر کی مضرت و افادیت ہی اس کے لئے قائم رہی جبکہ کہا گیا کہ تم جس چیز کو اپنے لئے مضر سمجھتے ہو [illegible] تمہارے لئے خیر ہوتی ہے اور یوں بھی کہ اچھی دکھائی دینے والی بُری بھی ہو سکتی ہے۔

ساحل کی نرم نمدار ریت کے نیچے ایسے انسان دوست کیڑے بھی ہوتے ہیں جو کوڑھ کے مریض کی بیرونی آلائش' جراثیم صاف کر کے اُسے بیرونی اور اندرونی طور پر شفایاب کرتے ہیں۔ ایسے ہی جیسے جونکیں فاسد مادے اور خون چوس کر مریض کو صحت یابی عطا کرتی ہیں۔ آپ نے بھی محسوس کیا کہ دریا ندی نالے میں کھڑے ہوں تو ننگی مچھلیاں پاؤں پنڈلیوں کو کاٹتی ہیں۔ تکلیف درد تو نہیں بس ہلکی ہلکی سی گدگدی سی ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ کیکڑے کیڑے بھی عمل کرتے ہیں۔ گلی سڑی کھال' زخموں کے اُوپر کا مُردہ' جراثیم آلودہ متعفن گوشت یہ کھا جاتے ہیں...... ان کے منہ کے شفائی لعاب اور اندر کی [illegible] لیروں میں قدرت نے کوڑھ اور جلدی اَمراض کے لئے تریاق رکھا ہے۔ خدا کی قدرت کہ جہاں یہ [illegible] ریت میں دبے پڑے ہوتے ہیں وہاں یہ مخلوق' اندر ہی اندر کہیں سے ان تک پہنچ جاتی ہے۔

اِن کو کھینچنے والی چیز مریض کے زخموں کی سڑاند ہوتی ہے جو اِن کیڑوں کے لئے اِک اشتہا انگیز خوشبو کی حیثیت رکھتی ہے..... یہ فقیروں' درویشوں اور پُرانے ویدوں سنیاسیوں کے سینہ بہ سینہ بھید علم ہیں..... یہی وہ ہستیاں ہیں جو قدرت فطرت کے قریب ہوتی ہیں۔ انہی پہ کائنات کے رازہائے سربستہ روشن ہوتے ہیں۔ یہ نباضِ فطرت مسیحانفس ہوتے ہیں..... یہ ناخنِ تدبیر سے تقدیر کی زلفِ پریشاں کو سنوارنے کی جستجو کرتے ہیں۔

قارئین! اِن مریضوں میں ایک اور خاتون بھی طبعی موت' چل بسی تھی۔ باقی سب تندرست ہو گئے جو اعضا جھڑ چکے تھے اُن کو نئے سرے سے پیدا کرنا تو شاید ممکن نہ تھا البتہ اتنا ضرور ہوا کہ وہ اُدھورے اعضاء کے ساتھ بھی کسی طور باقیماندہ زندگی گزار سکنے کے اہل ضرور ہو چکے تھے..... قارئین! کی دلچسپی کے لئے عرض کروں کہ مچھلیاں' کیکڑے' ٹڈے تو ایک طرف..... قدرت نے سانپ کے خطرناک زہر میں بھی شفا رکھی ہے۔ سانپ کا زہر چند مہلک امراض کے لئے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِسی طرح بچھو' کالی پیلی بھڑ' کالی پیلی چیونٹی' شہد کی مکھی' یہ ڈنک مارنے والے جانور ہیں۔ ان سب کے زہروں میں شفا بھری پڑی ہے لیکن ہم انہیں بس دشمن سمجھتے ہیں..... ذرا غور کریں کہ آج کا ماڈرن قسم کا انجکشن' انہی کے ڈنکوں کی بدولت ایجاد ہوا۔ آج ہم قریب قریب ہر بیماری کے علاج کی خاطر انجکشن کا استعمال ضرور کرتے ہیں مگر ان انسان دوست جانوروں [illegible] ہیں۔ جنگلوں' پہاڑوں' بیابانوں' غاروں' گپھاؤں' قبروں' باولیوں' کنوؤں..... دریاؤں' سمندروں میں تپسیا اور گیان دھیان اختیار کرنے والے سادھوؤں' سنتوں' بھکتوں اور سنیاسیوں جوگیوں کے لئے نہ تو اُدھر کوئی ہسپتال ہوتا ہے اور نہ کوئی ڈاکٹر لیبارٹری وغیرہ۔ یہ لوگ بھی اِنسان ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیمار بھی پڑتے ہوں گے۔ یہ اپنا علاج خود ہی کرتے ہیں اور اُدھر کے کیڑے مکوڑے اور دیگر جانور..... حتیٰ کہ وہاں کے درخت پودے بھی شریک ہوتے ہیں۔

اِسی کتاب میں کسی جگہ' خوشبوؤں اور بدبوؤں کے ضمن میں سیر حاصل لکھ چکا ہوں۔ تاہم ایک آدھ بات اور بھی لکھنے کے لائق ہے کہ مخلوقات میں ایسی مخلوق جو نفس دم ہے وہ اپنی اِک مخصوص خوشبو' مقناطیسی لہریں اور جداگانہ سا رنگ رکھتی ہیں۔ اِنسانی بصارت اِک بالواسطہ وسیلہ ہے۔ اسے آپ درمیانی ایجنٹ یا میڈیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ کسی شکل' منظر یا حالت کو من عن دیکھنے سے قاصر..... کہ محض سامنے کی واضح صورت یا خدوخال ہی دیکھ سکتی ہے جبکہ دُھندلکے اور کامل اندھیرے میں اس کی یہ صلاحیت بھی عاجز آ جاتی ہے۔ مالکِ اَرض و سما نے اپنی کمال حکمت سے اسے یوں تخلیق کیا ہے کہ کھربوں نُوری سالوں کی دُوری پہ چاند' سورج' ستاروں کو تو دیکھے لیکن چند سینٹی میٹر سامنے یا نیچے اُوپر دیکھ نہ پائے۔ اُوٹ آڑ بھی اِس کے راستہ میں حائل ہو جائے۔ دُھند دُھول بھی اِس کے آگے پردہ ڈال دے۔ اگر ہر ذی نفس محض اپنی بصارت پہ انحصار کر

لیتا تو وہ محدود و مخض ہو کر رہ جاتا۔ اللہ علیم و بصیر نے' اس کی تقویت و معاونت کے لئے حسِ شامہ عطا فرمائی اور حسِ شامہ کی شان بڑھانے کی غرض سے لامسہ جیسی لطیف و نفیس حس ودیعت کی۔ اس طرح یہ تمام معاون حسیں مل کر کسی منظر' شکل و حالت کو مکمل کرتی ہیں۔ جدھر بصارت کام نہیں کرتی وہاں شامہ اُبھر آتی ہے اور جہاں یہ کمزور پڑ جائے وہاں لامسہ آگے بڑھ آتی ہے۔ اَب چاہئے تو یُوں تھا کہ یہ ساری حسیں صرف انسان کو ہی عطا ہوتیں۔ کیونکہ یہ اشرف المخلوقات ہے...... مگر مالکِ حکمت و مصلحت نے انسان سے کہیں زیادہ اور مکمل یہ حسیں' ایسے جانوروں حشرات الارض' وحوش اور کیڑوں مکوڑوں کو عطا کیں جنہیں ہم اپنا دُشمن' نجس' منحوس اور کسی بھی لحاظ سے درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے...... نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات کی ہر نعمت' اللہ کے نیک بندوں یعنی مومنوں کے لئے جو ہر سانس' ہر پل اللہ کا شکر گزارتے ہیں...... اِس ارضِ خاک سے پیدا ہونے والی اور اس پہ موجود' ہر شے اس خاکی کی لئے ہے جس سے یہ فائدہ اور شفا حاصل کرتا ہے...... اپنے ربّ کی حمد و ثنا' سورۂ رحمٰن کی تلاوت کرتا ہے۔

میں نے دُنیا بھر کی کے خواری میں سینکڑوں ایسے شفا خانے' آشرم' سینی ٹوریم' [illegible] اور صحت مراکز دیکھے جہاں دوا' انجکشن یا آپریشن نام کی کوئی چیز یا [illegible] نہیں ہوتی...... یہاں کا طریقہ علاج قدرتی فطری ہوتا ہے [illegible] مجاور و وارث سمجھتے ہیں لیکن نہ تو طبِ نبوی کو کوئی اہمیت دیتے ہیں اور نہ اُن شفا بخش نباتات و جمادات سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور نہ ہی اُن وسائل و ذرائع کو استعمال کرتے ہیں' جو جانوروں' پرندوں اور حشرات الارض سے ہمیں دستیاب ہیں بلکہ جو آج کے [illegible] علاج و طریقے سے انحراف کرتے ہیں اُنہیں پُرانے لوگ کہتے ہوئے مُنہ پھیر لیتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ دورِ جہالت کے طریقے تھے جبکہ دیکھا جائے تو آج کے ماڈرن علاج قدیمی طریقوں کی جدید شکلیں ہیں۔

نیپال' کھٹمنڈو' جاوا سماٹرا' وسطی انڈیا' تھائی لینڈ' ناگالینڈ اور افریقہ کے بیشتر ممالک میں آج بھی قدرتی قدرتی فطری ٹوٹکے استعمال ہوتے ہیں...... قدرتی وسائل سے حاصل جڑی بوٹیاں' موسم' ماحول' غذا' پانی' سادہ دہن سہن اور چہل پہل وغیرہ سے ہر طرح کے آزار کا علاج ممکن ہے...... خاص طور پہ تھائی لینڈ میں خلفشار' نشیات اور نفسیاتی امراض کے علاج کے لئے ایسے ایسے مراکز ہیں کہ بیمار ایک بار اندر داخل ہو جائے پھر صحت یاب ہو کر ہی وہاں سے نکلتا ہے۔ وہاں کوئی ڈاکٹر' ایکسرے مشین' دوائیں' آلات' آکسیجن' بیڈ' ملازم...... کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ وہاں سب دوست اور ایک دوسرے سے محبت اور ہمدردی کرنے والے ہوتے ہیں۔ جھونپڑے' پہاڑ' جھرنے' جنگل گھاس پھونس' کھلی صاف ہوائیں اور پرندے...... پتھر' لکڑی اور مٹی کے

پیالوں میں سادہ سی غذا' جڑی بوٹیوں اور سبزیوں کے سوپ' جوشاندے...... جنگلی پھلوں پھولوں' کونپلوں شگوفوں اور بیجوں گوگلوں کی گلقندیں...... ہر کھانے پینے والی ٹھوس' مایہ غذا کچی پکی...... بلکہ اکثر غذائیں کچی' اپنی اصلی حالت میں ہوتی ہیں۔ انسان نے جب سے آگ اور دھاتی برتنوں کا استعمال شروع کیا ہے۔ زندگی اور صحت خراب کر لی...... رگوں میں زہر بھر لیا۔ اپنی خداداد صلاحیتوں اور ذہنی اعصابی قوتوں کا ناس مار کے رکھ دیا ہے۔

میرا واسطہ عام نارمل انسانوں سے کم اور ''خاص لوگوں'' سے زیادہ رہا۔ ان میں غیر معمولی صلاحیتوں' قوتوں' علوم وفنون والے لوگ...... ایسے ایسے نادرِ زمانہ اور نابغۂ روزگار بندے' جنھیں اللہ پاک نے علم ودانش کا مینارہ نُور بنا کر تفویض کیا ہُوا تھا...... وَلی اللہ' قطب' اَبدال' مجذوب' سالک' صوفی اور فقیر دُرویش' بڑے بڑے پنڈت' وِدیا وان' نجم' رمال' جادوگر اور شعبدہ گر...... اسی طرح عمرِ عزیز کا خاصا حِصّہ سَنیاسیوں' مُنیوں' رشیوں اور تپسویوں کے مشاغل مشاہدہ کرنے میں گزرا...... دانش نورانی' ملکوتی علوم معارف لاہوتی اور فلسفہ وتصوف کے عالمانِ اَجل کی آنکھیں بھی دیکھیں۔ عالم' عامل' زاہد' شب زندہ داروں' عابدوں شاکروں صابروں میں بھی اُٹھا بیٹھا...... چند قدر [illegible] مشترک دیکھیں [illegible] ان سب کی فطری اور سادہ [illegible] وطیرہ' اناج گوشت منشیات سے پرے...... لوبھ کرودھ سے خالی...... یہ عالی ہستیاں نیچے کی مٹی سے اپنے [illegible] کے لئے شکتی اور اُوپر کے پیڑوں [illegible] سے اپنی بُدھی کے لئے شدھی حاصل کرتی تھیں۔ مانس اور بانس دونوں کی جڑیں زمین مٹی سے جڑی ہوتی ہیں' دونوں کو اپنی [illegible] کے لئے جڑا رہنا [illegible]۔ یعنی ذی نفس کا آغاز اور انجام بہر طور زمین اور مٹی ہے۔

زمین کے اندر اور باہر بڑے بھید بھاؤ ہیں۔ یہ دیکھتی سنتی بھی ہے اور جس سے من جُڑ جائے اُس سے باتیں بھی ہوتی ہیں مگر جنوں اور حاملانِ اَفلاک' کی طرح پکی دوستی کسی ''پکّے'' سے ہی ہوتی ہے...... اور جب ہو جائے تو دونوں دوست پھر زیادہ دیر جدائی برداشت نہیں کر پاتے...... جلد ہی اِک دُوجے میں سما جاتے ہیں...... سادھو سنت' جوگی یوگی' تارک الدُنیا فقیر دَرویش اپنا جیون جنگلوں بیلوں' ویرانوں غاروں میں بِتا دیتے ہیں۔ وہاں اُن کا مونس دوست کون ہوتا ہے؟...... کون اُن کی پشت پناہی کرتا ہے؟ کون اُنھیں ریاضت وتپسیا کے تپتے تنور میں حیات بخش توانائی اور خنکی فراہم کرتی ہے؟...... وہ یہی زمین اور مٹی ہوتی ہے۔ جو اللہ کے اَمر سے اپنے اَندر کی ہر نعمت اُن پہ نچھاور کرتی رہتی ہے۔

لدے زمانوں میں جب مَیں ''جوان بوڑھا'' ہُوا کرتا تھا...... میرا خاصا وقت بنگال میں گزرا......

بنگال ! نیپال کی طرح...... میرے منتشر مدھم اور مدھر مدھر سپنوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کی زمین میں بالیدگی اور نمو و نوال بہت ہے۔ مٹی میں تو جیسے سبز پتوں اور زمردیں سفوف کی شفاف کرنیں شامل ہیں کہ کہیں بھولے سے باڑی میں تنکا دبا دو تو لہلہاتے ہوئے سبزے کا ظہور ہو جائے...... زمین کے اندر باہر پانی ہی پانی...... اور جدھر پانی، ندی نالے، دریا سمندر بہتات میں ہوں گے وہاں مچھر مکھیاں، مگرمچھ، مینڈک اور ماجھی منڈوے بھی کثرت سے ہوں گے۔

''پیا رنگ کالا'' میں بنگال کے ایک کٹر ہندو، مکھیا جی کی داستانِ عشق و حیات بیان کی ہے جو ایک باکمال مجسمہ ساز اور پینٹر تھا۔ کلکتہ، شانتی نکیتن میں اپنی تعلیم و تدریس کے دوران، وہ اپنی ایک ذہین مسلم شاگرد شکیلہ رحمانی کے ساتھ ناگہانی طور پہ ایک جنسی معاملہ میں ملوث ٹھہرا...... اس واقعے کے بعد، شرمندگی کے پیشِ نظر شکیلہ رحمانی سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ اس پہ بھی جب اسے چین نہ ملا تو وہ کلکتہ چھوڑ کر اپنے گاؤں باہن کھلی کا کس بازار واپس آ گیا۔ کلکتہ سے روانگی پہ، جب وہ ٹیکسی پہ بندرگاہ کی جانب جا رہا تھا۔ راستہ میں کلا بھون میں اسے شکیلہ رحمانی کے نام کا بینر آویزاں دکھائی دیا۔ اس دن اس کے پچھلے چار برس کی محنت سے بنائے ہوئے شاہکار مجسموں کی نمائش کا پہلا روز تھا...... وہ اس نمائش سے بےخبر نہیں تھا بلکہ یہاں رکھے گئے اکثر مجسموں کی [illegible] انتظامیہ میں شامل نہیں تھا۔ اس کی محض یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا سامنا کرنے کی خود میں جرأت نہیں پا رہا تھا...... لیکن عین اس عمارت کے سامنے پہنچ کر غیر ارادی طور پہ اس کے منہ سے ڈرائیور کے لئے رکنے کا لفظ نکل گیا۔ وہ سینے پہ بھاری پتھر لیے عجب سی شکستہ پائی سے ہال میں داخل ہوا...... شکیلہ رحمانی اسے سامنے چند مندوبین ناقدین کے درمیان کھڑی دکھائی دی۔ وہ اسے کئی دنوں کے بعد، اپنے سامنے پا کر متعجب ہوئی اور نہ ہی کسی خفگی کا اظہار کیا...... بلکہ اک استہزائیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھی اور اپنے اس استاد اور ایک رات کے چند منٹوں کے ساتھی کو لئے ایک کونے میں آ کھڑی ہوئی...... اُن کے درمیان کچھ بات چیت ہوئی...... پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ شکیلہ رحمانی نے اس کے منہ پہ منہ بھر تھوک دیا۔

مکھیا جی کچھ دیر ٹھٹھکے سے اسے دیکھتے رہے پھر بندرگاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ باہن کھلی! اس کا آبائی گاؤں! جہاں اس کے پتا، بڑے مکھیا جی اپنا آشرم چلاتے تھے۔

شکیلہ رحمانی نے تھوک کی بجائے تیز آب بھی پھینکا ہوتا تو چہرے کے بھیانک زخم مندمل ہو گئے ہوتے مگر یہ شاید کرودھ کی بس تھی کہ چہرہ بگڑتے بگڑتے، باگڑ بلے کا نوچا ہوا کھمبا بن گیا تھا...... کوئی مرہم دوا اور کوئی ٹوٹکہ کام نہ آیا...... کچھ عرصہ بعد یہ حالت ہو گئی کہ اپنے بیگانے سب ہی بدکنے لگے تھے۔ بچے

ٹھیا جی' جو خود ایک مہا وید تھے اور اُن کی وَیدکا' کا دُور دُور چرچا تھا لیکن اپنے اکلوتے بیٹے کے اِس روگ کا کوئی اُپائے نہ کر پائے۔ شاید اِسی غم دُکھ کے کارن اُن کا دیہانت ہوگیا...... کلیجہ پہ بھاری بوجھ لیئے باپ کی جگہ بیٹھے تو احساس ہوا کہ اَب یہ وَید کام اُنہیں بھی کرنا پڑے گا...... بڑے ٹھیا جی نے اپنی ساری وِدّیا کی پُرانی پستکیں سنبھال رکھی تھیں۔ یہی کام آئیں...... اپنے لاعلاج بگڑے ہوئے چہرے کا بھیانک پن چھپانے کی خاطر اُنہوں نے چاندی کا ایک چہرہ نما خول چڑھا لیا تھا...... آنکھوں' ناک اور مُنہ کی جگہ' سوراخ تھے...... جن کے ذریعہ اُنہیں دیکھنے' سننے' کھانے پینے کی بہ وقت سہولت تھی۔

میرا اِن سے تعارف' میرے ایک بنگالی شاعر بھگت ویاس وَا وَیلا کی وساطت ہُوا تھا...... میں پانچ چھ ہفتے سندر بن اور اِس کے مضافات کی آوارہ گردی کے دَوران' ملیریئے' پیلیئے اور دیگر پیٹ کے عوارض میں مبتلا تھا۔ اِدھر اُدھر کی دیسی ولائتی دوائیں پھانک پھانک کر بے حال [illegible] دکھائی بھی دے رہا تھا کہ آخری نہانا دھونا اِسی ''سونار بنگلہ'' میں ہی ہوگا...... وَا وَیلا نے میری اِس حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے...... وہاں سے خاصہ دُور دراز اِس ٹھیا جی سے ملنے کا عندیہ دیا۔ وہاں علاج کے دَوران' مجھے اُنہیں دیکھنے پرکھنے اور اُن کے چہرے والی بیماری کی اصل وجہ بھی جاننے کا موقع ملا۔ اَب میں اپنی بیماری ساری بھول گیا اور اُن کے علاج کا درپے ہوگیا...... [illegible] تھا اِس لئے وہ اُسے لاعلاج قرار کر صبر کر چکے تھے مگر میں نے اُنہیں اک نئی راہ پہ لگا کر اللہ کے اَمر سے اِس جسمانی آزار سے نجات دِلا دی تھی......!

یہ بندہ' دراصل بڑا گندہ ہوتا ہے۔ اِس میں نورانیت کے برعکس بشریت' خاکیت کا عُنصر زیادہ ہوتا ہے۔ گناہ اور سرکشی کی لذت اُسے عبادت واطاعت کی حکمت وبرکت سے کہیں زیادہ مرغوب ہے۔ ستم بالائے ستم اِس کا تلوّن اور عُجلت پسندی جو اِس کے خمیر میں گندھی ہوئی ہے...... سوچتا بعد میں ہے اور ''ڈن'' پہلے کر لیتا ہے۔ چونکہ چڑیوں کا کھیت چُگ جانے کے بعد پچھتانا لاحاصل ہوتا ہے اِس لئے اِس نوع کے چھوٹے موٹے خطاکار اپنی کارکرتوت کی کشتی مناجات کے بھرے دریا میں رَوڑ کر' ناموافق حالات کے کنارے پہ بیٹھے ڈھولے تپے گا کر وقت پاس کرتے ہیں اور یا کوئی چلہ کھینچ رہے ہوتے ہیں کہ کب کوئی خواجہ الیاس یا خواجہ خضر آئے اور اُنہیں نجات دلائے۔

اِس ٹھیا جی کا بھی یہی حال تھا۔ نادانی یا جوانی کے جوش میں منش' بہک جاتا ہے...... یہ بھی بہک بلک لڑھک گئے ہوئے تھے۔ آرٹسٹ بندہ تھا' جمالیاتی ذوق کا پروردہ...... مگر تھا تو بشر! اور بشریت کا تقاضا ہی بھٹکنا...... لڑکھڑانا ہے۔

کہتے ہیں کہ دُنیاوی مادی لذتوں میں انزال اور کھُجلی سے بڑھ کر کوئی لذت یا مزہ نہیں اور اَذیت ناک دردوں میں دردِ زہ، دردِ دانت سے شدید شاید ہی کوئی اور درد ہو؟...... وظیفۂ وصل اور کارِ کھجل میں پڑا ہوا منش کسی بھی اندیشہ ہائے سود و زیاں کو خاطر میں نہیں لاتا...... آمادۂ التفات و اختلاط طرفین کے جذبات و جسم بے قابو، عقل سمجھ فسخ ہو جاتی ہے اور جب بندر اور مچھندر کھجلتا ہے تو ایسا مزہ سُرور حاصل ہوتا ہے کہ رگڑ رگڑ خون نکال دے گا مگر کھجلنا نہیں چھوڑتا...... یہ دونوں فطری عمل یوں ہیں کہ انبساط و اطمینان سے آنکھیں مُندھ جاتی ہیں۔

اسی فطری بشری پھسلن پہ کھیاجی بھی پھسل گئے تھے۔ بس غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے شکیلہ رحمانی جیسی ہونہار اور پُرصلاحیت شاگرد اور ساتھی کو اس ''سانحۂ پُرلطف'' کے بعد بالکل اکیلا چھوڑ دیا۔ کھیاجی کے اس رویّہ سے شکیلہ رحمانی کو جذباتی اور نفسیاتی طور پہ بڑا شدید جھٹکا لگا تھا۔ وہ سوچنے پہ مجبور ہوئی کہ برسوں پرانے احترام، افہام و تفہیم کے رشتے یوں بھی ٹوٹ سکتے ہیں؟ مان لیا غلطی ہو جاتی ہے مگر اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ خطاکار مُنہ چھپا کر کہیں بھاگ لے...... اور ایک حسّاس لڑکی کو تن تنہا اس حرکت کے ردِعمل کا سامنا کرنے کے لئے بیچ میدان چھوڑ جائے...... شکیلہ رحمانی کی نظروں میں کھیاجی کا یہ رویہ بڑا سوقیانہ، بزدلانہ اور انتہائی خودغرضی کا مظہر [illegible] کیا جا [illegible] بن جانے اُن کے درمیان کیا بات ہوئی کہ انتہائی غضب کی حالت میں اُس کے مُنہ پہ تھوک دیا...... بے بس، مجبور اور کمزور اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے؟

قہر اور زہر بھری نگاہ...... اور جی میں دبی ہوئی کراہ و آہ...... نفرت شکائت ہزیمت کے اظہار میں پھینکا ہوا تھُوک اور کسی ظلم بے انصافی کو روکنے کے لئے خود اختیاری مرگ بھوک، کبھی اپنے بھیانک ردِعمل سے بیگانہ نہیں ہوتیں......!

● پوتر مٹی کا چمتکار......!

''پیا رنگ کالا'' کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ کھیاجی کے بھیانک چہرے اور آتما پہ لگے داغوں کا علاج میں نے اَمرِ الٰہی سے وُضو کے استعمال شدہ پانی...... شفائی ترغیبات اور مٹی سے کیا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف اُن کے چہرے کے داغ دھبے اور ہڈیاں دِکھاتے ہوئے گھاؤ ٹھیک ہو گئے بلکہ اُن کے احساسِ گناہ کا اَزالہ بھی ہو گیا...... شکیلہ رحمانی اک زمانہ سے اُنہی کے آشرم میں اِن ہی کی بیٹی کے ساتھ، اِن کی خدمت

میں مامور تھی...... مگر یہ اُسے پہچان نہیں پائے تھے...... اِن دونوں کا نکاح بھی مَیں نے خود پڑھایا اور اِن کے چہرے پہ سے وہ خول بھی اُتار دیا جس کے بارے میں اُن کا یقین تھا کہ یہ اُن کی اَرتھی کے ساتھ ہی "ستی" ہوگا...... یاد رہے کہ یہ مہاشے' میرے ہاتھ بارضا و رَغبت مسلمان بھی ہو گئے تھے...... مزے کی بات کہ مَیں خود اِک مریض کی حیثیت سے اُن کے پاس پہنچا تھا۔ میرا علاج تو وہ کیا کرتے' مجھے خود اُن کا علاج کرنا پڑ گیا...... مزید لُطف' اِس بات میں کہ مَیں بِن کسی علاج و معالجہ' خود بخود ایسا تندرست ہُوا کہ جیسے کبھی بیمار ہی نہ پڑا ہوں۔

معلوم ہوا کہ دوسروں کو آسانیاں فراہم کرنے والے کی اپنی ساری مشکلیں' نامحسوس طریقے سے خُود بخود حل ہو جاتی ہیں۔

میرا خاصا وقت یہاں نکل گیا تھا۔ اَب مَیں اُڑنے کے لئے پَر تولے بیٹھا تھا کہ واویلا صاحب آئیں اور ہم یہاں سے اُڑان بھریں۔ وہ اپنے کسی کام سے کاس بازار گیا ہوا تھا۔ اُسے طے شُدہ پروگرام کے مطابق آنے والی صبح یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ مَیں نے اپنا کپڑوں کتابوں والا تھیلا تیار کر کے رکھا ہوا تھا کہ کل اُس کے پہنچنے کے فوراً بعد' یہاں سے رَوانگی ڈال دوں گا۔ مگر وہی بات کہ بندے کا پروگرام کچھ ہوتا ہے اور مالک کا اَمر کچھ...... کھیا جی اور شکیلہ رحمانی میری واپسی کے پروگرام [illegible] ہو جائے تو مَیں اپنی رُوٹین سے ہٹ کر [illegible] ہو گیا' یہی کافی تھا۔ نہ تو کوئی حُسن سدا بہار رہتا ہے اور نہ کوئی سدا کہیں ٹکا رہتا ہے۔ بس اِسی چل چلاؤ کا نام ہی زندگی ہے' دُنیا ہے......!

اگلا روز بھی گزر گیا۔ اَب شام لگ گئی تھی لیکن مسٹر واویلا کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ اگر کوئی دیر سویر ہو گئی تھی تو ٹیلیفون پہ اطلاع دے سکتا تھا۔ اُس بلڑبلو کا اگر کوئی ٹیلیفون ہوتا تو مَیں خود ہی جھک مار پُوچھ لیتا کہ واپس آنا ہے کہ اُدھر ہی رہنا مرنا ہے...... شام بھیگی تو کھانے کا بلاوا آ گیا...... بادلِ نخواستہ کھیا جی کی کٹیا پہنچا تو اُنہیں اور اُن کی بیگم کو بڑا شاداب سا پایا...... میرے دریافت کرنے پہ کوئی معقول سا جواز تو نہ پیش کر سکے بس اتنا کہا کہ آج رات' آپ کی اِدھر موجودگی سے بے پناہ مسرّت ہو رہی ہے۔ معمول کے خلاف آج دسترخوان پہ خاصی رونق تھی۔ مچھلی کا پلاؤ' سالن...... کباب' سبزی بھاجی' چٹنیاں اور کچّے ناریل' جھینگے کا سلاد...... بنگالی انداز کا کھانا' جس میں میرے پنجابی ہونے کی رعائت سے پنجابی ٹچ بھی تھا۔ کھانا خاصا لذیذ اور چٹ پٹا تھا۔

مَیں نے پُوچھ ہی لیا...... "آج کچھ خاص اہتمام دِکھائی دے رہا ہے...... کوئی خاص وجہ؟"

شکیلہ رحمانی بولی...... "آج مَیں نے خاص طور پہ آپ کے لئے کھانا تیار کیا ہے...... پنجابی طریقے سے...... آپ کو بھوجن پسند آیا......؟"

میں نے سر ہلا کر اُسے بڑھاوا دیا۔

کھانے کے بعد پودینے کی چائے آئی...... شکیلہ رحمانی اجازت لے کر نکلی تو مکھیا جی نے اندر سے دروازہ بند کیا اور بانس کی قمچیوں کا بنا ہوا ایک صندوق لے کر میرے سامنے بیٹھ گئے...... عجیب بدحال پُرانا سا ٹوکرا نما صندوق تھا۔ یہ کچھ باہر نکل چکا تو آخر میں جو شے باہر نکالی گئی وہ ایک بنگالی پٹ سن کا ایک چھوٹا سا تھیلا تھا۔ نہایت نفیس ملائم جُوٹ' ریشہ ریشم سا......!

نہایت اُدب واحتیاط سے مکھیا جی نے مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

''یہ دیکھئے' کیا ہے......؟''

آدھا ایک کلو وزنی تھیلا...... لگتا تھا اس کے اندر پسی ہوئی بھاری وزن کی کوئی چیز ہے۔

میں نے ہاتھوں سے تولتے اور ٹٹولتے ہوئے کہا۔

''مہاراج! مجھے تو کوئی ریت مٹی یا چونا سمجھ میں آیا...... اب اس میں اصل میں کیا ہے' تو وہ علیم وخبیر ہی بہتر جانتا ہے......؟''

وہ مجھے چند لمحے عجیب معنی خیزی نظروں سے تولتا رہا پھر گویا ہوا۔

''آپ [illegible] ...... [illegible] کیا ہے [illegible] آپ [illegible] کیا ہوا ہے۔ یہ پوٹلا' شکیلہ رحمانی سے زیادہ پردہ پوش نہیں اور نہ ہی میرے چہرے پہ چڑھے ہوئے میٹل ماسک سے زیادہ سخت ہے...... پلیز! آپ مجھے کچھ اس کے بارے میں بتائیں......؟''

میں نے اس کے تجسس [illegible] اس پوٹلے کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے؟''

''نہیں' یہ جاننے کے لئے ایک بار اسے کھولا تھا۔ اندر بُھربُھری سی بدبودار کوئی چیز تھی...... پوٹلا بند کر کے واپس یہیں رکھ دیا۔''

میں نے اِسے دُزدیدہ نگاہوں سے تولتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے تو آپ مجھے اس پوٹلے کے بارے میں وہ سب کچھ بتائیں کہ یہ آپ کو کہاں سے ملا' یا کس نے دیا اور یہ کب سے آپ کے پاس ہے؟''

مُنہ کی عجب سی شکل بنا کر وہ بتانے لگا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے میں چھوٹا سا تھا...... میرے سورگباشی پتا جی' کہیں دُوسرے گاؤں کے مریض کو دیکھنے جانے کی تیاری میں تھے۔ اپنی دواؤں کا تھیلا اور دو چار پُتکلیں بھی ساتھ تھیں۔ اچانک آتھی

نے میری ماتا جی کو اشارے سے کچھ لانے کو کہا۔ وہ جھٹ سے اپنے کمرے میں گئیں۔ میں بھی بھاگا بھاگا پیچھے ہو لیا۔ اُن کے کمرے کا ایک خاصا حصّہ اُن کی پُوجا پاٹ کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں پورب کی اوڑ' کھڑکی کے آگے چندن کاٹھ کے ایک بڑے سے چوکے کے اُوپر' کرشن جی مہاراج کی کانسی کی بنی ہوئی مُورتی اور پُوجا ہون کے لئے مختصر سا سامان تھا۔ چوبیس گھنٹے یہاں اگر اور لوبان سلگتا تھا۔ اِدھر کی صفائی ستھرائی کا سارا کام بھی ماتا جی خود ہی کیا کرتی تھیں۔ گھر کے نوکر چاکر اور دیگر افراد کو بھی اِدھر داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اتنی غیر ضروری احتیاط کی ایک خاص وجہ یہی سمجھ میں آتی تھی کہ ماتا جی چونکہ اپنے مذہبی عقیدے کے لحاظ سے ایک ایسے سلسلے سے متاثر تھیں جو اپنی ضرورت کی اشیاء' برتنے' کھانے پینے' پہننے' سونے اور پوجا پاٹ وغیرہ ہر چیز کو دوسروں کی نظر' دسترس سے دُور رکھتے ہیں یہاں تک کہ اپنے پریوار اور پتی سے بھی بچاتی ہیں۔ میں چونکہ اکلوتا اور لاڈلا تھا اِس رعایت سے اکثر اُن کے ساتھ اِس پوجا والے کمرے میں آیا جایا کرتا تھا۔

میں اُن کے پیچھے اِس کمرے میں پہنچا تو ماتا جی نے پہلے تو لٹکی ہوئی گھنٹی بجائی...... کرشن جی مہاراج کی آرتی اُتاری' پھر تھوڑی دیر تک آنکھیں مُوندے' مُنہ ہی مُنہ میں کچھ شبد پڑھتی رہیں...... ماتھا ٹیکا اور آہستہ سے مُورتی کے نیچے چوکے کے ایک خفیہ خانے سے ایک [illegible] نکالا۔ چُوما' ماتھے سے لگایا اور [illegible] کی احتیاط سے اُٹھائے ہوئے [illegible] احتیاط سے دواؤں والے تھیلے میں ڈال لیا۔ اَب میں بچہ...... کیا جانوں کہ یہ کیا بلا ہے۔ بس تجسّس بھری نظروں سے گھور گھور اسے دیکھا کیے۔

یہ میرا پہلا موقعہ تھا کہ [illegible] نے اس پُراسرار تھیلے کو دیکھا۔ اس کے بعد تو پھر اکثر دوسرے تیسرے ہفتے اس کے درشن ہو جاتے لیکن حیرت اس بات پہ تھی کہ مجھے کبھی پتا جی یا ماتا جی نے اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا...... وہ شاید میری عمر یا بُدھی کے حساب سے اس قابل ہی نہ سمجھتے تھے اور نہ ہی مجھے کبھی اس بے رنگے ڈھنگے سے وزنی پوٹلے کو جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی...... ریوڑیاں' نُگدی' شکر یا پنجیری وغیرہ ہوتی تو کبھی کا تھیلا خالی ہوتا۔ خالی پیلی مٹی کو جان کر کیا کرتا......؟

پتا جی سورگباشی کے بعد' اُن کے استھان آشرم کا سارا انتظام و انصرام' بادلِ نخواستہ مجھے سنبھالنا پڑا۔ جیون میں اَن گنت تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ کلکتہ اور اُس کے واقعات' دُور کہیں دُھند میں ڈوب چکے تھے اور میں وقت کے ساتھ ساتھ یہ تھیلا ویلا بھی بھول چکا تھا...... وقت جو ہوتا ہے وہ لدے زمانوں کے پُرانے تھیلوں کو اُٹھائے' ساتھ لیئے لیئے نہیں پھرتا۔ پُرانی قدروں کے' موٹے ہاتھوں سے بے ڈھنگے سلے' سوت سلائی والے بے طرح کے تھیلوں کو کون پوچھتا ہے۔ اِسی طرح پُرانے بزرگوں کے طریقے' علاج اور ٹوٹکے وغیرہ پُرانے

لحافوں دریوں چٹائیوں میں لپیٹ لپاٹ کر کہیں کونوں کھدروں میں ڈال دی گئیں...... آنجہانی پتا جی کی ساری ودھیا اور پستکوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ مگر نہ جانے یہ مٹی کی پوٹ کیسے بچ پائی...... شاید اس لئے کہ یہ کرشن جی کے چرنوں میں پڑی تھی اور ان کے استھان تک ہر کسی کی رسائی نہیں تھی۔

ماتا جی نے اپنے دیہانت سے کچھ روز پہلے مجھے اپنے اس پرائیویٹ مندر میں بُلوا بھیجا۔ میں پہنچا تو وہ مُورتی کے چرنوں میں پڑی کوئی جاپ سُمرن رہی تھیں...... مجھے دیکھ کر مسکرائیں' اشارے سے اپنے پاس بلایا' پاس چرنوں میں بٹھایا۔ کچھ دیر گھور دیکھتی رہیں پھر کانپتے ہاتھوں سے اپنی چادر کے نیچے سے یہی تھیلا نکال کر مجھے تھماتے ہوئے کہنے لگیں۔

''بیٹا! میرا وشواس ہے اب وہ سمے آ گیا ہے کہ میں تمہیں تمہارے پُرکھوں کی طرف سے وہ پوتر مٹی ارپن کروں جسے وہ اپنی اگلی نسل کو سونپتے آئے ہیں...... وہ ذمہ داری تمہارے پتا جی کی تھی جسے میں نبھانے پہ مجبور ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم بہت سے سوالات کرو گے اور میں جواب نہ دے پاؤں گی۔ اس پوتر مٹی کے بارے میں جو کچھ میں جانتی ہوں وہ مختصر بتا دیتی ہوں۔ جب میں تمہارے پتا جی کے ہاں بیاہ کر آئی تو تمہاری دادی ماں نے یہی مٹی کا پوٹلا میرے جھولی میں ڈالتے ہوئے کہا...... ''بہو! پوتر مٹی' میری سسّو ماں نے بھی میری جھولی میں [illegible] سلسلہ چلا آ رہا ہے۔'' ...... میری بدھی میں کبھی بھی یہ مٹی نہ آئی اور نہ ہی کبھی مجھے چنتا پڑی کہ میں اس کی بابت بہت کچھ جان پاؤں۔ تمہارے سورگباشی پتا جی' اس کے چمتکار خوب جانتے تھے۔ وہ اسی کارن مہاویدی تھے کہ ہر چھوٹے بڑے بھیدوں گھناؤں والے روگوں کو چٹکیوں میں دور کر دیا کرتے تھے۔ کسی لوبھ لالچ سے ہٹ کر انسانیت کی سیوا کو اپنا کرم دھرم سمجھتے تھے...... اور یہ میں خوب جانوں کہ یہ بہت کچھ بھگوان کی کرپا کے بعد اسی مٹی کا چمتکار تھا۔''

یونہی میں نے ماتا سے پوچھ لیا۔

''میرے ملکھ کی ڈر گھٹنا تو اُن کی ویدک اور اس مٹی کی کرامت سے دور نہ ہو سکی۔ اس کا کارن کیا ہے......؟''

''ہاں یہ سچ ہے' انہوں نے خود مجھے بتایا تھا کہ میں اپنے بیٹے کے روگ کا کوئی اُپائے نہیں کر پایا' اس کا مجھے بہت دُکھ ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسی چنتا کو انگ لگائے وہ پرلوک سدھارے ہیں۔''

ماتا جی نے میرے سر پہ پیار سے ہاتھ دھرتے ہوئے مزید کہا۔

''تمہارے پتا جی کو یہ مٹی' اپنے ہاتھوں تجھے سونپنے کا سماں نہیں ملا۔ اُن کا دیہانت ایسا ایکا ایکی ہوا

ہوا کہ وہ تمہیں نہ تو اس مٹی کے بارے میں کچھ بتا پائے نہ کوئی اور نصیحت وصیت کر پائے۔“

چند لمحے چپ رہنے کے بعد مزید کچھ سوچتے ہوئے بتانے لگیں۔

”یونہی ہم ایک بار بیٹھے تمہاری اس چہرے والی بیماری کی بابت چنتا کر رہے تھے کہ بتانے لگے۔

”کانتی! مجھے لگتا ہے میرے بچے کے دُکھ کا دارو میرے پاس نہیں...... کسی اور سنت سادھو کے ہاتھ میں ہے۔ جو اس کا علاج اپنے کسی دھارمک ویدک سے کرے گا اور یہ اپنے پرکھوں کے دھرم پرم سے بھی اُڑان بھرے گا...... اسی میں اس کا انت سپھل ہوگا۔“

اب شاید میرے بھی بولنے کی باری تھی۔ میں نے کہہ دیا۔

”اب آپ کہیں گے کہ میں ہی وہ سنت سادھو ہوں جس کی بشارت آپ کے پتا جی نے آپ کو دی تھی...... خیر آپ مٹی کی بات کر رہے تھے؟“

”یہی کہ یہ مٹی مجھے سونپ دی گئی۔ ماں کے مرنے کے بعد میں نے تمام بُت اور مورتیاں ہٹا دیں مگر یہ چمتکاری مٹی میرے پاس ہی رہی...... فرق صرف اتنا ہوا کہ پہلے یہ کرشن جی کے چرنوں کے نیچے تھی مگر اب یہ قرآن کریم کے سائے میں پڑی تھی...... سو اب یہ اس لئے آپ کے پاس لایا ہوں کہ اس کے بارے میں مجھے تفصیل سے [illegible]“

میں بڑی گہری نظروں سے اس مٹی کے بارے میں اس کی بیتابی اور اسے جاننے کی شدید خواہش کا ملاحظہ کر رہا تھا...... انسان جب تک نہیں جانتا اس تک بڑا مضطرب اور متجسس رہتا ہے اور جب جان جاتا ہے تو اس کی بے کلی بے دم ہو جاتی ہے وہ بڑا انجیت اور لاپروا ہو جاتا ہے۔ دین و دنیا میں جو بھی پردۂ اخفا میں ہے وہ پُراسرار، مقدس، زبردست اور قائم ہے...... خدا بھی اگر کسی شکل و صورت میں ظاہر ہو جاتا تو شاید اپنے ازلی ابدی تصور سے کچھ اور ہو جاتا جو یقیناً خدا نہ ہوتا۔

زمین اور مٹی کو ہی آپ لے لیجئے۔ جتنی ظاہر ہے وہ باہر ہے اور جو بھیتر ہے وہ سُبحان تیری قدرت کہتا ہُوا کالا تیتر ہے۔ اس کرۂ ارض پہ چند ایک چیزوں کے علاوہ ہر چیز مٹی اور پانی سے تخلیق ہوئی ہے اور جو موجودات ان سے بنی اُس کی پیوندکاری، جڑیں، بود و باش احیاء و اموات وغیرہ اسی مٹی پانی سے ہی منسلک ٹھہری...... اسی لئے زمین اور مٹی کو بڑی ماں کہا گیا کہ وہی گود لیتی ہے اور وہی گور دیتی ہے۔ نباتات میں صرف آکاس بیل ہی ایسی خدا کی قدرت ہے جس کی کوئی جڑ، پھول پتا نہیں ہوتا۔ جو زمین مٹی سے نہیں اُگتی ہے۔ اسے عشقیہ بوٹی بھی کہتے ہیں کہ اس کی ایک تانت، ہرے بھرے پودے، درخت پہ ڈال دو تو دنوں میں چاٹ چاٹ کر کے رکھ دے اسی طرح کانٹوں والا چوہا (خار پشت) بھی ہوتا ہے جس بن میں بل ہو وہاں

بندے تو کیا بندر، باگھ، بجو، بلی اور بگا تک بھاگ لیتے ہیں۔ جس گھر میں اتفاق برکت ہو وہاں اس کا ایک کا دو۔ پھر دیکھ اس ابلیسی بان کی بدمعاشی اور بربادی...... تنکا تنکا نشیمن کا بکھیر کر رکھ دے گا۔ جو قلعہ سر نہ ہوتا ہو۔ اس کے گرد کی جھیل اور فصیل گہری موٹی مضبوط ہو تو چاروں طرف اس رذیل خارپشت کے پنجے اور کانٹے پونڈروں کی پنیری کی مانند الف گاڑ دو...... آٹھ اور آٹھ سولہ پہر کی مندی کے بعد کار کارندے کرم کھائے ہوئے کاکروچوں کی مانند باہر نکل آئیں گے...... ہندوؤں پانڈوں، مرہٹوں کی کئی ایک جنگیں ایسی جکھتوں، چھل کپٹ اور چتر بدھیا کی بدولت بدی گئیں۔ پرانے زمانے کی جنگی حکمت عملیوں میں منجموں، رمالوں، بھید بھادریوں اور پراسرار علوم وفنون کے ماہرین کا بہت بڑا عمل دخل ہوتا تھا۔ جان مال کا نقصان کم ہوتا تھا۔ جنگی حکمتِ عملیوں اور ٹونوں ٹونکوں سے میدان مار لیے جاتے...... مٹی، پانی، روشنی، اندھیرے اور موسموں کی بوالعجبیوں سے زیا کام لیا جاتا ہے۔

خارپشت مٹی کھاتا ہے اور مٹی ہگتا ہے مگر جو مٹی اُس کی خوراک ہوتی ہے۔ وہ عام مٹی نہیں ہوتی۔ وہ مر کر مٹی بنے ہوئے کسی خارپشت کی مٹی ہی ہوتی ہے۔ جنگل اُجاڑ کریہہ شمشانوں، قبرستانوں میں آ بسے ہیں۔ جدھر ان کی خوراک کا خاصا انتظام ہوتا ہے۔ یہاں سے سانپ، کھنکھورے، چنگڑ، مداری انہیں پکڑتے ہیں۔ ضرورت [illegible] سرخ ہے۔ اس کو سائے میں خشک کر کے قرص بنائے جاتے ہیں۔ آپس میں محبت کا تعلق رکھنے والوں کو خوراکیں کھلا دی جائیں تو وہ اک دوجے کے جانی دشمن بن جاتے ہیں...... اس کا گوشت [illegible] ایمان کو گناہ بنا کر رکھ دیتا ہے۔

موٹی کھلے دانتوں والی کنگھی سے امر بیل (آکاس بوٹی) کی تانتوں کو کنگھی کر کے اگر کسی خوش کے بالوں میں گزاری جائے تو وہ نہ صرف زندگی بھر کے لئے گنجی ہو جائے گی بلکہ صورت بھی بگڑ کر رہ جائے گی...... اس آکاس بوٹی کی خوراک مٹی نہیں اور نہ پانی ہے۔ بلکہ وہ رطوبت وخصومت ہے جو ابلیس صفت بدنگ ونیت، گم گشتہ ظلمات وآفات افراد کے درختوں، پودوں یا ان کی جڑوں میں تھوکنے، موتنے، ہگنے سے ہوتی ہے...... بہت سی جڑی بوٹیاں، جانوروں، انسانوں اور پرندوں کے ہگنے موتنے سے جنم لیتی ہیں...... شہد ایک مخصوص مکھی بھی ہے جس کے شہد کا اگر ایک قطرہ کسی جاندار کے حلق میں ڈال دیا جائے تو فی الفور اس کی موت واقع ہو جاتی ہے...... اسی طرح زہریلی مکھی بھی ہوتی ہے۔ مچھلی اور کچھ پرندے بھی...... بڑے خوشنما جنگلی بیر اور دیگر پھل بھی زہریلے اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ میں کئی ایک ایسے انسانوں کو جانتا ہوں۔ جو اپنی اک نظر سے اچھے خاصے مضبوط انسان کو موت کا پروانہ دے سکتے ہیں اور آ ایسے کریم

انسانوں کو بھی' جن کی نگاہِ التفات' مُردوں کو بھی حیاتِ نَو سے نوازتی ہے۔ مطلب یہ کہ دُنیا ہر طرح کی مخلوق سے بھری پڑی ہے۔ شر کے ساتھ خیر اور اندھیرے کے سنگ اُجالا...... رحمان اور شیطان...... اچھا' بُرا...... یہ سب عین مشیتِ الٰہی کے تحت ہے۔ یہ سب فطری تقاضے ہیں۔ ان سے اغماض برت کر زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا......!

● بول مٹی دیا باویا' تیرے دُکھاں نے کلیجہ ساڑیا......!

مٹی کا یہ باوا! مالکِ اَرض و سما کا خلیفۂ اَرض' مسجودِ ملائکہ...... شاہ کارِ کائنات' وارثِ علمُ الاسماء' مجموعۂ تُراب و ماء' نار و ہوا اپنی فطرت و سرشت اور جبلّتِ بشریت کے تحت ایک نادرالوُجود مجموعۂ اضداد واقع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہم مٹی کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

مالکِ کائنات نے جنّات و انسان کی تخلیق سے بہت پہلے زمین اور مٹی کو پیدا فرمایا ہوا تھا مگر ملائکہ ان دونوں سے پیشتر عالمِ ملکوت میں موجود تھے۔ یاد رہے کہ فرشتوں اور جنّوں میں بہت فرق ہے۔ فرشتوں کے بعد جنّات آئے [illegible] درجہ پہ تفویض فرما دیا...... یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ملائکہ جنّات کی نسل سے ہیں ان میں جلالت اور آتش مزاجی فطری تقاضا ہے یہ نُورِ خاص کی ایک ذیلی شاخ سے تخلیق ہوئے...... یعنی آتش اور قدرے مٹی' پانی' ہوا کی آمیزش...... یہی وجہ تھی کہ انہیں انسان سے بہت پہلے زمین پہ بسایا گیا۔ انہیں ہوا' پانی' نزدیک دُوری' زمین' آسمان...... ظاہری خفی ہر طور کے اختیار دیئے گئے۔ جبکہ انسان ان تصرفات سے محروم رہا۔ یہ الگ اَمر ہے کہ بشر کو کن کن معاملات و درجات میں افضلیت دی گئی۔ ان میں سب سے اعلیٰ اس کا خلیفۃُ الارض' علم الاسماء کا حامل ہونا اور نبیؐ پاک کا لبادہ بشریت میں مَظہر بھی شامل ہے۔

مٹی کے کھڈونے گھڑی پل دے پروہنے

مٹی میں نمود و جذب کی بے پناہ قوّت ہے اور یہ اُسے اللہ کے اَمر سے اجرامِ فلکی یعنی چاند' سورج' ستاروں' سیّاروں سے حاصل ہوتی ہے۔ جو مختلف اوقات و عصرات میں مختلف نوع کے اثرات و تشرقات کی حامل ہوتی ہے۔ مٹی' اپنے بطون میں اُن معدنیاتی اور کیمیائی خصوصیات کو بھی سموئے ہوئے ہوتی ہے جو اس کے نیچے یا قریب دَم پخت ہوتی ہیں...... مٹی اپنے جغرافیائی اور موسمیاتی محاسن و معایب سے بھی متاثر رہتی ہے۔ انسان کا وجودی خمیر چونکہ مٹی ہی ہے اس لئے جس' جہاں اور جدھر کی مٹی اس کی ابتدائی تکمیل کے لئے

کام میں لائی گئی ہوگی، وہ مزاجی اور طبعی طور پہ اُسی طرح کا ہی ہوگا۔ انسانی آشفتہ سری، شعلہ پائی، زم خوئی، چڑچڑاپن، سُستی یا جلد بازی، تلوّن یا تحمّل مزاجی اسی مٹی کے شاخسانے ہی تو ہوتے ہیں جس مٹی کا وہ پتلا ہوتا ہے۔

ماہرینِ ارضیات طبقیات، صاحبانِ طبیعات اور عالمانِ فرش و عرش کے ہاں ایسی نظر اور حسّیں موجود ہوتی ہیں جن سے وہ دیکھتے سُونگھتے ہی مٹی کی اقسام و فضائل کی تمام کیفیات جان جاتے ہیں—— آج دورِ جدید کے سائنسدان بڑے بڑے پیچیدہ آلات کی مدد سے زمین اور مٹی کی ظاہری باطنی تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی صحیح نتائج حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں...... مگر اُجڈ دیہاتی بڈھے جنہوں نے بخار چیک کرنے والا تھرمامیٹر بھی دیکھا نہیں ہوتا جو ایک حرف لفظ کسی زبان کا نہیں پڑھ سکتے۔ ان کے ہاں یہ علوم وہبی ہوتے ہیں۔ لُطف کی بات کہ یہ علوم پرندوں، درندوں اور چرندوں کے ہاں بھی کسی طور ہوتے ہیں۔ صحرائی مخلوق بھی جانتی ہے۔ انسان کی عقل و بینش جہاں اختتام پذیر ہوتی ہے وہاں اکثر دیگر مخلوقات کی شروعات ہوتی ہے۔

صحراؤں، پہاڑوں، جنگلوں، سمندروں میں بھٹکنے والے درویش، بھگت، فقیر اور آوارہ گرد بھی جانوروں، پرندوں [illegible] مٹی [illegible] پل میں [illegible] پڑھ سکتے ہیں—— خصوصاً زمین اور زیرِ زمین رہنے رینگنے والے جانور، کیڑے مکوڑوں سے خاصی مدد لی جا سکتی ہے۔

ہم پھر مٹی کی جانب چلتے ہیں۔ مٹی کے نیچے چاہے بیس میل کی گہرائی میں بھی اگر کوئی معدنیات موجود ہے تو اس کے اثرات اُوپر کی سطح کی مٹی میں موجود ہوں گے۔ پانی، گیس، پارا، تیل۔ اسی طرح سونا، چاندی، پلاٹینیم، مگنیشیم، تانبا، ابرق، قلعی، لوہا، مختلف اقسام کے جواہرات وغیرہ بھی اپنے ذرات اور اثرات اپنے اور اُوپر سطح کی مٹی میں ظاہر کرتے ہیں...... ان اثرات میں ان کی مہک خوشبو بھی شامل ہوتی ہے۔ گیلی زمین کی مٹی، تنور اور بھٹے کی مٹی راکھ...... آم کے باغ، میدانِ جنگ کی مٹی۔ اسی طرح سانپ، گھوڑوں، ٹٹوؤں کے باڑے کی مٹی، قبرستانوں اور شمشانوں کی مٹی...... کسی پیر، پیغمبر کی گزرگاہ کی مٹی یہاں تک کہ حجرۂ وصال کی مٹی...... مقامِ قتال کی مٹی۔ بندی خانے کی مٹی، مذبح خانے کی مٹی۔ کوفہ، بغداد و دمشق کی مٹی...... غرضیکہ یہ ساری مٹیاں اپنے اپنے باطن بھی اپنی اپنی خوشبوئیں اور رواغ پتے رکھتی ہیں۔

اب آپ اگر مٹیوں کے کیمیائی، جوہری، شفائی اور رُوحانی خواص پہ غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جس مخلوق کا ماخذ مٹی ہے اس کے ہر دُکھ مرض کا علاج بھی مٹی میں ہی پنہاں ہے۔ بس ذرا مٹی کے بھید بھاؤ کی جانکاری کی ضرورت ہے۔ چند ایک امثال پیش کرتا ہوں جو عام طور پہ ہمارے پُرانی اقدار کے گھرانوں میں

مروّج ہیں...... کچے پھوڑے کو پکانے کے لئے بھٹ، تنور یا چولہے کی مٹی کا لیپ کیا جاتا ہے۔ مسجدوں، حجروں میں کسی باغیچے کی مٹی پوتی جاتی ہے...... پکانے کی ہنڈیا، یا پانی پینے کے بدھنے اگر نیم کے پیڑ کے نیچے کی مٹی سے ملا کر استعمال کیئے جاویں۔ تو دق، سل، معتدی بخار اور جلدی امراض کا شافع علاج ہے۔ بغل، گند، منہ کی بدبو، پھوڑوں کے ورم میں تلسی کے پودے کی مٹی کا لیپ کرنا اور سونگھنا فائدہ دیتا ہے۔ چیچک، آپریشن اور زخموں کے بھدے نشانات کو معدوم کرنے کے لئے حلال جانور کے گھٹنے کی ہڈی کو ملتانی مٹی میں گھس کر لگانے سے اچھے نتائج نکلتے ہیں۔ ناسور، خنازیری گھاؤ کو بھرنے کے لئے، گھیکوار کی جڑ اور برگد کے سائے کی مٹی کا لیپ کرنے سے گھاؤ بھر جاتے ہیں۔ اسی طرح مٹیوں کے بھید بھاؤ جاننے کے لئے خاص طور پہ حشرات الارض بہت کام دکھاتے ہیں۔

مجھے اپنے ایک دیہاتی عقیدت مند بچے کی شادی کا ایک مسئلہ سلجھانے کا موقع ملا۔ دیکھئے، مٹی کے اثرات......؟

یہ شریف اور نفیس بچہ تھا۔ نیا نیا نوکر ہوا اور گھر والوں نے اکلوتا ہونے کی بنا پہ جلدی سے شادی کا بندوبست کردیا...... میری بُری عادت یا اُصول [illegible] میں کسی کی [illegible] میں شریک نہیں ہوتا۔ [illegible] لوگ، رشتہ دار اور عقیدت مند [illegible] یا بداخلاقی پہ محمول کرتے ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں، میں [illegible] کا دل رکھنے کے لئے بھی ایسا کوئی عمل نہیں کرسکتا جو سراسر منافقت اور مصلحت کے تحت ہو...... زندگی ایک فسانہ ہے جبکہ موت، اِک حقیقت...... فقیر درویش نہ زندگی سے خوش اور نہ موت سے آزردہ...... وہ الحمدللہ علیٰ کُلِ حال کا [illegible] شریف اور غریب [illegible] کے عین نکاح کے وقت، اُس کا سُسر (جو اُس کا سگا ماموں تھا) بدک گیا۔ ہر طرح کی کوشش، منت سماجت کے باوجود وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ بس ایک ہی رٹ کہ کسی قیمت پہ، نکاح نہیں ہوگا۔ بارات واپس جائے گی...... بزرگوں رشتہ داروں نے عین نکاح کے وقت انکار کی وجہ دریافت کی۔ وہ بوڑھا وجہ بیان کرنے سے بھی گریزاں...... بس یہی کہ دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے، یہ شادی نہیں ہوسکتی...... یہ بھی کہا گیا اگر حق مہر، خرچہ، زیورات زیادہ لکھوانا چاہو یا مکان، لڑکی کے نام کروانا چاہو تب بھی ہم تیار ہیں۔ جب ہر طرح کا طریقہ آزما لیا گیا تو آخری فیصلہ کے لئے اُس بچے نے مجھے ٹیلیفون پہ ساری رُوداد سُنائی اور میرے کسی فیصلہ کے لئے ملتجی ہُوا...... ساری سٹوری سن کر ظاہر ہے میں بھی ازحد متردّد ہُوا کہ ایسا شریف بیبا پڑھا لکھا خوبصورت صحت مند اکلوتا بچہ...... اُس بڈھے چینڈو کو تو خُدا کا شکر ادا کرنا چاہئے جبکہ لڑکا اُس کا بھانجا بھی ہے...... بہرحال وقتی طور پہ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ ایسی صورتِ حال سے کس طرح نمٹا جائے...... میرے مُنہ سے نکل گیا کہ اپنے ماموں سے ٹیلیفون پہ میری بات

کراؤ...... دس منٹ بعد بچے کا فون آیا کہ ماموں اس موضوع پہ کسی سے بھی بات کرنے پہ تیار نہیں بلکہ اُلٹا یہ تک بھی کہا ہے کہ میں کسی بابے وابے کو نہیں مانتا' تم بدعقیدہ ہو چکے ہو۔ یہ کالے کپڑے' داڑھی اور لمبی زلفیں...... تم تو میری بیٹی کو بھی اپنے جیسا بنا دو گے وغیرہ وغیرہ...... میں بڑا شانت سے ہو کر اُس کی باتیں سنتا رہا...... بلکہ اکثر سنتا رہتا ہوں کہ مجھے تاؤ غصہ بھی نہیں آتا...... ہر شخص کو کہنے کا حق ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ متفق بھی ہوا جائے...... میں نے کچھ سوچتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

”اُس گاؤں میں تمہارا کوئی اور بھی رشتہ دار یا دوست ہے......؟“

اُس نے جواب میں بتایا کہ یہ اُس کا ننھیالی گاؤں ہے۔ میرا ایک ماموں اور اُس سے چھوٹا ماموں بھی ہیں۔ مزید رشتہ داروں کے علاوہ میرے کئی ایک دوست بھی یہاں رہتے ہیں...... میرے مزید پوچھنے پہ یہ بھی بتایا کہ میرے تمام ماموں میرے ساتھ ہیں بلکہ تمام پنڈ ہمارا ہم نوا ہے۔ لیکن بڑے ماموں کی سمجھ میں کسی کی کوئی بات نہیں آتی...... میں نے اُسے مشورہ دیا کہ تم اور تمہارے تمام باراتی ساتھی بن کچھ کھائے پیے اور کوئی آر پار فیصلہ لیئے' کسی ماموں' رشتہ دار یا دوست...... جو تمام بارات کے لئے کھانے پینے کا انتظام کرکے چلے جاؤ۔ یاد رہے تکرار جھگڑا بالکل نہ کرنا...... بس خود وہاں سے کھسک لو اور میں پہنچ رہا ہوں۔

لاہور سے ساہیوال دو گھنٹے کی مار ہے۔ ایک آدھ بچے کو ساتھ لیا اور چل دیا...... پوچھتے پاچھتے اس کے گاؤں کی حدود میں پہنچے تو وہ اُدھوری شادی والا بچہ' جس کا نام کبیر احمد تھا' برابر سے گزرنے والی نہر کے پل پہ پانچ سات ہمراہیوں کے ساتھ میرے انتظار میں کھڑا تھا...... بھوک پیٹ کی ہو یا شادی کی' بندہ بڑا اتاؤلا ہوتا ہے۔ میری گاڑی دیکھتے ہی وہ لوگ لپک کر آگے بڑھے اور پھولوں کے ہاروں سے مجھے بوجھل کر دیا۔

سامنے ہی پندرہ بیس کھیتوں کے پار اُس کا گاؤں تھا۔ گاؤں تک پہنچتے پہنچتے ہم آٹھ دس لوگ اچھے خاصے جلوس کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں کچھ منچلے بھی نعرے بازی کر رہے تھے۔ میں نے یہ سماں دیکھ کر کبیر سے کہا۔

”بچے! میں تو کہنا بھول گیا۔ کچھ تم ہی خیال کر لیتے کہ مجھے جھمیلا اچھا نہیں لگتا......!“

ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ ”سرکار! یہ پینڈو لوگ پیروں مرشدوں کا یونہی استقبال کرتے ہیں۔ میں ایک آدھ دوست کو ہی ساتھ لانا چاہتا تھا...... مگر ان لوگوں کو نہ جانے کہاں سے آپ کے آنے کی بھنک پڑ گئی۔ لاکھ منع کرنے کے باوجود یہ پیچھے پیچھے پہنچ گئے۔“

دیہی گاؤں میں یہ مصیبت ہوتی ہے کہ گاؤں کے منچلے ملنے پہنچنے والے مہمانوں یا افراد کو گاؤں والے دور سے ہی دیکھ پہچان لیتے ہیں کہ اپنے گاؤں کا باشندہ ہے یا کوئی اجنبی...... حتیٰ کہ منچلے بھی یہ حد کے

رکھتے ہیں کہ آنے والا مائی جیواں کا پُتر ہے یا گامے لوہار کا داماد...... اجنبیوں کو پہچان سونگھ کر وہ خاص طور پر آگے جا کر نعروں سے اُس کا استقبال کرتے ہوئے گاؤں تک لاتے ہیں۔

گاؤں پہنچتے پہنچتے میں نے راستے میں ساری صورتِ حال معلوم کر لی تھی وہ ساری بارات سمیت اپنے چھوٹے ماموں کے گھر چلا آیا تو بڑے ماموں نے کسی رَدِّ عمل کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی اپنے فیصلے میں ذرا بھر لچک پیدا کی...... کھانا وانا تیار حالت میں گرم بھوبھل پہ پڑا ہے۔ جو شاید مسجدوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے...... دُلہن تیار بیٹھی اپنے نصیبوں کو کوس رہی ہے بلکہ ایک آدھ بار بیہوش بھی ہو چکی ہے۔ اُس کی ماں بھی سکتے کی حالت میں ہے مگر اُس کے اُجڈ اور ضدی باپ پہ کوئی اثر نہیں ہوا...... گاؤں پہنچتے ہی اذان کی آواز کان پڑی جو ایک اچھا شگون تھا...... وہیں سے میں نے رُخ مسجد کی جانب کر لیا۔ پیروں' فقیروں کی آمد اس لحاظ بھی بہتر ثابت ہوتی ہے کہ ایسے افراد کو بھی اُن کے ساتھ مسجد پہنچنے کا موقع مل جاتا ہے جن کا تعلق مسجد سے نمازِ عید یا نمازِ جنازہ تک ہی محدود ہوتا ہے...... نماز دُعا کے بعد میں کبیر احمد کے چھوٹے ماموں کے گھر چلا آیا۔ خوب آؤ بھگت سے مجھے بٹھایا۔ وہ بھلا شریف آدمی بھی اپنے بڑے بھائی یعنی کبیر احمد کے ہونے والے سسر کی عقل سمجھ اور برتاؤ پہ سخت [illegible] خوش تھا۔ مگر اب انکاری کوئی معقول وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ [illegible] ان میں چند دیگر رشتہ داروں سے بھی بات چیت ہوئی...... ساری کتھا جب میری سمجھ میں آ گئی تو میں نے کبیر احمد کے اُسی ماموں' جس کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے سے کہا کہ تم جا کر اپنے انکاری بھائی کو بلا لاؤ۔ میرا پیغام دو کہ بابا جی تم سے ملنا چاہتے ہیں...... اُسے پہلے پہنچو۔ اُس کو میرے پہنچنے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ بڑ [illegible] گیا۔

جس بندے کی کوئی بنیاد اور جس لوٹے کا کوئی پیندا نہ ہو وہ دونوں لُڑھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ قدرے رَد و کد کے بعد وہ گھبرایا سا چلا آیا۔ میرے سامنے پہنچتے ہی جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔ میں نے اُس کی سلام کا جواب دیتے ہوئے بڑے احترام سے اپنے پاس بٹھایا' حال احوال پُوچھا...... بیٹی کی شادی پہ مبارک اور دُعائیں دیں...... کچھ باتیں بتائیں کہ جو باپ' ایک بیٹی کو پال پوس' تعلیم تہذیب دے دلا کر' جوان ہونے پہ اُس کی شادی کر دیتا ہے اللہ پاک اُس کو بدلے میں جنت کا ایسا ٹکڑا عطا کرتے ہیں جو نبیوں' پیغمبروں کے لئے ہوتا ہے...... ابھی میں اس نوع کی باتیں کر ہی رہا تھا کہ وہ خود کہنے لگا۔

"بابا جی! اُٹھیے چل کر نکاح پڑھائیے۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے...... کھانا بھی پڑا پڑا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

پاس بیٹھے ہوئے سب لوگ مُنہ کھولے اُسے تک رہے تھے...... الٰہی! اس بندے کو کیا ہو گیا ہے کچھ

دیر پہلے تک تو یہ نکاح دینے سے انکاری تھا' مرنے مارنے پہ تلا ہوا' اور اب یہ خود نکاح کا کہہ رہا ہے...... میں نے ترت کہا۔

''بھلے لوگ! اب یہ نکاح وہاں نہیں' اس گھر میں ہوگا آخر یہ بھی تو تیرے ہی بھائی' بچی کے چچا کا گھر ہے۔ دوسری وجہ یہ بتائی کہ میں بیمار بوڑھا آدمی ہوں۔ جہاں بیٹھ گیا سو بیٹھ گیا۔ بار بار مجھ سے اُٹھک بیٹھک نہیں ہوتی۔''

پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی میری ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ تیار ہو گیا...... کہنے لگا۔

''جیسے آپ سب کی مرضی......!''

اُس کے جانے پہ سب اک دوجے کا منہ تکنے لگے کہ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے؟...... گھر والے نکاح کی تیاری میں جُٹ گئے۔ دریاں برتن دیگیں وغیرہ سب اٹھا کر ادھر لانے لگے۔ سب کچھ نئے سرے سے یہاں جما دیا گیا۔ اب راہ دیکھ رہے ہیں کہ کب لڑکی کا باپ آتا ہے اور نکاح کی اجازت دیتا ہے۔ چینڈو مولوی صاحب بھی بار بار یاد دلا رہا تھا کہ اگلی نماز کا وقت بھی قریب ہے اور میں نے نکاح پڑھانے کے بعد ایک دوسرے گاؤں میں جنازہ پڑھانے بھی جانا ہے۔ نہلا اور کفنانے کے بعد جنازہ بھی میرا انتظار کر رہی ہے۔ لڑکی [illegible] لے جانے اور میت جنازے کے لئے تیار ہو کر پھر دیر [illegible] ہیں [illegible] فوراً لڑکی کے والد اور گواہوں کو بلائیں...... یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ لڑکی والوں کے گھر سے پیغام آ گیا کہ نکاح نہیں ہوگا۔ بارات واپس جائے گا۔ لڑکی کے والد نے گھر پہنچ کر اپنا ارادہ پھر بدل دیا تھا۔ [illegible] ایک بار پھر [illegible] میں ڈوب گئے۔ لیکن میں مسکرا [illegible] صورت حال کا مزہ لے رہا تھا۔ اب [illegible] اور سب باراتی میری جانب دیکھنے لگے مگر لب سب کے سِلے ہوئے...... جو خاموشیوں کی زبان سے کہہ رہے تھے کہ بابا جی اب بولیں؟ آ نتیں تو قل ھو اللہ سے والناس تک پورا قرآن پڑھ چکی ہیں۔ نکاح کو چھوڑیں [illegible] طرح پیٹ پوجا کا بندوبست کریں۔

ہوتا یوں ہے کہ چینڈو شادیوں میں باراتیوں کو کسی کی شادی طلاق سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ [illegible] دلچسپی کا نقطۂ ارتکاز وہ کتا یا کتے ہوتے ہیں جو سالن اور چاولوں میں اپنی بہار دکھا رہے ہوتے ہیں۔ کتا قورمہ اور کتا بریانی کو وہ شخص سمجھ ہی نہیں سکتا جس کا واسطہ کسی چینڈو شادی سے نہیں پڑا۔ اگر چینڈو شادی [illegible] کتوں کی بجائے بکرے کٹے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ شادی والا دبئی یا سعودیہ میں دس پندرہ برس [illegible] ہے...... بکروں والی شادیاں پھسپھسی بے لُطف و بے جان سی ہوتی ہیں۔ جو جان جرأت کتے کے گوشت [illegible] ہوتی ہے وہ بکرے کے تِکے بکے بے ریشہ و رگ گوشت میں کہاں؟ بکرے کا گوشت تو چھنگلی کے [illegible]

تیز ناخن سے کاٹا جا سکتا ہے جبکہ کتے کے گوشت کے ڈکرے ٹوٹے آرہ مشین سے کروائے جاتے ہیں ...... بکرے کا گوشت دو چار انگڑائیاں توڑنے سے ہضم ہو جاتا ہے مگر کتے کے گوشت کو گلانے اور جزوِ معدہ بنانے کے لئے پینڈو بھنگڑا ڈالتے ہیں یا آپس میں کُشتن و کُشتم ہوتے ہیں ...... سگریٹ' حقہ' بڑھکیں یا پھر انھیں زنانوں کے راس سے کام چلانا پڑتا ہے۔

میرا ذاتی طعامیاتی تجربہ ہے کہ کالے کتے اور ڈب کھڑبے وچھے کا گوشت انتہائی لذیذ' نرم' نگینی اور قدامت پسند قسم کی جذباتی کیفیات پیدا کرنے کا محرک ہوتا ہے۔ فلسفۂ قصابیت پہ بحث کرنے کو جی کرتا ہے۔ جنگلی حیات پہ مبنی دستاویزی فلمیں دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ چوپایوں کے بارے میں صلہ رحمی کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں۔ اعضائے رئیسہ' عضلاتِ خبیثہ میں تبدیلی سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ ذہنی صلاحیتوں میں وائرس آ جاتا ہے۔ ایک بار اگر کسی کے منہ کتے وچھے کا گوشت لگ جائے تو وہ بکرے [illegible] مرغے' مچھلی' بٹیر' مرغابی سے منہ اٹھا لیتا ہے۔

تو میں بات کر رہا تھا کبیر احمد کی شادی کی دیگیں دم پہ لگی تھیں' دیگوں میں کتوں کا گوشت اپنے کھائے جانے کی دہائی دے رہا تھا۔ مگر ادھر لڑکی کا والد کسی کھوٹے [illegible] دکھائی نہیں پڑتا تھا۔ [illegible] ملوانے اور باراتی وغیرہ تو [illegible] پھر رہے [illegible] ہیں۔ [illegible] تو پچھتاؤ ...... لیکن سچ تو یہ ہے کہ میری اپنی نیت میں کتا ڈکرا رہا تھا۔ بچے کے نکاح کا تصفیہ تو محض بہانہ تھا اصل محرک تو میں کتے کے ساتھ سر کرنے پہنچا تھا۔

ولی ہو یا قطب' چور ہو یا ڈاکو' قاتل ...... [illegible] تو سب کے ساتھ لگی ہوتی ہے ویسے ہی جیسے ہر دُنیادار کے ساتھ خود غرضی اور کمینگی جڑی ہوئی ہوتی ہے اور کوئی بھی اس سے مبرا نہیں ہوتا بالکل یہی کیفیت میری بھی تھی۔ لحم جھینس بچہ کی اشتہا اور مہک نے میری نیت کا ناس مار کر رکھ دیا ہوا تھا ...... اوپر اوپر کی میری الحمدللہ اور سبحان اللہ بھی ویسی پڑتی جا رہی تھی' بھوک سے میری یہ حالت تھی کہ اگر در پردہ لڑکی کا باپ' نکاح نہ دینے کی شرط پہ مجھے کتے کا گوشت لا دیتا تو میں بھی اس کا ہمنوا بن جاتا ...... کمینگی داڑھی نہیں دیکھتی' داڑھ گیلی دیکھتی ہے ...... قصہ کوتاہ میں نے اس کے بھائی' دو اور معتبر قسم کے لوگوں کو دوبارہ وہاں بھیجا اور یہ بھی کہا کسی نہ کسی طور چاہے زبردستی کرنی پڑے اُسے لے آؤ ...... گھر کچھ زیادہ دُور نہیں تھا دس منٹ میں وہ ستم ظریف بادلِ نخواستہ اپنے پاؤں پہ ہی چلا آیا ...... وہی علیک سلیک' بظاہر نہ کوئی تلخی نہ شکایت ...... اُس کے برتاؤ رویے سے معلوم ہوتا تھا یہ وہ شخص ہی نہیں جو اپنے گھر پہنچ کر پاؤں سے لے کر سر تک ٹوٹل بدل جاتا ہے اور ماتھے پہ آنکھیں رکھ کر دوٹوک انکار کر دیتا ہے ...... میں نے پوچھ لیا۔

''حاجی صاحب! نماز کا وقت ہُوا چاہتا ہے۔ مولوی صاحب نے بھی ایک جنازہ بھگتانا ہے...... ان باراتیوں کو بھی چھوڑیئے' یہ پیشہ ور باراتی ہیں۔ میرا ہی کچھ لحاظ فرمائیں۔ مانا کہ مَیں ایک بابا ہوں مگر اس پاپی پیٹ کا مَیں بھی مرید ہوں۔ لہٰذا' برائے مہربانی نکاح کا اعلان فرمایئے۔''

اَب آپ اُس مسخرے کا جواب ملاحظہ فرمایئے اور سر دُھنیئے......!

''مَیں تو کب سے تیار بیٹھا ہوں۔ دیر تو آپ کی طرف سے ہے۔''

میرے سمیت سب لوگ اُس کا منہ تکنے لگے کہ یہ دو مُونہہ' کس مُنہ سے بول رہا ہے؟...... مَیں نے فوراً کہا۔

''اُٹھیے' مولوی صاحب! اِن دونوں چچاؤں کو وکیل لے کر لڑکی کے پاس ہو آئیں۔''

اُس دو مونہے کو مَیں نے باتوں میں لگا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ پندرہ بیس منٹ میں وہ وہاں سے فارغ ہو کر واپس پہنچ گئے۔ اَب لڑکے کو کلمے پڑھائے چھوہارے بانٹے۔ مبارک سلامت اور پھر کھانا کھُل گیا۔

رات سات بجے کے قریب' مَیں نے لاہور کا قصد کیا۔ اَب رُخصت کرتے وقت کبیر احمد نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا۔

''بابا جی! [illegible] یہ سارا ڈرامہ اُنہوں نے کیوں کیا...... جب کہ شادی طے تھی پھر بار بار انکار کی وجہ؟''

مَیں نے کار میں بیٹھتے ہوئے جواب دیا...... ''اس کی وجہ' وہ مٹی تھی وہ زمین کا قطعہ' جس پہ وہ اس وقت بیٹھے تھے...... اس مٹی کے نیچے زمین کے اندر کہیں پارے کا ذخیرہ ہے۔ تمہارے ماموں کی طبع میں بھی مائیکا کا تناسب زیادہ ہے۔ جب وہاں ہوتے تھے تو اس وقت ان دھاتوں کی مقناطیسی لہروں کی زد میں آ کر اپنے دماغ کو کنٹرول نہیں پاتے تھے۔ نتیجے میں جھلا کر وہ انکار کر دیتے تھے اور جب وہ میرے پاس آتے تو جہاں مَیں بیٹھا تھا وہاں بہت نیچے چاندی اور نکل کے ذخائر ہیں۔ ان دھاتوں کے اثرات میں اُن کا دماغ کام کرنے لگتا تھا...... اور وہ ہاں کہہ دیتے تھے۔''

اَب وہ بولا۔ ''بابا جی! میری شادی کا فیصلہ بھی تو اُنہوں نے اسی گھر میں بیٹھ کر کیا تھا......؟''

''نہیں...... یہ فیصلہ اُنہوں نے وہاں بیٹھ کر نہیں کیا تھا۔ وہ کوئی اور جگہ ہوگی...... جا کر اپنی ساس سے دریافت کر لینا۔''

پرندوں میں خاص طور پہ ایک قدرتی ریڈار سسٹم موجود ہوتا ہے جو اُنہیں فضا اور ہوا میں سمتیں نیز پرواز میں راہنمائی عطا کرتا ہے۔ خصوصی طور پہ وہ پرندے' جو موسموں کے مطابق ایک جگہ سے دوسری جگہ

ہجرت کرتے ہیں۔ ایک مُلک سے دوسرے مُلکوں پرواز کرتے وقت' زمین اور مٹی اُنھیں راہنمائی فراہم کرتے ہیں...... پانی کا نام اس کے بعد آتا ہے کہ اس کی اپنی کشش برائے نام ہوتی ہے۔ ہاں' البتہ اس کے نیچے زمین کی کشش' اُس کی کشش کو دوچند کردیتی ہے لیکن رواں پانی اسے بہت حد تک معدوم کردیتا ہے۔ رَواں اور ہچکولے لیتا ہوا پانی لہروں کو اُتھل پتھل کر کے اُنہیں کمزور اور غلط ملط بنا دیتا ہے۔ مختلف پرندے اپنے فطری مزاج کے مطابق راستہ منتخب کرتے ہیں۔ اگر زیرِزمین کی معدنیاتی لہریں' اُن کے طبع کے تحت ہیں تو وہ آسانی سے اپنی بلندیٔ پرواز قائم رکھ سکتے ہیں اور طویل مسافت طے کر جاتے ہیں۔ دریں حال وہ بڑے منتشر اور تھکے تھکے ہوئے بدقت تمام اپنا سفر سر انجام پاتے ہیں۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ مٹی کے ایک بظاہر معمولی ذرّے کے ایک کروڑویں سالمے میں بھی ایک کائناتی سسٹم موجود ہے اور اُس ذرّے سے ایک مکمل کائنات کی کھوج لگائی جا سکتی ہے۔

● جو راہ بھی اُدھر کو جاتی ہے، مقتل سے گزر کر جاتی ہے......!

مہاتما [illegible] بچپن [illegible] بولی' اُس کی خوشبو' اُس کے وطن کی خبر...... وہ سب جانتے ہوتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی تپسیا' مجاہدہ' چلّہ' وظیفہ کس جگہ' کس پربت پہ' اور کتنی دیر تک کرنا ہے۔ پہاڑوں کی غاروں کھوؤں...... چلتے' رکتے پانی' دھرتی کے اُوپر' نیچے...... کنویں' باولیاں وغیرہ۔ وہ اپنی ریاضت اور ضرورت' صورت کے مطابق ہی جگہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سادھو سنت درویش' اپنی بھوک سردی گرمی بارش برسات وغیرہ میں بچ بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ مَیں نے سربفلک برف زاروں میں' سادھوؤں سنتوں لاموں کو محض ایک ہی چادر یا ننگ دھڑنگ ہی دیکھا۔ پاؤں ننگے' کھڑاویں یا کوئی سَتلی گھاس کی چپل' سویٹر جرابیں' جرسیاں اور کمبل اوڑھے نہیں دیکھا جبکہ عام انسان اس طرح کی زندگی کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ دیکھیں تو یہ بھی گوشت پوست اور حسیات بھرے انسان ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا کہ وہ دانائے فطرت اور آشنائے راز ہوتے ہیں...... تزکیۂ نفس مجاہدات کے پُلوں کے نیچے سے سردیوں کے ٹھٹھرے پانی کی مانند گزرے ہوتے ہیں۔ موسموں کے تیوروں اور اُن کی چیرہ دستیوں سے خُود کو محفوظ رکھنے کا ڈھنگ جانتے ہیں۔

مَیں نے ایک ننگے تپسوی کو برف زار میں ایک تودے پہ آسن جمائے دیکھا۔ وہ اپنے آپ میں مست تھا۔ مَیں کافی دیر تک ایک طرف کھڑا اُس کے اندازِ ریاضت پہ غور کرتا رہا۔ کبھی کچھ سوال' کبھی کچھ......

ذہن میں اک کھچڑی سی پک رہی تھی کہ یہ بندہ تزکیہ نفس کی کس منزل پہ ہے؟ انسانی عقل تو دلیل ڈھونڈتی ہے۔ اس محیر العقول حرکت کی کیا توجیہہ ہو سکتی ہے۔ اس ننگے دھڑنگے کو تو پندرہ بیس منٹ میں برف کے تودے کی مانند تو وہ بن جانا چاہئے۔ اُصولِ فطرت کی اس نفی پہ میں بڑا حیران تھا...... میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ کھانے پینے کے آزار سے بھی آزاد ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ تو وہ پہلے ہی تھا۔ وہ عام انسان ہوتا تو برف کی یخ بستگی اُسے کب کی پتھر بنا چکی ہوتی...... چند منٹ ایک ہی جگہ کھڑا رہنے اور اس کے بارے میں مسلسل سوچنے سے میرے پیر ٹانگیں سُن ہونے کو تھیں کہ میں وہاں سے ٹل لیا...... کھانا وانا کھا کے میں آشرم کے ڈھابے سے باہر نکل کر اُسی راستے پہ آ لگا جدھر تپسیا کرمیوں کے گوے تھے...... یعنی وہ منش جو اس آشرم میں یوگا' جوگا' موگا سیکھنے آتے ہیں۔ اُنہیں مختلف جگہیں الاٹ کر دی جاتی ہیں جدھر وہ تپسیا میں مگن رہتے ہیں...... جب میں اُس ننگے یوگی کے گوے کے نزدیک پہنچا دیکھا کہ اُس کے کاٹھ سریر میں جان سی پڑ گئی ہے وہ جھکائی لیے برف کے تودے سے اُتر رہا تھا۔ میں نے پُھرتی سے آگے بڑھ کر اُترنے میں اُس کی مدد کرنی چاہی...... میری محض اُنگلیاں ہی اُس کے ہاتھ سے مس ہوئی تھیں کہ میں جھٹکا لے کر یوں پیچھے ہٹا جیسے کسی انتہائی گرم چیز کو چھو لیا ہو...... وہ آرام سے نیچے اتر آیا۔ میری جانب دیکھتے ہوئے اُس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی [illegible] پچپا کا گیا ہے...... مگر اس بے وضع سی مسکراہٹ میں تو لوہے کی فونڈری سی گرمی تھی...... اس یخ بستہ گلیشیر زدہ وادی میں گرمی کا کیا کام؟......

وہ میرے قریب آیا۔ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کلام کرنے لگا۔

تمہیں اپنے ہاتھوں پہ دوا ضرور مل لینا جو اسی مقصد کے لیے ہمارے آشرم کے دواخانے میں موجود ہے۔ وہ بھی میری طرح گزارے لائق انگریزی میں اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا تھا اور اتنا ہی سمجھ بھی سکتا تھا۔ میں کچھ ہاتھ کا فاصلہ رکھ کر ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

”کہاں سے آئے ہو......؟“

میں جواب میں خاموش رہا۔

”یہاں یوگا سیکھنے آئے ہو یا جوگا......؟“

”میں موگا میں دلچسپی رکھتا ہوں' یوگا اور جوگا بھی موگا میں آتے ہیں' اتنے جتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”یہ تو صحیح ہے اگر تم محض جوگا سیکھ رہے ہوتے تو میرے ساتھ ہی آگے پیچھے کسی تودے پہ بیٹھے ہوتے اور اس طرح کے بیکار سوالات اپنے دماغ میں جمع نہ کر رہے ہوتے اور نہ ہی اک دم مجھے سہارا دینے کی کوشش کرتے...... اچھا ہے تم جوگا میں نہیں پڑے۔“

وہ مجھے لے کر اپنے مٹھ میں آ گیا جو میرے مٹھ سے کچھ زیادہ دُور نہیں تھا۔ درمیان میں ایک تنگ سی گھائی تھی جو برف سے ڈھکی رہتی تھی۔ آر پار اُترنے کے لئے لکڑی اور جوٹ کے ریشوں کا جھولا پل تھا جس سے لٹکتی ہوئی برف کی قلمیں اور ہمہ وقت چھائی رہنے والی دُھند' بڑا خواب آگیں منظر پیدا کرتی تھیں...... ایسی ٹھنڈ اور خاموشی جیسے پوری کائنات برف اور دُھند میں لپٹی ہوئی ہو اور ہم خاک سے نہیں' کرسٹل برف سے بنے ہوئے پتلے ہیں۔ اُس کے مٹھ میں گھاس پھونس کے علاوہ شاید ایک بوسیدہ سی سرخ رنگ کی چادر' لکڑی کا ایک برتن اور ایک تھیلا تھا۔ ہم آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ نیچے پڑی گھاس سے چند خشک خوبانیوں جیسا خشک پھل نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

''چاہو تو یہ کھا سکتے ہو؟'' پھر بولا۔ ''جانتے ہو کہ گیان اور نروان میں کیا فرق ہے؟''...... خود ہی جواب دیتے ہوئے کہا۔ ''گیان...... محنت' تپیا اور شوق سے حاصل ہو سکتا ہے مگر نروان کی مکتی بڑے دُکھوں سے حاصل ہوتی ہے...... ہر خوف' خواہش' خواب' خیال اور خرابی سے چھٹکارا پانے کے بعد ہی اس راہ پہ قدم رکھا جا سکتا ہے...... پاؤں دھرتی' سیس اُوپر آکاش...... چاروں کھونٹ دباتے چلے آتے ہیں۔ تپش کاری' ان کے بھیتر اگن کا بونڈا بنا رہتا ہے۔ [illegible] جس کا [illegible] رہتا ہے۔ وہ اپنی مدھ میں پتہ نہیں کیا کیا [illegible] رہا تھا۔ پھر [illegible] ایسی حالت ہوتی ہے جس کے لئے کسی وسیلہ زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ الفاظ اور مافی الضمیر خود بخود اُجالے چلے جاتے ہیں......!''

یہاں بھی قریب قریب یہی معاملہ تھا اُس کا کہا' سنا' سوچا جانا جیسے میرے وجدان پہ القا ہو رہا ہو۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''برف کتنی اور کیسی بھی ہو...... ہوتی تو دھرتی کے اُوپر ہے...... اور دھرتی کے بھیتر اگن کا جوار بھاٹا دہکا رہتا ہے...... میلوں اُوپر برف کی ٹھنڈک میں بیٹھ کر میلوں نیچے کی گرمی سے ناطہ جوڑنا مشکل تو ہے پر ناممکن نہیں...... یہ سارا کھیل رابطہ کا ہے...... تصور اور تخیل کی سانت کا ہے۔ جو اس میں کامل ہو گیا وہی نروان کو بجھ پاتا ہے...... ہماری یہ کٹھن تپیا' اپنے سریر کی تُرشنا کو مارنا ہوتی ہے۔ آتما کی راہ سپھل کرنے کے لئے یہ آوش ہے۔''

ارے ماٹی کے پتلے تجھے کتنا گمان ہے
تیری اوقات کیا تیری کیا شان ہے

شاید پینتیس' چالیس برس پہلے' حبیب پینٹر قوال کی ایک قوالی سُنی تھی۔ یہ بول آج تک سینے میں کانٹے کی مانند کھُبا ہوا ہے۔ یہ ماٹی کا پُتلا' اپنی اوقات اور شان میں واقعی عجیب و غریب ہے۔ گرنے پہ آئے

تو قعرِ مذلت میں پڑے اور جب چڑھنے کی سوچے تو بامِ رفعت کو چھولے، گدلی مٹی کا پروردہ بیج، ایسی اُٹھان لیتا ہے کہ اوجِ ثریا کو شرماتا ہے۔

گجرات شہر کی مٹی بڑی نرم سبک اور سُریلی ہوتی ہے۔ عشق و محبت کی مستی میں رچی بسی یہ مٹی اپنے اندر بڑے کمال و جمال رکھتی ہے۔ یہاں دریائے چناب کے روپہلے پانیوں، اس کے سرسبز گدرائے ہوئے کناروں اور رُومان پرور وسیع و عریض بیلوں میں بہاررُتیں پڑے کے پڑے جمایا کرتیں۔ نکہت بیز ہوائیں، ماہیے ٹپے گنگناتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ مہلائیں، جیسے آکاش سے اُتری اپسرائیں ہوں۔ مردِ عشق پیشہ صاحبِ تیشہ اور کاربارِ عشق میں بے ریشہ ہوتے تھے...... اس بستی کی گلیاں کوچے بازار، زلفِ گرہ گیر کی نظیر تھے۔ چوبارے چھجے، جھروکے، مکان، شہرِ خُلد کی تصویر تھے۔ یہاں شہزادے، فقیر اور دریوزہ گر، وزیر باتدبیر ہوا کرتے تھے۔ اس کے سپہر پہ رات کو ستاروں کی کہکشائیں اور جھرمٹ سج جاتے تھے۔ اِدھر کی چاندنی راتوں میں گلزاروں کی مہکاروں میں کوہ قاف کی پریاں رقص فرما محسوس ہوتی تھیں...... شاید اسی وجہ سے یہاں کی مٹی بڑی گدیلی، نرم ملائی، نازک اور خوش رنگ تھی...... کوزہ گر، اس رعایت سے ایسے شاہکار تخلیق کرتے کہ دور و نزدیک کے ملکوں شہروں سے خاص و عام محض ان کی صناعی کے کمال و جمال کے ملاحظہ کی خاطر کالے کوسوں [illegible]

● ڈگر پنگھٹ کی......!

اِک وقت ہو گزرا...... میرے اندر آشفتہ سری کے سریے دَھنسے ہوئے تھے۔ میں ہر نوچندی جمعرات سیالکوٹ سے پیدل جلالپور جٹاں، براستہ گجرات جایا کرتا تھا۔ وہاں برہنہ پا، پیدل پہنچنے کی متعدد وجوہ تھیں جن میں ایک بڑی وجہ میرے جنونِ آوارگی کی تسکین تھی......!

''پانی چاہیے ہو تو پنگھٹ تک خالی گاگریا اُٹھائے ہوئے پہنچنا۔ توازن قائم رکھتے ہوئے سلامتی سے واپس آنا کہ ایک قطرہ بھی نہ چھلکے۔ راہ راستہ کی ہر نوع کی مخلوق سے تعلق ترازو کرنا اور ہر گام پہ اک ورد کرنا۔ گربہ گام کا اک مخصوص وظیفہ۔ گربہ یعنی بلی کو کہیں بھی چھوڑ آؤ وہ وہاں سے ہر طور واپس اپنے گھر آئے گی۔ گربہ گام وظیفے میں بھی گھر گھاٹ اور گربہ کا کھیل دُھرایا جاتا ہے۔''

جلال پور جٹاں، گجرات سے چند میل دور ایک پرانی بستی ہے۔ راستہ میں ایک نیم سا نالہ بھی پڑتا ہے نام سے جاٹوں کا حوالہ ملتا ہے جبکہ میں نے وہاں کسی باعمل جاٹ کو نہیں دیکھا۔ کھنڈیاں دیکھیں اور ان پہ بیٹھے

ٹھک ٹھک کام کرتے ہوئے مستعد کاریگر...... جو انتہائی نفیس کپڑا بنتے تھے۔ ان کاریگروں میں ایک چکارو سا بانکا، سجیلا کاریگر، میرے رُوحانی اُستاد سے کہیں زیادہ میرا دوست تھا۔ نگاہ ہیرے کی اور بال سونے کے...... وہ کچے شنگرف اور سفید توتیے سے بنا ہُوا تھا۔ چہرے پہ چاندی کی چمکی اور کہیں کہیں کندن کے کوکے بھی ٹکے ہوئے تھے...... تِل چٹے مُہاسے مُوتی، سیاہ ہی نہیں سرخ بھی ہوتے ہیں۔ قدرت چہرے مہرے، نین نقش کے حساب کتاب سے اِنہیں سجاتی ہے یعنی یہ صاحبِ نظر بھی قدرت کے اُن خاصاں میں سے تھا جنہیں محض کہیں جنم نہیں دیا جاتا۔ بلکہ بنا سنوار اور خصوصی تیاری دے دلا کر کہیں اُتارا جاتا ہے۔

میری ابتدائی عملی رُوحانی تعلیم میں، میری چاچی، میاں جی سنگلاں والے، حافظ باؤ ٹرین اور اس چکارے جولاہے کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ ان ہستیوں کے علاوہ ایک ہستی اور بھی تھی، کرسچن ایلک جوزف، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ جلالپوری جولاہے استاد نے مجھے سمجھایا کہ گجرات ملوک والوں کی بستی ہے اور جلال پور جٹاں سلوک والوں کی۔ راہِ سلوک پہ پیدل سفر ہوتا ہے پھر ایک وقت آتا ہے کہ محض دو گام چلنے سے ہی منزل سامنے آ جاتی ہے "درویش کے لئے کائنات اڑھائی قدم" والی بات بھی شاید یہی ہے۔ پیدل چلنے سے جو مشاہدات و تجربات اور پھر مطالب اور اَسرار کھلتے ہیں وہ [illegible] کر سمجھ میں آ ہی نہیں سکتے۔ میری موٹی سمجھ میں دیر سے آیا۔ اس طرح زمین اور مٹی سے آشنا ہونا ممکن ہوتا ہے۔ مجھے سترہ برس تک پابرہنہ گرم سرد اونچی نیچی نرم پتھریلی زمین مٹی پہ چلوایا گیا...... انسان جب تک مٹی کے ساتھ مٹی نہ ہو جائے نہ تو وہ افلاک کی اکسیریت سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کے ذرّات کے سینوں میں چھپے ہوئے اَسراروں سے شناسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آفاقیت کی افلاکیت اور درویشی فقیری کی [illegible] مٹی [illegible] سے حاصل اور سمجھی جاتی ہے۔

اس وقت کے کولہوں کی کچی گھانی سی عمریا میں یہ حکمتی راز بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ سیالکوٹ کے علاقہ بارہ پتھر سے اگوکی، سمبڑیال، بیگووال، وزیر آباد اور پھر گجرات کے راستہ مجھے پیدل اور پابرہنہ جلال پور جٹاں پہنچنے کا حکم کیوں دیا گیا تھا جبکہ مجھے کمال پور کھٹیکاں بھی جوتوں سمیت نالہ عیک کے اُس پار سے تانگے یا بس کے ذریعے براستہ بابے دی بیری بھیجا جا سکتا تھا۔

سیالکوٹ، بارہ پتھر عیسائیوں کی بہت بڑی بستی ہے۔ خوبصورت سا چرچ اور پیارے پیارے شیام رنگے کرسچن، کمیونٹی سنٹر، ایک خوبی یہ کہ اِدھر اکثریت پڑھے لکھے مہذب عیسائیوں کی ہے۔ جو زیادہ تر تبلیغی مشنری اور تعلیم و تدریس سے وابستہ ہیں۔ یہاں کا سکونتی ایلک جوزف نامی ایک لڑکا، جو مرے کالج کا سٹوڈنٹ تھا، میرا خدا واسطے کا دوست تھا۔ ہاں، دُشمنی کی طرح کوئی دوستی بھی خدا واسطہ کی ہوتی ہے۔ وہ اکثر کالج سے فارغ ہو کر مجھے تلاش کرتا ہوا، کالج روڈ کے قبرستان میں پہنچ جاتا تھا۔ اگر میں سیالکوٹ میں موجود

ہوتا تو نوے فیصد میرا اِدھر موجود ہونے کا امکان ہوتا...... یہاں قبرستان کی بیریوں کے سیو بیر رنگت' حجم اور مزے میں بے مثال تھے۔ پاس ہی شیعہ مستریوں کا مَنڈوا اور بازارِ حُسن!...... یہاں گندے نالے کے اوپر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی کے دروازے پہ کھڑی ایک سیاہ رُو بھینگی سی کنجری' ہم شرارتی آوارہ گردوں کی بلیک میلنگ کا نشانہ بنی رہتی۔ ہم اُسے بے پناہ دِق کرتے تھے مگر وہ کسی ایسی گِل کی بنی ہوئی تھی کہ خندہ پیشانی سے نہ صرف ہماری زیادتی برداشت کرتی بلکہ کچھ دے دلا ہماری مُٹھی بھی گرم کرتی۔ خدا جانے وہ کون تھی کہاں سے آئی اور اور کن حالات میں یہاں پڑی ہوئی تھی۔ پرانی دونی سا چوکور چہرہ' چپٹا ناک' تنگ ماتھا' دھنسی ہوئی چُنی سی آنکھیں اور ستم بالائے ستم کہ بائیں والی آنکھ ایسی بھینگی کہ وہ بیک وقت' دو مختلف سمتوں میں دیکھتی ہوئی محسوس ہوتی...... چونکہ چھاؤنی قریب تھی اس لیے فوجیوں کے لیے یہ گندے نالے والا علاقہ ریڈ ایریا تھا — سویلین کپڑوں میں ملبوس اکثر فوجی ملٹری پولیس کے ہاتھوں پکڑے جاتے تھے۔ اس ریڈ ایریا میں اور بھی کمرے کوٹھڑیاں تھیں جدھر بہت سی جسم فروش عورتیں تھیں۔ جو خصوصی طور پہ رات کو سج سنور کر چراغوں کی روشنی میں اپنے اپنے دروازوں پہ کھڑی دعوتِ گناہ دیتی تھیں...... یہ کاروبارِ عیش ونشاط سورج غروب ہونے کے بعد ہی شروع ہوتا تھا کہ یہ تخمِ [illegible] وتلذذ رات کی تاریکی ہی میں پھلتا پھولتا [illegible] دن کی روشنی یا شام کے [illegible] میں جو کسبیاں [illegible] ہوتی [illegible] پیٹ بھرنے کے لیے اُنہیں اوور ٹائم بھی لگانا پڑتا تھا یا پھر ایسی کسبیاں جو شکل وصورت' قد کاٹھ میں ماٹھی یا کسی جسمانی ودماغی عارضہ میں مبتلا ہوتیں۔ وہ بھڑکیلا لباس' شوخ میک اَپ اور اپنے دیگر عیب چھپا کر' مجبور فوجیوں دیہاتیوں اور ایسے ٹھرے ہوئے بڈھوں کے لیے کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ جو رات کا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔

یہ ہمارے والی بھی ایسی ہی غریبنی مسکینی سی تھی۔ ہمارا اس سے ایک خاموش سا معاہدہ تھا — وہ بھاڑو کٹنے کے بعد پیسہ دو پیسے بطور جگا ٹیکس ہماری جانب اُچھال دیتی اور ہم دھیلہ دمڑی آپس میں تقسیم کر لیتے...... اگر وہ کبھی اُدھار پہ چلی گئی ہوتی تو ہم پھر سارا دن اُسے دھندہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ اُس کا بے کھٹکے کا دروازہ کھول دیتے' روڑا پتھر اُچھال دیتے۔ اُس کا باہر پڑا ہوا کانے کا مُوہڑا' گندے نالے میں پھینک دیتے...... وہ ہم سے عاجز تو ضرور تھی مگر شاید ہم ہی تھے جو اُس سے ایک تعلق بھی جوڑے ہوئے تھے۔ وہ سمجھتی تھی کہ ہم محض دو چار پیسوں کے لیے اُس سے جُڑے ہوئے ہیں اور شاید یہی جُرأت' اُسے اپنی بے کاری سے جوڑے ہوئے تھی۔

اس ایلک جوزف کی دوستی بھی اسی طوائف کی بخشی ہوئی تھی...... ہوا یوں کہ ایک دن میں تخت پر ہوا تھا۔ شیعوں کے سینما میں گیتا نظامی کا زندہ شو تھا' وہ تازہ تازہ بمبئی سے آئی تھی۔ ساتھ ممتاز شانتی اور

ولی صاحب بھی تھے۔ میں یہ شو دیکھنا چاہتا تھا۔ اب اگر کوئی فلم ہوتی تو میں دھکم پیل کر کے گھس جاتا، مگر زندہ شو تھا۔ داخلے کا سارا انتظام دوسروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ بہت سر مارا کہ کہیں سے دو چار آنے ہاتھ لگ جاویں مگر نہیں...... کوشش بسیار کے باوجود جب کوئی درِ دولت کُھلتا دکھائی نہ دیا تو آخری ''ٹرائی'' کے طور، اِس بے سروسامان غریبنی کا بے کھٹکے کا دروازہ نظر آیا۔

میں اپنے طور ہی اِدھر نکل آیا تھا۔ دوپہر کا وقت، شو ساڑھے تین بجے شروع ہونا تھا۔ دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔ گرمی اور تیز دھوپ سے بچتا ہوا میں اِس کی کوٹھڑی کے سامنے شیشم کے پیڑ کے نیچے آ کھڑا ہوا۔ دیکھا تو دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ مطلب کہ اندر کوئی بھاڑو کٹ رہا ہے۔ دل کو کچھ ڈھارس ہوئی کہ دو چار بھاڑو بکرے اگر مزید اِدھر آ گئے تو اپنی دونی چونی پکی۔ آس بندھتے ہی میں پیڑ سے پشت ٹکا کر نچنت کھڑا ہو گیا۔ پانچ دس پندرہ منٹ بعد بھی جب دروازہ نہ کھلا تو تشویش لاحق ہوئی...... اللہ خیر! اللہ رکھی نکل نہیں رہی۔ دروازہ بند ہے، کہیں کوئی پینڈو ہی نہ گھسا ہوا ہو...... جیسے وہ کہتے ہیں کہ مارنے سے کہیں زیادہ گھسیٹنا بُرا ہوتا ہے اِسی طرح اکثر پینڈو بھی اچھا بھلا سیدھا کام کہیں نہ کہیں حماقت دکھا کر اُلٹا کر دیتے ہیں...... مزید دس منٹ بیتے اور بیت گئے تو بڑے بڑے وسوسے سر اُٹھانے لگے...... کہیں گزر ہی نہ گئی ہو، بیماری نہ پڑ گئی ہو، [illegible] ہو وہ نہ ہو گیا ہو...... دائیں طرف [illegible] کا دروازہ کُھلا اور ایک سانولا سا نوجوان بڑے اعتماد سے باہر نکلا جیسے وہ گھر کا کوئی سامان لینے بازار جا رہا ہو، پیچھے اللہ رکھی بھی دکھائی دی (یہ نام ہم نے ویسے طور اُسے دے رکھا تھا) جو اُس سے کچھ کہہ سُن رہی تھی۔ اس کا بھی انداز کچھ یوں ہی تھا جیسے تاکید کر رہی ہو۔ بڑی بڑی پکی پکی بھنڈیاں نہ لانا، ٹماٹر زیادہ کچے یا زیادہ پکے بھی نہ ہوں، تازہ تازہ دھنیا اور شملے کی مرچ لانا نہ بھولنا...... میں نے دیکھا کہ وہ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے بھی اُسے کچھ کہہ رہی تھی...... وہاں سے نیچے اُترتے ہی یہ پینٹ شرٹ میں ملبوس بانکا سا نوجوان، میری جانب بڑھا...... میں بھی کچھ دبائے، پہلا گیئر ڈالے، بریک کھولے تیار کھڑا تھا کہ شاید اللہ رکھی نے اپنے اِس بندے سے میری ٹھکائی کا پروگرام بنایا ہُوا ہو...... میرے بھاگنے کے تیور بھانپتے ہوئے اُس نے ذرا دور ہی سے مسکراتے ہوئے، کچھ دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا...... میں نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں ایک روپے کا گراں بہا سکّہ بہار دکھا رہا تھا...... رُکوں کہ بھاگوں کہیں مجھے پکڑنے کی کوئی چال ہی نہ ہو؟...... ایک روپے کا سکّہ اتنی بڑی رقم...... میں سوچتا ہی رہ گیا اور وہ میرے سر پہ کھڑا تھا۔

کچھ لوگ دور سے اچھے دِکھائی دیتے ہیں، پاس پہنچ پائیں تو پولیس والے لگتے ہیں اور کچھ یوں بھی کہ فاصلے سے فالتو دِکھتے ہیں۔ قریب آ جائیں تو قیمتی سے نکل آتے ہیں......!

یہ بھی ایسا ہی تھا...... معمولی کسبی کی کوٹھڑی سے نکلنے والے کے چہرے پہ نہ تو عرقِ انفعال تھا، خجالت اور نہ حرام کاری کی لعنت کا کوئی سایہ...... صاف ستھرا لانڈری کے دُھلے تولیئے کی طرح نکھرا ہوا چہرہ...... مَن بھاونی نجل سی مسکراہٹ لیئے وہ میری آنکھوں میں 'عبرانی زبان کا محبت و مروّت بھرا کوئی اَبدی گیت' الاپتی آنکھیں اُتارے کھڑا تھا۔ جب طرفین آنکھیں محوِ گفتگو ہوں تو نطق کی نفیری بے سُری پڑ جاتی ہے...... زبانی کلام اور نگاہوں کی گفتگو میں بڑا تفاوت ہوتا ہے۔ کلام' اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کے لئے الفاظ و بیان کا محتاج ٹھہرا...... وہ دماغی' عقلی ذرائع سے سُود و زیاں کا حساب لگا کے شوگوارے پیش کرتا ہے۔ نظریہ ضرورت تحت مصلحت' پس و پیش' ہزار حیلوں وکیلوں سے کام لیتا ہے لیکن آنکھیں ایسے بُودے وسیلوں سے احتراز کرتی ہیں۔ آنکھیں' قلبی باطنی کیفیات کی مظہر ہوتی ہیں۔ نطق کے ذرائع وسیلے ہزاروں لیکن بصری طریقِ گفتگو ہر جا ایک سا ہی ہوتا ہے اور پھر محبت کی تو کوئی زبان ہوتی ہی نہیں۔

کون کہتا ہے محبت کی زباں ہوتی ہے
یہ حقیقت تو نگاہوں سے بیاں ہوتی ہے

میں نے جھٹکا دے کر خود کو اس جادوگر کی نگاہوں کی ندی میں ڈوبنے سے بچایا' ورنہ وہ تو مجھے لے دے بیٹھا تھا۔

اچانک وہ ایک روپے کا سکہ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

''تمہارے لئے یہ پیسے ہیں......!''

اُس کے ہاتھ میں روپہلی رنگ کا چمکتا ہوا روپیہ دیکھ کر میں نے ہڑبڑاتے ہوئے پوچھ لیا۔

''میرے لئے...... تم مجھے یہ کیوں دے رہے ہو......؟''

وہ پلٹ کر اللہ رکھی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اُس نے دیئے ہیں کہ میرے بھائی کو دے دو۔ اُسے آج کچھ زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے۔''

بھائی کے الفاظ سن کر میرے کانوں میں جیسے کسی نے سُرخ انگارا سی سلائیاں اُتار دی ہوں۔ میں نے غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے کہا۔

''اس کنجری کو مجھے بھائی کہنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟''

ہلکی سی چپت میرے گال پہ رسید کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''کم از کم تمہیں تو ایسا نہیں کہنا چاہئے...... بہت گندی بات!''

میرے منہ سے خود بخود نکل گیا۔

''......اور تم بہت اچھے ہو جو اُس کے کمرے سے نکلے ہو......؟''

وہ چند ثانیے معنی خیز نظروں سے مجھے گھورتا رہا پھر بولا۔

''تمھیں یہ بھی نہیں کہنا چاہیے'' ...... اتنا کہہ کر وہ ڈرماں والے چوک کی جانب چل دیا۔

یکمشت روپیہ ملنے کی حیرت اور خوشی اپنی جگہ...... مگر اُس کنجری کا بھائی کہنا اور اُس پہ مستزاد اُس پلّے نہ پڑنے والے نوجوان کی بھید بھری گفتگو نے مجھے بَل پتھر کر دیا تھا...... میں اُسے جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔ وہ شیعوں کے منڈوے کو کراس کر گیا تھا۔ ایسے میں میری نظر، سنیما کے باہر لٹکے ہوئے گیتا نظامی کے زندہ پروگرام والے ہورڈنگز پہ پڑتی ہے جو اس ساری خوشی اور بدمزگی کی اصل وجہ تھے۔ روپیہ کا سکّہ میری مٹھی میں سنپولیے کی مانند دبا ہوا تھا کہ دباؤ کم ہوتے ہی مجھے ڈس لے گا۔

میں اللہ رکھی کی کوٹھڑی کی جانب تکنے لگا مگر وہ وہاں موجود نہیں تھی، دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ شاید کوئی بھاڑو آ گیا تھا یا پھر اپنے کسی کام سے اندر گئی تھی...... اسی تذبذب میں پھنسا سوچ رہا تھا کہ اَب کیا کرنا چاہیے۔

حیرت، غصہ، محبت اور نفرت کی دلدل میں پھنسا انسان شعوری کوشش میں کم اور لاشعوری کی دسترس میں زیادہ ہوتا ہے۔ میں لاشعوری طور پہ اُس قد آور نوجوان کے پیچھے چل دیا۔

میں نے اُسے سٹیشن کے سامنے ناتھے کے سرائے کے پاس جا لیا تھا۔

''بھائی! میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اُسے شاید یہی حربہ آتا تھا کہ وہ مقابل کو سانپ کی طرح آنکھوں سے بے بس کر دے...... میری آنکھوں میں اپنی نگاہوں سے چوبے مارتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے ساڑھے چار بجے چرچ میں ایک ضروری میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ میرے ساتھ چلتے آؤ، باتیں بھی ہو جائیں اور میں وقت پہ پہنچ بھی پاؤں گا۔''

یہیں مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ یہ نوجوان کرسچن ہے۔

''تم کس چرچ میں جاؤ گے......؟''

''بارہ پتھر والے بڑے چرچ میں......!''

میں نے اُس کے پیچھے لپکتے ہوئے کہا۔

''اتنی دُور...... یہاں سے تانگے پہ بیٹھ جاتے ہیں۔''

وہ اپنی دُھن میں چلتے ہوئے بولا۔

''مجھے زمین اور مٹی پہ چل کر سکون اور سکت حاصل ہوتے ہیں۔ ٹانگیں ہوں تو تانگے پہ بیٹھنا کیا معنی......؟'' مزید پوچھنے لگا...... ''ہارس پاور جانتے ہو کیا ہوتی ہے؟...... گھوڑے جیسی طاقت!......اور گھوڑے کو یہ طاقت اِس لئے حاصل ہوتی ہے کہ وہ کسی تانگے پہ نہیں بیٹھتا کہ جس کے آگے کوئی احمق انسان جُتا ہوا ہو...... انسان ہو یا جانور چوپایہ' پیڑ' پودے' پہاڑ...... یہ فطری توانائی' پاؤں جڑوں کے ذریعے زمین مٹی سے اور عقل لطیف' اپنے سر' چوٹی سے آسمان اور فضا سے حاصل کرتے ہیں۔''

میں نے پہلی بار' اپنے اِس دوست اور اُستاد سے زمین اور مٹی کی برکات وحکمات کے فلسفے کو سُنا اور سمجھنے کی اپنی سی سعی کی۔

وہ مجھے کشاں کشاں لیئے کچہری کی جانب بڑھ رہا تھا اور میں اُس کے پیچھے کسی ایسے ڈھیٹ بھکاری کی طرح لپک رہا تھا جیسے کوئی موٹی بھیک ملنے کی توقع ہوتی ہے...... دیکھنے میں وہ لمبے ہاتھ پاؤں والا' عمر میں بھی دس بارہ برس بڑا اور تیز گام بھی تھا۔

کچہری کے پاس پہنچ کر مجھے اس سے بات کرنے کی گنجائش ملتی محسوس ہوئی۔

میں [illegible] پوچھ لیا

''آپ بڑے پڑھے لکھے شریف اور مذہبی دکھائی دیتے ہیں پھر بھی آپ برائی کرنے کنجریوں کے ہاں جاتے ہیں؟''

وہ میری بات [illegible] چلتے چلتے یوں رُکا جیسے ایمرجنسی بریک لگانے پہ گاڑی رک جاتی ہے...... اُس کی آنکھوں میں اک کوندا سا لہرایا چہرے پہ کئی رنگ [illegible] شانت لیتے ہوئے گویا ہوا۔

''بھائی! تم نے' مجھے یا اُسے کسی قسم کی بُرائی کرتے ہوئے دیکھا؟''

میں لاشعوری کی کیفیت میں تھا۔ منہ سے کچھ پھوٹنے کی بجائے' نفی میں سر ہلا کر جواب دے دیا۔

''تمہاری ٹانڈوں سی ٹانگیں اِس لئے سوکھی سی ہیں کہ تم زمین اور مٹی سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتے ہو' تمہیں دھرتی ماں کا دودھ مناسب مقدار میں نصیب نہیں ہوتا...... اِنسانوں' درختوں' پودوں کو ان کی [illegible] توانائی' جڑوں اور پیروں کے ذریعہ زمین سے ملتی ہے۔ پھر یہ قوت تمام جسم میں پھیلتی ہوئی اوپر سر تک [illegible] ہے۔ اِسی طرح اِس میں دماغی' ذہنی بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو' سر دماغ میں طاقت ہوگی تو [illegible] عقل' سوچ سمجھ اور روزمرہ کے رَویوں میں مثبت طرزِ عمل پیدا ہوگا اس طرح وہ محض آنکھوں اور اوپر سے [illegible] سے ہی کام نہیں لے گا بلکہ باطن کی آنکھ اور رُوحانی برکات سے بھی آگاہی حاصل کرے گا۔''

میں شرمندگی سے آنکھیں جھکائے' زمین میں گڑا جا رہا تھا...... یہیں مجھے احساس ہوا کہ زمین [illegible]

ہیرے جواہرات پانی، تیل، گیس اور دیگر معدنیات، نباتات و جمادات جیسے خزانے کیونکر چھپے ہوئے ہوتے ہیں...... دُنیا کی ہر بیش قیمت چیز اسی کی کوکھ سے برآمد ہوئی۔ ہر بڑا درخت، ٹاور، مینار، گنبد، عمارات اہرام و حرم، تجربہ گاہوں، عبادت گاہوں کی بنیادیں جڑیں اسی زمین کے سینہ میں گڑی ہیں...... ہر بڑا انسان، اسی سے اُٹھا اور اسی میں لیٹ جاتا ہے۔ دیکھیں تو انسان بیک وقت کئی جہتوں میں دیکھنے، سُننے، سوچنے اور دیگر بہت سارے کام سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں اُس کے ساتھ چل بھی رہا تھا، سُن بھی اور اپنے اندر کہیں اُلجھے ہوئے تانے بانے بھی بُن بھی رہا تھا۔ زمین اور مٹی کے بارے اُس کی ایسی باتیں سُن کر میں زمین پہ یُوں سنبھل سنبھل پاؤں دھر رہا تھا جیسے اُس پہ خارِ مُغیلاں بچھے ہوئے ہوں یا پھر میرے پاؤں کے چھالے پُھوٹنے کو ہوں۔ میرے دل میں سما رہی تھی کہ ایسی مادرِ مہربان پہ پاؤں سے نہیں، سر کے بل چلنا چاہئے۔ اسی کہت سنت، بُوجھت اور کھوجت میں ہم بارہ پتھر آ گئے تھے۔

بارہ پتھر بھی عجیب سا نام ہے یہ شاید شہر سے باہر چھاؤنی کی حدود کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔ ویسے بارہ کے عدد کے ساتھ چند اور بھی مثلاً بارہ ربیع الاوّل، بارہ مسالے، بارہ مہینے، بارہ باٹ، بارہ امام، بارہ بُرج، بارہ من کی دھوبن، بارہ بنکی، بارہ بجے (سکھوں والے)، بارہ مولا، بارہ دری، بارہ انچ، بارہ [illegible] بارہ دروازے، بارہ سنگھا، بارہ [illegible] بارہ [illegible] بارہ [illegible]، بارہ خزینے، [illegible] بارہ [illegible]

اپنی حدود میں داخل ہوتے ہی اُس نے گھڑی پہ وقت دیکھتے ہوئے مجھے کافی پینے کی دعوت دی۔ ہمارے بچپن میں چائے بھی بہت کم استعمال ہوتی تھی جبکہ کافی چاکلیٹ بہت اُونچے مشروب تھے جو نہ تو آسانی سے دستیاب تھے اور نہ ہی ہم جیسے کے پینے والے عام، یہ ایک خاص سطح اور پڑھے لکھے لوگوں کے لئے تھے۔ اُس کے منہ سے کافی کا نام سن کر میں اور بھی مرعوب ہو گیا کہ یہ تو اُونچی سطح کا بندہ ہے۔ اُس کا چھوٹا سا گھر، عام گھروں سے خاصا مختلف تھا۔ وکٹورین سٹائل کا صوفہ سیٹ، پرانی وضع کا پیانو، اسپینش گٹار...... مہاگنی کا بنا ہوا یسوع مسیح کا مجسمہ، پرانی شراب کی بوتلوں میں منی پلانٹ کی بیلیں۔ فرش پہ کارپٹ...... بیڈ سیٹ اور کھانے کا میز...... میں دیکھ دیکھ مرعوب سا سوچنے لگا ایسے پڑھے لکھے کرسچن، ہم عام لوگوں سے کس قدر مختلف ہوتے ہیں۔ گو یہ ایک عام سا گھر تھا...... اندر کا گھریلو سامان کچھ ایسا شاندار اور قیمتی نہ سہی لیکن قرینہ اور سلیقہ ہر اک چیز سے ٹپک رہا تھا کہ مکین، اچھے ذوق والے اور پڑھے لکھے ہیں۔

بغلی دروازے پہ لٹکی کانچ کے موتیوں کی لڑیاں چھنکیں...... اندر سے چھوٹی سی ٹرے میں کافی کے کپ دھرے ایک لڑکی برآمد ہوئی...... میری تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... دماغ جیسے جم گیا اور جسم پتھر سِل ہو گیا ہو۔ آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھ رہا تھا اور وہ بھی تکتے ہوئے ہلکی سی مسکرائی۔ ٹرے میز پہ رکھ کر واپس چلی گئی۔

مجھے یوں ہکا بکا دیکھ کر اس جوانِ فہم و ذکا نے اپنا ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”کافی بلیک پیو گے یا دودھ کے ساتھ لو گے؟“

اِس سے پیشتر میں نے محض ایک بار کہیں کافی پی ہوگی۔ عجیب سے دُھویں ذائقے والی کافی...... جیسے کسی نے حقے کا پانی ملتانی مٹی میں گھول کر کپ میں ڈال دیا ہو...... زبردستی کے دو چار گھونٹوں کے بعد میں نے کافی سے توبہ کر لی تھی۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ میزبان کے ہاں مشروب اُس کے سٹیٹس کے مطابق ہوتا ہے۔ ٹھنڈے گھڑے کا پانی‘ گڑ شکر کا شربت‘ چاٹی کی لسی‘ چائے‘ کافی‘ سوڈا واٹر یا پھر بیئر وسکی وائن وغیرہ...... بجائے کہ میں اِس کے سیاہ و سفید کافی والے سوال کا کوئی جواب دیتا۔ اُسے بٹ بٹ دیکھنے لگا۔ وہ بھی اُس لڑکی کی مانند مسکراتے ہوئے بولا۔

”تم تو شاید کوئی جواب نہ دو گے کہ تم بے سوچے سوالات کرنے کے عادی ہو۔ میرے حساب سے تمہیں لائٹ کافی ملک ود شوگر لینی چاہئے...... نئے نئے کافی پینے والے کے لئے یہی نسخہ مناسب رہتا ہے اور جب وہ کافی پہ لگ جاتا ہے تو پھر سٹرانگ‘ ود آؤٹ شوگر اینڈ ملک...... تمہیں شاید پتہ نہ ہو کافی میں مقدار کیفین کی بھی ہوتی ہے...... جس کا لُطف [illegible] ہے۔“

میں نے سامنے کی الماری میں شراب کی بوتلیں اور کرسٹل کے گلاس دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اور نئے نئے شراب پینے والے کے لئے کیا مناسب ہوتا ہے......؟“

وہ مڑ کر پیچھے الماری کی جانب دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔ کرسمس قریب ہے۔ پاپا اپنے کوٹے سے بچا کر کرسمس سیلیبریٹ کرنے کے لئے [illegible] جمع کر رہے ہیں ویسے شراب کے مقابلے میں مجھے بلیک اچھی لگتی ہے گو ہوتی کمبخت دونوں تلخ ہیں......!“

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا کہ نئے شراب پینے والے کے لئے‘ پینے کا کیا طریقہ اختیار چاہئے......؟“

وہ لمبی سی ”ہوں“ کرتے ہوئے بتانے لگا۔

”اُسے دس پرسنٹ الکوحل کے ساتھ نائنٹی پرسنٹ سوڈا یا جنجر واٹر لینا چاہئے...... میں بھی کبھی پارٹیوں میں اسی پرسنٹیج سے گزارہ کر لیتا ہوں۔“ گھڑی دیکھتے ہوئے کہنے لگا...... ”میں ٹھیک پندرہ تمہیں گڈ بائی کہوں گا...... جیسے کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مجھے چرچ ایک ضروری میٹنگ میں پہنچنا ہے۔ تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں...... میرا نام ایلک جوزف ہے‘ نام سے ظاہر ہے کہ میں کرسچن ہوں چھوٹا سا گھر ہے۔ میں مرے کالج میں سیکنڈ ائیر کا اسٹوڈنٹ ہوں...... اَب تم جلدی سے اپنے بارے

......نام، کلاس اور گھر وغیرہ......؟''

اَب مَیں شروع ہوا...... محمد یحیٰ خان نام ہے۔ تمہاری کالج سے ٹھیک پانچ منٹ کے فاصلہ پہ کالج روڈ کے چوک میں سامنے میرا گھر ہے۔ سکول یا پڑھائی سے تعلق ہوتا تو میری ملاقات شاید تم سے نہ ہوتی...... میں لعنتی قسم کا آوارہ گرد، بگڑا ہوا لڑکا ہوں۔ گھر، باہر کہیں بھی میری شہرت اچھی نہیں...... تم نے دیکھ لیا کہ میں خواتین کو وق کر کے اُن سے پیسے اینٹھتا ہوں۔ فلمیں دیکھتا ہوں، سگریٹ پیتا ہوں...... گھر یا باہر کہیں بھی داؤ چلے تو چوری بھی کر لیتا ہوں...... مسجدوں، مزاروں سے تیل، نذرانے اور پیسے اُڑانا بھی میرا مشغلہ ہے۔ بس ایک کام ابھی تک نہیں کیا یا شاید میں ابھی اس کے اہل نہیں...... یہی وہ کام...... جو تم سرانجام دینے اُس بازار گئے تھے...... اور ہاں، یہ سمجھاؤ کہ وہ، جس کے کمرے سے تم آدھے گھنٹے بعد نکلے تھے وہ یہاں، ہم سے پہلے کیسے پہنچ گئی؟...... جب وہ کافی لے کر یہاں داخل ہوئی تو میں نے اُسے پہچان لیا تھا۔''

وہ خاموشی اور تحمل سے میری کڑوی کسیلی سنتا رہا۔ نہ کوئی چہرے کا زاویہ بگڑا نہ آنکھوں سے چنگاریاں نکلیں اور نہ ہی کچھ اچھا برا کہا...... جبکہ اُس کا ردِعمل تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ مجھے اُٹھا کر باہر پھینکتا یا کم از کم وہاں سے چلے جانے کو کہتا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ بڑی محبت [illegible]

''میرے باپ کا وقت ہو چلا ہے۔ اب [illegible] انہیں تانگے پہ بٹھا دیتا ہوں...... پھر جلد ملاقات ہوگی۔''

میں نے اُٹھتے ہوئے اُس کا دیا ہوا روپیہ کا چمکتا ہوا سکہ، وہیں کافی کی ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

''اس لڑکی کو واپس دے دینا اور کہنا آئندہ وہ اب تمہیں کوئی وق نہیں کرے گا۔''

دو روز بعد حُسینا چھولیاں والا جو مرے کالج کے باہر آلو چھولوں کی ریڑھی لگاتا تھا مجھے چوک میں سرِراہ مل گیا۔

''اوئے خان! کالج کا ایک عیسائی لڑکا تمہارے بارے میں مجھ سے پُوچھ رہا تھا۔ وہ شاید تمہارے گھر بھی آیا تھا مگر تم اُسے ملے نہیں۔ کیا بات ہے کوئی واردات تو نہیں ڈالی......؟''

مَیں نے حُسینے سے پُوچھا۔ ''کیا وہ ہر روز تمہارے ہاں چھولے کھانے آتا ہے؟''

''ہاں، بڑا اچھا بچہ ہے۔ جب کلاس نہیں ہوتی وہ میرے پاس ضرور آتا ہے۔''

دوسرے روز مَیں حُسینے کے پاس کھڑا اُبلے ہوئے آلو چھیلنے میں اُس کا ہاتھ بٹا رہا تھا کہ ایلک پہنچ گیا۔ آتے ہی مجھے ڈانٹنے لگا۔

''یار! تمہاری تو تمہارے گھر میں بھی کوئی عزت نہیں۔ دو روز ہوئے تمہیں تلاش کرتا ہوا تمہارے گھر

پہنچا۔ تیری امی دروازہ پہ آئی۔ میں نے تمہارے بارے میں دریافت کیا۔ چھوٹتے ہی کہنے لگیں۔

''پتر! کچھ لینا دینا ہے تو اُسی کو پکڑو...... ہم بالکل ذمہ دار نہیں' آئندہ یہاں مت آنا۔ وہ گھر بھی اپنی مرضی سے آتا ہے پتہ نہیں کہاں کہاں کھاتا رہتا ہے......!''

''بھائی! انسان کم از کم اپنے گھر تو کچھ عزت بنائے رکھتا ہے۔''

''میں نے تو تمہیں پہلے دن ہی اپنے بارے سب کچھ کلیئر کر دیا تھا جبکہ تم نے مجھے ٹال دیا تھا۔'' معنی خیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

''آؤ' ریل کی پٹڑی پہ بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔ میرے باقی کے پیریڈ خالی ہیں۔''

''ریل کی لائن؟...... محض گپ شپ کرنے کے لئے کیا اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی؟''

''ہو سکتی ہے' پر ہر بات ہر جگہ پہ نہیں کی جا سکتی...... بات چھوٹی ہی ہو وہ اپنا ایک موڈ مزاج رکھتی ہے...... کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو چلتے پھرتے بھی کی جا سکتی ہیں۔ جیسے اُس دن ہم چلتے چلتے بے نمبری سی چھوڑتے جا رہے تھے...... اور کچھ ایسے بھی گفتگو کے سلسلے...... جنہیں سرانجام دینے کے لئے ایک وقت کی نبض ٹٹولنی پڑتی ہے۔ جگہ کے نیچے کی جنبش...... اور آسمانی آسمانیاں...... اور ہاں کچھ مسئلے دن کے اُجالے یا رات کی تاریکی کے متعلق ہوتے ہیں...... [illegible] ہوتے ہوئے ہی چند [illegible] ہیں...... کچھ یوں گفت وشنید بھی ہوتی ہے جو درختوں کی چھاؤں یا سوکھے کاٹھ پہ بیٹھ کر ہی کی جا سکتی ہے۔ اُسے آپ مٹی پہ بیٹھ کر کریں گے تو نتائج مختلف ہوں گے...... لوہے پہ بیٹھ کر یا اُسے ہاتھ میں پکڑ کر کرنے والی بات چیت کچھ اور اثر رکھتی ہے۔ مینارے یا پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ کر بھی کچھ فیصلے ہوتے ہیں...... کنویں' باؤلی یا قبر میں اُتر کر بھی کچھ کہا سنا جاتا ہے...... لہٰذا آج کی گفتگو لوہے پہ بیٹھ کر کرنے کی ہے۔''

یا خدایا! یہ کس نوع کا بندہ ہے؟...... بندہ ہے بھی یا کوئی اور مخلوق ہے...... اتنی چھوٹی سی عمر اور اتنی اُٹھان......؟

میں ایک ہپناٹائیز کیے ہوئے معمول کی مانند اس کے پیچھے چل دیا اور ہم کالنگے پارک کی پچھلی جانب' جموں جانے والی ریل پٹڑی پہ آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

● ریل کی پٹڑیاں' اَسرار کی گٹھڑیاں......!

ریل کی پٹڑیاں بھی کیا چیز ہیں۔ لوہا ہو کر لوہے کی مار کھاتی رہتی ہے...... تھپیڑے کھا کھا کر بھی

ہیت نہیں بدلتیں۔ گرمی' سردی' بارش' خشکی' طوفان ہر موسم کی تلخی اپنے سینے پہ جھیلتی ہیں۔ ہزاروں میلوں پہ پھیل جائیں لیکن اپنے مرکز سے رابطہ منقطع نہیں کرتیں۔ سدا ساتھ رہتی ہیں لیکن اک متعین فاصلہ' درمیان برقرار رکھتی ہے۔ بچھڑے ہوئے ملاتی ہیں' جو مل چکے ہوں' اُن میں توازن پیدا کرنے کے لئے وقتی طور پہ جُدا بھی کر دیتی ہیں' توازن پیدا کرنے کا اُسلوب سکھاتی ہیں۔ مَیں نے جسم' ذہن اور مختلف توانائیوں میں توازن برقرار رکھنا ان پٹڑیوں سے سیکھا۔ پنجاب کے تقریباً سب ہی ندی نالے دریاؤں کے پُل بغیر اُدھر اُدھر گرے' ننگے پاؤں' مَیں نے اپنے نیچے سے نکال دیئے...... مشق' شوق اور توجہ میں ایسی برکت حرکت پیدا ہوئی کہ ''راہِ شوق'' کی ہر منزل' دو گام ہوتی گئی...... اندھیرے سویرے' سُوکھے گیلے' گرمی سردی' نزدیک و دُور' اکیلے دو کیلے' سُود و زیاں ہر کسی کا احساس لرز کر رہ گیا۔

جب دھیان میں دم' توازن میں تیر و تجدید پاؤں میں پرتال آ گئی اور لوہے سے آشنائی ہو گئی تو پھر مجھے نہیں یاد کہ مَیں کبھی گاڑی ٹھیلے کو راہ دینے کی خاطر پٹڑی سے نیچے اُترا ہوں گا پھر تو یہ تھا کہ گاڑی ٹھیلہ مجھ پہ سے گزر گیا یا مَیں ان میں سے نکل گیا۔

فیض' تصرف' اعجاز کا تعلق کسی مخصوص مذہب و مسلک' اولیاء یا صدیق و زندیق سے نہیں...... یہ کچھ تو آپ کسی طرح [illegible] فیض و برکات سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں ہوتی۔ بس ہم اُن سے کچھ حاصل کرنے کا ڈھنگ نہیں جانتے۔ سودا کھرا ہونا چاہیے۔ دوکان کہاں ہے' دوکاندار کون اور کیا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا...... سونا' سونا ہے چاہے وہ پہاڑ سے نکلے یا صحرا' دریا سے...... علم' عقل و دانش' فن و ہنر کسی ملت و مذہب سے تعلق نہیں رکھتے' جو ان کی قدر کرے اُن کے حصول کے لئے محنت کرے آگے بڑھ کے استفادہ حاصل کرے' چھلکتی ہوئی مینا اُس کی ہے۔

فیض و اعجاز اور تصرف کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی (بزرگ' بچے' بیوقوف عقلمند یا کسی اور مخلوق) سے ایسا علم و عمل' عقل و بینش اور ارضی و افلاکی دانش حاصل ہو' جس میں طالب اور وظیفہ ہائے دین و دُنیا اور انسانیت کے لئے سُودمند فلاحیت مُوجود ہو...... اب فیض حاصل کرنے کی یہ شرط نہیں کہ جس سے آپ لینا چاہتے ہیں وہ مسلمان ہی ہو...... اگر ایسا ہی ہوتا تو آج علم و دانش اور کسب و ہنر کا دائرہ ایسا وسیع نہ ہوتا۔ اہلِ مغرب نے بیشتر علوم و فنون' اہلِ عرب و فارس سے سیکھے...... آج کی سائنس نے اپنی ترقی و ترویج کے تمام اثاثوں کا بنیادی مسالہ اہلِ مشرق اور مشرقِ وسطیٰ کے حکمت دانوں' ہیئت دانوں' ریاضی دانوں' منجموں اور شاعروں سے مستعار لیا۔ اِلہامی کتابوں اور خاص طور پہ قرآن پاک سے استفادہ کیا...... انبیاء' پیغمبروں' رسولوں اور اولیاء کرام کی سیرتوں' اقوال' فرمانوں اور معجزوں' کرامتوں سے حاصل کیا...... ایسے ہی ہمارے اکابرین نے بھی اہلِ یہود'

نصارا اور اہلِ ہنود سے عصری عُلوم حاصل کیئے جن میں بالخصوص میرے رُوحانی مُرشد حکیم الاُمّت بھی شامل ہیں۔ میری خوش نصیبی کہ مجھے بھی چنداں غیر مسلموں سے اکتسابِ علم کا موقعہ ملا۔ اس ضمن میں میرا پہلا غیر مسلم اُستاد بھی ایلک جوزف تھا جو اُس مرے کالج کی اُسی کلاس اور بینچ پہ بیٹھتا اور پڑھتا لکھتا تھا جدھر میرے مُرشدؒ کبھی بیٹھا اور پڑھا کرتے تھے کہ اُس زمانہ میں' یہاں پچانوے فیصد' پرنسپل' پروفیسرز' لکچرار' انگریز' ہندو' عیسائی اور سکھ ہُوا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔

ایک اور باریک سی بات جو بدیر سمجھ میں آئی کہ اُستاد کی طرح شاگرد بھی نصیبوں سے ملتا ہے اور یہ کہ طرفین خود بخود اِک دُوجے کو تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کی پہلی ملاقات' عام حالات میں نہیں ہوتی۔ کچھ نہ کچھ اور کوئی نہ کوئی عجوبہ لیئے ہوئے ہوتی ہے جو بظاہر' عمومی روزمرہ سا لگتا ہے...... مگر نہیں' یہ لمحۂ ملاپ اور واقعۂ ملاقات بڑا ہی خصوصی ہوتا...... باقاعدہ طے شدہ اور نتیجہ خیز......!

اَب واپس چلتے ہیں کانگے پارک اور غازی پور کے درمیان ریل کی پٹڑی پہ جو سیالکوٹ سے جموں تک' میرے ہاتھ پہ قسمت کی لکیر کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ یہی پٹڑی' میرا ذہنی جسمانی اعتدال اور رُوحانی توازن ترازو کرنے' سمت سیدھی' عزمِ صمیم' نگاہ و نظام اور منزل مستقیم کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوئی۔

اسی [illegible] پٹڑی [illegible] معنوں اور تصوّف کے کیسے کیسے استعاروں میں استعمال ہوتی ہے۔ مٹی' پتھر' لکڑی اور لوہا کا ایسا بتدریج ملاپ اور کہیں نہیں ہوتا...... کشش' سنگ پاروں کا جماؤ' چوبی شہتیروں کا ٹکاؤ' لوہا کا پھیلاؤ' پہیوں کی گردش سے پیدا ہونے والی گرمی...... مقناطیسیت اور توانائی کا ایک ایسا توازن پیدا کرتے ہیں کہ جس کی مثال' مادہ اور اس کی حرکیت میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی قوت' مقناطیسیت' اُوپر کا بوجھ اور پہیوں کے اندر کا بڑھا ہوا کالر' گاڑی کے بے محابا وزن کو سیدھ' سلامتی' سلاست میں سَم اور تیز روی کی سہولت بہم پہنچاتے ہیں۔ انسانی پاؤں کے انگوٹھے' یہی پہیوں کے اندر کی جانب اُبھرے ہوئے کالر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اندھیرے میں انسان' جب بھی زمین پہ پڑی' لگی' اَجی' کسی چیز کو جاننا چاہتا ہے تو پاؤں کے اندرونی طرف بڑھے ہوئے کالر یعنی انگوٹھے سے ہی کام لیتا ہے۔

بارہ پتھر کے اس نصرانی فردِ فراست و فہامت نے میرے کاسۂ طلب میں جو پہلی بھیک ڈالی وہ اَدھ مُٹھی مٹی تھی جسے اُس نے پٹڑی کے چوبی بالے کے نیچے سے پتھر ہٹا کر نکالا تھا۔ میری چھوٹی سی ہتھیلی پہ جیسے اُس نے پوری دھرتی دھر دی ہو...... مَیں نظریں جمائے غور سے اُس مٹی کو دیکھ رہا تھا جس میں کمود و کھنہ چنچل پتھر کے ذرّے' موٹے کالے تیل کی تیلاہٹ' لکڑی کے نامعلوم ریشے اور لوہے کے ٹُوٹے ہُوئے تَرت

چمک رہے تھے۔ یہ پرت' سونے چاندی کے ایسے ورقوں کی طرح تھے جو ایسے نازک و نفیس ہوتے ہیں کہ دمِ تنفس کے ہلکے ارتعاش سے بھی لرز جاتے ہیں۔ اِس رَجلِ وَاقفِ اَسرار نے مجھے یوں گم سُم دیکھ کر کہا۔

''یہ نیم مُشت مٹی ؟...... دیکھا' جانا' اور غور کیا جائے تو کائنات سمجھنے میں ممد ثابت ہو سکتی ہے بلکہ اس کا ہر ایک ذرّہ' اپنی اپنی الگ پہچان اور اک علیحدہ جہان رکھتا ہے اور وہ جہان مکمل اور منفرد ہے۔ یہ مٹی' جس کی اُستاد ٹھہری اور جس نے اس کی توقیر' تاثیر سے آشنائی پائی اُس نے' اس کے بطن سے جنم لینے والی ہر شے تک رسائی پائی۔''

اتنا کہہ کر وہ چُپ ہو گیا...... چہرہ پہ سنجیدگی' فکر مندی سی گھُلی گئی' یُوں کہ جیسے بے دھیانی میں کسی سر بستہ راز کو افشا کر بیٹھا ہو۔

اپنی حیرت اور اُس کی خاموشی سے نکلنے کی خاطر میں نے یونہی بات بنائی۔ میں اس مٹی سے ایسی آشنائی کیسے پیدا کر سکتا ہوں جیسے تم نے بیان کی ہے......؟''

اُس نے مجھے کھب جانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے دھرتی کا دان تمہاری ہتھیلی پہ رکھ دیا ہے...... اَب تم اس سے کیسے نپٹتے ہو یہ تم پہ موقوف ہے۔ یاد رکھو! [illegible] یا [illegible] ہے۔ بُنیاد مضبوط ہو تو اُوپر سب کچھ مستحکم ہوتا ہے۔ زمین اور مٹی' ہر اس شے کی بنیاد ہے جو اُن کے اُوپر ایستادہ ہے۔ کسی کی جڑیں' سلسلے اُن کے اندر اُترے ہوئے ہیں اور کوئی اُوپر سطح پہ موجود ہے جو کشش ثقل کے ذریعہ اپنا تعلق اُستوار رکھے ہوئے ہے۔''

مجھے بتایا گیا کہ رُوحانیت کا ادراک بعد کی بات ہے جبکہ مادیت کے لئے خود کو مُعنون کرنا پہلا قدم ہے۔ خاکی کی خاک سے نسبت پہلے ہے۔ طبیعات اور مابعد الطبیعات کے معاملات و مشاغل میں' اس سے پہلو تہی ممکن نہیں۔ جیسے عشقِ حقیقی کی ابتدا عشقِ مجازی کی سیڑھی چڑھنے سے شروع ہوتی ہے۔

میری خوش قسمتی کہ زمین' مٹی' گِل' چِک' آو اکبِ کوزہ گری کی سب تعلیم و تکمیل کا موقعہ مجھے اس دوست نما اُستاد کے ملنے سے بہت پہلے ہی نصیب ہو چکا تھا...... مٹی اُکھاڑنے سے لے کر کوٹنے' چھاننے' گوندھنے اور پھر وتر دینے...... اس کے آگے پھر کلنے' تھاپنے اور چک چلانے چڑھانے' چترکاری' دُھوپ دینے...... آوا چڑھانے' آگ دِکھانے تک' میں سب کچھ سیکھ چکا تھا۔ یہ ٹریننگ سکول' میرا ننھیال' اکال گڑھ (کشمیر) میں تھا۔ والدہ مرحومہ کے ساتھ' اُن کے گاؤں کئی کئی ہفتے رہتا اور وہاں کوزہ گروں کو کُنیاں' پیالے' رکابیاں' دوریاں' کنالیاں' گھوٹھیاں' پانی کے گھڑے' کُلیاں' گلہڑ بناتے دیکھتا' مٹی کی اقسام' رنگت' تاثیر

سادی، رتیلی، چکنی، پتھریلی، موٹی، نرم وغیرہ سے خوب گاڑھی چھن چکی تھی۔ مٹی کی تاثیر، طاقت، خصلت و خوبی کی پہچان کچھ ایسا آسان کام بھی نہیں ہوتا کہ دیکھتے ہی سمجھ میں آ جائے۔ یہ بڑی تپسیا، تجربے اور تن ماری کا متقاضی ہوتا ہے۔ ہر ظروف کی گِل اُس کے ظرف کے مطابق تیار کرنا بھی ایک ایسا کارکرم ہے جو سب سے بڑے ''کوزہ گر'' کی خاص عنایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ مٹی ایسی ملائم اور سخت چیز کو اپنی منشا اور ضرورت کے تحت ڈھال کر کوئی شکل و وُجود دینا' کارِ خداوندی ہے...... مگر خدا نے اپنے اَوصاف و خصائل' ابدا و ابداع' اپنے اِس خلیفۃُ الارض کو بھی تو کسی حد تک عطا فرمائے ہیں۔

مٹی سے میری آشنائی جلد ہی ہو گئی تھی۔ شروع شروع میں نے مٹی کو اپنے ہاتھوں سے محسوس کرنا جانا' پھر آہستہ آہستہ مختلف نوع کی مٹیوں کی خوشبو سے آگاہی پائی۔ کالی' سفید' سُرخ' پیلی' نیلی' مٹیالی' بادامی اور جُمل رنگی' ہر رنگ کی الگ مہک' ذائقہ' خاصیت۔

میں نے اپنی الگ مٹی گوندھ کر چھوٹے چھوٹے برتن' کھلونے' جانور پکھیرے بنانے شروع کیے۔ ان کو پکانے کے لئے اپنی الگ بھٹی بنائی' آگ لگائی پھر ایک وقت آیا کہ میں باقاعدہ چک پہ بیٹھا۔ اپنی مرضی کا پیالہ بنایا' دھاگے سے آر پار کاٹا۔ سبک ہاتھوں سے اُٹھا کر زمین پہ دھرا' گلہری کی پونچھ کے بالوں والی قلم سے پیلے نیلے [illegible] سبز رنگ [illegible] پھیرا۔

میرے ہاتھوں' اُنگلیوں اور پوروں نے مٹی کے لمس کا ادراک حاصل کیا تھا لیکن کہیں بہت دُور پہنچ کر احساس ہوا کہ مٹی کو ہاتھ آلود کرنے سے کہیں پہلے اُس کے ''پاؤں لگنا'' ضروری ہوتا ہے۔ پاؤں مُرید ہونا پڑتا ہے۔ اُس اُستاد نے مجھے بتایا...... کہ دانہ خاک میں مل کر گلِ گلزار ہوتا ہے...... مٹی سے ملن کے لئے اِس پہ پا برہنہ چلا کرو۔ سچ سچ' جیسے پاؤں جلتی مٹی دھیرے دھیرے منکو لے لیتی ہوئی چلتی ہے......!

گرم سرد' نرم سخت' اُونچی نیچی زمین پہ برہنہ پا چلنے سے اندازہ ہُوا کہ اِس میں فائدے بے شمار ہیں جبکہ نقصان نہ ہونے کے برابر...... مسافر سے زمین اور مٹی' مسافت اور تنہائی میں آشنائی پیدا کرتی ہے...... صحرا نوردوں سے تھل صحرا نصف شب...... جہاز رانوں اور ملاحوں سے سمندر آخر شب...... خلا بازوں سے خلا سرِ شام اور کوہ پیماؤں سے پہاڑ' سورج جب نصف نہار پہ ہوتا ہے تب سرگوشیاں کرتے ہیں۔ اپنی سی کہتے ہیں دُوسرے کی سُنتے ہیں۔ اسی طرح جنگل بیلوں میں پڑے جوگیوں' فقیروں' دیوانوں اور سنیاسیوں سے بھی یہ جنگل بیلے' ویرانے' اُجڑی بستیاں' کھنڈر کھولے باتیں کرتے ہیں...... جنگلی جانور' وہاں کے ندی نالے' درخت' موسم' تمام کے تمام اِن کی حفاظت' خدمت و اطاعت پہ آمادہ ہوتے ہیں...... دیکھو تو! مذکورہ بالا ان تمام کا تعلق براہِ راست یا بالواسطہ اسی زمین اور اُس کی مٹی سے ہے......!

● سفر' شرط ہے مُسافر نواز بہتیرے......!

جب مَیں تکریمُ الارض اور فہیمُ التراب سیکھنے کے سلسلہ میں نکلا تو میرا پہلا ٹارگٹ پُورن بھگت کا کنواں تجویز ہوا جو بارہ پتھر سے خاصا دُور' ایک ویران سی جگہ پہ خستہ حالت میں تھا۔ میرے اُستاد نے بتایا کہ اِس کنویں اور اِس کے گردو پیش والا قطعہِ ارض' ایک خاص قسم کے اَثرات اور اہمیت کا حامل ہے۔ تفصیلات تو نہ بتائی گئیں' بس اتنا ہی کہ تم خود جانو اور سمجھو۔ میرا کام صرف لاہور کا راستہ دِکھانا ہے' ساتھ نہیں جانا...... پُورن بھگت کا کنواں' دُنیا کے چند چیدہ پُراَسرار مقامات میں سے ایک ہے جو ایک ایسے تختۃُ الارض پہ واقع ہیں جو اپنی ظاہری خفی' ماہیت' اندرونی معدنیاتی اَثرات و کیفیاّت کے علاوہ بُرجِ جدی کے مقابل ہیں۔ سیالکوٹ کے علاوہ' منگلا دیوی کا قلعہ' ٹلہ جوگیاں (بجّی بالا ناتھ) جلال پور جٹاں (قُبّے شاہ کا کھُو) ترکی' عراق' آذربائیجان' ناران' سکردو' ٹیکسلا' مہرولی' بھوپال کا جنگل' مصر' سائبیریا' نینوا' کوہ ارارط' تبت کے علاوہ بھی چند ایک مقامات ایسے ہیں جو عام انسان کے لیے محض زمین یا کوئی مشہور جگہ ہیں مگر طالبانِ [illegible] الطبیعات اور عُلومِ عُلوی و ارضی کے لیے ایک خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان جگہوں پہ باہر سے کھڑاؤں پہن کر جایا جاتا ہے [illegible]...... [illegible] چھال پتے کی چپل کے علاوہ [illegible] ہمئی اور مختلف نوع کی دھاتوں کے پیراز بھی ہوتے ہیں جو عام نہیں بلکہ بہت ہی خاص رِیاضت و مجاہدات میں استعمال کروائے جاتے ہیں۔ ایسے جُوتے بھی پہنوائے جاتے ہیں جن میں کنکر' لوہے کے کیل میخیں ہوتی ہیں۔ نمک' فاسفورس یا گڑے کے کانٹے دار بیج بھی......

ہاں! مَیں بتا رہا تھا میرا پہلا ننگے پاؤں پیدل سفر' پُورن بھگت کے کنویں تک کا تھا...... دُوسرا سفر بارہ پتھر سے جلال پور جٹاں تک شروع ہوا تو میرے اُستاد نے بارہ پتھر سے اگوکی (سیالکوٹ سے وزیر آباد کی جانب کا پہلا قصبہ' پڑاؤ) کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''جاؤ' چلتے جاؤ' جب تک دریائے چناب کا پُل پار نہ کر جاؤ...... گجرات پہنچ کر سائیں کاواں والا کے مزار پہ سلام کرنا پھر وہاں سے جلال پور جٹاں پہنچ کر بابے قُبّے شاہ کے کھُوہ اور حُجرے مسجد کا پُوچھ لینا...... پھر تم جانو اور وہ؟ ہاں! اگر کبھی واپس پہنچ پاؤ تو مجھے مل لینا......''

یہ سب کچھ یُوں تھا جیسے وہ مجھے کہیں پاس کے گاؤں' گھی یا گڑ لانے کے لیے بھیج رہا ہو...... اُس اللہ کے بندے نے یہ بھی نہ پُوچھا کہ بچے! کوئی دَمڑی چونّی جیب میں ہے یا نہیں۔ جُوتے کپڑے حال حُلیہ' ایسے لمبے سفر کے لیے موزوں ہیں یا نہیں۔ کھانا پینا' شب بسری کا کیا بندوبست ہوگا؟ رُخصت سمے یہ بھی مژدہ سُنایا کہ

اس راہ پہ قدم اُٹھانے کے بعد مڑ کر دیکھنے کی غلطی نہ کرنا...... سفر کے دوران کسی سے لفٹ وغیرہ بھی نہیں مانگنی' کسی کھیت باغ سے مولی' گاجر' گونگلو' امرود وغیرہ چُرا کر نہیں کھانے ہاں' اگر کوئی چیز زمین پہ پڑی مل جائے یا کوئی اللہ کا بندہ قیام و طعام کی دعوت اَز خود دے تو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سڑک کے بیچ سفر سے اجتناب کرنا ہے۔ ایک پہر سے زیادہ کہیں قیام کی سختی سے مناہی ہے۔ اطراف کی کچی زمین پہ درختوں' جھاڑوں کو چھوتے ہوئے گزرنا ہے۔''

ان نصیحتوں کے ساتھ مجھے ہلکا سا دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''چل میرے کُتّے' کُت کُت!...... اگلے ہی قدم مجھے بریک لگ گئے۔ پیچھے دیکھنے کی ممانعت تھی میں کچے پاؤں الف ہو رہا' دل میں یہی کہ پہلی رَفت پہ اچھا زادِ راہ ملا...... اچانک پیچھے سے جواب ملا۔

''کُتّے سے بہتر حیوانِ مطلق اور کوئی نہیں...... کہیں تو یہ حیوانِ ناطق سے بھی ارفع نظر آتا ہے۔ یہ واحد مخلوق ہے جو زمین مٹی کے اندر جھانک کر بیٹھتا' لیٹتا اور موتتا ہے۔ مٹی کو سونگھتا رہتا ہے۔ اندر دبے پڑے سب خزانے خصلتیں اسے روشن دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی حسِ شامہ اور اس کے اندر کا نظام اسے زمین کے اندر بہت نیچے تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے اور بہت اُوپر تک کے [illegible]ان افلاک' رجالِ غیب' [illegible]ول' شیاطین آفاتِ آفاق [illegible] دے اپنی کمر سیدھی کر لیتا ہے...... راضی برضا' شکوہ نہ شکایت' ایک ہی دَر کی دُرد پہ دھرا پڑا رہتا ہے......''

پاؤں کے بریک جیسے کھل سے گئے تھے اک جھٹکے سے میں آگے روانہ تھا۔

یہ پابرہنہ پیدل چلنے کا چسکا جو چلا تو چلتا ہی گیا۔ پڑاؤ' ڈھوکیں' [illegible] جھوکیں' آبادیاں' قصبے' گاؤں' دیہے' شہر اور پھر ملکوں ملکوں میں اپنی آشفتہ سری اور آوارگی کی دھاک اور دھول اُڑاتا پھرا۔ کسی نے فقیر کہا' آوارہ گرد اور کسی نے زندگی کے حقائق سے دامن چھڑاتا ہوا' بے جُرأتا بے ہمتا انسان...... کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ القاب والزام دیا۔ کوئی کیا جانے کہ میں کس لذتِ ترابی میں سرشار ہوں؟...... لمبے طویل راستوں پہ اپنی لگن میں مگن ننگے پاؤں پیدل چلتے ہوئے میں کہیں سے کہاں ہوتا ہوں۔ نیچے بچھی ہوئی نرم تلائی کی طرح دھرتی مجھے کیسے کیسے ہلکورے دیتی ہوئی آگے آگے دھکیلتی اور پاؤں کے نیچے پولی پولی مٹی' ملائی کی [illegible] کی طرح محسوس ہوتی۔

درویشی کی راہ کا مسافر اور کسی اونچائی کی جانب لپکتا ہوا پرندہ اور سُوئے مقتل قدم بڑھاتا ہوا پابجولاں بے گناہ...... ان میں اِک عجیب سی سرمستی ہوتی ہے۔

کچھ خبر نہ ہوتی کہ کتنے شب و روز چلتا رہا۔ کھایا پیا یا کہیں سویا جاگا...... اندھیرا سویرا' دھوپ بارش

سب برابر۔ پتہ تب چلتا جب میں سائیں کانواں والے کے احاطہ میں داخل ہوتا...... سلام فاتحہ کے بعد یہاں خوب کمر سیدھی کرتا۔ وقت کشادہ ہوتا تو جلال پور جٹاں کی راہ پکڑتا ورنہ یہیں بُکّی ہو رہتا...... شہر میں گلیوں بازاروں میں بے مقصد گھومتا رہتا۔ چناب کنارے چلا جاتا...... بیلے میں چرواہوں کی ونجلیوں' بانسریوں کی تانیں سنتا...... دو ایک روز خوب خاک خوار ہوتا پھر جلال پور جٹاں کی راہ پکڑتا۔ جہاں کھڈی پہ بیٹھا میرا پیارا سا دوست سدا سے میرا منتظر رہتا اور یہیں کہیں میرے حافظ باڈٹرین بھی رہتے تھے جن سے قلب و نظر کا باقاعدہ سلسلہ کچھ عرصہ بعد شروع ہُوا تھا۔

ایک آدھ روز بعد واپسی کا اِذن ملتا تو وہی جانی پہچانی راہیں راستے' وہی شجر و حجر' ندی نالے دریا' پُل...... سرسراتی ہوائیں' شکر دوپہریں' آسودہ' نا آسودہ موسم...... چہچہاتے طیور' بھانت بھانت کے لوگ۔ میرے سنگ سرکتی ہوئی رُسوائیاں' طرح طرح کی ترتراتی ہوئی باتیں اور اس سب پہ مستزاد گھر والوں کے جوتے کھوسڑے' لعن طعن اور......!

ایک آدھ دن کا وقفہ' آرام...... گھر والوں کے غصہ وہ شام میں دم جاتے ہی پھر وہی کہ میں پرکھ کم تھا اور پکھیروؤں کی گھونسلا [illegible] اللہ [illegible] ان کی [illegible] میں چھوٹی اور کچھ بڑے ہوتے [illegible] ہیں۔ پکھیروں پرواسیوں اور فقیروں کے سفر میں خیمہ کرنے کا مقام مشکل سے ہی آتا ہے۔

اگلی نوچندی جمعرات تک گجرات' جلال پور جٹاں کا برہنہ پا پیادہ سفر مؤخر رہتا۔ اس دوران میں اپنے "حسنِ آوارگی" کی معاطلگی میں جُتا رہتا یا پھر اپنے اس عیسائی اُستاد [illegible] کے ساتھ مختلف مشاغل میں رہتا...... زیادہ تر ہم کانگلے پارک کے متصل [illegible] کے پٹڑی پہ آمنے سامنے بیٹھ جاتے اور وہ مجھے ایسی ایسی عجیب و غریب پُراسرار قسم کی باتیں بتاتا جو میں نے کبھی سُنی نہ پڑھی تھیں۔ جبکہ اب میرا بازارِ حُسن اُس طوائف کی طرف بھی نکلنا موقوف ہو چُکا تھا جس سے میں پیسے بٹورا کرتا تھا اور جس کے "وسیلہ با جمیلہ" سے مجھے یہ مردِ پُراسرار میسر ہُوا تھا۔

ایک روز وہ مجھے صحائفِ آسمانی کے مختلف حوالہ جات سے کائنات' اس سے متعلقہ جہانوں اور دیگر دُنیاؤں کے بارے میں بتا رہا تھا۔

کرۂ ارض اور اس کے گرد لپٹے ہوئے گوناگوں جوہری' برقیاتی' شعاعی' بخاراتی لہروں کے جو رنگین دبیز غلاف موجود ہیں اُن میں کیسے کیسے تشرقات پنہاں ہیں اور اُن کا اصل ماخذ سورج کی تمازت اور زمین کی مٹی کے مقناطیسی ذرّات ہوتے ہیں۔ اس مٹی کے ذرّات کے سالمے یوں ہلکے اور سریع الحرکت ہوتے ہیں کہ وہ خلاء میں اک غبار کی صُورت لہریئے لیتے رہتے ہیں۔

یوں لگتا میرے اِس دوست کا پسندیدہ موضوع دھرتی تھا...... زمین' جو اِک منبعِ مٹی ہے جس میں ریگ' سنگ' پانی اور ہوا بھی کسی حد تک شامل ہیں...... مٹی کے موضوع پہ وہ پہروں بحث کرتا ہوا نہ تھکتا تھا...... مٹی' مٹی اور مٹی...... سُن سُن کر میں خود مٹی کا باوا بن چکا تھا...... یہاں تک کہ مٹی نے مجھ پہ دھیرے دھیرے اپنے مزید اَسرار و اَوصاف کھولنے شروع کیئے۔ تب میں نے دیکھا کہ مٹی مجھے یوں لیئے لیئے پھرتی ہے جیسے پلاسٹک کی تھالی کے نیچے مقناطیس گھمانے سے اُوپر تھالی میں بیرنگ کی گولی حرکت کرتی ہے۔ زمین کے اندر کی سِرّی آشنائیاں اور واشگاف ہوتی گئیں۔ اِس کی باتیں' رویئے' اشارے کنایئے واضح سمجھ میں آتے گئے۔ اِس کی اِک اِک اَدا سے نظر و قلب شادکام ہوئے۔

مٹی مرنے کے بعد دفن کے لئے دو گز جگہ دیتی ہی ہے کہ زندگی کے لئے دِیا ہوا چند مُٹھی مٹی کا اُدھار جو واپس لینا ہوتا ہے۔ کیسا سودا ہے...... دے زندہ لے تو مردہ ہی! ...... مگر جب دوستی ہو جائے تو زندوں کو بھی اپنے اندر بلا لیتی ہے' خوب خاطر تواضع کرتی ہے' جھولیاں بھر بھر ثمرات دیتی ہے۔

قارئین! آپ کی نظر سے اِس کتاب میں چند ایک اَبواب ایسے بھی گزرے ہوں گے جہاں زیرِ زمین میری کچھ غیر معمولی مصروفیات کا ذکر بھی شا [illegible]

میرے مشاہدے میں [illegible] ایسے مقام بھی آئے کہ میں [illegible] ارض میں ہوں...... ہونے نہ ہونے کی وجدانی کیفیت طاری ہے۔ دل ڈبکی میں' دماغ دَما ہوا...... فکر فِق' چِتا چُپ' قیامت کی خالی الذہنی' میں سوتے میں چلنے والے مریض کی مانند آگے بڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ سیدھ نہ سمت' پتہ نہیں کہاں کدھر نکل آیا ہوں؟...... پکی تارکول والی سڑک [illegible] دونوں اطراف درختوں [illegible] ...... کچی راہ' کھیت نہ کھلواڑے ریڑھے' گڈ اور نہ کوئی پاس سے گزرتی ہوئی گاڑی یا بس...... بس میں ہی اکیلا' کہاں رہا دُنیا کا میلہ؟ عجیب سی انجانی' اَن دیکھی سُنی راہیں' منظر...... ہر دکھائی دینے والی چیز' چیزے دیگرے! کچھ بھی نہ ایسا جو پہلے دیکھے ہوئے سے مماثلت رکھتا ہو۔ جیسے یہ کوئی اور جہان ہو...... باغ عدن کے سارے خاکے میرے سامنے...... میں مست خرام آگے بڑھتے بڑھتے اچانک اِس نیرنگ سازی سے باہر نکل آتا ہوں جیسے کوئی ایک سرے سے داخل ہو کر غار کی دوسری جانب نکل آتا ہے۔ اَچانک روشنی اور منظر کے بدلنے سے اِک چونکا دینے والی سراسیمگی کا احساس ہوتا ہے۔ سو اک زمانہ ہو گزرا کہ میری بھی حالت ایسی ہی رہتی' سفر حضر دونوں صورتوں میں میں کہیں سے کہیں نکل جاتا...... ظاہری خاکی جسم تو منظر پہ موجود رہتا مگر بطونی غیر مرئی پیکر پہاڑوں' سمندروں' جنگلوں صحراؤں' دُور دراز برف زاروں کی جانب رجوع کر لیتا...... میں بیک وقت شش جہتی دھیان میں ہوتا...... یوں میری حسِ مُتخیلہ ایسی راسخ رسوخ انگیز اور رسیدہ خاطر تھی کہ بس ذرا جھکائی لی اور جہاں چاہا

نکل لئے۔

کہتے ہیں کہ سفر وسیلۂ ظفر ہوتا ہے مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ سفر کے چلے ہوئے کارتوس کا اصل ہدف کیا تھا۔ نشانہ کی مشق یا کسی کی ہلاکت خیزی؟ جان و مال کی حفاظت سربلندی حق و صداقت' محض دُنیا کے مادی وسائل کا حصول یا پھر کسی رُوحانی دینی قومی تقاضا یا اُسوۂ و اُصول...... میرے اَسفار محولہ کسی بھی خاص وُجوہ کی بُنیاد پہ نہ ہوتے۔ یہ تو میرا جنونِ آوارگی تھا جو مجھے بارگاہِ قدرت سے عطائے خاص ہوا۔ بعداً تجربات و مشاہدات یہ معرفت سمجھ میں آئی کہ اس سفر میں نہ تو کوئی سنگِ میل ہوتا ہے قیام اور نہ کوئی مقام و منزل...... ؎

اَبدیت سفر کو ہے مُسافر کو نہیں

جس طالب کا کوئی مطلوب ہو' جس شوق کا کوئی مول ہو اور جو محبت و اُلفت تعلق کی تالی بجانے کے لئے دُوسرے ہاتھ کی محتاج ہو' ایسا کچھ فانی جسم کی مانند تو ہو سکتا ہے کسی رُوح کی طرح حق اَمر نہیں ہو سکتا۔

آمد کے کسی مصرعۂ شعری کی مانند میرا ابھی یہ سلسلۂ رفت...... آمدن برسرِ سفر کی طرح اک آمد ہی کی طرح ہوتا۔ اُنہیں اتفاقی' حادثاتی' جبری یا تعیناتی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو کچھ بدیر یعنی مٹی کے ساتھی ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ [illegible] مجھے مٹی کے بعد خام و خار یعنی سنگ و [illegible] بھی '' [illegible] جنانی [illegible] کرتا ہے۔

● کجامی قضائی' کجامی زنی......!

مختلف اَدیان کے نبیوں، پیغمبروں اور اولیاء کرام کی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرتے ہوتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب سب ہی نے اپنی اَوائل عمری یا کسی نہ کسی دورِ حیات میں بھیڑ بکریوں' اُونٹوں اور دیگر جانوروں کے آگے چرواہے' گڈریئے کے فرائض اَنجام دیئے...... پیدل قافلوں کے ساتھ دُور دراز ملکوں شہروں میں تجارت کی غرض سے سفر اختیار کیئے...... کھیتوں' باغوں اور مرغزاروں میں مزدوری کی مشقتیں اُٹھائیں۔ دین کی تبلیغ کے لئے دُور دراز تک پہنچے۔ جہاد' جنگوں غزوؤں میں شرکت کی۔ یہی وہ دور تھا کہ جب مسافر مردِ مجاہد' تجارتی قافلوں کے افراد عام طور پہ اُونٹ گھوڑے ہاتھی پہ سفر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اُن کے نزدیک سواری...... حاکموں' بیماروں' بوڑھوں بچوں' عورتوں اور یا پھر باربرداری کے لئے ہوتی ہے...... اَزمنہ قریب و بعید کے لوگ' زمین اور مٹی کی قربت و نسبت اس پہ کالے کوسوں کے پیدل سفر کی حکمت و افادیت سے خوب واقف تھے۔ اندر کا اُلکھ جگانے کے لئے' زمین کی قربت' مٹی کا لمس' مہک' خاموشی تنہائی اور سفر کے ساتھ صبر بہت ضروری ہے۔

اسی اُستادِ خارا فام نے نیکی بدی' اچھائی بُرائی اور ثواب و گناہ کا اِک عجیب سا فلسفہ بیان کیا کہ یہ تصویر اور آئینہ کے دو رُخ ہیں کہ ان کے بغیر' تصویر مکمل ہے نہ آئینہ...... ایک پاؤں اس لئے نہیں ہوتا کہ توازن برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔ کوئی عبادت گاہ' بیت الخلاء کے بغیر اور کوئی بشر' گناہ سے گھنائے بن نہیں رہ سکتا (استثنٰی کے ساتھ) کہ بشر تو ہے ہی ''ب شر'' ہے وہ ''ب خیر'' اسی شر کی خرابی سے ہو گزر کر ہوتا ہے...... اس شر سے مفر مشکل' لہٰذا اس سے اسی طور نبھا کرنا پڑتا ہے جیسے کمی' نانجار اور نا ادب و حیا اولاد سے کیا جاتا ہے کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن...... ویسے مجھے زعمِ پارسائی سے احساسِ نارسائی کہیں بہتر دِکھائی دیا کہ یہ بندے کو کینڈے میں رکھتا ہے۔ غرور و فتور' کھوپڑی کی اُوپر والی کھانچ میں پیدا ہوتا ہے کہ اُسے پاؤں کی پستی کے نیچے زمین کی مٹی سی عظیم ہستی تو دِکھائی نہیں دیتی جبکہ بہت اُوپر بامِ ثریا کا مبہم کرہ قریب قرین سمجھ میں آتا ہے جو خلائی سرابوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ عجز و خاکساری پاؤں اور نیچے کی خاک پہ دھیان دینے سے پیدا ہوتی ہے۔ سو بلندی اور پستی' تفاخر اور عجز کے درمیانی فاصلوں کو سمجھنے کے لئے زمین اور آسمان کو جاننا ازبس ضروری ٹھہرتا ہے کہ آسمان' محض خلائی فضائی سرابوں کا نام ہے جسے بصارتی شعبدہ گری سے دیکھا جا سکتا ہے مگر چھو اور لمس سے محسوس نہیں کیا جا سکتا جبکہ زمین اور مٹی کی خوشبو' کشش' مہربانی' فراخدلی' اعلیٰ ظرفی' صبر و تحمل کو محسوس کرنے کے واسطے دیکھا اور چھوا جا سکتے ہیں۔ یہ اپنے ہزاروں روپوں کے حوالے سے آپ کے نیچے بچھی اور آپ کی ہر بدی' ظاہر باطن اُٹھائے قدم چُومتی رہتی ہے۔ سبز رنگے قالین کو آبِ شبنم سے نمدار' خوشبو خیز کر کے آپ کے پاؤں [illegible] دماغ کی گرمی' فتور' خون کو شانت کرتی ہے۔ طرح طرح کے میوے' اجناس' ترکاریاں' چارے' درخت پودے مہیا کر کے آپ کی راحت آسودگی اور معاشی خوشحالی کا سبب بنتی ہے۔ اولاد و آل' گود و گور کا اہتمام بھی وہی کرتی ہے۔ غور کریں کہ ہر نبی پیغمبر' ولی' قطب' فقیر' درویش' دھرم آتما' بھگت' پہلوان' کیمیادان' بِدیادان' کو شکتی گیانی نروان براہِ راست یا بالواسطہ اسی سے ملا۔ سمندر' پہاڑ' جنگل' بیلے' دریا' ریگزار و برفزار اسی دھرتی کے پروردہ پریوار ہیں۔

مجھے بتایا گیا اور پھر مَیں نے اپنے تئیں بھی جانا کہ اپنی حقیقی ماں مٹی اور اپنی مجازی ماں یعنی اپنے باپ کی بیوی کو اچھی طرح جانے پہچانے' اُس کی خدمت' ادب اور پُوجا کیئے بن' دین و دُنیا کا کوئی دھیان گیان کما حقہ' حاصل نہیں کیا جا سکتا...... مادیت اور روحانیت کی کوئی ارتقائی منزل' زمین مٹی کے اندر اپنی آنول نال سیدھی دھرے بغیر سر نہیں کی جا سکتی۔

ایک موقعہ پہ مَیں اپنے اس اُستاد سے یونہی پوچھ لیا۔

''دوست! مجھے یہ سب کچھ سکھاتے بتاتے ہو...... تمہیں اس جمنا کے تیر کس نے ڈالا تھا؟''

وہ بے دھیانا سا کہنے لگا۔ ''جب پیاس کی گاگر یا سوکھی پڑی ہو تو پھر کسی کنویں' دریا کی کھوج میں نکلنا ہی پڑتا ہے۔''

مَیں اپنی عادتِ بد سے مجبور بول پڑا۔

''گاگر اُٹھائے' گھونگھٹ کاڑھے گوری کو اگر گھاٹ باؤلی کنویں خالی خشک ملیں اور اپنی بے بسی پہ بہانے کے لئے نیَن میں دو قطرے آنسو بھی نہ ہوں' تب......؟''

اَب اُس کا چہرہ آتشِ تپاں کا نقشہ پیش کرنے لگا۔

''درویش کی نگاہ' فولادی برمے سے بھی زیادہ تیکھی ہوتی ہے...... جو پڑتے ہی دہلا سا دیتی ہے۔ مقابل کی آنکھوں میں اُتر کر پورے وجود کو چھید ڈالتی ہے۔ اِسی لئے کہتے ہیں کہ شاہ کے رُوبرو نگاہ...... درویش کے پیش دردِ دروں' عالم کے سامنے زبان اور عاشقِ صادق کے حضور اپنے دل کی حفاظت کرنی چاہئے...... لیکن کیا کیا جائے کہ احتیاط کے باوجود بھی کہیں بے احتیاطی ہو ہی جاتی ہے۔ مجھ سے بھی ایسے سوالات سرزد ہو چکے تھے جو گستاخی و بے باکی' کی ذیل میں شمار ہو سکتے تھے مگر تیر تو کمان سے نکل چکا تھا۔

اُستاد جی [illegible]

''اے سوچم! اس کو دریا اور گھاٹ آگے بڑھ کر خود تلاش کر لیتے ہیں بس [illegible] ہے ذرا دیر زیادہ......''

پھر مزید ارشاد ہوا...... ''اکثر مسافر' منزلوں کے لئے ہوتے ہیں لیکن کوئی منزل ایسی بھی ہوتی ہے جسے خود ایسے مسافر کی تلاش رہتی ہے جو [illegible] کی منزل کا سنگِ میل ہوتا ہے۔''

ایک روز مرے کالج میں [illegible] کے ہنگامے بپا تھے۔ وہ بھی شاید کسی عہدے کے لئے اُمیدوار کھڑا ہوا تھا۔ اِدھر اُدھر کے کاموں سے فراغت ملی تو اُستاد ایک مقفل کلاس رُوم کھول کر اندر لے گیا۔ دروازہ بند کر کے مجھے پہلی رو کے ایک بنچ پہ بٹھا کر خود کچھ پرے آنکھیں میچے یُوں استادہ ہو گیا جیسے کوئی مجرم تھانہ عدالت میں کھڑا ہوتا ہے۔ مجھے بنچ پہ بیٹھتے ہی ایک زور کا جھٹکا سا محسوس ہوا۔ اس کیفیت کو شاید جھٹکا نہیں کہنا چاہئے۔ مَیں ایک مثال دے کر اِس کیفیت کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ دریا کے ہموار پانی پہ پیرتے پیرتے' پیراک کو اچانک جھٹکے لگتے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ ایسی جگہ کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے جدھر گرداب کی مجذب لہروں کی عملداری ہوتی ہے۔ جو اپنے حصار میں داخل ہونے والی ہر شے کو اپنے گردابی مرکز کی جانب کھینچ لینے کی بے پناہ کشش رکھتی ہیں۔ گرداب پیدا ہونے کی بہت سی وجوہات میں' کچھ جغرافیائی' طبعی' آبی اور چند ایک سماوی و ارضی بھی ہوتی ہیں۔ جبکہ ارضی وجوہ میں وہاں کوئی گہرا کھڈا یا زمینی کٹاؤ ہو سکتا ہے کہ پانی کا تیز بہاؤ' وہاں اپنے راستہ میں کسی زاویہ سے سخت مزاحمت پاتا ہے اور اِس کی لہریں اپنے

رُخ میں ٹھہراؤ پیدا کرنے پہ مجبور ہو جاتی ہیں اور کہیں یوں بھی کہ نیچے تہہ زمین میں مدارک معدنیات جیسے توتیا، گندھک، فاسفورس اور دیگر تابخراتِ ارضی، اپنی کیمیائی لہروں سے گھومنے والے مدّوجزر بپا کر کے گھمسن گھیریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں بھی افلاکی استعانتیں...... مہ و مہر، نجوم، سیّار و بُروج کے اثرات...... رعد و مقناطیسی لہروں کے تصادم، سمندروں دریاؤں، جھیلوں اور وسیع آبی ذخیروں میں [illegible] غیر متوازن فاضل توانائی کے کوندے گرا کر تلاطم اور انتشار پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ گرداب، [illegible] آبی چکیاں، ہواؤ روے، بھوت گھیریاں، جھکڑ، آندھیاں، آتشِ فشانیاں، زلزلے بھی اسی نوع کی فطرتی کارستانیوں کے شاخسانے ہوتے ہیں۔

ہر وہ مادہ جو ارضی جزویات سے تخلیق ہُوا اپنی مقررہ مدّت کے بعد مٹی، ہوا، پانی، بخارات اور آگ میں تبدیل اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ امرِ حق یا رُوح اوپر مراجعت کر جاتی ہیں۔ مگر بعض جسم جو وجود میں تبدیل ہوئے پھر بطون میں تحلیل ہو کر واصلِ امرِ حق ہوئے وہ اپنے اپنے اجسام و وجود کے ساتھ روزِ حشر تک مسعود و موجود رہتے ہیں...... اپنی ظاہری حیات میں وہ جہاں کہیں بیٹھے، لیٹے، چلے، سفر حضر یا کہیں قیام [illegible] کیا، ان کی ایک خاص خوشبو (جو اللہ پاک کی خاص عطا ہوتی ہے اور ان کی پہچان ہوتی ہے) اور ان کے وجود [illegible] ہمہ موجود کے [illegible] تجلیاں [illegible] اور نورانی غبار وہاں قائم ہو گیا...... وقت، زمانی گردشیں [illegible] کرامتوں کے ظہور کو کبھی جھٹلا نہ پائیں...... اللہ کے ان برگزیدہ بندوں نے جس پہ توجہ دی [illegible] اپنے اعمال و خواص میں منتقل ہو گئی۔ جس طرح ابلیسی کرشماتی نیرنگیاں انسان کو گرفتار کر کے اپنے چنگل میں پھانس لیتی ہیں اسی طرح نورانی توجہ [illegible] ہدایتیں سلامتیاں اور [illegible] اپنے طالبِ صادق کے حصول کے لئے وسیلے فراہم کر دیتی ہیں۔

تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ نبی، پیغمبر، رسول اور دیگر ولی، قطب، غوث...... پیر، فقیر، درویش [illegible] جدھر جدھر سے گزرے، جہاں کہیں قیام و قیلولہ کیا...... جس چیز کو چھوا، درخت، پتھر، پہاڑ، کنویں، چشمے، جانور، کھانا، دودھ، پانی وغیرہ وہ خوش بخت چیز، چیزے دیگرے بن گئی۔ اُس میں برکت، شفا اور عطا [illegible] گئی...... ہزاروں سینکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اُن کی شفائی تاثیر و توقیر کم نہ ہوئی...... میں اپنی زندگی میں بے شمار ایسے مشاہدات و تجربات سے گزرا کہ چلتے چلتے اچانک کسی جگہ پتھر، پگڈنڈی، درخت، دیوار نے میرے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ عجیب و غریب مسحور کر دینے والی خوشبو نے جکڑ لیا ہے۔ دل کی دھڑکن تیز ہوتی محسوس ہونے لگا جیسے کسی کے نادیدہ ہاتھوں نے مجھے آگے بڑھ کر تھام لیا ہے۔ میرے اعصاب و اذہان کو [illegible]

کرلیا ہے۔ میں بے بس اور بے خود سا ہو جاتا ہوں۔ مجھے اپنے قول و فعل ارادے فیصلے پہ کوئی قدرت نہیں اور نہ ہی اپنی کسی مادی یا جبلی ضرورت کا احساس باقی رہتا ہے۔ زمان و مکان کی قید سے نکل کر میں کسی اور جہاں میں پہنچ جاتا ہوں۔ معصوم بچوں کا تتلیوں کے تعاقب میں نکلنے کی طرح میں بھی چمن زاروں، زاروں میں نکل لیتا ہوں...... اس طرح میں کئی جانے انجانے بزرگوں، روحانی ہستیوں سے ملتا ہوں۔ جنہیں بظاہر پردہ کیئے کئی زمانے لد گئے...... اُن کے پاکیزہ تنفس کی خوشبو، اُن کے نورانی پیکروں کی سرسراہٹ...... سبک قدموں کی آہٹ اور سرگوشیوں کا مدھر آہنگ!...... میری کتابوں کی زینت کئی ایک ملاقاتیں اور روحانی مکاشفے جو بیتے زمانوں کا احاطہ کیئے ہوئے ہیں، بزرگوں، صلحاء، غیر معمولی رجال انسانی مخلوق سے میری ایسی ہی ظاہری، باطنی اور روحانی وابستگیوں کی روداد یں ہیں۔ جن کا اظہار محض کسی کے نکتے کو بیان کرنا اور یہ واضح کرنا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ارضی خلیفہ کو کیسی کیسی نعمتوں، حکمتوں قوتوں سے سرفراز فرمایا کہ وہ اِن سے کام لے کر اپنے مالک و خالق کو پہچانے [illegible] کی عنایتوں کا شکر ادا کرے...... اُس کی مخلوق کے لئے بلا تخصیص آسانیاں مہربانیاں فراہم کرنے کے لئے کوشاں رہے...... سماء کی برکتوں، قوتوں سے طاغوتی استعانتوں کا رد کرے اور ابلیس کے ہتھکنڈوں سے......!

میری خوش نصیبی کہ میں توفیقِ الٰہی سے ہمیشہ انسانیت کی خدمت میں بساط بھر لگا رہا...... بے شک یہ سب میرے خالق و مالک کا خاص فضل اور خاصان بندگاں کا فیض و تصرف ہے کہ جو کچھ مجھے کسی بھی طور، کیسی صورت اور کسی بھی حال عطا ہوا میں نے اُسے اللہ کی مخلوق میں لوٹا دیا [illegible] شمہ بھر بخل سے کام نہیں لیا۔

آپ کے تجربہ میں ہوگا کہ حُسن والے ہر کسی کی توجہ کھینچتے ہیں۔ سُریلا گویا راہ چلتوں کی راہ مار دیتا ہے۔ عالیشان عمارت، دلنشین منظر، لذیذ پکوان کی اشتہا انگیز مہک، پھولوں کی خوشبو...... کسی کا پیار، اخلاق اخلاص اور خدمت و ادب وغیرہ...... یہ سب کچھ تو دوسروں کے پاس ہوتا ہے مگر آپ کے پاس بھی تو حسیات، جاذبہ، خوبصورتیوں، خوبیوں کو پہچاننے اُن سے محظوظ ہونے اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے...... مزید براں اگر آپ میں نورِ صبر اور ظہورِ محل شناسی نہیں ہے تو آپ ابھی مس خام ہیں......!

سخن گسترانہ میں پڑی بات، کہاں کی کہاں پہنچی...... مقصود یہ تھا کہ مس خام نہیں مس خاص ہو تو جیسی کیمیائی لہروں سے خوب قوت پکڑتا ہے اور جب ایک بار طالب، مطلوب سے یعنی خاص لوہا، خاص مقناطیس سے مس ہو جائے تو وہ بھی اُس جیسا ہی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کوئی چھوٹی سی آبجو، جھیل دریا سمندر سے مس ہوتے ہی اپنی حیثیت کھو کر اُسی کی عظمت و وسعت کا حصہ بن جاتی ہے۔

• تنِ بیمار کے لئے دَمِ عیسیٰ......!

بحرِ تصور میں ڈبکیاں لیتے لیتے جب مَیں بے دَم سا ہو گیا تو یوں ہڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا جیسے ڈوبتے ڈوبتے بچنے والا' اچانک زندگی کی بانہوں میں آ جاتا ہے...... مَیں ایک پرانی مہاگنی کے بنچ پہ بیٹھا تھا جس نے آکٹوپس کی طرح اپنے بہت سے نادیدہ بازوؤں سے مجھے جکڑ رکھا تھا...... نہ سمجھ میں آنے والی پُراَسراری مہک' جو قلندر' مجذوبوں' شہیدوں کے تقدس آفرین مرقدوں پہ شب کے آخری بھیگے پہر میں نہ جانے کہاں سے عود آتی ہے' کی لہک میں سرشار سا پڑا تھا۔ لگا کہ یہ کلاس روم یہ جگہ' بنچ...... در و دیوار اور یہ ماحول کوئی عام سے نہیں...... یہیں ذرا سامنے کھڑے سر جھکائے' مراقبہ' الف سری میں اُترے اپنے اُستاد پہ نظر پڑتی ہے تو اچانک [illegible] جیسے میرے باطنی جگنو [illegible] تھم سے گئے...... دیکھتے ہی دیکھتے اردگرد کا سارا ماحول کہیں غائب ہونا شروع ہو گیا اور دُھند کی دبیز اَوٹ سے خواب خواب کچھ منظر اُبھرنا شروع ہوئے...... چند ہی لمحوں میں سب کچھ بدل گیا۔ وہی بیتا ہُوا وقت' پہلے کا زمانہ...... کوئی بھلے سے پرانی وضع قطع کے لکچرار صاحب سامنے استاد لیکچر دے رہے تھے۔ سٹوڈنٹس سے کلاس بھری ہوئی۔ حد کہ مَیں اور میرے استاد بھی انہی میں شامل ہیں۔ [illegible] دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا...... منظر بے صوت و آہنگ اور دُھندلا دُھندلا سا...... جیسے کوئی بہت پُرانا خاموش فلموں کے دور کا بلیک اینڈ وائٹ پرنٹ [illegible] پکچر سے پُرانے پروجیکٹر پہ چڑھا دیا گیا ہو۔ پھر منظر پہ منظر بدلنے لگے...... عجیب عجیب حلیوں' لباسوں' وضع قطع والے لوگ' بزرگ جن کے چہروں مہروں پہ شرافت' نجابت اور تحمل جیسی کا نُور ظہور تھا...... یہ بنچ یہ جگہ یہ کمرا وہی تھا جدھر حکیم الاُمت اپنے طالبعلمی کے زمانہ میں بیٹھتے رہے۔ مرے کالج کے ان کمروں' لائبریری' گراؤنڈ' ورانڈوں' باغ باغیچوں اور غلام گردشوں میں ابھی تک اس مردِ حق کے قدموں کی چاپیں' گفتگو و افکار کا صوتِ سرمدی' پیکر و پیرہن کی بھینی سی خوشبو' سوزِ دروں کی حدت دانشِ نورانی' کتابِ مبین سے والہانہ وابستگی اور عشقِ احمد کی بھینی بھینی مہک رچی بسی محسوس ہوتی ہے۔

جب کچھ وقت اسی کیفیت و حال میں ہو گزرا اور میرے اتالیق نے بھی مراقبے سے واپسی کی راہ پکڑی تو یہ کیفیت بھی دھیرے دھیرے چھٹنی شروع ہوئی تو مَیں نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں سُرخ [illegible] کورے لٹھے کی مانند سفید ہو رہا ہے۔ پیشانی پہ پسینے کی تریری اور تنفس میں اضطرار...... اُس نے مجھے اشارے سے باہر نکلنے کا اذن دیا...... تنویمی سی حالت میں' مَیں اُس کے آگے آگے باہر برآمدے میں نکل آیا۔ پریکٹیکل سائنس کی لیبارٹری کی بائیں گلی سے ہوتے ہوئے ہم پیچھے گورنمنٹ ہائی سکول کی گراؤنڈ میں پہنچ گئے

آ ئے۔ اِدھر چھوٹے سکولوں کی ٹیمیں کرکٹ کھیل رہی تھیں۔ اِن سے بچتے بچاتے ہم سڑک تک آ گئے…… دونوں منہ گھنگھنیاں ڈالے ہوئے جب کانگلے پارک کے ریلوے پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے تو پھاٹک والے چاچے نذرے نے سڑک بند کرنے کے لئے پھاٹکوں کے ساتھ دھکم پیل شروع کر دی…… چک اُمرو سے گاڑی آ رہی تھی…… ہم دائیں جانب جھکولا لے کر پٹڑی کے ساتھ غازی پور کے رُخ پہ ہو لیئے جدھر آ گے ایک ہلکے سے موڑ پہ ریل پٹڑی کے ایک مخصوص ٹکڑے پہ ہمارا ڈیرا یعنی ہماری میٹنگ پلیس تھی…… پُشت پہ غازی پور' سامنے امرودوں کا باغ' جو کانگلے پارک کے جنوب مشرق میں جوہڑ کے پاس تھا۔ اس جوہڑ سے ہم نے ڈولے پکڑا کرتے تھے۔ دائیں ہاتھ شہر' بائیں طرف نارووال' چک اُمرو' جموں وغیرہ……!

نہ تو اُس نے خود بتایا اور نہ مَیں نے ہی کبھی پوچھا کہ خاص طور پہ یہی پوائنٹ ہماری میٹنگ کے لئے کیوں مخصوص ہے…… شہر سے ہٹ کر ایک الگ تھلگ سی جگہ…… کھیت کھجوڑ' پتھر اور بے قاعدہ سے بنے ہوئے…… ریلوے ٹریک کے دونوں اطراف تنگ تنگ پگڈنڈیاں جو پیدل چلنے والوں' سائیکل سواروں یا پھر گھوڑوں گدھوں کی گزرگاہیں تھیں۔

سیالکوٹ میں اور بھی چند ایک جگہیں تھیں جدھر کسی بھی مقصد کے تحت پہروں [illegible] سکتا تھا مگر وہ ہمیشہ مجھے ساتھ [illegible] بڑے اہتمام [illegible] اپنے ساتھ [illegible] سے قریب قریب [illegible] وقت اُٹھے ہوئے اس پتھریلے ٹریک کے بارے میں جہاں تک مَیں جان سکا تھا کہ دو چار وجوہ کی بنا پہ بیٹھنے کے قابل سمجھا جا سکتا ہے…… ایک تو یہ کہ ہمارے سٹنگ پوائنٹ کے بالکل سر پہ' اَپ ڈاؤن والا سگنل تھا۔ دوم' سائیڈ پہ لوہے کا ایک نمایاں بورڈ ٹھکا ہوا تھا جس پہ [illegible] کی زبان میں کچھ ہدایات لکھی ہوئی تھیں۔ تیسرے عین ہمارے نیچے پٹڑیوں کا جوڑ تھا جس کا درمیانی گیپ' سردیوں میں کم اور گرمیوں میں زیادہ ہو جاتا ہے۔ چوتھے پٹڑی کے نیچے لکڑی کے دو شہتیروں پہ کالا رنگ لگا ہوا تھا جیسے کوئی بڑے اہتمام سے باقاعدہ رنگ پھیر کر جاتا ہو۔ نیچے پتھروں پر گلاب کے خشک تر پھول پتے بھی اکثر دیکھنے کو ملتے اور اس جگہ سے ٹرین بہت آہستہ اور دو تین سیٹیاں بجا کر گزرتی۔ اکثر گمان گزرا کہ شاید اِدھر قریب کسی پیر فقیر کا استھان ہو یا کسی کا کوئی عزیز' ٹرین کے نیچے آ کر شہید ہو گیا ہو جس کی نشانی کے طور پہ یہ سب کچھ ہو لیکن مجھے کبھی اُس سے یہ کچھ پوچھنے کا موقعہ نہ ملا۔

آج بھی ہم دونوں یوں اِدھر آ کر یوں براجمان تھے جیسے کسی سے لڑ جھگڑ یا پولیس سے بچتے بچاتے یہاں آسرا لیئے بیٹھے ہیں…… ہم دونوں اپنے اپنے اندر کے چور کو خوب جانتے تھے اور یہ بھی کہ ہم کن کیفیات سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں۔ اس طرح کی مابعد الطبیعاتی غیاب وحضوری سے ہو گزرنے والوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔ اُن کا دَم خشک اور چہرے سُتے ہوئے ہوتے ہیں…… گویائی گنگ اور طبیعت منگ سی ہو کر رہ

جاتی ہے۔ جب کافی دیر ہم دونوں کی بولتی بند رہی اور بظاہر اک دوسرے سے بے نیاز ادھر اُدھر روڑے کنکر پھینک پھینک کر بیزار ہو گئے تو گفتگو کی پہلی کنکری بھی میں نے ماری۔

''یا اُستاد! بھوک اور پیاس سے بُرا حال ہے۔ کیا پیٹ پُوجا کا بھی کچھ خیال ہے؟''

اُس نے کھا جانے والی نظروں سے مجھے تکالتے ہوئے کہا۔

''انسانی جسم میں محض معدہ ہی نہیں اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے جن کا خیال رکھنا معدے سے زیادہ ضروری ٹھہرتا ہے۔''

بھلا میں کہاں چُپ رہنے والا...... کھٹ سے بول پڑا۔

سیانوں نے کہا ہے بھوک و افلاس انسان کو کفر کی حد تک لے آتے ہیں۔ ''پیٹ نہ پیاں روٹیاں تے سبّھے گلاں کھوٹیاں......''

میں نے مصنوعی نقاہت پیدا کرتے ہوئے مزید کہا۔

''خالی معدہ، مجھے نہ تو کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کچھ سجھائی، میرے بڑے بھائی! مجھے کچھ نہ کچھ کھلاؤ...... چاہے وہ سامنے باغ سے امرود ہوں یا یہ آس پاس کھیتوں کی گاجریں، مولیاں!''

میں [illegible] میری بات پہ کان دھرے بغیر ہی وہ پڑھنے لگا...... ؎

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

میرا کوئی ردِ عمل جانے بِن وہ بغیر کسی توقف کہنے لگا۔

''یہ تو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ قلندرانہ سخن کس رجلِ حق آگاہ پہ اَمرِ ناطق بن کر اترا...... کب، کہاں اور کیوں؟ اور یہ بھی کہ اِس سخنِ پُرسوز کے مخاطب کون ہیں؟''

میں نے تو محض مذاق و مذکرت کے لئے یہ پُھلجھڑی چھوڑی تھی تا کہ یہ طبع پر پڑا ہوا تکدر چھٹے مگر یہاں تو بات بتنگڑ بنا دی گئی۔ کیا کرتا میرا اُس سے کچھ معاملہ ہی دگر تھا کہ جو میری جانب سے اشتیاق و انکشاف سے شروع ہوتا مگر اس کے ہاں وہی اِک عذاب ناک بازدید و بازگشت پہ اختتام ہوتا۔ اُس کے مشاہدات مرقعات مشکوفاتِ روحانی کچھ ایسی بالیدہ سطح پہ تھے کہ وہاں تک رسائی پاتے پاتے میری عقل و فکر کی روئیدگی و دیعت کے پَر جھڑنے لگتے تھے۔ میں بے کل و غش جھنجھلا اُٹھتا۔ تب میری وہبیت کی سوندھ سے کوئی چوندا اُٹھتی جو میری دنائیت اور شعوری درماندگی کو چُھپا لیتی۔

مجھے آئیں بائیں شائیں سا دیکھتے ہوئے بادلِ نخواستہ سا بتانے لگا۔

''جب پیٹ بول پڑے تو دماغ بند ہو جاتا ہے اور سماعت سُست...... اُٹھو! کچھ کھا پی لیتے ہیں' مجھے خود بھی پیاس محسوس ہو رہی ہے۔''

واپسی پہ اچانک وہ پوچھنے لگا۔

''جدھر ہم بیٹھے تھے اس جگہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟''

میں نے اِک اُچٹتی سی نظر اُس پہ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''اس کے بعد تم مجھ سے اِس کلاس رُوم کے بارے میں میری رائے جاننا چاہو گے جس میں داخل ہونے سے پیشتر ہم دونوں آپے میں تھے اور جب ہم وہاں سے نکلے تو دونوں اپنے اپنے سراپے میں ہی نہیں تھے اور خاص طور پہ میرے دل و دماغ کے سب ہی پنجرے عقل و دانش کی بھلیاں بولتے پرندوں سے خالی ہو چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک عجیب سا پرندہ میرے شانوں پہ آ بیٹھا...... جو اِدھر ابھی ریل کی پٹڑی پہ پہنچتے پہنچتے ایک خوبصورت طرحدار شاہین میں تبدیل ہو چکا تھا...... لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ بھوک کا احساس اُبھرتے ہی وہ شاہین اپنے بڑے بڑے مضبوط شاندار پروں [illegible] کر ایک سمت اُڑان بھر گیا۔''

''ہاں! [illegible] ہو...... پھر افراد و اقوام کا سب سے بڑا مسئلہ بھوک ہی ہوتا ہے۔ بھوک کا بوکھلایا ہوا ہاتھی آناً فاناً سب کچھ تہس نہس کر دیتا ہے...... میں تمہیں کچھ ایسی باتیں بتاتا ہوں جن کا علم محض چند لوگوں کو تھا...... اور اُن لوگوں کی نظر میں علامہ کے یہ معمولات' اُس وقت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اُن کے اندر گندھی ہوئی حکمت انہیں دکھائی نہیں دیتی تھی...... علامہ اپنی عمر کے ابتدائی دور میں بڑے کھلنڈرے' ہنسوڑے اور لاپرواہ سے تھے۔ تعلیم کے حصول کے لئے سنجیدہ نہ تھے اسی طرح وہ سکول اور مدرسہ میں اکثر غیر حاضر رہتے اور یہ وقت' پہلوانی' کبڈی' کبوتر بازی' پتنگ بازی' یارباشی میں گزارتے یا پھر وہ دیر سے پہنچتے جس کی بناء پہ اُنہیں تادیبی کارروائی سے گزرنا پڑتا...... وہ واقعہ تو تمہیں یاد ہو گا جب وہ ایک روز کلاس میں دیر سے پہنچے تو اُستاد نے قدرے درشتی سے کہا۔ ''اقبال! تم اکثر دیر سے آتے ہو...... یہ آئینِ مکتب کے مطابق نہیں''...... اقبال نے فی الفور جواب میں کہا...... ''سر! اقبال ہمیشہ دیر سے آتا ہے''...... سادا مراد مُشفق سا اُستاد بات کی گھات کو کچھ سمجھا کہ نہیں' البتہ اپنے اس ہونہار اجل فکر شاگرد کے جواب سے اسے اک گونہ مسرت کا احساس ضرور ہُوا۔ اس جواب میں مستور عرفانی بالیدگی کو جیسے اس نے اپنی رُوح پہ مترشح ہوتا ہوا محسوس کیا۔ چند بہجت افروز لمحات کے توقف کے بعد وہ بڑی رسائی سے جواباً گویا ہوا...... ''صاحب اقبال دیر سے نہیں بڑی سویرے سویرے آتا ہے''...... سر اقبال!

اُن کی علمی' فکری اور روحانی دانش و بصیرت' انسانی' ملّی اور آفاقی فلسفیانہ خدمات کے اعتراف میں جہاں اپنوں نے انہیں حکیم الاُمّت' شاعرِ مشرق' عاشقِ رسول' واقفِ اسرار' آشنائے راز' مردِ حق آگاہ اور پتہ نہیں کیسے کیسے القابات سے نوازا' وہیں دیگر مذاہب و عُلوم کے عُلماء نے بھی اُنہیں ڈاکٹر اور سر جیسے خطابات سے اُن کی قدر افزائی کی۔''

وہ کہہ رہا تھا...... '' وہ کلاس رُوم' بنچ' لیبارٹری والی پچھلی گلی...... گورنمنٹ سکول کی گراؤنڈ اور ریل کی پٹڑی والی جگہ...... یہ سب وہی جگہیں ہیں جدھر وہ پہروں بیٹھا کرتے تھے۔ کیونکہ ہر جگہ بیٹھنے' کھڑے ہونے یا غور و فکر کرنے کی نہیں ہوتی اور علامہ اس راز و حکمت سے کماحقہ واقف تھے...... نہ ہی ہر کس و ناکس سے ذوق' ہر مدرس سے علم اور ہر بزرگ سے باطنی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ انسانوں کی طرح جگہیں' جہتیں' جانور اور دیگر اشیاء بھی کسی بزرگ کی بخششیں [illegible] کسی نہ کسی طور بزرگ [illegible] ہو جاتی ہیں...... نسبت بڑی چیز ہے...... قسمت بدل دیتی ہے......!''

چلتے چلتے ایکا ایکی رُک گیا۔ آنکھوں میں آنکھیں گاڑتا ہُوا کہنے لگا۔

'' یہی وقت اُن کے لئے خاص ہوتا تھا...... ریل کی پٹڑی پہ اُس مخصوص جگہ' [illegible] نیچے کی چوٹی کیلیوں جائں [illegible] تے ہیں۔''

اچانک میں نے پوچھ لیا۔ '' خاص طور پہ یہی جگہ کیوں...... سیالکوٹ سارا ہی ان کی جولانگاہ تھا اور ہاں! یہ جو ابھی تم نے کہا ہے کہ ہم دونوں بہن بھائی یہ اہتمام کرتے ہیں...... یہ بات میں کچھ سمجھا نہیں۔''

قدرے جھلاتے ہوئے بولا۔ '' دیکھو بھائی! ایک مثال دے کر سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تم شاید جانتے ہی ہوگے کہ تجسیم افلاکی اور اسرار آفاقی کے مشاہدہ مطالعہ کے لئے مشاہدہ گاہیں' سیارگاہیں' سیربین گاہ جگہ نہیں بنائی جاسکتیں۔ جیسے قلعے' چھاؤنیاں' ڈیم' ذخیرہ گاہیں' جھیلیں' ہسپتال اور عبادت گاہیں ہر عام جگہ پہ نہیں بن سکتے۔ اسی طرح مضامین خاص پہ غور کرنے کے لئے بھی کہیں ایسی خاص جگہ کی ضرورت پیش آتی ہے جس جگہ پہ ارضی اور سماوی استعانتوں کا کوئی واضح اتصال ہو۔ نورِ مثال کی کرنوں کے رنگ' خاص طور پہ زرد سبز سفید اس جگہ پہ اک خاص زاویہ سے ارتکاز کرتے ہیں۔ مٹی' پتھر' چوب اور آہن خاص کا میلان ہو قطبی تارا' سامنے پیشانی کے قطب پہ...... کوہ مقتا' دائیں جانب...... جھیل سیف الملوک' بائیں کان کی لو کے نیچے...... پشت پہ غازہ کے رنگ راز...... یہ سب تشرفات' اُس جگہ کو اک مقام خاص بنا دیتے ہیں۔ جیسے کسی طالبعلم کے لئے کسی درخت کی گھنی چھاؤں' تنے سے ٹیک' آس پاس خاموشی اور خوشگوار موسم' اُس توجہ پہ [illegible] کی جانب رغبت کا باعث بنتے ہیں۔ بعینہٖ تفلسف و تصوف' مشاہدات و مکشوفات کے طالبعلم کے لئے ایسے

گوشہء تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کی ہر اس سمت اس کے لئے ممد ثابت ہو۔ ایسی جگہ کی نشاندہی اُسے خود بخود ہو جاتی ہے۔"

"میں دوبارہ پوچھ رہا ہوں کیا پورے سیالکوٹ میں بس یہی ایک جگہ ہے؟"

"ہاں' بلکہ پورے ضلع میں یہی ایک خاص پوائنٹ ہے جہاں اَرض کے نیچے کے ذروج اور فلک کے بروج ایک ہی راس کے رُخ پہ اکثر مقابل رہتے ہیں۔ کرۂ اَرض پہ ایسی جگہیں روزِ ازل سے ہی مخصوص تھیں۔ کوہِ طور' غارِ حراء' فلسطین کی وادیاں اور پہاڑ' گیا کا جنگل' چاہِ کنعاں' زرتشت کا اَلاؤ' بندرا بن' پورن بھگت کا کھوہ' جھیل سیف الملوک' ٹیکسلا اور کابل کے پہاڑ' مہرولی' کلیئر کی ویرانی' حجرہ شاہ مقیم وغیرہ ہر اَوتار' پیغمبر' ولی' قطب' رِشی' مہاتما کہیں نہ کہیں گیان دھیان' عبادت و ریاضت کے لئے بیٹھے...... مہاتما بدھ' شری رام چندر جی' بابا جی گورو نانک' سیّد وارث شاہ' بُلھے شاہ' عارف کھڑی شریف' شاہ حسین اور بھی بہت سے بزرگوں کے بے شمار استھان تھے۔ سرکار داتا گنج بخشؒ کے لئے لاہور میں یہی بہ ایسی جگہ' جہاں پہ آج سرکار کا مزار شریف ہے۔ منگھو پیر سرکار کے لئے دُور ویرانے میں منگھو کی پہاڑیوں میں عبادت اور مرقد کے قطعہء اَرض مقرر ہوا...... ایسی برگزیدہ اور اوصافِ رُوحانی کی حامل جگہیں [illegible] آفاقی [illegible] طالب [illegible] سالک کے لئے [illegible] زو کر دی جاتی ہیں۔"

ہم دونوں انہی باتوں میں مگن' اڈا شہباز خان پہنچ آئے۔ لوہاروں والے بازار ایک پکوڑوں والی دوکان پہ کچھ پیٹ آسرا کیا اور ساتھ بغلی گلی سے ہوتے ہوئے قلعہ پہ چڑھ آئے۔ مشرق کی جانب قریباً اٹھارہ کوس پَرے جموں شہر ہے مطلع صاف [illegible] کے اُجالے میں وہاں کی عمارات و محلات کی ہلکی پھلکی جھلک دکھائی دے جاتی ہے جبکہ رات کے وقت اُبھرتی ڈوبتی روشنیاں' دُور جھاڑ میں جگنوؤں کی مانند جھلملاتی ہوئی بڑی بھلی لگتی ہیں۔

اُوپر پہنچتے ہی ہم پیر مُرادیے کے مزار پہ حاضر ہوئے...... فاتحہ دُعا کے بعد ہم وہیں پہ چھوٹی سیالکوٹی اینٹوں سے اُٹھی ہوئی شمالی دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز سے پڑ گئے۔ دونوں خاموش...... جیسے کہنے سُننے کے لئے اَب ہمارے پاس کچھ باقی نہ بچا ہو...... کھانے کا خمار یا لمبی آوارہ گردی' قلعہ پہ چڑھنے کی تھکاوٹ کہ ہم اِک دُوجے کا آسرا کیئے ہوئے اَب بے سُدھ سے پڑے تھے۔

ظاہری' خارجی عوامل و کیفیات کھلی آنکھوں اور باہوش و حواس' دیکھی یا محسوس کی جا سکتی ہیں۔ مگر رُوحانی یا بطونی کیفیات و معاملات کی تہذیب و تکمیل اکثر حالات میں جاگتی آنکھوں اور عقل و شعور کی بیداری میں ممکن نہیں ہوتی۔ جیسے پیٹ بھر کر کھانے سے ڈکار اور خمار کی آمد شروع ہو جاتی ہے یا جیسے محنت و مشقت سے

مُور انسان کی آنکھیں خود بخود مُندنے لگتی ہیں۔ انسان اپنے جسمانی فطری تقاضوں کے آگے بے بس سا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح ذوق و شوق' علم و عشق اور جذب و جنون کے تقاضے بھی طالب کو رول کر رکھ دیتے ہیں...... پندارِ ذات' نفسِ اَمارہ' اَنا' بھرم بھروسہ سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہم دونوں کی حالت یُوں جیسے چار چار بوتلیں خون کی نِکلوا کر یہاں پڑے ہیں۔

مُندھی مُندھی آنکھوں سے میں نے اُسے ٹٹولا...... وہ گردن ڈالے بے سُرت سا پڑا تھا۔ ٹہوکا مارتے ہوئے میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"لیلک صاحب! کیا آج اِدھر ہی قیام کا ارادہ ہے...... اُٹھیں' چلیں یہاں سے ورنہ نیند' ہمیں یہیں پہ چوپٹ کر دے گی......"

اُس نے بھاری پپوٹے موم کی دُم پچپاتے ہوئے بمشکل جواب دیا۔

"نیند' غنودگی' گمشدگی' محویت' حظ اور خالی الذہنی...... اگر تم اِن کیفیات کے معنی' مطلب جانتے ہو تو اس وقت جس کیفیت و حال میں سے ہم گزر رہے ہیں' اس کے بارے میں بھی تمہیں کچھ ادراک ہوگا کہ خواب دیکھنے کے لیے جسمانی نیند کا غلبہ رہنے کے لیے لازمی [illegible]...... القا کے لیے روحانی تابندگی اور تصرف کے لیے عقل' احساس اور مادہ [illegible] اجتناب ضروری ٹھہرتا ہے۔ کبوتر بلی کے خوف سے آنکھیں بند نہیں کرتا۔ بلکہ جبلی بُو تو وہ اس کی آمد سے قبل ہی محسوس کر لیتا ہے۔ اپنی جان بھی بچا سکتا ہے...... مگر وہ دُرویش تو مشاہدۂ عصر کے ایسے مقام پہ ہوتا ہے جہاں نقدیٔ جاں' متاعِ عزیز نہیں ہوتی بلکہ تب کی ٹھہری ہوئی ساعتیں حرزِ جاں ہی ہوتی ہیں جو [illegible] موجود کا اصل ہوتی ہیں [illegible] کہ لذت آفرینی میں کچھ سا محو گھڑیاں' یُوں بھی دَر آتی ہیں کہ اُن کے رُوبرو صدیوں کی زندگی بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے۔ کچھوا تال پہ رہتا ہوا' پاتال سے جُڑا رہتا ہے۔ خشک کھُردرا' بے زیبا' ڈھَن...... ایک سی کرنے اور چلنے والا' حد اور قد میں سمٹا ہوا۔ پانی میں اُترتا ہے کہ پانی پانی ہو جائے کہ پانی کا قطرہ سے گہرا سمبندھ ہے...... کچھوا اور کُتا دونوں اُونچائی بلندی سے گھبراتے ہیں' زمین سے علیحدہ نہیں ہوتے...... کوّا آب کا نہ خاک کا اور نہ اُونچی اُڑان کا اور کبوتر' تو وہ آسمان کا تارا بنا رہنا پسند کرتا ہے مگر دھیان اور سنتان کے لیے گھونسلہ زمین کے قُرب میں بناتا ہے اس لیے بلّی اور شکاری کی زد میں رہتا ہے۔ اَب کچھوا' کوّا اور کُتا' گھر گھاٹ کے نہیں ہوتے اور نہ ہی کسی بیکار سی بلّی سے اُن کا کوئی جھگڑا رہتا ہے۔"

میں نے اِس تمہید طولانی سے قدرے اُوب کر قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی جان! جان کی امان پاؤں تو گزارش کروں کہ میری طرح آپ بھی اس وقت اچھی خاصی

غنودگی کی زد میں ہیں جس کا نتیجہ آپ کی یہ پُر مغز گفتگو اور میرا کمال متانت، صبر سے سماعت کرنا ہے۔ اصل میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ نیند کے غلبے میں ہم کہیں یہیں بے سُدھ ہو کے نہ پڑ جائیں۔ جبکہ یہ جگہ کسی بھی طور قیلولہ کے لائق نہیں...... اتنا تو آپ کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اس قلعہ پہ محض پیر مُرادیہ کا مزار ہی نہیں پولیس ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔“

اُستادِ محترم نے مراقبہ کی سی کیفیت سے نکلتے ہوئے اِک نگاہِ غلط مجھ پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”تم نے ابھی جو کہا کہ اس میں پولیس ہیڈ کوارٹر تو یاد رہا لیکن پیر مُرادیے کے ساتھ اقبال میموریل ہال کا نام لینا شاید تمہیں یاد نہیں رہا۔ افسوس کہ ہم شکم پرور نہ بھوک کے آپے میں رہتے اور نہ پیٹ بھرے ہوئے کسی کام کے...... دیکھ لو وہاں ریلوے پٹڑی سے تمہیں بھوک نے اُٹھایا اور یہاں شکم سیری تمہیں ٹہلا رہی ہے جبکہ یہ جگہیں وہ ہیں جہاں علامہ صاحب نے اِک خاص عرصہ بیٹھ کے خرد و بینش اور عشق و جذب کی لاینحل گتھیاں سلجھائیں۔ پیٹ کی بھوک اور خمار، معرفت کی راہ میں بہت بڑی رُکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ اس لیے ان میں مناسب اعتدال برقرار رکھنا ضروری ہوتا ہے۔“

وہ [illegible] مراقبے کی حالت میں بیٹھے ہوئے کہنے لگے

”[illegible] بہتر ہے [illegible] تھوڑا سا [illegible] ہو جاؤ...... باہر دھوپ اور تپش ہے...... ذرا سورج جھکائی لے لے تو پھر ٹھنڈے ٹھنڈے نکلیں گے۔“

آنکھیں موندتے ہی جیسے اندر کا مشک جاگ پڑا...... مدھم سی مہکار نے ہلکی ہلکی تھپکیاں دینی شروع کر دیں...... جسم جیسے کافور کی ٹھنڈی [illegible] فضاؤں میں تحلیل ہو رہا ہو۔ محسوس ہُوا جیسے زمان و مکان کے بند دروازے یکے بعد دیگرے تیزی سے وا ہوتے جا رہے ہیں پھر یکلخت رواں وقت نے اُلٹ بازی لگا کر، عہدِ رفتہ کی جانب رُخ پھیر لیا۔

● سیالکوٹ، عہدِ رفتہ کو لَوٹ......!

صدیوں پہلے کا گُم گُماج...... راجہ سالبان کا راج پاٹ۔ جا بجا گئوشالے، دھرم شالے، چوپالے اور مندر مندارے...... رو پہلی چمکتے کلس، باج ناچتے ہوئے سنگھ سینگے، کھڑتالیں اور گھنٹیاں لے گھڑیالے...... گھر گھر سے اُوم شانتی اُوم، آرتیاں، ڈنڈوت، پراتھنائیں۔ سرنیں، پُوجا پاٹ اور دان دکھشائیں یعنی رجبہ دھنوان اور پرجا بھاگوان، ہر اَور شانتی ہی شانتی...... گنج و گودام، مایا موتی اور اَن و اناج جگہ ڈالانے اور پشو باڑے مال

مویشیوں سے بھرے پُرے تھے...... کھیت کھلیانوں میں ہریالی' بارآوری کیوں نہ ہوتی کہ جموں کشمیر کی [illegible] سے سُہانے موسموں اور سُہاگن پُروائیوں کی بہاریں پرے باندھے' یہاں اُترتی تھیں...... گھمبیرے بادلوں کے قافلے دَر قافلے' کشمیر کی وادیوں سے اُڑتے ہوئے دُوجی ٹیکی یہیں پہ لیتے...... اُدھر جموں کی راج دھانی سے دھان پان سی ندی' عیکاں رانی' راج بھون کے پائے لگ کر' جبہ جالیاں کے انگ چُھوتے ہوئے آگے بڑھ جاتی...... الھڑ عیک ندی کا گھاٹ بھی بڑا اسریکھا گھاٹ تھا...... اس کے کنارے' کسی البیلی ناری کے [illegible] گوٹ کناری کی مانند بجل تھے...... یہیں پہ دھوبی گھاٹ' گئو گھاٹ' منچھ اور ناری گھاٹ بھی تھے [illegible] اوڑ' شہر سے قدرے دُور مرتیو گھاٹ یعنی شمشان گھاٹ بھی تھا...... یہاں عیک ندی' قدرے گہری اُتری [illegible] بغل پاٹ میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہیں کنارے' نسبتاً ایک اُونچے ٹیلے پہ اَوتلہ مندر تھا۔ یہ مندر کہیں جیتی پانڈوں کے وقتوں کے اک اُوشد حالیہ آشرم کے ڈھب پہ تھا...... اِدھر کریا کرم مُردوں کو آگ دکھانے ستی کرنے کے ڈھنگ ڈھب' ہون کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ یہ مندر نما آشرم یا آشرم نما معبد' اوپر سے کہیں زیادہ دھرتی کے اندر تھا۔ کسی خاص طریقہ سے عیک ندی کی اِک آبجو' نیچے تہہ خانوں سے ہو گزرتی تھی۔ جس کے پوتر پانی سے ابھرنے والے پُتلوں کی مٹی گلی گوندھی جاتی تھی۔ یہیں [illegible] نیچے ایک تہہ خانہ [illegible] ایک پُراسرار سا کارخانہ تھا۔ جہاں [illegible] عجیب [illegible] والے پُراسرار کاریگر [illegible] اور دیگر مسالوں [illegible] مُردوں کی پھول راکھ گوندھ کر چھوٹے چھوٹے بُت بناتے تھے...... اس دور میں بُت پرستی تو اپنے عروج پہ تھی ہی تاہم اس کے ساتھ ساتھ اک خاص انداز کی توہم پرستی اور پنڈت پانڈ پرستی بھی انتہا پہ تھی۔ یہاں کے یہ کاریگر پانڈے پروہتوں کی اک خاص گوت سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اپنے بزرگوں سے سینہ بہ سینہ قدیمی فن سے ایسے پُراسرار پتلے گڑھتے جن کی شکل وصورت' آنت سنسکار سے انہیں دکھائی دیتی...... مندر کے پُراسرار تہہ خانوں میں یہ پُتلے تکمیل کے مختلف مراحل سے گزرتے...... رنگ روغن چڑھایا جاتا' عیک ندی میں جل اشنان کرایا جاتا۔ پھر اک خاص سجا سجا کر ہون کیا جاتا۔ سورگ باشی کے پریوار کو جھوٹی سچی کتھائیں اور اگلے جنم کی خوشخبریاں سنا کر دھیلے پیسے بٹورے جاتے۔ ان طلسماتی پتلوں کو پسماندگان خرید کر اپنے گھروں کے مندروں میں دوسرے دیوتاؤں کی مورتیوں کے ساتھ سجا دیتے اور پھر ان کی پرستش پوجا بھی ان کا روزمرہ بن جاتی۔

اس اَوتلہ مندر کے گہرے اندھیرے پُراسرار تہہ خانوں میں کچھ ایسے چمتکاری پتلوں پہ بھی کام ہوتا جو صرف اور صرف راجہ اور راجدھانی کے بڑے مندر کے لئے مخصوص ہوتے۔ انہیں جوتش جنتر جل کے حساب سے بنایا جاتا۔ ان خاص الخاص پتلوں کی گل میں جہاں شاہی شمشان گھاٹ کی راکھ مٹی استعمال ہوتی وہیں اس میں گنگا جل' بندرابن' ہری دوار' متھرا' بنارس اور دیگر پوتر استھانوں کی مختلف اشیاء بھی شامل کی

جاتیں۔ بڑے مہان جوتشی' پنڈت' بُت تراش اور دیگر فنکار اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے۔ اس کار کرم میں جہاں انسانی محنت و ہنر کام کرتے' وہیں زر و جواہر' سونا چاندی کانسی وغیرہ بھی استعمال میں لائے جاتے۔ اصل مُورتیوں پُتلوں کی گِل...... سُرخ ملتانی مٹی' کھڑا چُونا' تھگل ریت' چیڑ کی پکی گوند' جوٹ ریشے' بانس کی جڑیں...... ماش کی دال' تُلسی کی بیج' گنگا جل' پیپل جھاڑی کی گوگلیں' اَملتاس کی بالوں کی آمیزے سے تیار ہوتی...... چندن' مہوہ' برگد اور ناریل کاٹھ کی اَگنی بھسم سے سُرخ آنچ دے کر عیک ندی کے مُورتی گھاٹ کی مُورتی تلائی میں پُورنماشی کی رات جوگ اشنان دیا جاتا' تب کہیں یہ مہا پُوتر پتلے شکتی پھل ہوتے...... پھر حسبِ مراتب انہیں سونے' چاندی یا کانسی کے ہلکے بھاری پتروں سے منڈھ دیا جاتا۔

پُروہت پنگت پرشاد نہ صرف اس شاہی صنم خانے کا مہان پجاری چتر کار تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ وہ راجہ کا مشیرِ خاص بھی تھا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ راجہ کا دایاں بازو اور دماغ تھا۔ ظاہر ہے فیصلہ تو راجہ کرتا مگر بھیتر میں سوچتا اور کھوجتا وہی تھا...... یہ اُنہی دنوں کی کتھا ہے کہ راجہ اپنے قلعہ کی تعمیر کی [illegible] میں ایسا پھنسا کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کیا کرے اور کیا نہ کرے' قلعہ کی دیواریں اِدھر سر اُٹھاتیں اُدھر دھڑام سے ڈھے جاتیں۔ بنیاد [illegible] مضبوط' سامان مسالہ پورا...... ہُنر مند یکتا [illegible]...... نگہداری پوری [illegible]...... سب...... اس کے باوجود [illegible] کا کوئی اُپائے دِکھائی دیتا...... پچھلے کئی مہینے اسی طرح گزر گئے تھے۔ راجہ اور پرجا کا سکھ چین اس ناکامی نے چھین لیا تھا۔

شاہی مندر میں چندر گرہن سمے کی متوقع اَشبھ گھڑی کو ٹالنے کے کارن ایک [illegible] پراتھنا کا اہتمام کیا گیا تھا۔ راجہ اپنے تمام کُنبے کے ساتھ [illegible] میں شریک تھا۔ [illegible] اپنی اپنی جگہ پہ مؤدب کھڑے تھے۔ شاہی پروہت پنگت پرشاد اپنی سنگت میں تمام پنڈتوں پجاریوں حواریوں کو لیے ہَون میں شریک تھا کہ اچانک تھرتھراتا ہوا' بڑے پتلے کے آگے سے ہٹ کر راجہ کے رُوبرو سر جھکائے کھڑا ہو گیا' جیسے وہ کسی انجانی ناکامی سے دوچار ہوا ہو...... راجہ کے استفسار پہ وہ بدقت بولا۔

''مہابلی! ہم بہت بڑے سنکٹ میں پھنس پڑے ہیں...... یم ناتھ ہم سے ناراض دِکھائی دیتے ہیں۔ جو بڑے جوکھم جھنجھٹ کا کارن بن سکتی ہے۔''

راجہ نے قدرے متردد ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی چارہ کرو مہاراج! کوئی بلیدان...... دان دکھشنا' کچھ تو انت اُپائے ہوگا......؟''

پروہت' راجہ کا حکم سُن کر مزید گھبراتے ہوئے گڑگڑایا۔

''مہابلی! یم راج چندرما اور راہو کے بیچ براجمان ہو چکا ہے۔''

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ چوبدار نے جان کی اَمان چاہتے ہوئے ایک ضروری خبر سُنانے کی اجازت چاہی...... اشارہ پاتے ہی وہ گویا ہوا۔

"زیرِ تعمیر قلعہ کی بڑی دیوار چار منزل تک تعمیر ہونے کے پھر ڈھیر ہو گئی ہے اس کے گرنے سے کئی مزدور اور دوسرے کئی لوگوں کا کلیان ہو گیا ہے۔

سیالکوٹ شہر کے قلب میں ایک اُونچا پہاڑی نما ٹبہ ہے۔ یہ ٹبہ کیسے وجود میں آیا کوئی نہیں جانتا۔ اس دور اس کے راجہ نے راج پاٹ سنبھالتے ہی اپنے مشیروں کی تجویز پہ اس اُونچے اور وسیع ٹبے پہ ایک کثیر المقاصد قلعہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا اور فی الفور اس کی ابتدائی تعمیر کا حکم بھی صادر کر دیا۔ اس حکم کے پیچھے بھی اسی شاہی مندر کے اس پروہت کی آشیرواد شامل تھی جو اپنے جانے انجانے دیوتاؤں سے شگون اور آشیرواد لیتا تھا مگر اب درمیان میں اچانک راہو ٹپک پڑا کہ قلعہ کی تعمیر کے متعلق ہر بنا کام بگڑ جاتا بلکہ دھن اور سمے کے علاوہ کئی ایک جانوں کا نقصان بھی ہو چکا تھا...... اس منصوبہ کی ناکامی راجہ کے لئے بہت بڑی بدنامی تھی وہ ہر قیمت قربانی کے عوض اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا مگر کیا کیجئے کہ وہ جتنا مقدور بھر زور [illegible] کر کے آگے بڑھنے کی کوشش [illegible] پیچھے [illegible]...... جب ہر چارہ بے چارہ ہو کر رہ گیا تو راجہ نے دیش بدیش سے بڑے بڑے بدھی مان، جوتشی، مہندسین، جغرافیہ دان، پرتھو تعمیراتی فن و کار کے [illegible] کاریگر اکٹھے کیئے۔ تاکہ کوئی ایسا طریقہ کار اختیار کیا جائے جس سے اس کی خواہش کی تکمیل ممکن ہو سکے۔ کئی روز [illegible] مغز کھپائی اور مشاورت کے بعد ایک اُپائے سامنے لایا گیا کہ جوتشی اور پرتھوی تھالے کی بدھیا یہ بتاتی ہے کہ اس ٹبے کے اتھاہ بھیتر کچھ ایسی اُشدھ شکتیاں ہیں جو یہ نہیں چاہتی کہ اس ٹبے پہ کوئی قلعہ یا ایسی عمارت تعمیر ہو جن میں آگنی سے سرخ کی ہوئی اینٹیں بطیں استعمال ہوں۔ اسی حیص بیص میں وقت بہت آگے نکل گیا...... قریب و دور کے چھوٹے موٹے راجاؤں سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ راجہ کے لئے اپنی راجدھانی کے لئے ایک مضبوط قلعہ کی ضرورت شدید تر ہو گئی۔

پروہت پنڈت پرشاد پچھلے کئی دنوں سے اپنے اسی ایک ندی والے پوجا استھان پہ پڑا اسی تپسیا کا کشٹ بھوگ رہا تھا کہ کسی طرح اس کا کوئی اُپائے دکھائی دے جائے...... مہان پروہت اور راجہ کا معتمد ہونے کی بنا پہ اس کے وقار کا مسئلہ بھی بن چکا تھا...... لمبی چوڑی تپسیا اور دکھشا بھینٹ کے بعد بالآخر اس کو ایک اُپائے سوجھا...... اس سوجھاہٹ میں کالی اور شکتی ماں کی پوری پوری شکتی اور سہاتا شامل تھی۔ شکتی ماں کے شردے نے اسے اُس درویش کی شکل بھی دکھا دی تھی جو بتوں، پتلوں کو نہیں بلکہ ایک خدائے برتر پہ ایمان رکھتا

تھا جو کہ تمام عالمین کا رب ہے...... جس کے علاوہ اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ ایک ندی کے ایک ویران سے کنارے پہ وہ نہ جانے کب سے قیام کیئے ہوئے تھا۔ گھاس پھونس کا ایک چھوٹا سا جھونپڑا اُس کی آماجگاہ تھا۔ بے سروسامانی کا یہ عالم کہ مٹی کا ایک لوٹا، پیالہ...... تن کے مُوٹے مُوٹے کپڑے، پھٹی پرانی سی دلق، کھجوری پتوں ڈنٹھلوں کی چٹائی...... چمڑے کا ایک ڈھیلا سا تھیلا، جس میں، جو کے ستو، کچھ خشک خوبانیاں اور کھجوریں تھیں...... اس کفرستان میں یہ شاید اکیلا اللہ کا بندہ مسلمان تھا جو اللہ کی کسی رضا کے تحت، نہ جانے کدھر سے جوکھموں کا سفر طے کر کے اِدھر پڑا ہوا تھا۔ اس ویران سنسان سی جگہ پہ کون تھا جو دیکھتا کہ یہ ہندو ہے یا کسی اور دھرم کا پیروکار......!''

پروہت پنکت پرشاد نے اپنی دُردبدّیا اور شکل مان کے شردے کی شکتی سے اُسے کھوج لیا تھا اور جان لیا، یہی وہ مسلمان مہاشے ہیں جن کے بلیدان سے مجوزہ قلعہ والے ٹیلے پہ گہری فصیل کی اونچی دیواریں، تیار گہری بنیادوں پہ اُٹھائی جا سکتی ہیں۔ یہ پتہ پڑتے ہی اُس نے کمال عُجلت سے اپنے خاص کارندوں کو اُس درویش کی نگہداشت پہ معمور کرتے ہوئے راجہ کے چرنوں میں حاضر ہو کر تمام کتھا سنائی اور دن رات کی جان توڑ تپسیا کا ذکر کرتے ہوئے یہ خوشخبری دی کہ اب مہاراج اور مہاراج [illegible] کی کامنا کے پھل [illegible] آگا ہے۔ دھن ہو کہ دیوتاؤں نے ہماری بھگتیوں کو سویکار کرتے ہوئے اب ایک آخری [illegible] کا آدرش دیا ہے۔ راجہ کے پوچھنے پہ مزید بتایا کہ کسی مسلمان بھگت آتما کی بَلی چڑھانی پڑے گی...... قلعے کی دیواروں اور فصیل کی اتھاہ نیچے کسی ایسے بھگت و گیانی کا خون سینچنا پڑے گا جو ہندو بھگتی کا منچھ نہ ہو...... تب جا کر یم راج ہماری بھگتیوں اور پراتھناؤں کو سویکار کریں گے۔''

راجہ کسی اتھاہ چنتا سے نکلتا ہُوا پُوچھنے لگا۔

''مہادیو! ہماری راجدھانی میں کون ایسا منچھ ہوگا جو ہندو جاتی سے بھی نہ ہو اور بھگت گیانی بھی ہو...... پرنتو کسی نردوش بھگت کا خون خرابہ کرنا ہمیں شوبھا دیتا ہے...... کیا یہ کسی دھیانی گیانی کے ساتھ انیائے نہ ہوگا؟''

پروہت نے دایاں ہاتھ دل پہ رکھتے ہوئے مزید جُھک کر کہا۔

''مہاراج! دھرم شاستروں والے اور ہندو سکشا یہی بتاتے ہیں کہ ہمیں اپنے دھرم، دھرتی، دھن، دھوم اور دھیرج کو اوش اتم رکھنا چاہئے، پرنتو اس کے کارن ہمیں بڑی سے بڑی بَلی ہی کیوں نہ چڑھانی پڑے...... یہ قلعہ کا سرن سندپ بھی ہمارے دھرم اور دھوم دھڑے کے سنگرام کا ہے۔ اس کے لیے ہم کسی بھی بلیدان سے دریغ نہیں کریں گے۔''

بُردبار راجہ نے اپنے اس بُڈھی مَان شاہی مہنت اور مشیرِ خاص کے اس فلسفۂ حکومت کو کمال تحمّل سے [illegible] اور مزید استفسار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس مہاپُرش کو کھوجنے کا کیا وطیرہ ہوگا جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ہماری راجدھانی میں کوئی ایسا مسلمان گیانی دھیانی نہ ہوگا جس کی بَلی چڑھانے سے قلعہ کی دیواریں اپنی نیہوں پہ ٹھہریں رہیں گی......؟"

پروہت پنگٹ چند نے کمال چاپلوسی سے راجہ کو رام کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"مہاراج کی چھتر چھاؤں میں رہتے ہوئے اس داس کو کسی طرح کی کوئی چنتا نہیں...... میری تپسیا کو سویکار کرتے ہوئے دیوتاؤں نے اس مسلمان ملیچھ کو ہماری راکھن عیک ندیا کے رِشی گھاٹ پہ اُتار دیا ہے۔ دیوتا یم دوت نے اس کی جانکاری پراپت کر دی ہے۔ بس! اس چندن چوتھ پہ آپ کی آگیا اور آگی [illegible] سے اس کارکرم کی شروعات ہو جانی چاہیے کہ سمے کی سمسیا اور جوتش کی جیوتی کی بھی جے کار سنائی دیتی ہے۔"

راجہ نے اُس کا مشورہ، جس پہ عمل کرنے سے کسی زردوش مسلمان کی جان جاتی تھی اور یہ بھی کہ [illegible] میں دیوتاؤں [illegible] آشیرواد بھی شامل تھا، مَن کر [illegible] بادشاہ [illegible] ان کے ہاتھوں میں [illegible] حکومت کی ننگی تلوار ہوتی ہے بلکہ اکثر اس لیے کہلاتے ہیں کہ ان کے سروں میں کہیں بھیجا بھی ہوتا ہے اور وہ اس سے کام بھی لیتے ہیں۔ ان کی رعایا میں محض انسان ہی نہیں دیگر مخلوق بھی ہوتی ہے۔ مذہب و مسلک کی تخصیص کے بغیر وہ حکمران سب کا مائی باپ ہوتا ہے [illegible] شفقت کے نیچے سب ایک [illegible] طرح ہوتے ہیں۔ بادشاہ بادل کی مانند...... راجہ روشنی کی طرح اور سردار سرسراتی ہوئی فرحت بخش پُروائی جیسا حاکم وہ، جو حق و انصاف کو عدالتوں کچہریوں سے اُٹھا کر مظلوموں، انصاف خواہوں کی دسترس تک لائے۔ یہ بھی ایسا ہی کوئی راجہ تھا جسے شاید راج پاٹ یونہی ملا تھا جیسے چکّی کے پاٹ کے نیچے بِل میں چھپی چیونٹی کو بِن محنت و طلب آٹا پھنکیوں کی صورت مل جاتا ہے......

بِن مانگے موتی ملیں، مانگے ملے نہ بھیک

راجہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد گہری نظروں سے پروہت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی جوتش ودیا آنے والے سمے کے بارے میں کیا دکھاتی ہے...... اس مسلمان بھگت کے بلیدان سے قلعہ کی سنکٹ دُور ہو جائے گی۔ ہمارا راج پاٹ سُکھی رہے گا......؟"

پروہت نے آنکھیں میچے ہوئے دبی دبی آواز میں جواب دیا۔

''آکاش کو چھوتی ہوئی بلند مضبوط دیواریں دیکھ رہا ہوں...... قلعہ کے بلند استھان پہ ایک ہرا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ شہر کی اُونچی دیوار پہ آپ کا شبھ نام لکھا ہے...... بس' یہی کچھ دِکھائی دیتا ہے۔''

ہونی نے ہونا تھا' سمے کی کوکھ سے اِک اور سمے نے جنم لینا تھا...... تعمیر سے تخریب اور تخریب سے تعمیر نکلتی ہے۔ شہیدِ اوّل پیر مُرادیے کی قربانی سے سیالکوٹ کی سرزمین کو اقبال ملا...... یہی وہ جگہ تھی جس کی اتھاہ گہرائی میں پیر مرادیے کی بَلی چڑھائی گئی...... آپ کے خون سے بڑی دیوار کی اساس کو سینچا گیا' آپ کی کٹی گردن اور جسدِ مبارک کو دفن کر کے اُوپر دیوار چُن دی گئی...... وقت بدلا' فطرت کی اُتھل پتھل جاری رہی...... پُرانوں کی جگہ نئے آ گئے۔ راجہ کا راج پاٹ چوپٹ ہو گیا۔ دیوتاؤں اور جیوتش سے شگن لینے والا شاہی پُروہت اِسی قلعہ سے نیچے گر کر ہلاک ہو گیا لیکن اِس راجہ کا نام' سیالکوٹ کی صُورت میں شاید اس لیے باقی رہا کہ اُس کے دِل میں اُس دُرویش کے لیے دَیا تھی وہ اُس کا بلیدان نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہی کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

قلعے کے نیچے بڑے بازار میں مسجد دو دروازہ ہے جس کی بغل میں اقبالؒ کا آبائی مکان آج بھی موجود ہے۔ لڑکپن کا زمانہ...... علی الصباح' دوڑتے ہوئے [illegible] رہا گھاس منڈی کی راہ [illegible] قلعہ پہ چڑھ لیتے' اِدھر یہاں [illegible] فارغ ہوتے [illegible] ہو جاتے۔ یہاں سے فارغ ہو کر امام علی الحقؒ کے مزار پہ چلے جاتے...... یعنی مولوی میر حسنؒ کی صُحبتوں میں بیٹھنے سے کچھ پہلے ان کی باطنی تربیت کی الف بائے اُدھر سے ہی شروع ہوئی تھی بعد اَ حضرت داتا علی ہجویریؒ، گولڑہ شریف، شرقپور شریف کی بارگاہوں سے شرف پذیرائی نصیب ہُوا...... ایک زمانہ بعد کہیں جا کر قونیہ شریف کے رُوحانی سفر کے ویزے کا ٹھپہ لگا۔

بھٹ اگرچہ ٹھنڈا ہی کیوں نہ ہو' اس کے گرد وگرد کی زمین مٹی' سیاہ رنگت اور مزاجاً تلخ و تُند ہوتی ہے اور کم وبیش ایسے ہی رہتی ہے۔ تاوقتیکہ اُسے نکال کر پھینکا نہ جائے۔ ایسے ہی دُرویش' عالم' وَلی' عاشق' مجذوب اور قلندر کہیں ٹھکانا کر لیں تو وہ جگہ' مقام' مٹی' اِرد گرد کا ماحول فضا' اِک خاص تاثیر و تشرف کی سزاوار ہو جاتی ہے...... وقت کی گردش' زمانے کی تغیر و تبدّل اِس سرمدی خوشبو اور رُوحانی مقناطیسیت پہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ بندے کا باطن صیقل ہو اور حسیاتِ نُورانیہ پہ زنگ کا غُبار چھایا ہُوا نہ ہو تو واضح طور پہ محسوس ہو جاتا ہے کہ اِدھر کبھی کہیں کوئی آبلہ پا' شکستہ دِل' خستہ حال و ملال اور قُطب نگاہ ہو گزرا تھا۔ اِس کے قدوم لزوم پڑے تھے' اُس کا اِدھر قیام تفخر ایّام رہا۔ جدھر سے بہاروں کے قافلے گزر لیں' اُن رَوشوں رہگزاروں پہ نکہتوں اور فرحت بیزیوں کے سائے بڑے گہرے رہتے ہیں...... زعفران' گلاب' عُود' سونف اور نیم کے جھاڑ پودوں کی مٹی بھی اکسیر

ہوتی ہے۔ مومن کی قبر بھی قطعۂ بہشت نظیر ہوتی ہے جیسے کہ عطرِ خاص کی خالی شیشی بھی اپنی مہک تیزی سے کبھی بیزار نہیں ہوتی۔

راجستھان ایک وسیع و عریض اور پُرتحیر قطعۂ ارض ہے۔ یہاں کا پنک سٹی یعنی جے پور اپنی بہت ساری خصوصیات کی بنا پہ دُنیا بھر میں مشہور ہے ان خصوصیات میں ایک نمایاں خصوصیت یہاں قیمتی پتھروں کی صنعت ہے۔ ہیرے جواہرات کی بہت بڑی منڈی ہونے کے ساتھ ساتھ جواہرات کی بنائی کٹائی پالش اور ڈیزائننگ کا کام بھی لاجواب ہوتا ہے۔ قیمتی پتھروں کے بڑے بڑے پارکھ اور کاریگر یہاں موجود ہیں۔ غرضیکہ ہیرے جواہرات کے تاجر' خرید و فروخت' قدر دان شوقین' ملاحظے والے اِدھر کا ہی رُخ کرتے ہیں۔ یہ راجوں مہاراجوں' راجپوت ٹھاکروں' مونچھ والے مہندروں اور مَن موہنی ملیح ملیدی مہلاؤں کا دیس ہے۔ بلاشک کجلائے کٹیلے نینوں والی ٹھکرائنیں دلوں کو چاک چاک کیے دیتی ہیں تو اکڑی گردنوں اور تنی نیشی مونچھوں اور بھگوا پگڑ والے ٹھاکروں کے پاؤں تلے ٹھکوی گھوڑوں کی دھمک سے دھرتی بھی کانپ لیتی ہے۔

● جے پور کا جوہری' گُن پور کا گوہری......!

میں یوں ہی جے پور پنک سٹی کے جوہری بازار میں ایک خاص جوہر کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ اسی دوران میرا جانا ایک کافی بڑی اور شاندار دوکان پہ ہُوا جو دوکان کم اور کوئی پرانی حویلی زیادہ دکھائی دیتی تھی۔ ایک مہذب سے ملازم نے مجھے بڑے احترام سے بٹھایا اور میرا مطلوبہ پتھر میرے رُوبرو لا کر رکھ دیا۔ اچھی طرح پرکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہُوا کہ یہ پتھر حجم اور سائز میں قدرے کم ہے۔ ملازم نے ایک دو اور پتھر دکھائے مگر جو مجھے مطلوب تھا وہ نظر نہ آیا...... میں وہاں سے اُٹھنے ہی والا تھا کہ اندر کہیں سے ایک پُروقار سا نوجوان میرے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ ہلکی سی مسکراہٹ سے اُس نے مجھے آداب کہا اور ملازم کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے وہاں سے ٹہلا دیا۔

''آپ تشریف رکھیں' میں آپ کو اپنی پرسنل کولیکشن دکھاتا ہوں شاید اُن میں سے آپ کو اپنا مطلوبہ دانہ مل جائے۔''

میں اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ یونانی دیوتاؤں کی سی چھب' جامہ زیبی میں کمال کی انفرادی سادگی تھی۔ تکلم و نشست میں تہذیب و تعلیم...... فراخ ماتھے پہ اقبال مندی کی مُہر مردانہ دہانہ...... گرچہ چشم ستاروں لب شانوں پہ جھولتی کاکلوں کی سیاہ بدلیاں...... بندہ تھا یا کوئی صنمِ بدخشانی...... نگاہ و نیت کے مختلف زاویوں سے

میں اُسے تول ہی رہا تھا کہ اُس وہی تمیزدار ملازم چاندی کی ایک جڑاؤ طشتری، جس میں قیمتی فیروزے اور کاشغری نظامے جڑے ہوئے اور دو اِسی طرح کے پیالوں میں قہوہ، خشک میوہ جات لیے حاضر ہوا۔ اس جوانِ رعنا و وجاہت نے مجھے قہوہ بڑھاتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

''میرا نام ہاشم خان شیروانی ہے۔ جواہر ذاتوں کا یہ ہمارا پرانا پُرکھوں کا دھندا ہے۔ اس کے علاوہ ہماری یہاں راجستھان میں کچھ زمینیں ہیں جہاں سنگِ احمر نکلتا ہے جو آپ کے پاکستان، شاہجہانی مسجد اور قلعہ کے لیے بھی بھیجا جاتا ہے۔''

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وہی ملازم کچھ ریشمی کپڑے کی تھیلیاں لیے پھر حاضر ہو گیا۔

میں نے مسکراتے ہوئے اُس کی قیافہ شناسی کی داد دیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا پاکستانی ہونا تو آپ کو معلوم ہو ہی گیا جبکہ میرا لباس، گفتگو اور شکل و صورت بھی اس کی چغلی نہیں کھاتی...... میرے بارے میں مزید آپ کچھ بتایئے جو یقیناً آپ جانتے ہوں گے؟''

اَب شاید اس کے زیرِ لب مسکرانے کی باری تھی...... وہ مجھے گہری نظروں سے نکالتے ہوئے بولا۔

''آپ بھگت منش ہیں۔ انسانی، روحانی اور [illegible] کی [illegible] گہری [illegible] ہے...... نگر نگر گھومنا آپ کو اچھا لگتا ہے۔ آپ بزدل، مطلب پرست اور احسان فراموش نہیں...... مہربان، متواضع اور انسان دوست ہیں۔''

وہ مجھے مزید ٹٹولتے ہوئے قدرے خاموش ہوا تو میں نے مزہ لیتے ہوئے مزید پوچھا۔

''اس کے علاوہ کچھ اور......''

وہ شاید اَب اپنا پنڈ اچھڑاتے ہوئے بولا۔

''دیکھیے حضرت! ہم دوکاندار لوگ ہیں...... روزانہ سینکڑوں گاہکوں سے واسطہ رہتا ہے۔ یہ جو کچھ بھی بتایا، یہ محض فہم و مشاہدہ کی باتیں ہیں۔ اس میں کسی غیب کے علم کا دخل نہیں۔ چھوڑیے اِن باتوں کو، یہ دیکھیے؟ یہ نگینے، میرے ذاتی ہیں جو میں کسی کو نہیں دکھاتا۔ اگر اِن میں کوئی دانہ آپ کے مطلب کا ہو تو فرمائیں میں پیش کروں۔''

میں نے اُچٹتی سی نگینوں پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''یہ سب تو ہوتا رہے گا۔ پہلے میں آپ کو تو دیکھ لوں۔''

اَب میں نے اُس کی چندن پیشانی پہ نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

''آپ کے لیے راوی چین ہی چین لکھتا ہے...... دھنک کے سب ہی رنگ آپ کے 'تُروں کے

سارے اَنگ آپ کے...... شباب آپ کا، شراب آپ کی...... سوال آپ کا، جواب بھی آپ کا...... سونا آپ کا، چاندی آپ کی...... بیگم آپ کی، باندی آپ کی...... نگینے آپ کے، خزینے آپ کے......''

اُس نے میرے منہ پہ ہاتھ رکھنا چاہا...... میں نے طرح دے کر کہا۔

''صرف آخری بات...... خواب آپ کے، عذاب......؟''

یہیں پہ آگے بڑھ کر اُس نے اپنا ہاتھ میرے منہ پہ رکھ دیا۔ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی جو بن کچھ لیے دیے ہوئے اِس وعدہ پہ ختم ہوئی کہ ہم رات کا کھانا عنبر فورٹ کے ایک وجیٹرین ہوٹل میں اکٹھے کھائیں گے۔

میرا خیال تھا کہ کھانے پہ اُس کے ہمراہ کچھ ہم خیال دوست بھی ہوں گے جن کا خصوصی ذکر اُس نے دوپہر کی ملاقات میں کیا تھا...... میں ہوٹل کے لان میں بیٹھا تھا کہ وہ اپنی خوبصورت بلیک کار ڈرائیو کرتا ہوا میرے سامنے پہنچ گیا...... سفید سلک شرٹ، سیاہ ٹروزر اور مرون سکارف میں وہ کوئی فرنچ شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔ میں اُسے دیکھتا رہ گیا...... السلام علیکم کہتے ہوئے مجھ سے لپٹ گیا۔

''خان صاحب! آپ سے دوبارہ مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی...... آج کا دن میرے لیے از حد مسرت انگیز رہا۔''

میری مسرت دو چند ہوئی کہ اس نے مجھے خان صاحب کہہ کر مخاطب کیا جبکہ میں نے اُسے ابھی تک مکمل تعارف نہیں کرایا تھا۔

''آپ کو میرا خان ہونا کیسے معلوم ہوا......؟''

وہ میرے سامنے کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بتانے لگا۔

''آپ نے اپنے ہوٹل کا بتایا تھا...... اتفاق کہہ لیں کہ وہ ہوٹل ہمارے ایک عزیز کا ہے اور حسنِ اتفاق کہ آپ بھی شیروانی پٹھان ہیں اور ہاں آپ کا سامان وہاں سے ہٹا کر گھر پہنچایا جا چکا ہے۔''

کھانے کھاتے ہوئے وہ مجھ سے ہم کلام تھا۔

''خان صاحب! مجھے آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ اُٹھائیس سال میں میرے اندر اتنے سوالات پیدا ہو چکے ہیں کہ اُنہیں بیان کرنے کے لیے لگ بھگ اتنا ہی عرصہ درکار ہے۔ آپ سے مل کر مجھے یُوں لگا جیسے آپ ہی میرے وہ مُحسن ہوں جن کے پاس میرے ناآسودہ سوالوں کے جوابات ہوں جو میرے اندر کے اندھے پن کو دُور کر سکتے ہوں۔ آج دوپہر، جب آپ میرے ہاں سے تشریف لے گئے تو میں ایک عجب سی سرشاری یا مدہوشی کی کیفیت میں اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سمجھیں کہ میری ذات کی طرح یہ کمرا بھی بڑا اُدھورا گھمبیر اور سوالات سے بھرا ہوا ہے۔ جب ہم اک دُوجے میں ضم ہو جاتے ہیں تو [illegible]

شکست خوردہ زخمی لشکریوں کی مانند ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں جو میدان ہارنے کے بعد' حالات کے رحم و کرم پہ پڑے ہوئے ہوں۔ میرا یہ کمرا ہماری اِس پرانی حویلی' جس کے ایک حِصّہ میں ہمارا ڈائمنڈ ایمپوریم ہے' بالکل نیچے گہرے تہہ خانہ میں واقع ہے۔ سُرخ رتیلے پتھروں سے بنی ہوئی یہ حویلی صدیوں پرانی ہے یعنی جس دَور میں عنبر قلعہ تعمیر ہوا تھا یہ حویلی اِس کے بعد معرضِ وُجود میں آئی۔ گو قلعہ اور اس کا درمیانی فاصلہ بہت زیادہ ہے پھر بھی حویلی کا تعلق' قلعہ سے بہت قریب کا تھا۔

میرے جدِ امجد فتح خان شیروانی جو کسی زمانے میں یہاں راجپوتانہ کے حاکم کے لشکر میں عہدہ دار تھے۔ بہادر جری' وفا کیش اور عسکری تربیت کے بہت بڑے ماہر تھے! اِنہی خوبیوں کی بنا پہ راجا اُنہیں اپنے قریب تر رکھتا تھا...... ایک وقت آیا کہ وہ اُس کے ذاتی محافظوں اور معتمدوں میں شامل کرائے گئے۔ پنک سٹی یا بازار' اُس زمانہ میں ایک چھاؤنی تھا...... اِس ہماری حویلی کی زمین اور اردگرد کا جنگل راجہ کی جانب سے اِن کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں عطا ہوئے کہ اپنی مَن مرضی اور ضرورت' حیثیت کے مطابق رہائش تعمیر کر سکتے ہیں۔ ہمارے بڑکھ نے اپنے مُرشد پاک سے رجوع کیا اُنہوں نے قطعہ زمین ملاحظہ کی اور تعمیراتی جزویات سمجھاتے ہوئے حویلی بنانے کی اجازت مرحمت فرمائی...... اس زمانے کے حساب سے اِس حویلی پہ خاصا [illegible] کے مطابق ہوئی تھی۔ سامان' مسالہ' پتھر' چوب' لوہا' تانبا سب کچھ علیحدہ سا...... یعنی اُس زمانے کے حساب سے ایک ماورا سی حویلی تھی جس کی کوئی کل سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کام کرنے والے مزدور کاریگر بھی مقامی نہیں تھے۔ ایران اور آذربائیجان سے تعلق رکھنے والے یہ بھی ہنرمند اور خاص الخاص کاریگر تھے۔ اُدھر حاسدوں اور بدخواہوں نے راجہ کے کانوں میں اُلٹی سیدھی باتیں ڈالنا شروع کر دیں کہ فتح خان آپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے حویلی کی صورت میں وہ ایک ایسا مضبوط گمبھیر قلعہ بنوا رہا ہے جو آپ کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔ اِس کے کنوؤں تہہ خانوں میں مسلمان پیر فقیر' عامل اور جن بھوتوں کے استھان بنائے گئے ہیں تاکہ آپ کا راج پاٹ چوپٹ کروا کر اِس پہ قبضہ کیا جا سکے۔ راسخ العقیدہ ہندو راجہ نے جب مسلمان فقیر جن بھوتوں کا سنا تو وہ اُن کی باتوں میں آ گیا۔ اُس نے بذاتِ خود حویلی جا کر تحقیق کرنے کا فیصلہ کر لیا' لیکن شاطر سازشیوں نے یہ کہہ کر راجہ کو تحقیق کرنے سے باز رہنے کا مشورہ دیا کہ اِس طرح آپ خود اُس کے جنوں بھوتوں کے نرغے میں پھنس جاویں گے۔ راجہ کسی نتیجے پہ پہنچ نہیں پا رہا تھا۔ اُسے فتح خان کی وفاداری پہ ذرہ بھر بھی شک نہیں تھا وہ اُسے ہر میدان میں آزما چکا تھا مگر دوسرے معتمدوں کی باتوں میں بھی وزن دِکھائی دیتا تھا...... راجہ کے ہاتھ کوئی ایسا ثبوت نہیں تھا جس کی بنیاد پہ فتح خان پہ پکا ہاتھ ڈال سکے۔ حویلی ہر طرح سے تیار ہو چکی تو فتح خان نے ایک شبھ

موقع پہ راجہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ راجہ نے دیگر مشیروں کی رائے مشورے کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے اُس کی دعوت قبول کر لی۔ فتح خان نے حویلی کو راجہ کی شان بان کے مطابق آراستہ کیا اور راجہ کی مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دعوت کے بعد راجہ نے خواہش ظاہر کی کہ وہ حویلی کی مکمل سیر کرنا چاہتا۔ فتح خان نے راجہ کی خواہش کے مطابق حویلی کا کونہ کونہ ملاحظہ میں کھول دیا...... اَب راجہ نے دریافت کیا۔

''فتح خان! معلوم ہوا کہ اِس حویلی کے نیچے بڑے شاندار تہہ خانے بھی ہیں اور اُنھیں بڑے سلیقے سے انداز میں بنایا گیا ہے جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ خاص طور پر جے پور کی زمین' نیچے تہہ خانے بنانے کے لیے کچھ خاص موزوں نہیں اور پھر یہاں تہہ خانوں کا رواج بھی نہیں۔ کیا تم ہمیں اِس حویلی کے تہہ خانے دکھانا نہیں چاہو گے......؟''

فتح خان متذبذب سا بولا۔ ''مہاراج! یہ سب کچھ آپ کی دَیا سے تعمیر ہوا۔ میری کیا مجال جو کسی حکم کی تعمیل میں حیل و حجت کروں...... لیکن بنتی ہے کہ اِن تہہ خانوں میں صرف آپ ہی پدھاریں' کسی اور شخص کا وہاں اُترنا مناسب نہیں۔''

راجہ نے خشمگیں ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''اس کا کارن؟''

فتح [illegible] کا [illegible] اجازت نہیں۔''

راجہ چند لمحے قہر بھری نظروں سے اُسے تولتا رہا پھر گرجتے ہوئے کہنے لگا۔

''ہماری راج دھرتی میں کون ایسا شخص ہے جسے ہماری اچھیا کے علاوہ کسی اور سے اجازت کی ضرورت ہے؟ ہمیں جاننا ہوگا کہ نیچے ایسا کچھ کیا ہے جسے ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا؟''

بادیدۂ نم فتح خان نے کمال تحمل سے سینے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''مہاراج! راج پاٹ میں ایسی بہت سی باتیں اور راز ہوتے ہیں جو صرف راجہ اور راج پتی تک ہی محدود رہنے چاہئیں۔ مَیں راجہ کا وفادار اور سینا کا سیناپتی ہوں...... آپ مہان ہیں سب جانتے ہیں کہ مَیں کس طرف اشارہ کر رہا ہوں۔''

راجہ کے دل میں گرہ پڑ گئی تھی کہ میرے علاوہ کوئی اور نیچے تہہ خانوں میں کیوں نہیں جا سکتا۔ کا مطلب ہے کہ دوسرے صحیح ہی کہہ رہے تھے۔ راجہ نے فتح خان کی جانب' فیصلہ کن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے حکم دیا۔

''فتح خان! تم نے ہماری حکم عدولی کی ہے' یہ ہمارا اپمان ہے لیکن تمہاری خدمات کی پیشِ نظر حکم دیا جاتا ہے کہ تہہ خانے کا گورکھ ہمارے سامنے پیش کرو۔''

فتح خان نے بڑے ادب سے پھر وہی کہا کہ اِس تہہ خانے میں صرف راجہ ہی جا سکتا ہے اور کوئی نہیں...... راجہ نے انتہائی غضب سے پوچھا۔

"تہہ خانے میں کوئی اور منش کمنش موجود ہے کیا؟"

"ایک مہامنش کا استھان ہے۔"

"وہ کون ہیں، کیا ہم اُنہیں جانتے ہیں؟"

"جی مہاراج! آپ اُنہیں میرے حوالے سے جانتے ہیں۔ وہ آپ کے اِس سیوک کے پیر و مُرشد اور سسر بھی ہیں...... میں نے فنِ حرب کے علاوہ جینا مرنا بھی اُن ہی سے سیکھا...... میں برسوں پہلے اُن ہی کی ہدایت پہ آپ کی سینا میں شامل ہُوا تھا...... یہ حویلی، اِس کے نقشے تہہ خانے سب اُن ہی کے مشورہ سے تعمیر ہوئے ہیں اور وہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اِس حویلی اور تہہ خانوں میں آپ اور بالک کے لیے کہاں سلامتی ہے۔"

"تم نے اِس سے پہلے اپنے کسی پیر و مُرشد کا ذکر نہیں کیا۔ کیا وہ ہمارے راج پاٹ اور اسی دھرتی پہ رہتے ہیں؟"

"جی مہاراج! وہ میری شادی کے بعد سے میرے ساتھ ہی ہوتے ہیں۔ یہیں پہ رہتے ہیں اور یہ بھی انہی کا حکم تھا میں [illegible]"

قصہ کوتاہ کہ راجہ نے اپنے تئیں فیصلہ کر لیا کہ کچھ بھی ہو وہ تہہ خانے میں ضرور جائے گا اور اس کے پیر و مُرشد کی زیارت کرے گا۔ اِس فیصلے پہ حاسدوں نے پھر نہ جانے کا مشورہ دیا لیکن راجہ فتح خان کی سنگت میں جمعرات کے روز، حویلی میں موجود تھا۔ اِس صورت کہ حویلی کے چاروں طرف ذاتی محافظ دستے کھڑے تھے۔ راجہ مخصوص پوشاک پہنے نیچے اُترنے کے لیے فتح خان کے ہمراہ تیار کھڑا تھا۔ یہ انتباہ کر دیا گیا کہ کوئی بھی منش سُورج ڈھلنے سے پہلے حویلی میں داخل نہ ہو۔

حویلی کے وسیع صحن کے بائیں کونے میں ایک پڑچھتی کے نیچے ایک نہ سُجھائی دینے والا کنواں تھا، دس کھڑے بھالے گہرا، دیواروں کے ساتھ گولائی میں پتھروں کی سیڑھیاں، جو کہیں نیچے تک پہنچتی تھیں۔ نیچے اُترائی میں چند چوبی دروازے جو اندھیرے میں بظاہر دکھائی نہیں دیتے تھے...... ایسے بے پانی کے کنویں جو تک کہلاتے تھے راجپوتانہ کے میدانی اور نیم صحرائی علاقوں میں صرف بڑے بڑے ٹھاکروں اور آسودہ حال زمینداروں کے ہاں ہی خُفیہ طور پہ پائے جاتے تھے۔ ایک دویا اس سے بھی زیادہ، یہ جگہ، زمین پہ منحصر ہوتا کہ آسانی سے کھودنے یا تگے بنانے کے لائق ہے کہ نہیں۔ پانی کی قسم اور گہرائی موجودگی کا اندازہ بھی لگایا جاتا۔ پرندوں کے گھونسلوں جیسے یہ تگے بڑے آسودہ خاطر، یخ بستہ ہونے کے علاوہ یہاں کے بے رحم موسموں اور

دشمن داری سے بچاؤ کا ایک محفوظ ذریعہ بھی ہوتے تھے لیکن کبھی کبھی اِتفاقی حادثات سے جان و مال کا نقصان بھی ہو جاتا۔ وقت بے وقت آندھیاں، جھکڑ، طوفان، اُڑتی ہوئی ریت سے روشنی ہوا اور آکسیجن میں رُکاوٹ بھی پیدا ہو جاتی۔ اِسی خاطر انہیں اُوپر سے ڈھانپ اور چُھپا کر رکھا جاتا تھا۔

حویلی فتح خان میں چھوٹے بڑے ایک چھوڑ تین تین مگے تھے جو آپس ایک دوسرے سے اندرونِ خانہ منسلک تھے وہ بھی یُوں کہ کسی ناواقف کے لیے اُن کا داخلی دروازہ اور باہمی تلاش کرنا مُشکل پڑتا۔ اِن زیرِ زمین مگوں کی اپنی ایک الگ ہی مکانیت اور افادیت تھی۔ عارضی، مستقل رہائش و قیام، خوراک پانی، ضروری سامان اور حربی آلات وغیرہ۔ چونکہ اِن کا مقصد محض موسموں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنا ہی نہیں بلکہ ہنگامی اور جنگی حالات میں مکینوں کی حفاظت بھی ہوتا تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور میں اِس نوعیت کی خفیہ حفاظتی سرنگوں، مگوں، فصیلوں، خندقوں قلعوں اور زگ زگ بھول بھلیوں نے باہمی جنگ و جدل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کسی معرکہ کارزار یا تگ و تاز کے لیے شاید ہی کوئی قلعہ، چھاؤنی، حویلی یا محل تاریخی ایسے معرضِ وجود میں آئے ہوں جس کے نیچے کہیں کمین گاہ، سرنگ، تہ خانہ، عقوبت خانہ، بندی خانہ یا کوئی خفیہ راہ راستہ تعمیر نہ کیا گیا ہو۔ ازمنہ قدیم میں دُشوار گزار پہاڑوں کی سربفلک چوٹیوں اور زمین کی گہرائیوں [illegible] جو آج بھی اُن کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔ جن سے ہزاروں سال پہلے کے اِنسان اور اُس کی عسکری اہلیت اور مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرتِ انسان نے زیرِ زمین سرنگوں، تہ خانوں، خفیہ راستوں، گنج گوداموں...... پہاڑوں ٹیلوں تنوں کی کھوؤں دراڑوں اور غاروں دَرّوں...... جنگلوں درختوں کے ذخیروں، شاخوں تنوں میں اماں پانا، چھپنے دوڑنے، اُڑنے اور رینگنے سرکنے والے جانوروں سے سیکھا۔ زمینی، پہاڑی اور جنگلی آماجگاہیں، ہنگامی نامساعد حالات میں حیاتیاتی بقا بالیدگی کے لیے ناگزیر ٹھہریں۔ شاہین کی آسمان بلند چوٹیوں پہ آشیاں بندی...... بیا کا نادرِ روزگار جھولتا ہوا گھونسلہ...... بندروں بھالوؤں کے بسیرے...... شیر کی کچھار، لومڑیوں گیدڑوں کے بھٹ...... سانپوں کی بامبیاں اور بِل، ابابیلوں چمگادڑوں سے بھری غاریں...... مولوں نیولوں چوہوں، خرگوشوں، گوہ، کرلوں کی زیرِ زمین پناہ گاہیں اور ایسی کہ اِنسانی عقل دنگ رہ جائے۔ اندھیرے میں بھی روشنی، ہوا، خشکی نمی، خوراک یعنی ہر چیز موجود...... راستوں، سمتوں کا پورا پورا اہتمام...... دشمن سے بچنے کا انتظام۔ ہنگامی صورت میں محفوظ متبادل راستے اور کمین گاہیں۔ چھت کے نیچے پناہ، دیواروں کی اوٹ، درختوں کے سائے، پہاڑوں کے پیچھے وغیرہ یہ حفاظتی اور نفسیاتی ستر بندیاں، بقائے حیات کے خوگر اِنسان کے لیے

سے ہی اہم ضرورت ٹھہریں۔

انسان نے اِن ہُنرمند جانوروں سے بھلائی، بُرائی کی مد میں بہت کچھ سیکھا' لیکن جہاں بنی نوعِ انسان کو بے پناہ فائدے حاصل ہوئے وہیں خاصا ضیاع بھی پہنچا۔ اُڑن غبارے' ہیلی کاپٹر' ہوائی جہاز جو پرندوں کے مرہونِ منت ہیں' بحری کشتیاں جہاز' آب دوزیں آبی مخلوق کو دیکھ کر معرضِ وجود میں آئے۔ اَبابیلوں' چمگادڑوں نے ریڈاروں اور اندھیرے میں دیکھنے والے آلات اور ریڈیائی لہروں کی سُوجھ بُوجھ سکھائی۔ کنویں' باولیاں' سُرنگیں' زیرِ زمین ٹوبے' آب رسانی' پانی گیس بجلی اور ٹرین گاڑیوں کی گزرگاہیں' گندے پانی کی نکاسی' حربی مقاصد کے لیے مورچے پناہ گاہیں' یہ سب کچھ اِنسان نے چوہوں' خرگوشوں' بجّوں' نیولوں' سانپوں اور اِسی نوع کے حشرات الارض سے ہی جانا۔ قدرت اگر اِنہیں ایسی عقل' ہُنرمندی اور اِدراکِ خودحفاظتی عطا نہ کرتی تو ان جانوروں کی اکثر نسلیں [illegible] سے معدوم ہو جاتیں۔ یہ [illegible] صحیح بات ہے کہ اِس کائنات کی اَدنیٰ سے اَدنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ کوئی بھی شے بغیر مقصد و افادیت تخلیق نہیں ہوئی [illegible] ہم کہہ سکتے کہ سانپ' بچھو' بجّو' مگرمچھ' مکھی' مچھر' چمگادڑ' چوہا' خنزیر' گِدڑ' بھگا یا خارپُشت ایسے کریہہ الصورت اور خطرناک جانوروں سے انسانیت کے لیے کیا بھلا ہو سکتا ہے۔ بظاہر سوائے نقصان [illegible] کچھ نظر نہیں آتا مگر گہری تحقیق و تعلیم سے یہ ثابت ہُوا کہ یہ [illegible] انسان دوست جانور وہ کام کرتے ہیں جو دوسرے بشمول جن و بشر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ انسان کو گزند پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ اِس کو بھرپور محفوظ اور توانا زندگی سے بہرہ مند کرنے کے لیے پیدا کیے گئے۔ اِس [illegible] و سماوی' آبی و ہوائی مخلوق میں بھی اِنسانی مخلوق کی طرح [illegible] موجود ہیں...... خاص میں ایسے خاص الخواص کہ اِنسان کی علمی' شعوری اور فنی حرکیت کی اَوّلیت کے بھی سزاوار ٹھہرے...... سائنسی معاشی' سربلندی انہی کی بدولت معرضِ وجود میں آئی۔ بڑے بڑے دریاؤں' سمندروں کے بیچ جھولتے بے پایہ پُل' سربفلک پہاڑوں کے آرپار سُرنگیں' سمندروں کی تہوں میں سرپٹ بھاگتی ہوئی گاڑیاں...... پہاڑی دُشوار گزار سلسلوں کے اُوپر کیبل کیبن...... زمین دوز ریلوے سسٹم' اسلحہ ڈپو...... آب و اجناس کے ذخیرے' کارخانے' بستیاں چھاؤنیاں تجربہ گاہیں وغیرہ...... اِن سارے تصوّرات اور خیال و خواب کو اِن ہی بیکار و بھیانک دکھائی دینے والے جانوروں نے حقیقت کا رُوپ دینے میں مدد دی۔

ملاح مچھلی مُرغابی کے بچوں کو پیرنا کوئی نہیں سکھاتا...... مراثیوں بھانڈوں کی اَولاد جمانڈرو گُر سُر میں قائم اور جگت باز ہوتی ہے۔ مُلاں جی کا مُرغا پیدائشی بانگا جبکہ ملنگ کا ملنگا سدا کا ننگا ہوتا ہے۔ کھوجے کھرب پتی' کھوجی لکھ پتی...... کھدری خالہ بھان متی اور بھس وَنّی ماشہ رتّی ہوتی ہے۔ کھوتی کھلوتی رہتی ہے'

گتّی کو کُت کتاریاں ہوتی ہیں...... بلّی بھوتر جاتی ہے اور مج، مذاق سمجھتی ہے۔ سلوتری، پٹواری، پنساری اور کھوجی کھٹیا پے نہیں ہوتے مگر ان کی عزت تو قیر وقدر، چھاجوں برستی برسات میں تیلیاں ٹوٹے پرانے چھاج جیسی ہوتی ہے جو نہ تو ڈولے جوگی بھوسی ڈھنگ سے پھٹک پاتا ہے اور نہ ہی برستے پانی کی ٹپکن سے سُندری کے کٹھل بیر ایسے سر کو مزید ڈھکنے سے بچا پاتا ہے۔

جوگی، روگی، بھوگی اور کھوجی کبھی چھپے ہوئے نہیں رہتے اور نہ ہی کہیں شانتی پکڑتے ہیں۔ ان کے ہاں ہر سمے اُچپلی دھری رہتی ہے۔ جوگی، جگت کی جوت...... روگی، رگ رگ روگ...... بھوگی، بھگت بھگت بھوگ جبکہ کھوجی، کھماج کے کھلواڑے میں مدھم سُروں کی کھمیاں کھوجتا رہتا ہے۔ کھوجی، سویا ہو یا جگا کبھی بے فکر نہیں ہوتا۔ اُسے کھوج اپنی ذات کی ہو یا اُس ذات کی...... چالیس کی ہو یا چور کی، بوم بدتر کی ہو یا مگس بھور کی۔ مُرغابی کی یا مور کی...... آکاش کی یا پاتال کی وہ اپنی ہی دُھن میں کھوجتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی نگاہوں میں آرپار ہونے والے برمے ہوتے ہیں۔ اُس کی حسِ شامہ ایسی مہامہین اور زبردست ہوتی ہے کہ کہیں کہیں کُتّے بلّی بھی اس کے آگے بھیگی بلّی ہوتے ہیں۔ فصلِ لامسہ ایسی جاذب کہ کاذب سے کاذب بھی اُجل [illegible] بول اُٹھے...... سماعت، خوشبوؤں کی ہفت زبانی کی ترجمان، تجسس ترازو اور توازن قائم، [illegible] متحرک مدام...... ہزاروں لاکھوں کھلوے کھولو [illegible] پھل [illegible] سے کہتے ہیں جو پاتال میں بھی اُتر جائے، کھو جائے...... ایک ایک ذرہ پرت، روگ رڈے کا واقف و محرم جسے پاتال اور بے تال کی پڑتال و پرکھ میں تامل پیش نہ ہو۔ تجزیے و تشخیص میں بلا کا تحمل ہو۔ بلوں، دراڑوں میں سانپوں کی مانند اُترے...... کھائیوں کھوؤں [illegible] کرلوں، کوہوں، سانڈوں کی طرح جا نکلے...... نیولوں کو نیند نہیں آتی، مولوں کو مٹی نہیں بھاتی، وہ کرید کرید، کھود کھود باہر ڈھیر کرتے رہتے ہیں۔ چھچھوندی اپنے پھپھولے پھیلاتی رہتی ہے، شور تھور گندھک دکھاتی رہتی ہے۔ پانی، گیس، تیل، سونا چاندی، ہیرے، پتھر سب کچھ اس کی نگاہ میں ہوتا ہے۔ وہ زمین کی ساری اُدائیں سمجھتا ہے کہ سب کچھ اس کو ودیعت ہوتا ہے۔

فتح خان شیروانی جب سنِ بلوغت کو پہنچا تو اُسے بھی زندگی کی گاڑی کو رواں دواں رکھنے کے لئے کسی کارِ معاش کی تلاش ہوئی...... افغانستان کا تاریخی، جغرافیائی، علاقائی اور معاشی پس منظر ہی کچھ ایسا ہے کہ وہاں جمالی رویوں سے کہیں زیادہ جلالی رویے جنم لیتے ہیں۔ پھولوں سے کہیں زیادہ پتھر...... شاعروں ادیبوں سے زیادہ عسکریت پسند، جنگجو لڑاکے، ہر کوئی آمادۂ پیکار، کسی نہ کسی سردار کی سربراہی میں حاضر...... تیر و تفنگ سے آراستہ۔ یہی اِدھر کا سماج اور ذریعہ معاش تھا کہ لڑو مرو اور مالِ غنیم حاصل کرو...... یہ سرزمین وطن پرست جنگجوؤں کی نرسری کی حیثیت رکھتی ہے۔ فتح خان بھی اپنے روایاتی اور معاشی تقاضوں کے تحت برائے نام مشاہرہ

پہ ایک سردار کے جتھے میں شامل ہوگیا۔ اِس افغانی سردار کا اصل پیشہ' چھوٹے موٹے سرداروں' جتھے داروں کو مالِ غنیم کے بدلے یا کرائے پہ جنگجو فراہم کرنا تھا۔ تاہم وہ کبھی کبھی مالی مجبوری کے تحت لُوٹ مار بھی کر لیتا تھا۔ فتح خان نے اپنی جواں مردی' بہادری اور خوش خلقی سے بہت جلد اپنے لیے ایک نمایاں جگہ بنالی۔ افغانی سردار نے اِسے مختلف معرکوں میں آزمایا اور جب ہر میدان میں کھرا پایا تو اِسے اپنا معاونِ خاص تفویض کر لیا۔ پچھلی صفوں سے اگلی صف میں پہنچتے ہی اِس کے عسکری جوہر کھلنا شروع ہوئے۔ کسی عام جنگ باز کے برعکس اِس کے تیور ہی الگ تھے اِس کی حربی حکمت عملیاں' شجاعت اور قائدانہ صلاحیتوں نے اِسے بہت جلد اُس مقام پہ لا کھڑا کیا جہاں سے اِس کا درخشاں مستقبل صاف دِکھائی دیتا تھا...... اِسی دوران ایک واقعہ ایسا ہو گزرا کہ اِسے بادلِ نخواستہ اپنے جتھے کو چھوڑ کر توغ بوغ کے پہاڑی سلسلوں میں رُوپوش ہونا پڑا۔

- دشتِ گُریز' اَیاز' خُسرو و تبریز......!

توغ بوغ کے پُرخطر پہاڑی سلسلے افغانستان کے [illegible] اور دُشوار گزار علاقہ میں ہیں۔ عسکری نقطہ نظر سے بڑی اہمیت [illegible] پہاڑ [illegible] پھیلے ہوئے [illegible] بڑے گنجان اور دُشوار گزار...... توغ بوغ جیسی قدرتی کمین گاہیں' زیرِ زمین بڑی بڑی وسیع سُرنگیں اور یوں پُرپیچ راستے کہ پرندے اور پُروائی بھی راستہ بھول جائیں...... یُوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہاں کبھی جنات کی سرکش فوجیں رہتی رہی ہوں اور اُنہوں نے اِن پُرپیچ پُراسرار پہاڑی سلسلوں کو اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کیا ہو...... یہاں دس لاکھ نفری کی فوج کو یوں چھپایا جا سکتا ہے کہ اُن کی ہوا تک نہ لگے۔ فتح خان یہاں پہنچ کر یوں محسوس کر رہا تھا جیسے وہ آسمان کے نیچے سے نکل کر پہاڑوں تلے پہنچ گیا ہو اور واقعی وہ چاند' سورج' ستاروں اور نیلے آسمان کی وسعتوں کو بھول چکا تھا۔ کچھ ہی عرصہ میں وہ خود کو اِن پُرہیبت پُراسرار پہاڑوں کا ایک پتھر سمجھنے لگا تھا۔ یہاں کی حکمتِ عملی کے تحت وہ بھی اپنی سکونت بدلتا رہتا' کبھی توغ کبھی بوغ...... چند ہفتے عشرے' بھرم اور پھر مسکوت...... اِسی توڑا پھیری میں چند ایک برس اور آگے نکل گئے۔ اِس دوران اِسی علاقہ کے دیندار گھرانے کی ایک دوشیزہ سے اِس کی شادی ہوگئی۔ اِس کا سُسر ایک درویش منش تھا۔ اِس کا قدیمی پیشہ زمین کے نیچے' پہاڑوں کے اندر ایسی پُرپیچ پُراسرار پناہ گاہیں اور راستے بنانا تھا۔ جو دُشمن سے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ اللہ کا ولی' پیدائشی طور پہ پاتالہ کھوجا تھا۔ زمین' مٹی' پہاڑ' پتھر پہ نگاہ ڈالتے ہی اُس کی رگ رگ سے آشنا ہو جاتا۔ زمین پہ ٹہل کر' پہاڑ کے گرد گھوم کر' اُوپر نیچے چڑھ اُتر کر وہ ایک ایک بالشت کا نقشہ اپنے ذہن میں تیار کر

لیتا۔ وہ کھوہیں، غاریں، سُرنگیں اور کمین گاہیں ایسی مہارت، پھُرتی اور ہنرمندی سے کھودتا، گویا وہ پتھر نہ کاٹ رہا ہو گچ مٹی صاف کر رہا ہو۔ تاہم اِس کا اصل ہنر تو بھول بھلیاں تعمیر و تخلیق کرنا تھا، وہ ایسی گنجلک کہ وہیں پتھر کاٹتے رہو لیکن داخل ہونے اور نکلنے کا راستہ نہ تلاش کر سکو۔ وہ اندرونِ زمین کچھ بھی بنانے سے پہلے وہاں جگہ کے مطابق سجدہ گاہ ضرور تعمیر کرتا۔ پہلی اذان اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے بعد ہی وہ اگلا کام شروع کرتا...... اِن پہاڑوں کی اکثر اہم پناہ گاہیں اُس کے نادرِ روزگار فن کی مرہونِ منت تھیں۔ اس پیرینہ سِن مگر مستعد فنکار کی بظاہر وجہِ شہرت اُس کا یہی ہنر و پیشہ تھا مگر کچھ نفوسِ خاصان اِس کے باطنی مقام و منزلت سے بھی خُوب واقف تھے کہ وہ اپنے عصر کا ایک جید، صاحبِ تصرف ہے۔ اِس کا شمار اولیائے مستورین میں ہوتا تھا۔

ولائت میں بھی مقام و مدارج ہوتے ہیں...... اگلی پچھلی صفیں، موذن، مکبر، مقتدی اور امام بھی ہوتے ہیں۔ انہی میں سے ایک مستور ولی بھی، جس کے ہاں محض مصلّے، لوٹا، تسبیح ہی نہیں ہوتے۔ تلوار، تیر اور تیز اسپ تازی بھی ہوتے ہیں، وہ ہمہ اوقات مستعد، مصروفِ کار رہتا ہے۔ اپنے مشاغل اور رویّوں سے کسی طور پہ رُوحانی رُخ نمایاں نہیں کرتا...... اُسے خموشیاں، صبر و قناعت اور حسنِ خلق و تقویٰ تفویض کر کے ایک خاص دائرۂ کار میں متعین کر دیا جاتا ہے۔ اِس کی پہچان پہ دبیز حجاب پڑا رہتا ہے...... اَمر کھلتا ہے تو ایک متعین وقت پہ اپنے کسی ایک رُخ سے [illegible] کر تحلیل ہو جاتا ہے۔

سپاہ گری کا پیشہ ستیزہ کاری، جنگ و جدل سے مملو ہوتا ہے۔ جنگ باز ہمہ وقت حیات و ممات کے مابین ایک جھولتے رسّوں کے بیچ لٹکے ہوتے ہیں۔ وہ لمحوں اور ساعتوں کے حساب سے سانسوں کا شمار کرتے ہیں...... کفن دفن اور قبر کتبے کا اُن کے ہاں موہوم سا تصور بھی نہیں ہوتا۔ روشنی کی کرنوں، ہوا کے جھونکوں اور خوشبو کے پھریروں کی مانند اُن کا وجود اِک وجودِ بے وجود ہی تو ہوتا ہے۔

وقت کی کروٹ یا معاش کی کوئی اَڑچن کہ اس اللہ کے بندے کے مختصر سے خاندان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی، داماد ہونے کے ناتے فتح خان کو ان کا ساتھ دینا پڑا...... رزقِ حلال کی جستجو اور عزت و [illegible] کی چھتر چھاؤں کی تلاش انہیں راجھستان کے وسیع و عریض، بے رحم موسموں کے جبر اور برداشت و صبر سے اَٹے پٹے ریگزاروں تک لے آئی...... اللہ کا ولی یعنی پاتالہ کھوجی بابا پیشرو تھے اور گھرانے کے چار نفوس بوڑھی اہلیہ، فتح خان اور اس کی حاملہ بیوی، ایک چھوٹا بچہ، جس کے والدین فوت ہو چکے تھے۔ اب اِن کے زیرِ کفالت تھا۔ دو مدقوق سے خچروں پہ یہ مختصر سا قافلہ کچھوے کی رفتار سے کسی ایسی منزل کی جانب گھسٹ رہا تھا جس کا اَتا پتا کھوجی بابا کو ہو تو ہو کسی اور کو نہ تھا اور نہ ہی اُن سے سوال و جواب کرنے یا کچھ کہنے سننے کی کسی میں

جرأت تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کچھ نادیدہ ہستیاں ان متوکل مسافروں کی نگہبانی و نظامت پہ مامور ہیں اور ان کو ان کی مخصوص منزل تک پہنچانا ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ کھوجی بابا بوڑھا اور لاغر ہونے کے باوجود بھی پابرہنہ پیدل چلنا پسند کرتے تھے۔ نیچے پتھر ہوں یا مٹی ریت' پاؤں یوں پولے پولے دھرتے جیسے کوئی معصوم بچہ اپنی ماں کے پیٹ سینے پہ رکھتا ہے۔

تبت کی ترائیوں اُترائیوں چڑھائیوں اور معبدوں کے درمیانی راستوں پہ لامے' بھکشو وغیرہ اسی طرح سر جھکائے ہوئے ہولے ہولے پگ اُٹھائے چلتے ہیں جیسے کوئی گواچا ہوا لونگ تلاش کر رہے ہوں۔ پھوجا کھوجی ہو یا پاتالہ کھوجا' چور کا کھرا اُٹھاتا ہو یا زمین کے اندر چھپے ہوئے کسی اسرار کی کھوج لگائی ہو تاک' نظر اور نیت کی ساری نیاز مندیاں نبھوڑنیاں پڑتی ہیں...... تاہم پاتالہ کھوجا' اس سے بہت سوا ہوتا ہے۔ اس کے ہاں اُوپر کم اور اندرون زیادہ دیکھنے سونگھنے کی شکتیاں ہوتی ہیں۔ قدرتی طور پہ پاؤں نیچے تلووں کے پیڈوں میں ایسے حساس سینسر لگے ہوتے ہیں جو دھرتی کے نیچے پاتال تک کی مقناطیسی لہروں کو محسوس کرتے ہیں۔ ان لہروں کی زد میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ نامحسوس سی تھرتھراہٹ اور مختلف ریڈیائی کیفیاتی اشکال میں تبدیل ہو کر دائرۂ ادراک میں واضح ہو جاتا ہے۔ یہ افلاکی ارضی علوم [illegible] ایک ماورائی خداداد علم ہے جس کی تحصیل یا اکتساب ممکن نہیں [illegible] ارضی و[illegible] [illegible] کر [illegible] افلاکی جدول کی طرح [illegible] تھوی پاتال کی جدول بھی ہوتی ہے جو کسی حد تک اکتساب سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ القزوینی' ابن الوردی' طبری' جمشید' خیام' فارابی' فیروز بخت وغیرہ کے علوم ہیئت' ریاضی' فلاسفہ' نجوم و بروج اور علوم ارضی و افلاکی پہ محیط مقالہ جات' نقشے' قلمی نسخے' جدول و مباحث' منقولات وغیرہ دنیا کے علم کدوں میں محفوظ ہیں۔

ارضی اور افلاکی علوم کا ذکر چھڑا تو یہ بھی جاننا چاہیے کہ صحرا میں اتنے ریگ ذرّے' آسمان پہ اتنے نجوم اور بحر میں اتنی ماہیاں نہیں کہ جتنے علوم محض اس کرۂ ارض پہ علم الاسماء کے باطن اور اس کی برکت سے انسان کے لئے اُتارے گئے۔ ان علوم سے کس انسان کو کتنا حصہ اور ودیعت عطا یہ دینے والے کی مشیت اور لینے والے کے مقسوموں اور حسنِ مقدور پہ منحصر ہے۔ آگے بڑھ کر مزید سمجھ میں آیا کہ ہر جہان اور طبقات کے اپنے اپنے طور' قانون' اُصول' قدریں' نظام اور علوم ہیں۔ حتیٰ کہ ان پہ نبی' پیغمبر' کتابیں اور شریعتیں تک ان کے مطابق اُتریں' جو دوسرے طبقات' دنیاؤں سے انضباط نہیں رکھتی تھیں۔ بالآخر نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین اور فرقان الحمید کو آخری مکمل کتاب کہہ کر دین اور شریعت محمدیہ پہ اکملیت کی الٰہی مُہر ثبت کر دی گئی۔

میں کئی بار ایسے تجربات مشاہدات سے ہو گزرا کہ عالمِ رویاء کیفیاتِ غنود و مراقبت میں ڈوبا ہوا کہیں

سے کہیں نکل گیا۔ طبقاتِ ارضی و فلکی میں ایسے ایسے جہان، جہاں پہلے کبھی رسائی نہ ہوئی وہاں ہر چیز منظر ہی الگ، کچھ بھی تو ایسا نہ جیسا ہماری دُنیا میں ہے۔ ہمارے ہوا پانی آکسیجن کے بنا زندگی کا تصور نہیں...... خوراک کے بغیر زندگی نہیں، روشنی کے بغیر بصارت نہیں...... پاؤں دھرنے کے لئے زمین...... ناک مُنہ کان ہاتھ پاؤں، پھر موسم کے مطابق لباس جُوتے...... پرندے، جانور، پھل پھول سبزیاں۔ یہ سب محض ہماری دُنیا کے تقاضے ہیں، ہماری دُنیاوی سسٹم اُنہیں سے مملو ہے۔ دوسری دُنیاؤں کے الگ الگ سسٹم ہیں۔ ہم اپنے سسٹم سے نکل کر دوسرے سسٹم میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کرۂ ارض کچھ باہر آپ اپنی ہر ضرورت کی چیز میں تبدیلی لے آتے ہیں۔ مزید کچھ اُوپر جا کر ثقل مفقود ہو جاتی ہے۔ اِی طرح زیرِ زمین کچھ منزلیں اُتریں تو کششِ فلک بھی دَم توڑ دیتی ہے۔

ہر اک گام پہ جُھکتا، ٹوٹتا پاؤں سے نیچے زمین کی ٹُن ٹن [illegible] ہوا بابا پاتال کھوجا، اجمیر کے نواح تاراگڈھ کے پہاڑ کے دامن میں چند جھونپڑوں پہ مشتمل ایک گوٹھ راہ پڑی تو حاملہ بی بی کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو اِدھر ہی پڑاؤ ڈال دیا گیا...... فتح خان پیشہ ور سپاہی، اور کوئی کام وام کیا نہیں تھا۔ بیوی بیمار، پہلوٹی کے بچے کی آمد آمد اور اِدھر یہ حال کہ دو وقت کھانا اب ایک وقت [illegible] گیا تب اس نے اجمیر شریف کی منڈی میں مزدوری شروع [illegible] شریف [illegible] کر بیٹھ گئے۔ دن رات کا دال دلیہ چلنے لگا۔ یہیں مخدوم میاں میراں حسین شاہ سے بچی کے ہاں نرینہ بچے کی بشارت لے ساتھ چلا جبروت کھینچے کا [illegible] بلا۔ بابا گیرو گو ہو کر پہاڑ کی ایک کھوہ میں بیٹھ گئے کہ اس چلّے میں وقت اور حیات کی کوئی قید شرط نہیں ہوتی...... میاں جی جب جاتے ہیں بٹھا دیں جب جاتے ہیں اُٹھا دیں خادم کا کام تو خدمت میں حاضر رہنا ہوتا ہے۔

تاراگڈھ کا پہاڑ ایک آدھ قدر میں کوہِ طور سے ہلکی سی مشابہت رکھتا ہے کہ اس کے کسی بھی حصے پہ دن رات کے اِک لمحہ مخصوص میں عرشِ بریں سے ایک تجلّی اُترتی ہے۔ جس کی زد میں جن، بشر، جانور، پتّھر، درخت جو بھی آ جائے اس میں اک جذبِ خاص پیدا ہو جاتا ہے۔ گو یہ پہاڑ کوہِ طور، کوہِ ارارط، کوہِ نور، کوہِ رحمت، کوہِ صفا جیسی عظمت، شہرت، جلالت و جمالت نہیں رکھتا لیکن خواجہ غریب نواز اور میاں جی سرکار کے تصرفِ خاص نے اسے بہت سے تشرفات سے نواز دیا۔ میں اِک زمانہ سے اس متبرک پہاڑ کا گرویدہ ہوں۔ اس کے گرد آوارہ گردی کر کے مجھے اِک گونہ تسکین ہوتی ہے۔ اَب تو گاڑیاں فراٹے بھرتے اس کے اُوپر تک پہنچ جاتی ہیں۔ پہلے وقتوں میں اس پہ چڑھنا ایسا آسان نہ تھا۔ اس کے اُوپر خاصی وسیع جگہ ہے۔ میاں صاحب کا مزار مسجد دیوان لنگر خانہ، پولیس چوکی، پرانے قلعہ کے کھنڈرات اور مقامی لوگوں کے گھرانے اور چھوٹا بازار ہے۔

مزار شریف کے احاطہ میں حُجرے' لنگر خانہ' سماع گاہ' سبیل بھی موجود ہیں۔ یہیں قریب لنگر کی دو چھوٹی بڑی دیگیں بھی نصب ہیں۔ حُجم میں چھوٹی مگر شکل صُورت اور لنگر کی تیاری کا طریقہ وہی اجمیر' درگاہ شریف والا ہی ہے۔ مَیں نے اک زمانہ اِدھر اس پہاڑ کا خُوب مطالعہ کیا۔ مگر حسرت ہی رہی کہ میاں جی مجھے بھی اس چلّہ جبروت کی اجازت مراحمت فرمائیں۔ شاید مَیں اس لائق نہ تھا۔ مَیں نے اس پہاڑ کا بڑی گہرائی سے مطالعہ کیا۔ اک جنون تھا جو مجھے اِس کے اندر باہر لیے لیے پھرتا تھا۔ کھوہیں' کھائیاں' دراڑیں' غاریں...... ایسے ایسے کونے کھدرے اور بل سُرنگیں کہ جن میں شاید کوئی بھیڑ بکری بھی گھُسنے یا اُدھر جانے کی ہمت نہ کرتی ہو مَیں ہاتھ پاؤں کپڑوں کی پروا کیئے بغیر اُدھر گھس جاتا...... کئی بار بچھوؤں' گوہوں' سانپوں سے پالا پڑا مگر انجام کی پروا کیئے بغیر مَیں باز نہ آتا۔ بس! یہی لپکا کہ کوئی غار' سُرنگ یا کھُپّہ ایسا دکھائی دے جدھر کسی اللہ کے خوش نصیب بندے نے چلّہ جبروت کاٹا ہو [illegible] کیا ہو۔ مَیں دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ صاحبِ چلّہ اتنا لمبا عرصہ' کس مشغلے میں بسر کرتا تھا۔ خُجستہ کے طور پہ ہی سہی اُس کے خُورد و نوش کا بندوبست اور وہ کس طرح خود کو دُنیا کی نظر سے مستور کر لیتا کہ لاکھ جستجو کے باوجود اس کا کہیں سُراغ نہ ملتا۔

اس سے پیشتر کہیں عرض کر چکا ہوں کہ [illegible] چلّے' وظائف' مجاہدے' محافل' وغیرہ [illegible] نفس کی مختلف مشقتیں ہوتی ہیں جو صوفیاء اولیاء کے [illegible] میں روحانی تربیت کے دوران کروائی جاتی ہیں...... مسلمانوں پہ کیا موقوف یہ چلّے جوگا' تپیا' دھیان گیان' جاپ عبادت کی صُورت دیگر مذاہب میں بھی موجود ہے...... معلوم ہوتا ہے رُوحانی مدارج کی بلندی اور اپنے جسم و حواس' نفسانی خواہشات کی سرکشی پہ [illegible] حاصل کرنے کی خاطر یہ مشقتیں ضروری ٹھہرتی ہیں۔ واضح رہے یہ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں فقط چیدہ انفاس ہی اس اہل ہوتے ہیں جو تصوف و رُوحانیت کی ان پیچیدہ راہوں پہ استقامت دکھا سکتے ہیں۔

دیکھا گیا کہ ایسی آزمائشیں' تپیائیں چلّے مُجاہدے بھی عملی طور پہ دو طرح کے ہوتے ہیں جیسے جلی اور خفی یعنی ظاہری اور باطنی یا اختیاری اور ودیعتی۔ حرا' ثور کی غاریں' چاہِ کنعان' عراق' گیا' بندرا کے بَن' ایلیفنٹا' ایلورا' اجنتا' وشنو دیوی' خواجہ غریب نواز کی چلّہ گاہ' گورونانک' منکھو پیر کی چلّہ گاہ' بابا فرید اور خواجہ کے چلّے' صلیب' ٹکٹکی...... آتشِ نمرود' کشتی نوح' معرکہ کربلا' حلاج کا قتل' سُقراط اور میرا کے پیالے' سرمد کی کھال...... کسی یک دیدہ وَری ہویدگی کے لئے نرگس کا ہزاروں سال اپنی بے نُوری پہ رونا...... کیا یہ سب کچھ کسی چلّے یا مجاہدے کی ذیل میں نہیں آتا؟...... جبکہ حقیقت ہے کہ سو بار عقیق کٹنے کے بعد ہی نگیں ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ سانپ اور چور دیکھتے ہی دیکھتے نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ زمین' در و دیوار' آڑ' اوٹ' درخت ہر کوئی انہیں پناہ دے دیتے ہیں۔ ٹڈی کے سوراخ میں سانپ اور خس کی ٹٹی کی اُوٹ میں چور عین غین

ہو جائے۔ سانپ مسمریزم سے حواس مُختل کر دیتا ہے اور چور پکڑے جانے کے خوف سے سر پہ سلیمانی ٹوپی اُوڑھ لے مگر میں نے خود کبھی سانپ یا چور یوں غائب ہوتے نہیں دیکھا جبکہ کئی آستین کے سانپ اور بغدادی چور میرے آس پاس ہوتے ہیں...... ہاں البتہ اللہ کے وَلیوں کو کئی مرتبہ منظر سے یوں مستور ہوتے ضرور دیکھا کہ جیسے صاعقہ چَوند کرا وجھل ہو جاتی ہے یا انوکھی سی خوشبو کا کوئی لہرا، پلک جھپکنے میں مشامِ جاں کو باغِ بہشت کی فضا سے آشنا کر کے کہیں تحلیل ہو جائے۔

وَلی، جن بھی ہو سکتا ہے بشر بھی، اِن کے علاوہ کوئی اور مخلوق بھی اِس دَرجہ مقام پہ تفویض ہو سکتی ہے۔ انسان چونکہ افضل المخلوقات ہے اس لئے عام تصوّر یہی ہے کہ صرف یہ ہی دَرجہ ولائت تک رسائی پا سکتا ہے کوئی اور نہیں...... ظاہرین اور مستورین، دونوں اقسام کے وَلیوں کے دَرجات میں بھی کمی بیشی ہوتی ہے اُن کی ذمہ داریوں اور خدمات وکار میں بھی تفاوت وتقسیم ہوتی ہے۔ جیسے سمندروں میں مچھلیاں پکڑنے والے اور اندر نیچے سے مُونگے کی جڑیں اور موتی نکالنے والے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں...... بحرِ تصوّف میں بھی کچھ ایسے ہی ہوتا ہے۔ کچھ اُوپر اُوپر تیرنے والے اور کچھ اندر اندر ڈبکیاں لگانے والے...... وَلی کا ایک پیکر خاکی ہوتا ہے اور دُوسرا نُوری، جو ہر دو پیکر میں اپنے تصوّفی وُجود کی نمود میں [illegible] وظیفۂ حیات [illegible] جس پیکر کی کارکردگی مقصود ٹھہرتی ہے وَلی اُسی پیکر بروئے کار ہوتا ہے۔ جیسے [illegible] سمندر میں پیرتا ہے اور خشکی پہ بھی دوڑتا ہے۔ مُرغابی کی طرح، پانی اور خشکی دونوں مسکن۔ پانی میں رہے تو گیلی نہ ہو اور خشکی میں رہے تو میلی نہ ہو—— ''رام تیری گنگا میلی'' جب سب کے پاپ دھوئے گی تو میلی تو ہوگی۔ وَلی بھی بہتی گنگا کی مانند ہوتا ہے۔ کہاں سے پھُوٹی پھُوٹی، کدھر کدھر سے بہتی ہوئی، کس کس کو دھوتی ہوئی، جاگتی ہوئی سوتی ہوئی، ہنستی روتی ہوئی بحر وشال ساگر میں اپنا وُجود ضم کر دیتی ہے۔ سنگ وخشت کی دیوار روشنی کو روک دیتی ہے مگر شیشے کی دیوار اِس کو راستہ دے دیتی ہے۔ صدائیں، ندائیں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر چیخوں کراہوں اور فریادوں میں بدل جاتی ہیں۔ سنگلاخ پہاڑوں کے دَرّوں گھاٹیوں میں نرم خُو پُروائیاں، سبز پوش وادیوں مرغزاروں کی چاہ میں گم سم پتھروں سے سر پٹکتے پٹکتے خود بھی کسی نوکیلے پتھر پہ شیالی سی کائی بن کر جم جاتی ہیں جنھیں پھر مارخور اکھیڑ اکھیڑ کھاتے رہتے ہیں۔

علمِ کائنات کے طالبعلم بھی شاید افلاک میں بھٹکتے ہوئے اجرام کی مانند ہوتے ہیں کہ ہر پل ولحظہ کی ابتدا و انتہا میں مبتلا...... مدام گردشِ گردوں میں غلطاں...... نت نئے جہانوں، جھرمٹوں، کہکشاؤں، سیاروں، ستاروں، خلاؤں کے مطالعہ میں غرق...... حیات وکائنات کی صداقتوں حقیقتوں کی جستجو میں یہ بے چین اجسام پکھیرو اُوپر بہت دُور تک نکل لیتے ہیں ایسے کہ کائنات کی بسیط وُسعتوں میں اُنھیں اپنا کرۂ ارض اک خفیف

سے نقطے سے زیادہ دکھائی نہ دے۔ کائناتی مطالعہ و مشاہدہ میں یوں مگن کہ خود بھی آفاق و افلاک، ماہ و انجم کا اِک حصّہ بن گئے...... کرۂ ارض پہ رہتے ہوئے بھی وہ خلاؤں فضاؤں میں سانس لیتے...... اُن کی پروازِ متخیلہ بہت پرے کی کوڑی لاتی...... بطونی تہلیلِ نفسی اور مخصوص حسِ وہبی اُن کی تحقیق و تعلیم میں ممد ہوتی۔ مزید برآں اُن کی چشم کاوشی، رَسدگاہیں، مطالعاتی جدولیں اور دیگر رسالہ ہائے مضامین و تعلیل بھی اُن کے علم و ادراک میں گیرائی پیدا کرنے کے موجب ہوئے۔ علومِ متعارفہ اور غیر متعارفہ میں اَدق علم، شاید علم الافلاک ہے۔ تخلیقِ کائنات کے بعد یہی افلاک و آفاق ہی تھے جو قائم ہوئے بعد اَز دیگر جہاں ہویدا ہوئے جن میں ارض بھی تھی...... فرقان الحمید میں دیگر جہانوں کے ساتھ ساتھ متعدد جگہ ارض و سما کا ذکر بھی بطورِ خاص ہُوا، لیکن ارض کو دیگر دُنیاؤں جہانوں کی بہ نسبت تشرفات سے نواز کر متمیّز کر دیا۔ آدم کی سجدہ گہہ ہونا، عرش و فرش کا کعبۂ اللہ اور نبی کریم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائے تولد و مدفن ہونا، ارضِ فرش کو رشکِ کرسی و عرش بنا دیتا ہے۔

مدارِ ارض سے باہر پہنچتے ہی ارض کچھ سے کچھ دکھائی دینی شروع ہو جاتی ہے۔ آگ کا دہکتا ہوا شہابِ ثاقب، مٹی کا مٹیالا سا تودا، گرد و غبار سے اٹا پتھر کا ٹکڑا، کبھی الماس سا چمکتا ہوا گولہ۔ عجیب عجیب نظارے دکھائی [illegible] دیتے ہیں جو اس پہ استادہ پہاڑوں کے سلسلوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور ایک آڑھی ترچھی لکیری جو دُنیا کے عظیم الشان طویل تر دریائے نیل کی عظمت کا پتہ دیتی ہے اور دیوارِ چین کی باقیات بھی بنظرِ غور ملاحظہ کی جا سکتی ہیں...... اس کے بعد آگے بڑھتے رہیں تو دیکھیں کہ کرۂ ارض کا وجود اِک سراب کی سی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ تب آفاق کی بیکرانیوں میں افلاکی غبار کے اِک معدوم ذرّے سے سوا اس کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔

تحقیق سے معلوم ہوا عرشی، افلاکی، آسمانی، رُوحانی علوم کسی نہ کسی ماورائی طور دیگر عالمین کے علاوہ عالمِ مادہ، تراب، آتش و ہوا یعنی اِس کرۂ ارض پہ بھی اُترے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں، غاروں، گھپاؤں، گہری کھوؤں میں ان کا نزول ہُوا یہی ہُوا کہ بڑے بڑے نبی پیغمبر ولی اللہ کی توفیق سے یہیں دھیان گیان عبادت و مراقبات مجاہدات کی طفیل واقفِ اسرار ہوئے اور علومِ الٰہیات و کائنات سے مستفید ہوئے...... سو دُنیا کے بڑے بڑے پہاڑوں کی وجہ شہرت اور بزرگی، ایسی برگزیدہ ہستیوں کی رُوحانی سرگرمیاں ٹھہریں۔ ان بلند و بالا پہاڑی سلسلوں پہ قدسیوں، جنوں اور دیگر نوری ناری کی آمد و رفت رہی، یہیں سے ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ معراج شروع ہُوا۔ قادرِ مطلق نے ظاہری تجلی اور کلام سے نوازا...... وحی اور ہیبت اُتاری، پیغمبریاں نبوتیں عطا کیں...... کشتیِ نوح کو سلامتی دی...... پیغمبروں کی قیام گاہ، مرقد گاہ، پناہ گاہ اور آخری خطبہ گاہ بنایا۔ ان ہی

پہاڑوں پہ مختلف مذاہب کی درس گاہیں' آشرم' شفا خانے' قلعے' محلات اور سیرگاہیں وجود میں آئیں — یونان کے اشراقیوں' ہندو یوگیوں' بدھسٹ بھکشوں اور مسلمان صوفیوں کے علاوہ چوروں ڈاکوؤں اور مفرور مجرموں نے بھی یہیں اپنی کمین گاہیں بنائیں۔ بڑے بڑے تاریخی نوعیت کے بندی خانے' عقوبت گاہیں بھی انہی ناقابلِ تسخیر پہاڑوں پہ بنائی گئیں۔ برازیل میں پہاڑ کی چوٹی پہ یسوع مسیح کا بلند و بالا مجسمہ' اجنتا ایلورا کی غاریں' بدھسٹ راک' افغانستان اور ٹیکسلا میں بدھا کے دیوہیکل مجسمے' اسٹوپے' کوہ بابا کی غاریں دھارے کوہ ارارط' کوہ صیہون' چاہِ بابل' نینوا کے باغات' حکیم نخشب چاہِ ماہ' کوہ مکلی کے مزارات' متھرا وشنو دیوی کی سرنگ' رانی کوٹ' بامیان' کوہ سپید' قلعہ القیقان' کافر کوٹ کا قلعہ' کیرتھر کا قلعہ اور "اولڈ مین آف ماؤنٹین" حسن بن صباح کی پہاڑیوں میں جنت یا اسکردو میں شگر فورٹ وغیرہ اسی طرح اور بھی بہت کچھ کہ سب کا احاطہ ممکن نہیں...... تہذیب تو سے بہت پہلے ہزاروں لاکھوں برس پیچھے بھی بہت کچھ تھا...... پہاڑوں پہ ایسی ایسی جگہیں' جہاں دوسرے سیاروں' جہانوں کی مخلوق اُتری...... نظرِ بصیر رکھنے والوں پہ یہ راز کھلا کہ دیگر مخلوقات نے تختۂ ارض پہ سر بلند کیئے پہاڑوں کو ہی محض اپنی آمد کے لئے منتخب کیوں کیا۔ یہ اسرار و حکمت جاننے کے لیے ہمیں کتاب مبین سے رہنمائی ملتی ہے۔ مٹی نرم اور پتھر سخت ہوتا ہے۔ پہاڑوں اور [illegible] نوری ساخت نے اس نرم و سخت زمین پہ ایسے بھاری بھرکم سر بلند پہاڑ کھڑے کر رکھے ہیں۔ پہاڑوں کے عجیب و غریب طویل و عریض سلسلے جو زمین کو پکڑے جکڑے توازن کیئے ہوئے ہیں۔ بنی نوع انسان اور دیگر مرئی' غیر مرئی مخلوقات کے لیے بے بہا نعمتوں' سربستہ خزانوں و معدنیات سے مستفیض ہیں۔ ربّ الحکمت نے انہیں یونہی بلا مقصد تخلیق نہیں کیا۔ کرۂ ارض پہ حیات و بقا اور نمود و ارتقا کے لیے ان کا وجود نہ صرف ناگزیر ہے بلکہ آسمانی روحانی علوم کی ترسیل و تحصیل کی مد میں بھی یہ سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قادرِ مُطلق نے اپنی کمالِ حکمت و مصلحت سے مخلوقات میں کچھ مخصوص ہستیوں کو ایسی ایسی خاص و منفرد قوتوں' عُلوم و فنون اور صلاحیتوں کا مظہر و مرکز' امین و اتالیق بنایا ہے کہ اُس کی بے نیازی' عطا اور کرم نوازی کو دیکھ کر بے اختیار منہ سے سُبحان اللہ نکل جاتا ہے۔ اس بخشش و عطا میں حیوانات مُطلقہ یا حیوانات ناطقہ کی کوئی تخصیص نہ ہوئی...... کسی کے ہاتھ آہن لگ کر موم ہو گیا...... کسی کے دستِ مسیحائی سے کوڑھیوں اور مُردوں کو شفا اور بقا ملی...... کسی کی نگاہِ بصیرت سے نوشتۂ تقدیر بدل گیا...... کسی کے دمِ نفس سے جمعیت اور فسق و فجور فسانۂ فرسودہ ٹھہرے...... کسی کی شُجاعت کسی کی فراست' کسی کی علمیت...... کسی کا جلال' کسی کا جمال' کسی کا حسن اور کسی کا مال و اموال...... کہیں قناعت اور صبر شکر...... کہیں فاقہ و فقہ' کہیں سیاست و سلطنت اور ریاضت عبادت...... کسی کو بحر و بر کی شناوری عطا کی اور کسی کو آفاق و افلاک کی پیمائی دے دی...... کسی کو گُل شناسی

تو کسی کو سنگ سا ہی ودیعت کی...... یہ سب اُس ''کُل'' کی عطائیں ہیں جو ''جزُ'' کو اِنسانیت اور حقانیت کی جزو بندی سکھاتا ہے۔

بابا افغانی گیت ولی اللہ تھا...... پاتال کھوجا بھی وہ جماندو تھا...... پہاڑوں کا بیٹا، پہاڑ پتھر اُس سے باتیں کرتے تھے......وہ اُن کا ہم راز اور ہم نفس تھا جیسے وہ پہاڑوں سے ہو اور پہاڑ اُس سے ہوں...... درختوں کی جڑوں کی مانند پہاڑوں کی جڑیں بھی ہوتی ہیں...... درخت کی سب سے بلند پھنگ سے اگر باطنی رابطہ ہو جائے تو اس درخت کی جڑ کی آخری نوک کی خبر بھی لی جا سکتی ہے جبکہ درخت کی دھڑکن تو پورے درخت میں موجود ہوتی ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ جلال آباد کے نواح سے اجمیر شریف تک کا اَرضی سفر دراصل بابا کا ایک رُوحانی سفر تھا جو پاتال کے سم تال سے ہوتا ہوا تاراگڈھ کے بابرکت پہاڑ پہ پڑاؤ پڑا۔ یہیں بابا کی بیٹی کے ہاں پہلے بچے کی ولادت ہوئی اور یہیں چلہ جبروت کھینچنے کا حکم ملا۔ بابا نے ساری ذمہ داری فتح خان پہ رکھتے ہوئے۔ ایک روز عشاء کی نماز کے بعد دائیں جانب سے پہاڑ پہ چڑھ گئے...... خالی ہاتھ، نہ لوٹا نہ مصلّے، پانی نہ کوئی دال دَلیا...... نہ کسی وقت کا تعین کہ کب لوٹیں گے یا کسی ٹھور ٹھکانے کا نشان...... کل کلاں کے لیے کوئی ہدایت...... نصیحت نہ وصیت!

پہاڑ نے بابا کو یوں خود میں بھر لیا جیسے بھوک پیاس اور خوف سے کانپتے ہوئے نڈھال بچے کو اس کی ماں لپک کر اپنی ننگی چادر میں ڈھانپ کر سینے سے چمٹا لیتی ہے۔ ہاں...... اللہ کے بندوں، ولیوں، قطبوں، ابدالوں کو پہاڑ، جنگل، صحرا، سمندر، زمینیں آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیتے ہیں، دل وا کر دیتے ہیں۔ وہ اُن کی راہوں میں اپنی ساری محبتیں، پھولوں کی مانند بچھا دیتے ہیں...... فرمایا گیا کہ جو اللہ سے حیا کرتا ہے ساری مخلوق اُس سے حیا کرتی ہے...... جس کا مقصدِ حیات، اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو، اللہ کی مخلوق اُس کی رضا حاصل کرنے کی جستجو میں لگی رہتی ہے۔ ذرا تصور میں لائیے وہ زمانہ جب اللہ کے پیارے حبیب، اللہ کی عبادت و ریاضت کے لیے اپنے کنبے، معاش اور گھر مرکز سے علیحدہ ہو کر غار حراء میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ ایسا بلند اور دُشوار گزار پہاڑ کہ جس کی کوئی کل سیدھی نہیں......کوئی راہ راستہ ایسا نہیں کہ کوئی آسانی سے اُوپر پہنچ سکے۔ وسائل و ذرائع کے اس دور میں بھی جذبۂ ایمانی اور حُبِ رسول کے بغیر اُوپر پہنچنا کچھ ایسا سہل نہیں...... پہاڑ پتھروں نے اللہ کے رسولؐ کے راستے کو پھولوں سے بھر دیا...... کوہِ طور، کوہِ اراراط، کوہِ آدم، جبلِ نُور، جبلِ ثَور، ہمالیہ کے بلند و بالا پہاڑی سلسلے...... علیٰ ھذا القیاس اِسی طرح دُشوار گزار مشکل مگر اللہ والوں کے لیے یہ گلستان کی رَوِشیں بن گئے۔

اگلے روز فتح خان کچھ مقامی لوگوں کو لیے بابا کی تلاش میں نکلا مگر تلاش بسیار کے باوجود اس کا کہیں سُراغ نہ ملا۔ اُس سے اگلے روز اور پھر اِک لمبا عرصہ اس کی تلاش رہی مگر وہ جیسے وہاں سے کہیں چلا گیا ہو یا پھر

پہاڑ نے اپنے اندر کہیں چھپا لیا ہے۔ کچھ بعد اِک وقت آیا کہ تلاش بھی چھوڑ دی گئی۔ تلاش میں جنوں اور وارفتگی نہ ہو تو گوہرِ مراد حاصل ہونے کے بہت کم اِمکانات ہوتے ہیں یا اگر کہیں تعطّل واقع ہو جائے تو تلاش پھر تلاش نہیں رہتی بلکہ کوئی بھولی بسری خواہش بن کر سینے کی نیم گرم بھوبھل میں معدوم سی چنگاری بنی دب کر رہ جاتی ہے اور پھر وقت کے آتے جاتے موسم اِس بھوبھل کی بھد اُڑا کر اِس نام نہاد چنگاری کی چیں بجا دیتے ہیں۔ شیر خواری، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا بھی تو تلاش کے بدلتے موسموں کی طرح ہوتے ہیں۔ ایسے آگے پیچھے کے متوالے موسم بالآخر اَبد کے ایک ایسے چوراہے پہ پہنچ کر ہجوم کرتے ہیں جدھر اَربعہ عناصر کے راستے کھلتے ہیں...... دائیں بائیں، سامنے پیچھے پکّے ناریل کے چال بال اور کچّے اخروٹ کا چھام چھلکا...... جبکہ بیچ ناریل جل جیسی اَمرت دھارا کہ جنم منڈل پہ جیون اُدگھاٹن بھی یہی اور مرن مرتیو پہ کھوپڑی کے ناریل تلے مغزِ اخروٹ کا لٹکا بھی چھٹتے تو اُوپر کی سمت بھی یہی۔ معلوم ہوا کہ چہار سمت تو مادی آنکھ اور سانکھ کا کام کرے مگر پاؤں نیچے اور سر اُوپر صرف وہ آنکھ جو کسی نظرِ بصر والے کی آنکھ سے لڑی ہو۔ لیکن کہنے دیں کہ شش جہات کی سوجھ بوجھ تو بچے بھی رکھتے ہیں۔ لیکن کھوج کھکھور اور گیان کی سوجھ بوجھ کا سزاوار انسان ہی ٹھہرایا گیا ہے۔ مالکِ کُل جہاں، جہات عطا فرما دے...... گیان کھوج اور [illegible] ودیعت کی تو بس [illegible] اپنے آفاقی پیغام کو اس اجنبی جگہ [illegible] بے پناہ اپنایت دی گئی۔ جہاں وہ پیدا ہوا، کہاں کہاں گھوما پھرا اور کدھر کہیں ٹھہرا اُسے منزل کی نشاندہی ملی۔

اِس پربت پہاڑ نے اس "بوڑھے بچے" کو اپنی ایک چہیتی چنی ورگا نامی گپھا کے سپرد کر دیا۔ ورگا کی کھوہ اس کے لیے ایک سورگ کا سدن [illegible] گپھا کی چھت سے ایک خاص وقفے لے کر ننھی سی بوند کی صورت ٹپکتا ہوا اَمرت جل! اجل کا جل، بھوجن کا بھوجن، رسوئی کی چنتا نہ چولہے کی بیگار...... یوں کہ شدھ جیون کے سارے کرم کارج اِدھر موجود ہوں دھیلی ریتی، جو گرمیوں میں ٹھنڈی اور سردیوں میں گرم...... عجیب قدرت کے پچھلے پہر کی سی روشنی بھی موجود جبکہ چاندنی راتوں میں چندرما کی شیتل کرنیں گپھا کے اندر کے دودھیائی پن کو مزید اُجال دیتیں۔ دم کی دھانس کو دھکانے کے لیے جتنی ہوا کی خاصیت، دباؤ اور بہاؤ چاہیے ہوتے قدرت نے اپنے اس بندے کے لیے اُس کا بھی معقول انتظام کیا ہوا تھا...... شہد، کوئلہ اور پتھر کرم [illegible] ردِ عفونت و بوسیدگی بھی ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ روغنِ زیتون کلونجی، سرکہ، پیاز، لہسن، نیم، کافور [illegible] کی برودت بھی دافع جراثیم اور تعفّن ہیں۔

جب اللہ کی رضا، مرشد کی دعا سے کسی اہل کو ظاہر سے باطن کی جانب رجوع کی عطا ملتی ہے گلیمِ فقر سے نوازا جانا مقصود ہوتا ہے اور اقلیمِ کائنات میں کہیں کوئی خدمات تفویض مقصود ہوں تب [illegible]

عالمِ ہست و وجود سے عالمِ لاہوت و شہود کے رُخ پہ ڈال دیا جاتا ہے...... اس کے طبع و مزاج میلان و مراتب کے مطابق اربعہ عناصر میں سے کوئی ایک وسیلۂ تکمیلِ جہد منتخب کر لیا جاتا ہے۔ کسی کو کوہ و برّ میں اور کوئی دریا سمندر میں اُتار دیا جاتا ہے۔ صحراؤں' ویرانوں جنگلوں میں ڈیرے ڈلوائے جاتے ہیں یوں کوئی برف زاروں' آتش فشاروں میں ٹھکانا پکڑتا ہے۔ چہار جہت عالمین صغیرہ میں مشرق' آتش نظاماں...... مغرب' باد بداماں...... شمال آب بستہ اور جنوب تُراب خستہ...... مگر ٹھہریے! ایک تو یہ چہار جہتی نظام ہے مگر اس کے ساتھ دو جہتیں اگر اور شامل کر لیں تو ایک شش جہتی نظام سامنے آتا ہے وہ دو جہتیں عالمِ زیریں اور عالمِ بالیں ہیں۔ ایک تحتِ الثریٰ یعنی زمین کے نیچے کا طبق' پاتال وغیرہ دُوسرا عالمِ بالا یعنی عالمِ افلاک' گردشِ کواکب' خارجی دُنیا' سُورج کے طبقات...... عرش سیر آفاق و انفاس وغیرہ۔ اپنے اپنے مقامات کے تحت درجات تقسیم ہوتے ہیں مگر چنداں مقربانِ الٰہی یوں بھی کہ انہیں شش جہات عالم کی [illegible] و علائم مُتصف کر دیے جاتے ہیں۔ کشفیاتِ ثریٰ اور عالمِ افلاک و امثال کی باز دیدہ بازگشت سے مستغنی کر دیا جاتا ہے۔ ہبوط و صعود کے لئے وسیلۂ باجحت اور [illegible] و سہولت کی ضرورت نہیں رہتی......۔

لوح محفوظ است عرش اول

ہفتے [illegible] فراق اور انتظار کی ٹیسیں بھی وقت اور صبر کے پیش پیش شانت پڑ جاتی ہیں...... انسان دُکھتی آنکھوں کے ساتھ' وقت کے سُورج کی جھلسا دینے والی تمازت کے سامنے کھڑا رہنے کا حوصلہ پکڑ ہی لیتا ہے۔

فتح خان اک عرصہ تک اپنے خُسر' افغانی بابا کو بھول نہ پایا لیکن وقت تو بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ اسی دَوران دو بچوں کا باپ تک بن چکا تھا...... اک گردش تھی یا روزی روزگار کا ہیر پھیر کہ اُسے اپنے خاندان کے ساتھ ایک بار پھر جودھ پور کی جانب مراجعت کرنا پڑی...... پیشہ ور سپاہی کہ کوئی اور کام دھندا تو اُسے آتا نہیں تھا۔ چھوٹے موٹے راجواڑوں میں وقت گزاری کرتا رہا۔ وہ اپنے آبائی پیشہ سپاہ گری میں نام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ خوش قسمتی سے وہ راجپوتانے کی کسی مہم میں ایک جنگجو سردار کی نظر میں آ گیا۔ اُس نے اس کے عسکری تیوروں' چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بھانپتے ہوئے' راجدھانی جے پور میں قسمت آزمائی کا مشورہ دیا اور ساتھ اپنے اتالیق کی خدمت میں سفارشی پیغام بھی بھیجا کہ یہ وفا شعار' خدمت گزار بندہ' سپاہیانہ خوبیوں سے مالا مال ہے اس کی عسکری قائدانہ صلاحیتوں کو مزید اُجاگر کرنے کے لیے اس کی رہنمائی کیجیے۔

ٹھاکر خوشبیر سنگھ' جو راجہ دھنپت رائے کا سمدھی اور سیناپتی بھی تھا اس سے مل کر بہت خوش ہوا' دیکھتے ہی اندازہ کر لیا کہ یہ جواں سال ستیزہ کار' اک دن ضرور اس کا اور اپنا نام روشن کرے گا' چنانچہ اس نے راجہ کی

سینا میں اگلی باڑ کے لڑاکوں میں اسے شامل کر لیا۔ فتح خان شیروانی نے اپنے قابلِ فخر اُستاد اور محسن کو ہرگز مایوس نہ کیا۔ اُس نے شجاعت اور حربی حکمت و دانش کے ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیئے کہ دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔ کچھ ہی عرصہ میں وہ اپنے اوّلین نمایاں جنگجوؤں میں اِک نمایاں حیثیت اختیار کر گیا۔ اپنے جیش کا سالار مقرر ہوا تو ناگہاں ایک صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وبائی بیماری میں مبتلا ہو کر اُس کی بیوی داغِ مفارقت دے گئی...... بوڑھی سدا کی بیمار ساس نے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لیں تھیں دوسری شادی کے لیے اس کی طبیعت آمادہ نہ تھی اَب شاید وہ ازدواجی بکھیڑوں میں پڑنا نہیں چاہتا تھا اُس کا پہلا اور آخری پیار اور شوق ہی میدانِ کارزار میں معرکہ آرائی تھا۔ اَب جیسے اُس کی تمام تر توجہ اپنے سپاہ گری کے پیشہ پہ مرکوز ہو گئی ہو۔ بچوں کی جانب سے بھی مایوسی سی تھی کہ ایک چھوٹا اور دوسرا ڈھیلا ڈھالا' جیسے وہ سپاہی کا نہ کسی بنئے ساہوکار کا سپوت ہو...... ساس اور دیگر افراد کے گلے سب ذمہ داری ڈال کر وہ راجہ کی رسالداری کا ہو کے رہ گیا۔

گھر داری کا باغی اور راجہ کا وفادار' شجاعت و شہرت کی منزلیں مارتا مارتا اَب اُس مقام و منزلت پہ متمکن ہوا کہ راجہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ کی مانند پہچانتا تھا۔ اَب وقت کی گرہ کھلتی ہے اَمر حق ہوتا ہے کہ [illegible] بابا اچانچک [illegible] اگندھ کے پہاڑ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس [illegible] کہ اُن کی پہلی پہچان اور [illegible] جیسے گزرے موسموں کی با[illegible] ایسے [illegible] پہ بوڑھے کی بات دکھائی دیتا تھا جو کھدائی کے دوران کسی پرانی قبر سے اچانک دریافت ہو گیا ہو۔ اس علاقہ کے کسی جوان بوڑھے مرد [illegible] نے اُسے پہچاننے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ وہ ادھر تھے بھی نو وارد کسی سے ڈھنگ کی جان پہچان بھی نہ تھی اب جب اُسے گھر والے بھی اِدھر دکھائی نہ دیئے تو چار و ناچار دلق میں منہ دیئے گودڑی سمیٹے میاں میراں حسین شاہ کی مسجد کی زد میں پڑ گیا کہ اَب جو آگے حکم ہو؟

شیر خوار بچہ جب ماں کی گود میں آسودہ ہوتا ہے تو وہ اُس کے دل کی دھڑکن سے اپنی سانسوں کے سُر ملائے ہوئے ہوتا ہے۔ کھوتی' خاص طور پہ پاتال کھوجا اور وہ بھی ولی اللہ! دھرتی ماتا کے سینے پہ سر رکھے یوں دکھائی پڑا تھا جیسے کوئی بن باپ بالک' سخت جاڑے میں ماں کی گود گودڑی میں سمٹا سمٹایا پڑا ہو [illegible] بچہ بوڑھا ایک سا ہی تو ہوتا ہے۔ اکثر بچوں میں بوڑھے اور بوڑھوں میں بچے اُگے ہوتے ہیں۔ [illegible] منزلیں پرے سے پور گھاٹ دروازہ تکیہ بابا اعظم شاہؒ کے پچھواڑے اِک چھوٹے سے مکان کے [illegible] سنگِ مرمر' کشتی پتھر' سنگِ سرخ اور زرد پتھر کے کنچوں سے کھیلتے ہوئے اِک بچے میں ایک بوڑھا اُگ چکا بس اَب سر بالیں دانہ پڑنے کی دیر ہے۔ بچے کے باپ فتح خان تو اَب برسات کے برسات کہیں گھر آتے تھے بچے کو باپ کی شفقت سے کہیں زیادہ بوڑھی نانی کی ڈپٹ سے سامنا رہتا۔ جو اُس کی کھلنڈری طبیعت

آرام طلبی کی عادت سے بیزار تھی۔ ہر وقت کنچے کھیلنے کی وجہ سے وہ خاصی برہم رہتی اور اُس کے باپ سے شکایت کرنے کی دھمکی بھی سناتی ...... ایسا باپ! جس میں پدرانہ شفقت کی ازحد کمی تھی اُسے خاندانی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات عزیز تھیں۔

بیکانیر کے یدھ گڈھ میں اک لمبی جنگی مشق سے فراغت پا کر جونہی وہ جودھ پور پہنچا تو ساس کی جانب سے ایک اشد ضروری پیغام اس کا منتظر تھا۔ دل میں فکرمندی کی گانٹھ دبائے اُفتاں و خیزاں جے پور پہنچا جدھر اس کی بوڑھی ساس اپنی تنگدستیوں بیماریوں' اپنے نواسے یعنی اُس کے بیٹے کی کھلنڈری طبیعت اور عجیب وغریب حرکتوں کا گٹھڑ سنبھالے اُس کی منتظر تھی۔ لڑکپن' نام ہی شرارتوں شیطانیوں کا ہوتا ہے۔ اگر یہ حرکتیں کسی بچے میں نہیں ہیں تو وہ اپنی عمر اور اس کے تقاضوں کے حساب سے متوازن نہیں ہوتا۔ مگر اکثر بچوں میں کچھ حرکتیں اور باتیں ایسی انوکھی ہوتی ہیں کہ ان سے اغماض برتا نہیں جا سکتا۔ ان پہ فوری توجہ دھرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس کی عمر رسیدہ اور زمانہ چشیدہ ساس نے اپنے بڑھاپے اور مستقل بیماریوں کا رونا روتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اُس کے بچوں کی نگہداشت اور پالنے پوسنے سے قاصر ہے۔ تہذیب دار' فرمانبردار بچے [illegible] تو وہ کسی نہ کسی طور یہ ذمہ داری اُٹھا لیتی [illegible] دکھاتا' نانا نجانے کہاں غائب ہو گیا۔ ادھر ہے یا واپس افغانستان چلا گیا۔ اب میں بڑھیا رہ گئی ہوں۔ بچے کو واپس وطن لوٹا دو...... میں ادھر رکھنا نہیں چاہتی۔ فتح خان بڑھیا کی کڑوی کسیلی مگر سچی باتیں خاموشی سے سُنتا رہا وہ چُپ رہنے کے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا مگر وہ ٹھٹکا اُس وقت جب اک عجیب سی بات اُس کے کانوں میں پڑی...... بڑھیا اُسے ساتھ لیے پچھلی کوٹھڑی میں چلی آئی۔ کونے میں پڑے [illegible] کاٹھ کباڑ سے اک پرانی مٹی کی ہنڈیا اُس کے سامنے دھرتے ہوئے بتانے لگی۔

"لو' دیکھو یہ کنچے! خدا جانے کہاں سے لاتا ہے...... کون اسے دیتا ہے؟ بس' سارا دن انہی سے کھیلتا رہتا ہے...... کھانے کا ہوش نہ کپڑوں کی فکر' ننگے پاؤں ننگے سر صبح کا گیا رات پڑے لوٹتا ہے۔"

فتح خان پھٹی پھٹی نظروں سے ہنڈیا میں بھرے ہوئے عجیب وغریب' رنگ برنگے کنچوں کو یُوں دیکھ رہا جیسے وہ کنچے نہ ہوں سنپولیے ہوں...... کچھ توقف کے بعد قدرے تامل سے ہاتھ بڑھا کر ایک سرخ کنچا اُٹھایا۔ بنٹے کنچے' بچپن میں تو وہ بھی کھیلتا رہا مگر کنچا ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے اُس کا غیر معمولی وزن اور چمک دمک محسوس کرتے ہوئے سوچنے لگا...... معمولی کانچ شیشے کے بنٹے گولیاں ایسی وزنی اور خوبصورت چمکدار نہیں ہوتیں۔ وہ مزید آگے جھک کر غور سے دیکھنے لگا...... کوئی خراش یا ٹوٹ پھوٹ بھی کہیں دکھائی نہ دی...... ایک ایک کر کے ساری گولیاں بنٹے دیکھیں۔ صاف شفاف' کوئی سیاہ' کوئی سرخ' کوئی سفید اور سبز...... جب کچھ صحیح

سے سمجھ میں نہ آیا تو اس نے سارے پتھر ہنڈیا میں واپس ڈال کر' بیٹے کو لے کر بیٹھ گیا...... کچھ لمحے اُسے گھورنے کے بعد قدرے نرم خوئی سے پوچھا کہ نگینے کہاں سے لیئے۔ بچے نے رٹے رٹائے سبق کی طرح سب کچھ اُگل دیا کہ اُدھر تکیہ بابا اعظم شاہ میں ایک بابا دکھائی دیتا ہے۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ ہر روز مجھے نگینے بھی دیتا ہے اور مزے مزے کے کھانے بھی کھلاتا ہے۔

فتح خان نے مزید پوچھا۔ ''وہ بابا کون ہے اور تم اُسے کب سے جانتے ہو؟''

''میں اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا مگر وہ میرا' آپ کا اور نانو کا نام بھی جانتا ہے اور کہتا تھا تمہاری ماں میری بیٹی ہے اور میں تمہارا نانو ہوں۔''

بچے کا یہ بتانا تھا کہ اُس کی نانی چیخ اُٹھی۔

''فتح خان! تمہیں مبارک ہو تمہارے بابا مل گئے۔ چلو اُٹھو اُنہیں گھر لے آتے ہیں۔''

پتھروں والی ہنڈیا واپس اپنی جگہ پہ رکھ کر وہ تینوں بھاگم بھاگ تکیہ پہ پہنچے تو وہاں کوئی بابا وابا نہیں تھا اِدھر اُدھر دائیں بائیں دیکھا' دوکانداروں سے پوچھا' حلیہ بتایا مگر سب ہی کا یہی کہنا تھا کہ اس حلیے شکل وصورت اور عمر کا بوڑھا' اُنہوں نے پچھلے چالیس [illegible] ادھر کہیں نہیں دیکھا' [illegible] البتہ اس بچے کو اِدھر سامنے دیوار کے پاس بیٹھا ہوا ہر روز دیکھتے ہیں۔ ہم اسے کوئی لاوارث بچہ سمجھے تھے۔ [illegible] بڑبڑاتا بھی رہتا ہے۔ شاید یہ خود کلامی کا بھی مریض ہے۔ پاس کھڑے ایک بھک منگے نے ایک اور انکشاف کیا کہ میں نے کئی بار اس لونڈے کو بڑھیا بڑھیا بھوجن کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ ایسے بھوجن تو حاجی حبیب اللہ کے ہوٹل سے بھی نہیں ملتے۔

فتح خان نے اپنے طور اِدھر اُدھر سے مزید کرید کی مگر بابا کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ اِدھر بچہ بڑے یقین اور اعتماد سے بابا کے ساتھ ہر روز ملاقات' گود میں بیٹھ کر طعام اور مٹھائی سے پیٹ بھرنا' نگینے لیتا بتا رہا تھا اُس کی بات پہ یقین نہ کرنے کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہ تھی۔ ساری شہادتیں اُس کی سچائی کی تصدیق کرتی تھیں۔

خاصا وقت خراب کر کے بچے کو گھسیٹتے ہوئے جب وہ گھر واپس پہنچے تو ساس داماد دونوں سر پکڑ کے بیٹھ گئے اور نئے سرے سے غور کرنے لگے...... سردست تین نکات ایسے تھے جو لاینحل تھے۔ سرفہرست یہ کہ اگر کہیں سے ظاہر ہو کر یہاں پہنچ ہی گئے ہیں تو گھر والوں کی بجائے اس بچے سے ہی کیوں رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور کو دکھائی کیوں نہیں دیتے؟ تیسری بات ان غیر معمولی پتھروں نگینوں کی جو کوئی معمولی شیشہ یا زجاج ہرگز نہیں تھے۔ اُن کی صاف شفاف رنگت' خوبصورتی اور [illegible] سطح گولائی...... حجم سے زیادہ وزنی ہونا یہ ثابت کرتا تھا یہ کوئی عام دستیاب ہونے والے بلوریا پتھر نہیں۔ [illegible]

سوچ بچار کی حلیم گھوٹنے میں خاصا وقت نکل لیا۔ اسی دوران بچے نے بسورنا شروع کر دیا کہ مجھے بھوک لگی ہے۔ نانی نے جو ہاتھ لگا سامنے لا کر رکھ دیا...... میں یہ نہیں کھاؤں گا' منہ لٹکائے اُٹھ کھڑا ہوا اور باہر نکلنے کے لیے دروازہ کی جانب بڑھا۔ نانی نے وہیں سے ڈانٹ پلائی۔ خبردار جو باہر نکلا! اتنے دنوں بعد باپ گھر داخل ہوا ہے اور تو باہر نکل رہا ہے۔ فتح خان نے چند لمحے کچھ سوچا اور ساس کو چپ رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے بچے کو باہر جانے کی اجازت دے دی۔

● پٹھان کا پُوت' گھڑی میں وَلی گھڑی میں بھُوت......!

وُہ ایک چھلاوے کی مانند اُن کی دسترس سے نکلا۔ آڑی ترچھی چھلانگیں لیتا ہوا چشم زدن میں وُہیں آ ٹکا جدھر ہر روز اُس کا نانا نیاز کھانا مٹھائی اور کچھ لیے اُس کا انتظار کر رہا ہوتا۔ اِدھر فتح خان اپنی بوڑھی بیمار ساس کو گھسیٹتا ہوا پیچھے پیچھے وہاں پہنچا۔ شاید کچھ لمحوں کی دیر ہو چکی یا کچھ انہیں دِکھائی نہ دیا۔ وہیں پھولوں والی دوکانوں کے سامنے مسجد کی دیوار کے ساتھ پھسکڑا مارے [illegible] تھا [illegible] کا پلاؤ اور [illegible] کبابوں کا دونا اور وہ ہیر [illegible] مار رہا تھا۔ اُسے اِس حالت میں دیکھ کر دونوں ہکا بکا رہ گئے۔ اِسی اثنا میں وہ فقیر' جس کا مستقل ٹھکانا [illegible] مسجد کا کونا تھا پاس چلا آیا' سامنے والے پھلیرے بھی اُتر آئے۔ بچے نے جب باپ' نانا اور دیگر لوگوں کو دیکھا تو دونا پھینکتے ہوئے اُٹھ بھاگا۔ باپ پیچھے لپکا پر چھلاوہ کہاں ہاتھ آتا ہے۔ ان لوگوں سے پوچھا...... یہاں بچے کے ساتھ کوئی بیٹھا تھا [illegible] ہوئے ایک بولا۔ ’’بھیا! یا تو تم باولے ہو یا پھر ہمیں باولا سمجھتے ہو۔ چوبیس کلاک یہاں بیٹھے بچے جوان بوڑھے ہی نظروں سے نکالتے رہتے ہیں...... یہ تمہارا باولا لونڈا ذرا کی ذرا پہلے بھاگتا ہانپتا ہوا یہاں پہنچا تھا' مُڑ مُڑ کے دیکھ رہا جیسے کوئی اس کے پیچھے پڑا ہو...... خالی ہاتھ منہ بھاڑ لیے ادھر اپنے والی جگہ پہ بیٹھ لیا...... یہ جُمن فقیریا بھی اس کونے پہ کھڑا اپنے دھندے میں لگا تھا...... بس ایک آدھ خالی نظر کسی گراہک کی جانب اُٹھی ہو گی پھر جو پلٹ کر دیکھا تو اُس کے پاس پلاؤ کبابوں کا دونا دھرا تھا...... قلا قند امرتی بھی پتے پہ پڑی تھی۔ لنگر نیاز تو ہر روز ادھر بٹتا رہتا ہے...... ہم بھی کھاتے ہیں۔ پر بھیا! ایسا پلاؤ کباب اور قلا قند امرتیاں تو ہم نے کبھی ادھر بٹتے نہیں دیکھیں اور نہ ہی اس طرح کے پتے دونے ادھر کہیں ہوتے ہیں...... ہمیں تو یہ بھی کوئی جن بچہ ہی دِکھے ہے۔ جن ہی اسے ایسا بڑھیا کھانا دے کر جاویں۔

فتح خان' ساس کو گھر چھوڑ کر اِس ’’جن بچے‘‘ کو تلاش کرنے دوبارہ درگاہ شریف کے اطراف نکل

آیا۔ وہ سوچ رہا تھا' اُس کی ساس ٹھیک ہی کہتی تھی کہ وہ اس اَچپل بچّے کی ذمہ داری اُٹھانے کے قابل نہیں۔ اس کی پُر اَسرار' ناقابلِ فہم حرکات و سکنات خاصی مشکوک ہیں۔ یہیں اُسے اپنی مہربان بوڑھی ساس پہ بے پناہ ترس آیا۔ دِل میں فیصلہ کر لیا کہ اَب وہ کسی کو بھی اِس بچّے کی وجہ سے پریشان ہونے نہیں دے گا۔

بچّے کی تلاش میں خاصا سرگرداں رہنے کے بعد وہ تھکا ہارا مایوس سا مسلم سرائے کے عقب' ڈھیرے والے میدان میں' دَم دُرست کی غرض سے نکل آیا۔ وہ سامنے ایک درخت کے نیچے نچنت بیٹھا' کنچے کھیل رہا تھا۔ ایک کنچا سامنے دَھرا تھا دُوسرا' اُنگلی کے ڈھرے پہ...... وہ پیچھے سر پہ کھڑا' کھیل میں اس کی محویت دیکھ رہا تھا۔ ایک ہلکا نیلا قدرے چھوٹا' دوسرا اَنست سرخ سا...... کنچے تھے کہ جواہر دانے! دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسی کیفیت میں مُنہ سے سُبحان اللہ نکلا' اسی لمحہ بچّہ کی اُنگلی کی اَنٹ پہ چڑھا ہوا کنچا بھی چھُوٹ لیا۔ کنچے سے کنچا جب ٹکراتا ہے تو کھلاڑی بچّوں کے دل بلّیوں اُچھل پڑتے ہیں۔ ناگاہ باپ کو سر پہ کھڑا پا کر اس ننھے کھلاڑی کا دل نہیں کلیجہ اُچھل آیا تھا۔ تند خو جہاں گر زیرک باپ نے شفقت بھرا ہاتھ اُس کے سر پہ رکھتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے ایک خوب سا [illegible] بھرا سنگترہ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دونوں کنچے نیچے سے اُٹھا کر اُس کی [illegible] جیب میں ڈالتے ہوئے اُس کے ساتھ ہی گھاس پہ بیٹھ گیا...... باپ [illegible] پہلی [illegible] ملاقات تھی جس کی پیش رفت فی الواقع باپ [illegible] نیا تجربہ تھا۔ بچے وہ اسے دیکھتے ہی بھاگ لیتا تھا آج وہ اُس کے ساتھ بیٹھا کنچے بھول کر پھولے ہوئے خُوب زرد و سبز سنگترے کو للچائی بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

باپ نے کمال رسائی سے پوچھا۔

''کھانا کھا لیا ہے؟''

''ہاں آج نانا بابا بہت بڑھیا کھانا اور مٹھائی لائے تھے۔ پیٹ بھر کے کھایا ہے۔''

فتح خان نے حیرت سے آنکھیں دوچند کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا! کبھی ہمیں بھی ایسا بڑھیا کھانا اور مٹھائی کھلاؤ...... مونگ ارہر کی دال کھا کھا کر پیٹ پھولنے لگا ہے۔''

وہ انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

''نا' ناں...... نانو بابا ماریں گے...... وہ کھانا میرا ہوتا ہے کوئی اور نہیں کھا سکتا۔''

''اچھا اچھا' اپنے نانو بابا سے ہمیں ملوا تو سکتے ہو...... ہم اُن سے خُود ہی مانگ لیں گے۔''

''وہ کسی سے ملتے بھی نہیں ہیں۔ صرف مجھ سے ملتے ہیں...... کہتے تھے تم میرے دوست ہو۔ [illegible]

لیے تو وہ مجھے ہر روز کھیلنے کے لیے دو اچھے اچھے کنچے دیتے ہیں۔ کہتے تھے یہ کنچے نہ کسی کو دکھانا، نہ دینا...... جمع کرتے رہنا، یہ بہت قیمتی ہیں۔"

فتح خان نے اپنا وطیرہ بدل لیا تھا جیسے وہ سپاہی سے اک دم مُشفق باپ کے رُوپ میں بدل گیا ہو۔ گو وہ ابھی تک تمام تر صورتِ حال سے کما حقہٗ واقف نہیں ہُوا تھا تاہم اتنا ضرور سمجھ گیا کہ اُس کا سُسر اور اتالیق، پاتالہ کھوجا افغانی بابا جو عرصہ پہلے ایک رُوحانی مجاہدہ کے سلسلہ میں تارا گڈھ پہاڑ میں کہیں رُوپوش تھا اَب تکمیل کے بعد واپس آ چکا ہے۔ اپنے نواسے سے مِلتا ہے اور اُسے اچھے اچھے کھانے مٹھائیاں کھِلاتا ہے۔ قیمتی کنچے کھیلنے کے لیے دیتا ہے مگر خود اپنے گھر والوں کے سامنے نہیں آتا نہ کسی اور کو دِکھائی دیتا ہے۔ اِس کی کوئی معقول وجہ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

اُس نے مزید کچھ جاننے کے لیے بڑے ڈھنگ سے پوچھا۔

"تم اپنے بابا کو گھر کیوں نہیں لاتے...... تمہاری نانو اور مَیں خود بھی اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ اگر تمہارے بابا ہیں تو ہمارے بھی تو بابا جان ہیں۔"

وہ ہاتھ نچاتے ہوئے بولا۔ "مَیں نے بابا سے کہا تو وہ کہتے تھے مَیں تم سے بڑی مشکل سے ملتا ہوں کسی اور سے نہیں [illegible]"

وہ اُسے بڑی معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

"واہ بیٹا واہ۔ بابا تم سے تو مل لیتے ہیں مگر ہم سے ملنے کے لیے انکاری ہیں...... آخر تم بھی تو میرے بیٹے ہو...... اگلی بار اُن سے ملو تو ہماری سفارش کرنا۔ اُن سے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے۔ اُن کی باتیں، شفقت مہربانیاں یاد آتی ہیں۔ بتاؤ" اُن کی صحت کیسی ہے؟ چہرہ ویسا ہی ہے جیسے تمہاری پیدائش سے پہلے تھا؟"

وہ باپ کے چہرے کو یُوں تک رہا تھا جیسے وہ کوئی دلچسپ سی کہانی سُنا رہا ہو۔ کچھ صحیح سے نہ سمجھتے ہوئے بتانے لگا۔

"مَیں نے تو کبھی نانا کا چہرہ دیکھا نہیں، نہ ہی وہ صاف سامنے دِکھائی دیتے ہیں...... کپڑے، جوتے، پگڑی کچھ بھی تو نہیں ہوتا پھر بھی وہ میرے پاس موجود ہوتے ہیں...... جیسے آپ میرے پاس بیٹھے ہیں۔"

واپس گھر لوٹتے وقت باپ بیٹا دونوں خاموش تھے۔ باپ اس وجہ سے خاموش کہ پتہ نہیں اس میرے پہلوٹی کے بچے کا کیا ہوگا؟ جو گھر میں اُٹھا پٹخا کرتا ہے اور نہ ہی مکتب مدرسے جاتا ہے۔ ہر چند کہ نا خواندہ نانی اُسے وقتاً فوقتاً نماز کلمے پڑھاتی رہتی...... مگر اُس کا زیادہ تر دھیان احمقانہ حرکتوں، کنچے کھیلنے، اِدھر اُدھر آوارہ گردی میں رہتا۔ اَب یہ نانا بابا والی نئی اُفتاد آ پڑی تھی۔ اَب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرے

اور کیا نہ کرے۔ سوچنے لگا اِدھر آیا تو تھا دو چار روز کے لیے مگر لگتا تھا اب اِدھر کا قضیہ نبٹا کر ہی جانا پڑے گا۔''

گھر پہ پہلی رات' خُوب گھوڑے بیچ کر سویا۔ دن بھر کی جاں گُسل دوڑ دھوپ اور پُراسرار قسم کے حالات و واقعات نے نڈھال کر کے رکھ دیا تھا۔ رات بستر پہ یُوں لگا تھا جیسے جسم سویا پڑا ہے لیکن کھوپڑی میں کچھ کُلبلا رہا ہو۔ بعض اُلجھے معاملے جو کوشش کے باوجود سمجھ میں نہیں آتے تو ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے دماغ اُٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے اِک عجیب سی ورزش میں مُبتلا رہتا ہے اور جب تلک کوئی کَتا برآمد نہ ہو جائے بندے کی ایسی ہی حالت رہتی ہے۔''

صبح فجر کی نماز کے بعد نگینوں والی ہانڈی لیئے بیٹھ گیا۔ گزرے روز والے دونوں نیلے اور سُرخ نگینے ابھی تک واسکٹ کی اندرونی جیب میں تھے۔ اُنہیں بھی شامل کر کے سب مُصلّے پہ ڈال لیے...... چھوٹے بڑے درمیانے رنگ برنگے گول قیمتی پتھر اُن کے سامنے اپنی بہار دِکھا رہے تھے۔ بہجت کا اِک خُوشگوار سا احساس دِلانے والی آب و تاب' اُن کے اندر بڑی لطیف سی خیرگی اُچھال رہی تھی۔ کچھ دیر دیکھنے کا مزہ لینے کے بعد یکے بعد دیگرے اُن کے لمس سے محظوظ ہونے لگا...... یکبارگی دل چاہا کہ وہ اُن سے کھیلے' بار بار گنے اُن سے باتیں کرے۔

مُراُٹھا [illegible] کے چہرے پہ گلزار کھلا دیئے تھے' پھر یُوں جیسے اُن سنگ دانوں سے ہلکا ہلکا نیلگوں غُبار چھٹنے لگا ہو۔ نقرئی' زرد نیلی دھویں کی دھنک نے دھوم مچا دی...... دھیان بٹنے لگا مگر ہوش تو تب بگڑے جب کچے اگر کے بخور نے اس کے نتھنوں میں گھس کر یہ احساس دلایا کہ یہاں اس کے علاوہ بھی کوئی ہستی موجود ہے' ہلکی ہلکی بے ترتیب سانسوں کا زیروبم' صاف سُنائی دے رہا تھا۔ پھر لگا کہ کوئی آہستہ سے سرک' نگینوں والی ہنڈیا کے پاس آ گیا ہو...... اِن لمحوں میں وُہ سانس لینا' آنکھیں جھپکنا بھی بھول گیا۔ جس طرح دانشِ نُورانی اور دانشِ افلاکی میں تفاوت ہوتا ہے اسی طرح رازہائے کائنات اور رازہائے ماورائے کائنات میں بھی فرق ہے۔ بشری تقاضے اور نُوری تقاضے بھی علیحدہ علیحدہ...... مگر جب کسی ہستی میں دونوں صفات موجود ہوں تو پھر جانچنا پڑتا ہے کہ باہم توازن کی نسبت کیا ہے۔ مادیت ماورا ہے یا نُوریت......؟ اگر نُوریت' ماورائے ادراک ہو تو وہ مادیت کے تقاضوں پہ متکلم ہوگی اور اگر مادیت محیط اور نُوریت نگوں سار...... تو پھر مادیت کے مقاصد مقدم ہوں گے۔ ہر چند ایسی ہستیاں بھی لبادۂ بشریت میں محبوس ہوتی ہیں کہ جن کی بشریت کا بھرت خشیتِ ایزدی' تزکیۂ نفس و باطن' مجاہدات و عبادات کی بِنا پہ ایسے لاہوتی و لطیف عناصر کا پرتو بن جاتا ہے کہ خاکی ہونے کے باوجود خرقِ عادت و فطرت استطاعتیں زیرِ دست آ جاتی ہیں اور اَرضی و افلاکی عُلوم و اَسرار ان پہ خوب کھُلنے

رہتے ہیں...... گو ان کا بلا مقصد و ضرورت اظہار و اہتمام واجب نہیں ہوتا، تاہم اِن ہستیوں سے اَن چاہے گاہے ماہے کچھ نہ کچھ سرزد ہوتا ہی رہتا ہے۔ طویل فاصلے چشم زدن میں طے ہو جانا...... پہاڑ کی اَوٹ میں یا کسی دوسرے عالم میں جھانک لینا...... آب، آتش، ہوا یا مٹی، پتھر کے آر پار ہونا...... کسی کو دِکھائی نہ دینا...... کھانے پینے، لباس یا کہنے سُننے دیکھنے کی احتیاج نہ رہنا...... نایاب نعمتوں، زر و جواہر کا حصول وغیرہ۔ ان سب چیزوں کا مادی دُنیا سے کچھ تعلق ہو تو ہو رُوحانیت و تصوّف میں اِن کا کوئی تصور نہیں۔ لیکن افغانی بابا میں کوئی ایسا تصرف ہوگا کہ وہ جسے چاہتا دِکھائی دیتا...... جیسی نعمتیں کھانا اور کِھلانا چاہتا، اُسے غیب سے کہیں حاصل ہو جاتی ہوں گی اور نواسے کے علاوہ کسی اور کے سامنے نہ آنے میں بھی اُس کی کوئی مصلحت کارفرما ہوگی۔

اَولیائے مستورین کا ایک یہ بھی طریقہ ہے جب کہیں مخصوص حالات میں، عالمِ مستور سے عالمِ ظہور میں کسی اَمر کی نشاندہی مقصود ٹھہرے تو وہ حُجت کے طور درمیان ایک وسیلہ یعنی روحانی میڈیم ضرور رکھتے ہیں...... ایسے میڈیم معصوم بچے، منزہ انفاس، پیدائشی طور پہ نامرد اور نا عورتیں جو بے خطا ہوں کام میں لائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ حقیقت ہو کہ نُوریت اور مادیت میں جو بُنیادی حجاب ہے اُس میں جھانکا لگانے کے لیے اسی طرح کے افراد کے باطن وہ شگفتی اور شیفتگی ہوتی ہے جو اس باریک کام میں مطلوب ہوتی ہے یعنی ایک طرح سے درمیانی وسیلہ کا [illegible]

شروعاتِ نزلہ بخار ہو یا آخرِ شب نیند کا خُمار...... پہلا پہلا پیار یا کسی کا اِنتظار...... ان کیفیات میں عنبر و حنا کی ملی جلی نکہت عنبری اور کچے امرود سا سواد ہوتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیات عاملِ ہمزاد و حاضرات یا جنات کی مجالس میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں کہ دارجلنگ کی دارچینی، ہنگو کی مہک کی دھانس...... بیقراری اور طبیعت میں بے طرح کا اِنقباض عود آتا ہے...... لیکن ٹھہریئے، ایک اور کیفیت بھی جو مشام و جاں میں کچے اَنناس اور بھیگے کافور کی شرمائی لجائی مہک اور اعصاب و احساسات میں گُدگدی سی بپا کرتی ہے وہ ہے کسی رجلِ غیب، اَرواحِ سعیدہ، مقربانِ الٰہی، اَنفسِ قدسیہ یا کسی غیر مرئی ہستی کا قُرب، موجودگی، آمد و نزول وغیرہ...... مُحولہ کیفیات میں کچھ تو جسم و وُجود پہ اور معدودے چند قلب و اذہان پہ جبکہ مخصوص حالات و ضرورت کے تحت چنداں، وجدان و بطون اور حواسِ روحانیہ پہ طاری ہوتی ہیں۔ یہ مشکوفی، رویائی، اتفاقی، الہامی اور معراجی کیفیات صادقہ ہوتی ہیں۔ یہ بازدید و بازگشت کے معاملے ہوتے ہیں...... ہست و الست کی ہمہ ہم آیاتِ صنعت کا مشاہدہ......!

؎ لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء

چوبی کھڑکی کے روزن سے سورج کی چھنتی ہوئی روپہلی کرنوں کی چکا چوند نے اسے اور کچھوں کو مزید

اپنے حصار میں لے لیا تھا...... کنچوں سے انعکاس ہونے والی چمک نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا...... اسی اثنا انناس اور کافور کی بھیگی ہوئی مہک کا اِک خفیف سا لہریا اس کے اعصاب لطیفہ کو گدگدانے لگا یقیناً یہ اِک نئی صورتِ حال اس لیے کوئی اَسرار لیے ہوئے تھی...... شہد کی مکھیوں سی بھنبھناہٹ اس کے کانوں سے واضح طور پہ ٹکرائی' آس پاس دیکھا' کوئی مکھی وکھی تو نظر نہ آئی...... تاہم ایک غیر مرئی ہیولی اپنے رُوبرو محسوس ہُوا۔ جیسے گہری دُھند یا برف کی موٹی دیوار کے اُس پار کوئی بیٹھا ہو...... آنکھ کے قطبی تارے میں اگر نورِ ظاہری کی جلا نہ ہو تو یہ دُھندلے پَرتو بھی دِکھائی نہ دیں۔ وہ قدرے سنبھل کے بیٹھ گیا...... ناگاہ اُسے ذہنی طور پہ ایک جھٹکا سا لگا جیسے کوئی مقناطیسی لہر اُس کی گُدی کی جانب سے دماغ میں سرایت کر گئی ہو۔ ہلکی سی درد کی ٹیس محسوس ہوتے ہی کانوں کی بجائے اُس کے دماغ میں بزبانِ پشتو آواز اُبھری۔

''السلام علیکم! بچہ کیا حال؟...... تمہارا بابا ہوں...... مجبوری ہے میں نہ تو تمہیں دِکھائی دے سکتا ہوں اور نہ عام طرح سے بات کر سکتا ہوں۔ خدائے پاک کے اَمر اپنے مُرشد پاک کی نگاہِ کرم سے چلّہ کی تکمیل ہوئی ہے اُس کے تقاضے سے مجھے پَردہ دے دیا گیا ہے۔ اَب میں اِک اگلے مرحلہ کا مُسافر ہوں۔

بابا کی جانب سے چند ساعتوں کا توقف ہُوا تو وہ کپکپاتی آواز میں گویا ہُوا۔

''ہم [illegible] آپ [illegible] مرشد بابا کا ہم [illegible] نہیں کر سکتے اور نہ ہی یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کو دیکھ کیوں نہیں سکتے جبکہ آپ میرے بیٹے' اپنے نواسے' سے ملتے ہیں اُس کو دِکھائی بھی دیتے ہیں...... بڑھیا بڑھیا پکوان کھانے کے لیے اور کھیلنے کے لیے قیمتی پتھروں کی گولیاں...... مصلّے پہ پڑی گولیاں ہاتھ میں لیتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

''یہ پتھروں کی گولیاں! کوئی کانچ شیشہ دِکھائی نہیں دیتیں...... بچے سے یہ بھی معلوم ہوا آپ کا حکم ہے انہیں کسی کو دینا دِکھانا بھی نہیں' سنبھال کر رکھنا۔ آپ کو پتہ ہوگا وہ اکثر گھر سے غائب رہتا ہے اگر گھر بھی ہو تو پچھلے کمرے میں گُھس کر ان کنچوں سے اکیلا کھیلتا رہتا ہے۔ اپنی نانی کی کوئی بات نہیں سُنتا' نہ گھر سے کچھ کھاتا ہے۔ اُس کی عجیب و غریب حرکتوں کی وجہ سے اُس کی نانی پریشان رہتی ہے جبکہ وہ بوڑھی اور بیمار بھی ہے۔ اَب آپ اُس کے بارے میں کوئی حکم دیں کیونکہ ہم ایمانداری سے سمجھتے ہیں وہ اَب ہمارے ہاتھوں میں نہیں آپ کی عملداری میں ہے۔''

اُدھر چند ثانیے خاموشی طاری رہی۔ اِدھر فتح خان سر نیہوڑے یوں سامنے بیٹھا تھا جیسے باقاعدہ مرید ہوتے وقت کوئی عقیدت مند اپنے شیخ کے رُوبرو تہہ بہ تہہ بچھا ہوتا ہے۔

بہ دقت بہ عجز نقاہت میں ڈوبی خان بابا کی آواز اُبھری۔

ہوئے اِسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کوئی زیورات کی صفائی چھڑائی یا نگینے سازی کی دُوکان ہے۔ سوچنے لگا قدرت نے اِسے صحیح جگہ پہ پہنچایا ہے...... دُوکان والا بھی نیک نمازی ہے یقیناً وہ نگینوں کے بارے کوئی صحیح رائے دے گا...... واسکٹ کی اندرونی جیب میں پڑے ہوئے نگینے جیسے باہر نکلنے کے لیے کُلبلا رہے ہوں۔ ہاتھ سے اُنھیں محسوس کرتے ہوئے دُوکاندار کی جانب نگاہ اُٹھائی تو وہ تسبیح چھوڑے، آنکھیں میچے زیرِ لب کوئی دُعا پڑھ رہا تھا۔ اِسی دَوران اندر سے ناشتہ بھی پہنچ گیا...... دُوکاندار نے چائے کا پیالہ بڑھاتے ہوئے پوچھ لیا۔

''ایسی صبح صبح آپ بازار میں کسی کام سے آئے یا محض اِدھر سے گزر رہے تھے؟''

چائے کا ایک بھرپور گھونٹ لیتے ہوئے اس نے نیم سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''اصل کام، شاید آپ کی زیارت تھا۔ آپ کی نُورانی صورت، سورۂ رحمٰن کی دلپذیر تلاوت، پُراثر لحن اور اَخلاق نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ میری بےوقتی اوقت کا اندازہ بھی نہ کر سکا لیکن خدا تعالیٰ کی حکمت، اَب سمجھ میں آئی...... اگر میں ایسی جلدی اِدھر نہ پہنچتا تو سورۂ رحمٰن کی تلاوت آپ کے خلوص کی حلاوت اور یہ زعفرانی چائے کیسے نصیب ہوتی۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں...... قدرت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ انسان چونکہ فطری طور پہ [illegible] سورۂ رحمٰن کا ذکر کیا ہے...... میں ہر روز دُوکان کھولنے پہ اس کی تلاوت کرتا ہوں...... اس کے مطلب اور معنی سمجھنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہوں۔ اس پہ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں کیسی کیسی نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور اِن نعمتوں میں اخلاق، رحم دلی، احسانمندی...... تحمّل، توازن، تواضع بھی شامل ہیں۔ آج صبح مجھے آپ کی صورت میں بھی ایک نعمت میسّر آئی...... آپ کو پہلے اس بازار میں کبھی نہیں دیکھا۔ یہیں کہیں جے پور میں رہتے ہیں یا......؟''

''ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ''میرے لب و لہجے سے آپ کو پتہ چل گیا ہوگا میں افغانی النسل ہوں۔ حرکات و سکنات، لباس و جسم بھی میرے پیشہ سپاہی ہونے کی چُغلی کھاتے ہیں۔ جودھ پور راجہ صاحب کی سینا میں دَفعہ دار ہوں...... ایک روز پہلے یہاں پہنچا ہوں میرے دو بچے اور ساس یہیں جے پور میں رہتے ہیں...... دراصل میں اِس بازار میں ایک ضرورت کے تحت آیا تھا جبکہ یہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں۔''

دُوکاندار بڑی لگاوٹ سے بولا۔ ''اگر جاننے والے سے آپ کی مُراد محض کوئی پُرانی جان پہچان والا ہے تو پھر میں آپ کے لیے یقیناً اجنبی ہوں اور اگر جان پہچان...... انسانی اَقدار، اخلاص و اعتماد، صلہ رحمی اور باہمی دینی فکری ہم آہنگی سے مشروط ہے تو میں آپ کا جان پہچان والا ہوں...... حکم! میں آپ کے لیے کیا

کر سکتا ہوں؟''

دُوکاندار کی ایسی حکمت و محبت سے لبریز گفتگو سُن کر حیران سا رہ گیا۔ الٰہی! یہ صرافہ میں بیٹھنے والا، لال کُندن لعل ہے یا کسی وِدیالیہ کا اُپدیشی' گیانی بدری پرشاد...... گلا صاف کرتے ہوئے بتانے لگا۔

''میرے ایک بزرگ نے مجھے دو قیمتی پتھر دیئے تھے۔ پتھروں کے بارے میں میرا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ آج اِدھر بازار میں آنے کا مقصد بھی یہی پتھر ہیں...... میری خوش بختی کہ اللہ نے آپ سے مِلا دیا...... یہ پتھر دیکھئے......؟''

دُوکاندار اِن پُراَسرار پتھر کی گولیوں کو دیکھتے ہی دنگ رہ گیا...... تھوڑی دیر وہ اُنہیں پُرتجسس نگاہی سے تکتا رہا، ہاتھ میں لے کر مختلف انداز سے جانچتا رہا...... پھر بڑے دھیرج سے پوچھنے لگا۔

''بھائی جی! بُرا نہ مانیں تو پوچھوں یہ دانے جس بزرگ نے دیئے ہیں، اُن کے بارے بتائیں گے؟'' ہلکے سے تذبذب میں بولا۔ ''دراصل یہ بزرگ، خسر ہونے کے علاوہ میرے اتالیق اور محسن بھی ہیں...... بلکہ اس سے بڑھ کر ایک پہنچے ہوئے اللہ کے ولی بھی......''

اچانک بیچ میں بات کاٹتے ہوئے دُوکاندار پوچھنے لگا۔

''یہ آ[illegible]''

فتح خان یہ سوال سُن کر اِک عجیب سے مخمصے میں پھنس گیا...... کیا کہے کیا نہ کہے۔ جواباً کہنے لگا۔

''حقیقت یہ ہے اُن کے بارے میں، میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ ہونے میں ہیں یا نہ ہونے میں۔''

اس گفتگو کے بعد دونوں اطراف اِک پُرتحیر سی خاموشی طاری ہوگئی جیسے دونوں اپنے اپنے ظاہری باطنی، مادی روحانی تخمینوں میں پھنسے پڑے ہوں...... آخر فتح خان نے ہی زبان کھولی۔

''آپ خاموش ہوگئے...... کیا کوئی ایسی بات، جس کے اظہار میں کوئی تامّل ہو؟''

دُوکاندار، پُرشوق نظروں سے پتھروں کو بِن آنکھیں جھپکے، دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہمارا کئی پشتوں سے پیشہ نگینہ سازی ہے۔ ہمہ دانی کا دعویٰ تو نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ ہزاروں لاکھوں، ہر طرح کے نگینوں جواہر دانوں کی تراش خراش، پالش اور ڈیزائن کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ یہ میری دُوکان...... آپ دیکھ رہے ہیں اِدھر یہی کام ہوتا ہے...... اَصل کارخانہ پیچھے ہے جدھر کئی کاریگر بیٹھے مشینوں پہ قیمتی پتھر تراشتے رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں شاہی خزانے سے بھی ہیرے جواہرات، تراش اور پالش کے لیے لائے جاتے ہیں۔'' وہ کچھ لمحے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پھر کہنے لگا...... ''یہ تمہید میں نے اس لیے باندھی کہ میرا آپ سے مناسب سا تعارف ہو جائے۔ میرا نام حبیب وارثی ہے...... جِنتو کٹائی والے

کی عرفیت سے جے پور میں مجھے جانا جاتا ہے۔ کہنا یہ چاہ رہا تھا پوری پیشہ ورانہ زندگی میں نے ایسے شُدھ دانے نہیں دیکھے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ نے جو کچھ ان کے بارے بتایا وہ درست ہے۔ ورنہ میں کہہ دیتا کہ انہیں کسی راجہ مہاراجہ کے ہاں سے چُرایا گیا ہے۔ یہ ایسے جواہر ہیں جو اپنی جسامت، وزن، کوالٹی اور اہمیت کے حساب سے کسی جِن یا اللہ کے ولی کی دین ہی ہو سکتے۔"

سبز رنگت کاغذ کی پُڑی میں لپیٹ کر واپس اسے دیتے ہوئے رازدارانہ لہجہ میں مشورہ دیا۔

"میرے خوش نصیب بھائی! آج کے بعد انہیں لے کر اس بازار میں نہ آیئے گا اور نہ کسی اور کو ان کی جھلک دکھایئے گا۔ ورنہ......؟"

فتح خان آنکھیں پھاڑے، اس کی جانب دیکھتے ہوئے، کچھ توقف کے بعد بولا۔

"ورنہ کیا ہوگا......؟"

"وہی کہ کوئی آپ سے چھین لے گا...... ان کی خاطر تو کئی قتل بھی کیے جا سکتے ہیں۔ ایسے انمول کمیاب جواہر تو یہاں کے مہاراجہ کے خزانہ میں بھی نہ ہوں گے۔"

خوش [illegible] فکرمندی کی [illegible] کا چہرہ [illegible] ہو گیا [illegible] بتا [illegible]...... میرے بچے چھوٹے ہیں [illegible] ان کی ماں انتقال کر چکی ہیں...... بوڑھی بیمار ساس کا ساتھ ہے...... پہلے بتا چکا ہوں کہ میں مہاراجہ کی سینا میں دفعہ دار ہوں اپنی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کی بنا پہ، گھر نہیں رہ سکتا...... یہ پتھر عطا ہوئے مجھے حکم ہوا، ان کے مول سے میں اپنے خاندان کے لیے آسودگی کا سامان مہیا کروں، گھر بناؤں اور تعلیم و تربیت پہ صرف کروں...... حکم کی تعمیل کے لیے میں [illegible] اس بازار میں پہنچا۔"

بازار کی باقیماندہ دُوکانیں، صرافے، ساہوکارے بھی آراستہ ہو چکے تھے۔ حسیب وارثی نے ان پتھروں کی حفاظت اور اہمیت کے بارے میں چند باتیں مزید بتاتے ہوئے کہا، میں اس بارے سوچ بچار کے بعد کچھ بتاؤں گا۔ گرمیٔ بازار کے بڑھنے سے پہلے وہ دوبارہ ادھر پہنچنے کے وعدے پہ اُٹھ آیا۔

پتھروں کا علم اور عالم بڑا عجیب، عمیق اور پُرتحیّر و پُرتجسس ہوتا ہے۔ اس علم و ادراک کا شمار بالخصوص، عُلوم عالیہ میں ہوتا ہے...... علم کیمیا و حکمت، جُمل و تکسیر، دست شناسی، نجوم و ہیئت، اقلیدس و جفر و رمل، قیافہ و طب اور علم الطبیعات کی طرح علم الحجرات کا تعلق بھی علوم متعارفہ سے نہیں عُلوم قدیمہ سے ہے۔ آسمانی اور دیگر مقدس صحائف و کُتب میں حجرات کی اہمیت، برکات اور دیگر کوائف و وظائف کے اذکار موجود ہیں...... اساطیر میں بھی مختلف شکلوں میں حجرات دکھائی دیتے ہیں...... دُنیا کا کوئی شہنشاہ، سربراہ، حاکم یا کسی بھی نسبت سے سرکردہ انسان، اچھا یا بُرا...... کسی نہ کسی انداز صورت، جواہرات اُن کی زیب و زینت کا سبب

بنے۔ نبی' پیغمبروں' رسولوں' اصحابہ کرام' آئمہ حضرات' پیر اولیاء' بھگت سنت' فقراء' درویشوں نے بھی انہیں اپنے لباس و جسم کا حصہ بنایا اور ان کی حکمتوں' برکتوں' شفائی' رُوحانی اثرات سے نہ صرف خُود مستفید ہوتے رہے بلکہ دُکھی انسانیت کو بھی فیض یاب کرتے رہے۔ اللہ کریم نے بھی جواہرات کا بطورِ تحسین خاص ذکر فرمایا اور انہیں اپنی اُن عنایات میں شامل کیا جنہیں' ابنِ آدم پہ اُتارنا اُس کا احسانِ عظیم ٹھہرا اور جس کے لیے انسان پہ لازم ہُوا کہ اِن نعمتوں پہ شُکر ادا کرے۔ باغِ بہشت و مضافات میں خُوش نما برگ وگُل' اثمار و اشجار' حیوز' صد سامانِ زینت و زیبائش...... قیام و قیلولہ کے لیے نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے شاندار ایوان و قصور جبکہ استراحت کے لیے بے داغ سنگِ ابیض و مرمر کی دیوان۔ یُوں بھی دُنیا بھر میں مساجد' مقابر' مزارات' مندر' معبد' محلات' مینار' قومی یادگاریں وغیرہ مختلف قیمتی پتھروں سے تعمیر کی جاتی ہیں۔ ان میں سرِفہرست سنگِ مرمر ہے جو صاف شفاف اُجلا سفید' بے حد چمکدار اور مضبوط پتھر ہے جو صدیوں بعد بھی اپنی ہیئت' خوبصورتی اور آب و تاب میں فرق نہیں آنے دیتا...... دُنیا کی نوے فیصد' تاریخی ثقافتی اور مقدس جگہوں پہ یہی استعمال ہُوا ہے......

حجرات کی اہمیت و تقدس کا اندازہ اس سے بھی لگایئے کہ عالمِ بالا سے اپنی حقیقی صُورت' شفائی برکتوں' فضیلتوں اور ورائی مادی ہیئت کے ساتھ جو پہلا تحفہ اس ارض پہ بھیجا گیا وہ گوشۂ جنت کا ایک مقدس حجر تھا جو سنگِ اسود کے نام سے خانۂ کعبہ [illegible] بھی [illegible] ایک [illegible] پہ کھڑے ہو کر تکمیل کو پہنچی۔ آپ کعبہ شریف میں کھڑے ہوں یا مدینہ منورہ کے اندر یا باہر' آپ کے آگے پیچھے' نیچے دائیں بائیں ہر سُو حجرات...... جو اپنے صناعِ عظیم کی بزرگی بیان کرنے میں رطب اللسان ہوں گے۔ کوہِ طور ہو یا دس احکامِ خداوندی [illegible] جبلِ معراج' جبلِ رحمت یا جبلِ ثور ہو' رحمتوں' برکتوں' عطاؤں' عبادتوں' رسالتوں اور معراجوں کے امین اور پاسدار بھی حجر اور جبل رہے۔

بات آگے بڑھتی ہے تو تاریخ بتاتی ہے۔ ہر پیغمبر و پیر' صحابی و اصحابِ نسبت' صُوفی و صُلحا' فقیہی و فقرا...... درویش و دوار' حاکم و حکما نے بھی باہتمام حجرات کا استعمال کیا۔ انگشتری میں نگینہ کے طور یا لوح و تسبیح میں تختی اور منکوں دانوں کی صُورت...... سنگی مُہریں بھی موجود رہیں' قیمتی پتھروں کے آب خورے' کنگھیاں' آئینے کھانا بنانے کھانے کے برتن' بجے اور گھوڑے' بچوں کے کھلونے...... سامانِ حرب' لڑھکانے والے بڑے بڑے وزنی گول پتھر' توپوں' دمدموں' منجنیقوں' کمانوں' غلیلوں اور پنکوں سے پھینکنے والے چھوٹے بڑے گولے...... میزان کے لیے باٹ' چکی کا پاٹ' قُطب صاحب کی لاٹ...... کیسی عجیب بات کہ دُنیا کا پہلا قتل بھی اسی پتھر سے ہُوا۔ پتھر کے زمانہ کو آج بھی لوگ یاد کرتے نہیں تھکتے کہ وہ زمانہ' اس زمانہ کے حساب سے واقعی پتھر کا یعنی جواہرات کا زمانہ تھا...... سوائے مرد' عورت گھاس پھوس' کچھ دیگر جانوروں' سب کچھ پتھروں کا تھا...... یہی

اس کا ملجا و ماوا تھے...... معاشرت' محبت' عداوت' ثقافت' شقاوت' غرضیکہ ہر معاملہ میں یہی پتھر ان کے اُستاد تھے۔ پھر یہی پتھر...... مختلف رویّوں میں ان کے اظہار بھی بنے۔

پتھروں کی ان گنت اقسام ہیں۔ ان کا ماخذ و اصل' اَنگ سنگ پربت پہاڑ ہی ہیں جن کے وسیع و عریض سلسلے' دُنیا کے خشک و تر میں پھیلے پڑے ہیں۔ ان سر بفلک پہاڑوں کے بارے میں مختلف عجیب و غریب آراء ہیں۔ قرآنِ حکیم میں بھی ان کی بابت بہت کچھ فرمایا گیا ہے...... ابتدائے آفرینش سے ہی یہ کرۂ ارض پہ حالت قیام میں توانائے مطلق کی تسبیح کر رہے ہیں۔ روزِ قیامت' صور پھونکنے پہ دہشت کے مارے' پاؤں کی مٹی چھوڑ دیں گے [illegible] روئی کے گالوں کی مانند اُڑتے پھریں گے...... ان کی بابت مختلف توجیہ بیان کی گئی ہیں کہ انہیں زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے پیدا کیا گیا...... سمندر کھودنے سے جو ملبہ نکلا وہ پہاڑوں کی صورت اختیار کر گیا...... انہیں غیر انسانی مخلوق' جنات' پری زاد اور مخصوص پرندوں جانوروں کے لیے بنایا گیا...... اور یہ کہ ان کے توسط سے ملکی' تہذیبی' قومی' ارضی اور تمدنی حد بندیاں نشان زدہ کی گئیں۔ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ انہیں زمین کے مخصوص حصوں پہ استوار کر کے ماحولیاتی نظام کو حیاتیاتی بہبود کے لیے بہتر بنایا گیا...... رطب و یابس' جدت' [illegible] اسرار معراج...... انوار یزدانی' موسمی تغیر و تبدل...... [illegible] آبِ شیریں [illegible] ابلتے ہیں...... ان کی [illegible] چوٹیاں دہانے [illegible] وادیاں' مرغزار' کھائیاں' درّے' شاہینوں و عقابوں کے بسیرے' چکوے' ہدہد' مرغ زریں' زاغ [illegible] مرلا و مرگ' مارخور...... اشجار' اخروٹ و چلغوزہ' دیودار' صنوبر و ساگوان' چندن' شاہ بلوط...... شہد' گوند [illegible] دیگر اشجار اور گل لالہ' بنفشہ و ریحان' سنبل' [illegible] نباتات [illegible] منہ سے نکل جاتی ہے [illegible]

دُنیا کے پانچ پہاڑوں' طورِ سینا' طورِ زیت' طورِ لبنان' طورِ جودی' طورِ حراء کو دیگر پہاڑوں پہ فضیلت دی گئی۔ ابنِ آدم اور متعلقہ مخلوقات پہ اُترنے والی رحمتیں' برکتیں' نبوتیں' قربتیں بیشتر احکامات' [illegible] سرکردہ پہاڑوں کے وسیلہ با جمیلہ سے پہنچے۔ روایت ہے کہ مبداء فیاض نے پہاڑوں کو اوتاد کے [illegible] فرمایا۔ یقیناً اس میں کوئی مصلحت پوشیدہ ہوگی...... اُونٹ جب تک پہاڑ تلے نہ آئے خود کو بڑا ہی سمجھتا ہے...... آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل...... ایک پہاڑی راگ بھی ہوتا ہے اور پہاڑی رات بھی ہوتی ہے۔ جس [illegible] کی مٹی ہوتی ہے اسی طرح پہاڑوں کے پتھر ہوتے ہیں جو بے شمار جگہوں پہ استعمال میں لائے جاتے ہیں...... کچھ پتھر راستوں پہ بچھانے اور کچھ راہ روکنے اور کئی ایک مارنے برسانے کے کام بھی آتے ہیں۔ [illegible] بدکاروں کو ان سے سنگ سار کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی عقل پہ بھی پڑ جاتے ہیں...... دل اور سینے پہ بھی [illegible] ہیں...... دیوتاؤں' دیویوں اور دیگر اصنام کی مورتیاں بنا کر پوجا جاتا ہے۔ کسی طویل راستے کے کنارے [illegible]

ہوں تو سنگِ میل، تعمیر کے نیچے سنگِ بُنیاد اور قبر کے سرہانے لوحِ مزار کہلاتے ہیں، یہ دیوانوں، عاشقوں اور کُتوں کو مارنے دھمکانے کے کام بھی آتے ہیں۔ اک قیس نامراد تھا جو کُند تیشہ سے پہاڑ ڈوالے ہو گیا...... تیشہ تو کوہ کن کے ہاتھ ہوتا ہے۔ عاشق لوگ آہن یا سنگ نہیں ہوتے وہ تو پیار رنگ ہوتے ہیں۔ اُلٹے پانی کی مچھلی اپنی جنم بھومی کا پتھر چاٹے بِنا نہیں رہتی۔ دیوارِ گریہ کے قدیم بُھر بُھرے کُھردرے پتھروں کی حالت پہ رونا آتا ہے۔ پتھر میں جونک سوراخ کر سکتی ہے مگر سنگ دل کے ہاں جذبۂ ترحم پیدا نہیں ہو سکتا۔

● سامنے گُل، پیچھے پتھر سِل......!

"پیچھے مُڑ کر جو دیکھ لیا تو پتھر سِل ہو جاؤ گے۔" کچھ جگہیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بارے میں جھوٹی سچی دل دہلا دینے والی باتیں زبان زدِ خاص و عام ہوتی ہیں۔ ایسی جگہیں، ہر ملک، شہر، علاقے، بستی، قریہ بلکہ اکثر گھروں حویلیوں میں بھی پائی جاتی ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاں انسان ہوگا وہاں کتے، بلے، کوے، کبوتر، سانپ، چوہے، جوئیں، کھٹمل، دیمک، ٹڈیاں، چھپکلیاں، جو جہاں تک پائی [illegible] بہت سے حوالوں سے موجود ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ بندے اپنے توہم، عقیدے، یقین اور ماحول کے مطابق وہاں جنات، بھوت پریت، سائے، چنڈال، ہاؤ، بتاس یا کسی صدیوں پرانے بابے کی روح یا کوئی مستور پیر فقیر بھی اپنے ذہن کے مطابق دریافت کر لیتے ہیں۔ جہاں ایسے استھان صاف ستھرے، دیے بتی سے روشن اور معطر ہوتے ہیں۔ لپائی پتائی، پاکی پلیدی کا بطورِ خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ جگہیں [illegible] پیروں فقیروں کا ڈیرہ بھی کہلاتی ہیں۔ جب سے حویلیوں، غلام گردشوں اور اونچے اونچے چھتوں، روشندانوں، سلاخوں والی کھڑکیوں، پچھلی اندروں کوٹھڑیوں، صحن کی بیریوں، آم کے پیڑوں اور گلاب، گیندوں، موتیے کی باڑوں کا رواج جاتا رہا تب سے ان "خانہ زاد" ہوائی پیروں، مستور بابوں اور پکی تھاؤں کی اہمیت بھی قدرے مدہم پڑ گئی...... لیکن اب بھی پرانے علاقوں، گلی محلوں اور دیہاتوں کے اکثر گھروں میں ایسے ٹھکانے موجود ہیں جو جنات یا بابوں کے پکے استھان ہیں۔ بات اس بات سے آگے بڑھی تھی "پیچھے مڑ کے دیکھ لیا تو پتھر ہو جاؤ گے" زور لفظ پتھر پہ تھا جو پچھلے چند صفحات سے موضوعِ سخن ہے...... یہی پتھر اگر عقل پہ پڑ جائے تو پھر اللہ ہی وارث ہوتا ہے۔ بڑے بڑوں کی عقل پہ پتھر پڑ جاتے ہیں میں کس حساب کتاب میں تھا۔

شیر کے کچھار میں شب بسری، بچھوؤں کے پنڈال میں چہل قدمی، سانپ کی بانبی میں دست دخولی سے بچ رہنا شاید ممکن ہو مگر بانسوں کے جنگل یا ذخیرے میں سو کر زندہ اُٹھ لینا ممکن نہیں...... اِدھر زمین پہ سونے

والے کے جسم سے بانس کی برچھیاں بھالے بڑی آسانی سے آر پار ہو جاتی ہیں..... خوابِ خرگوش کے مزے لینے والے کو خبر تک نہیں ہوتی اور وہ سفرِ عدم کا راہی بن جاتا ہے۔ مخفی اور باطنی علوم کے کچی پکی جماعت کے طلباء کے لیے یہ جاننا ضروری نہیں ہوتا کہ ان علوم کی بڑی کلاسوں میں کیسے کیسے مجاہدوں اور غیر مایۂ طبع مراحل سے ہو گزرنا پڑتا ہے..... طالب کو اپنے چہار اجزائے ترکیبی' خمسہ حواس' حواسِ بطونی' عقلِ ظاہری اور فہم ناسوت سے ماوراء' اپنی ذات کی نفی سے بھی نیچے ہو گزرنا ہوتا ہے اور یہ محض مبداء فیاض کے فضل و کرم اور مرشد پاک کی عطا و دعا سے ہی ممکن ہوتا ہے.....!

ہے فنا میں کمالِ درویشاں وصلِ حق ہے وصالِ درویشاں

مجاہدات' وظیفہ ہائے تزکیہ' احوال و نفس یا چلوں کا مقصد' شاید امتحان کی تیاری عملی ریاضت' بھرپور توجہ کا ارتکاز ہوتا ہے۔ جیسے پاتال کے خواجہ اتفاقی بابا نے پہاڑ کے باطن میں گم ہو کر اپنی منزل پائی یا اسی طرح کے اور بابے درویش اپنے مرشد کے حکم کے تحت مختلف نوع کے چلے کاٹتے ہیں۔ ان کا مقصد کوئی فوق الفطرت صلاحیت حاصل کرنا نہیں ہوتا' محض اپنی انسانی' جسمانی اور نفسانی خواہشات پہ قابو پانا ہوتا ہے۔ جیسے رمضان شریف کے روزے ہوتے ہیں کہ پیٹ باندھنا مقصد نہیں' استقامت حاصل کرنا اور یہ سمجھنا کہ ہم قدرت رکھتے ہوئے [illegible] پیاسے رہیں..... جبکہ [illegible] روزے [illegible] برکات اور [illegible] استقامت کی قوت حاصل ہوتی ہے جو صالحین' فقیروں درویشوں کا طرۂ امتیاز بنتی ہے..... مجھ ہیچمدان کا شمار ایسے چنیدہ برگزیدہ ہستیوں میں ہرگز نہیں ہوتا بلکہ میں تو اس پینڈو کی مانند ہوں جسے کوئی ضرورت یا حادثہ' کسی بڑے شہر میں لا ڈالتا ہے۔ وہ ادھر کی طرزِ معاشرت' [illegible] انداز زندگی کی لپک' گفتگو' فیشن دیکھ کر اک حیرانی کی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تعلیمی' اخلاقی اور مجلسی پس ماندگی' اسے احساسِ کمتری کے گدلے جوہڑ میں دھکیل دیتی ہے جدھر سے وہ بہر طور نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ لباس' گفتگو' بالوں کا سٹائل اور دیگر روزمرہ کے معمولات میں بھی تبدیلی آتی ہے..... لیکن سو سال شہر میں رہنے کے باوجود' خوئے' بوئے دہقانی نہیں جاتی..... کہ بے علمی' بے عقلی' بے ظرفی و بے حسی کے داغ دھبے پوری طرح صاف نہیں ہوتے..... [illegible] کوئی چارہ ساز مل جائے۔ مجھ زبوں مست وحال کا معاملہ بھی یوں ہی سا تھا..... تین نہ تیرہ میں [illegible] میں..... ٹھنڈے بے شرم کی طرح سر آگے گھسیڑتا رہتا کہ عادت ثانیہ بن چکی تھی جب تک پانی [illegible] خندقیں نہ پھلانگ لوں چین نہ پڑتا۔ میرے بابے بھی مجھے یوں اٹھا کے جھنجھٹ جوکھموں میں پھینکتے تھے جیسے کوئی بیکار فالتو چیز کو بھاڑ میں جھونک دیتا ہے۔ کیا کیجئے کہ راکھ کریدنے سے میں اک نیا رنگ لیے پھر سامنے [illegible]

میں کئی روز سے اک نئی اُلجھن میں پھنسا ہوا تھا۔ ہوا یوں کہ برسبیل تذکرہ کہیں باباجی کے [illegible]

اک عجوبہ سی ریاضت ’’ہیچ گرہ‘‘ کا ذکر نکل گیا۔ یہ نام کبھی سُنا پڑھا نہ تھا۔ کسی جرائم پیشہ کی طرح یہ نیا نام سُنتے ہی میرے تجسس کی رگ پھڑک اُٹھی...... پھر کیا! صبح و شام اس ٹوہ میں لگ گیا کہ یہ ریاضت کس نوع کی ہے۔ اس کی مقصدیت‘ نفع نقصان اور دیگر کوائف جاننے کا کوئی راستہ تلاش کرنے لگا۔ باباجی سے آگے بڑھ کر کچھ پوچھنے کی جرأت نہ تھی۔ کتابیں کھنگالیں‘ اس سلسلہ کے کچھ بڑوں کو سینڈھ لگائی...... لیکن کہیں سے بھی کوئی کَنّی وِچھا برآمد نہ ہُوا تو اس نہج پہ سوچا کہ کسی دن موقع محل دیکھ کر باباجی سے پُوچھ کر دیکھیں گے۔ اَب خُدا کی قدرت دیکھئے یہ موقع جلد ہی ہاتھ لگ گیا۔

سڑک کے راستہ‘ ہم سَرگودھا سے سِلانوالی جا رہے تھے...... ہمیشہ کی طرح مَیں ہی باباجی کی خدمت میں تھا۔ سِلانوالی کے نواح میں ایک چک ہے وہاں بابا سُبحان اللہ کا زمیندارہ تھا۔ نام تو شاید کچھ اور رہا ہوگا‘ مشہور وہ بابا سُبحان اللہ کے نام سے ہی تھے۔ اُن کا شمار اولیائے مستورین میں ہوتا تھا...... مقامی لوگ‘ گھر برادری والے اُن کے مقام سے واقف نہ تھے۔ بالکل سیدھا سادا سا پینڈو بابا۔ سارا دن درانتی کُھرپہ ہاتھ میں لیے کھیتوں میں کانٹ چھانٹ کرتا رہتا۔ اولاد میں تین بیٹے‘ جو ساتھ ہی کام کرتے تھے...... بابا‘ سُبحان اللہ کی عُرفیت سے شاید اس لیے مشہور تھا کہ یہ کلمہ اُس کا تکیہ کلام تھا۔ بات بات پہ سُبحان اللہ اُن کے مُنہ سے خود بخود نکل جاتا۔ [illegible] ایسے ہی جیسے کوئی کسی کے بچھڑنے یا مرنے پہ بھی مُسکرا دے یا سُبحان اللہ کہہ دے...... ٹھیک ہے کہ موقع محل کے مطابق ہی منہ سے کوئی تحسین و افسوس کا کلمہ نکالنا چاہیے مگر کیا کیجئے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے لیے ہر موسم‘ وصال کا موسم ہوتا ہے وُہ مصیبت میں بھی نعمت کشید کر لینے کا ہُنر جانتے ہیں۔

ایسا ہی ایک اللہ والا‘ جس کا مقصدِ حیات‘ اللہ کی مخلوق کی خدمت‘ اُن کے لیے سہولتیں آسانیاں فراہم کرنا تھا‘ الحمد للہ! کے تکیہ کلام پہ لگا ہُوا تھا...... ہر بات‘ سوال و جواب پہ خود بخود مُنہ سے الحمد للہ نکل جاتا تھا کہ اس پہ اختیار نہ تھا...... جاننے والے اسے بابا الحمد للہ کہتے تھے۔ دُودھ کا کاروبار...... خود اپنے ہاتھوں سے دوہتے اور خالص بیچتے...... کہتے! مالکِ ازل و اَبد نے گوبر اور پیشاب کے بیچ‘ پاک صاف خُوشبودار مائع نُور پیدا فرمایا‘ اِس میں قوّت‘ تقویّت اور شفا رکھی...... کیسا مُورکھ بدنصیب شخص ہوگا جو اس میں ملاوٹ کا مُرتکب ہوتا ہے۔ وہ بندۂ تسلیم و رضا‘ جس پہ مالک مہربان نے ’’الحمد للہ‘‘ کے اسرار و رموز آئینہ کر دیئے تھے۔ مسجد میں نمازیوں کے بیچ‘ اللہ کے بندوں سے دین کی باتیں کر رہے تھے کہ گھر سے مُلازم بھاگتا ہانپتا پہنچا۔ اطلاع دی مکان کے اُوپر والے حصّہ میں آگ لگ گئی ہے۔ حسبِ عادت فوراً مُنہ سے الحمد للہ نکلا اور چند ہدایات دے کر رُخصت کر کے دوبارہ مصروفِ گفتگو ہو گئے...... کچھ دیر بعد‘ وہی مُلازم پھر نمودار ہُوا اور مزید آگ پھیلنے کی خبر

دی...... اِدھر اُدھر وہی الحمدللہ اور وہی سکون و اطمینان...... جیسے کچھ ہُوا ہی نہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس! آگ بڑھتی گئی پورا مکان جل کر راکھ ہو گیا۔ بعد میں مزید اطلاعات جان و اَموال کے ضائع ہونے کی بھی موصول ہوئیں۔ آخری خبر' جو ملی وہ یہ تھی کہ ہر چیز ختم ہو گئی ہے کچھ بھی تو نہیں جو باقی بچا ہو...... اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہ رَاجِعُون! اَلحمدللہ! کہتے ہوئے پھر مشغول ہو گئے...... کسی نے جُرأت کر کے اِس ساری بے اعتنائی کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا...... ''میں اَولاد و اَموال کی آزمائش سے سُرخرو ہُوا...... سب کچھ اللہ کا ہے وہ جب چاہے دے' اور جب چاہے واپس لے لے۔''...... اِس واقعہ سے ایک آدھ سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ نقصان ہو رہا ہو تو یُوں سکون سے بیٹھے بیٹھے الحمدللہ کہہ دینا ہی کافی ہوتا یا پھر نقصان سے بچنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے۔ ضرور کرنی چاہیے لیکن یہ اپنے اپنے مقام اور عقل' سوچ کی بات ہے کہ ہم نقصان کسے سمجھتے ہیں اور فائدہ کی تعریف ہمارے نزدیک کیا ہے؟ جن کے نزدیک اوّل و آخر اللہ ہی ہوتا ہے وہ اس کی رضا کو ہی اپنی تسلیم سمجھتے ہوئے الحمدللہ کہہ دیتے ہیں۔

- سُبحان اللہ' الحمدُللہ......!

بابا سُبحان اللہ' بھی کوئی ایسا ہی بزرگ تھا۔ اپنے پنڈ والوں کی نظر میں صرف سیدھا سادا اَن پڑھ اور محنت مشقت والا بابا۔ جیسے اکثر پُرانے حاجی نمازی بابے ہوتے ہیں کھیت کھلیان مسیت یا پھر گھر — میرے بابا سال میں ایک بار اُدھر [illegible] ضرور جاتے تھے...... میں اِس سے پہلے بھی ایک دو مرتبہ اِدھر آ چکا تھا۔ ہم یہاں ایک دو روز رہتے پھر واپس آ جاتے۔ باباجی اِدھر کیا لینے دینے آتے' اِس سے مجھے کوئی سروکار نہ تھا۔ میں تو چنداں سیر تفریح' کھانے پینے کے چکر اور خصوصی طور پہ روحانی تجربوں مشاہدوں کی چینک کا پھنسا ہُوا' صاحب کا مصاحب بنا ساتھ گھسٹتا رہتا...... اور یہ بھی کہ شاید کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی میرا تکّا بھی کہیں لگ جائے۔

ہر شخص میں اچھی بُری' بڑی یا چھوٹی کچھ قباحتیں ہوتی ہیں۔ جنہیں آپ روزمرہ کی سرزد ہو جانے والی بے ضرر عادتیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً میرا ایک عقیدت مند بھتیجا ریاض منصور ہے جسے اللہ واسطے ہر چیز کو ناک کے نیچے لانے کی عادت ہے خواہ وہ چیز سُونگھنے کے لائق ہے یا نہیں اُسے سُونگھے گا ضرور...... بھلا پاؤں کے چپل جُوتے بھی کوئی سُونگھنے چکھنے کی چیزیں ہیں۔ خریدتے ہُوئے یا پہنتے سمے وہ کمال پھرتی ہوشیاری سے اُنہیں سُونگھ لے گا۔ کیک پیسٹری' پیزا' سموسے' دال' چاول' چائے کی پتی...... خشک دُودھ' دلیا' دہی وغیرہ تو

خیر سونگھ لینے میں کچھ حرج نہیں کہ تازی باسی' اصلی نقلی کا پتہ چل جاتا ہے۔ مگر کیا کہیے کہ وہ گھر میں چوہیا پکڑنے والی کڑکی بھی خریدتے وقت سونگھ لیتا ہے' کہیں باسی یا پُرانی نہ نکل آئے۔ میلے کپڑے واشنگ مشین میں ڈالتے وقت' تلاشی کے ساتھ ساتھ سونگھتا بھی جا رہا ہے۔ کمرے کی صفائی پوچے کے دوران اگر ٹیلیوژن کی ٹرالی کے نیچے آزار بند پڑا ہوا مل گیا ہے تو اِسے بھی سونگھنا اُس کا پہلا عمل ہوگا۔ سو اسی طرح اَنگنت ایسی چیزیں سونگھ چکا یا سونگھنے کی کوشش میں ہوتا ہے جو ناک کے لیے نہیں بلکہ آنکھ' کان یا سَر پیر کے لیے ہوتی ہیں۔ موبائل پہ کال آ جائے تو کان پہ دھرنے کی بجائے ناک سے لگا کر ہیلو کہے گا۔ صابن یا فینائل کو سونگھ سکتے ہیں کہ خُوشبودار ہوتے ہیں...... چُوہے مار گولیاں' کیڑے مار دوائیں' اَناج چاولوں کی بوریوں میں رکھنے والی زہر کی پوٹلیاں بھی اِس کے لیے سونگھنی ضروری ہوتی ہیں...... اُس کی اس معصوم سی عادت پہ اَب ہم نے دھیان دینا چھوڑ دیا ہے اور اِتنا ضرور سمجھا دیا ہے کہ بیوی سونگھنے سے کہیں زیادہ چکھنے کی چیز ہوتی ہے...... یہ اس لیے کہا گیا تھا کہ ایک بار شادی کے لیے لڑکی والوں کی جانب سے بھیجی تصویر بار بار سونگھ رہا تھا۔

اِن کے گاؤں کو چھُوتی ہوئی نہر گزرتی ہے۔ نہر قریب ہو تو آس پاس کے علاقے والوں کی بڑی موج رہتی ہے...... کناروں کی مضبوطی طور اِستادہ درختوں کی لکڑ [illegible] چولہوں کو گرم اور [illegible] اندر کی مچھلیاں اِن کی آنتوں کو [illegible] پچیدہ نام' جو [illegible] کیا جاتا ہے وہ اِدھر کھلم کھلا سرانجام دیا جاتا ہے۔ میلے کچیلے کپڑے' گدے' بلی لاڈو اور گھریلو بنائے ہوئے صابن سے نہر کے دھوبی گھاٹ پہ دھوئے جاتے ہیں۔ ایسی کثیر المقاصد نہروں کا ایک فائدہ یوں بھی کہ سال بھر میں ایک آدھ بُڈھا بُڈھی یا کوئی مولود ولو بچہ' اِس کے پانیوں سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے بہت آگے' پُل کے اُس پار' نرسلوں سرکنڈوں کی باڑوں میں شغل میلے کے لیے چلے جاتے ہیں۔ لونڈے مونڈے پیراکی سیکھتے ہیں۔ سیانے لوگ' تربوز خربوزے یخ کرتے ہیں۔ بھینسیں گائے' وچھے پہروں پانی کے اندر جبکہ گدھے گدھیاں باہر ہی پلسیٹے مارتے رہتے ہیں۔ بیروزگاروں' سوٹے بازوں' نوجوانوں' عاشقوں کی جائے ملاقات...... رحیم اللہ خان بتا رہا تھا کہ ریاض منڈری' نہر پہ جا کر پانی' مُردہ زندہ مچھلیوں اور کیچوؤں کو بھی بڑی دلچسپی سے سونگھتا ہے۔ بجری' سیمنٹ' ریت کی مَست کر دینے والی 'بھینی بھینی مہک' کا تو وہ دیوانہ ہے۔ کتّے' بلّے' گدھے یا کسی اور اچھے بُرے جانور کی ہڈی کی پہچان' وہ سونگھتے ہی کر لیتا ہے۔ اِن کے گاؤں میں سانپوں کی بھرمار ہے۔ ظاہر ہے یہ چینڈو سانپ زہریلے نہیں ہوتے۔ چڑیوں کے انڈے' طوطوں کے بچے' شارکیں اور چوہے کھانے والے ہوتے ہیں۔ اکثر یہ نام نہاد سانپ' بچوں بالوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ دُعا کریں کسی سُور' سانپ' سگِ دیوانہ' سانڈِ مستانہ کا واسطہ کہیں چینڈوؤں سے نہ پڑے...... سانپ تو بے چارہ دو چار ڈنڈوں سے ڈنڈوت ہو جاتا ہے البتہ سُور'

سانڈ اور سگِ پاگل دو چار گاؤں، دس بیس کھیتوں کا راؤنڈ اور تین چار بندوقوں کے فائر ضرور لگواتے ہیں۔ بتایا گیا اس قسم کی شکاری پارٹیوں کا سُرخیل یہی ریاض مُندری ہوتا ہے۔ جس کے سُونگھ مُلاحظے کے بعد ہی اِن مقتولین کا پوسٹ مارٹم تکمیل کو پہنچتا ہے۔

چھلنی، چھاج کو کیا اُچھالے، میرے اپنے ہاں سُتر بہتر شرعی غیر شرعی عیب موجود ہیں۔ دُوسروں کے تنکے تو نظر آ جاتے ہیں، پر اپنے کاندھوں پہ دھرے شہتیر دِکھائی نہیں دیتے۔ میرا وُہ حال کہ اَوروں کو نصیحت خُود میاں فضیحت۔ میرے عیبوں سے اگر کھوج موج اور رِیخ میخ کی عادت ہی کھولی جائے تو دیکھنے سُننے والا میرے بارے میں کچھ اچھی رائے قائم نہیں کرے گا۔ حُروف الفاظ کی تقطیع و تنقیح، ماہیت و مَافی الضمیر میں اُتر جانا اور اُس کی معکوسی ہیئت، معایب و محاسن کھوجتے رہنا۔ قاری کی قرأت، خطیب کا خطاب ...... مُغنّی کی غنایت اور شاعر کے سُخن کی صوتی تابندگی، سماعت میں سرایت کرتی ہے تو حرف و لفظ کی اشکال، اُن کا صوری حُسن، ذہن کے پردے پہ اپنے اُبھار اُجالنے شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً میں کسی نئے متعارف ہونے والے کے نام سے واقف ہوتا ہوں تو سماعت اور دماغ کی تمام تر قوتیں حرکت میں آ جاتی ہیں۔ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس کا ماخذ، نسل و حسب ...... اس کے ظاہری باطنی معنی ...... اس کا اُلٹا کیا [illegible] ...... اعداد کیا [illegible] ...... مزاج آتشی، بادی ...... خاکی یا آبی ...... [illegible] وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام [illegible] سے ہوتا ہے کہ مجھے خود حیرت ہوتی ہے۔ اس صحیح یا غلط عادت کی بنا پہ بسا اوقات مجھے خوشی یا کبھی پریشانی بھی ہوتی ہے کہ فوری نتیجہ اخذ کرنے سے پسندیدہ یا ناپسندیدہ ردِ عمل کا سامنا بھی کرنا پڑ جاتا ہے۔ جیسے سلانوالی کے سفر کا حکم ملا تو جھٹ سے میرے مُنہ سے نکلا ...... باباجی! کیا میں سلانوالی کو پتھراں والی کہہ سکتا ہوں؟ جواب میں اِک نظرِ غلط اور خاموش سی گھور ملی۔ یہیں مجھے کھٹک گئی کہ پتھراں والی کا سفر خالی از علت نہیں۔

اِدھر کے پہلے دو سفر بذریعہ ریل طے ہوئے تھے۔ اَب یہ تیسرا سفر کسی نامعلوم بنا پہ بس کے ذریعے کرنے کا فیصلہ ہُوا جبکہ سڑک کا سفر بڑا تکلیف دہ اور طویل تھا۔ پُوچھنے کی جُرأت کہاں سے لاتے ...... خاموشی سادھے سرگودھا تک پہنچے اُدھر سے ایک کھٹارا سی بس پکڑی، نہر و نہر ٹوٹی پھوٹی سڑک، دھچکے ہچکولے ...... میں سوچ رہا تھا کہ یہ باباجی کو بس پہ بیٹھنے کی کیا سُوجھی ...... ابھی سرگودھا نزدیک اور سلانوالی خاصا دُور تھا کہ بس اِک دہلا دینے والی آواز کے ساتھ رُک گئی۔ معلوم ہُوا ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک آدھ بس ہی اِدھر آنا جانا کرتی تھی ...... گلابی جاڑوں کا موسم، نہر کا کنارا، ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ...... سڑک پہ گھنے درختوں کی چھاؤں ...... سواریوں کے ساتھ ہی ہم دونوں گُرو چیلا بھی باہر نکل آئے۔ سفر کے دوران گاڑی، بس خراب ہو جائے تو مسافروں کے لیے ایک مُفت کی تفریح کا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ جگہ پہ منحصر ہے کہ وہاں مسافروں کی

وقت گزاری کا کیا سامان میسر ہے۔ عموماً تمباکو نوش حضرات سگریٹ سُلگاتے ہوئے آس پاس استنجاء طہارت کے لیے پھیل جاتے ہیں۔ کچھ ڈرائیور کی مدد میں جُٹ جاتے ہیں۔ کچھ ٹانگیں سیدھی کرنے کی خاطر چہل قدمی میں لگ جاتے ہیں۔

باہر نکل کر باباجی میری کلائی پکڑے، اُونچی سڑک سے نیچے اُتر کر کھیتوں کی جانب ہو لیے...... یہی کہ شاید رفعِ حاجت کی غرض سے ذرا پرے، کہیں اوٹ میں جانا چاہتے ہیں۔ جب دو چار کھیت آگے نکل لیے تو جرأت کر کے پوچھ لیا۔

''باباجی! ہم کافی دُور نکل آئے ہیں...... کہیں بس نہ نکل جائے؟''

وہ اُسی رفتار سے چلتے ہوئے فرمانے لگے۔

''گھبراؤ مت ہمارے بغیر بس وہاں سے نہیں جائے گی۔''

● شجرِ حکمت کی زِرہ، رِیاضتِ پیچ گرہ......!

دُور [illegible] سُرمئی دھوئیں کی باریک سی دھار نکل رہی تھی یا پھر ہماری دائیں جانب ذرا دُور بانسوں کا چھدرا سا ذخیرہ...... کچھ آگے پہنچ کر باباجی ایک بڑے سے کھیت کی باڑ سے دائیں طرف ہو لیے۔ مجھے یُوں مضبوطی سے پکڑا ہُوا تھا جیسے کسی چور اُچکے کو تھانہ کچہری میں پکڑ کے لے جاتے ہیں۔ بانسوں کا ذخیرہ سامنے...... ابھی میرے ذہن میں یہی تھا کہ وہ اِدھر آڑ پردے میں رفعِ حاجت کے لیے آئے ہیں۔ ذخیرے کے کنارے پہ پہنچ کر وہ رُک گئے۔ سر خم کیئے کچھ زیرِ لب پڑھتے رہے...... سر اُٹھایا، با آوازِ بلند فرمایا۔ ''السلام علیکم یا اہلِ الگنجین! چند ثانیے خاموش کھڑے رہے۔ اِس خاموشی میں ذخیرہ کے اندر کی خاموشی بھی شامل ہو گئی۔ ذرا دیر پہلے اِدھر سے پرندوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں...... اب جیسے گمبھیر سی چُپ نے سارے ماحول کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ نظر کو جھکولا دے کر باباجی کی جانب دیکھا تو وہ بھی آنکھیں میچے اِس پُراَسرار خاموشی کا ایک حصہ بنے ہوئے تھے۔ الٰہی! یہ کیسا تحیّر، جو میری ناقص سمجھ سے بالا ہے؟ ایکا ایکی ذخیرہ سے مُرغِ سلیماں کے کٹکنانے کی آواز اُبھری۔ باباجی نے الحمدللہ کہتے ہوئے میری کلائی پہ دباؤ ڈالا اور بانس واڑی کی باڑ کے اندر قدم رکھا۔

پہاڑ، غار، صحرا، سمندر وغیرہ دُور سے دکھائی کچھ دیتے ہیں، قریب سے کچھ اور...... ایسے ہی جنگل بھی دُور نزدیک اور باہر اندر سے مختلف ہوتے ہیں...... خاص طور پہ نیستاں کے اندر داخل ہو جاؤ تو وہ اِک چیستاں بن

جاتا ہے۔ بھول بھلیاں کے راستوں کی کھوج کہیں گم ہو جاتی ہے۔ یہاں صرف بانس اور یا پھر ان کی پھانس ہوتی ہے۔ ساری بانس واڑی ایک سی...... سبز دھانی رنگوں کے اچھوتے بلند بانکے چھبیلے بانس...... پور پور' گرہ گرہ پہ گٹھ بندھن...... رادھیکا کے کٹیلے نینوں ایسے لانبے لانبے کٹاواں پتے' باہم وبالیدہ پیوست وپیچاں!

آدھا قدم پیچھے میں قریب قریب گھسٹتا ہوا اُن کے ساتھ چل رہا تھا۔ نگاہیں اُوپر تھیں لگتا تھا بانس کے بوٹے' آسمان کی خبر لا رہے ہیں جبکہ بانس بَن میں اُوپر نہیں' نیچے دیکھتے ہوئے سنبھل سنبھل چلنا پڑتا ہے کہ نوزائیدہ بانس کی کونپل' پھوٹتی ہوئی جڑ' زہر میں بجھی ہوئی کسی برچھی یا کٹار کی انی سے کم نہیں ہوتی...... شیر چیتا' جنگل کی آگ میں پھلانگا لے لے گا' پر بانس واڑی میں گھسنے سے گریز کرے گا۔ شری رام چندر جی کی طرح کسی کو چودہ یا چوتالیس برس کی بن باس دی جاسکتی ہے مگر کسی بانس بَن میں چودہ گھنٹے نہیں رکھا جاسکتا...... اس بَن سے تو پروا بھی اپنا پنڈا اچولی بچا بچا کر گزرتی ہے...... چند قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ چھدرے ہلکے بانسی کے ساتھ گھنے بھاری اور قدآور بانس شروع ہو گئے۔ ان کے درمیان سے بیچ گزرتی ہوئی ہوا اور کچے بنسلوچن کی مہک نے اک عجب سراسیمگی سی بپا کی ہوئی تھی...... کوئی اور ہوتے تو بیچ بچا' ٹیڑھے میڑھے ہو کے اپنا راستہ بناتے مگر ہم شاید کوئی اور نہیں تھے...... نوکیلی [illegible] شاخساروں کے درمیان [illegible] تردد و تکلف آگے بڑھ رہے [illegible]...... یوں کہ راہ خود بخود کھلتی جا رہی ہو۔ کچھ آگے جیسے کسی نے باقاعدہ طور اُٹھنے بیٹھنے کی جگہ بنا رکھی ہے...... اتنی صاف ہموار جگہ کہ خود بخود کچھ دیر ادھر سکون لینے کو دل چاہے...... آپ اس جگہ کو دو مصلے برابر کہہ سکتے ہیں۔ ہمیں قدرے ٹیڑھا ہو کر اندر اس جگہ تک پہنچنا پڑا...... [illegible] ہوئے بابا بیٹھے تو پاؤں جانب میں بھی سمٹ لیا۔

اب میں سہمی سہمی نظروں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ اُوپر جو دیکھا' شاخساروں میں' جیسے ہزاروں روزن کھلے ہوئے تھے سورج کی زرد زرد چھدری کرنیں اک عجیب سا گنگا جمنی سماں باندھے ہوئے تھیں— باباجی نے میرے رُخ پاؤں پسار لیے تو میں انہیں گود بھر کر پولے پولے دابنے لگا...... شاید کسی امر یائے کا انتظار تھا کہ وہ آنکھیں میچے' پُشت سے نیم دراز تھے...... ظاہر ہے اگر دو ساتھیوں میں ایک ڈھیلا پڑ جائے تو دُوجا بھی جمائیاں انگڑائیاں توڑنے لگتا ہے...... پتہ نہیں کس آسودہ لمحہ میں میں بیٹھے بیٹھے لڑھک گیا۔

نیند جسے موتِ صغیرہ کہتے ہیں' جب کسی صغیرے پہ اپنے شامیانے کھول دیتی ہے تو پھر قیامت کی آندھی بھی اس کی طنابیں ڈھیلی نہیں کر پاتی...... چہ جی نیند' بھنگ کی ترنگ کی طرح بھی' کہ اس کی لبھوت میں پھنسا ہوا جھنگڑی' مکڑی کے جالے میں مکھی کی مانند جکڑا ہوا ہوتا ہے...... آخرش مکڑی کے پیٹ سے میں پہنچ کر اس کی نیند اچاٹ ہوتی ہے۔

جب میری نیند کی ساری چاکلیٹ کھُلی اور اندر سے ہوش کی کینڈی نکلی تو سُورج کا مُنہ ماتھا' سارے دن کی تمازت سہہ سہہ کر لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ گھونسلوں کو لوٹتے پنچھی پکھیروں کو ڈاروں نے اِک سماں باندھ رکھا تھا۔ آہستہ آہستہ حواس بحال ہونے شروع ہوئے تو بہت سے سوال' سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ ہم کہاں سے چلے تھے کہاں پہنچنا تھا...... بس کا ٹائر پنکچر ہُوا' وہاں انتظار کرنے کی بجائے ہم سیدھے اِدھر کیوں چلے آئے...... کیا ٹائر کے لیے یہ ضروری تھا وہ یہیں بانس واڑی کے سامنے پنکچر ہوتا...... ذخیرے کے اندر' اس خاص مقام پہ بیٹھنے لیٹنے کے لیے یہ جگہ کس نے ہموار اور محفوظ کی کہ ہم ناک کی سیدھ سیدھے یہاں آ بیٹھے...... پھر کچھ دیر بعد بے سُدھ نیند نے آ لیا......!

یہ ظاہری سنِ بُلوغت سے پہلے کا زمانہ تھا۔ ابھی جوہڑوں کے گندلے اُتھلے پانیوں سے "اَنّے ڈولے" پکڑنے سیکھے تھے۔ شوریدہ دریاؤں گہرے سمندروں...... موتی مرجانوں اور سیپوں کے لُولُو مروارید وں سے واقفیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔" بابا جی کی جانب دھیان دیا اُچاٹ سی نیند میں تھے یا مُراقبہ میں اُترے ہوئے...... ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آنکھیں کھولیں تو پُوچھوں سرکار! سلانوالی کا ارادہ ہے یا اِدھر ہی بانساں والی" میں ہی قیام و قرار کا حکم ہے۔ یہی کچھ سوچ ہی رہا تھا' بابا جی [illegible] آنکھوں [illegible] پیار و محبت سے دیکھتے ہوئے [illegible] فرمایا۔

"ہر [illegible] کی کوئی نہ کوئی منزل ہوتی ہے کسی کی کوئی نقطۂ کمال اور کسی کی نقطۂ وصال مگر قلندر و درویش مال وصال سے بہت پیچھے کی مانگتے ہیں۔ مزید فرمایا' سلانوالی میں پانچ ولی' ایک قلندری اور تین دُر دَرویش اور ایک سالک ہمیشہ [illegible]...... "گونگے دیاں رمزاں گونگے دی ماں ہی جانے...... ولی نوں ولی ہی پچھانے۔"

اُن کی یہ گنجی سی باتیں سر پہ سے ابابیلوں کے جھرمٹ کی طرح ذہن سے گزر گئیں۔ ایسی رمزیلی باتوں کی گُن مُن لینے کی سمجھ بُوجھ' کسی میں کہاں ہوتی ہے؟ میں ہونقوں کی مانند اُن کا چہرہ شریف تکنے لگا...... مجھے اس طرح استعجاب میں ڈوبا ہُوا پا کر مزید فرمایا۔

"اگر بھولے نہیں تو یاد ہو گا کہ تم ریاضت پنج گرہ کے بارے میں کچھ جاننے کے لیے بے چین تھے...... کوشش بسیار کے باوجود جب تم کہیں سے معقول معلومات حاصل نہ کر سکے تو مجھ سے اس بارے پُوچھنے کا سوچا لیکن اسی دوران اچانک اِدھر پہنچنے کی راہ کھُلی دکھائی دی۔ غور کیا تو محسوس ہُوا کہ یہ سب سلسلے وسیلے تمہارے پنج گرہ وظیفہ کے لیے کھُل رہے ہیں۔ اَب میں سارا راستہ یہی دیکھ رہا تھا کہ کہاں تمہاری اس ریاضت کی تکمیل کے لیے جُملہ انتظامات موجود ہیں...... سمجھو یا نہ سمجھو' مگر سُنو! اس بار سُورج بارہ کے باج' بُرج حمل

میں رہے گا۔ زمانہ اپریل بیساکھ کے درمیان پانچ دن کہ اس سے ارض و افلاک، نجوم و بروج کی گردشوں کے کچھ رخ ایسی فروزش کے حامل ہو سکتے ہیں کہ ان کے اثرات...... زمین کے مختلف نظام و موسم میں اک خاطر خواہ تبدیلی کا موجب بنیں۔ ارضی اور کوہستانی معدنیات و اوکھد پہ بالعموم اور سمندری صحرائی نباتات جمادات پہ بالخصوص اپنے شفائی، کیمیائی اور ماورائی افلاکی استعانتوں کی برکات لاتے ہیں...... اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کائنات تخلیق فرمائی...... آسمانوں سے اپنی مخلوقات و موجودات کے لیے فلاحتیں، صداقتیں اتاریں — چاند سورج ستارے کہکشائیں جھرمٹ سجائے اور اک نظامِ تکوین دے کر ان کو کچھ مخلوقات کے لیے مسخر کر دیا...... ربُّ الحکمت نے اپنی مشیت خاص سے از نوع ذواتِ قدسیہ، ملائکہ، جنات، شیاطین، محبوبانِ بارگاہ، دانش افلاکی اور اور حکمتِ نورانی کے حاملانِ علم کو یوں رازہائے کائنات سے بہرہ ور فرمایا کہ وہ افلاکی اور ارضی، سعد و نحس ساعتوں، سمتوں گردشوں کے حساب بھی ہو گئے...... اب رازہائے ماورائے کائنات تک بھی بات بڑھتی ہے جس کا فی الوقت محل نہیں......!

روحانیاتِ فلکی کے عالم آسمانی موکلوں سے بھی استفادے کی صورت نکال لیتے ہیں...... علم غیب، صدائے سروش سے بھی آہنگ سار کر لیتے ہیں۔ ایسی سیر آفاقی [illegible] انفسی اور استعانت اجرام فلکی [illegible] رکھنے والا یہ سلا توالی [illegible] وظیفہ اسی بابا جی کی وساطت سے [illegible] ملا تھا اور اسی جگہ، جہاں ہم دونوں بیٹھے ہیں......!

مجھے یقین ہے کہ اب تم ضرور جاننا چاہو گے کہ اس مختصر سے چلہ کو وظیفہ پنج غرہ کیوں کہتے ہیں اور اس کے روحانی اور مادی تشرفات کیا ہیں اور اللہ کی مخلوق کے لیے اس عمل میں کیا کیا فائدے ہیں؟...... سو اس رمز کو تم آسانی سے سمجھ سکتے ہو کہ اس نوع کے چلے مجاہدے ریاضتیں اور عبادتیں کسی نمائش یا مادی مفاد کے لیے اختیار نہیں کی جاتیں اور نہ ہی کسی طرح کے درجات کی بلندی مقصود ہوتی ہے...... فقیر اور عاشق کے پاس نقد جاں، جی جاں اور اپنے جانِ جاناں کے سوا رکھا بھی کیا ہوتا ہے؟ بس وہ اپنی جزو جاں کو کُل جاں کی جانب رجوع دے کر اس کے تشکیل کردہ ڈھانچہ میں اپنا قالب ڈھال کر ویسی ہی شکل اختیار کرنے کی سعی میں ہے۔ اس مثال سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جیسے ہنرمند لوہار مس خام کو گھلا پگھلا کر غیر ضروری عناصر کی تخریج لا کر فولاد میں تبدیل کر دیتا ہے اور اس سے انسانی بہبود کے لیے بڑی بڑی کارآمد مصنوعات وضع کر کے پیشہ ورانہ ذمہ داری سرانجام دیتا ہے۔ اسی طرح سنار جوہری اور پارکھ بھی طلائے ناپختہ یا دانۂ بے آب و وضع یا کسی گوہر سنگوں کی پُراسرار گونا گونیت کو اپنی ہنرمندی کی نگاہ، آنچ اور سانچ سے طلائے دست افشردہ، دانۂ یک دانۂ روزگار اور گُم گشتہ گوہر کو گوہرِ انمول کی صورت و سیرت عطا کر دیتے ہیں یعنی اس کارگہ حیات

میں جوہری' پارکھ' لوہار' سنار' ترکھان' دھوبی' رنگریز' چوہڑے' ڈاکیئے' موچی' ڈرائیور' چوکیدار' چرواہے' نوکر کامے وغیرہ یہی بابے دُرویش ہی تو ہوتے ہیں...... یہی کام پیشے اصل میں ان کی ذات اوقات ہوتے ہیں...... وَلی وَلائت والا ہوتا ہے وَصائت وَوَراثت اور اُونچی منصب و مقصد والا' اس کی آن و شان نرالی جبکہ بابے بیکار کی بیگار اور دَرویش' دُر دُور ہمیش......''

خدا جانے وقت کی کیسی گرہ تھی جو کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی...... باباجی کی گنجل باتیں' جو شاید کانوں کے لیے نہیں تھیں کہ اُن سے کچھ مطالب نکالے جاسکیں۔ یہ باتیں میرے سر پہ سے اُن پرندوں کی مانند گزر رہی تھیں جو شام ڈھلے اپنے اپنے ٹھکانوں کی جانب رواں ہوتے ہیں...... دن بھر کی کھوج ٹوج' چیخ چہکار' لٹکتے بوٹوں کے بھار اور بامِ مینا سے اُترتے سُرخ رو سُورج کے خُمار سے اُن کی ڈولتی جھولتی لڑکھڑاتی سی اُڑانیں یُوں جان پڑتی تھیں جیسے یہ کسی افلاکی [illegible] سے لگائے ہوئے ہوں۔ بانس کی چھدری اوٹوں سے شفق کے رنگ اُبھرنے لگے تھے...... جب خموشی کی تھکی ٹھہر تپ کر دھانس دینے لگی تو باباجی [illegible]تے ہوئے بولے۔

''اوپر دیکھوگے تو آسمان واضح دکھائی نہیں دے گا کہ بانسلوں کے جھوتے پتے راہ ما[illegible]تے ہیں...... خلاؤں کا نام آ[illegible]ن نہیں اور نہ ہی فلک' آسمان ہوتا ہے جیسے عرش [illegible] اور عرش بریں اور [illegible] دو کہ فلک پہ اجرام و بُروج [illegible] اصل گرہ ریاضت کی تحصیل کے [illegible] خشت اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں...... دیکھ سکتے ہو کہ ہمارے گرداگرد بانسلوں [illegible] کے پانچ ٹھونٹھ ہیں۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ان پانچوں ٹھونٹھوں میں تین تین گرہ پڑ چکی ہیں...... جب کسی ظہور سے ان ٹھونٹھوں میں مزید گرہیں بھی پیدا ہوں گی [illegible] نماز کی ادائیگی [illegible] سُورۃ کا وِرد' پانچ منزلوں میں طے کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تمہیں اس گھڑی کا سمعی ادراک سُورج کے نئے برج سے ملاپ سے...... برق رفتار ابابیلوں کی آوازوں سے حاصل ہو جائے گا جو تمہارے سر اوپر پھڑپھڑاتی ہوئی گزریں گی۔ یہ سمے' رات ایک پہر ڈھلنے کے بعد ہی متوقع ہوگا کہ اس سعد سمے بانس میں بانسلوچن کی پہلی کچا ہند کا تار جنم لیتا ہے...... سیپ کے پیٹ میں پڑے قطرۂ نیساں میں امرِ الٰہی اُترتا ہے...... سُنہری فصلوں' برگ و بار میں دانہ' مٹھاس و مٹھار پیدا ہوتی ہے...... اس سنکھن سمے کے آگے پیچھے ارضی معدنیات میں بلوغت اور شناخت کے آثار شروع ہوتے ہیں۔ وزن حجم میں جماؤ' رنگ رساؤ مکمل ہوتا ہے...... گہرائیوں میں تمازت کے تنور میں آتش فشانی کے لیے راستے بنتے ہیں۔ چٹانیں پہلو بدلتی ہیں...... پہاڑ کھسکتے ہیں۔ یہیں جمادات' ازقسم جواہرات' بھی اپنے رنگ ڈھنگ میں نکھار اور جمالی جلالی تیوروں میں نکھاوٹ لیتے ہیں...... ان کے روحانی' شفائی اور کیمیائی درجات بڑھتے ہیں اور اس طرح مخلوقاتِ جلیلہ کی دسترس میں پہنچنے کے امکان پیدا ہوتے ہیں...... خدا کی حکمت اور

شان...... اسی وقفۂ سعد و نحس میں سمے کی اک کروٹ یوں بھی کہ گج کے سامنے منہ کے دائیں بائیں گج دانتوں کی جڑیں پھوٹتی ہیں جو ہڈ جوہر کہلاتے ہیں...... مونگے کی مونگی کونپل کنڈلی لے کر نباتات و جمادات کا جوہر یعنی جانِ مرجان بنتی ہے' کیلے میں کافوری پھنکی پڑتی ہے۔ صندل و زعفران' شنگرف میں خوشبو خوش رنگی آتی ہے۔ مارِ سیاہ کی کنچلیوں میں زہرِ ہلاہل اور بچھوؤں کے نیش میں قطرۂ حشیش ٹپکتا ہے...... اسی سمے کے الٹ پھیر میں نافۂ ختن میں کستوری' نیل کی کستورہ مچھلی کے ماتھے میں سنگ ماہی...... مقام شام الشیخ' ایوانِ اسود کے گلزارِ زلیخا کے کنجِ یوسف میں سیاہ گلاب...... جھیل سیف الملوک کی ناف سے امواجِ زلال کلبلاتی ہیں...... جن کی معدنیاتی اور روحانی تاثیر سے جن' پریاں' انس اور دیگر مخلوق مستفید ہوتی ہیں...... کسی صاحبقراں کا جنم ہوتا ہے۔

اصل حاصل اُس لمحۂ خاص کی مکمل گرفت ہے جو اللہ کریم کے فضل' مرشدِ پاک کی نگاہ و دعا سے ہی نصیب ہوتا ہے کہ جس خوش بخت کو اس سعد ساعت کا ادراک و انضباط مل جائے وہ پنج تن کی طفیل و برکت اور شاہ گیلان کے وسیلۂ جمیلہ سے پنج گنجِ عرفان' صاحبِ پنجگانہ' بندۂ پنج گرہ' عاملِ پنجسورہ' حاملِ [illegible] و پنج صفت کے مراتب کا اہل ہو سکتا ہے۔

سُورج [illegible] جیسے آگ کا دریا پار کر رہا ہو۔ یہی آتش سُرخیں لہو لہو منظر کہ دیکھنے والے کی آنکھوں میں خونِ کبوتر اتر آئے...... بانسریوں کی مغرب اوٹ ایسی ہی آتش رنگ دہک رہی تھی...... باباجی کی غود دھانسی باتوں سے وقت بیتنے کا پتہ ہی نہیں چلا تھا...... اندھیرے کی پتلی سی لہر چاروں اور پھیلتی جا رہی تھی...... اُدھر باباجی بھی اپنی بات پوری کر کے یا ادھوری چھوڑ کر خاموشی اوڑھ چکے تھے اور میں اُس اندھے بچے کی مانند جسے ماں مستی چھوڑ جاتی ہے کہ کبھی خود کو اور کبھی بانسی وادی کے عجائبات کو دیکھ رہا تھا جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ اِدھر کبھی رات بسر نہیں کرنی چاہیے...... رات کسی بھی سمے بانس کی خطرناک نوکیلی کونپلیں ایسی سرعت سے پھوٹتی ہیں کہ اُن کی زد میں آیا جاندار جانبر نہیں ہو پاتا۔

اسی کافوری سی کیفیت میں کسمساتا ہوا رواں وقت کچھ اور آگے سرک لیتا ہے کہ آس پاس کی خاکستری اور سُرمئی رنگی فضا' گہری ہو کر اندھیرے میں ڈھلی جاتی ہے...... حشرات الارض اور دیگر شب زاد جانور اپنے اپنے ہونے کا احساس دلانا شروع کر دیتے ہیں۔ شام کے نوخیز ہونے میں شاید کچھ باقی ہے کہ قریب ہی کہیں سے ندائے سُبحانی اُبھرتی ہے...... ہوا' فضاء' پرند' چرند پہ اک چُپ سی لرز جاتی ہے۔ اذان کے دوران ہی' دل کی دھڑکنیں بھی بے دھڑک سی ہو جاتی ہیں۔ مومن کا رُوم رُوم' موذن کا اذان [illegible]

ہے...... دیکھا جائے تو معراجی نماز تو اَذان کے درمیان ہی اَدا ہو جاتی ہے جبکہ بدنی نماز کا سفر بعد اَ کہیں طے ہوتا ہے۔

''جی ہاں' مُلا کی اَذاں اور مجاہد کی اَذان اور'' کے مصداق...... نماز نماز میں بھی ''اور'' ہوتا ہے۔ نماز نماز کے اَجر و ثواب میں بھی تفاوت موجود...... گھر' باہر' اکیلے' باجماعت' سفر' بیماری' عام مساجد' خاص مساجد' مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' بیت المقدس...... غرضیکہ مختلف جگہوں پہ نمازوں کے علیحدہ علیحدہ اَجر و ثواب...... کچھ نمازوں کے وضو کے لیے آبِ زم زم عطا ہوتا ہے...... اکثر نمازیں عام پانی کے وضو سے پڑھی جاتی ہیں...... کہیں آنسوؤں سے سیراب ہوتی ہیں اور کچھ خون کے وضو سے ادا ہوتی ہیں...... خاص نمازوں کے قیام و قعود' رکوع و سجود' طویل تر ہوتے ہیں کہ پاؤں پنڈلیوں میں وَرم...... ٹخنوں میں گٹے اور پیشانی پہ نشان پڑ جاتے ہیں...... اکثر چار قُلوں میں نماز تمام ہو جاتی ہے اور کہیں دو رکعتوں میں قرآن ختم ہوتا ہے۔ سواری کی پیٹھ پہ' بستر مرگ' تختۂ دار' تلواروں کے سائے اور دُشمنوں کے نرغے میں۔ سرحد پہ کھڑے کھڑے...... بن وضو بغیر کچھ پڑھے' نہ مصلیٰ نہ قبلہ رُخ...... سلام نہ دُعا...... بیٹھے بیٹھے' لیٹے لیٹے...... حضوری کی طلب اور نہ منظوری کی خواہش...... عام عجمیوں کے لیے نمازیں اہلیہ کے جہیز یا الاٹی کمیٹی کی طرح ہوتی ہیں مگر کہیے کہ جن اہلِ عرب کو یہ تر[illegible] کوئی اعضاء کاٹ لو تو اُنھیں خبر تک نہ ہو' اُن کی محویت یا لرزہ اندامی کا یہ عالم کہ اُن کے گزر جانے کا گمان گزر جائے......

میں نے حرمین شریف اور دیگر جگہوں پہ غیر عجمیوں کو دورانِ نماز مختلف حرکتیں کرتے دیکھا۔ وہ بجائے نیچے سجدہ کی جگہ پہ نظریں جمائے رکھنے کے سامنے یا اِدھر اُدھر دیکھ رہے ہوتے ہیں...... ناک میں اُنگلی گھسیڑنا' پنڈلی یا پیٹ کھجلانا تو معمولی حرکتیں ہیں' وہ تو غلطی یا مجبوری سے ساتھ مَس یا سامنے سے گزر جانے والوں کو ہاتھ مار کر ہٹا دیتے ہیں۔ انھیں نماز پڑھتے دیکھ کر محسوس نہیں ہوتا کہ وہ ایک اہم فرض ادا کر رہے ہیں بلکہ یوں لگتا ہے وہ عام سی کسی ورزش یوگا وغیرہ میں مشغول ہیں...... نہ وہ خشیت' نہ وہ تقدس...... عجز نہ خشوع...... کسی لٹھ یا لاٹ کی طرح وہ زمین میں گڑے ہے...... بندے کی بندگی میں انکسار' انجذاب اور سپردگی نہ ہو تو وہ عبادت تو ہو سکتی ہے بندگی نہیں...... عبادت اور بندگی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ عبادت سَر اُٹھا کر بھی کی جا سکتی ہے...... تاج پہنے تخت پہ متمکن ہو کر بھی ممکن ہے جبکہ بندگی میں سَر اُٹھانا نہیں سَر نیوڑنا پڑتا ہے...... جسم و جان' 'انا' اور ''میں'' کے سرے نکالنے پڑتے ہیں۔

یہاں بٹسلی وادی میں بھی اک نماز سر پہ تھی...... موذن کے حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کہنے تک ہم ایک کھیت کی باڑ تک پہنچ چکے تھے جدھر ایک پتلی سی آب جُو کھیتوں کو سیراب کر رہی تھی۔ طہارت کے بعد ہم آگے

پیچھے واپس اپنی مخصوص جگہ پہ پہنچ چکے تھے...... نماز سے فراغت تک اندھیرے میں مزید برکت پڑ چکی تھی۔ اک لمبی سی چپ دعا کے بعد باباجی جیسے مراقبہ میں اتر چکے تھے...... کچھ کہنے پوچھنے کا یارا کہاں؟ کچھ سمجھ نہ پائے تو چپ کا سہارا لینا پڑتا ہے...... سو اس وقت میں بھی چپ کا سادھو بنا بیٹھا تھا کہ ناگاہ تیز ہوا کا ایک جھونکا چھدرے بانسوں سے باندر کلہ کھیلتا ہوا ہم سے چھیڑ خانی کرنے لگا...... تازگی اور شروع شب کی شوریدگی کا احساس ہوتے ہی باباجی نے مجھے دوزانو ہونے کا حکم دیتے ہوئے اپنے ساتھ ساتھ پنج سورۃ کی تلاوت کے لیے کہا...... پانچ بار پڑھنے کے بعد میرا ہاتھ دائیں جانب بانس کی جڑ کے بالشت بھر اوپر دھرتے ہوئے فرمایا۔

''تین گرہ پڑ چکی ہیں مزید دو گرہ اگلے کچھ وقت میں ظہور پذیر ہوں گی...... ہاتھ ہٹائے بغیر پنج سورۃ کی تلاوت جاری رہے...... اسی دوران ایسے لمحات بھی وارد ہوں گے جب تمہیں احساس ہوگا کہ [illegible] دائیں بائیں آگے پیچھے بانسوں کے تیر [illegible] نوکیلے تمہارے جسم کو چھید رہے ہیں...... شدید درد اور تکلیف بھی محسوس ہوگی...... لیکن میرا تصور لاتے ہی یہ سب کچھ مفقود ہو جائے گا...... یاد رہے یہ لمحات دو پہر شب بیتنے کے بعد رونما ہوں گے......''

قدرے خاموشی کے بعد چند مختصر سے اوراد کا بتا کر مزید فرمایا۔

''تا [illegible] پانچویں گرہ مکمل ہو جائے......''

مجھے پتہ ہے کہ کان سننے کے لیے ہوتے ہیں...... مگر ایسی باتیں کانوں کے لائق ہرگز نہیں ہوتیں۔ یہ تو کہیں اندر تاپ ہو رہی ہوتی ہیں۔ انہیں جسم نہیں، جان سنتی ہے...... اس وقت بھی یہی کچھ تو [illegible] آمنے سامنے بیٹھے اک ڈوبے کا سایا بنے کہ اندھیرے میں سائے بھی بڑے گہرے یارانے گانٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ عشق معشوقی، چوری چکاری، درویشی فقیری...... ان میں اگر چلے ٹلے بھی شامل کر لیں تو یہ سارے کھیکھن کھیکھوڑے اندھوں اور اندھیروں کے لیے ہی تو ہوتے ہیں......

عاشق چور فقیر خدا توں منگدے گھپ ہنیرا
اک لٹاوے اک لٹے اک کہدے سب کجھ تیرا

مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے اچانک باباجی اٹھے...... اپنا سیاہ تھیلا کندھے پہ [illegible] عصا تھاما اور میرا کندھا تھپتھپاتے ہوئے مزید فرمایا۔

''چلہ پنج گرہ پہ، گرہ پڑتے ہی اک کٹ کیڑی تمہارے سر پہ پھڑپھڑاتے ہوئے [illegible] گی...... یہیں تم نے بانس کی پانچویں گرہ پہ پڑی گرفت ڈھیلی ڈال دینی ہے...... الحمدللہ کہتے ہوئے [illegible]

نکل آنا ہے...... لیکن یاد رہے کہ پاؤں میں چپل نہیں پہننا اور مڑ کر اُدھر بانس واڑی کی جانب نہیں دیکھنا پتھر ہو جاؤ گے......"

ہسپتال میں آپریشن سے پہلے کلوروفل سونگھائی جاتی ہے یا انجکشن لگا کر وقتی طور پہ بیہوش کر دیا جاتا ہے تاکہ مریض سرجری کی اذیت سے محفوظ رہے...... ہوش اور بیہوشی کے درمیان کچھ ساعتیں یُوں بھی ہوتی ہیں کہ مریض ہونے نہ ہونے کی مابین حالت میں ہوتا ہے۔ مَیں بھی کچھ ایسی ہی صُورت میں تھا۔ خوف نہ ڈر، انبساط نہ اندوہ، حیرت نہ حسرت...... پھر بھی میرے مُنہ سے نکل ہی گیا۔

"آپ......؟"

بانس حصار سے باہر نکلتے ہوئے فرمایا۔

"کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو یکسوئی میں سرانجام دیے جاتے ہیں...... دُوئی دخیل نہیں ہوتی...... "مڑ کر نہ دیکھنا پتھر ہو جاؤ گے" کہتے ہوئے چل دیے۔

مَیں نے تو انہیں اپنے سامنے سے جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا کہ کہیں خاک، راکھ یا پتھر نہ ہو جاؤں۔ اس وقت تو باباجی کے اس طرزِ عمل پہ غور کرنے کا محل نہیں تھا [illegible] اندر کہیں [illegible] سی رہ گئی کہ کہیں لب کشا [illegible] مڑ کر دیکھنا پتھر ہو جاؤ گے [illegible] مطلب اور اس پیچ گرہ چلّے کا مصرف کیا ہے......؟

• منزل اور قُطبی قندیل......

رات شاید دوسرے پہر کی گرہ کو جا لگی ہوگی۔ میری کیفیت، اُس مریض کی سی جس کا کچھ دیر پہلے آپریشن ہُوا ہو...... ایسا مریض، عالمِ برزخ کے کسی گودام میں بوسیدہ لباس کی مانند کھونٹی پہ لٹکا ہوتا ہے...... جسم بے حس و بے جان، دماغ مختل و مُعطّل، جنّتی نہ جہنّمی...... کچھ ایسا ہی صُورت تھی کہ سَر کے اُوپر کسی کٹ کٹیری نے کٹکنانا شروع کر دیا پھر جب ایک دو ٹھونگے میری کھوپڑی پہ لگائے تو سمجھ گیا کہ اَب مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہیے...... شاید کبھی آپ نے کٹ کٹیری کا نام سُنا ہو یا کبھی اسے دیکھا ہو؟ یہ مُرغِ سلیمان (ہُدہُد) مُرغِ تمکہ (ابابیل)... مُرغِ سیمیں (زریاب)... مُرغِ سکندر (ہُما)... مُرغِ سیاہ (ٹیری)... مُرغِ غناء (گُلدم) مُرغِ آرزو (چکور)... مُرغِ حسرت (پپیہا) کی قبیل کا ایک انتہائی چھوٹا پھرتیلا اور خوبصورت سیاہ پرندہ ہے۔ ٹیری اور اس میں نمایاں فرق اس کے ماتھے کے سیاہ خال اور خوراک کا ہے...... آنکھوں کے اُوپر درمیان ایک

سیاہ قمر اُبھرا ہوتا ہے۔ اِس کی خوراک صرف جگنو ہوتے ہیں۔ جگنوں نہ ہوں تو یہ بھی دکھائی نہیں دیتی...... ہُدہُد' اَبابیل اور کٹ کٹیری' یہ تینوں پرندے رُوحانی منازل' وظائف و مجاہدات میں صُوفیوں' فقیروں' دَرویشوں اور عاملوں کاملوں کے کام آتے ہیں۔ اِن تینوں میں کٹ کٹیری' اُن دو خاص پکھیروں میں نمایاں ہے جو ہوا میں ہیلی کاپٹر کی مانند مُعلّق ہونے کے علاوہ عمودی پَرواز بھی کر سکتا ہے اور خاص طور پہ تاریکی میں نزدیک دُور کی چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کو بھی دیکھ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب چاہتا ہے کسی قمقمے کی مانند خود کو روشن بھی کر سکتا ہے۔ جگنو اِس کی پُرکشش کیف آور روشنی سے کھنچے چلے آتے ہیں جو بالآخر اِس کی خوراک بن جاتے ہیں۔ یہ بانس کی ٹھونٹھ میں اپنا گھونسلہ بناتا ہے...... کٹ کٹ کٹکی کٹکی کی آواز اِس کا وِرد...... اِس کے بازو لمبے اور جسم معدوم سا ہوتا ہے۔ یہ شب خیز صُوفیوں اور بَن باسیوں دُرویشوں کے لیے شب چراغ کا کام بھی دیتا ہے...... اِسے قُطبی قندِیل بھی کہتے ہیں۔

مَیں خوب روشن اندھیرے' پابرہنہ چِلّے کے کُنڈل سے باہر نکلا تو یہی قُطبی قندِیل میرا چراغِ راہ بنا میرے آگے تھا...... یہیں مجھے محسوس ہُوا مَیں خُود بھی اِس بانس واڑی کا ایک پنج گرہ بانس ہوں میرے [illegible] میں بنسلوچن (طباشیر) بھرا ہوا ہے...... اِس کی پنج [illegible] رُوح [illegible] بسی ہوئی ہے...... ہر گام پہ ایک نیا اَسرار میرے سامنے اپنا باطن کھول رہا تھا...... مَیں [illegible] وہ پاؤں کے تلوے تک حرکی قوت' استقامیہ ہے' دُوسری گھٹنے تک' قوتِ معاونہ...... تیسری کولہے تک قوتِ توانا مُعتدلہ ہے' چوتھی گردن تک کارخانہ بشریہ اور پانچویں' تالو تک مکتبِ رَبّیہ...... یہ پانچوں گرہیں باہم مربوط و منظوم ہوں تو ایک جسمِ انسانی کا تصوّر اُبھرتا ہوتا ہے...... [illegible] میں آتشی اور آبی عُنصرات یہ تو ہوئے اربعہ عناصر' جن سے تخلیقِ آدم ہوئی لیکن پانچواں وہ نُوری طوطا کہاں گیا جو کلبوتِ آدم میں چھپ کر بولتا ہے۔ جو پنجرہ خالی کر جائے تو اربعہ عناصر سے تعمیر شدہ عمارت' دھڑام سے قبر بوس ہو جاتی ہے۔ سخی شہباز قلندرؒ کے چار چراغوں کے ساتھ پانچواں چراغ بھی جلے تو اُس سرمدی نُور کا ظہور دکھائی دیتا ہے آپ عشقِ حقیقی کی مثال دے سکتے ہیں جو طالبِ صادق کو اُلوہیت سے ہمکنار کرتا ہے۔

مجھے تو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ مَیں کدھر جا رہا ہوں۔ جیسے مَیں ساکت کھڑا ہوں اور نیچے راستہ [illegible] ہے...... جی ہاں' جن کو کسی منزل کی تلاش ہوتی ہے وہ راستے طے کرتے ہیں اور جن کی کوئی منزل نہیں اُنہیں منزلیں طے کرتی ہیں...... راستے کہیں پہنچنے کے لیے ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے ہاں [illegible] بے راستوں کا کوئی تصوّر نہیں ہوتا...... سیڑھیاں' راستے' بیساکھیاں' پُل' پَر' کشتیاں' کاندھے اپنی جگہ [illegible] مگر کچھ ہستیاں اِس نوع کے وسیلوں کی بھی وسیلہ ہوتی ہیں...... شاید میرے لیے یہ اک خوشگوار حیرت [illegible]

میں عام فہامت و گمانت کا کوئی فرد ہوتا...... چوروں اور سادوں کی گنتیوں میں سواؤں آدھوں اور پونوں کا رواج نہیں ہوتا...... اُن کے ناپنے کے گز اور تولنے کے باٹ بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ اُن کے فرلانگ و فرسانگ بھی اِک فاصلۂ فردا ہوتے ہیں۔ ہوش کے ناخن لیے تو وہیں پہنچا ہُوا تھا جدھر بس کا ٹائر پنکچر اور میرے چلّے والا ایڈونچر شروع ہُوا تھا۔ معلوم ہُوا کہ فالتو ٹائر بھی خراب تھا...... رات کے وقت کوئی بس گاڑی دستیاب نہ ہوئی تو ایک سُست رو ٹریکٹر کے ذریعہ سرگودھا' ٹائر لے جایا گیا اَب کہیں جا کر بس اس قابل ہوئی کہ آگے سِلانوالی کی جانب رُخ کرے...... بابا جی اندر بیٹھے' میری جانب دیکھتے ہوئے مسکرا رہے تھے...... راستہ بھر ہم دونوں گُرو چیلا یوں گُم سُم بیٹھے تھے جیسے ہمارے پاس کہنے سُننے کے لیے کچھ بھی نہ ہو...... خالی خالی یا بھرے بھرے...... تنبورے کے تانت ڈھیلے ہوں یا تنے ہوئے دونوں حالتوں میں حرکیت سے خالی نہیں رہتے...... ہر اچھی بُری کیفیت میں اِک سواد' تلذذ اور انوکھا پن ہوتا ہے...... کسی کیفیت کا لطف خوشی' گُم سُمی اور پردہ رکھ کر لیا جاتا ہے۔ کسی کا اظہار کر کے بلکہ گلہ مچا کر کیا جاتا ہے اور کسی کیفیت کا مزہ بڑے تحمل بُردباری سے لیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں [illegible] خوشی' خوف اور جذب کا عجیب سا امتزاج ہوتا ہے۔ یہی حالت اس وقت کی...... میں بظاہر لاتعلق دکھائی دے رہا تھا...... مگر میں بھی اور وہ بھی خوب [illegible] تھے کہ [illegible] میں دونوں [illegible] دوجے سے گُرو چیلا کا کھیل [illegible] رہے [illegible] سِلانوالی پہنچتے پہنچتے' صبح کاذب کی تھگلی لگ چکی تھی۔

- بابا سُبحان اللہ' اللہ اللہ!

ایسے سویرے کہ نہ اُسے رات کہیں اور نہ صبح...... سٹیشن کے بس لاری اڈّے پہ اُترے تو سڑک پہ خاکروب نظر آیا یا ایک آدھ چائے پانی کی دوکان...... پندرہ بیس سواریوں نے بس سے اُترتے ہی اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف مُنہ کر لیا۔ ہم بھی نیچے اُتر کر شہر کے نواح کی جانب ہو لیے کہ شاید بابا جی نے اُدھر ہی جانا ہو...... گت کا پراندہ ہوا میں پیچھے پیچھے جھول رہا تھا۔ ہم شہر سے باہر خاصا دُور تک نکل آئے تھے۔ نہری علاقہ' ہر جانب سبزہ ہی سبزہ' گھنے درختوں پر پرندے بھی ابھی صبح سے نہیں جاگے تھے۔ سوا کوؤں اور کتوں کے' کہ ایک صبح کا پہلا موذن ہوتا ہے اور دُوجا شب و روز کا زندہ دار...... صبح گاہی' ٹھنڈی پُروائی...... تھکاوٹ بھرا تن میں ڈول بڈول رہا تھا۔ بابا جی نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تھک گئے ہو یا کُتھ گئے ہو؟" تھک کو اُلٹا پڑھیں تو کُتھ ہوتا ہے رمزوں والے روشن ضمیر بابوں'

صاحبوں کے ہاں ایک بات میں سَو سَو باتیں اور ایک گھات میں کئی کئی گھاتیں اور گھاتیں ہوتی ہیں، مخاطب یا طالب اگر ذرا سا بھی اَندر سے گیلا ہو تو وُہ اِن باتوں گھاتوں سے رَمزیں نکال نکال کر مزید پانی پانی ہو جاتا ہے۔ میں ابھی تھک اور کُٹھ کے کھوبے میں ہی کُھبا ہُوا تھا کہ مزید ارشاد ہُوا...... ''جسمانی مشقت سے اِنسان تھک جاتا ہے جبکہ رُوحانی محنت سے وہ کُٹھ جاتا ہے...... ''

چن کتھے گزاری آ رات وے...... میرا دل ڈلیلاں دے وات وے

راہ میں پڑی ریلوے پٹڑی عبور کر کے ہم اَب ڈھلوان سے وَسیع وعریض رَقبے میں اُتر آئے تھے۔ چند کھیت پَرے ایک مچان سی دکھائی دی جس پہ گھاس پھونس کا ایک قُبّہ سا بنا ہُوا تھا...... ذرا ہٹ کر ایک کُٹیا دکھائی باہر بندھی بکری اور دو ننھے مُنّے میمنے...... جو ہمیں دُور سے اِدھر آتے دیکھ کر مَیں مَیں کرنے لگے تھے۔ ابھی ہم اُن کے قریب نہیں پہنچے تھے کہ ایک دیہاتی عمر رسیدہ بوڑھا کُٹیا کے اندر سے برآمد ہُوا...... ہماری جانب دیکھتے ہوئے وُہیں سے ہاتھ ہلا ہلا کر سلام کرنے لگا۔ بابا جی نے بھی ہاتھ اُٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ وہاں تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگی مگر اس اثناء میں اُس نے کمال پھرتی سے کُٹیا کے باہر کھاٹ سیدھی کر کے اس پہ توشک بچھائی [illegible] اِدھر چند قدم آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کرتے ہوئے مُرتعش لہجے میں السلام علیکم! سُبحان اللہ کہتے ہوئے بابا جی [illegible] ہاتھ [illegible] ہوئے کہا۔

''پُتّر! اس پکّی عمر میں ایسے چنگے کام؟ سُبحان اللہ! پنج پنج مُبارکاں!''

جھٹ سے میرے مُنہ سے نکلا۔ ''بابا جی! ست ست مُبارکاں تو سُنا تھا یہ پنج پنج......؟''

مگر اگلے ہی لمحہ احساس ہوا کہ میں کیسا بیہودہ سوال کر بیٹھا [illegible] صاحب حال وقال نے تو بہ طور چلہ پنج گرہ کی مُبارک دی ہے۔ شرمندگی سے جھکے ہوئے میرے سَر کو اوپر کرتے ہوئے سُبحان اللہ کہہ کر بڑی معصومیت سے پوچھا۔

''اچھا اَب بتاؤ، صبح کا بُھولا، شام گھر واپس آ جائے تو اُسے کیا کہتے ہیں......؟''

میرے اندر سے ہچکولے لیتا ہوا جواب نکلا۔

''اُسے بُھولا ہُوا نہیں کہتے......''

چند ساعتیں میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سُبحان اللہ کہا اور پوچھنے لگے۔

''......اور جو شام کا بُھولا ہُوا صبح دَم لوٹ آئے اُسے کیا کہیں گے؟''

اَب میں بوکھلایا، کوئی بھلا جواب بَن نہ پایا تو بھاڑ مُنہ یہی کہہ دیا۔

''شاید اُسے بھی بُھولا ہُوا ہی کہیں گے۔''

''سُبحان اللہ! کاکا' کیا قائم دائم جواب دیا...... لیکن اگر تم اِس طرح کہہ دیتے ...... ''صبح کا بُھولا' شام واپس گھر پہنچ جائے تو وہ بے سمتا اور غیر ذمہ دار ہے کہ دن کے اُجالے میں بھٹکنے کا کیا امکان......؟'' سُبحان اللہ کہتے ہوئے مزید فرمایا...... ''اور شام کا بُھولا' صبح گھر آ جائے تو اُسے بھٹکا ہُوا کہہ سکتے ہیں کہ اندھیرے اور سیاہی کے ایک رُخ میں فسوں خیزی اور نسیان انگیزی بھی ہوتی ہے' سُبحان اللہ اور ہاں ''مڑ کر نہ دیکھنا پتھر ہو جاؤ گے'' اِس کے بھی کچھ بھید ہیں...... لاعلمی' بے سمجھی اور بے حسی کی راہ سے گزر کر بندہ جس مقام بصیرت وبینش اور بھگتی بھیت تک پہنچتا ہے وہاں سے مڑ کر پیچھے رَوندھی ہوئی راہوں کو دیکھنے سے وہی تاثر اُبھرتے ہے جو سنگواروں میں پھنسے ہوئے کسی اکیلے انسان میں پیدا ہوتا ہے۔ پہاڑ ہوں یا جنگل...... سمندر یا صحرا' ان سب کے اپنے اپنے بھید ہیں۔ سُبحان اللہ' ہر مشقت' محنت یا ریاضت ومجاہدہ...... چلّے مراقبے وغیرہ ان سب کا مقصد' بھید بھیت جاننا ہی تو ہوتا ہے اور جاننے سے علم حاصل ہوتا ہے۔''

کچھ دیر سانس بحال کرنے کے بعد مزید فرمایا۔ ''سُبحان اللہ! آپ لوگ ایک لمبا سفر اور بہت سی مشکلات اُٹھا کے یہاں تک پہنچے۔ ہر وہ قدم جو حقیقت کو سمجھنے جاننے کے لیے اُٹھایا جاتا ہے وہ ایک مجاہدہ چلّہ اور عبادت ہی تو ہوتا ہے۔ پھر سمے کی بات ہوتی ہے جیسے اپنے وقت پہ دن اور اپنے وقت پہ رات ہوتی ہے۔ اس سمے [illegible] ہر قدم پہ حق [illegible]

اسی اثنا قریب ہی کسی مسجد سے اذان بلند ہوئی' وضو طہارت کے بعد' ہمیں [illegible] کر نماز سے فارغ ہوئے تو آنکھیں [illegible] مندھ جا رہی تھیں۔ بدن جھکولے کھا رہا تھا۔

بابا سُبحان اللہ نے ناشتہ کا غالباً پہلے ہی سے بندوبست کیا ہُوا تھا۔ ایک سائیکل سوار گرم گرم پراٹھے' مکھن لسی اور لسوڑوں کا اَچار لے کر پہنچ گیا۔ وہیں کھاٹ پہ دسترخوان سجا دیا گیا...... کسی گئی گزری بات کی طرح بھوک بھی جیسے بھول چکی تھی...... ان کھیتوں کھلیانوں کے بیچوں بیچ کھلی فضا میں اِس قدر لُطف بھرا دیہاتی ڈھنگ کا من وسلوٰی دیکھ کر بھوک لشکارے مارنے لگی۔

آپ کو شاید اندازہ نہ ہو کہ کسی بابے کے پاس بیٹھ کر کچھ کھانا پینا کس قدر مُشکل کام ہوتا ہے اور یہاں تو ایک چھوڑ دو بابے...... سُبحان اللہ اور الحمدللہ جبکہ میں درمیان میں پھنسا ہوا استغفراللہ......! دیسی گھی سے تُرتُراتے ہوئے بلوں والے خستہ پراٹھے...... اَے موٹے موٹے رسیلے لسوڑے' مکھن' تازہ بلوئی ہوئی لسی...... وہ بھی وافر...... اِس پہ مستزاد لہلہاتی فصلوں کی خوشبو سے مست خرام پُولی پُولی ہوا...... اور اِدھر ناشتہ تھا یا بہشت سے اُترا ہُوا کوئی پکوان...... بابا سُبحان اللہ خود بھی یقیناً کچھ نہ کچھ کھا رہے تھے مگر ہم گُرو چیلا کو اصرار کر کے زیادہ کھلا رہے تھے۔ کھانے والوں اور کھلانے والے نے خوب اپنا اپنا حق ادا کیا۔ دسترخوان سمیٹتے ہوئے

بابا سُبحان اللہ گویا ہوئے۔

"عبادت ہو یا محنت و مشقت، وہ قولی ہو کہ بدنی...... ظاہری یا باطنی...... بصری ہو یا نُطقی...... قلبی ہو یا دِماغی...... جسمی یا اعصابی، اس کے بعد کچھ توقف بصورت استراحت واجب ہوتا ہے۔ آپ پسند کریں تو اس کچل جھونپڑے میں دَم سادھ کریں مجھے دیگر اُمور نمٹانے ہیں۔ انشاء اللہ! نمازِ ظہر اور ظہرانے پہ ملاقات ہوگی......" سُبحان اللہ کہتے ہوئے وہ پولے پولے پگ، بائیں پگڈنڈی پہ نکل لیے اور ہم انھیں کچھ دور بیریوں کے جھنڈ میں اُترتے دیکھ رہے تھے۔

اُدھر سے نظریں ہٹیں تو باباجی کھاٹ پہ دراز ہوتے ہوئے بولے۔

"یار! مجھے تو کچھ دم یہیں پہ کمر سیدھی کر لینے دو...... یہاں باہر موسم بڑا خوشگوار ہے فصلوں کی خوشبو اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بڑا سرور دے رہی ہے۔"

● خراٹوں کے اخروٹ......!

میں [illegible] بھری بھری [illegible] وہ بوڑھے یا بابے ہو ہی نہیں سکتے جو لیٹے پڑتے ہی ہونٹ سکیڑ سکیڑ کر آنکھیں بند پوٹلا نہ کر لیں اور اگلے لمحے خراٹوں کا خرد چالو نہ کر دیں۔ ڈاکٹر [illegible] کہتے ہیں کہ نرخرے میں کچھ غدودیں اور جھلیاں، کسی نہ کسی طور پیدا ہو جاتی ہیں جو نیند کی حالت میں پھیل یا سکڑ جاتی ہیں اس طرح تنفس میں رکاوٹ پیدا ہونے سے طرح طرح کے ساؤنڈ برآمد ہوتے ہیں...... گاؤں دیہاتوں میں آٹا پیسنے والی چکی کا ساؤنڈ، تنبورے کو ٹیون کرنے کا ساؤنڈ، رعد کے کڑکنے کے دھماکے...... جنگلی سانڈ کے ڈکرانے کے کڑاکے۔ کار کے انجن سٹارٹ کی آواز جس کے [illegible] بیلٹ لوز ہو گیا ہو۔ کبھی تو لگتا ہے کہ بزرگ، خواب میں غرارے کر رہے ہیں یا حلق میں پھنسا مچھلی کا کانٹا نکالنے کی محنت میں ہیں...... موسیقی کے مارے، گن رسیے، اُستادوں سازندوں کی آخری نیندوں میں، اُن کے [illegible] فن کا اظہار و نکھار خراٹوں میں ماتم کناں ہوتا ہے...... کوَل تیور سُروں کی ایک ایک جگہ صاف سنائی اور [illegible] عجیب و غریب بناوٹوں سے دکھائی دیتی ہے۔ دھامے کی ٹھکائی، تسموں تاروں کی کسائی۔ شہنائی [illegible] پھونک پھونک سے صفائی، سورنگی کی ریں ریں، ستار کی ترنگ ترنگ، سُرمنڈل کی تن تن، بنسری کی [illegible] انگوں رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہر پیشہ کا بندہ بوڑھا اپنے اپنے ڈھنگ سے خراٹے توڑتا ہے [illegible] فربہ اندام مرد و زن اور کچھ غیر ضروری آسودہ حال افراد بھی اس سکون لیوا آزار سے جل تھل اور مالا مال رہتے

ہیں کہ راوی اُن کے لیے آرام ہی آرام لکھتا ہے۔ اکثر پیرانِ بدنام اور لوٹے ٹائپ لیڈرانِ ننگِ نام بھی بڑے بھیانک قسم کے خراٹیے' بروزنِ فراڈیے ہوتے ہیں کہ مالِ حرام اور بے دریغ طعام وشُرب کے نتیجے میں ان کے نظامِ حلقوم وہضوم میں واضح خلل واقع ہو جاتا ہے جس کی ایک بھیانک تعزیر ان مکروہ' منحوس خراٹوں کی صورت میں ان کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ عالمانِ صوت وسماع کی دانست میں خراٹے' منغش کی مزاجی' طبعی' جسمی' حلقومی اور خوابی کیفیات کا علامتی اظہار ہوتے ہیں...... کہا بھی گیا اور تجربہ مشاہدہ سے بھی ثابت ہوا کہ بسیار خور' بسیار گو' بسیار بدن اور حقیقتوں سے پرے خیالوں خوابوں میں خوش رہنے والے اس مرض نما عادت کے زیادہ شکار ہوتے ہیں...... چار پاؤں والے جانوروں میں لکڑ بگے' مارخور' بجو' ریچھ' بندر اور نسناس کے علاوہ پرندوں میں اُلو اور چمادڑیں بھی خراٹوں کی خوگر ہوتی ہیں...... سینگوں والے مینڈک' کالے ٹڈے جینڈے بھی خراٹوں کے بے تحاشا بینڈ بجاتے ہیں...... [illegible] بیویاں اکثر اپنے خاوندوں کو اپنے خوفناک خراٹوں سے بیزار رکھتی ہیں اور خراٹوں کے حوالے سے یہ بھی ریکارڈ پہ موجود ہے کہ کئی ایک تنگ پڑے شوہروں نے طلاقیں تھما دیں...... پیشہ ور قاتلوں' [illegible] دھندوں کی خدمات حاصل کی گئیں' یا خود ہی ہمت کر لی...... اکثر اپنے گھر سے شہر' ملک تک سے منہ چھپا کر کہیں نکل لیے...... نفسیاتی مریض' پاگل یا ڈپریشن کا شکار ہو گئے۔ اتفاق کہیے یا نصیب کہ میں خود بھی خرا[illegible] گردی میں تو جان اُمر ہو جاتی ہے بلکہ کسی طور شہادت بھی کہی جا سکتی جبکہ خراٹا گردی کا مارا ہُوا بدنصیب نہ تو [illegible] حق ہوتا ہے اور نہ ہی جی کر چین پاتا ہے...... میڈیکل سائنس نے اس کے تدارک کے لیے بہتیرے جتن کیے...... غرارے' حلق میں سپرے' گلے کی مالش' [illegible] لیٹنا' تکیہ ہلکا بھاری رکھنا' [illegible]۔ جعلی' ناک کی ہڈی' گلے کی گلٹیوں کی سوکھنے کھینچنے کی دوائیں...... آپریشن' آکوپنکچر وغیرہ' مگر کوئی بھی حربہ کامیاب نہ ہُوا...... اور تو اور آج تک کوئی خراٹا نواز یہ قبولنے کو تیار نہیں ہُوا کہ وہ ایسی بیہودگی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ریکارڈ کیے ہوئے خراٹے بھی وہ جعلی اور اک تہمت قرار دیتا ہے۔ عوام الناس کے خراٹے بڑے عمومی جبکہ اشراف وخواص کے انتہائی خصوصی ہوتے ہیں۔ جیسے بلی' خواب دیکھتے ہوئے اپنی دُم اور چہرے کی حرکات وسکنات سے دیکھے جانے والے چھچھڑے والے خواب کی شرح بیان کرتی ہے ایسے ہی انسانوں کے خراٹے بھی اُس کی ذہنی' باطنی اور آسودہ' ناآسودہ خواہشات کی صوتی صورت لیے ہوئے ہوتے ہیں...... علم خراٹگی کے ماہرین' کسی کا محض ایک ہلکا سا خراٹا سن کر اس کے اندر باہر کی تمام کیفیات بیان کر سکتے ہیں۔

میں خود اس علم کا ایک ادنیٰ سا طالبعلم ہوں بلکہ یوں سمجھئے کہ زبردستی بنا دیا گیا...... شروع شروع میں تو میں خراٹوں اور خراٹا نوازوں کو محض تفنن کے طور پہ لیتا تھا پھر آہستہ آہستہ عادی ہوتا چلا گیا' جیسے نوعمری میں

گنجل گنجل باتیں کرنے اور زیرو نمبر کی عینک لگانے کا بڑا جنون تھا۔ سوچ یُوں کہ انوکھی مہمل باتیں کرنے اور موٹے فریم کی بھاری عینک استعمال کرنے والے دانشور، شاعر، پروفیسر وغیرہ لگتے ہیں۔ بس اِسی کمپلیکس میں مبتلا میں عینک لگانے لگا...... یار دوست یا رشتہ دار پُوچھتے تو کھٹ سے جواب دیتا۔ بس پڑھائی لکھائی سے نظر ذرا مدھم پڑ گئی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے کچھ عرصہ میں مجھے واقعی ہی حقیقی عینک لگ گئی...... حیدر علی عینک ساز گھاس منڈی والا میری آنکھوں اور بینائی کا حشر دیکھ کر پُوچھ رہا تھا۔

''کاکا! سچ سچ بتا یہ عینک تم نے کہاں سے حاصل کی اور کب سے اِسے استعمال کر رہے ہو؟''

حیدر علی انکل کی یہ بات سُن کر میں سٹپٹا کر رہ گیا...... انکل حیدر علی، جو سیالکوٹ میں واحد جدید قسم کی عینکیں بنانے والے ادارہ کا مالک اور میرے اَبا جی کا دوست تھا اور ہمارے محلہ کالج روڈ پہ ایک خوبصورت سی کوٹھی میں رہتا تھا۔ عینک کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے وہ استعجاب بھرے لہجہ میں کہنے لگا۔

''کاکا! مجھے یاد آگیا یہ عینک میں نے کوئی ڈیڑھ سال پہلے ماسٹر سکندر خان کو اس کی نظر کے مطابق بنا کر دی تھی اُن دنوں اُس کا آنکھوں کا آپریشن ہُوا تھا۔'' پھر وہ عینک کا نمبر چیک کرتے ہوئے بولا۔ ''اوئے بیوقوف، شکر کر تجھے کچھ نہ کچھ دکھائی دیتا رہا۔ کچھ روز مزید لگائے رکھتے تو [illegible] اندھے ہو جاتے۔ عینک اپنے پاس [illegible] صبح شام آنکھوں میں ڈالتے رہو...... اگلی جمعرات دوبارہ یہاں آکر چیک کراؤ۔''

میں شیشی لیے فوراً دوکان سے باہر پھلانگ آیا...... اگر میں اُسے یہ بتاتا کہ یہ موٹے فریم اور شیشوں والی عینک میں نے تایا سکندر خان کے انتقال کے بعد اُن کی کتابوں والی الماری سے اُڑائی تھی کہ اس کا کالا فریم میرے چہرے پہ خُوب فٹ بیٹھتا تھا اور مزید یہ کہ اب مرحوم کو اس نئی ہوئی سر آغا خاں سٹائل والی عینک کی ضرورت بھی نہ تھی کہ مُردے چاہے اُن کی بینائی کیسی بھی کمزور کیوں نہ ہو عینک ہرگز استعمال نہیں کرتے اور مجھے کیا پتہ تھا کہ عینکوں کے بھی جُوتوں کی طرح نمبر ہوتے ہیں۔

بات شاید خراٹوں کی تھی اور میں عینکوں کی جانب نکل آیا۔ آپ کے مشاہدہ میں ہوگا کہ اکثر بڑے گھروں میں چھوٹی موٹی چوریاں ہوتی رہتی ہیں اور وہ چوریاں یا وارداتیں، گھر کے مُلازم، نوکرانیوں یا گھر کی اَولاد کے سر منڈھ دی جاتی ہیں۔ چاہے وہ کام کسی اور اندر، باہر والے کا ہو مگر نزلہ اپنے گھر ہی کے کسی کمزور یا بدنام فرد پہ گرتا ہے...... میرا بھی یہی حال رہا کہ زندگی کے متنوع رویّوں، علوم و فنون کی مختلف نیرنگیوں تصوّف و سلوک کی گوناگوں دلچسپیوں مصروفیات، جاننے بُوجھنے کی چینک اور جمع جذب کی خداداد خوبیوں نے مجھے عمرو عیار اور میرے دماغ کو اس کی زنبیل بنا دیا ہُوا تھا...... کوئی بھی کمال و زوال، خُوبی خرابی، عزت و ذلت

ذہانت فہامت وغیرہ جیسے مَیں ان سب بُوالعجبیوں کا مُجرم ہوں...... ان کے بارے پُوچھ کچھ مجھ سے ہی ہوگی۔ خرّاٹوں کے معائب ومحاسن کی زد میں آیا تو اَب یہی میرا روزمرہ بن گئے۔ جسمانی' تنفسی' نفسیاتی عوارض کے علاوہ اور کون سے عوامل وآزار ٹھہرے جن کا ماحاصل' خرّاٹے ہیں اور کیا ان کی کوئی رُوحانی توجیح بھی ہے؟...... بہ ظاہر خرّاٹے یا چُوہے کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو بین الاقوامی نوعیت کا ہو لیکن ماننا پڑے گا کہ یہ بین الانسانی نوعیت کا بہرطور ہے۔ جیسے ظاہری باطنی بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن پہ کوئی توجہ نہیں دیتا اور وہ کچھوے کی چال اپنی منزل کی جانب بڑھتی رہتی ہیں۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ کچھوا اُلٹا پڑ جاتا ہے...... سنگِ پُشت کا پیالہ اُلٹ جائے تو اُس کا لذیذ اور نرم گوشت' چیونٹیاں' مکڑے اور کوّے مزے لے لے کر چٹ کر جاتے ہیں...... کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ خرّاٹے اور چُوہے دونوں بین الاقوامی اور بین الانسانی مسئلے ہیں۔ بہ ظاہر معمولی مگر بباطن بڑے گمبھیر...... چوہے چوری چوری چھپ [illegible] کی کارروائی ڈالتے ہیں جبکہ خرّاٹے' بہ بانگ دہل کھڑک [illegible] کا بیچ کھیت ایسی خرّاٹا زنی کرتے ہیں کہ آس پاس محوِ استراحت افراد' کچھ سے کچھ سوچنے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس وقت انہیں صرف تین قابلِ عمل آپشن دکھائی دیتے ہیں...... بوریا بستر لپیٹ کر کہیں اور ٹھکانا کر لیں...... انہیں جگا کر ہاتھ جوڑ [illegible] اپنے کردہ ناکردہ گناہوں کی معافی مانگی جائے (ناتوے [illegible]) یا پھر [illegible] پسندیدہ نہیں بلکہ قابلِ دست اندازیٔ قانون ہے...... پولیس آلۂ کار وہ تکیہ برآمد کر لیتی ہے۔ مَیں جب کبھی ایسی صُورت سے دوچار ہوتا ہوں تو وُہی اپنا دُرویشی طریقہ اختیار کرتا ہوں...... اطمینان سے "ال م تیری رضا میری تسلیم" کا وِرد شروع کر دیتا ہوں...... میرے مخاطب' اوّل وہ خُدائے [illegible] جس کے قبضۂ قُدرت میں مجھ جیسے مجبور' مقہور' عاجز و مسکین کی جانِ ناتواں ہے اور دوم' وہ خرّاٹا تو زحیوانِ ناطق' جو دُوسروں کے لیے اک عذابِ الٰہی بنا' کسی بیمار وہیل کی مانند پڑا "راگِ نحوست کے سُر چھیڑے ہوئے ہوتا ہے......"

اتفاق کہہ لیں یا شومئی قسمت' شامتِ اعمال یا پیشِ احوال کہ مجھے' بہت سے عجیب اور لاتعداد' عجیب وغریب احباب واصحاب کے خرّاٹے سننے اور برداشت کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ صبر' برداشت' ضبط وتحمّل کی اعلیٰ تربیت کے باوجود' میں کئی مقام پہ جھٹکے سے اُکھڑ گیا۔ فقیری' شقیری' صبر برداشت سب اُڑنچھو ہو گئے' پیشِ نظر صرف دو ہی راستے کہ یا مَیں خُود کو پاک کرلوں یا پھر اس "خرّاٹا خراب" کو پلید کردوں...... یاد رہے کہ "خرّاٹا خوار" سے دین ودُنیا کا اخلاص پہ مبنی کوئی تعلق قائم نہیں رہ سکتا...... دیر بدیر' قطع تعلقی' تھانہ' جیل' ہسپتال' عدالت یا دائمی دُشمنی پہ منتج ہوتا ہے۔ ذاتی گزشتہ اور پیوستہ زندگی میں مجھے جن زندیق قسم کے خرّاٹوں سے واسطہ پڑا۔ اُن کے ماخذ ومنبع' زیادہ تر میرے کچھ اُستاد بزرگ' عزیز رشتہ دار' بیگم صاحبہ اور بہت سے

دوست واحباب تھے اور ہیں...... ہر چند کہ اُن کے خراٹوں کی تمام تر جزئیات لکھنے میں اَدب، اخلاق اور خوف بھی حائل ہے تاہم کچھ اللہ لوک پَردہ پوش بزرگ واحباب کے خراٹوں ہیبت زناٹوں کا چنداں ذکر، شاید کیا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے چاچا گُڑ (پیا رنگ کالا والے) کے کُندنی خراٹوں سے میرا واسطہ پڑا...... سونے پکانے والے آگ کے اَلاؤ کے گِرد دو تین روز، دن رات، ہم دونوں کو باری باری بیٹھنا پڑتا تھا۔ اکثر وہ پاس ہی چارپائی پہ پڑے اُونگھنے لگتے...... حُقّے کی نَے، مُنہ میں گھسی ہوتی...... بڑی بڑی گھنی مونچھیں چمگادڑ کے بازوؤں کی مانند پھڑ پھڑا رہی ہیں اور خراٹوں کے دہلا دینے والے زیر و بم اور اَلاؤ میں کیمیائی نیلے پیلے شعلوں کا کُندنی رقص...... بارہ اُونٹنی کی گُوبریوں کے دَہکنے کی چٹک پٹخ...... خنک اور بھیگی رات کی پُرہول تاریکی، گھر والوں کا خوف...... تاؤ ہوتے والے خالص سونے کی خوشی...... یہ سب کچھ مِل جُل کر اک عجیب پُراَسرار سا ماحول سامنے آتا تھا...... خراٹے کسی معصوم کے بھی ہوں، نیند بھگانے اور جگانے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ حُقّہ کا شوقین قریب المرگ بُوڑھا، غم کھایا ہُوا کھانگڑ بیل، بُڈھا زرا طوطا اور گنٹھیے کا مارا [illegible] شیر...... آخر عمر ہے اُن کے مشاغل میں اُونگھنا کھانسنا، کُھجلنا اور خراٹے [illegible] ٹوٹتا ہی تو ہو جاتا ہے [illegible] اور اُونگھنا جسمانی دماغی کمزوری [illegible] احساس ہوتا ہے۔ [illegible] کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ زندگی کی رہی سہی حرکت کو رواں رکھا جائے اور باقی رہے خراٹے...... تو ان کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ آس پاس کے زندہ لوگوں کو زندگی اور اس کی مسرت بخش ہما ہمیوں سے متنفر کیا جائے۔ خراٹا زدہ انسان موسیقی اور خوبصوتی سے کما حقہٗ مستفید نہیں ہو سکتا کہ خراٹوں کی بدصوتی اُن کی حِسِ نغمگی اور ذوقِ جمال کو بُری طرح رگید ڈالتی ہے۔ سمجھدار اور زندگی سے پیار کرنے والے افراد ان خراٹا زدگان کے داؤ میں نہیں آتے۔ کوئی نہ کوئی راہ ترکیب نکال کر وہ خود کو بچا لیتے ہیں۔ سب سے زیادہ ہمدردی کا اہل وُہ غریب شوہر ہے جس کی بیوی اس مرض کا شکار ہوتی ہے۔ وہ قابلِ رحم شوہر، نہ وہ حرکت کر سکتا ہے جو دست اندازیٔ پولیس ہوتی ہے۔ نہ بے چارہ حق مہر کی رقم ادا کرنے کے اہل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس بیماری یا عادت کا علاج کروانے کے قابل...... بس اُس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ خود کو صبر اور برداشت کرنے کے قابل بنا سکے۔

مَیں ایک ایسے بہادر اور خُوش نصیب انسان کو جانتا ہُوں جس نے سہاگ رات کے آخری پہر اپنی خوبصورت وفا شعار بیوی کو طلاق دینے کا ظالمانہ فیصلہ کر لیا اور صُبح سویرے تین "ط" لکھ کر سوتی ہوئی دلہن کے سینہ پہ رکھ کر، بنا کسی کو کچھ بتائے خاموشی سے گھر اور شہر چھوڑ دیا۔ مہمانوں سے بھرا ہُوا گھر، ہر سُو اُتری [illegible]

خوشیاں گُھما گُھمیاں...... سورج چمکنے پہ جب طلاق والا معاملہ کُھلا تو پُورا گھر ماتم کدہ بن گیا۔ دُلہن سکتے کے عالم میں گُم صُم، اُسے کچھ گُن سُن ہو تو بتائے بھی...... یہی کہہ کر دُوجوں کا مُنہ تکنے لگی کہ سب کچھ صحیح گزرا بس علی الصباح، اذان سے ''وہ'' اُٹھے اور غسل خانہ میں چلے گئے۔ اِسی دَوران کہیں مجھے اُونگھ آ گئی۔ بدیر دروازہ کھٹکھٹانے پہ جب جھٹکا لے کر بیدار ہوئی تو قسمت پُھوٹ چکی تھی، میرے سینہ پہ حق مہر کی رقم کا چیک اور طلاق کا کاغذ دھرا ہُوا تھا...... پورا قِصہ کھولنے سے پہلے تھوڑا سا اُونگھ کی بابت بتادوں کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ سیاپا یہی ہے کہ کوئی بات 'جتنگڑ' بنے بِن میرے یاں سے گزرتی ہی نہیں...... میری فہامتی جراحت کی نشتر زنی کے بغیر کوئی مسئلہ آگے نہیں سرکتا کہ یہ میری عادت نہیں مجبوری ہے...... بس ایک آدھ بات اُونگھ کی بابت سُن لیں...... نیند، موتِ صغیرہ ہوتی ہے اور یہ اُونگھ، اس کی ایک چُلبلی سی سہیلی...... کہ سہیلیاں خوبصورت ہوں یا نہ ہوں، اچھی لگتی ضرور ہیں۔ یہ باقاعدہ نیند اور بے قاعدہ بیداری کے درمیان کی کوئی زعفرانی سرمستی نما اک کیفیت ہوتی ہے...... جسم بڈولا سا، چہرے پہ سُتا پن، آنکھیں چڑھی ہوئی، کُھلی نہ پوری طرح بند...... واٹ سکسٹی نائن اور اولڈ شیواز کے درمیان کا کوئی سُرور...... سسی بھی اسی سُرور میں جل اور تھل ہوگئی تھی۔ حجلۂ عروسی میں بیوی اور بستر مرگ پہ [illegible] کی آنکھیں بعض اوقات خاصی تحیر خیز [illegible] ہوتی۔ معشوق کی [illegible] میٹھے دنوں کی اُونگھ، دونوں میں [illegible] ہوتا ہے [illegible] نہیں شامل ہو جائیں تو وہ حسن [illegible] عذاب جہنم بن جاتا ہے۔ حسنِ محوِ خواب میں خراٹے شامل ہو جائیں تو اُس کا گلا دبا دینے کو جی چاہتا ہے۔

بات پہلی رات ہی طلاق کو [illegible] تھی تو بھی کوئی [illegible]...... انسانی رَویوں کی اس دُنیا میں ایسا اور اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ دُلہن بہت خوبصورت، ٹھیک پڑھی لکھی اور امیر خاندان کی تھی...... باقاعدہ طے شدہ شادی تھی۔ دُولہا دُلہن نے اپنی سہاگ رات رَوایتی انداز سے گزاری...... صبح دَم دُولہا میاں کہیں غسل کے لیے واش رُوم میں گُھسا...... تھکی ہاری دُلہن نے پَل کی پَل جو فرصت پائی تو وہیں اکڑوں سی ہو کر ٹیکی لے لی۔ اونگھنے میں جو گُھلی پڑی تو خراٹے توڑنے لگی۔ اَب اُونگھت، غنودگی یا برابر نیند کی حالت میں انسان کو کیا خبر کہ وہ خُوبصورت سُریلے یا خوف صُورت بھیانک ڈرا دینے والے خراٹے لے رہا ہے۔ دُلہن بیچاری خراٹوں کے مرض میں گرفتار تھی۔ دُولہا نہا دھو واپس پلٹا تو اُدھر خراٹوں کا رہٹ چل رہا تھا۔ کبھی بین کی آواز، کبھی مکھیوں کی بھنبھناہٹ...... غبارے سے ہوا خارج ہو رہی تو کہیں بلیاں غرا رہی ہیں...... خراٹوں کے ساتھ ساتھ مُنہ ماتھا پہ بھی عجیب و غریب سے تاثرات ابھر رہے ہیں۔ ماتھے پہ بَل پڑ رہے ہیں تو کہیں نیچے ہونٹ سُکڑ رہے ہیں، نیم مسکراہٹ تو کبھی خفگی کی پرچھائیں...... وہ عجیب چُغد بنا یہ سب نوٹنکی دیکھ رہا

تھا...... وہی دُلہن جو کچھ دیر پہلے راحتِ جاں تھی اَب وہ اِک چڑیل کے رُوپ میں دِکھائی دے رہی تھی۔ سوچ میں پڑ گیا کہ تمام زندگی تو اِس عذاب میں نہیں گزاری جاسکتی۔ جو کام کل کرنا ہے ابھی کردو۔ وہ طلاق تھما کر بغیر کسی کو کچھ کہے سُنے' گھر سے نکل آیا۔ شرعی طریقہ سے نکاح کیا تھا...... شرعی انداز سے ہی طلاق دے دی...... دُولہا' دُلہن کے دونوں گھروں میں کُہرام مچ گیا۔ کسی کو کچھ خبر نہیں کہ اصل وجہ کیا ہے نہ ہی دُولہا' دُلہن نے کسی طرح کی نشاندہی کی۔

یہ اِنگلینڈ کا واقعہ ہے...... وہ میرا معتقد تھا' وہاں کا پڑھا لکھا مگر ویسا ہی جیسے وہاں پہ پروان چڑھے بچے ہوتے ہیں۔ وہ سیدھا کوّے کی مانند اُڑان بھرے میرے ہُجرے پہ آبیٹھا۔ ساری صُورتِ حال بتائی...... میں نے مسکراتے ہوئے صرف اِتنا کہا۔

"برخودار! اِتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پیشتر اگر اِک ہلکا سا ٹیلیفون مجھے کھڑکا دیتے تو صُورتِ حال اِتنی گھمبیر اور پریشان کُن نہ ہوتی جتنی اَب ہوگئی ہے۔"

جلدی کے کچھ اچھے فیصلے' ایسے بھی اچھے نہیں ہوتے جو وسیع تر مفاد کے حامل ہوں اور عجلت میں کیے ہوئے اکثر غلط اقدام بھی اتنے بُرے نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات اُن کے نتائج دُور رس ثابت ہوتے ہیں۔

یہ [illegible] تھا [illegible] تناظر میں مجھے اُس کی شخصیت کا ایک انوکھا رُوپ بھی دیکھنے کو ملا۔ جان بُوجھ کر میں نے اِس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی تھی کہ جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا اَب طعن کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا...... اِنگلینڈ کے میرج کورٹ میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا کہ یہ اسلامی قانون کے تحت شادی اور طلاق تھی...... یہ کورٹ میرج تھی اور نہ ہی رجسٹرڈ...... میرے ذہن میں وہ تمام متوقع اقدامات روشن تھے جو لڑکی والوں اور اِس کے اپنے والدین کی جانب سے ممکن ہوسکتے تھے......

کھلایا پلایا' کچھ دیر کی آرام تسلی کے بعد میں نے اُسے پاس بٹھایا۔ شانے پہ دایاں ہاتھ دھرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بھئی اَب کیا اِرادے ہیں...... خوفناک خراٹے توڑنے والی بیوی سے تو پلّا پاک کرآئے اَب اِس کے نتیجہ میں جو پلیدی تمہارے اور تمہارے ماں باپ کے پلّے پڑے گی اُس کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے۔ تم تو جان چُھڑا کر اِدھر کُوچہ جاناں میں نکل آئے...... اُدھر لڑکی والوں نے تو تیرے ماں باپ بہن بھائیوں کی جان ضیق میں ڈالی ہوگی...... ایسا اِنتہائی فیصلہ اور اِس پہ عمل کرتے وقت تم نے اپنے والدین یا مجھے اعتماد میں بھی نہ لیا بلکہ یہاں پہنچ کر اُن کی نظر میں میری پوزیشن بھی مشکوک کردی۔ وہ یہی اخذ کریں گے کہ تمہارا یہ فعل' میری صُحبت و محبت کا شاخسانہ ہے۔"

وہ سر اُٹھائے مگر نگاہیں جُھکائے بڑے ادب سے میری باتیں سن رہا تھا۔ پیشتر اِس کے وہ کوئی معقول

غیر معقول جوب دیتا...... ٹیلیفون کی ٹرن ٹرن نے متوجہ کر لیا...... میں اُس کی جانب ٹیلیفون بڑھاتے ہوئے کہا...... ''لو بیٹا! تمہارے اَبّا جان کی کال......''

وہ چونکنا سا فون کو گھورتا ہوا بولا۔

''بابا جان! ضروری تو نہیں میرے ڈیڈی کی کال ہو...... آپ سُنیں تو سہی۔''

''بیٹا! سمے کے اَمر کے مطابق' فون کی دُوسری جانب چوہدری بشیر احمد ہی ہونے چاہئیں...... وہ اپنے مرد بیٹے' چوہدری نوید احمد کے بارے میں کنفرم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ' وہاں پہنچ چکا ہے جدھر اُسے' اس انتہائی قدم اُٹھانے کے بعد پہنچنا چاہیے تھا......''

ٹیلیفون مسلسل بج رہا تھا...... میں نے چوہدری نوید کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

''لو ڈیڈی سے بات کرو اور کہو...... میں اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں گھر پہنچ رہا ہوں۔ میں یہاں بابا جی کو سلام کرنے آیا تھا۔''

اُس نے ایسا ہی کہا...... بریڈ فورڈ سے ویکفیلڈ' اُس کے گھر پہنچتے پہنچتے ہمیں ڈیڑھ گھنٹہ لگ ہی گیا تھا۔

پروگرام کے مطابق آج ولیمہ تھا۔ گھر کے قریب ہی کمیونٹی ہال میں سارے انتظامات تھے...... اپنے پاکستانی روایتی [illegible] سے سجا یہ ہال [illegible] لگ رہا تھا...... [illegible] ایک ہزار [illegible] کی دعوت کا انتظام...... انواع و اقسام کے روایتی کھانوں کو پیش کرنے کے جملہ انتظامات مکمل...... صرف اور صرف مہمانوں کا انتظار تھا۔ کچھ کو معلوم اور کچھ بے خبر' ہر طرف چہ میگوئیوں کی کھچڑی پک رہی تھی...... چوہدری بشیر احمد کے گھر' بڑا گھر' لڑکے والوں اور لڑکی والوں سے بھرا پڑا تھا...... سب کے چہروں پہ جھاڑو پھری ہوئی تھی جیسے ان کی رونق' بشاشت اور اعتماد سب کچھ کوئی چھین کر لے گیا ہو۔ دونوں طرفین بڑے آسودہ حال' کاروباری اور عزت و وقار والے لوگ تھے۔ آپس برادری کا بھاؤ' بھرم' اعتبار و اعتماد قائم دائم تھا۔ لڑکی اعلیٰ تعلیم یافتہ' خوش شکل' جدید و قدیم تہذیبی قدروں کی دلدادہ...... جہیز میں ڈھیروں سونا چاندی' مرسیڈیز کار' ذاتی بنک بیلنس اور باپ کی فیکٹری کے شیئرز بھی لائی تھی...... ہنی مون منانے کے لیے وینس کے ایک خوبصورت جزیرے کے فائیو سٹار ہوٹل میں پانچ روز کے لیے ایگزیکٹو سوئٹ بک تھا...... اس ولیمہ کی دعوت کے بعد ٹھیک پانچ بجے شام' دولہا دلہن کو عازمِ ہوائی اڈا ہونا تھا۔ جہاں رات آٹھ بج کر پچیس منٹ پہ ایئر اطالیہ کی پرواز سے اُنھیں براستہ روم' وینس پہنچنا تھا...... ہوائی اڈے تک سفر کے لیے سفید لیموزین باہر کھڑی تھی۔

ہم دونوں گُرو چیلا جب کمرے میں داخل ہوئے تو ہمیں کھا جانے والی نظروں کا سامنا تھا...... لگتا تھا کہ ہم بھگوڑے مجرم ہیں اور اَب جرگے میں اپنی صفائی پیش کرنے کے حاضر کیئے گئے ہیں۔ میں تو ایسی غلط سلط

نگاہوں کی قہرباری دیکھنے، برداشت کرنے کا عادی ہوں اسی لیے میرے پائے استقامت میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوتی اور اِدھر میرا یہ 'پٹھا' جو تھا ہی 'مرد بچہ'...... اِس انداز سے داخل ہُوا جیسے سکندر فتح کرنے کے بعد جہلم کے نواح میں داخل ہُوا تھا۔ "شمس شمریز" کے زیرِ اثر مرد و زن بڑی اُٹھان اور شان والے ہوتے ہیں —— ان میں مسخر اور فتح کرنے کی خداداد صلاحیت ہوتی ہے...... جمالیت اور اقبالیت ان میں کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ہزاروں میں چند ایسے افراد بڑے اَنا پرست اور کُشادہ دست بھی ہوتے ہیں۔ سمت درست کرنے اور موقف کے اِظہار میں کسی مصلحت آمیزی کو پسند نہیں کرتے۔ حیرت ہے کہ خاندانی کاروباری صلاحیت اس میں نام کو نہ تھی۔ اس کے برعکس اس نے فلم، ڈرامہ، تھیٹر کی سکرپٹ رائٹنگ اور پروڈکشن میں ڈگری حاصل کی اور مزید سٹڈی کے لیے امریکہ جانا چاہتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ ذرائع ابلاغ، اس جدید دور کے بڑے پاور فل میڈیا ہیں ان کے ذریعہ انسانیت کے ہر شعبہ حیات میں بالغ نظری پیدا کی جا سکتی...... شرط یہ ہے کہ ان ذرائع کو مثبت اور راسخ انداز میں استعمال کیا جائے۔ میرے اس سے دوستی اور اس کی مجھ سے عقیدت کی بنیادی وجہ بھی ہم دونوں کا یہی پاگل پن تھا۔ ہم دونوں ستّی اور ستّی...... میں سَراوگ تھا اور وہ [illegible]خ۔ چند ایک اور قدریں بھی مشترک تھیں۔ شعر و شاعری، مصوری، موسیقی [illegible]...... اور سب سے بڑی بات کہ وہ بھی میری طرح [illegible] چوہدریوں [illegible] چلتا تھا۔

اندر داخل ہوتے ہی میں نے باآواز بلند السلام علیکم کہا۔ جواب میں چند ممیائی سی آوازیں آئیں جیسے وہ چوہدری لوگ بادلِ نخواستہ جواب دینے پہ مجبور ہیں۔ ابھی صحیح سے بیٹھے بھی نہیں تھے کہ لڑکے والد چوہدری بشیر احمد نے اپنے لڑکے کو کچہری میں کچھ بات کرنے کو کہا۔ لڑکے نے بغیر سوچے سمجھے بے دھڑک کہہ دیا کہ طلاق کے بعد مزید کچھ کہنے سننے کی گنجائش نہیں لہٰذا جو ہونا تھا وہ ہو چکا...... اب لڑکی کا باپ پھٹا ——!

"اس سے بہتر تھا کہ تم ہماری بچی اور ہم سب کو گولی مار دیتے۔ بغیر کسی وجہ یا شرعی جواز کے تم نے ایسا ظالمانہ فیصلہ کر کے اس پہ عمل بھی کر لیا —— آخر تم نے ہم سے کس بات کا بدلہ لیا ہے...... جبکہ تمہاری اور تمہارے والدین کی رضامندی سے ہی یہ شادی ہوئی...... تم نے ہمیں پوری برادری میں ذلیل کر کے رکھ دیا ہے۔" کہہ کر وہ ہچکیوں سے رونے لگ گیا۔

ماحول میں خاصی اکتاہٹ اور بدمزگی پیدا ہو چکی تھی۔ لوگ کھا جانے والی نظروں سے ہم دونوں کو تک رہے تھے اور آپس کی کانا پُھوسی بھی شروع ہو گئی۔ اب وہ مولوی صاحب جنہوں نے نکاح پڑھایا تھا بڑے خُشوع و خُضوع سے شروع ہوئے۔

"عزیز! کبھی کبھی غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے اِنسان عُجلت میں نامناسب فیصلے بھی کر لیتا ہے۔ شریعت

میں ایسی نادانی کے لیے بھی گنجائش موجود ہے۔ اگر تم میرے چند سوالات کا جواب دینا پسند کرو تو میں......؟"

لڑکا بیچ میں بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "مولانا! باضرورت و رغبت' نکاح کرنا اور بوجوہ و کراہت طلاق کا شرعی حق مجھے حاصل ہے...... میں اس ضمن میں مزید گفتگو کرنے یا نہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔"

اس کی خاموشی سادھنے پہ' اس کے والد بادلِ نخواستہ گویا ہوئے۔

"برخوردار! جیسے نکاح کے وقت کچھ قریبی عزیز رشتہ دار اور دیگر گواہان کی موجودگی ضروری ہوتی ہے اسی طرح باکراہت علیحدگی پہ بھی کچھ گواہیاں اور شواہد ضروری ہوتے ہیں...... اب جب تم نے اپنے ساتھ ہمیں بھی ذلیل و بدنام کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو جس کی تلافی بھی سردست ممکن نہیں تو کم از کم اس علیحدگی کی وجہ بھی بیان کرو......؟"

لڑکے نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔ "میں ضرور بتا سکتا ہوں مگر کچھ باتیں صرف لڑکی اور لڑکے والوں کے درمیان ہی کرنی مناسب ہوتی ہیں...... بیچ سرِ عام نہیں۔"

جب کوئی بات بام مقصد پہ پہنچتی ہوئی دکھائی نہ دی تو اعلان کیا گیا کہ ولیمہ کی بجائے دعوتِ عام سمجھ کر ماحضر تناول کر لیا جائے جو بچ جائے مدرسوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ایک [illegible] گھر کے علاوہ آس پاس کے ماحول کو خاصا رنجیدہ اور سنجیدہ بنا دیا ہوا تھا...... طرح طرح کی باتیں' اس پہ مستزاد تھیں...... سب آپس میں رشتہ دار یا برادری والے تھے۔ ایک سجن' سو دشمن جتنے منہ اتنی باتیں۔ کچھ مجبوراً کھانا پی کر ڈکار تے ہوئے چلے گئے...... وہی بات کہ شادی ہو کہ مرگ' نائی کو اپنے ٹکڑوں سے غرض...... گھر کسی کا بسے یا اُجڑے' شریکوں کو صرف تماشا لگانا ہوتا ہے۔ ہر تماشے کا کوئی نہ کوئی "دی اینڈ" بھی ہوتا ہے اس کے بعد تماشا گیر اور تماش بین اپنے اپنے راستوں پہ ہوتے ہیں...... اللہ پاک نے شاید ان دونوں پارٹیوں کو کچھ عقل اور تحمل عطا کر دیا...... شام کو جب ذرا فراغت ملی تو لڑکی کا باپ اور ادھر اپنے چوہدری بشیر احمد' مجھے لے کر علیحدگی میں بیٹھ گئے...... لڑکی طلاق لے کر ابھی تک اپنے میکے نہیں پہنچی تھی کہ وہ صدمہ کی وجہ سے اس قابل نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے اُسے سکون آور دوا کے ذریعہ سُلایا ہوا تھا۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ہے۔ دونوں گھروں کے کسی بھی فرد کا ذہن اس ناگہانی اُفتاد کو قبول لنے پہ تیار نہیں تھا اور ادھر اپنے ہونہار بروا چوہدری نوید احمد' ایسے نچنت مطمئن سے' جیسے اُنہوں بیوی کو نکاح کے بارہ گھنٹوں بعد' تین طلاقیں نہ دی ہو' کھانے میں نمک ہلکا سا زیادہ ہونے پہ معمولی سی سرزنش کی ہو۔

ہم چند ذمہ دار لوگ جب کسی حتمی نتیجے پہ پہنچنے کے لیے علیحدگی میں بیٹھے تو طرفین کے اذہان سے کافی

حد تک تلخی کا اُدبار چھٹ چکا تھا...... اس حکمت کو خاندانی لوہار خُوب جانتا ہے کہ لوہے کو کب اور کس طرح' کس قسم کے عمل سے گزارنا ہے۔ میں جب سے ادھر پہنچا تھا سوائے' علیک سلیک اور چند رسمی جملوں کے علاوہ' کسی بات چیت میں حصہ نہیں لیا تھا...... میں ان چوہدریوں' ملکوں' بٹوں' شیخوں اور خواجوں کو خُوب سمجھتا ہوں ان کے رُوبرو' ''اِک چُپ سو سُکھ'' والی پالیسی بڑی نتیجہ خیز ہوتی ہے اور پھر میں جو کچھ بھی تھا وہ اس بچّے کے لیے تھا۔ اس کے رشتہ داروں اور سُسرالیوں کے لیے میں شاید تعویذوں گنڈوں والے دونمبر پیر کی مانند تھا۔ میں ان کی نظروں میں اپنے پرچے پڑھ رہا تھا۔ اس لیے خاموشی سادھے ہوئے اپنی جگہ پہ کسی بے کار چیز کی طرح پڑا رہا لیکن اس اَمر سے بھی واقف تھا کہ مجھے ایک مشّاق لوہار کی طرح کب اور کیسا سُلوک' ان نیم خام ''لوہے کے مادھوں'' سے رَوا رکھنا ہے۔ اَب وہ سمے شاید آ گیا تھا۔ چوہدری بشیر احمد نے انتہائی بے دلی سے مجھ سے پوچھا۔

''باباجی! آپ سے نوید کا ایک رُوحانی تعلق بھی ہے۔ میں حیران ہوں اس کے باوجود اس نے ایسی غیر انسانی حرکت کی...... چوہدری نوید میرے دائیں پہلو بیٹھا ہُوا تھا' شاید اس نے باپ کی اس بات کا جواب دینا چاہا مگر میں نے پاؤں سے اس کے پیر کو دباتے ہوئے جواب دینے سے باز رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے کہا۔

''چ[illegible] پہلے [illegible] پیر رُوحانی کہہ سکتے ہیں...... تو دِل ملے کا میلہ اور گرو ملے کا چیلا ہے...... اسے خدانخواستہ دُلہن سے کوئی مخاصمت نہیں تھی۔ طرفین کی رَضا و رغبت سے شادی اور جملہ میاں بیوی والے مراحل بحُسن خیر و خُوبی طے ہوئے ----- اب شومئی قسمت کہ رات کے آخری پہر دُولہا غسلِ عروسی کے بعد جب واپس آیا تو تھکی' نیند سے ہاری دُولہن خراٹے لے رہی تھی۔ خراٹوں کا بھیانک صَوتی آہنگ کچھ یُوں تھا جو اِک مخصوص نیچر کے افراد کے لیے صورِ اسرافیل سے کم نہیں ہوتا...... اس صورتِ حال میں ان سے کوئی بھی ایسی انتہائی حرکت سرزد ہو سکتی ہے جس کی کسی صُورت توقع نہیں کی جا سکتی۔''

بڑے چوہدری صاحب آنکھیں پھاڑے میری جانب دیکھ رہے تھے جبکہ لڑکی کے باپ بھائی کی حالت یُوں جیسے کسی نے اُن کی رُوح قبض کر لی ہو۔ میں یہ کچھ کہہ کر ان کا ردِعمل جاننے کی غرض سے خاموش ہو لیا...... یہ خاموشی کے ساکت و جامد لمحات' شاید سانپ کے مُنہ میں چھچھوندر کی مانند پھنس کے رہ گئے تھے ----- چوہدری بشیر احمد نے ہی خشک ہونٹوں کو زبان سے تر کرتے ہوئے کہا۔

''باباجی! خراٹے تو قریب قریب ہر انسان لیتا ہے۔ میں لیتا ہوں' میری اہلیہ بھی...... حتیٰ کہ نوید کے دادا تک' سب لیتے ہیں...... مگر ایسا کچھ تو کبھی اس گھر میں نہیں ہُوا......''

میں نے ایک استہزائیہ سی نگاہ چوہدری نوید پہ ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک تو آپ کے خراٹے ایسی نوعیت کے نہیں ہیں...... دوسری وجہ یہ کہ چوہدری نوید ہمیشہ دوسروں سے الگ تھلگ شب بسری کا عادی ہے...... اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو بھی جائے کہ اُسے اجتماعی طور پہ رہنا پڑ جائے تو وہ اطمینان کرے گا کہ اِدھر کوئی خراٹے لینے والا فرد تو نہیں......"

چوہدری بشیر احمد میری بات پہ اپنی بات رکھتے ہوئے بولا۔

"یہ میرا پُتر ہے اتنا سا چھوٹا تھا اب ماشاءاللہ! ایسا گھبرو جوان...... مگر میں تو یہ سب کچھ نہیں جانتا، آپ اتنی تفصیل سے اس کی یہ عادتیں، کیسے جانتے ہیں؟"

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ محض باپ ہیں، اس لیے نہیں جانتے اور میں اس کا بابا ہوں اسی لیے جانتا ہوں۔ باپ میں ایک 'با' ہوتا ہے اور 'بابا' میں دو چوہدری صاحب!...... بحیثیت باپ، آپ کو کچھ یاد ہو گا بچپن میں بھی یہ شور، رونے چیخنے اور خراٹوں سے پریشان ہو جاتا تھا اور ابھی دو برس پہلے آپ نے مکہ شریف سے ٹیلیفون پہ اس کی شکائت کرتے ہوئے بتایا تھا کہ نوید اپنی فیملی کو چھوڑ کر کسی اور ہوٹل میں چلا گیا ہے اور میں نے آپ کو جواب میں کہا تھا کہ [illegible] ہے۔ آپ میری بات کو سمجھے نہیں تھے کہ شاید میں بھی اس جیسا [illegible] ہوں۔ ٹیلیفون پہ تفصیل سے سمجھا نہیں سکتا تھا اور آپ اس باریک بات کو سمجھ نہیں سکتے تھے۔ اصل قصہ یوں تھا کہ آپ میاں بیوی بھی خراٹوں کے عادی تھے جبکہ دادا جان بلغمی توزی خراٹوں کے دائمی مریض...... اصل بات بتائے بغیر یہ اپنی اور آپ سب کی آسودگی کی خاطر، دوسرے ہوٹل میں چلا گیا۔ اس کی یہ حرکت آپ کی نظر میں نامناسب تھی جبکہ یہ اس کی عقلمندی اور وقت کی ضرورت تھی...... اب اس شادی کے موقع پہ آپ دونوں پارٹیوں سے غلطی یہ ہوئی کہ لڑکی کی اس عادت یا مرض کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے لڑکے کو بے خبر رکھا...... آیئے! میں آپ کو ایک چھوٹا عام سا واقعہ سُناتا ہوں۔

میرے ایک عقیدت مند کی ایک خلیری بہن بچپن سے ہی پیٹ کے کسی عارضہ کی بنا پہ حقہ پہ لگی ہوئی تھی۔ تمباکوکش کر کے اُسے افاقہ رہتا تھا۔ بچپن سے عنفوانِ شباب تک وہ حقے کی ایسی عادی ہو چکی کہ اب اس کے بغیر اُس کا رہنا ناممکن تھا...... ایک چھوٹا سا نفیس حقہ ہمہ وقت اُس کے تصرف میں رہتا...... سارے خاندان والے اُس کی مجبوری کو سمجھتے تھے اس لیے کوئی اُس سے شاکی نہیں تھا۔ ہوتے ہوتے اب اُس کی شادی کا وقت آیا تو یہ حقہ بھی آڑے آیا...... جو بھی رشتہ آتا، حقہ نوشی کا سُن کر بدک جاتا، دوبارہ کوئی سیڑھی نہ چڑھتا...... کئی رُتیں آئیں کئی گئیں یہ بے نیاز و بے نوا سی اپنی جوانی کی چادر میں کمی تنہائی حقہ کشید کرتی رہی...... کہتے ہیں کہ بارہ برس بعد رُوڑی کی بھی سُنی جاتی ہے۔ کہیں کالے کوسوں سے ایک رشتہ آیا، بندہ کوئی افسر ٹائپ تھا۔ خود بھی سگریٹ، سگار،

پائپ حُقّہ کا رَسیا...... سر وِنسٹن چرچل' نوابزادہ نصراللہ خان' پیر صاحب پگاڑہ کی طرح تمباکو کا کیڑا ...... وہ بھی کسی ایسی شریکِ حیات کی جُستجو میں تھا جو اس کی بے اِنتہا تمباکو نوشی سے متنفر نہ ہو بلکہ اک دُوجے کے پہلو میں بیٹھے ''واریاں لیں اور دیں'' اس طرح تمباکو کی بھینی بھینی مہکاروں سے مشامِ جان کو تازہ کرتے رہیں —— بے حساب و کنار تمباکو نوشی کی وجہ سے اُس کے بھی کئی رشتے ہوتے ہوتے رہ گئے تھے۔ اِدھر لڑکی والوں کے بھی وارے نیارے ہو گئے...... بڑی شان و شوکت سے بارات آئی' مہمانوں کی انواع و اقسام کے تمباکوؤں' حُقّوں' سگریٹوں سگاروں سے تواضع کی گئی...... دُولہا' گھوڑی پہ بیٹھا' ہوانا کے قیمتی سگار سے لُطف اندوز ہو رہا تھا۔ باراتیوں کے ہاتھوں میں بھی سگار تھے۔ جہیز میں لڑکی کو بہت کچھ دیا گیا...... خاص طور پر چاندی کا قیمتی حقّہ جو خصوصی طور پہ کانپور سے بنوایا گیا...... جس کی مُنہال سونے کی' دستِ پناہ چاندی کا' چِلم کا گنبد تانبے کا' جھجّہ پیتل اور اُونٹ کی پوست کا تھا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ ایسی کامیاب اور برمحل شادی آج تک نہیں دیکھی گئی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وُہ دونوں' شادی سے قبل ایک دوسرے کے معائب و محاسن کما حقہ جانتے سمجھتے تھے جبکہ یہاں ایسا نہیں ہُوا...... لڑکی والے' اپنی بیٹی کے اس مرض سے اچھی طرح واقف ہونے کے باوجود اس سے [illegible] گئے کہ شادی [illegible] شافی علاج ہے اور [illegible] کے والدین بھی خوب آشنا [illegible] اور [illegible] اس پہلو [illegible] تھا کہ وہ اس کی شریکِ حیات چُننے میں ہر پہلو کا خیال رکھتے۔''

میری باتیں [illegible] وُہ ضربیں تھیں جو دونوں پارٹیاں اپنی اپنی عقلوں پہ پڑتی ہوئی محسوس کر رہی تھیں اک مناسب سا وقفہ لینے کے بعد میں لڑکی کے والد سے مخاطب ہوا۔

''چوہدری صاحب بتائیے' کیا آپ اپنی بیٹی کی اس پریشانی سے واقف نہیں تھے؟ اور یہ بھی کہ اس کے کمرے میں گھر کے افراد سونے سے اجتناب برتتے تھے۔ آپ نے اس سلسلہ میں ڈاکٹروں اور دیگر ماہرین سے بھی کئی مرتبہ رجوع فرمایا...... آکوپنکچر اور مختلف طریقہ ہائے علاج بھی آزمائے۔ آپریشن کی تجویز بھی تھی مگر بیٹی نہ مانی...... پڑھی لکھی پروفیشنل خوبصورت بیٹی' شادی کی عُمر کو آ گئی...... آپ کو چوہدری [illegible] میں اچھا بَر بھی مل گیا اور شادی ہو گئی۔ اچانک پہلی رات اس پہ ظاہر ہُوا کہ بیوی خرّاٹوں کی بیماری میں مبتلا ہے۔ وہ بدک گیا پہلے تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر جو اس کی سمجھ میں آیا وہ کر گزرا...... اَب سارا [illegible] قسمت کا حساب کتاب آپ کے سامنے دھرا ہے۔ مجھے اجازت دیں' رات کے وقت میری کچھ مصروفیات ہیں۔

میں واپسی کے لیے گاڑی میں بیٹھا ہی تھا کہ لڑکی کا والد لپکتا ہُوا میرے پاس آیا۔ نہایت ندامت بھرے لہجہ میں مخاطب ہُوا۔

''بابا جی! بُرا نہ مانیں تو ایک دو باتیں پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں۔''

''پُوچھیے ......!''میں نے اُس کی سرکتی ہوئی ہوا دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا جی! آپ نے ابھی اندر جو باتیں کی ہیں وہ تو میرے گھر کے اندر اور آپس کی ہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ آج آپ سے مُلاقات اور بالمشافہ گفتگو کا شرف حاصل ہُوا۔ آپ میرے گھر اور بچوں کے معاملات اتنی تفصیل سے کیسے جانتے ہیں اور وہ باتیں بھی جن کا تعلق محض ہماری ذاتیات سے ہے۔''

بڑی کج سے میں نے جواب میں کہا۔''حضرت! اس کا جواب تو آپ نے سوال کرنے سے پہلے خُود ہی دے دیا ہُوا ہے۔''

وہ قدرے غور کرتے ہوئے بولا۔''میں کچھ سمجھا نہیں......؟''

''بھائی! آپ نے مجھے کیا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔''

وہ تُرت بولا۔''میں نے آپ کو بابا جی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔''

معاً اُس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے میں نے جواباً کہا۔''آپ نے مجھے صحیح بابا کہا تھا......!''

خرافات ہی کیا موقوف بعض انسان اور بھی [illegible] معمولی اور غیر معمولی چیزوں سے اُلجھ ہوتے ہیں...... [illegible] زندگی [illegible] بن جاتا ہے۔ [illegible] انسانی رویّے، جسمانی نقائص، موسموں کی کارستانیاں، طعام و مشروبات، خوشبوئیں بدبوئیں۔ پھل پھول، دن رات، مخصوص [illegible] کچھ پرندے، چوپائے، بعض قرابت دار، [illegible] راگنیاں، چند رسمیں، تہوار اور بھی بہت کچھ؟...... [illegible] جائے تو یہ کوئی مُوروثی بیماری، کوئی خاص نفسیاتی عارضہ [illegible] انسانی طبع، طبیعت، مزاج، ماحول، توہمات، نرگسیت، کم علمی اور خاص طور پر اس کے جبلّی جانور کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا جبلّی جانور نیولا، چیل، طاؤس یا مارخور ہے تو ظاہر ہے اس کے رُوبرو یا آس پاس اگر کوئی فرد ناگ ناگن کے سروپ میں ہوگا تو یہ لپکنے جھپٹنے پہ آمادہ ہو جائے گا یا اس کی حرکات اور رویّوں میں بے چینی، اضطراب و اضطرار دَر آئے گا۔ بھیڑ یا بیل کے آگے کوئی چیتھڑا نکال کر کھڑا ہوگا تو ظاہر ہے وہ دُھڈ ٹکر کھائے گا...... چاندنی چاندنی، دماغی اور نیم جنونی کیفیت کر دیتی ہیں۔ ماموں بھانجا، شکر دوپہر، عازم سفر ہوں تو انھیں سُورج کے مخالف یا نیچے نہیں چلنا چاہیے...... ابلق گھوڑے کے نتھنوں کی سانسوں سے سرسام ہو جاتا ہے۔ کچھ لوگ بچوں کا رونا، کھانسنا اور رات کو بَکنا مُوتنا برداشت نہیں کر سکتے۔ باورچی خانہ میں برتنوں کے کھڑکنے کی آوازیں، رقیق طبیعت، تخلیقی کام کرنے والوں میں انتشار پیدا کرنے کا مُوجب بنتی ہیں۔ گدھے کی ڈھینچوں ڈھینچوں غراتے ہوئے آوارہ لینڈی کتے...... بھرتی ہوئی یا روتی ہوئی بلّیاں...... جھینگروں کی بے طرح آوازیں...... ہر گھنٹے کے وقفہ بعد ٹن کی آواز والے کلاک...... دھوبی کی

بچھو، حاملہ کا دردِ زہ سے کراہنا...... چوکیدار کے گھنگھرو، سوٹے کی ٹک ٹک یا جاگتے رہو کی آواز...... طبلہ، مردنگ کی ٹھکائی کی ٹھک ٹھک...... کونج کی کرلاہٹ، سُرخ اور سیاہ رنگ...... کسی درندے کا کسی معصوم اور کمزور جانور پہ جھپٹنا...... غروبِ آفتاب، سورج گرہن، علیٰ ھذا القیاس ہزاروں رنگ ڈھنگ یوں کہ حضرتِ انسان، اُن سے بدکے...... موسیقی میں کئی ایک راگ ایسے کہ اگر اُن کی سماعت اور وقتِ حاضری میں احتیاط نہ برتی جائے تو خودکشی کے رجحانات عود آتے ہیں۔

میرے ایک بچے نے اپنا اچھا خاصا کاروبار محض اس لیے خراب کر لیا کہ اُس کے پارٹنر کا ناک انتہائی بھدا اور ابوالہول کی طرح تھا۔ ایک شام وہ خاصا پریشان، میرے ہاں پہنچا۔

"الٰہی خیر......!" اُس کا بنا ہوا تھوبڑا دیکھتے ہی خود بخود میرے منہ سے نکل گیا۔ علیک سلیک اور دست بوسی کے بعد پھٹ پڑا۔

"بابا جی! مجھے لگتا ہے عنقریب آپ کو میرے بارے کوئی اچھی بُری خبر سننے کو ملے گی۔"

میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "بکواس بند کرو اور وہ بات بتاؤ جس کی وجہ سے تمہارے دماغ میں ایسا خناس گھس آیا ہے؟"

وُہ [illegible] اس وقت میں آلۂ قتل سمیت علاقہ تھانہ میں، اُس کے قتل کے ضمن میں اقبالی بیان لکھوا رہا ہوتا مگر آپ کی دعا برکت تھی کہ میں بمشکل خود پہ قابو پاتے ہوئے ادھر نکل آیا۔"

"پوری بات بتاؤ......" میں نے سختی سے اُسے حکم دیا۔

"ابھی سہ پہر کی چائے سُڑکتے، میں دفتر میں بیٹھا تھا کہ وہ وقت سے کچھ پہلے برانڈتھ روڈ سے پرچیزنگ کر کے واپس آ گیا۔ گرمی، پسینے سے اُس کا چہرہ لال لال ہو رہا تھا...... پہنچتے ہی وہ صوفے پہ ڈھے گیا۔ میں نے پانی چائے کا پوچھا۔ اُس نے ہاں ناں میں کوئی جواب نہ دیا تو میں نے خود ہی اُس کے لیے چائے بنانی شروع کر دی۔ اب اُس سے مخاطب ہوا۔

"اُٹھو منہ پہ پانی کا چھینٹا لگا لو...... اتنی دیر میں چائے تیار ہو جاتی ہے۔"

وُہ جلدی ہی واپس نکل آیا...... جیسے واش رُوم میں ہاتھ منہ دھونے نہیں، محض گیلے کرنے گیا ہو۔

اچھا! آپ جانتے ہیں کہ میں بات چیت کرتے وقت، اُس کے چہرے کی جانب نہیں دیکھتا بلکہ باادب بچے کی طرح سر اور نظریں جھکائے رکھتا ہوں کہ آپ نے ایک بار نصیحت کی تھی بزنس پارٹنر اور لائف پارٹنر کے روبرو، باادب باملاحظہ کا نمونہ بن کر رہنا چاہیے کہ یہ دونوں جب چاہیں ناتا جوڑ یا توڑ سکتے ہیں

اور دُوسری خاص وجہ اُن کے چہرے کا وہ حصّہ ہے جس سے انسان کا وقار' بھرم اور عزت کا معاملہ قائم رہتا ہے۔ جسے میں بصد کوشش بھی اِک نظر دیکھ نہیں سکتا' یہاں نظریۂ ضرورت کا فلسفہ بھی کچھ کام نہ آیا...... میں نے کچھ گڑبڑ محسوس کرتے ہوئے یُونہی اَن چاہے میں اُس کے چہرے پہ نظر ڈالی تو ناک خاصا پُھولا ہُوا اور سرخ آلو بخارا کی مانند دکھائی دیا...... اِک دم مجھے نپولین یاد آ گیا۔ جس نے مصر میں ابوالہول کے مجسمے کا ناک تڑوا دیا تھا کہ یہ خاصا بھدا ہے میں اس مزید برداشت نہیں کر سکتا...... خدا جانے کیا ہُوا میرا دماغ اِک دم اُلٹ گیا...... اَب میرا اِرادہ کہ کسی طرح میں اُس کے عجوبہ ناک کا قصّہ پاک کر دوں اور اللہ کی معصوم مخلوق کو اِس کے آزار سے آزاد کرا دوں۔ اُس ڈینوسار کی نازک اندام بیوی' جس کا پورا وجود اُس کے ناک کے حجم سے بھی کہیں کم ہے اور میں خُود جو عرصہ ساڑھے تین برس سے کئی بار اُسے یا کم از کم اُس کے ناک کو سبوتاژ کرنے کے منصوبوں پہ سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں۔ مگر ہنوز کوئی ایسا آبرومندانہ طریقہ دریافت نہ کر سکا جس سے میری عزت سادات پہ بھی آنچ نہ آئے اور مُوذی ناک کا پلیتھن بھی ہو جائے۔

میں اُس کی ہرزہ سرائی سے جب خاصا بیزار ہو چکا تو ڈرتے ڈرتے پُوچھا۔

''شاہ صاحب مقتول کہاں ہے اور آلۂ قتل؟''

ہڑبڑاتے ہوئے بولا۔ ''میں بھی بابا جی [illegible] نے بہت [illegible] دیا۔ اپنے دفتر میں جہاں وہ پاجی ناک والا دھرا تھا کو [illegible] کے باوجود کوئی ایسا اوزار دکھائی نہ دیا جسے اس مقصد کے لیے کام میں لایا جا سکتا ہو۔ سوائے سنگِ سفید کے ایک پیپر ویٹ کے' مگر وہ اُس کے منحوس ناک سے بہت زیادہ قیمتی اور کارآمد تھا...... پیپر نائف سے تو موم کا ناک تک چھیلا نہیں جا سکتا' گینڈے کے ناک کا کیا بگاڑا جا سکتا ہے۔''

میں نے اُوبتے ہوئے پھر پوچھا۔ ''اِس کا مطلب ہے کہ مُوذی ناک ابھی اپنے چہرے اور چہرہ بیچے اپنے جسم کے ساتھ سلامتی میں ہے۔''

''جی ہاں' میری بدقسمتی کہ موقع بھی ملا مگر کوئی اوزار ہاتھ نہ لگا۔ سچ پُوچھیں تو میں اسی پریشانی میں یہاں آیا تھا۔ آپ میرے بابا ہیں کچھ میری دستگیری فرمائیں گے......''

دیکھا آپ نے ناک' اُس کے پارٹنر کے چہرہ پہ ہے۔ تکلیف اس سیّد زادے کو ہے اور ایسی بےزاری اور نفرت کہ وہ اُسے پار کرنے کا کوئی محفوظ اور شریفانہ طریقہ ڈھونڈ رہا ہے اور اس نیک کام میں میری دستگیری کا بھی طلبگار ہے۔

میں اِس کے مسئلے کو خُوب سمجھتا ہوں۔ اِس ناک سے شاہ صاحب کا تعلق اور دشمنی بہت پُرانی ہے...... اِن کے والد مرحوم بھی' ناک والے کے اَبا جنت مکانی کے کاروباری پارٹنر تھے...... آگے پیچھے دونوں

کے اَبوں کا ارتحال ہُوا تو غیر محسوس انداز میں' یہ دونوں اُسی کاروبار میں اپنے اپنے مرحومین کی جگہوں پہ آ بیٹھے۔ گویا اِس حادثہ نما واقعہ میں یہ ہولناک ناک' میرے بچے شاہ صاحب کو کاروباری وراثت میں ملا...... شاہ صاحب کا اصل مسئلہ ناک نہیں' اُن کا جبلی جانور اور اِک خاص طبع طبیعت تھا۔ جس کا ذکر پہلے کہیں ہو چکا ہے۔ ہمارے پرانے بزرگ اپنے بچوں کی شادیاں بیاہ...... بہت دیکھ بھال اور چھان پھٹک کے بعد کرتے تھے...... اُن کے باندھے ہوئے بندھن بڑے مضبوط اور بابرکت بھی ثابت ہوتے...... گو ہمارے بزرگ بہت پڑھے لکھے نہیں ہوتے تھے مگر اُن کے ہاں باطنی علم' تجربہ مشاہدہ فراواں ہوتا تھا۔ وہ ماتھے پڑھ لیا کرتے تھے۔ اِنسانی فطرت اور اِس کی جبلت پہ اُن کی پوری پوری نظر ہوتی تھی...... وہ ظاہری خوبصورتی' دولت و حشمت' قد کاٹھ' رنگ و رُوپ کی بجائے...... سیرت' نیت و نگاہ' غیرت و حیا اور فریقین کی مزاجی طبعی' ہم آہنگیاں ملحوظ میں لاتے تھے...... جائیداد' زمین' جانور اور ہتھیاروں کی خرید فروخت' دوستیاں' دُشمنیاں اور رشتہ داریاں نبھانے میں بڑی وضعداریاں دکھاتے تھے۔

خرافات کی بات دراصل' میرے اپنے باباجی کے ذکر سے نکلی تھی کہ وہ کُلّی کے باہر بچھی کھاٹ پہ ذرا کی ذرا لیٹے کہ باہر کا موسم بڑا خوشگوار تھا...... پولی پولی ہوا میں بڑی ٹھنڈک اور خُوشبو تھی...... لیٹتے ہی ہلکے ہلکے "اللہ ھُوئے" [illegible] کمر سیدھی کرنے کی غرض سے آنکھیں مُوندھ دراز ہو لیں۔ اِس حالت میں ناک مُنہ سے خارج ہوتی تنفس کی آوازیں اللہ ھُوئے (اللہ ھُو) کہلاتی ہیں اور یہ اللہ ھُوئے' دُوسروں کے لیے بدمزگی اور تعفّن کا باعث نہیں بلکہ انتہائی رحمت و برکت کے حامل ہوتے ہیں۔ ہم خُود اپنے [illegible] باباجی کے اللہ ھُوئے بڑے [illegible] سے سُنا کرتے تھے۔ ایسا ہی ہے کہ جو کوئی کسی ولی اللہ کے اللہ ھُوئے سُن لے وُہ بھی کبھی اللہ ھُوئے لینے کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اَب میں باباجی کی پائینتی کھڑا' اللہ ھُوئے سن رہا تھا...... لیٹنے سے پیشتر اُنہوں نے نہ تو کوئی سونے جاگنے کا حُکم دیا اور نہ ہی کسی اور مصروفیت کا ذکر فرمایا تھا۔ سفر اور بیتی شب کا جگراتا...... اَنگ اَنگ میں تھکاوٹ...... اُوپر سے گھر کے گھی کے پراٹھے' دیسی لسوڑوں کا اَچار' تازہ تازہ مکھن اور چاٹی کی لسّی...... چاٹی کی لسّی تو بُوٹی کے نشے سے چندرو گُنا زیادہ سُریلی ہوتی ہے۔ پیٹ میں پہنچتے ہی لسّی ہوش و حواس سُوت کر رکھ دیتی ہے...... بندے کا دل کرتا ہے کہ وہ گھوڑے گدھے سب کچھ بیچ باچ کر بس سوتا ہی رہے...... ایسی کچی پکی نیند اور خانہ خراب خُمار' ڈر لگنے لگتا ہے کہ کہیں یہ حشر تک ہی نہ کھینچ لے۔

علی الصباح اِس دیہاتی لسّی کے خُمار پیدا کرنے والے محرکات پہ گہری توجہ کے بعد اِس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ یہ محض دہی دُودھ بلونے ہی کا کمال نہیں' کچھ اور لوازمہ بھی ہیں جن کے تشرفات رُوحانیہ سے مستی خُمار

کی کیفیات عود آتی ہیں۔ اس برکت وصحت والی لسّی میں اس ظہورِ سحر کے نُور کی شفائیت بھی سرایت ہوتی ہے...... ویسی ویسی ٹھنڈک...... مہرِ جہاں تاب کی وُہ نوخیز کرنیں شعاعیں اور لہریں بھی' جو حیات خیز ہی نہیں' حقانیت اور رُوحانیت کا سرچشمہ بھی ہوتی ہیں۔

چکّی کے آہنی قُطب کی مانند اس کی چوبی مدھانی بھی اک اَبدال ہی ہوتی ہے...... نیچے بحرِ نُور' اوپر گرفتِ طُور' مابین تسمۂ منصور اور تُرابی ماٹ میں محصور...... جب کوئی مثلِ حُور اسے اللہ ھُو کے سرمدی آہنگ پہ ماٹ میں رِڑکے لگاتی ہے تو ایسی لسّی نوش کر کے جو نیند یا خُمار اُترتا ہے' یہیں وُہ اللہ ھُوٹے اپنی سرمدی بہار دکھانا شروع کرتے ہیں جو خاصانِ خاص کا ہی خاصا ہوتے ہیں۔ لسّی کا خمیر' دہی میں ہوتا ہے اور دہی کا خمیر' دودھ سے تیار ہوتا ہے...... سویا ہُوا خُود نہ جاگے تو اس کے سوئے ہُوئے بھاگ بھی نہیں جاگتے...... شیرِ آتش خیز میں یخ بستہ ''جاگ'' نہ لگے تو وُہ کبھی دہی نہیں بنتا' جو نہ تو سراپا سیّال ہوتا ہے اور نہ ہی مکمل ثقال مُحال...... ناخن پچھے کی مانند گوشت نہ ہڈی...!

سر میں ہلکا سا سُرور کا سودا سمایا' بے سکت ہو کے پاؤں ذرا لڑکھڑایا تو میں پائنتی کی جانب سرک کر بابا کے پاؤں سے [illegible] کر رہ گیا...... بابا جی کے ہلکے ہلکے اللہ ھُوٹے [illegible] کا مزہ دیتا تھا۔

''ھُوٹے مایاں پینگ پہ [illegible] مستی [illegible] جاؤ [illegible] ہے [illegible]''

بچپن [illegible] جھوٹے مایاں' جو چارپائی پہ بیٹھے لیٹے اَبا جی کے پاؤں پہ بیٹھ کر لیا کرتے تھے اور پھر خُود بھی اپنے بچوں کے بعد پوتوں [illegible] نواسیوں کو بھی دیے۔

''ھُوٹے ماٹے پیچلاں دے [illegible] آ [illegible] کوں تھے توں لالوو......!''

ایک اور ملاحظہ فرمائیں۔

''آ کا با کا تِلا کا' تانیاں دے گھر ہویا کا کا' کا کے ماری چیخ' کا کا ٹپ گیا مسیت......!''

''اَلڑ بلھڑ باوے دا' باوا کنک لے آوے گا' باوی بہہ کے چھٹے گی' سو روپیا وٹّے گی' اک روپیا کھوٹا' اُہدا لیاندا لوٹا' لوٹے وچ پانی' ماں تیری رانی' پیو تیرا راجا' سونے دا دروازا' چاندی دیاں پوڑیاں' سَتّے بھیناں گوریاں' اک بھین کالی' اُوہو کرماں والی......!''

''اَکڑ بکڑ بھمبا بَو' اَسّی نبے پُورا سَو' سو گلوٹا تتر موٹا' چَل مداری پیسہ کھوٹا......!''

اسی طرح اور بھی کئی سُخن تھے جو بچوں والے گھروں میں زبانِ زدِ عام تھے...... بچوں کے لیے ھُوٹے مایاں اور نوعمروں کے لیے جھولے' پینگیں' پنگوڑے...... ساون کی مہکتی ہوئی رُتیں...... گھنگھور گھٹائیں' چھاچھوں برستی برساتیں...... آموں کے باغ' جامنوں کے ذخیرے...... کوئلیں' قُمریاں' عندلیبیں' ہریل

طوطے...... مستیاں' ترنگیں' اُمنگیں...... کیا کچھ نہ تھا' اب کہیں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔

یہی کچھ اپنی عُمر' عقل کے مطابق سوچتا کھوجتا...... جانے کب کہیں نیند کی کسی گلی میں نکل لیا۔ جدھر پتھر ہی پتھر' سلیں ہی سلیں...... کیا دیکھتا ہوں میں ایک ڈھلوانی پتلی سی گلی میں اُترتا جا رہا ہوں۔ پیچھے سے بابا سُبحان اللہ کی آواز گونجتی ہے۔

''سُبحان اللہ سُبحان اللہ...... بچّہ! پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا' سل وٹّہ ہو جاؤ گے......''

● تلوار کی اَنی' ہیرے کی کَنی......!

کہتے ہیں کہ ہیرے جواہرات کو حاصل کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ انسان خود ان جیسی صفات اپنے اندر پیدا کرلے۔ فتح خان دُنیا اور اِس کی آسائشوں کا کچھ زیادہ طالب نہیں تھا۔ اصل پہلوانوں' فنکاروں کی طرح' پیشہ ور جنگ باز بھی زیادہ تر متوکل' قناعت پسند اور حال مست ہونے کے ساتھ ساتھ زبان' کردار اور تلوار کے بھی دھنی ہوتے ہیں...... وفاداری بشرطِ اُستواری ان کا پہلا اور آخری اُصول ہوتا ہے۔ مگر فتح خان میں یہ خصوصیات کچھ زیادہ ہی تھیں۔ اس نے اپنے [illegible] اور [illegible] دکھا کر خوشبیر سنگھ کی توقعات سے کہیں آگے بڑھ کر عسکری میدانوں میں کامیابیاں حاصل کی تھیں...... سکھ بڑی دلیر اور جنگجو قوم ہے۔ بچے بچے کی کمر میں کرپان کی موجودگی' اُس کے اندازِ فکر کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔ بہادر انسان میں دیگر خوبیوں کے ساتھ ایک نمایاں خُوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ بلاتمیز و تخصیص اپنے مقابل کھڑے بہادر و دلیر انسان کی عزت و قدر کرتا ہے چہ جائیکہ وہ جانی دُشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح یہ اُستاد شاگرد بھی مذہبی علاقائی اور لسانی فاصلے ہونے کے باوجود' انسانی اور فنِ حرب کی مشترکہ قدروں کی وجہ سے ایک دُوسرے کے بے حد قریب ہوچکے تھے...... ایک ساتھ کھانا پینا' ایک ہی دماغ سے سوچنا...... اسی مہربان کی خصوصی کاوشوں اور توجہ سے وہ اب اس مقام پہ تھا کہ راجہ وجئے پت رائے' نہ صرف اس پہ بے پناہ اعتماد کرتا بلکہ اُسے اپنا مُشکل کُشا بھی سمجھتا تھا...... اسے نہ جانے کیسے احساس ہوگیا تھا کہ فتح خان' اپنے نام کی مانند اُس کے راج پاٹ اور شُبھ شہرت کے لیے فتح مندی کا نشان ہے اور یہ بھی کہ مسلمانوں اور خاص طور پہ فتح خان کے قبضہ میں ایسی شکتیاں ہیں وہ اُن سے بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں...... اِدھر قدردان' مردم شناس راجہ' اپنے سیناپتی خُوشبیر سنگھ کو بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ وُہ اور اُس کا شاگرد...... راجہ' راج پاٹ اور اور پرجا کے لیے عزت' حفاظت اور اعتماد کا نشان ہیں۔

سیناپتی' اُس کا اُستاد ٹھاکر خوشبیر سنگھ خُوب جانتا تھا کہ اس کی بیوی انتقال کر چکی ہے۔ دو بیٹے ہاشم

اور قاسم خان اپنی بوڑھی نانی کے پاس رہتے ہیں اور یہ بھی کسی حد تک معلوم تھا کہ اس کا بوڑھا سسر افغانی بابا' پتا لہ کھو جا ہے۔ جو کسی دھیان گیان کے سلسلہ میں کہیں مگن ہے...... یہ بھی کہ اس کے ہاتھوں' بازوؤں اور پاؤں تلے دھرتی اپنے وجود کو کھول دیتی ہے' پتھر پہار اُسے گود بھر لیتے ہیں...... اُدھر راجہ دھنپت رائے بھی گیانی دھیانی بُدھی مانوں پہ خُوب وشواس دھرنے والا منش تھا۔

فتح خان کو جے پور میں براجے کئی روز گزر چکے تھے۔ ساس کی بیماری بڑھاپے کے علاوہ بڑے بچے ہاشم خان کے پُراسرار حالات نے جو رُخ اختیار کیا اُس کا تقاضا یہی تھا کہ وُہ اُس وقت تک واپس اپنے جتھے میں نہ جائے جب تک گھر کے حالات سے مطمئن نہ ہو جائے۔ ایک اور خوشگوار سی تبدیلی جو سسر کی جانب سے عطا ہوئے قیمتی پتھروں اور اُن سے اَن دیدی ملاقات سے حاصل ہوئی تھی وُہ بھی ایک وجہ تھی...... اس کے علاوہ اُن سے جو روز نمازِ فجر کے بعد غائبانہ ملاقات اور بات چیت ہوتی تھی اُس کا مزہ اور کیفیت بھی کچھ جُداگانہ سی تھی۔ اس ملاقات کے بعد وہ سارا دن اک عجیب سے انبساط میں لہرتا رہتا...... جیسے ہلکی ہلکی کافوری تھہ نے اس کے وجود کو اپنے نکہت آمیز حصار میں لے لیا ہو۔

خوشبیر [illegible] فتح خان کو بلا بھیجا تھا تو وہ اس [illegible] وہ اُس کا محسن اُستاد اور دوست بھی تھا۔ اس مقام تک پہنچنے میں وُہی تو تھا جس نے اس کا ساتھ دیا...... اب ملاقات پہ تمام حالات و واقعات من و عن اُس کے رُوبرو کر دیے...... وُہ آنکھیں پھیلائے اُس کی عجیب و غریب باتوں پہ غور کر رہا تھا۔ مثلاً اپنے نواسے کو طرح طرح کی مٹھائیاں' پکوان کھلانا جو ادھر کہیں بھی دستیاب نہ تھے...... اُس کے علاوہ کسی اور کو دکھائی نہ دینا' کھیلنے کے لیے قیمتی پتھر کے گُنجے' اور خاص طور پہ وہ نایاب جواہر' جو فتح خان کے پاس تھے' جن کے بارے میں جوہری بازار' جواہرات کی کٹائی' پالش والے حبیب وارثی المعروف ختو کٹائی والے کی رائے تھی کہ ایسے نایاب بیش قیمت جواہر تو کسی راجہ کے خزانے میں بھی نہیں ہوں گے۔

اس ملاقات میں فتح خان نے چمڑے کی تھیلی سے وُہ چار دانے پتھروں کے نکال کر ٹھاکر خوشبیر سنگھ کی ہتھیلی پہ دھر دیے...... اُن کی چُوند اور خوش رنگی سے اُس کی آنکھیں رَوشن ہو گئیں۔ کئی ایک لمحے وُہ مسحور سا انہیں تکتا رہا...... پھر نظریں ہٹائے بن' بے ساختہ اُس کے مُنہ سے نکلا۔

''اُس جوہری بازار والے ختو کٹائی والے نے کچھ غلط نہیں کہا تھا'' وہ انہیں مختلف زاویوں سے دیکھنے تولنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد تھیلی میں ڈال کر واپس دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''ختو کے علاوہ کسی اور کو بھی مُلاحظہ کرائے......؟''

''نہیں! میں نے اِس کی ضرورت محسوس نہیں کی...... میں فقط اتنا جاننا چاہتا تھا کہ یہ معمولی پتھر ہیں یا کوئی خاص......''

''فتح خان! میں کوئی پارکھ یا جوہری تو نہیں البتہ اچھے بُرے منکے اور خاص و عام نگینوں، مانکوں کی پہچان ضرور رکھتا ہوں۔ یہ انمول جواہر ہیں...... ایسے تو کسی راجہ مہاراجہ کے جگن جوشن یا مُکٹ مالا میں بھی نہیں دیکھے...... میری مانو تو انہیں کہیں خوب نگہداشت میں رکھو...... اور ہاں! اِس جگہ اور مکان میں رہنا اب تمہارے لیے مناسب نہیں۔ میں موقع دیکھتے ہی مہاراجہ سے بات کروں گا اور تمہارے کُنبے کے لیے کسی اچھی سی رہائش کا انتظام ہو جائے گا......''

اَب وُہ اُسے رُخصت کا اِذن دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''اِس طرح کے اور کتنے دانے تمہارے بیٹے کے پاس ہیں؟''

''ہیں تو بہت سے مگر وہ شاید ان جیسے نہیں...... بچوں کے کھیلنے والے کنچوں کی طرح کے چھوٹے گول گول...... لیکن وہ کانچ کے ہرگز نہیں۔ آپ چاہیں تو میں وُہ بھی لا کر دکھا سکتا ہوں۔''

ٹھاکر خوشبیر سنگھ نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''[illegible] ہی [illegible] چلتا ہوں [illegible] بہانے میں تمہارے خوش نصیب بیٹے سے بھی مل لوں گا اور گھر بھی دیکھ لوں گا۔''

فتح خان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ اُسے ساتھ لیے گھر کی جانب نکل آیا...... عجیب غُربت زدہ مسلمانوں کا علاقہ تھا۔ جامع مسجد، درگاہ شریف، مُسلم ہوٹل اور سرائے، مکتب و مدارس، قبرستان اور بازار وغیرہ اِسی علاقہ میں واقع تھے۔ اِس لیے سروں پہ ٹوپیاں، شانوں پہ رُومال، اُنگرکھے کُرتے اور کھڑے پائجامے جا بجا دِکھائی دے رہے تھے۔ ایک پتلی سی گلی کی نکڑ پہ چھوٹا سا پُرانا مکان...... جس میں چند عشرے مہینے تو رہا جا سکتا تھا مگر اک مُدت مدید رہنے کا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا...... پُرانی سی سُرخ و سفید بُڑھیا نے پُوپلی سی مسکراہٹ سے اُن کا استقبال کیا...... اِس دوران اک چھوٹا سا بچہ کہیں سے نکل کر اپنے باپ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ یہ قاسم خان تھا...... مِلی جُلی پشتو، فارسی میں فتح خان نے قاسم خان سے ہاشم خان کے بارے میں پوچھا۔ معلوم ہُوا کہ وہ صبح کا گھر سے نکلا ہُوا ہے...... فتح خان نے حسبِ مقدور اُس کی خاطر تواضع کی پھر اندر کمرے میں چلا گیا تا کہ وہ قیمتی کنچے لا کر اُسے دِکھا سکے، مگر وہ اُلٹے پاؤں ہی واپس پلٹ آیا اور باہر دالان میں بیٹھی ہوئی اپنی ساس سے کچھ پوچھنے لگا۔ ٹھاکر خوشبیر سنگھ پشتو میں ہونے والی اِس گفتگو کو تو کچھ سمجھ نہ سکا لیکن اتنا ضرور جان گیا کہ بات بچے ہاشم خان اور کنچوں کی ہو رہی ہے۔

''خیریت......؟''

فتح خان تشویش بھرے لہجہ میں بتانے لگا۔ ''میری ساس کہہ رہی ہے کہ ہمارے اِدھر پہنچنے سے کوئی دس منٹ پہلے ہاشم خان بُری طرح بھاگتا ہُوا آیا اور بغیر کچھ کہے سُنے سیدھا اندر پچھلی کوٹھڑی میں گھس گیا...... اِس سے پیشتر کہ اُس کی اِس حرکت پہ کوئی گرفت کی جاتی وہ کنچوں کی تھیلی اُٹھائے باہر بھاگ نکلا۔ اِس کی نانی تو اُٹھنے بیٹھنے سے معذور...... محض آوازیں دیتی رہ گئی۔ اگر آپ میرے ساتھ جانا پسند کریں تو اُسے کہیں دیکھتے ہیں کچھ زیادہ دُور نہیں گیا ہوگا اور پھر مجھے اُس کے ٹھکانوں کا بھی پتہ ہے۔''

''چلو! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں...... مجھے یقین ہے کہ اُس تھیلی میں وہ قیمتی کنچے ہی ہوں گے جن کا ذکر تم مجھ سے کر چکے ہو...... میں سمجھتا تھا کہ تم نے اِن کی حفاظت کا کوئی معقول بندوبست کیا ہوگا لیکن بچے کا تھیلی کو اتنی آسانی سے باہر لے جانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔

''میں خود اِس بات پہ حیران ہوں کہ اُسے تھیلی کا پتہ کیونکر چلا جبکہ اُس کی نانی کو بھی خبر نہیں کہ میں نے یہ تھیلی کدھر چُھپا کر رکھا ہے۔''

اِدھر اُدھر دَرگاہ کے آس پاس دُور دُور تک کے میدان میں...... امام بارگاہ کے اندر باہر ہر جگہ دیکھا مگر وہ چھلاوہ کہیں نظر نہ آیا...... ٹھاکر خوشبیر سنگھ نے قدرے ناراضی اور تنبیہ کے لہجے میں اُسے سمجھایا۔

''بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے مگر تمہیں تو احتیاط اور اُس پہ کڑی نگاہ رکھنی چاہیے۔''

اِدھر فتح خان اپنے جی میں سوچ رہا تھا کہ اِس بے ڈھنگے بچے نے پتہ نہیں کہاں کہاں شرمندہ کرواتا ہے۔ ٹھاکر خوشبیر سنگھ کے رُخصت ہو جانے کے بعد وہ رنجیدہ خاطر مزید اُس کی تلاش سرگرداں ہو گیا۔ اُس نے اِرادہ کر لیا ہُوا تھا کہ اَب کے وُہ اُسے سخت سرزنش کرے گا۔

شام کے سَمے تھکا ہارا گھر پہنچا تو ہاشم خان نانی کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا اُس کے کوسنے سُن رہا تھا۔ باپ کو آتے دیکھ کر چھلانگتا ہُوا پچھلی کوٹھڑی میں گھس گیا...... اندر اُسے پکڑنے کے لیے جانے لگا تو ساس نے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

''کیوں اُس کا خون خشک کرنے کے پیچھے پڑا ہُوا ہے...... یہاں میرے پاس بیٹھ' میں تجھے بتاتی ہوں سارا قصّہ' پھر جو چاہے کرنا۔ ہاشم خان نے مجھے بتایا ہے کہ وہ دَرگاہ شریف کے باہر میدان میں ہمجولیوں کے سنگ کھیل رہا تھا کہ اچانک مجھے دُور کھڑے نانو دکھائی دیئے جو اشارے سے مجھے بُلا رہے تھے۔ وہاں گیا تو نانو نے پوچھا۔ تم کنچوں سے کیوں نہیں کھیلتے۔ میں نے بتا دیا' بابا نے میرے کنچے چھین لیے ہیں۔ نانو نے خفا ہوتے ہوئے حکم دیا۔ بھاگا بھاگ گھر جا' پچھلی کوٹھڑی میں اناج کے بھورے میں کنچوں کی تھیلی دبی پڑی ہے۔

نکال کر لا اور اِدھر میرے سامنے بیٹھ کر کھیل...... جب کھیل چکو تو تھیلی اُدھر برگد کے نیچے جڑوں میں رکھ جایا کرو وہاں یہ محفوظ رہے گی۔''

اَب وہ پوچھنے لگی۔ ''تم نے کنچے چھیننے یا اُس سے چھپانے کی کیا ضرورت محسوس کی تھی۔ تم جانتے ہو کہ یہ اس کے نانو نے بچے کو کھیلنے کے لیے دیے ہوئے تھے؟''

فتح خان بوڑھی بیمار اور موٹی عقل وسوچ کی حامل ساس کو کیا جواب دیتا...... وہ کنچوں کو معمولی کانچ کی گولیاں سمجھے ہوئے تھے جبکہ وہ قیمتی بیش قیمت پتھر تھے...... وہ ٹال مٹول کر کے پچھلی کوٹھڑی میں پہنچ گیا— کھاٹ پہ پڑی چادروں میں گھسے ہوئے بچے کو بڑے پیار و پچکار سے باہر نکالا...... میٹھی گولی اُس کے منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے نانو کیسے ہیں''

''اچھے ہیں......''

''تم نے تو آج بھی بڑھیا سا کھانا اور مٹھائیاں کھائی ہوں گی......؟''

اُس نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔

''ا[illegible]''

''نانو نے کہا تھا وہ تیرے کھیلنے کے لیے ہیں...... کھیلنے کے بعد انہیں پیڑ کے نیچے رکھ دیا کرو۔ میں انہیں درگاہ والے میدان میں پیڑ کے نیچے رکھ آیا ہوں......''

اَب وُہ اُسے ساتھ لیتے ہوئے آناً فاناً وہاں برگد کے نیچے پہنچا تو تلاشِ بسیار کے باوجود وُہ تھیلی کہیں دکھائی نہ دی تو وُہ جھنجلایا ہُوا پُوچھنے لگا۔

''بتاؤ کہاں رکھی تھی تھیلی؟...... یہاں تو کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی۔''

وُہ بھلا کیا جواب دیتا۔ بس مُنہ بسور کر رہ گیا۔ فتح خان بھی کچھ سُوچ کر مصلحتاً خاموش ہو رہا۔

اگلے روز صبح نماز کے بعد وہ اس آسن میں بیٹھ گیا جسے اختیار کرتے ہی اُسے سُسر افغانی بابا سے نادیدنی ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تھا...... کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اُسے محسوس ہُوا کہ بابا آس پاس موجود ہیں مگر گرہ نہیں کھول رہے۔ کچھ مزید انتظار کے بعد بھی جب یہی صُورت برقرار رہی تو اُسے یقین ہو گیا کہ بابا دانستہ اجتناب برت رہے ہیں...... ظاہر ہے اس کی وجہ وہی کنچے تھے جنہیں اُن کی اہمیت کے پیشِ نظر بچے سے چُھپایا گیا تھا جبکہ افغانی بابا کے لیے اُس کے پیارے لاڈلے نواسے کی خوشی سب سے اہم تھی۔ صبح کے کاموں سے فراغت کے بعد درگاہ شریف پہ فاتحہ پڑھنے کی نیت سے گھر سے نکلنے لگا تو ہاشم خان اپنے بچوں کے

بوجھ کو اُٹھائے اور گھمائے رکھتا ہے یُوں کہ حصارِ قطب سے تجاوز نہ کرے۔ پاٹوں کے گرد اور نیچے مٹّی کا بنا ہُوا ہَودہ' جس میں پِسا ہُوا گرم گرم اناج' پِس کر جمع ہوتا ہے۔ کارزارِ حیات' نیرنگیٔ مقدرات' سُود و زیاں' مکافاتِ عمل' جزا سزا' قدر و قضا یہ سب کچھ کیا؟...... وقت کی چکّی میں پاٹوں بیچ' سب کچھ پِس کر رہ جاتا ہے...... گندم کے ساتھ گھُن' پاپ کے سنگ پُن' پِس بھی اور پیش بھی' عارضی بھی ہمیشہ بھی...... غرضیکہ عصر کی چکّی میں چکو در بھی نمودار ہو نکلتے ہیں۔ سُرخ' پیلے' سبز' نیلے...... سوختہ' گیلے اور تنے ہوئے ڈھیلے تو ہو ہی جاتے ہیں۔''

وہ وقت بھی آ لگا کہ فتح خان اپنے مختصر سے کُنبے اور بیل گاڑیوں پہ گھر کا کاٹھ کباڑ دھرے اس حویلی تک آ لگا...... پہلے کی نسبت یہاں کی بُود و باش اِرد گرد کا ماحول' سہولتیں اِنہیں اچھی لگیں۔ چھوٹا ہاشم خان یہاں پہنچ کر آسودہ نہیں تھا۔ اُدھر کا خانقاہی ماحول' گرد و نواح کی وسعت' اپنی سی حیثیت کے لوگ باگ بچے...... کھیلنے کے لیے میدان' درخت' پودے...... یہاں یکسر مختلف ماحول تھا...... نتیجہ نکلا کہ ہاشم خان کی بیرونی آوارہ گردی اور کھیل کود ختم ہو کر رہ گئی...... وہ بُجھا بُجھا سا رہنے لگا تھا...... نانا افغانی بابا کو شاید اس کی حالت پہ ترس آ گیا کہ اُنھوں نے حویلی کے پچھواڑے میں اس کی دلبستگی کے سامان اُتار دیے تھے...... حویلی بھی تو اُن ہی معماروں اور [illegible] کے مطابق تعمیر ہوئی تھی۔ کابل قندھار اور جلال آباد سے مستری معمار بھی ان کی ایما سے یہاں پہنچے تھے...... پچھواڑے ہلکے بھاری پتھروں کے کچھ قدرتی اُبھار تھے۔ اِن میں پُرانی کھوہیں اور چھوٹی غاریں بھی تھیں۔ کیا عجب کہ اِس قدرتی اَسرار و اوصاف والی جگہ بھی افغانی بابا کے رُوحانی تصرف و تشرف سے تعمیر ہوئی ہو۔ جنگلی خرگوش شاید پہلے سے ہی یہاں موجود تھے یا پھر بابا نے انہیں بھی یہاں بھجوا دیا تھا...... خرگوشوں کی موجودگی سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اِدھر نیچے بھی اِک جہانِ دِگر واقع ہے...... اور تھا بھی کچھ ایسے ہی' اُدھر واڑے کے کونے پڑ چھتّی نیچے ایک کنڈ ولہ تھا...... کنڈولہ یا مگّہ' کنوئیں کی شکل کا ہوتا ہے۔ گھیراؤ میں کم و زیادہ' ضرورت کے مطابق...... کسی میں پکّی سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں اور کہیں بانس رسّہ کی۔ مگّہ' کنڈولہ اُوپر سے ننگا بھی ہوتا ہے اور ڈھکا ہُوا بھی۔ یہ اکثر گھر کے اندر بھی ہوتے ہیں۔ ان کے اندر نیچے دیواروں میں کُھدائی کر کے چھوٹے یا بڑے غار بنائے جاتے ہیں' آپ انہیں کمرے یا کوٹھڑیاں بھی کہہ سکتے۔ مقصد اِن کے بہت سے ہو سکتے ہیں...... موسم کی تیزی سے بچنا' دُشمن سے حفاظت' اَجناس' اَسلحہ کی ذخیرہ اندوزی...... رُوحانی مجاہدات و ریاضت یا یکسوئی حاصل کرنے کی خاطر...... اُنھیں تیار کرنے کے لیے بڑے تجربے' محنت اور سرمائے کی ضرورت درآتی ہے۔ پالتو چُوہوں اور خرگوش سے مدد لی جا سکتی ہے...... افغانی بابا نے اپنے نادیدنی وسائل و تصرفات سے اپنے افغانی شاگردوں سے یہ کنڈولے تعمیر

کروائے تھے...... اِن میں سے ایک کنڈولہ کا نقشہ ایسا کہ اُس میں سے ایک پتلا سا راستہ درگاہ شریف کے میدان میں چھتنار برگد کی ہزار اَنگ شاخی جڑوں میں چُھپا ہوا تھا اور اِس سے آگے نہ جانے کدھر اور کہاں؟ اِس نقشے کو افغانی بابا ہی صحیح سے جانتے ہوں گے۔

اُب یہ قصہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جدھر' راجہ دھنپت رائے اپنے حساب کے مطابق فتح خان کی حویلی کے ملاحظہ کے لیے اس کے ہاں پدھارتا ہے...... راجدھانی کا دستور تھا کہ راجہ کے جنم دن سے کچھ روز پہلے راجہ کے مشیر' امیر' دَرباری' تعلقہ دار اور سینا کے عہدہ دار اپنے اپنے مقام کے مطابق راجہ کو اپنے ہاں دعوت دیتے' خاص طور پہ وُہ' جنھیں اُس نے تعلقہ' زمین یا کوئی باغ کھیت وغیرہ بخشا ہوتا۔

راجہ کی نظر میں فتح خان کے لیے بڑی توقیر تھی مگر وہ اپنے ہم منصبوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ ایک پیشہ ورانہ رقابت' دُوجے اُس کا بڑا جری بہادر اور آزمودہ ہونا اور تیسرے اُس کا راسخ العقیدہ مسلمان ٹھہرنا...... ہندوستان کے چھوٹے موٹے راجوں مہاراجوں کی ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی رہی کہ وُہ ہمیشہ محلاتی سازشوں جوڑ توڑ اور دیگر ریاستی ریشہ دوانیوں کے [illegible]...... شاید ہی کوئی خوش نصیب [illegible] راجہ مہاراجہ ہوگا جو اپنی بدخ[illegible] ورنہ زیادہ تر سازشوں کا شکار ہو کر اپنے اچھے بُرے انجام کو پہنچے......!

فتح خان کے خلاف حسد اور شک کا مواد اندر ہی اندر پکتا رہا تھا...... صرف اسے منظرِ عام پہ لانے کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا...... خوش قسمتی یا بدقسمتی کہ اِس عجوبہ حویلی کی تعمیر نے بدخواہوں کو اِس کے خلاف سازش کرنے کے خاطر خواہ مواقع فراہم کر دیے۔ اِس کے کچھ منطقی جواز بھی تھے' جیسے کہ حویلی کی تعمیر کے کاریگر اور مستری مزدور بھی دُور پار سے آئے تھے لیکن یہ بھی کوئی ایسی اَچرج بات نہ تھی...... بے پور اور دیگر شہروں میں بہت سی خصوصی تعمیرات ایسی تھیں جو بیرونی اُستاد معماروں کے کمالِ فن کا شہکار تھیں...... اصل بات تو اِس کا راجہ کی نظر میں قابلِ اعتبار ہونا تھا۔ باقی رہی سہی کسر' حویلی کا افغانی طرز کا قلعہ نما ہونا اور اِس کے نیچے کی پُر اَسرار طرزِ تعمیر نے نکال دی۔ تعمیر کے دوران کسی بھی غیر متعلقہ فرد کا اُدھر گزر ممنوع تھا۔ یہ پابندی بھی شکوک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک غیر معمولی تعمیر تھی اور اس پہ اُٹھنے والے مصارف بھی کچھ معمولی دکھائی نہ دیتے تھے اور بھی چند شُبہات و اَبہام تھے جن کی بنیاد پہ بدخواہوں نے اِس کے بارے میں راجہ کے دل میں غلط فہمیاں پیدا کرنی شروع کر دی تھیں۔

● راجے کا بج گیا باجا......!

بالآخر ایک شُبھ دن مُتذبذب سا راجہ، تن وتنہا وہاں پہنچتا ہے کہ یہی ایک ممکنہ اور مناسب صورت فتح خان کی سمجھ میں آئی جو اُس کے سُسر اَتالیق اور مُرشد کے حُکم اور مصلحت کا تقاضا بھی تھی...... ضروری عملہ اور حفاظتی دستہ حویلی کے باہر تعینات تھا...... شاید یہ پہلا موقع تھا کہ راجہ اپنی پرجا یا کسی جتھہ دار کی حویلی میں یُوں تن تنہا داخل ہُوا...... فتح خان نے اپنی افغانی اور راجستھانی روایات کے مطابق اس کا استقبال کیا...... اس کی ساس نے ایک ماتا کے بہ طور اس کے گلے میں پھُولوں کا ہار پہنایا...... ماتھے سیندور کا ٹیکا لگا کر تھالی بھر چاندی کے روپوں کا شگن دان دیا۔ سر پہ ہاتھ رکھ کر آشیرباد دی۔ راجہ بے انتہا خُوش ہُوا...... پاس ہی افغانی لباس میں ہاشم خان اور قاسم خان کھڑے اشتیاق بھری نظروں سے پُر وجاہت، مہربان راجہ کو تک رہے تھے...... راجہ کو ایسے خوبصورت لباس میں بولتی آنکھوں والے مَن موہنے بچوں پہ بے حد پیار آیا۔ دونوں نے قدرے جُھک کر سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہوئے تعظیم دی۔ راجہ کے مَن میں کیا آئی اُس نے اپنے گلے سے دو مانک مالا میں اُتاریں اور ان دونوں کو [illegible] ان کے سر پہ [illegible] شفقت [illegible]

فتح خان نے بڑے احترام و اہتمام سے ایک خوبصورت مسند پہ راجہ کو بٹھایا۔ اسی اثنا اس کی بوڑھی ساس نے تانبے کی جھلکتی تھالی میں اپنے خاندانی روایت کے مطابق سات اناج (گندم، جَو، جوار، باجرہ، چاول، چنے، مسور) چھ پھل (آم، [illegible] سنگترہ، شریفہ، انگور، کیلا) پانچ ترکاریاں (لوکی، بیگن، شلجم، آلو، گوبھی) چار پارچہ (پگڑی، انگرکھا، تہبند، چادر) [illegible] دو جل (دودھ، شہد) اور ایک ہتھیار (کٹار) پیش کیئے...... اب وُہ بوڑھی ساس، جل پان کا بندوبست کرنے ملازمہ کے سنگ اندرونِ خانہ چلی گئی اور اِدھر یہ دونوں بچے بھی قیمتی مالاؤں سمیت کہیں غائب ہو چکے تھے۔

راجہ تحسین بھری نظروں سے گرد وپیش کی ہر چیز کو ملاحظہ کر رہا تھا...... اس کی ساس، بچوں اور تحائف کی مناسب سی توصیف کے بعد وُہ رُوبرو ادب سے کھڑے فتح خان سے مخاطب ہُوا۔

"فتح خان! ہمیں تمہاری وفاداری اور بہادری پہ رَتی بھر شک نہیں...... تم ہماری سینا کے ایک انمول رتن ہو۔ تم نے بہت کم مُدت میں ہمارا وشواس حاصل کر لیا ہے...... یہ حویلی والی جگہ صرف شاہی خاندان کے لیے تھی...... ہم نہیں جانتے تم کس طرح اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہو؟ اس کے باوجود ہم سمجھتے ہیں تم اس اہل تھے کہ ہمارے اور قلعہ کے قریب رہو۔"

راجہ اسے دُزدیدہ نگاہوں سے تولتا ہُوا مزید گویا ہُوا۔

''اپنے بہادر سیناپتی خوشبیر سنگھ کی زبانی بھی سُنا اور خود اپنے طور بھی محسوس ہُوا کہ تمہارے خاندان والوں کے پاس کچھ ایسی شکتیاں ہیں جن سے آپ اَنہونی کو بھی ہونی میں بدل سکتے ہیں...... میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے کسی ایسی ہی شکتی سے کام لے کر یہ جگہ حاصل کی اور ایسی پُرآسرار قلعہ نما حویلی بنائی کہ جس پہ میرے اندازے کے مطابق بہت سے اخراجات اُٹھے۔ جبکہ تعمیر کے معاملہ میں تمہاری کوئی خاطر خواہ معاونت بھی نہیں کی گئی......'' راجہ کہہ رہا تھا...... ''عطا کی گئی زمین پہ جو حویلیاں مکان تعمیر کیئے جاتے ہیں اُن پہ اُٹھنے والے اخراجات بھی ریاست ادا کرتی ہے مگر ایسی تعمیرات اِک خاص طرز اور معیار کی ہوتی ہیں...... نہ صرف ان کے نقشے مکانیت اور تعمیری مصارف ایک سے ہوتے ہیں بلکہ اُن کے رنگ بھی گلابی ہوتے ہیں...... تمہاری یہ حویلی جے پور کی کسی بھی تعمیر سے مختلف ہے...... اس پہ کام کرنے والے مستری مزدور بھی باہر سے منگوائے گئے' کچھ سامان' کاٹھ وغیرہ بھی کہیں اور سے یہاں لایا گیا اور اُٹھنے والے خرچ کا تو کوئی شروع آخیر ہی دکھائی نہیں دیتا...... اَب تم ہی کہو' موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اور اصل حقائق سے بے خبر کوئی منش' تمہارے اور حویلی کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ مگر میرا جیتر نچنت ہے۔ بظاہر تم جو بھی ہو مگر میرا اَنترمن وشواس ہے کہ تم میرے اور جنتا کے وفادار ہو......''

فتح [illegible]...... [illegible] اور خدشات کے جواب میں ابھی تک اُس نے زبان نہیں ہلائی تھی۔ اسی دوران' اجازت لے کر اُس کی ساس' شربت کی صراحی لیے حاضر ہوئی۔ شربت پیش کر کے فتح خان نے نذرانہ والی سینی پہ سے باریک بُنت کا سرپوش ہٹایا...... راجہ نے دیکھا کہ سات پھلوں میں دو تین ایسے بھی پھل مُوجود' جن کا نہ تو موسم ہے اور نہ ہی اِدھر پائے جاتے ہیں۔ ترکاریوں کا بھی لگ بھگ یہی حال' تین ڈھائی جل کٹوری بھی ایسی خوبصورت کہ جی کرے دیکھتے ہی رہیں۔ گرداگرد نفیس کندہ کاری میں طلائی رُوپہلی' تانبڑی پھول پتیاں...... ننھے ننھے فیروزے عقیق ٹکے ہوئے دودھ شہد سے لبالب...... گاڑھے کا انگرکھا تہبند' افغانی ریشم کی پگڑی اور پشمینے کی چادر...... کالے کمائے چمڑے کی ڈوڑ میں خمدار کٹار اور زنجیر کا ڈورا...... مہوہ کے ڈوڈا پھول کہ کلیجہ کاٹ کر رکھا ہو' مولسرے کے شگوفے کہ جیسے اَشک سجا رکھے ہوں...... راجہ ششدر سا دیکھا کیئے...... ایسی کرشماتی بھینٹ جو دیکھی نہ سُنی......!

فتح خان نے آہستگی سے سیس نواتے ہوئے کچھ جل پان کی درخواست کی۔ راجہ اَب اِس طرف سے نظریں ہٹا کر اُسے دیکھنے لگا...... کچھ توقف کے بعد خُود ہی بولا۔

''فتح خان! یہ اَچھوتی سی بھینٹ' بے موسم کے پھل پھول اور یہ ساری اَنچ سی چیزیں؟ لگتا ہے یہ منشوں کی نہیں...... کہیں دیوتاؤں نے گگن کے اُس پار سے بھیجی ہیں۔ سچ بتاؤ' یہ سب کچھ کیا ہے؟''

فتح خان ہاتھ جوڑتے ہوئے نہایت ادب سے کہنے لگا۔

’’مہاراج! آپ جانتے ہیں کہ میرے سُسر ہیں جو پاتال کھوجی ہیں۔ وطن میں لوگ اُنہیں اللہ کا گپت ولی کہتے ہیں۔ چوٹیاں اُن کی بیٹیاں اور پہاڑ اُن کے فرزند ہیں۔ اجمیر شریف میں تاراگڈھ کے پربت پہ اُنہوں نے بابا میراں شاہ سرکار کے حُکم سے اک لمبی تپسیا پوری کی ...... اس کے بعد اُن کی کوئی ایسی منزل شروع ہو گئی کہ اُنہیں اپنے ظاہری جسم کو پردہ دینا پڑا۔ پاتال کھوجی ہونے کے ناتے‘ اُنہیں زمینوں‘ پہاڑوں کے بھیتر کی ایسی کھوجوں اور رازوں تک رسائی حاصل تھی جو کسی عام انسان کے لیے ممکن نہیں ہوتی ...... اس پر بتی چلنے کے دوران اور بعد‘ بابا پہ کچھ ایسی شکتیاں بھی کھلیں جو اس سے پہلے حاصل نہ تھیں ...... انہی شکتیوں سے بابا کو پربتوں کے نیچے کچھ قیمتی پتھروں کی پرتوں کی کھوج پڑی۔‘‘

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دونوں بچے [illegible] سے اندر داخل ہوئے ...... دونوں نے اپنے ہاتھ اپنی پشت کی اوٹ میں کیے ہوئے تھے۔ انہوں نے اندر پہنچتے ہی سر جھکا کر تعظیم دی پھر ایک دوسرے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ہاتھ آگے لائے‘ ہاتھوں میں ایک ایک لڑی کی مالائیں لٹک رہی تھیں۔ مالائیں کیا تھیں‘ موٹے سُوت کے سُرخ ڈورے میں ایک ایک نگینہ بندھا ہوا تھا ...... کسی گول پتھر کو دھاگے ڈورے میں باندھنا کچھ ایسا آ[illegible] کر نگینہ قابو کر ہی لیا ہوا تھا ...... رابعہ اور فتح خان‘ ان کا یہ معصوم سا ہنر اور عقیدت کا اظہار دیکھ کر اندر ہی اندر خوب محظوظ ہوئے ...... رابعہ کچھ دیر دونوں کو باری باری شفقت خیز نظروں سے تکتا رہا پھر خود دو قدم آگے بڑھتے ہوئے گردن اُن کے آگے کر دی۔ مالائیں ڈالنے کے بعد بچوں نے اپنی جیبوں سے ایک ایک اور خوشنما نگینہ نکال کر اس کے پیش کیا تو یہ اس کے لیے ایک مزید اچنبھا تھا ...... وہ پہلے ہی ورطۂ حیرت میں تھا اور اب ان نگینوں کی فسوں خیزی نے مزید جکڑ لیا ......!

بہت ہی دیر بعد کہیں میری سمجھ میں آیا تھا کہ مادیت میں بھی ماورائیت پیدا ہو سکتی ہے اگر کسی صاحبِ تصرف کا اذن حاصل ہو جائے تو ...... مثال اس کی یُوں کہ اگر کوئی رشتہ دار آپ کے مُنہ میں لقمہ ڈالے تو یہ محض لقمہ ہوتا ہے اگر ماں کھلائے تو کچھ اور سواد ...... بیوی اور محبوبہ کے لقموں میں بھی ٹیسٹ الگ الگ ہوتا ہے ...... اور اگر کوئی مُرشد یا بابا کھلا دے تو یہ لقمے اک نعمتِ یزدانی بن جاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں‘ اُنگلیوں میں‘ اللہ کریم و حکیم نے مسیحائی پیدا فرما دی تھی ...... اسی طرح جناب داؤد علیہ السلام کے دست و بازو میں آہن کو گداز کرنے کی قوت تھی ...... سیّدنا نُوح علیہ السلام کے لیے لکڑی کا کام آسان تھا۔ غور کریں کہ نبیوں‘ پیغمبروں‘ ولیوں‘ قطبوں اور اللہ کے دیگر منتخب بندوں کو وصفِ مسیحائی سے سرفراز فرمایا گیا ...... عبادات‘ مجاہدات اور اعمالِ صالح سے بھی شفائی قوتیں بیدار ہو سکتی ہیں

اور اُن سے اِنسانیت کی فلاح کے لیے بہتر کام لیئے جاسکتے ہیں۔ شفائی لہروں کا تعلق' انسان کی باطنی صالحیت اور روحانی بیداریت ...... نگاہ و نیّت کی ذکاوت و بالیدگی اور ظاہری جسمانی' طہارت و مجاہدت کے درجات سے ہوتا ہے ...... ہاتھوں کی اُنگلیاں' توجہ' دمِ نفس' نظریں نگاہیں' ارتکازِ خیال' تحلیلِ نفسی وغیرہ' یہی وہ ماورائی روحانی قوتیں ہیں جو پیرانارمل سائنسز کے مفہوم میں آتی ہے۔ اَب اِن کے آگے' میگنٹ ازم سائیکولوجی' یوگا' ہپنا ٹزم' بریدنگ تھراپی' رفلیکس تھراپی' کلر تھراپی' بائیو انرجی میڈیٹیشن وغیرہ سے مسیحائی یا شفائی لہروں کی افادیت یا مفہومیت کا تصور آگے بڑھتا ہے۔ مقصد اس کا اجمال کا یہ تھا کہ ایک مسیحا صفت' اللہ کے بندے سے جو ایک عام چیز چھو جائے یا جسے وہ چھولے تو کیا عجب وہ خاص نہ ہو جائے۔ اِس کی عام سی مثال' مقناطیس سے دی جاسکتی ہے کہ اُس کو اگر مسِ خام سے مَس کر دیا جائے تو اُس میں بھی مقناطیسیت آجاتی ہے۔

پاتالہ کھوجا یعنی افغانی بابا' اپنی عبادت و بندگی یا مقدروں سے وُہ مقام پا چکا تھا کہ زمین کی سطح سے پاتال تک وُہ ہر مادہ' مائع و معدن' مُفرد و مرکب کو نہ صرف محسوس کر سکتا تھا بلکہ اُن سے استفادہ حاصل کرنے کی استطاعت بھی رکھتا تھا۔ واضح رہے کہ اللہ کے ایسے خاص بندے اپنی فوق الفطرت استعانتوں اور روحانی قوتوں [illegible] اپنی ذات اور دُنیاوی معاملات میں بڑے محتاط بھی ہوتے ہیں ...... افغانی بابا کو اپنی اکلوتی بیٹی سے والہانہ محبت تھی۔ بدقسمتی سے اپنے دوسرے بچے کی وِلادت کے کچھ ہی عرصے کے بعد ناگہانی موت کا شکار ہو کر اپنے خاندان کو سوگوار کر گئی۔ بوڑھا افغانی بابا' بندۂ متوکل تھا' اللہ کی رضا آگے سر ڈال دیا ...... متقاضائے بشریت یا آلِ اولاد کی محبت کہ ہاشم خان' بڑے نواسے کی دید [illegible] اپنے آپ کو بھلا بیٹھا' بیوی بوڑھی اور بیمار ...... معاشی نا آسودگی کا دَور دَورہ تھا۔ اُس نے اپنا من یہیں پہ باندھا کہ نواسوں کو کسی اہل کرے۔ ان بچوں کا بچپن بہلانے اور تنگدستی دُور کرنے کی خاطر کچھ کچے پکے جواہر دانے کہیں پہاڑوں سے کھوج کر ان باپ بیٹیوں کو دیے۔ اِدھر راجہ کی جانب سے زمین ملی تو اس پہ حویلی کی تکمیل و تعمیر کے لیے غائبانہ وسائل پیدا کر دیئے ...... نیچے زمین کی گہرائیوں میں اپنی استعانتوں سے ایسے ایسے راستے کھلے اور تہہ خانے بنوائے' جنہیں دیکھ کر کہا جاسکتا ہے یہ کام عام اِنسانوں کا نہیں ...... یقیناً یہاں ایسی ہستیوں کا عمل دخل رہا جو زمین کے ظاہر و باطن کی جانچ جانتی تھیں۔ انہیں گزرے' موجود اور آنے والے وقت' حالات کا خُوب ادراک تھا۔

راجہ کی ہتھیلی پہ دو سنگ دانے پڑے دمک رہے تھے۔ جو نہ صرف اَنمول تھے بلکہ ایک عجیب سی مسرت بھری کشش بھی پیدا کر رہے تھے۔ آنکھوں میں ٹھنڈک اور دل میں کشادگی سی بھر آئی تھی۔ ہیرے جواہرات' راجوں مہاراجوں کے لیے روزمرہ کی طرح ہوتے ہیں مگر یہ تو کچھ دگر ہی کیفیت لیئے ہوئے تھے

کیونکہ اُنہیں اِک پاتال کھوجی اور وَلی نے چُھوا ہُوا تھا۔ شفائی قوتوں کے حامل ان پتھروں نے راجہ کے دل و دماغ میں اِک نُور سا بھر دیا تھا...... وُہ گُم گُم سی حالت میں کبھی کنچھوں کو تکتا اور کبھی اِن بچّوں کو...... چند ثانیے توقف کے بعد پُوچھنے لگا۔

''بالکو! یہ اَنمول جواہر کہاں سے لائے ہو؟'' پھر وہ اپنے گلے کی مالاؤں کو دیکھتے ہوئے مزید بولا۔

''ایسے سُندر جواہر تو کسی نے سپنے میں بھی نہ دیکھے ہوں گے...... ہاں' کہو یہ کہاں سے ملے؟''

بچّوں نے اِک دُوجے کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا...... بدقت ہاشم خان گویا ہوا۔

''یہ کنچے ہمیں نانو بابا نے دیے تھے' کہا تھا راجہ جی کو دے دیں......'' چند لمحے دبیز خاموشی طاری رہی...... راجہ جی تو جیسے پتھر کی لاٹ بن چکے تھے۔ آخر پتھر کی لاٹ میں جونک گی۔

''بچّو! کیا مَیں آپ کے پیارے نانو بابا کے درشن کر سکتا ہوں......؟''

''پتہ نہیں...... نانو بابا نہ کسی سے ملتے ہیں اور نہ ہی دکھائی دیتے ہیں۔'' ہاشم خان نے جواب دیا۔

راجہ نے اُس کے سر پہ پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے پُوچھا۔

''اچھا یہ کہو' تمہارے نانو بابا اس وقت کہاں ہیں اور کیا وُہ تمہیں دکھائی دیتے ہیں؟''

''[illegible]''

راجہ نے دلچسپی لیتے ہوئے مزید پُوچھا...... ''یہ بھی تو بتاؤ کہ وہ اس وقت کہاں ہیں؟''

ہاشم خان نے فوراً جواب دینے کی بجائے اپنے باپ کی جانب دیکھا...... پھر ٹھہر ٹھہر کر بتایا کہ وُہ نیچے تہہ خانے میں ہوتے ہیں۔ اتنا کہہ کر وہ دونوں تیزی سے باہر کی جانب نکل گئے۔

راجہ کو جیسے چین پڑ گیا تھا...... وُہ بڑے سکون سے بیچھے پڑے گدے پہ دھرنا دے بیٹھا...... ہلکی پُھلکی بات چیت کے دَوران ہلکا پُھلکا ناشتہ بھی ہوتا رہا...... گفتگو زیادہ تر حویلی کی تعمیر' مسالہ' سامان اور اُن پہ اُٹھنے والے مصارف کے متعلق تھی۔ راجہ کی معلومات کے مطابق' سفیدہ زمین کے علاوہ اور کسی طرح کے اخراجات ایسے نہ تھے جو ریاست سے وصول کیئے گئے ہوں...... جبکہ تعمیراتی مصارف غیر معمولی مالیت کے دکھائی دے رہے تھے۔ فتح خان کے بدخواہوں نے جن الزامات کی بنیاد پہ راجہ کو بھڑکایا تھا اُن میں سرفہرست دو الزام تھے۔ ایک یہ کہ فتح خان نے قلعہ اور شاہی محلات کے قریب جو عجیب و غریب حویلی تعمیر کی ہے۔ اس کے اَندر' نیچے اُوپر ایسی پُراَسرار مکانیت و مقامیت ہے' جس سے اُس کے مذموم عزائم کی بُو محسوس ہوتی ہے۔ دوم' ایک دَفعدار جس کے وَسائل ایک حد تک محدود ہوں وُہ اُٹھنے والے غیر معمولی اخراجات کا کیونکر متحمل ہُوا...... اور پھر یہ کہ مستری مزدور وغیرہ کوئی نفر مقامی نہیں تھا اور نہ ہی کسی ریاستی اہلکار کو سوا سینا پتی ٹھاکر خوشبیر سنگھ کے' معائنہ کی اجازت دی گئی' یہ سب الزامات بڑے گمبھیر اور قابلِ فہم تھے...... یہی وجہ تھی کہ راجہ کے مَن میں بھی

بال پڑ گیا تھا اور یہ بھی کہ راجہ کے علاوہ کوئی اور دعوت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ یہ قدغن بھی مزید اس شک کو مضبوط کرتی تھی کہ فتح خان' راجہ کے وفاداروں میں سے نہیں' جبکہ اُس کا مسلمان ہونا بھی اُس کے حق میں نہیں جاتا تھا......!

کہتے ہیں کہ راجہ مہاراجہ' بادشاہوں کے سَروں پہ اُوپر والے کا خاص سایہ ہوتا ہے۔ اُن کے ہاں عقل دانش' بُردباری' مصلحت کوشی اور غائبی اِشارے بھی ہوتے ہیں...... حکمران ہوتے ہی وہی ہیں جو خاصانِ خاص ہوتے ہیں۔

جو بظاہر سامنے تھا وہ اُس کے حق میں نہیں تھا مگر اس کے باوجود' راجہ باطنی طور پہ محسوس کر رہا تھا کہ فتح خان اُس کا وفادار اور ایک بہادر جانباز ہے...... مگر کچھ تو ہے جس کے پردہ داری ہے...... وُہ اسی پردے کو ہٹانے کی غرض سے' شاہی اور حفاظتی اُصولوں کے خلاف بغیر کسی جانثار کے اکیلا ہی اُس کی پُراسرار حویلی میں چلا آیا...... بغیر موسم کے پھل بوٹے ٹوٹتا ہوا وہ سوچ رہا تھا کہ فتح خان کے حاسدوں نے تو اس کے خلاف کان بھرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی...... پر بھگوان کی کرپا سے وہ نِردوش کی ہتیا کرنے سے بچ گیا...... راجہ [illegible] پہ سُرخاب کے پروں کی مانند خُوش رنگ و خُوش کیف قیمتی گنجوں کو نگاہوں میں تولتا ہوا اُس سے مخاطب ہوا۔

''فتح [illegible]''

''جی [illegible] مہاراج......!''

''ہم اپنے گرو مہاراج کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔''

فتح خان' سیس کو [illegible] سینے پہ ہاتھ دھرتے ہوئے بولا۔

''میں خود اک عرصے سے [illegible] سمجھتا ہوں کہ یہ بھی اُن کی مجھ پہ خاص دَیا ہے کہ میں اُن کی ہلکی سی آواز سُن پاتا ہوں...... اُنہوں نے دیکھنے کی شکتی شاید ہاشم خان کو ہی اَرپن کی ہے اس کے علاوہ' وہ تو اپنی بیوی کو بھی دِکھائی نہیں دیتے۔''

راجہ بڑے متفکرانہ لہجہ میں لمبی سی ہُوں کرتے ہُوئے ہلکی سی آواز میں گویا ہُوا۔

''اس کا کوئی اُپائے......؟''

''مہاراج! میری سمجھ میں تو اس کا اُپائے کوئی ناہیں' اور اگر کوئی ہے بھی تو وہ ہاشم خان کے پاس ہی ہوگا جو اُن کا لاڈلا نواسہ ہے۔ یہ قیمتی پتھر' آپ کا اِدھر پدھارنا اور یہ حویلی' ٹھاٹ باٹ وغیرہ سب اُوپر والے کا' آپ کا اور ان نانو نواسے کا ہی چمتکار ہے۔''

فتح خان کا جواب اپنی جگہ پہ درست مگر راجہ مطمئن نہیں تھا...... کافی دیر ان کے درمیان اسی حویلی کے متعلق گفتگو ہوتی رہی مگر راجہ کے بُشرے سے لگتا تھا اُس کے دِماغ کی سُوئی کہیں اور اَٹکی ہوئی ہے۔

اچانک راجہ پُوچھ بیٹھا۔ ''بچّے کہیں آس پاس دِکھائی نہیں دے رہے...... کہیں وُہ کھیلنے کے لیے باہر تو نہیں نکل گئے؟''

''مہاراج! وہ اکثر پیچھے حویلی کے صحن میں کنچے کھیلتے رہتے ہیں۔ کھیل میں وُہ اِس قدر منہمک رہتے ہیں کہ کسی اور کام کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ شاید یہی وجہ کہ اِن کے کھانے پینے کی ذمہ داری اِک زمانہ سے نانو بابا نے اُٹھا رکھی ہے۔ ہم تو اِتنے مجبور اور خوف زدہ ہیں کہ اُنہیں کچھ کہہ ہی نہیں سکتے۔ خاص طور پہ بڑے بچّے ہاشم خان پہ تو ہماری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ پڑھائی لکھائی نہیں کرتا' نہ ہی نانی کی کسی بات پہ دھیان دیتا ہے۔ آوارہ گردی یا کنچے کھیلتا رہے گا...... اُدھر سے اگر جی بھرے تو پھر پتّھر اور مٹّی میں جُٹ جائے گا...... جب سے حویلی بنی ہے' جانے کہاں سے بڑے بڑے جنگلی خرگوش اِدھر چلے آئے ہیں۔ آپ پسند فرمائیں تو پیچھے چل کر بچّوں اور خرگوشوں کے تماشے بھی ملاحظہ کر لیں......''

''پچھواڑے والا صحن اِک طرح کا ٹیلے ٹبوں کا چھوٹا سا صحرا ہی تو تھا۔ خاردار جھاڑیاں' کیکریاں' پھلائیاں' کریرے' پیلو کے جھاڑ پودے...... لگتا تھا یہ سب کچھ پہلے سے ہی موجود تھا یا پھر اُنہیں کسی ضرورت کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ کسی صحرا کے فلمی سیٹ کی طرح یہ ماحول بڑا ہی قدرتی اور نظر نواز تھا۔ آپ یہاں چھوٹے بڑے' سیاہ رنگ [illegible] اور بہت لمبے لمبے کان' جیسے [illegible] ریشمی جھالریں دونوں اطراف ڈال رکھی ہوں...... جدھر خرگوشنیاں اور خرگوش ہوں گے وہاں اُن کے ننھے ننھے خرگوشنے بھی ہوں گے۔ بندر بچّے' گھوڑ بچّے' شُتر بچّے' گدھ بچّے' شیر بچّے وغیرہ اپنے شروع بچپن میں بڑے بھلے لگتے ہیں مگر جو لطف غزالچوں' بھیڑ بچوں اور بکر بچوں کو دیکھ اور محسوس کر کے حاصل ہوتا ہے وُہ ایک علیحدہ ہی مشاہدہ تجربہ ہوتا ہے...... اِن سے مزید آگے بڑھیں تو ایک اور جہان' بہجت و بہروزی ہے کہ آپ کے آس پاس ریشم کی گچھیوں' اطلس و کمخواب کے گولوں اور دیبا کی پوٹوں جیسے خرگوشنے' اُٹھتے بیٹھتے گوش گلوڑے' ہوا چباتے' بے صورت سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ ایسا ماحول و منظر' باغِ عدن کے کسی دُھندلے سے گوشے یا کسی معصوم بالک کے خواب کی طرح ہوتا ہے جسے سوئی جاگی ماں تھپک تھپک کر سُلا رہی ہوتی ہے۔

راجہ برآمدہ میں کھڑا' سامنے یہ حیرت کُن منظر دیکھ رہا تھا۔ یُوں تو سارے راجستھان میں ایسے منظر جابجا دِکھائی دیتے ہیں مگر اُسے یاد نہیں کہ جے پور شہر میں شاہی محل کے آس پاس ایسا بَن تھل بھی کہیں دِکھائی پڑا ہو...... اُنہیں اِدھر کھڑا دیکھ کر کئی ایک خرگوش اور خرگوشنے اِدھر لپک آئے...... یہ بھی راجہ کے لیے حیران کُن بات تھی' پتّھریلے اور ریتیلے علاقہ میں خرگوشوں کا کیا کام؟ اُنہیں تو نرم مٹّی چاہیے ہوتی ہے' جس کے اندر دَر اندر وُہ اپنے سُرنگوں کی طرح لمبے لمبے پُرپیچ بِل کھودتے رہیں...... بونے' خرگوش' سانپ' موش' نیولے' کِرلے' چیونٹیاں' بچھوے وغیرہ یہ تمام پاتالے کھوجے ہوتے ہیں۔ اِن میں تو چند ایسے بھی کھوج مَوج والے کہ زمین

کی ایک جانب سے گھُسیں تو دوسرے رُخ سے برآمد ہوں۔

راجہ' اِس جہانِ حیرت میں یُوں گم صُم کہ اُسے ایک جانب کنڈولے سے اُوپر آتے ہوئے ہاشم خان اور قاسم خان کی خبر بھی نہ ہوئی...... ہاشم خان کی مُٹھی میں اَبابیل کا بچہ اور قاسم خان کے ہاتھ کالا سیاہ خرگوشنا ــــ ایسا معدوم نمعلوم سا کہ جیسے سیاہ زرباف کا لچھا' نرم ہاتھ داب رکھا ہو...... اچانک باپ اور راجہ کو سامنے پا کر مبہوت سے اَبابیل اور خرگوشنے والے ہاتھ' پیٹھ پیچھے لُکانے لگے۔

راجہ نے بات بناتے ہوئے پوچھ لیا۔ ''بھئی بچو! کچھ ہمیں بھی تو دِکھاؤ' تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟''

بچے اِک دُوجے کا مُنہ تکنے لگے جیسے پُوچھ رہے ہوں کہ اَب کیا کریں؟

یہاں اَب فتح خان بولا۔ ''شاباش بچو! مہاراج کو دِکھاؤ کہ تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟''

دونوں نے ایک ساتھ اپنے ہاتھ آگے کر دیئے...... چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں ننھے ننھے بچے ــــ یوں آسودہ مطمئن' جیسے وہ کسی جائے اَماں میں پہنچ پائے ہوں۔

راجہ' مسکراتے ہوئے پُوچھنے لگا۔ ''ان معصوموں کو کاہے دبوچ رکھا ہے...... اتنے چھوٹے چھوٹے' ان کی مائیں' انہیں تلاش کر رہی ہوں گی...... لاؤ' ذرا مجھے بھی دِکھاؤ انہیں......''

دونوں جھجکتے [illegible] ابابیل [illegible] بچے کی تو ابھی آنکھیں بھی نہیں کھلی تھیں...... زیتون اسودی مخمل کی تھیلی سا سر' عجب سراسیمگی میں سرسراتا سراپا...... پر جو ابھی ناپید تھے' بازو پھیلائے ہوئے ہتھیلی پہ پڑا تھا۔ اُدھر خرگوشنا بھی تھوتھنی تھوتھر رہا تھا۔ چُندھی آنکھوں میں تیج بھری تھی۔ لمبے لمبے کان' اُس کے مجموعی قد سے بھی بڑے...... بچے یُوں سر جھکائے کھڑے تھے جیسے مسروقہ مال کے ساتھ رنگے ہاتھوں' کوتوال شہر کے [illegible] اطراف کی ہوا ساکت رہی ــــ جانبین کے دماغوں میں سوال و جواب والی چھوٹے بڑے دندانوں کی گراریاں برابر گڑے لے کر چل رہی تھیں۔

راجہ انہیں دیکھتے ہوئے بے ساختہ بول اُٹھا۔

''ارے یہ تو بڑے سُندر جناور ہیں...... کہاں سے ملے؟''

''نانو بابا نے دیئے' کھیلنے کے لیے......''

راجہ اُن کے برابر اُکڑوں بیٹھ گیا...... ہاشم خان کے کندھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بڑی رسان سے کہنے لگا۔

''ہمیں بھی تو ملواؤ اپنے بابا سے...... اُن کے درشن سے بڑی شانتی ملے گی۔ اُن کے پاس لے چلو۔ میں اُن کے چرن چُھونا چاہتا ہوں......''

وُہ دُونوں بیک وقت اپنے باپ کی جانب تکنے لگے۔ چند لمحے تو فتح خان کی بُدھی میں نہ آیا کہ بچوں کو کیا کہے، جو اپنے باپ سے اِس کٹھن مرحلہ پہ مدد کے خواہاں تھے...... آپس کی دیکھا دیکھی اور خاموشی میں جب جھنجھلاہٹ کی کتھل پڑنے لگی اور راجہ نے بھی اِسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو ناگہاں اُس کے مُنہ سے نکل گیا۔

''ہاں ہاں اُپنے نانو بابا سے کہو...... مہاراج' آپ کے درشن کرنا چاہتے ہیں......''

یہ حُکم پاتے ہی بچے' بائیں جانب برآمدے کی جانب لپکے اور کونے کے ایک مٹکے میں اُتر گئے۔

فتح خان نے شاید راجہ کا دھیان ہٹانے کی غرض سے کہا۔

''آئیے' مہاراج! آپ کو خرگوشوں کے بِل دِکھاتا ہوں۔''

''یہ خاص خرگوش' سیاہ کھوجی خرگوش کہلاتے ہیں' یہ عام گھروں میں پائے جانے والے پالتو نمائشی خرگوشوں سے قطعی مختلف ہوتے ہیں اور اُن سے بھی جو جنگلوں وغیرہ کھلیانوں میں پائے جاتے ہیں۔ بِلّی کی جسامت رکھنے والے یہ سیاہ خرگوش' ناپید ہونے والی اک خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ دیکھا ہوگا کہ فاسد یا فالتو خون نکالنے کے لیے ماچھی' ماشکی لوگ' جونکیں جمع کرتے ہیں...... شکاری حضرات شکرے باز' شکرے' چیتے پالتے ہیں اور نقب زن' چور جو اپنے فن میں اُستاد کے درجہ پہ فائز ہوتے ہیں اُن کے ہاں جہازی قد و کاٹھ کے پالتو گوہ ہوتے ہیں جنہیں وہ بلند دیواروں پہ بطور کمند استعمال کرتے ہیں جدھر خاص طور پہ چوری کے لیے چڑھنا آسان نہیں ہوتا...... پاک و ہند کے اکثر مندروں کے کلسوں' مسجدوں کے گنبدوں میناروں پہ منڈھا ہُوا سونے کا پتر' بھی گوہ والے چور' سرقہ کرتے ہیں۔ اسی طرح تربیت یافتہ بندر' کوے' کچھوے' نیولے اور سانپ تک مختلف جائز ناجائز کاموں میں استعمال ہوتے ہیں...... ان میں سیاہ کھوجی خرگوش' صرف اور صرف زمین سے متعلق کھوج کی خدمات' زمین میں دفن اشیاء' پتھر' پانی معدنیات' رُخ' رستہ کے سلسلہ میں مد ثابت ہوتے ہیں۔ عام کھوجی اور خاص پاتال کھوجی بھی نہ صرف ان سے بیشتر معاملات میں رہنمائی لیتے ہیں بلکہ پال کر ان کی مناسب تربیت بھی کرتے ہیں۔''

راجہ بظاہر فتح خان کی باتیں اور ان سیاہ خرگوشوں کی گھاتیں' دیکھ اور سُن رہا تھا مگر اَندر سے دھیان' اس گوشۂ صحن کی جانب تھا جدھر پل جھپکتے دونوں بچے غائب ہو گئے تھے۔ راجہ نے اس کی باتوں سے صرف گوش کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بالک کدھر اُڑنچھو ہو گئے۔ کیا ان کے بابا اِدھر کہیں نیچے رہتے ہیں؟''

جی' مہاراج! اُن کے اصل ٹھکانے کا تو پتہ نہیں کہ کہاں رہتے ہیں لیکن نیچے مٹکے میں اُن کا استھان سا بنا ہُوا ہے' بچوں سے وہیں پہ بات چیت ہوتی ہے...... اور مَیں بھی فجر کی نماز کے بعد' وہیں پہ اُنہیں محسوس کرتا ہوں اور اگر ضروری ٹھہرے تو کچھ بات چیت کا اِذن بھی مل جاتا ہے لیکن اُنہیں دیکھنے کی شکتی نصیب نہیں

ہوئی۔''

راجہ ابھی اُس کی بات پہ کچھ غور ہی کر رہا تھا کہ دونوں بچے اسی کونے سے نکل کر سامنے آ گئے ...... آتے ہی اُنہوں نے راجہ کو سر نیہوڑ کر سلام کیا، پھر پیغام دیا کہ بابا نے آپ کو سلام کہا اور دُعائیں بھی دیں اور یہ بھی کہا کہ مجھے دیکھنے کا طریقہ فتح خان سے سمجھ لیں۔''

اتنا کہہ کر بچے پھر مٹکے میں اُتر گئے اور راجہ فتح خان کو استفہامیہ نظروں سے تکنے لگا......!

● فیروزہ وادیٔ نیل کا، جو آنسو اَبا نیل کا......!

کچھ دنوں بعد جب راجہ اپنے جنم دن کے جشن سے فارغ ہوا تو حسبِ معمول اُس نے قلعہ والے چندن دیول بھون، دُرگا مائی کے مندر میں اپنی خاص پُوجا کا اہتمام کیا تو بطورِ خاص اِس میں فتح خان کو شامل کیا۔ دُستور کے مطابق پُوجا میں سات سرکردہ منش شامل ہوتے...... شاہی خاندان کا بزرگ جو گنگا جل سے اشنان کرواتا...... مندر کا مہنت جو آرتی اُتارتا...... شاہی پروہت جو ڈنڈوت کرواتا...... چوتھا راج پتی جو بازو پہ جوشن باندھتا...... [illegible] پیش کرتا...... چھٹا، بھگتی وَنت جو پرانوں سے اشلوک پڑھتا، جس میں بدی اور نیکی کی اَلوکھے بیان کی ہوتی...... ساتواں راج پاٹ کا کوئی پرجن، جو اُسے سونے کی طشتری میں امبر دانہ (کہربا)، نیلا (نیلم)، مخونی (پکھراج)، مانک (یاقوت)، موتکم (موتی)، [illegible] گربھ (زمرد)، اور پیرج (فیروزہ) بھینٹ کرتا، جو اِن سات مہمان پُرشوں کی وفاداری اور پریم پریا کا اظہار ہوتا [illegible] ہر بار اِن سات پُرشوں میں ایک دو تبدیل ہو جاتے۔ نئے شامل ہونے والوں کے لیے اس تقریب کا حصہ بننا یقیناً بڑے مان و اعزاز کی بات ہوتی۔ یہی کیفیت فتح خان کی بھی تھی کہ اُس کے نصیب میں پرجن بننا لکھا جا چکا تھا۔

ایسی تقریب سے پہلے راجہ کے جنم دن پہ ہی اِن سات پُرشوں اور بھینٹ کے رتنوں کا انتخاب ہو جاتا تھا...... فتح خان کے لیے پیرج دانہ (فیروزہ) منتخب ہُوا۔ اِس اضافت و آفاقت کے ساتھ کہ وہ فیروزہ اَبا نیل کا آنسو ہو۔ اِس نے سُنا اور چکرا کر رہ گیا، سپاہی تھا، جوہری نہ تھا اور نہ ہی کبھی اَبا نیل کے آنسو کا نام سُنا تھا...... وُہ سیدھا جوہری بازار میں حسنو کٹائی والے کے ہاں پہنچا، ساری بات بتائی...... اِس کا جواب پا کر جو اُس کی سمجھ میں آیا وُہ بھی کچھ آسان نہ تھا۔

فیروزے دُنیا کے چند ممالک میں ہی دستیاب ہیں۔ فیروزوں کی کئی ایک اقسام اور تیز نرم رنگتیں ہوتی ہیں...... اِن کی آب تاب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ شفاف مسطح اور دراڑی بھی ہوتے ہیں۔ بیش قیمت

اقسام ہیں۔ شیرازی، کرمانی، مشہدی، حسنی حسینی، سلیمانی، نیشاپوری اور شجری مشہور ہیں۔ مرجان کے بعد اور مروارید سے پہلے یہ اپنی خواصی اثرات اور روحانی کیفیات کی بدولت صفِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ فیروزی رنگت اور شفافیت اس کے درجات بلند کرتی ہیں۔

''ابابیل کا آنسو'' کوئی باقاعدہ فیروزہ نہیں ہوتا ہے۔ یہ ہیرے کی کنی کی مانند، ایک انتہائی معدوم نقطہ سا دانہ ہوتا ہے۔ جو مصر کے جنوب مشرق کے علاقہ کی وسیع کانوں سے سُرخ رتیلے پتھروں سے چھنے ہوئے فیروزوں کے ساتھ کہیں برآمد ہوتا ہے۔ ایسا باریک بادن سا کہ باریک چھلنی سے بھی چھن کر نکل لے اور دکھائی بھی نہ دے۔ یہ باریک دانے کانوں کے علاقے کی آس پاس بُھربُھری ریت میں کہیں کنکروں میں چھپے ہُوئے بھی ملتے ہیں۔ ایسے دانے اگر حاصل ہو بھی جائیں تو وہ کچے ہوتے ہیں یا پھر بدرنگے...... تیز روشنی اور خشک ہَوا انہیں بے توقیر کر دیتی ہے۔ صحرائی ابابیلیں، جو اہراموں، مقبروں اور قدیمی قبرستانوں میں پائی جاتی ہیں، یہ فیروزہ دانے اُن کی من بھاوتی نعمت ہوتے ہیں، جنہیں وُہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر چگتی ہیں۔ مزے کی بات ہے کہ یہ دانے اُنہیں دن کے اُجالے کی نسبت شام کے جھٹپٹے اور رات کی تاریکی میں زیادہ واضح دکھائی دیتے ہیں...... اور یہ بھی کہ کوئی باطنی حس انہیں ریت کے نیچے بھی نگینوں کی موجودگی کی نشاندہی کرا دیتی ہے اور یہ سمندری قاز [illegible] یہ دانہ اس کی چونچ کی گرفت میں آجاتا ہے تو وہ اسے لے کر قدرے بلندی پہ پہنچ کر نیچے گرا دیتی ہے۔ پھر بجلی کی سی سُرعت سے نیچے جھکولا کھا کر غوطہ لگاتی ہے...... زمین ابھی بہت دُور ہوتی ہے کہ اسے فضا میں ہی جھپٹ کر اپنی زد میں لے لیتی ہے۔ اسے فضا میں یہ کھیل کھیلنا بہت پسند ہے شاید یہی وجہ کہ کعبے میں حملہ آوروں اور کرانڈیل جنگلی ہاتھیوں پہ اس پُراسرار پرندے کے ذریعے ننھی ننھی کنکریاں برسا کر انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا...... اس ''طائرِ لاہوتی'' کا ذکر، فرقان الحمید میں خصوصی طور پہ ہُوا...... مچھلیوں کے بعد کثرت سے اللہ کی حمد بیان کرنے والا یہی پرندہ ہے۔ اسے اللہ کا سپاہی، ہواؤں فضاؤں کی ماہی اور اَبدی راہوں کا راہی بھی کہتے ہیں۔ اس میں حسیت، سریت، محویت اور صالحیت سب پرندوں سے زیادہ ہوتی ہے...... اس کی اسی رُوحانیت کا اندازہ یُوں لگائیں کہ اللہ سبحانہ نے اس کا نام، قُدسیوں کی اسمائی حکمت کے شرف کے ساتھ عطا کیا...... جیسے جبرائیل، عزرائیل، اسرافیل، لومائیل، سمنکفیل، اجمبائیل، طاطائیل، ہموآکیل وغیرہ...... اَبابیل کا بسیرا بھی عجیب ہوتا ہے۔ مکڑی، نگس، بیا اور یہ...... کارخانۂ قُدرت میں ان کے کار بھی، اِک عجیب قُدرت و نُدرت کے حامل ہوتے ہیں۔

اَبابیل کے تمام تر بھید تو چند بھید بھرے لوگ ہی جانتے ہوں گے جنہیں مالکِ کُل نے اپنی حکمت کے خزانوں سے عُلوم اسماء ظاہریہ، باطنیہ، مخفیہ کے ساتھ تفکر و تدبر اور قضاء و قدر کی فہامت عطا فرمائی...... اَبابیلوں کے بسیرے اور پہرے وہاں ہوتے ہیں جہاں پہ نُورانی رُوحانی استھانوں کی عملداری اور نگہداری ہوتی

ہے...... مزار، مقبرے، بزرگوں کے ڈیرے، مسجدیں، پرانی حویلیاں، باؤلیاں، مینار، پل، قبرستان، ویرانے وغیرہ...... ان جگہوں پہ یقیناً ظاہری یا پردہ داری میں کسی نہ کسی برگزیدہ ہستی کا ٹھکانا ہوتا ہے اور یہ آفاقی پرندے اُن کی نورانی خوشبو میں مست، قادرِ مطلق کی ثنا میں رطب اللسان رہتے ہیں۔''

فتح خان نے حسو کٹائی والے سے ابابیل کے آنسو کی بابت بات کی تو اُس نے ایسی ہی حیرت کا اظہار کیا جیسی پہلے دن کی ملاقات میں قیمتی نگینے دیکھنے پہ کیا تھا۔ چائے پانی کے بعد پوچھنے لگا۔

''خان صاحب! کیا اب ابابیل کے آنسو بھی کہیں سے ہاتھ لگے ہیں؟''

''نہیں...... ہاتھ نہیں لگے بلکہ اب مجھے اُن کی اشد ضرورت ہے۔''

اب اُس نے تفصیل سے ساری کتھا سنائی کہ راجہ کو اُن کے شُبھ دن پہ بھینٹ کرنا ہے...... اب حسو نے اُس سے پوچھا۔

''کیا تم نے پہلے کبھی ابابیل کے آنسو کا نام سنا ہے......؟''

فتح خان نے منہ سے کچھ بولنے کی بجائے بڑے حلوہ کدو سا سر نفی میں ہلا دیا۔

اب حسو بولا۔ ''برادرم! کچھ چیزوں کے محض نام مشہور ہوتے ہیں یا پھر پرانی کہانیوں قصوں میں ان کے عجیب و غریب [illegible] ...... یہ الف لیلیٰ، قصہ چہار درویش، طلسم ہوشربا، جن پریاں، دیو، آبِ حیات کا کنواں، ہما پرندہ، پارس پتھر، کوہ قاف، اڑن کھٹولے، سلیمانی ٹوپی وغیرہ...... اسی طرح چیتے یا شیر کی مونچھیں، پتوؤں کے انڈے...... چھپکلی کے پھیپھڑے، مچھر کا مغز، اُلو کی اوجھری اور ابابیل کے آنسو بھی ہیں......'' وہ رازداری کے لہجہ میں قریب ہوتے ہوئے بتانے لگا۔

''ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ابابیل کے آنسو ایک دو بار میں نے بھی دیکھے ہیں...... ایک بار بجنور کا ایک جوہری فروخت کی خاطر اِدھر لایا تھا...... اس کے بعد کہیں دکھائی نہیں دیئے...... ویسے میرے خیال میں یہ عام خرید و فروخت کی چیز بھی نہیں......''

''یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں۔ اسی لیے مشورہ کی خاطر یہاں آیا کہ اس کا کوئی اُپائے کرو۔''

''پتہ کرتا ہوں مگر فائدہ کچھ نہیں ہوگا۔ طرح طرح کے ہزاروں پتھر نگینے یہاں کٹائی صفائی کے لیے لائے جاتے ہیں۔ اب مجھے پچاس سال اس نگینہ سازی میں ہو گئے مگر کبھی اس عجوبہ نگینے کی صفائی کٹائی کا موقع نہ ملا۔'' کچھ دیر گہری خاموشی کے بعد پھر کہنے لگا۔ ''تم شاید نہیں جانتے کہ ابابیل کا آنسو زینت و قیمت کے علاوہ رُوحانی مقاصد اور خیر و برکت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ راجہ کو کہیں اس کے تصرفات کا پتہ چل گیا ہوگا جبکہ قیمتی نگینوں اور تمہارے بزرگ سُسر کے بارے میں بھی وہ بہت کچھ جان چکا ہے۔ اب اس جانکاری کے بعد وہ کیسے نہیں چاہے گا کہ تمہاری وساطت سے اس نادر نگینے کو حاصل نہ کرے......''

"تمہاری تمام دُرست باتوں کے ساتھ' میری یہ بات بھی دُرست ہے کہ مجھے یہ نگینہ ہر قیمت پہ چاہیے۔ راجہ نے اِس کا قرعہ میرے نام نکالا ہے...... جبکہ دوسرے چھ لوگوں کے لیے ایسے جواہر منتخب ہوئے جو قابلِ حصول ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ راجہ نے اِس آزمائش کے لیے میرا ہی اِنتخاب کیوں کیا ہے؟"

"جیسے تم نے بھی میرا اِنتخاب کیا تھا۔"

فتح خان نے اُس کے برجستہ جواب کا مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"بھائی! وہ تو صبح صبح کا سمے تھا...... تمہاری دوکان نمایاں سی کھلی ہوئی نظر آئی...... تم سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہے تھے۔ میں پل کی پل رُکا' تم نے مجھے اُوپر آنے کی دعوت دی کہ بازار میں خاکروب اور سقہ صفائی اور چھڑکاؤ کر رہے تھے۔ بس' یہ سب کچھ آپ سے آپ ہی ہو گیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اِس ملاقات میں ہم دونوں کا دانستہ کوئی عمل دخل ہو......"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو...... رحمٰن جب مزید رحم فرمانے پہ آتا ہے اور جب رحمت کی میگھا رم جھم برستی ہے تو سارے سبب خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ آزمائشیں بھی تو اِک لاڈ دُلار کی صورت ہوتی ہیں۔ تمہیں راجہ نے آزمائش میں ڈالا...... یقیناً اِس ساری کتھا میں تمہارے لیے بہتری خیر کے فیصلے ہیں۔ ایک [illegible] دن مجھے دو میں کچھ لوگو [illegible] تھا اور وہ اُس کی گمشدگی کا ڈھنڈورہ شہر میں پٹوا رہا تھا...... ارے بھئی' جواہرات کے مہاراجہ' گھر میں براجمان ہیں...... اُن کے چرن لگوا [illegible] کے آنسو کیا' پوری کی پوری اَبابیل ہی مل جاوے گی۔"

پٹھان پٹھان تھا' اپنے باغ میں اَخروٹ' خوبانیوں کے مغز' چھلکے علیحدہ علیحدہ کرتا ہوا گھر اُٹھ آیا۔

اگلے روز صبح نماز کے بعد حسبِ معمول اُن دونوں کی ملاقات ہوئی جھجکتے جھجکتے مُدعا بیان کیا۔

بابا نے فرمایا۔ "اَبابیلوں کے بچے گھونسلوں سے باہر نکلنے کے لیے پھڑ پھڑا رہے ہیں کئی ایک خود بخود نیچے بھی گر پڑتے ہیں...... خرگوشوں کے بچوں نے معصومیت کی رَوئیں بکھیر رکھی ہیں۔ ایسے میں اِن دونوں بچوں کی بھی خوب موج لگی ہوئی ہے...... بس ذرا ہاشم خان سے شفقت محبت سے جُڑے رہو...... اگر اُس کے جی میں آئے اور وہ تمہیں کہیں کوئی اَبابیل یا اُس کا بچہ دے تو وہ لے لو...... رات بھر کسی کابک میں دانہ دُنکا ڈال کے مہمان رکھو۔ اگلی صبح اگر کابک میں کہیں فیروزہ کا دانہ دکھائی دے جائے تو تمہارا مقدر...... ورنہ؟"

اِن دنوں تو پچھواڑے صحن میں واقعی ہر شے پہ بہار اُتری ہوئی تھی...... جھاڑیاں' پودے' جھاڑ درخت' پرندے' خرگوش اور اَبابیلیں...... چہکار' سرگوشیاں' سیٹیاں...... اک عجیب سا جلترنگ' جیسے پورا ماحول گنگنا رہی ہو...... نماز' تلاوت اور قدرے آرام کے بعد' گھر کا سودا سلف لانے کے لیے بازار نکلنے لگا تو دونوں بچے بھاگے بھاگے پاس آ گئے۔

''بابا! ہمیں پرندے رکھنے کے لیے کابک لا کر دو......''

کابک اور پرندے کا سنتے ہی اُسے صبح نماز کے بعد اپنے سُسر سے ہونے والی گفتگو یاد آ گئی...... بازار سے واپسی ہوئی تو دوسرے گھریلو سامان کے علاوہ پتلی قمچیوں سے بنی ہوئی ایک سبک سی کابک اور بہت سے کھلونے بھی اس کے ساتھ تھے۔ بچے پچھواڑے اپنے کھیل کود میں مصروف تھے...... کھیل کود تو اُن کی پہلے بھی ہوتی رہتی تھی مگر اس حویلی میں منتقلی کے بعد اُن کے کھیل کود کی ترجیحات تبدیل ہو کر رہ گئی تھیں...... کنچے گم اور ابابیلوں' خرگوشوں کے بچوں سے کھیلنا زیادہ ہو چکا تھا...... لگتا تھا ابابیلوں اور خرگوشوں نے اپنے بچوں کے پالنے پوسنے کا فریضہ ان بچوں کے سپرد کر دیا ہوا ہے۔

فتح خان' انہیں کھوجتا ہوا پچھواڑے نکل آیا...... اِدھر کی دُنیا ہی کچھ اور تھی اُجالوں نکہتوں اور رنگتوں نے اپنے باطن کشادہ کیئے ہوئے تھے لگتا تھا جیسے گلشنِ ارم کا کوئی گوشہ' اِدھر نمونے کے طور اُتار دیا گیا ہو...... اِدھر اُدھر دیکھا جب بچے کہیں دکھائی نہ دیئے تو آواز دی۔

''ہاشم خان قاسم خان میرے پاس آؤ۔ میں تمہارے لیے کابک لایا ہوں۔''

بچے تو جیسے کہیں ناک تلے ہی دھرے تھے۔ آواز سنتے ہی حجلے سے باہر نکل کر باپ کی جانب لپکے...... ہاشم خان کے ہاتھ میں ابابیل اور قاسم خان [illegible] تھی [illegible] بار کے تھے۔ خوبصورت رنگین کابک یقیناً ابابیلوں کے لیے نہ تھی۔ ابابیل اور ان کے بچے انسانی دسترس میں [illegible] کے پرندے نہیں...... ایسی نازک سی کابکیں رنگین چڑیوں' کوئل یا تیتر طوطوں کے لیے ہوتی ہیں...... کابک کی تیلیوں میں رنگین کانچ کے [illegible] اوپر کلس پہ پیتل کا آنکڑا ریشم کے پھندنے...... اندر گنبد سے لٹکی ہوئی گھنٹی اور بیٹھنے کے لیے جھولا...... بچے آنکھیں مٹکا کر اس کابک کا جائزہ لے رہے تھے اور فتح خان من ہی من میں خوش ہو رہا تھا کہ بچوں نے کابک کو اذنِ پسندیدگی دے دیا ہے۔

اچانک ہاشم خان نے ابابیل والا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''لے بابا ابابیل...... اسے کابک میں ڈال لو۔''

فتح خان نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے بڑے میکانکی انداز میں سہمی ہوئی ابابیل کو اُس کے ہاتھ سے لیا اور کابک کی کھڑکی انگوٹھے سے کھولتے ہوئے اسے اندر ڈال دیا۔ ابابیل نے پر پھیلاتے ہوئے انگڑائی توڑی' ایک آدھ چکر لگایا اور جھکائی لے کر جھولے پہ بیٹھ گئی...... بچے دیکھ دیکھ خوش ہو رہے تھے۔

فتح خان کی آنکھیں تو یہ سامنے کے منظر ملاحظہ کر رہی تھیں مگر دماغ اُدھر اُس بھید بھرے اشارے کو صحیح سے سمجھنے کی سعی کر رہا تھا جو افغانی بابا نے صبح حاضری سے اس پہ القا کیا تھا کہ ابابیل کا آنسو کے حصول کے لیے کیا امکان ممکن ہے...... اور یہ پُراسرار باریک نکتہ بھی حدِ ادراک سے باہر تھا کہ ایک معدوم الوجود سے فیروزے کا

کسی اَبابیل سے کچھ تعلق ہو سکتا ہے اور اِسے اَبابیل کا آنسو کیوں کہتے ہیں؟

یہ سپاہی تھا...... کیمیا یا حکمت دان نہیں جو یہ جانتا ہو کہ جواہرات کا منبع و ماخذ محض سمندر، دریا، پہاڑ، صحرا، میدان ہی نہیں چرند پرند درند، دیگر جاندار اور نباتات و اشجار بھی ہوتے ہیں۔ غیر معمولی بصارتی تب و تاب رکھنے والے والے پرندے از قسم شاہین، شکرا، چیل، چکور، اَبابیل، ہُد ہُد، کیمیں مرغ، مُرغابی، مُرغ خاکی...... گھڑے، گرم اور نیلے پانیوں کی مچھلیاں کچھوے...... کوہستانی علاقوں کے نیل کنٹھ، چکاری چڑیاں، مارخور، عقاب...... شیش ناگ، نیولے، صحرائی گوہ کے پیٹ پوٹوں اور سر کی ہڈی میں ایسے سنگ دانے دستیاب ہوتے ہیں جن کا شمار جواہرات میں ہوتا ہے...... متعدد پرندوں کے گھونسلوں میں بھی قیمتی پتھر ملتے ہیں۔ جنگلوں میں گھومنے والے شکاری لوگ، اس راز سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اکثر ان پتھروں کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ زیرِ زمین حشرات الارض کے بلوں اور کھوکھلی بونوں بالشتیوں، حتیٰ کہ خرگوشوں اور کیڑوں مکوڑوں کی کھڈوں میں بھی قیمتی سنگ دانوں کے شب چراغ پائے جاتے ہیں...... اساطیر کے قصوں کہانیوں اور دیومالائی کتھاؤں میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جس سے ہمیں ان کی پُراسراریت، افادیت اور کرشماتی اثرات کا اندازہ ہوتا ہے۔

سواحلی علاقوں کے ماہی گیر، غوطہ خور، سیپیاں اور گھونگے، سمندری جھاڑ اور کائی کا کاروبار کرنے والے اکثر ایسی مچھلیاں شکار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جن کے پیٹ اور پتے سے قیمتی موتی اور سنگ ماہی مل جاتے ہیں...... بگلوں اور سمندری مرغابیوں کی بیٹوں اور اُگلے سے بھی کبھی کبھی قیمتی جواہر دانے مل جاتے ہیں۔ بعض سانپوں کے معدے سے بھی قیمتی دانے نکلتے دیکھے ہیں۔ اکثر چیلوں کے گھونسلوں سے ماس نکلے نہ نکلے۔ سونے چاندی کا کوئی زیور، انگوٹھی یا قیمتی موتی کبھی مل جاتا ہے۔ آپ کے لیے یہ چھوٹا سا واقعہ، درِ حیرت کھول دے گا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

وارسک ڈیم بن رہا تھا۔ میں نے کسی نہ کسی طور وہاں الیکٹریشن کی نوکری حاصل کر لی تھی جبکہ بجلی کی الف بائے سے بھی میں واقف نہیں تھا۔ چرب زبانی، جھوٹ مکاری اور اداکاری سے میں نے سادہ لوح مقامی پٹھانوں میں اچھی خاصی ''عزت سادات'' پیدا کر لی تھی۔ چھوٹی سی شرعی داڑھی، سر پہ ٹوپی، ڈھیلے ڈھالے کپڑے، ملائم لہجہ، موقع محل کے مطابق چربیلی گفتگو...... دکھاوے کا نماز روزہ اور ظاہری پرہیز گاری...... اللہ معاف کرے، تھوڑے ہی عرصہ میں ''میں'' شاہ صاحب کے لاحقہ سے خاصا مشہور ہو گیا۔ دم درود، پھونکے جھاڑے، تعویذ گنڈے بھی چلنے لگے۔ اب یہ عالم کہ محض خانہ پُری کے لیے ورکشاپ جاتا اور سارا دن پاؤں دبواتا رہتا...... نہ کام نہ کوئی پوچھ پڑتال، تنخواہ تھی کہ مع اوور ٹائم بونس ہر ماہ سیدھی میری جیب میں پہنچ جاتی یعنی راوی میرے لیے عیش ہی عیش لکھتا تھا...... چلیے، اب اس اجمال کا دوسرا رُخ دیکھتے ہیں یہ سچ ہے کہ اس نوکری

کو حاصل کرنے کے لیے میں نے جعلی اسناد پیش کی تھیں جبکہ میں فیوز لگانا بھی نہیں جانتا تھا کہ گھر میں مٹی کے تیل کی لالٹین جلا کرتی تھی...... اس حالت یا مقام تک پہنچنے کے لیے میری کسی خاص کوشش کو بھی دخل نہیں تھا بلکہ زیادہ تر قصور پٹھانوں' اُن کے عقیدے' توہمات اور کچھ میرے سیالکوٹی دوستوں کا بھی تھا جنہوں نے مجھے سیدزادہ اور پہنچا ہُوا درویش بنا کر وہاں مشہور کر کے اپنے اُلوؤں کو سیدھا کیا تھا یا پھر ایک ایسا بھید بھرا واقعہ جس میں میرا کوئی کمال نہیں تھا بس اِک بہانہ بن گیا جس سے میں کچھ اور مشہور ہو گیا۔ یہ بھی اُڑا دیا گیا تھا میرے ہاں موکلات کی حاضری ہوتی ہے۔

● لا میری مچھلی مونگا موتی......!

ہُوا یوں کہ ہماری الیکٹرک شاپ کا ایک مزدور' جس کا تعلق علاقہ غیر سے تھا' ہمارے ساتھ والے خیمہ میں رہتا تھا۔ غریب اور شریف سا یہ پٹھان' تیس بتیس برس کا ہوگا۔ دوسرے مقامی لوگوں کی طرح یہ بھی توہمات کا مارا ہوا' پیروں فقیروں کا دیوانہ' وہ دولت حاصل کرنے کا بے پناہ خواہشمند تھا۔ اُسے اپنے قبیلے سے باہر کسی دوشیزہ [illegible] رکھی گئیں جنہیں پورا کرنے کے لیے اسے ایک اچھی خاصی رقم درکار تھی اور یہ رقم اس کی اوقات اور سوچ سے کہیں باہر تھی مگر وہ جو کہتے ہیں کہ عشق تو ایسے ایسے معرکے بھی طے کروا لیتا ہے جو حدِ امکان سے کہیں باہر ہوتے ہیں۔ اس عاشقِ صادق نے مایوسی کو [illegible] ہوئے اور اپنے پیار کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے مہلت مانگی اور فرہاد کی طرح محنت کا کدال اور محبوبہ کی محبت [illegible] کی خاطر اپنے گاؤں سے باہر نکل آیا...... وارسک ہی ایک ایسی جگہ تھی جدھر قدرے معقول آمدن ہو سکتی تھی۔ پڑھا لکھا یا کوئی ہنرمند تو تھا نہیں...... دیہاڑی دار مزدوروں میں اسے جگہ مل گئی...... تنخواہ کے حساب سے کہ وہ اس میں ایک پیسہ خرچ کیے بغیر جمع کرتا رہے تو پندرہ برس کا لمبا عرصہ درکار تھا۔ اس وقفہ کو کم کرنے کی خاطر یہ عاشقِ صادق اپنی پوری کی پوری تنخواہ کہیں محفوظ کر لیتا۔ اپنی روٹی پانی نسوار پوری کرنے کے لیے وہ اِدھر اُدھر کے کام کرتا رہتا۔ ڈیوٹی کے بعد کسی ہوٹل چائے خانے میں برتن صاف کرنے پہ جُت جاتا۔ ہر ہفتہ چھٹی کے روز طورخم چکر لگا لیتا وہاں سے لوگوں کی ضرورت کا سامان لے آتا...... اس طرح کے چھوٹے موٹے اوپر کے کاموں سے وہ اپنے مصارف پورے کر لیتا...... میری نام نہاد شہرت اُڑنے پہ اس کا میری جانب رجوع لازم تھا کہ میں اس کا ہمسایہ بھی تھا۔ سو وہ میرا بھی جھولی چُک بن گیا...... چھوٹے موٹے کام' کھانا لانا' خیمے کی صفائی ستھرائی' کپڑے دھونا' پاؤں دابنا...... غرضیکہ پوری طرح اس نے مجھے اپنی "خدمات" کے حصار میں محصور کیا

ہوا تھا۔ مَیں یونس خان کی ظاہری باطنی' ساری کیفیات سے خُوب واقف تھا۔ خُوب سمجھتی وُہ مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ بار ہا کوشش کے باوجود' مَیں اُس کے دِل و دماغ سے اپنے بارے میں خوش فہمی نکال نہ سکا...... کئی بار اُسے دلیل دے کر سمجھایا کہ اگر مَیں ایسا ہی دوسروں کے حالات بدلنے پہ قادر ہوتا تو خود اپنے حالات دُرست کیوں نہیں کر لیتا۔ چودہ روپے دیہاڑی پہ پردیس میں جھک کیوں ماروں...... مگر اُس کی کھوپڑی میں بھیجا کی جگہ کوئی وَٹّہ تھا جو اس کی عقل پہ پڑا ہُوا تھا۔ بس ایک ہی رَٹ...... مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے مَیں جلد سے جلد اِتنی رقم حاصل کر سکوں کہ میری شادی ہو جائے۔ اُسے خدشہ تھا اُس کی محبوبہ کا باپ کہیں رشتہ دینے سے اِنکاری نہ ہو جائے...... جُوں جُوں مَیں اُسے سمجھاتا تُوں تُوں وُہ اور پُراُمید ہو جاتا کہ مَیں ہی اُس کی یہ شادی والی مُشکل کو حل کر سکتا ہوں۔

''شاہ صیب! آپ ہم کو کوئی تعویذ وِیذ بھی لکھ دو۔'' وُہ میرے سامنے بیٹھا' اخروٹ کی گِریاں نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مَیں نے اُسے گھورتے پُوچھا۔ ''کیسا تعویذ؟...... مَیں کوئی تعویذ وِیذ نہیں لکھتا۔''

''شاہ صیب! خفا نہ ہوں۔ مَیں کوئی شیطانی تعویذ نہیں مانگتا۔ بس' کوئی ایسا تعویذ' جس سے بہت سا پیسہ مل جائے' شا[illegible] ہی اُس نے جیب سے ایک مُڑا تُڑا کاغذ کا ٹکڑا میرے سامنے کرتے ہوئے مزید بتایا۔ ''یہ تعویذ' مردان کے ایک پیر صیب نے دیا تھا۔ اَب ایک آپ بھی دے دو......''

تعویذ پہ غالباً ایسے ہی کچھ لکھا تھا۔

''دِل کے دَروازے پہ گھیرا پڑا یٰسین کا' مجھ کو میرا محبوب مِلا دو' صدقہ مُحی الدین کا''

بے ساختہ میرے مُنہ سے لاحول ولاقوۃ نکلا...... یہ کیا جہالت ہے۔

''شاہ صیب! اس تعویذ نے بہت کام کیا ہے۔ مَیں ہر روز' آدھی رات دریا کے کنارے پانی میں دائیں ٹانگ پہ کھڑا ہو کر اُنیس بار' یہ تعویذ والا کلام پڑھتا ہوں۔''

مَیں نے قہر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پُوچھا۔

''کیا تمہاری محبوبہ کے گاؤں میں دریا ہے؟...... اور تم یہ اُنیس مرتبہ کیوں پڑھتے ہو...... بیس یا اکیس مرتبہ کیوں نہیں؟''

''شاہ صیب! ہماری محبوبہ کے گاؤں میں دریا نہیں پتھر ہی پتھر ہے اور شگفتہ جان اُنیس برس کی ہے' ہم بیس یا اکیس بار کیسے پڑھ سکتا ہے...... بس' ایک تعویذ ایسا بنا دو کہ کہیں سے اتنی رقم مِل جائے کہ میری شادی بن جائے۔''

مَیں اِس حقیقت سے خُوب واقف ہوں کہ کسی پڑھے لکھے سردار اور اَن پڑھ خان سے کسی معقول بات کی تصدیق کروانا کتنا دُشوار عمل ہے...... یہ شادی کا مارا ہُوا پٹھان' میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہُوا تھا۔۔۔ مجھ سے دولت کے حصول کے لیے تعویذ مانگ رہا تھا' مَیں اُسے کیسے بتاتا کہ مجھے خُود کتنے لوگوں کا قرض دینا ہے۔ ان قرض خواہوں سے مُنہ چُھپا کر ہی تو اِدھر بھاگ آیا تھا......!

اُس کے رجن بَجھنے سے تنگ پڑ کر اور جان چُھڑانے کی خاطر مَیں نے اُسے رازداری کے لہجے میں بتایا کہ آدھی رات آگے آدھی پیچھے' دریا کے کنارے کسی پتّھر پہ بیٹھ کر اپنی اور محبوبہ کی عمر کی تعداد جمع کر کے ''لا میری مچھلی مونگا موتی'' کا وِرد کرنے کے بعد اِس کی صُورت تصوّر میں لا کر' مچھلی پکڑنے کی کانٹا ڈوری دُور دریا میں پھینک دینی ہے...... اگر مچھلی پھنس جائے تو مچھلی کا پیٹ چاک کر کے اُس کے معدے کی آلائش میں کوئی سنگ دانہ تلاش کرے۔ تمہاری شادی کی رقم کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مچھلی صرف ایک پکڑنی ہے اور اگر مچھلی کانٹے میں نہ لگے یا معدے سے کچھ برآمد نہ ہو تو اِس وقت تک یہ عمل جاری رکھنا ہے جب تک گوہرِ مقصود حاصل نہ ہو جائے۔

قارئین! یہ سارا ڈرامہ مَیں نے اُس سے اپنی جان کی اَمان پانے کی غرض سے کیا تھا...... بظاہر تو مَیں مطمئن ہو [illegible] اور [illegible] یونس خان کی ترجیحات تبدیل ہو چکی تھیں...... دن بھر میں بس ایک آدھ بار ہی مسجد یا خیمہ میں رُونمائی ہوتی...... مَیں خوش تھا کہ میری ''جان چھڑائی'' کی ترکیب کامیاب ہوئی۔ اَب مَیں اکثر رات کو اُٹھ کر دریا کی جانب ہو لیتا' اُسے دُور سے دیکھتا' شوریدہ دریا میں ڈوری ڈالے پتّھر پہ بیٹھا ہوتا...... واہ رے عشق یا حماقت تیرے ڈھنگ رنگ نرالے ہیں...... مَیں چند لمحے دُور کھڑا افسردہ رہتا اور پھر واپس خیمے میں لوٹ آتا۔

اُنہی دِنوں' مَیں بیمار پڑا تو چند روز آرام اور گھر والوں سے ملنے کی خاطر' سیالکوٹ چلا آیا۔۔۔ گھر پہنچا تو آرام اور ملنے ملانے کے لیے تھا...... مگر نزلہ زکام ایسا بگڑا کہ سینہ اور دَم جکڑ کر رہ گیا...... پندرہ بیس روز بعد واپس وارسک پہنچا تو بے شمار تبدیلیاں میری منتظر تھیں...... نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ یونس خان' یہاں سے جا چکا تھا۔ جانے کی وجہ تو معلوم نہ ہو سکی...... اُڑتی اُڑتی خبر یہ تھی کہ اچانک وہ امیر ہو گیا' اِدھر کی معمولی نوکری مزدوری پہ خاک ڈال کر اپنے گاؤں واپس چلا گیا۔ پشاور سے بہت سا قیمتی عروسی سامان بھی اپنے ساتھ لے کر گیا ہے...... میرے طوطے اُڑ گئے' یہ کیا ہو گیا؟ واقعی کوئی موتی مونگا ہاتھ لگ گیا یا کہیں اور سے مال ہاتھ آیا۔ چند اور لوگوں سے بھی اندر کی بات دریافت کرنے کی کوشش کی مگر کچھ صحیح سے معلوم نہ ہو سکا۔ کچھ دِنوں کے بعد میں بھول بھی گیا کہ یونس خان نامی کوئی بندہ' میرے پاؤں دابا کرتا اور میرے لیے اُوپر کے کام کرتا تھا۔۔۔ شاہ صیب' شاہ صیب کہتے کہتے وہ عقیدت سے شرابور ہو جایا کرتا تھا۔ اَب پھر وہی نزدیک و دُور' دن رات

بھاری مشینوں کی گڑگڑاہٹ، دریا کا شور، ہوٹلوں، چائے خانوں اور خیموں کی دُنیا......"

ہاں میں بتا رہا تھا کہ مجھے شاہ صیب بنا کر مشہور کر دیا کہ میرے قبضے میں ہوائی چیزیں ہیں۔ میں بھی وہاں اچھی نوکری اور عزت شہرت حاصل کرنے کی خواہش کے پیشِ نظر خاموش تھا۔ دریائے کابل کنارے ایک خیمہ میرے تصرف میں تھا۔ پاس ہی مسجد اور پیچھے ڈھلوان کے اُدھر رفع حاجت اور طہارت کے لیے مناسب سی اَوٹ تھی۔ اس ڈھلوان سے سو قدم آگے دُوہری خاردار آہنی باڑ اِستادہ تھی جس پہ نمایاں سی پشتو، اُردو اور انگریزی میں ہدایات لکھی تھیں کہ اِس سے دوسری جانب علاقہ غیر ہے۔ وَارسک پروجیکٹ میں کام کرنے والے ملکی غیر ملکی کارکنوں کو واضح طور پہ خبردار کیا جاتا ہے کہ وہ اس حد کی دوسری جانب جانے سے قطعی گریز کریں۔ اس اِنتباہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کی جان و مال کی کمپنی ہذا ذمہ دار نہ ہوگی...... سُرخ رنگ کی یہ سنسنی خیز تحریر ہم بڑے خوف و استعجاب کی کیفیت میں پڑھا کرتے اس دوران باڑ کی دوسری جانب بھی دیکھا کرتے جدھر خشک پہاڑ، تپتے پتھروں اور جلے بھُنے جھاڑ جھنکاڑ کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہ دیتا...... انسان تو انسان، کوئی پہاڑی جانور پرندہ تک نظر نہ آتا...... سوچا کرتے یہ کس طرح کا علاقہ غیر ہے کہ اُدھر کی کوئی چیز، منظر، موسم، زمین، آسمان کچھ بھی تو غیر دکھائی نہیں [illegible] کرتے اُدھر بڑے خونخوار پٹھان رہتے ہیں...... قتل و غارت [illegible] بردہ فروشی [illegible] اور لوٹ مار ان کا کاروبار ہے۔ [illegible] طرح اُس پار کوئی ایسا خونخوار انسان دکھائی دے جائے مگر کوئی نظر نہ آیا۔ یار دوست بتاتے، رات تاریکی میں اُدھر سے پٹھان آتے ہیں اور اِدھر کمپنی کے بڑے بڑے غیر ملکی اہم افراد کو اغوا کر کے علاقہ غیر لے جاتے ہیں پھر اُن کی رہائی کے لیے بڑی بڑی رقموں کا تقاضا کرتے ہیں...... ہمیں بھی شُنید تھا کہ وہ مقامی اور اپنے مسلمان پاکستانیوں کو چنداں پریشان نہیں کرتے کہ ان کے اغوا سے اُنھیں نہ تو کچھ حاصل ہوتا اور نہ ہی خوشی ہوتی بلکہ اُلٹا اُنھیں کھلانا پلانا پڑتا۔ اسی خوش فہمی کے پیشِ نظر ہم ایسے اَوسط درجے کے ہزاروں کارکن بڑی آزادی سے کھلی ڈُھلی زندگی بسر کرتے تھے۔ جدھر جی چاہا ڈیرہ جما لیا۔ جہاں مَن ٹُھکا ٹینٹ تمبو ٹھوک لیا...... پٹھان پنجابی ہوٹل، قہوہ خانے، چھوٹی موٹی دوکانیں...... اک عجیب سا گنگا جمنی ماحول تھا کہ پردیس میں اپنوں سے الگ دُور رہ کر روزی کمانا اور پھر خود کو مصروف و مسرور رکھنا کچھ ایسا سہل بھی نہیں ہوتا۔

دریائے کابل کا کنارا، جدھر ہم بجلی والوں کے چند خیمے، چھوٹی سی مسجد، چھپّر کباب ہوٹل، چائے خانہ تھا۔ بڑی شاداب اور خوشنما جگہ تھی...... دریا یہاں سے سمٹ کر پہلو تہی کرتا ہوا گزرتا تھا۔ دھوپ میں سپید جھاگ اُڑاتا ہوا پانی، اُچھلتی پھدکتی مچھلیاں، لہراتی بل کھاتی کھُمن گھیریاں بڑا دلنواز منظر پیش کرتی تھیں...... چمکدار پھسلواں گول پتھروں گیٹوں پہ، پانی میں پاوں لٹکا کر بیٹھنا بڑا تسکین آمیز ہوتا...... ذرا آگے بڑھ کر

مچھلیاں بھی پکڑی جا سکتی تھیں…… کانٹوں بھری مچھلیاں، کھانے میں مشکل مگر لذت اور غذائیت میں لاجواب!

زندگی محض حلوہ اور کھیر فرنی کی طرح ہی نہیں ہوتی…… تمنجن، چاٹ اور چٹنی کی مانند بھی ہوتی ہے کہ میٹھے کے ساتھ کھٹے، نمکین، کڑوے اور کسیلے سب سواد شامل ہوتے ہیں۔ انسانی زندگی میں ہمہ رنگی ہمہ جہتی توازن و تنوع نہ ہو تو انسان وحشی یا پاگل بن کر رہ جائے۔

اکثر مواقع پہ مجھے احساس ہوتا ہے کہ بوجوہ میرے اجزائے ترکیبی میں اربعہ عناصر کے علاوہ بھی اِدھر اُدھر کے کچھ معقول و منقول عناصر بدرجہ اُتم شامل کر دیئے ہوئے ہیں۔ میرے چہار عناصر کے حصارِ ترکیبی میں میری طبع ٹکے نہیں رہتی۔ مٹی کی معجون گِل چاٹ کر توچت پڑے رہنا چاہیے…… مگر میرا جی پھر افلاک پہ ستارے پھانکنے کو چاہتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی کنواں، تالاب یا آب جُو مجھے پانی پانی نہیں کر پاتے تو پھر کوئی قلزم بے کنار اپنی جانب کھینچ لیتا ہے…… پھونکوں سے کچھ چراغ نہیں بجھتے، اُن کے لیے آندھیاں جھکڑ چلائے جاتے ہیں…… خرمنِ قلب و جگر، چنگاریوں سے جلا نہ پکڑیں تو ان کے لیے بڑا اہتمام کسی نارِ نمرود کا ظہور ہوتا ہے۔ تغیر، رد و بدل، اُلٹ پلٹ، چکر پھیر…… میں ہمیشہ ان کی زد و مد میں رہا۔ کبھی سمجھ میں نہ آیا کہ میں اصل کیا [illegible] ہے جب بھی جھانک کر اپنے [illegible] اندر [illegible] کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ اپنے اندر کنوئیں میں جب بھی کوئی سوال پھینکا تو بھی محض [illegible] ہی جواب [illegible] سنائی دیا۔

یہی کچھ اس رات بھی ہوا…… خیمے کے دو ساتھی، کچھ دنوں کے لیے چھٹی پہ پنجاب گئے ہوئے تھے۔ آلومہار کا صفدر علی اور میں پورے خیمے میں کھلے ڈُلے لیٹے ہوئے ٹیپ ریکارڈر پہ غلام فرید صابری کی قوالی ''بھر دو جھولی میری یا محمد'' سن رہے تھے [illegible] کے جھنگنے کے ساتھ ساتھ پہلو میں بہنے والا ''بابا کابل'' بھی مترنم خراٹے توڑنے لگا تھا جبکہ کوہستانی سرسراتی ہواؤں کی سیٹیوں نے بھی اِک الگ سے سماں باندھا ہوا تھا۔ لگتا تھا دریا، ہوا، فضاء سب قوالی سننے میں مگن ہیں…… اچانک خیمہ کے باہر پتھروں پہ کسی کے چلنے کی آواز اُبھری…… چند لمحوں کے بعد غیر مانوس سی انسانی آوازیں بھی سنائی دیں۔ لگتا تھا کچھ لوگ خیمہ کے باہر کھڑے آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔ میں نے صفدر علی کی ٹانگ کو ہلایا مگر وہ تو گھوڑے بیچ سویا پڑا تھا…… اُٹھنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ دو لمبے تڑنگے انسان، اسلحہ سے لیس، اندر داخل ہوئے۔ میں اُٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ ایک نے آگے بڑھ کر السلام علیکم کہتے ہوئے پوچھا۔

''آپ شاہ صاحب ہیں؟''

میں نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا۔

''میرا نام محمد یحییٰ خان ہے میں پٹھان ہوں سید نہیں……'' صفدر علی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے

پوچھا۔ ''یہ جو سوئے ہوئے ہیں یہ شاہ صاحب ہیں؟''

''نہیں' یہ صفدر علی باجوہ ہیں...... '' اِتنے میں ایک اور پٹھان اَندر داخل ہُوا...... اِن کی آپس میں پشتو میں بات چیت ہوئی۔

اَب آگے بڑھ کر تینوں اجنبیوں نے باری باری میرے ہاتھوں پہ بوسہ دیا...... پہلے والا بولا۔

''شاہ صاحب! اس بے وقت تکلیف دینے کی معذرت چاہتے ہیں۔ مجبوری ہے اس وقت آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیئے......''

مَیں ہکا بکا اُن کا مُنہ تکنے لگا...... اس وقت آدھی رات' جان نہ پہچان' لٹیرے ہیں یا اسمگلر' الٰہی! مجھے یہ کہاں لے جانا چاہتے ہیں...... مَیں نے جرأت کرتے ہوئے پُوچھ ہی لیا۔

''اس وقت آپ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہیں' کوئی کام کروانا ہو تو صبح تشریف لے آئیں...... اِس وقت......؟''

وہی شخص پھر بولا۔ ''شاہ صاحب! مجبوری نہ ہوتی تو آپ کو تکلیف نہ دیتے' کام ہوتے ہی آپ کو واپس چھوڑ جائیں گے......'' میرے لیے رستہ بناتے ہوئے مزید کہا۔ ''وقت کم ہے آپ آیئے......!''

کچھ [illegible] ے صفدر علی کو اِک نظر دیکھتے ہوئے میں سوچ رہا تھا...... صبح میرے اغوا کی خبر سن کر اس پہ کیا گزرے گی۔

دریا کے رُخ چلتے ہوئے ہم قدرے کشادہ سی جگہ تک آ گئے تھے۔ تین وُہ اور ایک مَیں' چار...... جبکہ دو مزید کڑیل سے پٹھان بھی اسلحہ سمیت اِدھر چوکس سے کھڑے نظر آئے...... ہمیں دیکھتے ہی اُنہوں نے ایک سیڑھی باڑ کے ساتھ لگا دی۔ اَب مَیں [illegible] تو کچھ افراد خچروں کو تھامے باڑ سے لگے ہوئے دِکھائی دیئے۔ اَب دونوں پارٹیوں میں کچھ گفتگو کا تبادلہ ہُوا۔ اگلے لمحے اُسی پہلے والے اجنبی نے جھکتے ہوئے مجھے اپنے کندھے پہ سوار ہونے کی درخواست کی۔ اِنکار اقرار کا اَب کون سا وقت تھا اَب تو چل سو چل والا معاملہ تھا۔ جھٹ' اُونٹ کے کوہان جیسے کندھے پہ بیٹھ گیا۔ اُونٹ اُٹھتے وقت' سوار کو رکوع بھی کراتا ہے اور سجود بھی...... مگر یہ علاقہ غیر کا پختون مجھے کسی اَسپ تازی کی مانند لے کر الف کھڑا ہوا...... سیڑھی پہ قدم جما کر چھ پائے اُوپر چڑھا' دو ہاتھ بازوؤں سے مجھے کسی دستار کی مانند اُٹھا کر' دوسری جانب کے جوان کے سپرد کر دیا...... پگڑی بدل دوست بھی ایسے ہی کرتے ہیں...... کیا مجال جو دستار' کلاہ کی کسی دستری پہ شکن پڑے...... ہاتھ کا نہیں' اُنگلیوں کی پوروں کا کمال ہوتا ہے' ورنہ مایا کلف کی کایا ماری جاتی ہے۔

مَیں آہنی کانٹوں کی باڑ پہ سے پھولوں کی خوشبو کی مانند پھسلتا ہُوا' دوسری جانب علاقہ غیر میں ایک جوان سے خچر پہ گدازی کاٹھی پہ دھرا تھا...... ہشکارتے ہی خچروں اور خانوں نے اپنا سفر شروع کر دیا......

یہ سب کچھ ایسی عُجلت و عزت سے ہُوا کہ میں ان کی پیش ورانہ مہارت اور اپنی درویشانہ جہالت پہ عش عش کر اُٹھا۔

ستاروں کی بھیگی بھیگی چھاؤں میں سفر بڑی آسانی اور روانی سے طے ہوتا ہے۔ حُدی فقط حُدی خوانی اور کسی ناقہ کی جوانی کی ہوتی ہے...... اس کے بعد، بیل گاڑیوں اور ریل گاڑیوں کا سفر کہ مسافر روز آخر تک شرط بدا کر مسافرت کے لیے نکلتا ہے...... ایسی بھی مسافرت، جس کی راہ پگڈنڈی...... لق و دق صحرا کی وسعتوں میں کھُل کر...... سرابوں عذابوں، ریگی دلدلوں اور سموی جھکڑوں میں گھر کر بند ہو جاتی ہے...... مگر یہ اس نوع کا سفر نہ تھا۔ لیلیٰ نہ محمل...... صحرا نہ ناقہ، اور تو اور آس پاس کہیں وحشت بھی نہ تھی...... دہشت کو تلاش کیا اس کا وجود بھی کہیں نہ ملا...... آگے پیچھے اور اس سے پیچھے چند خچر سوار، جن کا سرخیل، بار بار مجھے دودھ، پھل پانی کا پوچھتا...... خاصی بہتر اردو بولنے والا، تنومند پٹھان، بڑا نرم خو اور شائستہ تھا۔

صحرا کے ذروں پہ رواں سفر نیند اور نیاز آور ہوتا ہے۔ اتھاہ خموشیوں اور وسعتوں میں سفر...... لگتا ہے مسافر ازل سے ابدی مسافرت میں اپنے باطن کا سفر کر رہا ہے...... شتر پہ کجاوہ پڑا نہ ہو تو سوار، اس کے کولہے یا کوہان کی ہڈی [illegible] چربی بن جائے...... رقصِ درویش یا ذکرِ محبوبی سیکھنے کی جستجو ہو تو اونٹ پہ سفر تیسیر القرآن کی حیثیت رکھتا [illegible] جوان [illegible] خچر [illegible] دیتا [illegible] وہ خاکستری یا ڈب کھڑبی رنگت کا بھی ہو سکتا تھا پر کیا کیجیے کہ نگاہ و دل ازل و ابد عشق و مشک اور حقیقت و معرفت کی سیاہی کی پھبک جہاں پہ مجسمۂ لیلیٰ فام کر کے رکھ دیتی ہے۔ خچر کی پیٹھ کا پسینہ نقرس، بواسیر، [illegible] اور مزاج میں صفراویت کا باعث بنتا ہے۔ خچر، نر خر اور مادہ اسپ کے ملاپ سے وجود میں آتا ہے۔ خچر پہ مسلسل سواری مرد کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ اسی خاطر، اس کا [illegible] ہوتا ہے۔ دشوار گزار پہاڑوں، دروں، پتھریلے راستوں پہ یہ خُوب رواں رہتا ہے، ہوتا مخنث ہے۔ اس کا پیشاب، ہتھیاروں کو زہر آلود کرنے کے کام آتا ہے۔ جن کا لگا ہوا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا۔ اس کا گوشت کھٹا زہریلا، جسے صرف کمزور بوڑھے گدھ نوچتے ہیں جن کے لیے مرنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ اس کی تازہ اتری ہوئی گرم گرم کھال، دشمن داروں کے لیے بڑی کام کی چیز ہے۔ دشمن کو خُوب کھلا پلا، برہنہ حالت، نمک لگی تازہ اُتری ہوئی کھال میں باندھ لپیٹ، بیچ میدان کڑی دھوپ میں پھینک دیتے ہیں۔ صرف منہ سر باہر رکھا جاتا ہے۔ دُور سامنے بیٹھ کر اس پہ قہقہے لگاتے ہیں، پھبتیاں کستے ہیں، لعن طعن کرتے ہیں، ڈھول تاشے پیٹتے ہیں...... گرمی، مکھیاں، کیڑے مکوڑے اپنا کام دکھاتے ہیں...... کھال سکڑنا اور دشمن پھولنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی چیخیں فریادیں ان تماشہ گیروں کی ہا ہُو اور ڈھول تاشوں کے ہنگام میں دب کر ڈوب جاتی ہیں...... سورج ڈھلنے تک یہ موذی دشمن، کیڑے مکوڑوں چیل کوؤں اور کتوں کے پیٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ اگلی صبح وہاں چند ہڈیوں

بافتوں اور خون گندگی کے علاوہ کچھ باقی نہیں بچتا...... کہہ سکتے ہیں کہ کسی بدترین دشمن کے لیے اس سے بڑھ کر بدترین تعزیر، شاید ہی کوئی اور ہو۔

گھپ اندھیروں سے جب شناسائی ہو جاتی ہے تو راہ راستے، سنگِ میل بلکہ دائیں بائیں آگے پیچھے کی ہر چیز روشن ہو جاتی ہے...... ہمارا مختصر سا قافلہ بغیر کسی روک ٹوک یا دشواری، اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھا...... میں بھی یوں اینٹھا ہوا خچر پہ بیٹھا تھا جیسے کوئی مغویہ نہ ہوں دولہا ہوں...... اُترائیاں، چڑھائیاں۔ یہ کوئی باقاعدہ راہ راستہ نہ تھا...... تنگ کٹی پھٹی پگڈنڈیاں، پتھر ہی پتھر کہ خچروں کے پاؤں رپٹ رپٹ جائیں......

ابھی تک میری کسی سے باضابطہ گفتگو نہ ہوئی تھی حتیٰ کہ میں نے یہ تک نہ پوچھا کہ بھائی لوگو! آپ کے نزدیک میرا مصرف کیا ہے۔ گائے بیل کا پکا گوشت بڑی دعوتوں کے کام آتا ہے۔ دُنبہ بھیڑ بکری مرغی، اکا دکا آئے گئے مہمانوں کے لیے کاٹے جاتے ہیں۔ میرے جیسے چوپائے کھانے لائق نہیں، بلی چیل نُچتے کے قابل ہوتی ہیں...... مگر اِدھر کسے پروا تھی کہ یہ میرے ساتھ کیا حشر کریں گے؟

چور دو گدھوں کو چرا کر لے جا رہے تھے۔ راستے میں موقع ملا تو ایک گدھا دوسرے سے کہنے لگا۔

”بھائی! اب کیا ہوگا ہمیں تو چور لے جا رہے ہیں۔ دوسرے نے جو میری طرف کا ذرا گدھا تھا“

عجیب سی بے نیـ[illegible] نصیب تھی۔

”بڑے بھائی! ہم گدھے ہیں، پہلے مالک سے بھی گالیاں، ٹھوکرے ڈنڈے [illegible]

ان چوروں سے بھی یہی کچھ بن مانگے ملے گا۔ ہمارے لیے ساد اور چور میں کچھ فرق نہیں......

ایک اور کہاوت کہ [illegible] کو ٹکڑوں سے غرض...... وہ کسی مرنے والے کے [illegible] کے ہوں یا کسی کے ولیمے کے...... اس کے لیے دونوں [illegible] حال کہ میں سفر پہ رہوں یا حضر میں، کسی فقیر کے مزار پہ یا شاہی بازار میں۔ مجھے چور لے جائیں یا موز، کچھ فرق نہیں پڑتا ہے...... جہاں ہوں گے گردش میں ہوں گے......

ٹھوکر تو کھاؤ پہلے سفر میں قدم قدم   پھر اس کے بعد راستہ ہموار دیکھنا

دور اونچے پہاڑوں کی کنار پہ دھانی دھاری پڑی دکھائی دی تو احساس ہوا کہ سپیدۂ سحر کا تڑکا لگ چکا ہے۔ کچھ آگے بڑھے تو دائیں جانب چند گھروندے اور باڑے دکھائی دیے...... ہماری آہٹ پا کر قریب دور کتے بھی بھونکنے لگے تھے۔ نتھنوں کی پھڑپھڑاہٹ نے اطلاع دی کہ یہاں ہریالی، پانی اور انسانی خوراک بھی موجود ہے۔ ایک کشادہ سے باڑے کے قریب ہمارا قافلہ رُک چکا تھا...... اسی اثنا کوئی آیا اور ایک روشن لالٹین باڑے کے اندر کھونٹی پہ لٹکا کر چلا گیا...... قدرے روشنی ہوئی تو معلوم ہوا، یہ باڑا اُن کا حجرہ تھا جو مہمانوں کی نشست و برخاست کے لیے ہوتا ہے۔ دو اڑھائی گھنٹے کی پہاڑی مسافت کے بعد ہم نے پہلی ٹیکی

لی تھی جبکہ یہ کچھ خبر نہ تھی کہ ہماری اصل منزل کہاں ہے؟ یقیناً یہ جگہ راہ کا کوئی پڑاؤ تھا...... اِدھر کے دو چار بوڑھے اِدھر حجرے میں آ بیٹھے تھے' پشتو چل رہی تھی۔ بوڑھے گفتگو کے دوران بار بار عقیدت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے...... میں سمجھ گیا کہ بات ''مولوی مدن'' کی ہی ہو رہی ہے۔ لازم تھا کہ اب میں لیئے دیئے کی نشست اختیار کر لیتا...... قہوہ ناشتہ' حقہ' نسوار سب ہی مہمانداری کے لوازمات پہنچ گئے...... اذان سے پہلے ہم کھا پی کر فارغ ہو چکے تھے...... حجرے کے عقب میں قدرے اونچی جگہ پہ مسجد تھی۔ میرے خدشے کے عین مطابق امامت کے لیے مجھ سے درخواست کی گئی جبکہ وہاں کے امام صاحب کے پوتے کے برابر میری عمر تھی...... پٹھان' پیر ہو یا مُرید دونوں صُورتوں میں وہ سراپا پٹھان ہوتا ہے اِسی لیے کہ اُس کے پاس لوڈڈ بندوق ہوتی ہے۔ بندوق کی موجودگی میں حرفِ انکار کفر ہوتا ہے۔

امریکہ کی کسی ریاست کے ایک [illegible] موٹل کے بار میں دو جواری تاش پہ جُوا کھیل رہے تھے...... کافی دیر تک ہار جیت اور [illegible] چلتی رہی۔ آخر ایک بازی بُری طرح پھنس گئی...... دونوں کے پاس پتّے بھاری تھے اور دونوں کو ہی اپنی اپنی جیت کا یقین تھا...... ہر بازی کی کوئی حد ہوتی ہے' وہ پیار کی ہو یا قمار کی...... جب چالوں میں رقم ڈالتے ڈالتے دونوں کی جیبیں خالی ہونے پہ آئیں تو ایک نے باقی ماندہ آخری پونجی ڈالتے ہوئے پتّے [illegible] ڈھیر اپنی جانب سرکانا چاہا کہ اُس کے پاس بڑے پتّے یعنی تین بادشاہ تھے...... پہلے نے بھی رقم پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا— میرے پتّے بھی دیکھ لو! ...... یہ کہہ کر اُس نے اپنے پتّے بھی اُلٹ دیے جو دو اکّے اور ایک غلام تھا...... دُوسرا چلایا...... یہ تو دو اکّے ہیں اور میرے پاس تین بادشاہ ہیں۔ دو اکّوں والے نے بڑے آرام سے ریوالور نکال کر دو اکّوں کے ساتھ دھرتے ہوئے کہا...... یہ ہوا تیسرا اکّا۔

کہنا یہ مقصود تھا کہ زور آور کا سات بیس کا سو ہوتا ہے اور کمزور کا اُنیس بھی نو ہوتا ہے...... اللہ کا احسان' سیالکوٹی اور پختون بھائیوں کی مہربانی تھی اُنہوں نے مجھے شاہ بنایا کوئی گدا نہیں بنایا اور اِدھر نمازِ پنجگانہ کی امامت کے لیے منتخب کیا' ورنہ اگر مجھے اپنی اور اپنے چکّی والے کابلی بھڈوؤں کی حجامت پہ تفویض کر لیتے تو میں اُن کیا بگاڑ لیتا...... بات وہی رائفل کی کہ جس کے ہاتھ ہوتی ہے وہی مسالے میں جا نقل ہوتا ہے— عزتاں' شرماں پردے رکھنے والی وہی ذات بے ہمتا ہے......!

واپس پٹھانوں کے ''حجرے شاہ مقیم'' چلتے ہیں جدھر ہم نے اپنے سفر کے پہلے پڑاؤ کے طور دم درست کرنے کی غرض سے ٹھہرے...... لیکن ٹھہریے' ایک چھوٹا سا واقعہ حجرہ شاہ مقیم کے حوالے سے یاد آ گیا...... پاک پتن شریف کے کاروباری لوگ' ہر سال عید میلادالنبیؐ کے موقع پہ ایک نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کرتے ہیں' بابا مظفر وارثی خصوصی طور پہ اس مشاعرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ایک بار اُنہوں نے مجھے بھی اس

بابرکت محفل میں شمولیت کی دعوت دی' وہاں کی کاروباری برادری' باباجی کی بڑی معترف ہے۔ مشاعرہ کے بعد طعام کی دعوت میں بھی باباجی سے اُن کا نعتیہ حمدیہ کلام سُنا جاتا اور رات وہیں قیام رہتا اگلے روز واپسی ہوتی۔ ہم دونوں کے قیام کا انتظام وہاں کے ایک بھلے سے پولیس افسر کے ہاں تھا...... آدھی رات آگے آدھی پیچھے...... ہم دونوں کروٹیں بدل بدل بے حال ہو گئے مگر نیند نے نہ آنا تھا' نہ آئی۔

”بابا! نیند نہیں آ رہی......“

وُہ چڑچڑے سے بولے۔ ”اِدھر بھی یہی حال ہے۔“

جب یقین ہو گیا کہ ہم کسی نہ کسی وجہ سے یہاں سو نہیں سکتے تو ایک دوسرے کو شعر سُنانے شروع کر دیئے۔ جب اُن کا سٹاک بھی ختم ہو گیا تو لطیفے شروع ہو گئے...... آخر یہ سلسلہ بھی جلد بند کرنا پڑا کہ جائز جائز لطیفے چند ایک ہی نکلے' باقی ناجائز' جنہیں دہرانے کا یہ محل نہیں تھا...... اُس نے الگ دِق کر رکھا تھا۔

مَیں نے ہی تجویز پیش کی۔ ”بابا! مناسب سمجھو تو لاہور کی جانب رُخ کرتے ہیں۔“

پہلے تو وہ چند لمحے خاموش رہے پھر آنکھیں میچے ہوئے ہی پوچھا۔

”کیا اس وقت آدھی رات' سفر کرنا مناسب ہوگا یہاں سے اوکاڑہ تک کا راستہ کچھ شریفانہ نہیں۔“

”[illegible] ہم دونوں کی [illegible] راستے [illegible] بہتر ہی ہوگا۔“

بہر حال مَیں نے کسی طور بابا کو راضی کر ہی لیا۔ میزبان کو جگایا اپنی مجبوری بتائی اور اللہ کا نام لے نکل لیے...... راستے میں بابا کہنے لگے۔

”یار! تم بھی کبھی کبھی عقلمندی کے فیصلے بھی کر لیا کرتے ہو۔“

رات کا پچھلا پہر' زرخیز کھیتوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی سڑک' جو اکثر جگہوں پہ ٹوٹی پھوٹی تھی...... پیلا سا چاند اور ہُو کا سناٹا...... ہم دونوں کی طرح ہماری گاڑی بھی گئی گزری تھی...... ہچکولوں سے اور بھی ڈول بڑول رہی تھی۔ مَیں مختلف حیلوں حربوں سے بابا کو جگائے رکھنے کی کوشش میں تھا جو میری سائیڈ سیٹ پہ اُونگھنے کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ اگر سُست' غیر دلچسپ خاص طور پہ کوئی بوڑھا بیٹھا ہو تو اس بیچارے کی حالت بڑی دگرگوں ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے سفر' قیامت کا سفر بن جاتا ہے۔ میرا بھی یہی حال...... پچھتا رہا تھا کہ مَیں نے اس وقت سفر کا مشورہ کیوں دیا' مگر اَب کیا ہو سکتا تھا...... رات کو سفر خوب کٹتا ہے' آدھے سوئے آدھے جاگے ہم تینوں 'بڈھے کلبوت' یعنی مَیں' بابا اور پندرہ برس پُرانی کالی گاڑی المعروف داتا کی ملنگنی' کسی نہ کسی طور اپنے راستے پڑنے والے پہلے پڑاؤ' حجرہ شاہ مقیم کے قریب پہنچ گئے۔ مین بازار' سڑک کنارے ایک مناسب سے ہوٹل میں روشنی دیکھ کر گاڑی روک لی...... پُرانی گاڑی' عمر کھایا ہوا بوڑھا اور دمے کا پُرانا مریض' چلتے یا رُکتے وقت ایک آدھ جھٹکا' معذوری یا مجبوری سے ضرور کھاتے ہیں۔

باباوارثی' گاڑی رُکنے کے جھٹکے سے جھکالے کر بیدار ہو گئے۔

''لاہور پہنچ گئے......؟''

''جی نہیں' ابھی ہم بمشکل جتی والے حُجرہ شاہ مُقیم کے آس پاس ہی پہنچ پائے ہیں۔''

''حُجرے شاہ مُقیم دے اِک جٹی عرض کرے......' میں گنگنا رہا تھا اور بابا' حیرت سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔

''آیئے' چائے پیتے ہیں......''

بابا نے ہونے نہ ہونے کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں ہے چائے......؟''

''ہوٹل میں......!''

اَب بابا نے جھنجلا کر پوچھا۔ ''ہوٹل کہاں ہے......؟''

میں نے اِشارے سے بتایا۔ ''وہ سامنے ایک ہوٹل ہے۔ باہر بڑے سے ڈرکھاروالے سائن بورڈ کے اردگرد بلب جل بجھ رہے ہیں۔''

اَب بابا غور سے دیکھنے لگے۔ شاید [illegible] اُلجھن سے پوچھا۔

''یہ کوئی دربار ہے یا ہوٹل......؟''

اَب میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اُتارتے ہوئے جواب دیا۔

''اَندر جا کر دیکھتے ہیں کہ یہ دربار یا کوئی بار......؟''

اَب میں بابا کا ہاتھ تھامے ہوٹل کے دروازے پر کھڑا اِدھر اُدھر اندر دیکھ رہا ہوں کہیں کوئی ہوٹل والا' ملازم گاہک یا چھوٹا بڑا دِکھائی دے مگر نہیں......شک ہُوا کہیں کسی بُھوت ہوٹل میں تو چلے نہیں آئے۔ نہیں نہیں' یہ دربار ہوٹل ہے' بُھوت وُوت کا یہاں کیا کام؟......اَب میں اور باباجی باہر کھڑے ہیں میں سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ باباجی نے خود ہی آواز لگائی۔

''بھئی کیا کوئی اَندر ہے......چائے مِل جائے گی؟''

اَب جواب میں اَندر سے یُوں آواز آتی ہے جیسے پُرانی کالی کھانسی کا مریض' دَورہ پڑنے پہ' اپنے جیسی بیوی سے کہتا ہے۔ ''نی اَندر آ کے میریاں رگاں تے تیل تے مَل دے......'' ہوٹل کے اَندر کہیں قریب سے جواب آتا ہے۔

''لنگ آؤ تے بیٹھ جاؤ۔ اللہ دے حُکم نال سب کُجھ مِلے گا......''

چلیئے کچھ تو تسلی ہوئی......باباذرا اُونچا سُنتے ہیں۔ پُوچھنے لگے۔

''نالوں کا کیا جواب آیا......؟''

مَیں نے کوئی جواب سُنانے کی بجائے' ادب سے بڑھاوا دیتے ہوئے اندر لے گیا......قریب ہی ایک مناسب سا ٹیبل دیکھ کر انھیں بٹھایا۔ اپنی لوکیشن کے حساب سے خاصا بہتر ہوٹل تھا۔ صاف سُتھرا' دیواروں پر طغرے اور کاغذی رنگین پُھول...... سامنے شیشے کی الماریاں یا شوکیس' جن میں دیہاتی انداز کی رنگ برنگ مٹھائیاں' سموسے وغیرہ سجے تھے۔ ابھی میں دیکھ ہی رہا تھا کہ بابا نے کچھ کہنے کے لیے مجھے کان قریب لانے کو کہا......قریب ہُوا تو سرگوشی کے انداز میں بولے۔

''یہاں دیسی تمباکو سُلگنے کی بُو آ رہی ہے۔''

مَیں نے فوراً ناک دھرا' بابا درست کہہ رہے تھے' انتہائی گھٹیا قسم کے پینڈو تمباکو کی دہلا دینے والی باس تھی۔ خُود پہ تاؤ آیا کہ اندر داخل ہوتے ہوئے مجھے محسوس کیوں نہیں ہُوا جبکہ میرا ناک تو اُن سے بھی تیز ہے۔

''کیا خیال ہے مولانا! چلیں...... اِدھر چائے پینے آئے تمباکو کی بدبو سونگھنے نہیں......''

ابھی ہم اِس مخمصے میں ہی تھے کہ اندر کی جانب سے ایک لمبی سی ریش والا دیہاتی باہر آیا۔ ریش کے ساتھ دراز زُلفیں بھی جُھول رہی تھیں۔ لمبی سی السلام علیکم کے بعد اُس نے ہمارا حال پُوچھا...... وہ خوشی سے بے خُود سا ہُوا جا [illegible] مخاطب ہو رہا تھا۔ اسی دوران بابا جی نے واش رُوم جانے کا اظہار کیا۔ وہ ہوٹل والا انھیں آگے بڑھ کر اُٹھانے لگا تو بابا نے منع کرتے ہوئے کہا

''آپ مجھے واش رُوم کا بتا دیں۔''

وہ آگے ہم دونوں بوڑھے پیچھے۔ پچھلے ہال میں آئے تو عجیب منظر دیکھا۔ خورد و کلاں' ایک دائرے میں بیٹھے ہیں۔ درمیان میں ایک جہازی سائز کا 'حُقّہ' جس کی نَے کچھ زیادہ ہی لمبی تھی' پڑا ہے۔ چھوٹا بڑا' ریشہ بے ریشہ باری باری تمباکو کش کر رہے ہیں۔ دو چار سُوٹے لگا کر نَے آگے بڑھا دی جاتی ہے۔ ہم یُوں ٹھٹکے جیسے انجانے میں امیر علی ٹھگ کے گروہ کو دیکھ لیا ہو...... وہ ہمیں دیکھتے ہی پہچان گئے اور حُقّہ کی جان چھوڑ ہمارے دوالے ہو گئے۔

ہاتھ مُنہ گیلے کرنے کے بعد ذرا ہوش پکڑے تو بابا بولے۔

''مولانا! اِدھر سے نکلنے کی کرو' میری طبیعت یہاں ٹھیک نہیں رہی۔''

مَیں نے آہستہ سے کہا۔ ''میری بھی یہی کیفیت ہے...... لیکن اخلاق کا تقاضا ہے ہم زیادہ نہ سہی کچھ دیر کے لیے یہاں رُکیں...... چائے کی بھی حاجت ہے۔''

بابا بولے۔ ''بھئی' پیشاب کی حاجت تھی سو پُوری ہوئی...... چائے کہیں آگے چل کر پی لیں گے۔''

میں نے پینترا بدلتے ہوئے کہا۔ ''بابا! دیکھیں یہ لوگ آپ کو پہچانتے ہیں۔ آپ کی مشہورِ زمانہ ''وُہی خُدا ہے دِکھائی بھی جو نہ دے کسی کو'' والی حمد' اُستاد نُصرت فتح علی خان کی منفرد پیشکاری اور ''پیا رنگ کالا'' کی سی کالی سیاہ پس منظری نے آپ کو بے پناہ عزّت وشہرت سے نوازہ ہے...... اَب اگر ہم چائے پیئے بغیر اِدھر سے چلے گئے تو یہ سادہ مرادہ سے لوگ کیا سوچیں گے؟ مجھے تو اِدھر کوئی نہیں جانتا' سوچ لیں......!''

بابا' میرے چکّر میں آ گئے اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

واش رُوم سے واپسی پہ اُسی بڑے ہال سے گزرنے لگے دیکھا کہ وہ تمام لوگ ہمارے اِنتظار واحترام میں دَست بستہ کھڑے ہیں۔ آگے بڑھ کر باری باری باباجی اور میرے ساتھ مصافحہ کرنا شروع کر دیا...... اِس عمل سے بھی ہمیں خاصی پریشانی ہوئی کہ اِن لوگوں کے مُنہ سے دیہاتی تمباکو کی بیزار کر دینے والی بُو کے بھبکے اُٹھ رہے تھے جبکہ یہ ہال بھی گھٹیا ترین تمباکو کے دُھوئیں سے اَٹا ہُوا تھا...... ابھی یہ مصافحوں کا سلسلہ ختم نہیں ہُوا تھا کہ اچانک میری نظر پیچھے دیوار پہ آویزاں اِک بڑی سی تصویر پہ پڑی...... ایک بوڑھے سے دیہاتی بزرگ' مسند پہ ٹیک لگائے بیٹھے مزے سے حُقّہ پی رہے ہیں۔ اَب میری سمجھ میں کچھ بات آئی کہ یہ تصویر اِن کے پیر صاحب کی ہے اور مریدین بھی اُن کی تقلید میں واسطے ثواب ونجات' تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ اَب بقیہ سٹوری پوری طرح سمجھنے کی خاطر [illegible]

''یہ تصویر آپ کے......؟'' میرا فقرہ پورا ہونے سے پیشتر ہی وہ بتانے لگا۔

''جی یہ ہمارے بابا حُضور ہیں......'' مختصر سا تعارف اور اِسمِ گرامی بتانے کے بعد اُن کے تصرفات اور کرامتوں کا بھی ذکر کیا۔

میں نے جھجکتے جھجکتے پُوچھ ہی لیا۔ ''تو آپ کے بابا حُضور کو حُقّے سے خاصی رَغبت دِکھائی دیتی ہے۔''

''جی......!'' تصویر کی جانب عقیدت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مزید بتایا۔ ''حُقّہ' حق ہے یہ معرفت اور طریقت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے...... مٹی (روڑہ) آگ (چلم) پانی (نیچہ) ہوا (دم) بشر کے بُنیادی چہار عناصر کا مجموعہ ہوتا ہے۔''

معاً بلا اَرادہ میرے مُنہ سے نکل گیا۔ ''حُقّہ کا بُنیادی جزو تو تمباکو ہے جس کے بغیر حُقّہ کا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا اور تمباکو مکروہ ہے...... مکروہات اوسطاً عبادات' ذکر' فکر میں کراہت کا مُوجب بنتا ہے۔''

وہ سر نیہوڑے سُنتا ہے...... کچھ جواب دینے کی بجائے ہمیں ہوٹل کے باہر بیٹھنے کی دعوت دیتے باہر آ گیا۔ چار کرسیاں' میز' پانی گلاس موجود تھے۔

''آپ کے لیے چائے بنواتا ہوں آپ یہاں کُھلی فضا میں بیٹھیں۔''

بابا بولے۔ ''مجھے تو بڑی اخلاقیات پڑھا رہے تھے اور خُود اُس غریب کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔''

''کیا کرتا' بابا؟ ان کے تو پیر صاحب بھی حُقّہ کے رسیا نکلے...... یعنی پورے کا پورا تانا پیٹا ہی لپیٹا ہُوا ہے...... اَندر چھوٹے بڑے سب اکٹھے بیٹھے سُوٹے لگا رہے تھے...... ان کے درمیان پڑا ہُوا حقہ بھی اِک عجوبہ چیز تھی۔ ایسی جناتی اور اَبوالہولی تمبا کو کشیدن مشین میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی...... دس بارہ ہاتھ لمبی نَے' چاندی کی منہال' چَرم چڑھا نیچہ' نیچے آہنی چوکی پہ بیرنگ کہ ہَوا کے جھونکے سے گھوم لے۔ چلم کی چماری' ایسی چوبارے چڑھی ہوئی کہ دَم دَم پہ چنگاریاں چھوڑے...... نَریوں کے سَر پیچ سے پہلو لگا خوبصورت دست پناہ' پُھندنے اور لاٹو' تین بالشت بل کھائی پیچدار سیخ سلائی' جو آتش دَم کرنے میں کشادگی کے لیے گُھمائی جاتی ہے۔''

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ وُہی بزرگ چائے اور کچھ مٹھائی لیے تشریف لے آئے' بڑے اَدب خلوص سے کہنے لگے۔

''چائے پیجیے' میں نے خود تیار کی ہے۔ ہماری خوش قسمتی آپ جیسی شخصیات ہمارے ہاں تشریف لائیں ہیں۔ آپ بزرگ شاید حُقّے تمبا کو کو پسند نہیں کرتے اور مجھے افسوس ہے کہ آپ کو ہماری حقہ نوشی کی وجہ سے زحمت برداشت کرنا پڑی...... دراصل یہ ہماری مجبوری ہے جو اَب ہمارے روزمرّہ میں شامل ہو چکی ہے۔ جیسا کہ مکروہا [illegible] طرح رچ بس گئی ہیں۔''

''بُرا نہ مانیں' ایک ذاتی سا سوال ہے...... کیا یہ حقہ نوشی' آپ کے خضور جی کا حکم ہے؟''

''حکم نہیں' بس آپ نے دیکھا دیکھی ہے۔ ہمارے خضور جی کی لڑی میں یہ حقہ صدیوں سے یُونہی زندہ چلا آ رہا ہے...... جبکہ ہمارے پیر بھائی حقہ نوشی نہیں کرتے۔''

''ایک اور سوال! کیا یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے بچّوں کو بھی اس علّت میں مبتلا کر دیں؟''

''بالکل نہیں' لیکن کچھ معاملہ یُوں ہے کہ بچّے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے عادی ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہمارا حق حُقّہ' چوبیس گھنٹے زندہ رہتا ہے۔ اس کے لیے آگ انگارے' تمبا کو گُڑ' تازہ کرنے کے لیے صاف عرقاب وغیرہ کا باقاعدہ اہتمام رہتا ہے۔ بچّے یا ملازم جو بھی اسے تیار کرتے ہیں وُہ اسے جگانے کے لیے کچھ کش بھی ضرور کھینچتے ہیں' یہیں وُہ اس کے عادی ہو جاتے ہیں...... ویسے میں عرض کروں کہ یہ ایسی بھی کوئی بُری علّت نہیں جو بندے کو کندہ بنا دے۔ صفائی' اعتدال اور سلیقہ کے ساتھ حُقّہ نوشی کی بے شمار خوبیاں بھی ہیں یا کم از کم ہمارا تو تجربہ یہی ہے......''

میں نے دیکھا کہ بابا وارثی' چائے پینے کے بعد اُونگنے کے مُوڈ میں تھے۔ میں نے اُٹھتے اُٹھتے کہا۔

''پیار محبت' قُربت اور عبادت کے لیے تنفّس کی طہارت میں اگر بُغض ہو تو کچھ بعید نہیں کہ اُدھر سے

کوئی جواب نہ آئے۔“

بس یونہی پٹھانوں کے اِس حُجرہ سے حُجرہ شاہ مُقیم والوں کا حق حُقّہ یاد آ گیا تھا۔ ویسے حُجرہ کسی صُوفی دُرویش کا ہو یا پٹھانوں کا‘ اِن میں تواضع‘ نشست و برخاست‘ قیام وطعام کے طور طریقے ایک سے ہی ہوتے ہیں...... اِس کوہستانی بستی کے حُجرہ میں اِس وقت‘ میرے علاوہ مجھے اغوا کرنے والے چار کڑیل پٹھان‘ جن میں دو اُردو بولتے سمجھتے تھے۔ تین اِدھر کے مقامی بُوڑھے‘ جن میں ایک اپنی ریش‘ دستار و وضع قطع سے سرکردہ لگتا تھا اور دو مجہول سے لڑکے‘ جو شاید اِدھر حُجرے کی دیکھ بھال کے لیے تھے‘ موجود تھے۔ حُجرے میں مہمان نوازی کی جو پہلی ”نعمت“ لائی گئی وہ سُوئی حُقّہ تھا۔ لانے والا نوجوان‘ اُس کی چھوٹی سی چلم میں انگارے پہ پھونکیں مارتا لا رہا تھا۔ وہ نوجوان سیدھا میری جانب بڑھا اور نے میرے مُنہ کے قریب لا کر‘ حُقّہ کو پکڑے یوں اُکڑوں بیٹھ گیا جیسے کسی شیر خوار بچے کو [illegible] کروا رہا ہو۔ یہ شاید ”معزز مہمان“ کے پروٹوکول کا ابتدائیہ تھا۔ میں اِس ناگہانی آفت سے گھبرا کر پیچھے کی جانب جُھک گیا‘ ہاتھ کے اشارے سے لارغبتی کا اظہار کیا...... میرے انکار کے بعد ”شمعِ مشاعرہ“ کی طرح ”حُقّہِ حُجرہ“ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے مہمانوں کے پیش کر دیا گیا...... اس کے بعد پر ”چراغوں میں روشنی نہ رہی“ کے مصداق ”حُجرہ میں آکسیجن نہ رہی“ ایک کثیف و کسیلی دُھواں کہ آ [illegible] ”گم گشتہ“ سا ہونے نہ ہونے میں کہیں رہ گیا...... وہاں سے اُٹھنے یا اِدھر اُدھر ہونے کا کوئی محل نہ تھا کہ اغوا شدگان‘ کچھ سوچ تو ضرور سکتے ہیں کچھ کر ہرگز نہیں سکتے...... بدیر ناشتہ بھی پہنچ گیا۔ قہوہ‘ جوار کی موٹی موٹی روٹیاں‘ چھاچھ‘ کچھ کھٹا سا پنیر اور ساتھ افغانی اچار جو کہ خوبانی اور آلوچہ سے بنایا جاتا ہے...... وقت کی بات‘ سفر کا تقاضا‘ ماحول کی کیفیت‘ مجلس کا اثر یا کوہستانی آب و ہوا [illegible] سے بہت پرے مضحکا ہی کے اِس ناشتہ سے ایک ایسا طعامی تلذذ حاصل ہُوا کہ طبیعت بشاش ہو گئی جبکہ وہیں مٹی کے ایک برتن میں ہاتھ دُھلائے گئے تھے۔

دُور پرے پہاڑوں کی اوٹ سے سُورج طلوع ہو رہا تھا۔ بھیگے بھیگے سُنہری غبار سے فضا اَٹ رہی تھی۔ ایسے میں وہی خدمتگار‘ توشکیں‘ گدّے تکیے اُٹھائے داخل ہوئے‘ معلوم ہُوا کہ کمر سیدھی کرنے کا اہتمام ہے۔ اک مناسب سے کونے میں میری نشست کے لیے گدّے بچھائے گئے‘ بڑے بڑے ریشمی تکیے بھی تھے...... میرے ساتھی بھی آس پاس لیٹ گئے اور حُجرہ کا واحد دروازہ بھیڑ دیا گیا...... نیند تو کانٹوں کی سیج اور تختہ دار پہ بھی اپنا کام دِکھا جاتی ہے۔ یہاں تو نیچے نرم نرم بچھونا‘ پیٹ میں بڑا مقوی ناشتہ اور اعصاب میں تھکن کا بخار اُترا ہُوا تھا...... آنکھیں مُوندتے ہی مومن مُشرک برابر ہو گئے...... گھوڑے‘ خچر کا امتیاز جاتا رہا......!

شاید کسی خچر کے ہنہنانے پہ آنکھ اُچٹی یا اُوپر کھپریلی چھت سے مٹی برادہ گرنے سے کہ مُنہ ماتھا پہ

خاصی خاک پڑی ہوئی تھی۔ دیکھا تو ساتھیوں کے بستر خالی دِکھائی دیئے' کھڑکی سے آنے والی آوازوں سے اندازہ ہُوا کہ باہر کافی لوگ جمع ہیں...... انگڑائیاں توڑتا ہُوا اُٹھا۔ بھڑے دَر اور کھڑکیوں سے گھُسنے والی تیز روشنی سے وقت کا اندازہ ہُوا کہ دِن دُوسرے پہر میں داخل ہو چُکا ہے...... ایسے میں پاس ہی کسی مسجد سے اَذان کی سریلی آواز اُبھری' دھیرے سے جو پٹ وا ہُوا تو میرے سفر کا ایک ساتھی' السلام علیکم کہتا ہُوا اندر داخل ہوا۔

''شاہ صیب! نیند بخیر! باہر آ جائیں...... نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھائیں گے' پھر اِدھر کے بھائیوں سے آپ کی ملاقات ہوگی۔ بہت دُور دُور سے آپ کی زیارت کے لیے یہاں پہنچے ہیں۔''

مَیں نے مسکراتے ہوئے پُوچھ لیا۔ ''خان صاحب! وَارسک سے یہاں تک مَیں نے آپ سے کچھ نہیں پُوچھا اور نہ ہی مجھے کچھ پُوچھنے کی ضرورت یا مجھے کوئی تردّد' خوف یا جلدی ہے...... مجھے آپ جہاں بھی لے چلیں' مَیں آپ کے ساتھ ہوں...... لیکن ایک بات پہ واضح کر دوں کہ مَیں سیّد نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی وَلی پیر' مَیں ایک عام سا لڑکا ہوں اور وَارسک میں بجلی کا کام کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ صاف صاف واضح کر دینے کے باوجود بھی اگر آپ کسی خوش فہمی میں خُود اور دوسروں کو مُبتلا رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی......!''

اَدب اور تحمّل میں ڈوبا ہُوا جواب آیا۔ ''شاہ صیب! ہم لوگ' کارندے ہیں...... ہمارا کام' صحیح یا غلط دیکھنا نہیں' صرف [illegible] جمعۃ المبارک ہے...... خطبہ اور امامت بھی آپ ہی کرائیں گے......''

میری تو سٹّی گم ہو گئی کہ عام نماز میں تو کسی نہ کسی طرح کام چلایا جا سکتا ہے مگر جمعہ کا خطبہ امامت کسی عالم فاضل خطیب کا کام ہے۔ اِس کارندے کے جواب سے تسلیم و رضا کا ایک باریک نکتہ بھی پلّے پڑا کہ اگر بندہ اپنے جیسے کسی بندے کے کارندے کی حیثیت سے [illegible] کے آگے سراپا تسلیم و نیاز بن کر اُس کے ہر حکم کی مِن و عن تعمیل کرتا ہے' مِین میخ یا حیل حُجّت نہیں نکالتا...... تو ہم اُس سب مالکوں کے مالک کے رُوبرو قضا و قدر کے معاملہ پہ کیونکر بحث و تنقیص کر سکتے ہیں' وہی کچھ ہُوا جس کا خدشہ تھا۔ چھوٹی سی مسجد جو اِدھر کے مقامی افراد کے لیے تو کافی ہوگی مگر آس پاس کی دیگر بستیوں سے اِدھر پہنچے ہوئے لوگوں کے لیے وسعت نہیں رکھتی تھی۔ اِن کے لیے باہر' اُونچی نیچی جگہوں پہ نمدے مُصلّے بچھا کر نماز کا انتظام کر لیا گیا تھا...... لمبی لمبی ریشوں اور بڑے بڑے پگڑوں' جُبّوں جُبّوں والے پٹھان' جن کے شانوں پہ خطرناک بندوقیں لٹکی ہوئی تھیں' یہاں نماز کے لیے جمع تھے...... یہ تو بعد میں معلوم ہوا وہ نماز سے کہیں زیادہ' میری زیارت کے لیے اِدھر پہنچے ہوئے ہیں۔ ورنہ جمعہ کی نماز تو وہ اپنے گاؤں میں بھی ادا کر سکتے تھے۔

اَب اصل بات کھُل چکی تھی۔ وُہ مجھے کوئی پہنچا ہُوا سیّد زادہ' وَلی اللہ سمجھ کر اُٹھا لائے تھے جو اپنی رُوحانی طاقت سے غریب لوگوں کے مالی مسائل حل کر سکتا ہے۔ خاص طور پہ اُن جوانوں کے مسائل جن کی

شادیاں سرمائے کی کمی کی وجہ سے التوا میں ہوتی ہیں۔

بشیرے سے لبڑی اُنگلی لگانے والا میرا وہی وارسک والا عقیدت مند پٹھان تھا' جو اپنے قبیلہ سے باہر ایک لڑکی پہ عاشق ہو گیا اور شادی کرنا چاہتا تھا۔ لڑکی کے باپ نے اس عاشق بے مایہ سے پلا بچانے کی خاطر اک خاصی رقم کا مطالبہ کر دیا۔ اتنی بڑی رقم کا حصول اس کی بساط و اوقات سے باہر تھا۔ تاہم وہ طے شدہ عرصہ کے اندر اُس کا مطالبہ پورا کرنے کا عہد کر کے اپنے علاقہ سے باہر نکل آیا۔ سر پہ عشق کا بھوت سوار تھا' جلد سے جلد دولت حاصل کرنے کا جنون اُسے دربدر کیئے رہا۔ بندہ نیک خصلت تھا' محنت اور مشقت پہ یقین رکھنے والا' اس لیے کوئی ناجائز ذرائع اختیار کرنے سے مُجتنب رہا لیکن اِن خُوبیوں کے متوازی ایک خرابی بھی موجود تھی کہ پرلے درجہ کا مُولامست اور پیر فقیر پرست تھا...... ایسے افراد میں اَدب' خدمت اور صبر انتہا کا ہوتا ہے۔ میری ''شامتِ اعمال'' اور اُس کی ''طمعِ اَموال'' کہ مَیں اُس کی عقیدت اور خوش فہمی کی زد میں آ گیا۔ پیر کامل نہیں' یقین کامل ہوتا ہے...... اُسے کسی نہ کسی طور یقین ہو گیا کہ شادی والا گوہرِ عروس میری دُعا اور توجہ سے ہی حاصل ہوگا۔ اِس پہ مُستزاد وہ مجھے نجیب الطرفین سیّد زادہ سمجھے ہوئے تھا۔ میرے بار بار نفی کرنے اور ثبوت دینے کے باوجود اُسے یقین تھا کہ مَیں محض اپنی جان چھڑانے کی خاطر ایسا کہتا ہوں۔ اُسے کسی اپنی طرح کے بندے نے سچے سیّد اور کر[illegible] کے حساب دکھائی دے رہی ہیں۔

ایک اچھا سا عرصہ وُہ اصل بات مجھ سے چھپائے رہا...... ایک دن اُس کی خدمت و خلوص سے تنگ پڑ کر مَیں نے اُس کے سینے کی بجھتی سے راکھ کُریدنی شروع کی تو اُس نے ایک ٹھنڈی سی آہ بھر کر' آنکھوں کی نمی کو دامن سے پُونچھتے ہوئے اپنی داستانِ عشق و غم میرے گوش گزار کر دی۔ مَیں اُس کے عشقِ صادق اور جذبہ راسخ سے خاصا متاثر ہُوا...... بلکہ مجھے شیریں والا فرہاد یاد آ گیا اور بھی کئی ناکام عاشق جو اپنی محبوبہ کے سنگدل باپ کے ظلم و ستم اور ناقابلِ عمل شرائط کے آگے سیسہ پلائی دیوار ثابت ہوئے...... داستانِ حسرت بیان کرنے کے بعد وُہ مجھ سے ملتجی ہُوا کہ مَیں اس کے عشقِ صادق کے معاملہ میں اس کے حق میں دُعا کے ساتھ ساتھ کوئی ایسا وظیفہ' چلّہ یا طریقہ بھی بتاؤں' جس سے وقتِ مقررہ کے اندر اندر' اس کے پاس اِتنی دولت آ جائے کہ وہ اپنے لالچی سُسر کے مُنہ پہ مار کر اپنی شادی کر سکے۔

مَیں اس کی اس معصوم یا بیوقوفانہ خواہش پہ زیرِ لب مسکرا کر رہ گیا۔ پھر بڑا مشفقانہ لہجہ اختیار کر کے سمجھایا کہ میرے ہاں ایسا کوئی وظیفہ یا طریقہ نہیں' جس کے ذریعہ فی الفور کوئی خزانہ ہاتھ لگ سکے...... لیکن بڑی کج سے اپنے باباجی کا بتایا نسخہ سمجھایا کہ کثرت سے السلام علیکم اور ہر لقمہ' گھونٹ پہ الحمدللہ پڑھا کرو۔ غائب سے مدد ہوگی...... مگر وہ شاید مطمئن نہ ہُوا تھا۔ ہر چڑھتا ڈوبتا سورج اُسے تیزی سے وقت گزرنے کا احساس دلاتا تھا۔

پیسہ پیدا کرنے کے لیے ہر جائز کام کرنے کے لیے تیار رہتا لیکن فارغ اوقات میں کسی ہوٹل پہ اُوپر کے کام کرنے یا کسی کے پاؤں دابنے کی خدمت سے تو اتنی دولت نہیں کمائی جا سکتی تھی کہ کسی دوشیزہ کے باپ کی طلب پوری کی جا سکے۔ ایسا لگتا تھا اُس کی اوّل اور آخری اُمید اَب میں ہی بن چُکا تھا۔ اپنے وہ فارغ اوقات میں بڑی تندہی سے میری خدمت کرتا اور پُراُمید نگاہوں سے میری جانب تکتا رہتا...... اکثر موقعہ پاتے ہی وُہ اپنی خواہش کا اظہار کرنا بھی نہ بھولتا کہ جسے سُن سُن کر میں بیزاری کی حالت تک پہنچ چُکا تھا۔

ایک دن عشاء کی نماز کے بعد وہ میرے پاؤں دابتے دابتے پھسک پڑا۔

''شاہ صیب! اُوپر خُدا ہے نیچے آپ...... بات شادی کی نہیں' اُس کے دَیوث باپ کی نیت کی ہے۔ اُس نے مجھے کم تر اور غریب سمجھ کر یہ پیسے والی شرط لگائی اور ایک سال کا ٹیم دیا۔ میں نے اللہ پاک کا نام لے کر قبول کر لیا...... اَب بات میرے لیے غیرت اور عزت کی ہے۔''

میں نے اپنا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''فرض کرو کہ وقت کے اندر رقم کا بندوبست ہو گیا ہے لیکن وہ کوئی اور بہانہ تراش کر رشتہ دینے سے انکاری ہو جاتا ہے تو پھر تم کیا کرو گے؟''

''[illegible] ہوں [illegible] رُوبرو رکھی تھی اس لیے انکار نہیں کر سکتا۔'' اِسی دَوران اس نے مضبوطی سے میرے پاؤں پکڑ لیے گھگیاتے ہوئے کہا۔

''شاہ صیب! خدا پاک کی قسم! اگر میں اُس دَیوث کی شرط پوری نہ کر سکا تو اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دے گا۔''

میں نے اُوبتے ہوئے کہا۔ ''تم یہ سب کچھ مجھے کیوں سناتے ہو...... جب تم نے اُس لڑکی سے عشق کیا یا جب اُس کے باپ سے شرطیں وعدے کیئے تھے اُس وقت تو میں تمہاری آس پاس نہیں تھا۔ تم عمر میں مجھ سے بڑے ہو اور اپنے علاقے میں ہو...... بھلا میں کس طرح اس معاملے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟''

وہ میرے پاؤں پڑ گیا۔ ''شاہ صیب! آپ کچھ بھی کہیں لیکن مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ مشکل کام آپ کی دُعا برکت سے ہی حل ہو گا اور ایک دن میں آپ کو اس کا ثبوت بھی دوں گا۔''

میں اس کی ثبوت دینے والی بات پہ چونک سا گیا۔ ساکت آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''تم ایسا کیسے کہہ سکتے ہو......؟''

بلا توقف جواب میں بولا۔ ''مجھے سیّد بابا مردان بادشاہ نے آپ کا چہرہ مُبارک دکھا کر بتایا تھا کہ اِسے پہچان لو یہ تمہیں بہتے پانی کے کنارے ملے گا' اِسے مت چھوڑنا۔'' پھر بتانے لگا کہ یہ اشارہ حالتِ خواب میں کئی مرتبہ ہو چُکا ہے۔

عید میلادالنبیؐ سامنے تھی پھر اور اِدھر اُدھر کے کام...... قصہ کوتاہ، لگ بھگ بیس پچیس روز بعد واپس وارسک پہنچا تو بجلی والوں کا کیمپ پہلی جگہ سے اُٹھا کر ذرا پرے دریا کے بہاؤ کی جانب جما دیا گیا تھا...... مسجد اور ہوٹل وغیرہ اب قدرے دُور ہو چکے تھے...... یہاں پہنچتے ہی میں نے دوسرا سوال اس پٹھان کے بارے میں پُوچھا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ اُسے تو میرے استقبال کے لیے اُدھر موجود ہونا چاہیے تھا۔ اب جو سُننے کو ملا وہ میری توقع کے عین مطابق تھا۔ میرے ادراک میں تھا کہ یہ حضرتِ داغ مجھے کسی نہ کسی غیر معمولی حالات و واقعات سے ضرور دوچار کریں گے، سو ایسا ہی ہُوا۔

وُہ میری ہدایت کے مطابق ہر شب، دو پہر رات بیتنے پہ دریا کنارے ایک پتھر پہ بیٹھ جاتا۔ ورد و وِرود پڑھ کر بنسی پانی میں پھینک دیتا۔ پَو پھٹنے تک وہیں موجود۔ اس دوران اگر کوئی مچھلی لگ جاتی تو اُدھر بیٹھے اُسے صاف کر کے معدہ پیٹ دیکھ لیتا۔ میں نے ہی اُسے بتایا تھا کہ اگر اللہ نے چاہا تو کسی مچھلی کے پیٹ سے ہی تمہارا گوہرِ مراد برآمد ہو گا جو تمہارے سارے مسئلے حل کر دے گا۔

اصل میں میں نے اپنی بے علمی کی بنیاد پہ یہ فرض کر لیا اللہ کے نبی یونس علیہ السلام جن کی آزمائش میں مچھلی کا بہت بڑا کردار رہا اور بظاہر مچھلی ہی اُن کا ذریعہ نجات بنی تھی اس بے چارے کی مالی اور [illegible] مشکلوں کا حل بھی کیا [illegible] اللہ کی شان یا میرا امتحان کہ یہ تُکا ایک تیر بہدف ثابت ہُوا...... ایک ایسی مچھلی جو اِدھر دریائے کابل کے پانیوں میں شاذ ہی کہیں دکھائی دیتی ہے، اُس کے ہاتھ لگ گئی...... پیٹ چاک کیا، بڑے کابلی چنے کے برابر ایک زمرد دانہ کھٹاک اُچھلتا ہُوا نیچے بچھے ہوئے [illegible] میں کہیں گم ہو گیا۔ ہلکی سی چوندھ سے اُسے احساس ہُوا کہ کوئی چمکدار سی شے نیچے گری تو ہے لیکن نیم تاریکی میں [illegible] نہ تھی۔ بڑا سا سر، موٹی موٹی باہر کو نکلی ہوئی زمردیں آنکھیں، اسی رنگت کے چھلکے چِھنّے، نیچے سفید نرم پیٹ اور دُم کی جانب دوشاخہ لمبی سی ہڈی۔ ٹارچ کی روشنی میں مچھلی اک عجوبہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ اِس کی نکلی ہوئی آلائش سے بدبو کی بجائے اِک مست کر دینے والی عنبریں خوشبو خارج ہو رہی تھی۔ اُسے ہلکی ہلکی نیند کا غلبہ سا محسوس ہُوا، ابھی وہ اس کیفیت کو صحیح سے سمجھ نہ پایا تھا کہ دائیں جانب جھکولا لے کر بے سُدھ سا پڑ گیا۔

صبح دم، نمازی لوگ جب فراغت و طہارت کے لیے اس جانب سے گزرے تو یہ دریا کنارے مزے سے سوتا ہُوا پایا گیا۔ بنسی، ٹارچ، چھری پاس دھری، جبکہ وہ رات والی نادر مچھلی نادارد تھی...... دوستوں ساتھیوں نے اسے بیدار کیا تو ہکا بکا سا اُنہیں دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب حواس کام کرنے لگے تو رات والی مچھلی اور اس کے پیٹ سے نکلنے والی وہ چمکدار سی چنگاری بھی یاد آ گئی۔ نیم اندھیرے میں وہ سنگ دانہ ایک چمکتی ہوئی چنگاری کی مانند ہی تو تھا جو نیچے پڑے ہوئے گیٹوں میں کہیں اُتر گیا تھا۔ وہ اک اُچٹتی سی نظر اِدھر ڈال کر

سامان اُٹھائے خیمہ کی جانب بڑھ آیا۔

آج وہ اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر رہا...... اِک عجیب سا ہنگام اُس کے اَندر بپا تھا وہ کسلمندی کا بہانہ بنائے لیٹا رہا۔ وہ چاہ رہا تھا کہ سَنگی ساتھی اپنے اپنے کام پہ نکل جائیں تو پھر دَریا کی جانب بڑھے، جدھر رات وُہ چمکدار سنگدانہ جھلک دِکھا کر پھر کہیں غائب ہو گیا تھا۔

تمنا جب تمتما اُٹھے، خُوشی خُوشبو چھوڑنے لگے، مُراد محمل میں ماہتاب بن کر اُتر آئے تو فردِ عصر کی قید سے وقتی طور پہ آزاد ہو جاتا ہے اور وہ خُود بھی اَمرِ عصر کی خوابناک سی کیفیت بنا ہوتا ہے۔ ایسی ہی کسی کیفیت میں سرشار اُٹھا۔ دَریا پہ اُسی جگہ پہنچا...... عین تھوڑی تلے خُوبصورت رنگ برنگے گیٹوں میں اُس سنگدانہ کو تلاش کرنے لگا جو مچھلی کے پیٹ سے نکل کر اِدھر کہیں چُھپ گیا تھا۔

چھوٹے موٹے سنگریزوں کو اُٹھایا تو وہ سنگدانہ جو ایک بے عیب نایاب زُمرد کی صفت تھا، نیچے ریت پہ پڑا دَمک رہا تھا...... کانپتے ہاتھوں سے اُٹھایا...... خیرہ نگاہوں کے رُوبرو اُس کی چھب ہی نرالی تھی...... اِس کی سبز گوں چمک [illegible] سے اس کی محرومیوں کی کشتِ ویراں میں جیسے بہار آ گئی ہو...... ننھے نازک جگنو کی مانند مُٹھی میں دبائے خیمہ میں پہنچ آیا۔ داخلہ کا پردہ گرا کر اپنے بستر پہ بیٹھ گیا...... سامنے چادر پہ رکھ کر بٹ بٹ تکنے لگا...... رومال [illegible] یا [illegible] کے رُوبرو کر کے آر پار دیکھا، ہتھیلی پہ دھر کے وزن کا اندازہ لیتا۔ عجیب ہیجانی سی حالت تھی کہ اُسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہُوا...... ظہر کی اَذان پہ وہ باہر نکل آیا۔ یہ گوہرِ نایاب رُومال کے کونے میں بندھا اُس کی واسکٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔

پشاور کے جوہری بازار میں اُس کے علاقہ [illegible] کا ایک صاحب حیثیت خان، شمالی علاقہ جات سے برآمد ہونے والے خام قیمتی پتھروں کا کام کرتا تھا، اُس سے معمولی سی یاد اللہ بھی تھی...... سامنے بیٹھ کر، سنگدانہ رُوبرو کر دیا۔ مختلف انداز سے دیکھنے پرکھنے کے بعد اُس نے ایک معقول قیمت پہ اسے خریدنے کا عندیہ دیا۔ یہ قیمت ایسی کہ جو اس کی ضرورت اور سوچ سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اُس کے بار بار پوچھنے پہ بھی اس نے یہ نہ بتایا کہ اِسے کہاں سے حاصل ہُوا...... اُس پارکھ نے بتایا اُس نے اپنی پیشہ وَرانہ عرصۂ حیات میں ایسا آب دار، بے دَاغ اور وَزنی زمرد، شاید دوسری یا تیسری بار دیکھا ہے۔

شادی اور گھر کے لیے کچھ ضروری سامان خرید کر، وہ واپس وَارسک اپنے کیمپ میں چلا آیا۔ یہاں اُس کے دو خلیرے بھائی بھی کام کرتے تھے...... دو چار روز میں کمپنی سے اپنا حساب کتاب اور دیگر اِدھر کے اُمور نبٹا کر خلیرے بھائیوں کے ساتھ علاقہ غیر اپنے گاؤں لوٹ آیا۔

یہاں کیمپ میں نوکری چھوڑنے اور اِک دَم اَمیر ہو جانے کی خبر، وَبا کی طرح پھیل گئی تھی...... لیکن

تفصیل کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اِس کے ہاتھ کون سا الہ دین کا چراغ آیا ہے۔ جس کے جن نے راتوں رات' اِسے لُفنٹر سے تونگر بنا دیا ہے...... آدھی رات دریا پہ بیٹھنا' کچھ ورد کرنا' مچھلی پکڑنا تو سب کے سامنے تھا مگر اصل بات' میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ میرے حساب سے یہ پٹھان' شاید اپنی زندگی میں پہلی بار کوئی سیانی حرکت کر گزرا تھا...... مگر اپنے گاؤں پہنچ کر وہ اسے برداشت نہ کر سکا یا اُس کے رشتہ داروں نے اُس سے اُگلوا ہی لیا۔ ہاں' یہی آخری بات دُرست تھی۔

یونس خان' شادی کی پوری تیاری کر کے اپنے ہونے والے سُسر کے پاس پہنچا...... مطالبہ والی رقم سامنے رکھی اور نکاح کی تاریخ طلب کی...... سُسر جو انتہائی خسیس چالاک اور محتاط آدمی تھا' اپنے سامنے ڈھیر سارے نوٹ دیکھ کر گھبرا سا گیا...... اُسے قطعی توقع نہ تھی کہ یہ کچا سا بیکار نوجوان' کبھی اتنی بڑی رقم اکٹھی کر سکے گا اُس نے بس اِس کم حیثیت سے اپنی حسین و جمیل بیٹی کا پیچھا چھڑانے کی خاطر یہ چال چلی تھی۔ جو اِس پہ ہی اُلٹی پڑ گئی۔ اَب بات وعدہ پورا کرانے کی رہ گئی تھی جس میں اُسے تامّل تھا۔ اُس کے شاطر ذہن نے ایک نئے خدشے کا اظہار کر دیا کہ تم یہ ثابت کرو کہ یہ خطیر رقم ناجائز طریقے سے حاصل نہیں کی گئی۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے کوئی چوری ڈاکہ' کسی کا قتل یا کسی اور ناجائز ذرائع سے اس کا انتظام کیا ہو...... اور کل کلاں یہ بات کھل جانے پہ' میری بدنامی [illegible]

اس مکار نے ایک بار پھر یونس خان کی محبت اور حمیت کو آزمائش میں ڈال دیا تھا...... اُس نے کچھ بزرگوں کو بیچ میں ڈالا کہ تمہارا رقم والی شرط پوری کر دی گئی اَب تم شادی کا وعدہ پورا کرو...... مگر اس کی ایک ہی رَٹ' کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ تم نے یہ جائز طریقہ سے حاصل کی ہے کیونکہ اتنے کم عرصہ میں اتنی رقم' محض محنت و مزدوری سے حاصل نہیں ہو سکتی...... بات میں وزن تھا' فیصلہ یہی ہوا کہ ثبوت پیش کرو اور شادی کر لو۔

اِدھر اُس کی محبوبہ نے بھی یہی کہا...... محبت اور شادی اپنی جگہ پہ' لیکن عزت اور خاندانی روایات بھی کوئی چیز ہیں۔ تم اگر اپنے موقف میں سچے ہو تو ثبوت پیش کرو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو میں بھی محض محبت کی خاطر اپنے خاندان اور معزز باپ کی عزت پہ حرف نہیں لا سکتی......''

بس یونس خان یہیں مات کھا گیا...... اُس نے انتہائی رازداری اور اعتماد میں اپنے بزرگوں اور جرگہ کے سرکردہ افراد کو من و عن ساری ''داستانِ لا میری مچھلی مُونگا مُوتی'' سنا دی۔ مگر کسی کو بھی اُس کی داستان سرائی پہ یقین نہ آیا...... ثبوت کے طور پر اپنے خلیرے بھائیوں کی گواہی دلائی مگر یہ کہہ کر انہیں بھی مسترد کر دیا گیا کہ اوّل تو اِس دور میں ایسا تو عمر کوئی شاہ صیب ہو ہی نہیں سکتا کہ جو خُود تو بارہ چودہ روپے روز پہ مزدوری کرتا ہو اور دُوسروں کو بیس پچیس ہزار روپے کا زمرّد دلواتا ہو۔ دوسری بات یہ کہ شاید ہی اِس دور میں کسی مچھلی کے پیٹ سے زمرّد نکلا ہو۔ سمندر کی کسی مچھلی سے اگر مُوتی مرجان نکل آئے تو تعجب نہیں لیکن دریائے کابل کے پانیوں

کی مچھلی سے ایسا قیمتی اور صاف ستھرا' پالش کیا ہُوا زمرد کا مل جانا ممکنات میں نہیں۔ لہٰذا تمہاری یہ بات قابل قبول نہیں...... اَب آخری چارہ یہی رہ گیا تھا کہ مجھے ثبوت کے طور پیش کر کے...... اس کے لیے مجھے اغواء کیا گیا اور میرے اُدھر پہنچنے سے پیشتر میری یہ کرامت زبان زدِ عام تھی...... لوگ مجھ کم عمر "شاہ صیب" کی جو شادی کے مطالبے کی رقم کے لیے مچھلی کے پیٹ سے زمرد والماس برآمد کرواتا ہے' زیارت کرنا چاہتے تھے اور شاید اپنی اپنی شادیوں کے زر و جواہرات بھی......!

واپس چلتے ہیں اُسی گاؤں' جدھر جمعہ کی نماز کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جو میری اقتداء میں پڑھی جانی تھی اور میَں اس کوشش میں تھا کہ کسی طور یہ گناہ' کم از کم مجھ سے سرزد نہ ہو۔ دُنیاوی معاملات میں بھی گناہ' گناہ ہی ہوتا ہے مگر دین کے مسئلے میں کسی کو فریب دینا...... کذب و کراہت سے دوچار کرنا بہت بڑا گناہ ہے......

اللہ سے دل ہی دل میں فریاد کی' اے مالک جزو وکل! میری مدد فرما میَں کوئی پروفیشنل رنگ باز اور کذب پسند نہیں محض شغل میلے یا چھوٹی موٹی ضرورت کے تحت ایسا کچھ ہو جاتا ہے۔ سیالکوٹی ہونا بھی تو ساتھ لگا ہُوا ہے۔"

پہلی اذان تک کوئی معجزہ رونما نہ ہُوا۔ خیال آیا مجھے پشتو تو آتی نہیں میں ان پختونوں سے کیا خطاب کروں گا...... بھاگنے کی کوئی راہ نہ تھی اور بچنے کی کوئی معقول ترکیب سُجھائی نہیں دے رہی جو ان کے لیے قابل قبول ہو۔

غسل خانے میں بیٹھا ہوا میں امامت سے بچنے کی کوئی اور ترکیب تلاش کر رہا تھا کہ اچانک پیٹ میں مروڑ اُٹھا اور میَں بیٹھے بیٹھے دُہرا سا ہو چلا' شاید یہ صبح والے افغانی ناشتے کا ردِ عمل تھا یا میرے فراری دماغ کا سیالکوٹی پورشن ہو گیا۔

یہ طہارت خانہ مسجد سے [illegible] کی اوٹ میں تھا [illegible] کے اردگرد کانٹوں کی باڑھ تھی یعنی یہ کوئی باقاعدہ بیت الخلاء نہیں تھا۔ نیچے گڑھا کھود کر اُوپر چوبی پھٹا رکھ دیا گیا۔ پاس ایک قدرتی گڑھا جس میں گدلا سا پانی اور پاس پڑا مٹی کا لوٹا...... یعنی بندہ اپنی آنکھیں خود ہی بند کر لے تو پردہ ہے' کُھلی رکھے تو نہ اپنا پردہ نہ دوسرے کا...... مجھ سے محض تین چار فٹ پَرے' میرے پہرے دار مُستعد کھڑے تھے۔ جن کے مضبوط کاندھوں پہ تھری ناٹ تھری کی بھری ہوئی بندوقیں لٹک رہی تھیں...... اب جو بیت الخلاء سے ڈزن ڈزار اور پھُسّم پھُسّر اور مُنہ سے ہائے وائے کی دہلا دینے والی آوازیں ان تک پہنچیں تو وہ بوکھلا اُٹھے اور اندر جھانک کر اُردو پشتو میں پُوچھنے۔

"شاہ صَیب! خیریت' کیا بات ہے......؟"

میَں نے مزید ڈرامائی کیفیت پیدا کرتے ہوئے آواز بگاڑ کر جواب دیا۔

"میرے پیٹ میں بڑی گڑبڑ ہے شاید صبح کا ناشتہ میرے لیے مناسب نہیں تھا...... مجھے پیچش لگ چکے

ہیں۔"

ایک دو مزید فائر جب چھوڑے تو اُن میں سے ایک حُجرے کی جانب بھاگا...... تھوڑی دیر میں وہاں سے وہی بڑی سی ریش والا معزز پٹھان پہنچ گیا...... اُس کے دریافت کرنے پہ میں نے اندر بیٹھے بیٹھے ہی بتایا کہ مجھے محسوس ہوتا ہے صبح کا ناشتہ میرے لیے پریشانی کا باعث بنا ہے۔ پیٹ میں سخت کڑل پڑ رہے ہیں اور پیچش جیسی صُورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔ جسمانی کمزوری ایسی کہ میرے لیے یہاں اُٹھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ اُن کی آپس میں کچھ نرم گرم گفتگو ہوئی جسے میں سمجھ نہ سکا' صرف یہی دیکھنے میں آیا کہ وہی باہر کھڑے دونوں نگہدار اندر آئے بڑے آرام سے پکڑ کر اُٹھایا' میرا آزار بند باندھا اور سہارا دے کر حُجرے تک لے آئے...... پڑے پڑے محسوس ہُوا کہ اُن کی سرگرمیوں میں خاص سَردمہری واقع ہو چکی ہے...... باہر مسجد کے آس پاس اچھے خاصے لوگ اکٹھے ہو چکے تھے جو میری زیارت و خطابت کی خاطر گردونواح سے کھنچے چلے آئے تھے۔ میں چت پڑے دُونوں ہاتھ پیٹ پہ دھرے ہائے وائے کی آوازیں نکال رہا تھا...... چہرے پہ کرب کی کیفیت' جیسے زچگی کے دَوران کسی زچہ کے بُشرہ پہ در آتی ہے۔

قصہ کوتاہ کہ نمازِ جمعہ کی اُمامت خطابت حسبِ سابق اُن کے مولوی صاحب سے ہی سرانجام پائی۔ جو میرے لیے [illegible] میں سُوجھ آئی کہ یہ "ترکیبِ نجات" مجھے بیت الخلاء میں پہنچ کر ہی کیونکر سُوجھی...... معلوم ہُوا کہ ہر سُوجھ بُوجھ کے لیے کوئی مقام مخصوص ہوتا ہے...... پُھول پُھلواریوں میں اُگتے ہیں' رُوڑیوں میں نہیں...... رُوڑیوں پہ تو زہریلی کھمبیاں اُگتی ہیں جن پہ ٹانگ اُٹھا کے کُتے مُوتتے ہیں...... یہ سب میرے شرارتی ذہن کا ادنیٰ سا کارنامہ تھا...... میری مکاری اور اداکاری کہ میں اپنے [illegible] سے مختلف آوازیں نکال لیا کرتا تھا۔ کچھ امثال یُوں کہ کھڑے کسی لڑکے کے پیچھے مُنہ کر کے یُوں آواز نکالتے جیسے اُس کی قمیض' کسی نے پکڑ کر پھاڑ دی ہے۔ وہ پلٹ کر دیکھتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ اِسی طرح کسی مجمع میں بیٹھے بیٹھے' ایسی خفیہ آواز نکالتے جیسے کسی کا پیٹ بول رہا ہے۔ اُسے باتھ رُوم جانے کی ضرورت ہے۔ ویگن' بس میں اپنی سیٹ پہ بیٹھے بیٹھے یہ مکروہ آواز ایسی ہشیاری اور ہُنر سے نکالتا کہ آگے پیچھے والے تلاش ہی کرتے رہ جاتے کہ کس کا پیٹ خراب ہے۔ جب تھوڑے وقفے کے بعد یہ سلسلہ جاری رہتا تو کوئی نفیس الطبع مُسافر تنگ پڑ کر بول اُٹھتا۔

"یار! کہڑا بدتمیز اے جہڑا باتھ رُوم جان دی بجائے ایتھے آ بیٹھا اے"...... جبکہ میں اُسی کے ساتھ ہی بیٹھا ہوتا...... کسی جلسے' محفل یا قوالی میں بیٹھے بیٹھے بور ہو جاتا تو ذرا تفنن پیدا کرنے کی خاطر' اِسی فن سے کام لیتے کہ بڑی مشاقی سے کسی چُوہیا کی چیخ نما آواز نکالتا' جو کسی کے نیچے دَبی ہوئی کراہ رہی ہے۔ بس' میرے اردگرد وہ ہڑبونگ مچتی کہ اللہ بھلی! اپنی شلوار جھاڑ رہا ہے تو کوئی اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے یا اِدھر سے اُٹھ کر

کہیں اور جا بیٹھتا ہے۔ میں خود بھی اپنے نیچے کسی چوہے چوہیا کو تلاش کرنے کی ایکٹنگ کرتا۔ محفل درہم و برہم اور میں خوشتر و خرم۔

● بیگم کا میکا بلیوں کا سسرال......!

ایک بار مجھے اپنی بیگم کے ہمراہ اُس کے ایک قریبی رشتہ دار کے ہاں (مجبوراً) جانا پڑا۔ دُور دراز شہر اور کچھ ملاقات کی نوعیت یُوں تھی کہ پانچ چھ روز وہاں ٹھہرنا بنتا تھا...... عام رشتہ داروں سے تو بہ بھلی ہوتی ہے چہ جائیکہ سسرالی رشتہ دار ان سے نبٹنے کے لیے تو چیتے کا کلیجا چاہیے ہوتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ کوئی شریف اور ذکی الحس انسان اپنی بیوی کے میکے میں زیادہ باوقار اور باعزت نہیں رہ سکتا...... یہی حال میرا ہوا ایک آدھ روز میں میں اپنی ہی نظر میں اجنبی سا ہو گیا۔ لگتا تھا میں کوئی بھاڑے کا ٹٹو ہوں جو ادھر سسرال میں بیگار پہ لگا ہوں...... بس میرے گلے میں کسی زنجیر رسّی کی کسر باقی رہ گئی تھی۔ گھر بھر کے بچے اپنی نظمیں گیت مجھے سُنا رہے ہیں۔ پُرانے جلے ہوئے پنکھے استریاں ٹارچیں مرمت کے لیے مجھے دکھائی جا رہی ہیں کہ میں بجلی کا کام جانتا ہوں۔ شناختی [illegible] لیے میں ہی لیبارٹری جا رہا ہوں۔ بنک واپڈا کے دفتر ٹیلیفون دفتر سب جگہوں کے لیے میں ہی موزوں ہوں کہ دفتری اور افسری زبان سمجھتا ہوں۔ اپنی جوان بچیوں کے لیے کوئی آسودہ حال تابعدار قسم کا بر تلاش کرنے اور اُن کو کھڑے مصالحے کی بریانی کی ترکیب عملی طور پہ سمجھانے کے علاوہ خُوش خطی کا فریضہ بھی جب مجھ پہ ڈالا گیا تو میں نے بیگم سے اپنی یتیمی یسیری کا [illegible] کہ یہ چھ روزہ پروگرام ابھی دو روز ختم کر کے واپس چلتے ہیں۔ بیگم نے انتہائی خشمگیں نگاہوں سے نکالتے ہوئے کہا۔

”آپ بڑے بے صبرے اور ناشکرے ہیں۔ گھر بھر آپ کی خاطر مدارت میں لگا رہتا ہے جو توقیر اور فوقیت آپ کو یہاں مل رہی ہے بھلا کہیں کسی کو نصیب ہو گی۔ چھوٹے بڑے آپ کے دیوانے خالو خالو ہو رہی ہے۔ ہر مسئلے میں آپ کو آگے آگے رکھا جا رہا ہے۔ میں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی ہوں کہ چلو آپ کی کہیں تو اتنی عزت اور قدر ہو رہی ہے اور آپ ہیں کہ ناشکری کرتے ہوئے ادھر سے بھاگنے کی کر رہے ہیں۔“

بیوی کو کسی معاملے میں قائل کر لینا یا کوئی سمجھ داری کی بات اُسے سمجھا لینا اگر ایسا ہی آسان ہوتا تو آج دُنیا کی حالت یُوں دگرگوں نہ ہوتی...... اس شش و پنج میں جب تیسرا روز بھی آ لگا اور مجھے ادھر سے نکلنے کی کوئی معقول صُورت دکھائی نہ دی تو تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق میں نے اپنا انسانی پورشن بند کرنے اور شرارتی پورشن کھولنے کا فیصلہ کر لیا یعنی ہنگامی حالات ڈکلیئر کر دیے۔

اب مجھے رات کا انتظار تھا...... گلابی سردیوں کے دن، ہم اُوپر چھت پہ الگ برآمدے میں سو رہے، جبکہ دیگر اہلِ خانہ کھلی چھت پہ چھاؤنی ڈالے ہوئے تھے...... آدھی رات آگے آدھی پیچھے، بیگم صاحبہ حسبِ حال خراٹوں کے چابک میری نیند پر لہرا رہی تھیں...... بتادوں کہ اگر میں کوئی بزرگ وُرگ ہوں تو بیگم کے ان خراٹوں اور اُس کی ازلی حماقتوں کی بدولت ہوں ورنہ مجھ بے آب بے تاب کو کون پوچھتا تھا کہ ساری ساری رات، جاگتا، تیسرے کلمہ کا ورد کرتا رہتا۔ بہت بعد ایک اللہ والے دوست نے مشورہ دیا تھا اگر اتنا عرصہ سورۃ یٰسین کا دورہ شروع کیا ہوتا تو آج نہ شکائت ہوتی اور نہ......؟ بہر حال، جب بیگم کے خراٹوں کے ساتھ اُدھر گھر والوں کے دو تین بوڑھے جوان افراد نے بھی سنگت دینی شروع کی تو مَیں بے خُود سا ہو کر اپنے کام میں جُت گیا۔

خدا جانے کہاں سے ایک پینڈو سا بِلا کسی شہری بِلّی کے واسطے چھت پہ چڑھ آیا تھا۔ جب کوئی مہذب دوشیزہ سی بِلّی کسی اُجڈ گنوار کٹنے بِلّے کے ہتھّے چڑھ جاتی ہے اور وقت بھی رات کا ہو تو پھر جائے وقوع کے گرد اگرد شاید ہی کوئی خوش نصیب ہو جو سکون کی نیند سو سکے۔ بِلّی بیچاری اپنا پنڈا چُھڑانے کی خاطر بے سُدھ چیختی چلاتی اِدھر سے اُدھر بھاگتی پھلانگتی ہے...... بنیرے، مُمٹی، دیواریں، تنور، چارپائیوں کے نیچے اُوپر، بیری، آم وغیرہ ہر جگہ [illegible]

آپس کی کھینچا تانی میں ایسی ہڑ بونگ مچتی ہے کہ سوئے ہوئے ہڑبڑا کر بیدار ہو جاتے ہیں۔ لعن، دُشنام، بددُعائیں، بُرا بھلا سب کچھ ادا ہو جاتا ہے۔ کمبخت رُوسیاہ باگڑ بِلّے نے معصوم بِلّی کو گردن سے اُوپر سے بُری طرح جکڑ رکھا ہوتا ہے۔ وہ اُس کی بربریت سے عاجز آ کر بُری طرح کوسنے، بددُعائیں دیتی ہے اور اُدھ سوئے اُدھ جاگے لوگ، اکڑوں چارپائیوں پہ بیٹھے [illegible] کوئی نئی ترکیبیں سوچ رہے ہوتے ہیں...... گربہ مستی میں مشغول یہ گُربے، جُوتا، ڈنڈا، چھڑی پڑنے کے باوجود وہاں سے ٹلتے نہیں کہ وہ اس حالت میں نہیں ہوتے...... انہیں دیکھ کر عورتیں مُنہ دوسری طرف کر لیتی ہیں اور مرد مُنہ ان کی طرف......!

مَیں نے ایک بار بِلّیوں بِلّوں کی ”گربہ مستیوں“ سے بیزار پڑ کر ایک مضمون ”بِلّیوں کے راستے بند نہیں ہوتے“ لکھا تھا۔ کوئی باڑھ، بجلی کا کرنٹ، شیشیوں کی کرچیاں، آہنی کانٹے، آبی خندقیں، جال، دام وغیرہ ان کی راہ، ارادہ میں حارج نہیں ہو سکتے۔ اِس کو چھوڑیں، یہ تو اپنے ساتھ نوزائیدہ بچے بھی وہاں پہنچا آتی ہیں جہاں چھچھوندر انڈے نہیں دے سکتی اور چھپکلی چُھپ نہیں سکتی...... کبوتر، مُرغیاں، تیتر بٹیر تو یہ لوہے کی کابکوں، لکڑی کے مضبوط پنجروں سے مکھن سے بال کی مانند نکال کر لے جاتی ہے۔ دُودھ تو وہ ایسی جگہوں پہ رکھے اور لٹکائے برتنوں سے بھی پی جاتی ہے جدھر اس کی رسائی کا کوئی محل نہیں ہوتا۔ انسانوں سے وہ بالکل خائف نہیں ہوتی۔ کُتا، اِس کا بیری اس لیے ہے کہ وہ اس کے چھیچھڑے اُچک لیتی ہے۔ ڈرتی صرف باگڑ بِلّے سے ہے

جو اس کی گردن' اسی طرح ہی دبوچتا ہے جس طرح یہ چوہے کی گردن دبوچتی ہے۔ دونوں کے دبوچنے میں فرق یہ ہوتا ہے۔ بلی دبوچے تو چُوہا' پیٹ میں ہوتا ہے اور بلا دبوچے تو بلو ٹکڑے پیٹ میں ہوتے ہیں...... قصہ مختصر' بلی بڑی کمینی' مکارہ خرافہ' خود پسند اور کھلنڈری طبیعت کی ہوتی ہے۔ گھٹیا پنے کی انتہا کہ سامنے چکارے کی ران دھری ہو مگر یہ دکھائی دینے والی دمڑی کی چوہیا پہ لپکا لے کر ہر چیز کا پلیتھن کر دے گی۔

شاید سلسلۂ گفتگو وہاں سے اُکھڑا تھا جدھر میں بیگم کے میکے پھنسا ہوا تھا۔ بیگم وہاں کچھ روز رُکنا چاہ رہی تھی جبکہ میں وہاں سے بھاگنے کی فکر میں تھا...... پرانے پینڈو بابے کہتے ہیں کہ بہن کے گھر بھائی کُتا اور سوہرے گھر جوائی کُتا...... میں بابے بُلھے شاہ کا کُتا تو بن سکتا ہوں لیکن کسی ظلّے شاہ کا نہیں۔ شادی کے ایک لمبے عرصہ کے بعد مجھے بیگم کے ساتھ کسی سسرالی رشتہ دار کے ہاں جانے کا موقع ملا تھا...... ذہن میں یہی تھا کہ داماد کی حیثیت سے خُوب خاطرداری کا لطف اُٹھاؤں گا مگر افسوس کہ میری یہ خواہش اک حسرت بن کر میرے لیے ایک آسیب کی صورت اختیار کر گئی اور جب بیگم کے آگے بھی میری ایک نہ چلی تو میں پھر سیالکوٹی وژن میں آ گیا۔

پہلے تو بلیوں کی مسلسل غُرّاہٹ نے سونے والوں کی میٹھی نیند میں کھنڈت ڈالی...... اس کے بعد دو بلیوں میں [illegible] چیخ [illegible] بیگم بھی ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھیں...... [illegible] کا ورد کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"اے منہ کالیاں' منحوساں کتھوں آمریاں نیں؟"

میں نے کمال بے نیازی سے اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"ابھی ابھی آنکھ لگی تھی [illegible]۔"

انگڑائیاں توڑتے ہوئے پھر سونے کی تیاریاں شروع ہوئیں...... بمشکل پلک سے پلک جُڑی ہو گی کہ پھر کمبخت ماری بلیاں آ ٹپکیں۔ لڑائی جھگڑا تو سنائی نہ دیا البتہ آہ و بکا شروع ہو گیا۔ لگتا تھا دو عورتیں تازہ تازہ بیوہ ہوئی ہیں...... ایسی فریادیں' ہُوکیں اور بین کہ سُن سُن کر کلیجہ منہ کو آوے...... کسمسا اور بڑبڑا کر پھر سارے کوٹھے والے بمعہ میری بیگم اُٹھ بیٹھے...... خونقوں کی مانند آنکھیں پھاڑے خود کو کوس رہے ہیں کہ نگوڑی بلیوں کے رونے پیٹنے اور بین بسوری کے لیے کیا یہی کوٹھا رہ گیا تھا؟! اکثر ہاتھوں میں جُوتے گھوڑے کہ کہیں نظر آئیں تو دے ماریں مگر بلیاں تو چھلاوؤں کی ممانیاں ہوتی ہیں...... دس پندرہ منٹ میں مُنہ بسورے پھر سب لڑھک لیے کہ ٹوٹی دوستی کی طرح ٹوٹی نیند بھی بھیگی طویل راتوں میں بڑی دُکھن دیتی ہے...... دیر بدیر نوحہ کناں گربا میں پھر کہیں سے اپنی دردناکی سمیت وارد ہو جاتی ہیں کہ آنکھوں میں کانٹے کاشت کیے ہوئے نیند کے کسان' پھر اُٹھ بیٹھتے ہیں' چاروں اطراف نوحہ گر گرباؤں کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سوچتے ہوں گے

کہ بلّیوں کو نیند کیوں نہیں آتی؟

صبح کوّوں نے کائیں کائیں کی چونچیں مارتے ہوئے سب مُردوں کو غفلت کی قبروں سے اُٹھنے پہ مجبور کر دیا...... نحوستوں اور بے رونقیوں کے بے رنگ سائے سجائے، سارے کھا جانے والی نظروں سے اِک دُوجے کو پہچاننے کی کوشش میں تھے۔

رات کی محنت، وصل کی ہو یا ہجر کی...... عبادت کی یا ریاضت...... چوری کی یا یاری کی...... نگہبہ داری یا بیماری، سب کے اچھے بُرے نتائج، چہروں پہ کندہ ہوتے ہیں...... ۔

آنکھیں تو کہہ رہی ہیں کہ جاگے ہو رات بھر
اِن ساغروں میں بُوئے شراب وصال ہے

میں ذرا پرے بنیرے کے ساتھ [illegible] پیلو کی مسواک کر رہا تھا اور کانی نظروں سے بیگم کو بھی دیکھ رہا تھا۔ جو بھاڑ منہ نکالے مجھے یوں بے نیاز سا تک رہی تھی۔ یہیں مجھے اندازہ ہوا کہ ایسی گھریلو ٹائپ، دیسی بیویاں ان کے جسم جوانی کا کوئی دین مذہب نہیں ہوتا...... ہوتی کچھ ہیں دکھائی کچھ اور دیتی ہیں۔ خوش نظر اور خوش بخت ہے وہ شوہر جس کی بیوی دو ڈھائی برس کے بعد بھی اُسے بیوی ہی دکھائی دے۔ ان بیویوں مظلوموں کی [illegible] بیوی، گھر والی، اہلیہ، بچوں کی ماں، عروسہ وغیرہ سب مختلف ادوارِ زندگی اور مختلف ازدواجی رویوں اور کیفیتوں کے اشاریے ہیں۔ شوہر نامدار پہ ایسا وقت بھی آتا ہے کہ رویوں سے بیوی، سوتیلی بے بے سی لگنے لگتی ہے جبکہ کوئی ہمدرد مخلص بیوہ عروسہ سی محسوس ہوتی ہے۔ میں کئی ایسے سمجھدار اور نفیس شوہروں سے واقف ہوں کہ اک عرصہ دراز سے کبھی اپنی بیوی کے ہمراہ شاپنگ اور [illegible] نہیں نکلے کہ بے دیدہ لوگ، ان کی بیوی کو کوئی بزرگ سمجھ کر، نیاز مندی سے سر آگے جھکا لیتے ہیں۔ کئی گھروں میں ایسے بھی ہُوا کہ صاحب کو ملنے کوئی گھر پہ آیا۔ دروازہ پہ اُن کی اہلیہ آئیں، بتایا کہ وہ گھر پہ موجود نہیں شام چھ بجے کے بعد آئے گا...... آنے والا احترام سے ایک فائل دے کر کہتا ہے۔

''ماں جی! یہ کاغذات شیخ صاحب کو دے دیجئے گا۔ باقی بات میں اُن سے ٹیلیفون پہ کر لوں گا۔''

شام کو ٹیلیفون پہ بات ہوتی ہے۔

''ہاں جی! فائل میں آپ کی اماں جی کو دے آیا تھا۔ آپ نے دیکھ لی ہوگی......؟''

اس کے بعد جو گفتگو ہوئی ہوگی آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

مسواک، دیوار کے پرے پھینک کر میں بیگم کی جانب بڑھ آیا۔ آنکھوں میں نیند کی کسلمندی تھی، بال جو کبھی زُلفیں ہُوا کرتی تھیں یوں کھلوا کھلرے ہوئے تھے جیسے کسی دُھنیے نے دُھنک دیئے ہوں...... انسان،

خاص طور پہ بیوی عورت کے اصل خدوخال، خالی پیٹ صبح صبح بیداری کے عین چند منٹ تک اپنے جبلی انداز لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ میری سالی کی بہن اس سمے ایک ایسی عمر رسیدہ، مستقل پاڑے بیٹھی مُرغی کی مانند دکھائی دے رہی تھی...... جس کے بال و پر ری پلانٹنگ کروائے گئے ہوں...... سونے کے سارے انڈے ایک بار اکٹھے نکلوا کر اس کے پیٹ میں پرانے گولف بال بھروا دیئے گئے ہوں...... مجھے اس طرح کھُبتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اس بے طرح گھُور گھُور کیا دیکھتے ہیں؟''

میں نے کمال کذب سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''رات اِدھر بلیوں نے تمہیں کتنا پریشان کیا...... پھول سا چہرہ کُملا کر رہ گیا ہے۔ ذرا اپنے بالوں کی حالت دیکھو۔ جیسے بال نہ ہوں جنگل اُگا ہوا ہو۔''

روہانسوی بولیں: ''بلیاں تو لاہور میں بھی ہیں مگر ایسی دُکھیا اور کمینیاں نہیں...... کم بختوں نے ایسے ایسے دل ہلا دینے والے بین اور پٹ سیاپے کیے ہیں کہ مجھے اپنے کئی مرنے والے یاد آ گئے۔''

میں نے مزید چونا لگاتے ہوئے کہا۔ ''یقین مانو میرا تو زندگی سے جی اُچاٹ ہو گیا ہے۔ بس رات سے اب تک [illegible] ہوا''

بیگم میرے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔ ''تُخ تُخ تو ایسے منحوس شبد منہ سے نہ نکالو...... بس اِدھر جو رہنا تھا رہ لیا، اب [illegible] کے نکلنے کی کرو......''

''کیا کہہ رہی ہو؟ کل تیل کی رسم ہے، پرسوں شادی، پھر ولیمہ...... اتنا خرچہ اور وقت کا خرچہ کر کے آئے ہیں اور پھر یہ تمہارے رشتہ دار کیا [illegible] گے۔''

''دفعان کرو سب کو اپنی جان سے تو زیادہ کوئی عزیز نہیں۔'' پھر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔ ''میں تو کہوں ان کو یہ شادی بھی ملتوی کر دینی چاہیے۔''

سارا دن بیوی بخار میں پھُنکتی رہی اور میں سیالکوٹی انداز میں بیت الخلاء کے چکر اور اسپغول پھانکتا، وہی چاٹتا رہا۔ عین تیل کی رسم سے پہلے ہم وہاں سے نکل چکے تھے۔

قارئین! اب شاید آپ کو مزید بتانے کی ضرورت نہیں وہ بلیاں اور بلا...... اُن کی لڑائیاں، بین رونا چیخنا، سب کچھ...... میرے پہلے کسی مضمون میں اس فن کا قدرے تعارف درج ہے اور یہ بھی کہ آواز کو کس طرح تبدیل اور کسی دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے۔ اس فن سے کون کون سے بھلے بُرے کام لیے جا سکتے ہیں، دونمبر جعلی پیر اور بھوت پریت والے عامل، اس فن سے توہم پسند لوگوں کو خُوب بیوقوف بناتے ہیں اور پیسے بٹورتے ہیں۔ وہ آپ کے رُوبرو بیٹھے ہوئے کہیں دُور، باہر سے جن یا ہمزاد کی آواز سُنا سکتے ہیں جبکہ اُن کے ہونٹ بھی ہل

نہیں پاتے۔ آپ کو پہاڑوں' غاروں' صحراؤں' میدانوں میں تجربہ ہُوا ہوگا۔ آواز دینے سے وہی آواز تبدیل ہو کر اک گونج کی صُورت واپس پلٹتی ہے۔ اس کو ساؤنڈ ایکو کہتے ہیں فنِ موسیقی کا تمام دار و مدار صوت و آہنگ کی بُوالعجبیوں پہ محمول ہوتا ہے۔ اکثر آوازیں' ہونٹوں' زبان' تالو' دانتوں' حلق کی محتاج ہوتی ہیں لیکن کچھ آوازیں ان اعضا و اعصاب کی مرہونِ منت نہیں ہوتیں پھر طریقے بھی یُوں ہوتے ہیں کہ آواز کی لہروں میں جھکاؤ' پھیلاؤ اور گھماؤ پیدا کیا جا سکے...... سپورٹس میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کھلاڑی آہنی وزنی گولے یا لمبے نیزے کو کس پھرتی اور ہنر سے دُور اپنے نشانے کی طرف اُچھالتے ہیں' وہ ہڈی لکڑی کی ٹیڑھی کمان یا طشتری جو نشانہ کی جانب اُچھالی جاتی ہے فضا میں لہرا' بل کھا کر واپس اپنے مرکز پہ پہنچتی ہے۔ سارا کمال' پھینکنے والے کے ہنر' مشق اور اس چیز کی ساخت پہ ہوتا ہے۔ آپ نے مُنہ سے مختلف آوازیں نکالنے والے بھی دیکھے ہوں گے جو مُنہ سے ہر قسم کی آوازیں نکال سکتے ہیں...... فلم میکنگ میں اکثر اقسام کی آوازیں' ان فنکاروں کی مرہونِ منت ہوتی ہیں۔ ہوائی جہاز' ریل' مشینیں' مکھیوں کی بھنبھناہٹ' جانوروں کی بچوں کے رونے کی زنانہ مردانہ' غرضیکہ ہر طرح کی آوازیں پیدا کرنے والے فنکار موجود ہیں۔ میں نے ایک روسی فلم دیکھی تھی...... جنگِ عظیم کے موضوع پہ اس فلم میں شروع سے آخر تک جو بھی آوازیں تھیں وہ ایک ہی فنکار فرد کی تھیں۔ بم پھینکے جانے کی آوازیں' گولیاں [illegible] توپوں کی گھن گرج' جاں کنی [illegible] بچوں [illegible] مردوں بوڑھوں کی آوازیں...... لاہور میں ایک فنکار ایسا ہے اسے کسی پردے کے پیچھے بٹھا دیں وہ آپ کو ایسے ایسے صوتی کرتب دکھائے گا آپ ششدر رہ جائیں گے...... میں نے اس سے ایک ایسا ہی کرتب سُنا تھا۔ وہ ایک دیہاتی گھر کا صبح سویرے کا ماحول پیش کرتا ہے...... لسی رڑکنے کی مدھانی' کوّے' چھوٹے بڑے پرندے' بچے' حقہ گڑگڑاتا ہُوا اُن کا لالہ' کوسنے سُناتی ہوئی اُن کی [illegible] کتا بھونکتا [illegible] ڈکراتا' چڑیوں کی چوں چوں' کھانسی' ہنسی' گالیاں...... ہمسائی کا لسی مانگنا' حتیٰ کہ پیٹ سے ہوا کا خارج ہونا بھی تھا اور ان کا ماخذ صرف ایک فنکار' میں نے محظوظ ہو کر اُسے خاصا انعام دیا تھا اور بہت کچھ سیکھا بھی۔

ایک ایسا ہی صوتی مظاہرہ ایک اور فنکار کا دیکھا۔ وُہ فاتحہ ختم پڑھنے' نابینے حافظوں کو اپنے حُجرے میں' دسویں پہ بھیجا ہُوا ست رنگی طعام کھاتے اور لڑائی بھڑائی کا حال پیش کرتا ہے۔ اُن کی ندیدگی' طمع' بے یقینی' بے اعتباری' برتنوں کا بجنا' گھسنا' لقموں کا چبانا' چار عدد لوبھی حافظوں کو جس فطری انداز میں کھانے پہ جھپٹتے لڑتے بھڑتے پیش کیا گیا' وہ کمال تھا۔ ایک آدمی اور اِتنے کردار وُہ بھی مختلف شخ طبیعت کے مالک...... ان میں سے ایک کی آواز بلغمی تھی ایک ہکلا کر بولتا تھا...... پتلی اور بھاری آواز......!

میں نے بھی علاقہ غیر کے اِس گاؤں کے بیت الخلاء میں اسی فن کا آسرا لے کر پیٹ خرابی کی آوازیں نکالی تھیں...... جس کے باعث میں' لوگوں کی نماز خراب کرنے سے بچا...... مجھے یہ معصوم سا دھوکہ دینا

قبول تو تھا مگر اُس بڑے دھوکے کا مرتکب ہونا منظور نہ تھا...... نماز کے بعد لوگ میری زیارت اور دُعاؤں تعویذوں سے مستفید ہونا چاہتے تھے مگر اچانک میری طبیعت خراب ہو جانے سے اُن میں خاصی مایوسی پھیل گئی تھی۔ وہ دُور سے مجھے لیٹے ہوئے دیکھ کر ہاتھ اُٹھا کے شاید میری صحت کے لیے دُعائیں مانگ رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا یہ بھولے بھالے لوگ دُعا مانگ رہے ہیں کہ میں صحت مند ہو جاؤں تاکہ میں ان کے لیے دُعائیں مانگوں۔ یہاں یہ فلسفہ بھی سمجھ میں آیا کہ اللہ کریم چاہتا ہے اُس سے مانگا جائے' اُسے قاضی الحاجات کہا جائے...... تاکہ وہ ہماری حاجتیں پوری کرے...... اور یہ بھی کہ کسی ولی وواہب کو اپنا وسیلہ بھی مقرر کیا جائے۔ کسی اچھے وکیل کا مقرر ہونا اِس اَمر کی دلیل ہے کہ مقدمہ صحیح ہاتھوں سے ہوتا ہُوا مُنصف تک پہنچ رہا ہے۔

پرہیزی کھانا اور قہوہ...... طبیعت سخت بیزار پڑے پڑے بھی بور ہو گیا تھا...... بیماری چونکہ خُود ساختہ تھی محض جمعہ کی نماز نہ پڑھانے کی خاطر۔ اس لیے اب میں خود ہی تندرست ہو گیا تھا۔ میرے محافظوں کی جان میں بھی جان آ گئی تھی۔ کمال یہ کہ ابھی تک میرے علم میں یہ نہ تھا کہ میں راہ میں ہوں یا کسی منزل پہ...... ظہر کی اذان کا ابھی دُور دُور تک پتہ نہ تھا کہ حجرے کے باہر کچھ معمول سے زیادہ ہلچل سی محسوس ہوئی ابھی میں اس سے کچھ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک نوجوان اندر داخل ہُوا اور سیدھا شکرے کی مانند میرے پاؤں پہ جھپٹا۔ [illegible] پاؤں پڑتے ہی اُس نے پشتو میں کچھ واویلا کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے میں گھبرا سا گیا تھا' الٰہی! یہ نئی اُفتاد کہاں سے آ ٹپکی...... کندھے پہ ہاتھ ڈال کر بمشکل اُسے سیدھا کیا تو وہی وارسک والا میرا عقیدت مند میرے پاؤں دابنے والا ''لا میری مچھلی میرا اُمونا کا [illegible]'' فیم یونس خان تھا...... میں کئی لمحے اُس کے چہرے پہ نظریں گاڑے تکتا رہا۔

کچھ مقام اور معاملے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہاں زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں حرکات نہ سکنات' محض آنکھیں متکلم ہوتی ہیں...... بڑی خموشی اور دو ٹوک گفتگو' طرفین اک دُوجے کا مافی الضمیر خُوب سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ سوال اور جوابات سب کچھ...... مگر خموشیوں اور نگاہوں کی زباں سے...... وُہ شاید میری نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور نہ ہی اُس سے میرے اس سوال کا جواب بن پڑا کہ ''تم نے اپنے شاہ صیب کو ہی اغوا کرا دیا؟'' وہ گڑبڑا کر پھر میرے پاؤں میں گر گیا۔

''یونس خان! کیسے ہو؟ اُٹھو آرام سے بیٹھ کر بات کرو...... بتاؤ' شادی ہو گئی یا ابھی......!''

اُس نے اپنی دِگرگوں حالت پہ قابو پانے میں خاصا وقت لیا...... لگتا تھا وہ اپنے دل و دماغ میں بہت کچھ دبائے ہوئے ہے...... وہ پہلے سے کچھ بدلا ہُوا اور کھویا کھویا سا تھا۔ کچھ جرأت پکڑنے کے بعد اُس نے بتانا شروع کیا کہ کس طرح مچھلی ملی' اُس کے پیٹ سے حاصل ہونے والا سنگ دانہ' پشاور میں اپنے علاقہ والے جوہری کو دِکھانا۔ اُس کو فروخت کر کے واپس اپنے گاؤں پہنچنا اور پھر طے شُدہ رقم لے جا کر اپنے ہونے والے

سُسر سے ملاقات کر کے نکاح کی تاریخ کے لیے کہنا...... اور پھر اُس کا اعتراض ڈالنا کہ ثابت کرو کہ یہ رقم، تم نے جائز طریقہ سے حاصل کی ہے...... وہ پھر میرے پاؤں پکڑتے ہوئے گھگیایا۔

''شاہ صیب! خُدائے پاک کی قسم' نہ تو میری نیّت تھی اور نہ ہی مَیں نے خود دانستہ ایسا کیا...... مَیں نے بہت اُس کو سمجھایا' قسم کھایا کہ نہ تو مَیں نے چرس پوڈر بیچا ہے اور نہ کرائے کی قاتلی کی ہے۔ یہ پیسہ خُدائے پاک نے دیا ہے۔ میرے شاہ صیب کی دُعا سے...... لیکن وہ دیوث نہیں مانا اور بولا' یہ پیسے اُٹھا کر لے جاؤ' مَیں رشتہ نہیں دیتا۔ اَب شاہ صیب! مَیں نے مجبور ہو کر جرگہ بُلایا۔ جرگہ نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ اگر تم نے جائز طریقہ سے یہ رقم حاصل کیا ہے تو اُس کا ثبوت دینے میں کیا اعتراض ہے؟...... شاہ صیب! پھر مَیں نے ڈرتے ڈرتے آپ کا بتایا کہ آپ میرے پیر بابا ہیں۔ آپ نے اپنی کرامت اور دُعا سے مچھلی کے پیٹ سے مجھے جواہرات دلوایا ہے اور یہ بھی بتایا تھا...... حضرت یونس پیغمبر کی طرح میری مشکل کا حل بھی مچھلی تھا کہ مجھ مسکین کا نام بھی یونس خان ہے۔ شاہ صیب! اب مصیبت یہ پڑا کہ سب گاؤں قبیلہ والا میری حمایت میں ہو گیا۔ کہنے لگا کہ شاہ صیب کو اِدھر بلاؤ' ہم بھی اُن سے دُعا برکت لے گا۔ شاہ صیب! اِدھر تو علاقہ غیر ہے' پاکستان کا حکم قانون تو اِدھر نہیں چلتا اور نہ اِدھر کا اُدھر چلتا ہے...... مَیں بار بار اُن کو منع کرتا رہا مگر میری کسی نے نہیں سُنی...... آگے آگے وہی [illegible] کو اِدھر پہنچایا ہے۔ خُدائے پاک کی قسم' مَیں نے اِن کو بہت منع کیا' مگر وُہ......''

مَیں نے اُس کی رَواں بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''مَیں جانتا ہوں' تم میری فکر نہ کرو...... بولو' شادی کب ہو رہی ہے' لگتا ہے اللہ نے مجھے تمہاری شادی میں شرکت کے لیے یہاں بھیجا ہے۔''

وہ تو خوشی سے دیوانہ ہو گیا' اِک دَم چھلانگ لگا اُٹھا...... باہر برآمدے میں پہنچا' چادر اُتار پھینکی' بندوق سیدھی کی...... ڈز' ڈز' ڈز تین فائر نکالے' ساتھ باہر کھڑے لوگوں نے بھی یہی عمل دُہرایا...... میرا تو کلیجہ اُچھل آیا۔ مارے خوف' میری گھگی بندھ گئی...... یُوں محسوس جیسے دو متحارب گروہ میں فائرنگ ہو رہی ہے۔ باہر لوگوں کی حالت دیدنی تھی' جوش و خروش کا یہ عالم کہ اِک دُوجے کو مبارک سلامت ہو رہی ہے۔ پشتو میں گیت اور ڈھول پیپنی بھی شروع ہو گئی۔ مَیں حیراں کہ ان اللہ کے بندوں کو کیا ہو گیا ہے۔ معلوم ہُوا کہ وہ لوگ' یونس خان کی شادی میں میری شرکت کے سلسلہ میں خوشی کا اِظہار کر رہے ہیں۔

اِن ہنگاموں سے ذرا کی ذرا فرصت ملی تو یونس خان بڑے اَدب سے سر جھکائے اَندر داخل ہُوا۔

''شاہ صیب! اجازت ہو تو ہم کچھ دیر بعد اپنے گاؤں رَوانہ ہو جائیں۔ اِنشاءاللہ! شام سے پہلے پہلے اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔''

قارئین! بتاتا چلوں کہ ابھی تک مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ مَیں اغوا ہو کر کن ہاتھوں میں ہوں اور جدھر ایک دن رات سے پڑا ہُوا ہوں وہ لوگ کون ہیں...... نہ مَیں نے کسی سے پُوچھا اور نہ ہی مجھے کسی نے بتایا کہ ان تردّدات کا کوئی فائدہ بھی تو نہ تھا۔ اندیشۂ سود و زیاں نہ فکرِ امروز و فردا، تارِ نفس کا تناؤ نہ داد و دہش کا دباؤ۔ ٹھیک ہے، کائنات اور حیات کی بنیادی صداقتوں کی کھوج میں بھٹکنے والوں کے لیے شاید ضرور ٹھہرتا ہے کہ وُہ بالخصوص ان بشری کمزوریوں کے معاملہ میں بانجھ ہوں اور میری تو لکھتم کے آگے ہی ٹھکتم ہوتی ہے۔ مَیں اُسے کیا کہتا...... کہنا سُننا تو وہاں ہوتا ہے کہ جہاں یقین ہو کہ کائی کے ساتھ رائی جمے گی...... پٹھان بچّے کو کسی امر پہ قائل کرنا اور چماری کو چنبیلی کا تیل دے کر یاری پہ مائل کرنا بے نتیجہ ہوتا ہے...... مَیں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا...... یہیں مَیں نے جانا ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں......!

مَیں نے میدانوں، جنگلوں، صحراؤں، سمندروں اور دریاؤں کے علاوہ پہاڑوں میں بھی بے شمار سفر کیے ہیں۔ ہر خطّے کے سلسلے اپنے اپنے جغرافیائی اور موسمی مزاج کے مطابق ہوتے ہیں۔ علاقہ غیر کے یہ پہاڑی سلسلے اپنے محلِ وقوع، موسم، مزاج اور ہیئت کذائی کے حساب سے دُنیا میں منفرد ہیں۔ ان پہاڑوں میں پہاڑی جانوروں کی بجائے پٹھان ہوتے ہیں کہ جہاں جانور رہتے ہیں وہاں یہ رہتے ہیں...... اکثر پہاڑ بے برگ وبار [illegible] پہاڑوں، کھوؤں کے اندر اور [illegible] باہر ہوتے ہیں۔ زندگی کی ضرورتیں نہ ہونے کے برابر...... نہ جانے یہ محنت کوش لوگ کس طرح سے اپنی بقا قائم رکھتے ہیں۔ تنگ راستے، درّے جدھر صرف گھوڑے گدھے یا خچر ہی آ جا سکتے ہیں۔

اَب ہماری سفر میں چند اور لوگ بھی شامل تھے جن میں یونس خان بھی تھا...... صحراؤں میں سفر کرنے والے جانتے ہیں کہ منزل پہ پہنچنے سے پہلے ہی اُدھر خبر ہو جاتی ہے کہ کوئی قافلہ یا مسافر اِدھر پہنچ رہا ہے۔ پہاڑوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہوائیں، فضائیں، موسم اور پرندے پہلے ہی اطلاع دے دیتے ہیں۔

یہی اِدھر بھی ہُوا، ابھی ہم خاصا دُور تھے کہ بہت سے پیر و جواں ہمارے استقبال کے لیے ایک پہاڑی کی گھاٹی میں موجود تھے۔ اُنہوں نے آگے بڑھ کر لپک لپک ہمارے گھوڑوں خچروں کی لگامیں تھام لی تھیں۔ چونکہ مَیں ایک نمایاں خچر پہ تھا، شکل و صورت لباس سے بھی پٹھان دکھائی نہ دیتا تھا۔ اُنہوں نے شاہ صیب، شاہ صیب کے نعرے لگاتے ہوئے میری دست بُوسی شروع کر دی...... ہم ایک بارات کی طرح بستی میں داخل ہوئے جو خاصے گھروں، ایک وسیع سے حجرے اور ایک خوبصورت مسجد پہ مشتمل تھی۔ گاؤں کے مکین قدرے آسودہ خوشحال سے دکھائی پڑے۔ پانچ گھنٹے کے لگاتار پہاڑی سفر نے انجر پنجر ہلا کر رکھ دیے ہوئے تھے۔ حجرے میں اُترتے ہی مَیں اپنے لیے مخصوص بستر پہ ڈھے گیا۔

حواس بحال ہوئے تو اگلے روز میں نے یونس خان کو تخلیہ میں بُلا کر پوچھا۔

"عزیزِ من! اب آپ کے کیا ارادے ہیں......؟"

جواب میں بتانے لگا۔ "آج عصر کی نماز کے بعد میرا ہونے والا سُسر' آپ کی زیارت کے لیے آنے والا ہے۔ اصل مقصد اُس کا یہ تصدیق کرنا ہے کہ میرے پاس جو رقم ہے وہ جائز ہے اور آپ اس کے گواہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے' مجھے یہ کہنے میں کوئی اعتراض نہیں......"

سارا دن مصافحہ' زیارت اور دُعائیں چلتی رہیں۔ یہاں کے لوگ حیران تھے کہ میں کوئی تعویذ گنڈا اور پھونک پھونکیا کیوں نہیں کرتا...... چھوٹے بچوں کی بیماریوں کے تعویذ مانگنے والوں کی بہتات تھی۔ بوڑھے حج کے لیے آسانی کی دُعاؤں کے طلبگار' جوان طبقہ شادی کی رقم کے لیے میری کرامت کے خواہاں تھے۔ یونس خان کی طرح ہر جوان کی خواہش تھی کہ وہ میری خدمت میں مٹھی چاپی کر کے اپنی شادی کا بندوبست کروائیں۔ یہ صورت حال میرے لیے بڑی خطرناک تھی۔ یونس خان والا تُکا اب ہر جگہ تو نہیں لگ سکتا تھا...... میں من ہی من میں دُعا مانگ رہا تھا...... "اے پٹھانوں' پنجابیوں کے بھی مالک اب میری "عزت سادات" ترے ہاتھ میں ہے۔ پولیس' وکیلوں' ڈاکٹروں کی طرح پٹھانوں کی عقیدت اچھی' نہ ان کی بدعقیدت اچھی......"

ظہر [illegible] کچھ زیادہ دُور نہ تھا...... میری تواضع و نذر کے لیے دو پختہ بھیڑ کے بچے ساتھ لایا...... بڑا لمبا چوڑا اور دبنگ پٹھان تھا' اُسے دیکھ کر سمجھ میں آیا کہ علاقے کا یونس خان کے ساتھ پھڈا ڈالنا بنتا تھا...... بہرحال وُہ احترام و عزت سے پیش آیا اور اس رقم والے معاملے میں تصدیق چاہی...... میں نے من و عن سارا قصہ اُس کے سامنے رکھ دیا اور یونس خان کی تعریف کرتے ہوئے مزید کہا کہ تمہاری بیٹی [illegible] بہت خوش رکھے گی...... اسی قسم کی اور بھی بہت باتیں ہوئیں...... اللہ کا شکر کہ وہ مطمئن ہو گیا اور مجھ سے بہت سے معاملات میں دُعا برکتوں کا متمنی ہُوا...... اب آخری شرط جو رکھی اُسے سُن کر میں پریشان ہو گیا...... شرط یہ تھی کہ آپ خُود نکاح پڑھائیں گے اور شادی کی تمام رسومات میں بھرپور شرکت کریں گے...... شادی کی جو تاریخ رکھی گئی وُہ پورے ایک ماہ کی تھی۔ میں نے شرکت کا وعدہ کر لیا مگر ایک شرط کے ساتھ...... میں پنجاب اپنے گھر جاؤں گا' شادی سے کچھ دن پیشتر میں وارسک میں موجود ہوں گا۔ وہاں سے آپ مجھے دوبارہ اغواء کر کے یہاں لے آئیں۔ وجہ یہ بتائی کہ یونس خان یتیم بچہ ہے اس کی شادی کی تکمیل میں چونکہ میں بھی زبردستی شامل کر لیا گیا ہوں اس لیے اس کے سرپرست کی حیثیت سے اس کی شادی میں روایتی انداز سے شرکت کروں گا۔ اس کی عروس اور اس کے لیے کپڑے' تحفے لے کر آؤں گا۔ بات معقول اور دلیل سے تھی' اس لیے سب کے لیے قابلِ قبول ہوگئی۔

قارئین! میں نے یہ سارا ڈرامہ' ان سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا تھا۔ مجھے ساری عمر بھی اگر وُہ

وہاں اپنے پاس رکھتے' مجھے کچھ فرق نہ پڑتا تھا۔ مَیں صرف اُن کی اندھی عقیدت اور اپنے دو نمبر ''شاہ صیب'' ہونے سے ڈرتا تھا۔

انسان کچھ بھی کرلے مگر دین کے نام پہ فراڈ نہ کرے...... اللہ نے مجھے اور اُنہیں بچنے کی توفیق فرمائی۔ وہاں سے رُخصت ہونے سے پہلے مَیں نے چیدہ چیدہ لوگوں کو حُجرے میں بلایا اور کم وکاست بغیر' تمام اپنی کہانی سُنائی کہ کس طرح میرے دوستوں نے مجھے نوکری اور اپنے ٹُور بنانے کی خاطر وہاں شاہ صیب بنا کر پیش کیا...... ویسے مَیں خُود بھی ایسا ہی جھوٹا' مکّار اور فراڈیہ سا تھا۔ اپنے مطلب کی بَراوری کے لیے مَیں سو بھیس بدل لیتا تھا۔ پھر مَیں نے اُنہیں' پیٹ خرابی کے سلسلہ میں' آواز بدلنے کا قِصہ سنایا...... مچھلی والی بھی جان چُھڑاؤ سٹوری سُنائی۔ غرضیکہ اپنے پیٹ پہ سے سارے پَردے اُٹھا دیے...... کسی انجام کی پَروا کیئے بغیر' پچھلے اگلے سارے فراڈ' جُھوٹ' ٹھگ بازیاں' چکر بازیاں' [illegible] موٹے اور سوجھ لگانا وغیرہ پورے سیاق وسباق سے گوش گزار کر دیے۔ یہ بھی بتا دیا کہ میں آدھا شیروانی پٹھان اور باقی سَتّی کُمہار ہوں۔ ہمارے آباء واَجداد بھی افغانستان سے سیالکوٹ آئے تھے اور میری تعلیم زیرو بٹا زیرو ہے...... مقصد سب اجمال بیان کرنے کا تھا۔ یہ سیدھے سادے اللہ کے بندے میرے بارے میں کسی خُوش فہمی میں پڑ کر نہ خود خراب ہوں اور نہ مجھے [illegible] بات کا یقین نہ کیا بلکہ سارے اقبالِ جرم کو میری ملامتی کسرِ نفسی اور جان چُھڑاؤ حکمتِ عملی تصور کیا......!

جب مجھے بڑے پروٹول سے وارسک میں پہنچایا گیا تو کیمپ والوں کی تو آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔ اوّل تو علاقہ غیر سے کسی [illegible] کی واپسی ہی نہیں ہوتی اور اگر ہوتی ہے تو یوں تحفوں اور عزت وقار سے نہیں ہوتی۔ یوں میری واپسی بھی ''عذرا کی واپسی'' [illegible] کر پُراسراری حیثیت اختیار کر گئی تھی جو میرے لیے مزید پریشانی کا سبب بنی کہ مَیں وہاں پہلے سے ہی اُدھر کے توہم پسند' قدامت پرست لوگوں میں گھرا ہوا تھا...... پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ پٹھان اپنے اور دوسرے کے عہد کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وُہ مسلمان' انسان' مرد اور پٹھان ہو ہی نہیں سکتا جو اپنے وعدے کا پاس نہ کر سکتا ہو۔ اِسی طرح کا مَیں بھی شادی میں شرکت کا ایک وعدہ کر کے آیا تھا...... اصل مقصد تو یہی تھا کہ یونس خان کی کسی نہ کسی طرح شادی سرانجام پا جائے۔ جس کی وجہ سے یہ سارے ذلدر پیدا ہوئے تھے اور یہ بھی طے ہے کہ جو بھلا کام' جس کے ہاتھوں انجام پذیر ہونا لکھا ہوتا ہے وُہ اُسی کے ہاتھوں ہو کر رہتا ہے۔

وقت مقررہ پہ وعدہ کے مطابق مَیں وہاں پہنچ گیا تھا اور وہ لوگ بھی پہلے سے وہاں پہ موجود تھے۔ اس بار یُوں محسوس ہُوا کہ مَیں اغواء ہو کر نہیں بارضا و رغبت اپنے دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ آدھی رات کا وقت' جب ایک مخصوص پوائنٹ سے باڑھ پھلانگی تو اُس پار تین چار اغواء کنندگان کی بجائے بیس پچیس اسلحہ بردار

پٹھانوں کا جیش' میرے استقبال کے لیے موجود تھا۔ یہ تو کچھ سفر طے کر لینے کے بعد معلوم ہُوا کہ دو چار کو چھوڑ کے باقی تمام شادیوں کے اُمیدوار تھے جنہیں شادی کے مصارف اور مطالبہ کی رقم کی ضرورت تھی اور یہ سب کچھ وہاں رہ کر جائز طریقہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ میری شکل میں اُنہیں بھی شادی والا لوٹا گیلا ہونے کی کوئی صورت دِکھائی دے رہی تھی۔ اَب یہ حالت کہ یونس خان کی شادی کی تیاریاں زوروں پہ ہیں اور اِدھر اِن نا کتخداؤں جوانوں کی خدمات بھی عروج پہ ہیں۔ دِن رات میری ناز برداریوں میں جُتے ہوئے ہیں...... کوئی پاؤں داب رہا ہے' کوئی پشتو کے گیت سُنا رہا ہے۔ الغوزہ بج رہا ہے تو کہیں چنگ و رباب سُریں بکھیر رہے ہیں...... تلواروں و انگاروں پہ رقص...... ہر جوان مجھ کسی تعویذ' کرامت کا طلبگار جبکہ میری مصیبت کہ میں اُنہیں اُردو میں ہی سمجھا سکتا تھا۔ وہ ہاں ہاں کرتے رہتے مگر کسی کے پلّے کچھ نہ پڑتا۔ اُدھر وہ پشتون مِلی جُلی فارسی اُردو میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتے اور میں بھی انہیں یہی تاثر دیتا کہ میں اُن کی بات خوب سمجھ رہا ہوں جبکہ بات ایک ہی تھی جو میں پہلے ہی سمجھ گیا ہُوا تھا کہ وہ شادی چاہتے ہیں جو ڈھیروں روپوں کے بغیر ممکن نہیں اور وہ روپے حاصل کرنے کی سچی جھوٹی اُمید مجھ سے لگائے ہوئے ہیں۔ ''لا میری مچھلی میرا مونگا موتی'' والا وظیفہ ہر جوان کو زبانی ازبر ہو چکا تھا...... وہاں پہاڑوں میں سیلابی برساتی ندی نالے تو تھے مگر باقاعدہ کوئی دریا وریا نہیں [illegible] کانٹے پہ لگا کر چھوٹے موٹے برساتی پانی کے ذخیروں میں کسی مونگے موتی والی مچھلی کو پکڑنے کی کوشش کی مگر وہاں تو مینڈک بھی نہ تھے مچھلی کہاں سے آتی۔''

شادی سے فراغت ہوئی تو میں فوری واپسی کی کوئی مؤثر سی ترکیب سوچنے لگا کیونکہ میں شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ شادی اور اس کے لیے دولت حاصل کرنے کے [illegible] جوانوں کی تعداد اور ذوق و شوق میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اسی نسبت میرے خدشات میں برکت پڑتی جا رہی ہے...... ایسے ہی ایک نشست میں نسبتاً کچھ معقول سے ایک جوان نے' جو اُردو میں بھی شُد بُد رکھتا تھا۔ مجھ سے پوچھا۔

''شاہ صیب! جس علاقہ میں دریا اور مچھلی نہ ہو...... وہاں ''لا میری مچھلی میرا مونگا موتی'' والا وظیفہ کیسے کام کرے گا...... آپ کے پاس اس کا کیا جوڑ توڑ ہے؟''

میں نے اک حیران سی ساعت میں اس کا سوال سُنا اور سوچنے لگا کہ اس کا کون سا معقول جواب ہو سکتا ہے جو ہو بھی صائب' اس کو بھی مطمئن کرے اور مجھے بھی کسی مزید مصیبت میں مبتلا ہونے سے بچا لے...... دِماغ کی گراریاں' گڑ گڑ چل رہی تھیں...... میرا معمول رہا جب کسی سوال کا کوئی معقول جواب یا کسی مسئلہ کا صحیح حل مجھے نہ سُوجھے تو میں دِماغ اور نُطق کو مینوئل سے آٹومیٹک پہ لگا دیتا ہوں...... اس طرح یہ ٹوٹکہ مجھے فضول قسم کی ذہنی اتھل پتھل سے محفوظ رکھتا ہے...... آٹو لگاتے ہی کھٹ مُنہ سے نکلا۔

''لا میرے بندر سلاجیت کا کھندر'' کا وظیفہ کرنا چاہیے۔

یہ شبد کیسے میرے ذہن میں آئے اور میں نے کیونکر انہیں ادا کیا' یہ میری سمجھ میں نہ آیا۔ پر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ بہت بعد میں معلوم ہُوا' یہ جوان سلاجیت کے کاروبار میں بہت کامیاب رہا اور لاکھوں میں کھیلا اور بھی کئی واقعات ایسے جن سے معلوم ہُوا جب کوئی معاملہ بننے پہ آتا ہے تو پھر یہ نہیں ہوتا کہ وسائل کیسے ہیں۔ عقل اُسے مانتی ہے یا نہیں' بس بہانہ بنتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کچھ بگڑنے پہ آتا ہے تو سو فیصد بنا بنایا کام ایسی کروٹ لیتا ہے کہ چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہاں بھی عقل سوچتی رہ جاتی ہے کہ یوں کیونکر ہُوا؟

جے جے کار' جے پور کی...... جدھر فتح خان کو راجہ دھنپت رائے نے اپنے چندن دیول بھون' درگا مائی کے مندر میں اپنی خاص پُوجا سے' اُن سات سرکردہ منشوں میں شامل کیا۔ جو راجہ کے انتہائی وفادار ہوتے اور جنہیں راج پاٹ کا مان پرمان جانا جاتا ہے۔ راجہ انہیں اپنا انگ سنگ سمجھتا...... پُوجا ڈنڈوت سے یہ سات منش راجہ کو سات مختلف انمول رتن بھینٹ کرتے' جنہیں راجہ' مندر کے خاص سیوکوں میں دان کر دیتا...... پھر اگر کوئی انہیں خریدنا چاہتا تو مول دے کر حاصل کر لیتا...... ان سات منشوں نے جو رتن پیش کرنے ہوتے اُن کا فیصلہ خود راجہ کرتا...... فتح خان کو اس تقریب میں پہلی مرتبہ شامل کیا گیا تھا جو اس اَمر کا ثبوت تھا کہ راجہ نے اسے ہر طور سویکا [illegible] نے کو کہا گیا جو آج سے پہلے کبھی کسی نے پیش نہ کیا تھا...... اَبابیل کا آنسو......!

قارئین! وہی اَبابیل کا آنسو ہے جس کا تفصیل سے ذکر ''پیا رنگ کالا'' میں ہو چکا ہے۔ جس کی تلاش میں میں اِک زمانہ در بدر رہا...... یہ نادر و نایاب نگینہ نہ ملے تو شہنشاہوں کے خزینوں میں نہ ملے اور اگر دیکھنے اور ملنے کو آئے تو جے پور کی [illegible] عشرت جہاں بہو کے ناک کی تیلی میں دکھائی دے جائے...... پچھلی اور اس سے پچھلی حکایت میں یہی ذکر ہُوا کہ جواہرات' سمندروں' پہاڑوں' میدانوں اور دریاؤں سے ہی دستیاب نہیں ہوتے...... یہ درختوں' چوپایوں' مچھلیوں' مینڈکوں' چھپکلیوں' بچھوؤں' سانپوں' شکروں' عقابوں کے معدوں' گھونسلوں اور اُن کی بیٹوں سے بھی دستیاب ہوتے ہیں اور تو اور کھٹی میٹھی ترش اور شیریں پھلوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ کہیں بلبلوں اور قمریوں کی آنتوں بیٹوں سے بھی جواہرات برآمد ہوتے دیکھے ہیں۔ بہشتی اثمار میں انگور' انار' انجیر' زیتون' کھجور وغیرہ' آپ غور کریں تو ان کی اشکال مختلف جواہرات سے مشابہ ہیں یعنی اس کارزارِ رنگ و سنگ میں جب بھی کوئی جواہر تراشا جاتا ہے تو اُسے اُس کے حجم' وزن' رنگ و روپ کے تحت کسی نہ کسی ثمر کی صورت پہ ڈھالا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے بہشتی اثمار کی تخلیق میں جواہرات کی وضع قطع کو بھی ملحوظ رکھا ہے...... قارئین! اب تک کی کتھا تمام ہوئی

(باب دوئم تمام ہُوا)

[illegible] بابا صاحبا

- درویشی فقیری ...... اس کے کتنے روپ اور کیسے کیسے انگ رنگ ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کسی کے ہاں اس کی تعریف کچھ اور ہے ریاضت ومجاہدات کو درویشی گردانتا ہے۔ کوئی مست الست ہو کر منشیات میں فقیری تلاش کرتا ہے۔ میں نے جانا کہ یہ جہاں گردی کی دین ہے۔ یہ قیاس وقیافہ ہے قیاس بھی درویشی ’قیافہ‘ بھی فقیری۔ جہاں گردی کی دین‘ جہاں بانی وجہاں گیری ...... جہاں بینی وجہاں نوردی ...... ہر لحظہ نیا طور نئی برق وتجلی ...... ہر گوشۂ گمان میں گم گشتگی ......!

- فرمانِ سعدیہ ہے کہ درویش ...... سورج‘ بادل‘ ہوا اور زمین کی مانند ہوتا ہے۔ وہ کاسۂ درویش افلاک ہے۔ وہ قلزمِ جستجوئے ادراک ہے ...... وہ ابرِ صبر نمناک ہے ...... وہ جنت میں بھی طاق ہے۔ وہ اک شعلۂ بے باک‘ وہ جھلستا ہوا آفاق ہے‘ وہ گریبان صد چاک ہے ...... راکھ اور کبھی خاک ہے۔ یہ پُراسرار بندے کیا نہیں ہوتے؟ ...... یہ لوگ سناں پہ تجلی بٹھانے والے ...... سرِ مژگاں غزل سجانے والے یہ آہ وفغاں سے کترانے والے ...... یہ انالحق سنانے والے۔ یہ فنا ہو جانے والے [illegible] کیا ہوتا ہے

- صادق اظہار لوگ کہتے ہیں۔ کہیں بہت جاننا بھی وجہ خرابی ہے ...... اور کہیں کم جاننا عیب ٹھہرتا ہے۔ کہیں عقل عیار ہے تو کہیں عقل ودانش محترم ومعتبر ...... کہیں حجاب بے حجابی کی ذیل میں آتا ہے اور کہیں نقاب کی اوٹ میں نقاب ہی آنکھیں کتنے حجابوں کی پردہ پوشی [illegible] ...... دونوں کی کاٹ کیسی بے حجاب ہوتی ہے۔ شمشیر کی آب اور درویش کی نگاہ کی تاب کے مقابل گردن ہے نہ گردوں ...... سست کیکڑے مرتبان میں ہی رہتے ہیں مگر کہنے والے سچ بات ہی کہتے ہیں۔ ممولوں کے بلوں کی مٹی بھربھری ہوتی ہے۔ جو نہ جھک کی نہ تھاگ کی ...... مگر درویشوں‘ عقابوں کے گھونسلوں ٹھکانوں میں خارِ مغیلاں کے اُستر بستر ہوتے ہیں‘ جو تلووں میں کسی کے پاؤں کی پازیب بھی اور کسی شانہ بدوش دار کے سر کا تاج بھی ......!

الٰہی! یہ کن لوگوں کے گھر ہوتے ہیں ......؟

اس صحیفہ میں اَزمنۂ قریب و قدیم کے بہت سے پُراَسرار واقعات و حالات درج ہیں...... کچھ کا تعلق تاریخ و تمدّن اور کچھ کا سلسلہ اس دَور کی طرزِ معاشرت' ثقافت اور تصوّف و رُوحانیت سے جُڑا ہُوا ہے...... تاریخ کا حصّہ ایسے واقعات و حالات بنتے ہیں جن کے ڈانڈے عوام الناس' جغرافیائی اور سیاسی' سماجی معاملات سے جُڑے ہوئے اور اظہر من الشمس ہوتے ہیں...... صدیوں پُرانے اَسرار' و واقعات جن کا واسطہ ذاتیات یا کسی مخصوص مقصد سے ہوتا ہے وہ سَربستہ ہی رہتے ہیں اور وقت زمانے کی زَد میں آئے بغیر' عہدِ رفتہ کا حصّہ بن کر اساطیر میں ڈھل جاتے ہیں۔ اُصولِ کائنات کے تحت جب کبھی رَدّ و بدل [illegible] متصادم کا ظہور ہوتا ہے تو پھر بہت سے [illegible] اسرار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ جیسے پہاڑوں کی آتش فشانی' دریاؤں سمندروں کے سیلاب و طوفان...... ارضی جھٹکے زلزلے' آندھیاں' جھکّڑ' آسمانی بجلیاں دھماکے وغیرہ اپنے اندر بے شمار رَمز شناسی اسرار رکھتے ہیں...... انسان کے لئے نت نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔ ارض و آفاق' بحر و بر نے اپنے بطون میں جو کچھ چھپایا ہوا ہے یہ سب کچھ جنوں اور انسانوں کے لئے ہے' قدسیوں کے کام کی یہ چیزیں نہیں ہیں...... اَب ان انسانوں میں کچھ مخصوص بندے بھی ہوتے ہیں یہ بندے خاص اس لئے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ وہبی علوم' مابعد الطبیعاتی حسّیں اور چشمِ بینا ہوتی ہے۔ گُزرا ہُوا' موجودہ اور آنے والا وقت زمانہ ان سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ اُن کے مزاج اور انداز سمجھتے ہیں۔ غیر مروجہ مُردہ زبانیں' لوحیں' حرف و نقش' اُن کے رُوبرو لب کُشا ہوتے ہیں۔ روزِ نزول سے روزِ نشور تک کی ایک ایک ساعت' مخلوق کی ہر حرکت و نُطق کی ایک ایک جنبش تک رسائی اور آشنائی ہوتی ہے۔

Rs. 2000.00

www.sang-e-meel.com
ISBN-10:969-35-2288-3
ISBN-13:978-969-35-2288-4
9789693522884
www.sang-e-meel.net